التشریح الوافی

شرح اردو

مختصر القدوری

مؤلف

مولانا نصیب اللہ (ابن الحاج عبدالصمد مالیزی نوراللہ مرقدہ)

مکتبۃ الارشد کوئٹہ

0301-3725288,0313-8895104

التشریح الوافی

شرح اُردو

مختصر القدوری

مؤلف

مولانا نصیب اللہ (ابن الحاج عبد الصمد نور اللہ مرقدہ)

ناشر

مکتبۃ الارشد کوئٹہ 03138895104

03013725288

نام کتاب.................التشریح الوافی شرح اُردو مختصر القدوری

مرتب.................مولانا نصیب اللہ (ابن الحاج عبدالصمد مالیزئی نوراللہ مرقدہ)

03003864653

ناشر.................مکتبۃ الارشد کوئٹہ

03138895104

03013725288

﴿......ملنے کے پتے......﴾

مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ۔

مکتبۃ العرفان کانسی روڈ کوئٹہ

مکتبہ اشرفیہ کانسی روڈ کوئٹہ

مکتبہ علمیہ کانسی روڈ کوئٹہ

ادارۃ الاشرف پشین

مکتبہ ندوہ اردو بازار کراچی

مکتبہ عمر فاروق ۴/۱۹۱ شاہ فیصل کالونی کراچی

کتب خانہ اشرفیہ اردو بازار کراچی

اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن کراچی

مکتبہ امدادیہ ملتان

مکتبۃ العارفی فیصل آباد

مکتبۃ الاحسان بنوں

دارالاخلاص پشاور

مکتبہ عمر فاروق پشاور

مکتبہ صدیقیہ مینگورہ سوات

مکتبہ علمیہ اکوڑہ خٹک

مکتبہ رشیدیہ اکوڑہ خٹک

مکتبہ دیوبند کوہاٹ

مکتبہ رشیدیہ شیش محل روڈ لاہور

اسلامی کتب خانہ لاہور

مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور

برکی کتب خانہ ڈیرہ اسماعیل خان

مکتبہ بنوری ٹانک

مکتبۃ البرہان ٹانک

رائے گرامی استاذنا واستاذالعلماء حضرت مولانامحمد زیب صاحب دامت برکاتہم استاذالحدیث بجامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وحدہ والصلوۃ والسلام علی من لانبیّ بعدہ اما بعد۔علوم دینیہ شرعیہ میں جومنزلت فقہ کوحاصل ہے وہ کسی علم کوحاصل نہیں فقہ درحقیقت قرآن وحدیث ودین اسلام کاوہ اعلیٰ ترین حصہ ہے جس کاتعلق انسان کی اس زندگی سے ہے جس کے ذریعہ نجات کی توقع ہوتی ہے اوراللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا بہترین ذریعہ ہے اس لئے فقہ کی اعلیٰ ترین تعریف وہی ہے جوحضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمائی ہے ''الفقہ معرفۃ النفس مالھاوماعلیھا''اس تعریف سے فقہ کی حقیقت اوراس کی اہمیت ظاہر ہوجاتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان ان تمام کاموں کوسمجھ لے جن کاکرنااس کے لئے ضروری ہے اوران تمام کاموں کوسمجھ لے جن سے بچنااس کے لئے ضروری ہے۔قرآن کریم نے اس حقیقت کوایک ہی لفظ میں بتلادیا ہے وہ ہے ''لیتفقھوافی الدین''اورحدیث شریف میں بھی یہی لفظ اسی معنیٰ کے لئے آیا ہے ''من یُرِدِاللّٰہ بہ خیرایُفَقِّھْہُ فی الدین''۔

قرآن وحدیث میں لفظ تفقہ اختیارفرماکراس طرف اشارہ کردیاکہ علم دین کامحض پڑھ لیناکافی نہیں وہ توبہت سے کافر،یہودی نصرانی بھی پڑھتے ہیں اورشیطان کوسب سے زیادہ حاصل ہے بلکہ دین کی سمجھ بوجھ یہ ہے کہ وہ یہ سمجھے کہ اس کے ہرقول وفعل اورحرکت وسکون کاآخرت میں اس سے حساب لیاجائیگااس کواس دنیامیں کس طرح رہناچاہئے دراصل اسی فکرکانام (فقہ)دین کی سمجھ بوجھ ہے آج کل جوعلم فقہ مسائل جزئیہ کے علم کوکہاجاتاہے یہ بعدکی اصطلاح ہے قرآن وسنت میں فقہ کی حقیقت وہی ہے جوامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے بیان فرمائی ہے پس معلوم ہواکہ اگرکسی شخص نے دین کی کتابیں سب پڑھ ڈالیں مگریہ سمجھ بوجھ پیدانہ کی وہ قرآن وسنت کی اصطلاح میں عالم نہیں۔

بہرحال فقہ ہی وہ علم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بھی اسی کی قدرہے اوربندوں کوبھی اس کی ضرورت ہے دنیامیں فقہ ہی علم دین ہے جس کی ضرورت ہروقت پڑتی رہتی ہے فقیہ ہی عالم دین ہے۔عربی زبان میں تواس علم کے اتنے ذخائرجمع ہوگئے ہیں کہ عقل حیران ہوتی ہے لیکن اردوزبان کادامن ابھی ان جواہرات وخزانوں سے خالی ہے اگرچہ فتاوٰی کے مجموعے پربہت ذخیرہ آگیاہے اورمزیدکام تشنگی کوختم کرنے کے لئے مختلف اداروں میں ہورہاہے تراجم اورشروح وغیرہ پربھی کافی کام ہواہے اورمزیدجاری ہے۔

حضرت مولانانصیب اللہ صاحب نے ''مختصر القدوری''پرشرح لکھی ہے جس کانام ''التشریح الوالی فی حل مختصر القدوری''رکھاہے بطورنمونہ مختلف ابواب سے صرف نوصفحے تقریظ لکھنے کے لئے ارسال فرمائے ہیں۔ان مختلف ابواب کے مطالعہ سے معلوم ہوتاہے کہ موصوف نے نہایت عمدہ شگفتہ سلیس اردوزبان میں ترجمہ اورتشریح کی ہے۔اللہ تعالیٰ موصوف کی خدمت قبول فرمائے اوردینی مدارس کے طلباء کواس سے عظیم فائدہ پہنچائے اوراللہ تعالیٰ کے ہاں خلعت قبول سے سرفرازی مؤلف اورمؤلف دونوں کونصیب فرمائے۔

وصلّی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

محمدزیب عفی عنہ استاذحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی۔۳/۳/۱۴۲۸ھ

رائے گرامی استاذالعلماء حضرت مولانا عبد القادر مینگل صاحب دامت برکاتہم شیخ الحدیث جامعہ قاسمیہ دیہ کوئٹہ

باسمہ تعالیٰ

حامداً و مصلیاً امابعد:۔ بندہ نے "التشریح الوافی شرح المختصر القدوری" کے متعدد مقامات ،طہارت، بیوع، وصایا بنظر غائر دیکھا بہت مفید و سہل، عام فہم پایا۔ خاص کر اس کے اندر جو اسلوب بیان ملحوظ رکھا گیا ہے وہ بہت عمدہ ہے۔ انشاء اللہ اساتذہ و مدرسین کے لئے سلسلہ تدریس میں معین و نافع ثابت ہوگی۔ ذات باری تعالیٰ سے التماس ہے کہ اس شرح کو اپنے دربار میں شرف قبولیت عطاء فرمادے اور مؤلف کیلئے صدقہ جاریہ بنادے۔ فقط

بندہ ابوعبید عبد القادر شیخ الحدیث جامعہ قاسمیہ ارباب غلام علی روڈ دیہ کوئٹہ

عرضِ حال

درس کے ابتدائی سالوں میں کئی مرتبہ فقہ حنفی کا مشہور متن "مختصر القدوری" پڑھانے کی نوبت آئی ہر بار یہ محسوس کیا کہ اس مقبول ترین متن کی اردو زبان میں ایک ایسی شرح ہونی چاہئے جس میں ہر مسئلہ پر مختصر تبصرہ کیا گیا ہوتا کہ مبتدی طلبہ اس سے پوری طرح استفادہ کر سکے مگر بندہ کے خیال میں اس طرح شرح اس وقت موجود نہیں تھی۔ اپنی کم مائیگی کی وجہ سے خود بھی اس کام کے لئے ہمت نہ کر سکا۔ سال ۱۴۲۲ھ میں جامعہ اسلامیہ بحر العلوم سریاب کسٹم میں ایک بار پھر اس کتاب کے پڑھانے کی نوبت آئی تو بندہ نے مستقبل کی سہولت کی غرض سے اپنے اسباق کو ضبط کرلیا۔ دوران درس یہ کوشش رہی کہ ہر مسئلہ پر مختصر دلیل بھی موجود ہو۔

پھر کچھ عرصہ پہلے یہ ضبط شدہ تقریر برادر محترم مولانا عبد اللطیف صاحب مدرس مدرسہ قاسم العلوم جنگل پیر علیزئی قلعہ عبد اللہ اور برادرِ محترم مولانا عبد الرحمان صاحب مدرس جامعہ بحر العلوم کوئٹہ کے مطالعہ میں رہی تو انہوں نے افادۂ عام کے لئے اس کے طبع کرانے پر اصرار کیا جس کی وجہ سے بندہ کی بھی ہمت بندھ گئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے طباعت کا بندوبست فرمالیا۔

چونکہ اس کتاب کا وہ حصہ جو معاملات سے متعلق ہے زرا مشکل تھا اس لئے ابتداءً اسی حصہ کے حل کے لئے فوائد کی شکل میں مختصر مضمون ضبط کرلیا بعد میں جب اسے طبع کرانے کا ارادہ کیا تو برائے تکمیل کتاب ابتدائی حصہ پر بھی مختصر مضمون لکھا۔

بندہ نے کچھ اردو اور عربی شروحات اور لغت کی کتابوں سے استفادہ کیا ہے مگر چونکہ بنیادی طور پر یہ درسی مضمون ہے اور دوران درس ہی لکھا گیا ہے لہذا فرصت کی کمی کی وجہ سے کما حقہٗ اہتمام شاید نہ کیا گیا ہو اس لئے مضمون میں غلطیاں ضرور ہونگی بناء برآں قارئین حضرات سے گذارش ہے کہ "الدین النصیحۃ" کو ملحوظ فرماتے ہوئے بندہ کو غلطیوں کے بارے میں ضرور آگاہ فرمائینگے تا کہ اسکی اصلاح کی جاسکے۔

نوٹ:۔ یہ یاد رہے کہ مختلف فیہ مسائل میں جہاں کسی ایک قول کو راجح قرار دیا ہے اس میں اکثر "القول الراجح" پر اعتماد کیا ہے جو مولانا مفتی غلام قادر صاحب دامت برکاتہم (مفتی دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک) کی تصنیف ہے۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

نصیب اللہ عفا اللہ عنہ مدرس جامعہ اسلامیہ بحر العلوم سریاب کسٹم کوئٹہ

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرستِ مضامین

فہرست مضامین

فہرستِ مضامین

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مقدمه

فقه کی لغوی تحقیق اور وجه تسمیه :۔لغت میں فقہ فہم، سمجھداری اور ذہانت کو کہتے ہیں اور فقیہ ذہین اور سمجھدار شخص کو کہا جاتا ہے لفظِ فقہ باب سمع سے بمعنی سمجھنے کے آتا ہے کَمَا فِي كَلَامِ اللّٰهِ تَعَالٰى ﴿يَاشُعَيْبُ مَانَفْقَهُ كَثِيْرًا مِمَّاتَقُوْلُ﴾ اس وقت فقہ کو فقہ کہنے کی وجہ یہ ہوگی کہ فقہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے احکام سمجھے جاتے ہیں اور ہر سمجھنے والے کو بصیغۂ فاعل، فقیہ، کہتے ہیں۔

اور لفظِ فقہ باب کرم سے بمعنی جاننے کے آتا ہے اور باب فتح سے پھاڑنے کے معنی میں آتا ہے چونکہ فقہاء مسائل کی چادر کو پھاڑ کر تحقیق کرکے احکام کا استنباط واستخراج کرتے ہیں اسلئے ان کو فقہاء کہتے ہیں۔

فقه کی اصطلاحی تعریف :۔فقہ کی اصطلاحی تعریف مختلف ادوار میں مختلف رہی ہے۔امام غزالی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ عہدِ اُولیٰ میں فقہ کا لفظی مفہوم خاص حد تک محدود نہیں تھا جیسا کہ آج کل محض نکاح وطلاق اور بیع ومیراث کی تفصیلات جاننے کو فقہ کہا جاتا ہے بلکہ اس وقت راہ آخرت کے علم، آفاتِ نفسانی، اعمال کی خرابیوں کے اسباب اور ان کی وجوہات کو جاننے اور معلوم کرنے، دنیا کو حقیر اور آخرت کو بڑی شئی سمجھنے، خوفِ خدا کا دل پر غالب آنے کا نام فقہ تھا۔اسی لئے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فقہ کی تعریف یوں کی ہے ''هُوَ مَعْرِفَةُ النَّفْسِ مَالَهَا وَمَاعَلَيْهَا'' (یعنی نفس کا ان چیزوں کو جاننا فقہ ہے جو نفس کے لئے مفید یا مضر ہوں)۔

چنانچہ حسن بصری رحمہ اللہ سے کسی نے کہا کہ فلاں مسئلہ میں فقہاء آپ کے خلاف کہتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے اپنی آنکھ سے کبھی کوئی فقیہ دیکھا بھی ہے؟اور فرمایا ''اِنَّمَاالْفَقِيْهُ الزَّاهِدُفِي الدُّنْيَاالرَّاغِبُ فِي الْآخِرَةِ الْبَصِيْرُبِدِيْنِهِ الْمُدَاوِمُ عَلٰى عِبَادَةِ رَبِّهِ الْوَرِعُ الْكَافُّ عَنْ اَعْرَاضِ الْمُسْلِمِيْنَ الْعَفِيْفُ عَنْ اَمْوَالِهِمْ النَّاصِحُ لِجَمَاعَتِهِمْ'' یعنی فقیہ تو وہ ہوتا ہے جو دنیا سے بے رغبت ہو، آخرت کا طلبگار ہو، اپنے دین کی بصیرت رکھتا ہو، اپنے رب کی عبادت پر مداومت کرتا ہو، متقی ہو، مسلمانوں کی عزت وآبرو کو نقصان پہنچانے سے پرہیز کرتا ہو، ان کے مال ودولت سے بے تعلق ہو، اور مسلمانوں کا خیر خواہ ہو۔

اس تعریف کی رو سے فقہ میں تین قسم کے احکام شامل ہیں۔/**نمبر ۱**۔وہ احکام جن کا تعلق باطنی اخلاق وعادات سے ہو جیسے اللہ اور اسکے رسولؐ سے محبت رکھنا، نیت کو خالص رکھنا وغیرہ جس کو تصوف کہا جاتا ہے۔/**نمبر ۲**۔وہ احکام جن کا تعلق عقائد سے ہو جیسے اللہ کی ذات وصفات اور توحید پر ایمان رکھنا اور رسالت ومعاد پر ایمان رکھنا وغیرہ جس کو علم الکلام کہا جاتا ہے۔/**نمبر ۳**۔وہ احکام جن کا تعلق بندے کے ظاہری اعضاء سے ہو جیسے نماز، روزہ، حج اور زکوۃ وغیرہ۔اس تعریف کی رو سے فقہ کا موضوع عقائد اور تمام ظاہری وباطنی اعمال کا مجموعہ ہے۔

عہدِ رسالت کے بعد جب اسلام کی فتوحات دنیا میں پھیلیں اور بڑے بڑے متمدن ممالک اسلام کے زیرِ حکومت آئے دوسری قوموں کے بے شمار لوگ اسلام میں داخل ہوئے نئی نئی چیزیں ایجاد ہوئیں اور نت نئے حالات ومسائل سامنے آئے جن کا جواب

دلیل وتفصیل کے ساتھ دینا فقہاء پر لازم ہوا اور اس کے نتیجہ میں مذکورہ تینوں قسم کے احکام ومسائل میں دلائل اور متعلقہ مباحث کا بھی اضافہ ہوتا رہا تو ضرورت اس بات کی ہوئی کہ آسانی اور سہولت کے لئے تینوں قسموں کو ایک دوسرے سے ممتاز کر کے الگ الگ مرتب کیا جائے چنانچہ اس طرح علم فقہ تین علوم میں تقسیم ہوگیا اور ہر علم کا الگ الگ نام رکھ دیا گیا یعنی علم الکلام، علم التصوف اور علم الفقہ۔

متأخرین کی تعریف:۔ جب علم فقہ عبادات، نکاح اور معاملات کے ساتھ خاص ہوگیا تو متاخرین نے اس کی مختلف تعریفات کیں۔ مگر مشہور تعریف یہ ہے ''هُوَ الْعِلْمُ بِالْاَحْكَامِ الشَّرْعِيَّةِ الْفَرْعِيَّةِ الْمُكْتَسَبِ مِنْ اَدِلَّتِهَا التَّفْصِيْلِيَّةِ'' یعنی فقہ ان فروعی احکام کے جاننے کا نام ہے جو ادلہ تفصیلی سے مستنبط ہوں۔

موضوع علم فقہ:۔ کسی علم میں جس چیز کے حالات وصفات سے بحث کی جاتی ہے وہی چیز اس علم کا موضوع ہوتی ہے مثلاً علم طب میں بدن انسانی کے ان حالات سے بحث کی جاتی ہے جن کا تعلق اس کی صحت اور بیماری سے ہے اس لحاظ سے علم طب کا موضوع انسانی بدن ہے اسی طرح علم فقہ میں چونکہ انسان کے ظاہری افعال کی کچھ صفات (احکام شرعیہ) سے بحث کی جاتی ہے لہذا علم فقہ کا موضوع انسان عاقل وبالغ کے ظاہری افعال ہیں۔ یہ علم فقہ کی جدید اصطلاحی تعریف کی رو سے ہے جو علم کلام اور باطنی اعمال واخلاق کو شامل نہیں۔

قدیم اصطلاحی فقہ کا موضوع:۔ چونکہ قدیم اصطلاحی فقہ میں نہ عقائد واعمال کی تفریق ہے اور نہ ظاہر وباطن کی، بلکہ ان سب کو دلیل سے جاننا علم فقہ ہے لہذا اس کا موضوع صرف ظاہری اعمال نہیں بلکہ عقائد اور تمام ظاہری وباطنی اعمال کا مجموعہ اس کا موضوع ہے۔

فقہ کی غرض وغایت:۔ فقہ کی غرض وغایت ''الفوز بسعادة الدارین'' ہے یعنی دنیا وآخرت کی نیک بختی حاصل کر کے کامیاب ہونا، دنیا کی کامیابی یہ ہے کہ علم فقہ سے احکام شرع معلوم کر کے مامورات پر عمل کرے اور منہیات سے اجتناب کرے اور آخرت کی کامیابی جنت کی نعمتوں کا حصول ہے۔

علم فقہ کا شرعی حکم:۔ علم فقہ سیکھنا فرض عین بھی ہے اور فرض کفایہ بھی، اتنی معلومات حاصل کرنا جن کی دین میں احتیاج واقع ہوتی ہو فرض عین ہے اور اپنی ضرورت سے زیادہ دوسروں کے نفع کے لئے علم حاصل کرنا تا کہ دوسرے لوگ بھی مامورات پر عمل کریں اور محرمات سے بچیں۔ فرض کفایہ ہے۔ اور اس میں تبحر حاصل کرنا تمام انواع عبادات ومعاملات مثلاً طہارت، نماز، روزہ، حج اور نکاح وغیرہ کا علم حاصل کرنا مستحب ہے۔ اس کے علاوہ جس کا جس شعبہ سے تعلق ہو اس کے متعلق احکام کا جاننا بھی ضروری ہے تا کہ اس شعبہ کے محرمات میں ملوث ہونے سے بچ سکے۔

فقہ اور فقیہ کے فضائل:۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ﴾ (اللہ نے گواہی دی کہ کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا اور فرشتوں نے اور علم والوں نے بھی گواہی دی کہ کسی کی بندگی نہیں

اس کے سوا) اس آیت مبارکہ میں باری تعالیٰ نے اپنی ذات پاک سے شروع فرمایا ہے دوسرے نمبر پر فرشتوں کو ذکر کیا ہے اور تیسرے درجہ میں اہل علم کو رکھا ہے تو اہل علم کے فضل اور بزرگی کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ اور فرماتے ہیں ﴿یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوْا الْعِلْمَ دَرَجَاتٌ﴾ (اللہ تعالیٰ تم میں ایمان والوں کے اور ان لوگوں کے جن کو علم عطا ہوا درجے بلند کردیگا) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ عام مؤمنین سے علماء سات سو درجات بلند ہونگے اور ہر دو درجوں کے درمیان پانچ سو برس کی راہ ہوگی۔

پیغمبر ﷺ فرماتے ہیں "مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّہْہُ فِی الدِّیْنِ" (یعنی جس کے ساتھ اللہ بہتری کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو دین میں سمجھ دیتا ہے) اور فرمایا "اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ" (یعنی علماء انبیاء کے وارث ہیں) ظاہر ہے کہ نبوت سے بڑھ کر کوئی رتبہ نہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ اس رتبہ کی وراثت سے بڑھ کر کوئی اور شرف نہیں۔ اور فرمایا "یَسْتَغْفِرُ لِلْعَالِمِ مَا فِی السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ" (یعنی عالم کے لئے آسمانوں اور زمین میں جو چیز ہے مغفرت طلب کرتی ہے) اس سے بڑھ کر کونسا منصب ہوگا جس منصب والے کے لئے آسمان وزمین کے فرشتے مغفرت طلب کرنے میں مشغول ہوں۔ اور فرماتے ہیں "یُوْزَنُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مِدَادُ الْعُلَمَاءِ بِدَمِ الشُّھَدَاءِ" (یعنی قیامت کے دن علماء کی سیاہی شہیدوں کے خون سے تولی جائیگی)۔ اور فرماتے ہیں "فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ کَفَضْلِیْ عَلٰی اَدْنٰی رَجُلٍ مِّنْ اَصْحَابِیْ" (یعنی عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت میرے ساتھیوں میں سے سب سے کمتر شخص پر)۔

ادلہ تفصیلیہ جن سے علم فقہ ماخوذ ہے چار ہیں، کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع امت، قیاس شرعی۔

تعریف کتاب اللہ:۔ کتاب اللہ اگرچہ کسی تعارف یا تعریف کا محتاج نہیں اسلئے کہ یہ ایک بدیہی کلام ہے مگر بعض مصلحتوں کے پیش نظر علماء اصول فقہ نے یوں تعریف کی ہے "ھُوَ الْقُرْآنُ الْمُنَزَّلُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اَلْمَکْتُوْبُ فِی الْمَصَاحِفِ الْمَنْقُوْلُ عَنْہُ نَقْلًا مُتَوَاتِرًا بِلَا شُبْھَۃٍ" یعنی قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہو اور مصاحف میں منقوش ہو اور ہم تک تواتر کے ساتھ بلا شبہ منقول ہو۔

پھر قرآن کریم اگرچہ فقہ کا ماٴخذ ہے مگر کل قرآن نہیں بلکہ خصوصیت سے آیات الاحکام ماٴخذ ہیں جو پانچ سو کے ارد گرد ہیں۔

تعریف سنت:۔ فقہ کا دوسرا ماخذ سنت رسول اللہ ہے سنت کا لغوی معنی طریقہ اور عادت ہے اور فقہاء کی اصلاح میں سنت وہ ہے جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھار ترک کے ساتھ ہمیشگی فرمائی ہو۔ مگر اصولیین کی اصطلاح میں سنت کے اطلاق میں وسعت ہے چنانچہ صاحب نورالانوار نے یوں تعریف کی ہے "اَلسُّنَّۃُ تُطْلَقُ عَلٰی قَوْلِ الرَّسُوْلِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَفِعْلِہٖ وَسُکُوْتِہٖ وَعَلٰی اَقْوَالِ الصَّحَابَۃِ وَاَفْعَالِھِمْ" یعنی سنت کا اطلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل اور سکوت پر ہوتا ہے اور اسکے ساتھ صحابہ کرام کے اقوال اور افعال پر بھی سنت کا اطلاق ہوتا ہے۔

حجیت سنت:۔ سنت کی حجیت کلام اللہ سے ثابت ہے کما قال اللہ تعالیٰ ﴿وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ

یُوْحٰی ﴾(یعنی آپ اپنی خواہش سے باتیں نہیں بناتے ہیں آپ کا ارشاد خالص وحی ہے)۔

اجماع کی تعریف :۔ فقہ کا تیسرا ماخذ اجماع ہے۔ اجماع کا لغوی معنی ہے عزم اور اتفاق کرنا۔ اصولیین نے اجماع کی اصطلاحی تعریف یوں کی ہے "اِتِّفَاقُ الْمُجْتَهِدِيْنَ مِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي كُلِّ عَصْرٍ عَلٰى اَمْرٍ مِنَ الْاُمُوْرِ" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے مجتہدین کا کسی زمانے میں کسی معاملہ پر متفق ہونا اجماع کہلاتا ہے۔

مذکورہ بالا تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اجماع کسی زمانے یا کسی وقت کے ساتھ خاص نہیں ہر دور کے اہلِ اجتہاد کسی مسئلہ پر اتفاق کر سکتے ہیں اور ان کا یہ اتفاق مقبول ہوگا۔ ہمارے ہاں صحیح مذہب یہ ہے کہ ہر زمانے کے اہلِ اجتہاد صاحب عدالت حضرات کا اجماع معتبر اور حجت شرعی ہے علامہ یعقوب اللبنانی لکھتے ہیں "اَلصَّحِيْحُ عِنْدَنَا اَنَّ اِجْمَاعَ عُلَمَاءِ كُلِّ عَصْرٍ مِنْ اَهْلِ الْعَدَالَةِ وَالْاِجْتِهَادِ حُجَّةٌ" یعنی ہمارے ہاں صحیح یہ ہے کہ ہر زمانے کے اہل عدالت واجتہاد کا اجماع حجت ہے۔

حجیت اجماع :۔ حجیت اجماع کلام اللہ سے ثابت ہے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ كَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ﴾(اسی طرح ہم نے بنایا تم کو بہترین امت تا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو)۔

سابق مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قرطبی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ، یہ اجماع اُمت کے حجت ہونے پر ایک دلیل ہے کیونکہ جب اس امت کو اللہ تعالیٰ نے شہداء قرار دے کر دوسری امتوں کے بالمقابل ان کی بات حجت بنا دیا تو ثابت ہوا کہ اس امت کا (کسی مسئلہ پر) اجماع حجت ہے اور اس پر عمل واجب ہے۔ اس طرح کہ صحابہؓ کا اجماع تابعین کا اجماع تبع تابعین پر حجت ہے۔ (معارف القرآن جلد اص ۳۷۳)

اور رسول اللہ کا ارشاد ہے "اِنَّ اللّٰهَ لَا يَجْمَعُ اُمَّتِيْ اَوْ قَالَ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ عَلٰى ضَلَالَةٍ" (یعنی اللہ تعالیٰ میری امت کو یا یہ فرمایا کہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو گمراہی پر جمع نہیں کریگا)۔

تعریف قیاس :۔ فقہ کا چوتھا ماخذ قیاس ہے قیاس کا لغوی معنی اندازہ لگانا برابر کرنا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے "قَاسَ النَّعْلَ بِالنَّعْلِ" کہ انہوں نے جوتے کو دوسرے جوتے کے ساتھ برابر کر دیا، تو قیاس شرعی میں بھی فرع کو حکم میں اصل کے مماثل اور برابر کیا جاتا ہے۔

اصطلاحی تعریف صاحب نور الانوار نے یوں کی ہے "تَقْدِيْرُ الْفَرْعِ بِالْاَصْلِ فِي الْحُكْمِ وَالْعِلَّةِ" یعنی فرع کو اصل کے ساتھ حکم اور علت میں مساوی اور برابر کرنا۔

حجیت قیاس :۔ حجیت قیاس کتاب اللہ سے ثابت ہے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِي الْاَبْصَارِ ﴾ یعنی اے آنکھوں والو اعتبار کرو۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل بصیرت کو اعتبار کرنے کا حکم دیا ہے اور فقہاء کرام نے اعتبار کا معنی یوں کیا ہے "رَدُّ الشَّيْءِ اِلٰى نَظِيْرِهٖ اَيِ الْحُكْمُ عَلَى الشَّيْءِ بِمَا هُوَ ثَابِتٌ لِنَظِيْرِهٖ" کسی شی کو اس کی نظیر کی طرف پھیرنا یعنی شی پر وہ حکم لگانا جو اس کی نظیر میں ثابت ہے۔

حضرت معاذؓ کا واقعہ مشہور ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو یمن کا گورنر مقرر کیا تو رخصت کرتے وقت آپؐ سے پوچھا ''بِمَا تَقْضِي يَا مُعَاذُ؟ قَالَ بِكِتَابِ اللّٰهِ قَالَ فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِي كِتَابِ اللّٰهِ؟ قَالَ فَبِسُنَّةِ رَسُولِهِ، قَالَ فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِيهِمَا؟ قَالَ أَجْتَهِدُ بِرَأْيِي فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي وَفَّقَ رَسُولَ رَسُولِهِ بِمَا يُحِبُّ وَيَرْضىٰ'' یعنی اے معاذؓ جب تمہارے سامنے کوئی معاملہ اور مقدمہ پیش ہو تو کس چیز کے ساتھ فیصلہ کرو گے؟ تو آپؓ نے عرض کیا اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم اس معاملہ کا حل کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو؟ آپؓ نے عرض کیا اللہ کے رسول ﷺ کی سنت کے ساتھ، آپ ﷺ نے فرمایا اگر ان دونوں میں اس معاملہ کا حل نہ پاؤ تو؟ آپؓ نے عرض کیا اپنی رائی سے اجتہاد کرونگا، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا سب تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے اپنے رسول ﷺ کے رسول کو اس بات کی توفیق دی کہ جس سے وہ خوش ہوتا ہے اور اس کو پسند کرتا ہے۔

اسی طرح ایک روایت میں ہے ''إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ فَأَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ فَإِنْ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ وَاحِدٌ'' یعنی جب کوئی حاکم کسی معاملہ میں حکم کے لئے اجتہاد کرے اور اس اجتہاد میں وہ مصیب ہو تو اس کے لئے دو اجر ہیں اور اگر وہ خطی ہو جائے تو اس کے لئے ایک اجر ہے۔

فقه عهد رسالت میں :۔ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں فقہ کی موجودہ اصطلاحات کی تفصیل نہیں تھی بلکہ صحابہ کرامؓ آپ ﷺ سے جو کچھ سنتے یا آپ کو کرتے دیکھتے اسی کے مطابق عمل کرتے مثلاً آپ ﷺ کی طرح وضوء کرتے اور آپ ﷺ کی طرح نماز پڑھتے اور حضور ﷺ اہم باتوں کو خود بیان فرماتے مگر زمانہ رسالت کے بعد عہدِ صحابہؓ میں جب اسلامی فتوحات کو وسعت ہونے لگی اور دائرہ خلافت وسیع ہونے لگا اور صحابہ کرامؓ اطراف عالم میں منتشر ہو گئے کثرت سے حوادثات پیش آنے لگے اسلئے اجتہاد و استنباط کی ضرورت محسوس کی جانے لگی مثلاً غلطی سے کسی سے نماز میں کوئی عمل رہ گیا تو اب یہ مسئلہ درپیش ہوا کہ نماز ہوئی یا نہیں؟ اور یہ تو ممکن نہیں تھا کہ نماز کے تمام اعمال فرض قرار دیا جائے یا واجب یا مستحب قرار دیا جائے اس لئے صحابہ کرامؓ کو یہ تفریق کرنی پڑی کہ فلاں عمل فرض ہے، فلاں واجب یا مستحب ہے اسی طرح فلاں عمل مکروہ ہے اور فلاں حرام ہے اور تفریق کے تجویز کردہ اصول پر سب کا اتفاق ممکن نہیں تھا اس لئے اختلاف پیدا ہوا۔

فقه عهد صحابه كرامؓ میں :۔ امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے صحابہ کرامؓ میں سے چھ صحابہؓ سے علم لیا گیا ان میں حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ علم میں ایک دوسرے کے مشابہ تھے ان میں سے بعض دوسرے بعض سے اخذ کرتے تھے اور حضرت علیؓ، حضرت ابی ابن کعبؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ ایک دوسرے سے علم میں مشابہت رکھتے تھے اور ایک دوسرے سے اخذ کرتے تھے۔

حضور ﷺ کے وصال کے بعد ایک سو تیس یا ایک سو ساٹھ صحابہؓ فتویٰ دیا کرتے تھے اور ان کے تین طبقات تھے۔/ **نمبر ۱** ۔ مکثرین جو کثرت سے فتویٰ دیا کرتے تھے۔ یہ سات صحابہ کرامؓ تھے، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، ام المؤمنین حضرت

عائشہؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔

نمبر ۲۔ متوسطین جو مکثرین سے کم فتویٰ دیا کرتے تھے۔ یہ تیرہ صحابہ کرامؓ تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت ام سلمہؓ، حضرت انسؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عثمان بن عفانؓ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، حضرت سعد بن وقاصؓ، حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ

نمبر ۳۔ مقللین صحابہؓ جو مذکورہ بالا دو طبقوں سے کم فتویٰ دیا کرتے تھے یہ کوئی اٹھارہ صحابہ کرامؓ تھے۔

فقہ دور تابعینؒ میں:۔ عہد نبوی ﷺ سے خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت یعنی ۳۵ھ تک بلاد اسلامیہ اور علوم کا مرکز مدینہ منورہ رہا پھر حضرت علیؓ کے زمانہ میں کوفہ کو مرکز بنایا جس سے پہلے حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن مسعودؓ کو کوفہ کا معلم بنا کر بھیجا تھا انہوں نے دس سال تک کوفہ میں تعلیم دی ان کے فتاویٰ کا بہت بڑا ذخیرہ غیر مرتب تھا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا مشہور شاگرد حضرت علقمہ بن قیس بن عبداللہ ہیں جو کبار تابعین میں سے ہیں حضور اقدس ﷺ کے عہد مبارک میں پیدا ہوئے خلفاء اربعہ اور دیگر صحابہ کرامؓ سے ان کا روایات سننا ثابت ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے قرآن مجید پڑھا اور فقہ بھی ان ہی سے حاصل کیا خود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان کے بارے میں فرماتے ہیں، میں جو کچھ پڑھتا اور جانتا ہوں وہ علقمہ بھی جانتے ہیں، حضرت ابن مسعودؓ کا علم حضرت علقمہؒ کی طرف منتقل ہوا انہوں نے اس کی مزید توضیح وتشریح کر لی حضرت علقمہؒ ترسیٹھ (۶۳) سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔

پھر حضرت علقمہؒ کا علم حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کی طرف منتقل ہوا حضرت ابراہیم نخعیؒ ۵۰ھ میں پیدا ہوئے آپؒ نے حضرت علقمہؒ، مسروقؒ اور دیگر علماء کرام سے روایت کی ہے انہوں نے بھی حضرت ابن مسعودؓ سے نقل شدہ علم کی خوب تنقیح کر لی اور ۹۵ھ یا ۹۶ھ میں انتقال کر گئے۔

پھر حضرت ابراہیم نخعیؒ کا علم حضرت حماد بن سلیمان الکوفیؒ کی طرف منتقل ہوا اور حضرت حمادؒ نے ابراہیم نخعیؒ کے فقہ میں سب سے زیادہ مہارت حاصل کی اس کے ساتھ ساتھ امام شعبیؒ سے بھی فقہ حاصل کی اور ۱۲۰ھ میں وفات پائی۔

پھر جب حضرت حمادؒ انتقال کر گئے تو لوگوں نے امام الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؒ کو اس کا جانشین مقرر کر دیا اس طرح فقہ کا مذکورہ ذخیرہ ان کی طرف منتقل ہوا مگر چونکہ علم فقہ کا یہ ذخیرہ غیر مرتب تھا حضرت امام ابوحنیفہؒ کے دل میں اس کو باقاعدہ مدون اور مرتب کرنے کا خیال آیا لیکن انتہائی مشکل کام ہونے کی وجہ سے وہ اس اہم کام کو اپنی ذاتی رائی اور معلومات تک منحصر کرنا نہیں چاہتے تھے اس لئے انہوں نے اپنے ایک ہزار شاگردوں میں سے چالیس کو تدوین فقہ کے لئے منتخب کر کے ایک فقہی مجلس مشاورت تشکیل دی پھر ان چالیس میں سے دس ممتاز شخصیات کا انتخاب فرما کر ایک خصوصی مجلس بھی بنائی جن کے نام درج ذیل ہیں۔

(۱) حضرت امام ابو یوسفؒ (۲) حضرت امام زفرؒ (۳) داؤد طائی (۴) اسد بن عمرو (۵) یوسف بن خالد تیمی (۶) یحیٰ بن زکریا بن ابی زائدہ (۷) حفص بن غیاث (۸) حبان مندل (۹) قاسم بن معن (۱۰) امام محمدؒ۔

علامہ علاء الدین الحصکفیؒ فرماتے ہیں "الفقه زرعه عبدالله ابن مسعودؓ وسقاه علقمةؒ وحصده ابراهيم النخعیؒ وداسه حمادؒ وطحنه ابو حنيفةؒ وعجنه ابو يوسفؒ وخبزه محمدؒ، فسائر الناس يأكلون من خبزه وقدنظم بعضهم فقال: الفقه زرع ابن مسعودؓ وعلقمة:: حصاده ثم ابراهيم دواس، نعمان طاحنه يعقوب عاجنه: محمدخابزه والآكل الناس" (ردالمحتار ۱/۳۷)

طریقہ تدوین: ۔ چونکہ امام ابوحنیفہؒ نے مجلس کے ہر ہر ممبر کو یہ اختیار دیا تھا کہ وہ آزادانہ طور پر اپنا موقف پیش کرے اور احادیث وآثارِ صحابہؓ، اجماع اور قیاس کی روشنی میں آزادی کے ساتھ گفتگو کرے، ایک موقع پر آپؒ نے فرمایا کہ میں نے خود ان کو یہ اختیار دے رکھا ہے اور ان کو اس امر کا عادی بنا دیا ہے کہ وہ کسی سے مرعوب نہ ہوں اور ایک دوسرے کے دلائل حتی کہ میرے دلائل پر بھی نکتہ چینی کر سکیں تاکہ بات بالکل واضح ہو کر سامنے آئے بحث وتمحیص کے بعد جب کسی مسئلہ پر سب کا اتفاق ہو جاتا تو پھر اس کو لکھنے کا حکم فرماتے علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں "روى الامام ابو جعفر الشيراماذی عن شقيق البلخی انه كان يقول كان الامام ابو حنيفةؒ من اورع الناس واعبد النّاس واكرم النّاس واكثرهم احتياطًافی الدّين وابعدهم عن القول بالرأی فی دين اللّٰهِ عزّوجلّ وكان لايضع مسئلة فی العلم حتى يجمع اصحابه كلهم على موافقتهاللشريعة قال لابی يوسفؒ او غيره ضعهافی الباب الفلانی اه كذافی الميزان للامام الشعرانی قدس سره ونقل ط عن مسندالخوارزمی ان الامام اجتمع معه الف من اصحابه اجلهم وافضلهم اربعون قدبلغوا حدّالاجتهادفقربهم وادناهم وقال لهم انی الجمت هذاالفقه واسرجته لكم فاعينونی فان الناس قدجعلونی جسرًاعلى النارفان المنتهی لغيری واللعب على ظهری فكان اذاوقعت واقعة شاورهم وناظرهم وجاورهم وسالهم فيسمع ماعندهم من الاخبار والآثار ويقول ماعنده ويناظرهم شهرًااَوْاكثر حتّى يستقرآخرالاقوال فيثبته ابو يوسفؒ حتى اثبت الاصول على هذاالمنهاج شورى لانه تفرد بذالك كغيره من الائمة" (ردالمحتار ۱/۵۰)

خلاصہ یہ کہ فقہ حنفی صرف ایک شخص کی رائے نہیں بلکہ چالیس جبال العلم کی شوریٰ کا مرتب کردہ قانون ہے اور جب تک کوئی مسئلہ خوب تحقیق وتفتیش کے مراحل طے نہ کر لیتا آپؒ اس کو رجسٹر میں لکھنے سے منع فرماتے اور جب سب اراکین کسی مسئلہ پر متفق ہوتے تو اسی وقت اس کو لکھ لیتے اور اگر بسا اوقات بعض اراکین اپنی اپنی رائے پر قائم رہتے تو سب کے اقوال لکھ لیتے تدوین فقہ کا یہ عظیم الشان کام پچیس سال کی طویل مدت میں اختتام پذیر ہوا امام ابوحنیفہؒ کی اخیر عمر بغداد کے قید خانہ میں گذری وہاں بھی یہ کام تسلسل کے ساتھ جاری رہا اس تیار شدہ فقہی مجموعہ میں مسائل کی تعداد بارہ لاکھ نوے ہزار تک بیان کی جاتی ہے بعض نے چھ لاکھ اور بعض نے پانچ لاکھ بیان کی ہے اور کہا جاتا ہے کہ ان میں سے اڑتیس ہزار مسائل کا تعلق عبادات سے ہے اور باقی معاملات سے متعلق ہیں۔

فقہ حنفی کے بارے میں علامہ سید محمد یوسف البنوری نوراللہ مرقدہ رقمطراز ہیں "يكفی لمزية مذهبه وفضل شخصيته

ما جمع اللّٰه له من اعوانه وانصاره صفوة اهل عصره من اصحابه الفقهاء المحدثين، وذالک مایحدثنا الخطیب فی تاریخه، بسنده عن ابن کرامة قال: کنّا عند وکیعٌ یوماً فقال رجل: اخطأ ابو حنیفةٌ فقال وکیع: کیف یقدر ابو حنیفةٌ یخطئ ؟ ومعه مثل ابی یوسفٌ وزفرٌ فی قیاسهما، ومثل یحیٰ بن ابی زائدةٌ، وحفص بن غیاث، وحبان ومندل فی حفظهم الحدیث، والقاسم بن معن فی معرفته باللغة والعربیة، وداؤد الطائی وفضیل ابن عیاض فی زهدهما وورعهما، ومن کان هؤلاء جلساؤه لم یکد یخطئ، لانه ان اخطأ ردّوه اه، وحکاه ابن شیبة السندی وزاد فی روایته، وحمزة الزیات وعافیة الازدی فی القرآن الخ وعند ابن العوام بالاسانید الصحیحة'' (معارف السنن ۳/۲۶۳)

فقہ حنفی کے مقبول ہونے کی وجوہات:۔ پوری دنیا میں فقہ حنفی کے مقبول ہونے کی وجوہات درج ذیل ہیں (۱) اس کے مسائل حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہونے کے ساتھ ساتھ روایت ودرایت کے عین مطابق ہیں۔ (۲) فقہ حنفی دوسرے تمام فقہوں کی نسبت آسان اور یسیر العمل ہے۔ (۳) فقہ حنفی میں معاملات کے حصہ میں وسعت، استحکام اور باقاعدگی جو تمدن کے لئے بہت ضروری ہے تمام فقہوں سے زیادہ ہے۔ (۴) فقہ حنفی نے غیر مسلم رعایا کو نہایت فیاضی اور آزادی سے حقوق بخشے جس سے نظم مملکت میں بڑی سہولت ہوتی ہے۔ (۵) احکام منصوصہ میں امام ابوحنیفہؒ نے جو پہلو اختیار کیا ہے عموماً وہ نہایت قوی اور مدلل ہوتا ہے۔ (۶) خلیفہ ہارون رشید کے زمانہ میں امام ابو یوسفؒ قاضی بنے اور عراق، خراسان، ماوراء النہر وغیرہ میں مسلک حنفی کے مطابق فیصلہ فرماتے تھے جس کے ذریعہ فقہ حنفی کو شہرت ہوئی۔

طبقات فقہاء:۔ احمد بن سلیمان الرومی جس کا لقب شمس الدین ہے اور ابن کمال باشا کے ساتھ مشہور ہے کی تصریح کے مطابق فقہاء کے کل سات طبقات ہیں۔

نمبر ۱۔ مجتہدین مطلق یا مجتہدین فی الشرع:۔ اس طبقہ کا اطلاق ان حضرات ائمہ پر ہوتا ہے جو براہ راست ادلۂ اربعہ (قرآن، سنت، اجماع وقیاس) سے اصول وکلیات اور جزئیات واحکامات مستنبط کرتے ہیں جیسے حضرات ائمہ اربعہ (یعنی امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ) اور دیگر ان کے درجہ کے مجتہدین مثلاً امام ثوریؒ، امام اوزاعی، ابن ابی لیلیٰ وغیرہم۔

نمبر ۲۔ مجتہدین منتسبین یا مجتہدین فی المذهب:۔ یہ نام ان حضرات فقہاء کو دیا جاتا ہے جو قواعد وکلیات میں تو اپنے استاد اور مجتہد مطلق کے پابند ہوتے ہیں لیکن جزئیات اور فروعی مسائل میں استاد کی تقلید چھوڑ دیتے ہیں یہ حضرات اگرچہ ادلۂ اربعہ سے براہ راست استفادہ کی صلاحیت رکھتے ہیں مگر اکثر اصولوں میں اپنے امام کی تقلید کی بناء پر ان کو مجتہد فی المذہب کے زمرہ میں رکھا جاتا ہے مجتہد مطلق نہیں کہا جاتا مثلاً حضرت امام ابو یوسفؒ، حضرت امام محمدؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے دیگر شاگردان رشید۔

نمبر ۳۔ مجتہدین فی المسائل:۔ مذہب میں کچھ مسائل ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے بارے میں اصحاب مذہب سے کوئی

صراحت منقول نہیں ہوتی، تو جوحضرات فقہاءِ مذہب کے قواعد وضوابط کو سامنے رکھ کر غیر منصوص مسائل کے احکامات متعین کرتے ہیں انہیں، مجتہدین فی المسائل، کا لقب دیا جاتا ہے۔ واضح ہو کہ یہ حضرات اصول یا فروع کسی چیز میں بھی اپنے امام سے الگ راہ اپنانے کا حق نہیں رکھتے۔ اس طبقہ کے حضرات میں امام احمد بن عمر خصافؒ، امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاویؒ، امام ابوالحسن الکرخیؒ، شمس الائمہ عبدالعزیز الحلوانی، شمس الائمہ محمد بن سہل السرخسی، علامہ فخر الاسلام علی بن محمد بزدویؒ اور علامہ فخر الدین حسن بن منصور المعروف بہ قاضی خانؒ وغیرہ کے اسماء قابل ذکر ہیں۔

نمبر ٤. اصحاب التخریج:۔ وہ فقہاء کرام جو اجتہاد کی صلاحیت تو نہیں رکھتے لیکن اصول و ماخذ کو محفوظ رکھنے کی بنا پر اتنی قدرت ضرور رکھتے ہیں کہ ذو وجہین یا مجمل قول کی تعیین وتفصیل کرسکیں اور نظائر فقہیہ اور قواعدِ مذہب پر نظر کر کے اپنی ذمہ داری انجام دینے کے اہل ہوں تو انہیں، اصحاب التخریج، کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس طبقہ کے لوگوں میں امام احمد بن علی بن ابوبکر الجصاص الرازیؒ اور ان جیسے حضرات کا نام لیا جاسکتا ہے۔

نمبر ٥. اصحاب الترجیح:۔ اس طبقہ کے فقہاء کا کام یہ ہے کہ وہ مذہب کی بعض روایات کو دوسری بعض روایات پر اپنے قول ''ھذا اولیٰ، ھذا اصح، ھذا اوضح'' وغیرہ کلمات کے ذریعہ ترجیح دیتے ہیں علامہ ابن کمال باشا نے اس طبقہ سے انتساب رکھنے والوں میں امام احمد بن محمد بن احمد ابوالحسن القدوریؒ اور صاحبِ ھدایہ علامہ علی بن ابی بکر المرغینانیؒ کو شمار فرمایا ہے۔

نمبر ٦. مقلدین اصحابِ تمیز:۔ ان حضرات کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ مذہب کی مضبوط اور کمزور روایات میں فرق وامتیاز کرتے ہیں اور ظاہر الروایہ، ظاہر مذہب اور روایات نادرہ کی پہچان رکھتے ہیں۔ اکثر اصحاب متون اسی طبقہ سے وابستہ ہیں مثلاً صاحب کنز الدقائق علامہ عبداللہ بن احمد النسفیؒ اور صاحب مختار عبداللہ بن محمود الموصلیؒ اور صاحب وقایہ تاج الشریعۃ محمود بن صدر الشریعۃ اور صاحب مجمع الانہر احمد بن علی المعروف بابن الساعاتیؒ وغیرہ یہ حضرات اپنی تصنیفات میں مردود اور غیر معتبر اقوال نقل کرنے سے احتراز کرتے ہیں۔

نمبر ٧. غیر مُمَیِّز مقلدین:۔ جو حضرات گذشتہ طبقات میں سے کسی بھی ذمہ داری کو اٹھانے کی اہلیت نہ رکھتے ہوں انہیں ساتویں طبقہ میں رکھا جاتا ہے در حقیقت یہ لوگ فقیہ نہیں بلکہ محض ناقلین فتاویٰ ہیں آج کل کے اکثر مفتیان کا تعلق اسی طبقہ سے ہے اس لئے اس طبقہ کے لوگوں پر پوری احتیاط لازمی ہے جب تک مسئلہ منقح نہ ہو اس وقت تک انہیں جواب دینے سے گریز کرنا چاہئے۔

مگر مذکورہ بالا تقسیم پر بعد کے فقہاء نے اشکالات کئے ہیں کہ ابن کمال باشا نے بعض فقہاء کا درجہ گھٹا دیا اور بعض کا بڑھا دیا ہے مثلاً حضرت امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کو مجتہد فی المذہب کے درجہ میں رکھنا صحیح نہیں اس لئے کہ ان میں مطلق اجتہاد کی صلاحیت تھی اور ان کا درجہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ وغیرہ سے بڑھا ہوا نہیں تو کمتر بھی نہیں اور انہوں نے اصول وفروع دونوں میں امام ابوحنیفہؒ سے اختلاف کیا ہے یہاں تک کہ امام غزالیؒ اپنی کتاب المنخول میں فرماتے ہیں کہ امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ نے امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ اس کے دوثلث

مذہب میں اختلاف کیا ہے۔

(۲) ابن کمال باشا کا امام خصافؒ، امام طحاویؒ اور امام کرخیؒ کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ اصول وفروع کسی میں بھی امام صاحبؒ کے خلاف رائی اپنانے کا حق نہیں رکھتے واقعہ کے خلاف ہے انہوں نے بہت سے مسائل میں امام صاحبؒ کے خلاف رائی اپنائی ہے۔ (۳) امام ابوبکر جصاص رازیؒ کو اس تقسیم میں درجۂ اجتہاد سے بالکل خارج کر دیا گیا ہے یہ ان کے ساتھ بہت بڑا ظلم ہے، جس کا بخوبی اندازہ ان کی بلند پایہ علمی فقہی اور تحقیقی تصانیف سے لگایا جاسکتا ہے۔ اور شمس الائمہ حلوائی وغیرہ جن کو ابن کمال باشا نے مجتہدین میں شمار کیا ہے وہ سب ابوبکر جصاصؒ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں۔ (۴) اس تقسیم میں صاحب ھدایہ اور امام قدوریؒ کو اصحاب تخریج میں اور قاضی خانؒ کو مجتہدین میں شمار کیا ہے حالانکہ ان دونوں کا درجہ بہر حال قاضی خان سے بڑھ کر ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے فقہاء کے تین طبقات بیان کئے ہیں۔/ **نمبر ۱۔ مجتہد مطلق مستقل**:۔ یعنی وہ شخص جو فقاہت نفس، سلامتی طبع، بیدار مغزی، دلائل کی معرفت، استنباط کی صلاحیت اور جزئیات پر تعمق جیسے بلند پایہ صفات سے متصف ہو جیسے حضرات ائمہ اربعہ۔

نمبر ۲۔ مجتہد مطلق منتسب:۔ یعنی وہ مجتہد جو ائمہ متبوعین میں سے کسی امام کی طرف نسبت کرتا ہو لیکن وہ مذہب اور دلیل میں اس کا زا مقلد نہ ہو بلکہ محض اجتہاد میں اپنے امام کا طریقہ اختیار کرنے کی بنا پر اس کا انتساب اس مذہب کی طرف کیا جاتا ہو جیسے امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے دیگر شاگردانِ رشید۔

نمبر ۳۔ مجتہد فی المذہب:۔ یہ ایسا شخص ہے جو کسی امام کی تقلید کا پابند ہو مگر اس کے ساتھ ساتھ اپنے امام کے مقرر کردہ اصول وضوابط کے دائرہ میں رہتے ہوئے دلیل کی روشنی میں اپنے اصول مقرر کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو تا کہ غیر منصوص مسائل کا حکم معلوم کرنے میں آسانی ہو اور ضرورت وغیرہ کا حسب موقع خیال رکھا جاسکے ایسے شخص میں درج ذیل صفات پائی جانی ضروری ہیں۔ (۱) اصول مذہب کا علم رکھنے والا ہو۔ (۲) تفصیلی دلائل کا علم رکھتا ہو۔ (۳) قیاس اور معانی کے ادراک پر اسے پوری بصیرت حاصل ہو۔ (۴) اپنے امام کے اصول پر تخریج واستنباط کی صلاحیت اور مہارت رکھتا ہو اس طبقہ میں بہت سے علماء اور فقہاء کو شامل کیا جاسکتا ہے اور تقریباً ہر زمانے میں کچھ نہ کچھ افراد اس صلاحیت کے موجود رہتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے مجتہد مطلق کے دو درجے کر کے حضرات صاحبینؒ وغیرہ کے درجہ پر پیدا ہونے والے اشکال کو بالکل ختم کر دیا اسی طرح اصحاب التخریج والترجیح کی تحدید بھی ختم کر دی ہے اس لئے کہ فقہاء کے کام مختلف انداز کے ہیں ایک ہی طبقہ کے حضرات ایک جگہ تخریج کا کام انجام دیتے ہیں تو دوسری جگہ ترجیح کی خدمت بھی بجالاتے ہیں اور کہیں کہیں ان میں اجتہادی شان بھی نظر آنے لگتی ہے۔ (ملخص از فتویٰ نویسی کے رہنما اصول ص ۵۰ تا ۵۵)

فقہاء کی ایک اور تقسیم:۔ حنفی مذہب کے بعض مؤرخین نے فقہاء مذہب کے تین طبقات بیان کئے ہیں

۔/**نمبر ۱** :**سلف**:۔جس سے صدر اول کے فقہاءِ مذہب مراد ہیں جو امام ابوحنیفہؒ سے شروع ہو کر امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ پر ختم ہوئے ہیں۔/**نمبر ۲** :**خلف**:۔خلف سے مراد وہ فقہاء ہیں جو امام محمدؒ کے بعد سے شروع ہو کر شمس الائمہ الحلوانی رحمہ اللہ پر ختم ہوئے ہیں۔/**نمبر ۳** :**متاخرین**:۔متاخرین سے مراد وہ فقہاء ہیں جو شمس الائمہ الحلوانی رحمہ اللہ سے شروع ہو کر حافظ الدین محمد بن محمد بن نصر ابوالفضل پر ختم ہوئے ہیں۔

لیکن یہ تقسیم متفق علیہ نہیں بلکہ بعض دیگر حضرات کے نزدیک متقدمین وہ ہیں جنہوں نے ائمہ ثلاثہ (امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ) کا زمانہ پایا ہو اور متاخرین وہ ہیں جنہوں نے ائمہ ثلاثہ کا زمانہ نہ پایا ہو یہی وجہ ہے کہ شمس الائمہ الحلوانیؒ سے پہلے علماء پر بھی بکثرت متاخرین کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

طبقات المسائل:۔جس طرح کہ علماء کرام نے فقہاء کئی طبقات میں تقسیم کئے ہیں اسی طرح مذہب کے مسائل کو بھی تقسیم کیا ہے تاکہ بوقت تعارض مفتی کے لئے درجہ اعلیٰ کے مسائل کو درجہ ادنیٰ کے مسائل پر ترجیح دینا آسان ہو چنانچہ مسائل مذہب کو تین طبقات میں تقسیم کئے ہیں۔/**نمبر ۱** :**مسائل اصول یا ظاهر الرواية**:۔یہ وہ مسائل ہیں جو اصحاب مذہب سے ظاہر الروایہ کتابوں میں منقول ہیں۔ظاہر الروایہ امام محمدؒ کی چھ کتابیں ہیں"**الجامع الصغير، الجامع الكبير، السير الصغير، السير الكبير، المبسوط، الزيادات**"۔ان مسائل کو ظاہر الروایہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ امام محمدؒ سے ثقہ راویوں نے نقل کئے ہیں جو درجہ تواتر یا درجہ شہرت میں ہیں یہ درجہ مسائل سب سے اعلیٰ اور اقویٰ ہے۔

/**نمبر ۲** :۔**غير ظاهر الرواية يا رواية النوادر**:۔یہ وہ مسائل ہیں جو امام محمدؒ کی کتب ستہ میں مذکور نہ ہوں بلکہ امام محمدؒ کی دوسری کتابوں میں مذکور ہوں جیسے کیسانیات (یہ ان مسائل کا مجموعہ ہے جو امام محمدؒ کے شاگرد سلیمان بن شعیب الکیسانیؒ نے روایت کئے ہیں)، ہارونیات (یہ وہ مسائل ہیں جو امام محمدؒ نے ہارون رشید کے زمانہ میں جمع فرمائے ہیں)، جرجانیات (یہ وہ مسائل ہیں جن کو امام محمدؒ نے جرجان میں جمع فرمائے ہیں) رقیات (یہ وہ مسائل ہیں جن کو امام محمدؒ نے شہر رقہ میں قاضی ہونے کے دوران مدون کئے ہیں) اسی طرح امام ابو یوسفؒ کے امالی اور حسن بن زیادؒ کا مجرد اور دیگر روایات مفردہ متفرقہ جو محمد بن سماعہ، معلی بن منصور، ہشام بن رستم وغیرہ سے مروی ہیں یہ بھی غیر ظاہر الروایہ مسائل ہیں اس طبقہ کی روایتوں کا درجہ ظاہر الروایہ سے کمتر ہوتا ہے لہذا اگر ان کا تعارض ظاہر الروایہ سے ہو تو ترجیح ظاہر الروایہ کو ہوگی۔

/**نمبر ۳** :۔**الفتاوی یا نوازل یا واقعات**:۔یہ وہ مسائل ہیں جن کے متعلق ظاہر الروایہ اور نادر الروایہ میں متقدمین اہل مذہب سے کوئی حکم شرعی منقول نہ ہو اور بعد کے علماء نے مجتہدین کے اصول کی روشنی میں انکا استنباط واستخراج کیا ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ احنافؒ کے مسائل کے چار طبقات ہیں۔/**نمبر ۱** : ظاہر مذہب:۔یعنی وہ مسائل جو اصحاب مذہب سے مشہور ومعروف طریقے پر مروی ہیں ان مسائل کو فقہاء ہر حال میں قبول کرتے ہیں۔

نمبر ۲: روایاتِ شاذہ:۔یعنی وہ مسائل جو اصحابِ مذہب سے شاذ روایتوں کے واسطہ سے منقول ہیں ان روایتوں کو فقہاء اسی وقت قبول کرتے ہیں جبکہ وہ ظاہر مذہب کے موافق ہوں۔

نمبر ۳: تخریجاتِ متاخرین (متفقہ):۔یعنی وہ مسائل جن کی تخریج کا کام اصحاب مذہب نے نہیں بلکہ متاخرین فقہاء نے انجام دیا ہے اور جمہور فقہاء اس پر متفق رہے ہوں اس طرح کی تخریجات پر بہر حال فتویٰ دینا ضروری ہے ان سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔

نمبر ۴: تخریجاتِ متاخرین (مختلف فیہ):۔یعنی متاخرین کے ایسے متخرج مسائل جن پر جمہور اہل مذہب متفق نہ رہے ہوں ایسے مسائل کو اصول مذہب، ظاہر مذہب، نظائر مذہب اور سلف کی تصریحات پر پیش کیا جائیگا اگر وہ ان کے مطابق ہوں تو قبول کریں گے ورنہ چھوڑ دیں گے۔(ملخص از فتویٰ نویسی کے رہنما اصول)

روایات مذهب میں ترجیح کے اصول :۔اگر کسی مسئلہ میں روایات مختلف ہوں تو ان میں ترجیح کے اصول مندرجہ ذیل ہیں

۔**الف**:اگر امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کسی ایک جواب پر متفق ہوں تو عرف وضرورت کے علاوہ کسی بھی مقلد کے لئے اس متفقہ مسئلہ سے عدول کی اجازت نہیں۔

ب:امام صاحبؒ کے ساتھ صاحبینؒ میں سے کوئی ایک بھی ہو تو اس صورت میں بھی امام صاحبؒ کا قول راجح ہوگا۔

ج:اگر امام صاحبؒ اور صاحبینؒ میں سے ہر ایک کا قول الگ الگ ہو تو بھی امام صاحبؒ کے قول کو ترجیح دیجائیگی۔

د:اگر امام صاحبؒ ایک طرف اور صاحبینؒ دونوں ایک طرف ہوں تو اس بارے میں عبداللہ بن المبارکؒ نے مطلقاً امام صاحبؒ کے قول کی ترجیح کی بات کہی ہے اور بعض لوگوں نے اس صورت میں مفتی کو مطلقاً اختیار دیا ہے خواہ وہ مجتہد ہو یا نہ ہو اور حضرات محققینؒ نے یہ تحقیق کی ہے کہ اگر مفتی مجتہد ہے تو اسے اختیار ہے اور اگر مفتی غیر مجتہد ہے تو وہ اپنے امام ہی کا پابند ہے یہ آخری رائے دراصل پہلی اور دوسری رائے میں تطبیق کی ایک شکل ہے کہ عبداللہ بن مبارکؒ کے قول کو مفتی غیر مجتہد سے متعلق مانا جائے اور بعض لوگوں کے قول کو مفتی مجتہد کے لئے خاص کریں اس اعتبار سے دونوں اقوال میں تعارض نہ ہوگا کیونکہ دونوں کا محمل الگ الگ ہوگیا۔یہ ساری تفصیل اس وقت ہے جب کہ بعد کے مشائخ نے کسی ضرورت وغیرہ کی بنیاد پر صاحبینؒ یا کسی اور کے مسلک پر فتویٰ نہ دیا ہو اگر فتویٰ دیا ہو جیسے ظاہر عدالت پر قضاء نہ کرنے کا مسئلہ تو پھر مشائخ کی ترجیحات پر عمل کرنا ہوگا۔(از فتویٰ نویسی کے رہنما اصول)

عبادات میں امام ابوحنیفہؒ کا مشہور قول عموماً راجح قرار دیا جاتا ہے الا یہ کہ امام صاحبؒ کی کسی مرجوع عنہ روایت پر مشائخ نے فتویٰ کی صراحت کی ہو۔اور امام ابو یوسفؒ چونکہ عرصہ دراز تک منصب امامت پر فائز رہے ہیں جس میں ان کو زیادہ مہارت حاصل ہے اسلئے قضاء اور اس کے متعلقات میں امام ابو یوسفؒ کا قول زیادہ تر معتبر مانا جاتا ہے۔اور توریث ذوی الارحام اور تمام نشہ آور شرابوں میں امام محمدؒ کے قول پر فتویٰ دیا جائیگا اور اگر کسی امام سے ایک ہی مسئلہ میں مختلف روایتیں منقول ہوں تو جو روایت دلیل کے اعتبار سے زیادہ مضبوط ہوگی اسے اختیار کیا جائیگا۔

متاخرین کی روایتوں میں ترجیح کا اصول:۔ائمہ مجتہدین سے جب کسی مسئلہ کے بارے میں کوئی صریح روایت منقول نہ ہو اور متاخرین کی آراء بھی مختلف ہوں تو ضابطہ یہ ہے کہ اکابر فقہاء متاخرین مثلاً امام طحاویؒ، ابوحفص کبیرؒ اور ابواللیث سمرقندیؒ وغیرہ کی اکثریت جس حکم کی طرف مائل ہوگی اسی پر فتویٰ دیا جائیگا۔

اور اصول ترجیح میں سے یہ بھی ہے کہ جس قول پر متون متفق ہوں وہی معتمد علیہ ہوتا ہے کیونکہ علماء نے تصریح کی ہے کہ جب مسئلہ متن اور مسئلہ فتاویٰ میں تعارض ہو تو متن کے قول کو ترجیح دیجائیگی۔اسی طرح اگر شروحات اور فتاویٰ کے مسئلہ میں تعارض ہو تو بھی مسئلہ شروحات کو ترجیح دیجائیگی۔

متاخرین کی اصطلاح میں جب لفظ متون بولا جاتا ہے تو اس سے صرف متون کی معتبر کتابیں مراد ہوتی ہیں جن کے نام یہ ہیں "هدایه، مختصر القدوری، مختار، النقایه، وقایه، کنز الدقائق، ملتقی الابهر، مجمع الانهر، تحفة الفقهاء" اور متونِ ثلاثہ سے "وقایه، کنز الدقائق، مختصر القدوری" مراد ہوتے ہیں۔

الفاظ تصحیح:۔کسی قول کی تصحیح کے لئے فقہاء مختلف الفاظ لکھتے ہیں مثلاً/**نمبر ۱**۔"**علیه عمل الیوم، علیه عمل الامة**"/**نمبر ۲**۔"**علیه الفتویٰ، به یفتیٰ، علیه الاعتماد، به ناخذ، هو فتوی مشائخنا، هو المختار فی زماننا**"/**نمبر ۳**۔"**الفتویٰ علیه هو الاصح، هو الاشبه، هو الاوضح، هو الاظهر، هو الاحوط، هو الارفق**"/**نمبر ٤**۔"**هو الاحتیاط، هو الصحیح**"۔

ان میں سے اول و دوم قسم کے الفاظ زیادہ مؤکد ہیں ان کے بعد تیسری اور چوتھی قسم کا درجہ ہے تعارض کے وقت عموماً اسی ترتیب کا اعتبار ہوتا ہے اور تعارض نہ ہو تو محض تصحیح کافی ہے۔(فتویٰ نویسی کے رہنما اصول)

بعض فقہی اصطلاحات:۔احکام شرعیہ کی پانچ قسمیں ہیں۔

نمبر ۱۔فرض:۔فرض اس حکم کو کہا جاتا ہے جو ایسی دلیل قطعی سے ثابت ہو کہ جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہ ہو جیسے کہ پانچوں نمازوں کی فرضیت کا حکم قرآن اور احادیث سے ثابت ہے اسی طرح زکوٰہ، روزے اور حج کی عبادات ہیں۔

فرض کا حکم:۔جو چیز فرض ہو اس کا حکم یہ ہے کہ ہر مکلف شخص پر لازم ہے کہ اس چیز کے فرض ہونے کو دل سے مانے اور اس پر عمل کرے پس اگر کوئی شخص اس چیز کی فرضیت کا انکار کرے گا تو کافر کہلائے گا اور اگر کوئی شخص دل سے تو اس حکم کی فرضیت کا اعتقاد رکھتا ہے لیکن اس پر عمل نہیں کرتا تو فاسق کہلائے گا اور سخت عذاب کا مستحق ہوگا۔

شرط اور رکن:۔بعض اوقات فرض کو، شرط، کہا جاتا ہے۔اسی طرح بعض اوقات فرض کو، رکن، بھی کہا جاتا ہے، تفصیل اسکی یہ ہے کہ اگر فرض شی مقصود کی ذات میں داخل نہ ہو تو اس کو شرط کہتے ہیں اور اگر فرض شی مقصود کی ذات میں داخل ہو تو اس کو رکن کہتے ہیں۔

یہ بات اس مثال سے آسانی سے سمجھ میں آجائیگی کہ طہارت فرض ہے نماز کے لئے لیکن طہارت نماز میں داخل نہیں ہے

لہذا اس کو شرط کہا جائیگا۔ اسی طرح رکوع اور سجدہ نماز کے لئے فرض ہیں اور رکوع وسجدہ نماز کی ذات میں داخل بھی ہیں لہذا رکوع اور سجود رکن کہلائیں گے۔

فرض کی دو قسمیں اور بھی ہیں، فرضِ عین، اور فرضِ کفایہ،

فرضِ عین:۔ اس حکم کو کہتے ہیں جس کا کرنا ہر مکلف شخص پر لازمی ہو اور بعض لوگوں کے اس کام کو انجام دینے سے دوسروں پر سے ذمہ داری ختم نہ ہو جیسے کہ فرض نمازیں اور رمضان کے روزے۔

فرضِ کفایہ:۔ وہ حکم ہے کہ جس کا کرنا تمام لوگوں پر فرض ہو لیکن اس طرح کہ اگر بعض لوگ وہ کام کرلیں تو بقیہ لوگوں پر سے بھی ذمہ داری ختم ہو جائیگی اور اگر کوئی بھی شخص یہ کام نہ کرے تو سب گناہ گار ہونگے۔ اس کی مثال میں بہت سے احکام پیش کئے جاسکتے ہیں جس میں سے بعض خالص دینی احکام ہیں بعض دنیاوی ہیں بعض دینی بھی ہیں اور دنیاوی بھی۔

خالص دینی حکم کی مثال میت کو غسل دینا، اس پر نماز جنازہ پڑھنا، اور میت کی تدفین کرنا، اسی طرح قرآن شریف کی حفاظت کرنا، یہ سب فرضِ کفایہ ہیں۔ اور دنیاوی احکام کی مثال جیسے کہ وہ صنعتیں لگانا جنکی لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے مثلاً زراعت کرنا وغیرہ وغیرہ یہ سب فرضِ کفایہ ہیں۔ ان احکام کی مثال جو دینی بھی ہیں اور دنیاوی بھی ہیں جیسے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی اچھے کاموں کے کرنے کا حکم دینا اور برے کاموں سے روکنا یہ فرض کفایہ ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرنا جبکہ امیر کی طرف سے اعلان عام بھی نہ کیا گیا ہو تو یہ فرض کفایہ ہے۔ اسی طرح ڈوبتے کو بچانا، آگ بجھانا یہ سب فرضِ کفایہ ہیں۔

نمبر ۲۔ واجب:۔ وہ حکم ہے جو دلیل ظنی سے ثابت ہو دلیل ظنی دلیل قطعی سے کمزور ہوتی ہے اس وجہ سے کہ یا تو خود اس کے ثبوت میں شبہ ہوتا ہے یا اس دلیل کی فرضیتِ حکم پر دلالت میں شبہ ہوتا ہے مثلاً وتر کی نماز واجب ہے فرض نہیں ہے اس کی دلیل جو حدیث ہے وہ خبر واحد ہے متواتر نہیں ہے لہذا یہ دلیل اتنی مضبوط نہیں جتنی کہ دلیل قطعی ہوتی ہے لہذا اس دلیل سے ثابت ہونے والی چیز فرض نہیں کہلائیگی واجب کہلائیگی۔

واجب کا حکم:۔ واجب کا حکم یہ ہے کہ ہر مکلف پر اس کا کرنا لازمی ہے لیکن اس لزوم کا دل سے اعتقاد رکھنا ضروری نہیں۔ اس لئے کہ یہ دلیل ظنی سے ثابت ہے اور اعتقاد کا لزوم دلیل قطعی سے ہوتا ہے چنانچہ واجب کا انکار کرنے والا کافر نہیں کہلائیگا۔

واجب کی بھی دو قسمیں ہیں، واجب عین، واجب کفایہ۔

واجب عین:۔ واجب عین وہ ہے کہ جس کا کرنا ہر مکلف پر ضروری ہو جیسے کہ نماز وتر اور صدقۂ فطر، عید کی نماز اور قربانی۔

واجب کفایہ:۔ واجب کفایہ وہ ہے جسکا کرنا ہر مکلف پر ضروری ہو لیکن اس طرح کہ اگر بعض لوگ یہ کام کرلیں تو دوسروں سے ذمہ داری ساقط ہو جائے البتہ ثواب صرف کرنے والے کو ہی ملے گا لیکن اگر سب نے یہ کام چھوڑ دیا تو گناہ سب کو ملے گا اس کی مثال جیسے کہ اگر بہت سے لوگوں کو کوئی ایک شخص سلام کرتا ہے تو اس کا جواب دینا ہر ایک کیلئے ضروری ہے لیکن اگر کوئی ایک جواب دیدیتا ہے تو پھر سب

سے ذمہ داری اُتر جائیگی البتہ ثواب صرف جواب دینے والے کو ملے گا۔

نمبر ۳۔ سنت :۔سنت اس حکم کو کہا جاتا ہے جو ہمارے پیارے رسول محمد ﷺ سے ثابت ہو۔

سنت کی بھی دو قسمیں ہیں، سنت مؤکدہ، سنت غیر مؤکدہ۔

سنت مؤکدہ :۔اس حکم کو کہا جاتا ہے جس پر آپ ﷺ نے ہمیشہ عمل کیا ہو اور لوگوں کو بھی اس پر عمل کرنے کی ترغیب دی ہو مثلاً ابتداء وضوء میں مسواک کرنا، جمعہ کے دن غسل کرنا، نماز با جماعت پڑھنا، بیس رکعت تراویح پڑھنا۔

سنت مؤکدہ کا حکم یہ ہے کہ اس کے کرنے والے کو ثواب ملے گا اور اس کا چھوڑنے والا گناہ گار نہیں ہوگا لیکن مکروہ تنزیہی کا مرتکب ہوگا اس معنی میں کہ سنت مؤکدہ کا ترک حرام کی نسبت حلال کے زیادہ قریب ہے البتہ اس کے ترک سے بچنا شریعت میں مطلوب ہے اور اس کا کرنا اتمامِ دین سے ہے اور اس کا بلا عذر چھوڑنا گمراہی ہے۔

سنت غیر مؤکدہ :۔اس کو مندوب اور مستحب بھی کہا جاتا ہے یہ اس عمل کو کہا جاتا ہے جس پر آپ ﷺ نے بعض اوقات عمل کیا ہو اور اس کی ترغیب بھی دی ہو جیسے کہ وضوء کے وقت قبلہ رخ ہونا، اور اذان کے وقت کام کاج اور بات چیت موقوف کر دینا اذان کے سننے کے لئے اور مؤذن کا جواب دینا انہی الفاظ کے ساتھ جو وہ کہہ رہا ہے اسی طرح اعمال وضوء دائیں طرف سے کرنا، کپڑے دائیں طرف سے پہننا، اور ایسی جماعت کو دائیں طرف سے مصافحہ کرنا جو عمر اور مرتبے میں برابر ہوں لیکن اگر مختلف درجات کے لوگ ہوں تو ان میں جو افضل ہو اس سے ابتدا کرنا۔

اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا کرنے والا ثواب کا مستحق ہوگا اور اس کا چھوڑنے والا گناہ گار نہیں ہوگا اگر چہ وہ اپنے آپ کو بڑی خیر اور اجر اور فضیلت سے محروم کر دیگا۔

سنت کی دو قسمیں اور بھی ہیں، سنت عین، سنت کفایہ۔

سنت عین:۔وہ سنت ہے جس کا کرنا ہر مکلف کے لئے مسنون ہو جیسے نماز کی سنتیں، جمعہ کا غسل، عید کا غسل، اور نماز کے بعد کے اذکار۔

سنت کفایہ :۔وہ سنت ہے کہ جس کا کرنا ہر ایک کے لئے سنت ہو لیکن اگر بعض لوگ اس پر عمل کر لیں تو دوسروں سے بھی اس کا مطالبہ ختم ہو جائے لیکن ثواب صرف کرنے والے کو ہی ملے گا جیسے رمضان کے عشرۂ اخیرہ میں مسجد میں اعتکاف کرنا۔

نمبر ۴۔ حرام:۔کسی چیز کی حرمت اگر دلیل قطعی سے (یعنی آیات یا احادیث صحیحہ متواترہ) سے ثابت ہو تو وہ حرام کہلاتی ہے جیسے کہ نمازوں کو انکے اوقات سے مؤخر کرنا، جھوٹ بولنا، کسی کا حق دینے میں ٹال مٹول کرنا، کسی کا مال غصب کرنا، لوگوں پر ظلم کرنا، چوری کرنا، شراب پینا، سود کھانا، نمازوں کا چھوڑنا وغیرہ وغیرہ سب حرام ہیں۔

حرام کا حکم:۔اس کا کرنے والا سخت عذاب کا مستحق ہوگا اور اس کا نہ کرنے والا ثواب کا مستحق ہوگا۔

مکروہ:۔مکروہ احکام دو قسم کے ہوتے ہیں، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی۔

مکروہ تحریمی:۔مکروہ تحریمی وہ ہے جس سے شریعت نے منع کیا ہولیکن اس کی دلیل ظنی ہو کہ خبر واحد سے ثابت ہو جیسے کہ عصر کی نماز کو مؤخر کرنا سورج کے پیلے پڑ جانے تک یا جیسے کہ تقاضۂ حاجت کے ساتھ نماز پڑھنا، یا کسی کے چھینی ہوئی زمین میں نماز پڑھنا یا چھینے ہوئے کپڑوں میں نماز پڑھنا، یا عید، بقرعید کے دن روزہ رکھنا یا سونے چاندی کے برتن استعمال کرنا یہ سب مکروہ تحریمی ہیں۔

مکروہ تنزیہی:۔جس کام کی شریعت نے نفرت دلائی ہولیکن کرنے والے کے لئے کسی سزا کا ذکر نہ کیا گیا ہو تو ایسے کام کا کرنے والا گویا حرام کی نسبت حلال کے زیادہ قریب ہوتا ہے مثلاً وضوء میں پانی کے استعمال میں اسراف کرنا، جمعہ کا غسل نہ کرنا، وضوء میں مسواک نہ کرنا، یا بسم اللہ نہ پڑھنا۔

مکروہ تنزیہی کاحکم:۔اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا چھوڑنے والا ثواب کا مستحق ہوتا ہے اور کرنے والا سزا کا مستحق نہیں ہوتا۔

نمبر۵. مباح:۔وہ حکم ہے جس کا شریعت نے نہ کرنے کا حکم دیا ہو اور نہ کرنے کا جیسے کھانا، پینا، اٹھنا، بیٹھنا، خرید وفروخت کرنا وغیرہ وغیرہ۔

مباح کاحکم:۔اس کا حکم یہ ہے کہ نہ اس میں ثواب ہے اور نہ کوئی سزا ہے اور انسان کو اس میں اختیار ہے چاہے کرے اور چاہے تو نہ کرے البتہ اگر ایسے کسی کام کو کسی اچھی نیت سے کرتا ہو تو اجر کا مستحق ہوگا۔ اس صورت میں یہ مباح کام مستحب کے درجہ میں ہو جائیگا جیسے کہ مہمان کے اکرام کے لئے کھانا اس کے ساتھ کھانا، یا دن میں اس نیت سے سونا تا کہ رات کو عبادت کر سکے، یا اچھے کپڑے اس نیت سے پہنے کہ تا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اثر ظاہر ہو۔(مقدمة المعتصر الضروری)

فوائدمتفرقه

فائده:۔احنافؒ کی کتابوں میں جہاں کہیں، حسنؒ، کا ذکر ہو تو اس سے مراد امام حسن بن زیادؒ تلمیذ امام ابوحنیفہؒ مراد ہوتا اور جب کتب تفسیر میں مطلقاً ذکر ہو تو اس سے حسن بصریؒ مراد ہوتا ہے۔

فائده:۔''الامام'' یا''الامام الاعظم ''اگر احنافؒ کی کتابوں میں ذکر ہو تو اس سے امام ابوحنیفہؒ مراد ہیں، اور''صاحب المذهب '' سے بھی امام ابوحنیفہؒ مراد ہیں۔

فائده:۔صاحبینؒ سے امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ مراد ہیں، اور شیخینؒ سے امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ مراد ہیں، اور طرفینؒ سے امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ مراد ہیں، اور''الامام الثانی '' سے امام ابو یوسفؒ مراد ہیں، اور''الامام الرّبّانی '' سے امام محمدؒ مراد ہیں۔

فائده:۔''عندالثلاثة'' سے امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ مراد ہیں اور''الائمة الاربعة '' سے امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ مراد ہیں۔

فائده:۔فقہاء کے قول''هذا الحكم عنده ''یا''هذا مذهبه ''میں ہاء ضمیر کا مرجع اگر ماقبل مذکور نہ ہو تو اس سے امام ابوحنیفہؒ مراد ہوں گے کیونکہ وہ حکماً مذکور ہیں، اسی طرح''عندهما '' کی ضمیر کا اگر ماقبل میں مرجع مذکور نہ ہو تو اس سے صاحبینؒ مراد ہونگے۔ اور کبھی اس سے امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ یا امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ مراد ہوتے ہیں، مگر شرط یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ میں سے تیسرے کا ذکر ماقبل میں

اس حکم کے خلاف میں گذر چکا ہو مثلاً جب اس طرح عبارت ہو "قالوا عند محمدؒ کذا و عندھما کذا" تو اس وقت "ھما" ضمیر سے امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ مراد ہونگے۔

فائدہ:۔ کبھی فقہاء کی عبارات میں لفظ "عندہ یا عنہ" ذکر ہوتا ہے مثلاً کہتے ہیں "ھذا عند ابی حنیفةؒ، و عنہ کذا" تو اول کا مطلب یہ ہے کہ یہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے، اور ثانی کا مطلب یہ ہے کہ یہ امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت ہے۔

فائدہ:۔ لفظِ "مکروہ" یا "یکرہ" جب کلام فقہاء میں مطلق ذکر ہو تو اس سے مراد کراہتِ تحریمی ہے، مگر یہ کہ کراہتِ تنزیہی ہونے کی تصریح کرلے یا کراہتِ تنزیہی مراد ہونے پر کوئی دلیل قائم ہو، تو پھر کراہتِ تنزیہی مراد ہوگی۔

فائدہ:۔ کبھی لفظِ سنت ذکر کیا جاتا ہے اور مراد اس سے استحباب ہوتا ہے اور کبھی اسکے برعکس مستحب ذکر کیا جاتا ہے اور سنت مراد ہوتا ہے جو کہ قرائنِ حالیہ اور مقالیہ سے معلوم ہوتا ہے۔ اور کبھی واجب ذکر کیا جاتا ہے مگر اس سے عام معنی مراد ہوتا ہے جو فرض اور واجب دونوں کو شامل ہوتا ہے۔ (مقدمۃ شرح الوقایہ)

فائدہ:۔ کبھی لفظ "یجوز" استعمال ہوتا ہے مگر اس سے مراد وہ چیز ہوتی ہے جو شرعاً ممنوع نہ ہو، لہذا یہ واجب، مندوب، مباح، مکروہ سب کو شامل ہوگا یہی وجہ ہے کہ کبھی مکروہ طریقہ سے نماز پڑھنے کو کہتے، جاز، تو اس سے مراد نفس صحت ہے بدونِ خیال کراہت کے۔

فائدہ:۔ لفظ "ینبغی" عرفِ متاخرین میں اکثر مندوبات میں مستعمل ہوتا ہے مگر عرفِ متقدمین میں اس کا استعمال عام معنی کے لئے ہوتا ہے جس میں واجب بھی شامل ہوتا ہے۔

اوزانِ شرعیہ کی تفصیل۔

ایک ملین:۔ دس لاکھ

ایک ہزار ملین:۔ ایک بلین

دس لاکھ ملین یا ایک ہزار ملین۔ ایک ٹرالین

رتی:۔ آٹھ چاول کے برابر وزن

ماشہ:۔ آٹھ رتی

تولہ:۔ بارہ ماشے

طسوج:۔ تقریباً پون رتی۔ اصل یہ ہے کہ طسوج دو جَو کا ہے اور ایک رتی تین جَو سے کچھ کم ہے

قیراط:۔ تقریباً پون دو رتی۔ حسب تصریح فقہاء ایک قیراط پانچ جَو اور چودہ قیراط کا ایک درہم ہے درہم پچیس رتی کا ہے

دانق یا دانگ:۔ تقریباً سات رتی۔ اصل یہ ہے کہ دانق چار قیراط ہے اور ایک قیراط پونے دو رتی ہے تو چار قیراط سات رتی کے ہوئے

درہم:۔ تین ماشہ ایک رتی اور پانچواں حصہ رتی کا ہوتا ہے۔ ۷۰ جَو درہم کا وزن حسب تصریح فقہاء ہے ماشہ سے وزن کیا گیا تو یہی وزن آتا ہے

مثقال:۔ چار ماشہ چار رتی کا ہوتا۔ مثقال کا وزن حسب تصریح فقہاء سوا۲ ہے ہمارے اوزان سے بھی یہی آتا ہے۔

رطل:۔ چونتیس تولہ ڈیڑھ ماشہ۔ حسب تصریح شامیؒ وغیرہ رطل کا وزن ایک سوتیس درہم ہے جس کا وزن بحساب تولہ یہی نکلتا ہے۔

مُد:۔ اٹھاسٹھ تولہ تین ماشہ۔ حسب تصریح شامیؒ وغیرہ مُد کا وزن دوسو ساٹھ درہم ہے جس کا وزن بحساب تولہ یہی نکلتا ہے۔

مَن:۔ اٹھاسٹھ تولہ تین ماشہ۔ حسب تصریح شامیؒ وغیرہ مُد کا وزن دوسو ساٹھ درہم ہے جس کا وزن بحساب تولہ یہی نکلتا ہے۔

استار:۔ بحساب درہم ایک تولہ آٹھ ماشہ دو بٹہ تین رتی۔ ایک استار ساڑھے چھ درہم ہے اور اس کا وزن یہی نکلتا ہے۔

استار:۔ بحساب مثقال ایک تولہ آٹھ ماشہ دو رتی۔ ایک استار ساڑھے چار مثقال ہے جس کا وزن ایک تولہ آٹھ ماشہ دو رتی ہے۔

اوقیہ:۔ ساڑھے دس تولہ۔ اوقیہ کا وزن درہم سے حسب تصریح فقہاء چالیس درہم ہے جس کا ہندی وزن یہی نکلتا ہے۔

صاع:۔ بحساب درہم ۲۷۰ تولہ اور بحساب مثقال ۲۷۳ تولہ۔

نصف صاع:۔ بحساب درہم ۱۳۵ تولہ اور بحساب مثقال ۱۳۶ تولہ ۶ ماشہ۔

وسق:۔ بحساب درہم پانچ من اڑھائی سیر ۸۰ تولہ کے سیر سے۔ بحساب مثقال پانچ من پونے پانچ سیر۔

مساحات شرعیه وهندیه۔

نو انچ:۔ ایک بالشت

دو بالشت یااٹھارہ انچ:۔ ایک ہاتھ یا ایک شرعی گز

دو ہاتھ:۔ ایک انگریزی گز

ایک انگریزی گز:۔ تین فٹ یا چھتیس انچ

ایک فٹ:۔ بارہ انچ

ذراع مساحت (زمین وغیرہ ناپنے کا شرعی گز):۔ ایک انگریزی گز چھ انچ۔ یا ساڑھے تین فٹ۔ یا بیالیس انچ

ذراع کرباس (کپڑے ناپنے کا شرعی گز):۔ نصف انگریزی گز۔ یا ڈیڑھ فٹ۔ یا اٹھارہ انچ

شرعی میل:۔ چار ہزار شرعی گز یا دو ہزار انگریزی گز

انگریزی میل:۔ آٹھ فرلانگ کا ہوتا ہے اور ہر فرلانگ دوسو بیس انگریزی گز کا تو انگریزی میل سترہ سو ساٹھ انگریزی گز کا ہوگیا۔ معلوم ہوا کہ شرعی میل انگریزی میل سے دوسو چالیس انگریزی گز بڑا ہے۔

فرسخ:۔ تین میل کی مسافت کا نام ہے۔

برید:۔ چار فرسخ یا بارہ میل کی مسافت کو کہا جاتا ہے۔

میٹر:۔ ایک گز سوا تین انچ کا پیمانہ ہے۔ (ماخوذ از جواہر الفقہ بتغییر)

حالات امام قدوریؒ

نام ونسب:۔آپ کااسم گرامی احمد ہے،کنیت ابو الحسین ہےسلسلہ نسب اس طرح ہے"ابو الحسین احمدبن ابی بکر محمدبن احمدبن جعفر بن حمدان البغدادی القدوری"۔

سن پیدائش:۔آپؒ کاسن پیدائش ۳۶۲ھ ہےاور بغداد شہر میں پیدا ہوئے ہیں۔

قدوری نسبت کی تحقیق:۔قدوری نسبت جس کے ساتھ امام قدوریؒ مشہور ہیں کے بارے میں مختلف اقوال ہیں یا تو یہ اس گاؤں کا نام ہے جس کا امام موصوفؒ باشندے ہیں یا صنعت قدور (دیگ سازی) کی طرف منسوب ہےاور یا قدور (قدر کی جمع ہے بمعنی ہانڈی) کی خرید وفروخت کی طرف نسبت ہے۔

تحصیل علم:۔امام قدوری نے علم فقہ اور علم حدیث رکن الاسلام ابو عبداللہ محمدبن یحیٰ بن مهدی جرجانی متوفی ۳۹۸ھ سے حاصل کیا جو امام ابو بکر احمد جصاص کے شاگرد ہیں امام قدوریؒ نے پانچ واسطوں سے امام محمد ابن الحسن الشیبانیؒ سے علم فقہ حاصل کیا ہے سلسلہ سند اس طرح ہے"اخذ الامام القدوریؒ عن ابی عبدالله الفقیه محمدبن یحیٰ الجرجانی عن احمد الجصاص عن عبدالله ابی الحسن الكرخی عن ابی سعید البردعی عن موسیٰ الرازیؒ عن محمدؒ"۔

ابن خلکان اپنی تاریخ "وفیات الاعیان" میں آپؒ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں"ابو الحسین احمدبن محمدبن احمدبن جعفر الفقیه الحنفی المعروف بالقدوریؒ انتهت الیه ریاسة الحنفیة بالعراق كان حسن العبارة فی النظر وروی عنه الخطیب صاحب التاریخ"۔

فقہی مقام:۔ابن کمال پاشانے آپؒ کو اور صاحب ھدایہ کو طبقہ خامسہ یعنی اصحاب ترجیح میں شمار کیا ہے (اس طبقہ کے فقہاء کا کام یہ ہے کہ وہ مذہب کی بعض روایات کو دوسری بعض روایات پر اپنے قول "ھذا اولیٰ،ھذا اصح،ھذا اوضح" وغیرہ کلمات کے ذریعہ ترجیح دیتے ہیں) مگر اس پر علماء کرام نے یہ اعتراض کیا ہے کہ ابن کمال باشانے قاضی خان کو تیسرے طبقہ میں شمار کیا ہے جبکہ امام قدوریؒ اور صاحب ہدایہ کا درجہ فقاہت میں قاضی خان سے بڑھ کر ہے۔اور بالفرض اگر ان کا درجہ فقاہت میں قاضی خان سے بڑھ کر نہ ہوتو کم از کم قاضی خان کے برابر ضرور ہے پس امام قدوری رحمہ اللہ کو بھی تیسرے طبقہ میں شمار کرنا چاہئے۔

آپؒ شیخ ابو حامد اسفرائنی شافعیؒ کے ہم عصر ہیں ان کے ساتھ ہمیشہ آپؒ کا مناظرہ ہوا کرتا تھا۔

رحلت ووفات:۔امام قدوری رحمہ اللہ نے شہر بغداد میں چھیاسٹھ سال کی عمر میں اتوار کے دن پانچ رجب ۴۲۸ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا اور اسی دن اپنے گھر جو"درب ابی خلف" میں واقع تھا دفن ہوئے پھر آپؒ کی نعش کو شارع منصور کی قبرستان کی طرف منتقل کر لیا گیا وہاں آپؒ کو ابی بکر الخوارزمیؒ الحنفی کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔

تصانیف:۔آپؒ نے کئی کتابیں لکھی ہیں (۱) شرح مختصر الکرخی (۲) التجرید ، یہ سات جلدوں پر مشتمل کتاب ہے جو

احناف اور شوافع کے درمیان مختلف فیہ مسائل پر مشتمل ہے جس کا املاء آپ نے ۴۰۵ھ میں شروع کرایا (۳) التقریب، اس میں آپ نے احناف اور شوافع کے درمیان مختلف فیہ مسائل کو بلا دلائل ذکر کئے ہیں پھر آپ نے ایک اور کتاب "التقریب" لکھی جس میں مسائل بادلائل بیان کئے ہیں۔ (الفوئد البھیہ فی تراجم الحنفیہ ص ۳۱)

مختصر القدوری:۔ امام قدوری رحمہ اللہ کی مشہور ترین تصنیف مختصر القدوری ہے یہ تقریباً ایک ہزار سال کا قدیم مستند ترین متنِ متین ہے جس میں بیسیوں کتابوں سے تقریباً بارہ ہزار ضروری مسائل کا انتخاب ہے اور عہد تصنیف سے آج تک پڑھایا جارہا ہے قدرت نے اس کتاب کی عظمت حنفی مسلمانوں میں اتنی بڑھادی ہے کہ طاش کبریٰ زادہ نے لکھا ہے "اِنّ ھٰذا المُختصرُ تَبرّکَ بِہ العُلَماءُ حتّٰی جَرّبُوا قِرأتہ اَوْقات الشّدائِدِ وَاَیّامَ الطّاعونِ"۔

کرامت عجیبہ:۔ علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ نے شرح ھدایہ میں ذکر کیا ہے کہ امام قدوری رحمہ اللہ اپنی مختصر کی تصنیف سے فارغ ہوکر اسکو سفرحج میں ساتھ لے گئے اور طواف سے فارغ ہوکر حق تعالیٰ سے دعاء کی بارالٰہا اگر مجھ سے کہیں اس میں غلطی یا بھول چوک ہوگئی ہو تو مجھے اس پر مطلع فرما اس کے بعد آپ نے کتاب کو اول سے لیکر آخر تک ایک ایک ورق کھول کر دیکھا تو پانچ یا چھ جگہ سے مضمون محو تھا فھٰذامِن اَجَلِّ کَرَامَاتِہٖ۔

شروح وحواشی مختصر القدوری:۔ اس متداول اور مقبول کتاب کی شروحات کثرت سے لکھی گئی ہیں چند شروع یہ ہیں (۱) خلاصۃ الدلائل فی تنقیح المسائل، از حسام الدین علی بن احمد مکی متوفی ۵۹۸ھ (۲) المجتبیٰ، از نجم الدین مختار بن محمود بن محمد زاہدی (معتزلی الاعتقاد حنفی الفروع) متوفی ۶۵۲ھ یہ شرح تین جلدوں میں ہے (۳) السراج الوھاج الموضح لکل طالب محتاج، تین جلدوں پر مشتمل ہے (۴) الجوھرۃ النیرۃ، یہ دونوں ابوبکر بن علی الحدادی المتوفی ۸۰۰ھ کی تصانیف ہیں (۵) شرح قدوری، از محمد شاہ بن الحاج حسن رومی (۶) جامع المضمرات، از یوسف بن عمر بن یوسف الصوفی (۷) تصحیح القدوری، از علامہ زین الدین قاسم بن قطلو بغا متوفی ۹۷۹ھ (۸) النوری شرح القدوری از محمد بن ابراہیم رازی متوفی ۶۱۵ھ (۹) ملتمس الاخوان، از ابوالمعالی عبدالرب بن منصور غزنوی متوفی ۷۷۰ھ (۱۰) اللباب، از سید عبدالغنی الغنیمی المیدانی الذی ھو تلمیذ ابن العابدین صاحب ردالمحتار۔ جس کے بارے میں کہا گیا ہے "وھو شرح مختصر مفید موجز کاصلہ ولعمری لم یشرحہ احدمثلہ ولوراٰہ شراح الکتاب لم یتحرک قلمھم ولوعلم صاحب المتن لتالیف ھذاالشرح لافتخروالفہ رحمہ اللہ فی سنۃ ۱۲۶۸ھ"۔ (ماخوذ از حالات مصنفین ص۱۹۰ بتغیر)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ

ترجمہ:۔تمام تعریفیں اللہ کے لئے خاص ہیں جو سارے جہان کا پالنے والا ہے اور بہترین انجام اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے ہے۔

تشریح:۔مصنف رحمہ اللہ نے قرآن مجید کی اقتداء کر کے اپنی تصنیف کو ''بسم اللّٰه'' اور ''الحمدللّٰه'' سے شروع فرمایا کیونکہ قرآن مجید کی ابتداء میں ''بسم اللّٰه'' اور ''الحمدللّٰه'' ہے، نیز حدیث مبارکہ ''كُلّ امرِ ذِیْ بَالٍ لَم يُبْدأ فِيهِ بِبِسْمِ اللّٰهِ فهوَ اَقْطَعُ'' اور ''كُلّ امرِ ذِیْ بَالٍ لَمْ يُبْدأ بِحَمْدِ اللّٰهِ فهوَ اَقْطَعُ''، پر عمل کر کے اپنی تصنیف کو بسم اللہ اور الحمد للہ سے شروع کیا ہے۔نیز مصنف رحمہ اللہ نے اسلاف کے اتباع میں ایسا کیا ہے کیونکہ اسلاف کی بھی یہی عادت رہی ہے کہ وہ اپنی کتابوں کا آغاز بسم اللہ اور الحمد للہ سے فرماتے تھے۔

فائدہ:۔بسم اللہ میں باء جارہ ہے اسم مجرور ہے جار و مجرور کیلئے متعلق ضروری ہے پھر کوفیین اور بصریین کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا بسم اللہ کا متعلق فعل مقدر مانا جائے یا اسم، اہلِ بصرہ فعل مقدر مانتے ہیں کیونکہ یہ مقدر اس جار و مجرور میں عامل ہے اور عمل میں فعل اصل ہے کیونکہ فعل کی وضع برائے عمل ہوئی ہے بخلاف اسم کے کہ وہ فعل کی مشابہت کی وجہ سے عمل کرتا ہے۔اور اہل کوفہ اسم مقدر مانتے ہیں کیونکہ تقدیر میں اصل افراد ہے اور مفرد اسم ہے فعل نہیں ۔پھر بصریین کے مذہب کے مطابق فعل عام مقدر مانیں گے البتہ جہاں فعل خاص کی تقدیر پر کوئی قرینہ ہو وہاں فعل خاص مقدر مانیں گے۔یہاں بسم اللہ میں چونکہ شروع فی الکتاب فعل خاص کی تقدیر پر قرینہ ہے لہٰذا یہاں فعل خاص مقدر مانیں گے جو کہ اَشْرَعُ ہے۔

اور ''اَشْرَعُ'' کو مقدم ماننے کی بنسبت مؤخر ماننا افضل ہے کیونکہ مصنف رحمہ اللہ کا مقصود یہ ہے کہ شروع اللہ کے نام سے ہو تو اَشْرَعُ کو مقدم ماننے کی صورت میں شروع اللہ کے نام سے نہ ہوگا بلکہ لفظ ''اَشْرَعُ'' ہوگا۔

سوال:۔اگر ''اَشْرَعُ'' کو مؤخر مان لیں تب بھی اللہ کے نام سے شروع نہ ہوگا کیونکہ پھر بھی شروع میں لفظ اسم ہے اور لفظ اسم اللہ کا نام نہیں؟

جواب:۔لفظِ اسم سے شروع کرنا مجبوری ہے کیونکہ اگر بسم اللہ کے بجائے باللہ کہیں تو قسم کے ساتھ التباس آئیگا اسلئے بسم اللہ کہا۔

فائدہ:۔لفظ اللہ اسم ہے ''ذَاتِ وَاجِبِ الْوُجُوْدِ الْمُسْتَجْمِعِ لِجَمِيْعِ صِفَاتِ الْكَمَالِيَةِ'' کا۔اور ''الرَّحْمٰن'' و ''الرَّحِيْم'' لغۃً نرم دلی کے معنی میں ہیں یہاں پر احسان و انعام مراد ہے کیونکہ اللہ کے واسطے دل (جو لازمہ جسمیت ہے) نہیں لہٰذا نرم دلی کا غایت مراد ہوگا جو کہ احسان ہے۔نیز اس طرح کی ہر صفت جو اللہ کیلئے ثابت ہو اس سے غایتِ صفت مراد ہوگا۔

حمد کا لغوی معنی ہے تعریف کرنا اور اصطلاح میں ''اَلثَّنَاءُ عَلَى الْجَمِيْلِ الْاِخْتِيَارِیْ نِعْمَةً كَانَتْ اَوْغَيْرَهَا بِاللِّسَانِ وَحْدَهٗ'' کو کہتے ہیں۔اور شکر ''اَلثَّنَاءُ عَلَى النِّعْمَةِ وَحْدَهَا بِاللِّسَانِ وَغَيْرِهٖ مِنَ الْجَوَارِحِ'' کو کہتے ہیں۔اور مدح ''اَلثَّنَاءُ عَلَى الْجَمِيْلِ اِخْتِيَارِيًّا اَوْ لَا بِاللِّسَانِ وَحْدَهٗ'' کو کہتے ہیں۔پس مورد حمد صرف زبان ہے خواہ اسکا متعلق نعمت ہو یا غیر نعمت، اور شکر کا

متعلق صرف نعمت ہوگا اور مورد اس کا زبان بھی ہوسکتی ہے اور غیر زبان بھی۔ لہذا حمد شکر سے باعتبار متعلق عام ہے اور باعتبار مورد خاص ہے اور شکر حمد سے باعتبار مورد عام اور باعتبار متعلق خاص ہے۔ حمد کی نقیض ذم ہے، اور شکر کی نقیض کفران ہے۔

حمد اور مدح میں فرق:۔ مدح ذی حیات وغیر ذی حیات دونوں کی ہوسکتی ہے اور حمد صرف ذی حیات کی ہوسکتی ہے لہذا ''مدحت اللؤلؤ'' کہنا درست ہے مگر ''حَمِدتُ اللؤلؤ'' کہنا درست نہیں۔

رب کا لفظ درحقیقت تربیت کے معنی میں آتا ہے یعنی کسی کی آہستہ آہستہ یوں پرورش کرلے کہ کمال تک باقی رہے اور جب یہ مطلق استعمال ہو تو اس سے باری تعالیٰ مراد ہوگا اور اگر بصورت اضافت استعمال ہو تو اللہ کے سوا کسی دوسرے کو مراد لینا بھی درست ہے جیسے رب الارض، رب المال، رب الفرس۔ لفظ ''عالم'' کا اشتقاق علامت سے ہے کائنات مراد ہے اور کائنات کو عالم اسلئے کہتے ہیں کہ یہ وجود باری تعالیٰ پر علامت ہے۔

وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

ترجمہ:۔ اور درود وسلام اللہ کے رسول محمد ﷺ پر اور آپ کی آل اور آپ کے تمام اصحاب پر نازل ہو۔

تشریح:۔ صلوۃ لغت میں بمعنی دعاء کے ہے اور صلوۃ من اللہ تعالیٰ کی جانب سے صلوۃ کا معنی رحمت ہے اور فرشتوں کی جانب سے صلوۃ کا معنی استغفار ہے، اور مومنوں کی جانب سے صلوۃ کا معنی دعاء ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں صلوۃ کا شرعی معنی ''اَللّٰهُمَّ عَظِّمْهُ فِی الدُّنْیَا بِاِعْلَاءِ کَلِمَتِہٖ وَاِحْیَاءِ شَرِیْعَتِہٖ وَفِی الْآخِرَۃِ بِرَفْعِ دَرَجَتِہٖ وَتَشْفِیْعِہٖ فِیْ اُمَّتِہٖ''۔

لفظ ''مُحَمَّد'' حضرت پیغمبر خدا محمد مصطفیٰ ﷺ کا علم شخصی ہے آپ کے تمام ناموں میں سے سب سے زیادہ مشہور دو نام ہیں یعنی محمد، احمد۔ اور محمد بمعنی وہ ذات جو اچھی صفات کا مجموعہ ہو۔

لفظ ''آل'' کی اصل میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں ''آل'' کی اصل ''اھل'' ہے، انکی دلیل یہ ہے کہ ''آل'' کی تصغیر ''اُھَیْلٌ'' ہے اور تصغیر لفظ کو اپنی اصل کی طرف لوٹا دیتی ہے۔ اور بعض کے نزدیک ''آل'' کی اصل ''اَوَلٌ'' ہے، واو بالف تبدیل ہوا ''آل'' ہوگیا، ان کی دلیل یہ ہے کہ ''آل'' کی تصغیر ''اُوَیْلٌ'' ہے۔ قول ثانی والے کہتے ہیں کہ ''آل'' الگ لفظ ہے جس کی تصغیر ''اُوَیْلٌ'' ہے اور ''اھل'' الگ لفظ ہے جس کی تصغیر ''اُھَیْلٌ'' ہے۔

لفظ ''آل'' کے مصداق میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک ''آل'' کا مصداق اولاد رسول ہیں اور بعض کے نزدیک فقہاء ومجتہدین ہیں اور بعض کے نزدیک مطلق اتباع رسول ہیں قول ثالث عام ہونے کی وجہ سے اولیٰ ہے۔

قَالَ الشَّیْخُ الْاِمَامُ الْاَجَلُّ الزَّاھِدُ اَبُوْ الْحَسَنِ اَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرِ الْبَغْدَادِیُّ الْمَعْرُوْفُ بِالْقُدُوْرِیِّ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ۔

ترجمہ:۔ فرماتے ہیں شیخ وقت پیشوائے قوم جلیل القدر، نیک شعار ابوالحسن احمد بن محمد بن جعفر بغدادی جو قدوری سے مشہور ہیں۔

تشریح:۔ یہ عبارت امام قدوریؒ کے کسی شاگرد نے بڑھادی ہے۔

شیخ لغت میں کثیر السن کو کہتے ہیں یعنی جس کی عمر چالیس سال سے زیادہ ہو مگر درجہ ہرم کو نہ پہنچی ہو۔ اور اہل علم کی اصلاح میں ''مَنْ لَه مَهَارَةٌ فِي فَنٍ مِنَ الْفُنُوْنِ'' (جس کو کسی فن میں مہارت حاصل ہو) کو کہتے ہیں۔ اور اہل تصوف کی اصطلاح میں ''مَنْ يُحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْم'' (بوسیدہ ہڈیوں کو زندہ کرتا ہو) کو کہتے ہیں مگر اس سے ظاہری معنی مراد نہیں بلکہ بذریعہ ذکر لطائف خمسہ کو زندہ کرنے والے کو کہتے ہیں۔۔

لفظ شیخ جہاں بغیر قرینہ کے مستعمل ہو تو فن فقہ اور اصول فقہ میں اس سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ مراد ہوتا ہے اور فن نحو و علم بلاغت میں عبدالقاہر جرجانی مراد ہوتا ہے اور علم عقائد میں امام ابومنصور ماتریدیؒ مراد ہوتا ہے اور حکمت و منطق میں ابوعلی بن سینا مراد ہوتا ہے۔

لفظ امام لغت میں بمعنی پیشوا اور اصطلاح میں ''مَنْ يُقْتَدى بِهِ'' (جس کی اقتداء کی جائے) یا ''اَوْمَنْ تَقَدَّمَ الْقَوْمَ لِاِقَامَةِ الْاُمُوْرِ الدِّيْنِيَّةِ اَوْ الدُّنْيَوِيَّةِ'' (جو امور دینیہ یا دنیویہ کی اقامت کے لئے قوم کا مقتدا ہو)۔

پھر بعض حضرات کے نزدیک لفظ امام مفرد ہے اور بعض کے نزدیک جمع ہے۔ اسکے مفرد و جمع ہونے میں فرق موصوف کے ذریعہ ہوگا اگر اس کا موصوف مفرد ہو تو یہ مفرد ہوگا اور اگر جمع ہو تو یہ جمع ہوگا اور بصورت جمع یہ جمع تکسیر ہوگی۔ مگر سوال یہ ہے کہ جمع مکسر کے واحد کی بناء متغیر ہو جاتی ہے جبکہ لفظ امام کے واحد کی بناء تو سالم ہے؟

جواب:۔ بناءِ واحد کی تغییر دو قسم پر ہے، حقیقی، اعتباری، پس لفظ امام میں تغیر اعتباری ہے یوں کہ اگر لفظ امام مفرد ہو تو اس کے ہمزہ کا کسرہ لفظ کتاب کے کاف کے کسرہ کی طرح ہے اور اگر لفظ امام جمع ہو تو اسکے ہمزہ کا کسرہ لفظ رجال کی راء کے کسرہ کی طرح ہے۔

لفظ امام اگر بلا قرینہ ذکر ہو تو اس کا مصداق فقہ اور اصول فقہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہوں گے۔ نحو میں شیخ عبدالقاہر جرجانی مراد ہوں گے۔ عقائد میں ابومنصور ماتریدیؒ، اور حکمت و منطق میں امام فخرالدین رازیؒ مراد ہوں گے۔

كتابُ الطَّهارَة

یہ کتاب ''طہارت'' کے بیان میں ہے۔

''کتاب الطهارة'' میں اضافت لامیہ ہے مضاف با مضاف الیہ ملکر مبتدأ محذوف کے لئے خبر ہے تقدیری عبارت اس طرح ہے ''هذا كتاب الطهارة'' یا فعل محذوف کے لئے مفعول ہونے کی بناء پر منصوب ہے تقدیری عبارت ہے ''هاک كتاب الطهارة'' یا ''خُذْ كتابَ الطّهارة''۔

کتاب: لغت میں جمع ہونے کو کہتے ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے ''كتبت الشيء اى جمعته'' اور کتابت کو کتابت اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں حروف بعض بعض کے ساتھ جمع ہوتے ہیں۔ اصطلاح میں کتاب مسائل کے اس مجموعہ کو کہتے ہیں جو مستقلاً معتبر ہو خواہ مختلف انواع پر مشتمل ہو یا نہ ہو۔

''طہارۃ'' لغت میں نظافت اور پاکیزگی کو کہتے ہیں اس کا مقابل دنس ہے۔ اور شرعاً نجاست حقیقیہ و حکمیہ کے ازالہ کو

''طہارۃ'' کہتے ہیں (نجاستِ حقیقیہ جیسے بول و براز وغیرہ اور حکمیہ جیسے حدث اصغر و اکبر)۔

طہارت کے بہت سے انواع و اقسام ہیں مثلاً کپڑے کی پاکی، بدن کی پاکی، مکان کی پاکی، پانی کے ذریعہ پاکی، مٹی کے ذریعہ پاکی، ان اقسام کے اعتبار سے لفظ طہارۃ کو جمع لانا چاہئے تھا مگر چونکہ طہارۃ مصدر ہے اور مصدر تثنیہ و جمع نہیں ہوتا اس لئے مفرد ذکر کیا ہے۔

امام قدوری رحمہ اللہ نے سب سے پہلے ''کتاب الطہارۃ'' کو اس لئے ذکر کیا ہے کہ امور دین کا مدار پانچ چیزوں پر ہے، اعتقادات، آداب، عبادات، معاملات، عقوبات، پہلے دو اقسام تو فن فقہ میں داخل نہیں اسلئے مصنف رحمہ اللہ نے ان دو کو چھوڑ دیا ہے باقی تین میں سے ہر ایک کی پانچ قسمیں ہیں۔ عبادات کی پانچ قسمیں، صلوۃ، زکوۃ، صوم، حج، اور جہاد ہیں۔ معاملات کی پانچ قسمیں معاوضات مالیہ، مناکحات، مخاصمات، امانات، اور ترکات ہیں۔ عقوبات کی پانچ قسمیں قصاص، حدِ سرقہ، حدِ زنا، حدِ قذف، حدِ ردّت ہیں۔ پھر ان میں سے عبادات کو اہتمام شان کی وجہ سے مقدم کیا ہے کیونکہ بندے عبادت ہی کیلئے پیدا کئے گئے ہیں لِقَولِهٖ تَعالیٰ ﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ ﴾، اور عبادات میں صلوۃ مہتم بالشان ہے اسلئے کہ کلام پاک میں بکثرۃ ایمان کے بعد صلوۃ کا ذکر آیا ہے کقولہ تعالیٰ ﴿ اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ ﴾۔ پھر صلوۃ سے طہارۃ کو اسلئے مقدم کیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ''مِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطَّهُوْرُ'' میں طہارت کو صلوۃ کی چابی کہا گیا ہے۔

قَالَ اللّٰهُ تَعالیٰ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُؤُسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ۔

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے اے ایمان والو جب تم نماز کے لئے کھڑے ہونے کا ارادہ کرو تو اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھوؤ اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پیروں کو ٹخنوں سمیت دھوؤ۔

تشریح:۔ یہ آیت مبارکہ مصنف رحمہ اللہ کی عبارت ''فَفَرْضُ الطَّهَارَةِ غَسْلُ الْاَعْضَاءِ الخ'' کی دلیل ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ قاعدہ تو یہ ہے کہ مدعیٰ دلیل سے مقدم ہوتا ہے اور دلیل مؤخر۔ جبکہ مصنف رحمہ اللہ نے تو دلیل کو مقدم کر دیا ہے تو وجہ تقدیم دلیل کیا ہے؟

جواب:۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کو تبرکا و تیمنا مقدم ذکر کیا ہے اگر چہ قاعدہ مذکورہ کے خلاف ہے۔

طہارۃ کی دو قسمیں ہیں طہارۃ صغریٰ یعنی وضوء اور طہارۃ کبریٰ یعنی غسل۔ امام قدوری رحمہ اللہ نے طہارۃ صغری کو پہلے ذکر کیا ہے اور طہارۃ کبری کو بعد میں اس کی وجہ یہ ہے کہ کتاب اللہ میں بھی طہارت صغری کو پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ نیز بنسبت طہارت کبریٰ، طہارت صغریٰ کی ضرورت بھی زیادہ ہوتی ہے۔

(۱) فَفَرْضُ الطَّهَارَةِ غَسْلُ الْاَعْضَاءِ الثَّلٰثَةِ وَمَسْحُ الرَّاْسِ (۲) وَالْمِرْفَقَانِ وَالْكَعْبَانِ تَدْخُلَانِ فِيْ فَرْضِ الْغَسْلِ عِنْدَ عُلَمَائِنَا الثَّلٰثَةِ خِلَافاً لِلزُّفَرِ۔

ترجمہ:۔ پس طہارت (وضوء) کا فرض تین اعضاء کا دھونا اور سر کا مسح کرنا ہے اور دونوں کہنیاں اور دونوں ٹخنے ہمارے ائمہ ثلاثہ کے

نزدیک غسل کے فرض ہونے میں داخل ہیں، برخلافِ امام زفرؒ کے۔

تشریح:۔فرض لغت میں بمعنی تقدیر ہے،اور شرعاً اس حکم کو کہتے ہیں جس کا لزوم ایسی دلیل قطعی سے ثابت ہو جس میں کوئی شبہ نہ ہو۔

(۱) وضوء میں چار چیزیں فرض ہیں۔/**نمبر ۱**۔ چہرے کا دھونا۔/**نمبر ۲**۔ ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا۔/**نمبر ۳**۔ پاؤں کا ٹخنوں تک دھونا۔/**نمبر ٤**۔ سر کا مسح کرنا، دلیل گذشتہ آیت مبارکہ ہے۔

غسل بمعنی بہانا اور بہانے کی حد یہ ہے کہ پانی ٹپکے اگر چہ ایک دو قطرے ٹپکے۔ چہرہ دھونے کی حد سر کے بال جمنے کی انتہاء سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے تک طول میں اور ایک کان کی لو سے لے کر دوسرے کان کی لو تک عرض میں ہے۔

غَسل (بالفتح) کسی شئی سے میل کچیل پانی کے ذریعہ دور کرنا۔غُسل (بالضم) تمام بدن دھونے کا نام ہے اور اس پانی کو بھی کہتے ہیں جس سے بدن دھویا جاتا ہے۔غِسل (بالکسر) وہ چیز جس سے سر دھویا جائے مثلاً صابن اور گل خطمی وغیرہ۔

(۲) دونوں کہنیاں غسل یدین میں اور دونوں ٹخنے غسل رجلین میں داخل ہیں۔''مِرفَقان'' تثنیہ ہے''مِرفق'' کا تثنیہ ہے مرفق میم کے کسرہ اور فاء کے فتحہ کے ساتھ ہے اور اس کا عکس بھی جائز ہے، بازو اور کلائی کے جوڑ کو''مِرفق'' کہتے ہیں۔''کعبان'' تثنیہ ہے''کعب'' کا تثنیہ ہے، یہاں مراد پنڈلی کی ہڈی کے متصل ابھری ہوئی ہڈی ہے۔

کہنیوں اور ٹخنوں کے بارے میں ائمہ ثلاثہ (امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ) اور امام زفر رحمہ اللہ کا اختلاف ہے۔،ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کہنیاں اور ٹخنے دھونے میں داخل ہیں یعنی ان کا دھونا بھی فرض ہے جبکہ امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک فرض نہیں۔امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ آیت مبارکہ میں'' اِلَى الْمَرَافِقِ ''اور''اِلَى الْكَعْبَيْنِ '' انتہاء کے طور پر ذکر ہیں اور قاعدہ ہے کہ جس کی انتہاء بیان ہو اس میں انتہاء داخل نہیں ہوتی جیسے روزہ کے بارے میں باری تعالی فرماتے ہیں ﴿وَاَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى اللَّيْلِ﴾ جس میں''اِلَى اللَّيْلِ ''بطور انتہاء ذکر ہے، اور بالاتفاق رات روزہ میں داخل نہیں پس اسی طرح کہنیاں اور ٹخنے بھی غسل میں داخل نہیں۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل یہ ہے کہ انتہاء کبھی اسقاط ماوراء کے لئے ذکر کی جاتی ہے جیسے''اِلَى الْمَرَافِقِ ''اور''اِلَى الْكَعْبَيْنِ '' میں کیونکہ اگر یہ اسقاط ماوراء کیلئے نہ ہوتی تو پھر ہاتھ کو کندھے تک دھونے کا حکم ہوتا اب''اِلَى الْمَرَافِقِ '' نے بتادیا کہ کہنیوں کے ماوراء دھونے سے ساقط ہیں، اور کبھی انتہاء امتداد حکم کیلئے ذکر کی جاتی ہے جیسے ﴿اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى اللَّيْلِ﴾ میں کیونکہ صوم کا اطلاق ایک گھڑی امساک پر بھی ہوتا ہے تو''اِلَى اللَّيْلِ '' نے یہ حکم رات تک کھینچ لیا ہے البتہ رات اس میں داخل نہیں (ائمہ ثلاثہ کا قول راجح ہے)

(۴) و المَفرُوضُ فی مَسْحِ الرَّاسِ مِقدَارُ النَّاصِیَۃِ وهو رُبُعُ الرَّاسِ لِمارَوَی المُغِیرَۃ رضی اللّٰہ عنہ بنُ شُعبَۃَ اَنَّ النبیَّ ﷺ اَتیٰ سُباطَۃَ قومٍ فَبَالَ وَتَوَضّأَ وَمَسَحَ علی النَّاصِیَۃِ و خُفَّیہِ۔

ترجمہ:۔ اور سر کے مسح میں ناصیہ کی مقدار مسح فرض ہے اور وہ چوتھائی سر ہے کیونکہ مغیرہ ابن شعبہؓ نے روایت بیان کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک قوم کی کوڑی پر تشریف لائے پس آپ نے پیشاب کیا اور وضوء کیا اور ناصیہ اور موزوں پر مسح کیا۔

تشریح:۔ مسح لغت میں کسی شی پر ہاتھ پھیرنے کو کہتے ہیں اور اصطلاحی معنی ہیں بھیگے ہوئے ہاتھ کا کسی عضو پر پھیرنا خواہ پانی کی تری برتن سے لی ہو یا کسی عضو مغسول کو دھونے کے بعد باقی رہی ہو۔

(۴) سر کا مسح بالاتفاق فرض ہے، البتہ مقدار مفروض (کہ کتنی مقدار فرض ہے) میں اختلاف ہے۔ اَحنافؒ کے نزدیک ربع رأس (چوتھائی سر) کا مسح فرض ہے خواہ کسی بھی جانب سے ہو۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مطلق سر کا مسح کرنا فرض ہے، لہذا اگر تین بالوں کا مسح کیا تو فرض ادا ہو جائیگا۔ اور امام مالک رحمہ اللہ وامام احمدؒ کے نزدیک پورے سر کا مسح کرنا فرض ہے

احنافؒ کی دلیل یہ ہے کہ آیت مبارکہ میں ﴿وَامسَحُوا بِرُءُوسِکُم﴾ مقدار مسح کے بارے میں مجمل ہے، اور مجمل بیان کا محتاج ہوتا ہے، یہاں بیان حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ایک قوم کی کوڑی پر تشریف لائے پس آپ نے پیشاب کر کے وضوء کیا اور مسح کیا اپنے ناصیہ اور دونوں موزوں پر۔

پھر مقدار ناصیہ (سر کا اگلا حصہ) اور چوتھائی سر ایک ہی ہے اسلئے احنافؒ کے نزدیک چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے۔ حدیث مبارکہ میں ذکر تو ناصیہ کا ہے مگر ناصیہ کی کوئی خصوصیت نہیں بلکہ بقدر ناصیہ کہیں سے مسح کرلے کافی ہے۔ مقدار ناصیہ کو مصنف رحمہ اللہ نے ربع رأس کہا ہے جبکہ بعض مشائخ تین انگلیوں کی مقدار مراد لیتے ہیں۔

الحکمۃ:۔ کلنا یعلم ان الانسان اذا کان قذر الثیاب و الاعضاء اشمأزت منہ النفوس وتحولت عنہ القلوب و العیون و کذالک اذا اراد احد ان یقابل ملِکًا اَو امیرًا فلا بد من ان یلبس احسن الثیاب و انظفھا ویزیل ما علی جسمہ من الاوساخ و الادران و مالی حکم ھذا حتی لایراہ فی حالۃ تبغضہ الیہ، واذا کان الامر کذالک مع المخلوقین بعضھم لبعض فکیف یکون حال من یقف بین یدی رب الارباب وملک الملوک؟ ان الشارع الحکیم فرض الوضوء و الغسل لاجل ان یکون الانسان خالیًا من الاقذار والاوساخ عند اداء الفریضۃ۔ (حکمۃ التشریع)

☆ ☆ ☆

(٤) وَسُنَنُ الطَّهَارَةِ غَسْلُ الْيَدَيْنِ ثَلاثاً قَبْلَ اِدْخَالِهِمَا الْاِنَاءَ اِذَا اسْتَيْقَظَ الْمُتَوَضِيُ مِنْ نَومِه (٥) وَتَسْمِيَةُ اللّٰهِ تعالىٰ فِي اِبْتِدَاءِ الْوُضُوءِ (٦) وَالسِّوَاكُ (٧) وَالْمَضْمَضَةُ (٨) وَالْاِسْتِنْشَاقُ ۔

ترجمہ:۔ اور طہارت (وضوء) کی سنتیں دونوں ہاتھوں کا برتن میں داخل کرنے سے پہلے تین مرتبہ دھونا ہے جب وضوء کرنے والا اپنی نیند سے بیدار ہو اور بسم اللہ پڑھنا وضوء کے شروع میں اور مسواک کرنا اور کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا ہے۔

تشریح:۔ ''سُنَن'' جمع ہے ''سُنَّة'' کی لغت میں مطلق طریقہ خواہ پسندیدہ ہو یا غیر پسندیدہ کو سنت کہتے ہیں، اور اصطلاح شریعت میں سنت وہ ہے جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا حضورؐ کے صحابہؓ میں سے کسی ایک نے کبھی کبھار ترک کے ساتھ ہمیشگی فرمائی ہو۔

سنت عمل کے فاعل کو ثواب ملتا ہے اور تارک کو ملامت کیا جاتا ہے۔ فقیہ ابو اللیث فرماتے ہیں کہ تارکِ سنت فاسق ہے اور منکرِ سنت مبتدع ہے۔ اور نفل وہ ہے جس کا نہ تارک فاسق ہے اور نہ منکر مبتدع ہے۔

امام قدوری رحمہ اللہ نے بیان فرائض کے بعد سنن طہارۃ (وضوء کی سنتوں) کے بیان کو شروع کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ وضوء میں واجب نہیں ورنہ تو فرائض کے بعد واجب ہی ذکر فرماتے۔

(٤) پھر سنن وضوء میں سے سب سے پہلی سنت متوضی (وضوء کرنے والے) کا دونوں ہاتھ دھونا ہے کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو تو اپنا ہاتھ برتن میں نہ ڈالے یہاں تک کہ اس کو تین مرتبہ دھو ڈالے۔ اور گٹوں تک دھونا مسنون ہے کیونکہ باقی اعضاء کی پاکیزگی حاصل کرنے میں ہاتھوں کی اتنی مقدار کی پاکی کافی ہو جاتی ہے۔ اور ہاتھوں کا دھونا برتن میں داخل کرنے سے پہلے سنت ہے۔ مگر یہ قید اتفاقی ہے کیونکہ ہاتھوں کا دھونا سنت ہے اگرچہ برتن میں داخل کرنے کی ضرورت نہ ہو۔

جب متوضی نیند سے بیدار ہو تو اس کے لئے ہاتھوں کا دھونا سنت ہے۔ مگر یہ قید بھی اتفاقی ہے کیونکہ وضوء کرنے سے پہلے دونوں ہاتھوں کا دھونا مطلقاً سنت ہے خواہ نیند سے بیدار ہو یا نہ ہو۔ ہاتھوں کا دھونا استنجاء سے پہلے بھی سنت ہے اور استنجاء کے بعد بھی۔

(٥) سنن وضوء میں سے دوسری سنت ابتداً وضوء میں بسم اللہ پڑھنا ہے ''لِقَولِہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لَاوُضُوءَ لِمَنْ لَایُسَمِّ'' (یعنی جس نے اللہ کا نام نہیں ذکر کیا اس کا وضوء نہیں) مراد فضیلت وضوء کی نفی ہے یعنی بغیر تسمیہ کے وضوء تو ہو جائیگا مگر افضل نہیں۔

پھر الفاظ بسم اللہ اسلافؒ سے مختلف منقول ہیں بعض کہتے ہیں ''بِسْمِ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَالْحَمْدُلِلّٰہِ عَلٰی دِیْنِ الْاِسْلَام'' پڑھے۔ بعض کہتے ہیں ''بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ'' پڑھے۔ بعض کہتے ہیں کہ اگر ''لاالٰہ الّا اللّٰہ'' یا ''اَلْحَمْدُلِلّٰہِ'' یا ''اَشْھَدُاَنْ لاالٰہ الّا اللّٰہُ'' کہا تو بھی سنت ادا ہو جائیگی۔ بسم اللہ استنجاء سے پہلے پڑھنا بھی سنت ہے اور بعد میں بھی۔

(٦) سنن وضوء میں سے تیسری سنت مسواک کرنا ہے کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مسواک کرنے پر مواظبت فرمائی ہے اور پیغمبر ﷺ کا فرمان ہے ''لَوْلَااَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِی لَاَمَرْتُھُمْ بِالسِّوَاکِ عِنْدَ کُلِّ وُضُوءٍ'' (یعنی اگر امت کے لئے شاق نہ ہوتا تو میں ان کو ہر وضوء کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دیتا)۔

مسواک کرنے کی تفصیل یہ ہے کہ مسواک عرضا کرلے (دانتوں کی عرض منہ کا طول ہے) اور مسواک تلخ درخت کی ہو، انگلی کی مقدار موٹی ہو، اور ایک بالشت لمبی ہو۔ مسواک پکڑنے کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی مسواک کے نیچے ہو اور خنصر، بنصر اور سبابہ اوپر ہو اور موٹی انگلی مسواک کے سر کی طرف نیچے ہو۔ اور مسواک مٹھی میں نہ پکڑے۔

(۷)(۸) سنن وضوء میں سے چوتھی اور پانچویں سنت کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا ہے کیونکہ تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ وضوء نقل کیا ہے ان سب نے کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا نقل کیا ہے۔

مضمضہ واستنشاق کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے تین بار کلی کرلے، اور ہر بار نیا پانی استعمال کرے، پھر اسی طرح تین بار ناک میں پانی ڈالے، اور ہر بار نیا پانی استعمال کرے۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک افضل یہ ہے کہ ایک ہی چلو پانی سے مضمضہ واستنشاق دونوں کرلے استنشاق کے لئے نیا پانی نہ لے۔

(۹) وَمَسْحُ الْاُذُنَیْنِ (۱۰) وَتخلِیْلُ اللّحیَةِ (۱۱) وَالاَصَابِعِ (۱۲) وَتَکْرَارُ الْغَسْلِ اِلیٰ الثَّلٰثِ

ترجمہ:۔ اور کانوں کا مسح کرنا (سنت) ہے اور ڈاڑھی اور انگلیوں کا خلال کرنا اور اعضاء کا تین بار تک دھونا (سنت) ہے۔

تشریح:۔ (۹) سنن وضوء میں سے چھٹی سنت دونوں کانوں کا مسح کرنا ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں "اَلااُخبِرُکُم بِوضُوءِ رَسُولِ اللّٰهِ فَاَخذَغُرفَةً فَمَسَحَ بِرَاسِهِ وَاُذُنَیهِ" (میں تمہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضوء کا طریقہ نہ بتاؤں؟ پھر چلو پانی لے کر سر کا مسح کیا اور کانوں کا مسح کیا) یہی حدیث اس لحاظ سے بھی احناف کی دلیل ہے کہ کانوں کا مسح سر ہی کے ساتھ مسنون ہے نئے پانی کے ساتھ نہیں۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک کانوں کا مسح نئے پانی کے ساتھ مسنون ہے۔

(۱۰) سنن وضوء میں سے ساتویں سنت داڑھی کا خلال کرنا ہے "لِقَولِهٖ ﷺ اَتَانِیَ جِبرَئِیلُ فَقَالَ اِذَاتَوَضَّأتَ فَخَلِّلْ لِحیَتَکَ" (پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل علیہ السلام نے آکر کہا کہ جب وضوء کرو تو اپنی داڑھی کا خلال کرلیا کرو)۔

تخلیل لحیہ (ڈاڑھی کا خلال کرنا) کے بارے میں علماء سے چار اقوال منقول ہیں۔ **/نمبر ۱**۔ واجب ہے۔ یہ سعید بن جبیر اور عبد الحکم مالکی کا قول ہے۔ **/نمبر ۲**۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور ایک روایت امام محمد رحمہ اللہ سے یہ ہے کہ داڑھی خلال کرنا سنت ہے وَهوَ الاَصَحُّ۔ **/نمبر ۳**۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مستحب ہے۔ **/نمبر ۴**۔ طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک جائز ہے۔

(۱۱) سنن وضوء میں سے آٹھویں سنت انگلیوں کا خلال کرنا ہے "لِقَولِهٖ صلی الله علیه وسلم لِابنِ عباس رضی الله عنه اِذَاتَوَضَّأتَ فَخَلِّلْ اَصَابِعَ یَدَیکَ وَرِجلَیکَ" (جب تو وضوء کرے تو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرلیا کر)۔

سوال:۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے صیغہ اَمر کے ساتھ خلال کرنے کا حکم فرمایا ہے اور اَمر وجوب کیلئے ہے تو خلال اصابع (انگلیوں کا خلال کرنا) واجب ہونا چاہئے؟

جواب:۔ چونکہ وضوء میں کوئی واجب نہیں اسلئے خلال اصابع بھی واجب نہیں۔ اور وضوء میں واجب اس لئے نہیں کہ وضوء نماز کی شرط

ہے لہذا وضوء نماز کا تابع ہوگا پس اگر وضوء میں واجب مان لیا جائے تو تابع اصل کے برابر ہو جائیگا۔

خلال اصابع کا طریقہ یہ ہے کہ ایک ہاتھ کا باطن دوسرے کے ظاہر پر رکھ کر نیچے والے ہاتھ کی انگلیوں کا خلال کرلے۔ اور پیروں کی انگلیوں کے خلال کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کی چھنگلی پاؤں کی انگلیوں کے درمیان داخل کرے اور دائیں پاؤں کی چھنگلی سے شروع کرے بائیں پاؤں کی چھنگلی پر ختم کردے۔

(۱۲) سنن وضوء میں نویں سنت اعضاء وضوء کو تین تین مرتبہ دھونا ہے ''لانَّ النَبِیَّ ﷺ تَوَضّأ مَرةً مَرةً وَقَالَ هٰذا وضُوءُ مَنْ لايَقبل اللّٰهُ الصَّلٰوةَ الّابه وَتوَضّأمَرتَينِ مَرتَينِ وَقَالَ هٰذاوضُوءُ مَن يضاعَفُ اللّٰهُ له الاجرَمرتَينِ وَتوضّأ ثَلٰثاًثلٰثاًوَقالَ هٰذاوضُوئیُ وَوضوءُالَانبياء مِن قَبلِیُ فَمنُ زَادَعلٰی هٰذااَونقصَ فَقدتَعدّیٰ وَظلَمَ '' یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک بار اعضاء دھوئے اور فرمایا کہ یہ ایسا وضوء ہے کہ اس کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز قبول نہیں فرمائینگے اور دو دو مرتبہ اعضاء دھوئے اور فرمایا یہ وضوء اس شخص کا ہے جس کیلئے اللہ تعالیٰ ثواب کو دوگنا کردیتا ہے اور تین تین مرتبہ اعضاء دھوئے اور فرمایا یہ میرا وضوء ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء کا وضوء ہے پس جس نے اس پر زیادتی کی یا کمی کی تو اس نے حد سے تجاوز کیا اور ظلم کیا۔

(۱۳) وَيُستَحَبُّ لِلمُتَوَضّیُ اَنُ يَنوِیَ الطّهَارَةَ۔

ترجمہ:۔ اور مستحب ہے وضوء کرنے والے کے لئے یہ کہ طہارت کی نیت کرے۔

تشریح:۔ مستحب لغت میں محبوب اور بہتر کو کہتے ہیں جبکہ اصولیین کی اصطلاح میں مستحب وہ ہے جس پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مواظبت (ہمیشگی) نہ فرمائی ہو اور جس کے بارے میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے رغبت ظاہر فرمائی ہو اگرچہ خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا صدور نہ ہوا ہو۔

(۱۳) مستحبات وضوء میں سے ایک متوضی کیلئے نیت کرنا ہے۔ نیت میں چار مواضع میں کلام ہے، صفت نیت میں، کیفیت نیت میں، وقت نیت میں اور محل نیت میں۔

صفت نیت امام قدوری رحمہ اللہ کے نزدیک استحباب ہے کہ نیت وضوء میں مستحب ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ نیت وضوء میں سنت ہے۔ کیفیت نیت یہ ہے کہ متوضی کہے ''نَوَيتُ اَنْ اَتوَضّأُللصّلوةِ تقرُباًاِلیٰ اللّٰهِ '' یا ''نَويتُ اسُتبَاحَةَ الصّلٰوةِ '' یا ''نَويتُ رَفعَ الحدثِ '' یا ''نَويتُ الطّهارَةَ '' یہ آخری دو بہتر ہیں کیونکہ یہ استباحۃ المصحف ودخول المسجد وغیرہما کو بھی شامل ہے۔ جس وقت متوضی چہرہ دھوئیگا یہ وقت نیت ہے۔ اور محل نیت متوضی کا دل ہے۔ زبان سے نیت کا تلفظ کرنا مستحب ہے۔

احناف کے نزدیک وضوء میں نیت کرنا سنت ہے، دیگر ائمہ کے نزدیک فرض ہے۔ انکی دلیل پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ''اِنّما الَاعُمال بِالنّیات '' ہے یعنی اعمال نیتوں پر موقوف ہیں۔ اور وضوء بھی ایک عمل ہے لہذا یہ بھی نیت پر موقوف ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی کو وضوء کی تعلیم دی مگر نیت کی تعلیم نہیں دی، اگر نیت فرض ہوتی تو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اسکو نیت کی تعلیم فرماتے۔

(۱۴) وَيَسْتَوْعِبُ رَاسَهُ بِالْمَسْحِ (۱۵) وَيُرَتِّبُ الْوُضُوْءَ فَيَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِذِكْرِهٖ۔

ترجمہ:۔ اور اپنے پورے سر کو مسح کے ساتھ گھیرے اور ترتیب کے ساتھ وضوء کرے پس اس عضو سے شروع کرے جس کے ذکر سے اللہ تعالیٰ نے شروع فرمایا ہے۔

تشریح:۔ (۱۴) مستحبات وضوء میں سے پورے سر کا مسح کرنا ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ پورے سر کا مسح کرنا سنت ہے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے پورے سر کا مسح کرنا نقل فرمایا ہے۔

ف:۔ سر کے مسح کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو تر کر کے ہر ایک ہاتھ کی تین تین انگلیاں سر کے اگلے حصہ پر رکھیں اور دونوں شہادت کی انگلیوں مانگوٹھوں اور ہتھیلی کو الگ رکھے پھر انگلیوں کو کھینچ کر پیچھے کی طرف لے جائے پھر پیچھے کی طرف سے دونوں ہتھیلیوں کو سر کی دونوں طرف سے کھینچتا ہوا آگے کی طرف لے آئے، پھر دونوں انگوٹھوں سے دونوں کانوں کے ظاہر کا اور شہادت کی انگلیوں سے دونوں کانوں کے باطن کا مسح کرے اس طرح ہتھیلی اور انگوٹھوں کے مستعمل پانی کے دوبارہ استعمال سے بچ جائے گا۔ یاد رہے کہ مسح راس کا یہ طریقہ صاحب منیہ نے لکھا ہے، جبکہ محقق ابن ہمامؒ نے اس خاص طریقہ کی تردید فرمائی ہے کہ اس کا ثبوت کسی روایت میں نہیں ہے بلاوجہ تکلف ہے اس لیے کہ ہاتھوں پر جو تری ہے اس کے تکرارِ استعمال میں کوئی قباحت نہیں کیونکہ پانی اس وقت تک مستعمل نہیں ہوتا جب تک عضو سے الگ نہ ہو۔

(۱۵) وضوء کے مستحبات میں سے ایک یہ ہے کہ اس ترتیب کے ساتھ وضوء کرے جس ترتیب سے باری تعالیٰ نے اعضاء وضوء کا ذکر قرآن مجید میں کیا ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ ترتیب سے وضوء کرنا بھی سنت ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ترتیب سے وضوء کرنا فرض ہے کیونکہ ﴿ اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ الخ ﴾ میں فاء تعقیب کیلئے ہے اور تعقیب ترتیب کے معنی پر دال ہے کیونکہ تعقیب کے معنی ہیں ما کے مابعد کا ماقبل پر مرتب ہونا پس آیت سے قیام الی الصلوۃ (نماز کے لئے کھڑے ہونے) اور غسل وجہ کے درمیان ترتیب ثابت ہوئی اور چونکہ باقی اعضاء غسل وجہ پر معطوف ہیں اسلئے ان میں بھی ترتیب ثابت ہوگی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اگر ہم یہ تسلیم کر بھی لیں کہ فاء تعقیب کیلئے ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اعضاء اربعہ کے مجموعہ کا غسل قیام الی الصلوۃ پر مرتب ہے۔ پس قیام الی الصلوۃ اور اعضاء اربعہ کے مجموعہ کے غسل میں ترتیب ثابت ہوگی نہ کہ خود اعضاء اربعہ میں کیونکہ اعضاء اربعہ کے درمیان واؤ مذکور ہے اور اہل لغت کا اجماع ہے کہ واؤ مطلق جمع کیلئے آتا ہے۔ مگر چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے ذکر کردہ ترتیب پر وضوء فرمایا ہے اسلئے وضوء میں ترتیب مسنون ہوگی نہ کہ فرض۔

(۱۶) وَبِالْمَيَامِنِ (۱۷) وَالتَّوَالِيْ (۱۸) وَمَسْحُ الرَّقَبَةِ۔

ترجمہ:۔ اور (دھونے کو) دائیں طرف سے شروع کرے اور اعضاء کا پے در پے دھونا اور گردن کا مسح کرنا مستحب ہے۔

تشریح:۔ (۱۶) وضوء کے مستحبات میں سے ایک یہ ہے کہ اعضاء کو دھوتے وقت داہنے عضو سے شروع کیا کرے پس ہاتھوں اور پاؤں

میں سے پہلے دایاں ہاتھ پاؤں دھوئے پھر بایاں۔قول صحیح کے مطابق تیامن (داہنے اعضاء سے شروع کرنا) مستحب ہے کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہر چیز میں داہنے طرف سے شروع کرنے کو پسند فرماتے تھے حتی کہ جوتے پہننے میں بھی پہلے داہنا جوتا پہننا پسند فرماتے تھے۔

سوال: ۔یہ ہے کہ تیامن پر تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مواظبت فرمائی ہے لہذا سنت ہونا چاہئے؟

جواب: ۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مواظبت علی سبیل العادۃ (عادت کے طور پر) تھی نہ کہ علی سبیل العبادۃ جبکہ سنت ہونے میں معتبر مواظبت علی سبیل العبادۃ ہے۔

(۱۷) مستحبات وضوء میں سے ایک یہ ہے کہ اعضاء وضوء پے در پے دھولیں بایں طور کے ایک عضو خشک ہونے سے پہلے دوسرا عضو دھوڈالے (بشرطیکہ ہوا معتدل ہو تیز نہ ہو اور متوضی کے بدن میں شدید حرارت نہ ہو) کیونکہ حضور ﷺ وضوء پے در پے فرماتے تھے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک توالی فی الوضو (وضوء میں پے در پے اعضاء کا دھونا) فرض ہے۔

(۱۸) مستحبات وضوء میں سے ایک یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کی پشت سے گردن کا مسح کرے۔قول صحیح کے مطابق مسح رقبہ (گردن کا مسح) مستحب ہے جبکہ بعض کے نزدیک سنت ہے اور بعض کے نزدیک نہ سنت ہے اور نہ مستحب ہے۔مگر حلقوم (گلے) کا مسح بدعت ہے۔واضح رہے کہ مستحبات وضوء اور بھی بہت سارے ہیں جن کو علامہ شامی نے ذکر کیا ہے من شاء فلیراجع الیہ۔

(۱۹) وَالْمَعَانِيُ النَّاقِضَةُ لِلْوُضُوءِ كُلُّ مَاخَرَجَ مِنَ السَّبِيلَيْنِ۔

ترجمہ: ۔اور وضوء کو توڑنے والے اسباب ہر وہ چیز جو پیشاب اور پاخانہ کی راہ سے نکلے۔

تشریح: ۔امام قدوری رحمہ اللہ جب فرائض، سنن اور مستحبات وضوء سے فارغ ہوگئے تو نواقض وضوء (وضوء توڑنے والی چیزوں) کو شروع فرمایا۔لفظ نقض اگر اجسام کی طرف منسوب ہو تو اس سے مراد جسم کی تالیف وترکیب کو باطل کرنا ہے اور اگر افعال کی طرف منسوب ہو تو مراد یہ ہے کہ مطلوب کو مفید ہونے سے نکالدینا۔

معانی ناقضہ (وضوء توڑنے والے معانی) سے مراد علل ہیں جو وضو توڑنے میں مؤثر ہیں۔علل کو معانی اسلئے کہا کہ حدیث شریف میں علل پر معانی کا اطلاق ہوا ہے چنانچہ حضور ﷺ فرماتے ہیں "لایَحِلّ دَم اِمرِءٍ مُسلِمٍ اِلّابِاِحدٰی ثَلٰثِ مَعانٍ (ای علل)"۔

(۱۹) پس جو بھی چیز پاخانہ یا پیشاب کے راستہ سے نکلے وہ ناقض وضوء ہے خواہ خارج من السبیلین (بول وبراز کے راستہ سے نکلنے والے) معتاد ہو جیسے پاخانہ، پیشاب، دم استحاضہ، مذی، ودی وغیرہ یا غیر معتاد ہو جیسے کیڑے، سنگریزے وغیرہ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ یارسول اللہ حدث کیا چیز ہے آپ نے فرمایا "مایخرج من السبیلین" (جو سبیلین سے نکلے)۔

مگر مطلقا خارج من السبیلین نواقض متفقہ میں سے نہیں کیونکہ فرج اور ذکر سے خارج شدہ ہوا اکثر مشائخ کے نزدیک ناقض نہیں کیونکہ یہ غیر نجس محل سے اٹھنے والی ہوا ہے۔

☆ ☆ ☆

(۲۰) وَالدَّمُ (۲۱) وَالْقَيحُ (۲۲) وَالصَّدِيدُ إِذَا خَرَجَ مِنَ الْبَدَنِ فَتَجَاوَزَ إِلَى مَوْضِعٍ يَلْحَقُه حُكْمُ التَّطْهِيرِ۔

ترجمہ:۔ اورخون اور پیپ اور کچ لہو جب بدن سے نکلے اور ایسی جگہ کی طرف بہہ جائے جس کو پاک کرنے کا حکم لاحق ہو۔

تشریح:۔ نواقض وضوء میں سے یہ ہے کہ آدمی کے بدن سے (۲۰) خون (۲۱) یا پیپ (۲۲) یا کچلہو (پیپ ملا ہوا خون) نکلے اور صرف ظاہر نہ ہو بلکہ بہہ کر ایسے مقام کی طرف تجاوز کرے جس کو غسل یا وضوء میں پاک کرنے کا حکم ہو، لہذا اگر خون زخم کے سر پر چڑھا مگر بہا نہیں تو وضوء نہیں ٹوٹے گا۔ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک زخم کے سر پر چڑھا ہوا خون اگر مقدار زخم سے زیادہ ہو مگر بہا نہیں تب بھی وضوء ٹوٹ جائیگا لیکن قول اول صحیح ہے۔

اگر خون تھوڑا تھوڑا نکلتا رہے اور آپ اسکو پونچھتے رہے کہ بہنے کی نوبت ہی نہ آئی اگر چھوڑ دیتے تو بہہ جاتا تب بھی وضوء ٹوٹ جائیگا کیونکہ حقیقت میں یہ بہنے والا خون ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک غیر سبیلین سے نکلنے والی چیز ناقض وضوء نہیں ہے کیونکہ سبیلین سے نجاست کے خروج کی صورت میں اعضاء اربعہ کو دھونے کا حکم اَمر تعبدی یعنی خلاف قیاس ہے لہذا اس پر خارج من غیر السبیلین کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "الوضوء من کُلّ دمٍ سائلٍ" (وضوء ہر بہنے والا خون سے ہے)۔

فائدہ:۔ واضح رہے کہ بدن سے نکلنے والی چیزیں دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ کہ جو پیشاب یا پاخانہ کے راستے سے نکلے ان سے تو بالاتفاق وضوء ٹوٹ جاتا ہے خواہ تھوڑی ہو یا بہت ہو۔ دوسری وہ جو ان کے سوا کسی اور جگہ سے نکلے مثلاً قئ وخون او پیپ وغیرہ۔ قئ منہ بھر کر ہونا شرط ہے اور خون و پیپ میں زخم کے منہ سے بہہ جانا شرط ہے۔ دوسری قسم میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک ان سے وضوء نہیں ٹوٹتا۔

(۲۳) وَالْقَيْءُ إِذَا كَانَ مِلْأَ الْفَمِ۔

ترجمہ:۔ اور قئ (ناقض ہے) جب کہ منہ بھر کر ہو۔

تشریح:۔ (۲۳) نواقض وضوء میں سے منہ بھر کر قئ کرنا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وضوء سات چیزوں سے لوٹایا جائیگا ان سات میں سے ایک منہ بھر کر قئ ہے۔

پھر قئ کی پانچ قسمیں ہیں کھانا قئ کیا، پانی قئ کیا، خون قئ کیا، پت یا بلغم قئ کر لیا۔ پہلی چار قسمیں تو باتفاق ائمہ ثلاثہ ناقض وضوء ہیں۔ بلغم اگر نازل من الرأس (سر سے اترا ہو) ہو تو باتفاق ائمہ ثلاثہ ناقض وضوء نہیں کیونکہ سر اور دماغ نجاست کی جگہ نہیں اور اگر بلغم پیٹ سے نکلا ہو تو طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک ناقض وضوء نہیں کیونکہ بلغم میں لزوجت ہوتی ہے ان میں نجاست پیوست نہیں ہوتی اور اسکے ساتھ لگی ہوئی نجاست قلیل ہونے کی وجہ سے ناقض نہیں ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ناقض ہے کیونکہ معدہ کی نجاست کے ساتھ متصل ہونے کی وجہ سے بلغم نجس ہو جاتا ہے۔ منہ بھر کر قئ یہ ہے کہ بغیر مشقت اسکا روکنا ممکن نہ ہو بعض کہتے ہیں کہ اتنی مقدار قئ کہ جس کے ساتھ باتیں کرنا ممکن نہ ہو، اور یہ صحیح ہے (کما فی الہندیۃ: ۱/۱۱)۔

(۲٤)وَالنَّوْمُ مضطَجِعاً(۲۵)اَوْمُتَّكِأً(۲٦)اَوْمُسْتَنِداًاِلَى شئٍ لَوْاُزِيْلَ لَسَقَطَ عَنه(۲۷)وَالْغَلَبَةُ على الْعَقْلِ بِالْاِغْمَاءِ (۲۸)وَالْجُنُوْن۔

ترجمہ:۔اور سونا پہلو کے بل یا تکیہ لگا کر یا ٹیک لگا کر ایسی چیز کو کہ اگر وہ چیز ہٹادی جائے تو وہ گر پڑے اور مغلوب العقل ہونا بے ہوشی کی وجہ سے اور دیوانگی سے۔

تشریح:۔نواقض وضوء میں سے نوم (نیند) ہے (۲٤)خواہ کروٹ کے بل ہو (۲۵)یا تکیہ لگا کر (۲٦) یا کسی شئی کو ٹیک لگا کر سویا ہو ایسا کہ اگر اس چیز کو ہٹادیا جائے تو وہ گر پڑے۔وجہ یہ ہے کہ سونے سے جوڑ ڈھیلے ہوجاتے ہیں جو عادۃً کسی چیز کے نکلنے سے خالی نہیں ہوتا ہے۔البتہ اگر قیام یا قعود یا رکوع وسجدہ کی حالت میں (خواہ نماز میں ہو یا غیر نماز میں) سوگیا تو یہ ناقض وضوء نہیں کیونکہ ان حالتوں میں کچھ نہ کچھ استمساک باقی رہتا ہے ورنہ یہ شخص ضرور گر جاتا پس معلوم ہوا کہ ان حالتوں میں کامل استرخاء (جوڑوں کی سستی) نہیں لہذا وضوء نہیں ٹوٹے گا۔

(۲۷) نواقض وضوء میں سے اغماء (بے ہوشی) (۲۸) اور جنون ہیں کیونکہ اغماء میں نیند سے بڑھ کر جوڑ ڈھیلے ہوجاتے ہیں لہذا یہ بطریقہ اولیٰ ناقض وضو ہے اور جنون میں تمیز نہیں رہتی ہے،لہذا پاکی وناپاکی کی تمیز نہ رہنے کی وجہ سے ہر حال میں ناقض سمجھا جائیگا۔

اغماء ایک بیماری ہے جس میں انسانی قویٰ کمزور ہوجاتی ہیں لیکن عقل زائل نہیں ہوتی اور جنون ایسی بیماری ہے جس میں عقل سلب ہوتی ہے مگر قویٰ زائل نہیں ہوتے ہیں۔

(۲۹)وَالْقَهْقَهَةُ فِيْ كُلِّ صَلٰوةٍ ذَاتِ رُكُوعٍ وَسُجُوْدٍ۔

ترجمہ:۔اور زور سے ہنسا ہر اس نماز میں جس میں رکوع وسجدہ ہو۔

تشریح:۔(۲۹)نواقض وضوء میں سے نمازی کا حالت نماز میں زور سے ہنسا ہے بشرطیکہ نماز رکوع وسجدے والی ہو نماز جنازہ نہ ہو''لِقَوله صَلی اللّٰهُ عليه وَسَلَّمَ اَلَامَن ضَحِكَ مِنكُمْ قَهقَهةً فَلْيُعِدِالْوضُوءَ وَالصَّلوةَ جَمِيعاً''(یعنی خبردار جو تم میں سے قہقہہ سے ہنسا تو وہ وضو اور نماز دونوں کا اعادہ کرے)۔

''**القهقة**'' کا الف لام عہدی ہے اس سے بالغ اور بیدار کا قہقہہ (زور سے ہنسا) مراد ہے پس اگر نابالغ اور سویا ہوا زور سے ہنسا تو ان کا وضوء نہیں ٹوٹے گا کیونکہ قہقہہ زجراً وعقوبۃً ناقض وضوء ہے جبکہ نابالغ اور سویا ہوا اہل عقوبۃ نہیں۔البتہ قہقہہ چونکہ از قبیل کلام ہے اس لئے ان کی نماز قہقہہ کی وجہ فاسد ہوجائیگی۔

قہقہہ ایسی ہنسی کو کہتے ہیں کہ آدمی کو خود بھی اور پاس والوں کو بھی سنائی دے خواہ دانت ظاہر ہوں یا نہ ہوں۔قہقہہ صلوۃ اور وضوء دونوں کے لئے ناقض ہے۔اور ضحک ایسی ہنسی کو کہتے ہیں کہ آدمی کو خود تو سنائی دے مگر پاس والوں کو سنائی نہ دے۔ضحک مبطل صلوۃ (نماز کو باطل کرنے والا) ہے مگر ناقض وضوء نہیں۔اور تبسم ایسی ہنسی کو کہتے ہیں جو نہ خود آدمی کو سنائی دے اور نہ پاس والوں کو۔تبسم نہ مبطل صلوۃ

ہےاور نہ ناقض وضوء ہے۔

(وَفَرضُ الغُسلِ (۳۰) اَلمَضمَضَۃُ (۳۱) وَالاِستِنشَاقُ (۳۲) وَغَسلُ سَائِرِ البَدنِ۔)

ترجمہ:۔اور فرائض غسل کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا اور باقی بدن کا دھونا ہے۔

تشریح:۔امام قدوری رحمہ اللہ نے غسل کے احکام کو وضوء کے احکام کے بعد ذکر فرمایا ہے کیونکہ وضوء کی حاجت بنسبت غسل کے زیادہ ہے۔ نیز محلِ وضوء جزء بدن ہے اور محلِ غسل کل بدن ہے اور جزء کل پر مقدم ہوتا ہے اسلئے وضوء کے احکام پہلے اور غسل کے احکام بعد میں بیان فرمائے ہیں۔ نیز اقتداءً بکتاب اللہ تعالیٰ کیلئے یہ ترتیب رکھی ہے کیونکہ کتاب اللہ میں وضوء اور غسل کو اسی ترتیب کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

غسل بضم الغین بمعنی تمام بدن کا دھونا اور جس پانی سے غسل کیا جاتا ہے اس کو بھی غُسل کہتے ہیں اور ایک لغت بفتح الغین ہے جو اہل لغت کے ہاں زیادہ مشہور ہے اور بضم الغین فقہاء استعمال کرتے ہیں۔

(۳۰)(۳۱)(۳۲) غسل میں تین چیزیں فرض ہیں، کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، تمام بدن پر پانی بہانا لقولہ تعالیٰ ﴿اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا﴾ (یعنی اگر تم حالت جنابت میں ہو تو خوب پاکی حاصل کرو) تو باری تعالیٰ نے مکلفین کو علی سبیل المبالغہ تمام بدن دھونے کا حکم دیا ہے البتہ اگر کسی جگہ تک پانی پہنچانا متعذر ہو تو وہ اس حکم سے خارج ہے جیسے آنکھوں کے اندر کا حصہ کیونکہ آنکھوں کے اندر کے حصہ دھونے میں ضرر ہے۔ اور کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا متعذر نہیں لہذا جنابت میں انکا دھونا بحکم کتاب اللہ فرض ہوگا۔

دراصل غُسل میں فرض اور رکن ایک ہے وہ یہ کہ مغتسل (غُسل کرنے والے) کے بدن کے جس جس حصہ کو بلا حرج پانی پہنچانا ممکن ہو اس پر ایک مرتبہ پانی بہائے تو چونکہ منہ اور ناک تک پانی پہنچانا ممکن ہے اسلئے غُسل میں منہ اور ناک کا دھونا فرض ہے۔ اور مصنف رحمہ اللہ نے صرف دھونے پر اکتفاء کر کے اشارہ کیا کہ اعضاء کا ملنا ضروری نہیں۔

((۳۳) وَسُنَّۃُ الغُسلِ اَنْ یَبدَأَ المُغتَسِلُ بِغَسلِ یَدَیہِ (۳۴) وَفَرجِہِ (۳۵) وَیُزِیلُ النَّجَاسَۃَ اِنْ کَانَتْ علی بَدَنِہِ (۳۶) ثُمَّ یَتَوَضَّأُ وُضُوءَہٗ لِلصَّلوۃِ اِلَّا رِجلَیہِ (۳۷) ثُمَّ یُفِیضُ الماءَ علی رَأسِہِ وَعلی سَائِرِ بَدَنِہِ ثَلاثًا ثُمَّ یَتَنَحّیٰ عن ذَالِکَ المَکَانِ فَیَغسِلُ رِجلَیہِ۔)

ترجمہ:۔اور غسل کی سنت یہ کہ ابتداً کرے غسل کرنے والا اپنے دونوں ہاتھوں اور شرمگاہ کے دھونے سے اور نجاست دور کرے اگر اس کے بدن پر ہو پھر وضوء کرے جس طرح کہ اس کا وضوء نماز کے لئے سوائے اپنے دونوں پاؤں کے پھر پانی بہائے اپنے سر پر اور اپنے باقی بدن پر تین مرتبہ پھر اس جگہ سے دور ہو جائے اور اپنے دونوں پاؤں کو دھوئے۔

تشریح:۔(۳۳) غسل میں مسنون طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے دونوں ہاتھ گٹوں تک دھوئے کیونکہ یہ دونوں پاک کرنے کا آلہ ہیں (۳۴) پھر اپنی شرمگاہ کو دھوئے کیونکہ وہ محل نجاست ہے تو احتمال ہے کہ نجاست لگی ہو جس سے باقی جسم کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے (۳۵) اور بدن کے دیگر حصوں پر اگر نجاست لگی ہو تو اسکو بھی دور کر دے تاکہ پانی بہانے سے پھیل نہ جائے۔ (۳۶) پھر وضوء کرے جیسے

نماز کیلئے وضوء کرتا ہے لیکن اگر ایسی جگہ غسل کرتا ہو جہاں غسل کے پانی جمع ہوتا ہو تو وضوء میں پاؤں نہ دھوئے بلکہ بعد از غسل پاؤں دھوئے۔(۳۷) پھر اپنے سر اور پورے بدن پر پانی بہائے پھر اگر وضوء میں پاؤں نہیں دھوئے تھے تو اس جگہ سے ہٹ کر پاؤں دھوئے
"هكذا حكت ميمونة روى الجماعة عنها قالت وضعت للنبي صلى الله عليه وسلم ماء يغتسل به فافرغ على يديه فغسلهما مرتين او ثلاثا ثم افرغ بيمينه على شماله فغسل مذاكيره ثم ذلك يده بالارض ثم تمضمض واستنشق ثم غسل وجهه ويديه ثم غسل راسه ثلاثا ثم افرغ على جسده ثم تنحى عن مقامه فغسل قدميه"۔

تمام بدن پر پانی بہانے میں کس عضو سے شروع کرے اس میں مختلف اقوال ہیں۔/**نمبر ۱**۔دائیں مونڈے سے شروع کرے پھر بائیں پر پانی بہائے پھر سر پر۔/**نمبر ۲**۔پہلے سر پر پانی بہائے پھر دائیں مونڈے پر پھر بائیں مونڈے پر، یہ ظاہر الروایۃ اور قول اصح ہے۔

(۳۸) وَلَيسَ على المَرأةِ اَنْ تُنقِضَ ضَفَائرَهافي الغُسلِ اِذَابَلغَ الماءُ اُصولَ الشَعرِ۔

ترجمہ:۔اور عورت پر لازم نہیں کہ غسل میں اپنے گندھے ہوئے بالوں کو کھولے جبکہ پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے۔

تشریح:۔(۳۸) اگر عورت کے سر کے بالوں کی جڑوں میں پانی پہنچ جائے تو اس پر اپنے ضفائر (گوندھے ہوئے بال) کھولنا واجب نہیں کیونکہ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں ایسی عورت ہوں کہ اپنے موئے بافتہ کو سخت باندھتی ہوں پس کیا غسل جنابت میں اسکو کھول ڈالوں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ تیرے لئے یہی کافی ہے کہ اپنے سر پر تین چلو پانی ڈال دے پھر اپنے اوپر پانی بہالے پس تو پاک ہو جائیگی۔

عورت کی تخصیص کر کے امام قدوری رحمہ اللہ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ اگر مرد نے سر کے بالوں کی مینڈھیاں بنائی تو اس پر بوقت غسل مینڈھیوں کا کھولنا واجب ہے **لعدم الضرورۃ فی حقه**۔

(۳۹) وَالمَعانِي المُوجِبَةُ لِلغُسلِ اِنزالُ المَنِيِّ عَلى وَجهِ الدَفقِ وَالشَهوَةِ مِنَ الرَّجلِ وَالمَرأةِ۔

ترجمہ:۔اور غسل کو واجب کرنے کے اسباب منی کا نکلنا ہے کود کر اور شہوت کے ساتھ مرد سے یا عورت سے۔

تشریح:۔یہاں سے امام قدوری رحمہ اللہ موجبات غسل (غسل کو واجب کرنے والے اسباب) بیان فرماتے ہیں۔موجب سے مراد وہ چیز ہے جس کی سبب سے غسل فرض ہو۔جن اسباب کی وجہ سے غسل واجب ہوتا ہے وہ دو ہیں۔/**نمبر ۱**۔کافر جب کا مسلمان ہونا۔/**نمبر ۲**۔موت۔

(۳۹) غسل کو لازم کرنے والے اسباب متعدد ہیں پہلا سبب شہوت کے ساتھ کود کر منی کا اپنے مقر (جائے قرار) سے جدا ہونا ہے خواہ مرد سے ہو یا عورت سے حالت نوم میں ہو یا بیداری میں ہو۔امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک خروج منی مطلقاً موجب غسل ہے خواہ شہوت ہو یا نہ ہو۔ان کی دلیل پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "اَلْمَاءُ مِنَ الْمَاء" یعنی غسل منی سے واجب ہوتا ہے۔یہ حدیث مطلق ہے اس میں شہوت کی قید نہیں لہذا خروج منی مطلقاً موجب غسل ہے۔

احناف کی دلیل باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَاِنْ کُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا﴾ بایں طور کہ آیت مبارکہ میں تطہیر کا حکم جنبی کو شامل ہے اور لغت میں جنابت کہتے ہیں شہوت کے ساتھ منی نکلنے کو، لہذا منی کا شہوت کے ساتھ نکلنا جنابت ہے پس غسل بھی انزال منی مع الشہوۃ (منی کا شہوت کے ساتھ نکلنے) سے واجب ہوگا۔

پھر احناف میں سے طرفین (امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ وامام محمد رحمہ اللہ) کے نزدیک منی کا عضو تناسل سے نکلتے وقت شہوت شرط نہیں، جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اس وقت بھی شہوت شرط ہے۔ لہذا اگر کسی کو احتلام ہوا اور منی اپنے مقر سے شہوت کے ساتھ جدا ہوئی مگر اس نے اپنے عضو تناسل کو پکڑ لیا جب شہوت ختم ہوگئی اس نے چھوڑ دیا پس منی بلا شہوت نکلی تو اس صورت میں طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک غسل واجب ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک غسل واجب نہیں۔ طرفین کا قول راجح ہے، مگر بوقت ضرورت امام ابو یوسف کے قول پر فتوی دینا درست ہے (کمافی الدر المختار: ۱/۱۱۸)۔

(۴۰) وَالْتِقَاءُ الْخِتَانَيْنِ مِنْ غَيْرِ اِنْزَالِ الْمَنِيِّ۔

ترجمه:۔ اور دونوں شرمگاہوں کا باہم ملنا بغیر انزال کے (سبب غسل ہے)۔

تشـــريـــح:۔ (۴۰) وجوب غسل کا دوسرا سبب یہ ہے کہ ختانین (مرد و عورت کے ختنہ کرنے کی جگہ) باہم مل جائیں مراد حشفہ رجل کا عورت کی شرم گاہ میں چھپ جانا ہے ورنہ صرف ملاقات غسل کو واجب نہیں کرتی، لہذا التقاء ختانین کی وجہ سے دونوں پر غسل واجب ہے خواہ انزال ہو یا نہ ہو کیونکہ جس چیز پر حکم مرتب ہو اگر وہ خود تو خفی ہو مگر اسکا کوئی سبب ظاہر ہو تو یہ سبب ظاہر اس امر خفی کے قائم مقام ہو جاتا ہے اور حکم اس سبب پر مرتب ہو جاتا ہے۔ پس یہاں التقاء ختانین انزال کا سبب ہے اور انزال خود آنکھوں سے غائب ہے کبھی قلت منی کی وجہ سے محسوس بھی نہیں ہوتا ہے کہ انزال ہوا یا نہیں اسلئے التقاء ختانین انزال کا قائم مقام ہوگا اور غسل کا ترتب اسی پر ہوگا۔

(۴۱) وَالْحَيْضُ (۴۲) وَالنِّفَاسُ۔

ترجمه:۔ اور حیض اور نفاس (سبب غسل ہیں)۔

تشريح:۔ (۴۱) یعنی وجوب غسل کا تیسرا سبب حیض ہے بشرطیکہ منقطع ہو جائے لقوله تعالى ﴿وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ﴾ (یعنی حائضہ عورتوں کے پاس مت جاؤ یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں پس جب خوب پاک ہو جائیں تو اس مقام میں جماع کرو جہاں اللہ نے حکم دیا ہے) اور خوب پاک ہونا اسی وقت ہوگا کہ جب انقطاع خون کے بعد غسل بھی کرے (۴۲) وجوب غسل کا چوتھا سبب نفاس ہے بشرطیکہ منقطع ہو جائے اور نفاس کا موجب غسل ہونا اجماع سے ثابت ہے۔

(۴۳) وَسَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ الْغُسْلَ لِلْجُمُعَةِ (۴۴) وَالْعِيْدَيْنِ (۴۵) وَالْاِحْرَامِ (۴۶) وَعَرَفَةَ۔

ترجمه:۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کو مسنون فرمایا ہے جمعہ، عیدین، احرام اور عرفہ کے لئے۔

تشريح:۔ یہاں سے امام قدوری رحمہ اللہ غسل مسنون کو بیان فرماتے ہیں چنانچہ فرمایا (۴۳) کہ جمعہ کیلئے غسل کرنا مسنون ہے" لِقَوْلِه

صَلی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلمَ مَن توَضأ یومَ الجُمعَةِ فَبِها وَنعِمتْ وَمَن اِغتَسَلَ فَهُوَ اَفضلُ ''(یعنی جس نے جمعہ کے دن وضوء کرلیا توفبہا اور جس نے غسل کرلیا تو یہ افضل ہے)(۴۴)عیدین کے دن غسل کرنا سنت ہے''لِحدیثِ فاکهة بن سَعدٍاَنّ رَسُولَ اللّٰهِ کانَ یغتَسلُ یَومَ الفطرِوَیَومَ الاَضحیٰ وَیَومَ عَرفَةِ ''(یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن اور عید الضحٰی اور عرفہ کے دن غسل فرمایا کرتے تھے)۔نیز ان دنوں میں بھی جمعہ کی طرح بہت سے لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے اسلئے ان دنوں میں بھی غسل مسنون ہے۔(۴۵)احرام کیلئے بھی غسل کرنا مسنون ہے خواہ احرام حج کا ہو یا عمرہ کا''لِحدیثِ خَارِجة بنِ زیدِبنِ ثابتٍ انّه رَایَ النّبیَّ صَلی اللّٰـهُ عَلَیـهِ وَسَلمَ تَجرّدَلِاهلالِه(احرامه)واغتَسلَ ''(کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کے لئے الگ ہو کر غسل فرمایا)(۴۶)عرفات کیلئے غسل کرنا سنت ہے''لِمَارَوَیْنَامِن حدیثِ فَاکهَة بنِ سعدٍ''اور غسل عرفات خاص کر وقوف عرفات کیلئے ہے نہ کہ دخول عرفات یا یوم عرفات کیلئے۔

پھر غسل جمعہ حسن بن زیادؒ کے نزدیک جمعہ کے دن کیلئے ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک نماز جمعہ کیلئے ہے یعنی غسل کرنے والے کو ثواب نہیں ملے گا الا یہ کہ اس غسل کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرے وهو الصحیح۔پس اگر کسی نے جمعہ کے دن غسل کیا پھر حدث لاحق ہوا اس نے وضوء کیا اور نماز جمعہ ادا کی تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک سنت غسل ادا نہ ہوا اور حسن بن زیادؒ کے نزدیک ادا ہو گیا۔

(۴۷)وَلَیسَ فِی المَذِیْ(۴۸)وَالوَدِیْ غُسلٌ وَفِیهِمَاالْوُضُوءُ۔

ترجمہ:۔اور مذی اور ودی میں غسل نہیں اور ان دونوں میں وضوء ہے۔

تشریح:۔(۴۷)مذی(نرم سفید پانی ہے جو عورت کیساتھ ملاعبت کرنے سے مرد کے ذکر سے نکلتا ہے)(۴۸)اور ودی(پیلے رنگ کا گاڑھا پانی ہے جو کبھی پیشاب سے پہلے اور کبھی بعد میں نکلتا ہے)نکلنے کی صورت میں غسل واجب نہیں ہوتا البتہ وضوء واجب ہوتا ہے''لِقَولِه صَلی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلمَ کُلّ فَحلٍ یَمذِی وَفِیهِ الْوُضوءُ''(کہ ہر نر کا مذی نکلتا ہے اور اس میں وضوء ہے)اور ودی پیشاب پر قیاس کرتے ہیں۔

(۴۹)وَطَهارَةٌ مِن الاَحْدَاثِ جَائِزَةٌ بِماءِ السَّمَاءِ(۵۰)وَالاَوْدِیَةِ(۵۱)وَالعُیُونِ(۵۲)وَالآبَارِ(۵۳)وَماءِ البِحَارِ۔

ترجمہ:۔اور ہر قسم کے حدث سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے بارش، وادیوں، چشموں، کنوؤں اور سمندروں کے پانی کے ذریعہ سے۔

تشریح:۔امام قدوری رحمہ اللہ طہارتین یعنی وضوء اور غسل کے بیان سے فارغ ہو گئے تو اب آلہ طہارت یعنی پانی کے احکام بیان فرماتے ہیں(۴۹)پس بارش(۵۰)وادی(۵۱)چشمہ(۵۲)کنویں(۵۳)اور سمندر کے پانی کے ذریعہ احداث(خواہ اصغر ہو یا اکبر)سے طہارت حاصل کرنا جائز ہے لِقَولِه تعالیٰ ﴿وَاَنْزَلْنَامِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُوْراً﴾(یعنی ہم نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی اتارا)۔

چشموں، کنوؤں اور وادیوں کا پانی بھی درحقیقت آسمان ہی کا پانی ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے﴿اَلَم تَرَاَنّ اللّٰـهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَـاءِ مَاءً فَسَلَکَه یَنَابِیعَ فِی الاَرضِ﴾(کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا پھر چلایا اس پانی کو

چشموں میں زمین کے)اس لئے مذکورہ پانیوں سے طہارۃ حاصل کرنا جائز ہے۔نیز مطلق پانی کی طہارت کی ایک دلیل پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''اَنّ الْمَاءَ طَهوُرٌ اِلّا اَنْ يَتغَيَّرَ رِيْحُه اَوْطعْمُه اَوْلَوْنُه بِنَجَاسَةٍ تحْدُثُ فِيْها '' (یعنی پانی طہور ہے اس کو کوئی چیز نجس نہیں کرتی مگر یہ کہ نجاست گرنے کی وجہ سے اس کا رنگ ،مزہ اور بو متغیر ہو جائے)۔اور سمندر کے پانی کے بارے میں فرماتے ہیں ''هُوَ الطَّهُوْرُ مَائُه وَالْحِلُّ مَيْتَتُه '' (یعنی سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مرا ہوا حلال ہے)اس لئے سمندر کے پانی سے طہارۃ حاصل کرنا جائز ہے۔

الحكمة:۔ انه وان كان معلوما بالبداهة ان الماء مذيل للاقذار والاوساخ
وكل ما ينافي النظافة فان للشارع الحكيم في تكليفنا ازالة النجاسة بالماء حكمة بالغة
لان الماء يزيل عين النجاسة وأثرها وهو الرائحة الكريهة التي تؤذى الانسان وكل ما يقرب من
الجسم الذى تنبعث منه الرائحة ،وايضاان نفس هذه الرائحة عند ما تختلط بالهواء وتدخل
في سائر البدن بواسطة المسام تضر بالجسم وتخل بالصحة لان
الهواء سيال مركب لطيف قابل للتمدد وهو يدخل بسهولة
في أضيق مسام الاجسام وكل الحيوانات ممتلئة به
حتى المعادن تحتوى على كمية منه فضلا
عن الانسان۔(حكمة التشريع)

(٥٤)وَلَا يَجُوْزُ بِمَا اُعْتُصِرَ مِنَ الشَّجَرِ وَالثَّمَرِ۔

ترجمه:۔اور طہارت جائز نہیں اس پانی سے جو درخت اور پھل سے نچوڑے گئے ہوں۔

تشــريــح :۔(٥٤) جو پانی درخت یا کسی پھل سے نچوڑ کر نکالا گیا ہو اس سے وضوء کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ ماء مطلق نہیں (ماء مطلق وہ ہے کہ لفظ پانی کہنے سے اس کی طرف ذہن منتقل ہو) اسلئے کہ اگر کسی انسان کے گھر میں کنویں اور سمندر کا پانی فرض کرلیں اور یہ نچوڑا ہوا پانی بھی فرض کرلیں پھر کسی سے کہیں کہ پانی لاؤ، تو اسکا ذہن اول قسم کے پانی کی طرف منتقل ہوگا نہ کہ ثانی کی طرف۔پس ثابت ہوا کہ نچوڑا ہوا پانی ماء مطلق نہیں اور ماء مطلق نہ ہونے کی صورت میں حکم تیمم کی طرف منتقل کیا گیا ہے قَالَ اللّٰهُ تَعالىٰ ﴿ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا ﴾ (یعنی پھر تم نے پانی نہیں پایا تو قصد کرو پاک مٹی کا)۔

لفظ ''اُعْتُصِرَ '' سے امام قدوری رحمہ اللہ نے اشارہ کیا کہ اگر پانی انگور کے شاخوں سے خود ٹپکے تو اس سے وضوء کرنا جائز ہے مگر علامہ حلوانی کی رائے یہ ہے کہ اس سے بھی وضوء جائز نہیں کیونکہ اس پر ماء الشجر (درخت کا پانی) کا اطلاق ہوتا ہے نہ کہ ماء مطلق کا۔

☆ ☆ ☆

(۵۵) وَلا بِمَاءٍ غَلَبَ عَلَيْهِ غَيْرُه فَاَخرَجه عَنْ طَبعِ الْماءِ كَالاَشرِبَةِ وَالْخَلِّ وَمَاءِ الْبَاقِلاءِ وَالْمَرَقِ وَمَاءِ الْوَرْدِ وَمَاءِ الزَرْدَجِ۔

ترجمہ:۔اور نہ ایسے پانی سے جائز ہے جس پر پانی کے علاوہ کوئی اور شئی غالب ہوگئی ہو اور پانی کو اپنی طبیعت سے نکال دیا ہو جیسے ہر قسم کے شربت، سرکہ، عرق باقلاء، شوربا، عرقِ گلاب اور عرقِ گاجر۔

تشریح:۔(۵۵) اگر پانی کے ساتھ دوسری چیز مل کر پانی پر غالب آگئی یہاں تک کہ پانی کو اسکی طبیعت سے خارج کر دیا (پانی کی طبیعت رقت اور بہنا ہے) تو ایسے پانی سے وضوء کرنا شرعاً معتبر نہیں جیسے شربت، سرکہ، شوربا، لوبیا کا پانی، عرق گلاب اور گاجر کا پانی کیونکہ ان میں سے کسی کو ماءِ مطلق نہیں کہتے ہیں لہذا ان سے طہارت جائز نہیں۔

فائدہ:۔پاک چیز کا پانی پر غالب آنے کی کئی صورتیں ہیں (۱) ملی ہوئی چیز جامد ہو، تو پانی پر غالب آنے کا مطلب یہ ہے کہ پانی کو پانی کی طبیعت سے نکال دے (پانی کی طبیعت رقت اور سیلان ہے) یعنی جب پانی گاڑھا ہو جائے تو ملی ہوئی چیز غالب سمجھی جائیگی۔(۲) کبھی جامد چیز پانی میں مل جانے سے پانی کی طبیعت برقرار رہتی ہے مگر اس پانی کا نیا نام رکھ دیا جاتا ہے جیسے پانی میں کھجور ملانے سے پانی کا نام نبیذ تمر ہو جاتا ہے۔تو اگر چہ پانی کی طبیعت برقرار ہے مگر اس سے وضوء جائز نہیں۔(۳) ملی ہوئی چیز مائع ہو، تو دو حال سے خالی نہیں، یا تو پانی کے ساتھ اوصاف میں موافق ہوگی یا نہیں۔اگر موافق ہے جیسے مستعمل پانی، تو پھر غلبہ باِلاَجزاء معتبر ہے یعنی مستعمل پانی کے اجزاء اگر غیر مستعمل پانی سے زائد ہوں تو ملی ہوئی چیز غالب سمجھی جائیگی۔اور اگر اوصاف میں مخالف ہو تو دو حال سے خالی نہیں، یا تو تینوں اوصاف میں مخالف ہوگی یا بعض میں۔اگر تینوں میں مخالف ہو جیسے سرکہ۔تو پھر اکثر اوصاف کے ظاہر ہونے پر ملی ہوئی چیز غالب سمجھی جائیگی۔اور اگر بعض اوصاف میں مخالف ہو جیسے ککڑی اور کھیرا کا پانی، تو پھر ایک وصف کے متغیر ہونے پر غالب سمجھی جائیگی۔

فائدہ:۔بعض شراح کی رائی یہ ہے کہ مذکورہ بالا عبارت میں اگر اشربہ سے مراد وہ ہو جو درخت سے نکالا گیا ہو جیسے انار کا شربت۔اور سرکہ سے خالص سرکہ مراد ہو تو یہ دونوں اس پانی کی مثل ہوں گی جو درخت اور پھل سے نچوڑ کر نکالا گیا ہو، اور لوبیا کا پانی اور شوربا اس پانی کی نظیر ہوں گے جس پر دوسری چیز غالب آگئی ہو، اور عبارت میں لف نشر مرتب ہوگا یعنی "بِمَاءٍ اُعْتُصِرَ الخ" کی مثالیں مقدم ہیں اور "بِمَاءٍ غَلَبَ الخ" کی مثالیں مؤخر ہیں۔اور اگر اشربہ سے مراد وہ پانی ہے جس میں شرینی ملادی گئی ہو جیسے شیرہ ملادیا۔اور سرکہ سے مراد وہ سرکہ ہو جو پانی کے ساتھ ملادیا گیا ہو، تو پھر یہ چاروں مثالیں اس پانی کی نظیر ہوں گی جس پر دوسری چیز غالب آگئی ہو۔

بندہ کے ناقص خیال میں اول چار "بِمَاءٍ غَلَبَ عَلَيْهِ غَيْرُه" کی مثالیں قرار دینا اور آخری دو یعنی "ماء الورد وماء الزردج" کو "بِمَاءٍ اُعْتُصِرَ" کی مثالیں قرار دینا زیادہ واضح ہے اور اس وقت یہ لف ونشر غیر مرتب کے قبیل سے ہوگا۔

(۵۶) وَتَجُوزُ الطَّهَارَةُ بِمَاءٍ خَالَطَهُ شَيْءٌ طَاهِرٌ فَغَيَّرَ اَحَدَ اَوْصَافِهِ كَمَاءِ الْمَدِّ وَالْمَاءِ الَّذِي يَخْتَلِطُ بِهِ الْاُشْنَانُ وَالصَّابُونُ وَالزَّعْفَرَانُ۔

ترجمہ:۔اور طہارت ایسے پانی سے جائز ہے جس میں کوئی پاک چیز مل گئی ہو اور پانی کے اوصاف میں سے کسی ایک وصف کو بدل دیا

ہو جیسے سیلاب کا پانی اور ایسا پانی کہ جس میں اشنان، صابون اور زعفران مل گیا ہو۔

تشریح:۔(۵۶) اگر پانی میں کوئی پاک چیز مل گئی اور اس نے پانی کے تینوں اوصاف یعنی رنگ، مزہ، بو، میں سے کسی ایک وصف کو متغیر کر دیا جیسے سیلاب کے پانی جس میں مٹی، درختوں کے پتے وغیرہ مل جاتے ہیں یا زعفران (ایک قسم کا نہایت خوشبودار زرد رنگ کا پھول ہے) کا پانی یا صابون یا اُشنان (ایک قسم کی نباتات جس کو ہاتھ دھونے میں استعمال کرتے تھے) ملا ہوا پانی۔ تو جب تک کہ رقت اور سیلان باقی ہو اس پانی سے وضوء کرنا جائز ہے کیونکہ اس کو مطلق پانی کہنا صحیح ہے اور مطلق پانی سے وضوء جائز ہے۔ نیز ان اشیاء کے ملنے سے بچنا ممکن بھی نہیں اسلئے اس سے وضوء کرنا جائز ہے۔

امام قدوری رحمہ اللہ کی عبارت سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اگر پانی کے دو یا تین وصف متغیر ہو گئے تو اس سے وضوء کرنا جائز نہیں مگر صحیح یہ ہے کہ اگر پاک شئی کے ملنے سے پانی کے تینوں وصف متغیر ہو گئے تب بھی اس سے وضوء جائز ہے بشرطیکہ رقت اور سیلان باقی ہو۔

(۵۷) وَكُلُّ مَاءٍ دَائِمٍ إِذَا وَقَعَتْ فِيهِ نَجَاسَةٌ لَمْ يَجُزِ الْوُضُوءُ بِهِ قَلِيلًا كَانَ أَوْ كَثِيرًا لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِحِفْظِ الْمَاءِ مِنَ النَّجَاسَةِ فَقَالَ ﷺ لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ وَلَا يَغْتَسِلَنَّ فِيهِ مِنَ الْجَنَابَةِ وَقَالَ ﷺ إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ مَنَامِهِ فَلَا يَغْمِسَنَّ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ حَتَّى يَغْسِلَهَا ثَلَاثًا فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ۔

ترجمہ:۔اور ہر وہ ٹھہرا ہوا پانی جس میں کوئی نجاست گر جائے تو اس سے وضوء جائز نہیں خواہ نجاست کم ہو یا زیادہ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ناپاکی سے پانی کی حفاظت کا حکم فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے اور نہ اس میں جنابت کا غسل کرے اور آپ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنی نیند سے بیدار ہو تو وہ اپنے ہاتھ برتن میں نہ ڈالے یہاں تک کہ اسے تین بار دھوئے کیونکہ اسے نہیں معلوم کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گذاری ہے۔

تشریح:۔(۵۷) اگر کھڑے پانی میں نجاست گر جائے تو اس سے وضوء جائز نہیں خواہ نجاست قلیل ہو یا کثیر اور پانی کے اوصاف بوجہ نجاست متغیر ہوں یا نہ ہوں کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کو نجاست سے محفوظ رکھنے کا حکم دیا ہے چنانچہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں نہ کوئی پیشاب کرے اور نہ غسل جنابت کرے۔ نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب تم میں سے کوئی سو کر اٹھے تو ہاتھ تین بار دھوئے بغیر برتن میں نہ ڈالے کیونکہ اسے کیا معلوم کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گذاری ہے یعنی ممکن ہے کہ پاک محل پر لگا ہو اور ممکن ہے کہ نجس محل پر لگا ہو۔ پس اگر نجاست کے گرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا تو پھر آپؐ کے منع فرمانے کا کیا فائدہ ہوا۔

واضح رہے کہ یہ کھڑے اور تھوڑے پانی کا حکم ہے جاری پانی اور وہ پانی جو جاری پانی کے حکم میں ہو جیسے بڑا حوض تو اس کا یہ حکم نہیں بلکہ اس کا حکم اور ہے جو آنے والی عبارت میں بیان کریگا۔

(۵۸) وَأَمَّا الْمَاءُ الْجَارِي إِذَا وَقَعَتْ فِيهِ نَجَاسَةٌ جَازَ الْوُضُوءُ مِنْهُ إِذَا لَمْ يُرَ لَهَا أَثَرٌ لِأَنَّهَا لَا تَسْتَقِرُّ مَعَ جَرَيَانِ الْمَاءِ۔

ترجمہ:۔البتہ جاری پانی میں جس وقت اس میں نجاست گر جائے تو اس سے وضوء کر لینا جائز ہے جب تک کہ اس نجاست کا اثر معلوم

نہ ہو کیونکہ نجاست نہیں ٹھہرتی پانی کے بہاؤ کے ساتھ۔

تشریح :۔(۵۸) اگر جاری پانی میں نجاست گر جائے تو اس سے وضوء کرنا جائز ہے بشرطیکہ نجاست کا کوئی اثر معلوم نہ ہو کیونکہ نجاست پانی کے بہاؤ کے ساتھ نہیں ٹھہرتی ہے اسلئے نجاست گرنے کے باوجود جاری پانی پاک ہی رہیگا۔ اور نجاست کے اُثر سے مراد اس کا مزہ، بواور رنگ ہیں۔

جاری پانی کی تعریف میں فقہاء کا اختلاف ہے بعض نے کہا کہ جس کا استعمال مکرر نہ ہو یعنی جب پانی لے کر ہاتھ دھویا اور وہ پانی نہر میں گرا تو دوسری مرتبہ جب نہر سے پانی لیا جائے تو پہلے پانی میں سے کچھ استعمال میں نہ آئے بلکہ پہلا پانی بہہ کر آگے چلا گیا ہو اور بعض کہتے ہیں کہ جاری پانی وہ ہے جو خشک تنکا بہالے جائے اور بعض کی رائی یہ ہے کہ لوگ جس کو جاری سمجھیں وہی جاری پانی ہے۔

(۵۹) وَالْغَدِيرُ الْعَظِيمُ الَّذِي لَايَتَحَرَّكُ اَحَدُ طَرَفَيْهِ بِتَحْرِيكِ الطَّرَفِ الْآخَرِ اِذَا وَقَعَتْ فِي اَحَدِ جَانِبَيْهِ نَجَاسَةٌ جَازَ الْوُضُوءُ مِنَ الْجَانِبِ الْآخَرِ لِاَنَّ الظَّاهِرَ اَنَّ النَّجَاسَةَ لَاتَصِلُ اِلَيْهِ۔

ترجمہ:۔اور بڑا تالاب وہ ہے جس کے ایک طرف کو حرکت دینے سے دوسری طرف متحرک نہ ہو جب اس کی کسی ایک جانب میں نجاست گر جائے تو دوسری جانب سے وضوء کرنا جائز ہے کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ نجاست دوسری جانب تک نہیں پہنچتی ہے۔

تشریح :۔(۵۹) غدیر عظیم (بڑا تالاب) وہ ہے جس کی ایک کنارے کو حرکت دینے سے دوسری جانب متحرک نہ ہو پھر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک درمیانی درجہ کے غسل کی حرکت معتبر ہے وضوء کا نہیں کیونکہ تالابوں میں غسل کرنے کی حاجت زیادہ پیش آتی ہے بنسبت وضوء کے اس لئے کہ وضوء بالعموم گھروں میں کیا جاتا ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ہاتھ کی حرکت معتبر ہے جبکہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک وضوء کرنے کی حرکت معتبر ہے (امام محمدؒ کا قول راجح ہے)۔

غدیر عظیم کا اندازہ حرکت کے ذریعہ سے معلوم کرنا عراقیین کا قول ہے بعض علماء نے مساحت کا اعتبار کیا ہے یعنی اگر تالاب دہ در دہ (دس گز لمبا دس گز چوڑا) ہو تو وہ بڑا تالاب ہے اور اگر اس سے کم ہو تو وہ چھوٹا تالاب ہے اس میں عام لوگوں کیلئے آسانی ہے اور یہی قول مفتی بہ ہے۔

ذراع (گز) سے مراد یہاں ذراع کرباس ہے جو سات مٹھی کا ہوتا ہے اور مٹھی پر کھڑی انگلی زائد نہیں ہوتی۔ غدیر عظیم کی گہرائی کے بارے میں معتبر یہ ہے کہ اتنا گہرا ہو کہ چلو بھر لینے سے زمین نہ کھلے یہی قول مفتی بہ ہے۔

غدیر عظیم کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کی ایک جانب میں نجاست گر جائے تو دوسری جانب سے وضوء کر لینا جائز ہے کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ ایک جانب کی نجاست دوسری جانب نہیں پہنچتی ہے اسلئے کہ سرایت کرنے میں حرکت کا اُثر نجاست کے اُثر سے بڑھ کر ہے جب حرکت کا اُثر دوسری جانب نہیں پہنچتا ہے تو نجاست کا اُثر بطریقہ اولیٰ نہیں پہنچے گا۔

امام قدوری رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ، دوسری جانب سے وضوء جائز ہے، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس جانب میں نجاست گرے نجاست گرنے کی جگہ ناپاک ہو جائیگی جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت یہ ہے کہ جاری پانی کی طرح جب تک کہ نجاست کا

اثر ظاہر نہ ہوا سی جانب سے بھی وضوء کرنا جائز ہے یہی قول مفتی بہ ہے (کمافی فتح القدیر:۱/۷۲)۔

الالغاز:۔ایّ حوض صغیر لاینجس بوقوع النجاسة فیه ؟

فقل:۔حوض الحمام اذاکان الغرف منه متدارکاویکون الماء داخلامن اعلاه۔

الالغاز:۔ایّ ماء کثیر لایجوز الوضوء به وان نقص جاز ؟

فقل:۔هوماء حوض اعلاه ضیق واسفله عشر فی عشر۔(الاشباه والنظائر)

الالغاز:۔ایّ غدیر مساحته مائة ذراع فی مائة وهو نجس مع انه غیرمتغیربالنجاسة ؟

فقل:۔وهوان یکون فی طریق الماء الذی یصل منه الی الغدیر نجاسة والماء یمرّ علیهاوهو قلیل ویجتمع فی الغدیرفکله نجس۔(الاشباه والنظائر)

(۶۰)وَمَوتُ مَالَیسَ لَه نَفسٌ سَائِلَةٌ فِی الْمَاءِ لَایُفسِدُ الْمَاءَ کَالْبَقِّ وَالذُّبَابِ وَالزَّنَابِیرِوَالعَقَارِبِ۔

ترجمه:۔اور پانی میں ایسے جانور کا مرنا جس میں بہنے والا خون نہ ہو اس پانی کو خراب نہیں کرتا جیسے مچھر، مکھی، بھڑ اور بچھو۔

تشریح:۔(۶۰)اگر پانی میں ایسا جانور مر گیا جس میں بہنے والا خون نہ ہو تو اسکی موت سے پانی ناپاک نہیں ہوگا مثلاً مچھر، مکھی، بھڑیں اور بچھو وغیرہ کیونکہ سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث شریف نقل کی ہے ''اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ سُئِلَ عَن اِنَاءٍ فِیهِ طَعَامٌ اَوْشَرَابٌ یَمُوتُ فِیهِ مَالَیسَ لَه دَمٌ سَائِلٌ قَالَ ﷺ هٰذَاهُوَالْحَلَالُ اُکْلُه وَشُرْبُه وَالوُضُوءُ مِنْه'' (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس برتن کے بارے میں دریافت کیا جس میں کھانے پینے کی چیز ہو اس میں وہ جانور مر جائے جس میں بہنے والا خون نہ ہو آپ ﷺ نے فرمایا اس کا کھانا، پینا حلال اور اس سے وضوء کرنا جائز ہے)۔

(۶۱)وَمَوتُ مَا یَعِیشُ فِی الْمَاءِ لَایُفسِدُالْمَاءَ کَالسَّمَکِ وَالضِّفْدَعِ وَالسَّرْطَانِ۔

ترجمه:۔اور پانی میں ایسے جانور کا مر جانا جو پانی میں زندگی گذارتا ہے پانی کو خراب نہیں کرتا جیسے مچھلی، مینڈک اور کیکڑا۔

تشریح:۔(۶۱) یہ مسئلہ گذشتہ مسئلہ میں داخل ہے کیونکہ پانی میں رہنے والا جانور بھی ''مَالَیسَ لَه دَمٌ سَائِلٌ'' میں داخل ہے اس لئے کہ اس میں بھی خون نہیں ہوتا البتہ تَصْرِیحٌ بِمَاعُلِمَ ضِمْناً کے طور پر اس کو الگ بیان کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ اگر پانی میں پیدا ہونے والا اور زندگی گذارنے والا جانور پانی ہی میں مر جائے (یا پانی سے باہر مر گیا پھر پانی میں ڈالا گیا) تو اس کی موت سے پانی ناپاک نہیں ہوتا ہے جیسے مچھلی اور دریائی مینڈک اور کیکڑا وغیرہ کیونکہ نجس دراصل بہنے والا خون ہے اور آبی جانوروں میں خون نہیں کیونکہ خون والا جانور پانی میں نہیں رہتا۔

الالغاز:۔ایّ ماء طهوریجوزالوضوء به ولایجوز شربه؟

فقل:۔ماء مات فیه ضفدع بحری وتفتت۔(الاشباه والنظائر)

(۶۲) وَاَمَّا الْمَاءُ الْمُسْتَعْمَلُ لَایَجُوْزُ اِسْتِعْمَالُهُ فِی طَهَارَةِ الْاَحْدَاثِ۔

ترجمہ:۔اور مستعمل پانی جائز نہیں اسکا استعمال احداث کی طہارت میں۔

تشریح:۔(۶۲) مستعمل پانی احداث (نجاستِ حکمیہ) کو پاک نہیں کرتا احداث کی قید سے اشارہ کردیا کہ مستعمل پانی سے انجاس کو دور کرنا درست ہے۔

ماء مستعمل کے حکم کے بارے میں اختلاف ہے شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک ماء مستعمل نجس ہے۔ پھر حسن بن زیادؒ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ نجس بنجاستِ غلیظہ ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ نجس بنجاستِ خفیفہ ہے۔امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ماء مستعمل سرکہ کی طرح پاک ہے پاک کرنے والا نہیں (یعنی کسی اور چیز کو پاک نہیں کرتا) یہی قول صحیح ہے۔

(۶۳) وَالْمُسْتَعْمَلُ كُلُّ مَا اُزِيْلَ بِهٖ حَدَثٌ اَوِ اسْتُعْمِلَ فِی الْبَدَنِ عَلٰی وَجْهِ الْقُرْبَةِ۔

ترجمہ:۔اور مستعمل پانی ہر وہ پانی ہے جس سے کوئی ناپاکی دور کی گئی ہو یا اسے بدن میں بطور قربت وثواب استعمال کیا گیا ہو۔

تشریح:۔(۶۳) اس سے پہلے امام قدوری رحمہ اللہ نے ماء مستعمل کا حکم بیان فرمایا اب ماء مستعمل کی تعریف بیان کرنا چاہتے ہیں حکم کو تعریف سے اس لئے مقدم کیا ہے کہ مقصود حکم ہی ہے اور مقصود مقدم کرنے زیادہ حقدار ہے۔ نیز تعریف میں اختلاف کی وجہ سے تعریف کو مؤخر کردیا ہے۔ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک ماء مستعمل وہ ہے جو برائے رفع حدث یا بنیتِ قربت وثواب استعمال ہوا ہو اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ماء مستعمل صرف وہ ہے جو بنیتِ قربت وثواب استعمال ہو۔امام محمد رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ پانی مستعمل اسلئے ہوتا ہے کہ گناہوں کی نجاست بدن سے پانی کی طرف منتقل ہوجاتی ہے اور گناہوں کی نجاست بدن سے صرف بنیتِ قربت زائل ہوتی ہے لہذا صرف بنیتِ ثواب استعمال شدہ پانی مستعمل ہے۔امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ فرض ساقط کرنا یعنی حدث زائل کرنا بھی مؤثر ہے لہذا پانی کا فساد دونوں اُمروں سے ثابت ہوتا ہے۔ شیخینؒ کا قول راجح ہے۔

پانی کب مستعمل ہوتا ہے تو فرماتے ہیں کہ جوں ہی پانی عضو سے زائل ہوا تو مستعمل ہوگیا کیونکہ انفصال سے پہلے ضرورت کی وجہ سے اس پانی کو مستعمل نہیں کہیں گے اور بعد از انفصال کوئی ضرورت نہیں۔

(۶۴) وَكُلُّ اِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ جَازَتِ الصَّلٰوةُ فِيْهِ (۶۵) وَالْوُضُوْءُ مِنْهُ (۶۶) اِلَّا جِلْدَ الْخِنْزِيْرِ (۶۷) وَالْآدَمِيِّ۔

ترجمہ:۔اور ہر وہ کچی کھال جسے دباغت دی جائے (پکائی جائے) پاک ہوجاتا ہے اس میں نماز پڑھنا اور اس سے وضوء کرنا جائز ہے سوائے خنزیر اور آدمی کی کھال کے۔

تشریح:۔کھال کی دباغت (پکانے) کے ساتھ تین مسائل تعلق رکھتے ہیں۔/**نمبر ۱**۔خود کھال کا پاک ہونا۔/**نمبر ۲**۔پہن کر اس میں نماز پڑھنا۔/**نمبر ۳**۔اس کا مشکیزہ بنا کر اس سے وضوء کرنا۔اول کا تعلق کتاب الصید کے ساتھ ہے ثانی کا کتاب الصلوۃ کیساتھ ہے اور ثالث کا تعلق اسی باب کے ساتھ ہے اسلئے دباغت اہاب کو یہاں ذکر کیا ہے۔

پس ہر وہ کھال جو قابل دباغت ہو دباغت کے بعد پاک ہو جاتا ہے اور وہ کھال جو قابل دباغت نہ ہو پاک نہیں ہوتا ہے جیسے سانپ اور چوہے کی کھال۔ اور دباغت کا حکم مرے ہوئے جانوروں کی کھال کے بارے میں ہے ورنہ ذبح کئے ہوئے جانور کی کھال بلا دباغت بھی پاک ہوتی ہے۔

دباغت جلد کا معنی یہ ہے کہ کھال کی بو اور چکناہٹ کو دواء یا مٹی یا دھوپ سے زائل کر دے پہلی صورت میں پھر کبھی نجاست عود نہیں کرآئیگی اور دوسری و تیسری صورت میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے دو روایتیں منقول ہیں۔

کھال پکانے والا خواہ مسلمان ہو یا کافر، بالغ ہو یا نابالغ، عاقل ہو یا مجنون، مرد ہو یا عورت بہر حال پکانے کے بعد کھال پاک ہو جائیگی "لِقولِه صَلى اللّٰهُ عَليهِ وَسَلمَ ايَمَااِيهابٍ دُبِغَ فَقَدطَهَرَ" (یعنی جو بھی کھال کہ پکائی گئی تو وہ پاک ہوگئی) (٦٤) اور جب پاک ہو جائے تو اس کا لباس بنا کر اس میں نماز پڑھنا یا اس کا مصلّی بنا کر اس پر نماز پڑھنا درست ہے (٦٥) اس کا مشکیزہ بنا کر اس سے وضوء کرنا جائز ہے (٦٦) لیکن خنزیر کی کھال دباغت سے پاک نہیں ہوگی کیونکہ خنزیر نجس العین ہے (٦٧) اسی طرح آدمی کی کھال بھی بوجہ کرامت دباغت سے پاک نہیں ہوگی۔

کھال کو دباغت (پکانے) سے پہلے اہاب کہتے ہیں اور دباغت کے بعد ادیم کہتے ہیں۔

(٦٨) وَشَعرُ الْمَيْتَةِ (٦٩) وَعَظمُهَا طَاهِرٌ۔

ترجمہ:۔ اور مردار کے بال اور اسکی ہڈی پاک ہے۔

تشریح:۔ (٦٨) مردار کے بال (٦٩) اور اسکی ہڈی (بشرطیکہ چکناہٹ سے خالی ہو) پاک ہے۔ اگر پانی میں گر جائے تو پانی نجس نہیں ہوتا۔ یہی حکم مردار کے ہر اس جزء کا ہے جس میں زندگی نہ ہو جیسے کُھر، پٹھے اور سینگ وغیرہ کیونکہ مردار کے اجزاء اسلئے نجس ہیں کہ ان میں موت حلول کرتی ہے اور موت جس چیز میں حلول کرتی ہے وہ نجس ہو جاتی ہے جبکہ مذکورہ بالا اجزاء میں شروع ہی سے حیات نہیں تھی لہٰذا ان میں موت کے حلول نہ کرنے کی وجہ سے یہ پاک ہیں۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ چیزیں نجس ہیں کیونکہ یہ مردار کے اجزاء ہیں مردار نجس ہے تو اسکے اجزاء بھی نجس ہونگے۔ انسان کے بال اور ہڈی بھی پاک ہیں مگر خنزیر چونکہ اپنے تمام اجزاء کے اعتبار سے نجس العین ہے اسلئے اسکے بال اور ہڈی کوئی چیز بھی پاک نہیں۔

(٧٠) وَاِذَا وَقعتْ فِي الْبِئرِ نَجَاسَةٌ نُزِحتْ وَكَانَ نَزْحُ مَافِيهَا مِنَ الْمَاءِ طَهَارَةً لَهَا۔

ترجمہ:۔ اور جب کنویں میں نجاست گر جائے تو کنواں (کا پانی) نکالا جائے گا اور کنویں میں جو پانی ہے اس کا نکالنا ہی کنویں کی پاکی ہے۔

تشریح:۔ (٧٠) چونکہ کنویں کے پانی کے احکام "بَابُ الْمَاءِ الَّذِیْ يَجُوْزُ بِهِ الْوُضُوءُ" میں داخل ہیں اسلئے کنویں کے پانی کے احکام بھی اسی باب میں ذکر کئے ہیں۔ پس کنویں میں کوئی نجاست گر جائے تو کنواں نکالا جائیگا (یعنی کنویں کا پانی نکالا جائیگا یہ مجاز ہے از قبیل ذکر محل وارادۃ الحال ہے)۔ کنویں کا پانی نکالنا باجماع سلف اس کنویں کی پاکی کا شرعی ذریعہ ہے۔ کنویں کی دیواریں وغیرہ کے

دھونے کی ضرورت نہیں کیونکہ کنوؤں کے احکام اتباع آثار پر مبنی ہیں نہ کہ قیاس پر اور آثار میں دیواریں وغیرہ دھونے کا ذکر نہیں۔

(۷۱) فَاِنْ مَاتَتْ فِیهَا فَارَةٌ اَوْعُصْفُوْرَةٌ اَوْصَعْوَةٌ اَوْسَوْدَانِیَةٌ اَوْسَامُ اَبْرَص نُزِحَ مِنْهَامَابَیْنَ عِشْرِیْنَ دَلْوًا اِلیٰ ثَلٰثِیْنَ۔

ترجمہ:۔پس اگر مرجائے اس کنویں میں چوہا یا چڑیا یا مولا یا بھجنگا یا چھپکلی تو اس سے بیس ڈول سے تیس ڈول تک نکالے جائینگے۔

تشریح:۔(۷۱) اگر کنویں میں چوہا یا چڑیا یا مولا (ایک چھوٹا پرندہ ہے جس کے پیٹ پر کالی دھاریاں ہیں) یا بھجنگا (ایک سیاہ رنگ کا پرندہ ہے) یا گرگٹ گر کر مرجائے یا ان میں سے کوئی مرا ہوا کنویں میں ڈال دیا جائے تو انکو کنویں سے نکالنے کے بعد بیس سے تیس ڈول تک نکالے جائینگے۔بیس ڈول نکالنا واجب ہے اور دس ڈول مزید نکالنا مستحب ہے،اس لئے کہ چوہے کے بارے میں روایات مختلف ہیں،ایک روایت یہ ہے کہ چند ڈول نکال دیں،ایک میں سات ڈول نکالنے کا حکم ہے،ایک میں بیس ڈول کا حکم ہے اور ایک میں چالیس ڈول کا ،ہمارے علماء نے بیس ڈول والی روایت کو ترجیح دی ہے کیونکہ یہ روایت اوسط بین القلیل والکثیر ہے،لہذا بیس ڈول نکالنا واجب ہے اور اس سے اوپر مستحب ہے۔یہ تو چوہے کے حکم کی دلیل ہے باقی چڑیا وغیرہ بھی چونکہ جسم میں چوہے کے ساتھ برابر ہیں اسلئے انکا بھی یہی حکم ہے۔

(۷۲) بِحَسْبِ کُبْرِ الدَّلْوِوَصُغْرِهَا۔

ترجمہ:۔ڈول کے بڑے اور چھوٹے ہونے کے لحاظ سے۔

تشریح:۔(۷۲)"کُبْرو صُغْر" بضم الاول و اسکان الثانی اجسام میں استعمال ہوتے ہیں یعنی بیس اور تیس کا اختلاف ڈول کے اعتبار سے ہے اگر ڈول بڑا ہو تو بیس ڈول نکالیں اور اگر چھوٹا ہو تو تیس ڈول نکالیں اس تشریح کے مطابق بیس اور تیس دونوں واجب ہیں۔مگر صحیح یہ ہے کہ بیس ڈول واجب اور تیس مستحب ہیں۔مگر پہلی صورت کی امام قدوری رحمہ اللہ نے آگے تصریح کی ہے اسلئے بہتر دوسری تفسیر ہونی چاہئے۔

(۷۳) اِنْ مَاتَتْ فِیهِ حَمَامَةٌ اَوْدَجَاجَةٌ اَوْسِنَّوْرٌنُزِحَ منهامَابَیْنَ اَرْبَعِیْنَ دَلْوًااِلی خَمْسِیْنَ۔

ترجمہ:۔اور اگر مرجائے کنویں میں کبوتر یا مرغی یا بلی تو اس سے چالیس ڈول سے پچاس تک نکالے جائیں گے۔

تشریح:۔(۷۳) اگر کنویں میں کبوتر یا اس کے مانند کوئی جانور مرگیا مثلاً مرغی یا بلی تو اسکا حکم بحسب ظاہر الروایت یہ ہے کہ چالیس سے پچاس ڈول تک نکالے جائیں اس پر دلیل "مارواه الطحاوی .... عن الشعبی فی الطَّیْرِ وَالسِّنَّوْرِ وَنَحوِهِمَا یَقَعُ فِی الْبِئْرِ یُنْزَحُ مِنْهَا اَرْبَعُوْنَ دَلْوًا،ومارواه الطبرانی .... عن حمادبن ابی سلیمان انه قَالَ فِی دَجَاجَةٍ وَقَعَتْ فِی الْبِئْرِ فَمَاتَتْ قَالَ ینزحُ منها قدرَاَرْبعینَ دَلوًااَوْخَمسِیْنَ ثُمَّ یَتَوَضَّأُ مِنهَا "۔اور ایک قول یہ ہے کہ چالیس سے ساٹھ ڈول تک نکالے جائیں۔

(۷۴) وَاِنْ مَاتَ فِیهَا کَلْبٌ اَوْشَاةٌ اَوْآدَمِیٌّ نُزِحَ جَمِیْعُ مَافِیهَامِنَ الْمَاءِ (۷۵) وَاِنْ انْتَفَخَ الْحَیَوانُ فِیهَااَوْتَفَسَّخَ نُزِحَ جَمِیْعُ مَافِیهَاصَغُرَالْحَیَوانُ اَوْکَبُرَ۔

ترجمہ:۔اور اگر کنویں میں مرگیا کتا یا بکری یا آدمی تو اس میں سے وہ سارا پانی نکال دیا جائیگا جو اس کنویں میں ہے اور اگر کنویں میں

جانور پھول گیا یا پھٹ گیا تو اس کنویں سے وہ سارا پانی نکال دیا جائیگا جو اس میں ہے خواہ جانور چھوٹا ہو یا بڑا۔

تشریح:۔(۷۴)اگر کنویں میں کتایا بکری یا آدمی مرگیا تو کنویں کا پورا پانی نکالنا واجب ہوگا کیونکہ جب ایک حبشی زمزم کے کنویں میں گر کر مرگیا تو ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ اور ابن زبیر رضی اللہ تعالی عنہ نے پورا پانی نکالنے کا فتوی دیا تھا۔بکری وغیرہ چونکہ آدمی کے ساتھ جسم میں برابر ہیں اس لئے انکا بھی یہی حکم ہے۔

مگر کتے کا مرنا شرط نہیں اگر صرف گرا اور زندہ نکل آیا تو بھی یہی حکم ہے کیونکہ کتے کا جھوٹا نجس ہے۔اور یہی حکم ہر اس جانور کا ہے جس کا جھوٹا نجس یا مشکوک ہو اور جن جانوروں کا جھوٹا مکروہ ہے ان کے گرنے اور زندہ نکلنے کی صورت میں پانی مکروہ ہوجاتا ہے لہذا دس ڈول نکالا جائیگا۔

(۷۵)اگر کنویں میں کوئی جانور گر کر مرگیا اور پھول گیا یا پھٹ گیا تو اب تمام پانی نکالا جائیگا خواہ جانور چھوٹا ہو یا بڑا کیونکہ پھولنے اور پھٹنے سے جانور کے ناپاک اجزا کی تری پانی میں پھیل جاتی ہے اسلئے پورا پانی ناپاک ہوجائیگا۔

(۷۶)وَعددُ الدّلاءِ يُعْتَبرُ بِالدّلوِ الوَسَطِ الْمسْتَعملِ لِلآبارِ فِي البُلدَانِ(۷۷)فَإِنْ نُزِحَ مِنهابِدَلْوٍعَظِيمٍ قَدْرَمَايَسَعُ مِن الدّلاءِ الْوَسطِ اُحْتُسِبَ بِهِ۔

ترجمہ:۔اور ڈولوں کی گنتی اس اوسط درجہ کے ڈول کے اعتبار سے کرلی جائیگی جو شہروں کے کنوؤں پر استعمال کیا جاتا ہو اور اگر کنویں سے بڑے ڈول کے ذریعہ اتنی مقدار نکال دی گئی جو سماتی ہو درمیانی ڈولوں میں تو اسی سے حساب لگایا جائیگا۔

تشریح:۔(۷۶)ڈولوں کی شمار میں درمیانی ڈول معتبر ہے اور درمیانی ڈول وہ ہے جو عام طور پر شہر میں کنوؤں پر استعمال ہوتا ہے کیونکہ روایات میں ڈول مطلق وارد ہوا ہے لہذا اعم اور اغلب مراد ہوگا اور اعم واغلب وہی ڈول ہے جو کنوؤں میں استعمال ہوتا ہے۔ایک قول یہ ہے کہ جس کنویں میں جو ڈول مستعمل ہو وہی معتبر ہے اور ایک قول یہ ہے کہ بقدر ایک صاع (بحساب درہم ۲۷۰ تولہ اور بحساب مثقال ۲۷۳ تولہ) ڈول معتبر ہے۔

(۷۷)لہذا اگر ایک ایسے بڑے ڈول سے پانی نکالے جس میں مثلاً بیس ڈول سما جاتے ہوں تو چوہا گرنے کی صورت میں اس بڑے ڈول سے اگر صرف ایک ڈول پانی نکالیں تو کنواں پاک ہوجائیگا اور اگر ایسے چھوٹے ڈول سے پانی نکالے جو درمیانی ڈول کے نصف کے برابر ہو تو پھر بیس کے بجائے چالیس ڈول نکالینگے۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ڈولوں کی گنتی شرط نہیں جبکہ امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک شرط ہے،مثلاً اگر ایک ایسے ڈول سے پانی نکالا جو اوسط درجہ کے بیس ڈولوں کا پانی سما سکتا ہو تو اس ایک ڈول کو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بیس ڈول شمار کیا جائیگا جبکہ امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک یہ ایک ہی ڈول شمار ہوگا لہذا اگر بیس ڈول نکالنا ضروری ہو تو انیس ڈول اور نکالنا ہوگا۔

(۷۸)وَاِنْ كَانَ الْبِئْرُ مَعِيْنًا لَايُنْزَحُ وَوَجَبَ نَزْحُ مَافِيْهَا اُخْرِجَ مِقْدَارُ مَافِيْهَا مِنَ الْمَاءِ وَعَنْ مُحَمَّدٍ رحمه اللّٰهُ انه قَالَ يُنْزَحُ مِنْهَا مِائَتَا دَلْوٍ اِلٰى ثَلٰثِمِائَةٍ۔

ترجمہ:۔اوراگرکنواں چشمہ دار ہو کہ اس کا پانی نہ نکالا جاسکتا ہو اور ضروری ہو اس پانی کا نکالنا جو اس میں ہو تو اس میں موجود پانی کی مقدار نکال دی جائیگی اور امام محمد بن الحسن رحمہ اللہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ اس سے دوسوڈول سے تین سوڈول تک نکال دئے جائیں گے۔

تشریح:۔(۷۸)اگر ماقبل میں ذکرشدہ وجوہ میں سے کسی وجہ سے کنویں کا سارا پانی نکالنا ضروری ہو مگر کنواں چشمہ دار ہو یعنی اسکا پانی منقطع نہیں ہوتا ہو تو ایسی صورت میں وقوع نجاست کے وقت کنویں میں جس قدر پانی موجود ہو اسکو نکالدیں۔

پانی کی موجودہ مقدار کو معلوم کرنے کے امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے دوطریقے منقول ہیں۔/**نمبر ۱**۔کنویں میں جہاں تک پانی ہے لمبائی، چوڑائی اور گہرائی کے اعتبار سے اسی کے مثل ایک گھڑھا کھودا جائے اور کنویں سے پانی نکال کر اس گھڑھے میں ڈالا جائے پس جب وہ گھڑھا بھر جائے تو سمجھا جائیگا کہ کنویں کا پورا پانی نکل گیا اور کنواں پاک ہو گیا۔

/**نمبر ۲**۔کنویں میں بانس ڈالا جائے پس جب وہ تہہ تک پہنچ جائے تو کھینچ کر دیکھیں کہ پانی کہاں تک پہنچا وہاں نشان کر دیں پھر کنویں سے دس ڈول یکبارگی نکال کر پھینک دیں پھر اس بانس کو دوبارہ کنویں میں ڈال کر دیکھا جائے کہ کتنا پانی کم ہوا مثلاً کنویں میں دس فٹ پانی ہے اور دس ڈول نکالنے سے ایک فٹ پانی کم ہو گیا تو معلوم ہوا کہ کل پانی ایک سوڈول ہے، لہذا نوے ڈول اور نکال دیں تو کنواں پاک سمجھا جائیگا۔

امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک چشمہ دار کنواں اگر نجس ہو جائے تو دوسو سے تین سوڈول تک نکالے جائیں تو کنواں پاک سمجھا جائیگا اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے بھی دوروایتیں منقول ہیں۔/**نمبر ۱**۔کنویں والوں کا قول معتبر ہو گا جب وہ پانی نکالنے کے بعد یہ کہیں کہ ہمارے کنویں میں اس سے زیادہ پانی نہیں تھا تو کنواں پاک سمجھا جائیگا۔

/**نمبر ۲**۔ایسے دوآدمیوں کو کنویں میں اتارا جائے جن کو پانی کے متعلق بصیرت حاصل ہو کچھ پانی نکالنے کے بعد جب وہ یہ کہیں کہ اس سے زیادہ پانی کنویں میں نہیں تھا تو بس کنواں پاک سمجھا جائیگا یہ قول اشبہ بالفقہ ہے (یعنی فقہی اعتبار سے یہی راجح ہے)۔

(۷۹)وَاِذَا وُجِدَتْ فِي الْبِئْرِ فَارَةٌ مَيِّتَةٌ اَوْ غَيْرُهَا وَلَا يَدْرُوْنَ مَتٰى وَقَعَتْ وَلَمْ تَنْتَفِخْ وَلَمْ تَنْفَسِخْ اَعَادُوْا صَلٰوةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ اِذَا كَانُوْا تَوَضَّئُوْا مِنْهَا وَغَسَلُوْا كُلَّ شَئٍ اَصَابَهٗ مَاؤُهَا (۸۰)وَاِنْ انْتَفَخَتْ اَوْ تَفَسَّخَتْ اَعَادُوْا صَلٰوةَ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ وَلَيَالِيْهَا فِي قَوْلِ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَمُحَمَّدٌ رحمه اللّٰهُ لَيْسَ عَلَيْهِمْ اِعَادَةُ شَئٍ حَتّٰى يَتَحَقَّقُوْا مَتٰى وَقَعَتْ۔

ترجمہ:۔اور جب کنویں میں مرا ہوا چوہا وغیرہ پایا جائے اور لوگوں کو معلوم نہ ہو کہ وہ کب گرا ہے اور وہ پھولا اور پھٹا نہیں تو وہ ایک دن رات کی نمازیں لوٹائیں اگر اس پانی سے وضوء کئے ہوں اور ہر اس شی کو دھوئیں جس کو اس کنویں کا پانی پہنچا ہو اور اگر وہ پھول گیا یا پھٹ گیا

ہو تو تین دن رات کی نمازیں لوٹائیں امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان پر کسی چیز کا اعادہ واجب نہیں یہاں تک کہ ثابت ہوجائے کہ کب گرا ہے۔

تشریح:۔(۷۹) اگر کنویں میں مرا ہوا چوہا یا کوئی دوسرا جانور پایا گیا مگر یہ معلوم نہ ہوسکا کہ یہ جانور کب گرا ہے اور ابھی تک پھولا پھٹا نہیں ہے تو اس صورت میں حکم یہ ہے کہ اگر اس کنویں کے پانی سے وضوء کر کے نمازیں پڑھی ہوں تو ایک دن ایک رات کی نمازیں لوٹائیں اور جس چیز کو اس کنویں کا پانی لگا ہوا اسکو دھوڑالیں۔(۸۰) اگر وہ جانور پھول گیا ہو یا پھٹ گیا ہو تو تین دن تین راتوں کی نمازوں کا اعادہ کرے۔یہ حکم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے۔

صاحبین رحمہما اللہ کا مذہب یہ ہے کہ ان لوگوں پر کسی چیز کا اعادہ نہیں جب تک کہ یقین نہ ہوجائے کہ جانور کب گرا ہے۔صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ کنویں کا پانی بالیقین پاک تھا مگر اس میں مرا ہوا جانور پانے کی وجہ سے گذشتہ ایام میں اسکے ناپاک ہونے میں شک ہوگیا کیونکہ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ جانور ابھی کچھ دیر پہلے گرا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ چند دن پہلے گرا ہو اور یقین شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوتا،لہذا جب تک کہ یقین نہ ہوجائے کہ یہ جانور کب گرا ہے اس وقت تک ناپاک ہونے کا حکم نہیں لگایا جائیگا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ جانور کا پانی میں گرنا اس کی موت کا ظاہری سبب ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ اصل سبب اگر خفی ہو تو ظاہری سبب پر حکم لگانا واجب ہوتا ہے،لہذا اس جانور کی موت کو پانی میں گرنے کی طرف منسوب کیا جائیگا یعنی یہ کہا جائیگا کہ یہ جانور پانی ہی میں مرا ہے لیکن اس جانور کا پھولنا اور پھٹنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس جانور کو مرے ہوئے دیر ہوگئی ہے اور تقادم اور دیر ہونے کی ادنیٰ مدت تین دن ہیں اس وجہ سے تقادم کی ادنیٰ مدت تین دن کے ساتھ مقدر کی گئی ہے۔اور جس صورت میں جانور پھولا پھٹا نہ ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ جانور قریبی زمانے میں گر کر مرا ہے اور باب صلوۃ میں مقادیر کی کم از کم مدت ایک دن ایک رات ہے کیونکہ اس سے کم ساعات ہیں جن کا ضبط کرنا ممکن نہیں اس وجہ سے ہم نے اسکی مقدار ایک دن ایک رات مقرر کی۔امام ابوحنیفہؒ کا قول احوط ہے۔

(۸۱) وَسُؤرُ الآدَمِيِّ (۸۲) وَمَايُؤكَلُ لَحْمُهُ طَاهِرٌ۔

ترجمہ:۔اور آدمی اور ان جانوروں کا جھوٹا جن کا گوشت کھایا جاتا ہے پاک ہے۔

تشریح:۔سؤر کا معنی ہے بچا ہوا پانی یا کھانا وغیرہ (جس کو جھوٹا یا پس خوردہ کہتے ہیں) امام قدوری رحمہ اللہ جب نفس جانور کے پانی میں گرنے کی وجہ سے پانی کے ناپاک ہونے یا نہ ہونے کے بیان سے فارغ ہوگئے تو اب حیوان سے بچا ہوا یعنی سؤر کے پانی کا حکم بیان فرماتے ہیں۔

سؤر کی ہمارے نزدیک کل چار قسمیں ہیں۔/**نمبر ۱**۔پاک،جیسے آدمی اور مأکول اللحم جانوروں کا جھوٹا۔/**نمبر ۲**۔مکروہ،جیسے بلی کا جھوٹا۔/**نمبر ۳**۔نجس،جیسے خنزیر اور درندوں کا جھوٹا۔/**نمبر ۴**۔مشکوک فیہ،جیسے گدھے اور خچر کا جھوٹا۔

(۸۱) آدمی کا جھوٹا پاک ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر،جنبی ہو حائضہ ہو یا پاک۔(۸۲) اسی طرح ان جانوروں کا جھوٹا بھی

پاک ہے جن کا گوشت کھایا جاتا ہے جیسے گائے، بکری، اونٹ وغیرہ کیونکہ پانی لعاب ملنے کی وجہ سے جھوٹا ہوتا ہے اور لعاب گوشت سے پیدا ہوتا ہے۔ آدمی اور ماکول اللحم جانوروں کا گوشت بلا کراہت پاک ہے، لہٰذا ان کا لعاب بھی پاک ہوگا تو جس چیز میں انکا لعاب مخلوط ہوگا وہ چیز بھی پاک ہوگی۔ البتہ اگر آدمی نے شراب پی کر متصل پانی پیا تو پانی نجس ہو جائیگا۔ اسی طرح گندگی کھانے والا اونٹ اور گائے کا جھوٹا بھی مکروہ ہے۔

(۸۳) وَسُؤرُ الْكَلْبِ وَالْخِنزِيْرِ وَسِبَاعِ الْبَهَائِمِ نَجِسٌ (۸٤) وَسُؤرُ الْهِرَّةِ وَالدَّجَاجَةِ الْمُخَلاتِ وَسِبَاعِ الطَّيُوْرِ وَمَا يَسْكُنُ فِي الْبُيُوْتِ مِثْلِ الْحَيَّةِ وَالْفَارَةِ مَكْرُوْهٌ۔

ترجمہ:۔ اور کتے، خنزیر اور درندوں کا جھوٹا ناپاک ہے اور بلی اور ناپاکی سے اختلاط رکھنے والی مرغی، اور شکاری پرندوں اور ان جانوروں کا جھوٹا جو گھروں میں رہتے ہیں جیسے سانپ اور چوہا، مکروہ ہے۔

تشریح:۔ (۸۳) کتے، خنزیر اور درندوں جیسے شیر، بھیڑیا، چیتا، لومڑی اور فیل وغیرہ کا جھوٹا نجس ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک درندوں کا جھوٹا پاک ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ درندوں کا دودھ اور گوشت ناپاک ہے اور انکے جھوٹے سے بچنا بھی ممکن ہے تو انکا جھوٹا کتے اور خنزیر کی طرح ناپاک ہونا چاہئے۔

(۸٤) بلّی کے جھوٹے میں احنافؒ کا اختلاف ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک بلّی کا جھوٹا پاک غیر مکروہ ہے اور طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک بلی کا جھوٹا پاک مگر مکروہ ہے۔ پھر امام طحاویؒ کراہت تحریمی کے قائل ہیں اور امام کرخیؒ کراہت تنزیہی کے قائل ہیں۔ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ بلی کا جھوٹا نجس ہو کیونکہ بلی کا گوشت نجس ہے مگر بلی چونکہ گھروں میں پھرتی رہتی ہے جس سے اشیاءِ خورد ونوش کا بچانا ممکن نہیں لہٰذا اس ضرورت کی وجہ سے اسکے سؤر کی نجاست کو ساقط کر دیا گیا جس کی طرف پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اشارہ فرمایا کہ ''اِنَّهَا مِنَ الطَّوَافِيْنَ عَلَيْكُمْ وَالطَّوَافَاتِ''۔

نجاستوں پر پھرنے والی مرغی کا جھوٹا بھی مکروہ ہے کیونکہ مخلات مرغی نجاست سے مختلط رہتی ہے اسلئے اس کا جھوٹا کراہت سے خالی نہ ہوگا۔ البتہ اگر یوں باندھی گئی ہو کہ اسکا چونچ پاؤں تک نہ پہنچ سکا تو پھر مکروہ نہیں کیونکہ اب نجاست کے ساتھ اس کا اختلاط نہیں رہا۔ اسی طرح غاروں میں رہنے والے جانوروں مثلاً سانپ، چوہا وغیرہ کا جھوٹا پانی بھی حرمت گوشت کی وجہ سے مکروہ ہے۔ قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ ان کا جھوٹا ناپاک ہوتا مگر گھروں میں پھرنے کی وجہ سے ان سے بچنا مشکل ہے اسلئے ان کے جھوٹے کا نجس ہونا ساقط ہو گیا البتہ کراہت باقی ہے۔

(۸٤) وَسُؤرُ الْحِمَارِ وَالْبَغْلِ مَشْكُوْكٌ۔

ترجمہ:۔ اور گدھے اور خچر کا جھوٹا مشکوک ہے۔

تشریح:۔ (۸٤) گدھے اور خچر (بشرطیکہ گدھی کے پیٹ سے ہو) کا جھوٹا مشکوک ہے۔ باقی مشکوک کیوں ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ تردد

فی الضرورت کی وجہ سے مشکوک ہے کیونکہ گدھے اکثر گھروں کے دروازوں میں باندھے جاتے ہیں تو ان میں ضرورت ہے مگر یہ ضرورت اتنی نہیں جتنی کہ بلی اور چوہے میں ہے کیونکہ بلی اور چوہا تو گھر کے تنگ وتاریک جگہوں میں داخل ہوتے ہیں جبکہ گدھے ایسے نہیں۔ لہذا اگر ضرورت کا تحقق قطعاً نہ ہوتا جیسے کتے اور درندوں میں تب تو بلاشبہ گدھے کا جھوٹا نجس ہوتا اور اگر ضرورت کا تحقق قطعاً ہوتا تو بلاشبہ بلی کی طرح حلال اور مکروہ ہوتا۔ جبکہ یہاں من وجہ ضرورت ہے اور من وجہ نہیں۔ اور موجب طہارت و موجب نجاست دونوں برابر ہیں لہذا بوجہ تعارض دونوں ساقط ہو کر اصل کی طرف رجوع کرنا ضروری ہوا اور اصل یہاں دو چیزیں ہیں جانب پانی میں طہارت اور جانب لعاب میں نجاست ہے اور ان دونوں میں سے کوئی ایک اولیٰ نہیں اس لئے من وجہ نجس ہے اور من وجہ پاک ہے۔

پھر اس میں اختلاف ہے کہ شک طہارت (پاکی) میں ہے یا طہوریت (یعنی پاک کرنے میں) ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ طہارت میں ہے کیونکہ اگر یہ پانی پاک ہوتا پاک کرنے والا بھی ہوتا کیونکہ کوئی بھی پاک چیز جب پانی میں مل جائے تو جب تک کہ غالب نہ ہو اس کی وجہ سے پانی کی طہوریت ختم نہیں ہوتی جیسا کہ پانی کے ساتھ گلاب کا پانی مل جائے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ شک طہوریت میں ہے کیونکہ اگر کوئی شخص گدھے کے جھوٹے پانی سے سر کا مسح کرے اور بعد میں اس کو مطلق پانی مل جائے تو اس پر سر کا دھونا واجب نہیں تو اگر اسکے پاک ہونے میں شک ہوتا تو بلاشبہ سر کو دھونا واجب ہوتا یہی قول راجح ہے۔

(۸۵) فَإِنْ لَمْ يَجِدِ الإِنْسَانُ غَيْرَهٗ تَوَضَّأَ وَتَيَمَّمَ وَبِأَيِّهِمَا بَدَأَ أَجَازَ۔

ترجمہ:۔ پس اگر انسان اسکے علاوہ (مشکوک پانی کے علاوہ) پانی نہ پائے تو اس سے وضوء کرے اور تیمم کرے اور ان دو میں سے جس سے شروع کرے جائز ہے۔

تشریح:۔ (۸۵) اگر متوضی کے پاس ماء مشکوک کے علاوہ دوسرا پانی نہ ہو تو حکم یہ ہے کہ ماء مشکوک سے وضوء کرلے اور تیمم کرے۔ تیمم اور وضوء میں سے جس کو چاہے مقدم کرلے کیونکہ مطہر درحقیقت پانی ہے یا مٹی اگر اول ہے تو ثانی کے استعمال میں کوئی فائدہ نہیں، مقدم ہو یا مؤخر۔ اور اگر مطہر ثانی ہے تو پھر تقدیم وتاخیر مضر نہیں لہذا جب دونوں میں سے ایک مطہر ہے تو دونوں کو جمع کرنا واجب ہے ترتیب واجب نہیں۔ مذکورہ بالا ائمہ ثلاثہ کا قول ہے جبکہ امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک ضروری ہے کہ پہلے وضوء کرے پھر تیمم کرلے۔

بَابُ التَّيَمُّمِ

یہ باب تیمم کے بیان میں ہے۔

تیمم کا لغوی معنی مطلقاً قصد کرنا ہے اور شرعاً پاک مٹی کا بغرض پاکی قصد کرنے کو تیمم کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ عضوین مخصوصین میں پاک مٹی کے استعمال کو تیمم کہتے ہیں۔ مگر صحیح یہ ہے کہ چہرے اور دونوں ہاتھوں کو پاک مٹی سے مسح کرنے کا نام تیمم ہے اور قصد کرنا تیمم کے لئے شرط ہے۔

چونکہ پانی سے طہارت حاصل کرنا اصل ہے اور تیمم سے طہارت حاصل کرنا اس کا خلیفہ ہے اور خلیفہ اصل کے بعد ہوتا ہے اسلئے امام قدوری رحمہ اللہ نے وضوء کے بعد تیمم کو ذکر کیا ہے۔

(۸۶) وَمَنْ لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ وَهُوَ مُسَافِرٌ اَوْ خَارِجُ الْمِصْرِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمِصْرِ نَحْوَ الْمِيلِ اَوْ اَكْثَرَ (۸۷) اَوْ كَانَ يَجِدُ الْمَاءَ اِلَّا اَنَّه مَرِيضٌ فَخَافَ اِنِ اسْتَعْمَلَ الْمَاءَ اشْتَدَّ مَرَضُهُ (۸۸) اَوْ خَافَ الْجُنُبُ اِنِ اغْتَسَلَ بِالْمَاءِ يَقْتُلُهُ الْبَرْدُ اَوْ يُمْرِضُهُ فَاِنَّهُ يَتَيَمَّمُ بِالصَّعِيدِ۔

ترجمہ:۔ اور جس شخص نے پانی نہ پایا حالانکہ وہ مسافر ہے یا شہر سے باہر ہے اور اسکے اور شہر کے درمیان ایک میل کا یا اس سے زیادہ فاصلہ ہے یا پانی تو پاتا ہے مگر وہ مریض ہے اور اندیشہ ہے کہ اگر پانی استعمال کیا تو اس کا مرض بڑھ جائیگا یا جنبی کو اندیشہ ہے کہ اگر پانی استعمال کیا تو اس کو سردی مار ڈالے گی یا بیمار کر دیگی تو وہ پاک مٹی سے تیمم کرلے۔

تشریح:۔ (۸۶) اگر کسی کے پاس اتنا پانی نہ ہو جو رفع حدث کیلئے کافی ہو اس حال میں کہ وہ شخص مسافر ہے یا مسافر تو نہیں مگر شہر سے باہر ہے اور اسکے اور شہر کے درمیان ایک میل (شریعت میں میل ایک تہائی فرسخ کو کہتے ہیں جو چوبیس اُنگل کے گز سے چار ہزار شرعی گز کا ہوتا ہے) یا زیادہ فاصلہ ہے تو ایسے شخص کیلئے جائز ہے کہ پاک مٹی سے تیمم کرے لِقَوْلِهٖ تَعَالٰی ﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا﴾ (یعنی پھر تم نے پانی نہیں پایا تو قصد کرو پاک مٹی کا) "وَقَوْلِهٖ ﷺ اَلتُّرَابُ طَهُوْرُ الْمُسْلِمِ وَلَوْ اِلٰى عَشْرِ حِجَجٍ مَالَمْ يَجِدِ الْمَاءَ" (یعنی مٹی مسلمان کا طہور ہے جب تک کہ پانی نہ پائے اگرچہ دس سال تک ہو)۔

امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک اگر وقت نکلنے سے پہلے پانی تک پہنچ سکا تو تیمم جائز نہیں اور اگر وقت نکلنے کا خوف ہو تو ایک میل سے کم میں بھی تیمم جائز ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اگر ایسی صورت ہو کہ اگر یہ شخص پانی کیلئے جائیگا اور وضوء کریگا تو قافلہ اس کے آنکھوں سے غائب ہو کر چلا جائیگا تو اس کے لئے تیمم جائز ہے۔

(۸۷) پانی دور ہونے کے علاوہ اس وقت بھی تیمم جائز ہے کہ پانی موجود تو ہو مگر یہ شخص مریض ہے اسکو غالب گمان ہے کہ اگر پانی استعمال کروں تو مرض بڑھ جائیگا یا مرض لمبا ہو جائیگا (۸۸) یا جنبی کو خوف ہو کہ اگر ٹھنڈا پانی سے غسل کروں تو مر جاؤنگا یا مریض ہو جاؤنگا لقوله تعالىٰ ﴿مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ﴾ (یعنی اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ تم پر تنگی کرے)۔

اللطیفة:۔ورؤی اعرابی یغطس فی البحر ومعہ خیط وکلما غطس غطسۃ عقد عقدۃ،فقیل لہ ما ھذا؟فقال:جنابات الشتاء اقضیھا فی الصیف۔(المستطرف)

(۸۹)وَالتَیمُمُ ضَربَتَانِ یَمسَحُ بِاحدیھِمَاوَجھَہٗ وَبِالاُخریٰ یَدَیہِ اِلیٰ المِرفَقَینِ۔

ترجمہ:۔اور تیمم دوضرب ہیں ان دونوں میں سے ایک ضرب سے اپنے چہرے کا مسح کرے اوردوسری ضرب سے اپنے دونوں ہاتھوں کا کہنیوں سمیت (مسح کرے)۔

تشریح:۔(۸۹)تیمم دوضرب ہیں ایک سے چہرے کا مسح کرے اوردوسری سے ہاتھوں کا کہنیوں سمیت''لِقَولِہٖ صَلی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ اَلتَیَمُّمُ ضَربَتَانِ ضَربَۃٌ لِلوَجہِ وَضَربَۃٌ لِلیَدَینِ''یعنی تیمم دوضربوں کا نام ہےایک منہ کے لئے دوسری دونوں ہاتھوں کیلئے۔

امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ بغل تک مسح کرے اورحسن بن زیادؒ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ دونوں ہاتھوں کا گٹوں تک مسح کرے۔مگر ہمارے نزدیک تیمم میں وضوء کی طرح پورے عضو کا استیعاب شرط ہے کیونکہ تیمم وضوء کا قائم مقام ہے تو جس طرح کہ اصل میں استیعاب شرط ہے تو قائم مقام میں بھی شرط ہوگا لہذا کہنیوں تک مسح کرنا ضروری ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ اورحضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تیمم نقل کیا ہے فرمایا کہ اسکی کیفیت یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے پھران کواس قدر جھاڑدے کہ مٹی جھڑ جائے پھران سے اپنے چہرے کا مسح کردے پھر دوسری مرتبہ زمین پر مارے اوران کو جھاڑ کر اپنے بائیں ہاتھ کی چار انگلیوں کے باطن سے اپنے دائیں ہاتھ کے ظاہر کا اس طرح مسح کردے کہ انگلیوں کے پوروں سے شروع کرکے کہنیوں سمیت مسح کرے پھراپنے بائیں ہتھیلی کے باطن سے اپنے دائیں ہاتھ کے باطن کا گٹے تک مسح کرے اوراپنے بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے باطن کواپنے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے ظاہر پر پھیردے پھراسی طرح بائیں ہاتھ کا مسح کردے۔

(۹۰)وَالتَیَمُّمُ فِی الجِنَابَۃِ وَالحَدَثِ سَوَاءٌ۔

ترجمہ:۔اور تیمم جنابت میں اور بے وضوئی میں برابر ہے۔

تشریح:۔(۹۰)تیمم حدث،جنابت،حیض اورنفاس سب میں باعتبار نیت وفعل کے برابر ہے پس جس طرح کی نیت اورتیمم حدث کیلئے کیا جاتا ہے اسی طرح جنابت وغیرہ کیلئے بھی ہے کیونکہ کچھ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اورعرض کیا کہ ہم ریتلی زمین کے رہنے والے ہیں ہمیں ایک ایک اوردودو مہینے تک پانی نہیں ملتا اورہم میں جنبی وغیرہ سب طرح کے آدمی ہوتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پاک مٹی سے تیمم کرتے رہا کرو۔مگر ابی بکر رازیؒ کے نزدیک تمیز فی النیۃ ضروری ہے تیمم حدث میں رفع حدث کی نیت کرے اورتیمم جنابت میں رفع جنابت کی نیت کرے۔لیکن صحیح یہ ہے کہ نیت میں تمیز کی ضرورت نہیں بلکہ جب طہارت یا استباحتِ صلوۃ کی نیت کرے تو کافی ہے۔

(۹۱)وَيَجُوزُ التَيَمَمُ عِندَابِي حَنِيفَةَ رَحِمَه اللّٰهُ وَمُحَمّدٍرَحِمَه اللّٰهُ بِكُلِّ مَاكَانَ مِن جنسِ الاَرْضِ كَالتّرَابِ وَالرّملِ وَالحَجَرِوَالجَصِّ وَالنّوْرَةِ وَالكُحْلِ وَالزّرْنِيخِ،وَقَالَ اَبُويُوسُفَ رَحِمَه اللّٰه لايَجُوْزُاِلابِالتّرَابِ وَالرّملِ خَاصّةً۔

ترجمه:۔اور جائز ہے تیمم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ہر اس شئی سے جو زمین کی جنس سے ہو جیسے مٹی، ریت، پتھر، گچ، چونہ، سرمہ اور ہڑتال، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہیں جائز مگر مٹی اور ریت سے خاصکر۔

تشریح:۔(۹۱) یہاں سے امام قدوری رحمہ اللہ "مایجوز به التیمم" (جن چیزوں سے تیمم جائز ہے) کو بیان فرماتے ہیں چنانچہ فرمایا کہ ہر وہ چیز جو زمین کی جنس سے ہو اس کے ساتھ تیمم کرنا جائز ہے۔ اور شئ کا زمین کی جنس سے ہونے کی علامت یہ ہے کہ جو چیز جل کر راکھ ہو جائے جیسے درخت اور یا پگھل کر نرم ہو جائے جیسے لوہا تو یہ زمین کی جنس سے نہیں اور اسکے علاوہ زمین کی جنس سے ہیں جیسے مٹی، ریت، پتھر، گچ، چونہ، سرمہ، ہڑتال (ایک زہریلی دھات ہے) وغیرہ۔ یہ طرفین رحمہما اللہ کا مذہب ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک صرف مٹی اور ریت سے تیمم جائز ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک صرف اُگانے والی مٹی سے تیمم جائز ہے۔ یہی امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا مرجوع الیہ قول ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ باری تعالیٰ کے قول ﴿صَعِيداً طَيِّباً﴾ سے استدلال کرتے ہیں اس طرح کہ "صَعِيد" کا معنیٰ مٹی اور "طَيِّب" کا معنیٰ اُگانے والی، یہی تفسیر حضرت ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے، لہذا یہ مقتضی ہے کہ تیمم صرف اُگانے والی مٹی سے جائز ہو۔ طرفین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ "صَعِيد" نام ہے روئے زمین کا اور چونکہ زمین بلند ہے اس لئے اس کا نام "صعید" رکھا اور "طَيِّب" جس طرح کہ بمعنیٰ "مُنبِت" ہے اسی طرح "طيِّب" بمعنیٰ "طاهر" ہونے کا بھی احتمال رکھتا ہے، پس یہاں "طيِّب" بمعنیٰ "طاهر" ہے کیونکہ یہ مقام، مقام طہارت ہے، لہذا "صَعِيداً طَيِّباً" کا معنیٰ "تُرَاباً مُنبِتاً" (اُگانے والی مٹی) سے کرنا تقیید المطلق بلا دلیل ہے۔ طرفینؒ کا قول راجح ہے۔

(۹۲)وَالنِّيَةُ فَرْضٌ فِي التّيَمّمِ (۹۳)وَمُسْتَحَبٌّ فِي الْوُضُوءِ۔

ترجمه:۔اور نیت تیمم میں فرض ہے اور وضوء میں مستحب ہے۔

تشریح:۔(۹۲) ہمارے نزدیک تیمم میں نیت فرض ہے (۹۳) اور وضوء میں مستحب ہے۔ امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک تیمم میں بھی نیت فرض نہیں۔ امام زفر رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ تیمم وضوء کا خلیفہ ہے اور خلیفہ وصف صحت میں اصل کے مخالف نہیں ہوتا ہے لہذا جب وضوء بغیر نیت کے درست ہے تو تیمم بھی بغیر نیت کے درست ہوگا ورنہ تو خلیفہ کا وصف میں اصل کے مخالف ہونا لازم آئیگا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ تیمم کا معنیٰ لغت میں قصد اور ارادے کے آتا ہے اور قصد نام ہے نیت کا اور ہمیں تیمم (بمعنیٰ قصد و نیت) کا اُمر کیا ہے اور اُمر وجوب کیلئے ہے اسلئے نیت شرط ہے۔ یہی قول راجح ہے۔

☆ ☆ ☆

(۹٤)وَيَنْقُضُ التَّيَمُّمَ كُلُّ شَيْءٍ يَنْقُضُ الْوُضُوْءَ(۹۵)وَيَنْقُضُهُ اَيْضًا رُؤْيَةُ الْمَاءِ اِذَا قَدَرَ عَلٰى اِسْتِعْمَالِهٖ(۹٦)وَلَا يَجُوْزُ اِلَّا بِصَعِيْدٍ طَاهِرٍ۔

ترجمہ:۔اور تیمم کو ہر وہ شئی توڑ دیتی ہے جو وضوء کو توڑ دیتی ہے اور اسی طرح پانی کا دیکھنا بھی تیمم کو توڑ دیتا ہے جبکہ اس کے استعمال پر قادر ہو اور نہیں جائز تیمم سوائے پاک مٹی سے۔

تشریح:۔(۹٤)جو چیزیں ناقض وضوء ہیں وہ ناقض تیمم بھی ہیں کیونکہ تیمم وضوء کا خلیفہ ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اصل بنسبت خلیفہ کے اقویٰ ہوتا ہے پس جو چیز اقوی کیلئے ناقض ہوگی تو وہ اضعف کیلئے بطریقۂ اولیٰ ناقض ہوگی۔(۹۵)کچھ چیزیں ایسی ہیں کہ ناقض وضوء نہیں مگر ناقضِ تیمم ہیں مثلاً متیمم نے اگر پانی دیکھا اس حال میں کہ وہ اسکے استعمال پر قادر بھی ہے تو رؤیت پانی اس کے تیمم کیلئے ناقض ہوگا کیونکہ آیت مبارکہ میں ''فَلَمْ تَجِدُوْا'' سے ''فَلَمْ تَقْدِرُوْا'' ہی مراد ہے اور رؤیت پانی بمع قدرت علی الاستعمال کی صورت میں ''فَلَمْ تَقْدِرُوْا'' والی شرط نہ پائی گئی لہذا تیمم جائز نہ ہوگا۔

(۸٦) تیمم صرف پاک مٹی سے جائز ہے آیت مبارکہ ﴿فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا﴾ میں ''طیب'' سے مراد ''طاھر'' ہے لہذا مٹی کا پاک ہونا ضروری ہے۔نیز مٹی پاکی کا آلہ ہے اسلئے اسکا خود بھی پاک ہونا ضروری ہے جیسے پانی کا پاک ہونا ضروری ہے۔البتہ مٹی متیمم کے استعمال سے مستعمل نہیں ہوتی بلکہ اسی مٹی کو دوسرا آدمی بھی تیمم کیلئے استعمال کرسکتا ہے۔

(۹۷)وَيُسْتَحَبُّ لِمَنْ لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ وَهُوَ يَرْجُوْ اَنْ يَجِدَهُ فِي آخِرِ الْوَقْتِ اَنْ يُؤَخِّرَ الصَّلٰوةَ اِلٰى آخِرِ الْوَقْتِ فَاِنْ وَجَدَ الْمَاءَ تَوَضَّاَ وَصَلّٰى وَاِلَّا تَيَمَّمَ۔

ترجمہ:۔اور مستحب ہے اس شخص کے لئے جو پانی نہ پائے اور اس کو امید ہو کہ آخر وقت تک پانی پالے گا یہ کہ مؤخر کردے نماز کو آخر وقت تک پس اگر اس نے پانی پالیا تو وضوء کرے اور نماز ادا کرے ورنہ تیمم کرے۔

تشریح:۔(۹۷)اگر پانی موجود نہ ہو اور یہ امید ہو کہ نماز کے اخیر وقت تک پانی مل جائیگا تو اس صورت میں نماز کو اخیر وقتِ مستحب تک مؤخر کرنا مستحب ہے پس اگر پانی اسکو مل گیا تو وضوء کر کے نماز ادا کردے اور اگر پانی نہیں ملا تو تیمم کر کے نماز پڑھ لے۔نماز کو مؤخر کرنا اس لئے مستحب ہے تاکہ دو طہارتوں میں سے اکمل طہارت یعنی وضوء کے ساتھ نماز ادا کی جاسکے۔اگر بغیر تأخیر کے تیمم کر کے نماز ادا کی پھر اسکو پانی مل گیا تو اگر پانی ایک میل کے اندر ہو تو اس کی نماز جائز نہیں اور اگر ایک میل یا ایک میل سے زائد فاصلے پر ہو تو جائز ہے۔

(۹۸)وَيُصَلِّيْ بِتَيَمُّمِهٖ مَا شَاءَ مِنَ الْفَرَائِضِ وَالنَّوَافِلِ۔

ترجمہ:۔اور اپنے تیمم سے فرائض اور نوافل میں سے جو چاہے پڑھے۔

تشریح:۔(۹۸)تیمم سے جو نماز چاہے پڑھے خواہ فرض ہو یا نفل کیونکہ پانی نہ ہونے کی صورت میں مٹی کا طہور ہونا نص سے ثابت ہے ''لقوله صلى الله عليه وسلم اَلتُّرَابُ طَهُوْرُ الْمُسْلِمِ'' اور جو چیز شرط کے ساتھ معلق ہو تو وہ جب تک کہ شرط باقی ہو عمل کرتا

رہیگی پس جب تک کہ پانی کا موجود نہ ہونا برقرار رہے گا مٹی طہور رہیگی۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ہر فرض کے لئے الگ تیمم کرنا ضروری ہے کیونکہ تیمم طہارۃ ضروریہ ہے لہذا ایک فرض ادا کرنے کے بعد ضرورت پوری ہونے کی وجہ سے تیمم باقی نہیں رہیگا۔

(۹۹)وَيَجُوزُ التَّيَمُّمُ لِلصَّحِيحِ الْمُقِيمِ إِذَا حَضَرَتْ جَنَازَةٌ وَالْوَلِيّ غَيْرُه فَخَافَ إِنْ اشْتَغَلَ بِالطَّهَارَةِ أَنْ تَفُوْتَه صَلٰوةُ الْجَنَازَةِ فَلَه أَنْ يَتَيَمَّمَ وَيُصَلِّي(۱۰۰)وَكَذَالِكَ مَنْ حَضَرَ الْعِيدَ فَخَافَ إِنْ اشْتَغَلَ بِالطَّهَارَةِ أَنْ يَفُوْتَه الْعِيدُ(۱۰۱)وَإِنْ خَافَ مَنْ شَهِدَ الْجُمُعَةَ إِنْ اشْتَغَلَ بِالطَّهَارَةِ أَنْ تَفُوْتَه الْجُمُعَةُ تَوَضَّأَ فَإِنْ أَدْرَكَ الْجُمُعَةَ صَلَّاهَا وَإِلَّا صَلَّى الظُّهْرَ أَرْبَعاً(۱۰۲)وَكَذَالِكَ إِنْ ضَاقَ الْوَقْتُ فَخَشِيَ إِنْ تَوَضَّأَ فَاتَهُ الْوَقْتُ لَمْ يَتَيَمَّمْ وَلٰكِنَّه يَتَوَضَّأُ وَيُصَلِّي فَائِتَه۔

ترجمہ:۔اور شہر میں تندرست، مقیم کے لئے تیمم جائز ہے جبکہ جنازہ حاضر ہو جائے اور میت کا ولی کوئی اور ہو پس اس کو اندیشہ ہو کہ اگر وضوء میں مشغول ہو گیا تو نماز جنازہ فوت ہو جائیگی تو وہ تیمم کرے اور نماز پڑھے اور ایسے ہی وہ شخص جو نماز عید کے لئے حاضر ہوا اور اس کو اندیشہ ہو کہ اگر وضوء میں مشغول ہو گیا تو نمازِ عید فوت ہو جائیگی اور اگر اندیشہ ہو جمعہ کے لئے آنے والے کو کہ اگر وضوء میں مشغول ہو گیا تو نماز جمعہ فوت ہو جائیگی تو وہ وضوء کرے پس اگر جمعہ پالیا تو پڑھ لے ورنہ ظہر کی چار رکعت پڑھے اور اسی طرح اگر وقت تنگ ہو پس اس کو اندیشہ ہو کہ اگر وضوء کریگا تو وقت فوت ہو جائیگا تو تیمم نہ کرے بلکہ وہ وضوء کرے اور اپنی فوت شدہ نماز پڑھے۔

تشریح:۔(۹۹)اگر جنازہ حاضر ہو اور میت کا ولی آپ کے سوا کوئی دوسرا آدمی ہو پس آپ کو اندیشہ ہو کہ اگر وضوء میں لگ جاؤں تو نماز جنازہ فوت ہو جائیگی تو آپ کیلئے باوجود صحت کے شہر کے اندر تیمم کرنا جائز ہے(۱۰۰)اسی طرح نماز عید پڑھنے کیلئے حاضر ہوئے اور یہ اندیشہ ہو کہ اگر وضوء کے ساتھ مشغول ہو جاؤں تو عید کی نماز فوت ہو جائیگی تو بھی تیمم کرنا جائز ہے۔

اس کے لئے ضابطہ یہ ہے کہ جو بھی نماز لا الی بدل (جو فوت ہو کر اس کا کوئی قائم مقام مثلاً قضاء وغیرہ نہ ہو) فوت ہوتی ہو تو پانی موجود ہونے کے باوجود تیمم کے ساتھ اس کا ادا کرنا جائز ہے۔ ہمارے نزدیک نماز جنازہ اور نماز عید ایسی ہی ہیں کیونکہ انکی قضاء نہیں کی جاتی ہے تو یہ فوت لا الی بدل ہیں لہذا ان کے فوت ہونے کی صورت میں تیمم کرنا جائز ہے۔

(۱۰۱)اگر وضوء کے ساتھ مشغول ہونے میں جمعہ کی نماز فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمم کی اجازت نہیں بلکہ وضوء کرنا ضروری ہے پس اگر وضوء کر کے جمعہ پالیا تو جمعہ کی نماز ادا کرلے اور اگر جمعہ کی نماز نہیں ملی تو ظہر ادا کرلے کیونکہ جمعہ اگرچہ فوت ہوگئی مگر اسکا خلیفہ یعنی ظہر موجود ہے تو یہ فوت لا الی بدل نہیں بلکہ فوت الی بدل ہے اسلئے فوت ہونے کی خوف سے تیمم جائز نہیں۔

(۱۰۲)اسی طرح اگر وضوء میں مشغول ہونے کی وجہ سے وقتی نماز کے وقت کے فوت ہونے کا خوف ہو تو بھی تیمم نہ کرے بلکہ وضوء کرلے پھر اگر نماز واقعی فوت ہوگئی تو فوت شدہ نماز کی قضاء کرے کیونکہ یہ فوات الی بدل ہے جو کہ قضاء ہے۔

☆ ☆ ☆

(۱۰۳) وَالْمُسَافِرُ إِذَا نَسِيَ الْمَاءَ فِي رَحْلِه فَتَيَمَّمَ وَصَلّٰى ثُمَّ ذَكَرَ الْمَاءَ فِي الْوَقْتِ لَمْ يُعِدْ صَلَاتَهُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ يُعِيْدُ۔

ترجمہ:۔اور جب مسافر پانی اپنے کجاوہ میں بھول جائے پس وہ تیمم کرے اور نماز پڑھ لے پھر اسی وقت کے اندر پانی یاد آئے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک نماز نہیں لوٹائیگا اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نماز لوٹائے گا۔

تشریح:۔(۱۰۳) اگر مسافر نے تیمم کے ساتھ نماز پڑھی حالانکہ اس کے کجاوہ میں پانی موجود تھا تو اسکی تین صورتیں ہیں/ **نمبر ۱**۔ اس نے بذات خود پانی رکھا تھا۔/ **نمبر ۲**۔دوسرے نے اسکے حکم سے رکھا تھا/ **نمبر ۳**۔دوسرے نے بغیر اس کے حکم کے رکھ دیا تھا۔

تیسری صورت میں تو بالاتفاق اس پر نماز کا اعادہ نہیں کیونکہ انسان دوسرے کے فعل کی وجہ سے کسی حکم کا مخاطب نہیں ہوتا اور اول دوصورتوں میں اگر یہ گمان کر کے کہ میرے کجاوے میں پانی نہیں تیمم کر کے نماز پڑھ لی حالانکہ اس کے کجاوے میں پانی تھا تو اس صورت میں بالاجماع تیمم جائز نہیں ہوا اور اس پر وضوء کر کے نماز کا اعادہ واجب ہوگا کیونکہ اس صورت میں کوتاہی اسی کی طرف سے آئی ہے۔

اور اگر اول دوصورتوں میں یہ شخص پانی بالکل بھول گیا اور تیمم کے ساتھ نماز پڑھی پھر یاد آیا تو طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک اس پر نماز کا اعادہ واجب نہیں۔امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک نماز کا اعادہ واجب ہے۔اور پانی خواہ وقت کے اندر یاد آیا ہو یا وقت کے بعد کیونکہ اس شخص کے پاس پانی موجود ہے جبکہ تیمم اس شخص کیلئے مشروع کیا گیا ہے جس کے پاس پانی نہ ہو اس لئے اس کا تیمم جائز نہ ہوگا۔طرفین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ وجود پانی سے مراد یہ ہے کہ پانی پر قادر ہو اور پانی پر قادر ہونا بغیر علم کے نہیں ہوسکتا۔طرفینؒ کا قول راجح ہے۔

پھر''اِذَا نَسِيَ الْمَاءَ'' سے احتراز ہے اس صورت سے کہ اس کو پانی نہ ہونے کا شک یا گمان ہو کیونکہ ایسی صورت میں اگر اس نے نماز پڑھی تو بالاتفاق اس نماز کا اعادہ کریگا۔اور''ثُمَّ ذَكَرَ الْمَاءَ'' سے احتراز ہے اس صورت سے کہ دورانِ نماز پانی یاد آیا کیونکہ ایسی صورت میں بالاجماع نماز کا اعادہ لازمی ہے۔

اور یہ جو قید لگائی کہ''اَلْمَاءَ فِي رَحْلِه'' اس سے احتراز ہے اس صورت سے کہ پانی اسکے ہاتھ میں ہو یا سامنے ہو پھر بھول کر اس نے تیمم کر کے نماز پڑھی کیونکہ ایسی صورت میں بھی بالاتفاق نماز کا اعادہ لازمی ہے کیونکہ نہ بھولنے والی چیز بھول گیا ہے فلا یعتبر النسیان۔

(۱۰۴) وَلَيْسَ عَلَى الْمُتَيَمِّمِ اِذَا لَمْ يَغْلِبْ عَلٰى ظَنِّه اَنَّ بِقُرْبِه مَاءً اَنْ يَطْلُبَ الْمَاءَ (۱۰۵) وَاِنْ غَلَبَ عَلٰى ظَنِّه اَنَّ هُنَاكَ مَاءً لَمْ يَجُزْ اَنْ يَتَيَمَّمَ حَتّٰى يَطْلُبَهُ۔

ترجمہ:۔اور تیمم کرنے والے پر لازم نہیں جبکہ اس کے گمان پر یہ غالب نہ ہو کہ اس کے قرب میں پانی ہے یہ کہ پانی تلاش کرے اور اگر غالب گمان یہ ہو کہ یہاں پانی ہے تو تیمم کرنا جائز نہیں یہاں تک کہ اسے تلاش کرے۔

تشریح:۔(۱۰۴) ہمارے نزدیک تیمم کرنے والے پر پانی کو تلاش کرنا واجب نہیں بشرطیکہ اس کو پانی قریب ہونے کا ظن غالب نہ ہو۔امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک دائیں اور بائیں طرف پانی تلاش کرنا شرط ہے کیونکہ ﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا﴾ میں تیمم کا حکم

پانی موجود نہ ہونے کے وقت ہے اور عدم وجدان طلب کے بعد ہی متحقق ہوگا اسلئے تیمم کرنے سے پہلے پانی تلاش کرنا ضروری ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ آیت مبارکہ میں عدم وجدان مطلق ہے طلب یا غیر طلب کی قید سے خالی ہے اسلئے آیت کو طلب کی قید کے ساتھ مقید نہیں کیا جائیگا اور چونکہ عام طور سے میدانوں میں پانی نہیں ہوتا ہے اور وجود پانی پر کوئی دلیل بھی نہیں ہے اسلئے یہی کہا جائیگا کہ یہ شخص پانی پانے والا نہیں۔

(۱۰۵) اگر متیمم (علامات سے یا عادل مخبر کے خبر دینے سے) کا ظن غالب یہ ہو کہ یہاں پانی موجود ہے تو اس کو تیمم کرنا جائز نہیں تاوقتیکہ وہ پانی طلب نہ کرے۔ بقدر ایک غلوہ (تیر پھینکنے والے اور تیر لگنے کی جگہ کے درمیانی فاصلہ کو غلوہ کہتے اور بعض کہتے ہیں کہ تین سوزراع سے چار سوزراع تک کا فاصلہ غلوہ ہے) تلاش کرے کیونکہ غالب رائی اکثر احکام میں بمنزلہ یقین کے ہے۔

اگر ایسی ہی صورت میں متیمم نے بغیر طلب کے تیمم کر کے نماز پڑھی تو طرفینؒ کے نزدیک اس پر اعادہ نماز واجب ہے اگر چہ بعد از طلب اسکو پانی نہ ملے خِلافاً لِاَبِیْ یُوْسُف رَحِمَہُ اللہ۔ طرفینؒ کا قول راجح ہے۔ اور اگر کسی نے دوسرے کو پانی تلاش کرنے کے لئے بھیجا تو اس کا تلاش کرنا اسکی طرف سے کافی ہو جائیگا۔

(۱۰۶) وَاِنْ كَانَ مَعَ رَفِيْقِهٖ مَاءٌ طَلَبَهٗ مِنْهُ قَبْلَ اَنْ يَّتَيَمَّمَ فَاِنْ مَنَعَهٗ مِنْهُ تَيَمَّمَ وَصَلّٰى۔

ترجمہ:۔ اور اگر اس کے ساتھی کے ساتھ پانی ہو تو تیمم کرنے سے پہلے اس سے مانگے پس اگر اس نے اس کو پانی دینے سے روک دیا تو تیمم کرے اور نماز پڑھ لے۔

تشریح:۔ (۱۰۶) اگر رفیق سفر (سفر کے ساتھی) کے پاس پانی ہو تو حکم یہ ہے کہ تیمم کرنے سے پہلے اس سے پانی مانگے اگر اس نے پانی دیدیا تو وضوء کر کے نماز پڑھے ورنہ تیمم کرلے کیونکہ پانی سے عام طور پر منع نہیں کیا جاتا ہے بلکہ مانگنے پر دے دیا جاتا ہے اور اگر ساتھی نے پانی دینے سے انکار کر دیا تو چونکہ اس صورت میں عجز متحقق ہو گیا لھذا تیمم کر کے نماز پڑھ لے۔

اگر اپنے ساتھی سے پانی طلب کرنے سے پہلے ہی تیمم کر کے نماز پڑھی تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ تیمم کافی ہے کیونکہ مِلکِ غیر میں سے کچھ طلب کرنا اس پر لازم نہیں ہے۔ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک یہ تیمم کافی نہیں ہوگا کیونکہ پانی ایسی چیز ہے جس کے دینے سے عام طور پر انکار نہیں کیا جاتا ہے لہذا ساتھی کے پاس ہونے سے اسکو بھی قادر سمجھا جائیگا۔

اگر پانی کا مالک ثمن مثل پر پانی دینے کیلئے تیار ہو اور بے وضوء شخص کے پاس ثمن بھی ہے تو اس کے لئے تیمم کرنا جائز نہیں کیونکہ اس کے لئے قدرت متحقق ہو گیا البتہ اگر پانی کا مالک غبن فاحش (بہت مہنگا) کے ساتھ پانی دیتا ہے تو اس پر غبن فاحش کے ساتھ پانی لینا لازم نہیں۔

بَابُ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْن

یہ باب موزوں پر مسح کے بیان میں ہے

مسح لغت میں کسی شی پر ہاتھ پھیرنے کو کہتے ہیں اور شریعت میں مسح علی الخفین مخصوص زمانے میں مخصوص موزے کو تری پہنچانے کو کہتے ہیں۔

مسح علی الخفین اور تیمم میں مناسبت یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک طہارت مسح ہے۔ اور یا دونوں میں سے ہر ایک غسل کا بدل ہے۔ اور یا دونوں میں سے ہر ایک رخصت موقتہ ہے۔ پھر تیمم بدلیت میں کامل ہے کیونکہ تیمم تمام افعال وضوء کا قائم مقام ہے اور مسح ایک عضو یعنی غسل رجلین کا قائم مقام ہے اس لئے تیمم کو مسح علی الخفین سے مقدم کیا۔

(۱۰۷) اَلْمَسْحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ جَائِزٌ بِالسُّنَّةِ مِنْ كُلِّ حَدَثٍ مُوْجِبٍ لِلْوُضُوْءِ اِذَا لَبِسَ الْخُفَّيْنِ عَلَى طَهَارَةٍ كَامِلَةٍ ثُمَّ اَحْدَثَ۔

ترجمہ:۔ موزوں پر مسح کرنا جائز ہے سنت سے ثابت ہے، ہر ایسے حدث سے جو وضوء کو واجب کرنے والا ہو جبکہ موزوں کو طہارتِ کاملہ پر پہنے ہو پھر حدث ہو جائے۔

تشریح:۔ (۱۰۷) مسح علی الخفین کا جواز سنت سے ثابت ہے۔ اس بارے میں قولی اور فعلی بہت سے احادیث مشہور ہیں چنانچہ اگر کوئی شخص مسح علی الخفین کے جواز کا اعتقاد نہ رکھتا ہو تو وہ بدعتی ہوگا البتہ اگر کسی نے مسح علی الخفین کو جائز تو جانا مگر عزیمت پر عمل کرنے کی وجہ سے مسح نہ کیا تو یہ شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر پائے گا۔

امام قدوری رحمہ اللہ نے "بِالسُّنَّةِ" سے اشارہ کیا کہ جو لوگ مسح علی الخفین کو کتاب اللہ سے ثابت کرتے ہیں بایں طور کہ آیت وضوء میں "وارجلِکم" مجرور ہو اور "رؤسِکم" پر معطوف ہو اور مسح رجلین سے مسح علی الخفین مراد ہو یہ درست نہیں۔

موزوں پر مسح ہر اس حدث کے بعد جائز ہے جو وضوء کو واجب کرنے والا ہو لہٰذا ایسے حدث کے بعد مسح جائز نہیں جس سے غسل واجب ہو کیونکہ موجب وضوء حدث میں بوجہ تکرار حرج ہے اس لئے اس کے بعد مسح کی رخصت ہے جبکہ حدث موجب غسل میں تکرار نہیں تو حرج بھی نہیں لہٰذا رخصت مسح نہیں۔

یہ بھی شرط ہے کہ کامل وضوء کر کے موزے پہن کر پھر حدث پیش آیا لہٰذا اگر صرف پاؤں دھو کر موزے پہنے ہوں پھر باقی ماندہ وضوء مکمل کرنے سے پہلے حدث پیش آیا تو اب موزوں پر دوبارہ وضوء کرتے وقت مسح جائز نہ ہوگا۔

مسح علی الخفین کے بارے میں "جَائِزٌ" کہا "وَاجِبٌ" نہیں کہا کیونکہ بندہ کو مسح کرنے اور نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے اور "مُسْتَحَبٌّ" بھی نہیں کہا اس لئے کہ جو شخص جواز کا اعتقاد رکھے اور فعلاً مسح نہ کرے تو یہ افضل ہے۔

☆ ☆ ☆

(۱۰۸)فَإِنْ كَانَ مُقِيماً مَسَحَ يَوْماً وَلَيْلَةً(۱۰۹)وَإِنْ كَانَ مُسَافِراً مَسَحَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا(۱۱۰)وَابْتِدَاؤُهَا عَقِيبَ الحَدَثِ۔

ترجمہ:۔پس اگر مقیم ہے تو مسح کرے ایک دن اور ایک رات تک اور اگر مسافر ہے تو مسح کرے تین دن اور تین رات تک اور مسح کی ابتدأ بے وضوئی کے بعد سے ہوتی ہے۔

تشریح:۔(۱۰۸)اس عبارت میں مدت مسح کا بیان ہے چنانچہ فرمایا مدت مسح مقیم کیلئے ایک دن ایک رات ہے۔(۱۰۹)اور مسافر کیلئے تین دن تین راتیں ہیں" لِقَوْلِهٖ ﷺ يَمْسَحُ المُقِيمُ يَوماً وَلَيلَةً وَالْمُسَافِرُ ثَلاثَةَ اَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا "(یعنی مقیم ایک دن اور ایک رات مسح کریگا اور مسافر تین دن اور تین راتیں مسح کریگا)۔

(۱۱۰)پھر جب وضوء کر کے موزے پہن لئے اس وقت سے مدتِ مسح شروع نہیں ہوتی بلکہ جس وقت یہ وضوء ٹوٹے گا اسی وقت سے مسح کی مدت شروع ہو جائیگی۔اگر مقیم ہے تو ایک دن ایک رات کے بعد اسی وقت مدت مسح ختم ہو جائیگی اور اگر مسافر ہے تو تین دن اور تین راتیں بعد اسی وقت مسح کی مدت ختم ہو جائیگی کیونکہ موزہ حدث کے سرایت کرنے سے مانع ہے پس مدت کی ابتدأ اسی وقت سے ہوگی جس وقت سے موزہ نے حدث کے سرایت کو روکا ہے۔

(۱۱۱)وَالْمَسْحُ عَلٰى ظَاهِرِهِمَا خُطُوْطاً بِالاَصَابِعِ يَبْتَدِأُ مِنَ الْاَصَابِعِ اِلَى السَّاقِ۔

ترجمہ:۔اور مسح موزوں کے ظاہر پر کریگا اس حال میں کہ انگلیوں کے ساتھ خطوط ہو جائیں پاؤں کی انگلیوں سے شروع کر کے پنڈلیوں تک لے جائے۔

تشریح:۔(۱۱۱)مسح موزوں کے ظاہر پر کرنا ضروری ہے پس اگر موزے کے باطن پر مسح کیا یا اس کی ایڑی پر یا پنڈلی پر تو جائز نہ ہوگا کیونکہ موزے پر مسح کرنا خلاف قیاس ثابت ہے لہذا جس پر شریعت کا حکم وارد ہوا ہے اسکی پوری پوری رعایت کی جائیگی اور چونکہ شریعت کا ورود موزے کے ظاہر پر ہوا ہے اسلئے موزے کے ظاہر پر مسح کرنا مشروع ہوگا نہ کہ باطن پر۔مسح کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ انگلیوں سے خطوط کھینچ لیں اور اگر کسی نے ہتھیلی سے مسح کر لیا تو بھی جائز ہے۔

مسح کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی انگلیاں دائیں موزے کے اگلے حصہ پر رکھے اور بائیں ہاتھ کی انگلیاں بائیں موزے کے اگلے حصہ پر رکھے پھر ان دونوں کو پنڈلی کی طرف کھینچ کرلے جائے اور انگلیوں کو کشادہ رکھے" لِحَدِيثِ المغيرة رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى خُفَّيْهِ وَمَدَّهُمَا مِنَ الْاَصَابِعِ اِلىٰ اَعلاهُمَا مَسْحَةً وَاحِدَةً وَكَانِّى اَنْظُرُ اِلىٰ اَثَرِ الْمَسْحِ عَلٰى خُفِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ خُطُوْطاً بِالْاَصَابِعِ "(یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں موزوں پر رکھے اور ان کو انگلیوں سے اوپر کو کھینچا ایک بار مسح کیا اور گویا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انگلیوں کے خطوط کا اثر مسح کو موزوں پر دیکھتا ہوں)۔

(۱۱۲)وَفَرضُ ذَالِکَ مِقْدَارُ ثَلٰثِ اَصَابِعَ مِن اَصَابِعِ الْیَدِ۔

ترجمہ:۔اور فرض مسح تین انگلیوں کی مقدار ہے ہاتھ کی انگلیوں میں سے۔

تشریح:۔(۱۱۲)تین انگلیوں کی مقدار مسح کرنا فرض ہے۔البتہ اس میں اختلاف ہے کہ انگلیاں پاؤں کی معتبر ہیں یا ہاتھ کی۔تو امام کرخیؒ کی رائی یہ ہے کہ پاؤں کی انگلیاں معتبر ہیں کیونکہ مسح پاؤں پر واقع ہوتا ہے اور تین انگلیاں ممسوح کا اکثر حصہ ہے ''وللاکثر حکم الکل''لہذا پاؤں کی تین انگلیاں پورے پاؤں کے قائم مقام ہوجائینگی۔

عامۃ العلماء کے نزدیک ہاتھ کی انگلیاں معتبر ہیں یہ حضرات آلہ مسح (یعنی ہاتھ) کا اعتبار کرتے ہیں کیونکہ مسح فعل ہے تو فاعل کی طرف منسوب ہوگا نہ کہ محل کی طرف۔

(۱۱۳)وَلَا یَجُوزُ الْمَسْحُ عَلٰی خُفٍّ فِیهِ خَرْقٌ کَثِیْرٌ یَتَبَیَّنُ مِنه قَدرُ ثَلاثِ اَصَابِعِ الرِّجْلِ(۱۱٤)وَاِنْ کَانَ اَقَلَّ مِنْ ذَالِکَ جَازَ۔

ترجمہ:۔اور جائز نہیں مسح ایسے موزے پر جس میں پھٹن اس قدر زیادہ ہو کہ اس سے پاؤں کی تین انگلیوں کی مقدار ظاہر ہو اور اگر اس سے کم ہو تو جائز ہے۔

تشریح:۔(۱۱۳)اگر موزے میں پھٹن (شگاف) پیدا ہوگیا تو اگر قلیل ہو تو ایسے موزے پر مسح جائز ہے۔(۱۱٤)اور اگر کثیر ہو تو جائز نہیں کیونکہ عادۃً موزہ قلیل پھٹن سے خالی نہیں ہوتا تو قلیل پھٹن میں بھی موزہ اتارنے کا حکم دینے میں حرج ہے لہذا قلیل معاف ہے جبکہ کثیر سے موزہ خالی ہوتا ہے تو اتارنے میں حرج نہ ہونے کی وجہ سے موزے اتار کر دھونے کا حکم ہے مسح جائز نہ ہوگا۔

قلیل اور کثیر کا معیار یہ ہے کہ اگر پاؤں کی چھوٹی تین انگلیوں کی مقدار یا اس سے زیادہ پاؤں کہیں موزے سے ظاہر ہوا تو یہ پھٹن کثیر ہے اور اگر اس سے کم مقدار ظاہر ہو تو یہ پھٹن قلیل ہے کیونکہ قدم میں اصل انگلیاں ہیں یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے دوسرے کے پاؤں کی انگلیاں کاٹ ڈالیں تو اس پر پوری دیت واجب ہوگی۔پھر تین انگلیاں پانچ انگلیوں میں سے اکثر ہیں''وللاکثر حکم الکل''لہذا تین انگلیاں پورے پاؤں کے قائم مقام ہونگی۔پس تین انگلیوں کا ظہور گویا پورا پاؤں کا ظہور ہے اسلئے ایسے موزے پر مسح جائز نہیں۔پھر پاؤں کی انگلیوں میں چھوٹی انگلیوں کا اعتبار کرنے میں احتیاط ہے۔

(۱۱۵)وَلَا یَجُوزُ الْمَسْحُ عَلَی الْخُفَّیْنِ لِمَنْ وَجَبَ عَلَیه الْغُسلُ۔

ترجمہ:۔اور نہیں جائز مسح موزوں پر ایسے شخص کے لئے جس پر غسل واجب ہو۔

تشریح:۔(۱۱۵)جس شخص پر غسل واجب ہو اس کیلئے موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں کیونکہ جنابت میں عادۃً تکرار نہیں ہوتی تو موزے اتارنے میں حرج بھی نہیں لہذا موزے اتار کر پاؤں دھولے۔بخلاف حدث کے کہ اس میں تکرار ہے تو بار بار موزے اتارنے میں حرج بھی ہے اور مسح علی الخفین دفع حرج کیلئے مشروع کیا گیا لہذا جہاں حرج ہو تو مسح جائز ہے ورنہ جائز نہیں۔

(۱۱۶)وَيَنقُضُ المَسحَ مَايَنقُضُ الوُضوءَ(۱۱۷)وَيَنقُضُهُ اَيضاً نَزعُ الخُفِّ(۱۱۸)وَمُضِيُّ المُدَّةِ(۱۱۹)فَاِذَا مَضَتِ المُدَّةُ نَزَعَ خُفَّيهِ وَغَسَلَ رِجلَيهِ وَصَلّٰى وَلَيسَ عَلَيهِ اِعَادَةُ بَقِيَّةِ الوُضُوءِ۔

ترجمہ:۔اور مسح کو وہ چیزیں توڑ دیتی ہیں جو وضوء کو توڑ دیتی ہیں اسی طرح موزہ کا نکلنا بھی مسح کو توڑ دیتا ہے اور مدت مسح کا گذرنا (بھی مسح کو توڑ دیتا ہے) پس جب مدتِ مسح گذر جائے تو دونوں موزے نکال دے اور دونوں پاؤں دھولے اور نماز پڑھے اور اس پر باقی وضوء کا لوٹانا واجب نہیں۔

تشریح:۔(۱۱۶) جو چیزیں ناقض وضوء ہیں وہ ناقض مسح بھی ہیں کیونکہ مسح علی الخفین وضوء کا جزء ہے پس جو کل کیلئے ناقض ہوگا وہ جزء کیلئے بطریقہ اولیٰ ناقض ہوگا۔(۱۱۷) موزوں کا اتارنا بھی ناقض مسح ہے کیونکہ قدم میں بے وضوئی سرایت کرنے سے موزہ مانع تھا پس جب یہ مانع دور ہوگیا تو بے وضوئی سرایت کر گیا لہذا مسح ٹوٹ گیا۔اسی طرح اگر ایک موزہ اتار دیا تو بھی مسح ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ ایک ہی وظیفہ میں غسل اور مسح کا جمع کرنا متعذر ہے۔(۱۱۸) اسی طرح مدت مسح گذر جانے سے بھی مسح علی الخفین ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ جب مدت پوری ہو جائے تو حدث سابق پاؤں کی طرف سرایت کر جاتا ہے تو گویا اس نے پاؤں دھوئے نہیں ہیں۔

(۱۱۹) مدت مسح گذر جانے کی صورت میں اگر اس شخص کا وضوء ہے تو وہ موزے اتار کر صرف پاؤں دھوئے اور نماز پڑھ لے باقی وضوء کا اعادہ اس پر لازم نہیں۔یہی حکم موزے اتارنے کا بھی ہے مگر یہ حکم احناف کے نزدیک ہے جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک وضوء ہو یا نہ ہو از سر نو وضوء کر لے۔

(۱۲۰)وَمَن اِبتَدَأَ المَسحَ وَهُوَ مُقِيمٌ فَسَافَرَ قَبلَ تَمَامِ يَومٍ وَلَيلَةٍ مَسَحَ تَمَامَ ثَلاثَةِ اَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا(۱۲۱)وَمَن اِبتَدَأَ المَسحَ وَهُوَ مُسَافِرٌ ثُمَّ اَقَامَ فَاِن كَانَ مَسَحَ يَوماً وَلَيلَةً اَو اَكثَرَ لَزِمَهُ نَزعُ خُفَّيهِ(۱۲۲)وَاِن كَانَ اَقَلَّ مِنهُ تَمَّمَ مَسحَ يَومٍ وَلَيلَةٍ۔

ترجمہ:۔اور جس نے مسح کی ابتدأ کی اس حال میں کہ وہ مقیم ہے پھر ایک دن رات مکمل ہونے سے پہلے سفر شروع کر دیا تو پورا تین دن رات تک مسح کرے اور جس نے مسح کی ابتدأ کی اس حال میں کہ وہ مسافر ہے پھر وہ مقیم ہو گیا پس اگر اس نے ایک دن رات یا اس سے زیادہ مسح کر لیا ہے تو اس پر موزے نکالنا لازم ہے اور اگر ایک دن رات سے کم مسح کر چکا ہے تو ایک دن رات مسح کرے۔

تشریح:۔(۱۲۰) اگر کسی نے بحالت اقامت مسح شروع کیا پھر ایک دن ایک رات پورا ہونے سے پہلے اس نے سفر اختیار کیا تو اس صورت میں اسکی مدت اقامت مدت سفر کی طرف منتقل ہو جائیگی پس یہ شخص اب تین دن تک مسح کریگا کیونکہ مسح کا حکم وقت کے ساتھ متعلق ہوتا ہے اور جس چیز کا حکم وقت کے ساتھ متعلق ہو اس میں اخیر وقت کا اعتبار کیا جائیگا اور اخیر وقت میں چونکہ یہ شخص مسافر ہے لہذا مسح کی مدت سفر پوری کریگا۔

(۱۲۱) اگر مسافر مقیم ہو گیا تو اگر وہ اقامت کی مدت پوری کر چکا ہے یعنی ایک دن ایک رات مسح کر چکا ہے تو موزے اتار

دے اور پاؤں دھولے کیونکہ سفر کی رخصت بغیر سفر باقی نہیں رہ سکتی ہے۔ (۱۲۲) اور اگر ایک دن ایک رات کی مدت پوری نہیں کی ہے تو اس کو پوری کرلے کیونکہ مدت اقامت یہی ہے اور یہ شخص مقیم ہے۔

(۱۲۳) وَمَن لَبِسَ الجَرمُوقَ فَوقَ الخُفِّ مَسَحَ عَلَيهِ۔

ترجمہ:۔ اور جس نے موزے کے اوپر جرموق پہن لی تو وہ اسی پر مسح کرلے۔

تشریح:۔ جرموق موزے کے اوپر پہنا جاتا ہے اور جرموق کی ساق موزے کی ساق سے چھوٹی ہوتی ہے صاحب القاموس الوحید نے جرموق کی یوں تعریف کی ہے، وہ چھوٹا موزہ جو بڑے موزہ کے اوپر پہنا جائے یا چمڑے کے موزہ پر کپڑے کا چھوٹا موزہ سلوا کر برائے حفاظت پہنا جاتا ہے۔

(۱۲۳) ہمارے نزدیک موزوں کے اوپر جرموق پر مسح کرنا جائز ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک جائز نہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ موزہ پاؤں کا بدل ہے اور رائی کے ذریعہ بدل کا بدل مقرر کرنا جائز نہیں جب تک کہ شریعت میں وارد نہ ہو۔

ہماری دلیل حدیث عمر رضی اللہ تعالی عنہ ہے "قَالَ رَأَيتُ رَسُولَ اللّٰهِ مَسَحَ علی الجَرمُوقَينِ" (یعنی میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جرموقین پر مسح کیا)۔ نیز جرموق استعمال اور غرض میں موزے کا تابع ہوتا ہے استعمال میں تو اس لئے کہ جرموق اٹھنے، بیٹھنے، چلنے، پھرنے میں موزے کے ساتھ ساتھ رہتا ہے اور غرض میں اس لئے کہ جرموق موزے کی حفاظت کیلئے ہوتا ہے جیسا کہ موزہ پاؤں کی حفاظت کیلئے ہوتا ہے پس موزہ کے اوپر جرموق ایسا ہوگیا جیسے دوطاقہ موزہ اور دوطاقہ موزے کے بالائی طاق پر بالاتفاق مسح کرنا جائز ہے لہذا موزوں کے اوپر جرموقین پر مسح کرنا بھی جائز ہوگا۔

(۱۲۴) وَلَايَجُوزُ المَسحُ عَلَى الجَورَبَينِ اِلَّا اَن يَكونَا مُجَلَّدَينِ اَو مُنَعَّلَينِ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يَجُوزُ اِذَا كَانَا ثَخِينَينِ لَايَشِفَّانِ۔

ترجمہ:۔ اور جرابوں پر مسح کرنا جائز نہیں مگر یہ کہ وہ پوری مجلد ہوں یا صرف تلوے پر چمڑا چڑھا ہوا ور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جائز ہے بشرطیکہ وہ اتنی گاڑی ہوں کہ پانی نہ چھنتی ہوں۔

تشریح:۔ (۱۲۴) جوربین (کتان یا روئی کے موزے کو جوربین یا جراب کہتے ہیں) اگر گاڑھے موٹے ہوں یوں کہ پانی پاؤں کی طرف جذب نہ کرتے ہوں اور منعل (کل جورب پر چمڑہ چڑھایا گیا ہو) یا مجلد (صرف نچلے حصہ پر چمڑہ چڑھایا گیا ہو) بھی ہوں تو اس پر بالاتفاق مسح کرنا جائز ہے اور اگر نہ گاڑھے موٹے ہوں اور نہ منعل ومجلد ہوں تو اس پر بالاتفاق مسح کرنا جائز نہیں اور اگر گاڑھے موٹے ہوں پانی جذب نہ کرتے ہوں مگر منعل یا مجلد نہ ہوں تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر مسح جائز نہیں ۔صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک جائز ہے۔

صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث "اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ مَسَحَ عَلٰی

الجوربین " (کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جوربین پرمسح کیا) ہے۔ نیز اگر جوربین موٹے ہوں کہ بغیر باندھے پنڈلی پر ٹھہرے رہیں تو ان کو پہن کر چلنا پھرنا اور سفر کرنا ممکن ہے تو یہ جوربین موزوں کے مشابہ ہو گئے لہذا موزوں کی طرح ان پر بھی مسح جائز ہوگا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ جورب کو موزے کے ساتھ لاحق کرنا اس وقت درست ہوگا جب کہ جورب من کل وجہ موزے کے معنی میں ہو حالانکہ جورب ایسے نہیں کیونکہ موزہ پہن کر مواظبت مشی (ہمیشہ چلنا) ممکن ہے اور غیر منعل جورب میں مواظبت مشی ممکن نہیں۔ ہاں منعل جورب میں چونکہ مواظبت مشی ممکن ہے اسلئے اس پر مسح کرنا جائز ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کا محمل بھی یہی منعل جورب ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ آپؒ نے اپنے مرض وفات میں جوربین غیر منعلین پرمسح کیا اور عیادت کرنے والوں سے کہا "فَعَلْتُ مَا كُنْتُ اَمْنَعُ النَّاسَ عَنْهُ" (یعنی میں نے وہ کام کیا جس کام سے میں منع کرتا تھا) تو اس واقعہ سے استدلال کیا ہے کہ آپؒ نے صاحبین رحمہما اللہ کے قول کی طرف رجوع کیا تھا وَعَلَيْهِ الْفَتْوىٰ۔

(۱۲۵) وَلَايَجوزُ الْمسحُ على الْعَمَامَةِ وَالْقَلَنْسُوَةِ وَالْبُرْقُعِ وَالْقُفَازَيْنِ۔

ترجمہ:۔ اور مسح جائز نہیں پگڑی، ٹوپی، برقع اور دستانوں پر۔

تشریح:۔ (۱۲۵) عمامہ (پگڑی) ٹوپی، برقع اور دستانوں پرمسح کرنا جائز نہیں کیونکہ موزوں پرمسح کرنے کی رخصت دفع حرج کیلئے ہے جبکہ ان چیزوں کے اتارنے میں کوئی حرج نہیں اسلئے ان چیزوں کو موزوں پر قیاس کر کے ان پرمسح جائز نہ ہوگا۔

(۱۲۶) وَيَجوزُ الْمَسحُ عَلَى الْجَبَائِرِ وَاِنْ شَدَّهَا عَلى غَيرِ وُضُوْءٍ۔

ترجمہ:۔ اور جبیروں پرمسح کرنا جائز ہے اگر چہ اس کو بے وضوء باندھا ہو۔

تشریح:۔ (۱۲۶) جبائر جبیرۃ کی جمع ہے ٹوٹی ہوئی ہڈی کے باندھنے کی لکڑی کو کہتے ہیں۔ یہاں جبیرہ سے زخم کی پٹی مراد ہے۔ جبیرہ پرمسح کرنا جائز ہے اگر چہ اس کو بغیر وضوء یا حالت جنابت میں باندھا ہو کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد کے دن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جبیرہ پرمسح کرنے کا حکم دیا تھا۔ اور چونکہ جبیرہ ضرورت کے وقت باندھا جاتا ہے اس حالت میں طہارت کی شرط لگانا مفضی الی الحرج ہوگا اس لئے بغیر وضوء باندھے ہوئے جبیرہ پر بھی مسح کرنا جائز ہے۔

(۱۲۷) فَاِنْ سَقَطَتْ عَن غيرِ بُرْءٍ لَمْ يَبْطُلِ الْمَسحُ (۱۲۸) وَاِنْ سَقَطَتْ عَن بُرْءٍ بَطَلَ۔

ترجمہ:۔ پس اگر جبیرہ زخم کے ٹھیک ہوئے بغیر گر گیا تو مسح باطل نہیں ہوگا اور اگر زخم ٹھیک ہونے پر گر جائے تو مسح باطل ہو جائیگا۔

تشریح:۔ (۱۲۷) اس عبارت میں امام قدوری رحمہ اللہ نے مسح علی الجبیرہ اور مسح علی الخفین کے درمیان فرق کی طرف اشارہ کیا ہے اور ان کے درمیان کئی وجوہ سے فرق ہے۔ / **نمبر ۱**۔ زخم ٹھیک ہوئے بغیر اگر جبیرہ گر گیا تو مسح باطل نہ ہوگا کیونکہ جبیرہ گرنے کی صورت میں عذر موجود ہے اور جب تک عذر باقی رہے تو جبیرہ پرمسح کرنا ایسا ہے جیسے اس کے نیچے کا دھونا۔ برخلاف موزہ کے کہ اگر وہ نکل گیا تو مسح

باطل ہو جائیگا۔

(۱۲۸) اور اگر زخم اچھا ہونے کی وجہ سے جبیرہ گر گیا تو مسح علی الجبیرہ باطل ہو جائیگا کیونکہ جس عذر کی وجہ سے مسح علی الجبیرہ مشروع تھا وہ عذر زائل ہو گیا۔/ **فمبر ۲**۔ دوسرے فرق کی طرف اس سے پہلے اشارہ کر دیا کہ مسح علی الجبیرہ بغیر طہارت کے بھی جائز ہے جبکہ مسح علی الخفین بغیر طہارت کے جائز نہیں۔

/**فمبر ۳**۔ تیسرا فرق یہ ہے کہ مسح علی الجبیرہ کیلئے کوئی وقت مقدر نہیں بلکہ زخم کے ٹھیک ہونے تک اس پر مسح کرنا جائز ہے کیونکہ مسح علی الجبیرہ کی حد معین کرنے میں کوئی حدیث وارد نہیں ہوئی ہے برخلاف مسح علی الخف کے کہ اس کے لئے وقت مقدر ہے۔

بَابُ الْحَيْضِ

یہ باب حیض کے بیان میں ہے

حیض لغت میں خارج ہونے والا خون کو کہتے ہیں اور فقہاء کے نزدیک حیض وہ خون ہے جس کو ایسی عورت کا رحم پھینکے جو بیماری، حمل اور صغر سے سالم ہو۔

ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ اس سے پہلے ان احداث کا ذکر تھا جو کثیر الوقوع ہیں اور اس باب میں قلیل الوقوع احداث مذکور ہیں۔ عنوان میں صرف حیض کو ذکر کیا ہے جبکہ تفصیل میں نفاس کا ذکر بھی ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ حیض کا وقوع نفاس کی نسبت زیادہ ہے اسلئے عنوان میں صرف حیض ذکر کیا گیا ہے۔

(۱۲۹) اَقَلُّ الْحَيْضِ ثَلٰثَةُ اَيَّامٍ وَلَيَالِيْهَا (۱۳۰) فَمَانَقَصَ مِن ذَالِکَ فَلَيسَ بِحَيضٍ وَهوَاستِحَاضَةٌ (۱۳۱) وَاَكثَرُه عَشرَةُ اَيَّامٍ (۱۳۲) وَمَازَادَعلٰى ذَالِکَ فَهواستِحَاضَةٌ۔

ترجمہ:۔ حیض کی کم از کم مدت تین دن تین رات ہے پس جو خون اس سے کم ہو تو وہ حیض نہیں بلکہ وہ استحاضہ ہے اور حیض کی اکثر مدت دس دن ہے اور جو اس سے زائد ہو وہ استحاضہ ہے۔

تشریح :۔(۱۲۹) یعنی اقل مدت حیض ہمارے نزدیک تین دن اور تین راتیں ہیں (۱۳۰) جو خون اس مدت سے کم ہوگا وہ استحاضہ (وہ عورت جسکا خون بوجہ مرض خارج ہو اس کو مستحاضہ کہتے ہیں) ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک دو دن پورے اور تیسرے دن کا اکثر حصہ اقل مدت حیض ہے "الاقامة للاکثر مقام الکل"۔ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مطلق خون حیض ہے اگر چہ ایک ساعت ہو اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک حیض کی اقل مدت ایک دن ایک رات ہے۔

ہماری دلیل وہ حدیث ہے جس کو ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالی عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا، واسلہ رضی اللہ تعالی عنہ، انس رضی اللہ تعالی عنہ اور ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے روایت کیا ہے "انہ ﷺ قال اَقَلُّ الحَيضِ لِلجَارِيةِ الْبِكرِ وَالثَّيِّبِ ثَلَاثَةُ اَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا وَاَكثَرُه عَشَرَةُ اَيَّامٍ" (یعنی اقل مدت حیض کنواری لڑکی اور ثیبہ عورت کے حق میں تین دن رات ہے اور اکثر مدت دس دن

ہے)۔

(۱۳۱) ہمارے نزدیک حیض کی اکثر مدت دس دن ہے۔(۱۳۲) دس دن سے زیادہ استحاضہ ہے۔امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک پندرہ دن ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول اول بھی یہی ہے۔امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک حیض کی قلیل وکثیر مدت کے لئے کوئی حد نہیں اور امام احمدؒ سے اظہر روایت یہ ہے کہ اکثر مدتِ حیض سترہ دن ہیں۔

ہماری دلیل وہ حدیث ہے جو پہلے مسئلہ میں گذر چکی یعنی ''اکثرہ (الحیض) عشرۃ ایام'' اور شریعت کا کسی چیز کو مقدر کرنا اس بات سے مانع ہے کہ اس کے ساتھ کوئی دوسری چیز لاحق کی جائے پس جو خون تقدیر شرع سے کم یا زائد ہوگا وہ حیض نہیں استحاضہ ہوگا۔

(۱۳۳) وَمَاتَراہ الْمَرأۃُ مِن الْحُمْرَۃِ وَالصُّفْرَۃِ وَالْکُدْرَۃِ فِی اَیَّامِ الْحَیْضِ فَھُوَحَیْضٌ حتیٰ تَریٰ الْبَیاضَ خَالِصاً۔

ترجمہ:۔اور جو دیکھے عورت سرخ، زرد اور مٹیالا خون حیض کے دنوں میں تو وہ حیض ہے یہاں تک کہ خالص سفیدی کو دیکھے۔

تشریح:۔(۱۳۳) عورت کو اگر ایام حیض میں سرخ یا کالے رنگ کا خون آیا تو یہ بالاجماع حیض ہے اور اگر گدلے رنگ کا خون آیا تو یہ بھی قول اصح کے مطابق حیض ہے یہاں تک کہ خالص سفیدی کو دیکھے ''لِاَنَّ مَالِکاً رَحِمہ اللّٰہُ حَدثَ فِی الْمُوطَا عَن عَلقَمۃ بنِ اَبِی عَلْقَمَۃ عَن اُمِّہ مَوْلاۃ عَائشۃَ رَضِی اللّٰہُ تعالی عَنھااُمِّ الْمُؤمِنِینَ اَنّھاقَالتْ کانَ النِّسَاءُ یَبْعَثْنَ اِلیٰ عَائشۃ رَضیَ اللّٰہُ تعالی عَنھابِالدُّرجَۃِ فِیھاالْکُرسُف فیہ الصَّفرَۃُ مِن دَم الْحَیضِ یَسْالنَھاعَن الصَّلوۃِ فَتَقُوْلُ لَھنّ لاتَعْجَلْنَ حتیٰ تَرینَ الْقَصَۃَ الْبَیضَاءَ'' (یعنی علقمہ ابن ابی علقمہ نے اپنی ماں سے روایت کی کہ عورتیں ایک ڈبہ میں کرسف (وہ کپڑا جو عورتیں ایام حیض میں استعمال کرتی ہیں) رکھ کر حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے پاس بھیجتیں اور پوچھتیں کہ نماز پڑھیں تو ان کو فرماتیں کہ جلدی نہ کرو یہاں تک کہ قصہ بیضاء (کتری ہوئی اون) دیکھو یعنی حیض سے پاک ہو) ظاہر ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے جو کچھ فرمایا ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہی فرمایا ہوگا۔

امام قدوری رحمہ اللہ نے کالے رنگ کا ذکر نہیں کیا اسلئے کہ اسکے حیض ہونے میں کوئی اشکال نہیں ''لِقَولہ ﷺ دَم الْحَیضِ اَسوَدُ عَبِیْطٌ مُحتَدِمٌ'' اور مٹیالے رنگ کا بھی ذکر نہیں کیا اسلئے کہ یہ گدلے رنگ میں مندرج ہے۔

(۱۳٤) وَالْحَیضُ یُسقِطُ عَن الحَائِضِ الصَّلٰوۃَ (۱۳۵) وَیُحَرِّمُ عَلیھَاالصَّومَ (۱۳٦) وَتَقْضِیَ الصَّومَ (۱۳۷) وَلاتَقْضِیَ الصَّلٰوۃَ (۱۳۸) وَلاتَدْخلُ الْمَسْجدَ (۱۳۹) وَلاتَطُوفَ بِالْبَیْتِ (۱٤۰) وَلایَاْتِیھَازَوْجُھَا۔

ترجمہ:۔اور حیض ساقط کر دیتا ہے حائضہ سے نماز کو اور حرام کر دیتا ہے اس پر روزہ رکھنا اور وہ روزہ کی قضاء کریگی اور نماز کی قضاء نہیں کریگی اور نہ مسجد میں داخل ہوگی اور نہ بیت اللہ کا طواف کریگی اور اس کا خاوند اس کے پاس نہ آئے۔

تشریح:۔(۱۳٤) حیض حائضہ عورت سے نماز کو ساقط کر دیتا ہے (۱۳۵) اور روزہ رکھنا حرام کر دیتا ہے (۱۳٦) پھر حائضہ عورت حیض ختم ہونے کے بعد روزہ کی قضاء کریگی (۱۳۷) مگر نمازوں کی قضاء نہیں کریگی کیونکہ نمازوں کی قضاء کرنے میں حرج ہے اسلئے کہ حیض

کے دس دنوں کی نمازیں پچاس ہو جائینگی اور مہینے میں پچاس نمازیں قضا کرنے میں حرج عظیم ہے۔اور روزہ چونکہ سال میں ایک ماہ ہے اسلئے اسکی قضاء میں کوئی حرج نہیں (۱۳۸) حائضہ عورت کیلئے مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں یہی حکم جنبی کا بھی ہے"لِمَا ذکرفی السّنَنِ مسنداً الیٰ عائشة رَضِی اللّٰه تعالیٰ عنها اَنّ النّبیَ صَلی اللّٰه عَلیه وَسلم قَالَ وَجّهُوْا هٰذِه الْبُیُوْتِ عَن الْمسجدِفانّی لااُحلّ الْمسجدَلِحائضٍ وَلاجُنُبٍ "(یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان گھروں کے دروازے مسجد کی طرف سے پھیر دو کیونکہ میں مسجد کو حائضہ یا جنب کیلئے حلال نہیں رکھتا)۔

(۱۳۹) حائضہ عورت بیت اللہ کا طواف نہ کرے کیونکہ طواف مسجد حرام میں ہوتا ہے اور حائضہ کیلئے مسجد میں داخل ہونا ممنوع ہے اسلئے طواف کرنا بھی ممنوع ہوگا (۱۴۰) حائضہ عورت کے ساتھ شوہر کا جماع کرنا حرام ہے لقوله تعالیٰ ﴿ لاتَقْرَبُوْهنّ حَتّیٰ یَطْهُرْنَ ﴾ (مت قربت کرو حیض والیوں کے ساتھ یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں) اور قربت سے مراد وطی ہے۔

(۱۴۱) وَلایَجوزُلِحائضٍ (۱۴۲) وَلاجُنُبٍ قِرَاءَۃُ الْقُرآنِ (۱۴۳) وَلایَجُوزُلِمُحْدِثٍ مسّ الْمُصْحَفِ (۱۴۴) اِلّااَنْ یَاخُذَهُ بِغِلافِه۔

ترجمہ:۔اور جائز نہیں حائضہ عورت کے لئے اور نہ جنبی کے لئے قرآن کریم کی تلاوت کرنا اور بے وضوء کے لئے قرآن مجید کو چھونا جائز نہیں مگر یہ کہ اس کو غلاف کے ساتھ لے لے۔

تشریح:۔(۱۴۱) حائضہ (۱۴۲) اور جنبی کیلئے قرآن مجید پڑھنا جائز نہیں"لِقَوْلِه صَلی اللّٰه عَلیه وَسلم لاتَقْرَءُ الْحَائِضُ وَلا الْجُنُبُ شیئاًمِن الْقُرآنِ "(یعنی حائضہ اور جب قرآن میں سے کچھ نہ پڑھے)۔اور یہ حدیث باطلاقہ ایک ایت اور ایک ایت سے کم دونوں کو شامل ہے جبکہ امام طحاویؒ ایک ایت سے کم پڑھنے کو جائز قرار دیتے ہیں مگر قول اول اصح ہے۔

ہاں اگر ایک آیت سے کم بنیت قراۃ نہیں بلکہ بنیت دعاء یا شکر پڑھتا ہے تو جائز ہے جیسے کھانے کے وقت الحمدللہ یا بسم اللہ پڑھنا کیونکہ اس وقت یہ ذکر ہے اور حائضہ وجنبی ذکر سے نہیں روکے گئے ہیں۔

(۱۴۳) حائضہ، جنبی، نفساء، اور محدث (بے وضوء) کیلئے قرآن مجید کا بغیر غلاف کے چھونا جائز نہیں (۱۴۴) غلاف کیساتھ چھونا جائز ہے بشرطیکہ غلاف مصحف سے جدا ہو اگر متصل ہو تو بھی جائز نہیں۔اسی طرح درہم، لکڑی وغیرہ جس پر قرآن کی آیت لکھی ہو اس کا چھونا بھی جائز نہیں"لِقَوْلِه صَلی اللّٰه عَلیه وَسلمَ لایَمسّ الْقُرآنَ اِلّاطَاهِرٌ "(کہ نہ چھوئے قرآن کو مگر پاک)۔مگر ہمیانی کے ساتھ اس کا چھونا جائز ہے۔

(١٤٥)وَاِذَاانقَطَعَ دَمُ الحَيضِ لاقَلَّ مِن عَشرَةِ اَيَّامٍ لَم يَجُز وَطيُهَا حَتّٰى تَغتَسِلَ اَو يَمضِي عَلَيهَا وَقتُ صَلوٰةٍ كَامِلَةٍ(١٤٦)وَاِن اِنقَطَعَ دَمُهَا لِعَشرَةِ اَيَّامٍ جَازَ وَطيُهَا قَبلَ الغُسلِ۔

ترجمہ:۔اور اگر حیض کا خون دس دن سے کم میں بند ہو جائے تو اس سے وطی کرنا جائز نہیں یہاں تک کہ غسل کرلے یا اس پر ایک کامل نماز کا وقت گذر جائے اور اگر اس کا خون پورا دس دن میں بند ہوا تو غسل کرنے سے پہلے اس سے وطی کرنا جائز ہے۔

تشریح:۔(١٤٥)اگر عورت کی عادت کے مطابق دس روز سے کم پر حیض کا خون منقطع ہو گیا تو اس کے ساتھ وطی جائز نہیں یہاں تک کہ وہ عورت غسل کرے کیونکہ خون کبھی جاری ہوتا ہے اور کبھی منقطع ہوتا ہے تو جہت انقطاع کو ترجیح دینے کیلئے غسل کرنا ضروری ہے۔اگر عورت نے انقطاع خون کے بعد غسل تو نہیں کیا البتہ اس پر نماز کامل (نماز کامل سے پنج وقتی نمازیں مراد ہیں اس سے احتراز ہے چاشت اور عید کی نماز سے حتیٰ کہ اگر کوئی عورت عید کی نماز کے وقت پاک ہوئی تو اس پر ظہر کی نماز کا وقت گذر جانے کا انتظار کرنا ضروری ہے) کی اتنی مقدار وقت گذر گیا کہ وہ اس وقت میں غسل کر کے کپڑے پہن کر تحریمہ صلوۃ باندھ سکتی تھی تو بھی اسکے ساتھ وطی کرنا جائز ہے کیونکہ نماز اس کے ذمہ قرضہ ہو گئی لہذا یہ عورت پاک ہو گئی اسلئے کہ جب شریعت نے اس پر نماز واجب ہونے کا حکم دیا حالانکہ حالت حیض میں نماز درست نہیں ہوتی تو یہ دلیل ہے کہ شریعت نے اسکے پاک ہونے کا حکم کر دیا ہے۔

اگر خون تین دن سے زائد اور ایام عادت سے پہلے منقطع ہوا مثلاً عورت کی عادت سات دن ہیں اور خون پانچ دن آکر بند ہو گیا تو ایسی صورت میں عورت کے ساتھ وطی جائز نہیں اگر چہ وہ غسل کرلے تاوقتیکہ ایام عادت نہ گذر جائیں کیونکہ ایام عادت اکثر خون عود کر آتا ہے لہذا احتیاط وطی سے اجتناب کرنے میں ہے۔

(١٤٦) اگر دس دن گذرنے پر خون منقطع ہوا تو غسل کرنے سے پہلے اس کے ساتھ وطی کرنا جائز ہے کیونکہ حیض دس دن سے زائد نہیں ہوتا البتہ غسل کرنے سے پہلے وطی مستحب نہیں۔

(١٤٧)وَالطُّهرُ اِذَاتَخَلَّلَ بَينَ الدَّمَينِ فِي مُدَّةِ الحَيضِ فَهُوَ كَالدَّمِ الجَارِي۔

ترجمہ:۔اور طہر جب دو خونوں کے درمیان واقع ہو جائے مدت حیض میں تو وہ خون جاری کی طرح ہے۔

تشریح:۔(١٤٧)طہر دم حیض کے انقطاع کے زمانے کو کہتے ہیں۔پس طہر اگر مدت حیض میں دو خونوں کے درمیان واقع ہو جائے مثلاً ایک دن خون دیکھا پھر آٹھ دن طہر رہا پھر ایک دن خون آیا تو یہ طہر پے درپے خون شمار ہوگا۔یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے طہر متخلل کے بارے میں مروی روایات میں سے ایک ہے وجہ یہ ہے کہ خون کی مدت حیض کو گھیر لینا بالاجماع شرط نہیں پس اس کا اول وآخر معتبر ہوگا جیسے باب زکوۃ میں نصاب کا حکم ہے۔

امام یوسف رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ دو خونوں کے درمیان جب طہر پندرہ دن سے کم ہو تو یہ طہر فاصل شمار نہیں ہوگا بلکہ یہ پورا زمانہ حیض شمار ہوگا کیونکہ یہ طہر فاسد ہے لہذا یہ جاری خون کے مرتبہ میں ہوگا۔اس قول کو اختیار کرنا بہت آسان ہے بہت سے

متاخرین نے اسی پرفتویٰ دیا ہے کیونکہ یہ مفتی و مستفتی دونوں کیلئے آسان ہے۔اور یہ ایک روایت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے بھی ہے، اور کہا گیا ہے کہ یہ امام صاحبؒ کا آخری قول ہے۔

(۱۴۸)وَاَقَلُّ الطُّهْرِ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوماً(۱۴۹)وَلاغَايَةَ لِاَكْثَرِهٖ۔

ترجمہ:۔اور طہر کی کم از کم مدت پندرہ دن ہے اور اکثر مدت کی کوئی انتہاء نہیں۔

تشریح:۔(۱۴۸)یعنی دو مستقل حیضوں کے درمیان طہر فاصل کا اقل مدت پندرہ دن اور پندرہ راتیں ہیں کیونکہ طہر کی مدت اقامت کی مدت کی طرح ہے لہذا جس طرح کہ اقل مدت اقامت پندرہ دن ہے ایسے ہی اقل مدتِ طہر بھی پندرہ دن ہوگی کیونکہ طہر اور اقامت میں سے ہر ایک نماز اور روزے میں مؤثر ہے اسی وجہ سے اقل مدت سفر پر قیاس کرتے ہوئے اقل مدتِ حیض تین دن کے ساتھ مقدر کی گئی ہے (۱۴۹)طہر کی اکثر مدت کی کوئی حد مقرر نہیں بلکہ ہوسکتا ہے کہ پوری زندگی گھیر لے۔

یہ جو اوپر بیان ہوا یہ دو حیض کے درمیان اقل مدتِ طہر ہے باقی رہی اقل مدتِ طہر جو دو نفاسوں کے درمیان فاصل ہو تو وہ چھ مہینے ہے لہذا ایک بچہ پیدا ہونے کے بعد اگر چھ مہینے سے کم میں دوسرا بچہ پیدا ہوا تو یہ دونوں بچے توأمین (جڑواں) شمار ہونگے۔

(۱۵۰)وَدَمُ الْاِسْتِحَاضَةِ هُوَمَاتَرَاهُ الْمَرْاَةُاَقَلَّ مِن ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ اَوْاَكْثَرَمِنْ عَشَرَةِاَيَّامٍ (۱۵۱)فَحُكْمُه حُكْمُ الرُّعَافِ لايَمْنَعُ الصَّلٰوةَ وَلاالصَّومَ وَلاالْوَطْیَ۔

ترجمہ:۔اور استحاضہ کا خون وہ ہے جس کو عورت دیکھے تین دن سے کم یا دس دن سے زیادہ پس اس کا حکم نکسیر (جس کے ناک سے ہمیشہ خون بہہ رہا ہو) کا سا ہے نہ نماز کو روکتا ہے اور نہ روزہ اور نہ وطی۔

تشریح:۔(۱۵۰)دم استحاضہ یہ ہے کہ عورت حیض میں تین دن سے کم خون دیکھے یا دس دن سے زیادہ دیکھے یا نفاس میں چالیس دن سے زیادہ خون دیکھے یا حیض و نفاس میں عورت کی عادت سے خون گذر کر دونوں کی اکثر مدت سے بھی تجاوز کردے تو بعد از عادت والے دن سب کے سب استحاضہ ہے اسی طرح صغیرہ، حاملہ کو جو خون آئے اور آئسہ کو قبل ایاس اسکی جو عادت تھی اسکے خلاف خون آئے یہ بھی استحاضہ ہے۔

(۱۵۱)استحاضہ کا خون حکماً نکسیر کے خون کی طرح ہے پس نکسیر کے خون کی طرح استحاضہ کا خون بھی نماز، روزہ اور وطی کیلئے مانع نہیں کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مستحاضہ عورت سے فرمایا "تَوَضِّئِي وَصَلِّي وَاِنْ قَطَرَ الدَّمُ عَلَى الْحَصِيْرِ" (تو ہر نماز کے واسطے وضوء کر اور نماز پڑھ اگر چہ خون چٹائی پر ٹپکے) پس جب اس حدیث سے نماز کا حکم معلوم ہوگیا تو روزے اور وطی کا حکم بطریقہ اولیٰ معلوم ہوگا کیونکہ نماز انکی نسبت سے احوج الی الطہارۃ ہے۔

(١٥٢)وَاِذَازَادَالدَّمُ عَلیٰ عَشَرَةِ اَیَّامٍ وَلِلْمَرْاَةِ عَادَةٌ مَعْرُوْفَةٌ رُدَّتْ اِلیٰ اَیَّامِ عَادَتِہَاوَمَازَادَعَلیٰ ذَالِکَ فَہُوَ اِسْتِحَاضَۃٌ۔

ترجمہ:۔اور جب خون دس دن سے بڑھ جائے اور عورت کی ایک عادت مقررہ ہوتو وہ اپنی ایام عادت کی طرف لوٹائی جائیگی اور مقررہ عادت سے جوزائد ہووہ استحاضہ ہے۔

تشریح:۔(١٥٢)اگرکسی عورت کی عادت دس دن سے کم خون آنے کی تھی مگراس مرتبہ خون عادت سے بڑھ گیاتو اگردس دن یادس دن سے کم پر رک گیاتو عادت کے دن اور مابعد عادت سب حیض شمار ہوگااور اگر عادت سے بڑھ کردس دن سے بھی متجاوز ہوگیا تو اس صورت میں حکم یہ ہے کہ ایام عادت کے خون حیض شمار ہوگااورزائد سب کے سب استحاضہ ہے لہٰذا بعداز عادت کے دنوں میں جواس نے نمازاورروزہ چھوڑ دیا ہے اس کی قضاء کریگی کیونکہ اب پتہ چلاکہ یہ دن حیض کے نہیں بلکہ استحاضہ ہے جوکہ مانع صلوۃ وصوم نہیں۔

(١٥٣)وَاِنْ اِبْتَدَأَتْ مَعَ الْبُلُوْغِ مُسْتَحَاضَةً فَحَيْضُهَاعَشَرَةُ اَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ(١٥٤)وَالْبَاقِي اِسْتِحَاضَةٌ۔

ترجمہ:۔اوراگرکوئی عورت بلوغ کے ساتھ استحاضہ ہوئی تو اس کاحیض ہر ماہ کے دس دن ہے اور باقی استحاضہ ہے۔

تشریح:۔(١٥٣)اگرکوئی عورت بلوغ کے ساتھ ہی مستحاضہ ہوگئی یعنی اس کاحیض بلوغ دس دن سے تجاوزکرگیااور مستمر ہوگیا تو اس عورت کاحیض ہر مہینے میں (اس دن سے جس دن سے اس نے خون دیکھا ہے) دس دن ہوگا۔(١٥٤)باقی بیس دن استحاضہ ہوگا کیونکہ دس دن خون آکراگر منقطع ہوجاتا تو یہ پورا کاپورایقیناً حیض ہوتالیکن جب دس دن سے زائد ہوگیاتو اس میں شبہ ہواکہ تین سے زائد حیض ہے یانہیں تو سابقہ یقین اس شک سے زائل نہ ہوگی جوابھی پیدا ہوا۔

(١٥٥)وَالْمُسْتَحَاضَةُ وَمَنْ بِهٖ سَلَسُ الْبَوْلِ وَالرُّعَافُ الدَّائِمُ وَالْجُرْحُ الَّذِيْ لَايَرْقَأُيَتَوَضَّؤُنَ لِوَقْتِ كُلِّ صَلٰوةٍ وَيُصَلُّوْنَ بِذَالِكَ الْوُضُوْءِ فِي الْوَقْتِ مَاشَاءُوْامِنَ الْفَرَائِضِ وَالنَّوَافِلِ(١٥٦)فَاِذَاخَرَجَ الْوَقْتُ بَطَلَ وُضُوْءُهُمْ وَكَانَ عَلَيْهِمْ اِسْتِيْنَافُ الْوُضُوْءِ لِصَلٰوةٍ اُخْرٰى۔

ترجمہ:۔اور مستحاضہ اور وہ شخص جس کوسلسل البول ہو یانکسیر ہو یاایسازخم جس کاخون برابر بہتا رہتا ہوتو یہ لوگ ہرنماز کے وقت کے لئے وضوء کریں اوراس وضوء سے وقت کے اندر جس قدر فرائض ونفل نمازیں چاہیں پڑھیں اور جب وقت نکل جائے تو ان کاوضوء باطل ہوجائیگااوران پر دوسری نماز کے لئے ازسرِنووضوء کرنالازم ہے۔

تشریح:۔(١٥٥)مستحاضہ عورت اور جس کوسلس البول (جس کا پیشاب جاری ہو) کی بیماری ہواور جس کودائمی نکسیر ہواور جس کوایسا زخم ہوکہ اس کاخون نہیں رکتا ہوتو ان سب کیلئے حکم یہ ہے کہ ہرفرض نماز کے وقت کیلئے وضوء کریں پھراس وضوء سے وقت کے اندراندرجتنی چاہے نمازیں پڑھیں وہ نمازیں خواہ فرض ہوں یاواجب یانفل اور خواہ اداہوں یاقضاء(١٥٦)جب وقت نکل گیاتو ان معذوروں کاوضوء باطل ہوگیالہٰذااب اگرکوئی دوسری فرض نماز پڑھنا چاہے تو اس کیلئے نیاوضوء کرناضروری ہوگا"لِقَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اَلْمُسْتَحَاضَةُ تَتَوَضَّأُ لِوَقْتِ كُلِّ صَلٰوةٍ ''یعنی مستحاضہ ہر نماز کے وقت کیلئے وضوء کریگی۔

مذکورہ بالا احنافؒ کا مسلک ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک فرض ایک اور نفلیں جس قدر چاہیں پڑھ سکتے ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک فقط ایک فرض اور ایک نفل پڑھ سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ فقہاء کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ صاحب عذر کا وضوء وقت نکلنے سے باطل ہوتا ہے یا دوسرے وقت کے شروع ہوجانے سے طرفینؒ کا قول یہ ہے کہ فقط وقت نکلنے سے باطل ہوتا ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک وقت نکلنے اور دوسرا وقت شروع ہونے یعنی دونوں کے مجموعے سے باطل ہوتا ہے۔ امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک دوسرے وقت کے شروع ہوجانے سے باطل ہوتا ہے۔ اس اختلاف کا فائدہ اس مسئلہ میں ظاہر ہوگا مثلاً کسی صاحب عذر نے صبح کی نماز وضوء کرکے پڑھی تو ہمارے علماء کے نزدیک اس وضوء سے چاشت کی نماز نہیں پڑھ سکتا، اسی پر فتوی ہے کیونکہ صبح کا وقت نکل جانے سے اس کا وضوء باطل ہوچکا ہے۔ امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک چاشت کی نماز پڑھ سکتا ہے کیونکہ ان کے نزدیک دوسرا وقت شروع ہونے سے وضوء باطل ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی نے چاشت کی نماز کے لئے وضوء کیا تو طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک اس سے ظہر کی نماز پڑھ سکتا ہے اور امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک نہیں پڑھ سکتا ہے۔ یہی قول امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا بھی ہے۔

(۱۵۷) وَالنِّفَاسُ هُوَالدَّمُ الْخَارِجُ عَقِيبَ الْوِلَادَةِ (۱۵۸) وَالدَّمُ الَّذِیْ تَرَاهُ الْحَامِلُ وَمَاتَرَاهُ الْمَرأةُ فِی حَالِ وِلَادَتِهَاقَبْلَ خُرُوْجِ الْوَلَدِ اِسْتِحَاضَةٌ۔

ترجمہ:۔اور نفاس وہ خون ہے جو پیدائش کے بعد نکلے اور وہ خون جس کو حاملہ عورت دیکھے اور جو خون عورت حالت ولادت میں بچہ پیدا ہونے سے پہلے دیکھے وہ استحاضہ ہے۔

تشریح:۔(۱۵۷) نفاسؔ ''تَنَفَّسَ الرحم بالدم ''(رحم نے خون اُگل دیا) سے مشتق ہے، یا ''خروج النفس ''بمعنی ولد سے مشتق ہے اور اصطلاح میں وہ خون ہے جو ولادت کے بعد نکلے۔

(۱۵۸) حاملہ عورت نے اگر حالت حمل میں خون دیکھا یا حالت ولادت میں بچہ پیدا ہونے سے پہلے خون دیکھا تو یہ خون استحاضہ ہوگا اگرچہ حیض کی مقدار خون دیکھے کیونکہ حیض ونفاس کا خون رحم سے آتا ہے اور رحم کا خون حاملہ عورت سے ممکن نہیں کیونکہ حمل کی وجہ سے رحم کا منہ بند ہوجاتا ہے پس حالت حمل میں خون رحم کے علاوہ سے ہوگا اور رحم کے علاوہ سے جو خون آتا ہے وہ استحاضہ ہے اس لئے یہ خون استحاضہ ہوگا۔

(۱۵۹)وَاَقَلُّ النِّفَاسِ لاحَدَّ لَه(۱۶۰)وَاَكْثَرُهُ اَرْبَعُوْنَ يَوْماً(۱۶۱)وَمَازَادَعَلٰى ذَالِكَ فَهُوَاسْتِحَاضَةٌ(۱۶۲)وَاِذَا تَجَاوَزَالدَّمُ على الْاَرْبَعِيْنَ وَقَدْ كَانَتْ هٰذِه الْمَرْاَةُ وَلَدَتْ قَبْلَ ذَالِكَ وَلَهَاعَادَةٌ فِى النِّفَاسِ رُدَّتْ اِلٰى اَيَّامِ عَادَتِهَا(۱۶۳)وَاِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَاعَادَةٌ فَنِفَاسُهَااَرْبَعُوْنَ يَوْماً۔

ترجمہ:۔اورادنیٰ مدتِ نفاس کی کوئی حد نہیں اوراس کی اکثر مدت چالیس دن ہےاوراس سے جوزائد ہووہ استحاضہ ہےاور جب خون چالیس دن سے بڑھ جائے اور حال یہ ہے کہ یہ عورت اس سے پہلے بچہ جن چکی ہےاوراس کی نفاس میں ایک عادت ہےتو وہ اپنے ایام عادت کی طرف لوٹادی جائیگی اوراگراس کی عادت مقرر نہیں تو اس کا نفاس چالیس دن ہے۔

تشریح:۔(۱۵۹)ائمہ ثلاثہ اوراکثر اہل علم اس پر متفق ہیں کہ نفاس کی اقل مدت کی کوئی حد نہیں ہے چنانچہ اگرعورت نے بچہ جنااور ایک ساعت خون آکر بند ہوگیا تو یہ عورت پاک ہوگئی اب روزہ بھی رکھے گی اور نماز بھی پڑھے گی کیونکہ بچہ پیدا ہونا اس بات کی علامت ہے کہ یہ خون رحم سے آیا ہے اور بچے کے پیدائش کے بعد جو خون رحم سے آتا ہے وہ نفاس کہلاتا ہے لہذا اب کسی امتدادی علامت کی ضرورت نہیں برخلاف حیض کے کہ اس میں کم ازکم تین دن خون کا جاری ہونا شرط ہے تا کہ اس خون کا رحم سے ہونا معلوم ہوجائے کیونکہ اسکے حیض ہونے پراورکوئی علامت نہیں۔

(۱۶۰)نفاس کی اکثر مدت میں اختلاف ہے ہمارے نزدیک چالیس دن ہیں(۱۶۱)اس سے جو زائد ہو وہ استحاضہ ہے"لِحَدِيْثِ اُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تعالى عَنْهَااَنَّ النَّبِى صلى اللّٰه عَلَيه وَسَلَّمَ وَقَّتَ لِلنُّفَسَاءِ اَرْبَعِيْنَ يَوماً "(یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نفاس والیوں کے لئے چالیس دن وقت مقرر کیا)امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اکثر مدتِ نفاس ساٹھ دن ہے یہی ایک قول امام مالک رحمہ اللہ کا بھی ہے مگر مذکورہ بالا حدیث ان پر حجت ہے۔

(۱۶۲)اگرکسی عورت کوولادت کے بعد چالیس روز سے زائد خون آیا تو اب یہ دیکھنا ہے کہ اس عورت کی نفاس کے سلسلے میں کوئی عادت ہے یا نہیں اگر عادت ہے تو ایام عادت کی بمقدار نفاس شمار ہوگا باقی استحاضہ۔(۱۶۳)اوراگراسکی کوئی عادت معروف نہ ہوتو اس صورت میں چالیس روز نفاس کے ہونگے باقی ایام استحاضہ ہونگے کیونکہ اس کیلئے کوئی عادت معلوم ہے نہیں جس کی طرف اس کو رد کر لے لہذا اس کیلئے اکثر مدت مقرر کیا کیونکہ یہ متیقن ہے۔

(۱۶۴) وَمَنْ وَلَدَوَلَدَيْنِ فِى بَطْنٍ وَاحِدٍفَنِفَاسُهَامَاخَرَجَ مِنَ الدَّمِ عَقِيْبَ الْوَلَدِالْاَوَّلِ عِنْدَاَبِى حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَاَبِى يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ مُحَمَّدٌرَحمَهُ اللّٰهُ وَزُفَرُرَحمَهُ اللّٰهُ مِنَ الْوَلَدِالثَّانِى۔

ترجمہ:۔اور جس نے ایک پیٹ سے دو بچے جنے تو اس کا نفاس امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اورامام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک وہ خون ہے جو پہلے بچے کی پیدائش کے بعد نکلے اورامام محمد رحمہ اللہ اورامام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دوسرے بچے کی پیدائش کے بعد سے نفاس ہوگی۔

تشریح :۔(۱٦٤) اگر کسی عورت نے ایک پیٹ سے دو بچے جنے یعنی دونوں بچوں کی ولادت کے درمیان چھ مہینے سے کم مدت ہو تو شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک اس کے نفاس کی ابتداً پہلا بچہ پیدا ہونے سے ہو جائیگی۔امام محمد رحمہ اللہ اور امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک دوسرا بچہ پیدا ہونے سے نفاس کی ابتداً ہوگی۔امام محمد رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ پہلا بچہ پیدا ہونے کے بعد بھی یہ عورت حاملہ ہے اور حاملہ عورت کو حیض کی طرح نفاس بھی نہیں آتا۔شیخین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ حاملہ کو اس لئے خون نہیں آتا کہ اس کے رحم کا منہ بند ہوتا ہے لیکن جب بچہ کی ولادت سے رحم کا منہ کھل گیا اور خون پھینکنے لگا تو یہ یقیناً نفاس ہوگا کیونکہ ولادت کے بعد رحم سے نکلنے والے خون ہی کو نفاس کہتے ہیں۔شیخینؒ کا قول راجح ہے۔

بَابُ الْأَنْجَاسِ

یہ باب نجاستوں کے بیان میں ہے۔

''انجاس'' جمع ہے ''نجس'' کی اور ''نَجِس'' بفتح النون وکسر الجیم ضد ہے ''طاھر'' کی اور نجاست طہارت کی ضد ہے۔نجس خبث سے عام ہے جو حقیقی نجاست پر بولا جاتا ہے اور حدث سے بھی عام ہے جو حکمی نجاست پر بولا جاتا ہے غرض کہ نجس نجاست حقیقی اور حکمی دونوں پر بولا جاتا ہے۔

امام قدوری رحمہ اللہ نجاستِ حکمی اور اسکی تطہیر کے احکام سے فارغ ہو گئے تو نجاستِ حقیقی اور اسکی تقسیم اور اسکی مقدارِ عفو اور اسکی محل کی کیفیتِ تطہیر کے بیان کو شروع فرمایا۔اور نجاستِ حکمی چونکہ نجاستِ حقیقی سے اقویٰ ہے اسلئے نجاست حکمی کے احکام مقدم ذکر کئے۔اور نجاستِ حکمی اقویٰ اس لئے ہے کہ نجاست حکمی کی قلیل مقدار بھی جواز صلوۃ کیلئے مانع ہے جبکہ نجاست حقیقی کی قلیل مقدار جواز صلوۃ کیلئے مانع نہیں۔

(۱٦٥) وَتَطْهِيرُ النَّجَاسَةِ وَاجِبٌ مِن بَدَنِ الْمُصَلِّي وَثَوبِه وَالْمَكَانِ الَّذِيْ يُصَلِّي عَلَيْهِ۔

ترجمہ:۔اور نجاست کا پاک کرنا واجب ہے نمازی کے بدن سے اور اسکے کپڑے سے اور اس جگہ سے جہاں وہ نماز پڑھتا ہے۔

تشریح :۔(۱٦٥) نمازی کے بدن اور اسکے کپڑے اور اس مکان سے جس پر نماز پڑھتا ہے (یعنی موضع قدمیہ وسجودہ وجلوسہ) نجاست زائل کرنا واجب (فرض) ہے لِقَوْلِه تَعالیٰ ﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾ (اور اپنے کپڑے کو پاک کر) جب کپڑے کی پاکی واجب ہے تو بدن اور مکان کی پاکی بھی واجب ہوگی کیونکہ نماز کی حالت میں استعمال کرنا ان تینوں کو شامل ہے۔

ماتنؒ نے نجاستِ حقیقیہ سے طہارۃ کو واجب قرار دیا ہے جبکہ اس سے پہلے نجاستِ حکمیہ کے بیان میں فرمایا تھا ''ففرض الطھارۃ غسل الاعضاء'' کہ نجاستِ حکمیہ سے طہارۃ حاصل کرنا فرض ہے۔وجہ فرق یہ ہے کہ نجاستِ حکمیہ کی تطہیر بنصِ کتاب ثابت ہے اسی وجہ اس کا منکر کافر ہوگا جبکہ نجاستِ حقیقیہ میں اجتہاد کی گنجائش ہے چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ اسکی تطہیر کو مستحب قرار دیتے ہیں لہذا اس کا منکر کافر نہ ہوگا اس لئے اسکے تطہیر کو واجب کہا۔

(۱٦٦)وَيَجُوزُ تَطهِيرُ النَّجَاسَةِ بِالْمَاءِ(١٦٧)وَبِكُلِّ مَائِعٍ طَاهِرٍ يُمْكِنُ إِزَالَتُهَا بِهِ كَالْخَلِّ وَمَاءِ الْوَرْدِ۔

ترجمہ:۔اور جائز ہے نجاست کو پاک کرنا پانی سے اور ہر ایسی بہنے والی چیز سے جو پاک ہو جس سے نجاست کا زائل کرنا ممکن ہو جیسے سرکہ اور گلاب کا پانی۔

تشریح:۔(١٦٦)نجاست حقیقی کا زائل کرنا کن چیزوں سے جائز ہے اس میں اختلاف ہے (١٦٦) شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک پانی (١٦٧)اور ہر ایسی چیز کے ساتھ نجاست زائل کرنا جائز ہے جو بہتی ہو اور پاک ہو اور اسکے ساتھ نجاست زائل کرنا ممکن بھی ہو (یعنی نچوڑنے سے نچڑتا ہو) جیسے سرکہ، گلاب کا پانی اور ماء مستعمل وغیرہ۔ پس ماکول اللحم جانوروں (جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے) کے پیشاب، تیل اور گھی وغیرہ سے طہارت حاصل نہیں ہوگی اسلئے کہ پیشاب ناپاک ہے اور تیل وغیرہ اگرچہ پاک ہیں مگر نچوڑنے سے نچڑتے نہیں بلکہ کپڑے وغیرہ میں جذب ہو جاتے ہیں۔

امام محمد رحمہ اللہ، امام زفر رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک پانی کے سوا دوسری چیز سے پاکی حاصل کرنا جائز نہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ پاک کرنے والی چیز نجاست سے مل کر پہلی ملاقات میں ناپاک ہو جاتی ہے اور جو چیز خود ناپاک ہو وہ دوسرے کو پاک نہیں کر سکتی ہے قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ پانی بھی مفید طہارت نہ ہو لیکن ضرورت کی وجہ سے پانی میں یہ قیاس ترک کر دیا ہے اسلئے پانی مفید طہارت ہے اور پانی کے علاوہ کوئی اور چیز مفید طہارت نہیں۔

شیخین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ بہنے والی چیز نجاست کو اکھاڑ کر دور کر دیتی ہے اور پانی میں بھی پاک کرنے والی صفت اسی وجہ سے ہے کہ وہ نجاست کو دور کر دیتا ہے پس جب یہ معنی دوسری بہنے والی چیزوں میں موجود ہے تو پانی کی طرح وہ بھی پاک کرنے والی ہیں۔یہی قول راجح ہے۔

(١٦٨)وَإِذَا أَصَابَتِ الْخُفَّ نَجَاسَةٌ وَلَهَا جِرْمٌ فَجَفَّتْ فَدَلَكَهُ بِالْأَرْضِ جَازَ الصَّلٰوةُ فِيهِ۔

ترجمہ:۔اور جب پہنچ جائے موزے کو نجاست اور اس کے لئے جسم ہو پھر خشک ہو جائے پھر اس کو زمین سے رگڑ دیا تو اس میں نماز جائز ہے۔

تشریح:۔(١٦٨)یعنی اگر موزے، جوتے وغیرہ پر جسم دار نجاست لگ گئی جیسے گوبر، پاخانہ اور منی وغیرہ پھر خشک ہو گئی پھر اسکو زمین پر رگڑ کر صاف کر دیا تو موزہ وغیرہ پاک ہو جائیگا اور اسکے ساتھ نماز جائز ہوگی کیونکہ موزے، جوتے وغیرہ کا چمڑہ ٹھوس ہونے کی وجہ سے اس میں نجاست کے اجزا جذب نہیں ہو سکتے ہیں مگر بہت کم۔ پھر جسم دار نجاست جب خشک ہو جائے تو نجاست کی جسم اس کم مقدار کو بھی اپنی طرف جذب کر دیتا ہے پس جب نجاست کا جسم زائل ہوگا تو جو اجزا اس کے ساتھ قائم ہیں وہ بھی زائل ہو جائینگے اسلئے رگڑنے سے پاک ہو جائیگا یہ شیخین کا قول ہے و علیہ الفتوی۔

نجاست اگر تر ہو تو زمین پر رگڑنے سے پاک نہ ہوگی بلکہ دھونا ضروری ہے کیونکہ رگڑنے سے اور پھیل جاتی ہے جبکہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک منی کے سوی نجاست خشک ہو یا تر دھونے ہی سے پاک ہو جاتی ہے۔

(۱۶۹)وَالْمَنِیُّ نَجِسٌ یَجِبُ غَسلُ رَطْبِہٖ(۱۷۰)فَاِذَاجَفَّ عَلَی الثَّوبِ اَجْزَاہُ فِیْہِ الْفَرْکُ۔

ترجمہ:۔اور منی نجس ہے واجب ہے تر منی کا دھونا اور جب کپڑے پر خشک ہو جائے تو اس کو کھرچ دینا کافی ہے۔

تشریح:۔(۱۶۹)یعنی منی ناپاک ہے نجاستِ غلیظہ ہے پس اگر منی تر ہو تو اس کا دھونا واجب ہے(۱۷۰)اور اگر خشک ہوگئی تو اس کو رگڑ کر صاف کر دینا بھی کافی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے فرمایا تھا"فَاغْسِلِیہِ اِنْ کَانَ رَطبًا وَافْرکِیْہِ اِنْ کَانَ یَابِسًا"یعنی اگر منی تر ہو تو اسکو دھو ڈال اور اگر خشک ہو تو اسکو رگڑ کر صاف کر لو۔نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"اِنّمَا یُغسَل الثَّوب مِن خَمسٍ وَعلَمِنْھَاالمَنِیّ"(یعنی کپڑا پانچ چیزوں سے دھویا جاتا ہے ان پانچ میں سے منی کو ذکر فرمایا)۔

جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک منی نجس نہیں انکی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی حدیث ہے"قَالَتْ کُنتُ اَفرُکُ المَنِیَّ مِن ثوبِ رَسُولِ اللّٰہ صَلّی اللّٰہ علیہ وَسَلّمَ وھُوَیُصَلّی فِیہ وَلایَغْسِلُہ"(یعنی کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں سے منی کھرچ دیتی اور وہ اس میں نماز پڑھتے اس کو دھوتے نہیں) تو اگر نجس ہوتا تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اسکے ساتھ نماز نہ پڑھتے۔"وعن محمدؒ انہ قال ان کان المنی غلیظاًفجف یطھر بالفرک وان کان رقیقاًلایطھر بالفرک ھذاھوالیق بھذاالزمان"۔

(۱۷۱)وَالنَّجَاسَۃُ اِذَااَصَابَتِ الْمِراٰۃَ اَوِالسَّیفَ اِکْتُفِیَ بِمَسْحِھِمَا(۱۷۲)وَاِنْ اَصَابَتِ الْاَرْضَ نَجَاسَۃٌ فَجَفَّتْ بِالشَّمْسِ وَذَھَبَ اَثَرُھَاجَازَتِ الصَّلٰوۃُ عَلٰی مَکَانِھَا(۱۷۳)وَلَایَجُوْزُالتَّیَمُّمُ مِنْھَا۔

ترجمہ:۔اور نجاست جب آئینہ یا تلوار کو لگ جائے تو ان دونوں کا مَل دینا کافی ہے اور اگر نجاست زمین پر لگ جائے پھر زمین دھوپ سے خشک ہو جائے اور نجاست کا اثر زائل ہو جائے تو اس جگہ پر نماز پڑھنا جائز ہے اور اس مکان سے تیمم کرنا جائز نہیں۔

تشریح:۔(۱۷۱)نجاست اگر آئینہ کو لگ گئی یا صیقل شدہ تلوار یا کسی بھی صیقل شدہ چیز جس میں مسامات نہ ہوں (مثلاً ہڈی، ناخن وغیرہ) کو نجاست لگ گئی تو یہ چیزیں رگڑنے سے پاک ہو جاتی ہیں اسلئے پانی سے دھونے کی ضرورت نہیں کیونکہ ان کے اندر نجاست داخل نہیں ہوتی اور جو کچھ ظاہر پر لگتی ہے وہ رگڑ سے دور ہو جاتی ہے۔

(۱۷۲)اگر زمین پر نجاست لگ گئی پھر وہ سورج یا دھوپ وغیرہ سے خشک ہوگئی اور نجاست کا اثر یعنی رنگ اور بو ختم ہوا تو اس جگہ پر نماز پڑھنا جائز ہے(۱۷۳) لیکن اس سے تیمم کرنا جائز نہیں کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے"ایماارض جُفّتْ فقد ذکت"(یعنی جو بھی زمین خشک ہوگئی وہ پاک ہوگئی)۔اور تیمم اس لئے جائز نہیں کہ تیمم کیلئے مٹی کے پاک ہونے کی شرط کا ثبوت نص کتاب یعنی ﴿فَتَیَمَّمُوْاصَعِیْدًاطَیِّبًا﴾ سے ہے اور جو حکم نص کتاب سے ثابت ہو وہ قطعی ہوتا ہے لہذا تیمم کیلئے مٹی کی طہارت کا یقینی ہونا ضروری ہے جبکہ یہاں زمین کی طہارت خبر واحد یعنی"ایماارض الخ"سے ثابت ہوئی ہے اور جو حکم خبر واحد سے ثابت ہوتا ہے وہ غیر یقینی اور ظنی ہوتا ہے۔پس تیمم جس کیلئے مٹی کی طہارت قطعی الثبوت ہے اس مٹی سے جائز نہیں ہوگا جس کی طہارت ظنی الثبوت ہو۔

نیز یہ وجہ بھی ہے کہ نماز کیلئے زمین کا پاک ہونا شرط ہے جبکہ تیمم کے لئے زمیں کا طہور (پاک کرنے والی) ہونا شرط ہے اور یہ زمین طاہر ہے طہور نہیں۔فرش میں لگی ہوئی اینٹوں، گھاس اور درختوں کا بھی یہی حکم ہے جو زمین کا ہے یعنی خشک ہونے سے یہ چیزیں بھی پاک ہو جاتی ہیں۔

(۱۷٤)وَمَنْ اَصَابَتْهُ مِنَ النَّجَاسَةِ الْمُغَلَّظَةِ كَالدَّمِ وَالْبَوْلِ وَالْغَائِطِ وَالْخَمْرِ مِقْدَارُ الدِّرْهَمِ فَمَادُوْنَه جَازَتِ الصَّلٰوةُ مَعَه (۱۷۵)وَاِنْ زَادَلَمْ يَجُزْ۔

ترجمہ:۔اور جس کو نجاستِ مغلظہ لگ جائے جیسے خون، پیشاب، پاخانہ اور شراب ایک درہم کی مقدار یا اس سے کم، تو اس نجاست کے ساتھ نماز جائز ہے اور اگر نجاست ایک درہم سے زائد ہو تو نماز جائز نہیں۔

تشریح:۔(۱۷٤) اگر نجاست غلیظہ جیسے بہنے والا خون، غیر ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب، پاخانہ، شراب، مرغی کی بیٹ وغیرہ کسی کے بدن یا کپڑوں کو لگ گئی تو بقدر ایک درہم یا اس سے کم معاف ہے اگر اس قدر نجاست کے ساتھ نماز پڑھی تو نماز درست ہو جائیگی کیونکہ قلیل مقدار نجاست سے بچنا ممکن نہیں لہذا بناء بر ضرورت اس کو معاف کر دیا گیا (۱۷۵) اور اگر نجاست ایک درہم سے زائد ہو تو نماز جائز نہیں۔

نجاست قلیل وکثیر میں حد فاصل درہم کی مقدار ہے بقدر درہم قلیل ہے اور اس سے زائد کثیر ہے۔اور اسکو موضع استنجاء پر قیاس کیا گیا ہے یعنی استنجاء کی جگہ بالاجماع معاف ہے پس ہم نے اسی کی مقدار اندازہ کر کے ایک درہم عفو کی تقدیر بیان کی اور اگر ایک درہم سے زائد نجاست لگی تو اسکے ساتھ نماز پڑھنا جائز نہ ہوگی۔

پھر اگر نجاست نرم ہو تو درہم کی مقدار مساحت کے اعتبار سے مراد ہے یعنی ہاتھ کی ہتھیلی کی عرض کی مقدار معاف ہے اور اگر نجاست گاڑھی ہو تو درہم کی مقدار وزن کے اعتبار سے مراد ہے اور درہم سے وہ مراد ہے کہ جسکا وزن ایک مثقال کے وزن کے برابر ہو۔

(۱۷٦)وَاِنْ اَصَابَتْهُ نَجَاسَةٌ مُخَفَّفَةٌ كَبَوْلِ مَايُؤْكَلُ لَحْمُهُ جَازَتِ الصَّلٰوةُ مَعَه مَالَمْ تَبْلُغْ رُبْعَ الثَّوْبِ۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی کو نجاستِ خفیفہ لگ جائے جیسے ماکول اللحم جانور کا پیشاب تو اس کے ساتھ نماز جائز ہے جب تک کہ نہ پہنچے چوتھائی کپڑے کو۔

تشریح:۔(۱۷٦) اگر نجاست مخففہ جیسے ماکول اللحم جانور کا پیشاب کسی کے بدن یا کپڑوں کو لگ گیا تو ایک چوتھائی سے کم مقدار اگر لگ گئی ہو تو وہ معاف ہے اور اگر ایک چوتھائی یا اس سے زائد لگی ہو تو نماز جائز نہ ہوگی کیونکہ مانع مقدار کثیر فاحش ہے اور بہت سے احکام میں چوتھائی کو کل کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے مثلاً چوتھائی سر کا مسح کل سر کے مسح کے قائم مقام ہے لہذا ایک چوتھائی کو نجاست لگنے سے کثرت فاحشہ حاصل ہو جائیگی اسلئے اگر بقدر ایک چوتھائی نجاست لگی ہو تو نماز نہ ہوگی۔

پھر ایک روایت یہ ہے کہ پورے بدن اور پورے کپڑے کا چوتھائی مراد ہے۔دوسری روایت یہ ہے کہ وہ کم از کم کپڑا جس میں

نماز درست ہو اسکا ربع مراد ہے اور تیسری روایت یہ ہے کہ کپڑے یا بدن کے جس حصہ پر نجاست لگی ہو اسی کا چوتھائی مراد ہے۔ یہی قول راجح ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے شبر فی شبر سے اندازہ کیا ہے۔

(۱۷۷) وتطهير النجاسة التي يجب غسلها على وجهين فما كان له عين مرئية فطهارتها زوال عينها الا ان يبقى من اثرها ما يشق إزالتها (۱۷۸) وما ليس له عين مرئية فطهارتها ان يغسل حتى يغلب على ظن الغاسل انه قد طهر۔

ترجمہ:۔ اور جس نجاست کا دھونا ضروری ہے اس سے پاکی حاصل کرنا دو طرح پر ہے پس جو نجاست بعینہ دکھائی دیتی ہو تو اس کی پاکی عین نجاست کا زائل ہو جانا ہے مگر یہ کہ نجاست کا ایسا اثر رہ جائے جس کا دور کرنا مشکل ہو اور جو نجاست بعینہ دکھائی نہ دیتی ہو اس کی پاکی یہ ہے کہ اس قدر دھوئے کہ دھونے والے کے گمان پر یہ غالب ہو جائے کہ وہ پاک ہو گئی۔

تشریح:۔ یعنی نجاست دو قسم پر ہے۔/ **نمبر ۱**۔ مرئی (جو خشک ہو کر آنکھ سے نظر آئے جیسے پاخانہ وغیرہ)۔/ **نمبر ۲**۔ غیر مرئی (جو خشک ہو کر آنکھ سے نظر نہ آئے)۔

(۱۷۷) پس نجاست مرئی سے کپڑے کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسکا عین اور اسکی ذات دور کر دی جائے کیونکہ نجاست نے اپنی ذات کے اعتبار سے محل میں حلول کیا ہے لہذا اسکی ذات کے زائل ہونے سے نجاست دور ہو جائیگی۔ البتہ اگر نجاست کا ایسا اثر (رنگ و بو) رہ گیا جس کا زائل کرنا دشوار ہو جسکے زوال کیلئے صابون واشنان وغیرکی ضرورت ہو تو یہ مانع جواز نہیں ہوگا کیونکہ اسکو زائل کرنے میں حرج ہے اور حرج شریعت میں مدفوع ہے۔

(۱۷۸) نجاستِ غیر مرئی (نظر نہ آنے والی نجاست) سے کپڑے کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس قدر دھویا جائے کہ دھونے والے کو غالب گمان ہو کہ اب پاک ہو گیا کیونکہ ازالہ نجاست کیلئے دھونے میں تکرار ضروری ہے اور زوال نجاست کا قطعی علم ممکن نہیں اسلئے غالب گمان کا اعتبار کر لیا گیا اور غالب گمان کا اندازہ تین مرتبہ دھونے کے ساتھ لگایا گیا ہے کیونکہ اس تعداد سے غالب گمان حاصل ہو جاتا ہے پس آسانی کیلئے ظاہری سبب یعنی تین کے عدد کو غالب گمان کے قائم مقام کر دیا گیا اور اسکی تائید حدیث ''اذا استيقظ احدكم من منامه الخ '' سے بھی ہوتی ہے۔

پھر ظاہر روایت یہ ہے کہ ہر مرتبہ نچوڑنا بھی ضروری ہے کیونکہ نچوڑنے سے نجاست خارج ہو جاتی ہے۔

(۱۷۹) والاستنجاء سنة (۱۸۰) يجزئ فيه الحجر والمدر وما قام مقامه يمسحه حتى ينقيه (۱۸۱) وليس فيه عدد مسنون (۱۸۲) وغسله بالماء افضل (۱۸۳) وان تجاوزت النجاسة مخرجها لم يجز فيه الا الماء والمائع۔

ترجمہ:۔ اور استنجاء سنت ہے اور کافی ہے استنجاء میں پتھر، ڈھیلا اور ان کے قائم مقام چیزیں مقام نجاست کو مل لے یہاں تک کہ اس کو صاف کر دے اور اس میں کوئی مخصوص عدد مسنون نہیں اور اسے پانی سے دھونا افضل ہے اور اگر نجاست اپنے مخرج سے بڑھ گئی تو اس میں سوائے پانی اور بہنے والی چیز کے کچھ جائز نہیں۔

تشریح :۔ چونکہ سبیلین سے نجاست دور کرنے کو استنجاء کہتے ہیں اسلئے استنجاء کو باب الانجاس کے تحت ذکر کیا۔ (۱۷۹) استنجاء ہمارے نزدیک سنت مؤکدہ ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے استنجاء کرنے پر ہمیشگی فرمائی ہے اور مداومت مع ترک احیاناً سنیت کی دلیل ہے ۔(۱۸۰) پھر استنجاء پتھر یا جو بھی تطہیر میں پتھر کے قائم مقام ہو سے جائز ہے کیونکہ مقصود پاکی حاصل کرنا ہے لہٰذا مقصود ہی کا اعتبار ہوگا بشرطیکہ غیر محترم اور غیر قیمتی چیز ہو جیسے مٹی کے ڈھیلے وغیرہ۔

(۱۸۱) پھر پتھروں میں کوئی عدد مسنون نہیں بلکہ جس قدر سے پاکی حاصل ہو جائے اسی قدر استعمال کرے خواہ تین ہو یا کم وبیش۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک تین پتھروں کا ہونا ضروری ہے۔ ہماری دلیل پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "مَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوتِرْ فَمَنْ فَعَلَ فَحَسَنٌ وَمَنْ لَا فَلَا حَرَجَ" (یعنی جس نے پتھر سے استنجاء کر لیا تو طاق کرے جس نے ایسا کیا تو بہت اچھا کیا اور جس نے نہیں کیا اس پر کوئی گناہ نہیں) اور طاق کا اطلاق ایک پر بھی ہوتا ہے لہٰذا تین پتھر ضروری نہیں۔

(۱۸۲) استنجاء میں پتھروں کے استعمال کے بعد پانی کا استعمال ادب اور مستحب ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی پانی سے استنجاء کرتے اور کبھی چھوڑ دیتے اور یہی استحباب کی تعریف ہے۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ اس زمانے میں غذا کی تبدیلی کی بناء پر پانی سے استنجاء کرنا مسنون ہے کیونکہ پہلے زمانے کے لوگ مینگنیوں کی طرح پاخانہ کرتے تھے جبکہ اس زمانے میں پتلا پاخانہ کرتے ہیں۔

یاد رہے کہ پانی کے ساتھ استنجاء مستحب ہے بشرطیکہ کشف عورت کا اندیشہ نہ ہو اگر کشفِ عورت کا خطرہ ہو تو چھوڑ دے کیونکہ کشفِ عورت فسق ہے جس کا ارتکاب حصولِ مستحب کیلئے درست نہیں۔

(۱۸۳) اگر نجاست استنجاء کی جگہ سے اتنی مقدار میں اِدھر اُدھر متجاوز ہوگئی (تجاوز کی حد ایک روایت کے مطابق یہ ہے کہ موضع استنجاء کے سوی قدر درہم سے زائد ہو مگر اصح یہ ہے کہ موضع استنجاء بھی محسوب ہے) تو اب پتھر وغیرہ کافی نہیں بلکہ پانی سے دور کرنا ضروری ہے کیونکہ اب یہ نجاست حقیقیہ کو بدن سے زائل کرنے کے قبیل سے ہے اور نجاست حقیقیہ بدن سے صرف پانی ہی سے دور ہو سکتی ہے۔

(۱۸۴) وَلَا يَسْتَنْجِيْ بِعَظْمٍ وَلَا رَوْثٍ وَلَا بِطَعَامٍ وَلَا بِيَمِيْنِهِ۔

ترجمہ:۔ اور استنجاء نہ کرے ہڈی، لید، کھانے اور داہنے ہاتھ سے۔

تشریح:۔ (۱۸۴) ہڈی، گوبر اور کھانے کی چیز سے استنجاء کرنا شرعاً ممنوع ہے "لقوله صلى الله عليه وسلم لا تستنجوا بالروث ولا بالعظام فانه زاد اخوانكم من الجن" (یعنی تم گوبر اور ہڈی سے استنجاء نہ کرو کیونکہ وہ تمہارے بھائیوں یعنی جنات کا توشہ ہے)۔ اور اس وجہ سے بھی کہ یہ جنات کی غذا کی اتلاف اور اہانت ہے۔

اسی طرح دائیں ہاتھ سے بھی استنجاء نہ کرے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں ہاتھ کے ساتھ استنجاء کرنے سے منع فرمایا ہے البتہ اگر بائیں ہاتھ سے استنجاء کرنے سے معذور ہو تو پھر جائز ہے۔

صاحب جوہرہ نے تیرہ ایسی چیزیں ذکر کی ہیں جن سے استنجاء مکروہ ہے۔ /نمبر ۱۔ ہڈی۔ /نمبر ۲۔ گوبر ان دو کی وجہ کراہت اوپر

بیان ہوگئی۔/نمبر۳۔ خشک پاخانہ کیونکہ یہ خود نجس ہے اسلئے اس سے استنجاء درست نہیں۔/نمبر۴۔ کھانے کی چیز۔/نمبر۵و/نمبر۶و/نمبر۷۔ بالوں، روئی اور کپڑے سے استنجاء مکروہ ہے کیونکہ ان سے استنجاء کرنے میں اسراف اور اہانت ہے۔/نمبر۸۔ کوئلہ۔/نمبر۹۔ شیشہ و/نمبر۱۰۔ ٹھیکرا و/نمبر۱۱۔ نرکل ان چاروں کی وجہ یہ ہے کہ یہ جسم کو زخمی کر دیتے ہیں۔/نمبر۱۲۔ کاغذ کیونکہ کاغذ لکھنے کا آلہ ہے (البتہ جو چیز اسی کے لئے وضع کی گئی ہو اس سے استنجاء کرنا جائز ہے جیسے ٹیشو پیپر وغیرہ)۔/نمبر۱۳۔ دائیں ہاتھ سے استنجاء مکروہ ہے اس کی وجہ کراہت اوپر بیان ہوگئی۔

كتٰبُ الصّلٰوة

یہ کتاب احکام نماز میں ہے۔

مفتاح اور وسیلہ (یعنی طہارۃ) کے بیان سے فارغ ہو کر امام قدوری رحمہ اللہ نے مقصود یعنی صلوۃ میں شروع فرمایا۔ صلوۃ کا لغوی معنی دعاء ہے قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ ﴿وَصَلِّ عَلَيْهِمْ (اَیْ اُدْعُ لَهُمْ) اِنَّ صَلٰوتَکَ سَکَنٌ لَّهُمْ﴾ (یعنی آپ ان کیلئے دعاء کیجئے بلاشبہ آپ کی دعاء ان کیلئے موجب اطمینان ہے)۔ اور اصطلاح شریعت میں افعال مخصوصہ کا نام ہے جو تکبیر سے شروع ہوتے ہیں اور سلام پر ختم ہو جاتے ہیں۔

نماز ہر مکلف پر فرض عین ہے مگر بچوں کو سات سال ہی کی عمر سے امر کیا جائیگا اور دس سال کی عمر میں نماز نہ پڑھنے پر ہاتھ سے مارا جائیگا نہ کہ ڈنڈے سے۔ اور اس کا منکر کافر ہے اور عمداً چھوڑنے والے کو مارا جائیگا اور قید کیا جائیگا یہاں تک کہ نماز پڑھنا شروع کر دے۔

الحكمة: ۔ انّ من حِكم الصلوة وجود الاطمئنان فی القلب فلايجزع عند نزول المصائب ولايمنع الخير اذا وفق اليه لان الجزع ينافی الصبر الذی هو من افضل اسباب السعادة ولان منع الخير عن الناس مضرة كبری وعلم لثقة بالخالق الرازق المخلف ما ينفقه الانسان فی سبيل البر والاحسان وقد قال الله تعالی ﴿ان الانسان خلق هلوعا اذا مسه الشر جزوعا واذا مسه الخير منوعا الاالمصلين﴾۔ (حكمة التشريع)

(۱) اَوَّلُ وَقْتِ الْفَجْرِ اِذَاطَلَعَ الْفَجْرُ الثَّانِی وَهُوَالْبَيَاضُ الْمُعْتَرِضُ فِی الْاُفُقِ (۲) وَآخِرُ وَقْتِهَامَالَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ۔

ترجمہ: ۔ فجر کا اول وقت وہ ہے جب فجر ثانی طلوع ہو جائے اور فجر ثانی وہ سفیدی ہے جو افق میں چوڑائی میں پھیلتی ہے اور فجر کا آخری وقت جب تک کہ سورج طلوع نہ ہو۔

تشریح: ۔ چونکہ اوقات نماز وجوب نماز کے اسباب اور ادائیگی نماز کیلئے شرط ہیں اور سبب مسبب سے اور شرط مشروط سے مقدم ہوتی

ہے اسلئے اوقات نماز کا بیان مقدم کیا گیا۔ پھر امام قدوری رحمہ اللہ نے نماز فجر کے وقت کو اسلئے مقدم ذکر کیا ہے کہ یہ دن کا اول نماز ہے اور اس لئے بھی کہ یہ اول نماز ہے جو نیند سے اٹھنے والے پر فرض ہے۔ فجر صادق وہ سفیدی ہے جو چوڑائی میں اوفق پر پھیلتی ہے اور فجر کاذب وہ سفیدی ہے جو فجر صادق سے پہلے اسمان پر لمبائی میں ظاہر ہوتی ہے پھر اس کے بعد تاریکی آجاتی ہے۔

(۱) فجر کی نماز کا وقت فجر صادق سے شروع ہو کر (۲) طلوع افتاب پر ختم ہو جاتا ہے "لِقَولِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمَّنِی جِبْرَئِیلُ علیہ السلام عِنْدَ الْبَیْتِ مَرَّتَیْنِ............ وَصَلّٰی بِیَ الْفَجرَ حِینَ طَلَعَ الْفَجرُ............ وَصَلّٰی بِیَ الْفَجرَ حِینَ طَلَعَ الْفَجرُ وَاصفَرَّ وَکَادَتِ الشَّمسُ اَنْ تَطلعَ ثُمَّ قَالَ یَامُحَمَّدُ هٰذَا وَقتُکَ وَوَقتُ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ قَبلِکَ وَالْوَقتُ مَابَیْنَ هٰذَیْنِ الْوَقْتَیْنِ " (یعنی جبرئیل علیہ اسلام نے دو مرتبہ بیت اللہ میں میری امامت فرمائی اول دن جیسے ہی فجر طلوع ہوئی اور دوسرے دن جب فجر طلوع ہوئی اور روشنی ہوگئی اور قریب تھا کہ سورج طلوع ہو جائے، آخر حدیث میں فرمایا اے محمد یہ تیرا وقت ہے اور تجھ سے پہلے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا وقت ہے اور فجر کا وقت ان دو وقتوں کے درمیان ہے یعنی طلوع فجر سے لے کر طلوع افتاب تک ہے)۔

(۳) وَاَوَّلُ وَقتِ الظُّهرِ اِذَازَالَتِ الشَّمسُ (۴) وَآخِرُ وَقتِهَا عِندَ اَبِی حَنِیفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اِذَاصَارَ ظِلُّ کُلِّ شَیْءٍ مِثْلَیْهِ سِوَی فَیْءِ الزَّوَالِ وَقَالَ اَبُو یُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ اِذَاصَارَ ظِلُّ کُلِّ شَیْءٍ مِثْلَهُ۔

ترجمہ:۔ اور ظہر کا اول وہ ہے جب سورج ڈھل جائے اور ظہر کا آخری وقت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کا دو مثل ہو جائے سایہ اصلی کے علاوہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب ہر شی کا سایہ اس کا ایک مثل ہو جائے۔

تشریح:۔ (۳) یعنی ظہر کا اول وقت زوال شمس کے بعد شروع ہو جاتا ہے کیونکہ جبرئیل علیہ السلام نے ظہر کی نماز پہلے دن اسی وقت میں پڑھائی تھی "کَمَا قَالَ ﷺ وَصَلّٰی بِیَ الظُّهرَ فِی الْیَومِ الْاَوَّلِ حِینَ زَالَتِ الشَّمسُ " (یعنی اول دن جیسے ہی سورج زائل ہوا جبرئیل علیہ السلام نے ظہر کی نماز پڑھائی)۔

(۴) ظہر کے اخیر وقت کے بارے میں احناف کا اختلاف ہے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جب فی الزوال (سایہ اصلی) کے علاوہ ہر چیز کا سایہ دو چند ہو جائے تو ظہر کا وقت ختم ہو کر عصر کا وقت شروع ہو گیا۔ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک فی الزوال کے علاوہ جب ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو جائے تو ظہر کا وقت ختم ہو جائیگا۔ صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل حدیث جبرئیل علیہ السلام ہے "کَمَا قَالَ ﷺ وَصَلّٰی بِیَ الظُّهرَ فِی الْیَومِ الثَّانِی حِینَ زَالَتِ الشَّمسُ وَصَارَ ظِلُّ کُلِّ شَیْءٍ مِثْلَه " (یعنی دوسرے دن جب سورج زائل ہوا اور ہر شی کا سایہ ایک مثل ہو گیا تو جبرئیل نے مجھے ظہر کی نماز پڑھائی)۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث "اَبْرِدُوا بِالظُّهرِ فَاِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَیْحِ جَهَنَّمَ " (یعنی ظہر کو ٹھنڈے وقت میں پڑھو اسلئے کہ شدۃ حرارت جہنم کی شدت حرارت سے ہے) وجہ استدلال یہ ہے کہ رسول اللہ نے

ظہر کو ٹھنڈے وقت میں پڑھنے کا حکم دیا ہے اور عرب کے شہروں میں سایہ ایک مثل ہونے کے وقت شدید گرمی ہوتی ہے لہذا ثابت ہوا کہ آپ ﷺ نے ایک مثل کے بعد ہی ظہر پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے (کمافی ردّ المحتار: ۱/۲۶۴)

فی الزوال معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اوّلاً زمین کو ہموار کردے کہ اس میں نشیب و فراز نہ رہے پھر اس ہموار زمین پر ایک لکڑی گاڑی جائے اور جہاں تک سایہ پہنچے وہاں نشان لگائے پس جب تک نشان زدہ جگہ سے سایہ گھٹتا رہے تو وہ زوال سے پہلے کا وقت ہے اور جب اس لکڑی کا سایہ ٹھہر جائے نہ گھٹے اور نہ بڑھے تو یہ قیامِ شمس کا وقت ہے اس وقت جو سایہ موجود ہوگا وہ فی الزوال اور سایہ اصلی ہے اور اسکے بعد جب سایہ دوسری طرف بڑھنے لگے تو یہ زوالِ شمس کی علامت ہے اس وقت سے ظہر کی نماز کا وقت شروع ہوتا ہے۔

(۵) وَاَوَّلُ وَقْتِ الْعَصْرِ اِذَا خَرَجَ وَقْتُ الظُّهْرِ عَلَى الْقَوْلَيْنِ (٦) وَآخِرُ وَقْتِهَا مَالَمْ تَغْرُبِ الشَّمْسُ۔

ترجمہ:۔ اور عصر کا اول وہ ہے جب ظہر کا وقت دونوں قولوں کے مطابق نکل جائے اور اس کا آخری وقت غروب افتاب جب تک نہ ہو۔

تشریح:۔ (۵) عصر کا اول وقت ظہر کا وقت ختم ہونے کے بعد سے شروع ہو جاتا ہے خواہ ظہر کا وقت دو مثل پر ختم ہو جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے، خواہ ایک مثل پر ختم ہو جیسا کہ صاحبین رحمہما اللہ کا مذہب ہے۔ (٦) اور عصر کا آخری وقت غروب افتاب سے پہلے تک ہے "لقوله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ اَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ اَدْرَكَهَا" (یعنی جس نے ایک رکعت غروب افتاب سے پہلے پائی تو اس نے عصر پائی)۔

(۷) وَاَوَّلُ وَقْتِ الْمَغْرِبِ اِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ (۸) وَآخِرُ وَقْتِهَا مَالَمْ تَغِبِ الشَّفَقُ وَهُوَ الْبَيَاضُ الَّذِىْ يُرىٰ فِى الْاُفُقِ بَعْدَ الْحُمْرَةِ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ هُوَ الْحُمْرَةُ۔

ترجمہ:۔ اور مغرب کا اول وقت وہ ہے جب آفتاب غروب ہو جائے اور اس کا آخری وقت جب تک کہ شفق غائب نہ ہو اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک شفق وہ سفیدی ہے جو اُفق میں سرخی کے بعد دکھائی دیتی ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شفق سرخی ہی ہے۔

تشریح:۔ (۷) مغرب کا اول وقت غروب افتاب کے بعد سے شروع ہوتا ہے "كَمَا قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَصَلَّى بِىَ الْمَغْرِبَ حِيْنَ غَابَ الشَّمْسُ" (یعنی جبرئیل علیہ السلام نے مجھے مغرب کی نماز اس وقت پڑھائی جس وقت سورج غروب ہوا)۔ (۸) اور آخری وقت اس وقت تک ہے جب تک کہ شفق غائب نہ ہو جائے۔

شفق کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک شفق وہ سفیدی ہے جو سرخی کے بعد آسمان کے کنارے پر آتی ہے یہی قول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ، حضرت معاذ رضی اللہ تعالی عنہ، حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالی عنہ کا ہے۔ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک سفیدی سے پہلے والی سرخی کا نام شفق ہے۔ صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "اَلشَّفَقُ هُوَ الْحُمْرَةُ" (کہ شفق سرخی ہے)۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل وہ روایت ہے جس کو حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ نے روایت کیا ہے "اِنّ النّبیَ صَلّی اللہ عَلَیہ وَسَلّمَ قَالَ وَ آخِرُ وَقتِ المَغرِبِ اِذَااسوَدَّالاُفُقِ "(مغرب کا آخری وقت جب افق سیاہ ہو جائے) اور ظاہر ہے کہ افق پر سیاہی سفیدی کے بعد آتی ہے پس ثابت ہوا کہ سفیدی تک مغرب کا وقت رہتا ہے۔صاحبینؒ کا قول مفتی بہ ہے۔

مغرب کے اول وقت میں کسی کا اختلاف نہیں تمام ائمہ اس پر متفق ہیں کہ غروب افتاب کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔

(۹)وَاَوّلُ وَقتِ العِشَاءِ اِذَاغَابَ الشّفَقُ (۱۰)وَآخِرُوَقتِهَامَالَم یَطلعِ الفَجرُ۔

ترجمہ:۔اور عشاء کا اول وقت ہے جب شفق غائب ہو جائے اور اس کا آخری وقت وہ ہے جب تک کہ فجر ثانی طلوع نہ ہو۔

تشریح:۔(۹)عشاء کا اول شفق چھپنے کے بعد سے شروع ہو جاتا ہے "کَمَا قَالَ ﷺ وَصَلّی بِی العِشَاءَ حِینَ غَابَ الشّفَقُ "(یعنی جس وقت شفق غائب ہوا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھے عشاء کی نماز پڑھائی)۔(۱۰)عشاء کا اخری وقت جب تک کہ فجر طلوع نہ ہو کیونکہ عشاء کے آخری وقت کے بارے میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف روایات مروی ہیں ایک روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ثُلث رات تک عشاء کی نماز مؤخر کردی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے آدھی رات تک نماز عشاء مؤخر کردی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے رات کے دو حصے گذرنے تک نماز مؤخر کردی پس ان روایات کے مجموعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ساری رات عشاء کا وقت ہے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث کہ "اَمّنِیْ جبرئیل علیه السلام عندالبیت مرّتَینِ الخ" یہ ایک طویل حدیث ہے بندہ نے اسکے اجزاء کر کے مختلف اوقات کی دلیل کے طور پر پیش کردی ہے پوری حدیث یکجا پیش نہیں کی ہے کچھ اجزاء اسکے رہ گئے ہیں۔

(۱۱)وَاَوّلُ وَقتِ الوِترِبَعدَالعِشَاءِ وَآخِرُوَقتِهَامَالَم یَطلعِ الفَجرُ۔

ترجمہ:۔اور وتر کا اول وقت عشاء کے بعد ہے اور آخری وقت وہ ہے جب تک فجر ثانی طلوع نہ ہو۔

تشریح:۔(۱۱)وتر کے اول وقت میں اختلاف ہے چنانچہ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک عشاء کی نماز کے بعد سے وتر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور فجر صادق کے طلوع ہونے تک باقی رہتا ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہ نزدیک جو عشاء کا وقت ہے وہی وتر کا وقت ہے۔ صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "فَصَلّوْهَامَابَینَ العِشَاءِ اِلٰی طُلُوعِ الفَجرِ "(یعنی وتر عشاء اور طلوع فجر کے درمیان میں پڑھو) ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ وتر عملاً فرض ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ اگر دو واجب نمازوں کو جمع کرلے تو یہ وقت ان دونوں نمازوں کا وقت ہوتا ہے جیسے فوت شدہ اور وقتی نمازیں۔امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے۔مگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر ایہ اعتراض ہے کہ پھر وتر کی تقدیم عشاء پر کیوں جائز نہیں؟

جواب:۔وتر اور عشاء میں ترتیب واجب ہے چنانچہ اگر وتر کی نماز عشاء سے پہلے عمداً پڑھی تو بالاتفاق وتر کا اعادہ ضروری ہے اور اگر

بھول کر ایسا کیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وتر کا اعادہ نہ کرے کیونکہ نسیان ترتیب کو ساقط کر دیتا ہے۔

یہ اختلاف مبنی ہے وتر کی صفت کے اختلاف پر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وتر واجب ہے تو اس کا عشاء کے ساتھ جمع ہونا ایسا ہے جیسے دو فرض نمازوں کا ایک وقت میں جمع ہونا مثلاً جیسے فوت شدہ اور وقتی نماز کا ایک وقت میں جمع ہونا اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک وتر سنت ہے عشاء کے بعد مشروع ہے تو یہ عشاء کے بعد والی دو سنتوں کی طرح ہے۔ اصح یہ ہے کہ وتر واجب ہے۔

(۱۲) وَيُسْتَحَبُّ الْإِسْفَارُ بِالْفَجْرِ (۱۳) وَالْإِبْرَادُ بِالظُّهْرِ فِي الصَّيْفِ (۱۴) وَتَقْدِيمُهَا فِي الشِّتَاءِ۔

ترجمہ:۔ اور فجر کی نماز میں روشنی کرنا مستحب ہے اور گرمی کے موسم میں ظہر کو ٹھنڈک میں پڑھنا مستحب ہے اور سردی کے موسم میں ظہر کی نماز اول وقت میں پڑھنا مستحب ہے۔

تشریح:۔ امام قدوری رحمہ اللہ مطلق اوقات کے بیان سے فارغ ہو گئے تو اب وقتِ کامل (یعنی مستحب) اوقات کے بیان میں شروع فرمایا۔ (۱۲) احنافؒ کے نزدیک صبح کی نماز اسفار (روشنی) میں شروع کرنا، اور اسفار ہی میں ختم کرنا مستحب ہے "لقوله صلى الله عليه وَسَلَّم اَسْفِرُوْا بِالْفَجرِ فَانّه اَعظَمُ لِلْاَجرِ" (یعنی فجر کی نماز اسفار میں پڑھو اسلئے کہ وہ ثواب کے اعتبار سے اعظم ہے)۔

اسفار کی حد یہ ہے کہ سفیدی پھیل جانے کے بعد قرأت مسنونہ کے ساتھ نماز شروع کرے پھر اگر فراغت کے بعد اسکو فسادِ وضوء ظاہر ہوا تو اس کیلئے وضوء کر کے سورج نکلنے سے پہلے فجر کی نماز پڑھنا ممکن ہو۔ یہ حکم مردوں کے حق میں ہے عورتوں کے لئے افضل یہ ہے کہ اندھیرے میں پڑھ لے کیونکہ اس میں ان کے لئے ستر پوشی زیادہ ہے "وَفِي غَيْرِ الفَجْرِ يَنْتَظِرنَ فِرَاغَ الرِّجَالِ مِنَ الْجَمَاعَةِ"۔

(۱۳) ظہر کی نماز گرمی کے موسم میں ٹھنڈک میں ادا کرنا مستحب ہے (۱۴) اور سردی کے موسم میں جلدی ادا کرنا مستحب ہے "لِرِوَايَةِ اَنسٍ رَضِي اللّٰه تعالى عنه قَالَ كَانَ النَّبِي صَلَّى الله عليه وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ فِي الشِّتَاءِ بَكَّرَ بِالظُّهرِ وَاِذَا كَانَ فِي الصَّيْفِ اَبْرَدَ بِهَا" یعنی نبی ﷺ جب سردی کا موسم ہوتا تو ظہر کی نماز میں جلدی فرماتے اور جب گرمی ہوتی تو ظہر کو ٹھنڈک میں پڑھتے۔ یہ حکم منفرد اور جماعت سے پڑھنے والے دونوں کے لئے برابر ہے اور گرم و سرد دونوں قسم کے ملکوں کیلئے ہے۔

(۱۵) وَتَاخِيرُ الْعَصْرِ مَالَمْ تَتَغَيَّرِ الشَّمْسُ (۱۶) وَتَعْجِيلُ الْمَغْرِبِ۔

ترجمہ:۔ اور عصر کی نماز کو مؤخر کرنا مستحب ہے جب تک کہ سورج میں تغیر نہ آئے اور مغرب میں جلدی کرنا مستحب ہے۔

تشریح:۔ (۱۵) عصر کی نماز ہر موسم میں تاخیر سے پڑھنا مستحب ہے بشرطیکہ آفتاب متغیر نہ ہو جائے کیونکہ عصر کی نماز کو اگر تاخیر سے پڑھا جائے تو نمازِ عصر سے پہلے زیادہ نوافل پڑھنے کی گنجائش رہے گی اور نماز کو اول وقت میں ادا کرنے سے تکثیر نوافل افضل ہے۔

تغیرِ آفتاب سے مراد سورج کی ٹکیہ کا متغیر ہونا ہے اور یہ اس وقت ہوگا جب سورج غروب ہونے سے ایک نیزے کی مقدار سے کم فاصلہ پر ہو اور اگر ایک نیزے کی مقدار پر قائم ہو تو سورج متغیر نہ ہوگا۔

(۱۶) مغرب کی نماز میں جلدی کرنا مستحب ہے"لِقَولِه صَلَّی اللّٰهُ عَلَيه وَسَلَّمَ لَايَزَالُ اُمَّتِی بِخَيرٍ مَاعَجلُوْا الْمَغرِبَ وَاَخرُوْا العِشَاءَ "یعنی میری امت ہمیشہ خیر کے ساتھ رہیگی جب تک کہ مغرب کو جلدی ادا کریں اور عشاء کو تاخیر سے ادا کریں۔ مغرب کا یہ حکم ہر زمانے میں ہے البتہ اگر بادل ہو تو پھر مؤخر کرنا مستحب ہے تا کہ غالب گمان سے غروب آفتاب کا یقین ہو جائے۔

(۱۷)وَتَاخِيرُ الْعِشَاءِ اِلٰی ثُلُثِ اللَّيلِ(۱۸)وَيُستَحَبُّ فِی الْوِترِلِمَنْ يَّاْلَفُ صَلٰوةَ اللَّيلِ اَنْ يُؤَخِّرَ الْوِترَاِلٰی آخِرِ اللَّيلِ (۱۹)وَاِنْ لَم يَثِقْ بِالْاِنتِبَاه اَوْتَرَقَبلَ النَّومِ۔

توجمه:۔اور عشاء میں تاخیر کرنا تہائی رات تک مستحب ہے اور مستحب ہے وتر میں اس شخص کے لئے جس کو تہجد کی نماز پڑھنے کا انس اور عادت ہو یہ کہ مؤخر کرے وتر کو اخیر رات تک اور اگر بیدار ہونے پر اعتماد نہ ہو تو سونے سے پہلے نماز وتر پڑھ لے۔

تشویح :۔(۱۷)یعنی عشاء کی نماز کو تہائی رات تک مؤخر کرنا مستحب ہے"لِقَولِه صَلَّی اللّٰهُ عَلَيه وَسَلَّمَ لَولَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِی لَاَخَرْتُ الْعِشَاءَ اِلٰی ثُلُثِ اللَّيلِ "(یعنی اگر امت کے لئے شاق نہ ہوتا تو میں عشاء کی نماز ثلث لیل تک مؤخر کر دیتا)۔نصف لیل تک مؤخر کرنا مباح ہے اور نصف کے بعد مکروہ ہے۔ یہ سردی کے موسم کا حکم ہے گرمی کے موسم میں جلدی پڑھنا مستحب ہے لاجل قصر الليل۔

(۱۸) جس کو تہجد کی نماز کی عادت ہو اور اسکو جاگنے پر بھروسہ ہے تو اسکے حق میں مستحب یہ ہے کہ وتر کو تہجد کے بعد اخیر رات میں پڑھے۔(۱۹)اور اگر کسی کو جاگنے کا بھروسہ نہیں تو وہ سونے سے پہلے وتر پڑھ لے"لِقَولِه صَلَّی اللّٰهُ عَلَيه وَسَلَّمَ مَن خَافَ اَنْ لَايَقُوْمَ آخِرَاللَّيلِ فَلْيُوتِرْاَوَّلَ اللَّيلِ وَمَن طَمِعَ اَنْ يَقُوْمَ آخِرَاللَّيلِ فَلْيُوتِرْآخِرَاللَّيلِ "(یعنی جس کو خوف ہو کہ رات کے آخری حصہ میں نہیں جاگ سکتا تو وہ شروع رات میں نماز پڑھے اور جس کو امید ہو کہ رات کے آخری حصہ میں جاگ سکتا ہوں تو وہ رات کے آخری حصہ میں وتر پڑھے)۔

بَابُ الْاَذَانِ

یہ باب اذان کے بیان میں ہے

اذان لغت میں اعلام (خبردار کرنے) کو کہتے ہیں اور اصطلاح شریعت میں مخصوص اوقات میں مخصوص الفاظ کے ساتھ مخصوص خبر دینے کو کہتے ہیں۔

پھر اوقات کے بیان کو ذکر اذان پر اس لئے مقدم کیا ہے کہ اوقات اسباب ہیں اور سبب اعلام پر مقدم ہوتا ہے کیونکہ اعلام وجود معلم بہ سے خبر دینا ہے تو خبر دینے کیلئے پہلے مخبر بہ یعنی دخول وقت کا وجود ضروری ہے۔ نیز اوقات کا اثر خواص یعنی علماء کے حق میں ہے اور اذان عوام کے حق میں اعلام ہے اور خاص عام پر مقدم ہوتا ہے۔

☆ ☆ ☆

(۲۰)اَلآذانُ سُنَّۃٌ لِلصَّلواتِ الخمسِ وَالجُمُعَۃِ دُوْ نَ مَاسِواھَا۔

ترجمہ:۔اذان سنت ہے پانچوں نمازوں اور جمعہ کے لئے نہ کہ ان کے علاوہ کے لئے۔

تشریح:۔(۲۰)اذان پانچوں نمازوں اور نماز جمعہ کیلئے سنت مؤکدہ ہے کیونکہ تواتر سے یہ ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچوں نمازوں اور جمعہ کیلئے اذان دلوائی ہے اوران کے علاوہ وتر،عیدین،کسوف،خسوف،استسقاء جنازہ،سنن اورنوافل کیلئے اذان نہیں دلوائی ہے۔جمعہ پانچوں نمازوں میں داخل ہے مگر نماز عید کے ساتھ مشابہ ہے اسلئے اس کا نام لے کر ذکر کیا تاکہ کسی کو وہم نہ ہو کہ عیدین کی طرح اس کے لئے بھی اذان نہیں۔

(۲۱)وَصِفۃُ الآذانِ اَنْ یَقولَ اَللّٰہُ اَکبرُ اللّٰہ اَکْبَر اِلیٰ آخرہ۔

ترجمہ:۔اذان کا طریقہ یہ ہے کہ کہے اللہ اکبر اللہ اکبر الخ

تشریح:۔(۲۱)اذان کا طریقہ معلوم ومعروف ہے وہ یہ ہے کہ مؤذن کہے"اللہ اکبر اللہ اکبر الی آخرہ"۔

(۲۲)وَلاتَرْجِیْعَ فِیہ۔

ترجمہ:۔اوراذان میں ترجیع نہیں۔

تشریح:۔(۲۲)ہمارے نزدیک اذان میں ترجیع نہیں ترجیع یہ ہے کہ اول شہادتین یعنی"اَشھدُاَ نْ لاالٰہَ اِلّااللّٰہ"اور"اشھدُاَنَ مُحمَّداًرَسُول اللّٰہ"کو دو مرتبہ آہستہ کہے پھر دو مرتبہ بلند آواز سے کہے۔یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مسنون نہیں جبکہ امام مالکؒ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اذان میں ترجیع مسنون ہے ان کی دلیل حضرت ابومحذورہؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انہیں اس طرح اذان کی تعلیم دی تھی۔ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت بلالؓ آنحضرت ﷺ کے سامنے آپ ﷺ کے وصال تک سفر وحضر ہر حالت میں بلاترجیع اذان کہتے رہے۔باقی حضور ﷺ کا ابومحذورہؓ کو اس طرح اذان کی تعلیم دینا اس لئے تھا کہ توحید ورسالت ان کے ذہن نشین ہوجائے کیونکہ وہ اذان سے قبل کافر تھے جس کو وہ ترجیع سمجھ گئے۔

(۲۳)وَیَزِیْدُفِی الفَجرِبعدَالفَلاحِ اَلصَّلوۃُ خیرٌمِنَ النَّومِ مَرَّتَینِ۔

ترجمہ:۔اوراذان فجر میں"حی علی الفلاح"کے بعد دو مرتبہ"الصلوۃ خیر من النوم"بڑھائے۔

تشریح:۔(۲۴)اذان فجر میں"حی علی الفلاح"کے بعد دوبار"الصلوۃ خیرٌمَن النوم"کا اضافہ کرے کیونکہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز فجر کیلئے اذان دی پھر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے کے دروازے پر آکر کہا"اَلصَّلوۃُ یارَسُولَ اللّٰہ"حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا"اَلرسُوْلُ نَائمٌ"تو جواب میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا"اَلصَّلوۃُخیرٌ مِنَ النَّوم"پس جب آپ ﷺ بیدار ہوگئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ ﷺ کو خبر دی آپ ﷺ نے اسکو پسند فرمایا اور کہا اے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو اپنی اذان میں داخل کرلو۔

(۲۵)وَالْإِقَامَةُ مِثْلُ الْآذَانِ اِلَّا اَنَّهُ يَزِيدُ فِيهَابَعدَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَدْقَامَتِ الصَّلٰوةُ مَرَّتَينِ(۲۶)وَيَتَرَسَّلُ فِي الْآذَانِ (۲۷)وَيُحْدِرُفِي الْإِقَامَةِ۔

ترجمہ:۔اورا قامت اذان کی طرح ہے مگرا قامت میں ''حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ ''کے بعد''قَدْقَامَتِ الصَّلٰوةُ ''دومرتبہ بڑھائے اور اذان ٹہر ٹہر کر کہےاورا قامت میں ذرا جلدی کرے۔

تشریح:۔(۲۵)اقامت بھی اذان کی طرح ہے البتہ اتنافرق ہے کہ ہر وقت کی اقامت میں''حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ ''کے بعد دو بار''قَدْقَامَتِ الصَّلٰوةُ ''کااضافہ کریگا(۲۶)اذان میں ترسل (دوکلموں کے درمیان سکتہ کے ساتھ فصل کرنے کوترسل کہتے ہیں) کریگا (۲۷)اورا قامت میں حدر (حدر یہ ہے کہ دوکلموں میں فصل نہ کرے) کریگا کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ کوامر فرمایاتھا''اِذَااَذَنْتَ فَتَرَسَّلْ وَاِذَااَقَمْتَ فَاحْدُرْ''(یعنی جب تواذان دےتوترسل کراور جب اقامت کہےتو حدر کر)۔

(۲۸)وَيَسْتَقْبِلُ بِهِمَاالْقِبْلَةَ(۲۹)فَاِذَابَلَغَ اِلَى الصَّلٰوةِ وَالْفَلَاحِ حَوَّلَ وَجهَهُ يَمِيناًوَشِمَالًا۔

ترجمہ:۔اوراذان وا قامت دونوں میں استقبالِ قبلہ کرےاور جب''حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ''اور''حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ''تک پہنچ جائےتواپناچہرہ دائیں اور بائیں گھمائے۔

تشریح:۔(۲۸)یعنی اذان اورا قامت دیتے وقت قبلہ رخ ہوکر کھڑا ہوکیونکہ اذان میں مناجات ہے لہٰذا قبلہ کی طرف رخ کرے لیکن اگرکسی نے استقبالِ قبلہ نہیں کیا تب بھی جائز ہے مگر مکروہ ہے کیونکہ مقصوداعلام ہے جو کہ بغیر استقبالِ قبلہ کے بھی پایاجاتا ہے البتہ خلافِ سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔

(۲۹)جب''حی علی الصلٰوۃ ''اور''حی علی الفلاح ''تک پہنچ جائےتوصرف اپناچہرہ دائیں اور بائیں جانب گھمائے کیونکہ ان دونوں کے ساتھ قوم کوخطاب ہے لہٰذا یہ خطاب ان کے روبروہوگا کہ نماز اور فلاح کی طرف آؤ۔مگردائیں اور بائیں چہرہ پھیرتے وقت اپناسینہ اورقدم نہ پھیرے البتہ اگرمؤذن خانہ کشادہ ہوتو پھر دائیں بائیں جانے میں کوئی حرج نہیں۔

(۳۰)وَيُؤَذِّنُ لِلْفَائِتَةِوَيُقِيمُ (۳۱)فَاِنْ فَاتَتْهُ صَلَوَاتٌ اَذَّنَ لِلْاُوْلٰى وَاَقَامَ وَكَانَ مُخَيَّراًفِي الثَّانِيَةِ اِنْ شَاءَ اَذَّنَ وَاَقَامَ وَاِنْ شَاءَ اِقْتَصَرَعَلَى الْاِقَامَةِ۔

ترجمہ:۔اورفوت شدہ نماز کے لئے اذان اورا قامت کہےپس اگرکئی نمازیں فوت ہوجائیں توپہلی نماز کے لئے اذان اورا قامت کہےاور باقی نمازوں میں اختیار ہے اگر چاہےتواذان وا قامت دونوں کہےاور چاہےتوصرف اقامت پراکتفاء کرے۔

تشریح:۔(۳۰)یعنی فوت شدہ نماز کیلئے اذان بھی کہےاورا قامت بھی''لمارُوِيَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى الْفَجرَ بِاَذَانٍ وَاِقَامَةٍ غَدَاةَ لَيْلَةِالتَّعْرِيسِ ''(یعنی مروی ہےحضور صلی اللہ علیہ وسلم نےلیلۃ التعریس کی صبح فجر کی نماز کواذان وا قامت کے ساتھ قضاء کیا)۔

(۳۱) اگر کسی کے کئی نمازیں قضاء ہوگئیں اب ایک ہی مجلس میں ادا کرنا چاہتا ہے تو پہلی نماز کیلئے اذان واقامت دونوں کہے لما روینا اور باقی نمازوں کے بارے میں اس کو اختیار ہے چاہے تو ہر نماز کیلئے اذان واقامت دونوں کہے تاکہ قضاء اداء کے مطابق ہو اور چاہے تو اقامت پر اکتفاء کرلے کیونکہ اذان تو استحضار کیلئے ہوتی ہے اور یہاں تو سب حاضر ہیں لہذا اذان کی ضرورت نہیں جبکہ اقامت افتتاح صلوۃ کی خبر دیتی ہے جس کے حاضرین بھی محتاج ہیں۔

(۳۲) وَيَنْبَغِي اَنْ يُؤَذِّنَ وَيُقِيمَ عَلى طُهْرٍ (۳۳) فَاِنْ اَذَّنَ عَلى غَيْرِ وُضُوءٍ جَازَ (۳٤) وَيُكْرَهُ اَنْ يُقِيمَ عَلى غَيْرِ وُضُوءٍ (۳۵) اَوْيُؤَذِّنَ وَهُوَ جُنُبٌ۔

ترجمہ:۔ اور مناسب ہے کہ اذان اور اقامت باوضوء کہے پس اگر بلاوضوء کہے تو جائز ہے اور مکروہ ہے کہ بلاوضوء اقامت کہے اور اذان دینا مکروہ ہے اس حال میں کہ وہ جنب ہو۔

تشریح:۔ (۳۲) یعنی اذان اور اقامت باوضوء دینا مستحب ہے تاکہ جس کام کی طرف دعوت دے رہا ہے اس کیلئے خود تیار رہے (۳۳) لیکن اگر بغیر وضوء اذان دی تو بلا کراہت جائز ہے کیونکہ اذان اللہ کا ذکر ہے، اور ذکر کرنے کیلئے وضوء مستحب ہے نہ کہ واجب۔

(۳٤) اقامت بلاوضوء کہنا مکروہ ہے کیونکہ اس صورت میں مؤذن کی اقامت اور نماز کے درمیان فصل لازم آتا ہے۔ (۳۵) اسی طرح بحالت جنابت اذان دینا بھی مکروہ ہے کیونکہ اذان استقبال قبلہ اور ترتیب کلمات وغیرہ کی وجہ سے نماز کے ساتھ مشابہ ہے مگر حقیقتاً نماز نہیں لہذا ہم نے دونوں جہتوں کا اعتبار کیا مشابہت کا اعتبار کرکے حالت جنابت میں مکروہ قرار دیا اور حقیقت کا اعتبار کرکے بلاوضوء بلاکراہت جائز قرار دیا۔

(۳٦) وَلايُؤَذِّنُ لِلصَّلوةِ قَبلَ دُخُوْلِ وَقْتِهَاالاَفِي الْفجرِ عِندَابِي يُوسفَ رَحِمَه اللّٰه۔

ترجمہ:۔ اور کسی نماز کے لئے اس کے وقت کے دخول سے پہلے اذان نہ کہی جائے سوائے فجر کی نماز کے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک۔

تشریح:۔ (۳٦) یعنی نماز کا وقت داخل ہونے سے پہلے اذان معتبر نہیں چنانچہ اگر کسی نے وقت سے پہلے اذان کہدی تو دخول وقت کے بعد اس کا اعادہ کیا جائیگا کیونکہ اذان سے مقصود لوگوں کو نماز کے وقت کے داخل ہونے کی خبر دینا ہے اور وقت سے پہلے اذان دینا لوگوں کو جہالت میں ڈالنا ہے اسلئے وقت سے پہلے اذان دینا شرعاً معتبر نہیں ہوگی اگرچہ فجر کی نماز ہو۔ یہی قول راجح ہے۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک فجر کیلئے رات کے نصف اخیر میں اذان دینا جائز ہے کیونکہ یہ اہل حرمین سے متوارثاً منقول ہے یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی قول ہے۔ مگر ان پر حجت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ قول ہے جو حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ سے فرمایا تھا کہ "لاتُؤَذِّنْ حَتّٰى يَسْتَبِينَ لَكَ الْفَجرُ وَمَدَّيَدَيْهِ عَرْضاً" (یعنی اذان مت دے یہاں تک کہ تجھ پر فجر یوں کھل جائے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ عرضاً پھیلائے)۔

باب شُرُوطِ الصَّلٰوةِ الَّتِی تَتَقَدَّمُهَا

یہ باب شروطِ نماز کے بیان میں ہے جو نماز سے مقدم ہوتی ہے۔

شروط، شرط کی جمع ہے لغت میں بمعنی علامت کے ہے اسی سے "اَشْرَاطُ السَّاعَةِ" یعنی "علاماتُ الساعة" ہے۔ اور شرعاً شرط وہ ہے جس پر کسی شی کا وجود موقوف ہو اور خود یہ اس شی کی حقیقت سے خارج ہو اور اسکے وجود میں مؤثر نہ ہو۔

فائدہ:۔ جو چیز دوسرے کے ساتھ متعلق ہو تو اگر اول ثانی میں داخل ہو تو اسے رکن کہتے ہیں جیسے نماز میں رکوع، اور اگر داخل نہ ہو بلکہ خارج ہو تو اگر اس میں مؤثر ہو تو اسے علت کہتے ہیں جیسے عقدِ نکاح حلت کے لئے، اور اگر اس میں مؤثر نہ ہو تو اگر فی الجملہ اس کی طرف موصل ہو تو اسے سبب کہتے ہیں جیسے وقت وجوبِ صلوۃ کے لئے، اور اگر اس کی طرف موصل نہ ہو تو اگر ثانی اول پر موقوف ہو تو اسے شرط کہتے ہیں جیسے طہارۃ نماز کے لئے، اور اگر ثانی اول پر موقوف نہ ہو تو اسے علامت کہتے ہیں جیسے اذان نماز کے لئے۔

امام قدوری رحمہ اللہ ذکر سبب (اوقات) اور اسکی علامت (یعنی اذان) سے فارغ ہو گئے تو اب بقیہ شروط کو بیان فرمائینگے اور عبارت میں، التی تتقدمها، صفت مؤکدہ ہے ممیّزہ نہیں کیونکہ ایسے شروط نہیں جو نماز سے مقدم نہ ہوں تاکہ یہ ان سے احتراز ہو۔

(۳۷) يَجِبُ عَلَى الْمُصَلِّي اَنْ يُقَدِّمَ الطَّهَارَةَ مِنَ الْاَحْدَاثِ اَوِ الْاَنْجَاسِ عَلٰى مَاقَدَّمْنَاهُ۔

ترجمہ:۔ نمازی پر واجب ہے کہ پہلے ناپاکیوں اور نجاستوں سے پاکی حاصل کرلے اس طریقہ پر جو ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

تشریح:۔ (۳۷) نماز کی کل سات شرطیں ہیں ایک کا ذکر (یعنی وقت) اس سے پہلے ہو چکا ہے باقی چھ کو امام قدوری رحمہ اللہ نے یہاں ذکر کئے ہیں ان میں سے اول شرط یہ ہے کہ نمازی پر فرض ہے کہ وہ ہر قسم کی بے وضوئی اور نجاست سے طہارت حاصل کرے اور طہارت کے حصول کا وہی طریقہ ہوگا جو اس سے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں۔ یہ شرط درحقیقت تین شرائط کا مجموعہ ہے یعنی طہارت بدن، طہارت ثوب اور طہارت مکان۔

(۳۸) وَيَسْتُرُ عَوْرَتَهٗ **(۳۹)** وَالْعَوْرَةُ مِنَ الرَّجُلِ مَاتَحْتَ السُّرَّةِ اِلَى الرُّكْبَةِ وَالرُّكْبَةُ عَوْرَةٌ دُوْنَ السُّرَّةِ۔

ترجمہ:۔ اور چھپائے اپنے ستر کو اور مرد کا ستر ناف کے نیچے سے گھٹنے تک ہے اور گھٹنا ستر ہے نہ کہ ناف۔

تشریح:۔ (۳۸) نماز کی چوتھی شرط یہ ہے کہ نمازی اپنے ستر کو چھپائے لِقَولِهٖ تَعَالٰى ﴿خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ اَىْ مَايُوَارِىْ عَوْرَاتِكُمْ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ﴾ اس آیت مبارکہ میں زینت سے مراد ستر کو چھپانے والی چیز ہے یہ ازقبیل اطلاق اسم الحال علی المحل ہے۔ اور مسجد سے مراد نماز ہے یہ ازقبیل اطلاق اسم المحل علی الحال ہے۔ تو اب ترجمہ ہوگا، لو وہ چیز جو چھپائے تمہارے ستر کو ہر نماز کے نزدیک۔ پس آیت مبارکہ سے نماز کے اندر ستر عورت کا فرض ہونا ثابت ہو گیا۔

(۳۹) پھر مرد کا واجب الستر جسم ناف کے نیچے سے گھٹنے تک ہے یعنی ناف واجب الستر نہیں البتہ گھٹنا واجب الستر ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس کے برعکس ہے۔ ہماری دلیل ناف کے واجب الستر نہ ہونے پر یہ روایت ہے کہ "اَلْعَوْرَةُ مادُوْنَ سُرَّتِهٖ

حَتّٰی تَجَاوَزَ رُکبَتہ ''(یعنی مرد کا واجب الستر بدن ناف سے لیکر حتی کہ گھٹنوں سے تجاوز کر لے)۔اور گھٹنوں کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے''عَورَۃُ الرَّجلِ مابَینَ سُرَّتِہ اِلیٰ رُکبتِہ ''(یعنی مرد کا واجب الستر جسم ناف اور اس کے دونوں گھٹنوں کے مابین ہے)اس روایت میں''رکبتہ''غایہ ہے اور غایہ کبھی مغیا میں داخل ہوتی ہے اور کبھی نہیں مگر یہاں دخول میں احتیاط ہے لہٰذا امام نے احتیاطاً غایہ(گھٹنے)کا مغیاء(واجب الستر ہونے)میں دخول کا حکم کرلیا۔

(۴۰)وَبَدَنُ الحرَّۃِ کُلّھَاعَورَۃٌ اِلّا وَجھَھَاوَکَفّیھَا۔

ترجمہ:۔اور آزاد عورت کا پورا بدن ستر ہے سوائے اس کے چہرے اور دونوں ہتھیلیوں کے۔

تشریح:۔(۴۰)یعنی آزاد عورت کا پورا بدن واجب الستر ہے سوائے اسکے چہرے کے اور اسکی ہتھیلیوں کے''لِقَولِہ صَلی اللّٰہ عَلَیہ وَسَلّمَ اِنّ الْجَارِیَۃَ اِذَاحَاضَتْ لَمْ تَصلحُ اَنْ یُریٰ مِنھَااِلّاوَجھَھَاوَیَدَاھَا''(یعنی لڑکی جب بالغہ ہو جائے تو مناسب نہیں کہ اس سے کچھ دیکھا جائے سوائے اسکے چہرے اور ہاتھوں کے)۔چہرے اور ہاتھوں کو واجب الستر ہونے سے مستثنیٰ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ بہت سی ضروریات دینی و دنیوی اسکے کھلا رکھنے پر مجبور کرتی ہیں خصوصاً بوقت شہادۃ اور نکاح وغیرہ کے۔اور قدمین بھی قول اصح کے مطابق بناء بر ضرورت واجب الستر نہیں۔

واضح رہے کہ جو عضو واجب الستر نہ ہو تو یہ لازم نہیں کہ اس کا عمداً دیکھنا بھی جائز ہو کیونکہ دیکھنے کی علت کا مدار دو باتوں پر ہے۔/ **نمبر ۱**۔شہوۃ کا خوف نہ۔/ **نمبر ۲**۔وہ عضو واجب الستر نہ ہو،تو عورت کے چہرے کو بحالتِ خوفِ شہوۃ کے دیکھنا حرام ہے۔اسی طرح بے ریش بچے کا چہرہ دیکھنا جب کہ خوف شہوت ہو حرام ہے اگر چہ یہ واجب الستر نہیں یعنی نہ عورت کا چہرہ اور نہ بچے کا چہرہ۔

(۴۱)وَمَاکَانَ عَوْرَۃِ مِنَ الرَّجُلِ فَھُوَعَوْرَۃٌ مِن الْاَمۃِ وَبطْنُھَاوَظَھْرُھَاعَورَۃٌ(۴۲)وَماسِوَی ذَالِکَ مِن بَدَنِھَالَیسَ بِعوْرَۃٍ۔

ترجمہ:۔اور مرد کا جو حصہ ستر ہے وہ باندی کا بھی ستر ہے اور اس کا پیٹ اور پشت بھی ستر ہے اسکے علاوہ باقی بدن اس کا ستر نہیں۔

تشریح:۔(۴۱)یعنی مرد کے بدن کی جتنی مقدار واجب الستر ہے وہی مقدار جسم باندی کی بھی واجب الستر ہے اسکے علاوہ باندی کا پیٹ اور پیٹھ بھی واجب الستر ہے کیونکہ یہ دونوں محل شہوۃ ہیں لہٰذا ان کا چھپانا بھی فرض ہے۔(۴۲)باقی بدن باندی کا واجب الستر نہیں کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک باندی کو اوڑھنی اوڑھے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ اے گندی اپنے اوپر سے اوڑھنی دور کر دے کیا تو آزاد عورتوں کے ساتھ مشابہت رکھنا چاہتی ہے۔

باندی اور آزاد عورت میں چونکہ اس طرح کا فرق ہے کہ باندی مال ہے جس کی خرید اور فروخت درست ہے اسلئے ان کے ستر میں بھی فرق کیا گیا ہے حتی کہ اگر باندی نے ننگے سر نماز پڑھی تو اس کی یہ نماز جائز ہے۔

☆ ☆ ☆

(۴۳)وَمَنْ لَمْ يَجِدْمَايُزِيلُ بِهِ النَّجَاسَةَصَلّٰى مَعَهَاوَلَمْ يُعِدْ۔

ترجمہ:۔اور جس کو نجاست دور کرنے کے لئے کوئی چیز نہ ملے تو وہ اسی نجس کپڑے کے ساتھ نماز پڑھے اور پھر نماز کا اعادہ نہ کرے۔

تشریح:۔(۴۳)اگر کسی شخص کے پاس نجس کپڑے کے علاوہ کوئی دوسرا کپڑا نہ ہو اور ایسی چیز بھی نہیں جس سے نجاست کو زائل کردے تو اسی نجس کپڑے کے ساتھ نماز پڑھے اور پھر اس نماز کا اعادہ بھی نہ کرے لان التکلیف بحسب الوسع۔

پھر اگر اسی کپڑے کا ایک چوتھائی یا زیادہ پاک ہو تو اس کو پہننا لازم ہے ننگا نماز پڑھنا جائز نہ ہوگا اور اگر ایک چوتھائی سے کم پاک ہو تو پھر اسکو اختیار ہے چاہے تو ننگا نماز پڑھ لے اور چاہے تو اس کپڑے کو پہن کر نماز پڑھ لے مگر یہ دوسری صورت افضل ہے کیونکہ ستر چھپانا نماز اور خارج نماز ہر وقت فرض ہے جبکہ طہارت صرف نماز کے ساتھ خاص ہے۔

(۴۴)وَمَنْ لَمْ يَجِدْثَوبًاصَلّٰى عُرْيَانًاقَاعِدًايُوْمِئُ بِالرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ(۴۵)فَإِنْ صَلّٰى قَائِمًاأَجْزَأَهُ وَالْأَوَّلُ أَفْضَلُ۔

ترجمہ:۔اور جو شخص کپڑا نہ پائے تو ننگے بیٹھ کر نماز پڑھے اور رکوع اور سجدہ اشارہ سے کرے اور اگر ایسے شخص نے کھڑے ہو کر نماز پڑھ لی تو اس کو کافی ہے اور پہلی صورت افضل ہے۔

تشریح:۔(۴۴)یعنی اگر کسی شخص کے پاس کپڑا موجود نہ ہو نہ پاک اور نہ ناپاک تو یہ شخص بیٹھ کر ننگے نماز پڑھے اور رکوع وسجدہ اشارہ سے ادا کرے کیونکہ حضرت ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ”اَنَّہٗ قَالَ اِنَّ اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰہِ رَکِبُوْافِی سَفِیْنَۃٍ فَانْکَسَرَتْ بِھِمُ السَّفِیْنَۃُ فَخَرَجُوْامِنَ الْبَحْرِعُرَاۃً فَصَلَّوْا قُعُوْدًابِالْاِیْمَاءِ“(یعنی رسول اللہ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک کشتی میں سوار ہوئے پھر کشتی ٹوٹ گئی پس وہ حضرات دریاء سے برہنہ نکلے اور بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھی)۔

پھر بیٹھنے کی کیفیت میں دو قول ہیں ایک یہ کہ پاؤں قبلہ کی طرف پھیلا کر نماز پڑھے کیونکہ اس میں ستر پوشی زیادہ ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ تشہد میں بیٹھنے والوں کی طرح بیٹھے۔

(۴۵)اور اگر ننگے نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ بیٹھ کر نماز پڑھنے میں عورت غلیظہ کا ستر ہے اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے میں ارکانِ نماز یعنی رکوع، سجدہ اور قیام ادا ہو جائینگے پس دونوں صورتوں میں سے جو چاہے اختیار کرے مگر پہلی صورت افضل ہے کیونکہ ستر چھپانا نماز اور لوگوں دونوں کے حق کی وجہ سے واجب ہے اور طہارت صرف لحق الصلوۃ واجب ہے۔

(۴۶)وَيَنْوِي الصَّلٰوةَ الَّتِي يَدْخُلُ فِيْهَا بِنِيَّةٍ لَا يَفْصِلُ بَيْنَهَا وَبَيْنَ التَّحْرِيْمَةِ بِعَمَلٍ۔

ترجمہ:۔اور اس نماز کے لئے نیت کرے جس میں داخل ہوتا ہے ایسی نیت کہ نیت اور تکبیر تحریمہ کے درمیان کسی عمل سے کوئی فصل نہ ہو۔

تشریح:۔(۴۶)یعنی شرائط نماز میں سے پانچویں شرط یہ ہے کہ نماز کی نیت کرلے کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ“(یعنی اعمال نیتوں پر موقوف ہیں)۔اور نیت اس طرح کرے کہ نیت اور تحریمہ کے درمیان کوئی منافی صلوۃ عمل نہ پایا جائے۔

مستحب یہ ہے کہ نیت اور تحریمہ متصل ہوں پھر اگر نماز نفل یا سنت ہو تو مطلق نماز کی نیت کافی ہے مگر سنت کا تعین کرنا افضل اور

احوط ہے اور اگر نماز فرض یا واجب ہو تو اسکا تعیین ضروری ہے مثلاً ظہر کی نماز پڑھتا ہوں یا وتر پڑھتا ہوں۔ اگر وقتی نماز ہو تو دن کا تعین ضروری نہیں۔ اگر قضاء نماز ہو تو دن کو متعین کرنا بھی ضروری ہے۔ فرض نماز کے حکم میں واجب بھی ہے مثلاً وتر، نذر اور سجدہ تلاوۃ وغیرہ۔

نیت میں معتبر دل کا ارادہ ہے اور اسکی علامت یہ ہے کہ جب اس سے دریافت کیا جائے تو اس کیلئے فی البدیہ جواب دینا ممکن ہو کہ فلاں نماز پڑھ رہا ہوں البتہ اگر کوئی شخص پریشان حال ہو حضورِ قلبی سے عاجز ہو تو اس کے لئے زبانی نیت کرنا کافی ہے ورنہ حق جواز میں زبانی نیت معتبر نہیں۔ اور غیر پریشان حال شخص کیلئے قلبی نیت کے ساتھ ساتھ ذکر لسانی بھی مستحب ہے تاکہ اسکا عزم قلبی مجتمع ہو جائے۔

(۴۷) وَيَسْتَقبِلُ الْقِبلَةَ (۴۸) اِلّااَنْ يَكونَ خَائفاًفَيُصَلّي اِلىٰ اَىّ جِهَةٍ قَدَرَ۔

ترجمہ:۔ اور قبلہ کی طرف رخ کرے الا یہ کہ وہ حالتِ خوف میں ہو تو جس طرف قادر ہو نماز پڑھ لے۔

تشریح:۔ (۴۷) یعنی نماز کی چھٹی شرط قبلہ کی طرف متوجہ ہونا ہے لِقَولِه تعالىٰ ﴿فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَه﴾ (یعنی پھیر دو اپنے چہروں کو مسجد حرام کی طرف)۔ پھر جو شخص مکہ مکرمہ میں ہو (بشرطیکہ اس نمازی اور کعبۃ اللہ کے درمیان میں تعمیرات حائل نہ ہوں) تو اس شخص پر عین کعبہ کی طرف رخ کرنا فرض ہے کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد حرام میں نماز پڑھتے تو عین کعبۃ اللہ کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھتے یہی معمول صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم وتابعین کا رہا گویا اس پر اجماع ہو گیا۔

اگر نمازی کعبۃ اللہ سے غائب ہو تو اس پر جہت کعبہ کی طرف متوجہ ہونا فرض ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان مدینہ منورہ میں تھے اور اللہ تعالیٰ نے انکو مسجد حرام کی طرف توجہ کرنے کا حکم فرمایا تھا نہ کہ عین کعبہ کی طرف تو اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص کعبۃ اللہ سے غائب ہو اس پر عین کعبہ کی طرف متوجہ ہونا لازم نہیں۔

(۴۸) اگر کوئی شخص بوجہ خوف استقبال قبلہ پر قادر نہ ہو تو وہ جس جانب رخ کرنے پر قادر ہو اسی جانب رخ کر کے نماز پڑھے مثلاً کوئی شخص دشمن یا درندہ وغیرہ سے چھپ گیا اب اسکو خوف ہے کہ اگر میں نے حرکت کی اور استقبال قبلہ کیا تو دشمن محسوس کریگا تو یہ شخص بیٹھ کر یا لیٹ کر اشارہ سے جس طرف ممکن ہو رخ کر کے نماز پڑھ لے کیونکہ یہ شخص معذور ہے پس حالت اشتباہ (جس پر قبلہ مشتبہ ہو جائے) کی طرح ہو گیا۔

(۴۹) فَاِنْ اشْتَبَهَتْ عَلَيْهِ الْقِبْلَةُ وَلَيْسَ بِحَضْرَتِهِ مَنْ يَسْئلُهُ عَنْهَا اِجْتَهَدَ وَصَلّي (۵۰) فَاِنْ عَلِمَ اَنّه اَخطَأ بَعْدَمَا صَلّي فَلااِعَادَةَ عَلَيه (۵۱) وَاِنْ عَلِمَ ذَالِکَ وَهُوَ فِي الصَلوةِ اِسْتَدَارَ اِلَى الْقِبْلَةِ وَبَنٰى عَلَيْهَا۔

ترجمہ:۔ اور اگر نمازی پر قبلہ مشتبہ ہو جائے اور اس جگہ کوئی ایسا شخص موجود نہ ہو جس سے قبلہ کا رخ معلوم کر سکے تو غور وفکر کر کے نماز پڑھ لے پھر اگر اس کو نماز پڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ اس نے غور وفکر میں غلطی کی ہے تو اس کے ذمہ اس نماز کا اعادہ نہیں اور اگر ایسے شخص کو دوران نماز میں اپنی غلطی معلوم ہوئی تو قبلہ کی طرف گھوم جائے اور اسی پر بناء کرے۔

تشریح:۔ (۴۹) اگر کسی شخص پر جہت قبلہ مشتبہ ہو گئی اور کوئی دوسرا شخص بھی حاضر نہیں کہ اس سے جہت قبلہ دریافت کرلے تو اس شخص

کو اپنی رائے سے اجتہاد کرنی چاہئے جس طرف جہت قبلہ ہونے کا غالب گمان ہو اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے کیونکہ ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم پر کعبہ مشتبہ ہو گیا تو صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم نے اجتہاد کر کے نماز ادا کی پھر اس کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا تو آپ ﷺ نے ان پر نکیر نہیں فرمایا۔

(۵۰) پھر اگر اجتہاد کر کے نماز پڑھنے کے بعد پتہ چلا کہ اس نے جہت کعبہ میں غلطی کی ہے یعنی قبلہ کے علاوہ کسی اور طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے تو اس شخص پر نماز کا اعادہ واجب نہیں کیونکہ اس کی بس میں جہت اجتہاد کا استقبال کرنے کے سوا کچھ نہیں اور تکلیف بقدر وسعت ہوتی ہے۔ (۵۱) اور اگر دوران نماز اس کو پتہ چلا کہ جہت کعبہ میں خطاء ہوں تو یہ شخص نماز میں قبلہ کی طرف گھوم جائے کیونکہ اس پر اداشدہ نماز کو توڑے بغیر باقی ماندہ نماز کے حق میں اجتہاد پر عمل کرنا واجب ہے۔

اگر کسی نے اندھیری رات میں تحری کر کے مشرق کی طرف رخ کر کے کسی قوم کو نماز پڑھائی اور قوم نے تحری کر کے ہر ایک نے اپنی جانب تحری میں نماز پڑھی اور حال یہ ہے کہ سب امام کے پیچھے ہیں مگر یہ نہیں جانتے کہ امام نے کس جانب رخ کیا ہوا ہے تو ان کی نماز ہو جائیگی لِوُجُوْدِ التَوَجُهِ اِلٰی جِهَةِ التَحرِی۔ اور انکا امام کی مخالفت کرنا مانع نہیں کمافی جوف الکعبة۔

جس مقتدی کو پتہ چلا کہ امام نے کسی اور جانب رخ کیا ہوا ہے تو اس کی نماز نہیں ہوگی کیونکہ یہ اپنے امام کو خطاء پر سمجھتے ہیں اسی طرح اگر مقتدی امام سے مقدم ہو تو بھی اسکی نماز نہ ہوگی کیونکہ اس نے اپنا فرض مقام یعنی پیچھے کھڑا ہونا چھوڑ دیا ہے۔

بَابُ صِفَةِ الصَّلٰوة

یہ باب نماز کی صفت کے بیان میں ہے۔

اھل لغت کے نزدیک وصف اور صفت دونوں مترادف ہیں صفت کی تاء واو کے عوض میں آئی ہے جیسے "وعد اور "عِلمَة" میں اور صفت سے یہاں نماز کی وہ ھیئت مراد ہے جو اسکے ارکان اور عوارض سے حاصل ہو۔

ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ امام قدوری رحمہ اللہ جب نماز کے وسائل یعنی شرائط سے فارغ ہو گئے تو اب یہاں سے مقصود یعنی نماز کو ذکر فرمائینگے۔

(۵۲) فَرَائِضُ الصَّلٰوةِ سِتَّةٌ اَلتَّحْرِيْمَةُ۔

ترجمہ:۔ نماز کے اندر فرائض چھ ہیں تکبیر تحریمہ ہے۔

تشریح:۔ (۵۲) یعنی نماز کی فرائض چھ ہیں اول تکبیر تحریمہ ہے لِقَوْلِه تعالی ﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ﴾ (اور اپنے رب کی بزرگی بیان کر) وجہ استدلال یہ ہے کہ تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ اس سے مراد تکبیر تحریمہ ہے۔ نیز "کَبِّر" صیغہ امر ہے اور امر وجوب کیلئے ہے اور یہ بات بالاجماع ثابت ہے کہ خارج از نماز کوئی تکبیر واجب نہیں پس متعین ہو گیا کہ اس سے تکبیر نماز مراد ہے اور اس تکبیر کو تکبیر تحریمہ اسلئے کہتے ہیں کہ یہ تکبیر بہت سی ایسی چیزوں کو حرام کر دیتی ہے جو اس سے پہلے مباح تھیں۔

سوال:۔ رکن شئی میں داخل ہوتا ہے جبکہ تکبیر تحریمہ تو نماز سے پہلے ہے تو یہ رکن کیسا ہے؟

جواب:۔ تکبیر تحریمہ چونکہ نماز کے ساتھ متصل ہے تو یہ بمنزلۃ الباب من الدار ہے اور باب اگر چہ دار کا غیر ہے مگر اسکو دار کا حصہ سمجھا جاتا ہے یوں ہی تکبیر تحریمہ بھی ہے۔

متن میں لفظ''الصلوۃ''پر الف لام عہدی ہے''الصلوۃ''سے فرض نماز مراد ہے کیونکہ فرض نماز کے ارکان چھ ہیں نوافل کے ارکان چھ نہیں اسلئے کہ نوافل میں قیام رکن نہیں۔

(۵۳)وَالْقِيَامُ(۵٤)وَالْقِرَاءَةُ(۵۵)وَالرَّكُوعُ(۵٦)وَالسُّجُودُ(۵۷)وَالْقَعْدَةُ الْاٰخِيرَةُ مِقْدَارَ التَّشَهُّدِ۔

ترجمه:۔ اور قیام اور قرأۃ اور رکوع اور سجدہ اور تشہد کی مقدار قعدہ اخیرہ ہے۔

تشریح:۔(۵۳)یعنی نماز میں دوسرا فرض قیام ہے لقوله تعالى ﴿وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ﴾ (کھڑے ہو اللہ کیلئے بحالت خشوع) وجہ استدلال یہ ہے کہ اس آیت مبارکہ میں کھڑے ہونے کا امر ہے اور امر وجوب کیلئے آتا ہے اور خارج از نماز بالاتفاق قیام واجب نہیں تو لامحالہ نماز ہی میں واجب ہوگا۔

پھر قیام سے اس طرح کا قیام مراد ہے کہ ہاتھ پھیلا کر کے گھٹنوں تک نہ پہنچ سکے۔ نیز قیام اس وقت رکن ہے کہ نمازی قیام اور سجدہ دونوں پر قادر ہو اور اگر کوئی قیام پر تو قادر ہو سجدہ پر قادر نہ ہو تو اسکے لئے قیام رکن نہیں بلکہ اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھے۔

(۵٤) نماز میں تیسرا فرض قرأۃ ہے لقوله تعالى ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ (قرآن میں سے جس قدر آسان ہو پڑھ لیا کرو) وجہ استدلال اس کی بھی ماقبل کی طرح ہے۔

(۵۵) نماز میں چوتھا (۵٦) اور پانچواں فرض رکوع اور سجود ہے لقوله تعالى ﴿وَارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا﴾ (اور رکوع کرو اور سجدہ کرو) وجہ استدلال ظاہر ہے۔(۵۷) نماز میں چھٹا فرض بقدر تشہد قعدہ اخیرہ ہے یعنی اتنی مقدار بیٹھنا فرض ہے جس میں''التحیات للّٰه''سے''عبده ورسوله''تک پڑھنا ممکن ہو''لقوله صلى الله عليه وسلم لابن مسعود رضى الله تعالى عنه حِيْنَ عَلِمَهُ التَّشَهُّدَ اِذَاقُلْتَ هٰذَا اَوْفَعَلْتَ هٰذَا فَقَدْتَمَّتْ صَلٰوتُكَ''(جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کو تشہد کی تعلیم دی تو فرمایا کہ جب تو نے یہ کہا یا اسکو کر لیا تو تیری نماز پوری ہوگئی) وجہ استدلال یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے پورا ہونے کو''اذاقلت هذا (يعنى قراة التشهد مع القعود)''کیونکہ تشہد بغیر قعود کے مشروع نہیں) یا''فعلت هذا (يعنى قعود بدون قراة التشهد)''پر معلق کیا ہے بہر دو صورت اتمام نماز قعود پر معلق ہے خواہ تشہد پڑھے یا نہ پڑھے اور جو چیز دوسری چیز کے ساتھ معلق ہو وہ بغیر معلق بہ کے نہیں پائی جاتی ہے لہذا اتمام صلوۃ بغیر قعود کے نہیں پایا جاسکتا ہے اسلئے قعود فرض ہے۔

☆ ☆ ☆

(۵۸)وَمَازَادَ عَلٰى ذٰلِكَ فَهُوَ سُنَّةٌ۔

ترجمہ:۔اور جو افعال اس سے (مذکورہ بالا چھ فرائض) سے زائد ہیں وہ سنت ہیں۔

تشریح:۔(۵۸)یعنی مذکورہ بالا چھ چیزوں کے علاوہ باقی سنت ہیں مگر سوال یہ ہے کہ مذکورہ چھ چیزوں کے علاوہ سب کو سنت کہنا صحیح نہیں کیونکہ باقی ماندہ افعال میں بہت سارے واجبات ہیں جیسے سورۃ فاتحہ کا پڑھنا اور فاتحہ کے ساتھ کوئی سورۃ ملانا اور افعال مکررہ کے درمیان ترتیب کی رعایت کرنا اور قعدہ اولی وغیرہ؟

جواب:۔سنت سے مراد"مَاثَبَتَ بِالسُّنَّة"(جو سنت یعنی حدیث سے ثابت ہو) ہے پھر خواہ وہ واجب ہو یا سنت۔

(۵۹)وَاِذَا دَخَلَ الرَّجُلُ فِي صَلٰوتِه كَبَّرَ(۶۰)وَرَفَعَ يَدَيْهِ مَعَ التَّكْبِيرِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِاِبْهَامَيْهِ شَحْمَتَيْ اُذُنَيْهِ۔

ترجمہ:۔اور جب آدمی اپنی نماز میں داخل ہو تو تکبیر کہے اور تکبیر کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھائے یہاں تک کہ دونوں انگوٹھے دونوں کانوں کے لو کے مقابل ہو جائیں۔

تشریح:۔(۵۹)یعنی جب نمازی نماز میں شروع کرنے کا ارادہ کرے تو وجوباً تکبیر تحریمہ یعنی اللہ اکبر کہے لِمَاتَلَوْنَا۔(۶۰)اور بوقت تکبیر تحریمہ اپنے دونوں ہاتھوں کو اس قدر اٹھائے کہ دونوں انگوٹھے دونوں کانوں کی لو کے برابر ہو جائے کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھار ترک کے ساتھ اس پر ہمیشگی فرمائی ہے اور کبھی کبھار ترک کے ساتھ ہمیشگی مسنون ہونے کی علامت ہے۔

پھر ایک قول یہ ہے کہ ہاتھ اٹھانا اور تکبیر کہنا دونوں ساتھ ساتھ ہونا افضل ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ پہلے دونوں ہاتھ اٹھائے پھر تکبیر کہے عامۃ المشائخ اسی کے قائل ہیں یہی قول راجح ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بوقت تکبیر تحریمہ دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھائے۔ہماری دلیل وہ حدیث ہے جس کو حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ نے روایت کی ہے"اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ كَبَّرَ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِاِبْهَامَيْهِ اُذُنَيْهِ"(یعنی جب نماز شروع فرماتے تو تکبیر کہا کرتے پھر دونوں ہاتھوں کو بلند کرتے یہاں تک کہ انگوٹھے دونوں کانوں کے ساتھ برابر فرماتے)۔

(۶۱)فَاِنْ قَالَ بَدَلًا مِنَ التَّكْبِيرِ اَللّٰهُ اَجَلُّ اَوْ اَعْظَمُ اَوِ الرَّحْمٰنُ اَكْبَرُ اَجْزَاه عِنْدَ اَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْيُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَايَجُوزُ اِلَّا اَنْ يَقُولَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَاللّٰهُ الْاَكْبَرُ وَاللّٰهُ الْكَبِيرُ۔

ترجمہ:۔پس اگر"اللہ اکبر"کے بدلے"اللہ اجل"یا"اللہ اعظم"یا"الرحمن اکبر"کہا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک کافی ہے اور امام ابویوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں جائز مگر یہ کہ کہے"اللہ اکبر"یا"اللہ الاکبر"یا"اللہ الکبیر"۔

تشریح:۔(۶۱)یعنی نماز میں شروع کرنے والا شخص جب"اللہ اکبر"کہے تو بالاتفاق یہ شخص شارع فی الصلوۃ ہے یہی حکم"اللہ

الاکبر ''کاہے خلافاً لمالک رحمہ اللہ۔اوریہی حکم''اللہ الکبیر '' کاہے خلافاً لمالک رحمہ اللہ وشافعیؒ۔اوراگر ''اللہ اجل ''کہا،یا''اللہ اعظم ''کہا،یا''الرحمٰن اکبر ''کہا،یا''لاالہ الااللہ ''یا''الحمدللہ''یا''سبحان اللہ ''یا''لاالہ غیرہ ''کہا،تو طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک مع الکراہت یہ بھی جائز ہے۔اورامام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اگر نمازی تکبیر کہنے پر قادر نہ ہوتو جائز ہےاوراگرتکبیر کہنے پر قادر ہوتو صرف''اللہ اکبر،اللہ الاکبر،اللہ الکبیر ''میں سے کسی ایک کے ساتھ نماز شروع کرنا جائز ہےان کے علاوہ کسی لفظ کے ساتھ جائز نہیں۔طرفین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ آیت مبارکہ ﴿وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ﴾ (اوراپنے رب کی بزرگی بیان کر) میں تکبیر کاذکر ہےاورلغت میں تکبیر کامعنی تعظیم کے ہےاورتعظیم کامعنی ان تمام الفاظ سے حاصل ہوجاتا ہے جوہم نے ذکر کئے ہیں (طرفینؒ کاقول راجح ہے)۔

الالغاز:۔ایّ تکبیر لایکون بہ شارعافیھا؟

فقل:۔ تکبیرالتعجب دون التعظیم۔(الاشباہ والنظائر)

(٦٢)وَیَعْتَمِدُ بِیَدِہِ الْیُمْنٰی عَلَی الْیُسْرٰی وَیَضَعُھُمَا تَحْتَ السُّرَّۃِ۔

ترجمہ:۔اوراپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑےاوران دونوں کوناف کے نیچے رکھ دے۔

تشریح:۔(٦٢)یعنی بعدازتکبیرتحریمہ اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پرناف کے نیچے رکھے۔امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں ہاتھ چھوڑے رکھےاورامام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں ہاتھ سینہ پررکھناافضل ہے۔ہماری دلیل وہ حدیث ہے جوحضرت انسؓ نے روایت کی ہے''اِنَّ مِنَ السُّنَّۃِ وَضْعُ الْیَمِیْنِ عَلَی الشِّمَالِ تَحْتَ السُّرَّۃِ ''(یعنی دائیں ہاتھ کابائیں پرناف کے نیچے رکھناسنت میں سے ہے)ظاہر ہے کہ یہ روایت امام مالک رحمہ اللہ اورامام شافعی رحمہ اللہ دونوں کے خلاف حجت ہے۔

ہاتھ باندھنے کاطریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کے اوپر رکھی جائے اورکلائی پرخنصراورانگوٹھے کاحلقہ بنالیا جائے۔عورت کیلئے بالاتفاق ہاتھ سینہ پررکھنامسنون ہےاوریہی حکم خنثیٰ مشکل کابھی ہے۔

(٦٣)ثُمَّ یَقُوْلُ سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَااِلٰہَ غَیْرُکَ(٦٤)وَیَسْتَعِیْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ (٦٥)وَیَقْرَأُ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (٦٦)وَیُسِرُّھُمَا۔

ترجمہ:۔پھر''سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ الخ ''پڑھے،پھر''اعوذباللہ من الشیطان الرجیم ''کہے،اور''بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ''پڑھے،اوران دونوں کوآہستہ پڑھے۔

تشریح:۔(٦٣)یعنی نمازی ہاتھ باندھنے کے بعدثناءپڑھےاورثناء''سبحانک اللّٰھم الخ ''ہے''لروایۃ انس رضی اللہ تعالٰی عنہ ان النبیﷺ کانَ اِذَاافْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ کَبَّرَ وَقَرَأَسُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اِلٰی آخِرِہٖ وَلَمْ یَزِدْعَلٰی ھٰذَا''(یعنی جب نمازشروع فرماتےتوتکبیرکہاکرتےاور''سبحانک اللّٰھم الخ ''پڑھتے)۔

ثناء مقتدی اور امام دونوں پڑھے اور اگر کوئی مقتدی ایسے وقت میں امام کی اقتدا کرے کہ امام نے قرأۃ کی ابتدا کر لی ہو تو اب ثناء نہیں پڑھنی چاہئے بلکہ اسے چاہئے کہ خاموش ہو کر امام کی قرأۃ سنے لقوله تعالى ﴿وَاِذَاقُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْالَهٗ وَاَنْصِتُوْا﴾ (یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو)۔

(٦٤) پھر تعوذ یعنی ''اَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ'' پڑھے ''لما روى سعيد الخدرى رضى الله تعالى عنه قال ان رَسُوْلَ اللّٰه كانَ يَقُوْلُ قَبلَ القِرَاةِ اَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ'' (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرأۃ سے پہلے اَعُوْذُبِاللّٰهِ الخ پڑھتے)۔

(٦٥) پھر تسمیہ یعنی ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' پڑھے ''لما رواه علىّ ابن ابى طالب قالَ كانَ رَسُوْلُ اللّٰه يَقْرَابِسْمِ اللّٰه الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ فِى صَلٰوتِهٖ'' (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں بسم الله الخ پڑھتے)۔

پھر امام ابو یوسف رحمہ اللہ استعاذہ کو ثناء کے تابع قرار دیتے ہیں اور طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک قرأۃ کا تابع ہے راجح یہی ہے لہذا طرفین رحمہما اللہ کے قول کے مطابق مقتدی پر چونکہ قرأۃ نہیں اس لئے تعوذ نہ پڑھے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک مقتدی چونکہ ثناء پڑھتا ہے اسلئے تعوذ بھی پڑھے۔

(٦٦) نمازی تسمیہ وتعوذ دونوں آہستہ پڑھے کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ امام چار چیزیں آہستہ کہا کرتا ہے ان میں سے تعوذ، تسمیہ اور آمین ہیں پس جب امام کے لئے یہ حکم ہے تو مقتدی کے لئے بطریقہ اولی یہ حکم ہوگا۔

الالغاز: ۔اى صلوة يسن الجهر فيهابسم الله الرحمن الرحيم؟

فالجواب: ۔انها كل صلوة جهرية قرأفيهاالآية التى فيهاالبسملة۔ (الاشباه والنظائر)

(٦٧) ثُمَّ يَقْرَاُفَاتِحةَ الْكِتَابِ (٦٨) وَسُوْرَةً مَعَهَااَوْ ثَلٰثَ آيَاتٍ مِنْ اَىِّ سُوْرَةٍ شَاءَ۔

ترجمه: ۔پھر سورہ فاتحہ اور اسکے ساتھ کوئی سورۃ یا تین آیتیں جس سورۃ سے چاہے پڑھے۔

تشریح: ۔(٦٧) یعنی تعوذ وتسمیہ کے بعد نمازی سورۃ فاتحہ پڑھے (٦٨) اور اسکے ساتھ کوئی سورۃ یا تین آیتیں جس کسی سورۃ سے چاہے پڑھے۔ پھر ہمارے نزدیک مطلقاً قرأۃِ قرآن فرض ہے لقوله تعالى ﴿فَاقْرَؤُامَاتَيَسَّرَمِنَ الْقُرْآنِ﴾ (قرآن میں سے جس قدر آسان ہو پڑھ لیا کرو)۔

باقی سورۃ فاتحہ اور اسکے ساتھ ایک اور سورۃ ملانا تو یہ دونوں ہمارے نزدیک واجبات میں سے ہیں کیونکہ فاتحہ کا ثبوت خبر واحد سے ہے اور ضم سورۃ کا ثبوت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مواظبت بلا ترک سے ہے جس سے صرف وجوب ثابت ہوتا ہے فرضیت نہیں جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فاتحہ کی فرضیت کے قائل ہیں اور امام مالک رحمہ اللہ فاتحہ اور ضم سورۃ دونوں کی فرضیت کے قائل ہیں۔

☆ ☆ ☆

(٦٩)وَاِذَاقَالَ الْاِمامُ وَلاالضَّالِّينَ قَالَ آمين ويقولُهاالمؤتَمّ (٧٠)وَيُخفِيهَا۔

ترجمہ:۔اور جب امام "ولا الضالین" کہے تو خود امام "آمین" کہے اور مقتدی بھی "آمین" کہے اور اسے آہستہ کہے۔

تشریح:۔(٦٩)یعنی جب سورۃ فاتحہ کے اختتام پر امام "وَلاالضَّالِّينَ" کہے تو امام اور مقتدی دونوں آمین کہے "لِمَارَوى ابى هُرَيرَةَ رَضِىَ اللّٰه تعالى عنه قَالَ قالَ رَسولُ اللّٰه اِذَااَمَّنَ الْاِمامُ فَامِّنُوْافَاِنّه مَنْ وَافَقَ تَامِيْنُه تَامِينَ الْمَلائكةِ غفِرَلَه مَا تَقدَّمَ مِنْ ذَنْبِه "(یعنی فرمایا کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو جس کے آمین کا فرشتوں کے آمین کے ساتھ موافقت آجائے اس کے گذشتہ گناہیں بخشے جائینگے)۔

(٧٠)امام اور مقتدی دونوں آمین آہستہ کہیں گے "لقول ابن مسعود رضى اللّٰه تعالى عنه اَربعٌ يُخفِيهِنَّ الْاِمَامُ وَذَكَرَمِنْهَاالتعوُّذوَالتَّسمِيَةَ وَآمين "(حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ امام چار چیزیں آہستہ کہا کرتا ہے ان میں سے تعوذ، تسمیہ اور آمین ہیں) جب امام کے لئے آہستہ پڑھنے کا حکم ہے تو مقتدی کے لئے بطریق اولی یہی حکم ہوگا۔

(٧١)ثُمَّ يُكبِّرُ(٧٢)وَيَرْكَعُ(٧٣)وَيَعْتَمِدُبِيَدَيْهِ عَلَى رُكْبَتَيْهِ(٧٤)وَيُفَرِّجُ اَصَابِعَهُ۔

ترجمہ:۔پھر تکبیر کہے اور رکوع کرے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں پر ٹیکے اور اپنی انگلیوں کو کشادہ رکھے۔

تشریح:۔(٧١)یعنی بعد از قرأۃ فوراً تکبیر کہے (٧٢)اور رکوع کرے۔ جامع صغیر میں ہے کہ رکوع میں جاتے ہوئے تکبیر کہے یعنی رکوع کیلئے جھکتے وقت تکبیر شروع کرے اور رکوع میں پوری کرے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ہر جھکنے اور اٹھنے کے وقت تکبیر کہا کرتے۔

تکبیر میں مدّ پیدا نہ کرے کیونکہ تکبیر کی ابتداء میں مدّ پیدا کرنا از روئے دین خطاء ہے کیونکہ آکبر کہنے سے استفہام کا معنی پیدا ہوگا اور آخر میں مدّ پیدا کرنا یعنی اکبار کہنا از روئے لغت غلط ہے۔

(٧٣)رکوع میں دونوں ہاتھوں سے دونوں گھٹنے پکڑے۔(٧٤)اور ہاتھوں کی انگلیوں میں کشادگی رکھے "لحديث انس رضى اللّٰه تعالى عنه انه قال ﷺ يَابُنَىَّ اِذَارَكعتَ فَضَعْ كَفَيكَ على رُكْبَتَيكَ وَفَرِّجْ بَيْنَ اَصَابِعكَ وَارفَعْ يَدَيْكَ عَنْ جَنْبَيكَ "(یعنی جب تو رکوع کرے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھ اور اپنے انگلیوں میں کشادگی رکھ اور اپنے ہاتھوں کو اپنے پہلو سے دور رکھ)۔ انگلیوں کو کھلا رکھنا صرف اسی حالت میں مستحب ہے۔ انگلیوں کو ضم کرنا صرف سجدہ میں مستحب ہے اور ان دو حالتوں کے علاوہ میں انگلیاں اپنی عادت پر چھوڑ دی جائینگی۔

(٧٥)وَيَبْسُطُ ظَهْرَه وَلايَرْفَعُ رَاسَهُ وَلايُنَكِّسُهُ(٧٦)وَيَقُوْلُ فِى رُكُوعِه سُبْحَانَ رَبِّىَ الْعَظِيْمِ ثَلٰثًاوَذالِكَ اَدْنَاه۔

ترجمہ:۔اور اپنی پشت کو برابر رکھے اور اپنا سر نہ اٹھائے اور نہ جھکائے اور اور اپنے رکوع میں "سُبْحَانَ رَبِّىَ الْعَظِيْمِ" تین بار کہے اور یہ اس کا ادنیٰ درجہ ہے۔

تشریح:۔(٧٥)یعنی حالت رکوع میں پیٹھ کو ہموار کر کے سر کے برابر رکھے اور سر نہ پیٹھ سے اونچا رکھے اور نہ نیچے "لِمَارَوَتْ عَائشةُ

رضی اللہ تعالی عنھا انہ ﷺ کان یعتدل بحیث لو وضع علی ظھرہ قدح من ماء لاستقر وکذاروت عائشۃ رضی اللہ تعالی عنھا انہ اذا رکع لم یشخص راسہ ولم یصوبہ "(یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیٹھ کو برابر رکھتے حتی کہ اگر پانی کا پیالہ آپ کے پیٹھ پر رکھ دیتے تو وہ قرار پکڑتا نیز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حالت رکوع میں نہ سر جھکائے رکھتے اور نہ اوپر اٹھاتے)۔

(۷۶) حالت رکوع میں تین مرتبہ "سبحان ربی العظیم" پڑھے اور یہ تین مرتبہ پڑھنا کامل سنت کا ادنی درجہ ہے "لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم اذارکع احدکم فلیقل ثلاث مرات سبحان ربی العظیم وذالک ادناہ "(یعنی جب تم میں سے کوئی رکوع کرے تو اپنے رکوع میں تین مرتبہ "سبحان ربی العظیم" کہے اور یہ اس کا ادنی مرتبہ ہے)۔صاحب منیہ فرماتے ہیں کہ سات مرتبہ تسبیح پڑھنا کامل سنت ہے اور پانچ مرتبہ اوسط ہے اور تین مرتبہ ادنیٰ درجہ ہے۔

(۷۷) ثم یرفع راسہ ویقول سمع اللہ لمن حمدہ (۷۸) ویقول المؤتم ربنالک الحمد۔

ترجمہ:۔پھر اپنا سر اٹھائے اور "سمع اللہ لمن حمدہ" ہے اور مقتدی "ربنالک الحمد" کہے۔

تشریح:۔(۷۷) یعنی بعد از رکوع اپنا سر اٹھاتے ہوئے کہے "سمع اللہ لمن حمدہ" واگر نمازی منفرد یا امام ہو۔(۷۸) اور اگر مقتدی ہو تو وہ صرف "ربنالک الحمد" ہے اور امام "ربنالک الحمد" نہ کہے اور منفرد "ربنالک الحمد" بھی کہے ۔صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک امام "ربنالک الحمد" بھی آہستہ کہے۔

اور "ربنالک الحمد" کو تحمید کہتے ہیں تحمید میں سب سے افضل "اللھم ربنالک والحمد" ہے پھر حذف واؤ کے ساتھ "اللھم ربنالک الحمد" ہے پھر "اللھم" کو ذکر اور واؤ کو حذف کے ساتھ یعنی "اللھم ربنالک الحمد" ہے، سب سے آخری درجہ "ربنالک الحمد" کا ہے۔

رکوع سے قیام کی طرف اٹھنا امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک فرض ہے جبکہ طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک فرض نہیں۔

(۷۹) فاذا استوی قائما کبر وسجد (۸۰) واعتمد بیدیہ علی الارض ووضع جبھتہ بین کفیہ۔

ترجمہ:۔پھر جب سیدھا کھڑا ہو جائے تو تکبیر کہے اور سجدہ کرے اور اپنے دونوں ہاتھ زمین پر رکھے اور اپنا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان رکھے۔

تشریح:۔(۷۹) یعنی جب نمازی رکوع سے سیدھا کھڑا ہو گیا تو تکبیر کہتا ہوا سجدہ میں جائے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اٹھتے بیٹھتے تکبیر کہا کرتے اور سجدہ کی دلیل قول باری تعالی ہے ﴿وارکعوا واسجدوا﴾ (یعنی اور رکوع کرو اور سجدہ کرو)۔

(۸۰) سجدہ کی کیفیت یہ ہے کہ پہلے گھٹنے زمین پر رکھ دے پھر دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک دے اور چہرہ دونوں ہتھیلیوں کے درمیان اور دونوں ہاتھ کانوں کے برابر رکھے "لحدیث وائل ابن حجر رضی اللہ تعالی عنہ انہ ﷺ سجد ووضع وجھہ

بَینَ کَفَّیہِ" (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا تو اپنے چہرے کو اپنی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان رکھا)۔

(۸۱) وَیَسۡجُدُ عَلٰی اَنۡفِهٖ وَ جَبۡهَتِهٖ (۸۲) فَاِنِ اقۡتَصَرَ عَلٰی اَحَدِهِمَا جَازَ عِندَ اَبِی حَنِیۡفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ لَا یَجُوۡزُ الۡاِقۡتِصَارُ عَلَی الۡاَنۡفِ اِلَّا مِنۡ عُذۡرٍ۔

ترجمہ:۔اور سجدہ کرے اپنی ناک اور پیشانی پر اور اگر ان دونوں میں سے کسی ایک پر اکتفاء کیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ صرف ناک پر بلا کسی عذر اکتفاء کرنا جائز نہیں۔

تشریح:۔(۸۱) یعنی نمازی ناک اور پیشانی دونوں پر سجدہ کرے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اس طرح سجدہ کرنے پر مواظبت کی ہے (۸۲) اگر ناک اور پیشانی میں سے کسی ایک پر اکتفاء کیا تو اگر صرف پیشانی پر اکتفاء کیا تو احنافؒ کے نزدیک بالاتفاق یہ جائز ہے اور اگر صرف ناک پر اکتفاء کیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مع الکراہۃ جائز ہے۔

صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک بلا عذر ناک پر اکتفاء کرنا جائز نہیں۔صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل وہ حدیث ہے جو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نقل کی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔مگر ان سات میں ناک کا ذکر نہیں کیا ہے لہذا ثابت ہوا کہ ناک محل سجدہ نہیں اور جب محل سجدہ نہیں تو اس پر اکتفاء بھی درست نہیں ہوگا وعلیہ الفتوی۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں مطلقاً سجدہ کا حکم کیا گیا ہے اور سجدہ بعض چہرہ رکھنے سے متحقق ہو جاتا ہے کیونکہ تمام چہرہ زمین پر رکھنا ممکن نہیں پھر بعض میں سے رخسار اور ٹھوڑی بالاجماع خارج ہیں تو چہرہ میں سے ناک اور پیشانی رہ گیا تو معلوم ہوا کہ یہ دونوں سجدہ کا محل ہیں اسلئے ان دونوں میں سے کسی ایک پر اکتفاء کرنا جائز ہے۔

(۸۳) وَاِنۡ سَجَدَ عَلٰی کَوۡرِ عِمَامَتِهٖ اَوۡ عَلٰی فَاضِلِ ثَوۡبِهٖ جَازَ (۸۴) وَیُبۡدِیۡ ضَبۡعَیۡهِ وَیُجَافِیۡ بَطۡنَهٗ عَنۡ فَخِذَیۡهِ (۸۵) وَیُوَجِّهُ اَصَابِعَ رِجۡلَیۡهِ نَحۡوَ الۡقِبۡلَةِ (۸۶) وَیَقُوۡلُ فِیۡ سُجُوۡدِهٖ سُبۡحَانَ رَبِّیَ الۡاَعۡلٰی ثَلٰثًا وَذَالِکَ اَدۡنَاهُ (۸۷) ثُمَّ یَرۡفَعُ رَاۡسَهٗ وَیُکَبِّرُ (۸۸) وَاِذَا اطۡمَاَنَّ جَالِسًا (۸۹) کَبَّرَ وَسَجَدَ (۹۰) فَاِذَا اطۡمَاَنَّ سَاجِدًا کَبَّرَ (۹۱) وَاسۡتَوٰی قَائِمًا عَلٰی صُدُوۡرِ قَدَمَیۡهِ وَلَا یَقۡعُدُ وَلَا یَعۡتَمِدُ بِیَدَیۡهِ عَلَی الۡاَرۡضِ۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی نے پگڑی کے پیچ یا زائد کپڑے پر سجدہ کیا تو جائز ہے اور اپنی بغلوں کو کشادہ رکھے اور پیٹ کو رانوں سے جدا رکھے اور متوجہ کرے اپنے پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف اور اپنے سجدہ میں تین مرتبہ "سُبۡحَانَ رَبِّیَ الۡاَعۡلٰی" کہے اور یہ اس کا ادنیٰ درجہ ہے پھر اپنا سر اٹھائے اور تکبیر کہے پھر جب اطمینان سے بیٹھ جائے تو تکبیر کہے اور سجدہ کرے پھر جب اطمینان سے سجدہ کر چکے تو تکبیر کہتا ہوا اپنے پنجوں کے بل سیدھا کھڑا ہو جائے اور نہ بیٹھے اور نہ اپنے دونوں ہاتھوں سے زمین پر ٹیک لگائے۔

تشریح:۔(۸۳) یعنی اگر نمازی نے پگڑی کے پیچ پر یا فاضل کپڑے پر بلا ضرورت سجدہ کیا تو مع الکراہۃ جائز ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عمامہ کے پیچ پر سجدہ کیا کرتے تھے نیز مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی اسکے فاضل حصہ سے زمین

کی حرارت اور برودۃ کو بچاتے تھے۔ ہاں یہ اس وقت ہے کہ دفع اذی کے لئے ہو اور اگر دفع مشقت کے لئے نہ ہو تو بالا جماع مکروہ ہے۔

(۸٤) حالت سجدہ میں نمازی اپنے بازؤوں کو اپنے بغلوں سے دور رکھے اور اپنا پیٹ اپنی رانوں سے دور رکھے کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ فرماتے تو پیٹ رانوں سے جدار کھتے اور کہنیاں زمین سے اونچا رکھتے حتی کہ اگر بکری کا چھوٹا بچہ آپ ﷺ کے ہاتھوں کے درمیان سے گذرنا چاہتا تو گذر سکتا۔ مگر بازؤوں کو بغلوں سے دور رکھنے کا حکم اس وقت ہے کہ نمازی اکیلا ہو اور اگر صف میں ہو تو اس طرح کرنے میں دوسروں کیلئے حرج ہے اس لئے اس طرح نہ کرے۔

(۸۵) حالت سجدہ میں پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی جانب متوجہ کردے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مؤمن سجدہ کرتا ہے تو اس کا ہر عضو سجدہ کرتا ہے پس جہاں تک قدرت ہو اپنے اعضاء قبلہ کی جانب متوجہ کرے۔

(۸٦) نمازی حالت سجدہ میں تین مرتبہ'' سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی '' کہے اور یہ کامل سنت کا ادنی درجہ ہے'' لقوله صلّی اللّٰه علیه وسلم وَاِذَاسَجَدَ اَحَدُکُمْ فَلْیَقُلْ فِی سُجُوْدِهٖ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی ثلاثاوَذَا لِکَ اَدْنَاه'' (یعنی جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اپنے سجدہ میں تین مرتبہ'' سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی '' کہے اور یہ اس کا ادنی مرتبہ ہے)۔ (۸۷) پھر سجدہ اولی سے سر اٹھاتے ہوئے تکبیر کہے کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اٹھتے بیٹھتے تکبیر کہا کرتے (۸۸) اور اطمینان کے ساتھ سیدھا بیٹھ جائے کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی کو تعلیم دیتے ہوئے فرمایا'' ثُمَّ ارْفَعْ رَاْسَکَ حَتّٰی تَسْتَوِیَ جَالِساً'' (یعنی پھر سجدہ سے اپنا سر اٹھا یہاں تک کہ سیدھا بیٹھ جاؤ) (۸۹) پھر تکبیر کہتے ہوئے دوسرے سجدہ میں چلا جائے۔

طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک اگر دو سجدوں کے درمیان سیدھا نہیں بیٹھا تو بھی نماز جائز ہے۔ لیکن پہلے سجدہ سے کتنی مقدار میں سر اٹھانا ضروری ہے؟ تو اصح یہ ہے کہ اگر حالت سجدہ کے قریب ہو تو ثانی سجدہ معتبر نہ ہوگا لہذا یہ نماز صحیح نہ ہوگی اور اگر حالتِ قعود کو زیادہ قریب ہو تو درست ہے۔

(۹۰) جب سجدہ ثانی اطمینان سے کرلے تو کھڑا ہونے کیلئے تکبیر کہے لما رویناً (۹۱) اور سجدہ سے اپنے پنجوں کے بل سیدھا کھڑا ہو جائے بلا عذر نہ استراحت کیلئے بیٹھے اور نہ اپنے ہاتھوں سے زمین پر ٹیک لگائے'' لحدیث ابی هریرة رضی اللّٰه تعالی عنه انّ النبی ﷺ کانَ یَنهضُ فِی الصَّلٰوۃِ عَلٰی صُدُوْرِ قَدَمَیْه'' (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اپنے پنجوں کے بل اٹھا کرتے تھے)۔

(۹۲) وَیَفْعلُ فِی الرَّکْعَةِ الثَّانِیَةِ مِثْلَ مَافَعلَ فِی الْاُوْلٰی (۹۳) اِلَّااَنَّه لَایَسْتَفْتِحُ وَلَایَتَعَوَّذُ (۹٤) وَلَا یَرْفَعُ یَدَیْه اِلَّا فِی التَّکْبِیْرِ الْاُوْلٰی۔

ترجمہ:۔ اور دوسری رکعت میں وہی افعال کرے جو اس نے پہلی رکعت میں کیا البتہ سبحانک اللّٰھم الخ اور اعوذ باللّٰہ الخ نہ پڑھے اور اپنے ہاتھ نہ اٹھائے مگر تکبیر اولی میں۔

تشریح:۔ (۹۲) یعنی رکعت ثانیہ میں وہ سب کام کرے جو رکعت اولی میں کیا ہے یعنی قیام، قرأۃ اور رکوع وغیرہ کیونکہ رکعت ثانیہ میں

تکرار ارکان ہے اور تکرار اول کے اعادہ کا تقاضا کرتا ہے (۹۳) البتہ رکعت ثانیہ میں استفتاح یعنی "سُبحَانَکَ اللّٰھمّ" نہ پڑھے اور نہ تعوذ یعنی "اَعُوذُ باللّٰہ" پڑھے کیونکہ حضور ﷺ کی نماز کے راویوں نے ان دو چیزوں کی تکرار نقل نہیں کی ہے۔

(۹۴) تکبیر تحریمہ کے سوی دوسری تکبیرات میں رفع یدین نہ کرے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاتھ نہ اٹھائے جائیں مگر سات جگہوں میں۔/نمبر ۱۔ تکبیر تحریمہ۔/نمبر ۲۔ تکبیر قنوت میں۔/نمبر ۳۔ تکبیرات عیدین میں اور چار تکبیرات حج میں ذکر کیا لہذا نماز کی تکبیر تحریمہ کے سوی دیگر تکبیرات میں رفع یدین نہیں۔امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے بھی رفع یدین کرے۔

(۹۵) فَإذَارَفَعَ رَاسَهُ مِنَ السَّجدَةِ الثَّانِيَةِ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ افْتَرَشَ رِجلَه اليُسرىٰ فَجَلَسَ عَلَيهَاوَنَصَبَ اليُمنىٰ نَصبًاوَوَجَّهَ اَصَابِعَهُ نَحوَالقِبلَةِ وَوَضَعَ يَدَيهِ عَلىٰ فَخِذَيهِ وَيَبسُطُ اَصَابِعَهُ۔

ترجمہ:۔پس جب دوسری رکعت کے دوسرے سجدہ سے سر اٹھائے تو اپنا بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جائے اور اپنا داہنا پاؤں کھڑا رکھے اور انگلیوں کو قبلہ رخ متوجہ رکھے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں رانوں پر رکھے اور اپنی انگلیوں کو کشادہ رکھے۔

تشریح:۔(۹۵) یعنی جب نمازی دوسری رکعت میں دوسرے سجدے سے اپنا سر اٹھائے تو اپنا بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جائے اور دایاں پاؤں کھڑا کردے اور دونوں پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف متوجہ کردے۔اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں رانوں پر رکھے اور اپنی انگلیوں کو کشادہ رکھے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا قعود اسی کیفیت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

عورت اپنے دونوں پاؤں بائیں طرف نکالیں اور بائیں سرین پر بیٹھ جائے کیونکہ اس طرح بیٹھنے میں اس کے لئے ستر پوشی زیادہ ہے اور بیٹھ کر اپنے دونوں ہاتھ رانوں پر رکھے اور انگلیاں بچھادے کیونکہ اس میں انگلیوں کا قبلہ کی طرف متوجہ کرنا پایا جاتا ہے۔

فائدہ:۔صاحب جوہرہ نے ذکر کیا ہے کہ عورت کی نماز دس مواضع میں مرد کی نماز سے مختلف ہے،عورت بوقت تحریمہ اپنے ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھائیگی،اور دائیں ہاتھ کو بائیں پر سینہ کے نیچے رکھے گی،پیٹ کو رانوں سے دور نہیں رکھے گی،بازوؤں کو بغلوں سے دور نہیں رکھے گی،تشہد میں تورک کرکے بیٹھے گی،رکوع میں انگلیوں کو کھلی نہیں رکھے گی،مردوں کی امامت نہیں کریگی،ان کی جماعت مکروہ ہے پھر بھی اگر ہو تو ان کا امام صف کے درمیان میں کھڑی ہوگی،موضع جہر میں قرات بلند آواز سے نہیں پڑھے گی۔

(۹۶) ثُمَّ يَتَشَهَّدُوَالتَّشَهُّدُاَن يَقُولَ اَلتَّحِيَاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيكَ اَيُّهَاالنَّبِيُّ وَرَحمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُه السَّلَامُ عَلَينَاوَعَلىٰ عِبَادِاللّٰهِ الصَّالِحِينَ اَشهَدُاَن لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰه وَاَشهَدُاَنَّ مُحَمَّداً عَبدُه وَرَسُولُه (۹۷) وَلَايَزِيدُ عَلىٰ هٰذَافِي القَعدَةِ الاُولىٰ۔

ترجمہ:۔پھر تشہد پڑھے اور تشہد یہ ہے کہ کہے "اَلتَّحِيَاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰاتُ وَالطَّيِّبَاتُ الخ" یعنی تمام قولی عبادات اور تمام فعلی عبادات اور تمام مالی عبادات اللہ ہی کے لئے ہیں اور اے نبی ﷺ آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت اور اسکی برکتیں،اور سلام ہو ہم پر اور

اللہ کے نیک بندوں پر میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور اسکے رسول ہیں، اور اس سے زیادہ قعدہ اولی میں نہ پڑھے۔

تشریح:۔(۹۶) تشہد صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم سے مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ نے مذکورہ بالا الفاظ نقل کئے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں "اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰہِ بِیَدِیْ وَعَلَّمَنِی التَّشَهُّدَ كَمَا كَانَ يُعَلِّمُنِي سُوْرَةً مِنَ الْقُرْآنِ وَقَالَ قُلِ التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ الخ" (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے تشہد سکھلایا جیسا کہ مجھے کوئی سورۃ قرآن مجید سے سکھلاتے تھے اور فرمایا "قُلِ التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ الخ") پس احنافؒ نے ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کے تشہد کو پسند کیا ہے۔ اور ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ نے دوسرے لفظوں کے ساتھ نقل کیا ہے جس کو امام شافعی رحمہ اللہ نے لے لیا ہے۔

(۹۷) نمازی قعدہ اولی میں مذکورہ بالا تشہد پر اضافہ نہ کرے اور اگر کسی نے بھول کر بقدر "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ" یا اس سے زیادہ کا اضافہ کیا تو اس پر سجدہ سہو واجب ہے۔

پھر ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ تشہد پڑھتے ہوئے بوقتِ شہادۃ اشارہ بالسبابہ نہ کرے مگر امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بوقتِ شہادۃ خنصر و بنصر کو بند کردے اور وسطی و ابہام کا حلقہ بنائے اور سبابہ کے ساتھ اشارہ کرے یہی طرفین رحمہما اللہ سے بھی مروی ہے متاخرین نے اسی پر اعتماد کیا ہے کیونکہ یہ احادیثِ صحیحہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اور ائمہ ثلاثہ سے منقول ہے ولذا قال في الفتح ان الاول خلاف الدراية والرواية۔ پوری تفصیل "تسہیل الحقائق شرح کنز الدقائق" میں موجود ہے۔

(۹۸) وَيَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُخْرَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ خَاصَّةً (۹۹) فَإِذَا جَلَسَ فِي آخِرِ الصَّلٰوةِ جَلَسَ كَمَا جَلَسَ فِي الْأُوْلٰى (۱۰۰) وَتَشَهَّدَ وَصَلّٰى عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ:۔ اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھے پھر جب بیٹھ جائے نماز کے اخیر میں تو اس طرح بیٹھے جس طرح کہ بیٹھا تھا قعدۂ اولی میں اور تشہد پڑھے اور نبی ﷺ پر درود پڑھے۔

تشریح:۔(۹۸) یعنی نمازی ظہر، عصر اور عشاء کی آخری دو رکعتوں میں اور مغرب کی آخری ایک رکعت میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھے" لحديث ابي قتادة رضي الله تعالى عنه انه ﷺ كَانَ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ فِي الْأُوْلَيَيْنِ بِأُمِّ الْكِتَابِ وَسُوْرَتَيْنِ وَفِي الْأُخْرَيَيْنِ بِأُمِّ الْكِتَابِ" (یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی اول دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور دوسری دو سورتیں پڑھا کرتے تھے اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھتے)۔

(۹۹) نمازی قعدہ اخیرہ میں اسی ہیئت پر بیٹھے جس ہیئت پر قعدہ اولی میں بیٹھا تھا۔ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک قعدہ اخیرہ میں عورتوں کی طرح سرین کے بل بیٹھنا مسنون ہے۔ ہماری دلیل حضرت عائشہؓ کی وہ روایت ہے جسے ہم ماقبل میں نقل کرچکے ہیں۔

(۱۰۰) قعدہ اخیرہ میں تشہد پڑھے۔ اور تشہد پڑھنا ہمارے نزدیک واجب ہے۔ بعد از تشہد درود شریف پڑھے درود شریف

پڑھنا مسنون ہے دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث ہے "اِذَا قُلْتَ هٰذَا اَوْ فَعَلْتَ هٰذَا فَقَدْ تَمَّتْ صَلٰوتُكَ" (جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کو تشہد کی تعلیم دی تو فرمایا کہ جب تو نے یہ کہا یا اسکو کرلیا تو تیری نماز پوری ہوگئی) وجہ استدلال یہ ہے کہ حدیث میں نماز کا پورا ہونا قرأۃ تشہد اور قعدہ اخیرہ میں سے کسی ایک پر معلق کیا گیا ہے اور اس پر اتفاق ہے کہ نماز کا پورا ہونا قعدہ اخیرہ پر معلق ہے اور جب قعدہ اخیرہ پر معلق ہوگیا تو قرأۃ تشہد پر معلق نہیں ہوگا ورنہ تو حدیث شریف میں جو لفظِ اَوْ کے ذریعہ اختیار دیا تھا وہ اختیار نہیں رہیگا لہذا تشہد فرض نہیں۔ اسی طرح درود شریف بھی فرض نہیں ورنہ تو اتمام صلوۃ کی تعلیق تین چیزوں کے ساتھ لازم آئیگی جبکہ حدیث شریف میں اتمام صلوۃ صرف دو چیزوں کے ساتھ معلق ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک قرأۃ تشہد اور درود شریف پڑھنا فرض ہیں حتی کہ اگر کسی نے چھوڑ دیا تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔

(۱۰۱) وَدَعَا بِمَا شَاءَ مِمَّا يُشْبِهُ اَلْفَاظَ الْقُرْآنِ وَالْاَدْعِيَةَ الْمَاثُوْرَةَ (۱۰۲) وَلَا يَدْعُوْ بِمَا يُشْبِهُ كَلَامَ النَّاسِ (۱۰۳) ثُمَّ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِيْنِهِ وَيَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَيُسَلِّمُ عَنْ يَسَارِهِ مِثْلَ ذَالِكَ۔

ترجمہ:۔ اور دعاء مانگے جو چاہے ان الفاظ سے جو الفاظ قرآن اور منقول دعاؤں کے مشابہ ہوں اور ایسی دعاء نہ مانگے جو لوگوں کے کلام کے مشابہ ہو پھر سلام پھیر دے اپنے دائیں طرف اور کہے "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ" اور اسی طرح اپنے بائیں طرف سلام پھیر دے۔

تشریح:۔ (۱۰۱) یعنی درود شریف کے بعد نمازی جو دعاء کرنا چاہے کرلے مگر دعاء کے الفاظ قرآن پاک کے الفاظ کے مشابہ ہوں جیسے "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَلِوَالِدَيَّ" یا ان دعاؤں کے مشابہ ہوں جو دعائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں جیسے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ ان الفاظ کے ساتھ دعاء فرماتے تھے "اَللّٰهُمَّ اَسْئَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ كُلِّهٖ مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَالَمْ اَعْلَمْ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الشَّرِّ كُلِّهٖ مَاعَلِمْتُ مِنْهُ وَمَالَمْ اَعْلَمْ"۔

(۱۰۲) ایسے الفاظ کے ساتھ دعاء نہ کرے جو کلام الناس کے ساتھ مشابہ ہوں مثلاً ایسی چیز کا مانگنا جس کا بندہ سے مانگنا محال نہ ہو جیسے اللّٰهم زوجنی فلانة کیونکہ یہ کلام الناس کے مشابہ ہے اور جس چیز کا بندوں سے مانگنا محال ہو جیسے اللّٰهم اغفرلی تو یہ کلام الناس کے مشابہ نہیں لہذا یہ جائز ہے۔

(۱۰۳) پھر بعد از دعاء دائیں طرف سلام پھیرتے ہوئے "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ" کہے پھر اسی طرح بائیں طرف سلام پھیر دے "لما روی ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ اَنَّ النبی ﷺ کَانَ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِيْنِهٖ حَتّٰى يُرٰى بَيَاضُ خَدِّهِ الْاَيْمَنِ وَعَنْ يَسَارِهٖ حَتّٰى يُرٰى بَيَاضُ خَدِّهِ الْاَيْسَرِ" (یعنی آپ ﷺ دائیں جانب سلام پھیرتے حتی کہ آپ ﷺ کی رخسار مبارک کی سفیدی دیکھی جاتی تھی اور بائیں جانب سلام پھیرتے حتی کہ آپ ﷺ کے بائیں جانب کا رخسار مبارک کی سفیدی دیکھی جاتی)۔ اور "وَبَرَكَاتُهٗ" نہ کہے کیونکہ یہ سلف سے منقول نہیں یہی وجہ ہے کہ اسکو علماء نے مکروہ لکھا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے

نزدیک صرف سامنے کی طرف سلام پھیر دے مذکورہ بالا حدیث امام مالک رحمہ اللہ پر حجت ہے۔

(۱۰۴)وَيَجْهَرُ بِالْقِرَاةِ فِي الْفَجْرِ وَفِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُوْلَيَيْنِ مِنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ إِنْ كَانَ إِمَاماً (۱۰۵)وَيُخْفِي الْقِرَاةَ فِي مَابَعْدَ الْأُوْلَيَيْنِ۔

ترجمہ:۔اور بلند آواز سے قرأت پڑھے فجر میں اور مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں اگر نمازی امام ہے اور آہستہ پڑھے پہلی دو رکعتوں کے بعد والی رکعتوں میں۔

تشریح:۔(۱۰۴)یعنی نمازی اگر امام ہو تو فجر کی دونوں رکعتوں اور مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں بلند آواز سے قرأۃ پڑھے (۱۰۵)اور باقی رکعتوں یعنی مغرب کی تیسری رکعت اور عشاء کی آخری دو رکعتوں میں آہستہ قرأۃ پڑھے۔

پھر جہری نماز میں جہر کرنا اور سری نماز میں اخفاء کرنا واجب ہے۔دلیل اُمت کا اجماع ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لے کر آج تک جہری نمازوں میں جہر پر اور سری نمازوں میں اخفاء پر پوری امت کا اجماع ہے۔

(۱۰۶)وَإِنْ كَانَ مُنْفَرِداً فَهُوَ مُخَيَّرٌ إِنْ شَاءَ جَهَرَ وَأَسْمَعَ نَفْسَهُ وَإِنْ شَاءَ خَافَتَ (۱۰۷)وَيُخْفِي الْإِمَامُ الْقِرَاةَ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ۔

ترجمہ:۔اور اگر منفرد ہے تو اس کو اختیار ہے چاہے تو قرأت بلند آواز سے پڑھے اور خود کو سنائے اور اگر چاہے تو آہستہ پڑھے اور امام ظہر اور عصر میں قرأت آہستہ کرے۔

تشریح:۔(۱۰۶)یعنی اگر نمازی تنہاء نماز پڑھنے والا ہو تو اسکو اختیار ہے چاہے تو جہر کرے اور جہر اتنا ہو کہ خود کو سنائے کیونکہ وہ اپنی ذات کے حق میں امام ہے اور چاہے تو اخفاء کرے کیونکہ اسکے ساتھ کوئی دوسرا نہیں جس کو یہ قرأۃ سنائے لیکن جہر افضل ہے تاکہ منفرد کی نماز کی ہیئت جماعت کی ہیئت پر ہو۔

پھر مقدار جہر میں اختلاف ہے علامہ ھندوانیؒ کے نزدیک جہر یہ ہے کہ دوسرے کو سنائی دے اور اخفاء یہ ہے کہ خود سنے۔اور امام کرخیؒ کے نزدیک جہر یہ ہے کہ خود سنے اور اخفاء یہ ہے کہ حروف صحیح ہوں۔قول اول صحیح ہے کیونکہ صرف حرکتِ لسان بغیر صورت کو قرأۃ نہیں کہا جاتا ہے۔

(۱۰۷) ظہر اور عصر کی تمام رکعتوں میں امام اور منفرد دونوں پر اخفاء کرنا واجب ہے "لقوله صلى الله عليه وسلم صَلٰوةُ النَّهَارِ عَجْمَاءُ" (یعنی دن کی نمازوں میں ایسی قرأۃ نہیں جو سنی جائے) اور دن کی نمازوں سے ظہر اور عصر کی نمازیں مراد ہیں۔

(۱۰۸)وَالْوِتْرُ ثَلَاثُ رَكْعَاتٍ لَايَفْصِلُ بَيْنَهُنَّ بِسَلَامٍ (۱۰۹)وَيَقْنُتُ فِي الثَّالِثَةِ قَبْلَ الرُّكُوْعِ (۱۱۰)فِي جَمِيْعِ السَّنَةِ

ترجمہ:۔اور وتر تین رکعات ہیں ان کے درمیان سلام سے فصل نہ کرے اور تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے دعاء قنوت پورے سال میں پڑھے۔

تشــریح:۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وتر واجب ہے۔صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک سنت ہےاورامام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک فرض ہے(۱۰۸)پھراحناف کے نزدیک وتر کی تین رکعتیں ایک سلام کے ساتھ واجب ہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول یہ ہے کہ تین رکعتیں دوسلاموں کے ساتھ پڑھے۔ہماری دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی حدیث ہے کہ''اِنّ النبیَّ صلّی الله علیه وسلم کَانَ یُوتِرُبثلاث رَکعاتٍ ''(یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم وتر تین رکعات پڑھا کرتے تھے)۔

(۱۰۹)پھر ہمارے نزدیک تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے دعاء قنوت پڑھےاورامام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک رکوع کے بعد پڑھے۔ہماری دلیل''ماروی ان ابن مسعود رضی الله تعالی عنه بَعثَ اَمةً لِترقبُ وِترَرَسُولِ الله فذکرَتْ له انّه اوْتـرَبثلاث رَکعاتٍ ......وقَنتَ قبلَ الرّکوعِ ''(یعنی ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کی لونڈی نے آپ رضی اللہ تعالی عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر کے بارے میں بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین رکعت وتر پڑھی......اوررکوع سے پہلے قنوت پڑھا)۔

(۱۱۰)ہمارے نزدیک پوراسال دعاء قنوت پڑھناواجب ہےاورامام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک صرف رمضان المبارک کے نصف اخیر میں دعاء قنوت پڑھے۔ہماری دلیل''قوله ﷺ للحسنِ حِینَ عَلمَه دُعاءَ القُنُوتِ اِجْعَلْ هذافِی وِتْرِک ''(یعنی حضور ﷺ نے حسن ابن علی رضی اللہ تعالی عنہ کو جس وقت دعاء قنوت سکھلائی تو فرمایا کہ اس کو اپنے وتر میں پڑھا کرو)اس میں رمضان وغیر رمضان کی کوئی تفریق نہیں لہذا پورے سال میں دعاء قنوت پڑھنا ثابت ہوگیا۔

پھر دعاء قنوت میں ائمہ کا اختلاف ہے کہ اسے بلند آواز سے پڑھے یا آہستہ،بعض حضرات کے نزدیک اگر امام ہے تو بلند آواز سے پڑھے کیونکہ دعاء قنوت قرأۃ کے مشابہ ہے جبکہ دیگر بعض حضرات فرماتے ہیں کہ آہستہ پڑھے کیونکہ یہ دعاء ہےاور دعاء میں سنت اخفاء ہے یہی قول اصح ہے۔

(۱۱۱)وَیقرأفِی کُلِّ رَکْعَةٍ مِن الوِترِفَاتِحَةَ الکِتابِ وَسُورَةً مَعهَا۔

ترجمہ:۔اوروتر کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اوراس کے ساتھ کوئی سورۃ پڑھے۔

تشــریح:۔(۱۱۱)یعنی وتر کی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ اوردوسری کسی سورۃ کا پڑھنا بالاتفاق واجب ہے۔صاحبین رحمہما اللہ اورامام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک تواس لئے کہ ان کے نزدیک وتر سنت ہےاورسنن کی ہر رکعت میں قرأۃ واجب ہے۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وتر اگر چہ واجب ہے لیکن چونکہ وتر کے وجوب کا ثبوت سنت سے ہےاورسنت مفید یقین نہیں ہوتی اسلئے وجوب وتر میں ایک گونہ شبہ رہا پس امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے احتیاطاً ہر رکعت میں قرأۃ کوواجب قرار دیا۔

وتر کے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے تین روایتیں منقول ہیں۔/**نمبر ۱**۔وتر واجب ہے یہ آپ کا آخری قول ہے اوریہی اصح ہے۔/**نمبر ۲**۔وتر سنت ہےاس قول کوصاحبین رحمہما اللہ نے لے لیا ہے۔/**نمبر ۳**۔وتر فرض ہےاس کوامام زفر رحمہ اللہ نے لے لیا ہے۔پھران تینوں اقوال میں یوں تطبیق دی گئی ہے کہ وتر عملاً فرض ہےاوراعتقاداً واجب ہےاورثبوتاً سنت ہے۔اس پر ائمہ کا

اتفاق ہے کہ وتر کا منکر کافر نہیں۔ نیز وتر نیتِ وتر کے بغیر درست نہیں اور وتر کا بیٹھ کر یا کسی سواری پر سوار ہو کر پڑھنا درست نہیں۔

(۱۱۲) فَاِذَا اَرَادَ اَنْ يَقْنُتَ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ ثُمَّ قَنَتَ (۱۱۳) وَلَا يَقْنُتُ فِي صَلٰوةٍ غَيْرِهَا۔

ترجمہ:۔ پس جب دعاء قنوت پڑھنے کا ارادہ کرے تو تکبیر کہے اور دونوں ہاتھ اٹھائے پھر دعاء قنوت پڑھے اور کسی دوسری نماز میں دعاء قنوت نہ پڑھے۔

تشریح:۔ (۱۱۲) یعنی وتر پڑھنے والا تیسری رکعت میں جب دعاء قنوت پڑھنے کا ارادہ کرے تو اپنے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھا کر تکبیر کہے پھر دعاء قنوت پڑھے "لقوله صلى الله عليه وسلم لَاتُرْفَعُ الْاَيْدِيْ اِلَّا فِيْ سَبْعِ مَوَاطِنَ وَذَكَرَ مِنْهَا الْقُنُوْتَ" (یعنی ہاتھ نہ اٹھائے مگر سات مواقع میں اور ان سات میں سے ایک قنوت ہے) اور نماز کے اندر ہاتھوں کا اٹھانا بغیر تکبیر کے مشروع نہیں پس اس سے تکبیر کہنا بھی ثابت ہوا۔

پھر سنت یہ ہے کہ مشہور دعاء پڑھے جس کے الفاظ یہ ہیں "اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِيْنُكَ وَنَسْتَهْدِيْكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنَتُوْبُ اِلَيْكَ وَنُؤْمِنُ بِكَ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْكَ وَنُثْنِيْ عَلَيْكَ الْخَيْرَ كُلَّه وَنَشْكُرُكَ وَلَانَكْفُرُكَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَفْجُرُكَ اَللّٰهُمَّ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَلَكَ نُصَلِّيْ وَنَسْجُدُ وَاِلَيْكَ نَسْعٰى وَنَحْفِدُ وَنَرْجُوْ رَحْمَتَكَ وَنَخْشٰى عَذَابَكَ اِنَّ عَذَابَكَ بِالْكُفَّارِ مُلْحِق"۔

(۱۱۳) احنافؒ کے نزدیک سوائے وتر کے کسی دوسری نماز میں دعاء قنوت نہیں البتہ اگر امت پر کوئی بڑی مصیبت آئی تو بے شک فجر کی نماز میں قنوت پڑھنا درست ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مطلقاً نماز فجر میں دعاء قنوت پڑھنا مسنون ہے۔ ہماری دلیل "ماروى ابن مسعود رضى الله تعالى عنه انه قَنَتَ فِي صَلٰوةِ الْفَجْرِ شَهْرًا ثُمَّ تَرَكَه" (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر میں ایک مہینہ تک قنوت پڑھا پھر اس کو چھوڑ دیا)۔

(۱۱۴) وَلَيْسَ فِيْ شَيْءٍ مِنَ الصَّلٰوةِ قِرَاءَةُ سُوْرَةٍ بِعَيْنِهَا لَايَجُوْزُ غَيْرُهَا۔

ترجمہ:۔ اور کسی نماز میں کسی متعین سورت کا پڑھنا لازم نہیں کہ اس کے سوا دوسری کسی سورت کا پڑھنا جائز نہ ہو۔

تشریح:۔ (۱۱۴) یعنی کسی بھی نماز میں کسی معین سورۃ کا ایسے طریقہ پر متعین کر کے پڑھنا کہ اس کے سوا کسی سورۃ کا پڑھنا جائز نہ ہو فرض نہیں۔ سورۃ فاتحہ اگرچہ متعین ہے مگر وہ واجب ہے فرض نہیں لاطلاق قوله تعالى ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ (قرآن میں سے جس قدر آسان ہو پڑھ لیا کرو)۔

لیکن اگر کوئی مثلاً جمعہ کی نماز فجر میں "سورۃ السجدۃ" اور "ھل اتی" فرض سمجھ کر نہیں بلکہ بطیبِ تبرک پڑھتا ہے کہ حضور ﷺ نے یہ دو سورتیں جمعہ کے دن فجر کی نماز میں پڑھی ہیں تو یہ مکروہ نہیں بلکہ مندوب ہے بشرطیکہ کبھی کبھار کوئی دوسری سورۃ بھی پڑھتا ہو تاکہ جہلاء یہ نہ سمجھیں کہ ان دو کے علاوہ کوئی سورۃ جائز نہیں۔

(۱۱۵)ویکرہ ان یتخذقراۃ سورۃ بعینہاللصلوۃ لایقرأفیہاغیرھا۔

ترجمہ:۔اورمکروہ ہے کہ کسی خاص سورت کے پڑھنے کوکسی نماز کے لئے متعین کرلے کہ اس نماز میں اس کے سواکوئی سورت نہ پڑھے۔

تشریح:۔(۱۱۵)نمازی کیلئے یہ مکروہ ہے کہ (سورۃ فاتحہ کے سوی) کسی سورۃ کوکسی نماز کیلئے متعین کرکے پڑھےاورکوئی دوسری سورۃ نہ پڑھے اگر چہ دوسری سورۃ کوبھی جائز سمجھتا ہوکیونکہ اس میں باقی قرآن کاترک کرنالازم آتا ہے کیونکہ کسی نماز میں قرآن مجید کے کسی متعین حصہ کی قراۃ پرہمیشگی کرناباقی قرآن کاچھوڑنا ہے جس کی وجہ سے باری تعالی کے اس وعید میں داخل ہوگا﴿وقال الرسول یا ربی ان قومی اتخذواهذاالقرآن مهجورا﴾ (یعنی رسول کہیں گےاے میرے پروردگارمیری قوم نے اس قرآن کوبالکل نظرانداز کررکھا تھا)لہذاکوئی سورۃ کسی نماز کے لئے اس طرح متعین نہ کرے۔

(۱۱۶)وَاَدنیٰ مَایُجزیٔ مِن القِراۃِفِی الصلوۃِ مَایَتَناوَلُهُ اِسمُ القُرآنِ عِندابِی حَنیفَۃ رحمہ اللّٰہ وَقَالَ اَبو یُوسُف رَحمہ اللّٰہ وَمُحمّد رحمہ اللّٰہ لایَجوزُاَقلُّ مِن ثَلٰثِ آیاتٍ قِصارٍاَوآیۃٍ طَویلَۃٍ۔

ترجمہ:۔اورقرأت کی ادنیٰ مقدار جونماز میں کفایت کرتی ہے وہ ہے جسےقرآن کہاجاسکےامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک،اورامام ابویوسف رحمہ اللہ اورامام محمد رحمہ اللہ نے فرماتے ہیں کہ تین چھوٹی آیتوں سے کم یاایک بڑی آیت سے کم جائزنہیں۔

تشریح:۔(۱۱۶)یعنی قراۃ کی وہ ادنی مقدار جس سے نماز جائز ہوجائیگی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ ہے جس کوقرآن کہہ سکیں اگر چہ ایک آیت سے کم ہو۔اورامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ ہے کہ کامل ایک آیت ادنی مقدارقراۃ ہے آیت خواہ چھوٹی ہویا بڑی۔صاحبین رحمہمااللہ کے نزدیک ادنیٰ مقدارقراۃ چھوٹی تین آیتیں ہیں یاایک بڑی آیت ہے کیونکہ اس سے کم مقدار پڑھنے والے کوقاری نہیں کہاجاتا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل باری تعالی کے قول﴿فاقرؤاماتیسرمن القرآن﴾کااطلاق ہے کہ اس میں آیۃ یامادون الآیۃ کی کوئی تفصیل نہیں۔احتیاط صاحبین رحمہمااللہ کے قول پرعمل کرنے میں ہےاورعبادات میں احتیاط امرحسن ہے

(۱۱۷)ولایقرأالمؤتم۔

ترجمہ:۔اورمقتدی قرأت نہ کرے۔

تشریح:۔(۱۱۷)یعنی احنافؒ کے نزدیک مقتدی امام کے پیچھے قراۃ نہ کرے خواہ نماز جہری ہویاسری۔امام محمد رحمہ اللہ کی طرف جویہ قول منسوب ہے کہ سری نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنا مستحسن ہے یہ ضعیف ہے۔اورامام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مقتدی پرامام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھناواجب ہے۔ہماری دلیل پیغمبرﷺ کاارشاد ہے''مَن کانَ لہ اِمامٌ فَقِرأۃُ الاِمامِ لہ قِرأۃ''(یعنی جس نمازی کاامام ہوتوامام کی قرأت ہی اس کی قرأت ہے)۔اوراسی(۸۰)کبارصحابہ رضی اللہ تعالی عنہم سے مروی ہے کہ وہ قراۃ خلف الامام سے منع فرماتے تھے۔

اللطيفة:۔سرق أعرابی غطاء السرج ثم دخل المسجد یصلی ،فقرأ الامام

﴿هل أتاک حدیث الغاشیة﴾فقال،یا فقیه لاتدخل فی الفضول ،

فلما قرأ ﴿وجوه یومئذ خاشعة﴾قال،خذوا غاشیتکم

ولایخشع وجهی لابارک الله لکم فیها

ثم رماها من یده وخرج۔(المستطرف)

(۱۱۸)وَمَنْ اَرَادَ الدُّخُولَ فِي صَلٰوةِ غَيْرِهٖ يَحتَاجُ اِلٰى نِيَّتَينِ نِيَّةُ الصَّلٰوةِ وَنِيَّةُ الْمُتَابَعَةِ۔

توجمه:۔اور جوشخص کسی دوسرے کی نماز میں داخل ہونے کا ارادہ کرے(یعنی کسی کے پیچھے نماز پڑھنا چاہے)تو اسے دونیتیں کرنی ضروری ہیں ایک نماز کی نیت اور دوسری اتباع کی نیت۔

تشــریح:۔(۱۱۸)یعنی جوشخص کسی دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے کا ارادہ کرے تو اسے دونیتیں کرنی ضروری ہیں ایک نفس نماز کی اور دوسری دوسرے کے پیچھے اقتداء کرنے کی کیونکہ دوسرے کی نماز میں بلانیت داخل نہیں ہوسکتا۔

بَابُ الْجَمَاعَةِ

یہ باب جماعت کے بیان میں ہے۔

جماعۃ لغت میں گروہ کو کہتے ہیں اور اصطلاح شریعت میں مسلمان کا شخص آخر کے ساتھ نماز پڑھنے کو کہتے ہیں اگر چہ وہ عاقل بچہ ہو۔

امام قدوری رحمہ اللہ نے ماقبل میں امام اور مقتدی کی کچھ صفات ذکر کئے اب یہاں سے مشروعیت امامت کی صفت کا بیان ہے کہ کس صفت پر یہ مشروعات میں سے ہے پھر سب سے پہلے مستحق امامت کا ذکر کیا ہے پھر خواص امامت کو ذکر کیا ہے۔چنانچہ فرمایا ''والجماعة سنّة مؤكّدة ''یعنی جماعت سنت مؤکدہ ہے کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جماعت سنن ھدیٰ میں سے ہے اس سے منافق ہی پیچھے رہتا ہے۔

فـائـده:۔امام ہونے کے لئے چند شرطیں ہیں اور وہ یہ کہ امام بالغ ہو،مسلمان ہو،عاقل ہو،مرد ہو،بقدر ضرورت قرآن مجید کی سورتیں یاد ہوں اور تندرست ہو کوئی منافی وضوعذر اس کولاحق نہ ہو۔

(۱۱۹)وَاَوْلَى النَّاسِ بِالْاِمَامَةِ اَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ (۱۲۰)فَاِنْ تَسَاوَوْا فَاَقْرَاُهُمْ (۱۲۱)وَاِنْ تَسَاوَوْا فَاَوْرَعُهُمْ (۱۲۲)وَاِنْ تَسَاوَوْا فَاَسَنُّهُمْ۔

توجمه:۔اور لوگوں میں سے سب سے زیادہ امامت کے لئے افضل وہ شخص ہے جوسب سے زیادہ عالم بالسنۃ ہو پھر اگر علم میں سب برابر ہوں تو ان میں جو اچھا قاری ہو اور اگر قرأت میں سب برابر ہوں تو ان میں جو زیادہ پرہیزگار ہو اور اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو ان میں سے جو سب سے عمر رسیدہ ہو۔

تشریح:۔(۱۱۹)یعنی امامت کا سب سے زیادہ مستحق وہ شخص ہے جو اعلم بالسنۃ ہو یعنی فقہ اور شریعت کا جاننے والا ہو بشرطیکہ اتنی مقدار قرأۃ پر قدرت رکھتا ہو جس سے نماز جائز ہو۔ یہ طرفین رحمہما اللہ کا مسلک ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک امامت کا زیادہ مستحق وہ ہوگا جو سب سے اچھا قاری ہو کیونکہ قرأۃ نماز کا ایک ایسا رکن ہے جس کے بغیر چارہ نہیں جبکہ علم کی ضرورت کسی عارض کے وقت ہوتا ہے ہر وقت نہیں۔ طرفین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ احتیاج الی القرأۃ صرف ایک رکن کیلئے ہوتا ہے اور احتیاج الی العلم تمام ارکان کیلئے ہے اسلئے اعلم بالسنۃ اولیٰ ہے۔ طرفینؒ کا قول راجح ہے۔

(۱۲۰)اگر نماز با جماعت پڑھنے والے سب علم میں برابر ہوں تو پھر جو اچھا قاری ہو وہ اولیٰ ہے" لقوله صلى الله عليه وسلم واليؤم القومَ اقرَاهُمْ لِكتَابِ الله "(یعنی قوم کی امامت وہی کرے جو سب سے اچھا قاری ہو)۔(۱۲۱)اور اگر قرأۃ میں سب برابر ہوں تو پھر جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو وہ اولیٰ ہے کیونکہ حدیث شریف میں اعلم اور اقرأ کے بعد ہجرۃ کرنے والے کو زیادہ مستحق قرار دیا ہے اب علماء نے مہاجر عن المعاصی (یعنی متقی) کو مہاجر عن الوطن کے قائم مقام قرار دیا ہے۔

(۱۲۲)اگر تقویٰ و پرہیزگاری میں بھی سب برابر ہوں تو پھر جو عمر میں سب سے بڑا ہو وہ امامت کا زیادہ حقدار ہے کیونکہ حضور ﷺ نے ابی مُلَیکہ کے دو بیٹوں سے فرمایا" وَلْيَؤمكُمَا اكبرُكُمَا "(یعنی کہ تم دونوں میں سے بڑا امامت کرے)۔

(۱۲۳)وَيكرَه تَقْدِيمُ العَبدِ(۱۲٤)وَالْاَعْرَابِى(۱۲۵)وَالْفاسِقِ (۱۲۶)وَالْاَعْمىٰ (۱۲۷)وَوَلَدِالزِّنَا(۱۲۸)فَاِنْ تَقَدَّمُوْا جَازَ۔

ترجمہ:۔اور مکروہ ہے غلام، بدو، فاسق، نابینا اور ولد الزنا کو آگے کرنا (امام بنانا) اور اگر ان میں سے کوئی ایک آگے بڑھ گیا تو جائز ہے۔

تشریح:۔(۱۲۳)یعنی غلام کی امامت مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ عدم فرصت کی وجہ سے اس پر جہل کا غلبہ ہوتا ہے۔(۱۲٤)اسی طرح دیہاتی کی امامت مکروہ ہے کیونکہ ان میں جہل غالب ہوتا ہے لقوله تعالى ﴿ وَاَجْدَرُاَنْ لايَعْلَمُوْا حُدُوْدَمَااَنْزَلَ اللهُ عَلى رَسُوْلِه﴾ (اور ان کو ایسا ہونا ہی چاہئے کہ ان کو ان احکام کا علم نہ ہو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل فرمائے ہیں)۔

(۱۲۵)فاسق کی امامت مکروہ ہے کیونکہ وہ دین کے معاملہ میں متہم ہے۔(۱۲۶)اندھے کی امامت مکروہ ہے کیونکہ وہ خود کو نجاستوں سے نہیں بچا سکتا۔(۱۲۷)ولد الزنیٰ کی امامت مکروہ ہے کیونکہ اسکا باپ نہیں ہوتا لہٰذا اس پر بھی جہل کا غلبہ ہوتا ہے۔ اور سب کی مشترکہ وجہ یہ ہے کہ ان کی امامت سے لوگ نفرت کر کے جماعت کی نماز چھوڑ دینگے اسلئے مکروہ ہے۔

(۱۲۸)ہاں اگر یہ لوگ خود آگے بڑھ گئے تو ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے" لقوله صلى الله عليه وسلم صَلّوْا خَلفَ كُلِّ بَرٍّوَفَاجِرٍ "(یعنی ہر نیک اور برے کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو)۔ البتہ ان کا یہ فعل مکروہ ہے" لقوله صلى الله عليه وسلم مَنْ اَمَّ قوماًوَهُمْ لَه كارِهُونَ فَلاصَلوٰةَ لَه "(یعنی جس نے کسی قوم کی امامت کیا جبکہ وہ اس پر راضی نہ ہوں تو اس کی نماز قبول نہ ہوگی)۔

☆ ☆ ☆

(۱۲۹)وَ يَنْبَغِيْ لِلْاِمَامِ اَنْ لَايُطَوِّلَ بِهِم الصَّلٰوةَ۔

ترجمہ:۔اورامام کے لئے مناسب ہے کہ مقتدیوں کی نماز کولمبی نہ کرائے۔

تشریح:۔(۱۲۹)یعنی امام لوگوں کولمبی نماز نہ پڑھائے"لقوله ﷺاِذَاصَلّٰى اَحَدُكُمْ بِالنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ فَاِنَّ فِيهِم الضَّعِيْف وَالسَّقِيْم وَالْكَبِيْرِ وَاِذَاصَلّٰى لِنَفْسِه فَلْيُطَوِّل مَاشَاءَ"(یعنی تم میں سے جولوگوں کونماز پڑھائے تو ہلکا پڑھائے کیونکہ ان میں کمزور اور بیماراور بوڑھے ہوتے ہیں اور جب اپنی نماز پڑھے تو جتنی چاہے طویل کردے)۔مگرلمبی نماز سے مراد یہ ہے کہ قرأۃ مقدار مسنون سے زیادہ پڑھے مسنون مقدار میں قرأۃ پڑھنے سے نمازلمبی نہیں کہلائے گی۔

(۱۳۰)وَيُكْرَهُ لِلنِّسَاءِ اَنْ يُصَلِّيْنَ وَحْدَهُنَّ بِجَمَاعَةٍ (۱۳۱)فَاِنْ فَعَلْنَ وَقَفَتِ الْاِمَامَةُ وَسْطَهُنَّ كَالْعُرَاةِ۔

ترجمہ:۔اورعورتوں کے لئے مکروہ ہے یہ کہ تنہاء نماز باجماعت پڑھیں اور اگر وہ ایسا کریں تو امام ان کے بیچ میں کھڑی ہو برہنہ لوگوں کی طرح۔

تشریح:۔(۱۳۰)یعنی عورتوں کیلئے تنہاء جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ ہے خواہ نماز فرض ہو یانفل کیونکہ عورتوں کی جماعت فعل مکروہ کے ارتکاب سے خالی نہیں اس لئے کہ ان کی امام اقتدأ کرنے والی عورتوں سے آگے کھڑی ہوگی یا ان کے درمیان میں کھڑی ہوگی پہلی صورت میں کشف عورت زیادہ ہے اسلئے مکروہ ہے اور دوسری صورت میں امام کا اپنے مقام کو چھوڑنا لازم آئیگا اسلئے یہ بھی مکروہ ہے۔اور جماعت سنت ہے قاعدہ ہے کہ ارتکاب مکروہ سے ترک سنت اولی ہے۔(۱۳۱)اوراگر وہ ایسا کریں تو برہنہ لوگوں کی طرح امام ان کے بیچ میں کھڑی ہو۔

(۱۳۲)وَمَنْ صَلّٰى مَعَ وَاحِدٍاَقَامَه عَنْ يَمِيْنِه(۱۳۳)وَاِنْ كَانَااِثْنَيْنِ تَقَدَّمَهُمَا۔

ترجمہ:۔اور جوشخص ایک آدمی کے ساتھ نماز پڑھے تو اس کو اپنے دائیں کھڑا کرے اوراگر دو ہوں تو امام ان سے آگے ہو جائے۔

تشریح:۔(۱۳۲)یعنی اگر امام کیساتھ ایک مقتدی ہو تو اسکو اپنے دائیں جانب کھڑا کردے"لحديث ابن عباس رضى الله تعالى عنه قَالَ قَامَ ﷺاِلٰى شَنٍّ مُعَلَّقٍ فَتَوَضَّاوَافْتَتَحَ فَقُمْتُ وَتَوَضَّاْتُ وَوَقَفْتُ عَلٰى يَسَارِه وَاَخَذَبِاُذُنِيْ وَاَدَارَنِيْ خَلْفَه حَتّٰى اَقَامَنِيْ عَنْ يَمِيْنِه"(یعنی آپ ﷺ نے ایک لٹکے ہوئے مشکیزہ سے پانی لیکر وضوء کیا اور نماز شروع کی پس میں نے بھی اٹھ کر وضوء کیا اور میں آپ ﷺ کی بائیں طرف کھڑا ہو گیا پس آپ ﷺ نے میرا کان پکڑ کر مجھے اپنے پیچھے سے گھمایا یہاں تک کہ مجھ کو اپنی دائیں طرف کھڑا کیا)۔اوراگر کوئی بائیں جانب یا پیچھے کھڑا ہوا تو اس کی نماز تو ہو جائیگی لیکن گناہگار ہوگا۔

(۱۳۳)اگر امام کے ساتھ مقتدی دو ہوں تو امام ان دونوں سے آگے کھڑا ہو کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ اور یتیم رضی اللہ تعالی عنہ کو نماز پڑھائی تو آپ ﷺ ان دونوں سے آگے کھڑے ہوئے۔

☆ ☆ ☆

(۱۳٤)وَلَایَجُوزُلِلرِّجَالِ اَنْ یَقْتَدُوْابِامْرَاۃٍاَوْصَبِیٍّ۔

ترجمہ:۔اورنہیں جائز مردوں کے لئے یہ کہ اقتدا کریں کسی عورت یا بچے کی۔

تشریح:۔(۱۳٤)یعنی مردوں کیلئے عورت اور بچہ کی اقتدا کرنا جائز نہیں عورت کی اقتدا اسلئے جائز نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"اَخِّرُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ اَخَّرَهُنَّ اللّٰهُ اَیْ کَمَااَخَّرَهُنَّ اللّٰهُ فِی الشَّهَادَاتِ وَالاِرْثِ"(عورتوں کو مؤخر کرو جہاں انکو اللہ نے مؤخر کیا ہے)تو امام بنانے میں انکا مقدم ہونا لازم آئیگا۔اور بچہ کی اقتدا اسلئے صحیح نہیں کہ بچہ کی نماز بالغ نہ ہونے کی وجہ سے نفل ہے لہٰذا بالغ مفترض کا اقتدا اس کے پیچھے صحیح نہیں۔

مشائخ بلخ نے تراویح،عیدین اور صلوۃ کسوف میں بچے کا امامت جائز قرار دیا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ جائز نہیں۔

(۱۳۵)وَیَصُفُّ الرِّجَالُ ثُمَّ الصِّبْیَانُ ثُمَّ الْخُنْثٰی ثُمَّ النِّسَاءُ۔

ترجمہ:۔اور صف بنائی جائے مردوں کی پھر بچوں کی پھر خنثٰی کی پھر عورتوں کی۔

تشریح:۔(۱۳۵)یعنی امام کے پیچھے سب سے پہلے مرد کھڑے ہوں پھر ان کے پیچھے بچے کھڑے ہوں پھر احتیاطاً عورتوں سے پہلے خنثٰی کھڑے ہوں پھر ان کے پیچھے عورتیں کھڑی ہوں"لقوله صلی الله علیه وسلم لِیَلِیَنِیْ مِنْکُمْ اُوْلُوْاالْاَحْلَامِ"(یعنی قریب رہیں مجھ سے تم میں سے بالغ مرد)۔اور عورتوں پر بچوں کی تقدیم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت ہے کیونکہ ماقبل میں ذکر شدہ حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بوڑھی عورت کو یتیم رضی اللہ تعالی عنہ نامی نابالغ لڑکے کے پیچھے کھڑی کردی تھی۔اور فقہاء نے خنثٰی کو بچوں اور عورتوں کے درمیان کھڑا کرنے کا حکم کیا ہے کیونکہ خنثٰی ذوجہتین ہے اور خنثٰی سے یہاں خنثٰی مشکل مراد ہے۔بچہ اگر اکیلا ہو تو اسکو مردوں کی صف میں کھڑا کردے۔

اللطیفة:۔ صلی أعرابی خلف امام فقرأ الامام ﴿الم نهلک الأولین﴾

وکان فی الصف الأول فتاخر الی الصف الآخر فقرأ

﴿ثم نتبعهم الآخرین﴾ فتاخر،فقرأ ﴿کذالک

نفعل بالمجرمین﴾وکان اسم البدوی مجرما فترک

الصلوة وخرج هاربا وهو یقول،والله ما المطلوب

غیری،فوجده بعض الاعراب فقال له،مالک

یا مجرم؟فقال،ان الامام أهلک الاولین

والآخرین وأراد ان یهلکنی فی الجملة

والله لارأیته بعد الیوم۔(المستطرف)

(۱۳۶) فَإِنْ قَامَتْ اِمْرَأَةٌ إِلَى جَنْبِ رَجُلٍ وَهُمَا مُشْتَرِكَانِ فِي صَلوٰةٍ وَاحِدَةٍ فَسَدَتْ صَلوٰتُهُ۔

ترجمہ:۔ پھر اگر کھڑی ہو جائے عورت مرد کے برابر اور وہ دونوں ایک ہی نماز پڑھ رہے ہوں تو مرد کی نماز فاسد ہو جائیگی۔

تشریح:۔ (۱۳۶) اگر کوئی عورت کسی مرد سے محاذی (یعنی مرد کے پہلو بہ پہلو کھڑی ہو جائے) ہو گئی اس حال میں کہ مرد اور عورت دونوں ایک نماز میں مشترک ہوں تو ایسی صورت میں خلاف القیاس مرد کی نماز فاسد ہو جائیگی عورت کی نہیں۔ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ مرد کی نماز بھی فاسد نہ ہو اور یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا مذھب ہے۔ امام شافعیؒ نے مرد کی نماز کو عورت کی نماز پر قیاس کیا ہے۔

ہماری دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث ہے ''ان رسول اللّٰہ قال اَخِّرُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَخَّرَهُنَّ اللّٰهُ'' (عورتوں کو مؤخر کرو جہاں انکو اللہ نے مؤخر کیا ہے) اس حدیث میں مردوں کو حکم دیا گیا کہ وہ عورتوں کو نماز میں پیچھے رکھیں پس جب عورت اسکے محاذی ہو گئی تو گویا مرد نے اپنا فرض مقام ترک کر دیا کیونکہ ایسی نماز میں جس کے اندر دونوں شریک ہوں عورت کو مؤخر کرنا مرد پر فرض ہے اور جس نے فرض ترک کیا اسکی نماز فاسد ہو جائیگی نہ کہ دوسرے کی اسلئے ہمارے نزدیک مرد کی نماز فاسد ہو گی عورت کی نہیں۔

پھر اگر مرد نے عورت کو دور ہونے کا اشارہ کیا مگر وہ نہ ہٹی یا امام نے اس کی امامت کی نیت نہیں کی تو پھر عورت کی نماز فاسد ہو جائیگی نہ کہ مرد کی۔ اور اگر عورت محاذات میں کھڑی ہو گئی مگر ایک رکن کی مقدار دوام نہیں کیا بلکہ جلدی ہٹ گئی تو بھی مرد کی نماز فاسد نہ ہو گی۔ اسی طرح اگر دونوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہو جس میں دوسرا نمازی کھڑا ہو سکتا ہو تو بھی مرد کی نماز فاسد نہ ہو گی۔

(۱۳۷) وَيُكْرَهُ لِلنِّسَاءِ حُضُوْرُ الْجَمَاعَةِ (۱۳۸) وَلَا بَأْسَ بِأَنْ تَخْرُجَ الْعَجُوْزُ فِي الْفَجْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَجُوْزُ خُرُوْجُ الْعَجُوْزِ فِي سَائِرِ الصَّلَوَاتِ۔

ترجمہ:۔ اور مکروہ ہے عورتوں کے لئے جماعت میں حاضر ہونا اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ بوڑھی عورت فجر، مغرب اور عشاء میں نکلے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک، اور امام ابویوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جائز ہے بوڑھی عورتوں کا تمام نمازوں میں نکلنا۔

تشریح:۔ (۱۳۷) یعنی نوجوان عورتوں کا جماعتوں میں حاضر ہونا مکروہ ہے کیونکہ ان کی حاضری میں فتنہ کا خوف ہے (۱۳۸) البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بوڑھی عورتیں فجر، مغرب اور عشاء کی جماعت کیلئے نکل سکتی ہیں اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک بوڑھی عورتیں ہر وقت نکل سکتی ہیں۔ صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ ان کی طرف میلان طبع کم ہونے کی وجہ سے اسکے خروج میں کوئی فتنہ نہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ شدۃ شہوۃ باعث جماع ہے ''وَلِكُلِّ سَاقِطَةٍ لَاقِطَةٌ'' لہذا بوڑھی عورتوں کے نکلنے میں بھی فتنہ واقع ہو گا البتہ فجر اور عشاء کے وقت فاسق لوگ سوتے ہیں اور مغرب کے وقت کھانے میں مشغول ہو جاتے ہیں اسلئے ان اوقات میں بوڑھیوں کیلئے نکلنا مکروہ نہیں۔ مگر فتوی یہ ہے کہ اس زمانہ فسق میں تمام نمازوں میں بوڑھی عورتوں کا نکلنا مکروہ ہے۔

☆ ☆ ☆

(۱۳۹)وَلَا يُصَلِّي الطَّاهِرُ خَلْفَ مَنْ بِهِ سَلَسُ الْبَوْلِ(۱۴۰)وَلَا الطَّاهِرَةُ خَلْفَ الْمُسْتَحَاضَةِ(۱۴۱)وَلَا الْقَارِئ خَلْفَ الْأُمِّي (۱۴۲)وَلَا الْمُكْتَسِي خَلْفَ الْعُرْيَان۔

ترجمہ:۔اور نماز نہ پڑھے پاک مرد ایسے شخص کے پیچھے جس کو سلس البول کی بیماری ہو اور نہ پاک عورت حائضہ کے پیچھے اور نہ قاری امی کے پیچھے اور نہ کپڑا پہننے والا ننگے کے پیچھے نماز پڑھے۔

تشریح:۔(۱۳۹)یعنی پاک مرد، سلس البول کے مریض (جس کا پیشاب جاری ہو) کے پیچھے نماز نہ پڑھے (۱۴۰)اسی طرح پاک عورت مستحاضہ عورت کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔ان مسائل میں اصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول "اَلْاِمَامُ ضَامِنٌ" ((امام ضامن ہے) یعنی امام کی نماز مقتدی کی نماز کو متضمن ہے اور یہ بھی قاعدہ ہے کہ شی اپنے سے کمتر یا ہم مثل کو متضمن ہوتی ہے اپنے سے مافوق کو متضمن نہیں ہوتی پس مذکورہ صورتوں میں مقتدی چونکہ پاک ہے اور امام معذور ہے اسلئے مقتدی کی نماز کا حال امام کی نماز سے اقوی ہے تو امام کی نماز مقتدی کی نماز کو متضمن نہ ہوگی اسلئے مقتدی کی نماز صحیح نہ ہوگی۔

(۱۴۱)اسی طرح قاری امی کے پیچھے نماز نہ پڑھے کیونکہ اس صورت میں مقتدی کا حال امام سے اقوی ہے۔قاری سے مراد وہ شخص ہے جس کو اتنی مقدار قرآن مجید یاد ہو جس سے نماز صحیح ہوتی ہو اور امی وہ ہے جس کو اتنی مقدار قرآن مجید یاد نہ ہو۔(۱۴۲)اور ستر چھپایا ہوا ننگے کے پیچھے نماز نہ پڑھے کیونکہ اس صورت میں بھی مقتدی کا حال امام سے اقوی ہے۔

(۱۴۳)وَيَجُوزُ أَنْ يَؤُمَّ الْمُتَيَمِّمُ الْمُتَوَضِّئِينَ(۱۴۴)وَالْمَاسِحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ الْغَاسِلِينَ۔

ترجمہ:۔اور جائز ہے کہ امامت کرے تیمم کرنے والا وضوء کرنے والوں کی اور موزوں پر مسح کرنے والا پاؤں دھونے والوں کی۔

تشریح:۔(۱۴۳)یعنی شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک متیمم متوضی کی امامت کرسکتا ہے اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک جائز نہیں۔امام محمد رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ تیمم طہارت ضروریہ ہے لہذا متیمم کی حالت ادنی ہے۔اور وضوء طہارتِ اصلیہ ہے لہذا متوضی کی حالت اقوی ہوگی اور قاعدہ گذر چکا کہ ادنی حال والا اقوی حال والے کی امامت نہیں کرسکتا ہے۔

شیخین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ تیمم طہارتِ مطلقہ ہے کیونکہ موقت نہیں دس سال تک بھی اگر پانی نہ ہو تو مشروع رہیگا لہذا متیمم اور متوضی کا حال یکساں ہے پس متیمم متوضی کی امامت کرسکتا ہے۔شیخینؒ کا قول راجح ہے۔

(۱۴۴)موزوں پر مسح کرنے والا پاؤں دھونے والوں کی امامت کرسکتا ہے کیونکہ موزے والے نے پاؤں دھو کر موزے پہنے ہیں موزہ کی وجہ سے حدث قدم تک رسائی نہیں کرتا لہذا ایہ شخص پاؤں کو دھونے والا باقی رہا اور جو نجاست موزہ کو لگا وہ مسح زائل کردیتا ہے اسلئے یہ پاؤں کو دھونے والوں کی امامت کرسکتا ہے۔

(۱۴۵)وَيُصَلِّي الْقَائِمُ خَلفَ الْقَاعِدِ(۱۴۶)وَلايُصَلِّي الَّذِيْ يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ خَلفَ الْمُوْمِيْ (۱۴۷)وَلايُصَلِّي الْمُفْتَرِضُ خَلفَ الْمُتَنَفِّلِ۔

ترجمہ:۔اور کھڑا ہو کر نماز پڑھنے والا بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے اور رکوع وسجدہ کرنے والا اشارہ سے پڑھنے والے کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا اور فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا۔

تشریح:۔(۱۴۵)یعنی قائم، قاعد کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک جائز نہیں۔قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کیونکہ قائم کا حال قاعد سے اقویٰ ہے اسلئے کہ قاعد معذور ہے اور قائم غیر معذور ہے۔لیکن ہم نے اس قیاس کو حدیث کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری نماز بیٹھ کر پڑھائی اور قوم آپکے پیچھے کھڑی تھی۔یہی قول راجح ہے۔

(۱۴۶)رکوع اور سجدہ کے ساتھ نماز پڑھنے والا اشارہ کرنے والے کے پیچھے نماز نہ پڑھے کیونکہ مقتدی کا حال اقویٰ ہے اور امام کا اضعف۔اور ماقبل میں گذر چکا کہ اقوی حال والا اضعف الحال کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا ہے(۱۴۷)مفترض کیلئے متنفل کی اقتداٗ کرنا جائز نہیں کیونکہ اقتداٗ بناء (اتباع) کو کہتے ہیں اور امام کے حق میں وصف فرضیت معدوم ہے اور مقتدی کے حق میں موجود۔اور امر وجودی کی بناءعدمی پر صحیح نہیں ہو سکتی۔

(۱۴۸)وَلامَنْ يُصَلِّي فَرْضاًخلفَ مَن يَصلِّي فَرضاً آخَرَ(۱۴۹)وَيُصَلِّي الْمُتَنَفِّلُ خَلفَ الْمُفْتَرِضِ۔

ترجمہ:۔اور نماز نہ پڑھے ایک فرض پڑھنے والا اس کے پیچھے جو دوسری فرض نماز پڑھ رہا ہو اور پڑھ سکتا ہے نفل پڑھنے والا فرض پڑھنے والے کے پیچھے۔

تشریح:۔(۱۴۸)یعنی ایک فرض ادا کرنے والا دوسرا فرض ادا کرنے والے کی اقتداٗ نہ کرے مثلاً ظہر کی نماز پڑھنے والے کی اقتداٗ عصر کی نماز پڑھنے والے کے پیچھے جائز نہیں کیونکہ اقتداٗ نام ہے تحریمہ کے اندر شرکت اور افعال بدنیہ کے اندر موافقت کا۔اور شرکت وموافقت اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ دونوں کی تحریمہ اور افعال میں اتحاد ہو تو چونکہ مذکورہ صورت میں اتحاد نہیں اس لئے اقتداٗ بھی درست نہ ہوگی۔

(۱۴۹)متنفل مفترض کی اقتداٗ کر سکتا ہے کیونکہ مفترض کی حالت قوی اور متنفل کی حالت ضعیف ہے پس اس میں ضعیف کی بنا ہے قوی پر ہے جو کہ جائز ہے۔

(۱۵۰)وَمَنْ اقْتَدىٰ بِإمَامٍ ثُمَّ عَلِمَ أنَّهٗ عَلىٰ غَيرِ طَهَارَةٍ أعَادَ الصَّلوٰةَ۔

ترجمہ:۔اور جس نے کسی امام کی اقتداٗ کی پھر اس کو معلوم ہوا کہ امام بے وضوء ہے تو مقتدی اپنی نماز لوٹائے۔

تشریح:۔(۱۵۰)اگر کسی نے امام کی اقتداٗ کی پھر مقتدی کو علم ہوا کہ اسکا امام بے وضوء ہے تو یہ شخص اپنی نماز کا اعادہ کریگا۔امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اگر بعد از اقتداٗ مقتدی کو امام کا بے وضوء ہونا معلوم ہوا تو اس پر اعادہ نماز نہیں کیونکہ ان کے نزدیک علی سبیل الموافقت افعال نماز ادا کرنے کا نام اقتداٗ ہے یعنی امام کی نماز مقتدی کی نماز کو متضمن نہیں لہذا امام کی نماز فاسد ہونے سے مقتدی کی نماز فاسد نہ ہوگی۔

ہماری دلیل یہ حدیث ہے ''اَنَّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم صَلّٰی بِاَصْحَابِہٖ ثُمَّ تَذَکَّرَ جَنَابَۃً فَاَعَادَھَا وَقَالَ مَن اَمَّ قَوماً ثُمَّ ظَھَرَ اَنَّہٗ کَانَ مُحْدِثاً اَوْ جُنُباً اَعَادَ صَلٰوتَہٗ وَاَعَادُوا '' (یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو نماز پڑھائی پھر جنابت یاد آنے پر نماز کا اعادہ کرلیا اور فرمایا جو قوم کو نماز پڑھائے اور پھر یاد آئے حدث یا جنابت تو وہ اور قوم اپنی نماز کا اعادہ کرلے)۔

(۱۵۱) وَیُکْرَہُ لِلْمُصَلِّی اَنْ یَعْبَثَ بِثَوْبِہٖ اَوْ بِجَسَدِہٖ (۱۵۲) وَلَا یُقَلِّبُ الْحَصٰی اِلَّا اَنْ لَا یُمْکِنَہُ السُّجُوْدُ عَلَیْہِ فَیُسَوِّیْہِ مَرَّۃً وَاحِدَۃً۔

ترجمہ:۔ اور مکروہ ہے نمازی کے لئے یہ کہ اپنے کپڑے یا اپنے جسم سے کھیلے، اور نہ ہٹائے کنکریوں کو البتہ اگر اس پر سجدہ کرنا ممکن نہ ہو تو اسے ایک مرتبہ برابر کرلے۔

تشــریــح :۔ (۱۵۱) یعنی نمازی کا اپنے کپڑے اور بدن سے کھیلنا مکروہ ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تین چیزیں مکروہ کی ہیں ان میں سے ایک نماز کے اندر عبث کام کرنا ہے عبث سے مراد ہر وہ کام ہے جس میں کوئی فائدہ نہ ہو یہاں عبث سے ہر وہ فعل مراد ہے جو افعال نماز میں سے نہ ہو۔

(۱۵۲) نمازی حالت نماز میں کنکریاں نہ ہٹائے کیونکہ یہ بھی ایک طرح کا فعل عبث ہے ہاں اگر سجدہ کرنا ناممکن ہو تو ایک مرتبہ ہٹا سکتا ہے کیونکہ حضور ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا '' مَرَّۃً یَا اَبَاذَرٍ وَاِلَّا فَذَرْ '' (یعنی اگر موضع سجدہ سے ایک بار کنکریاں ہٹائے تو اسکی اجازت ہے اور اگر ایک بار بھی نہ ہٹائے بلکہ چھوڑ دے تو یہ افضل ہے)۔

(۱۵۳) وَلَا یُفَرْقِعُ اَصَابِعَہٗ (۱۵۴) وَلَا یُشَبِّکُ (۱۵۵) وَلَا یَتَخَصَّرُ۔

ترجمہ:۔ اور اپنی انگلیاں نہ چٹخائے اور نہ ایک کو دوسری میں داخل کرے اور نہ کوکھ پر ہاتھ رکھے۔

تشریح :۔ (۱۵۳) یعنی نمازی حالت نماز میں انگلیاں نہ چٹخائے ''لما روی علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن ابی طالب عن النبی ﷺ لَا تُفَرْقِعْ اَصَابِعَکَ وَاَنْتَ فِی الصَّلٰوۃِ '' (یعنی حالتِ نماز میں انگلیاں نہ چٹخائے)۔ (۱۵۴) اور نہ ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کرے۔

(۱۵۵) نمازی حالت نماز میں تخصر (یعنی کوکھ پر ہاتھ رکھنا) نہ کرے ''لِحَدِیْثِ اَبِی ھُرَیْرَۃؓ قَالَ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ اَنْ یُصَلِّیَ الرَّجُلُ مُخْتَصِراً '' (کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کوکھ پر ہاتھ رکھ کر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے)۔ نیز تخصر کرنے کی صورت میں مسنون طریقہ کو چھوڑنا لازم آتا ہے اور یہ متکبر لوگوں کا فعل ہے اس لئے مکروہ ہے۔

☆ ☆ ☆

(۱۵٦)وَلایُسْدِلُ ثَوبَهُ(۱۵۷)وَلایَعْقِصُ شَعْرَهُ(۱۵۸)ولایَکُفُّ ثَوبَهُ(۱۵۹)وَلایَلْتَفِتُ یَمِیناً وَشِمالًا(۱٦۰)وَلایُقْعِیْ کَاِقْعَاءِ الْکَلْبِ۔

ترجمہ:۔اور نہ اپنے کپڑے کو لٹکائے اور نہ اپنے بالوں کو گوندھے اور اپنے کپڑے کو سمیٹے اور نہ دائیں بائیں جانب دیکھے اور نہ بیٹھے کتے کی طرح بیٹھنا۔

تشریح:۔(۱۵٦)یعنی نمازی حالت نماز میں اپنا کپڑا لٹکایا ہوا نہ چھوڑے کیونکہ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالی عنہ راوی ہیں ''ان رسولَ اللّٰہ نَهی عَنِ السّدلِ فِی الصَّلوۃِ وَاَنْ یغطیَ الرّجلُ فَاه ''(یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت نماز میں سدل اور منہ ڈھانپنے سے منع فرمایا ہے)۔

سدل یہ ہے کہ نمازی کپڑا اپنے سر یا کندھوں پر ڈالکر اسکے کنارے اپنی جوانب میں لٹکے چھوڑے۔یہ تو چادر کے بارے میں ہے اور جبہ وغیرہ میں سدل یہ ہے کہ جبہ کندھوں پر ڈال دے اور ہاتھ اسکے آستینوں میں داخل نہ کرے۔

(۱۵۷)نمازی اس حال میں نماز نہ پڑھے کہ معقوص الشعر ہو یعنی بالوں کو سر پر جمع کر کے گوند سے چپکا دے یا دھاگہ سے باندھ لے کیونکہ مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ مرد اس حال میں نماز پڑھے کہ وہ معقوص الشعر ہو۔(۱۵۸)نمازی اپنا کپڑا نہ سمیٹے کیونکہ اس میں ایک قسم کا تکبر ہے۔اور کپڑا سمیٹنا یہ ہے کہ نمازی جب سجدہ کرنے کا ارادہ کرے تو اپنے آگے یا پیچھے سے کپڑا اٹھائے۔

(۱۵۹)نمازی حالت نماز میں گردن موڑ کر التفات نہ کرے'' لحدیث انس رضی اللّٰہ تعالی عنه قال ﷺ اِیّاکُمْ وَالْاِلْتِفَاتَ فِی الصَّلوۃِ فَاِنَّ الْاِلْتِفَاتَ فِی الصَّلوۃِ هَلَکَةٌ ''(یعنی نماز میں التفات سے بچو کیونکہ نماز میں التفات ہلاکت ہے)۔صرف آنکھوں کی کناروں سے ادھر اُدھر دیکھنا خلاف اولی ہے۔

(۱٦۰)نمازی حالت نماز میں کتے کی طرح نہ بیٹھے''لقول ابی ذر رضی اللّٰہ تعالی عنه نَهَانِی خَلِیلِی ﷺ عَن ثَلاثٍ اَنْ اَنقرَ نَقرَ الدِّیکِ وَاَنْ اُقْعِیَ اِقْعَاءَ الْکَلْبِ وَاَنْ اَفْتَرِشَ اِفْتِرَاشَ الثَّعْلَبِ ''(یعنی مجھے میرے خلیل ﷺ نے تین باتوں سے منع فرمایا ایک یہ کہ مرغ کی طرح چونچ ماروں اور دوم یہ کہ کتے کی طرح اقعاء کروں اور سوم یہ کہ ہاتھ بچھاؤں لومڑی کی طرح)۔اقعاء یہ ہے کہ اپنے سرین پر بیٹھے اپنی دونوں رانوں کو کھڑا کر دے اپنے دونوں گھٹنوں کو سینے سے ملائے اور دونوں ہاتھ زمین پر رکھے۔

(۱٦۱)وَلایَرُدُّ السَّلامَ بِلِسَانِهِ وَلابِیَدِهِ(۱٦۲)وَلایَتَرَبَّعُ اِلّامِنْ عُذْرٍ(۱٦۳)وَلایَاْکُلُ وَلایَشْرَبُ۔

ترجمہ:۔اور سلام کا جواب نہ دے اپنی زبان سے اور نہ اپنے ہاتھ سے اور چہار زانو نہ بیٹھے مگر کسی عذر سے اور نہ کھائے اور نہ پئے۔

تشریح:۔(۱٦۱)یعنی حالت نماز میں کسی کو سلام کا جواب زبان سے نہ دے کیونکہ یہ کلام ہے اور کلام مفسد صلوۃ ہے اور نہ ہاتھ سے سلام کا جواب دے کیونکہ ہاتھ سے سلام کا جواب دینا بھی سلام ہے چنانچہ اگر بنیت سلام مصافحہ کیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائیگی۔

(۱۶۲) نمازی حالتِ نماز میں بلاعذر چہارزانو نہ بیٹھے کیونکہ اس طرح بیٹھنے میں قعدۂ مسنونہ کا ترک لازم آتا ہے (۱۶۳) اور نماز میں نہ کھائے اور نہ پیئے کیونکہ یہ نماز کے اعمال میں سے نہیں لھذا مفسد نماز ہے خواہ عامداً ہو یا سہواً۔

(۱٦٤) فَإِنْ سَبَقَهُ الْحَدَثُ اِنْصَرَفَ وَتَوَضَّأَ وَبَنىٰ عَلىٰ صَلَاتِهٖ اِنْ لَمْ يَكُنْ اِمَاماً (۱٦٥) فَاِنْ كَانَ اِمَاماً اِسْتَخْلَفَ وَتَوَضَّأَ وَبَنىٰ عَلىٰ صَلٰوتِهٖ مَالَمْ يَتَكَلَّمْ (۱٦٦) وَالْاِسْتِيْنَافُ اَفْضَلُ ۔

ترجمہ:۔ اور اگر نمازی کو حالتِ نماز میں حدث پیش آجائے تو وہ لوٹ جائے اور وضوء کرے اور اپنی نماز پر بناء کرے اگر یہ امام نہ ہو اور اگر امام ہو تو کسی کو اپنا قائم مقام بنائے اور وضوء کرے اور اپنی نماز پر بناء کرے جب تک کہ اس نے بات نہ کی ہو اور از سرِ نو نماز پڑھنا افضل ہے۔

تشریح:۔ (۱٦٤) اگر کسی کو دوران نماز بلا اختیار حدث پیش آیا تو یہ شخص فوراً پھر جائے۔ (۱٦٥) اگر یہ شخص امام ہو تو مقتدیوں میں سے کسی کو اپنا خلیفہ بنائے جس کی صورت یہ ہے کہ اسکا کپڑا پکڑ کر محراب تک کھینچ کر لیجائے اور خود وضوء کر کے بناء کرے یعنی باقی ماندہ نماز کو وضوء کے بعد پورا کرے قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ از سرِ نو نماز پڑھ لے یہی امام شافعی رحمہ اللہ وامام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے۔

ہماری دلیل دو حدیثیں ہیں۔/**نمبر ۱**۔''قَالَ ﷺ مَنْ قَاءَ اَوْ رَعَفَ اَوْ اَمْذیٰ فِی صَلٰوتِهٖ فَلْيَنْصَرِفْ وَالْيَتَوَضَّا وَالْيَبْنِ عَلىٰ صَلٰوتِهٖ مَالَمْ يَتَكَلَّم ''(یعنی جس نے قی کی یا نکسیر پھوٹی یا مذی نکل آئی نماز میں تو وہ پھر جائے اور وضوء کرے اور اپنی نماز پر بناء کرے جب تک کہ کلام نہ کیا ہو)۔/**نمبر ۲**۔''قَالَ ﷺ اِذَا صَلّٰی اَحَدُكُمْ فَقَاءَ اَوْ رَعَفَ فَلْيَضَعْ يَدَهٗ عَلىٰ فَمِهٖ وَالْيُقَدِّمْ مَنْ لَمْ يَسْبِقْ بِشَيْءٍ ''(یعنی اگر تم میں سے دورانِ نماز میں کسی نے قی کی یا نکسیر پھوٹی تو وہ اپنی منہ پر ہاتھ رکھ دے اور کسی غیر معذور شخص کو آگے کر دے)۔

اور اگر یہ شخص منفرد ہے تو اسکو اختیار ہے چاہے تو جہاں وضوء کیا ہے وہاں بناء کر کے نماز پوری کرلے کیونکہ اس میں تقلیل مشی ہے اور اگر چاہے تو اپنی جگہ لوٹ آئے کیونکہ اس میں نماز ایک مکان میں ادا کرنے والا ہو جائیگا۔ اور اگر مقتدی ہے تو اپنی جگہ لوٹ کر نماز پوری کرے البتہ اگر اسکا امام فارغ ہو چکا ہو یا اس کے جائے وضوء اور اسکے امام کے درمیان کوئی مانع اقتدا چیز حائل نہ ہو تو ان دو صورتوں میں لوٹنا واجب نہیں۔

(۱٦٦) مسئلہ مذکورہ میں اگرچہ بناء کرنا جائز ہے مگر از سرِ نو نماز پڑھنا افضل ہے تاکہ اختلاف سے احتراز ہو۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اگر منفرد ہو تو از سرِ نو نماز پڑھے اور اگر امام یا مقتدی ہو تو بناء کرے تاکہ فضیلت جماعت محفوظ رہے۔

(۱٦٧) وَاِنْ نَامَ فَاحْتَلَمَ اَوْ جُنَّ اَوْ اُغْمِيَ عَلَيْهِ اَوْ قَهْقَهَ اِسْتَانَفَ الْوُضُوْءَ وَالصَّلٰوةَ۔

ترجمہ:۔ اور اگر نمازی سو گیا اور احتلام ہو گیا یا دیوانہ ہو گیا یا اس پر بے ہوشی طاری ہو گئی یا زور سے ہنسا تو از سرِ نو وضوء کرے اور نماز پڑھے۔

تشریح:۔ (۱٦٧) یعنی اگر کوئی مصلی سو گیا اور اسکو احتلام ہو گیا یا مجنون ہو گیا یا اس پر بے ہوشی طاری ہو گئی تو ان تینوں صورتوں میں نماز از سرِ نو پڑھے کیونکہ یہ عوارض نادر الوجود ہیں لھذا یہ ان عوارض کے معنی میں نہیں ہونگے جن کے ساتھ نص وارد ہوا ہے یعنی حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کا قول "مَن قَاءَ اَوْ رَعفَ فِی صَلوتِه الخ "۔اسی طرح اگر مصلی نے قہقہہ لگایا تو بھی اسکے لئے بناء جائز نہیں بلکہ از سر نو نماز پڑھے کیونکہ قہقہہ بمنزلہ کلام کے ہے اس لئے کہ ہر ایک سے مانی الضمیر کا انتقال ہوتا ہے فہم سامع کی طرف اور کلام قاطع نماز ہے تو قہقہہ بھی قاطع ہوگا لہذا اس کے لئے بناء جائز نہیں۔

(۱٦۸)وَمَنْ تَكَلَّمَ فِی صَلوتِه سَاهِياًاَوْعَامِداًبَطَلَتْ صَلوتُه۔

ترجمہ:۔اور جس نے بات کی نماز میں بھول کر یا قصداً تو اس کی نماز باطل ہو جائیگی۔

تشریح:۔(۱٦۸)یعنی اگر کسی نے اپنی نماز میں عمداً یا سہواً کلام کیا تو اسکی نماز باطل ہوگئی۔امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک خطاء اور نسیان کی صورت میں کلام مفسدِ نماز نہیں۔ہماری دلیل حضرت معاویہ ابن الحکم رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث ہے کہ "قال ﷺ اِنّ صلوتَنَا هذِه لايَصلحُ فِيها شئٌ مِنْ كلامِ النَّاسِ "(یعنی ہماری اس نماز میں لوگوں کی باتوں میں سے کچھ بھی کی لیاقت نہیں)۔

اور اگر نمازی نماز میں رویا تو اگر ذکرِ جنت یا جہنم کی وجہ سے ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ یہ زیادتِ خشوع کی دلیل ہے اور اگر مصیبت وغیرہ کی وجہ سے ہو تو فاسد ہو جائیگی کیونکہ اس میں بے صبری اور افسوس کا اظہار ہے۔

(۱٦۹)وَاِنْ سَبَقَه الْحدثُ بَعدَمَاقَعَدَ قَدْرَالتَّشهُّدِتَوَضّأَوَسَلّمَ (۱۷۰)وَاِنْ تَعمَّدَالْحدثَ فِی هذِهِ الْحَالَةِ اَوْتَكَلَّمَ اَوْعَمِلَ عَمَلاًيُنافِی الصَّلوةَ تَمَّتْ صَلوتُه۔

ترجمہ:۔اور اگر حدث پیش آیا بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد تو وضوء کر کے سلام پھیر دے اور اگر کسی نے اسی حالت میں قصداً وضوء توڑ دیا یا بات کی یا منافی نماز کوئی عمل کیا تو اس کی نماز پوری ہوگئی۔

تشریح:۔(۱٦۹)یعنی اگر کسی نمازی کو تشہد کے بعد حدث پیش آیا تو یہ شخص لوٹ کر وضوء کر لے اور سلام پھیر دے کیونکہ تسلیم واجب ہے پس اس وجہ سے وضوء کرنا ضروری ہے تاکہ سلام پھیر دے۔(۱۷۰)اور اگر تشہد کے بعد نمازی نے قصداً وضوء توڑ دیا یا قصداً کلام کیا اور یا قصداً کوئی منافی نماز کوئی کام کیا تو اسکی نماز پوری ہوگئی کیونکہ قاطع نماز کے پائے جانے کی وجہ سے بناء کرنا تو متعذر ہوگیا مگر اس پر از سر نو نماز کا اعادہ بھی نہیں کیونکہ ارکان نماز میں سے اس پر کوئی چیز باقی نہیں رہی۔باقی رہا قصداً اپنے فعل سے نماز سے نکلنا تو عمداً فعل سے وہ بھی پائی گئی۔

(۱۷۱)وَاِنْ رَاَى الْمُتَيَمِّمُ الْمَاءَ فِى صَلٰوتِهٖ بَطَلَتْ صَلَاتُهٗ وَاِنْ رَاٰهُ بَعْدَمَا قَعَدَ قَدْرَ التَّشَهُّدِ اَوْكَانَ مَاسِحًا فَانْقَضَتْ مُدَّةُ مَسْحِهٖ اَوْخَلَعَ خُفَّيْهِ بِعَمَلٍ قَلِيْلٍ اَوْكَانَ اُمِّيًا فَتَعَلَّمَ سُوْرَةً اَوْعُرْيَانًا فَوَجَدَ ثَوْبًا اَوْمُوْمِيًا فَقَدَرَ عَلَى الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ اَوْتَذَكَّرَ اَنَّ عَلَيْهِ صَلٰوةً قَبْلَ هٰذِهٖ اَوْاَحْدَثَ الْاِمَامُ الْقَارِئُ فَاسْتَخْلَفَ اُمِّيًا اَوْطَلَعَتِ الشَّمْسُ فِى صَلٰوةِ الْفَجْرِ اَوْدَخَلَ وَقْتُ الْعَصْرِ فِى الْجُمُعَةِ اَوْكَانَ مَاسِحًا عَلَى الْجَبِيْرَةِ فَسَقَطَتْ عَنْ بُرْءٍ اَوْكَانَتْ مُسْتَحَاضَةً فَبَرَاَتْ بَطَلَتْ صَلٰوتُهُمْ فِى قَوْلِ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَمَّتْ صَلٰوتُهُمْ فِى هٰذِهِ الْمَسَائِلِ كُلِّهَا۔

ترجمہ:۔اور اگر متیمم نے اپنی نماز میں پانی دیکھا تو اس کی نماز باطل ہوگئی اور اگر مقدار تشہد بیٹھنے کے بعد پانی دیکھا یا مسح کرنے والے کی مدت مسح پوری ہوگئی یا عمل قلیل سے اپنے موزے نکال دئے یا ان پڑھ نے کوئی سورت سیکھ لی یا ننگا تھا پس اس نے کپڑا پایا یا اشارہ کرنے والا تھا پس وہ رکوع اور سجدہ پر قادر ہوگیا یا اس کو یاد آیا کہ اس کے ذمہ اس سے پہلے کی نماز کی قضاء لازم ہے یا امام قاری کو حدث لاحق ہوا اور اس نے کسی امی کو خلیفہ بنادیا یا نماز فجر میں سورج طلوع ہوگیا یا نماز جمعہ میں عصر کا وقت داخل ہوگیا یا زخم کی پٹی پر مسح کرنے والا تھا اور زخم ٹھیک ہوکر پٹی گرگئی یا عورت مستحاضہ تھی پس وہ اچھی ہوگئی تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق ان تمام صورتوں میں نماز باطل ہوگئی اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان تمام مسائل میں ان سب کی نماز مکمل ہوگئی۔

تشریح:۔(۱۷۱) اس عبارت میں امام قدوری رحمہ اللہ نے بارہ (۱۲) مشہو مختلف فیہ مسائل بیان کئے ہیں۔/ **نمبر ۱**۔متیمم مصلی نے مقدار تشہد بیٹھنے کے بعد پانی دیکھا۔/ **نمبر ۲**۔موزوں پر مسح کرنے والا تھا مقدار تشہد بیٹھنے کے بعد مدت مسح پوری ہوگئی ۔/ **نمبر ۳**۔بعد از تشہد عمل قلیل کے ساتھ موزے نکالے۔/ **نمبر ٤**۔مصلی امی تھا بعد از تشہد اس نے کوئی سورۃ سیکھ لی ۔/ **نمبر ۵**۔مصلی ننگا نماز پڑھ رہا تھا بعد از تشہد اس نے کپڑا پالیا۔

/ **نمبر ٦**۔مصلی رکوع وسجدہ سے عاجز تھا اشارہ سے نماز پڑھ رہا تھا بعد از تشہد رکوع وسجدہ پر قادر ہوگیا ۔/ **نمبر ۷**۔مصلی کو بعد از تشہد قضاء شدہ نماز یاد آگئی اور یہ شخص صاحب ترتیب ہے وقت میں بھی وسعت ہے۔/ **نمبر ۸**۔امام قاری تھا بعد از تشہد اسکو حدث پیش آیا اس نے اُمی کو خلیفہ بنایا۔/ **نمبر ۹**۔فجر کی نماز میں مقدار تشہد بیٹھنے کے بعد سورج طلوع ہوگیا۔/ **نمبر ۱۰**۔بعد از تشہد عصر کا وقت داخل ہوا حالانکہ یہ شخص نماز جمعہ میں ہے۔/ **نمبر ۱۱**۔مصلی نے جبیرہ پر مسح کیا ہوا تھا وہ بعد از تشہد اچھا ہونے سے گرگیا۔/ **نمبر ۱۲**۔مصلی معذور تھا بعد از تشہد اسکا عذر منقطع ہوگیا مثلاً نکسیر کا مریض تھا (جس کے ناک سے ہمیشہ خون بہہ رہا ہو) بعد از تشہد نکسیر ختم ہوا۔

مذکورہ بالا تمام صورتوں میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک نماز باطل ہوگئی اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک نماز پوری ہوگئی۔ چونکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں نماز سے اختیاری فعل کے ساتھ نکلنا فرض ہے کیونکہ دوسری کوئی فرض نماز ادا کرنا ممکن نہیں

جب تک کہ اس نماز سے نہ نکلے اور جس فعل کے بغیر فرض تک پہنچنا ممکن نہ ہو وہ بھی فرض ہے۔ اسلئے ان عوارض کا خروج از نماز سے پہلے پیش آنا ایسا ہے جیسے درمیان نماز میں پیش آنا اور نماز کے درمیان ان عوارض کے پیش آنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے لہذا قعدہ آخرہ کے بعد بھی مبطل صلوۃ ہیں۔ یہی قول راجح ہے۔

صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک نماز سے اختیاری فعل کے ساتھ نکلنا فرض نہیں لھذا بعد از تشہد ان عورض کا پیش آنا ایسا ہے جیسے سلام پھیرنے کے بعد پیش آنا، ظاہر ہے کہ بعد از سلام یہ عوارض مبطل صلوۃ نہیں تو بعد از تشہد بھی مبطل صلوۃ نہیں۔

بابُ قضاءِ الفوائت

یہ باب فوت شدہ نمازوں کی قضاء کے بیان میں ہے۔

امام قدوری رحمہ اللہ ادا اور اسکے متعلقات کے بیان سے فارغ ہو گئے تو قضاء نمازوں کے بیان میں شروع فرمایا چونکہ ادا اصل ہے اور قضاء اس کا خلیفہ ہے اسلئے بیانِ ادا کو مقدم کیا۔ عین واجب کا مستحق کو سپرد کر دینے کو ادا کہتے ہیں اور مثل واجب سپرد کر دینے کو قضاء کہتے ہیں۔

(۱۷۲) وَمَنْ فَاتَتْهُ صَلٰوةٌ قَضَاهَا اِذَا ذَكَرَهَا (۱۷۳) وَقَدَّمَهَا عَلٰى صَلٰوةِ الْوَقْتِ۔

ترجمہ:۔ اور جس شخص کی نماز فوت ہو جائے تو اس کی قضاء کرے جب اسے یاد آئے اور اسے وقتی نماز پر مقدم کرے۔

تشریح:۔ (۱۷۲) اگر کسی کی نماز فوت ہو گئی تو یاد آنے پر اسکی قضاء کرے (۱۷۳) اور اسکو وقتی نماز پر مقدم کرے۔ ہمارے نزدیک فوتی نماز اور وقتی نماز میں ترتیب واجب ہے یعنی فوتی نماز کو وقتی نماز پر مقدم کرنا واجب ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ترتیب مستحب ہے واجب نہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ہر فرض نماز بذات خود اصل ہے لہذا دوسری کسی نماز کیلئے شرط نہ ہوگی کیونکہ شرط تابع ہوتی ہے اور اصالت وتبعیت میں منافات ہے۔

ہماری دلیل پیغمبر ﷺ کا قول ہے "مَنْ نَامَ عن صَلٰوةٍ اَوْنَسِيَهَا فَلَمْ يَذْكُرْهَا اِلَّا وَهُوَ مَعَ الْاِمَامِ فَلْيُصَلِّ الَّتِيْ هُوَ فِيْهَا ثُمَّ لِيُصَلِّي الَّتِيْ ذَكَرَهَا ثُمَّ لِيُعِدِ الَّتِيْ صَلّٰى مَعَ الْاِمَامِ" (یعنی جو شخص سو گیا نماز سے یا اسکو بھول گیا پھر وہ یاد نہ آئی مگر یہ کہ وہ امام کے ساتھ ہے تو یہ پڑھ لے جس میں موجود ہے پھر وہ پڑھے جس کو یاد کیا پھر اس کا اعادہ کرے جو امام کے ساتھ پڑھی ہے) چونکہ فوتی نماز کو وقتی سے مقدم کرنا واجب ہے اس لئے حدیث شریف میں وقتی کو مقدم کرنے کی وجہ سے لوٹانے کا حکم کیا گیا ہے۔

(۱۷۴) اِلَّا اَنْ يَخَافَ فَوْتَ صَلٰوةِ الْوَقْتِ فَيُقَدِّمُ صَلٰوةَ الْوَقْتِ عَلَى الْفَائِتَةِ ثُمَّ يَقْضِيْهَا۔

ترجمہ:۔ البتہ اگر وقتی نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو وقتی نماز کو فوت شدہ نماز پر مقدم کرے پھر فوت شدہ نماز کی قضاء کرے۔

تشریح:۔ (۱۷۴) فوت شدہ اور وقتی نماز کے درمیان ترتیب واجب ہے لیکن اگر وقت تنگ ہو گیا اور خوف ہو کہ اگر فوت شدہ نماز کی قضاء میں مشغول ہو جاؤں تو وقت نکل جائیگا تو ایسی صورت میں وقتی نماز کو مقدم کرے پھر اسکے بعد فوت شدہ نماز کی قضاء کرے کیونکہ تین

چیزوں سے ترتیب ساقط ہو جاتی ہے۔/**نمبر ۱**۔وقت تنگ ہو۔/**نمبر ۲**۔فوت شدہ نماز بھول گیا۔/**نمبر ۳**۔فوت شدہ نمازیں چھ تک پہنچ گئی ہوں۔ان صورتوں میں ترتیب اسلئے ساقط ہو جاتی ہے کہ اگر ان صورتوں میں بھی ترتیب واجب قرار دی جائے تو وقتی نماز کو فوت کرنا لازم آتا ہے۔

(۱۷۵)وَلَوْفَاتَتْهُ صَلوَاتٌ رَتَّبَهَافِی الْقَضَاءِ كَمَاوَجَبَتْ فِی الْاَصْلِ(۱۷۶)اِلَّااَنْ تَزِيْدَالْفَوَائِتُ عَلٰى خَمْسِ صَلَوَاتٍ فَيَسْقُطُ التَّرْتِيْبُ فِيْهَا۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی کی کئی نمازیں فوت ہوگئیں تو ان کی قضاء اسی ترتیب سے کرے جس ترتیب سے وہ اصل میں فرض ہوئی ہیں البتہ اگر فوت شدہ نمازیں پانچ نمازوں سے زائد ہوں تو ان میں ترتیب ساقط ہو جاتی ہے۔

تشریح:۔(**۱۷۵**)یعنی ترتیب جس طرح وقتی نماز اور فوت شدہ میں فرض ہے اسی طرح خود فوائت کے درمیان بھی فرض ہے چنانچہ اگر کسی کی چند نمازیں فوت ہوگئیں تو ان کی قضاء اسی ترتیب کے ساتھ کرے جس ترتیب کے ساتھ ادا واجب ہوئی تھی''لِاَنَّ النَّبِی صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شُغِلَ عَنْ اَرْبَعِ صَلَوَاتٍ يَومَ الْخَنْدَقِ فَقَضَاهُنَّ مُرَتَّبًاثُمَّ قَالَ صَلُّوْاكَمَارَاَيْتُمُوْنِیْ اُصَلِّی ''(یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنگ خندق کے دن کفار کے ساتھ قتال کی وجہ چار نمازوں سے مشغول کئے گئے تو آپ ﷺ نے ان کو ترتیب کے ساتھ ادا کیا پھر فرمایا کہ نماز پڑھا کرو جیسے تم نے مجھے دیکھا کہ میں نماز پڑھتا ہوں)وجہ استدلال اس حدیث سے اس طرح ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فوت شدہ نمازوں کو ترتیب کے ساتھ قضاء فرمائی اور پھر امر کیا کہ''صَلُّوْاكَمَارَاَيْتُمُوْنِیْ اُصَلِّی ''کہ اسکے بعد بھی نمازوں کی قضاء ایسا ہی کیا کرو۔اور امر وجوب کے لئے ہے اس لئے ترتیب واجب ہے۔

(**۱۷۶**)ہاں اگر فوت شدہ نمازوں کی تعداد بڑھ کر چھ ہوگئیں تو ان کے درمیان ترتیب ساقط ہو جائیگی کیونکہ اس صورت میں فوائت کثیرہ ہیں تو دفع حرج کیلئے ترتیب ساقط ہو جائیگی جیسا کہ فوائت کثیرہ اور وقتی نمازوں کے درمیان ترتیب ساقط ہو جاتی ہے۔پھر کثرت فوائت کی صورت میں چونکہ ترتیب ساقط ہوتی ہے تو اگر کسی نے ان میں سے کچھ نمازوں کی قضاء کرلی تو کیا باقی ماندہ میں ترتیب عود کرآئیگی یا نہیں؟ صحیح یہ ہے کہ ترتیب عود نہیں کرتی ہے۔

الالغاز:۔ای صلوۃ افسدت خمسا؟وای صلوۃ صحت خمسا؟

فقل:۔ رجل ترک صلوۃ وصلی بعدها خمسا ذاکرا للفائتة،فان قضی الفائتة فسدت الخمس،وان صلی السادسة قبل قضاها صحت الخمس۔(الاشباہ والنظائر)

☆ ☆ ☆

بَابُ الْأَوْقَاتِ الَّتِي تُكْرَهُ فِيهَا الصَّلٰوةُ

یہ باب ان اوقات کے بیان میں ہے جن میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

مناسب تھا کہ اس باب کو "باب المواقیت" کے ساتھ ذکر کرتے جیسا کہ صاحب ھدایہ نے کیا ہے مگر امام قدوری رحمہ اللہ نے یہاں اسلئے ذکر کیا ہے کہ کراہت بھی عوارض میں سے ہے پس یہ فوات کے مشابہ ہے لہذا ان دونوں بابوں میں مجانست موجود ہے۔

پھر عنوان کراہت کا قائم کیا ہے اور ابتداً ان اوقات کے ساتھ کیا ہے جن میں نماز جائز نہیں تو اسکی وجہ یہ ہے کہ امام قدوری رحمہ اللہ نے اغلب کا اعتبار کیا ہے کہ کراہت اغلب ہے کیونکہ ہر نا جائز مکروہ بھی ہے مگر اسکا عکس نہیں۔

(۱۷۷) لَاتَجُوْزُ الصَّلٰوةُ عِنْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَلَاعِنْدَ غُرُوْبِهَا (۱۷۸) اِلَّا عَصْرَ يَوْمِهٖ وَلَاعِنْدَ قِيَامِهَا فِي الظَّهِيْرَةِ (۱۷۹) وَلَا يُصَلّٰى عَلٰى جَنَازَةٍ وَلَا يَسْجُدُ لِلتِّلَاوَةِ۔

ترجمہ: نہیں جائز نماز طلوع آفتاب کے وقت اور نہ غروب کے وقت مگر اسی دن کی نماز عصر اور نہ دوپہر میں قیام آفتاب کے وقت اور نہ نماز جنازہ پڑھے اور نہ سجدہ تلاوت کرے۔

تشریح:۔ (۱۷۷) یعنی طلوع آفتاب کے وقت اور زوال آفتاب کے وقت اور غروب کے وقت فرض نماز پڑھنا جائز نہیں "لحدیث عقبہ رضی اللہ تعالی عنہ ابن عامر قَالَ ثَلٰثَةُ اَوْقَاتٍ نَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنْ نُصَلِّيَ وَاَنْ نَقْبِرَ فِيْهَا مَوْتَانَا عِنْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ حَتّٰى تَرْتَفِعَ وَعِنْدَ زَوَالِهَا حَتّٰى تَزُوْلَ وَحِيْنَ تَضَيَّفَ لِلْغُرُوْبِ حَتّٰى تَغْرُبَ" (یعنی تین اوقات ہیں جن میں ہم کو نماز پڑھنے اور اپنے مردوں کو دفن کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ السلام نے ممانعت فرمائی ایک وقت طلوع آفتاف ہے یہاں تک کہ بلند ہو جائے اور دوسرا زوال آفتاب ہے یہاں تک کہ ڈھل جائے اور تیسرا غروب آفتاب ہے یہاں تک کہ غروب ہو جائے)۔

اور سجدہ تلاوت چونکہ نماز کے معنی میں ہے اسلئے سجدہ تلاوت بھی جائز نہیں۔

(۱۷۸) لیکن مذکورہ بالا قاعدے سے اسی دن کی عصر کی نماز مستثنی ہے یعنی اگر کسی نے عصر کی نماز نہیں پڑھی یہاں تک کہ غروب کا وقت ہو گیا تو یہ شخص اس دن کی عصر کی نماز غروب آفتاب کے وقت پڑھ سکتا ہے کیونکہ اسی دن کی نماز ناقص واجب ہوئی تو نقصان کے ساتھ ادا کرنے سے بھی ادا ہو جائیگی لیکن دوسری کوئی نماز یا دوسرے دن کی عصر کی نماز اگر اس وقت پڑھنا چاہے تو جائز نہیں کیونکہ جو کامل واجب ہوئی ہو اسکو ناقص ادا کرنا جائز نہیں۔

(۱۷۹) اسی طرح جنازہ کی نماز بھی ان اوقات میں جائز نہیں بشرطیکہ جنازہ ان اوقات سے پہلے حاضر ہوا ہو اور اگر ان ہی اوقات میں جنازہ حاضر ہو گیا تو جائز ہے اسی طرح ان اوقات میں سجدہ تلاوت بھی جائز نہیں بشرطیکہ ان اوقات سے پہلے آیت سجدہ تلاوت کی ہو اور اگر ان ہی اوقات میں تلاوت کی تو جائز ہے۔

☆ ☆ ☆

(۱۸۰)وَيكرَه اَنْ يَتنفّلَ بَعْدَصَلوٰةِ الْفجرِحتّٰى تطلُعَ الشّمسُ(۱۸۱)وَبعْدَصَلوٰةِ الْعَصرِحَتّٰى تَغرُبَ الشّمسُ (۱۸۲)ولَابَاسَ بِاَنْ يُصَلّي فِي هٰذَيْنِ الْوَقْتَيْنِ الْفَوَائتَ وَيَسْجُدُلِلتّلَاوَةِ وَيُصَلّي عَلَى الْجَنَازَةِ(۱۸۳)وَلَايُصَلّي رَكْعَتَي الطّوَافِ۔

ترجمہ:۔اور نمازِ فجر کے بعد نفل مکروہ ہے یہاں تک کہ آفتاب طلوع ہوجائے اور نمازِ عصر کے بعد یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوجائے اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ پڑھے ان دو وقتوں میں فوت شدہ نمازیں اور سجدہ تلاوت کرنے اور نمازِ جنازہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں اور طواف کی دو رکعتیں نہ پڑھے۔

تشریح:۔(۱۸۰)یعنی فجر کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے یہاں تک کہ سورج طلوع ہوجائے (۱۸۱) اور عصر کے بعد نماز پڑھنا مکروہ ہے یہاں تک کہ سورج غروب ہوجائے"لحديث ابن عباس رضي الله تعالى عنه اَنّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنِ الصّلوٰةِ بَعْدَالصّبحِ حَتّٰى تَشرقَ الشّمْسُ وَبَعْدَالْعَصرِ حتّٰى تَغرُبَ"(یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا یہاں تک کہ سورج روشن ہوجائے اور عصر کے بعد یہاں تک کہ سورج غروب ہوجائے)۔

(۱۸۲)ہاں ان دو وقتوں میں قضاء نمازیں، سجدہ تلاوت اور نماز جنازہ پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ ان دو اوقات میں کراہت فجر اور عصر کی نماز کی وجہ سے تھی تا کہ تمام وقت اسی وقت کے فرض میں مشغول ہوجائے پس چونکہ کراہت حقِ فرض کی وجہ سے تھی لہذا حقیقتاً فرض میں مشغول ہونے کے حق میں کراہت بوجہ حقِ فرض ظاہر نہ ہوگی کیونکہ وقت کو حقیقتاً فرض (یا جو واجب لعینہ ہونے میں فرض کے معنی میں ہو جیسے سجدۂ تلاوت) کے ساتھ مشغول کرنا اولیٰ ہے حقِ فرض کے ساتھ مشغول کرنے سے۔

(۱۸۳)اور مذکورہ اوقات میں طواف کی دو رکعتیں نہ پڑھے کیونکہ مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز فجر کے بعد طواف کیا پھر مکہ مکرمہ سے نکلا ذی طوی مقام پر طلوع آفتاب کے بعد دو رکعتیں پڑھیں"وَقَالَ رَكْعَتَانِ مَقَامَ رَكْعَتَيْنِ"(یعنی یہ دو رکعتیں بعوض دو رکعتوں کے ہیں)۔

(۱۸۴)وَيكرَهُ اَنْ يَتنفّلَ بَعْدَطُلُوْعِ الْفَجْرِبِاَكْثَرَمِنْ رَكعَتَي الْفَجْرِ(۱۸۵)وَلَايَتَنَفّلُ قَبْلَ الْغُرُوْبِ۔

ترجمہ:۔اور مکروہ ہے صبح صادق کے طلوع ہونے کے بعد دو رکعات نفل سے زیادہ پڑھنا اور مغرب سے پہلے نفل نہ پڑھے۔

تشریح:۔(۱۸۴)یعنی طلوع فجر کے بعد فجر کی دو رکعت سنتوں سے زائد نوافل پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے باوجود یکہ نماز کے حریص تھے ان دو رکعتوں سے زائد ثابت نہیں تو ترک مع الحرص کراہت کی دلیل ہے۔(۱۸۵)اسی طرح غروب آفتاب کے بعد مغرب کی نماز پڑھنے سے پہلے بھی نفل پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ نفل پڑھنے کی وجہ سے نماز مغرب کی تاخیر لازم آئیگی حالانکہ نماز مغرب میں تعجیل مستحب ہے۔

☆ ☆ ☆

بَابُ النَّوافِل

یہ باب نفل نمازوں کے بیان میں ہے۔

نفل لغت میں زیادتی کو کہتے ہیں اور غنیمت کو بھی نفل اسلئے کہتے ہیں کہ یہ جہاد کے اصل مقصود یعنی اعلاء کلمۃ اللہ پر زائد ایک چیز ہے اور پوتے کو بھی نفل کہتے ہیں اسلئے کہ یہ ولد سے زائد ہے کما قال تعالی ﴿ وَوَهَبْنَالَه اِسْحَاقَ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ﴾ اور اصطلاح شرع میں نفل اس عبادت کو کہتے ہیں جس کے کرنے پر ثواب ہو اور نہ کرنے پر عذاب نہ ہو۔

امام قدوری رحمہ اللہ نے عنوان "بـاب النـوافل" قائم کیا ہے جبکہ اس میں سنن کو بھی ذکر کیا ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ نفل اعم اور اشمل ہے ہر سنت نفل ہے مگر اسکا عکس نہیں۔

ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ امام قدوری رحمہ اللہ فرض، واجب اور انکے متعلقات سے فارغ ہو گئے تو سنن اور نوافل میں شروع فرمایا پھر سنن کے بیان کو مقدم کیا ہے اسلئے کہ سنن اقویٰ ہیں۔

(۱۸۶) وَالسُّنَّةُ فِي الصَّلٰوةِ اَنْ يُصَلِّي رَكْعَتَينِ بَعدَ طُلُوعِ الفَجرِ وَاَربَعاً قَبلَ الظُّهرِ وَرَكْعَتَينِ بَعدَهَا وَاَربَعاً قَبلَ العَصْرِ وَاِنْ شَاءَ رَكعَتَينِ وَرَكعَتَينِ بعدَ الْمَغرِبِ وَاَربَعاً قَبلَ العِشَاءِ وَبَعدَهَا اَربَعاً وَاِنْ شَاءَ رَكعَتَينِ۔

ترجمہ:۔ مسنون نمازیں یہ ہیں کہ دو رکعتیں صبح صادق کے بعد پڑھے اور چار رکعتیں ظہر سے پہلے اور دو رکعتیں ظہر کے بعد اور چار رکعتیں عصر سے پہلے اور اگر چاہے تو دو رکعتیں پڑھے اور دو رکعتیں مغرب کے بعد اور چار رکعتیں عشاء سے پہلے اور چار عشاء کے بعد اور اگر چاہے تو دو رکعتیں پڑھے۔

تشریح:۔ (۱۸۷) یعنی سنت نمازیں یہ ہیں کہ دو رکعت نماز فجر سے پہلے پڑھے اور ظہر سے پہلے چار رکعت اور ظہر کی نماز کے بعد دو رکعت ہیں عصر کی نماز سے پہلے چار رکعت ہیں اگر چاہے تو دو رکعت پر اکتفاء کرے اور مغرب کے بعد دو رکعت ہیں اور عشاء سے پہلے چار رکعت ہیں اور عشاء کے بعد چار رکعت ہیں اگر چاہے تو دو رکعت پر اکتفاء کرے ان سب کی دلیل پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے "عـن عـائشة رضـى الله تعالى عنها قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَنْ ثَابرَ(واظب) عَلى الثِّنتَى عَشرَةَ رَكعةٍ مِنَ السُّنَّةِ بَنَى اللّٰه لَه بَيتاً فِي الجَنةِ اَربعَ رَكعَاتٍ قَبلَ الظُّهرِ وَرَكعَتَينِ بعدَ هاوَرَكعَتَينِ بعدَ المُغرِبِ وَرَكعَتَينِ بَعدَ العِشَاءِ وَرَكعَتَينِ قَبلَ الـفَجرِ "(یعنی جس نے دن رات میں بارہ رکعت سنتوں پر مواظبت کی تو اللہ تعالی اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا چار رکعات ظہر سے پہلے اور دو رکعتیں ظہر کے بعد اور دو رکعتیں مغرب کے بعد اور دو رکعتیں عشاء کے بعد اور دو رکعتیں فجر کے بعد)۔

لیکن اس حدیث شریف میں عصر سے پہلے چار رکعت کا ذکر نہیں اسلئے امام محمد رحمہ اللہ نے مبسوط میں ان چار رکعات کو مستحب قرار دیا ہے اور اختیار دیا ہے کہ عصر سے پہلے چار رکعت پڑھے یا دو رکعت پڑھے کیونکہ عصر سے پہلے کی تعداد رکعات میں آثار مختلف ہیں۔

نیز حدیث شریف میں عشاء سے پہلے چار رکعات کا بھی ذکر نہیں لہذا یہ چار رکعت بھی مستحب ہیں اور اس حدیث میں عشاء کے بعد دو

رکعات کا ذکر ہے جبکہ ایک دوسری حدیث میں چار رکعات کا ذکر ہے پس اختلاف احادیث کی وجہ سے امام محمد رحمہ اللہ نے اختیار دیا کہ چاہے تو عشاء کے بعد چار رکعت پڑھے اور چاہے تو دو رکعت پڑھے۔

پھر سب سے زیادہ مؤکد سنت سنتِ فجر ہے پھر ظہر سے پہلے کی چار رکعت ہیں باقی سنن سب برابر ہیں اور وقت گذرنے کے بعد سنن کی قضا نہیں سوی یہ کہ سنت فجر اگر فرضوں کے ساتھ قضاء ہوگئیں تو زوال سے پہلے تک فرض کے ساتھ سنن کی بھی قضاء درست ہے۔

(۱۸۸) وَنَوَافِلُ النَّهارِ اِنْ شاءَ صَلّٰى رَكعَتَينِ بِتَسلِيمَةٍ وَاحِدَةٍ وَاِنْ شاءَ اَرْبعاً (۱۸۹) وَيُكرَه الزِّيادَةُ عَلٰى ذالِكَ (۱۹۰) فَاَمّا نَوافِلُ اللَّيلِ فَقَالَ اَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَه اللّٰه اِنْ صَلّٰى ثَمانِي رَكعاتٍ بِتَسلِيمَةٍ واحِدَةٍ جازَ وَيُكرَه الزِّيادَةُ عَلٰى ذالِكَ وَقالَ اَبُو يوسفَ رَحِمَه اللّٰه وَمحمّدٌ رَحِمَه اللّٰه لايَزِيدُ بِاللَّيلِ عَلٰى رَكعَتَينِ بِتَسلِيمَةٍ وَاحِدَةٍ۔

ترجمہ:۔ اور دن کی نفل نمازیں اگر چاہے تو ایک سلام کے ساتھ دو رکعت پڑھے اور اگر چاہے تو چار رکعتیں پڑھے اور اس سے زیادہ (ایک سلام کے ساتھ) مکروہ ہے رہی رات کی نفلیں تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک سلام کے ساتھ آٹھ رکعت پڑھے تو یہ بھی جائز ہے اور اس سے زیادہ مکروہ ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رات کو ایک سلام کے ساتھ دو رکعات پر زیادتی نہ کرے۔

تشریح:۔ امام قدوری رحمہ اللہ بیان سنن سے فارغ ہو گئے تو نوافل میں شروع فرمایا، علماء نے اباحت وافضلیت کے اعتبار سے رات اور دن کے نوافل کی مقدار میں اختلاف کیا ہے۔ (۱۸۸) چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دن کے نفلوں میں ایک سلام کے ساتھ دو رکعت پڑھنا یا چار رکعت پڑھنا مباح ہے۔ (۱۸۹) اس سے زائد مکروہ ہے کیونکہ اس سے زیادہ میں نص وارد نہیں۔ (۱۹۰) اور رات کو ایک سلام کے ساتھ آٹھ رکعت پڑھنا بلا کراہت جائز ہے آٹھ سے زائد پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو ایک سلام سے آٹھ رکعت پر زیادتی نہیں فرمائی ہے تو اگر مکروہ نہ ہوتا تو بیان جواز کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دو مرتبہ زیادتی فرما دیتے۔

صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک رات کے نوافل میں افضل یہ ہے کہ دو رکعتیں پڑھے۔ صاحبین رحمہما اللہ تراویح پر قیاس کرتے ہیں۔ اور انکے نزدیک دن کے نوافل میں افضل یہ ہے کہ چار رکعتیں پڑھے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دن رات دونوں میں چار رکعت افضل ہیں کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کے بعد ایک سلام کے ساتھ چار رکعتیں پڑھتے تھے جس کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے روایت کیا ہے اور چاشت کی نماز بھی ایک سلام کے ساتھ چار رکعتیں پڑھتے تھے۔ امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے۔

اور ''قال ابویوسف رحمہ اللّٰہ ومحمد رحمہ اللّٰہ لایزید باللیل '' کا مطلب یہ ہے کہ دو رکعتوں پر زیادتی کرنا افضل نہیں نہ یہ کہ جائز نہیں کیونکہ رات میں چار رکعت پر زیادتی بالاتفاق مکروہ نہیں۔

(۱۹۱) وَالقِراۃُ فی الفرائِضِ وَاجِبَۃٌ فِی الرَّکعَتَینِ الاُولَیَینِ (۱۹۲) وَھوَ مُخَیَّرٌ فِی الاُخرَیَینِ اِن شَاءَ قَرأ الفَاتِحۃَ وَاِن شَاءَ سَکَتَ وَاِن شَاءَ سَبَّحَ۔

ترجمہ:۔اور قرأت فرض نمازوں میں اول دو رکعتوں میں واجب ہے اور اخیر کی دو رکعتوں میں اختیار ہے اگر چاہے تو سورۃ فاتحہ پڑھے اور اگر چاہے تو خاموش رہے اور اگر چاہے تو تسبیح پڑھے۔

تشریح:۔(۱۹۱) یعنی احناف کے نزدیک فرائض میں اول دو رکعتوں میں قرأۃ فرض ہے۔امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک تمام رکعتوں میں فرض ہے۔امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد"لاصَلوٰۃَ اِلّا بِقِراۃٍ"(یعنی بلاقرأۃ نماز نہیں) ہے اور ہر رکعت نماز ہے لہذا ہر رکعت میں قرأۃ کرنا فرض ہوگا۔

احناف کی دلیل باری تعالی کا قول ﴿ فَاقرَءُوا مَا تَیَسَّرَ مِنَ القُرآنِ ﴾ (قرآن میں سے جس قدر آسان ہو پڑھ لیا کرو) ہے وجہ استدلال یوں ہے کہ"اقرؤا"امر کا صیغہ ہے اور امر تکرار کا تقاضا نہیں کرتا پس عبارۃ النص سے ایک رکعت میں قرأۃ ثابت ہوگئی اور چونکہ رکعت ثانیہ من کل وجہ رکعت اولی کے مشابہ ہے اسلئے دلالۃ النص سے رکعت ثانیہ میں قرأۃ واجب کی گئی۔

(۱۹۲) آخری دو رکعتوں میں نمازی کو اختیار ہے چاہے تو سورۃ فاتحہ پڑھے یا تین تسبیحات پڑھے یا بقدر تین تسبیحات خاموش رہے یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مروی ہے اور یہی حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ وابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے مگر قرأۃ کرنا افضل ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھار ترک کے ساتھ اس پر مداومت فرمائی ہے۔

(۱۹۳) وَالقِراۃُ وَاجِبَۃٌ فِی جَمِیعِ رَکعَاتِ النَّفلِ (۱۹۴) وَفِی جَمِیعِ الوِترِ۔

ترجمہ:۔اور قرأت واجب ہے نفل کی تمام رکعتوں میں اور وتر کی تمام رکعتوں میں۔

تشریح:۔(۱۹۳) یعنی قرأۃ نفل (۱۹۴) اور وتر کی تمام رکعتوں میں واجب ہے۔نفل کی تمام رکعتوں میں قرأۃ اس لئے واجب ہے کہ نفل ہر دو رکعت علیحدہ نماز ہے اور تیسری رکعت کیلئے کھڑا ہونا نئی تحریمہ کی طرح ہے لہذا پہلی تحریمہ سے صرف دو رکعت واجب ہونگی۔علماء احناف کا قول مشہور یہی ہے۔یہی وجہ ہے کہ مشائخ نے کہا کہ تیسری رکعت میں"سبحانک اللّٰھم الخ"پڑھے اور وتر میں احتیاطاً نفل کی طرح ہر رکعت میں قرأۃ واجب قرار دی ہے۔

(۱۹۵) وَمَن دَخَلَ فِی صَلوٰۃِ النَّفلِ ثُمَّ اَفسَدَھَا قَضَاھَا۔

ترجمہ:۔اور جو شخص نفل نماز میں داخل ہوجائے (نفل نماز شروع کردے) پھر اس کو فاسد کردے تو اس کی قضاء کرے۔

تشریح:۔(۱۹۵) احناف کے نزدیک نفل نماز شروع کرنے سے لازم ہوجاتی ہے لہذا اگر بعد از شروع فاسد کردیا تو اسکی قضاء واجب ہوگی۔امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک قضاء واجب نہیں کیونکہ نفل پڑھنے والا متبرع ہے اور تبرع کرنے والے پر لزوم نہیں ہوتا۔احناف کی

دلیل یہ ہے کہ بعد از شروع نفل کا جو حصہ ادا کیا گیا وہ قربت اور عبادت ہو گیا اور جو چیز عبادت واقع ہوا سکا پورا کرنا لازم ہوتا ہے تا کہ عمل باطل ہونے سے محفوظ رکھا جاسکے کیونکہ ابطال عمل (عمل کو باطل کرنا) حرام ہے لِقَولِهٖ تعالیٰ ﴿لاتُبْطِلُوْااَعمَالَكُمْ﴾ (یعنی اپنے اعمال کو باطل مت کرو) لہذا اگر نفل عمل کو درمیان میں فاسد کیا تو اس کا اعادہ واجب ہے۔

(۱۹۶) فَاِنْ صَلّٰی اَرْبَعَ رَكعَاتٍ وَقَعَدَفِی الْاُولَیَینِ ثُمَّ اَفْسَدَالْاُخرَیَینِ قَضٰی رَكعَتَینِ وَقَالَ اَبُویُوسُف رَحمَه اللّٰه یَقْضِی اَرْبَعاً۔

توجمہ:۔پس اگر چار رکعتوں کی نیت کی اور پہلی دو رکعتوں میں بیٹھ گیا پھر آخری دو رکعتوں کو فاسد کردیں تو دو رکعتوں کی قضاء کرے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چار رکعتوں کی قضاء کرے۔

تشریح:۔(۱۹۶) یعنی اگر چار رکعت کی نیت سے نفل شروع کی اور اول دو رکعتوں کے آخر میں بقدر تشہد بیٹھ گیا پھر بعد کی دو رکعتوں کو فاسد کیا تو اب دو ہی رکعت کی قضاء کرے کیونکہ پہلا شفع تو پورا ہو چکا اور تیسری رکعت کیلئے کھڑا ہونا نئی تحریمہ کے مرتبہ میں ہے پس وہ بعد کی دو رکعتوں کو لازم کرنے والا ہوا لہذا اسکو فاسد کرنے کی صورت میں اسی کی قضاء واجب ہوگی۔اور اگر اول دو رکعتوں کے آخر میں بقدر تشہد نہیں بیٹھا اور آخری دو رکعتوں کو بھی فاسد کیا تو بالاتفاق چار رکعت کی قضاء واجب ہوگی کیونکہ اول دو رکعتوں کی قضاء تو اس لئے واجب ہے کہ ان کے آخر میں بقدر تشہد بیٹھنا فرض ہے تو ترکِ فرض کی وجہ سے اول دو رکعتوں کا اعادہ کریگا اور آخری دو رکعتوں کو فاسد کرنے کی وجہ سے انکی قضاء کرنا بھی ضروری ہے۔

(۱۹۷) وَیُصَلّی نَافِلَةً قَاعِداًمَعَ الْقُدْرَةِ عَلٰی الْقِیَامِ۔

توجمہ:۔اور نفل نماز بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے قیام پر قدرت ہونے کے باوجود۔

تشریح:۔(۱۹۷) یعنی قیام پر قدرت کے باوجود بیٹھ کر نفل نماز پڑھنا جائز ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "صَلٰوةُ القَاعِدِعلی النّصفِ مِن صَلٰوةِ القَائِم" (کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی بنسبت بیٹھ کر نماز پڑھنے میں آدھا ثواب ہے) وجہ استدلال یوں ہے کہ حضور ﷺ کی مراد یا تو یہ ہے کہ عذر کی وجہ سے بیٹھ کر پڑھے یا بغیر عذر کے اول تو نہیں ہوسکتا کیونکہ عذر کی وجہ سے بیٹھ کر پڑھنا اور کھڑے ہو کر پڑھنا ثواب کے اعتبار سے برابر ہیں لہذا متعین ہوا کہ بغیر عذر کے بیٹھ کر پڑھنا مراد ہے اور حدیث شریف میں فرض بالاجماع مراد نہیں کیونکہ بلا عذر بالاجماع فرض نماز بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں ہے پس نفل متعین ہو گیا لھذا بلا عذر بیٹھ کر نفل نماز پڑھنا جائز ہے۔

(۱۹۸) وَاِنْ اِفْتَتَحَهَاقَائِماً ثُمَّ قَعَدَجَازَعِندَاَبِی حَنِیفَةَ رَحِمه اللّٰه وَقَالَارَحِمَهُمَااللّٰه لَایَجُوزُاِلَّامِنْ عُذرٍ۔

توجمہ:۔اور اگر نفل نماز کھڑے ہو کر شروع کیا پھر بیٹھ گیا تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ بلا عذر جائز نہیں۔

تشریح:۔(۱۹۸)یعنی اگر کسی نے کھڑے ہوکر نفل شروع کی پھر بلاعذر بیٹھ گیا تو امام حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک جائز نہیں۔ صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ کھڑے ہوکر شروع کرنا نذر کی طرح قیام کو لازم کردیتا ہے لہذا اب بیٹھنا جائز نہیں۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ قیام نوافل میں رکن نہیں لہذا قیام کا ابتداءً ترک کرنا جائز ہے تو بقاءً تو بطریقِ اولیٰ جائز ہوگا۔امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے۔

(۱۹۹)وَمَنْ كَانَ خَارِجَ الْمِصرِ يَتَنَفَّلُ عَلى دَابَّتِهٖ اِلىٰ اَىِّ جِهَةٍ يُوْمِئُ اِيمَاءً۔

ترجمہ:۔اور جو شخص شہر سے باہر ہو وہ اپنی سواری پر نفل نماز پڑھ سکتا ہے جس طرف بھی وہ جاتی ہو اشارہ کرتے ہوئے۔

تشریح:۔(۱۹۹)یعنی شہر سے باہر سواری پر نوافل پڑھنا جائز ہے خواہ مسافر ہو یا مقیم پس جس طرف بھی اس کا دابہ متوجہ ہو اسی طرف رخ کرکے نماز پڑھے یعنی قبلہ کی طرف متوجہ ہونا ضروری نہیں۔اور رکوع وسجدہ کیلئے اشارہ کرلے"لحدیث ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ يُصَلِّي عَلى حِمَارٍ وَهُوَ مُتَوَجِّهٌ اِلىٰ خَيْبَرِ يُوْمِئُ اِيْمَاءً"(یعنی میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ﷺ گدھے پر اشارہ سے نماز پڑھ رہے تھے اس حال میں کہ خیبر کی طرف متوجہ تھے)۔

امام قدوری رحمہ اللہ نے"خارج المصر"سے اشارہ کیا کہ شہر کے اندر جائز نہیں اور"علی دابته"سے اشارہ کیا کہ پیدل چلنے والے کیلئے جائز نہیں۔

بَابُ سُجُودِ السَّهْوِ

یہ باب سجدہ سہو کے بیان میں ہے۔

امام قدوری رحمہ اللہ ادا اور قضاء کے بیان سے فارغ ہوگئے تو اس چیز میں شروع فرمایا جو ان میں واقع ہونے والے نقصان کی تلافی کرے یعنی سجدہ سہو میں۔ پھر"سجود السهو"میں اضافت از قبیل اضافت المسبب الی السبب ہے کیونکہ نماز کے اندر سہو ہی سجدہ کے واجب ہونے کا سبب ہے۔

(۲۰۰)وَسُجُوْدُ السَّهْوِ وَاجِبٌ فِي الزِّيَادَةِ وَالنُّقْصَانِ (۲۰۱)بَعْدَ السَّلَامِ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ يَتَشَهَّدُ وَيُسَلِّمُ۔

ترجمہ:۔اور سجدہ سہو زیادتی اور نقصان کی صورت میں واجب ہے سلام کے بعد دو سجدے کرے پھر تشہد پڑھے اور سلام پھیر دے۔

تشریح:۔(۲۰۰)یعنی نماز کے اندر اگر کسی فعل کی زیادتی یا کمی کردی گئی تو اس پر سجدہ سہو واجب ہوگا(۲۰۱)اور جس پر سجدہ سہو واجب ہوا تو وہ سلام کے بعد دو سجدے کرلے پھر تشہد پڑھے اور سلام پھیر دے۔

اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ سجدہ سہو سلام سے پہلے کرے یا بعد میں دونوں جائز ہیں البتہ اولویت میں اختلاف ہے احنافؒ کے نزدیک سلام کے بعد اولیٰ ہے۔امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سلام سے پہلے اولیٰ ہے اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اگر مصلی سے نماز میں نقصان ہوگیا ہو تو سلام سے پہلے سجدہ سہو کرے اور اگر زیادتی ہوگئی ہو تو سلام کے بعد سجدہ سہو کرے۔ ہماری دلیل حضور صلی

اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "لِكُلِّ سَهْوٍ سَجْدَتَانِ بَعْدَ السَّلَامِ" (یعنی ہر سہو کے لئے دو سجدے ہیں سلام کے بعد) ہے۔

(۲۰۲) وَيَلْزَمُهُ سُجُودُ السَّهْوِ إِذَا زَادَ فِي صَلٰوتِهِ فِعْلًا مِنْ جِنْسِهَا لَيْسَ مِنْهَا (۲۰۳) أَوْ تَرَكَ فِعْلًا مَسْنُونًا۔

ترجمہ:۔ اور سجدہ سہو لازم ہوگا جبکہ اپنی نماز میں کوئی ایسا فعل زیادہ کرے جو نماز کی جنس سے تو ہو مگر اسی نماز کا جزء نہ ہو یا کوئی فعل مسنون ترک کردے۔

تشریح:۔ اس سے پہلے اجمالاً کہا تھا کہ نماز میں زیادتی اور نقصان سے سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے اب اس اجمال کی تفصیل بیان فرماتے ہیں (۲۰۲) چنانچہ فرمایا کہ سجدہ سہو ہر اس فعل کو زیادہ کرنے سے لازم ہوتا ہے جو فعل نماز کی جنس سے تو ہو مگر اس نماز کا جزء نہیں جس میں اس کا اضافہ کیا گیا ہے مثلاً ایک رکعت کے اندر دو رکوع کئے یا تین سجدے کر لئے تو زائد رکوع اور سجدہ اگرچہ نماز کی جنس سے ہے مگر اس نماز کا جزء نہیں۔

(۲۰۳) اسی طرح اگر مصلی نے کوئی فعل مسنون (یعنی واجب) چھوڑ دیا تو بھی سجدہ سہو واجب ہوگا فعل مسنون سے واجب مراد ہے پھر واجب کو مسنون اس لئے کہا کہ واجب کا وجوب سنت سے ثابت ہوتا ہے۔ اور "یلزم" سے اشارہ کیا کہ سجدہ سہو واجب ہے لہذا ترک واجب یا تاخیر واجب یا تاخیر رکن ہی کی صورت میں واجب ہوگا ترک سنت وغیرہ کی صورت میں نہیں۔ باقی فعل کی زیادتی کی صورت میں اس لئے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے کہ زیادتی تاخیر رکن یا ترک واجب کو مستلزم ہوتا ہے چنانچہ اگر تین سجدے کئے تو دوسری رکعت کا قیام جو رکن ہے اس میں تاخیر لازم آئیگی۔

(۲۰۴) أَوْ تَرَكَ قِرَاءَةَ الْفَاتِحَةِ أَوِ الْقُنُوْتَ أَوِ التَّشَهُّدَ أَوْ تَكْبِيْرَاتِ الْعِيْدَيْنِ۔

ترجمہ:۔ یا قرأت فاتحہ یا دعاء قنوت یا تشہد یا تکبیرات عیدین چھوڑ دے۔

تشریح:۔ (۲۰۴) امام قدوری رحمہ اللہ کچھ واجبات کا نام لے کر فرماتے ہیں کہ انکے ترک سے سجدہ سہو لازم ہوتا ہے ان میں سے ایک نماز کے اول دو رکعتوں میں قرأۃ فاتحہ چھوڑنا ہے کیونکہ قرأۃ فاتحہ واجب ہے۔ اسی طرح نماز وتر میں دعاء قنوت چھوڑنا اور قرأۃ تشہد چھوڑنا اور تکبیرات عیدین چھوڑنا یہ سب موجب سجدہ سہو ہیں کیونکہ ان پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا ترک مواظبت فرمائی ہے جو کہ وجوب کی علامت ہے اور ترک واجب سے سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے لہذا ان اعمال کے ترک سے سجدہ سہو واجب ہو جائیگا۔

(۲۰۵) أَوْ جَهَرَ الْإِمَامُ فِيْمَا يُخَافَتُ (۲۰۶) أَوْ خَافَتَ فِيْمَا يُجْهَرُ۔

ترجمہ:۔ یا امام سری نماز میں جہراً یا جہری نماز میں سراً قرأت کرے۔

تشریح:۔ (۲۰۵) یعنی اگر امام نے سری نماز کے اندر جہر سے قرأۃ کی (۲۰۶) یا جہری نماز کے اندر اخفاء کیا تو اس پر سجدہ سہو واجب ہو جائیگا کیونکہ جہر اور اخفاء اپنے موقع پر واجبات میں سے ہیں اور ترک واجب کی وجہ سے سجدہ سہو لازم ہوتا ہے۔ اصح یہ ہے کہ جس مقدار سے نماز درست ہوتی ہے اس کے اخفاء اور جہر سے دونوں صورتوں میں سجدہ سہو واجب ہوتا ہے کیونکہ جہر و اخفاء کی تھوڑی سی مقدار سے بچنا

ممکن نہیں البتہ مقدار کثیر سے بچنا ممکن ہے اسلئے سہو کا حکم مقدار کثیر کے ساتھ متعلق ہوگا نہ کہ مقدار قلیل کے ساتھ۔

(۲۰۷) وَسَهْوُ الْإِمَامِ يُوجِبُ عَلَى الْمُؤْتَمِّ السُّجُوْدَ (۲۰۸) فَإِنْ لَمْ يَسْجُدِ الْإِمَامُ لَمْ يَسْجُدِ الْمُؤْتَمُّ (۲۰۹) فَإِنْ سَهَى الْمُؤْتَمُّ لَمْ يَلْزَمِ الْإِمَامَ وَلَا الْمُؤْتَمَّ السُّجُوْدُ۔

ترجمہ:۔اور امام کا سہو مقتدی پر سجدہ کو واجب کرتا ہے پس اگر امام سجدہ نہ کرے تو مقتدی بھی سجدہ نہ کرے اور اگر مقتدی کو سہو ہوا تو نہ امام پر سجدہ لازم ہے اور نہ مقتدی پر۔

تشریح:۔(۲۰۷) یعنی اگر امام سے کوئی موجب سہو عمل ہو جائے تو سجدہ سہو امام پر بھی واجب ہوگا اور مقتدی پر بھی کیونکہ مقتدی پر امام کا اتباع لازم ہے (۲۰۸) اور اگر امام نے سجدہ سہو نہ کیا تو مقتدی بھی نہ کرے کیونکہ اگر اکیلا مقتدی سجدہ سہو کریگا تو امام کی مخالفت لازم آئیگی حالانکہ اس نے امام کی متابعت میں نماز ادا کرنے کا التزام کیا تھا۔

(۲۰۹) اگر مقتدی سے حالتِ اقتدا میں کوئی موجب سہو عمل ہو گیا تو اسکی وجہ سے نہ امام پر سجدہ سہو لازم ہوگا اور نہ مقتدی پر کیونکہ اگر تنہا مقتدی سجدہ سہو کریگا تو امام کی مخالفت لازم آئیگی اور اگر امام بھی اس کے ساتھ سجدہ کریگا تو اصل کا تابع ہونا لازم آئیگا یعنی امام جو اصل تھا وہ تابع ہو جائیگا اور مقتدی جو تابع تھا وہ اصل ہو جائیگا۔

(۲۱۰) وَمَنْ سَهَى عَنِ الْقَعْدَةِ الْأُوْلَى ثُمَّ تَذَكَّرَ وَهُوَ إِلَى حَالِ الْقُعُوْدِ أَقْرَبُ عَادَ فَجَلَسَ وَتَشَهَّدَ وَإِنْ كَانَ إِلَى حَالِ الْقِيَامِ أَقْرَبُ لَمْ يَعُدْ وَيَسْجُدُ لِلسَّهْوِ۔

ترجمہ:۔اور جو شخص قعدۂ اولیٰ بھول گیا پھر اس حال میں یاد آیا کہ وہ بیٹھنے کے زیادہ قریب ہے تو وہ لوٹ جائے اور بیٹھ کر تشہد پڑھے اور اگر قیام کے زیادہ قریب ہے تو نہ لوٹے اور (آخر میں) سجدہ سہو کرے۔

تشریح:۔(۲۱۰) یعنی اگر چار رکعت والی یا تین رکعت والی فرض نمازوں میں کسی نے قعدہ اولیٰ چھوڑ دیا اور پھر یاد آیا تو دو صورتیں ہیں یا تو یہ شخص قعود کے زیادہ قریب ہوگا بایں طور کہ اس نے اپنے گھٹنوں کو زمین سے نہیں اٹھایا ہے اور یا قیام کے زیادہ قریب ہوگا بایں طور کہ اس نے اپنے گھٹنوں کو اٹھالیا ہے پس اگر اول صورت ہے تو لوٹ کر بیٹھ جائے اور تشہد پڑھے اور اگر دوسری صورت ہے تو نہ لوٹے بلکہ تیسری رکعت کیلئے کھڑا ہو جائے کیونکہ قریب الشی شی کا حکم لے لیتا ہے پس دوسری صورت میں اس پر سجدہ سہو واجب ہوگا کیونکہ اس نے واجب یعنی قعدہ اولیٰ کو ترک کر دیا ہے۔

(۲۱۱) وَمَنْ سَهَى عَنِ الْقَعْدَةِ الْأَخِيْرَةِ فَقَامَ إِلَى الْخَامِسَةِ رَجَعَ إِلَى الْقَعْدَةِ مَا لَمْ يَسْجُدْ وَأَلْغَى الْخَامِسَةَ وَسَجَدَ لِلسَّهْوِ (۲۱۲) وَإِنْ قَيَّدَ الْخَامِسَةَ بِسَجْدَةٍ بَطَلَ فَرْضُهُ وَتَحَوَّلَتْ صَلٰوتُهُ نَفْلًا وَكَانَ عَلَيْهِ أَنْ يَضُمَّ إِلَيْهَا رَكْعَةً سَادِسَةً۔

ترجمہ:۔اور جو شخص قعدۂ اخیرہ بھول گیا پس وہ پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا تو لوٹ آئے قعدہ کی طرف جب تک کہ سجدہ نہ کیا

ہوا اور پانچویں رکعت کو لغو کر دے اور سجدہ سہو کر دے اور اگر اس نے پانچویں رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید کر دیا تو اس کا فرض باطل ہو گیا اور اس کی نماز بدل کر نفل ہو گئی اور اس پر لازم ہے کہ اس کے ساتھ چھٹی رکعت ملا دے۔

تشریح:۔(۲۱۱) یعنی اگر کسی نے قعدہ اخیرہ چھوڑ کر مثلاً رباعی نماز میں پانچویں رکعت کیلئے کھڑا ہو گیا تو جب تک کہ پانچویں رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید نہ کیا ہو قعدہ کی طرف لوٹ آئے کیونکہ قعدہ کی طرف لوٹ آنے میں اس کی نماز کی اصلاح ہے اور اس کے لئے نماز کی اصلاح ممکن بھی ہے اسلئے کہ رکعت سے کم توڑ کر چھوڑنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اور پانچویں رکعت لغو کر دے کیونکہ یہ شخص قعدہ کی طرف لوٹا ہے جس کا محل پانچویں رکعت سے مقدم ہے اور قاعدہ ہے کہ نمازی نماز میں کسی فعل سے اس کے ماقبل کی طرف لوٹے تو مرجوع عنہ لغو ہو جاتا ہے۔ اور آخر میں سجدہ سہو کر لے کیونکہ اس نے فرض یعنی قعدہ آخرہ کو مؤخر کر دیا ہے۔

(۲۱۲) اگر پانچویں رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید کر دیا تو اس کا فرض باطل ہو گیا اور اب شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک یہ نماز نفل ہو جائیگی۔ نمازی کیلئے مستحب ہے کہ اس کے ساتھ چھٹی رکعت ملائے اگر چہ عصر کی نماز ہو تاکہ یہ شخص طاق رکعات نفل پڑھنے والا نہ ہو جائے اور اگر چھٹی رکعت نہ ملائی تو اس پر کچھ نہیں کیونکہ یہ قصداً پانچویں رکعت میں شروع نہیں ہوا ہے لہذا اس پر اتمام لازم نہیں۔ اور اصح یہ ہے کہ اس پر سجدہ سہو نہیں کیونکہ فساد جیسے نقصان کا جبیرہ سجدہ سہو سے نہیں ہوتا ہے۔

(۲۱۳) وَاِنْ قَعَدَ فِي الرَّابِعَةِ ثُمَّ قَامَ وَلَمْ يُسَلِّمْ يَظُنُّهَا الْقَعْدَةَ الْاُوْلىٰ عَادَ اِلَى الْقُعُوْدِ مَالَمْ يَسْجُدْ لِلْخَامِسَةِ وَسَلَّمَ وَسَجَدَ لِلسَّهْوِ (۲۱۴) وَاِنْ قَيَّدَ الْخَامِسَةَ بِسَجْدَةٍ ضَمَّ اِلَيْهَا رَكْعَةً اُخْرىٰ وَقَدْ تَمَّتْ صَلٰوتُهُ وَالرَّكْعَتَانِ لَهُ نَافِلَةٌ۔

ترجمہ:۔ اور اگر چوتھی رکعت میں بیٹھ چکا تھا پھر کھڑا ہوا اور سلام نہیں پھیرا قعدہ اولیٰ سمجھتے ہوئے تو لوٹ جائے قعدہ کی طرف جب تک پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو اور سلام پھیر کر سجدہ سہو کر لے اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کر چکا تو اس کے ساتھ ایک اور رکعت ملا دے اور اس کی نماز تام ہو گئی اور دو رکعتیں نفل ہو گئیں۔

تشریح:۔(۲۱۳) اگر کوئی چوتھی رکعت پر بقدر تشہد بیٹھ گیا پھر بھول کر سلام پھیرنے کے بجائے کھڑا ہو گیا تو جب تک کہ پانچویں رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید نہ کیا ہو قعدہ کی طرف لوٹ آئے کیونکہ اسکے ذمہ سلام باقی ہے اور حالت قیام میں سلام پھیرنا مشروع نہیں۔ اور مشروع طریقہ پر سلام پھیرنا ممکن ہے بایں طور کہ قعدہ کی طرف لوٹ آئے لہذا قعدہ کی طرف لوٹنا ضروری ہے لیکن قعدہ کی طرف لوٹ آنے کے بعد تشہد کا اعادہ نہ کرے بلکہ تاخیر سلام کی وجہ سے سجدہ سہو کر کے سلام پھیر دے۔

(۲۱۴) اگر پانچویں رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید کر دیا تو استحباباً اس کے ساتھ چھٹی رکعت ملائے کیونکہ طاق رکعت نفل پڑھنا مکروہ ہے۔ اور فرض اسکی پوری ہو گئی کیونکہ قعدہ اخیرہ اپنے محل میں پایا گیا صرف تاخیر سلام کی وجہ سے سجدہ سہو واجب ہوگا اور آخری دو رکعتیں نفل ہو جائینگی۔

(۲۱۵) وَمَنْ شَكَّ فِي صَلٰوتِهِ فَلَمْ يَدرِ اَصلّٰى ثَلٰثًا اَمْ اَربعًا وَذَالِكَ اَوَّلُ مَاعَرَضَ لَه اِستَانَفَ الصَّلٰوةَ (۲۱۶) فَاِنْ كَانَ يَعْرِضُ لَه كَثِيرًا بَنٰى عَلٰى غَالِبِ ظَنِّه اِنْ كَانَ لَهٗ ظَنٌّ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَه ظَنٌّ بَنٰى عَلَى الْيَقِيْنِ۔

ترجمہ:۔ اور جس کو اپنی نماز میں شک ہو جائے اور اس کو معلوم نہیں کہ تین رکعت پڑھیں یا چار اور یہ شک اس کو پہلی دفعہ ہوئی ہے تو نماز از سر نو پڑھے اور اگر اسے کثرت سے بھول ہوتی ہے تو اپنے غالب رائے پر بنا کرے بشرطیکہ اس کو غالب گمان ہو اور اگر اس کی کوئی رائے نہ ہو تو یقین پر بنا کرے۔

تشریح:۔ (۲۱۵) اگر مصلی کو اپنی نماز میں شک ہوا کہ تین رکعتیں ہوئیں یا چار اور یہ شک اس کو پہلی بار پیش آیا ہے یعنی شک اسکی عادت نہیں تو ایسی صورت میں بیٹھ کر سلام پھیر دے اور از سر نو نماز کا اعادہ کرے۔ (۲۱۶) اور اگر اسکو شک بکثرت ہوتا ہو تو اسکی دو صورتیں ہیں یا تو اسکو کسی ایک طرف کا ظن غالب ہوگا یا نہیں اگر ایک طرف کا ظن غالب ہو تو اسی کے مطابق عمل کرے کیونکہ کثرت سے عروض شک کی صورت میں از سر نو اعادہ کرنے میں حرج ہے۔ اور اگر کسی کو ظن غالب نہ ہو کہ کسی ایک جانب کو ترجیح دے تو پھر یقین پر بنا کرے (اقل پر عمل کرے) یعنی اگر تین اور چار ہونے میں شک ہو تو تین خیال کرے کیونکہ یہی متیقن ہے۔

بَابُ صَلٰوةِ الْمَرِيْضِ

یہ باب صلوۃ مریض کے بیان میں ہے۔

امام قدوری رحمہ اللہ نے بیمار کی نماز کا ذکر سجدہ سہو کے بعد اسلئے کیا ہے کہ مرض اور سہو دونوں عوارض سماویہ میں سے ہیں پھر سہو چونکہ عام ہے مریض اور تندرست سب کو عارض ہوتا ہے اسلئے سجود سہو کا ذکر مقدم کیا۔ اور "صلوۃ المریض" میں اضافۃ از قبیل اضافۃ الفعل الی فاعلہ یا از قبیل اضافۃ المصدر الی فاعلہ ہے۔ "مرض" بمعنی "سقم" علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ مرض وہ معنی ہے جو کسی زندہ کے بدن میں حلول کرنے سے طبائع اربعہ کا اعتدال زائل ہو جاتا ہے۔

(۲۱۷) وَاِذَا تَعَذَّرَ عَلَى الْمَرِيْضِ الْقِيَامُ صَلّٰى قَاعِدًا يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ (۲۱۸) فَاِنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ اَوْمٰى اِيْمَاءً وَجَعَلَ السُّجُوْدَ اَخْفَضَ مِنَ الرُّكُوْعِ (۲۱۹) وَلَايَرْفَعُ اِلٰى وَجْهِه شَيْئًا يَسْجُدُ عَلَيْهِ (۲۲۰) فَاِنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الْقُعُوْدَ اِسْتَلْقٰى عَلٰى قَفَاهُ وَجَعَلَ رِجْلَيْهِ اِلَى الْقِبْلَةِ وَاَوْمٰى بِالرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ (۲۲۱) وَاِنْ اضْطَجَعَ عَلٰى جَنْبِهِ وَوَجْهُهٗ اِلَى الْقِبْلَةِ وَاَوْمٰى جَازَ (۲۲۲) فَاِنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الْاِيْمَاءَ بِرَاْسِه اَخَّرَ الصَّلٰوةَ وَلَايُوْمِئُ بِعَيْنِه وَلَابِحَاجِبَيْهِ وَلَابِقَلْبِه۔

ترجمہ:۔ اور جب مریض کے لئے کھڑا ہونا دشوار ہو جائے تو بیٹھ کر رکوع اور سجدہ کرتے ہوئے نماز پڑھے اور اگر رکوع وسجدہ کی قدرت نہ ہو تو اشارہ کرے اور سجدہ کا اشارہ بنسبت رکوع کے زیادہ پست کرے اور اپنے چہرے کی طرف ایسی چیز نہ اٹھائے جس پر سجدہ کرے اور اگر بیٹھنے کی بھی قدرت نہ ہو تو اپنی پشت پر لیٹ جائے اور اپنے پاؤں قبلہ کی طرف کرلیں اور رکوع وسجدہ کے ساتھ اشارہ کرے اور اگر

کروٹ پر لیٹ جائے اور اپنے پاؤں قبلہ کی طرف متوجہ کرلے اور اشارہ کرے تو جائز ہے اور اگر سر کے ساتھ اشارہ کی قدرت بھی نہ رکھے تو نماز مؤخر کردے اور اپنی آنکھوں، اپنی بھوؤں اور اپنے دل سے اشارہ نہ کرے۔

تشریح:۔(۲۱۷)اگر مریض کھڑا ہوکر نماز پڑھنے پر قادر نہ ہو یا قادر تو ہو مگر ضرر کا اندیشہ ہو بایں طور کہ بیماری بڑھنے کا یا صحت یابی کی تاخیر کا ڈر ہو تو بیٹھ کر رکوع اور سجدہ کے ساتھ نماز ادا کرے۔(۲۱۸)اگر رکوع وسجدہ کرنے کی قدرت نہ ہو تو پھر رکوع اور سجدہ اشارہ کے ساتھ ادا کرے البتہ سجدہ کے اشارہ کے وقت بنسبت رکوع کے اشارہ کے سر زیادہ جھکائے کیونکہ اشارہ رکوع اور سجدہ کے قائم مقام ہے لہذا رکوع اور سجدہ کے حکم میں ہوگا۔(۲۱۹)مگر کوئی چیز تکیہ وغیرہ پیشانی کی طرف اٹھا کر اس پر سجدہ نہ کرے کیونکہ حضور ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

(۲۲۰)اگر مریض کو بیٹھنے کی بھی قدرت نہ ہو تو اپنی پشت کے بل چت لیٹ کر نماز پڑھے اور سر کے نیچے کوئی تکیہ رکھے تاکہ اشارہ کرنا ممکن ہو اور پاؤں قبلہ کی طرف کرلے اگر ہو سکا تو گھٹنے کھڑا کردے پاؤں نہ پھیلائے۔(۲۲۱)اگر مریض کروٹ پر لیٹ کر اشارہ سے نماز پڑھے درآنحالیکہ اس کا منہ قبلہ کی طرف ہو تو یہ بھی جائز ہے لیکن پہلی صورت اولیٰ ہے۔اور دوسری صورت میں دائیں کروٹ کے بل لیٹنا اولیٰ ہے بائیں سے "لحديث عمران بن حصين رضي الله تعالى عنه قَالَ كَانَتْ بِي بَوَاسِيرُ فَسألتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّلٰوةِ فَقَالَ ﷺ صَلِّ قَائماًفَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَقَاعِداًفَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلىٰ جَنْبٍ" (یعنی عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے بواسیر کا مرض تھا تو میں نے نماز کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کھڑے ہوکر پڑھ پھر اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو بیٹھ کر پھر اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو کروٹ کے بل لیٹ کر پڑھ) نیز طاعت بقدر طاقت ہوتی ہے۔

(۲۲۲)اگر مرض اس قدر بڑھ گیا کہ سر کیساتھ اشارہ کرنے کی قدرت بھی باقی نہ رہی تو نماز مؤخر کردی جائیگی لیکن آنکھوں، دل اور بھوؤں کے ساتھ اشارہ کرنا کافی نہ ہوگا کیونکہ اشارہ درحقیقت رکوع اور سجدہ کا بدل ہے اور بدل کا رائی اور قیاس سے مقرر کرنا ممنوع ہے اور حدیث شریف میں صرف سر کے ساتھ اشارہ کا ذکر ہے نہ کہ آنکھ وغیرہ کا۔

امام قدوری رحمہ اللہ نے "اخر الصلوۃ" سے اشارہ کیا کہ نماز اس سے ساقط نہ ہوگی بلکہ قضاء کریگا اگرچہ نمازیں زیادہ ہوں بشرطیکہ ہوش وحواس اسکے بحال ہوں جبکہ بعض حضرات کے نزدیک اگر ایک دن رات سے زیادہ ہوگئیں تو قضاء لازم نہیں۔

(۲۲۳)فَإِنْ قَدَرَ عَلَى الْقِيَامِ وَلَمْ يَقْدِرْ عَلَى الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ لَمْ يَلْزَمْهُ الْقِيَامُ وَجَازَ أَنْ يُصَلِّيَ قَاعِداً يُومِي إيمَاءً۔

ترجمہ:۔پھر اگر مریض قیام پر تو قادر ہو لیکن رکوع وسجدہ پر قادر نہ ہو تو اس کے لئے قیام ضروری نہیں اور جائز ہے یہ کہ بیٹھ جائے اشارہ سے نماز پڑھے۔

تشریح:۔(۲۲۳)اگر کوئی ایسا بیمار ہوا کہ وہ قیام پر تو قادر ہے لیکن رکوع اور سجدہ کرنے پر قادر نہیں تو اس پر قیام لازم نہ ہوگا بلکہ وہ بیٹھ کر اشارے سے نماز ادا کرے کیونکہ قیام اس غرض سے رکن ہے کہ وہ رکوع وسجدہ ادا کرنے کا وسیلہ ہوتا ہے پس یہ رکوع وسجدہ کا تابع ہے تو جب قیام کے بعد رکوع اور سجدہ نہ ہو تو وہ قیام رکن نہ ہوگا۔اس شخص کے لئے کھڑے ہو کر اشارہ سے نماز پڑھنا بھی جائز ہے لیکن بیٹھ کر اشارہ کرنا چونکہ اشبہ بالسجود ہے اسلئے افضل ہے۔

(۲۲۴)فَإِذَا صَلَّى الصَّحِيحُ بَعْضَ صَلَاتِهِ قَائِمًا ثُمَّ حَدَثَ بِهِ مَرَضٌ أَتَمَّهَا قَاعِدًا يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ(۲۲۵)وَيُومِئُ إِيمَاءً إِنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ(۲۲۶)أَوْ مُسْتَلْقِيًا إِنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الْقُعُودَ۔

ترجمہ:۔اگر تندرست آدمی نے بعض نماز کھڑے ہو کر پڑھی پھر کوئی بیماری لاحق ہوگئی تو بیٹھ کر رکوع وسجدہ سے نماز پوری کرے اور اگر رکوع وسجدہ کی قدرت نہ ہو تو اشارہ کر کے پڑھ لے یا اگر بیٹھنے کی قدرت نہیں تو چت لیٹ کر پڑھ لے۔

تشریح:۔(۲۲۴)اگر تندرست آدمی نے نماز کا ایک حصہ کھڑے ہو کر ادا کیا پھر درمیان نماز ایسا مرض لاحق ہو گیا کہ قیام پر قادر نہ رہا تو اگر رکوع اور سجدہ پر قدرت ہو تو بیٹھ کر رکوع اور سجدہ کے ساتھ نماز پوری کرے(۲۲۵)اور اگر رکوع وسجدہ پر قدرت نہ ہو تو رکوع وسجدہ کا اشارہ کرے(۲۲۶)اور اگر بیٹھنے پر بھی قدرت نہ رہی تو چت لیٹ کر نماز پوری کرے کیونکہ ان تینوں صورتوں میں ادنیٰ حالت کی بناء اعلیٰ حالت پر کی گئی ہے تو یہ جائز ہے جیسے ادنیٰ حال والے کا اعلیٰ حال والے کی اقتدا جائز ہے۔

(۲۲۷)وَمَنْ صَلَّى قَاعِدًا يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ لِمَرَضٍ ثُمَّ صَحَّ بَنَى عَلَى صَلَاتِهِ قَائِمًا(۲۲۸)فَإِنْ صَلَّى بَعْضَ صَلَاتِهِ بِإِيمَاءٍ ثُمَّ قَدَرَ عَلَى الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ اِسْتَأْنَفَ الصَّلٰوةَ۔

ترجمہ:۔اور جو شخص کسی بیماری کی وجہ سے بیٹھ کر رکوع وسجدہ کرتے ہوئے نماز پڑھ رہا ہو پھر وہ تندرست ہو گیا تو وہ اپنی نماز کھڑے ہو کر بنا کرے اور اگر کچھ نماز اشارہ سے پڑھی اس کے بعد رکوع وسجدہ پر قادر ہو گیا تو وہ نماز از سر نو پڑھے۔

تشریح:۔(۲۲۷)اگر کسی نے بوجہ مرض بیٹھ کر رکوع اور سجدہ کے ساتھ نماز کا ایک حصہ ادا کیا پھر درمیان نماز میں تندرست ہو کر کھڑے ہونے پر قادر ہو گیا تو شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک کھڑے ہو کر اپنی نماز پر بناء کرے کیونکہ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک قائم کی قاعد کے پیچھے اقتدا کرنا درست ہے تو حالت قیام کی نماز حالت قعود کی نماز پر بناء کرنا بھی درست ہوگا، یہی قول راجح ہے(کما فی رد المحتار:۱/۵۶۳)۔

مگر امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ شخص کھڑے ہو کر بناء نہیں کر سکتا بلکہ از سر نو نماز پڑھے گا وجہ یہ ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک قائم کی قاعد کے پیچھے اقتدا درست نہیں تو حالت قیام کی نماز حالت قعود کی نماز پر بناء کرنا بھی درست نہ ہوگا۔

(۲۲۸)اگر کسی مریض نے نماز کا ایک حصہ اشارے کے ساتھ ادا کیا پھر درمیان نماز رکوع اور سجدہ پر قادر ہو گیا تو آئمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ شخص از سر نو نماز پڑھے کیونکہ رکوع وسجدہ کرنے والے کی اقتدا اشارہ کرنے والے کے پیچھے درست نہیں تو اشارہ کے ساتھ ادا شدہ نماز پر رکوع وسجدہ والی نماز کا بناء کرنا بھی جائز نہ ہوگا۔

(۲۲۹)وَمَنْ اُغْمِيَ عَلَيْهِ خَمسُ صَلواتٍ قَضاهَا فَمادُوْنَهَا اِذَاصَحَّ (۲۳۰)وَاِنْ فَاتَتْه بِالْاِغْمَاءِ اَكْثَرُمِنْ ذَالِكَ لَمْ يَقْضِ۔

ترجمہ:۔اور جس شخص پر پانچ نمازوں یااس سے کم تک بے ہوشی طاری ہوئی تو (تندرست ہونے پر) ان کی قضاء کرے اور اگر بے ہوشی کی وجہ سے اس سے زائد نمازیں قضاء ہوگئیں تو قضاء نہ کرے۔

تشریح:۔(۲۲۹) اگر کوئی شخص پانچ نمازوں تک یا اس سے کم بے ہوش رہا تو ان فوت شدہ نمازوں کی قضاء کرنا واجب ہے۔(۲۳۰) اور اگر پانچ نمازوں سے زائد بے ہوش رہا تو ان فوت شدہ نمازوں کی قضاء نہیں کیونکہ بے ہوشی جب دراز ہو تو فوت شدہ نمازیں کثیر ہوجائینگی تو حائضہ کی طرح انکی قضاء کرنے میں حرج ہے اور حرج شرعاً مدفوع ہے۔اور اگر مدت اغماء کم ہو تو نمازیں کم ہونگی تو انکی قضا کرنے میں کوئی حرج نہیں لہذا یہ شخص نائم کی طرح ہے اسلئے ان نمازوں کی قضاء کرنا اس پر واجب ہے۔

بَابُ سُجُودِ التِّلَاوَةِ

یہ باب سجدۂ تلاوت کے بیان میں ہے۔

یہاں امام قدوریؒ کا لفظ تلاوت ذکر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر کسی نے سجدہ تلاوت والی آیت لکھی تو اس پر سجدہ واجب نہیں ہوتا۔اور سجدہ کے ادا کرنے کی شرطیں وہی ہیں جو نماز کی شرطیں ہیں سوائے تحریمہ اور نیتِ تعیین کے۔اور سجدہ کا سبب بالاجماع تلاوت ہے اسی وجہ سے تلاوت کی طرف اس کو منسوب کیا جاتا ہے۔اور سامعین کے حق میں تلاوت کا سننا شرط ہے۔یہی صحیح ہے۔

سجدہ تلاوت ہمارے نزدیک واجب اور امام شافعیؒ کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔ان کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سجدہ کی آیت تلاوت کی اور سجدہ نہیں کیا تھا۔جس کے جواب میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اسی وقت سجدہ نہ کیا ہوگا تو اس میں واجب نہ ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ فی الفور سجدہ واجب نہیں ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ سب آیتیں اس کے واجب ہونے پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ کل آیتیں تین قسم کی ہیں ایک قسم تو وہ ہے جس میں سجدہ کرنے کا صریح امر ہے اور امر وجوب کے لئے ہے دوسری قسم وہ ہے جس میں انبیاء علیہم السلام کا فعل مذکور ہوا ہے اور انبیاء علیہم السلام کی اقتداء واجب ہے اور تیسری قسم وہ ہے جس میں کفار کی سرتابی بیان کی گئی ہے اور ان کی مخالفت کرنی واجب ہے۔

مناسب بات تو یہ تھی کہ سجدہ تلاوت کو سجدہ سہو کے فوراً بعد ذکر کیا جاتا کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک سجدہ ہے مگر چونکہ مریض کی نماز سہو کی طرح عارض سماوی کی وجہ سے ہے اسلئے سجدہ سہو کے بعد صلوۃ مریض کو بیان کیا تو لازماً سجدہ تلاوت کا بیان مؤخر ہوجائیگا سجود التلاوۃ میں اضافۃ الحکم الی سببہ ہے کیونکہ سجدہ تلاوت کا سبب تلاوۃ ہے۔

(۲۳۱)فِی القُرآنِ اَرْبَعَۃَ عَشَرَ سَجدَۃً فِی آخِرِ الْاَعْرَافِ وَفِی الرَّعدِ وَفِی النَّحلِ وَفِی بَنِی اِسرَائِیلَ وَمَرْیَمَ وَالْاُوْلٰی فِی الحَجِّ وَالفُرقَانِ وَالنَّمْلِ وَالٓمٓ تَنزِیل وَصٓ وَحٰمٓ السَّجدَۃِ وَالنَّجمِ وَالْاِنْشِقَاقِ وَالعَلَقِ۔

ترجمہ:۔قرآن مجید میں چودہ سجدے ہیں سورۂ اعراف کے آخر میں، سورۂ رعد میں، سورۂ نحل میں، سورۂ بنی اسرائیل میں، سورۂ مریم میں، سورۂ حج میں پہلا سجدہ، سورۂ فرقان میں، سورۂ نمل میں، سورۂ آلم تنزیل میں، سورۂ ص میں، سورۂ النجم میں، سورۂ انشقاق میں، سورۂ علق میں۔

تشریح:۔(۲۳۱)یعنی قرآن مجید میں ایات سجدہ چودہ ہیں۔/نمبرا۔ پارہ نمبر۹ سورۃ اعراف میں۔/نمبر۲۔ پارہ تیرہ سورۃ رعد میں/نمبر ۳۔ پارہ چودہ سورۃ نحل میں ہے۔/نمبر۴۔ پارہ سولہ سورۃ اسرائیل میں ہے/نمبر۵۔ پارہ سولہ سورۃ مریم میں ہے/نمبر۶۔ پارہ سترہ سورۃ حج کا پہلا سجدہ ہے۔یادرہے کہ سورۃ حج کا دوسرا سجدہ احناف ؒ کے نزدیک واجب نہیں/نمبر۷۔ پارہ انیس سورۃ فرقان میں ہے/نمبر۸۔ پارہ انیس سورۃ نمل میں ہے/نمبر۹۔ پارہ اکیس سورۃ سجدہ میں ہے/نمبر۱۰۔ پارہ تیئس سورۃ ص میں ہے/نمبر۱۱۔ پارہ چوبیس سورۃ حم سجدہ میں ہے/نمبر۱۲۔ پارہ ستائیس سورۃ النجم میں ہے/نمبر۱۳۔ پارہ تیس سورۃ انشقاق میں ہے/نمبر۱۴۔ پارہ تیس سورۃ علق میں ہے۔

(۲۳۲)وَالسَّجُودُ وَاجِبٌ فِی ہٰذِہِ الْمَوَاضِعِ عَلَی التَّالِی وَالسَّامِعِ سَوَاءٌ قَصَدَ سِمَاعَ القُرآنِ اَوْلَمْ یَقْصِدْ۔

ترجمہ:۔اور سجدہ ان مواضع میں پڑھنے والے اور سننے والے دونوں پر واجب ہے خواہ قرآن سننے کا قصد کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

تشریح:۔(۲۳۲)مذکورہ بالا چودہ مقامات پر سجدہ کرنا پڑھنے والے اور سامع دونوں پر واجب ہے خواہ سامع نے سننے کا قصد کیا ہو یا نہ کیا ہو۔امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سجدہ تلاوت سنت ہے امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ زید بن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سورۃ النجم کی تلاوت کی لیکن نہ زید ابن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ نے سجدہ کیا اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

احناف ؒ کی دلیل پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا قول،، اَلسَّجْدَۃُ عَلٰی مَنْ سَمِعَھَا وَعَلٰی مَنْ تَلَاھَا ،،(یعنی سجدہ سننے والے اور تلاوت کرنے والے دونوں پر لازم ہے) ہے حدیث شریف میں لفظ ''علی'' ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے۔نیز قصد کے ساتھ مقید نہ ہونے کی وجہ سے ہر سننے والے پر سجدہ واجب ہوگا۔اور اگر کسی نے سوئے ہوئے یا بے ہوش یا مجنون سے آیت سجدہ سنی تو ایک روایت کے مطابق اس پر سجدہ واجب نہیں مگر اصح یہ ہے کہ واجب ہے'' لمافی فتح القدیر:ومن نائم الصحیح انھاتجب''۔

(۲۳۳)وَاِذَا تَلَا الْاِمَامُ آیَۃَ سَجْدَۃٍ سَجَدَھَا وَسَجَدَ الْمَامُومُ مَعَہٗ(۲۳۴)فَاِنْ تَلَا الْمَامُومُ لَمْ یَلْزَمِ الْاِمَامَ وَلَا الْمَامُومَ السُّجُودُ۔

ترجمہ:۔پس جب امام آیتِ سجدہ تلاوت کرے تو سجدہ کرے اور اسکے ساتھ مقتدی بھی سجدہ کرے اور اگر مقتدی نے آیتِ سجدہ تلاوت کی تو سجدہ نہ امام پر لازم ہے اور نہ مقتدی پر۔

تشریح:۔(۲۳۳)یعنی اگر امام نے سجدہ کی آیت تلاوت کی تو امام نماز میں فوراً سجدہ کرے اور امام کے ساتھ مقتدی بھی سجدہ کرے

کیونکہ مقتدی نے اقتدا کی نیت کر کے امام کی متابعت کو اپنے اوپر لازم کرلیا ہے تو اگر سجدہ نہیں کریگا تو امام کی مخالفت کرنا لازم آئیگی۔

(۲۳۴) اگر مقتدی نے آیت سجدہ تلاوت کی تو شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک امام و مقتدی دونوں پر سجدہ نہیں۔ نہ نماز کے اندر اور نہ نماز کے بعد، اور یہی صحیح ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں نماز کے بعد سجدہ ادا کریں کیونکہ سبب سجدہ یعنی تلاوت یا سماع پایا گیا اور بعد از نماز کوئی مانع بھی نہیں تو سجدہ ادا کرنا دونوں پر لازم ہوگا۔ شیخین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کیلئے شرعاً قرأۃ کرنا ممنوع ہے اور جو شخص کسی تصرف سے روک دیا گیا ہو اس کے تصرف کا کوئی حکم نہیں ہوتا لہذا مقتدی کی قرأۃ کا کوئی حکم نہ ہوگا پس مقتدی پر سجدہ تلاوت واجب نہ ہوگا جب تالی پر سجدہ واجب نہیں تو سامع یعنی امام پر بھی واجب نہ ہوگا۔ اور اگر کسی خارجی شخص نے سن لیا تو صحیح یہ ہے کہ اس پر سجدہ لازم ہے کیونکہ حجر تو امام اور مقتدی کے حق میں ثابت ہے خارجی کے حق میں نہیں۔

(۲۳۵) وَإِنْ سَمِعُوْا وَهُمْ فِي الصَّلٰوةِ آيَةَ سَجْدَةٍ مِنْ رَجُلٍ لَيْسَ مَعَهُمْ فِي الصَّلٰوةِ لَمْ يَسْجُدُوْهَا فِي الصَّلٰوةِ (۲۳۶) فَإِنْ سَجَدُوْهَا فِي الصَّلٰوةِ لَمْ تُجْزِئْهُمْ وَلَمْ تَفْسُدْ صَلٰوتُهُمْ۔

ترجمہ:۔ اور اگر نمازیوں نے نماز کے اندر کسی ایسے آدمی سے آیتِ سجدہ سنی جو ان کے ساتھ نماز میں شامل نہیں تو وہ نماز کے اندر سجدہ نہ کرے اور اگر انہوں نے سجدہ کرلیا تو یہ سجدہ ان کو کافی نہ ہوگا اور ان کی نماز بھی فاسد نہ ہوگی۔

تشریح:۔ (۲۳۵) اگر کچھ لوگوں نے بحالتِ نماز کسی ایسے شخص سے آیت سجدہ سنی جو ان کے ساتھ نماز میں شریک نہیں تو یہ لوگ حالت نماز میں سجدہ نہ کریں کیونکہ یہ سجدہ نماز کا سجدہ نہیں اسلئے کہ ان کا آیت سجدہ کو سننا نماز کے افعال میں سے نہیں البتہ بعد از نماز سجدہ تلاوت کرنا واجب ہوگا کیونکہ سبب سجدہ یعنی آیت سجدہ کا سماع پایا گیا۔

(۲۳۶) اگر انہوں نے نماز کے اندر سجدہ ادا کیا تو معتبر نہ ہوگا کیونکہ نماز کے اندر سجدہ کرنا منہی عنہ ہونے کی وجہ سے ناقص ہے اور کامل واجب ناقص ادائیگی سے ادا نہیں ہوتا۔ اور نماز بھی فاسد نہ ہوگی کیونکہ صرف سجدہ کرنا احرام نماز کے منافی نہیں۔

(۲۳۷) وَمَنْ تَلَا آيَةَ سَجْدَةٍ خَارِجَ الصَّلٰوةِ وَلَمْ يَسْجُدْهَا حَتّٰى دَخَلَ فِي الصَّلٰوةِ فَتَلَاهَا وَسَجَدَ لَهُمَا أَجْزَأَهُ السَّجْدَةُ عَنِ التِّلَاوَتَيْنِ (۲۳۸) فَإِنْ تَلَاهَا فِي غَيْرِ الصَّلٰوةِ فَسَجَدَهَا ثُمَّ دَخَلَ فِي الصَّلٰوةِ فَتَلَاهَا سَجَدَهَا ثَانِيًا وَلَمْ تُجْزِهِ السَّجْدَةُ الْأُوْلٰى۔

ترجمہ:۔ اور جس نے آیتِ سجدہ نماز سے باہر پڑھی اور ابھی سجدہ نہیں کیا تھا کہ نماز شروع کر کے پھر اسی آیت کو پڑھا اور سجدہ کیا تو کافی ہے یہ سجدہ دونوں تلاوتوں کی طرف سے اور اگر نماز سے باہر آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ کرلیا پھر نماز شروع کر کے وہی آیت پڑھی تو پھر سجدہ کرے اور پہلا سجدہ اس کے لئے کافی نہیں۔

تشریح:۔ (۲۳۷) اگر کسی نے آیت سجدہ تلاوت کی اور سجدہ نہیں کیا حتی کہ اسی مجلس میں نماز شروع کی پھر نماز میں اسی آیت سجدہ کی دوبارہ تلاوت کی اور نماز ہی میں سجدہ تلاوت ادا کیا تو یہ سجدہ دونوں تلاوتوں کیلئے کافی ہوگا کیونکہ دوسرا سجدہ صلاتیہ ہونے کی وجہ سے اقویٰ ہے

لہذا سجدہ اولیٰ تابع ہے ثانیہ متبوع۔اور متبوع تابع کو متضمن ہوتا ہے۔

(۲۳۸) اگر کسی نے آیت سجدہ تلاوت کر کے سجدہ ادا کیا پھر اسی مجلس میں نماز شروع کر کے اسی آیت کی تلاوت کی تو اس سے پہلے کیا ہوا سجدہ کافی نہیں بلکہ اس کے لئے دوسرا سجدہ کرے کیونکہ سجدہ ثانیہ صلاتیہ ہونے کی وجہ سے قوی ہے اس لئے سجدہ اولیٰ کا تابع ہوکر ادانہیں ہوگا۔

(۲۳۹)وَمَنْ كَرَّرَتِلَاوَةَ آيَةِ سَجْدَةٍوَاحِدَةٍ فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍاَجْزَأَتْهُ سَجْدَةٌ وَاحِدَةٌ۔

ترجمہ:۔اور جس نے بار بار آیتِ سجدہ تلاوت کی ایک ہی مجلس میں تو کافی ہے اس کو ایک سجدہ۔

تشریح:۔(۲۳۹) اگر کسی نے ایک مجلس میں ایک آیت سجدہ کو بار بار تلاوت کی تو تمام تلاوتوں کیلئے ایک سجدہ کافی ہو جائے گا کیونکہ سجدوں کی بناء دفع حرج کی وجہ سے تداخل پر ہے بشرطیکہ مجلس ایک ہو اور آیہ سجدہ ایک ہو۔

(۲۴۰)وَمَنْ اَرَادَ السُّجُودَ كَبَّرَوَلَمْ يَرفَعْ يَدَيْهِ وَسَجَدَ ثُمَّ كَبَّرَ وَرَفَعَ رَاْسَه وَلَاتَشَهُّدَ عَلَيْهِ وَلَاسَلَامَ۔

ترجمہ:۔اور جو شخص سجدہ کرنے کا ارادہ کرے تو تکبیر کہے اور ہاتھ نہ اٹھائے اور سجدہ کرے پھر تکبیر کہے اور اپنا سر اٹھائے اور اس پر نہ تشہد ہے اور نہ سلام۔

تشریح:۔(۲۴۰) یعنی سجدہ تلاوت کی کیفیت یہ ہے کہ جب سجدہ تلاوۃ کرنے کا ارادہ کرے تو رفع یدین کے بغیر تکبیر کہہ کر سجدہ کرے پھر تکبیر کہہ کر سر زمین سے اٹھائے کیونکہ یہ نماز کے سجدہ پر قیاس ہے۔مگر سجدہ تلاوت کے بعد نہ تشہد ہے اور نہ سلام کیونکہ تشہد اور سلام برائے تحلیل مشروع ہیں اور تحلیل تقاضا کرتا ہے کہ پہلے تحریمہ ہو یہاں تحریمہ معدوم ہے لہذا تحلیل بھی نہ ہوگی پس تشہد اور سلام بھی نہیں ہونگے۔

بَابُ صَلٰوةِ الْمُسَافِرِ

یہ باب صلوۃ مسافر کے بیان میں ہے۔

چونکہ تلاوت کی طرح سفر کا بھی انسان کسب کرتا ہے اسلئے سجدہ تلاوت کے احکام ذکر کرنے کے بعد اب سفر کے احکام کو شروع فرمایا پھر چونکہ تلاوۃ عبادت ہے اور سفر عبادت نہیں اسلئے سجدہ تلاوت کو مقدم کر دیا۔اور" صلوۃ المسافر "میں اضافۃ الشئ الی شرطہ ہے اور یا اضافۃ الشئ الی محلہ ہے۔

سفر کا لغوی معنی مسافت طے کرنا ہے اور اصطلاح فقہاء میں اس مسافت کے طے کرنے کو کہتے ہیں جس سے احکام (مثلاً قصر صلوۃ،اباحۃ فطر،امتداد مدۃ مسح وغیرہ) متغیر ہو جاتے ہیں۔

(۲۴۱) اَلسَّفَرُ الَّذِیْ یَتَغَیَّرُ بِهِ الْاَحْکَامُ اَنْ یَقْصِدَ الْاِنْسَانُ مَوْضِعًا بَیْنَهُ وَبَیْنَ الْمَقْصَدِ مَسِیْرَةَ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ بِسَیْرِ الْاِبِلِ اَوْمَشْیِ الْاَقْدَامِ۔

ترجمہ:۔ جس سفر سے احکام بدل جاتے ہیں وہ یہ ہے کہ انسان ایسے مقام کا ارادہ کرے کہ اس کے اور اس مقام کے درمیان تین دن کی مسافت ہو اونٹ یا پیدل کی رفتار سے۔

تشریح:۔ (۲۴۱) یعنی جس سفر سے احکام متغیر ہو جاتے ہیں وہ سفر یہ ہے کہ انسان تین دن تین رات کے چلنے کا ارادہ کرے اور چلنے میں اونٹ یا پیدل چلنے کی چال معتبر ہے۔ اور دن سے سال کا سب سے چھوٹا دن مراد ہے اور چوبیس گھنٹے چلنا مراد نہیں بلکہ صبح سے زوال تک چلنا مراد ہے کیونکہ مسلسل چلنا انسان کی بس میں نہیں پس ہر روز صبح سے زوال تک کسی منزل پر پہنچ کر آرام کر کے تین دن رات میں جو مسافت طے ہو وہ مسافت سفر ہے۔

اور تین دن تین رات کی تقدیر پر دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے "یَمْسَحُ الْمُقِیْمُ کَمَالَ یَوْمٍ وَلَیْلَةٍ وَالْمُسَافِرُ ثَلاثَةَ اَیَّامٍ وَلَیَالِیَهَا" (یعنی مقیم پورا ایک دن رات مسح کریگا اور مسافر تین دن تین راتیں مسح کریگا) وجہ استدلال یہ ہے کہ "المسافر" کا الف لام استغراقی ہے پس مسح کی رخصت ہر مسافر کو شامل ہوگی یعنی ہر مسافر تین دن تین رات مسح کرنے پر قادر ہوگا اور ہر مسافر تین دن رات مسح کرنے پر اسی وقت قادر ہو سکتا ہے جبکہ اقل مدۃ سفر تین دن تین رات ہو اگر اقل مدت سفر اس سے کم مانی جائے تو ہر مسافر کا تین دن رات مسح کرنے پر قادر ہونا ممکن نہیں رہیگا حالانکہ حدیث سے تین دن تین رات ہر مسافر کیلئے مسح کرنے کی قدرت ثابت ہے پس ثابت ہوا کہ سفر کی کم از کم مدت تین دن رات ہے۔

امام قدوری رحمہ اللہ نے "ان یقصد الانسان" سے اشارہ کیا کہ قصد سفر ضروری ہے ورنہ اگر ساری دنیا کا سفر تین دن رات کا قصد کئے بغیر کر لے تب بھی قصر نہیں کریگا۔

(۲۴۲) وَلاَمُعْتَبَرَ فِی ذَالِکَ بِالسَّیْرِ فِی الْمَاءِ۔

ترجمہ:۔ اور اس میں (خشکی میں) دریائی سفر کا اعتبار نہیں۔

تشریح:۔ (۲۴۲) یعنی دریائی سفر میں خشکی کی رفتار معتبر نہ ہوگی جس طرح کہ خشکی کی سفر میں دریا کی رفتار کا اعتبار نہیں بلکہ ہر جگہ میں اس کے لائق رفتار کا اعتبار ہے حتی کہ اگر ایک مقام پر پہنچنے کے دو راستے ہوں ایک دریا کا دوسرا خشکی کا۔ خشکی کے راستے سے اس مقام تک پہنچنے کیلئے تین دن رات کی مسافت ہے اور دریا کے راستہ سے دو یوم کی مسافت ہے پس اگر کوئی شخص یہ مسافت خشکی کے راستہ سے طے کرے گا تو اس کیلئے مسافروں کی رخصت حاصل ہوگی اور اگر دریائی راستہ سے گیا تو رخصت سفر حاصل نہ ہوگی۔ حاصل یہ کہ ہر جگہ کے حال کے لائق تین دن رات کی سفر معتبر ہے۔

☆ ☆ ☆

(۲۴۳)وَفَرْضُ الْمُسَافِرِ عِنْدَنَا فِي كُلِّ صَلٰوةٍ رُبَاعِيَةٍ رَكْعَتَانِ وَلَا يَجُوزُ لَهُ الزِّيَادَةُ عَلَيْهِمَا۔

ترجمہ:۔ ہمارے نزدیک مسافر کی فرض نماز ہر چار رکعتی نماز میں دو رکعتیں ہیں اور اس کے لئے اس سے زیادہ پڑھنا جائز نہیں۔

تشریح:۔(۲۴۳)یعنی مسافر کی فرض رباعی نماز دو رکعت ہیں ان پر زیادتی کرنا جائز نہیں کیونکہ مسافر دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیگا تو اگر دو رکعت کے بجائے اس نے چار رکعت پڑھی تو تاخیر سلام لازم آئیگا۔

چونکہ وتر اور نوافل میں قصر نہیں اسلئے کہا کہ مسافر کی فرض رباعی نماز دو رکعت ہیں۔اور رباعی کی قید سے فجر اور مغرب سے احتراز کیا اسلئے کہ فجر اور مغرب میں بھی قصر نہیں۔اور سنن کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اگر مسافر امن اور قرار کی حالت میں ہو تو اولی یہ ہے کہ پڑھ لے اور اگر جلدی اور فرار کی حالت میں ہو تو چھوڑ دے۔

(۲۴۴)فَإِنْ صَلّٰى أَرْبَعًا وَقَعَدَ فِي الثَّانِيَةِ مِقْدَارَ التَّشَهُّدِ أَجْزَأَتْهُ الرَّكْعَتَانِ عَنْ فَرْضِهِ وَكَانَتِ الْأُخْرَيَانِ لَهُ نَافِلَةً (۲۴۵)وَإِنْ لَمْ يَقْعُدْ فِي الثَّانِيَةِ مِقْدَارَ التَّشَهُّدِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُوْلَيَيْنِ بَطَلَتْ صَلٰوتُهٗ۔

ترجمہ:۔اور اگر مسافر نے چار رکعتیں پڑھیں اور دوسری رکعت پر تشہد کی مقدار بیٹھ گیا تو اس کی پہلی دو رکعتیں اسکے فرض سے کافی ہوں گی اور اخیر کی دو رکعتیں اس کے لئے نفل بن جائیں گی اور اگر دوسری رکعت پر تشہد کی مقدار نہیں بیٹھا تو اس کی نماز باطل ہو جائیگی۔

تشریح:۔(۲۴۴)یعنی اگر مسافر نے بجائے دو رکعت کے چار رکعت پڑھیں اور تشہد کی مقدار دوسری رکعت پر بھی بیٹھ گیا تو پہلی دو رکعت فرض اور بعد کی دو رکعتیں نفل شمار ہونگی البتہ تاخیر سلام کی وجہ سے گناہ گار ہوگا۔

(۲۴۵) اگر بقدر تشہد دوسری رکعت پر نہیں بیٹھا تو اس کی نماز باطل ہو جائیگی کیونکہ فرض کے ارکان مکمل نہیں ہوئے ہیں اسلئے کہ قعدہ اخیرہ رہ گیا ہے اور تکمیل ارکان سے پہلے فرض کے ساتھ نفل ملانے سے نماز باطل ہو جاتی ہے اس لئے اسکی نماز باطل ہوگی۔

(۲۴۶)وَمَنْ خَرَجَ مُسَافِرًا صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ إِذَا فَارَقَ بُيُوتَ الْمِصْرِ (۲۴۷)وَلَا يَزَالُ عَلٰى حُكْمِ الْمُسَافِرِ حَتّٰى يَنْوِيَ الْإِقَامَةَ فِي بَلْدَةٍ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا فَصَاعِدًا فَيَلْزَمُهُ الْإِتْمَامُ (۲۴۸)فَإِنْ نَوَى الْإِقَامَةَ أَقَلَّ مِنْ ذَالِكَ لَمْ يُتِمَّ۔

ترجمہ:۔اور جو شخص سفر کی نیت سے نکلا تو جس وقت وہ شہر کی آبادی سے نکل جائے تو دو رکعت پڑھے اور یہ اب ہمیشہ مسافر کے حکم میں رہیگا یہاں تک کہ کسی شہر میں پندرہ دن یا اس سے زیادہ کی اقامت کی نیت کرے تو اس پر اتمام لازم ہوگا اور اگر اس سے کم قیام کی نیت کی تو اتمام نہ کرے۔

تشریح:۔(۲۴۶)یعنی مسافر جب شہر کی گھروں سے گذر جائے تو قصر شروع کرے کیونکہ مسافر جب شہر کی ابادی میں داخل ہوتا ہے تو اسکے دخول کے ساتھ اقامت کا حکم متعلق ہو جاتا ہے اسی طرح جب ابادی سے نکلے گا تو اسی خروج کے ساتھ سفر کا حکم متعلق ہو جائیگا (۲۴۷)اور سفر کا حکم اس وقت تک باقی رہیگا جب تک کہ کسی شہر یا گاؤں میں کم از کم پندرہ دن یا اس سے زیادہ قیام کی نیت نہ کرے پس جب پندرہ دن یا اس سے زیادہ کے قیام کی نیت کریگا تو سفر کا حکم ختم ہو جائیگا اور اتمام صلوۃ لازم ہو جائیگا۔

ادنی مدت سفر کو ادنی مدت طہر پر قیاس کیا گیا ہے علت مشترکہ یہ ہے کہ طہر اور اقامت دونوں موجب ہیں یعنی جس طرح حیض کی وجہ سے جو عبادت ساقط ہوگئی تھی طہر کی وجہ سے وہ عود کر آتی ہے اسی طرح سفر کی وجہ سے ساقط شدہ عبادت بھی نیتِ اقامت کی وجہ سے عود کر آتی ہے پس جس طرح ادنی مدت طہر پندرہ یوم ہیں اسی طرح ادنی مدت اقامت بھی پندرہ یوم ہونگے (۲۴۸) اور اگر پندرہ دن سے کم اقامت کی نیت کی تو قصر کریگا کیونکہ حکم سفر برقرار ہے۔

(۲۴۹) وَمَنْ دَخلَ بَلداًوَلَمْ يَنوِاَن يُقِيمَ فِيه خمسَةَ عَشرَيَوماًوَاِنَّمَايَقُولُ غداًاَخرُجُ اَوْبَعدَغدٍاَخرُجُ حَتّٰى بَقِىَ عَلٰى ذَالِكَ سِنِيْنَ صَلّٰى رَكعتَينِ (۲۵۰) وَاِذَادَخلَ الْعَسْكَرُاَرْضَ الْحَرْبِ فَنَوَوْاالْاِقَامَةَ خَمْسَةَ عَشرَ يَوماًلَمْ يُتِمّوْاالصَّلٰوةَ۔

ترجمہ:۔ اور جو شخص کسی شہر میں داخل ہوا اور وہاں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہیں کی اور یہ کہتا رہا کہ کل نکلوں گا یا پرسوں نکلوں گا یہاں تک کہ اسی طرح کئی سال تک رہا تو وہ دو ہی رکعتیں پڑھتا رہیگا اور جب کوئی لشکر دار الحرب میں داخل ہوا اور اس نے پندرہ دن اقامت کی نیت کی تو یہ لوگ اپنی نمازیں پوری نہ پڑھیں۔

تشریح:۔ (۲۴۹) یعنی اگر مسافر کسی شہر میں داخل ہوا مگر پندرہ یوم اقامت کی نیت نہیں کی بلکہ نیت یہ تھی کہ کل جاؤنگا پرسوں جاؤنگا حتی کہ اسی آج کل میں اس پر کئی سال گذر گئے تو یہ شخص قصر کریگا مقیم نہیں کہلائیگا کیونکہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مقام آزربیجان میں چھ ماہ قیام کیا مگر چونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یک وقت پندرہ دن قیام کرنے کی نیت نہیں کی تھی اسلئے وہ قصر کرتا رہا اسی طرح حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نیشاپور میں ایک سال تک نیتِ اقامت نہ ہونے کی وجہ سے قصر کرتا رہا۔

(۲۵۰) اگر اسلامی لشکر دار الحرب میں داخل ہوا اور اس میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کی تو ان کی نیت معتبر نہیں لہذا قصر کرینگے کیونکہ یہ فرار اور قرار میں متردد ہیں اسلئے کہ اگر شکست کھائی تو بھاگ جائینگے اور اگر فتح پائی تو اقامت کرینگے لہذا یہ دار اقامت نہیں ہوگا۔

(۲۵۱) وَاِذَادَخلَ الْمُسَافِرُفِى صَلٰوةِ الْمُقِيمِ مَعَ بَقَاءِ الْوَقْتِ اَتَمَّ الصَّلٰوةَ (۲۵۲) وَاِنْ دَخلَ مَعه فِى فَائِتَةٍ لَمْ تَجُزْصَلٰوتُه خَلْفَهُ۔

ترجمہ:۔ اور جب مسافر مقیم کی نماز میں داخل ہو جائے باوجودیکہ وقت باقی ہے تو وہ پوری نماز پڑھے اور اگر اسکے ساتھ قضاء نماز میں شریک ہوا تو اسکے پیچھے اس کی نماز نہ ہوگی۔

تشریح:۔ (۲۵۱) یعنی اگر مسافر نے وقت کے اندر مقیم امام کی اقتدا کی تو یہ مسافر پوری چار رکعت پڑھے گا کیونکہ مسافر نے امام کی متابعت کا التزام کیا ہے تو بوجہ اتباع اس کی دو رکعت فرض چار رکعت کی طرف متغیر ہو جاتا ہے۔ (۲۵۲) اور اگر وقت کے بعد یعنی فوت شدہ نماز کے اندر مسافر نے مقیم کی اقتدا کی تو یہ جائز نہیں ہوگا کیونکہ وقت گذرنے کے بعد فریضہ متغیر نہیں ہوتا۔

☆ ☆ ☆

(۲۵۳)وَاِذَاصَلَّى الْمُسَافِرُبِالْمُقِيمِينَ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اَتَمَّ الْمُقِيمُونَ صَلٰوتَهُمْ(۲۵۴)وَيُسْتَحَبُّ لَهُ اِذَا سَلَّمَ اَنْ يَقُوْلَ لَهُمْ اَتِمُّوْا صَلٰوتَكُمْ فَاِنَّاقَوْمٌ سَفْرٌ۔

ترجمہ:۔اور جب مسافر مقیم لوگوں کو نماز پڑھائے تو دو رکعت پڑھے اور سلام پھیر دے پھر مقیم مقتدی اپنی نماز پوری کریں اور مسافر امام کے لئے مستحب یہ ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد مقتدیوں سے کہدے کہ تم اپنی نمازیں پوری کرلو کیونکہ ہم مسافر ہیں۔

تشریح:۔(۲۵۳)یعنی اگر مسافر امام نے مقیم لوگوں کو نماز پڑھائی تو امام دو رکعت پر سلام پھیر دے کیونکہ اس کی نماز مکمل ہوگئی اور مقیم مقتدی انفرادی طور اپنی باقی ماندہ نماز پوری کرلیں کیونکہ مقیمین نے دو رکعت میں امام کی متابعت کا التزام کیا تھا تو مسبوق کی طرح یہ لوگ باقی نماز انفراداً پڑھیں گے مگر چونکہ یہ لوگ لاحقین ہیں اسلئے باقی ماندہ نماز میں قرأۃ نہیں پڑھیں گے۔

(۲۵۴) مسافر امام کیلئے مستحب یہ ہے کہ جب سلام پھیر دے تو مقتدیوں سے کہدے کہ تم اپنی نمازیں پوری کرلیں میں تو مسافر ہوں مگر بہتر یہ ہے کہ نماز میں شروع ہونے سے پہلے امام مقتدیوں سے یہ کہدے۔

(۲۵۵)وَاِذَادَخَلَ الْمُسَافِرُمِصْرَه اَتَمَّ الصَّلٰوةَ وَاِنْ لَمْ يَنْوِ الْاِقَامَةَ فِيهِ۔

ترجمہ:۔اور جب مسافر اپنے شہر میں داخل ہو جائے تو نماز پوری پڑھے اگر چہ اس نے اسمیں اقامت کی نیت نہ کی ہو۔

تشریح:۔(۲۵۵)یعنی بعد از سفر جب مسافر اپنے وطن اصلی میں داخل ہوا تو داخل ہوتے ہی مقیم ہوگیا اگر چہ اقامت کی نیت نہ کی ہو کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم سفر کیا کرتے تھے اور تکمیل سفر کے بعد جب وطن لوٹ آتے تو بغیر نیت اقامت کے مقیم ہو جاتے اس لئے کہ وطن اصلی اقامت کے لئے متعین ہے لہذا احتیاج نیت نہیں۔

(۲۵۶)وَمَنْ كَانَ لَه وَطَنٌ فَانْتَقَلَ عَنْه وَاسْتَوْطَنَ غَيْرَه ثُمَّ سَافَرَفَدَخَلَ وَطَنَه الْاَوَّلَ لَمْ يُتِمَّ الصَّلٰوةَ۔

ترجمہ:۔اور جس شخص کا کوئی وطن ہو اور اس نے وہاں سے منتقل ہو کر دوسری جگہ کو اپنا وطن بنالیا پھر اس نے سفر کیا اور اپنے پہلے وطن میں آیا تو یہ شخص پوری نماز نہ پڑھے۔

تشریح:۔(۲۵۶)یعنی اگر کسی کا کوئی وطن تھا پھر وہ اس سے منتقل ہوگیا کوئی دوسرا وطن بنالیا پھر سفر کیا اور اپنے پہلے وطن میں داخل ہوگیا تو اگر پندرہ دن اقامت کی نیت نہ کی ہو تو نماز قصر کرے اس لئے کہ وہ اب اسکا وطن نہیں رہا کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد از ہجرت خود کو مکہ مکرمہ میں مسافروں میں شمار کیا۔

ضابطہ یہ ہے کہ وطن اصلی (یعنی انسان کی جائے پیدائش یا وہ شہر یا گاؤں جس میں اسکے اہل وعیال رہتے ہوں) اپنے مثل یعنی دوسرے وطن اصلی سے باطل ہو جاتا ہے نہ کہ سفر اور وطن اقامت سے۔اور وطن اقامت (وہ شہر یا گاؤں جس میں مسافر نے پندرہ دن یا زیادہ قیام کا ارادہ کرلیا ہو اسکو وطن سفر بھی کہتے ہیں) اپنے مثل یعنی دوسرے وطن اقامت اور سفر اور وطن اصلی سے باطل ہو جاتا ہے۔

☆ ☆ ☆

(۲۵۷)وَاِذَانَوىٰ الْمُسَافِرُاَنْ يُقِيمَ بِمكّةَ ومِنىٰ خَمْسَةَ عَشَرَ يَومًالَمْ يُتِمّ الصَّلوٰةَ۔

ترجمہ:۔اور جب مسافر مکہ مکرمہ اور منیٰ میں پندرہ دن ٹہرنے کی نیت کرلے تو وہ پوری نماز نہ پڑھے۔

تشریح:۔(۲۵۷)یعنی اگر مسافر نے مکہ مکرمہ اور منی میں پندرہ دن کی اقامت کی نیت کی تو وہ نماز پوری نہ پڑھے کیونکہ دو مقام میں نیت کا معتبر ہونا مقتضی ہے کہ چند جگہوں میں بھی نیت معتبر ہو حالانکہ یہ ممنوع ہے کیونکہ سفر متعدد مقامات پر قیام کرنے سے خالی نہیں ہوتا پس اگر متعدد مقامات میں اقامت کی نیت کا اعتبار کرلیا جائے تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ آدمی کبھی مسافر ہی نہ ہو۔ہاں اگر ان دونوں میں سے ایک میں رات میں قیام کی نیت کرلی تو اس مقام میں داخل ہونے کے ساتھ مقیم ہو جائیگا کیونکہ آدمی کا مقیم ہونا رات گذارنے کے مقام کی جانب منسوب ہوتا ہے۔

(۲۵۸)وَالْجَمعُ بَينَ الصَّلوٰتَينِ لِلمُسَافِرِيَجُوزُفِعْلاً وَلايَجُوزُوَقتاً۔

ترجمہ:۔اور مسافر کے لئے فعلاً دو نمازوں کو جمع کرنا جائز ہے وقتاً جائز نہیں۔

تشریح:۔(۲۵۸)یعنی مسافر کے لئے دو نمازوں کو جمع کرنا فعلاً جائز ہے وقتاً جائز نہیں۔فعلاً جمع کرنے سے مراد یہ ہے کہ مثلاً ظہر کی نماز کو اپنے آخری وقت میں پڑھے اور عصر کو اول وقت میں پڑھ کر دونوں کو ایک جگہ اکھٹی کرلے۔اور وقتاً جمع کرنے سے مراد یہ ہے کہ مثلاً عصر کی نماز کو ظہر کے وقت میں پڑھ لے یہ ہمارے نزدیک جائز نہیں کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اطراف کو خط لکھا کہ وقت واحد میں جمع بین الصلوتین کبیرہ گناہوں میں سے ایک کبیرہ ہے اور ابن مسعودؓ فرماتے ہے کہ قسم ہے اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے کہ حضور ﷺ نے ہمیشہ وقت ہی پر نماز پڑھی ہے سوائے ان دو نمازوں کے کہ ظہر اور عصر کو عرفات میں جمع کیا اور مغرب اور عشاء کو مزدلفہ میں۔باقی جہاں نبی کریم ﷺ سے کسی بیماری وغیرہ عذر کے باعث دو نمازوں کو جمع کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے تو وہ جمع صوری پر محمول ہے نہ کہ جمع فعلی پر۔البتہ حج کے موقع پر عرفات اور مزدلفہ میں جمع بین الصلوتین نص سے خلاف قیاس ثابت ہے جو اپنے مورد کے ساتھ خاص ہے جس پر اور کسی نماز کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

جبکہ امام شافعیؒ کا قول ہے کہ سفر اور بارش کے عذر سے ظہر اور عصر،مغرب اور عشاء کو جمع کرلینا جائز ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے تبوک کے سفر میں ظہر اور عصر،مغرب اور عشاء کو جمع کیا تھا۔ہماری دلیل وہی روایت ہے جو ہم نے ابھی بیان کی ہے۔

(۲۵۹)وَتَجُوزُالصَّلوٰةُ فِى سَفِينَةٍ قَاعِداًعَلى كُلّ حَالٍ عِندَاَبِى حَنِيفَةَ رَحِمَه اللّٰهُ وَعِندَهُمَا لايَجُوزُالّابِعُذرٍ۔

ترجمہ:۔اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک کشتی میں بیٹھ کر نماز پڑھنا ہر حال میں جائز ہے اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک بلا عذر جائز نہیں۔

تشریح:۔(۲۵۹)یعنی کشتی میں بیٹھ کر نماز پڑھنا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہر حال میں جائز ہے اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک بغیر عذر بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں یہی امام مالک رحمہ اللہ و امام شافعی رحمہ اللہ کا قول بھی ہے۔کیونکہ قیام پر اس کو قدرت حاصل

ہے لہذا ترکِ قیام جائز نہ ہوگا راجح قول یہی ہے۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ کشتی میں غالبًا سر گھومتا چکراتا ہے اور غالب متحقق کی طرح ہے جیسے سفر میں لحوقِ مشقت کی وجہ سے قصر جائز ہے پس اگر کسی کو ظاہر میں مشقت لاحق نہ ہو تو بھی اس کے لئے قصر جائز ہے کیونکہ سفر میں غالبًا مشقت ہوتی ہے اور غالب کالمتحقق ہے۔البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بھی اگر عذر نہ ہو تو کھڑا ہونا افضل ہے۔

(۲٦٠)وَمَنْ فَاتَتْه صَلوةٌ فِي السَّفَرِ قَضَاهَا فِي الْحَضَرِ رَكعَتَينِ(۲٦١)وَمَنْ فَاتَتْهُ صَلوةٌ فِي الْحَضَرِ قَضَاهَا فِي السَّفَرِ اَرْبعاً۔

ترجمہ:۔اور جس کی نماز فوت ہو جائے سفر میں تو وہ حضر میں دو ہی رکعتیں قضاء کرے اور جس کی نماز حضر میں فوت ہو جائے تو وہ سفر میں چار رکعت قضاء کرے۔

تشریح:۔(۲٦٠)یعنی اگر کسی کی حالت سفر میں چار رکعت والی نماز فوت ہوگئی اور حضر میں اسکو قضاء کرنا چاہا تو دو رکعت ہی قضاء کرے(۲٦١)اور اگر حضر میں کوئی رباعی نماز فوت ہوگئی تو اگر حالت سفر میں قضاء کرنا چاہا تو چار رکعت ہی قضاء کریگا کیونکہ نماز جس طرح ذمہ پر ثابت ہو جائے بعد از وقت اس میں تغیر نہیں آتا۔

(۲٦٢)وَالْعَاصِي وَالْمُطِيعُ فِي السَّفَرِفِي الرُّخصَةِ سَواءٌ۔

ترجمہ:۔اور جو شخص سفر میں نافرمان ہے اور جو فرمانبردار ہے دونوں رخصت میں برابر ہیں۔

تشریح:۔(۲٦٢)یعنی سفر خواہ طاعت کیلئے ہو یا معصیت کیلئے دونوں رخصت میں برابر ہیں امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک معصیت کا سفر رخصت کا سبب نہیں ہوسکتی کیونکہ رخصت سے تو مسافر کیلئے تخفیف ثابت ہوتی ہے اور تخفیف ایسی چیز سے متعلق نہ ہوگی جو سختی کو واجب کرتی ہے لہذا رخصت معصیت کے ساتھ متعلق نہ ہوگی۔

احنافؒ کی دلیل یہ ہے کہ جن نصوص سے رخصت ثابت ہے وہ علی الاطلاق ہر مسافر کو شامل ہیں خواہ وہ اپنے سفر میں مطیع ہو یا عاصی ''کقولہ ﷺفَرْضُ الْمُسَافِرِ رَكعَتَانِ ''(یعنی مسافر کی نماز دو رکعت ہیں)۔نیز نفس سفر معصیت نہیں بلکہ معصیت تو بعد از سفر ہوگی یا سفر کے ساتھ مجاور ہوگی جس سے سفر کی مشروعیت معدوم نہیں ہوتی۔

بَابُ صَلٰوةِ الْجُمُعَةِ

یہ باب صلوۃ جمعہ کے بیان میں ہے۔

جمعہ اور سفر میں مناسبت یہ ہے کہ دونوں میں تنصیف صلوۃ ہے سفر میں تنصیف بواسطہ سفر اور جمعہ میں بواسطہ خطبہ ہے مگر سفر ہر رباعی نماز کیلئے منصف ہے اور خطبہ صرف ظہر کی نماز کی تنصیف کرتا ہے اور خاص عام کے بعد ہوتا ہے اسلئے صلوۃ سفر کے بعد صلوۃ جمعہ کو ذکر فرمایا۔نماز جمعہ فرض ہے اسکا چھوڑنا جائز نہیں اور اسکا منکر کافر ہے۔

جمعہ اجتماع سے مشتق ہے اس روز لوگوں کے جمع ہونے کی وجہ سے اس کا نام جمعہ رکھا گیا ہے یا اس وجہ سے کہ تمام اولاد آدمؑ اسی

روز جمع کی جائیں گی یا اس وجہ سے کہ آدم علیہ السلام حضرت حوا سے زمین پر اسی روز ملے تھے۔

(۲۶۳) لا تَصِحُّ الْجُمُعَةُ اِلَّافِی مِصرٍ جامعٍ اَوْفِی مُصَلَّی الْمِصرِ (۲۶٤) وَلاتَجُوزُفِی الْقُریٰ۔

ترجمہ:۔ جمعہ صحیح نہیں مگر شہر جامع میں یا شہر کی عیدگاہ میں اور گاؤں میں جمعہ جائز نہیں۔

تشریح:۔ (۲۶۳) نماز جمعہ صرف شہر جامع یا مصلّی (عیدگاہ) میں جائز ہے (۲٦٤) گاؤں اور دیہات میں جائز نہیں امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ گاؤں کے اندر بھی جواز جمعہ کے قائل ہیں۔ ہماری دلیل پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "لاجُمُعَةَ وَلاتَشْرِیْقَ وَلافِطْرَ وَلااَضْحیٰ اِلَّافِی مِصرٍ جَامِعٍ" (یعنی جمعہ، تکبیرات عیدین، نماز عیدالفطر وعیدالضحیٰ جائز نہیں مگر شہر جامع میں)۔

مصر جامع کے بارے میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے دو روایتیں منقول ہیں۔/ **نمبر ۱**۔ مصر جامع وہ موضع ہے جس میں امیر اور قاضی ہوں جو احکام جاری کرنے اور شرعی سزاؤں کو قائم کرنے پر قادر ہوں۔/ **نمبر ۲**۔ مصر ہر وہ موضع ہے کہ اس موضع کی سب سے بڑی مسجد میں اگر اس موضع کے وہ لوگ جمع ہو جائیں جن پر جمعہ فرض ہے تو اس مسجد میں یہ لوگ نہ سما سکیں۔

شہر کا مصلّی عیدگاہ ہوتا ہے مگر یہاں مصلّی سے فناء شہر مراد ہے صرف عیدگاہ مراد نہیں اور فناء شہر، شہر کے ارد گرد کو کہتے ہیں جو شہر سے متصل اہل شہر کی مختلف ضرورتوں کو پورا کرنے کی غرض سے بنایا گیا ہو جیسے قبرستان، گھوڑ دوڑ کا میدان، چراگاہ اور عیدگاہ وغیرہ اور فناء شہر میں جواز جمعہ کی وجہ یہ ہے کہ اہل شہر کی ضروریات پورا کرنے میں فناء شہر، شہر کے مرتبہ میں ہے۔

(۲٦٥) وَلایَجوزُاِقَامَتُهَااِلَّا لِلسُّلْطَانِ اَوْلِمَنْ اَمَرَهُ السُّلْطَانُ۔

ترجمہ:۔ اور نہیں جائز جمعہ قائم کرنا مگر بادشاہ کے لئے یا جس کو بادشاہ حکم دے۔

تشریح:۔ (۲٦٥) یعنی جمعہ قائم کرنا جائز نہیں مگر خلیفہ کیلئے یا اس کیلئے جس کو خلیفہ نے اجازت دیدی ہو کیونکہ جمعہ ایک بڑی جماعت کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے تو اس میں کبھی تقدم وتقدیم میں جھگڑا واقع ہوتا ہے مثلاً ایک کہے گا کہ میں امامت کراونگا اور دوسرا کہے گا کہ میں امامت کراونگا یا ایک گروہ کہے گا کہ ہم فلاں کو امام بنائینگے دوسرا گروہ کہے گا کہ نہیں بلکہ فلاں کو امام بنائینگے تو اس قسم کے فتنوں کو دفع کرنے کیلئے خلیفہ یا اسکے نائب کا ہونا ضروری ہے۔

(۲٦٦) وَمِنْ شَرَائِطِهَاالْوَقْتُ فَتَصِحُّ فِی وَقْتِ الظُّهْرِ وَلاتَصِحُّ بَعْدَہ (۲٦٧) وَمِن شَرَائِطِهَاالْخُطْبَةُ قَبْلَ الصَّلٰوۃِ (۲٦٨) یَخْطُبُ الْاِمامُ خُطْبَتَیْنِ یَفْصِلُ بَیْنَهُمَابِقَعْدَۃٍ (۲٦٩) وَیَخْطُبُ قَائِمًاعَلَی الطَّهَارَۃِ۔

ترجمہ:۔ اور جمعہ کی شرائط میں سے ایک شرط وقت کا ہونا ہے پس ظہر کے وقت میں صحیح ہے اور ظہر کے بعد صحیح نہیں اور شرائط جمعہ میں سے ایک شرط نماز سے پہلے خطبہ پڑھنا ہے امام دو خطبے پڑھے گا جن میں قعدہ کے ذریعہ فصل کریگا اور کھڑے ہو کر باوضوء خطبہ دے گا۔

تشریح:۔ (۲٦٦) جمعہ کی شرائط میں سے وقت بھی ہے یعنی جمعہ کی نماز ظہر کے وقت میں صحیح ہے اس کے بعد صحیح نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مصعب ابن عمیرؓ کو مدینہ منورہ بھیجا تو فرمایا تھا "اِذَامَالَتِ الشَّمْسُ فَصَلِّ بِالنَّاسِ الْجُمُعَةَ" (جب سورج ڈھل

جائے تو لوگوں کو جمعہ پڑھانا) اور اگر ظہر کا وقت نکل گیا حالانکہ نمازی نماز جمعہ میں ہیں تو اب از سر نو ظہر کی نماز پڑھیں ظہر کو جمعہ پر بناء کرنا صحیح نہیں کیونکہ شرائط وغیرہ سے جمعہ اور ظہر میں تغائر ہے لہذا ایک کی دوسرے پر بناء درست نہیں۔

الالغاز:۔ ای فریضة یجب أدائها ویحرم قضاء ها؟

فقل:۔ الجمعة۔ (الاشباہ والنظائر)

(۲۶۷) شرائط جمعہ میں سے ایک شرط خطبہ پڑھنا ہے لہذا بغیر خطبہ جمعہ ادا نہ ہوگی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں کوئی جمعہ بغیر خطبہ کے نہیں پڑھائی ہے۔ اور خطبہ نماز جمعہ سے پہلے اور زوال کے بعد واجب ہے کیونکہ شرط مشروط سے مقدم ہوتی ہے (۲۶۸) اور دو خطبے پڑھے دونوں کے درمیان بقدر تین آیت پڑھنے کے بیٹھ کر فصل کردے کیونکہ یہ تعامل وتوارث سے ثابت ہے (۲۶۹) اور خطبہ طہارۃ کے ساتھ کھڑے ہو کر پڑھے کیونکہ کھڑے ہو کر خطبہ پڑھنا اسلاف سے متوارث ہے اور اذان کی طرح خطبہ میں بھی طہارت مستحب ہے۔

خطبہ کے کچھ مستحبات یہ ہیں۔/**نمبر ۱**۔ خطبہ اتنی آواز سے پڑھے کہ لوگ سن سکیں۔/**نمبر ۲**۔ خطبہ "الحمد لِلّٰہ" سے شروع کرے۔/**نمبر ۳**۔ خطبہ میں شہادتین پڑھے۔/**نمبر ۴**۔ درود شریف پڑھے۔/**نمبر ۵**۔ وعظ ونصیحت کرے۔/**نمبر ٦**۔ قرآن مجید کی کم از کم ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتیں پڑھے۔

(۲۷۰) فَإِنْ اقْتَصَرَ عَلَى ذِكْرِ اللهِ جَازَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللهُ لَا بُدَّ مِنْ ذِكْرٍ طَوِيلٍ يُسَمَّى خُطْبَةً (۲۷۱) فَإِنْ خَطَبَ قَاعِدًا أَوْ عَلَى غَيْرِ طَهَارَةٍ جَازَ وَيُكْرَهُ۔

ترجمہ:۔ پس اگر اللہ تعالی کے ذکر پر اکتفا کر لیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک ایسا ذکر طویل ضروری ہے جس کو خطبہ کہا جا سکے پس اگر امام نے بیٹھ کر خطبہ دیا یا بے وضوء خطبہ دیا تو جائز ہے اور مکروہ ہے۔

تشریح:۔ (۲۷۰) مقدار خطبہ میں علماء کا اختلاف ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اگر بنیت خطبہ صرف "الحمد لِلّٰہ" کہا یا "سبحان اللہ" یا "لا الٰہ الا اللہ" پڑھا تو مع الکراہت جائز ہے۔ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک اس قدر ذکر طویل کا ہونا ضروری ہے جس کو عرفاً خطبہ کہا جا سکے لہذا کم از کم تشہد کی مقدار ہونا چاہئے۔

صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ واجب تو خطبہ ہے اور فقط "الحمد لِلّٰہ" یا "سبحان اللہ" یا "لا الٰہ الا اللہ" کو عرف میں خطبہ نہیں کہا جاتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل باری تعالی کا قول ﴿فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللهِ﴾ (یعنی دوڑو اللہ کی یاد کو) ہے جس میں ذکر طویل وقلیل کی کوئی تفصیل نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے (کمافی الدر المختار: ۱/۵۹۸)۔

(۲۷۱) اگر خطیب نے بیٹھ کر خطبہ پڑھا، یا بغیر طہارۃ کے خطبہ پڑھا، یا دونوں خطبوں کے درمیان فصل نہیں کیا، یا خطبہ پڑھتے ہوئے لوگوں کی طرف پیٹھ کیا تو حصول مقصود کی وجہ سے جائز ہے مگر سلف کے عمل کے خلاف ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔

(۲۷۲) وَمِنْ شَرائِطِهَا الْجَمَاعَةُ (۲۷۳) وَاَقَلُّهُمْ عِنْدَاَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ ثَلٰثَةٌ سِوَى الْإِمَامِ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ اِثْنَانِ سِوَى الْإِمَامِ ۔

ترجمہ:۔اور جمعہ کی شرائط میں سے جماعت ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جماعت کے لوگوں کی کم از کم تعداد امام کے علاوہ تین آدمی ہیں اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ امام کے علاوہ دو آدمی کافی ہیں۔

تشریح:۔(۲۷۲) یعنی شرائطِ جمعہ میں سے جماعت ہے (۲۷۳) پھر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک امام کے علاوہ کم از کم تین مقتدیوں کا ہونا ضروری ہے۔صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک امام کے علاوہ دو مقتدیوں کا ہونا ضروری ہے قول اصح یہ ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں۔امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ جمعہ کا لغوی معنی جمع ہونا ہے اور دو میں اجتماع کا معنی موجود ہے لہذا امام کے علاوہ دو آدمیوں کا ہونا جواز جمعہ کیلئے کافی ہے۔طرفین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ جمع صحیح تین ہے کیونکہ تین نام اور معنی ہر دو لحاظ سے جمع ہے۔طرفین کا قول راجح ہے (کمافی الدر المختار:/۶۰۰)۔

مگر سوال یہ ہے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کے مطابق بھی امام کے ساتھ ملکر تین ہو جاتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ جماعت علیحدہ شرط ہے اور امام کا ہونا علیحدہ شرط ہے لہذا امام اس جماعت میں شمار نہ ہوگا۔

پھر مقتدیوں کا وجود پہلی رکعت کے سجدہ اولی تک ضروری ہے لہذا اگر سجدہ اولی کے بعد مقتدی بھاگ گئے تو امام اکیلا ہی جمعہ کو مکمل کرلے۔

(۲۷۴) وَ يَجْهَرُ الْإِمَامُ بِالْقِرَاةِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ (۲۷۵) وَلَيْسَ فِيْهِمَا قِرَاةُ سُوْرَةٍ بِعَيْنِهَا۔

ترجمہ:۔امام دونوں رکعتوں میں قرأۃ بلند آواز سے پڑھے اور دونوں رکعتوں میں کوئی سورۃ معین نہیں ہے۔

تشریح:۔(۲۷۴) یعنی امام دونوں رکعتوں میں قرأۃ بلند آواز سے پڑھے کیونکہ یہی متوارث ہے (۲۷۵) اور دونوں رکعتوں میں کوئی سورۃ معین نہیں۔امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ پہلی رکعت میں سورۃ الجمعہ اور دوسری رکعت میں سورۃ المنافقین پڑھے مگر اس پر ایسی مواظبت نہ کرے کہ باقی قرآن کا ترک لازم آئے یا عام لوگ ان ہی دو سورتوں کو واجب سمجھنے لگے۔

(۲۷۶) وَلَاتَجِبُ الْجُمُعَةُ عَلٰى مُسَافِرٍ وَلَا امْرَاَةٍ وَلَا مَرِيْضٍ وَلَا صَبِيٍّ وَلَا عَبْدٍ وَلَا اَعْمٰى (۲۷۷) فَاِنْ حَضَرُوْا وَصَلَّوْا مَعَ النَّاسِ اَجْزَاهُمْ عَنْ فَرْضِ الْوَقْتِ۔

ترجمہ:۔اور جمعہ مسافر پر واجب نہیں اور نہ عورت پر اور نہ مریض پر اور نہ بچے پر اور نہ غلام پر اور نہ اندھے پر پس اگر یہ لوگ حاضر ہو گئے اور لوگوں کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھیں تو یہ ان کو وقت کے فرض سے کفایت کریگا۔

تشریح:۔(۲۷۶) یعنی نماز جمعہ مسافر، عورت، غلام، نابینا اور لنگڑے پر واجب نہیں کیونکہ مسافر، بیمار، نابینا اور لنگڑے کو جمعہ میں حاضر ہونے سے حرج لاحق ہوگا حرج شرعاً مدفوع ہے۔اور عورت کیلئے خروج ممنوع ہے۔اور غلام اپنے مالک کی خدمت میں مشغول رہتا ہے۔

(۲۷۷) اگر یہ لوگ حاضر ہو گئے اور لوگوں کے ساتھ جمعہ ادا کی تو ان کا فریضہ وقت ادا ہو جائیگا کیونکہ ان لوگوں نے حرج اور مشقت کو برداشت کیا اور ہمت کر کے نماز جمعہ ادا کی تو یہ لوگ اس مسافر کی طرح ہو گئے جس نے حالت سفر میں روزہ رکھا جس طرح اس کا روزہ صحیح ہے اسی طرح انکی نماز بھی صحیح ہے۔

(۲۷۸) وَيَجُوزُ لِلعَبدِ وَالْمُسَافِرِ وَالْمَرِيضِ اَنْ يَؤُمُّوا فِي الْجُمُعَةِ ۔

ترجمه:۔ اور جائز ہے غلام کے لئے اور مسافر کے لئے اور مریض کے لئے یہ کہ امامت کریں جمعہ میں۔

تشریح:۔ (۲۷۸) یعنی مسافر، بیمار، غلام وغیرہ (سوائے عورت کے) پر اگر چہ جمعہ فرض نہیں لیکن ان کو جمعہ میں امام بنانا جائز ہے کیونکہ ان پر جمعہ کا فرض نہ ہونا دفع حرج کیلئے بطور رخصت ہے مگر جب یہ لوگ جمعہ ادا کرنے کیلئے حاضر ہو گئے اور مشقت برداشت کر لی تو یہ نماز فرض واقع ہوگی اور جب انکی نماز فرض واقع ہوگئی تو ان کو امام بنانا بھی جائز ہوگا۔

(۲۷۹) وَمَنْ صَلَّى الظُّهرَ فِي مَنْزِلِه يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَبلَ صَلوٰةِ الْإِمَامِ وَلاعُذْرَ لَه كُرِهَ لَه ذَالِكَ وَجَازَتْ صَلوٰتُه ۔

ترجمه:۔ اور جس نے جمعہ کے دن اپنے گھر میں ظہر کی نماز پڑھ لی امام کی نماز سے پہلے اور اس کو کوئی عذر بھی نہیں تو یہ اس کے لئے مکروہ ہے اور اس کی یہ نماز ہو جائیگی۔

تشریح:۔ (۲۷۹) یعنی اگر کسی نے جمعہ کے دن امام کے نماز جمعہ پڑھنے سے پہلے اپنے گھر میں نماز ظہر پڑھی تو اسکی یہ نماز جائز ہوگی مگر مکروہ تحریمی ہے۔ امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک جائز نہیں ہوئی کیونکہ انکے نزدیک جمعہ کے دن اصلاً جمعہ ہی فرض ہے نماز ظہر اس کا بدل ہے اور جب تک اصل پر قدرت ہو تو بدل کی طرف رجوع نہیں کیا جا سکتا لہٰذا نماز جمعہ پر قادر ہونے کی صورت میں ظہر کی نماز کا ادا کرنا درست نہ ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ جمعہ کے دن اصلاً تو ظہر فرض ہے جیسا کہ دوسرے ایام میں ظہر فرض ہے کیونکہ تکلیف بحسب القدرۃ ہوتی ہے اور اس وقت مکلف بذات خود ظہر ادا کرنے پر قادر ہے نہ کہ جمعہ ادا کرنے پر کیونکہ جمعہ ایسی شرائط پر موقوف ہے جو تنہا ایک آدمی کے ساتھ پوری نہیں ہوتیں مثلاً امام کا ہونا، جماعت کا ہونا پس ثابت ہوا کہ اصل فریضہ ظہر ہے اور اس نے اپنے وقت میں ادا کیا لہٰذا صحیح ہے مگر چونکہ حکم ہے کہ ظہر کی نماز کو جمعہ کے ساتھ ساقط کرلو اسلئے ظہر ادا کرنا مکروہ ہوگا۔

(۲۸۰) فَاِنْ بَدَالَهُ اَنْ يَحضُرَ الْجُمُعَةَ فَتَوَجَّهَ اِلَيْهَا بَطَلَتْ صَلوٰةُ الظُّهْرِ عِندَ اَبِىْ حَنِيفَةَ رَحِمَه اللّٰهُ بِالسَّعىِ وَقَالَ اَبُو يُوسُفَ رَحِمَه اللّٰهُ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَه اللّٰهُ لَاتَبْطُلُ حَتّٰى يَدخُلَ مَعَ الْإِمَامِ۔

ترجمه:۔ پھر اگر اس کے جی میں آیا کہ جمعہ میں حاضر ہو چنانچہ وہ جمعہ کی طرف متوجہ ہوا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک چلتے ہی ظہر کی نماز باطل ہو جائیگی اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ظہر کی نماز باطل نہ ہوگی یہاں تک کہ امام کے ساتھ شریک ہو جائے۔

تشریح:۔(۲۸۰)یعنی اگر گھر میں ظہر کی نماز پڑھنے والے کی رائے یہ ہوئی کہ جمعہ میں حاضر ہو جاؤں پس وہ جمعہ کی طرف متوجہ ہوا اور حال یہ ہے کہ امام نماز جمعہ سے اب تک فارغ نہیں ہوا ہے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ گھر سے چلنے کے ساتھ ہی اس کی نماز ظہر کی فرضیت باطل ہو جائیگی اب یہ نماز نفل ہو جائیگی اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک صرف چلنے سے نماز باطل نہ ہوگی بلکہ نماز جمعہ میں شرکت کرنے سے باطل ہوگی۔

صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ جمعہ کی طرف چلنا چونکہ بذاتہ مقصود نہیں بلکہ اداء جمعہ کا وسیلہ ہے اور ظہر فرض مقصود ہے اسلئے سعی الی الجمعہ بنسبت ظہر کے ادنیٰ ہے اور قاعدہ ہے کہ اعلیٰ ادنیٰ کی وجہ سے باطل نہیں ہوتا لہذا محض سعی الی الجمعہ سے ظہر باطل نہ ہوگی۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ سعی الی الجمعہ خصائص جمعہ میں سے ہے لہذا ظہر توڑنے کے حق میں احتیاطاً جمعہ کے مرتبہ میں ہے۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول راجح ہے (کمافی الدر المختار:۱/۱۴۸)۔

(۲۸۱)وَيُكرَه اَنْ يُصَلِّى الْمَعذُوْرُ الظُّهرَ بِجَماعَةٍ يَومَ الْجُمُعَةِ (۲۸۲)وَكَذٰلِكَ اَهْلُ السِّجنِ۔

ترجمہ:۔اور مکروہ ہے یہ کہ معذور لوگ ظہر کی نماز جمعہ کے دن جماعت سے پڑھے اسی طرح قیدیوں کے لئے بھی مکروہ ہے۔

تشریح:۔(۲۸۱)یعنی اگر معذور لوگ مثلاً غلام، بچہ، نابینا اور مریض وغیرہ نے جمعہ کے دن شہر میں جمعہ کی نماز سے پہلے یا بعد ظہر کی نماز باجماعت ادا کر لی تو یہ عمل مکروہ ہے (۲۸۲)یہی حکم قیدیوں کا بھی ہے کیونکہ جمعہ کے دن ظہر کو باجماعت ادا کرنے میں ظاہری صورت میں جمعہ کا معارضہ ومقابلہ معلوم ہوتا ہے۔

(۲۸۳)وَمَنْ اَدْرَكَ الْاِمامَ يَومَ الْجُمُعَةِ صَلّٰى مَعَه مَا اَدْرَكَ وَبَنٰى عَلَيهَا الْجُمُعَةَ (۲۸۴)وَاِنْ اَدْرَكَه فِى التَّشَهُّدِ اَوْ فِى سُجُودِ السَّهْوِبَنٰى عَلَيهَا الْجُمُعَةَ عِنْدَابِى حَنِيفَةَ رَحِمَه اللّٰه وَاَبِى يوسفَ رَحِمَه اللّٰه وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَه اللّٰه اِنْ اَدْرَكَ مَعَه اَكْثَرَ الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ بَنٰى عَلَيهَا الجُمُعَةَوَاِنْ اَدْرَكَ مَعَه اَقَلَّهَابَنٰى عَلَيهَاالظُّهرَ۔

ترجمہ:۔اور جو شخص جمعہ کے دن امام کو پائے تو اس کے ساتھ وہ پڑھ لے جو پائے اور اسی پر جمعہ کی بنا کرلے اور اگر امام کو تشہد یا سجدہ سہو میں پایا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ وابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اسی پر جمعہ کو بنا کرلے اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر اس نے امام کے ساتھ دوسری رکعت کا اکثر حصہ پالیا تو اسی پر جمعہ کی بناء کرلے اور اگر امام کے ساتھ اس سے کم پالیا تو اس پر ظہر کی بنا کرلے۔

تشریح:۔(۲۸۳)یعنی جس نے جمعہ کے دن امام کو نماز جمعہ میں پایا تو اگر ایک رکعت نماز جمعہ کی امام کے ساتھ پالی اور وہ امام کے ساتھ ادا کرلی تو بالاتفاق اسی پر جمعہ کی بناء کرے۔(۲۸۴)اور اگر امام کو نماز جمعہ کے تشہد یا سجدہ سہو میں پایا تو شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک یہ شخص جمعہ کی نماز پوری کرلے اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اگر اس نے رکعت ثانی کا اکثر حصہ امام کے ساتھ پالیا مثلاً رکوع میں امام کے ساتھ شریک ہوا تو جمعہ کی نماز پوری کرے اور اگر بعد از رکوع شریک ہوا تو ظہر کی نماز پوری کرلے۔

امام محمد رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ اس شخص کے حق میں جمعہ کی بعض شرطیں (مثلاً جماعت) فوت ہو چکی ہے کیونکہ امام کے سلام

کے بعد یہ شخص تنہاء نماز جمعہ ادا کریگا تو یہ نماز من وجہ جمعہ ہے اور من وجہ ظہر ہے لہذا ظہر کا اعتبار کرتے ہوئے یہ شخص چار رکعت پڑھے۔ شیخین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ شخص جمعہ پانے والا ہے حتی کہ اس کیلئے جمعہ کی نیت کرنا شرط ہے اور جمعہ پانے والا جمعہ ہی ادا کریگا نہ کہ ظہر۔ شیخینؒ کا قول راجح ہے (کمافی الدر المختار:۱/۶۰۵)۔

(۲۸۵)وَاِذَاخَرَجَ الْاِمَامُ یَوْمَ الْجُمُعَةِ تَرَکَ النَّاسُ الصَّلٰوةَ وَالْکَلَامَ حَتّٰی یَفْرُغَ مِنْ خُطْبَتِهٖ وَقَالَارَحِمَهُمَا اللّٰهُ لَابَاْسَ بِاَنْ یَتَکَلَّمَ مَالَمْ یَبْدَاْبِالْخُطْبَةِ۔

ترجمہ:۔اور جب جمعہ کے دن امام (خطبہ کے لئے) نکلے تو لوگ نماز اور کلام چھوڑ دیں یہاں تک کہ امام اپنے خطبہ سے فارغ ہو جائے اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جب تک امام خطبہ شروع نہ کرے باتیں کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

تشریح:۔(۲۸۵)یعنی جمعہ کے دن جب امام خطبہ دینے کیلئے اپنے حجرہ سے نکلے یا اگر صف میں ہو تو منبر پر چڑھنے کیلئے کھڑا ہو جائے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک لوگ نہ نوافل اور سنن پڑھیں اور نہ باتیں کریں یہاں تک کہ امام خطبہ اور نماز سے فارغ ہو جائے ہاں قضاء نماز پڑھ سکتا ہے اور جس نماز میں اس وقت شروع کیا ہے اس کو پڑھنے کی اجازت ہے۔

صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک خطبہ شروع ہونے سے پہلے اور خطبہ کے بعد تکبیر سے پہلے کلام کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ کراہتِ کلام تو خطبہ سننے کے فرض میں خلل پڑ جانے کی وجہ سے ہے اور مذکورہ وقتوں میں کچھ سننا نہیں ہے اسلئے کراہت بھی نہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ اور ابن عباسؓ کی روایت ہے "اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ اِذَاخَرَجَ الْاِمَامُ فَلَاصَلٰوةَ وَلَاکَلَامَ" (یعنی جب امام باہر آئے تو نہ نماز ہے اور نہ کلام) اور حدیث میں خطبہ سے پہلے اور خطبہ کے بعد کی کوئی تفصیل نہیں۔امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے (کمافی الدر المختار:۱/۶۰۵)۔

(۲۸۶)وَاِذَا اَذَّنَ الْمُؤَذِّنُوْنَ یَوْمَ الْجُمُعَةِ الْاَذَانَ الْاَوَّلَ تَرَکَ النَّاسُ الْبَیْعَ وَالشِّرَاءَ وَتَوَجَّهُوْااِلَی الْجُمُعَةِ (۲۸۷)فَاِذَاصَعِدَالْاِمَامُ الْمِنْبَرَ جَلَسَ وَاَذَّنَ الْمُؤَذِّنُوْنَ بَیْنَ یَدَیِ الْمِنْبَرِ (۲۸۸)ثُمَّ یَخْطُبُ الْاِمَامُ وَاِذَافَرَغَ مِنْ خُطْبَتِهٖ اَقَامُوْاالصَّلٰوةَ۔

ترجمہ:۔اور جب مؤذنین جمعہ کے دن پہلی اذان دیں تو لوگ خرید وفروخت کو چھوڑ دیں اور جمعہ کی طرف متوجہ ہو جائیں اور جب امام منبر پر بیٹھ جائے اور مؤذن منبر کے سامنے اذان دے پھر امام خطبہ پڑھے اور جب اپنے خطبہ سے فارغ ہو جائے تو لوگ نماز قائم کریں۔

تشریح:۔(۲۸۶)یعنی جب مؤذن جمعہ کے دن پہلی اذان دیں تو لوگ خرید وفروخت کو چھوڑ کر جمعہ کی طرف متوجہ ہو جائیں لقولہ تعالی ﴿فَاسْعَوْااِلٰی ذِکْرِ اللّٰهِ وَذَرُوْاالْبَیْعَ﴾ (تم لوگ اللہ کے ذکر کی طرف چلو اور خرید وفروخت کو چھوڑ دو)۔(۲۸۷)جب امام منبر پر چڑھ کر بیٹھ جائے تو مؤذن منبر کے سامنے اذان دے کیونکہ یہی متوارث ہے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صرف یہ دوسری اذان تھی اسی وجہ سے بعض مشائخ کے نزدیک سعی واجب ہونے اور بیع

حرام ہونے میں یہی اذان معتبر ہے مگر اصح یہ ہے کہ اذان اول معتبر ہے (کمافی الدر المختار:۱/۶۰۷)۔

(۲۸۸) پھر اس دوسری اذان کے بعد امام خطبہ کہے اور بعد از خطبہ نماز قائم کرے۔ اور نماز بھی خطیب پڑھائے غیر خطیب کے لئے نماز پڑھانا مناسب نہیں۔ بعد از زوال نماز جمعہ پڑھے بغیر کسی کے لئے سفر پر روانہ ہونا مکروہ ہے البتہ زوال سے پہلے مکروہ نہیں۔

بَابُ صَلٰوةِ الْعِيْدَيْن

یہ باب صلوۃ عیدین کے بیان میں ہے۔

نماز جمعہ و نماز عیدین میں مناسبت یہ ہے کہ دونوں جمع عظیم کے ساتھ ادا کی جاتی ہیں اور سوائے خطبہ کے جو شرطیں جمعہ کی ہیں وہی شرطیں عیدین کی بھی ہیں اور جس پر جمعہ واجب ہے اس پر عیدین کی نماز بھی واجب ہے۔ مگر چونکہ جمعہ فرض اور کثیر الوقوع ہے اسلئے جمعہ کو عیدین سے مقدم کیا گیا ہے۔

(۲۸۹) وَيُسْتَحَبُّ فِي يَوْمِ الْفِطْرِ اَنْ يَطْعَمَ الْاِنْسَانُ شَيْئًا قَبْلَ الْخُرُوْجِ اِلَى الْمُصَلّٰى (۲۹۰) وَيَغْتَسِلَ وَيَتَطَيَّبَ وَيَلْبَسَ اَحْسَنَ ثِيَابِه وَيَتَوَجَّهَ اِلَى الْمُصَلّٰى (۲۹۱) وَلَا يُكَبِّرُ فِي طَرِيْقِ الْمُصَلّٰى عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَيُكَبِّرُ فِي طَرِيْقِ الْمُصَلّٰى عِنْدَ اَبِي يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ (۲۹۲) وَلَا يَتَنَفَّلُ فِي الْمُصَلّٰى قَبْلَ صَلٰوةِ الْعِيْدِ۔

ترجمہ:۔ عید الفطر کے دن مستحب یہ ہے کہ انسان عیدگاہ کی طرف نکلنے سے پہلے کوئی چیز کھالے اور غسل کر لے اور خوشبو لگائے اور اپنے کپڑوں میں سے عمدہ کپڑے پہن لے اور عیدگاہ کی طرف متوجہ ہو جائے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عیدگاہ کے راستہ میں تکبیر نہ کہے اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک تکبیر کہے اور عیدگاہ میں نماز عید سے پہلے نفل نہ پڑھے۔

تشریح:۔ (۲۸۹) یعنی عید الفطر کے دن کے مستحبات میں سے ایک یہ ہے کہ عیدگاہ جانے سے پہلے کوئی میٹھی چیز کھائے "لِاَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَا يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَاْكُلَ وَكَانَ لَا يَاْكُلُ يَوْمَ النَّحْرِ حَتّٰى يُصَلِّي " (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن کچھ کھانے سے پہلے عیدگاہ کی طرف نہیں نکلتے اور یوم النحر کے دن نماز عید سے پہلے کچھ نہ کھاتے)۔

(۲۹۰) دوسرا مستحب عمل غسل ہے اور خوشبو لگانا ہے کیونکہ یہ لوگوں کے جمع ہونے کا دن ہے اس لئے اس میں غسل کرنا اور خوشبو لگانا مسنون ہے جیسا کہ جمعہ کے دن دونوں عمل مسنون ہیں۔ تیسرا مستحب یہ ہے کہ اپنے کپڑوں میں سے جو عمدہ ہوں وہ پہن لے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سرخ دھاری دار یمنی چادر تھی جس کو آپ ﷺ جمعہ اور عیدین کے دن پہنتے تھے۔

(۲۹۱) اب عیدگاہ کی طرف چلے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک راستے میں تکبیر نہ پڑھے یعنی باواز بلند تکبیر نہ پڑھے مطلق تکبیر پڑھنے کی ممانعت نہیں اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک باواز بلند تکبیر پڑھے۔ صاحبین رحمہما اللہ عید الفطر کو عید الاضحیٰ پر قیاس کرتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ ذکر میں اصل اخفاء ہے مگر عید الاضحیٰ کے ایام میں خلاف قیاس تکبیرات جہر سے کہنے پر نص وارد ہوئی ہے اور خلاف قیاس اپنے مورد کے ساتھ خاص ہوتا ہے لہذا اس پر عید الفطر کو قیاس کرنا درست نہیں (امام

ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے)۔

(۲۹۲) نماز عید سے پہلے نفل نہ پڑھے نہ عید گاہ میں اور نہ عید گاہ کے علاوہ ''لِحَدِیْثِ ابن عَبَّاسؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ خَرجَ فَصَلّٰی بِھِمُ الْعِیْدَ لَمْ یُصَلِّ قَبْلَھَا وَ لَا بَعْدَھَا '' (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر سے نکل کر لوگوں کو عید کی نماز پڑھائی آپ ﷺ نے نہ عید سے پہلے کوئی نفل نماز پڑھی اور نہ عید کے بعد) باوجود کہ پیغمبر ﷺ نماز کے حریص تھے۔ البتہ بعد از نماز عید گھر آ کر نوافل پڑھنا صحیح ہے۔

(۲۹۳) وَاِذَا حَلَّتِ الصَّلٰوۃُ بِارْتِفَاعِ الشَّمْسِ دَخَلَ وَقْتُھَا اِلَی الزَّوَالِ فَاِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ خَرَجَ وَقْتُھَا۔

ترجمہ:۔ اور جب آفتاب بلند ہونے سے نماز جائز ہوگئی تو نماز عید کا وقت شروع ہو گیا زوال آفتاب تک پس جب آفتاب زائل ہو جائے تو اس کا وقت نکل جاتا ہے۔

تشریح:۔ (۲۹۳) یعنی عید کی نماز کا وقت سورج کے ایک یا دو نیزہ بلند ہونے سے شروع ہوتا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز اسی وقت پڑھا کرتے تھے۔ اور عید کی نماز کا وقت زوال افتاب تک باقی رہتا ہے کیونکہ ایک مرتبہ انتیس رمضان کو چاند نظر نہ آیا اور اگلے دن زوال کے بعد کچھ لوگوں نے چاند دیکھنے کی گواہی دی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اگلے دن یعنی دو شوال کو نماز عید ادا کرنے کا امر فرمایا تو اگر بعد از زوال نماز عید جائز ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگلے دن تک مؤخر نہ فرماتے۔

(۲۹۴) وَیُصَلِّی الْاِمَامُ بِالنَّاسِ رَکْعَتَیْنِ یُکَبِّرُ فِی الْاُوْلٰی تَکْبِیْرَۃَ الْاِحْرَامِ وَثَلٰثًا بَعْدَھَا ثُمَّ یَقْرَأُ فَاتِحَۃَ الْکِتَابِ وَسُوْرَۃً مَعَھَا ثُمَّ یُکَبِّرُ تَکْبِیْرَۃً یَرْکَعُ بِھَا ثُمَّ یَبْتَدِأُ فِی الرَّکْعَۃِ الثَّانِیَۃِ بِالْقِرَاءَۃِ فَاِذَا فَرَغَ مِنَ الْقِرَاءَۃِ کَبَّرَ ثَلٰثَ تَکْبِیْرَاتٍ وَکَبَّرَ تَکْبِیْرَۃً رَابِعَۃً یَرْکَعُ بِھَا وَیَرْفَعُ یَدَیْہِ فِی تَکْبِیْرَاتِ الْعِیْدَیْنِ (۲۹۵) ثُمَّ یَخْطُبُ بَعْدَ الصَّلٰوۃِ خُطْبَتَیْنِ یُعَلِّمُ النَّاسَ فِیْھِمَا صَدَقَۃَ الْفِطْرِ وَاَحْکَامَھَا۔

ترجمہ:۔ اور امام لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائے پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ اور تین تکبیریں کہے پھر سورۂ فاتحہ پڑھے اور اسکے ساتھ ایک اور سورت ملائے پھر تکبیر کہہ کر رکوع میں جائے پھر دوسری رکعت میں قرأت شروع کرے پس جب قرأت سے فارغ ہو جائے تو تین تکبیریں کہے اور چوتھی تکبیر کہہ کر رکوع کرے اور عیدین کی تکبیرات میں دونوں ہاتھ اٹھائے پھر امام نماز کے بعد دو خطبہ دے اور ان میں لوگوں کو تعلیم دے صدقۂ فطر اور اسکے احکام کی۔

تشریح:۔ (۲۹۴) یعنی امام لوگوں کے ساتھ دو رکعت نماز اس طرح پڑھے کہ پہلے تکبیر تحریمہ کہے پھر ثناء پڑھ کر تین زائد تکبیریں کہے اور تکبیرات زوائد میں ہر دو تکبیروں کے درمیان بقدر تین تسبیحات توقف کرنا مستحب ہے پھر سورۃ فاتحہ کے ساتھ کوئی سورت ملا کر پڑھے پھر تکبیر رکوع کہہ کر رکوع اور سجدہ کرلے اس طرح رکعت اولیٰ پوری ہو جائیگی۔ دوسری رکعت میں پہلے قرأۃ فاتحہ اور ضم سورۃ کرلے پھر تین زائد تکبیریں کہے اور رکوع کی تکبیر کہہ کر رکوع کرلے۔ اور تکبیرات زوائد میں رفع یدین کرلے اس تفصیل کے مطابق دونوں رکعتوں میں

تو (۹) تکبیریں ہوئیں چھ زائد دو تکبیرات رکوع اور ایک تکبیر تحریمہ، یہ ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کا قول ہے اور یہی احناف کا مذہب ہے۔

(۲۹۵) نماز عید سے فارغ ہوکر امام دو خطبے پڑھے "لحدیث ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ قال کان رسول اللہ ثم ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ وعمر رضی اللہ تعالی عنہ یصلون العیدین قبل الخطبۃ" (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ عیدین کی نماز خطبہ سے پہلے پڑھا کرتے تھے)۔ اس خطبہ میں صدقۃ الفطر اور اسکے احکام کی تعلیم دی جائیگی تاکہ جس نے صدقۃ الفطر ادا نہ کیا ہو وہ اسے ادا کرے کیونکہ یہ خطبہ اسی مقصد کیلئے مشروع ہوا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کے سوی سات تکبیرات زوائد کہے اور دوسری رکعت میں تکبیر رکوع کے سوا پانچ تکبیرات زوائد کہے یہی ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ کا مذھب ہے۔

پھر مستحب یہ ہے کہ پہلے خطبہ کے شروع میں مسلسل نو تکبیریں کہے اور دوسرے کے شروع میں سات تکبیریں کہے۔

(۲۹۶) وَمَنْ فَاتَتْهُ صَلاةُ الْعِيدِ مَعَ الْإِمامِ لَمْ يَقْضِهَا۔

ترجمہ:۔ اور جس کی نمازِ عید امام کے ساتھ فوت ہو جائے تو اس کی قضاء نہ کرے۔

تشریح:۔ (۲۹۶) یعنی اگر کسی کی نماز عید امام کے ساتھ فوت گئی یعنی امام کیساتھ ادا نہ کرسکا تو وہ اسکی قضاء نہیں کریگا کیونکہ نماز عید کیلئے کچھ ایسی شرطیں ہیں جو تنہا ءادمی سے پوری نہیں ہوسکتیں مثلاً جماعت کا ہونا، سلطان کا ہونا وغیرہ پس چونکہ منفرد میں یہ شرطیں نہیں پائی جاتیں اسلئے اسکا اکیلا نماز عید پڑھنا بھی جائز نہ ہوگا ہاں اگر کسی دوسرے عیدگاہ میں جاکر نماز عید پاسکتا ہو تو جاکر وہاں پڑھ لے کیونکہ نماز عید متعدد جگہوں میں ادا ہو جاتی ہے۔

(۲۹۷) فَإِنْ غُمَّ الْهِلَالُ عَنِ النَّاسِ وَشَهِدُوا عِنْدَ الْإِمَامِ بِرُؤْيَةِ الْهِلَالِ بَعْدَ الزَّوَالِ صَلَّى الْعِيدَ مِنَ الْغَدِ (۲۹۸) فَإِنْ حَدَثَ عُذْرٌ مَنَعَ النَّاسَ مِنَ الصَّلوةِ فِي الْيَوْمِ الثَّانِيْ لَمْ يُصَلِّهَا بَعْدَهُ۔

ترجمہ:۔ پس اگر چاند لوگوں کی نظر سے چھپ گیا اور لوگوں نے سورج ڈھلنے کے بعد امام کے سامنے چاند دیکھنے کی گواہی دی تو عید کی نماز دوسرے دن پڑھے پھر اگر دوسرے دن ایسا عذر پیدا ہوا کہ لوگوں کو نماز عید سے روکا تو اس کے بعد نماز عید نہ پڑھے۔

تشریح:۔ (۲۹۷) یعنی اگر عید کے دن زوال کے بعد لوگوں نے چاند دیکھنے کی گواہی دی اور امام نے ان کی گواہی قبول کرلی تو روزہ تو توڑ دیں مگر نماز عید دوسرے دن امام لوگوں کو پڑھائے کیونکہ یہ تاخیر عذر کی وجہ سے ہے اور اس تاخیر کے سلسلے میں نص وارد ہوئی ہے کہ زوال کے بعد لوگوں نے چاند دیکھنے کی گواہی دی تو پیغمبر ﷺ نے دوسرے دن نماز عید پڑھنے کا حکم دیا۔

(۲۹۸) اگر دوسرے دن بھی کوئی ایسا عذر پایا گیا جو نماز عید کیلئے مانع ہو تو اب تیسرے دن نماز عید پڑھنے کی اجازت نہ ہوگی کیونکہ نماز عید میں جمعہ کی طرح اصل تو یہ ہے کہ اسکی قضاء نہ کی جائے مگر عذر کی وجہ سے دوسرے دن تک مؤخر کرنے میں حدیث مذکور کی وجہ سے اس اصل کو ترک کر دیا ہے لیکن چونکہ تیسرے دن تک مؤخر کرنے کے بارے میں کوئی نص نہیں اس لئے تیسرے دن تک مؤخر

کرنے کی اجازت نہیں۔

(۲۹۹) وَيُسْتَحَبُّ فِي يَوْمِ الْاَضْحٰى اَنْ يَغْتَسِلَ وَيَتَطَيَّبَ وَيُؤَخِّرَ الْاَكْلَ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنَ الصَّلٰوةِ (۳۰۰) وَيَتَوَجَّهَ اِلَى الْمُصَلّٰى وَهُوَ يُكَبِّرُ (۳۰۱) وَيُصَلِّي الْاَضْحٰى رَكْعَتَيْنِ كَصَلٰوةِ الْفِطْرِ وَيَخْطُبُ بَعْدَهُ خُطْبَتَيْنِ يُعَلِّمُ النَّاسَ فِيْهِمَا الْاُضْحِيَةَ وَتَكْبِيْرَاتِ التَّشْرِيْقِ۔

توجمه:۔عید الضحیٰ کے دن مستحب یہ ہے کہ اول غسل کرے اور خوشبو لگائے اور کھانا مؤخر کردے یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہوجائے اور راستہ میں تکبیرات کہتا ہوا عیدگاہ کی طرف متوجہ ہوجائے اور عید الفطر کی طرح عید الضحیٰ کی دو رکعتیں پڑھے اور اسکے بعد دو خطبہ پڑھے جس میں قربانی اور تکبیرات تشریق کی تعلیم دے۔

تشریح:۔(۲۹۹) یعنی عید الضحیٰ کے دن غسل کرنا اور خوشبو لگانا مستحب ہے اور اس دن کھانا نماز عید کے بعد کھائے اسکی دلیل ماقبل میں گذر چکی ہے۔(۳۰۰) پھر عیدگاہ کی طرف متوجہ ہوجائے اور راستہ میں بالاتفاق باواز بلند تکبیر کہے لقوله تعالى ﴿اذْكُرُوا اللّٰهَ فِي اَيَّامٍ مَعْدُوْدَاتٍ﴾ (یعنی یاد کرو اللہ کو گنتی کے چند دنوں میں)۔

(۳۰۱) نماز عید الفطر کی طرح امام لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائے کیونکہ ایسا ہی منقول ہے اور بعد از نماز دو خطبے پڑھے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا ہے۔اور ان دونوں خطبوں میں لوگوں کو قربانی اور تکبیرات تشریق کے احکام سکھلائے کیونکہ ان دنوں میں یہی چیزیں مشروع ہیں اور خطبہ ان ہی چیزوں کی تعلیم کیلئے مشروع ہوا ہے۔

(۳۰۲) فَاِنْ حَدَثَ عُذْرٌ مَنَعَ النَّاسَ مِنَ الصَّلٰوةِ يَوْمَ الْاَضْحٰى صَلَّاهَا مِنَ الْغَدِ وَبَعْدَ الْغَدِ وَلَا يُصَلِّيْهَا بَعْدَ ذٰلِكَ۔

توجمه:۔پس اگر کوئی ایسا عذر پیش آیا کہ لوگوں کو عید الضحیٰ کے دن نماز عید پڑھنے سے روک دیا تو دوسرے دن یا تیسرے دن نماز عید پڑھے اور اسکے بعد نہ پڑھے۔

تشریح:۔(۳۰۲) یعنی اگر بقرعید کے دن کوئی عذر مانع صلوۃ پایا گیا تو پھر دوسرے دن نماز پڑھے اور اگر دوسرے دن بھی عذر باقی رہا تو تیسرے دن پڑھے مگر تیسرے دن کے بعد تک مؤخر کرنا جائز نہیں کیونکہ بقرعید کی نماز موقت بوقت اضحیہ (قربانی) ہے اس لئے یہ ایام اضحیہ کے ساتھ مقید ہوگی مگر بلا عذر دوسرے اور تیسرے دن تک مؤخر کرنے سے گناہ گار ہوگا کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ایسی تاخیر منقول نہیں۔

(۳۰۳) وَتَكْبِيْرُ التَّشْرِيْقِ اَوَّلُهُ عَقِيْبَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ وَآخِرُهُ عَقِيْبَ صَلٰوةِ الْعَصْرِ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ اِلٰى صَلٰوةِ الْعَصْرِ مِنْ آخِرِ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ۔

توجمه:۔اور تکبیرات تشریق کی ابتداء عرفہ کے دن نماز فجر کے بعد سے ہے اور اس کی انتہاء امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عید کے دن کی نماز عصر کے بعد ہے اور امام ابویوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایام تشریق کے آخری دن کی نماز عصر تک ہے۔

تشریح:۔(۳۰۳)تکبیرات تشریق کی ابتدا باتفاق احناف "عرفہ کے دن یعنی ذی الحجہ کی نویں تاریخ کی فجر سے کی جائیگی اور انتہاء میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کی عصر تک تکبیرات تشریق پڑھی جائیگی اس طرح امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق کل آٹھ نمازیں ہیں جن کے بعد تکبیرات تشریق پڑھی جائیگی۔

صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک ایام تشریق کے آخری دن یعنی تیرھویں ذی الحجہ کی عصر تک تکبیرات تشریق پڑھی جائیگی اس طرح صاحبین کے مذہب کے مطابق کل تیئیس نمازوں کے بعد تکبیرات تشریق پڑھی جائیگی۔فتویٰ صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر ہے۔

(۳۰٤)وَالتَّكْبِيرَاتُ عَقِيبَ الصَّلَوَاةِ الْمَفْرُوضَاتِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔

ترجمہ:۔اور تکبیرات تشریق فرض نمازوں کے بعد ہے (اس طرح کہے) "اللہ اکبر اللہ اکبر لاالہ الااللہ واللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔

تشریح:۔(۳۰٤)امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تکبیرات تشریق صرف فرض نمازوں کے بعد شہر میں مقیم لوگوں پر واجب ہے اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک ہر ایسے شخص پر واجب ہے جو فرض نماز پڑھے کیونکہ تکبیر فرض نماز کا تابع ہے۔مفتی بہ قول صاحبین رحمہما اللہ کا ہے للاحتیاط فی العبادات۔اور تکبیر یہ ہے کہ ایک بار کہے "اللہ اکبر اللہ اکبر لاالہ الا اللہ واللہ اکبر وللہ الحمد" کیونکہ یہی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منقول ہے۔

بَابُ صَلٰوةِ الْكُسُوْفِ

یہ باب صلوۃ الکسوف کے بیان میں ہے۔

نماز عید، نماز کسوف اور نماز استسقاء میں مناسبت یہ ہے کہ تینوں نمازیں دن میں بغیر اذان واقامت کے ادا کی جاتی ہیں۔پھر نماز عید کو اس لئے مقدم کیا کہ کثیر الوقوع ہے اور کسوف کو بھی استسقاء پر اسی وجہ سے مقدم کیا ہے۔

کسوف اور خسوف لغت میں بمعنی نقصان کے ہیں اور اصطلاح (فقہاء) میں سورج گہن کو کسوف اور چاند گہن کو خسوف کہتے ہیں۔صلوۃ الکسوف میں اضافت از قبیل اضافۃ الشیٔ الی سببہ ہے۔

(۳۰۵)اِذَاانْكَسَفَتِ الشَّمْسُ صَلَّى الْاِمَامُ بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ كَهَيْئَةِ النَّافِلَةِ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ رُكُوعٌ وَاحِدٌ وَيُطَوِّلُ الْقِرَاءَةَ فِيهِمَا(۳۰٦)وَيُخْفِي عِنْدَاَبِي حَنِيْفَةَ وَقَالَ اَبُوْيُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَمُحَمَّدٌرَحِمَهُ اللّٰهُ يَجْهَرُ(۳۰۷)ثُمَّ يَدْعُوْبَعْدَهَا حَتّٰى تَنْجَلِيَ الشَّمْسُ(۳۰۸)وَيُصَلِّي بِالنَّاسِ الْاِمَامُ الَّذِي يُصَلِّي بِهِمُ الْجُمُعَةَ(۳۰۹)فَاِنْ لَّمْ يَحْضُرِالْاِمَامُ صَلَّاهَاالنَّاسُ فُرَادٰى۔

ترجمہ:۔جب سورج گہن ہو تو امام لوگوں کو نفل کی طرح دو رکعت نماز پڑھائے اور ہر رکعت میں ایک رکوع ہے اور دونوں رکعتوں میں قرأت لمبی کرے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قرأت آہستہ پڑھے۔اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ قرأت بلند آواز سے

پڑھے پھر نماز کے بعد دعاء کرے یہاں تک کہ سورج روشن ہو جائے اور لوگوں کو وہی امام نماز پڑھائے جو ان کو جمعہ پڑھاتا ہے پس اگر امام جمعہ حاضر نہ ہو تو لوگ سورج گہن کی نماز تنہاء پڑھیں۔

تشریح:۔(۳۰۵) یعنی اگر سورج گہن ہو گیا تو امام لوگوں کو دو رکعت نماز نفل کی طرح بلا خطبہ واذان واقامت کے پڑھائے اور ہر رکعت میں ایک رکوع کرے۔امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ہر رکعت میں دو رکوع کرے۔اور دونوں رکعتوں میں خوب طویل قراءۃ کرے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اول رکعت کو بقدر سورۃ بقرہ اور ثانی کو بقدر آل عمران طویل کیا تھا۔

(۳۰۶) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قرأت آہستہ پڑھے کیونکہ یہ ظہر کی طرح دن کی نماز ہے اور جماعت دونوں کیلئے شرط نہیں لہذا ظہر کی طرح اس میں بھی قرأت آہستہ پڑھے۔صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک قراءۃ بلند آواز سے پڑھے کیونکہ یہ نماز عید کی طرح جمع عظیم کے ساتھ پڑھی جاتی ہے تو عید کی نماز کی طرح اس میں بھی قرأت بلند آواز سے پڑھے۔(امام حنیفہؒ کا قول مفتی بہ ہے)۔

(۳۰۷) نماز کے بعد دعاء کرے یہاں تک کہ سورج روشن ہو جائے۔اور امام کو اختیار ہے چاہے تو رو بقبلہ بیٹھ کر دعاء کرے چاہے تو کھڑے ہو کر دعاء کرے اور چاہے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو جائے دعاء کرے اور لوگ آمین کہے یہاں تک کہ سورج گہن ختم ہو جائے۔

(۳۰۸) نماز کسوف میں بھی فتنہ وفساد سے بچنے کے لئے اس کو امام مقرر کیا جائے جو لوگوں کو جمعہ اور عیدین کی نماز پڑھاتا ہے

(۳۰۹) اگر امام جمعہ موجود نہ ہو تو لوگ اپنے گھروں میں ہر ایک تنہاء نماز پڑھے کیونکہ یہ نماز نفل ہے اور نوافل میں اصل انفراد ہے۔

(۳۱۰) وَلَيْسَ فِي خُسُوْفِ الْقَمَرِ جَمَاعَةٌ وَاِنَّمَا يُصَلِّي كُلُّ وَاحِدٍ بِنَفْسِهِ (۳۱۱) وَلَيْسَ فِي الْكُسُوْفِ خُطْبَةٌ۔

ترجمہ:۔اور چاند گہن میں جماعت نہیں بلکہ ہر شخص اپنی اپنی نماز پڑھ لے اور سورج گہن میں خطبہ نہیں۔

تشریح:۔(۳۱۰) یعنی چاند گہن کی صورت میں جماعت نہیں کیونکہ یہ رات میں ہوتا ہے اور رات کے وقت لوگوں کے جمع ہونے میں مشقت ہے لہذا ہر آدمی اکیلا اکیلا نماز پڑھے۔(۳۱۱) اور کسوف وخسوف کی نماز میں خطبہ نہیں کیونکہ ان میں خطبہ پڑھنا منقول نہیں۔

بَابُ صَلٰوةِ الْاِسْتِسْقَاءِ

یہ باب صلوۃ استسقاء کے بیان میں ہے۔

صلوۃ استسقاء کی کسوف کے ساتھ وجہ مناسبت ماقبل میں گذر چکی ہے۔

(۳۱۲) قَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ لَيْسَ فِي الْاِسْتِسْقَاءِ صَلٰوةٌ مَسْنُوْنَةٌ بِالْجَمَاعَةِ فَاِنْ صَلَّى النَّاسُ وُحْدَانًا جَازَ وَاِنَّمَا الْاِسْتِسْقَاءُ الدُّعَاءُ وَالْاِسْتِغْفَارُ (۳۱۳) وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ يُصَلِّي الْاِمَامُ رَكْعَتَيْنِ يَجْهَرُ فِيْهِمَا بِالْقِرَاءَةِ ثُمَّ يَخْطُبُ۔

ترجمہ:۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ استسقاء میں جماعت کے ساتھ نماز مسنون نہیں اگر لوگ تنہاء نماز پڑھیں تو جائز ہے اور استسقاء تو صرف دعاء اور استغفار ہے اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ امام دو رکعت نماز پڑھائے جن میں قرأت زور سے پڑھے پھر خطبہ دے۔

تشریح :۔(۳۱۲)استسقاء کالغوی معنی ہے سیرابی طلب کرنا اور اصطلاح شرع میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک استسقاء دعاء اور استغفار کو کہتے ہیں اور استسقاء میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا مسنون نہیں لِقَوْلِهِ تعالی ﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّاراً يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَاراً﴾ (یعنی میں نے کہا گناہ بخشواؤ اپنے رب سے بیشک وہ ہے بخشنے والا چھوڑے گا تم پر آسمان کی دھاریں) لیکن اگر لوگوں نے اکیلے اکیلے نماز پڑھی تو جائز ہے مکروہ نہیں۔

(۳۱۳)صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک امام کا لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھانا سنت ہے اور دونوں رکعتوں میں قرأۃ بلند آواز سے پڑھے عیدین کی نماز پر قیاس کرتے ہیں (والعمل اليوم على قول الصاحبينؒ)۔ پھر نماز کے بعد امام ابویوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ایک خطبہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک دو خطبے پڑھے (امام ابویوسفؒ کا قول راجح ہے) خطبہ کا اکثر حصہ استغفار پر مشتمل ہونا چاہئے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خطبہ نہیں کیونکہ خطبہ جماعت کا تابع ہے جماعت نہیں تو خطبہ بھی نہ ہوگا۔

(۳۱۴) وَيَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ بِالدُّعَاءِ (۳۱۵)وَيَقْلِبُ الْإِمَامُ رِدَائَهُ وَلَا يُقْلِبُ الْقَوْمُ اَرْدِيَتَهُمْ (۳۱۶)وَلَا يَحْضُرُ اَهْلُ الذِّمَّةِ لِلْاِسْتِسْقَاءِ۔

ترجمہ:۔اور دعاء کے ساتھ قبلہ رخ ہو اور امام اپنی چادر کو پلٹ دے اور قوم اپنی چادریں نہ پلٹیں اور ذمی لوگ نماز استسقاء میں حاضر نہ ہوں۔

تشریح :۔(۳۱۴)یعنی استسقاء کی دعاء میں مستحب یہ ہے کہ قبلہ کی طرف رخ کرے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دعاء میں استقبال قبلہ اور قلب رداء مروی ہے۔(۳۱۵)اور امام اپنی چادر اُلٹ دے" لِفِعْلِهِ ﷺ "۔ چادر الٹنے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر چادر چوکور ہو تو اوپر کا حصہ نیچے کر دے اور نیچے کا حصہ اوپر کر دے اور اگر مدوّر ہو جیسے جبہ تو دایاں جانب بائیں طرف کر دے اور بایاں جانب دائیں طرف کر دے۔ لوگ اپنی چادریں نہ پلٹائیں کیونکہ یہ مروی نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم کو اسکا حکم کیا ہو۔

پھر مستحب یہ ہے کہ لوگ صحراء کی طرف تین دن پیدل پرانے دھوئے ہوئے کپڑوں میں خشوع، خضوع کے ساتھ نکلیں اور ہر دن نکلنے سے پہلے کچھ صدقہ کریں اور توبہ کی تجدید کریں اور اپنے ساتھ بوڑھے، بچے اور جانور لے جائیں۔(۳۱۶)مگر استسقاء میں ذمی لوگ حاضر نہ ہوں کیونکہ مسلمانوں کا نکلنا نزول رحمت کی دعاء کے لئے ہے اور ذمیوں پر تو لعنت برستی ہے۔

بَابُ قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ

یہ باب رمضان المبارک میں تراویح پڑھنے کے بیان میں ہے۔

قیام رمضان سے مراد تراویح ہے۔ امام قدوری رحمہ اللہ نے تراویح کو نوافل میں ذکر کرنے کے بجائے مستقل باب قائم فرمایا کیونکہ تراویح کی کچھ خصوصیات ایسی ہیں جو مطلق نوافل میں نہیں جیسے تعداد رکعات کا معین ہونا اور ایک بار ختم قرآن کا ان میں مسنون ہونا۔ پھر استسقاء کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ استسقاء نوافل نہار میں سے ہے اور تراویح نوافل لیل میں سے ہے۔ تراویح کے لئے لفظ

قیام اسلئے استعمال کیا ہے کہ حضور ﷺ نے لفظ قیام استعمال فرمایا ہے چنانچہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "اِنَّ اللّٰہَ فَرَضَ عَلَیْکُمْ صِیَامَ رَمَضَانَ وَسَنَنْتُ لَکُمْ قِیَامَہ"۔اور رمضان "یَرْمَضُ الذُّنُوْبَ" (یعنی گناہوں کو جلاتا ہے) سے ہے۔

تراویح ترویحہ کی جمع ہے رمضان المبارک میں رات کے مذکورہ نوافل کے چار رکعت کو ترویحہ کہتے ہیں کیونکہ ان میں ہر چار رکعت کے بعد استراحت کیلئے بیٹھنا پایا جاتا ہے۔

(۳۱۷) یُسْتَحَبُّ اَنْ یَجْتَمِعَ النَّاسُ فِی شَھْرِ رَمَضَانَ بَعْدَ الْعِشَاءِ فَیُصَلِّی بِھِمْ اِمَامُھُمْ خَمْسَ تَرْوِیْحَاتٍ فِی کُلِّ تَرْوِیْحَۃٍ تَسْلِیْمَتَانِ (۳۱۸) وَیَجْلِسُ بَیْنَ کُلِّ تَرْوِیْحَتَیْنِ مِقْدَارَ تَرْوِیْحَۃٍ ثُمَّ یُوْتِرُ بِھِمْ (۳۱۹) وَلَا یُصَلِّی الْوِتْرَ بِجَمَاعَۃٍ فِی غَیْرِ شَھْرِ رَمَضَانَ۔

ترجمہ:۔ مستحب ہے کہ ماہِ رمضان میں عشاء کے بعد لوگ جمع ہوں اور ان کا امام انہیں پانچ ترویحے پڑھائے ہر ترویحہ میں دو سلام ہوں اور ہر دو ترویحوں کے درمیان ایک ترویحہ کی مقدار بیٹھے پھر لوگوں کو وتر پڑھائے اور سوائے رمضان کے اور دنوں میں وتر جماعت سے نہ پڑھے۔

تشریح:۔ (۳۱۷) یعنی رمضان کے مہینہ میں ہر رات عشاء کی نماز کے بعد لوگوں کا تراویح پڑھنے کی نیت سے جمع ہونا مستحب ہے (مگر اصح یہ ہے کہ سنت مؤکدہ ہے) پھر امام ان لوگوں کو پانچ ترویحات پڑھائے ہر ترویحہ چار رکعات کی ہو اور ہر ترویحہ دو سلاموں کے ساتھ ادا کرے۔

(۳۱۸) ہر دو ترویحوں کے درمیان بغرض استراحت ایک ترویحہ کی مقدار بیٹھنا مستحب ہے اسی طرح پانچویں ترویحہ اور وتر کے درمیان بیٹھنا بھی مستحب ہے۔ اور دو ترویحوں کے درمیان میں چاہے تو تسبیح پڑھے چاہے تلاوت کرے اور چاہے تو خاموش رہے یا ہر ایک اکیلا نماز پڑھے۔ پھر امام ان کو وتر پڑھائے۔ (۳۱۹) رمضان المبارک کے علاوہ میں وتر اور نوافل جماعت سے نہ پڑھے۔

"ثُمَّ یُوْتِرُ بِھِمْ" کے ساتھ تعبیر کرنے میں اشارہ کیا کہ تراویح کا وقت وتر سے پہلے ہے مگر اصح یہ ہے کہ تراویح کا وقت عشاء کے بعد الی آخر اللیل ہے وتر سے پہلے ہو یا بعد۔

بَابُ صَلٰوۃِ الْخَوْفِ

یہ باب صلوۃ الخوف کے بیان میں ہے۔

ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ تراویح نفل ہے جو کہ جماعت کے ساتھ غیر مشروع ہے مگر عارض رمضان کی وجہ سے مشروع قرار دیا ہے اسی طرح نماز عمل کثیر کے ساتھ غیر مشروع ہے مگر عارض خوف کی وجہ سے صلوۃ خوف کو مشروع قرار دیا ہے۔ پھر تراویح میں کثرت تکرار ہے اور صلوۃ خوف نادر ہے اسلئے تراویح کو مقدم کیا ہے۔ اور "صلوۃ الخوف" میں اضافت از قبیل اضافۃ الشی الی شرطہ ہے۔

(۴۲۰)وَاِذَا اشْتَدَّ الْخَوْفُ جَعلَ الْاِمامُ النَّاسَ طَائِفَتَيْنِ طَائِفَةً اِلٰی وَجْهِ الْعَدُوِّ وَطَائِفَةً خَلْفَه فَيُصَلِّی بِهٰذِه الطَّائِفَةِ رَكْعةً وَسَجْدَتَيْنِ فَاِذَارَفَعَ رَأسَه مِنَ السَّجْدَةِ الثَّانِيَةِ مَضَتْ هٰذِه الطَّائِفَةُ اِلٰی وَجْهِ الْعَدُوِّ وَجاءَ تِ الطَّائِفَةُ الْاُخْرٰی فَيُصَلِّی بِهِمُ الْاِمامُ رَكْعةً وَسَجْدَتَيْنِ وَتَشَهَّدَوَسَلَّمَ وَلَمْ يُسَلِّمُوْا وَذَهَبُوْااِلٰی وَجْهِ الْعَدُوِّ وَجاءَ تِ الطَّائِفَةُ الْاُوْلٰی فَصَلَّوْاوُحْدَانًارَكْعةً وَسَجْدَتَيْنِ بِغَيْرِقِرَاءَةٍ وَتَشَهَّدُوْاوَسَلَّمُوْاوَمَضَوْااِلٰی وَجْهِ الْعَدُوِّ وَجاءَ تِ الطَّائِفَةُ الْاُخْرٰی وَصَلَّوْارَكعةً وَسَجْدَتَيْنِ بِقِرَاءَةٍ وَتَشَهَّدُوْاوَسَلَّمُوْا۔

ترجمه:۔ جب خوف زیادہ ہوتو امام لوگوں کی دو جماعت کر دے ایک جماعت دشمن کے مقابلہ میں کھڑی کر دے اور دوسری جماعت کو اپنے پیچھے کھڑی کر لے پھر اسی جماعت کو ایک رکعت دو سجدوں کے ساتھ پڑھائے پھر جب امام دوسرے سجدہ سے سر اٹھائے تو یہ جماعت دشمن کے مقابلہ میں چلی جائے اور دوسری جماعت آئے پس امام ان کو ایک رکعت دو سجدوں کے ساتھ پڑھائے اور تشہد پڑھ کر سلام پھیر دے اور یہ لوگ سلام نہ پھیریں بلکہ دشمن کے مقابلہ میں چلے جائیں اور پہلی جماعت آئے پس یہ لوگ تنہا تنہا ایک رکعت دو سجدوں کے ساتھ بلا قرأت پڑھیں اور تشہد پڑھ کر سلام پھیر دیں اور دشمن کے مقابلہ میں جائیں اور دوسری جماعت آئے اور ایک رکعت دو سجدوں کے ساتھ قرأت کے ساتھ پڑھے اور تشہد پڑھ کر سلام پھیر دے۔

تشریح:۔امام قدوری رحمہ اللہ کی عبارت ''اِذَا اشْتَدَّ الْخَوْف'' سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ نماز خوف کے جواز کیلئے اشتداد خوف شرط ہے حالانکہ عامۃ المشائخ کے نزدیک اشتداد خوف شرط نہیں بلکہ دشمن کا حاضر ہونا شرط ہے۔

پھر بہتر تو یہ ہے کہ ایک امام ایک گروہ کو پوری نماز پڑھائے اور ان کو دشمن کے مقابلہ میں بھیج دے اور امامِ وقت دوسرے گروہ (جو دشمن کے مقابلہ پر تھا) میں سے ایک شخص کو حکم دے کہ وہ انکو پوری نماز پڑھائے لیکن اگر لوگ ایک امام کے پیچھے نماز پڑھنے پر اصرار کرتے ہوں دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے کو تیار نہ ہوں (۴۲۰) تو پھر اگر فجر یا جمعہ یا سفر کی دو رکعت والی نماز ہو تو امام وقت لوگوں کو دو گروہوں میں تقسیم کر دے ایک کو دشمن کے سامنے کھڑا کر دے اور دوسرے گروہ کو ایک رکعت نماز پڑھائے پس جب امام نے اس رکعت کے دوسرے سجدے سے سر اٹھالیا تو یہ گروہ پیدل چل کر دشمن کے مقابلے پر چلا جائے۔

اور وہ گروہ جو دشمن کے مقابلے پر تھا آ کر امام کے پیچھے کھڑا ہو جائے امام ان کو ایک رکعت پڑھا کر خود سلام پھیر دے کیونکہ امام کی نماز مکمل ہوگئی مگر یہ گروہ سلام نہ پھیرے بلکہ دشمن کے مقابلہ پر جائے۔اب پہلا گروہ اگر چاہے تو پہلی رکعت جہاں پڑھی ہے وہاں آ کر اپنی نماز مکمل کر دے اور چاہے تو جہاں ہیں وہاں ہر ایک تنہا اپنی ایک رکعت پڑھ لیں۔اور انکی یہ رکعت بغیر قرأۃ کے ہوگی کیونکہ یہ لوگ تحریمہ میں امام کے ساتھ شریک ہونے کی وجہ سے لاحق ہیں لاحق پر قرأۃ نہیں۔اب اس گروہ کی نماز پوری ہوگئی لہذا سلام پھیر کر دشمن کے مقابلے پر جائے۔

اور دوسرا گروہ چاہے تو پہلی جگہ آ جائیں اور چاہے تو جہاں ہیں وہاں ہر ایک اپنی ایک رکعت پوری کر کے سلام پھیر دے ان کی

یہ رکعت قرأة کے ساتھ ہوگی کیونکہ یہ لوگ پہلی رکعت میں امام کے ساتھ شریک نہ ہونے کی وجہ سے مسبوق ہیں اور مسبوق پر قرأت کرنا واجب ہوتا ہے اسلئے یہ لوگ قرأت کریں۔

صلوۃ خوف کے بارے میں اصل عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا طریقہ پر صلوۃ خوف پڑھائی تھی۔امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صلوۃ خوف پیغمبر ﷺ کے زمانے میں مشروع تھی اب نہیں۔

پیدل چلنے کی قید اسلئے لگائی کہ اگر سوار ہو کر چلیں گے تو انکی نماز باطل ہو جائیگی کیونکہ عمل کثیر کی وجہ سے نماز باطل ہوتی ہے پیدل چلنا بھی اگر چہ عمل کثیر ہے مگر ضرورت کی وجہ سے اسکی اجازت دیدی گئی ہے۔

(۳۲۱)فَإِنْ كَانَ الْإِمَامُ مُقِيمًا صَلَّى بِالطَّائِفَةِ الْأُولىٰ رَكْعَتَيْنِ وَبِالثَّانِيَةِ رَكْعَتَيْنِ(۳۲۲)وَيُصَلِّي بِالطَّائِفَةِ الْأُولىٰ رَكْعَتَيْنِ مِنَ الْمَغْرِبِ وَبِالثَّانِيَةِ رَكْعَةً۔

ترجمه:۔اور اگر امام مقیم ہو تو پہلی جماعت کو دو رکعتیں پڑھائے اور دوسری جماعت کو بھی دو رکعتیں پڑھائے اور مغرب میں پہلی جماعت کو دو رکعت پڑھائے اور دوسری جماعت کو ایک رکعت پڑھائے۔

تشریح:۔(۳۲۱)یعنی اگر امام مقیم ہو اور نماز رباعی ہو تو لوگوں کی دو گروہ بنا کر ہر ایک گروہ کو دو رکعت پڑھائے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالت اقامت ظہر کی نماز اسی طرح پڑھائی تھی۔

(۳۲۲) مغرب کی نماز اس طرح پڑھائے کہ پہلے گروہ کو دو رکعت پڑھائے اور دوسرے گروہ کو ایک رکعت پڑھائے کیونکہ نماز خوف میں امام ہر گروہ کو نصف نماز پڑھائیگا اور مغرب کی نماز کا نصف ایک پوری رکعت اور نصف رکعت ہے۔ظاہر ہے کہ ایک رکعت کو آدھا نہیں کی جاسکتی اسلئے ہم نے کہا کہ پہلے گروہ کو بوجہ سبقت کے دو رکعت پڑھائے اور دوسرے گروہ کو ایک رکعت پڑھائے۔

(۳۲۳)وَلَا يُقَاتِلُونَ فِي حَالِ الصَّلٰوةِ فَإِنْ فَعَلُوا ذٰلِكَ بَطَلَتْ صَلٰوتُهُمْ(۳۲۴)وَإِنِ اشْتَدَّ الْخَوْفُ صَلَّوْا رُكْبَانًا وُحْدَانًا يُؤْمُونَ بِالرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ(۳۲۵) إِلىٰ أَيِّ جِهَةٍ شَاؤُا إِذَا لَمْ يَقْدِرُوْا عَلَى التَّوَجُّهِ إِلَى الْقِبْلَةِ۔

ترجمه:۔اور حالت نماز میں نہ لڑیں اگر ایسا کر لیا تو ان کی نماز باطل ہو جائیگی اور اگر خوف بڑھ جائے تو یہ لوگ سوار ہو کر الگ الگ رکوع وسجدہ کے اشارہ سے پڑھیں جس طرف بھی چاہیں پڑھیں اگر قبلہ کی طرف رخ کرنے کی قدرت نہ ہو۔

تشریح:۔(۳۲۳)یعنی حالت نماز میں قتال نہ کریں اگر کسی نے حالت نماز میں قتال کر لیا تو اسکی نماز باطل ہو جائیگی کیونکہ غزوہ احزاب کے موقع پر نبی ﷺ کی چار نمازیں فوت ہو گئیں تھیں جن کو آپ ﷺ نے بعد میں قضاء فرمائی تو اگر حالت نماز میں قتال جائز ہوتی تو آپ ﷺ ان نمازوں کو اپنے اوقات میں ادا کرنا نہ چھوڑتے۔

(۳۲۴) پھر اگر دشمن کا خوف اس قدر شدید ہو گیا کہ وہ مسلمانوں کو سواری سے اتر کر نماز پڑھنے کا موقع نہیں دیتے تو ایسی صورت میں مسلمانوں کیلئے سواری پر بیٹھے بیٹھے رکوع اور سجدہ کے اشارہ کے ساتھ اکیلا اکیلے نماز ادا کرنا جائز ہے لقولہ تعالی ﴿فَإِنْ

خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا﴾ (یعنی پھر اگر خوف ہو تو نماز پڑھو پیادہ یا حالتِ سواری میں)۔ (۳۲۵) اگر قبلہ کی طرف رخ کرنا ممکن نہ ہو تو جس طرف چاہیں رخ کر لیں کیونکہ دیگر ارکان کی طرح ضرورت کی وجہ سے کعبہ کی طرف توجہ کرنا بھی ساقط ہو جاتی ہے۔

بَابُ الْجَنَائِز

یہ باب جنازہ کے بیان میں ہے۔

جنائز، جَنَازَة کی جمع ہے "جنازۃ" جیم کے فتحہ کے ساتھ میت کو کہتے ہیں اور جیم کے کسرہ کے ساتھ اس تخت کو کہتے ہیں جس پر میت کو رکھا جاتا ہے۔ "بَابُ الْجَنَائِز" میں اضافت از قبیل اضافۃ الشئی الی سببہ ہے۔

ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ امام قدوری رحمہ اللہ حالت زندگی کی نماز کے بیان سے فارغ ہو گئے تو حالت موت کی نماز کے بیان میں شروع فرمایا۔

(۳۲۶) وَاِذَا احْتُضِرَ الرَّجُلُ وُجِّهَ اِلَى الْقِبْلَةِ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ (۳۲۷) وَلُقِّنَ الشَّهَادَتَيْنِ (۳۲۸) وَاِذَا مَاتَ شَدُّوْا لِحْيَيْهِ وَغَمَّضُوْا عَيْنَيْهِ۔

ترجمہ:۔ جب آدمی قریب المرگ ہو جائے تو اس کو دائیں کروٹ پر قبلہ رخ کر دیا جائے اور اس کو شہادتیں کی تلقین کی جائے اور جب وہ مر جائے تو اسکے جبڑے باندھ دئے جائیں اور اس کی آنکھیں بند کر دی جائیں۔

تشریح:۔ (۳۲۶) یعنی جب آدمی قریب المرگ ہو جائے تو اسکو دائیں کروٹ پر قبلہ روخ کر دیا جائے کیونکہ مردے کو قبر میں رکھنے کی یہی کیفیت مسنون ہے لہذا اس پر قیاس کر کے قریب المرگ کو بھی اسی کیفیت پر رکھا جائے بعض کے نزدیک چت لٹانا مختار ہے کیونکہ یہ روح نکلنے کیلئے بہت آسان ہیئت ہے مگر اول مسنون ہے۔

(۳۲۷) قریب المرگ کو شہادتین کی تلقین کرے یعنی اس کے پاس باوازِ بلند کلمہ شہادۃ پڑھے "لقولہ صلّی اللہ علیہ وسلم لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ شَهَادَةَ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" (یعنی تم اپنے مردوں کو کلمہ شہادت کی تلقین کرو)۔ اور موتی سے مراد قریب المرگ ہے مگر مرنے والے کو کلمہ پڑھنے کا حکم نہ دے کیونکہ یہ سختی کا وقت ہے کہیں انکار نہ کردے۔ اور ایک بار کلمہ پڑھنے کے بعد دوبارہ تلقین نہ کرے البتہ اگر درمیان میں کوئی دوسرا کلام کرلے تو دوبارہ تلقین کرلے تاکہ کلمہ شہادت اس کا آخری کلام ہو۔

(۳۲۸) مرنے کے بعد میت کے جبڑوں کو کپڑے وغیرہ سے باندھ دیا جائے اور اسکی دونوں آنکھیں بند کر دی جائے کیونکہ یہی طریقہ سلف سے منقول ہے اور اس میں میت کی تحسین بھی ہے۔ اور انکھیں بند کرتے وقت یہ دعا پڑھے "بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ يَسِّرْ عَلَيْهِ اَمْرَهٗ وَسَهِّلْ عَلَيْهِ مَابَعْدَهٗ وَاَسْعِدْهُ بِلِقَائِكَ وَاجْعَلْ مَاخَرَجَ اِلَيْهِ خَيْرًا مِّمَّا خَرَجَ عَنْهُ"۔

میت کے ہاں سے حائضہ اور نفاسہ عورتیں اور جنبی کو نکال دیں۔

☆ ☆ ☆

(۳۲۹)فَإذَا أرَادُوْا غُسْلَه وَضَعُوْه عَلٰی سَرِیرٍ وَجَعَلُوْا عَلٰی عَوْرَتِه خِرْقَةً وَنَزَعُوْا ثِيَابَهٗ وَوَضَّؤُوْه وَلَا يُمَضْمِضُ وَلَا يُسْتَنْشِقُ(۳۳۰) ثُمَّ يُفِيْضُ الْمَاءَ عَلَيْهِ وَيُجَمِّرُ سَرِيْرَه وِتْراً (۳۳۱)وَيُغْلَى الْمَاءُ بِالسِّدْرِ اَوْبِالْحَرَضِ فَإنْ لَمْ يَكُنْ فَالْمَاءُ الْقَرَاحُ(۳۳۲) وَيُغْسَلُ رَأْسُهٗ وَلِحْيَتُهٗ بِالْخِطْمِیِّ(۳۳۳)ثُمَّ يُضْجَعُ عَلٰی شِقِّه الْاَيْسَرِ فَيُغْسَلُ بِالْمَاءِ وَالسِّدْرِ حَتّٰی يُرٰی اَنَّ الْمَاءَ قَدْ وَصَلَ اِلٰی مَا يَلِیَ التَّخْتَ مِنْهُ(۳۳۴)ثُمَّ يُضْجَعُ عَلٰی شِقِّه الْاَيْمَنِ فَيُغْسَلُ بِالْمَاءِ حَتّٰی يُرٰی اَنَّ الْمَاءَ قَدْ وَصَلَ اِلٰی مَا يَلِیَ التَّخْتَ مِنْهُ(۳۳۵)ثُمَّ يُجْلِسُهٗ وَيُسْنِدُهٗ اِلَيْهِ وَيَمْسَحُ بَطْنَهٗ مَسْحاً رَقِيْقاً فَإنْ خَرَجَ مِنْهُ شَیْءٌ غَسَلَه وَلَا يُعِيْدُ غُسْلَه(۳۳۶)ثُمَّ يُنَشِّفُهٗ بِثَوْبٍ وَيُدْرَجُ فِی اَكْفَانِه(۳۳۷)وَيَجْعَلُ الْحَنُوْطَ عَلٰی رَأْسِه وَلِحْيَتِه وَالْكَافُوْرَ عَلٰی مَسَاجِدِه۔

ترجمہ:۔اور جب اسے غسل دینا چاہیں تو اس کو تختے پر رکھ کر اس کی شرمگاہ پر کپڑا اڈالدیں اور اس کے کپڑے اتار دیں اور اس کو وضوء کرائیں بغیر کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کے پھر اس پر پانی بہائیں اور دھونی دیں اسکے تخت کو طاق مرتبہ اور بیر کے پتوں یا اشنان نامی گھاس سے پانی کو گرم کیا جائے اور اگر یہ چیزیں نہ ہوں تو خالص پانی کافی ہے اور اس کا سر اور ڈاڑھی گل خیرو سے دھویا جائے پھر اس کو بائیں کروٹ پر لٹا کر پانی اور بیر کے پتوں سے غسل دیا جائے یہاں تک کہ دیکھ لیا جائے کہ پانی اس حصہ کو پہنچ گیا ہے جو حصہ تخت سے ملا ہوا ہے پھر اس کو اسکے دائیں کروٹ پر لٹا کر پانی سے غسل دیا جائے یہاں تک کہ دیکھ لیا جائے کہ پانی اس حصہ کو پہنچ گیا ہے جو تخت سے ملا ہوا ہے پھر اس کو غسل دینے والا بٹھائے اور اپنی طرف اس کو سہارا دے اور میت کے پیٹ کو آہستہ آہستہ ملے اگر میت کے پیٹ سے کچھ نکلا تو اس کو دھو ڈالے اور اسکے غسل کا اعادہ نہ کریں پھر میت کے بدن کو کسی کپڑے سے خشک کردیں پھر میت کو اس کے کفن کے کپڑوں میں رکھ دیا جائے اور میت کے سر اور اس کی ڈاڑھی پر حنوط (خوشبو) مل دیں اور اس کے اعضاء سجدہ پر کافور مل دیا جائے۔

تشریح:۔(۳۲۹)یعنی پھر جب میت کو غسل دینے کا ارادہ کریں تو میت کو کسی تختہ پر لٹا دیا جائے اور تختہ پر اس لئے لٹائے تا کہ پانی میت پر سے بہہ جائے۔ پھر اسکی واجب الستر اعضاء پر کپڑا اڈالدیا جائے کیونکہ ستر فرض ہے اور آسانی کے پیش نظر صرف عورت غلیظہ کا ستر کافی ہے اور میت کے کپڑے اتار دے تا کہ میت کو پاک کرنا ممکن ہو۔ پھر میت کو وضوء کرائے بغیر کلی کرانے اور ناک میں پانی ڈالنے کے کیونکہ میت کے منہ اور ناک میں پانی ڈال کر نکالنا متعذر ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ گیلے کپڑے سے مضمضہ اور استنشاق کرائے اور اگر میت جنب یا حائضہ ہو یا نفاسہ ہو تو بالاتفاق برائے تتمیم طہارۃ مضمضہ اور استنشاق کرائے۔

(۳۳۰) پھر وضوء کے بعد حالت زندگی پر قیاس کرتے ہوئے میت کے بدن پر پانی بہایا جائے پھر میت کے تختہ کو طاق مرتبہ خوشبو کی دھونی دی جائے کیونکہ اس میں میت کی تعظیم ہے۔ اور طاق بار اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "اِنَّ اللّٰہَ وِتْرٌ یُحِبُّ الْوِتْرَ" (یعنی اللہ تعالی وتر ہے اور وتر کو محبوب رکھتا ہے)۔

(۳۳۱) جس پانی سے میت کو غسل دیا جائیگا اس میں بیری کے پتے یا اشنان (ایک قسم کی نبات جس کو ہاتھ دھونے میں استعمال

کرتے ہیں) ڈال کر جوش دیا جائے اور اگر یہ میسر نہ ہو تو خالص پانی سے غسل دیا جائے اگر ہو سکا تو گرم کر لے کیونکہ یہ پاکی میں ابلغ ہے۔ (۳۳۲) میت کے سر اور ڈاڑھی کو گل خطمی (یہ ایک خوشبودار عراقی گھاس ہے جو صابون کا کام کرتا ہے) سے دھویا جائے کیونکہ یہ میل کو خارج کر دیتا ہے اگر گل خطمی نہ ہو تو صابون وغیرہ استعمال کرلے۔

(۳۳۳) ان سب کاموں سے فراغت کے بعد میت کو اس کے بائیں پہلو پر لٹا کر پانی سے دھویا جائے اور اس قدر پانی ڈالا جائے کہ نیچے کا حصہ جو تخت سے ملا ہوا ہے اس تک پانی پہنچ جائے۔ (۳۳۴) پھر دائیں پہلو پر لٹا کر یہی عمل کیا جائے یہ ترتیب اسلئے رکھی ہے تاکہ غسل کا دائیں پہلو سے شروع کرنا پایا جائے۔

(۳۳۵) پھر غسل دینے والا میت کو اپنے بدن سے ٹیک لگا کر بٹھلائے اور نرم انداز سے میت کے پیٹ کو ملے تاکہ میت کے پیٹ میں اگر کوئی چیز ہو تو نکل آئے بعد میں کفن کو آلودہ نہ کرے۔ پیٹ ملنے کے بعد اگر کوئی چیز نکل آئی تو اسکو برائے ازالہ نجاست دھوڈالے مگر وضوء اور غسل کی اعادہ کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ خروج نجاست میت کے حق میں ناقض نہیں اور مامور بہ غسل ایک مرتبہ غسل دینے سے حاصل ہو چکا۔

(۳۳۶) بعد از غسل میت کے بدن کو پاک کپڑے سے پونچھ دے تاکہ کفن نہ بھیگے اس کے بعد میت کو کفن پہنایا جائے۔ (۳۳۷) میت کے سر اور ڈاڑھی پر حنوط لگادے (حنوط چند خوشبودار چیزوں سے مرکب عطر کا نام ہے) مراد جو بھی خوشبو ہو البتہ زعفران اور ورس مرد کو نہ لگائیں۔ جو اعضاء سجدہ میں زمین پر ٹکتے ہیں ان پر کافور لگایا جائے کیونکہ میت کو خوشبو لگانا سنت ہے اور اعضاء سجدہ کرامت کے زیادہ لائق ہیں۔

(۳۳۸) وَالسُّنَّةُ اَنْ يُكَفَّنَ الرَّجُلُ فِي ثَلٰثَةِ اَثْوَابٍ اِزَارٍ وَقَمِيْصٍ وَلِفَافَةٍ (۳۳۹) فَاِنْ اقْتَصَرُوْا عَلٰى ثَوْبَيْنِ جَازَ (۳۴۰) وَاِذَا اَرَادُوْا لَفَّ اللِّفَافَةِ عَلَيْهِ اِبْتَدَؤُوْا بِالْجَانِبِ الْاَيْسَرِ فَاَلْقَوْهُ عَلَيْهِ ثُمَّ بِالْاَيْمَنِ (۳۴۱) فَاِنْ خَافُوْا اَنْ يَّنْتَشِرَ الْكَفَنُ عَنْهُ عَقَدُوْا (۳۴۲) وَتُكَفَّنُ الْمَرْاَةُ فِي خَمْسَةِ اَثْوَابٍ اِزَارٍ وَقَمِيْصٍ وَخِمَارٍ وَخِرْقَةٍ تُرْبَطُ بِهَا ثَدْيَاهَا وَلِفَافَةٍ (۳۴۳) فَاِنْ اقْتَصَرُوْا عَلٰى ثَلٰثَةِ اَثْوَابٍ جَازَ وَيَكُوْنُ الْخِمَارُ فَوْقَ الْقَمِيْصِ تَحْتَ اللِّفَافَةِ وَيُجْعَلُ شَعْرُهَا عَلٰى صَدْرِهَا۔

ترجمہ:۔ اور سنت یہ ہے کہ مرد کو تین کپڑوں ازار، قمیص اور لفافہ میں کفنایا جائے اور اگر دو کپڑوں پر (یعنی ازار اور لفافہ) پر اکتفا کر لیں تب بھی جائز ہے اور جب میت پر لفافہ لپیٹنا چاہیں تو بائیں طرف کے لپیٹنے سے ابتداء کریں پس ڈالدیں اس پر بائیں طرف سے پھر دائیں طرف سے اور اگر اس سے کفن کھلنے کا اندیشہ ہو تو اسے باندھدیں۔ اور عورت کو پانچ کپڑوں، ازار، قمیص، اوڑھنی، سینہ بند اور لفافہ میں کفن دیا جائے اور اگر تین کپڑوں پر اکتفاء کیا تو بھی جائز ہے اور اوڑھنی قمیص سے اوپر لفافہ کے نیچے ہوگی اور اسکے بالوں کو اسکے سینہ پر رکھدیا جائے۔

تشریح:۔ (۳۳۸) یعنی کفن تین قسم کا ہوتا ہے کفن مسنون، کفن کفایہ، کفن ضرورت، کفن مسنون مردوں کے حق میں تین کپڑے ہیں۔ **نمبر ۱**۔ ازار یعنی تہبند لیکن سر سے پیر تک مراد ہے۔ **نمبر ۲**۔ کرتہ۔ لیکن بغیر جیب، آستین اور کلی کے۔ گردن سے قدم تک ہوتا ہے

./**نمبر ۳**۔لفافہ۔ جو سر سے پیر تک سب سے اوپر لپیٹا جاتا ہے۔مرد کیلئے مذکورہ تین کپڑوں کے مسنون ہونے پر دلیل یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو سحولیہ (یمن کے ایک بستی کا نام ہے) کے سفید تین کپڑوں میں کفنایا گیا۔

(**۳۳۹**) مرد کے حق میں کفن کفایہ دو کپڑے ہیں۔ازار،لفافہ۔کفن کفایہ پر دلیل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے جو مرض الموت میں فرمایا تھا کہ میرے ان دو کپڑوں کو دھو کر مجھے ان ہی میں کفن دینا۔کفن ضرورت مرد کے حق میں ایک کپڑا ہے کیونکہ احد کے دن حضرت مصعب ابن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب شہید ہو گئے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک کپڑے میں کفن دیا گیا۔

(**۳۴۰**) پھر مرد پر کفن لپیٹنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے لفافہ بچھائیں اسکے اوپر ازار بچھائیں اور میت کو کرتہ پہنا کر ازار پر لٹادیں پھر ازار کے بائیں جانب کو لپیٹیں پھر دائیں جانب کو تاکہ دایاں حصہ اوپر رہے اسی طرح لفافہ کو لپیٹا جائے۔

(**۳۴۱**) لفافہ کو سر اور پاؤں دونوں طرف سے باندھ لے تاکہ کھل نہ جائے۔کفن نہ انتہائی اعلیٰ کپڑے کا ہو اور نہ انتہائی گھٹیا ہو۔بہتر یہ ہے کہ سفید کپڑا ہو''لِقَوْلِہٖ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَحَبُّ الثِّیَابِ اِلَی اللّٰہِ الْبِیْض فَلْیَلْبِسْھَا اَحْیَاءُکُمْ وَکَفِّنُوْا فِیْھَا مَوْتَاکُمْ''(یعنی سفید کپڑے اللہ تعالیٰ کو پسند ہے پس تمہارے زندے اسے پہن لیا کریں اور اپنے مردوں کو اس میں کفن دیں)۔

(**۳۴۲**) عورت کے حق میں کفن سنت پانچ کپڑے ہیں،ازار،قمیص،اوڑھنی،خرقہ یعنی سینہ بند جس کے ساتھ عورت کا سینہ باندھا جاتا ہے،لفافہ۔دلیل حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات ہوئی تو جن عورتوں نے انکو غسل دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کفن کیلئے یہ ہی پانچ کپڑے عنایت فرمائے تھے(**۳۴۳**)اور کفن کفایہ تین کپڑے ہیں ازار،لفافہ،اوڑھنی۔تین سے کم کپڑے کفن ضرورت ہے جو بلاضرورت مکروہ ہے۔

عورت کو کفن پہنانے کا طریقہ یہ ہے کہ اولاً قمیص پہنائی جائے پھر بالوں کو دو مینڈھیوں میں کر کے قمیص کے اوپر سینہ پر رکھدئے جائیں پھر اس کے اوپر اوڑھنی پھر لفافہ کے نیچے ازار پہنایا جائے۔اور سینہ بند ازار کے اوپر ہونا چاہیے۔ سینہ بند پستانوں سے ناف تک ہوتا ہے۔

(**۳۴۴**)وَلَایُسَرَّحُ شَعْرُ الْمَیِّتِ وَلَالِحْیَتُہٗ(**۳۴۵**)وَلَایُقَصُّ ظُفْرُہٗ وَلَایُعَقَصُ شَعْرُہٗ(**۳۴۶**)وَتُجَمَّرُ الْاَکْفَانُ قَبْلَ اَنْ یُدْرَجَ فِیْھَا وِتْرًا فَاِذَا فَرَغُوْا مِنْہُ صَلُّوْا عَلَیْہِ۔

ترجمہ:۔اور میت کے بالوں اور ڈاڑھی میں کنگھا نہ کیا جائے اور نہ اسکے ناخن تراشے جائیں اور نہ اسکے بال کاٹے جائیں اور میت کو کفنوں میں داخل کرنے سے پہلے کفنوں کو طاق بار دھونی دی جائے پھر جب اس سے فارغ ہوں تو اس پر نماز پڑھیں۔

تشریح:۔(**۳۴۴**)یعنی میت کے بالوں اور ڈاڑھی میں کنگھا نہ لگائے کیونکہ کنگھا لگانا برائے زینت ہوتا ہے اور مردہ زینت سے مستغنی ہو چکا ہے(**۳۴۵**)اسی طرح میت کے ناخن اور بال نہ کاٹے جائیں کیونکہ ان کو بھی جزء میت ہونے کی وجہ سے دفنانا ہی پڑیگا لہذا الگ کرنے کا کوئی معنی نہیں(**۳۴۶**)میت کو کفنوں میں داخل کرنے سے پہلے کفنوں کو طاق بار خوشبو دینا مسنون ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ

وسلم نے اپنی بیٹی کے کفنوں کو طاق بار خوشبو دینے کا امر فرمایا تھا اسکے بعد میت پر نماز پڑھے۔
میت کو تین موقعوں پر خوشبو لگانا مندوب ہے جس وقت روح نکلے، جس وقت غسل دے، جس وقت کفن پہنائے۔

(۳۴۷)وَاَوْلیٰ النَّاسِ بِالْاِمَامَةِ عَلَیهِ السُّلطَانُ اِنْ حَضَرَ (۳۴۸) فَاِنْ لَم یَحضُرْ فَیُستَحَبُّ تَقْدِیمُ اِمَامِ الْحَیِّ (۳۴۹)ثُمَّ الوَلِیِّ۔

ترجمہ:۔ جنازہ کی نماز پڑھانے کا سب سے زیادہ حق دار سلطان ہے اگر موجود ہو اور اگر سلطان موجود نہ ہو تو محلہ کے امام کی تقدیم مستحب ہے پھر میت کا ولی حقدار ہے۔

تشریح:۔(۳۴۷) نماز جنازہ پڑھانے کے حقدار ہونے میں ترتیب یہ ہے کہ اگر سلطان حاضر ہو تو جنازہ کی امامت کا سب سے زیادہ مستحق وہ ہوگا کیونکہ سلطان کی موجودگی میں کسی اور کو امام بنانا سلطان کی توہین ہے۔ اور اگر سلطان نہ ہو تو پھر قاضی مستحق امامت ہوگا کیونکہ قاضی کو سب پر ولایت عامہ حاصل ہے۔ (۳۴۸) اگر قاضی بھی نہ ہو تو محلہ کے امام کو آگے بڑھانا مستحب ہے کیونکہ میت زندگی میں اس کے امام ہونے پر راضی تھا تو مرنے کے بعد بھی یہی اولی ہوگا۔ (۳۴۹) پھر میت کا ولی مستحق امامت ہے اور میت کے اولیاء استحقاق امامت میں اسی ترتیب پر ہونگے جو ترتیب ولایتِ نکاح میں مذکور ہے۔ مگر نکاح میں عورت کا بیٹا عورت کے باپ پر مقدم ہے اور یہاں باپ اولی بالامامت ہے۔ اگر میت کے برابر کے دو ولی ہوں مثلاً دو سگے بھائی ہوں تو جو عمر میں بڑا ہو وہ مقدم ہوگا۔

(۳۵۰)فَاِنْ صَلّٰی عَلَیهِ غَیرُ الْوَلِیِّ وَالسُّلْطَانِ اَعَادَ الْوَلِیّ (۳۵۱)وَاِنْ صَلّٰی عَلَیهِ الْوَلِیُّ لَمْ یَجُزْ اَنْ یُصَلِّیَ اَحَدٌ بَعدَہٗ۔

ترجمہ:۔ پس اگر میت کے ولی اور سلطان کے سوا کسی اور شخص نے نماز پڑھائی تو ولی (اگر چاہے) تو نماز کا اعادہ کرے اور اگر میت پر نماز ولی نے پڑھی تو اسکے بعد کسی اور کے لئے نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں۔

تشریح:۔(۳۵۰) یعنی اگر میت پر سلطان یا نائب سلطان اور ولی کے سوی کسی اور نے نماز پڑھی تو ولی کو نماز جنازہ کے اعادہ کرنے کا حق حاصل ہوگا کیونکہ نماز جنازہ پڑھنے کا حق تو میت کے اولیاء کا ہے۔ اور یہ اعادہ اسقاطِ فرض کیلئے نہیں بلکہ حقِ ولی کی وجہ سے ہے (۳۵۱) اور اگر ولی نے نماز جنازہ پڑھی تو اس کے بعد کسی کو میت پر نماز جنازہ پڑھنے کی اجازت نہ ہوگی کیونکہ فرض تو پہلے ادا ہو چکا اب جو ہوگا وہ نفل ہوگا اور نفل نماز جنازہ کے ساتھ مشروع نہیں ہوا ہے۔

اگر میت کے ولیوں میں سے کسی نے اس پر نماز پڑھی تو دوسرے اسی درجہ کے ولیوں کے لئے اعادہ نماز جائز نہیں کیونکہ جس ولی نے اس پر نماز پڑھی ہے اسکی ولایت کامل ہے۔

(۳۵۲)فَاِنْ دُفِنَ وَلَمْ یُصَلَّ عَلَیهِ صُلِّیَ عَلٰی قَبْرِہٖ اِلٰی ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ وَلَایُصَلّٰی بَعدَ ذَالِکَ۔

ترجمہ:۔ اور اگر کوئی جنازہ بغیر نماز پڑھے دفن کر دیا جائے تو تین روز تک اس کی قبر پر نماز پڑھ لی جائے اور اسکے بعد نہ پڑھی جائے۔

تشریح:۔(۳۵۲) یعنی اگر میت بغیر نماز کے دفن ہوگئی تو اسکی قبر پر تین دن تک نماز پڑھی جائے کیونکہ ایک انصاری عورت اس حال

میں دفن کی گئی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو اسکی قبر پر نماز پڑھی۔ صحیح یہ ہے کہ قبر پر نماز پڑھنے کی اجازت میت کے خراب ہونے سے پہلے تک ہے خواہ تین دن ہو یا کم وبیش اور جب غالب گمان خراب ہونے کا ہو تو پھر نماز کی اجازت نہیں۔

(۳۵۳) وَيَقُومُ الْمُصَلِّى بِحِذَاءِ صَدْرِ الْمَيِّتِ۔

ترجمه:۔ اور نماز پڑھانے والا میت کے سینہ کے مقابلہ میں کھڑا ہو۔

تشریح:۔ (۳۵۳) یعنی نماز پڑھانے والا میت کے سینہ کے برابر کھڑا ہو کیونکہ یہ دل کی جگہ ہے اور دل ہی میں نور ایمان ہوتا ہے پس اس جگہ کھڑے ہونے سے اس طرف اشارہ ہے کہ امام اس کے ایمان کی سفارش کرتا ہے۔

(۳۵٤) وَالصَّلٰوةُ اَنْ يُكَبِّرَ تَكْبِيرَةً يَحْمَدُ اللّٰهَ تَعَالٰى عَقِيبَهَا ثُمَّ يُكَبِّرُ تَكْبِيرَةً وَيُصَلِّى عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم ثُمَّ يُكَبِّرُ تَكْبِيرَةً ثَالِثَةً يَدْعُوْ فِيهَا لِنَفْسِهِ وَلِلْمَيِّتِ وَلِلْمُسْلِمِينَ ثُمَّ يُكَبِّرُ تَكْبِيرَةً رَابِعَةً وَيُسَلِّمُ۔

ترجمه:۔ اور نماز جنازہ یہ ہے کہ اول اللہ اکبر کہہ کر اللہ کی حمد اور ثناء پڑھے پھر دوبارہ اللہ اکبر کہہ کر پیغمبر ﷺ پر درود بھیجے پھر تیسری مرتبہ اللہ اکبر کہہ کر اپنے اور میت اور تمام مسلمانوں کے لئے دعاء کرے پھر چوتھی تکبیر کہہ کر سلام پھیر دے۔

تشریح:۔ (۳۵٤) یعنی نماز جنازہ کی کیفیت یہ ہے کہ نیت کے بعد تکبیر افتتاح کہے اور دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھائے باقی تکبیروں میں ہاتھ نہ اٹھائے کیونکہ ہر تکبیر پنج وقتی نمازوں کی رکعت کی طرح ہے اور پنج وقتی نمازوں میں پہلی رکعت کے سوی دوسری رکعتوں میں رفع یدین نہیں اسی طرح نماز جنازہ کی تکبیرات بھی ہیں۔ پھر حمد یعنی دیگر نمازوں کی طرح "سبحانک اللّٰھم وبحمدک الخ" پڑھے۔

پھر دوسری تکبیر کہہ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے کیونکہ ثناء باری تعالی کے بعد صلوۃ علی النبی ﷺ ہی کا درجہ ہے جیسا کہ تشہد میں یہی ترتیب ہے اور اسی ترتیب پر خطبے وضع ہوئے ہیں۔

پھر تیسری تکبیر کہہ کر اپنے لئے میت کیلئے اور تمام مسلمانوں کیلئے دعا کرے کیونکہ حمد باری تعالی اور صلوۃ علی النبی ﷺ کے بعد دعاء کا درجہ ہے "لقوله صلى الله عليه وسلم إِذَا أَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يَدْعُوَ فَلْيَحْمِدِ اللّٰهَ وَالْيُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم ثُمَّ لِيَدْعُو" (یعنی تم میں سے جو دعاء کرنے کا ارادہ کرے تو حمد باری تعالی اور درود پڑھے پھر دعاء کرلے)۔ پھر اگر یاد ہو تو یہ دعاء پڑھے "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَذَكَرِنَا وَاُنْثَانَا اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهٗ فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهٗ فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِيْمَانِ"۔ اور اگر میت بچہ یا مجنون ہو تو پھر یہ دعاء پڑھے "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا وَاجْعَلْهُ لَنَا اَجْرًا وَذُخْرًا وَاجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا وَمُشَفَّعًا"۔ اور اگر چھوٹی بچی ہو تو ضمائر مؤنث کی لائے مثلاً "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا لَنَا فَرَطًا وَاجْعَلْهَا لَنَا اَجْرًا وَذُخْرًا وَاجْعَلْهَا لَنَا شَافِعَةً وَمُشَفَّعَةً"۔ اور اگر یہ دعائیں یاد نہ ہوں تو جو دعاء یاد ہو پڑھ لے۔

پھر چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیر دے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے آخری نماز جنازہ میں چار ہی تکبیرات کہی ہیں

لہذا اب چوتھی تکبیر کے بعد تحلیل کا زمانہ ہے اور تحلیل سلام کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔

(۳۵۵) وَلَا يُصَلّٰى عَلَى الْمَيِّتِ فِي مَسْجِدِ جَمَاعَةٍ۔

ترجمہ:۔ اور جنازہ کی نماز اس مسجد میں نہ پڑھی جائے جس میں جماعت ہوتی ہے۔

تشریح:۔ (۳۵۵) یعنی کسی میت پر نماز جنازہ مسجدِ جماعت میں نہ پڑھی جائے پھر اسکی تین صورتیں ہیں۔/ **نمبر ۱**۔ جنازہ مسجد کے اندر ہوامام اور لوگ خواہ مسجد کے اندر ہوں یا باہر یہ صورت تو باتفاق احناف "مکروہ ہے۔/ **نمبر ۲**۔ جنازہ، امام اور کچھ لوگ مسجد سے باہر ہوں باقی لوگ مسجد میں ہوں یہ صورت بالاتفاق مکروہ نہیں۔/ **نمبر ۳**۔ اگر فقط جنازہ مسجد سے باہر ہوامام اور لوگ مسجد میں ہوں تو اس صورت میں مشائخ کا اختلاف ہے بعض کراہت کے قائل ہیں اور بعض عدم کراہت کے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک کسی حال میں مکروہ نہیں۔ ہماری دلیل پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "مَنْ صَلّٰى عَلٰى جَنَازَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَلَا اَجْرَ لَهٗ" (یعنی جس نے مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھی اس کے لئے ثواب نہیں)۔

(۳۵۶) فَاِذَا حَمَلُوْهُ عَلٰى سَرِيْرِهٖ اَخَذُوْا بِقَوَائِمِهِ الْاَرْبَعِ (۳۵۷) وَيَمْشُوْنَ بِهٖ مُسْرِعِيْنَ دُوْنَ الْخَبَبِ (۳۵۸) فَاِذَا بَلَغُوْا اِلٰى قَبْرِهٖ كُرِهَ لِلنَّاسِ اَنْ يَجْلِسُوْا قَبْلَ اَنْ يُوْضَعَ مِنْ اَعْنَاقِ الرِّجَالِ۔

ترجمہ:۔ پھر جب میت کو چارپائی وغیرہ پر اٹھائیں تو اس کے چاروں پائے پکڑلیں اور جلدی جلدی لے چلیں البتہ دوڑ کے نہ چلیں پھر جب جنازہ قبر پر پہنچ جائے تو جنازہ کندھوں پر سے رکھے جانے سے پہلے لوگوں کے لئے بیٹھنا مکروہ ہے۔

تشریح:۔ (۳۵۶) یعنی جب لوگ میت کو تخت پر اٹھائیں تو چارپائی کے چاروں پائے پکڑیں کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے "مِنَ السُّنَّةِ اَنْ تَحْمِلَ الْجَنَازَةَ مِنْ جَوَانِبِهَا الْاَرْبَعَةِ" (یعنی مسنون یہ ہے کہ جنازہ کو اسکی چاروں جانب سے اٹھایا جائے)۔ نیز چار آدمیوں کے اٹھانے میں جنازہ کا اکرام بھی ہے اور میت کے زمین پر گرنے سے حفاظت بھی ہے۔

(۳۵۷) پھر میت کو تیزی کے ساتھ لے کر چلیں مگر دوڑ کر نہ چلیں کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے جب اس بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "مَادُوْنَ الْخَبَبِ" یعنی تیز تو چلیں مگر دوڑیں نہیں۔ (۳۵۸) جب میت کو لیکر اس کی قبر تک پہنچ گئے تو جنازہ زمین پر رکھنے سے پہلے لوگوں کا بیٹھنا مکروہ ہے کیونکہ کبھی جنازہ میں لوگوں کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے تو بروقت مدد کرنا زیادہ ممکن اسی وقت ہے کہ لوگ کھڑے ہوں۔

(۳۵۹)وَيُحفرُ القبرُ وَيُلحدُ (۳۶۰)وَيدخلُ المَيتُ مِمَّايلي القِبلَةَ (۳۶۱)فاذَاوُضِعَ فِي لَحدِهِ قَالَ الَّذِي يَضَعهُ بِسْمِ اللهِ وَعلى مِلَّةِ رَسُولِ اللهِ (۳۶۲)وَيُوَجِهُهُ اِلَى القِبلَةِ وَيحلّ العُقدَةَ (۳۶۳)وَيُسَوّى اللَّبِنَ عَلَى اللَّحدِ (۳۶۴)وَيُكرَه الآجُرُ وَالخَشَبُ وَلابَاسَ بِالقَصَبِ ثُمَّ يُهَالُ التُرَابُ عَلَيهِ (۳۶۵)وَيُسَنَّمُ القَبرُ (۳۶۶)وَلايُسطَّحُ ۔

ترجمہ:۔ اور قبر کو کھود کر لحد بنائی جائے اور میت کو قبلہ کی جانب سے داخل کیا جائے پس جب میت کو قبر میں رکھ دیا جائے تو رکھنے والا بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ کہے اور میت کا منہ قبلہ کی طرف کریں اور کفن کا گرہ کھول دیں اور لحد پر کچی اینٹیں برابر کردی جائیں اور پکی اینٹیں اور لکڑی لگانا مکروہ ہے اور بانس کے استعمال میں کچھ مضائقہ نہیں پھر اس پر مٹی ڈالی جائے اور قبر کو کوہان نما بنائی جائے اور چوکور نہ بنائی جائے۔

تشریح:۔ لحد یہ ہے کہ پوری قبر کھود کر اندر نالی سی بنا کر اس میں میت کو دفن کرتے ہیں۔ (۳۵۹) ہمارے نزدیک قبر کھود کر لحد بنانا مسنون ہے "لِقولِه صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ اَللَّحدُ لَنَاوَالشَّقُ لِغَيرِنَا" (یعنی لحد ہمارے لئے اور غیروں کے لئے شق ہے) بشرطیکہ زمین نرم نہ ہو۔ اگر زمین ایسی نرم ہو کہ لحد بنانا ممکن نہ ہو تو شق جائز ہے۔ اور شق یہ ہے کہ چوڑی قبر کھود کر اس کے اندر ایک پتلی سی نالی بنا کر اس میں مردہ کو دفن کرتے ہیں۔ قبر درمیانی قد والے شخص کے وسط کی مقدار گہری ہو اور اگر اس سے بھی زیادہ کھود لے تو یہ بہتر ہے۔

(۳۶۰) پھر میت کو قبر میں داخل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ میت کو قبلہ کی جانب سے داخل کردے کیونکہ قبلہ معظم ومحترم ہے لہذا اسی جانب سے داخل کرنا مستحب ہوگا بشرطیکہ قبر کے گرنے کا خطرہ نہ ہو ورنہ سر یا پاؤں کی جانب سے داخل کردے۔ (۳۶۱) میت کو لحد میں اتارتے وقت یہ دعاء پڑھی جائے "بِسمِ اللهِ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ الله" کیونکہ حضرت ذوالبجادین رضی اللہ تعالی عنہ کو قبر میں اتارتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی الفاظ فرمائے تھے۔

(۳۶۲) لحد میں رکھ کر میت کو قبلہ کی طرف متوجہ کردیا جائے یعنی دائیں پہلو پر لٹا کر قبلہ کی طرف متوجہ کریں "لحديث علي رضي الله تعالى عنه قَالَ مَاتَ رَجُلٌ مِنْ بَنِي عَبدِالمُطَّلِب فَقَالَ ﷺ يَاعَلِيّ اِستَقبِل بِه القِبلَةَ اِستِقبَالاً" (یعنی بنی عبد المطلب میں سے ایک شخص فوت ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے فرمایا کہ اسے قبلہ کی طرف متوجہ کردو)۔ پھر قبر میں رکھنے کے بعد اس کے کفن کی گرہ کھولدے جو برائے حفاظت از انتشار کفن کے سر اور پاؤں کی طرف میں لگانے میں لگایا تھا کیونکہ اب کفن کے منتشر ہونے کا خوف باقی نہیں رہا۔

(۳۶۳) اسکے بعد لحد پر کچی اینٹیں ٹھیک کرکے لگادی جائیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر کچی اینٹیں لگائی گئیں تھیں (۳۶۴) قبر میں پکی اینٹیں اور لکڑی لگانا مکروہ ہے کیونکہ یہ دونوں چیزیں استحکام عمارت کیلئے ہوتی ہیں اور قبر گلنے اور برباد ہونے کی جگہ ہے۔ ہاں بانس کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ یہ جلدی خراب ہونے میں کچی اینٹوں کی طرح ہے۔ اب قبر پر مٹی ڈالی جائے۔

(۳۶۵) قبر کو مسنم یعنی کوہان نما بنائی جائے اور زمین سے ایک بالشت یا اس سے کچھ اونچی بنائی جائے۔ (۳۶۶) قبر کو مسطح یعنی

مربع نہ بنائی جائے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو مربع بنانے سے منع فرمایا ہے۔ جتنی مقدار مٹی قبر سے نکالی ہے اس پر اضافہ نہ کرے اور قبر پر چونہ، گارا وغیرہ نہ لگائے "لقوله صلى الله عليه وسلم لا تجصصوا القبور ولا تبنوا عليها ولا تقعدوا عليها" (یعنی نہ قبروں پر چونہ لگائیں اور نہ قبروں پر تعمیر کریں اور نہ قبروں پر بیٹھیں)۔

(۳۶۷) وَمَنْ اِسْتَهَلَّ بَعْدَ الْوِلَادَةِ سُمِّيَ وَغُسِّلَ وَصُلِّيَ عَلَيْهِ (۳۶۸) وَاِنْ لَمْ يَسْتَهِلَّ اُدْرِجَ فِي خِرْقَةٍ وَدُفِنَ وَلَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ۔

ترجمہ:۔ اور جس بچے نے ولادت کے بعد آواز نکالی اس کا نام رکھا جائے اور اس کو غسل دیا جائے اور اس پر نماز پڑھی جائے اور اگر آواز نہیں نکالی تو اسے کپڑے میں لپیٹ دیا جائے اور دفن کر دیا جائے اور اس پر نماز نہ پڑھی جائے۔

تشریح:۔ (۳۶۷) یعنی اگر بچے نے ولادت کے بعد آواز نکالی یعنی ایسی کوئی چیز پائی گئی جو بچہ کی زندگی پر دلالت کرے پھر مر گیا تو اس بچہ کا نام بھی رکھا جائے گا اور اسکو غسل میت بھی دیا جائے گا اور اس پر نماز جنازہ بھی پڑھی جائیگی "لقوله ﷺ اذا استهل المولود صلى عليه وان لم يستهل لم يصل عليه" (یعنی جب بچہ آواز سے روئے تو اس پر نماز پڑھی جائے اور اگر آواز سے نہیں رویا تو اس پر نماز نہ پڑھے)۔

(۳۶۸) اگر بعد از ولادت بچہ میں زندگی کی کوئی علامت نہ پائی گئی تو اسکو اولاد بنی آدم کی تکریم کے پیش نظر بطور کفن ایک کپڑے میں لپیٹ دیا جائے گا اور اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائیگی "لِمَا رَوَيْنَا"۔ اور مختار یہ ہے کہ غسل دیا جائے گا۔

بَابُ الشَّهِيْد

یہ باب شہید کے احکام کے بیان میں ہے۔

"شہید" فعیل بمعنی مفعول ہے یعنی مشہود، شہید کو شہید اسلئے کہتے ہیں کہ فرشتے برائے تکریم اسکی موت کو حاضر ہوتے ہیں۔ یا اس لئے کہ شہید "مشهود له بالجنة" ہے۔ اور فقہاء کی اصطلاح میں شہید وہ ہے جس کو کفار نے قتل کر ڈالا ہو اور یا معرکہ جنگ میں پڑا ہوا پایا گیا خواہ جنگ حربیوں کے ساتھ ہو (حربی وہ کافر ہے جو دار الحرب سے صرف بغیر تجارت دار الاسلام آیا ہو) یا قطاع الطریق کے ساتھ ہو اور اس کے بدن پر زخم کا اثر ہو یا اس کو مسلمانوں نے ظلماً قتل کیا ہو اور اس کے قتل کی وجہ سے ابتداءً دیت واجب نہ ہوئی ہو ہاں اگر کسی عارض کی وجہ سے واجب ہوئی ہو مثلاً اولیاء نے قاتل کے ساتھ صلح کر لی یا قاتل مقتول کا باپ ہو تو حکم شہادت ساقط نہ ہوگا۔ شہید کے احکام کو مخصوص فضیلت کی وجہ سے مستقل باب میں ذکر کیا ہے تو یہ تخصیص بعد التعميم ہے۔

(۳۶۹) اَلشَّهِيْدُ مَنْ قَتَلَهُ الْمُشْرِكُوْنَ اَوْ وُجِدَ فِي الْمَعْرِكَةِ وَبِهِ اَثَرُ الْجِرَاحَةِ اَوْ قَتَلَهُ الْمُسْلِمُوْنَ ظُلْمًا وَلَمْ يَجِبْ بِقَتْلِهِ دِيَةٌ

ترجمہ:۔ شہید وہ ہے جس کو مشرکوں نے مارا ہو اور یا میدان جنگ میں مرا ہوا پایا جائے اور اس پر زخم کا اثر ہو یا مسلمانوں نے اس کو ظلماً قتل کیا اور اسکے قتل کی وجہ دیت واجب نہ ہوئی ہو۔

تشریح:۔(۳۶۹)امام قدوری رحمہ اللہ نے اس عبارت میں شہید کی اصطلاحی تعریف کی ہے جو ہم نے اس سے پہلے ذکر کیا ہے۔ مگر تعریف میں المشرکون سے حربی کافر مراد ہے اور حربی کافر کے معنی میں قطاع الطریق اور باغی بھی ہیں۔اور وَلَمْ يَجِبْ بِقَتلِه دِيَةٌ سے مراد یہ ہے کہ ابتداءً اسکے قاتل پر قصاص واجب ہو مال واجب نہ ہو پس اس سے احتراز ہوا قتل خطاء سے کیونکہ قتل خطاء میں قاتل پر قصاص نہیں مال واجب ہے۔

شہید کی دو قسمیں ہیں۔/ **نمبر ۱**۔وہ شہید جو دنیا و آخرت دونوں کے اعتبار سے شہید ہو یعنی دنیا میں غسل نہیں دیا جائیگا اور آخرت میں اسے اجر عظیم ملیگا۔/ **نمبر ۲**۔وہ شہید جو صرف اخروی اعتبار سے شہید ہو یعنی دنیا میں تو عام اموات کا حکم رکھتا ہو مگر آخرت میں اسکو بھی بڑا اجر ملے گا یہاں مقصود بالبیان قسم اول ہے۔

(۳۷۰)فَيُكَفَّنُ وَيُصَلّٰى عَلَيْهِ وَلَا يُغَسَّلُ۔

ترجمہ:۔تو اس کو کفن دیا جائے گا اور اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی اور غسل نہ دیا جائے گا۔

تشریح:۔(۳۷۰)یعنی شہید کو کفن دیا جائیگا اور شہید کی نماز جنازہ پڑھی جائیگی مگر شہید کو بالاتفاق غسل نہیں دیا جائیگا کیونکہ شہید مذکور شہداء اُحد کے معنی میں ہے اور شہداء اُحد کے بارے حضور ﷺ نے فرمایا تھا" زَمِّلُوْهُمْ بِكُلُوْمِهِمْ وَدِمَائِهِمْ وَلَا تَغْسِلُوْهُمْ " یعنی انکو لپیٹ دو ان کے زخموں اور خونوں کے ساتھ اور انکو غسل مت دو۔لہٰذا مذکورہ شہید کو بھی غسل نہیں دیا جائیگا۔

(۳۷۱)وَاِذَا اُسْتُشْهِدَ الْجُنُبُ غُسِّلَ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَكَذٰلِكَ الصَّبِيُّ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَا يُغَسَّلَانِ۔

ترجمہ:۔اور جب کوئی جنبی شخص شہید ہو جائے تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اسے غسل دیا جائیگا اور یہی حکم بچے کا ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان دو کو بھی غسل نہ دیا جائیگا۔

تشریح:۔(۳۷۱)یعنی اگر جنبی مسلمان (یا حائضہ یا نفاسہ میں سے کوئی ایک) شہید ہوا تو صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک انکو بھی غسل نہیں دیا جائیگا کیونکہ حضور ﷺ کا قول" زَمِّلُوْهُمْ بِكُلُوْمِهِمْ وَدِمَائِهِمْ وَلَا تَغْسِلُوْهُمْ "(یعنی انکو لپیٹ دو ان کے زخموں اور خونوں کے ساتھ اور انکو غسل مت دو) مطلق ہے اس کی کوئی تفصیل نہیں کہ شہید جنبی نہ ہو یا حائضہ نہ ہو۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جنبی وغیرہ کو غسل دیا جائیگا کیونکہ شہادت غسلِ میت (جو موت کی وجہ سے واجب ہو) سے مانع تو ہے لیکن اگر پہلے سے غسل جنابت وغیرہ کی وجہ سے واجب ہو تو اسکو رفع کرنے والی نہیں یہی وجہ ہے کہ شہید کے کپڑے پر اگر پہلے سے نجاست لگی ہو تو اسکو دھونا ضروری ہے لیکن اسکے بدن کے خون کو دھونا ضروری نہیں (یہی قول راجح ہے)۔

اسی طرح اگر بچہ شہید ہوا تو بھی صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک غسل نہیں دیا جائیگا۔امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک غسل دیا جائیگا۔صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ شہید کا غسل اسلئے ساقط ہوا ہے تاکہ اسکی مظلومیت کا اثر باقی رہے تو شہید کو غسل نہ دینا اسکے

اکرام کے پیش نظر ہے اور بچہ کی مظلومیت زیادہ ہے لہذا بچہ اس اکرام کا زیادہ مستحق ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ شہدا اُحد کے حق میں تلوار غسل سے کافی ہوگئی کیونکہ تلوار گناہوں کو پاک کردیتی ہے اور بچہ پر کوئی گناہ نہیں تو بچہ شہداء اُحد کے معنی میں نہ ہوگا لہذا بچہ کا غسل بھی ساقط نہ ہوگا۔

(۳۷۲) وَلَا يُغسَلُ عَنِ الشَّهِيدِ دَمُهُ وَلَا يُنزَعُ عَنهُ ثِيَابُهُ (۳۷۳) وَيُنزَعُ عَنهُ الفَروُ وَالحَشوُ وَالخُفُّ وَالسِّلَاحُ۔

ترجمہ:۔ اور شہید سے اس کا خون نہ دھویا جائیگا اور نہ اس کے کپڑے اتارے جائیں گے اور اس کی پوستین، روئی دار کپڑے، موزے اور ہتھیار اتارے جائینگے۔

تشریح:۔ (۳۷۲) یعنی شہید سے اسکا خون نہیں دھویا جائیگا اور نہ اس سے اسکے کپڑے اتارے جائینگے لماروینا۔ (۳۷۳) لیکن شہید سے پوستین، موزے، روئی سے بھراؤ والی چیزیں اور ہتھیار کو اتار دیا جائیگا "لحدیث ابن عباس رضی اللہ تعالی عنه قَالَ اَمَرَ رَسُولُ اللّٰہِ بِقَتلٰی اُحدٍ اَن یُنزَعَ عَنہُمُ الحَدِیدُ وَالجُلُودُ" (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد کے بارے میں فرمایا کہ ان سے لوہے اور چمڑے کی چیزیں اتار دی جائیں)۔ اور شہید کے بدن پر اگر کفن کے عدد مسنون سے کم کپڑے ہوں تو ان میں اضافہ کرکے عدد مسنون پورا کردیا جائے گا اور اگر عدد مسنون سے زائد ہوں تو کم کرکے عدد مسنون کو باقی رکھا جائے گا۔

(۳۷۴) وَمَنِ ارتُثَّ غُسِلَ (۳۷۵) وَالاِرتِثَاثُ اَن یَاکُلَ اَو یَشرَبَ اَو یُدَاوٰی اَو یَبقٰی حَیًّا حَتّٰی یَمضِیَ عَلَیہِ وَقتُ صَلٰوۃٍ وَهُوَ یَعقِلُ اَو یُنقَلُ مِنَ المَعرَکَۃِ حَیًّا۔

ترجمہ:۔ اور جس نے ارتثاث حاصل کی اسے غسل دیا جائیگا اور ارتثاث یہ ہے کہ وہ کچھ کھالے یا پی لے یا علاج کروالے یا اتنی دیر زندہ رہے کہ اس پر ایک نماز کا وقت گذر جائے اور حال یہ کہ وہ ہوش میں ہو اور یا میدان جنگ سے اس کو زندہ منتقل کیا جائے۔

تشریح:۔ (۳۷۴) ارتثاث کا معنی ہے پرانا ہونا پس مقتول فی سبیل اللہ نے اگر زخم کھانے کے بعد اور مرنے سے پہلے کچھ منافع زندگی حاصل کر لئے تو کہا جائیگا کہ یہ شہید پرانا ہوگیا اور چونکہ منافع زندگی حاصل کرنے کی وجہ سے ظلم کا اثر بھی کم ہوگیا اسلئے یہ شہداء اُحد کے معنی میں نہ رہا لہذا اس شہید کو غسل دیا جائیگا۔

(۳۷۵) حکم شہادۃ کو قطع کرنے والا ارتثاث یہ ہے کہ کچھ کھائے یا پیئے یا سو جائے یا اسکا علاج معالجہ کیا جائے یا وہ اتنی دیر زندہ رہے کہ اس پر ہوش کی حالت میں ایک نماز کا وقت گذر جائے یا میدان جنگ سے زندہ منتقل کیا جائے تو ان تمام صورتوں میں چونکہ اس نے زندگی کے کچھ منافع حاصل کر لئے اسلئے یہ شہداء اُحد کے معنی میں نہ رہا لہذا اسکو غسل دیا جائیگا۔

(۳۷۶) وَمَن قُتِلَ فِی حَدٍّ اَو قِصَاصٍ غُسِلَ وَصُلِّیَ عَلَیہِ۔

ترجمہ:۔ اور جو شخص حد یا قصاص میں قتل ہوا سے غسل دیا جائیگا اور اس پر نماز جنازہ پڑھی جائیگی۔

تشریح:۔ (۳۷۶) یعنی اگر کوئی شخص حد یا قصاص میں قتل ہوا تو اسکو غسل بھی دیا جائیگا اور اس پر نماز جنازہ بھی پڑھی جائیگی کیونکہ اس نے

حد اور قصاص واجب تھا اس حق واجب کو ادا کرنے کیلئے اس نے جان دی ہے جبکہ شہداء اُحد نے صرف اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے جان دی تھی لہذا یہ شہداء اُحد کے معنی میں نہیں اسلئے ان کو غسل دیا جائیگا۔

(۳۷۷) وَمَنْ قُتِلَ مِنَ الْبُغَاةِ اَوْقُطَّاعِ الطَّرِيقِ لَمْ يُصَلَّى عَلَيْهِ۔

ترجمہ:۔ اور جو باغیوں یا ڈاکوؤں میں سے کوئی قتل کیا گیا تو اس پر نماز نہ پڑھی جائیگی۔

تشریح:۔ (۳۷۷) یعنی اگر کوئی باغی یا ڈاکو قتل کر دیا گیا تو ہمارے نزدیک اسکی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائیگی اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک پڑھی جائیگی۔ امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ باغی اور ڈاکو مؤمن ہیں پس یہ اس شخص کی طرح ہیں جو رجم یا قصاص میں قتل کیا گیا ہو اور رجم وقصاص میں قتل شدہ کی نماز جنازہ ہے تو ڈاکو اور باغی کی بھی نماز جنازہ پڑھی جائیگی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خوارج کو نہ غسل دیا تھا اور نہ ان کی نماز پڑھی تھی اور خوارج باغی تھے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا گیا "اَهُمْ كُفَّارٌ ؟" (کیا وہ کافر ہیں؟) آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "وَلٰكِنَّهُمْ اَخْوَانُنَا بَغَوْا عَلَيْنَا " (نہیں ہمارے مسلمان بھائی ہیں ہم پر بغاوت کی ہے) تو یہ ان کے لئے زجر اور عقوبت ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ دوران جنگ مارا گیا ہو اگر بعد میں مارا گیا تو اسے غسل دیا جائیگا اور اس پر نماز پڑھی جائیگی۔

بَابُ الصَّلٰوةِ فِى الْكَعْبَةِ

یہ باب کعبہ میں نماز پڑھنے کے بیان میں ہے۔

اس باب کی ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ جس طرح شہید ہونا عذاب سے مأمون ہونے کا سبب ہے اسی طرح کعبہ میں داخل ہونا بھی امن کا سبب ہے لقولہ تعالی ﴿مَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا﴾۔ اور یا یہ مناسبت ہے کہ کعبۃ اللہ میں نماز پڑھنے والا من وجہ مستقبل الکعبہ ہے اور من وجہ مستدبر الکعبہ ہے اسی طرح شہید من وجہ (عنداللہ) زندہ ہے اور من وجہ (عندالناس) مردہ ہے پس ہر ایک میں دو جہت پائے جانے کی وجہ سے مناسبت ہے۔

کعبہ بیت الحرام کا نام ہے وجہ تسمیہ اس کا ثابت اور مرتفع ہونا ہے اسی سے "كعب فى الرجل" اور "كعوب الرمح" اور "جارية كاعب" ہے۔ ہمارے نزدیک کعبہ معین جگہ کا نام ہے خواہ وہاں تعمیر ہو یا نہ ہو اور امام شافعیؒ کے نزدیک کعبہ جگہ اور بنا دونوں کا نام ہے۔

(۳۷۸) وَالصَّلٰوةُ فِى الْكَعْبَةِ جَائِزَةٌ فَرْضُهَا وَنَفْلُهَا۔

ترجمہ:۔ کعبہ میں نماز جائز ہے فرض بھی اور نفل بھی۔

تشریح:۔ (۳۷۸) ہمارے نزدیک کعبہ مکرمہ کے اندر فرض نماز اور نفل نماز دونوں جائز ہیں کیونکہ تمام شرائط نماز جمع ہیں حتی کہ استقبال کعبہ بھی پایا گیا اس لئے کہ کعبہ کا استیعاب شرط نہیں لہذا کعبہ کے اندر نماز جائز ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک نفل جائز ہے فرض جائز نہیں۔

(۳۷۹)فَاِنْ صَلَّى الْإِمَامُ بِجَمَاعَةٍ فَجَعَلَ بَعضُهُمْ ظَهْرَه اِلَى ظَهْرِ الْإِمَامِ جَازَ (۳۸۰)وَمَنْ جَعَلَ مِنْهُمْ وَجْهَهُ اِلَى وَجْهِ الْإِمَامِ جَازَ وَيُكْرَهُ (۳۸۱)وَمَن جَعَلَ مِنهُمْ ظَهْرَهُ اِلَى وَجْهِ الْإِمَامِ لَمْ تَجُزْ صَلٰوتُه۔

ترجمہ:۔ پس اگر خانہ کعبہ میں امام جماعت سے نماز پڑھائے اور مقتدیوں میں سے کسی نے اپنی پشت امام کی پشت کی طرف کی تو جائز ہے اور جس نے اپنا چہرہ امام کے چہرہ کی طرف کیا تو جائز ہے مگر مکروہ ہے اور جس نے اپنی پشت امام کے چہرہ کی طرف کی تو اس کی نماز جائز نہ ہوگی۔

تشریح:۔ کعبہ کے اندر باجماعت نماز پڑھنے کی تین صورتیں ہیں/ **نمبر ۱**۔ مقتدی کا منہ امام کے منہ کی جانب ہو/ **نمبر ۲**۔ مقتدی کی پشت امام کی پشت کی جانب ہو/ **نمبر ۳**۔ مقتدی کی پشت امام کے منہ کی جانب ہو۔ (۳۷۹)صورت دوم تو بلا کراہت جائز ہے (۳۸۰)اول بتوں کی عبادت کرنے والوں کی مشابہت کی وجہ سے مع الکراہت جائز ہے۔ (۳۸۱)سوم جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں مقتدی امام سے آگے بڑھ گیا ہے۔

(۳۸۲)وَاِذَا صَلَّى الْإِمَامُ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ تَحَلَّقَ النَّاسُ حَوْلَ الْكَعْبَةِ وَصَلَّوْا بِصَلٰوةِ الْإِمَامِ فَمَنْ كَانَ مِنْهُمْ اَقْرَبَ اِلَى الْكَعْبَةِ مِنَ الْإِمَامِ جَازَتْ صلٰوتُه اِذَا لَمْ يَكُنْ فِي جَانِبِ الْإِمَامِ۔

ترجمہ:۔ اور جب امام مسجد حرام میں نماز پڑھائے تو لوگ خانہ کعبہ کے اردگرد حلقہ باندھ لیں اور امام کی نماز کے ساتھ نماز پڑھیں پھر ان میں سے جو شخص امام کی نسبت کعبہ مکرمہ سے زیادہ قریب ہو تو اس کی نماز ہو جائیگی جبکہ یہ امام کی جانب میں نہ ہو۔

تشریح:۔ (۳۸۲)یعنی اگر امام نے کعبہ سے باہر مسجد حرام میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھی اور لوگوں نے امام کی اقتدا کر کے کعبہ مکرمہ کے گرد صفیں بنائیں تو جانب امام کے سوی دوسری جانب میں اگر مقتدی بنسبت امام کعبہ سے زیادہ قریب ہوں تو ان مقتدیوں کی نماز جائز ہے لیکن جس جانب میں امام ہے اگر اس جانب میں مقتدی امام سے کعبہ مکرمہ کے زیادہ قریب ہوں تو ان کی نماز نہ ہوگی کیونکہ مقتدی کا امام سے مقدم ومؤخر ہونا اتحاد جہت کے وقت ظاہر ہوتا ہے لہذا پہلی صورت میں مقتدی امام سے مقدم نہیں اسلئے انکی نماز جائز ہے اور دوسری صورت میں مقتدی امام سے مقدم ہے اسلئے انکی نماز جائز نہیں۔

(۳۸۳)وَمَنْ صَلَّى عَلَى ظَهْرِ الْكَعْبَةِ جَازَتْ صَلٰوتُه۔

ترجمہ:۔ اور جس نے خانہ کعبہ کی چھت پر نماز پڑھی تو اس کی نماز ہو جائیگی۔

تشریح:۔ یعنی اگر کسی نے کعبہ مکرمہ کی چھت پر نماز پڑھی تو یہ جائز ہے اگر چہ اسکے سامنے سترہ نہ ہو کیونکہ استقبال قبلہ پایا گیا اسلئے کہ کعبہ تعمیر کا نام نہیں بلکہ عمارت کعبہ کی میدان سے لیکر اسمان تک پوری فضاء کا نام کعبہ ہے۔ ہاں کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں ترک تعظیم ہے۔

☆ ☆ ☆

كتاب الزكاة

یہ کتاب زکوۃ کے بیان میں ہے۔

زکوۃ لغت میں بمعنی طہارۃ ونماء (بڑھنے) کے ہے اور شرعاً مخصوص مال کے مخصوص جزء کا مخصوص شخص کو صرف اللہ کیلئے مالک بنانے کو زکوۃ کہتے ہیں۔

مناسب تو یہ تھا کہ "کتاب الصلوۃ" کے بعد "کتاب الصوم" کو ذکر کرتے کیونکہ صوم وصلوۃ دونوں عبادات بدنیہ ہیں لیکن کتاب اللہ اور حدیث رسول ﷺ کی اقتداء کیلئے کتاب الصلوۃ کے بعد کتاب الزکوۃ کو ذکر کیا۔ کتاب اللہ کی اقتداء یوں کی گئی ہے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ﴿اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ﴾ (اور قائم کرو تم لوگ نماز کو اور دو زکوۃ) میں صلوۃ کے متصل زکوۃ کا ذکر کیا ہے۔

اور حدیث رسول ﷺ کی اقتداء یوں کی گئی ہے کہ قول نبی ﷺ "بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ شَهَادَةِ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكَاةِ الخ" (یعنی اسلام کی بنیاد پانچ پر قائم کی گئی ہے ایک اس حقیقت کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں دوسرے نماز قائم کرنا تیسرے زکوۃ ادا کرنا الخ) میں صلوۃ کے بعد متصل زکوۃ کا ذکر ہے۔

فرضیتِ زکوۃ کے تین دلائل ہیں۔/ نمبر ۱۔ کتاب اللہ۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَآتُوا الزَّكٰوةَ﴾۔/ نمبر ۲۔ پیغمبر ﷺ کا قول ہے "اَدُّوْا زَكٰوةَ اَمْوَالِكُمْ"۔/ نمبر ۳۔ تیسری دلیل اجماعِ امت ہے کہ پیغمبر ﷺ کے زمانے سے آج تک ساری امت کا فرضیتِ زکوۃ پر اجماع ہے۔

الحكمة:۔ انّ اداء الزكوة من باب اعانة الضعيف واغاثة الملهوف والقدار العاجز وتقويته على اداء ما افترضه الله عزّ وجلّ عليه من التوحيد والعبادات والوسيلة الى اداء المفروض ،والثانى ان الزكوة تطهر نفس المؤدى من انجاس الذنوب وتزكى اخلاقه بتخلق الجود والكرم وترك الشح والضن اذ الانفس مجبولة على الضن بالمال فتتعود السماحة وترتاج لاداء الامانات وايصال الحقوق الى مستحقيها والثالث ان الله سبحانه وتعالى انعم على الاغنياء وفضلهم بصنوف النعمة والاموال الفاضلة عن الحوائج الاصلية وخصهم بها فيتنعمون و يتلذذون بلذيذ العيش وشكر النعمة فرض عقلا و شرعا واداء الزكوة الى الفقير من باب شكر النعمة فكان فرضا۔ (حكمة التشريع)

(۱) اَلزَّكٰوةُ وَاجِبَةٌ علی الْحُرِّ الْمُسْلِمِ البَالِغِ العَاقِلِ اِذَامَلَکَ نِصابًامِلْکًاتَامًاوَحَالَ عَلَیْهِ الْحَوْلُ(۲)وَلَیسَ عَلٰی صَبِیِّ وَلَامَجْنُون وَلَامُکَاتَب زَکٰوةٌ ۔

ترجمه:۔زکوۃ ایسے شخص پرواجب ہے جوآزاد، مسلمان، بالغ اور عاقل ہو جس وقت وہ نصاب کامل کامکمل طور پر مالک ہوجائے اور اس پر پورا ایک سال گذر جائے اور بچے اور مجنون اور مکاتب پر زکوۃ واجب نہیں۔

تشریح:۔امام قدوری رحمہ اللہ کا زکوۃ کو واجب کہنا مجازاً ہے کیونکہ زکوۃ دلیل قطعی سے ثابت ہے لہٰذا واجب نہیں بلکہ فرض ہے۔ پھر فرضیت زکوۃ کی چند شرطیں ہیں۔/ **نمبر ۱**۔زکوۃ آزاد پر فرض ہے غلام اور مکاتب پر نہیں اسلئے کہ زکوۃ ملک پر ہوتی ہے اور کامل ملکیت آزادی کے ساتھ متحقق ہوتی ہے غلامی کے ساتھ نہیں۔

/ **نمبر ۲**۔زکوۃ عاقل پر فرض ہے مجنون پر نہیں۔/ **نمبر ۳**۔زکوۃ بالغ پر فرض ہے نابالغ پر نہیں ان دونوں شرطوں کی وجہ یہ ہے کہ زکوۃ ایک عبادت ہے اور جو چیز عبادت ہو وہ بغیر اختیار کے ادا نہیں ہوتی ہے اسلئے کہ عبادت ابتلاء اور ازمائش کا نام ہے اور ازمائش کا معنی بغیر اختیار کے متحقق نہیں ہوسکتا ہے جبکہ مجنون اور نابالغ میں عقل ودانش نہیں اسلئے ان کے واسطے اختیار بھی نہ ہوگا اور جب اختیار نہیں تو ادائیگی زکوۃ انکی طرف سے نہیں ہوسکتی تو فرض بھی نہ ہوگی۔/ **نمبر ٤**۔زکوۃ مسلمان پر فرض ہے غیر مسلم پر نہیں کیونکہ کافر سے کوئی عبادت متحقق نہیں ہوتی۔

/ **نمبر ٥**۔فرضیت زکوۃ کیلئے قدر نصاب (لغت میں نصاب بمعنی اصل کے ہے اور شریعت میں مال، اسباب اور جانوروں کی اس مقدار کا نام ہے جس پر زکوۃ واجب ہوتی ہے) کا مالک ہونا شرط ہے"لقوله صلّی الله علیه وسلم لَیسَ فِیمَادُوْنَ خَمسِ اَوَاقٍ صَدَقَةٌ وَلَیسَ فِیمَادُونَ خَمسِ ذَوْدٍصَدَقَةٌ وَلَیسَ فِیمَادُونَ خمسة اَوسُقٍ صدَقَةٌ "(یعنی پانچ اوقیہ سے کم میں زکوۃ نہیں اور پانچ اونٹ سے کم میں زکوۃ نہیں اور پانچ اوسق سے کم میں زکوۃ نہیں) پس چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سبب زکوۃ کو مقدار کے ساتھ مقدر کیا ہے اسلئے فقہاء کرام نے وجوب زکوۃ کیلئے مقدار نصاب کا مالک ہونا شرط قرار دیا ہے۔

/ **نمبر ٦**۔فرضیت زکوۃ کیلئے حولان حول (یعنی مال پر سال کا گذرنا) شرط ہے"لقوله صَلّی اللّٰه عَلَیه وَسَلَمَ لَازَکٰوةَ فِی مَالٍ حتّٰی یَحُولَ عَلَیْهِ الْحَول"(یعنی کسی مال میں زکوۃ نہیں یہاں تک کہ اس پر سال گذر جائے)۔

الالغاز:۔ای نصاب حولی فارغ عن الدین ولازکوة فیه ؟

فقل:۔ المهر قبل القبض۔(الاشباه والنظائر)

(۳)وَمَنْ کَانَ عَلَیْهِ دَیْنٌ یُحِیطُ بِمالِه فَلَازَکٰوةَ عَلَیْهِ(٤)وَاِنْ کَانَ مَالُه اَکثَرَمِنَ الدَّیْنِ زَکّی الْفَاضِلَ اِذَابَلَغَ نِصَابًا۔

ترجمه:۔اور جس پر اس کے مال کے برابر قرض ہو اس پر زکوۃ واجب نہیں اور اگر اس کا مال قرض سے زیادہ ہو تو زائد کی زکوۃ دے جب وہ نصاب کو پہنچ جائے۔

تشریح :۔(۴) یعنی اگر کسی پر اس قدر قرضہ ہو کہ اس کے تمام مال کو محیط ہو اور یا مال قرضہ سے زائد ہو مگر وہ زائد مال بقدر نصاب نہیں تو اس پر زکوۃ نہیں کیونکہ مدیون کا مال اسکی حاجت اصلیہ میں مشغول ہے لہذا یہ مال معدوم شمار ہوگا (۴) اور اگر قرضہ سے زائد مال بقدر نصاب ہو تو اس زائد مال میں زکوۃ واجب ہوگی کیونکہ یہ حاجت اصلیہ سے فارغ ہے۔

(۵) وَلَيسَ فِي دُورِ السُّكْنٰى وَثِيَابِ الْبَدَنِ وَاَثَاثِ الْمَنَازِلِ وَدَوَابِّ الرُّكُوبِ وَعَبِيدِ الْخِدْمَةِ وَسِلَاحِ الْاِسْتِعْمَالِ زَكوٰةٌ۔

ترجمہ:۔اور رہنے کے گھروں میں اور بدن کے کپڑوں میں اور گھریلو سامان میں اور سواری کے جانوروں میں اور خدمت کے غلاموں میں اور استعمالی ہتھیاروں میں زکوۃ نہیں۔

تشریح :۔(۵) یعنی رہنے کے گھروں میں اور بدن کے کپڑوں میں اور گھر کے سامان میں اور سواری کے جانوروں میں اور خدمت کے غلاموں میں اور استعمال کے ہتھیار میں زکوۃ نہیں کیونکہ یہ چیزیں مالک کی حاجت اصلیہ میں مشغول ہیں۔اور نامی (بڑھنے والے) بھی نہیں۔اور حاجتِ اصلیہ میں مشغول ہونا اور نامی نہ ہونا وجوب زکوۃ سے مانع ہیں۔اسی طرح اہل علم کیلئے کتابیں اور صنعت کاروں کیلئے آلات صنعت ضروریات اصلیہ میں سے ہیں اسلئے ان میں بھی زکوۃ نہیں۔

(٦) وَلَايَجُوْزُاَدَاءُ الزَّكوٰةِ اِلَّابِنِيَّةٍ مُقَارِنَةٍ لِلْاَدَاءِ اَوْمُقَارِنَةٍ لِعَزْلِ مِقْدَارِ الْوَاجِبِ۔

ترجمہ:۔اور زکوۃ آدا کرنا جائز نہیں مگر ایسی نیت سے جو آدا کرنے سے متصل ہو یا مقدار واجب کے علیحدہ کرنے سے متصل ہو۔

تشریح :۔(۶) یعنی زکوۃ بغیر نیت کے ادا نہیں ہوتی اسلئے کہ زکوۃ ادا کرنا عبادت ہے اور عبادت کیلئے نیت شرط ہے۔پھر خواہ نیت ادا زکوۃ کے ساتھ متصل ہو تو بھی جائز ہے اور اگر پورے مال کا حساب کر کے زکوۃ کی جو مقدار بنتی ہو اسکو بطور زکوۃ اپنے مال سے جدا کر کے رکھ دے تو یہ نیت بھی کافی ہے۔اصل تو یہ ہے کہ نیت ادا کے متصل ہو لیکن کبھی انسان متفرق اوقات میں متفرق لوگوں کو زکوۃ دیتا ہے تو اگر ہر بار نیت ضروری قرار دیدی جائے تو یہ شخص حرج میں مبتلا ہو جائیگا لہذا دفع حرج کیلئے مالِ زکوۃ کو اپنے مال سے الگ کرتے وقت کی نیت پر اکتفاء کرلیا گیا ہے۔

(۷) وَمَنْ تَصَدَّقَ بِجَمِيعِ مَالِهٖ وَلَايَنْوِي الزَّكوٰةَ سَقَطَ فَرْضُهَا عَنْهُ۔

ترجمہ:۔اور جس شخص نے اپنا سارا مال صدقہ کر دیا اور زکوۃ کی نیت نہ کی تو زکوۃ کی فرضیت اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائیگی۔

تشریح :۔(۷) یعنی اگر کسی نے اپنا تمام مال صدقہ کر دیا حالانکہ زکوۃ کی نیت نہیں کی ہے تو استحساناً فرض زکوۃ اس سے ساقط ہو جائیگی کیونکہ واجب تو اس میں ایک جزء ہے اور وہ اس میں متعین ہے لہذا اسکو متعین کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

باب زكوة الابل

یہ باب اونٹوں کی زکوۃ کے بیان میں ہے۔

امام قدوری رحمہ اللہ نے اموال زکوۃ کی تفصیل کا آغاز جانوروں سے فرمایا اور جانوروں میں بھی اونٹ کی زکوۃ سے شروع فرمایا وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوۃ کے سلسلے میں جو خط تحریر فرمایا ہے اس میں سب سے پہلے اونٹوں کی زکوۃ کا بیان ہے پس امام قدوری رحمہ اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کا اتباع کیا ہے۔

اور لفظ ابل، لفظ قوم اور نساء کی طرح اسم جنس ہے اس کے لئے واحد نہیں۔ اور ابل کو ابل اس لئے کہتے ہیں کہ "تبول علی افخاذها" یعنی اپنی رانوں پر پیشاب کرتی ہے۔

(۸) وَلَيْسَ فِي اَقَلَّ مِنْ خَمْسٍ ذَوْدٍ مِنَ الْاِبِلِ صَدَقَةٌ (۹) فَاِذَا بَلَغَتْ خَمْسًا سَائِمَةً وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَفِيْهَا شَاةٌ اِلٰى تِسْعٍ (۱۰) فَاِذَا كَانَتْ عَشْرًا فَفِيْهَا شَاتَانِ اِلٰى اَرْبَعَ عَشْرَةَ (۱۱) فَاِذَا كَانَتْ خَمْسَ عَشْرَةَ فَفِيْهَا ثَلٰثُ شِيَاهٍ اِلٰى تِسْعَ عَشْرَةَ (۱۲) فَاِذَا كَانَتْ عِشْرِيْنَ فَفِيْهَا اَرْبَعُ شِيَاهٍ اِلٰى اَرْبَعٍ وَعِشْرِيْنَ (۱۳) فَاِذَا بَلَغَتْ خَمْسًا وَعِشْرِيْنَ فَفِيْهَا بِنْتُ مَخَاضٍ اِلٰى خَمْسٍ وَثَلٰثِيْنَ (۱۴) فَاِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَثَلٰثِيْنَ فَفِيْهَا بِنْتُ لَبُوْنٍ اِلٰى خَمْسٍ وَاَرْبَعِيْنَ (۱۵) فَاِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَاَرْبَعِيْنَ فَفِيْهَا حِقَّةٌ اِلٰى سِتِّيْنَ (۱۶) فَاِذَا بَلَغَتْ اِحْدٰى وَسِتِّيْنَ فَفِيْهَا جَذَعَةٌ اِلٰى خَمْسٍ وَسَبْعِيْنَ (۱۷) فَاِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَسَبْعِيْنَ فَفِيْهَا بِنْتَا لَبُوْنٍ اِلٰى تِسْعِيْنَ (۱۸) وَاِذَا كَانَتْ اِحْدٰى وَتِسْعِيْنَ فَفِيْهَا حِقَّتَانِ اِلٰى مِائَةٍ وَعِشْرِيْنَ۔

ترجمہ:۔ پانچ اونٹوں سے کم میں زکوۃ نہیں اور جب پانچ ہو جائیں اور وہ جنگل میں چرتے ہوں اور پورا سال ان پر گذر جائے تو ان میں نو تک ایک بکری ہے پھر جب دس ہو جائیں تو ان میں چودہ تک دو بکریاں ہیں اور جب پندرہ ہو جائیں تو ان میں انیس تک تین بکریاں ہیں اور جب بیس ہو جائیں تو ان میں چوبیس تک چار بکریاں ہیں اور جب پچیس ہو جائیں تو ان میں سے پینتیس تک ایک بنت مخاض ہے اور جب چھتیس ہو جائیں تو ان میں پینتالیس تک ایک بنت لبون ہے اور جب چھیالیس ہو جائیں تو ان میں ساٹھ تک ایک حقہ ہے اور جب اکسٹھ ہو جائیں تو ان میں پچھتر تک ایک جذعہ ہے اور جب چھہتر ہو جائیں تو ان میں نوے تک دو بنت لبون ہیں اور جب اکیانوے ہو جائیں تو ان میں ایک سو بیس تک دو حقے ہیں۔

تشریح:۔ (۸) یعنی پانچ اونٹوں سے کم میں زکوۃ نہیں (۹) اور اگر کسی کے پاس پانچ اونٹ سائمہ (مباح جنگلوں میں اکثر سال چر کر گذارا کرنے والے جانوروں کو سائمہ کہتے ہیں) ہوں اور ان پر سال گذر گیا ہو تو ان میں ایک بکری واجب ہوگی۔ اور بکری پورے ایک سال کا ہونا شرط ہے ایک سال سے کم عمر کی بکری دینا کافی نہ ہوگی پھر پانچ اونٹوں سے لے کر نو تک عفو ہے یعنی نو میں بھی وہی ایک بکری رہی گی (۱۰) پھر جب دس ہو جائیں تو ان میں دو بکریاں ہیں اور دس سے چودہ تک معاف ہے (۱۱) پھر جب پندرہ ہو جائیں تو ان میں تین بکریاں ہیں اور پندرہ کے بعد انیس تک معاف ہے (۱۲) جب بیس اونٹ ہوں تو ان میں چار

بکریاں ہیں اور بیس کے بعد چوبیس تک عفو ہے۔

(۱۳) پھر جب اونٹ پچیس ہوں تو ان میں ایک بنت مخاض (اونٹ کا وہ مادہ بچہ جو ایک سال پورا کر کے دوسرے سال میں شروع ہو گیا ہو اس کو بنت مخاض کہتے ہیں) واجب ہے پچیس کے بعد پینتیس تک عفو ہے (۱۴) جب چھتیس ہوں تو ان میں ایک بنت لبون (وہ مادہ بچہ جس پر دو سال گذر گئے ہوں اور تیسرے سال میں شروع ہو کو بنت لبون کہتے ہیں) واجب ہے اور چھتیس کے بعد سے پینتالیس تک عفو ہے (۱۵) لیکن جب چھیالیس ہو جائیں تو ان میں ایک حقہ (وہ مادہ بچہ جس پر تین سال گذر گئے ہوں چوتھے سال میں شروع ہو کو حقہ کہتے ہیں) واجب ہے اور چھیالیس کے بعد سے ساٹھ تک عفو ہے۔

(۱۶) پھر جب اکسٹھ ہوں تو ان میں ایک جذعہ (وہ مادہ بچہ جس پر چار سال گذر گئے ہوں پانچویں سال میں شروع ہو کو جذعہ کہتے ہیں) واجب ہے اور اکسٹھ کے بعد پچھتر تک عفو ہے (۱۷) اور جب چھتر ہوں تو ان میں دو بنت لبون ہیں چھتر کے بعد سے نوے تک عفو ہے (۱۸) اور جب اکانوے ہوں تو ان میں دو حقہ ہیں اکانوے کے بعد سے ایک سو بیس تک عفو ہے۔ اس پوری تفصیل کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زکوۃ کے فرمان اسی تفصیل کے ساتھ مشہور ہوئے ہیں۔

(۱۹) ثُمَّ تُستَانَفُ الفَرِيضَةُ (۲۰) فَيَكُونُ فِى الخَمسِ شَاةٌ مَعَ الحِقَّتَينِ (۲۱) وَفِى العَشرِ شَاتَانِ (۲۲) وَفِى خَمسَ عَشرَةَ ثَلٰثُ شِيَاهٍ (۲۳) وَفِى عِشرِينَ اَربَعُ شِيَاهٍ (۲۴) وَفِى خَمسٍ وَعِشرِينَ بِنتُ مَخَاضٍ اِلٰى مِائَةٍ وَخَمسِينَ (۲۵) فَيَكُونُ فِيهَا ثَلٰثُ حِقَاقٍ (۲۶) ثُمَّ تُستَانَفُ الفَرِيضَةُ فَفِى الخَمسِ شَاةٌ (۲۷) وَفِى العَشرِ شَاتَانِ (۲۸) وَفِى خَمسَ عَشرَةَ ثَلٰثُ شِيَاهٍ (۲۹) وَفِى عِشرِينَ اَربَعُ شِيَاهٍ (۳۰) وَفِى خَمسٍ وَعِشرِينَ بِنتُ مَخَاضٍ (۳۱) وَفِى سِتٍّ وَثَلٰثِينَ بِنتُ لَبُونٍ (۳۲) فَاِذَا بَلَغَت مِائَةً وَسِتًّا وَتِسعِينَ فَفِيهَا اَربَعُ حِقَاقٍ اِلٰى مِائَتَينِ (۳۳) ثُمَّ تُستَانَفُ الفَرِيضَةُ اَبَدًا كَمَا تُستَانَفُ فِى الخَمسِينَ الَّتِى بَعدَ المِائَةِ وَالخَمسِينَ۔

ترجمہ:۔ پھر (جب اس سے زیادہ ہو جائیں) تو زکوۃ کا حساب نئے سرے سے شروع کیا جائے پس پانچ میں ایک بکری ہے دو حقوں کے ساتھ اور دس میں دو بکریاں ہیں اور پندرہ میں تین بکریاں ہیں اور بیس میں چار بکریاں ہیں اور پچیس میں بنت مخاض ہے ایک سو پچاس تک اور پورے ایک سو پچاس میں تین حقے ہیں پھر نئے سرے سے حساب کیا جائیگا پس پانچ میں ایک بکری ہے اور دس میں دو بکریاں اور پندرہ میں تین بکریاں اور بیس میں چار بکریاں ہیں اور پچیس میں ایک بنت مخاض اور چھتیس میں ایک بنت لبون ہے پس جب ایک سو چھیانوے ہو جائیں تو ان میں دو سو تک چار حقے ہوں گے پھر فریضہ ہمیشہ نئے سرے سے ہوتا رہیگا جس طرح ایک سو پچاس کے بعد پچاس میں دہرایا گیا ہے۔

تشریح:۔ (۱۹) یعنی ایک سو بیس اونٹوں سے اگر کسی کے اونٹ بڑھ جائیں تو فریضہ از سر نو لوٹایا جائیگا (۲۰) پس اگر پانچ اونٹ زیادہ ہوں تو ایک بکری اور دو حقہ واجب ہونگی (۲۱) اور اگر دس زائد ہوں تو دو بکریاں دو حقہ واجب ہونگی (۲۲) اور اگر پندرہ زائد

ہوں تو تین بکریاں دو حقہ ہوگی (۲۳) اور بیس میں چار بکریاں دو حقہ واجب ہونگی (۲۴) اور اگر پچیس زائد ہوں تو ایک بنت مخاض اور دو حقہ واجب ہوگی انتیس تک یہی حساب ہے (۲۵) پھر جب تیس زائد ہو جائیں یعنی اونٹوں کی کل تعداد ایک سو پچاس ہو جائے تو اس میں تین حقہ واجب ہو جائینگی۔

(۲۶) اسکے بعد پھر فریضہ از سر لوٹایا جائیگا پس پانچ میں ایک بکری ہوگی (۲۷) دس میں دو بکریاں (۲۸) پندرہ میں تین بکریاں (۲۹) بیس میں چار بکریاں (۳۰) پچیس میں بنت مخاض (۳۱) چھتیس میں بنت لبون ہے (۳۲) پھر جب کل تعداد اونٹوں کی ایک سو چھیانوے کو پہنچ جائے تو ان میں چار حقہ ہیں دو سو تک (۳۳) اس کے بعد ہمیشہ فریضہ اس طرح لوٹایا جائے گا جس طرح کہ ایک سو پچاس کے بعد والے پچاس میں دہرایا گیا ہے حتی کہ ہر پچاس میں ایک حقہ ہوگی۔

(۳۴) وَالْبُخْتُ وَالعِرَابُ سَوَاءٌ۔

ترجمہ:۔اور بختی اونٹ اور عربی اونٹ یکساں ہیں۔

تشریح:۔(۳۴) یعنی بختی اونٹ (جو عربی و عجمی کے مخلوط نطفہ سے پیدا ہو اس کو بختی کہتے ہیں بخت نصر کی طرف منسوب ہے) اور عربی اونٹ دونوں نصاب اور مقدار وجوب میں برابر ہیں جب نصاب کو پہنچ جائیں تو ان میں زکوۃ واجب ہوگی کیونکہ لفظ ابل دونوں کو شامل ہے۔

بَابُ صَدَقَةِ الْبَقَرِ

یہ باب گائے کی زکوۃ کے بیان میں ہے۔

امام قدوری رحمہ اللہ نے بقر کی زکوۃ کو غنم کی زکوۃ پر سے اس لئے مقدم ذکر کیا ہے کہ بقر اپنی جسامت اور قیمت کے اعتبار سے اونٹ کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے لہذا اونٹ کی زکوۃ کا حکم بیان کر کے بقر کی زکوۃ کا حکم ذکر کر دیا گیا۔ اور بقر کو بقر اسلئے کہتے ہیں کہ بقر بمعنی پھاڑنا، اور بقر بھی تبقر الارض بحوافرھا یعنی بقر زمین کو اپنی کھروں سے پھاڑ دیتا ہے۔

(۳۵) لَيْسَ فِي اَقَلَّ مِن ثَلَاثِينَ مِنَ الْبَقَرِ صَدَقَةٌ (۳۶) فَاِذَا كَانَتْ ثَلٰثِينَ سَائِمَةً وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَفِيهَا تَبِيعٌ اَوْ تَبِيعَةٌ (۳۷) وَفِي اَرْبَعِينَ مُسِنٌّ اَوْ مُسِنَّةٌ۔

ترجمہ:۔تیس گائے سے کم میں زکوۃ نہیں پھر جب تیس ہو جائیں اس حال میں کہ وہ جنگل میں چرتے ہوں اور ایک سال پورا ان پر گذر جائے تو ان میں ایک تبیع یا ایک تبیعہ ہے اور چالیس میں ایک مسن یا مسنہ ہے۔

تشریح:۔(۳۵) یعنی تیس گائے سے کم میں زکوۃ نہیں (۳۶) اور تیس گائے میں بشرطیکہ سائمہ ہوں اور ان پر سال گذر گیا ہو ایک تبیع (گائے کا ایک سالہ نر بچہ) یا ایک تبیعہ (گائے کا ایک سالہ مادہ بچہ) واجب ہوگا (۳۷) پھر چالیس تک معاف ہے اور چالیس میں ایک مسن (گائے کا دو سالہ نر بچہ) یا ایک مسنہ (گائے کا دو سالہ مادہ بچہ) واجب ہوگا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو ان کو حکم دیا کہ ہر تیس بقر سے ایک تبیع یا تبیعہ لینا اور ہر چالیس بقر سے ایک مسن یا مسنہ لینا۔

(۳۸)فَإذَازَادَتْ عَلَى الْأَرْبَعِينَ وَجَبَ فِي الزِّيَادَةِ بِقَدرِ ذَالِکَ إِلَى سِتِّينَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ فِي الْوَاحِدَةِ رُبعُ عُشْرِ مُسِنَّةٍ وَفِي الْإِثْنَينِ نِصفُ عُشْرِ مُسِنَّةٍ وَفِي الثَّلاثَةِ ثَلثَةُ أَرْبَاعِ عُشْرِ مُسِنَّةٍ وَقَالَ أَبُويُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللهُ لاشَيءَ فِي الزِّيَادَةِ حَتَّى تَبلُغَ سِتِّينَ(۳۹)فَيَكُونُ فِيهَا تَبِيعَانِ أَوْتَبِيعَتَانِ(۴۰) وَفِي سَبعِينَ مُسِنَّةٌ وَتَبِيعٌ (۴۱)وَفِي ثَمَانِينَ مُسِنَّتَانِ (۴۲)وَفِي تِسْعِينَ ثَلثَةُ أَتْبِعَةٍ (۴۳)وَفِي مِائَةٍ تَبِيعَانِ وَمُسِنَّةٌ (۴۴)وَعَلَى هٰذَا يَتَغَيَّرُ الْفَرْضُ فِي كُلِّ عَشَرَةٍ مِنْ تَبِيعٍ إِلَى مُسِنَّةٍ۔

ترجمہ:۔ پھر جب چالیس سے زیادہ ہوجائیں تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس زیادتی میں ساٹھ تک اسی کے بقدر واجب ہے پس ایک میں مسنہ کا چالیسواں حصہ ہے اور دو میں بیسواں حصہ اور تین میں تین چالیسویں ہیں اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس زیادتی میں کچھ واجب نہیں یہاں تک کہ یہ ساٹھ ہوجائیں پھر ساٹھ میں دو تبیعے ہونگے اور ستر میں ایک مسنہ اور ایک تبیعہ اور اسی میں دو مسنے اور نوے میں تین تبیعے اور سو میں دو تبیعے اور ایک مسنہ اور اس طریقہ پر ہر دس میں تبیعہ سے مسنہ کی طرف یہ فرض بدلتا رہیگا۔

تشریح:۔(۳۸)یعنی اگر بقر چالیس سے زائد ہوجائیں تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ ہے کہ چالیس سے زائد میں ساٹھ تک بقدر حساب زکوۃ واجب ہوگی چنانچہ اگر چالیس سے ایک بقر کا اضافہ ہوگیا تو اس میں مسنہ کا ربع عشر ہے یعنی اکتالیس گائیوں میں ایک مسنہ واجب ہوگی اور ایک زائد میں ایک مسنہ کا چالیسواں حصہ واجب ہوگا اور دو اضافہ ہونے کی صورت میں مسنہ کا نصف عشر ہے یعنی بیالیس میں ایک مسنہ اور دو زائد میں مسنہ کے دو چالیسویں حصے واجب ہونگے اور تین اضافہ ہونے کی صورت مسنہ کے تین ربع عشر ہے یعنی تریالیس میں ایک مسنہ اور مسنہ کے تین چالیسویں حصے واجب ہونگے علی ھذا القیاس ساٹھ تک۔ اس روایت کی دلیل یہ ہے کہ تیس سے چالیس تک عفو خلاف قیاس روایت سے ثابت ہے لہذا اس پر کسی اور کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ مگر چالیس سے ساٹھ تک کے عفو کے بارے میں کوئی روایت نہیں لہذا معاف نہیں۔

صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک چالیس سے ساٹھ تک میں کچھ نہیں یہی ایک روایت امام صاحب سے بھی ہے اور اسی کو اعدل الاقوال اور مفتی بہ قرار دیا ہے۔ صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل "قوله ﷺ لمعاذ بن جبل رضی الله تعالى عنه لاتَاخُذَنَّ اَوْقَاصِ الْبَقَرِ شَيئاً" (یعنی اوقاص بقر سے کچھ نہ لینا)۔ علماء نے اوقاص کی تفسیر چالیس اور ساٹھ کے درمیان کے ساتھ کی ہے۔

(۳۹) ساٹھ بقر میں دو تبیع یا تبیعہ ہیں (۴۰)اور ستر میں ایک مسنہ اور ایک تبیع ہے یعنی چالیس پر مسنہ اور تیس پر تبیع ہے (۴۱)اور اسی میں دو مسنہ ہیں یعنی ہر چالیس پر ایک مسنہ (۴۲)اور نوے میں تین تبیع ہیں (۴۳)اور سو میں دو تبیع اور ایک مسنہ ہے (۴۴)اس قیاس پر حساب کرنا چاہئے پس ہر دہائی پر زکوۃ کا فریضہ متغیر ہوتا ہے تبیع سے مسن کی طرف اور مسن سے تبیع کی طرف۔ لہذا ایک سو دس میں ایک تبیع دو مسن ہیں اور ایک سو بیس میں اگر مالک چاہے تو تین مسنہ دے اور چاہے تو چار تبیع دے "لقوله صلى الله عليه وسلم فِي كُلِّ ثَلاثِينَ مِنَ الْبَقَرِ تَبِيعٌ اَوْتَبِيعَةٌ وَفِي كُلِّ أَرْبَعِينَ مُسِنٌّ أَوْمُسِنَّةٌ" (یعنی ہر تیس بقر میں ایک تبیع ہے اور ہر چالیس

میں ایک سن یا ایک مسنہ ہے)۔

(۴۵) وَالْجَوَامِيسُ وَالْبَقَرُ سَوَاءٌ۔

ترجمہ:۔ اور بھینس اور گائے زکوۃ میں برابر ہیں۔

تشریح:۔ (۴۵) یعنی بھینس اور گائے کا حکم زکوۃ میں یکساں ہے حتی کہ بقر کی طرح تیس بھینسوں میں ایک سالہ بچہ اور چالیس بھینسوں میں دوسالہ بچہ واجب ہے کیونکہ بقر کا لفظ گائے اور بھینس دونوں کو شامل ہے۔

بَابُ زَكٰوةِ الْغَنَمِ

یہ باب بکریوں کی زکوۃ کے بیان میں ہے۔

بکریوں کو غنم اسلئے کہتے ہیں کہ ان کیلئے کوئی آلہ دفاع نہیں لہذا بکری ہر طالب کیلئے غنیمت ہے۔ اور بکری کی زکوۃ کو گھوڑے کی زکوۃ پر یا تو اس لئے مقدم کیا ہے کہ ان کی کثرت کی وجہ سے ان کے بیان کی ضرورت زیادہ ہے۔ یا اسلئے کہ بکری کی زکوۃ متفق علیہ ہے اور گھوڑے کی زکوۃ مختلف فیہ ہے۔ لفظ غنم اسم جنس ہے جو نر و مادہ دونوں پر بولا جاتا ہے۔

(۴۶) وَلَيْسَ فِي اَقَلَّ مِن اَرْبَعِينَ شَاةً صَدَقَةٌ (۴۷) فَإِذَا كَانَتْ اَرْبَعِينَ شَاةً سَائِمَةً وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَفِيهَا شَاةٌ اِلٰى مِائَةٍ وَعِشْرِينَ (۴۸) فَإِذَا زَادَتْ وَاحِدَةٌ فَفِيهَا شَاتَانِ اِلٰى مِائَتَيْنِ (۴۹) فَإِذَا زَادَتْ وَاحِدَةٌ فَفِيهَا ثَلٰثُ شِيَاهٍ (۵۰) فَإِذَا بَلَغَتْ اَرْبَعَ مِائَةٍ فَفِيهَا اَرْبَعُ شِيَاهٍ (۵۱) ثُمَّ فِي كُلِّ مِائَةٍ شَاةٌ۔

ترجمہ:۔ چالیس بکریوں سے کم میں زکوۃ نہیں پس جب وہ چالیس ہو جائیں جبکہ وہ جنگل میں چرتی ہوں اور ان پر پورا سال گذر جائے تو ان میں ایک بکری ہے ایک سو بیس تک اور جب ایک سو بیس سے ایک زیادہ ہو جائے تو ان میں دو بکریاں ہیں دو سو تک اور جب دو سو سے ایک زیادہ ہو جائے تو ان میں تین بکریاں ہیں اور جب چار سو ہو جائیں تو ان میں چار بکریاں ہیں پھر ہر سو میں ایک بکری ہے۔

تشریح:۔ (۴۶) یعنی چالیس سائمہ بکریوں سے کم میں زکوۃ نہیں (۴۷) پھر جب چالیس ہو جائیں تو ان میں ایک بکری واجب ہے بشرطیکہ یہ بکریاں سائمہ ہوں اور ان پر سال بھی گذر گیا ہو اور ایک سو بیس تک یہی ایک بکری رہے گی (۴۸) لیکن جب ایک سو بیس پر ایک زیادہ ہو گئی یعنی ایک سو اکیس بکریاں ہو گئیں تو ان میں دو بکریاں واجب ہیں دو سو تک یہی دو بکریاں واجب رہیں گی۔

(۴۹) پھر جب دو سو پر ایک بکری زائد ہو گئی یعنی دو سو ایک ہو گئیں تو ان میں تین بکریاں واجب ہوں گی (۵۰) پھر یہی تین بکریاں ہیں یہاں تک کہ جب چار سو ہو جائیں تو ان میں چار بکریاں واجب ہوں گی (۵۱) پھر ہر سو پر ایک بکری بڑھتی جائیگی حتی کہ پانچ سو میں پانچ اور چھ سو میں چھ اور سات سو میں سات علی ھذا القیاس واجب ہوں گی یہی تفصیل پیغمبر ﷺ کے فرمان زکوۃ میں وارد ہوئی ہے اور اسی پر اجماع بھی ہے۔

☆ ☆ ☆

(۵۲)وَالضَانُ وَالمَعزُ سَوَاءٌ۔

ترجمہ:۔ بھیڑ اور بکری برابر ہیں۔

تشریح:۔ (۵۲) یعنی بھیڑ اور بکری کا حکم مقدار نصاب، وجوب زکوۃ اور جواز اضحیہ میں یکساں ہے یعنی اگر بھیڑ اور بکری مخلوط ہوں اور مقدار نصاب کو پہنچ چکی ہوں تو ان میں زکوۃ واجب ہے کیونکہ حدیث شریف میں لفظ "غنم" وارد ہے اور "غنم" بھیڑ اور بکری دونوں کو شامل ہے۔ "ضان" بھیڑ اور دنبہ کو کہتے ہیں اور "معز" بکری کو کہتے ہیں اور "غنم" دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

بَابُ زَكٰوةِ الْخَيْلِ

یہ باب گھوڑوں کی زکوۃ کے بیان میں ہے۔

"خیل" ماخوذ ہے "خیلاء" بمعنی تمایل (جھومنا) سے۔ چونکہ گھوڑوں کی زکوۃ مختلف فیہ ہے اور گھوڑے قلیل الوجود بھی ہیں اسلئے ان کی زکوۃ کا ذکر موخر کردیا ہے۔

(۵۳)إذَا كَانَتِ الْخَيلُ سَائِمَةً ذُكُوراًاَوْاِنَاثاًوَحَالَ عَلَيهَاالْحَوْلُ فَصَاحِبُهَابِالْخِيَارِاِنْ شَاءَ اَعْطٰى عَنْ كُلِّ فَرَسٍ دِيْنَاراً وَاِنْ شَاءَ قَوَّمَهَافَاَعْطٰى عَنْ كُلِّ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ خَمْسَةَدَرَاهِمَ(۵۴)وَلَيسَ فِي ذُكُورِهَامُنْفَرِدَةً زَكٰوةٌ عِندَاَبِي حَنِيْفَةَ رَحمَه اللّٰه(۵۵)وَقَالَ اَبُويُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحمَه اللّٰه لازَكٰوةَ فِي الْخَيلِ۔

ترجمہ:۔ جب گھوڑے بھی ہوں اور گھوڑیاں بھی ہوں اور سب جنگل میں چرتے ہوں اور ان پر ایک سال پورا گذر جائے تو ان کے مالک کو اختیار ہے چاہے تو ہر گھوڑے کی طرف سے ایک دینار دے اور اگر چاہے تو ان کی قیمت لگا کر ہر دوسو درہم سے پانچ درہم دے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اکیلے نر گھوڑوں میں زکوۃ نہیں اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ گھوڑوں میں زکوۃ نہیں۔

تشریح:۔ (۵۳) یعنی اگر گھوڑے سائمہ ہوں اور نر و مادہ دونوں ہوں یا صرف مادہ ہوں تو ان کے مالک کو اختیار ہے چاہے تو ہر گھوڑے سے ایک دینار دیدے اور چاہے تو گھوڑوں کی قیمت لگا کر ہر دوسو درہم (درہم تین ماشہ ایک رتی اور پانچواں حصہ رتی کا ہوتا ہے) سے پانچ درہم دیدے یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔ (۵۵) صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک گھوڑوں میں زکوۃ نہیں و علیہ الفتویٰ۔

صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک "لَيسَ عَلَى الْمُسْلِمِ فِي عَبدِهٖ وَلَافِي فَرَسِهٖ صَدَقَةٌ" ہے (یعنی مسلمان پر اس کے غلام اور اسکے گھوڑے میں صدقہ نہیں)۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک "فِي كُلِّ فَرَسٍ سَائِمَةٍ دِيْنَار اَوْعَشَرَةُ دَرَاهِم" ہے (یعنی ہر سائمہ گھوڑے میں ایک دینار یا دس درہم واجب ہیں)۔ اور صاحبین رحمہما اللہ کی پیش کردہ حدیث کی تاویل یہ ہے کہ اس سے فرسِ غازی مراد ہے اور فرسِ غازی میں بالاتفاق زکوۃ نہیں۔

(۵۴) تنہا نر گھوڑوں میں زکوۃ واجب نہیں کیونکہ گھوڑوں میں زکوۃ افزائش نسل کی وجہ سے ہے اور افزائش نسل تنہا گھوڑوں سے ممکن نہیں اسلئے فقط گھوڑوں میں زکوۃ نہیں اور اگر کسی کی ملک میں صرف گھوڑیاں ہوں تو ان میں زکوۃ ہے کیونکہ ان سے تناسل ممکن ہے

اس طرح کہ جفتی کیلئے کسی کا گھوڑا استعار لیا جائے اور جب تناسل ممکن ہے تو زکوۃ بھی واجب ہوگی۔امام قدوری رحمہ اللہ نے نصاب کی قید نہیں لگائی اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اصح یہ ہے کہ گھوڑوں کی زکوۃ کیلئے نصاب شرط نہیں۔

(۵٦) وَلاشَیَ فِي البِغَالِ وَ الحَمِیرِ (۵۷) اِلَّا اَنْ یَکُونَ لِلتِّجَارَۃِ۔

ترجمہ:۔اور خچر اور گدھوں میں کچھ زکوۃ نہیں الا یہ کہ وہ تجارت کے لئے ہوں۔

تشریح:۔(۵٦) یعنی گدھوں اور خچروں میں زکوۃ نہیں کیونکہ پیغمبر ﷺ سے ان کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا، لم یُنْزِلْ عَلَیَّ فِیھَا شَیٌ ،، یعنی میرے اوپر گدھوں اور خچروں کے بارے میں کوئی چیز نازل نہیں کی گئی ہے۔اور مقادیر زکوۃ سماعی ہیں عقلی نہیں پس جب پیغمبر ﷺ سے اس بارے میں کچھ سماع نہیں تو ان میں زکوۃ واجب نہ ہوگی۔

(۵۷) ہاں اگر گدھے اور خچر تجارۃ کے لئے ہوں تو ان میں تجارتی زکوۃ واجب ہوگی کیونکہ اس صورت میں زکوۃ مالیت کے ساتھ متعلق ہوگی جیسے دوسرے اموال تجارۃ میں زکوۃ مالیت کے ساتھ متعلق ہوتی ہے۔

(۵۸) وَلَیسَ فِي الفُصْلَانِ وَالحُمْلَانِ وَالعَجَاجِیلِ زَکوۃٌ عِندَابی حَنیفَۃَ وَمحَمَّدٍ رَحِمَہ اللّٰہ اِلَّا اَنْ یَکُونَ مَعَھَا کِبَارٌ وَقَالَ ابُوْ یُوْسُفَ رَحِمَہ اللّٰہ تَجِبُ فِیھَا وَاحِدَۃٌ مِنْھَا۔

ترجمہ:۔اونٹ اور گائے اور بکری کے چھوٹے بچوں میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک زکوۃ نہیں الا یہ کہ ان کے ساتھ بڑے بھی ہوں اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان میں سے ایک دیدینا واجب ہے۔

تشریح:۔(۵۸) یعنی طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک اونٹ، گائے اور بکری کے ایک سال سے کم عمر کے بچوں میں زکوۃ واجب نہیں مراد یہ ہے کہ کسی کے پاس صرف بچے ہوں تو ان میں زکوۃ نہیں اور اگر بڑے بھی ہوں تو زکوۃ واجب ہو جائیگی۔امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ان بچوں میں انہیں میں سے ایک واجب ہوگا مثلاً بکری کے چالیس بچوں میں بکری کا ایک بچہ بطور زکوۃ واجب ہوگا۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ انہیں بچوں میں سے ایک بچہ دینے میں صاحب مال اور فقیر دونوں کی رعایت ہے اسلئے کہ صغار میں اگر بڑا جانور واجب قرار دیا جائے تو صاحب مال کا نقصان ہے اور اگر زکوۃ بالکل واجب نہ ہو تو اس میں فقراء کا نقصان ہے اسلئے ہم نے ایسا قول کیا جس میں طرفین کی رعایت ہے۔

طرفین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ مقدار نصاب وزکوۃ میں قیاس کو کوئی دخل نہیں پس شریعت نے جس چیز کو واجب کیا ہے اس کا واجب کرنا اگر ممتنع ہو جائے تو اس کا متبادل کوئی چیز واجب نہ ہوگی اور ان بچوں میں کوئی بڑا واجب کرنے میں صاحب نصاب کا نقصان ہے پس اس کا واجب کرنا ممتنع ہو گیا اور ماورد بہ الشرع بڑا ہی ہے لہٰذا ان بچوں میں کوئی چیز واجب نہ ہوگی یہی قول مفتی بہ ہے۔

مگر سوال یہ ہے کہ زکوۃ نصاب پر سال گذرنے کے بعد واجب ہوتی ہے پس جب فصلان حملان اور عجاجیل پر سال گذر گیا تو یہ بچے کہاں رہے تو اسکی کیا صورت ہے کہ یہ بچے بھی ہوں اور ان پر سال گذر کر زکوۃ بھی واجب ہو؟

جواب: ۔اسکی صورت یہ ہے کہ کسی کے پاس سائمہ جانوروں کانصاب ہےان پردس ماہ گذر گئے اور سب نے بچے جنے اور صرف بچے بھی بقدر نصاب ہیں پھران کی مائیں مرگئیں اور بچے باقی رہے تواس صورت میں دوماہ بعد سال پورا ہو جائیگا۔پس طرفینؒ کے نزدیک ان بچوں پر زکوۃ نہیں اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک زکوۃ واجب ہے۔

فصلان فصیل کی جمع ہے اونٹنی کے ایک سال سے کم عمر کے بچے کو کہتے ہیں اور حملان حمل کی جمع ہے بکری کے ایک سال سے کم عمر بچے کو کہتے ہیں اور عجاجیل عجول کی جمع ہے گائے کے بچے کو کہتے ہیں۔

(۵۹)وَمَنْ وَجَبَ عَلَيهِ مِسِنٌّ فَلَمْ يُوجَدْ اَخَذَ الْمُصَدِّقُ اَعْلىٰ مِنْهَاوَرَدَّالْفَضْلَ(۶۰)اَوْاَخَذَدُونَهَاوَاَخَذَ الْفَضْلَ۔

ترجمہ: ۔اور جس پر مسن واجب ہواوراس کے پاس مسن نہ ہوتو زکوۃ لینے والا اس سے اعلیٰ درجہ کا جانور لے لےاور زائد دام اسے واپس دیدے یااس سے کم درجہ کا لے لےاور باقی دام اس سے وصول کرلے۔

تشریح: ۔(۵۹)یعنی اگر کسی پر مسن واجب ہوا مگراس کے پاس مسن نہیں البتہ حقہ موجود ہے تو عامل (سرکار کی طرف سے زکوۃ جمع کرنے والے کو عامل کہتے ہیں) کو چاہیے کہ وہ حقہ لے کر بنت لبون سے زائد قیمت کو واپس کردے مثلاً بنت لبون کی قیمت ایک ہزار روپیہ ہےاور حقہ کی قیمت پندرہ سو روپیہ ہے تو عامل حقہ لے کر پانچ سو روپیہ رب المال کو واپس کردے۔

(۶۰) یا عامل ادنیٰ درجہ کا جانور لے کر باقی زیادتی قیمت کے اعتبار سے روپیہ کی شکل میں لے لے مثلاً کسی پر حقہ واجب ہے مگر اس کے پاس حقہ نہیں البتہ بنت لبون موجود ہے اور بنت لبون کی قیمت ایک ہزار روپیہ ہے حقہ کی قیمت پندرہ سو ہے تو عامل بنت لبون لے کر رب المال سے مزید پانچ سو روپیہ لے لے۔

(۶۱)وَيَجُوزُدَفْعُ الْقِيَمِ فِي الزَّكٰوةِ۔

ترجمہ: ۔اور زکوۃ میں قیمتوں کا دیدینا بھی جائز ہے۔

تشریح: ۔(۶۱)یعنی اگر کسی نے جانور زکوۃ میں دینے کے بجائے جانور کی قیمت زکوۃ میں دیدی تو ہمارے نزدیک یہ جائز ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک جائز نہیں وہ قربانی کے جانور پر قیاس کرتے ہوئے غیر منصوص کو جائز نہیں قرار دیتے ہیں۔ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالی نے پوری مخلوق کو رزق پہنچانے کا وعدہ کیا ہے اور فقیروں کا رزق مالداروں کے مال کا چالیسواں حصہ ہے اور یہ رزق بکری، گائے اور اونٹ وغیرہ جانوروں میں منحصر نہیں بلکہ انسان کی اور بھی بہت سی حاجتیں ہیں جن کو ان جانوروں سے پوری نہیں کی جاسکتی ہے اس لئے جانور کی قید لگانا باطل ہے بلکہ اگر اسکی قیمت دیدی گئی تو بھی جائز ہے۔یہی حکم عشر، خراج، صدقۃ الفطر، نذر اور کفارات کا بھی ہے۔

(۶۲)وَلَيسَ فِي الْعَوَامِلِ وَالْحَوَامِلِ وَالْعَلُوفَةِ زَكٰوةٌ۔

ترجمہ: ۔اور عوامل، حوامل اور علوفہ جانوروں میں زکوۃ نہیں۔

تشریح: ۔عوامل عاملۃ کی جمع ہے وہ جانور جو کام کے لئے ہو۔"حوامل" جمع ہے "حاملۃ" کی، وہ جانور جو بار برداری کیلئے

ہو۔اور علوفہ وہ جانور ہے جس کو نصف سال یا زائد مالک نے گھر پر باندھ کر کھلایا ہو (یعنی سائمہ نہ ہو)۔

(۶۲) ہمارے نزدیک عوامل، حوامل اور علوفہ جانوروں میں زکوۃ نہیں کیونکہ وجوب زکوۃ کا سبب مال نامی ہے اور یہ اموال نامی نہیں کیونکہ نماء کی دلیل جانور کو مباح جنگل میں چرانا ہے یا ان کو تجارت کیلئے مہیاء کرنا ہے اور مذکورہ جانوروں میں چونکہ یہ بات نہیں تو ان میں نماء نہیں لہذا ان میں زکوۃ بھی نہ ہوگی۔

(۶۳) وَلاَيَاخُذُ الْمُصَدِّقُ خِيَارَ الْمَالِ وَلاَرِذَالَه وَيَاخُذُ الْوَسَطَ۔

ترجمہ:۔اور زکوۃ لینے والا عمدہ مال نہ لے اور نہ بالکل ردی مال لے بلکہ اوسط درجہ کا لے۔

تشریح:۔(۶۳) یعنی مصدق (زکوۃ وصول کرنے والا) صاحب المال سے نہ اعلیٰ درجہ کا مال لے اور نہ ردی اور گھٹیا مال لے بلکہ درمیانی درجہ کا مال لے کیونکہ اوسط درجہ کا مال لینے میں صاحب مال اور فقیر دونوں کی رعایت ہے اسلئے کہ عمدہ مال لینے کی صورت میں صاحب مال کا نقصان ہے اور گھٹیا مال لینے کی صورت میں فقیر کا ضرر ہے۔

(٦٤) وَمَنْ كَانَ لَه نِصَابٌ فَاسْتَفَادَ فِي اَثْنَاءِ الْحَوْلِ مِن جِنْسِه ضَمَّه اِلٰى مَالِه وَزَكَّاه بِه۔

ترجمہ:۔اور جس کے پاس ایک نصاب ہو اور درمیان سال اسی جنس کا اور مال کمالیا تو اسے اپنے مال میں ملا کر سارے کی زکوۃ دے۔

تشریح:۔(٦٤) یعنی اگر کسی کے پاس کسی مال کا ایک نصاب ہے مثلاً چالیس بکریاں ہیں پھر درمیان سال میں کچھ مال اور حاصل ہو گیا تو یہ مال یا تو سابقہ نصاب یعنی بکریوں کی جنس سے ہوگا یا نہیں اس پہلی صورت میں حاصل شدہ مال کو سابقہ نصاب کے ساتھ ملا کر اصل نصاب کے حول کو مال مستفاد کا حول شمار کیا جائیگا لہذا بغیر سال گذرنے کے اس میں زکاۃ واجب ہوگی اور دوسری صورت میں حاصل شدہ مال سابقہ نصاب کے ساتھ ضم نہیں کیا جائیگا بلکہ اس پر ازسرنو حولان حول کا اعتبار ہوگا۔

(٦٥) وَالسَّائِمَةُ الَّتِي تَكْتَفِيْ بِالرَّعْيِ فِي اَكْثَرِ الْحَوْلِ فَاِنْ عَلَفَهَا نِصْفَ الْحَوْلِ اَوْاَكْثَرَ فَلاَزَكٰوةَ فِيهَا۔

ترجمہ:۔اور سائمہ وہ جانور ہے جو اکثر سال باہر چرنے پر اکتفاء کرلے پس اگر چھ ماہ یا اس سے زائد گھر پر کھلایا تو ان میں زکوۃ نہیں۔

تشریح:۔(٦٥) یعنی سائمہ وہ جانور ہے جو سال کے اکثر حصہ میں گھر سے باہر چرنے پر اکتفاء کرے اور سال کے اکثر حصہ کی قید اسلئے لگائی کہ کبھی سال کے بعض حصہ میں صاحب مال گھر پر کھلانے پر مجبور ہو جاتا ہے تو یہ اقل اکثر کا تابع ہے۔اور اگر جانور کو آدھا سال یا اکثر سال گھر پر کھلایا تو وہ علوفہ ہے اس میں زکوۃ نہیں کیونکہ اس پر بوجھ زیادہ ہونے کی وجہ سے اس میں نماء نہیں کمامر۔

(٦٦) وَالزَّكٰوةُ عِنْدَاَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰه وَاَبِي يوسفَ رَحِمَهُ اللّٰه فِي النِّصَابِ دُونَ الْعَفْوِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰه وَزُفَرُ رَحِمَهُ اللّٰه تَجِبُ فِيهِمَا۔

ترجمہ:۔اور زکوۃ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک نصاب میں ہے نہ کہ عفو میں اور امام محمد رحمہ اللہ اور امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں میں واجب ہے۔

تشریح :۔ مال کا ایک نصاب ہوتا ہے اور ایک عفو مثلاً پانچ اونٹوں میں ایک بکری واجب ہوتی ہے اور نو تک ایک ہی بکری رہتی ہے جب دس اونٹ ہو جائینگے تو ان میں دو بکریاں واجب ہونگی پس پانچ اونٹ اور دس اونٹ تو نصاب ہیں لیکن درمیان میں چھ سے نو تک عفو ہیں۔

(٦٦) اب اس میں اختلاف ہے کہ زکوۃ کا تعلق عفو سے ہوتا ہے یا نہیں شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک زکوۃ کا تعلق عفو سے نہیں ہوتا ہے اور امام محمد رحمہ اللہ وامام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک زکوۃ کا تعلق عفو سے بھی ہوتا ہے۔

ثمرہ اختلاف اس مثال سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر کسی کے پاس نو اونٹ ہوں تو ان میں ایک بکری واجب ہے پھر اگر ان میں سے چار اونٹ ہلاک ہو گئے تو شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک چونکہ زکوۃ کا تعلق عفو سے نہیں بلکہ نصاب سے ہوتا ہے اور نصاب باقی ہے لہذا اب بھی صاحب مال پر ایک ہی بکری واجب ہوگی اور امام محمد رحمہ اللہ وامام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک چونکہ زکوۃ کا تعلق عفو سے بھی ہوتا ہے لہذا ان کے نزدیک بکری کی قیمت کے نو حصے کر کے پانچ حصے اس پر واجب کئے جائینگے اور چار حصے ساقط ہو جائینگے۔

امام محمد رحمہ اللہ وامام زفر رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ زکوۃ نعمت مال کے شکر کے طور پر واجب ہوئی ہے اور کل مال نعمت ہے خواہ عفو ہو یا نصاب لہذا زکوۃ کا تعلق بھی کل کے ساتھ ہوگا۔ شیخین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ عفو چونکہ وجوب نصاب کے بعد ہی ثابت ہوتا ہے اسلئے عفو نصاب کا تابع ہوگا اور قاعدہ ہے کہ ہلاک شدہ مال کو تابع کی طرف پھیرایا جاتا ہے نہ کہ اصل کی طرف لہذا کہا جائیگا کہ عفو ہلاک ہوا ہے نہ کہ اصل (شیخین کا قول راجح ہے)۔

(٦٧) وَإِذَا هَلَكَ الْمَالُ بَعْدَ وُجُوبِ الزَّكٰوةِ سَقَطَتْ۔

ترجمہ:۔ اور جب مال وجوبِ زکوۃ کے بعد ہلاک ہو جائے تو زکوۃ ساقط ہو جائیگی۔

تشریح :۔ (٦٧) یعنی زکوۃ واجب ہونے کے بعد اگر مال مالک کی تعدی کے بغیر ہلاک ہو گیا تو اسکی زکوۃ بھی ساقط ہو جائیگی اور اگر بعض مال ہلاک ہوا تو اسی کے بقدر زکوۃ ساقط ہو جائیگی کیونکہ زکوۃ کا تعلق عینِ مال کے ساتھ ہے مالک کے ذمہ کے ساتھ نہیں پس جب مال نہ رہا تو واجب مقدار بھی نہیں رہے گی لہذا زکوۃ ساقط ہوگی۔

مگر شرط یہ ہے کہ مال خود ہلاک ہو مالک کی تعدی سے ہلاک نہ ہو یعنی مال کی ہلاکت کا سبب مالک نہ بنے ورنہ پھر زکوۃ ساقط نہ ہوگی کیونکہ بعد از وجوب زکوۃ مالک کے ہاتھ میں امانت ہے اور امانت کو ہلاک کرنے کی وجہ سے امین ضامن ہوتا ہے۔

الالغاز:۔ أی مال وجبت فیه زكوته ثم سقطت بعد الحول ولم یهلک؟

فقل:۔ الموهوب اذا رجع الواهب فیه بعد الحول ،ولازكوة على الواهب ايضا۔ (الاشباه والنظائر)

(٦٨) وَإِنْ قَدَّمَ الزَّكٰوةَ عَلَى الْحَوْلِ وَهُوَ مَالِكٌ لِلنِّصَابِ جَازَ۔

ترجمہ:۔ اور اگر سال مکمل ہونے سے پہلے زکوۃ دیدی حالانکہ وہ نصاب کا مالک ہے تو جائز ہے۔

تشریح :۔ (٦٨) یعنی اگر مالک نصاب نے سال پورا ہونے سے پہلے زکوۃ ادا کر دی تو یہ جائز ہے بلکہ ایک سال سے زیادہ

کیلئے بھی زکوۃ مقدم کرنا جائز ہے یعنی اگر کسی نے کئی سالوں کی زکوۃ پیشگی دیدی تو یہ جائز ہے کیونکہ سبب زکوۃ یعنی نصاب کامل موجود ہے لہذا یہ صورت جائز ہے۔

بَابُ زَكٰوةِ الْفِضَّةِ

یہ باب چاندی کی زکوۃ کے بیان میں ہے۔

عرب کے نزدیک سائمہ جانور چونکہ قیمتی مال شمار کیا جاتا ہے اس لئے اسکو مقدم کیا گیا اب اسکے بیان سے فراغت کے بعد دوسرے اموال زکوۃ ذکر فرماتے ہیں۔ پھر چاندی کی زکوۃ کے بیان کوسونے کی زکوۃ کے بیان پر اس لئے مقدم کیا ہے کہ چاندی لوگوں کے درمیان میں بکثرت متداول اور رواج ہے۔

(۶۹)وَلَيْسَ فِيمَا دُوْنَ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ صَدَقَةٌ (۷۰)فَإِذَا كَانَتْ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَفِيهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ۔

ترجمہ:۔ دوسودرہم سے کم میں زکوۃ نہیں پھر جب دوسودرہم ہوجائیں اوران پرسال گذرجائے توان میں پانچ درہم واجب ہیں۔

تشریح :۔ (۶۹) یعنی دوسودرہم سے کم میں زکوۃ نہیں کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ اوقیہ سے کم میں زکوۃ نہیں اور ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے پس پانچ اوقیہ دوسودرہم ہونگے لہذا دوسودرہم سے کم میں زکوۃ واجب نہیں (۷۰) اور جب پورا دوسودرہم ہوجائیں اوران پرسال گذرجائے توان میں چالیسواں حصہ یعنی پانچ درہم واجب ہونگے اوراس لئے بھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالی عنہ کولکھا تھا کہ ہر دوسودرہم سے پانچ درہم لینا اور بیس مثقال میں سے نصف مثقال لینا (مثقال چار ماشہ چار رتی کا ہوتا ہے)۔

(۷۱)وَلَا شَيْءَ فِي الزِّيَادَةِ حَتّٰى تَبْلُغَ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا فَيَكُونُ فِيهَا دِرْهَمٌ (۷۲)ثُمَّ فِي كُلِّ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا دِرْهَمٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ مَا زَادَ عَلَى الْمِائَتَيْنِ فَزَكٰوتُهُ بِحِسَابِهِ۔

ترجمہ:۔ دوسو سے زیادہ میں کچھ نہیں یہاں تک کہ وہ چالیس ہوجائیں تو چالیس میں ایک درہم ہے پھر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہر چالیس درہم میں ایک درہم ہے اورامام ابویوسف رحمہ اللہ اورامام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو دوسو سے زیادہ ہوتو اس میں بھی اسی حساب سے زکوۃ واجب ہے۔

تشریح :۔ (۷۱) یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جب دراہم دوسو سے بڑھ جائیں تو زیادتی میں کچھ واجب نہیں یہاں تک کہ زیادتی کی مقدار چالیس درہم کو پہنچ جائے پھر جب دراہم دوسو چالیس ہوجائیں توان میں چھ درہم واجب ہونگے (۷۲) اسکے بعد ہر چالیس پر ایک درہم واجب ہوتا رہیگا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "لَيْسَ فِيمَا دُوْنَ الْأَرْبَعِينَ صَدَقَةٌ" (یعنی چالیس درہم سے کم میں زکوۃ نہیں)۔ نیز کسور (یعنی نصاب کی مقداروں کے درمیان جیسے دوسو سے دوسو چالیس تک۔ اسی طرح ہر چالیس سے دوسرے چالیس تک) میں زکوۃ کو واجب قرار دینے میں حرج ہے اور حرج شرعا مدفوع ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول راجح ہے۔

صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک چالیس سے کم زیادتی میں بھی زکوۃ ہے چنانچہ دوسو درہم پر اگر ایک درہم بڑھ گیا تو پانچ درہم کے علاوہ ایک درہم کے چالیس حصوں میں سے ایک حصہ اور واجب ہوگا۔ صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ زکوۃ نعمتِ مال کے شکر کے طور پر واجب ہوتی ہے اور دوسو درہم سے زائد اور چالیس سے کم بھی مال ہے لہذا ان میں بھی حساب کے مطابق زکوۃ واجب ہوگی۔

(۷۳) وَاِذَاکَانَ الغَالِبُ عَلَی الْوَرِقِ الفِضَّۃُ فَھُوَ فِی حُکمِ الْفِضَّۃِ (۷۴) وَاِذَاکَانَ الغَالِبُ عَلَیْہِ الغِشُّ فَھُوَ فِی حُکمِ العُرُوضِ وَیُعْتَبَرُ اَنْ تَبْلُغَ قِیمَتُھَا نِصاباً۔

ترجمہ:۔ اور جب (ڈھلے ہوئے سکہ میں) کھوٹ پر چاندی غالب ہو تو وہ چاندی کے حکم میں ہے اور اگر چاندی پر کھوٹ غالب ہو تو وہ سامان کے حکم میں ہے ایسی چیزوں میں معتبر یہ ہے کہ ان کی قیمت نصاب کو پہنچ جائے۔

تشریح:۔ وَرِق واو کے فتحہ اور راء کے کسرہ کے ساتھ ڈھلے ہوئے سکہ کو کہتے ہیں۔ اور غِشّ غین کے کسرہ اور شین کی تشدید کے ساتھ کھوٹ یعنی سونے چاندی کے علاوہ دوسری دھات کو کہتے ہیں۔ یہ یاد رہے کہ چاندی یا سونے کا سکہ کھوٹ کی آمیزش کے بغیر نہیں ڈھالا جاتا ہے۔

(۷۳) اب صورت مسئلہ یہ ہے کہ ڈھلے ہوئے سکہ میں اگر چاندی غالب ہو اور کھوٹ مغلوب ہو تو وہ سکہ چاندی کے حکم میں ہوگا اعتباراً للغالب اور اس میں چاندی کی زکوۃ واجب ہوگی (۷۴) اور اگر کھوٹ غالب اور چاندی مغلوب ہو تو یہ سامان کے حکم میں ہوگا اعتبار اللغالب چنانچہ اگر تجارت کی نیت ہو اور اسکی قیمت نصاب کو پہنچتی ہو تو اس میں دیگر عروضِ تجارت کی طرح زکوۃ واجب ہوگی۔

بَابُ زَکوۃِ الذَّھَب

یہ باب سونے کی زکوۃ کے بیان میں ہے۔

(۷۵) لَیْسَ فِیمَا دُوْنَ عِشْرِینَ مِثْقَالاً مِنَ الذَّھَبِ صَدَقَۃٌ (۷۶) فَاِذَاکَانَتْ عِشْرِینَ مِثْقَالاً وَحَالَ عَلَیھَا الْحَوْلُ فَفِیھَا نِصفُ مِثْقَالٍ (۷۷) ثُمَّ فِی کُلِّ اَرْبعَۃِ مَثَاقِیلَ قِیرَاطَانِ۔

ترجمہ:۔ بیس مثقال سے کم میں زکوۃ نہیں پس جب بیس مثقال ہوں اور ان پر سال گذر جائے تو ان میں آدھا مثقال ہے پھر ہر چار مثقال میں دو قیراط ہیں۔

تشریح:۔ (۷۵) سونے کا نصاب بیس مثقال ہے (مثقال چار ماشہ چار رتی کا ہوتا ہے) بیس سے کم میں زکوۃ نہیں (۷۶) اور جب بیس ہو جائیں اور ان پر سال گذر جائے تو ان میں چالیسواں حصہ یعنی آدھا مثقال واجب ہوگا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالی عنہ کو لکھا تھا کہ ہر دوسو درہم سے پانچ درہم لینا اور بیس مثقال سے نصف مثقال لینا۔

(۷۷) پھر بیس مثقال پر اگر چار مثقال کا اضافہ ہو گیا تو نصف مثقال کے ساتھ دو قیراط (تقریباً پون دورتی) اور واجب

ہوں گے کیونکہ واجب تو چالیسواں حصہ ہے اور چار مثقال کا چالیسواں دو قیراط ہوتے ہیں اسلئے کہ ایک مثقال بیس قیراط کا ہوتا ہے لہذا چار مثقال اسی قیراط کے ہوئے اور اسی کا چالیسواں دو ہے اسلئے چار مثقال کی زکوۃ دو قیراط ہوگی۔ایک قیراط پانچ جو کے دانوں کے برابر ہوتا ہے پس ایک مثقال ایک سو جو کے وزن کے برابر ہوگا۔

(۷۸)وَلَيْسَ فِيمَادُونَ اَرْبَعَةِ مَثَاقِيْلَ صَدَقَةٌ عِنْدَاَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ مَازَادَعَلَى الْعِشْرِيْنَ فَزَكٰوتُهُ بِحِسَابِهَا۔

ترجمہ:۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک چار مثقال سے کم میں زکوۃ نہیں اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جو بیس مثقال پر زائد ہو تو اس کی زکوۃ اس کے حساب سے ہے۔

تشریح:۔(۷۸)یعنی اگر بیس مثقال پر چار مثقال سے کم کا اضافہ ہوا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس زیادتی میں زکوۃ واجب نہیں اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک بقدر حساب زکوۃ واجب ہوگی مثلاً بیس مثقال سے ایک مثقال زیادہ ہو تو زکوۃ میں آدھا مثقال اور آدھا قیراط واجب ہوگا کیونکہ بیس مثقال کا چالیسواں حصہ آدھا مثقال ہے اور ایک مثقال کا چالیسواں حصہ آدھا قیراط ہے۔اسی طرح کا اختلاف باب زکوۃ الفضہ میں بھی گذر چکا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دوسو درہم پر چالیس درہم سے کم اضافہ میں زکوۃ واجب نہیں اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک واجب ہے۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ کسور میں زکوۃ واجب قرار دینے میں حرج ہے اور حرج شرعاً مدفوع ہے۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول راجح ہے۔

(۷۹)وَفِي تِبْرِ الذَّهَبِ وَالفِضَّةِ وَحُلِيِّهِمَاوَالآنِيَةِ مِنْهُمَا زَكٰوةٌ۔

ترجمہ:۔اور سونے اور چاندی کی ڈلی اور ان کے زیورات اور انکے برتنوں میں زکوۃ ہے۔

تشریح:۔(۷۹) ہمارے نزدیک بغیر ڈھلے ہوئے سونے اور چاندی کے ٹکڑوں اور ان کے زیورات اور برتنوں میں زکوۃ واجب ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک عورتوں کے زیور اور مردوں کی چاندی کی انگوٹھی میں زکوۃ واجب نہیں۔امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ جس چیز کا استعمال مباح ہو اور عام طور پر استعمال بھی کی جاتی ہو تو اس میں روزمرہ کے استعمال کے کپڑوں کی طرح زکوۃ واجب نہیں۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ زکوۃ واجب ہونے کا سبب مال نامی (بڑھنے والا مال) ہے اور نمو دو طرح کا ہوتا ہے ایک خلقی (یعنی پیدائشی) جیسے سونے اور چاندی میں ہوتا ہے دوسرا فعلی جو بذریعہ تجارت پیدا ہو۔سونا چاندی میں نمو کی دلیل موجود ہے یعنی پیدائشی اور خلقی طور پر سونا، چاندی کا تجارۃ کیلئے مہیا ہونا ہے اور دلیل ہی معتبر ہے پس جب دلیل نمو موجود ہے تو یہ مال نامی ہے لہذا اس میں زکوۃ واجب ہوگی۔

بَابُ زَكٰوةِ الْعُرُوْض

یہ باب اسباب کی زکوۃ کے بیان میں ہے۔

عروض عرض کی جمع ہے سونے، چاندی کے ماسوی سامان کو کہتے ہیں۔عروض کی زکوۃ کا بیان نقدین سے مؤخر کردیا اسلئے کہ نقدین اصل ہیں کیونکہ نقدین سے قیمت لگا کر انکا نصاب معلوم کیا جاتا ہے۔

(۸۰) اَلزَّكٰوةُ وَاجِبَةٌ فِي عُرُوْضِ التِّجَارَةِ كَائِنَةً مَا كَانَتْ اِذَا بَلَغَتْ قِيْمَتُهَا نِصَابًا مِنَ الْوَرِقِ اَوِ الذَّهَبِ۔

ترجمہ:۔تجارتی مال میں زکوۃ واجب ہے خواہ وہ کسی قسم کا ہو جس وقت اس کی قیمت چاندی یا سونے کے نصاب کو پہنچ جائے۔

تشریح:۔(۸۰) یعنی تجارۃ کا سامان خواہ کسی بھی قسم کا ہو اس میں زکوۃ واجب ہے بشرطیکہ اسکی قیمت چاندی یا سونے کے نصاب کو پہنچ جاتی ہو اور مالک نے اس میں تجارۃ کی نیت کی ہو' لقول ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ قال لَيْسَ فِي الْعُرُوْضِ زَكٰوةٌ اِلَّا اِذَا كَانَ لِلتِّجَارَةِ'' (یعنی عروض میں زکوۃ نہیں الا یہ کہ تجارت کے لئے ہو)۔

(۸۱) وَيُقَوِّمُهَا بِمَا هُوَ اَنْفَعُ لِلْمَسَاكِيْنِ مِنْهُمَا وَقَالَ اَبُو يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ يُقَوِّمُ بِمَا اشْتَرَاهُ بِهِ فَاِنِ اشْتَرَاهُ بِغَيْرِ الثَّمَنِ يُقَوِّمُ بِالنَّقْدِ الْغَالِبِ فِي الْمِصْرِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ بِغَالِبِ النَّقْدِ فِي الْمِصْرِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ۔

ترجمہ:۔اور اس کی ایسی چیز سے قیمت لگائے جس میں فقیروں اور مسکینوں کا زیادہ فائدہ ہو اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسی سے اس کی قیمت لگائیں جس سے اسے خریدا ہو اور اگر روپیہ پیسہ سے نہیں خریدا ہو تو ایسی چیز سے قیمت لگائیں جس کا اس شہر میں زیادہ رواج ہو اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر حال میں اسی سے قیمت لگائیں جس کا اس شہر میں زیادہ رواج ہو۔

تشریح:۔(۸۱) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک سامان تجارت کی قیمت کا اندازہ سونا چاندی میں سے اس کے ساتھ لگائے جس میں فقراء اور مساکین کا نفع ہو مثلاً تجارۃ کا کچھ سامان ہے جس کی قیمت دوسو درہم کو تو پہنچ جاتی ہے مگر بیس مثقال کو نہیں پہنچتی ہے تو اس کو دراہم کے ساتھ اندازہ کرے اور اگر عکس ہو کہ اس سامان کی قیمت بیس مثقال سونے کو تو پہنچ جاتی ہو مگر دوسو درہم چاندی کی مالیت کو نہ پہنچتی ہو تو اسکی قیمت کا اندازہ سونے کے ساتھ کرے نہ کہ چاندی کے ساتھ۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے یہ قول فقراء کی رعایت کے پیش نظر کیا ہے۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ عروض جس چیز سے خریدا ہے اسی سے اس کی قیمت لگائیں اور اگر روپیہ پیسہ سے نہیں خریدا ہو تو ایسی چیز سے قیمت لگائیں جس کا اس شہر میں زیادہ رواج ہو۔امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر حال میں اسی سے قیمت لگائیں جس کا اس شہر میں زیادہ رواج ہو (امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول راجح ہے)۔

(۸۲) وَاِذَا كَانَ النِّصَابُ كَامِلًا فِي طَرَفَيِ الْحَوْلِ فَنُقْصَانُهُ فِيْمَا بَيْنَ ذٰلِكَ لَا يُسْقِطُ الزَّكٰوةَ۔

ترجمہ:۔اور جب سال کے اول اور آخر میں نصاب پورا ہو تو درمیان سال کی کمی زکوۃ کو ساقط نہیں کرتی۔

تشریح:۔(۸۲) یعنی اگر کسی کے پاس سال کے اول میں بھی پورا نصاب موجود ہو اور سال کے آخر میں بھی پورا نصاب موجود ہو البتہ

درمیانِ سال میں مال مقدارِ نصاب سے کم ہوگیا تھا تو اس صورت میں زکوۃ واجب ہوگی ساقط نہ ہوگی کیونکہ درمیان سال میں نصاب پورا رہنے کا اعتبار کرنے میں مشقت ہے کیونکہ صاحب مال مال میں تصرف کرتا ہے جس کی وجہ سے مال گھٹتا بڑھتا رہتا ہے اسلئے درمیان سال پورا نصاب رہنے کی شرط نہیں لگائی گئی ہے البتہ اگر درمیان سال پورا نصاب ہلاک ہوگیا تو زکوۃ واجب نہ ہوگی اسلئے کہ سال کے ایک حصہ میں نصاب بالکلیہ نہیں رہا تو حولان حول والی شرط نہ رہی حالانکہ وجوب زکوۃ کیلئے حولان حول شرط ہے۔

(۸۳)وَتُضَمُّ قِيمَةُ الْعُرُوْضِ اِلَى الذَّهَبِ وَالفِضَّةِ۔

ترجمہ:۔اور اسباب کی قیمت کو سونے اور چاندی میں ملایا جائیگا۔

تشریح:۔(۸۳)یعنی اگر کسی کے پاس سامان تجارت بقدر نصاب نہ ہو البتہ اس کے پاس کچھ سونا یا چاندی ہے تو سامان تجارۃ کی قیمت اس سونے یا چاندی کے ساتھ ملا کر نصاب کو پورا کیا جائیگا۔اسی طرح سامان تجارت اگر مختلف الجنس ہو تو بھی تکمیل نصاب کیلئے بعض کی قیمتیں بعض کے ساتھ ملادی جائینگی کیونکہ ہر چیز کے اندر وجوب زکوۃ کا سبب نصاب کا نامی ہونا ہے اور نماء ہر طرح کے سامان تجارت میں بھی موجود ہے اور سونا چاندی میں بھی موجود ہے۔

(۸٤)وَكَذَالِكَ يُضَمُّ الذَّهَبُ اِلَى الفِضَّةِ بِالْقِيمَةِ حَتّٰى يَتِمَّ النِّصَابُ عِنْدَاَبِي حَنِيفَةَ رَحِمه اللّٰه وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰه لَايُضَمُّ الذَّهَبُ اِلَى الْفِضَّةِ بِالقِيمَةِ وَيُضَمُّ بِالْاَجْزَاءِ۔

ترجمہ:۔اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قیمت کے اعتبار سے سونے کو چاندی کے ساتھ ملایا جائیگا یہاں تک کہ نصاب کامل ہوجائے اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ قیمت کے اعتبار سے سونے کو چاندی کے ساتھ نہیں ملایا جائیگا بلکہ اجزاء کے اعتبار سے ملایا جائیگا۔

تشریح:۔(۸٤)یعنی اگر کسی کے پاس نہ سونے کا پورا نصاب ہو اور نہ چاندی کا البتہ دونوں میں سے ہر ایک کے نصاب سے کم موجود ہے تو اگر دونوں کو ملا کر ایک نصاب ہو جاتا ہو تو اس صورت میں ہمارے نزدیک دونوں کو ملا کر زکوۃ واجب ہو جائیگی کیونکہ سونا چاندی میں اگر چہ ذات کے اعتبار سے اتحاد نہیں مگر وصف ثمنیت کے اعتبار سے متحد ہیں اور وصفِ ثمنیت ہی وجوب زکوۃ کا سبب ہے پس اس اتحادِ وصف کی وجہ سے ایک کو دوسرے کے ساتھ ضم کیا جائیگا۔

پھر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک نقدین کو قیمت کے اعتبار سے ایک کو دوسرے کے ساتھ ضم کیا جائیگا اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک اجزاء کے اعتبار سے ضم کیا جائیگا۔ثمرہ اختلاف اس مثال سے ظاہر ہوگا کہ کسی کے پاس سو درہم چاندی ہے، پانچ مثقال سونا ہے۔اور پانچ مثقال سونے کی قیمت ایک سو درہم کو پہنچ جاتی ہے تو دونوں کو ملا کر گویا کہ اس شخص کے پاس دو سو درہم ہیں تو باعتبار قیمت نصاب پورا ہونے کی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر زکوۃ واجب ہے۔مگر اجزاء کے اعتبار سے چونکہ نصاب پورا نہیں کیونکہ چاندی کا نصف اور سونے کا ایک ربع نصاب ہے دونوں کو ملا کر اجزاء کے اعتبار سے پونے ایک نصاب بنتا ہے لہذا صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک زکوۃ واجب نہیں۔اور اگر کسی کے پاس دس مثقال سونا اور سو درہم ہوں اور دس مثقال کی قیمت سو درہم کے برابر ہو تو

بالاتفاق اس پر زکوۃ واجب ہے۔

بَابُ زَكٰوةِ الزُّرُوْعِ وَالثِّمَارِ

یہ باب کھیتوں اور پھلوں کی زکوۃ کے بیان میں ہے۔

زکوۃ سے مراد یہاں عشر ہے پھر اسکو زکوۃ اسلئے کہا کہ عشر اور زکوۃ کا مصرف ایک ہے۔

اس باب کی ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ عشر اگر مسلمان سے لیا گیا تو یہ بعینہ زکوۃ اور عبادت ہے اور اگر غیر مسلم سے لیا گیا تو یہ زکوۃ اور عبادت نہیں پس اسی وجہ سے زکوۃ کو عشر سے مقدم کیا ہے کہ وہ محض عبادت ہے اور عشر میں غیر کی آمیزش بھی ہے۔

(۸۵)قَالَ اَبُوْحَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِي قَلِيلِ مَااَخْرَجَتْهُ الْاَرْضُ وَكَثِيرِهِ الْعُشْرُ وَاجِبٌ سَوَاءٌ سُقِيَ سَيْحاًاَوْسَقَتْهُ السَّمَاءُ(۸٦)اِلَّاالْحَطَبَ وَالْقَصَبَ وَالْحَشِيْشَ وَقَالَ اَبويوسف رَحِمَهُ اللّٰهُ وَمُحَمَّدرَحِمَهُ اللّٰهُ لَايَجِبُ الْعُشْرُ اِلَّافِيْمَالَه ثَمْرَةٌ بَاقِيَةٌ اِذَابَلَغَتْ خَمْسَةَ اَوْسُقٍ وَالْوَسَقُ سِتُّوْنَ صَاعاًبِصَاعِ النَّبِيِّ ﷺ وليس فِي الْخَضْرَاوَاتِ عِنْدَهُمَاعُشْرٌ۔

توجمه:۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زمین کی پیداوار میں دسواں حصہ واجب ہے خواہ پیداوار کم ہو یا زیادہ خواہ جاری پانی سے سیراب کیا گیا ہو یا بارش کے پانی سے سوائے لکڑی، بانس اور گھاس کے اور امام ابویوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عشر واجب نہیں مگر ان میں جن کے پھل باقی رہتے ہوں جب وہ پھل پانچ وسق کو پہنچ جائے اور وسق حضور ﷺ کے صاع سے ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک سبزیوں میں عشر نہیں۔

تشریح:۔(۸۵)امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک زمین کی پیداوار میں عشر واجب ہے خواہ پیداوار کم ہو یا زیادہ ایک سال تک باقی رہ سکتی ہو یا نہیں اور خواہ زمین کو نہر وغیرہ کے جاری پانی سے سیراب کیا ہو یا بارش کے پانی سے بہر صورت عشر واجب ہے(۸٦)البتہ نرکل، جلانے کی لکڑی اور گھاس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عشر واجب نہیں اسی طرح ہر وہ چیز ہے جو زمین کی مقصودی پیداوار نہ ہو اور اگر مقصودی پیداوار ہو تو اس میں عشر ہے اگر چہ گھاس ہی کیوں نہ ہو۔

صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک پانچ وسق (ایک وسق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاع سے ساٹھ صاع کا ہوتا ہے پس پانچ وسق تین سو صاع کے برابر ہونگے اور ایک صاع چار من کا ہوتا ہے اور ایک من دو رطل کا اور ایک رطل چونتیس تولہ ڈیڑھ ماشہ کا ہوتا ہے) سے کم پیداوار میں عشر نہیں "لِقَوله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ فِي مَا دُوْنَ خَمْسَةَ اَوسقٍ صَدَقَةٌ" (یعنی پانچ وسق سے کم میں زکوۃ نہیں)۔

صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ پیداوار کیلئے بقاء ہو یعنی بغیر علاج (علاج سے مراد مثلاً مختلف قسم کے کیمیکل وغیرہ لگا کر باقی رکھا جاتا ہے یا کولڈ اسٹوریج میں رکھا جاتا ہے) کے ایک سال تک باقی رہ سکتی ہو جیسے گندم، جو وغیرہ لہذا سبزیوں وغیرہ میں عشر واجب نہ ہوگا کیونکہ ان کیلئے بقاء نہیں دلیل پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "لَيْسَ فِي الْخَضْرَاوَاتِ صَدَقَةٌ" (یعنی سبزیوں میں

زکوۃ نہیں) ہے۔ اور سبزیوں میں عشر واجب نہ ہونے کی علت ان کا باقی نہ رہنا ہے لہذا جو بھی پیداوار بغیر علاج کے باقی نہ رہ سکتی ہو اس میں عشر واجب نہ ہوگا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول "مَا اَخرَجَتِ الاَرضُ فَفِیهِ العُشرُ" (یعنی جو کچھ زمین نے نکالا تو اس میں عشر ہے) ہے کیونکہ یہ حدیث مطلق ہے باقی رہنے اور نہ رہنے کی کوئی قید نہیں۔ نیز اس میں پیداوار کی کم یا زیادہ ہونے کی بھی کوئی قید نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول راجح ہے۔

(۸۷)وَمَاسُقِیَ بِغَرْبٍ اَوْدَالِیَةٍ اَوْسَانِیَةٍ فَفِیهِ نِصفُ العُشْرِ عَلَی القَوْلَینِ۔

ترجمہ:۔ اور جو زمین بڑے ڈول یا رہٹ یا اونٹنی سے سیراب کی جائے اس میں نصف عشر (بیسواں حصہ) ہے دونوں قولوں کے مطابق۔

تشریح:۔ غرب بڑا ڈول، دالیہ رہٹ جس پر بہت سے ڈول باندھے جاتے ہیں پھر اسکو بیل وغیرہ گھماتے ہیں۔ سانیہ اونٹنی جس کے ذریعہ سینچائی کی جاتی ہے۔

(۸۷) یعنی اگر زمین کو بڑے ڈول یا رہٹ یا اونٹنی کے ذریعہ سیراب کیا جائے تو امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین رحمہما اللہ دونوں کے نزدیک اس میں نصف عشر (بیسواں حصہ) واجب ہوگا کیونکہ ان صورتوں میں مشقت زیادہ ہے اس لئے ان صورتوں میں نصف عشر واجب ہوگا۔ اور اگر نہر یا بارش کے پانی سے سیراب کیا ہو تو چونکہ اس مشقت کم ہے اس لئے اس میں عشر (دسواں حصہ) واجب ہوگا۔

(۸۸)قَالَ اَبُو یُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِیمَا لایُوسَقُ کَالزَّعْفَرَانِ وَالقُطنِ یَجِبُ فِیهِ العُشْرُ اِذَابَلَغَتْ قِیمَتُه قِیمَةَ خَمسَةِ اَوْسُقٍ مِنْ اَدْنٰی مَایَدْخُلُ تَحتَ الوَسَقِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ یَجِبُ العُشْرُ اِذَابَلَغَ الخَارِجُ خَمسَةَ اَمْثَالٍ مِنْ اَعْلٰی مایُقَدَّرُبِه نَوْعُهُ فَاعْتُبِرَفِی القُطنِ خَمسَةَ اَحْمَالٍ وَفِی الزَّعْفَرانِ خَمسَةُ اَمْنَاءٍ۔

ترجمہ:۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو چیزیں وسق سے نہ ناپی ہوں جیسے زعفران اور روئی تو ان میں عشر اس وقت واجب ہوتا ہے جب ان کی قیمت ایسی ادنیٰ درجہ کی پانچ وسق کی قیمت کو پہنچ جائے جو وسق سے ناپی جاتی ہوں اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عشر اس وقت واجب ہوتا ہے کہ جب پانچ عدد اعلیٰ اس مقدار کو پہنچ جائے جس کے ساتھ اس نوع کی چیزوں کا اندازہ کیا جاتا ہے پس روئی کے اندر پانچ حمل کا اعتبار کیا ہے اور زعفران کے اندر پانچ من کا اعتبار کیا ہے۔

تشریح:۔ (۸۸) صاحبینؒ کے نزدیک زمین کی پیداوار میں وجوب عشر کیلئے اس کا پانچ وسق کی مقدار ہونا ضروری ہے اس سے کم میں عشر واجب نہیں لیکن جن چیزوں کی خرید وفروخت وسق کے ساتھ نہ کی جاتی ہو جیسے زعفران، روئی وغیرہ تو ان کے بارے میں صاحبین رحمہما اللہ کا آپس میں اختلاف ہے۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک غیر وسقی چیزوں کی قیمت اگر ادنی درجہ کی وسقی چیزوں میں سے کسی چیز کے پانچ وسق کی قیمت کے برابر ہو جاتی ہے تو اس میں عشر واجب ہوگا مثلاً فرض کرلیں کہ وسقی چیزوں میں ادنیٰ قیمت والی چیز باجرہ ہے تو اگر سو گرام

زعفران کی قیمت پانچ وسق باجرہ کی قیمت کے برابر ہو جاتی ہے تو سو گرام زعفران میں عشر واجب ہوگا کیونکہ غیر وسقی چیزوں کو شرعی نصاب یعنی پانچ وسق کے ساتھ اندازہ کرنا ممکن نہیں اسلئے قیمت کا اعتبار کیا گیا ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک غیر وسقی چیزوں میں اعلیٰ درجہ کا معیار معتبر ہے یعنی غیر وسقی چیز کو جس معیار سے اندازہ کیا جاتا ہے اس میں جو سب سے اعلیٰ معیار ہو اگر وہ پانچ گنا کو پہنچ جائے تو اس میں عشر واجب ہوگا مثلاً روئی میں سب سے اعلیٰ معیار حمل یعنی اونٹ کا بار ہے لہذا جب روئی پانچ حمل کو پہنچ جائے تو امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس میں عشر واجب ہو جائیگا اسی طرح جب زعفران پانچ من کو پہنچ جائے تو اس میں عشر واجب ہو جائیگا وجہ یہ ہے کہ کیلی چیزوں میں سب سے اعلیٰ معیار وسق ہی ہوتا ہے پس معلوم ہوا کہ وسق کا اعتبار اسی لئے کیا گیا ہے کہ وہ سب سے اعلیٰ معیار ہے لہذا غیر وسقی چیزیں بھی جب سب سے اعلیٰ معیار کو پہنچ جائیں تو ان میں عشر واجب ہوگا۔

(۸۹)وَفِي الْعَسَلِ عُشْرٌ اِذَا اُخِذَ مِنْ اَرْضِ الْعُشْرِ قَلَّ اَوْ كَثُرَ وَقَالَ اَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ لَا شَيْءَ فِيهِ حَتّٰى تَبْلُغَ عَشَرَةَ اَزْقَاقٍ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللهُ خَمْسَةَ اَفْرَاقٍ وَالفَرَقُ سِتَّةٌ وَّثَلٰثُوْنَ رِطْلًا بِالعِرَاقِي۔

ترجمہ :۔ اور شہد میں عشر ہے بشرطیکہ وہ عشری زمین سے حاصل کیا گیا ہو خواہ کم ہو یا زیادہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شہد میں کچھ نہیں یہاں تک کہ وہ دس مشکیزوں کو پہنچ جائے اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب پانچ فرق ہو اور فرق عراقی چھتیس رطل کا ہوتا ہے۔

تشریح :۔ (۸۹) امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک شہد میں عشر واجب ہے خواہ کم ہو یا زیادہ بشرطیکہ عشری زمین سے حاصل کیا گیا ہو نفس وجوب عشر کی دلیل تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک "فِي الْعَسَلِ الْعُشْرُ" (یعنی شہد میں عشر ہے) ہے یہی قول راجح ہے۔

پھر حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ وجوب عشر میں نصاب کا اعتبار نہیں کرتے اسلئے قلیل وکثیر ہر دو میں عشر واجب ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک شہد کی مقدار اگر دس مشکیزہ (ایک مشکیزہ پچاس من کا ہوتا ہے) کے بقدر ہو تو اس میں عشر واجب ہوگا کیونکہ عبداللہ عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ بنو شبابہ کے پاس شہد کی مکیاں تھیں وہ لوگ ہر دس مشکیزوں میں سے ایک مشکیزہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے۔

امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک شہد کا نصاب پانچ فرق (فرق بفتحتین سولہ رطل کے برابر ایک برتن ہے اور ایک رطل چونتیس تولہ ڈیڑھ ماشہ کا ہوتا ہے) ہے پس اگر شہد بقدر پانچ فرق ہو تو عشر واجب ہوگا ورنہ نہیں کیونکہ جن پیمانوں سے شہد کا اندازہ کیا جاتا ہے ان میں سب سے اعلیٰ پیمانہ فرق ہے۔ اور امام محمد رحمہ اللہ کا اصل گذر گیا کہ شی جب اپنے سب سے اعلیٰ پیمانہ سے پانچ گنا کو پہنچ جائے تو اس میں عشر واجب ہوگا۔

رطل ادھا سیر کا ہوتا ہے سولہ رطل آٹھ سیر ہوئے اس حساب سے کل چالیس سیر ہونگے۔

(۹۰)وَلَیسَ فِی الخَارِجِ مِنْ اَرْضِ الخَرَاجِ عُشْرٌ۔

ترجمہ:۔اور خراجی زمین کی پیداوار میں عشر نہیں۔

تشریح:۔(۹۰)یعنی جس زمین سے خراج لیا جاتا ہو اس کی پیداوار میں عشر واجب نہیں "لقوله صلّی اللّٰه علیه وسلم لا تَجْتَمِعُ عُشْرٌ وَخَرَاجٌ" (یعنی ایک زمین میں عشر اور خراج جمع نہیں ہوتے)۔

بَابُ مَنْ يَجُوزُ دَفْعُ الصَّدَقَةِ اِلَيهِ وَمَنْ لاَيَجُوزُ

یہ باب ان لوگوں کے بیان میں ہے جن کو زکوۃ دینا جائز ہے اور جن کو جائز نہیں۔

امام قدوری رحمہ اللہ زکوۃ اور متعلقات زکوۃ یعنی عشر وغیرہ سے فارغ ہو گئے تو اب ضروری ہوا کہ یہ بیان کرے کہ ان اشیاء کا مصرف کون ہیں اسلئے امام قدوری رحمہ اللہ نے مصرف زکوۃ وغیرہ کو شروع فرمایا۔

(۹۱)قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ الآية فَهٰذِه ثَمَانِيَةُ اَصْنَافٍ(۹۲)فَقَدْسَقَطَ مِنهَا الْمُؤَلَّفَةُ قُلُوْبُهُمْ لِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی اَعَزَّ الْاِسْلَامَ وَاَغْنٰی عَنْهُمْ(۹۳)وَالفَقِيرُ مَنْ لَه اَدْنٰی شَیٍٔ وَالْمِسْكِيْنُ مَنْ لاشَیٔ لَه (۹۴)وَالعَامِلُ يَدْفَعُ اِلَيْهِ الْاِمَامُ اِنْ عَمِلَ بِقَدْرِ عَمَلِه(۹۵)وَفِی الرِّقَابِ اَنْ يُعَانَ الْمُكَاتَبُوْنَ فِی فَكِّ رِقَابِهِمْ (۹۶)وَالغَارِمُ مَنْ لَزِمَه دَيْنٌ (۹۷)وَفِی سَبِيلِ اللّٰهِ مُنْقَطِعُ الْغُزَاةِ(۹۸)وَابْنُ السَّبِيلِ مَنْ كَانَ لَه مَالٌ فِی وَطَنِه وَهُوَفِی مَكَانٍ آخَرَلاشَیْٔ لَه فِيهِ فَهٰذِه جِهَاتُ الزَّكٰوةِ۔

ترجمہ:۔باری تعالی کا ارشاد ہے انما الصدقات للفقراء والمساکین الخ پس اس آیت مبارکہ میں آٹھ قسم کے لوگوں کا ذکر ہے اور مؤلفۃ القلوب ان میں سے ساقط ہو گئے ہیں اس لئے کہ اب اسلام کو اللہ تعالی نے عزت دیدی ہے اور ان سے مستغنی کر دیا ہے اور فقیر وہ ہے جس کے پاس تھوڑا سا مال ہو اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو اور عامل کو امام اسکے عمل کے بقدر دیگا اگر اس نے عمل کیا ہو اور گردنوں کے چھڑانے میں وہ یہ کہ مکاتبوں کی ان کی گردنوں کے چھڑانے میں مدد کی جائے اور غارم وہ شخص ہے جس کے ذمہ قرض لازم ہو اور فی سبیل اللہ سے مراد وہ ہیں جو غازیوں سے منقطع ہو اور ابن سبیل وہ ہے جس کے لئے مال اس کے وطن میں ہو اور کسی دوسری جگہ میں ہو جہاں اس کے پاس کچھ نہ ہو پس یہ مصارف زکوۃ ہیں۔

تشریح:۔مصارف زکوۃ کے بارے میں اصل باری تعالی کا یہ ارشاد ہے ﴿اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ الخ﴾ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالی نے آٹھ اقسام ذکر فرمائے ہیں۔/ **نمبر ۱**۔مصارف زکوۃ میں سے پہلی قسم مؤلفۃ القلوب ہیں مؤلفۃ القلوب تین قسم کے لوگ ہیں۔/ **نمبر ۱**۔وہ کفار جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے زکوۃ دیا کرتے تا کہ وہ اسلام لائے اور ان کی اسلام لانے سے ان کی قوم اسلام لائے۔/ **نمبر ۲**۔وہ لوگ جو اسلام لائے مگر ان کا اعتقاد کمزور تھا تو انکو ثابت قدم رکھنے کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم زکوۃ دیتے تھے۔/ **نمبر ۳**۔وہ کفار جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسلئے زکوۃ دیتے تھے تا کہ ان کے شر سے مسلمان محفوظ ہوں۔ مگر آیت مبارکہ

میں ذکر آٹھ قسموں میں سے یہ قسم (یعنی مؤلفۃ القلوب) اب ساقط ہوگئی ہے کیونکہ اللہ تعالی نے اب اسلام کو غالب کر کے ان لوگوں سے بے پرواہ کر دیا ہے۔

/نمبر ۲۔فقراء جن کے پاس کچھ مال ہو مگر بقدر نصاب نہ ہو۔/نمبر ۳۔مساکین جن کے پاس کچھ نہ ہو۔مساکین فقراء سے بدحال ہیں وقد قیل علی العکس۔/نمبر ۴۔عاملین (جو امام کی طرف سے ارباب صدقات سے صدقات وصول کرنے پر مامور ہوں) سلطان عامل اور اس کے ساتھ کام کرنے والوں کو ان کے عمل کے بقدر دیگا حتی کہ اگر لوگوں نے مال زکوۃ خود لا کر امام کو دے دیا یا مال زکوۃ عامل کے ہاتھ میں ہلاک ہوا تو عامل مستحق نہ ہوگا کیونکہ عامل کو اسکے عمل کی وجہ سے دیا جاتا ہے اور عمل پایا نہیں گیا اسلئے وہ مستحق بھی نہ ہوگا۔

/نمبر ۵۔مصارف زکوۃ میں سے پانچواں قسم "وفی الرقاب" ہے یعنی مال زکوۃ سے مکاتب غلام کی مال کتابت ادا کرنے میں مدد کی جائے۔/نمبر ۶۔مصارف زکوۃ میں سے چھٹی قسم غارمین ہیں غارم وہ شخص ہے جس کے ذمہ لوگوں کا قرضہ لازم ہو اور وہ قرضہ سے زائد مقدار نصاب کا مالک نہ ہو۔

/نمبر ۷۔مصارف زکوۃ میں سے ساتواں قسم "وفی سبیل اللہ" ہے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک فی سبیل اللہ سے مراد ایسے غازی ہیں جن کے گھر پر تو مال موجود ہو مگر اس وقت سفر جہاد میں اس کے پاس مال نہیں۔امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک وہ حاجی مراد ہے جس کے پاس سفر حج میں مال نہیں۔بعض کے نزدیک طلباء علم مراد ہیں بدائع میں ہے کہ تمام طرق قرب مراد ہیں (امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول راجح ہے)۔

/نمبر ۸۔مصارف زکوۃ میں سے ابن سبیل ہے۔ابن سبیل سے مراد وہ مسافر ہے جس کا مال اسکے وطن میں ہو مگر اس وقت حالت سفر میں اسکے پاس کچھ نہیں اس کیلئے اتنی زکوۃ لینا جائز ہے جو اس کے گھر تک پہنچنے میں اس کی کفایت کرے اس سے زیادہ جائز نہیں۔

(۹۹)وَلِلْمَالِکِ اَنْ یَدْفَعَ اِلیٰ کُلِّ وَاحِدٍ مِنْھُمْ(۱۰۰)وَلَہٗ اَنْ یَقْتَصِرَ عَلیٰ صِنْفٍ وَاحِدٍ(۱۰۱)وَلَا یَجُوْزُ اَنْ یَدْفَعَ الزَّکٰوۃَ اِلیٰ ذِمِّیٍّ۔

ترجمہ:۔اور مالک کو یہ اختیار ہے کہ چاہے تو ان میں سے ہر ایک کو دیدے اور چاہے تو ایک قسم کے لوگوں پر اکتفاء کرے اور ذمی کو زکوۃ دینا جائز نہیں۔

تشریح:۔(۹۹)یعنی مذکورہ سات قسم کے لوگ ہمارے نزدیک زکوۃ کے مصرف ہیں مگر زکوۃ کے مستحق نہیں لہذا اگر صاحب مال زکوۃ ان ساتوں اقسام کو دیدے تب بھی جائز ہے (۱۰۰)اور اگر پوری زکوۃ ایک ہی صنف کے لوگوں کو دیدے تب بھی جائز ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول یہ ہے کہ ساتوں قسم کے لوگ زکوۃ کے مستحق ہیں لہذا ہر قسم کے تین تین افراد یعنی کم از کم اکیس افراد کو زکوۃ دینا ضروری ہے۔امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ آیت مبارکہ میں صدقات کو مصارف کی طرف لام کے واسطے سے

مضاف کیا گیا ہے اور لام استحقاق کے لئے آتا ہے لہذا ساتوں اقسام زکوۃ کے مستحق ہیں۔

ہماری دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول "فی ای صنف وضعته اجزاک" (یعنی سات اقسام میں سے جس کو بھی زکوۃ دیدیا تو جائز ہے) ہے جو اسی آیت کی تشریح میں فرمایا ہے لہذا ساتوں اقسام کو دینا ضروری نہیں۔

(۱۰۱) کسی ذمی (ذمی اس کافر کو کہتے ہیں جو بادشاہ کی اجازت سے دارالاسلام میں رہنے لگا ہو) کو زکوۃ دینا جائز نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا تھا "خذها من اغنیائهم (ای المسلمین) وردها فی فقرائهم (ای المسلمین)" یعنی زکوۃ مسلمان مالداروں سے لے اور ان ہی کے فقیروں پر خرچ کریں لہذا غیر مسلم کو زکوۃ دینا جائز نہیں۔

(۱۰۲) وَلَایُبْنیٰ بِهَا مَسْجِدٌ (۱۰۳) وَلَایُکَفَّنُ بِهَا مَیِّتٌ (۱۰۴) وَلَایُشْتَرٰی بِهَا رَقَبَةٌ یُعْتَقُ (۱۰۵) وَلَاتُدفَعُ اِلٰی غَنِیٍّ (۱۰۶) وَلَایَدفَعُ الْمُزَکّی زَکٰوتَه اِلٰی اَبِیْه وَجَدِّه وَاِنْ عَلا وَلَااِلٰی وَلَدِه وَوَلَدِوَلَدِه وَاِنْ سَفَلَ وَلَااِلٰی اُمِّه وَجَدَّاتِه وَاِنْ عَلَتْ وَلَااِلٰی اِمْرَاَتِه (۱۰۷) وَلَاتَدفَعُ الْمَرْاَةُ اِلٰی زَوْجِهَا عِندَ اَبِی حَنِیْفَةَ رَحِمه اللّٰه وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰه تَدفَعُ اِلَیْه۔

ترجمه: اور زکوۃ کے مال سے نہ مسجد بنائی جائے اور نہ اس سے میت کو کفن دیا جائے اور نہ آزاد کرنے کے لئے اس سے کوئی غلام خریدا جائے اور نہ زکوۃ غنی کو دی جائے اور نہ زکوۃ دینے والا اپنی زکوۃ اپنے باپ اور دادا کو دے اگر چہ اوپر کے درجہ کا ہو اور نہ اپنے بیٹے، پوتے کو دے اگر چہ نیچے درجہ کا ہو اور نہ اپنی ماں اور دادی کو دے اگر چہ اوپر کے درجہ کی ہو اور نہ اپنی بیوی کو دے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عورت اپنی شوہر کو زکوۃ نہ دے اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ عورت اپنے شوہر کو زکوۃ دے سکتی ہے۔

تشریح: (۱۰۲) یعنی زکوۃ کے مال سے نہ مسجد بنانا جائز ہے (۱۰۳) اور نہ کسی میت کو کفن دینا جائز ہے کیونکہ زکوۃ میں تملیک (یعنی فقیر کو مالک بنانا) رکن ہے جبکہ مسجد تعمیر کرنے میں تملیک کا معنیٰ نہیں پایا جاتا۔ اور چونکہ میت کے اندر بھی مالک بننے کی صلاحیت نہیں اسلئے زکوۃ کی رقم سے اس کو کفن دینا بھی جائز نہ ہوگا۔

(۱۰۴) زکوۃ کے مال سے کسی غلام کو خرید کر آزاد نہیں کیا جاسکتا کیونکہ آزاد کرنے سے غلام پر سے مالک کی ملک ساقط ہوتی ہے اور سقوط ملک تملیک نہیں حالانکہ تملیک زکوۃ میں رکن ہے (۱۰۵) جو شخص غنی ہو (یعنی کسی بھی نصاب کا مالک ہو) اسکو زکوۃ دینا جائز نہیں "لقوله صلى الله عليه وسلم لاتحل الصدقة لغنی" (یعنی کسی غنی کو زکوۃ لینا حلال نہیں)۔

(۱۰۶) زکوۃ دینے والا اپنے مال کی زکوۃ نہ اپنے باپ کو دے اور نہ دادا کو اور نہ اس سے اوپر کے اصول کو۔ اور نہ اپنی اولاد کو زکوۃ دے کیونکہ منافع املاک ان کے درمیان متصل ومشترک ہوتے ہیں لہذا کامل تملیک متحقق نہ ہوگی حالانکہ تملیک رکن ہے۔

(۱۰۷) میاں، بیوی کے درمیان بھی منافع مشترک ہوتے ہیں لہذا شوہر کا اپنی بیوی کو زکوۃ دینا جائز نہیں اسی وجہ سے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بیوی بھی اپنے شوہر کو زکوۃ نہیں دے سکتی مگر صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک بیوی کا شوہر کو زکوۃ دینا جائز ہے

صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے شوہر پر صدقہ کے بارے میں دریافت کیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا "لکِ اَجرَانِ اَجرُ الصَّدقۃِ وَاَجرُ الصِّلۃِ" یعنی تیرے لئے دو اجر ہیں ایک صدقہ کا دوسرا صلہ رحمی کا۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ جواب دیتے ہیں کہ یہ حدیث شریف نفلی صدقہ پر محمول ہے لہٰذا فرض زکوۃ خاوند کو دینا جائز نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول راجح ہے۔

(۱۰۸) وَلَایَدْفَعُ اَلیٰ مُکَاتَبِہٖ وَلَامَمْلُوکِہٖ (۱۰۹) وَلَا مَمْلُوکِ غَنِیٍّ (۱۱۰) وَلَاوَلَدِغَنِیٍّ اِذَا کَانَ صَغِیراً۔

توجمہ:۔ اور نہ دے زکوۃ اپنے مکاتب کو اور اپنے غلام کو اور نہ کسی غنی کے غلام کو اور نہ غنی کے بیٹے کو جبکہ وہ نابالغ ہو۔

تشریح:۔ (۱۰۸) یعنی زکوۃ دینے والا اپنے مکاتب اور اپنے غلام کو زکوۃ نہ دے کیونکہ تملیک نہیں پائی جاتی ہے اسلئے کہ مملوک کی کمائی مولی کیلئے ہوتی ہے اور مکاتب کی کمائی میں مولی کا حق ہوتا ہے پس ان کو زکوۃ دینا گویا اپنے آپ کو زکوۃ دینا ہے لہٰذا تملیک تام نہ ہونے کی وجہ سے جائز نہیں (۱۰۹) اسی طرح غنی شخص کے غلام کو بھی زکوۃ دینا جائز نہیں کیونکہ مملوک کا مال مولی کی ملک ہوتا ہے تو غنی کے مملوک کو زکوۃ دینا غنی کو زکوۃ دینا ہے جو کہ جائز نہیں۔

(۱۱۰) اسی طرح غنی شخص کے نابالغ بچہ کو زکوۃ دینا جائز نہیں کیونکہ نابالغ اولاد اپنے باپ کے مال کی وجہ سے غنی شمار ہوتی ہے البتہ بالغ اولاد باپ کی غناء کی وجہ سے غنی شمار نہیں ہوتی اسلئے اگر غنی کی بالغ اولاد فقیر ہو تو انکو زکوۃ دینا جائز ہے۔

(۱۱۱) وَلَایَدْفَعُ اِلیٰ بَنِی ھَاشِمٍ (۱۱۲) وَھُمْ آلِ علیؓ وَآلُ عَبَاسٍؓ وَآلُ جَعفرٍؓ وَآلُ عُقَیلٍ وَآلُ حَارثؓ بن عَبدِ المُطَّلِبِ (۱۱۳) وَمَوَالِیھِمْ۔

توجمہ:۔ اور بنو ہاشم کو زکوۃ نہ دے اور وہ حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ، حضرت جعفرؓ، حضرت عقیلؓ اور حضرت حارث ابن عبدالمطلب کی اولاد ہیں اور ان (بنو ہاشم) کے غلاموں کو بھی نہ دے۔

تشریح:۔ (۱۱۱) یعنی بنو ہاشم کو زکوۃ دینا جائز نہیں "لقولہ صلّی اللہ علیہ وسلم اِنَّ ھٰذِہِ الصَّدَقَاتِ اِنَّمَاھِیَ اَوْسَاخُ النَّاسِ وَاِنَّھَا لَاتَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَلَالِآلِ مُحَمَّدٍ" (یعنی صدقات لوگوں کے اوساخ ہیں اور یہ محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ کے لئے حلال نہیں) (۱۱۲) بنو ہاشم سے مراد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور انکی اولاد، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور انکی اولاد، حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور انکی اولاد، حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی اولاد اور حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عبدالمطلب اور انکی اولاد ہیں۔

(۱۱۳) بنو ہاشم کے آزاد کردہ غلام بھی حرمت زکوۃ میں بنو ہاشم کے حکم میں ہیں "لقولہ صلّی اللہ علیہ وسلم مَوْلَی الْقَوْمِ مِنْ اَنْفُسِھِمْ وَاِنَّالَاتَحِلُّ لَنَاالصَّدَقَۃُ" (یعنی کسی قوم کا مولی اسی قوم کا آدمی ہوتا ہے اور ہمارے لئے صدقہ حلال نہیں)۔

(۱۱٤) وَقَالَ اَبُو حَنِيفَةَ رَحمَه اللهُ وَمُحَمَّدٌ اِذَا دَفَعَ الزَّكٰوةَ اِلٰى رَجُلٍ يَظُنُّهُ فَقِيرًا ثُمَّ بَانَ اَنَّه غَنِيٌّ اَوْهَاشِمِيٌّ اَوْكَافِرٌ (۱۱۵) اَوْدَفَعَ فِي ظُلْمَةٍ اِلٰى فَقِيرٍ ثُمَّ بَانَ اَنَّه اَبُوهُ اَوِابْنُه فَلَا اِعَادَةَ عَلَيْه وَقَالَ اَبُويُوسُفَ رَحمه اللهُ وَعَلَيْه الْاِعَادَةُ۔

ترجمہ:۔ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے کسی کو فقیر سمجھ کر زکوۃ دیدی پھر ظاہر ہوا کہ وہ غنی ہے یا ہاشمی ہے یا کافر ہے یا اندھیرے میں کسی فقیر کو زکوۃ دیدی پھر معلوم ہوا کہ وہ تو اس کا باپ ہے یا بیٹا ہے تو اس پر اعادۂ زکوۃ لازم نہیں اور امام ابویوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس پر اعادۂ زکوۃ لازم ہے۔

تشریح:۔ (۱۱٤) یعنی اگر مزکی نے کسی کو زکوۃ کا مصرف سمجھ کر زکوۃ دیدی پھر معلوم ہوا کہ وہ آدمی تو غنی ہے یا ہاشمی ہے یا کافر ہے (۱۱۵) یا رات کی تاریکی میں زکوۃ دی پھر ظاہر ہوا کہ اس نے تو اپنے بیٹے کو زکوۃ دی ہے تو طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک مزکی کی زکوۃ ادا ہوگئی اس پر دوبارہ زکوۃ دینا لازم نہ ہوگا۔ امام ابویوسف رحمہ اللہ کے نزدیک زکوۃ ادا نہیں ہوئی ہے اور دوبارہ زکوۃ دینا لازم ہے۔

امام ابویوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ اسکی خطاء یقین کے ساتھ ظاہر ہوگئی اور مزکی کیلئے کسی کے مصرف زکوۃ ہونے اور نہ ہونے کا علم حاصل کرنا ممکن بھی ہے اب جو اس نے مصرف زکوۃ نہ ہونا معلوم نہیں کیا ہے تو یہ غفلت مزکی کی طرف سے ہے اس لئے غلطی کی صورت میں اعادہ لازمی ہے۔

طرفین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ معن بن یزید رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ میرے باپ یزید رضی اللہ تعالی عنہ نے کچھ اشرفیاں نکالیں تا کہ ان کو صدقہ کر لے پس ان کو مسجد میں ایک شخص کے پاس رکھدیں پھر میں ان اشرفیوں کو لیکر چلا آیا تو میرے باپ نے کہا واللہ میں نے تیری نیت نہیں کی تھی پس میں نے یہ معاملہ دربار رسالت میں پیش کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے یزید رضی اللہ تعالی عنہ تیرے لئے وہ ثواب ہے جو تو نے نیت کی ہے اور اے معن رضی اللہ تعالی عنہ تیرے لئے یہ اشرفیاں ہیں جو تو نے لے لیں۔ تو حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یزید کو اعادہ زکوۃ کا حکم نہیں دیا ہے لھذا معلوم ہوا کہ اگر غیر مصرف میں زکوۃ ادا کرنے کا علم بعد میں ہو گیا تو مزکی پر اعادہ زکوۃ واجب نہیں۔ یہی قول راجح ہے۔

(۱۱٦) وَلَوْدَفَعَ اِلٰى شَخْصٍ ثُمَّ عَلِمَ اَنَّه عَبْدُهُ اَوْمُكَاتَبُهُ لَمْ يَجْزْ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا۔

ترجمہ:۔ اور اگر کسی کو زکوۃ دی پھر معلوم ہوا کہ وہ اس کا غلام یا مکاتب ہے تو سب کے نزدیک یہ زکوۃ جائز نہیں۔

تشریح:۔ (۱۱٦) یعنی اگر زکوۃ دینے والے نے کسی کو مصرف زکوۃ سمجھ کر زکوۃ دیدی پھر معلوم ہوا کہ وہ تو اسکا غلام ہے یا اس کا مکاتب ہے تو اسکی یہ زکوۃ ادا نہ ہوگی کیونکہ غلام میں ملک کی اہلیت نہ ہونے کی وجہ تملیک معدوم ہوگئی حالانکہ تملیک رکن ہے۔ اور اپنے مکاتب کو زکوۃ دینے کی صورت میں بھی ادا نہ ہوگی کیونکہ مکاتب کو دینے کی صورت میں تملیک کامل نہیں۔

☆ ☆ ☆

(۱۱۷)وَلَايَجُوزُدَفْعُ الزَّكٰوةِ اِلٰى مَنْ يَمْلِكُ نِصَابًامِنْ اَىِّ مَالٍ كَانَ (۱۱۸)وَيَجُوزُدَفْعُهَااِلٰى مَنْ يَمْلِكُ اَقَلَّ مِنْ ذَالِكَ وَاِنْ كَانَ صَحِيْحًامُكْتَسِبًا۔

ترجمہ:۔اور ایسے شخص کو زکوۃ دینا جائز نہیں جو نصاب کا مالک ہو خواہ وہ مال کسی قسم کا ہو اور ایسے شخص کو زکوۃ دینا جائز ہے جو اس سے کم کا مالک ہو اگر چہ وہ تندرست کمانے والا ہو۔

تشریح:۔(۱۱۷)یعنی اگر کوئی مقدار نصاب کا مالک ہو خواہ نصاب سونے چاندی کا ہو یا جانوروں اور عروض کا ہو بشرطیکہ حاجت اصلیہ سے فاضل ہو تو اس کو زکوۃ دینا جائز نہیں کیونکہ یہ شخص غنی ہے اسلئے کہ شرعاً غنی وہی ہے جو نصاب کا مالک ہو(۱۱۸)اور اگر نصاب سے کم کا مالک ہو اگر چہ تندرست اور کمانے والا ہو اسکو زکوۃ دینا جائز ہے کیونکہ یہ فقیر ہے اور فقراء مصرف زکوۃ ہیں۔

(۱۱۹)وَيُكْرَهُ نَقْلُ الزَّكٰوةِ مِنْ بَلَدٍ اِلٰى بَلَدٍ آخَرَ(۱۲۰)وَاِنَّمَايُفَرَّقُ صَدَقَةُ كُلِّ قَوْمٍ فِيهِم اِلَّااَنْ يُحتَاجَ اَنْ يَنْقُلَهَاالْاِنسَانُ اِلٰى قَرَابَتِهِ اَوْاِلٰى قَوْمٍ هُمْ اَحْوَجُ اِلَيْهِ مِنْ اَهْلِ بَلَدِهِ۔

ترجمہ:۔اور ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف زکوۃ منتقل کرنا مکروہ ہے بلکہ ہر قوم کی زکوۃ انہیں میں تقسیم کر دی جائے ہاں اگر کسی کو اپنے رشتہ داروں یا ایسے لوگوں کے لئے لیجانے کی ضرورت ہو جو اس شہر والوں سے زیادہ ضرورت مند ہوں تو مکروہ نہیں۔

تشریح:۔(۱۱۹)یعنی زکوۃ کا مال ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف منتقل کرنا مکروہ ہے بلکہ جس قوم سے زکوۃ لیا ہے اسی قوم کے فقراء پر تقسیم کرنا چاہئے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالی عنہ کو فرمایا تھا "خُذْهَامِنْ اَغْنِيَائِهِمْ (اى المسلمين) وَرُدَّهَافِى فُقَرَائِهِمْ(اى المسلمين) "یعنی زکوۃ مسلمان مالداروں سے لے اور ان ہی کے فقیروں پر خرچ کریں)۔مطلب یہ کہ جس جگہ کے مالداروں سے زکوۃ لی گئی ہے اسی جگہ کے فقراء پر اسے تقسیم کر دی جائے۔(۱۲۰) ہاں اگر دوسرے کسی شہر میں حرجی کے قرابتدار رہتے ہوں تو ان کیلئے منتقل کرنا مکروہ نہیں کیونکہ اس میں صلہ رحمی ہے۔یا دوسرے کسی شہر کے لوگ زیادہ محتاج ہوں تو بھی زکوۃ کا منتقل کرنا مکروہ نہیں کیونکہ زکوۃ کا مقصود محتاج کی حاجت دور کرنا ہے تو جو شخص زیادہ محتاج ہو وہ ہی زیادہ مستحق ہے۔

بَابُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ

یہ باب صدقہ فطر کے بیان میں ہے۔

"فِطر" ماخوذ ہے "فِطْرَةٌ" سے بمعنی نفس اور خلقت چونکہ یہ صدقہ ہر نفس کی طرف سے دیا جاتا ہے اسلئے اس کو صدقہ فطر کہتے ہیں۔

صدقہ فطر اور زکوۃ کے درمیان مناسبت ظاہر ہے کہ دونوں عبادات مالیہ ہیں لیکن زکوۃ کا درجہ اعلیٰ ہے کیونکہ یہ کلام اللہ سے ثابت ہے اسلئے زکوۃ کو مقدم کیا ہے۔

صدقة الفطر میں اضافت از قبیل اضافة الشی الی شرطہ ہے جیسا کہ ،حجة الاسلام ، میں ہے۔یا از قبیل اضافة الشی الی سببہ ہے جیسا کہ "حج البیت "اور "صلوة الظهر "میں ،صدقة الفطر کا سبب ،رأس، ہے اور شرط ،فطر، ہے۔اور صدقہ سے مراد وہ

عطیہ ہے جس سے مقصود ثواب ہوتا ہے۔

الحکمة:۔ ان الصائم بامتناعه عن الطعام فی بیاض نهاره فی رمضان عرف مقدار حرارة الجوع فهو یطعم الفقیر والبائس المسکین فی هذا الیوم المبارک شکرا لله تعالی علی نعمة الغنی اذلم یحوجه الی احد فی هذا الیوم العظیم الذی یکون فیه المسلمون فی سرور وحبور فاعطاء زکوة الفطر للفقیر والمسکین فیه رفع لمشقة الجوع وتخفیف التاثیر الذی یکون فی نفس الفقیر اذ یری غیره فی هذا لیوم فی زینة من الملبس وشبع من المطعم وقد قال علیه الصلوة والسلام (اغنوهم عن المسألة فی مثل هذا الیوم)۔(حکمة التشریع)

(۱۲۱)صَدَقَةُ الْفِطرِ وَاجِبَةٌ عَلَى الْحُرِّ الْمُسْلِمِ اِذَا كَانَ مَالِكًا لِمِقْدَارِ النِّصَابِ فَاضِلاً عَنْ مَسْكَنِهِ وَثِيَابِهِ وَاَثَاثِهِ وَفَرَسِهِ وَسِلاحِهِ وَعَبِيدِهِ لِلْخِدْمَةِ ۔

ترجمه:۔صدقہ فطر آزاد مسلمان پر واجب ہے جبکہ وہ مقدار نصاب کا مالک ہو جو اس کے رہائشی مکان، کپڑوں، گھریلو سامان، گھوڑے، ہتھیار اور خدمت کے غلاموں سے زائد ہو۔

تشریح :۔(۱۲۱)یعنی صدقہ فطر واجب ہے مگر اس کے لئے چند شرطیں ہیں۔/**نمبر ۱**۔آزاد ہونا۔/**نمبر ۲**۔مسلمان ہونا۔/**نمبر ۳**۔مقدار نصاب کا مالک ہونا۔/**نمبر ٤**۔اسکے کپڑوں، گھریلو سامان، گھوڑے، ہتھیار اور خدمت کے غلاموں سے فاضل ہو۔

صدقہ فطر واجب اسلئے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں فرمایا"اَدُّوْا عَنْ کُلِّ حُرٍّ وَعَبْدٍ الخ "(یعنی ہر آزاد اور غلام سے صدقہ ادا کرو) چونکہ ،ادّوا، امر ہے اور خبر واحد ہے اس لئے اس سے وجوب ثابت ہوگا۔اور آزاد ہونے کی شرط اسلئے ہے تا کہ تملیک متحقق ہو کیونکہ غلام تو خود مالک نہیں دوسرے کو کیسا مالک بنائیگا۔

مسلمان ہونے کی شرط اس لئے ہے کہ صدقۃ الفطر عبادت ہے اور کافر عبادت کا اہل نہیں لہذا کافر کے ادا کرنے سے قربت نہ ہوگا۔اور نصاب کا مالک ہونے کی شرط اسلئے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے"لَا صَدَقَةَ اِلَّا عَنْ ظَهْرِ غِنًى "(یعنی صدقۃ الفطر نہیں مگر غنی سے)۔اور کپڑوں وغیرہ سے زائد ہونے کی شرط اسلئے ہے کہ یہ چیزیں حاجت اصلیہ کے ساتھ مشغول ہیں اور مشغول بحاجت اصلیہ معدوم شمار ہوگا۔

☆ ☆ ☆

(۱۲۲)ويُخرِجُ ذالكَ عَنْ نفسِهِ وعَنْ اَوْلادِهِ الصِّغارِ وعَبيدِهِ لِلْخِدمَةِ(۱۲۳)ولايُؤدِّي عَن زَوْجَتِهِ ولاعَنْ اَوْلادِهِ الكِبارِ وَاِنْ كانُوافِي عِيالِه۔

ترجمہ:۔اور صدقہ فطر اپنی طرف سے اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے اور اپنے خدمت کے غلاموں کی طرف سے نکالے اور اپنی بیوی کی طرف اور اپنی بڑی اولاد کی طرف سے ادا نہ کرے اگر چہ وہ اس کی عیال میں ہوں۔

تشریح:۔(۱۲۲)یعنی صدقہ فطر اپنی طرف سے نکالے اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے نکالے کیونکہ صدقہ فطر کا سبب ایسا راس اور ذات ہے جس پر آدمی خرچ کرتا ہے اور اس پر متولی ہوتا ہے اور انسان اپنی نفس اور نابالغ اولاد پر خرچ کرتا ہے اور متولی ہے۔اور مولی اپنے مملوکوں کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرے کیونکہ ان کا خرچ بھی مولی برداشت کرتا ہے اور ان پر ولایت بھی مولی کو حاصل ہے۔

(۱۲۳)شوہر پر اپنی بیوی اور باپ پر اپنی بالغ اولاد کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرنا واجب نہیں اگر چہ وہ اس کے عیال میں داخل ہوں کیونکہ شوہر اور باپ کو ان پر ولایت حاصل نہیں۔اور اگر شوہر نے بیوی اور باپ نے اولاد کی اجازت کے بغیر فطرہ ادا کرلیا تو استحساناً ادا ہوگا کیونکہ اجازت عادۃً ثابت ہے اور جو چیز عادۃً ثابت ہو وہ ایسی ہے جیسے صراحۃً ثابت ہو۔

(۱۲٤)وَلايُخرِجُ عَن مُكاتَبِهِ ولاعَنْ مَمالِيْكِهِ لِلتِّجارَةِ(۱۲۵)وَالعَبْدَيْنِ الشَّرِيْكَيْنِ لافِطْرَةَ عَلى وَاحِدٍ مِنهُمَا(۱۲٦)ويُؤدِّي الْمُسْلِمُ الْفِطرَةَ عَن عَبْدِهِ الكَافِرِ۔

ترجمہ:۔اور نہ کوئی اپنے مکاتب کی طرف سے نکالے اور نہ تجارت کے غلاموں کی طرف سے اور جو غلام دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو شریکین میں سے کسی پر اس کا صدقہ فطر واجب نہیں اور مسلمان اپنے کافر غلاموں کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرے۔

تشریح:۔(۱۲٤)یعنی مولی پر مکاتب کا صدقہ فطر واجب نہیں کیونکہ مولی کو مکاتب پر کامل ولایت حاصل نہیں۔اور تجارۃ کے غلاموں کا صدقہ بھی مالک پر واجب نہیں کیونکہ ان میں زکوۃ واجب ہے اور زکوۃ وفطرہ ایک ہی چیز میں جمع نہیں ہوتی۔

(۱۲۵)جو غلام دو شریکوں کے درمیان مشترک ہو تو شریکوں میں سے کسی پر اس غلام کا فطرہ ادا کرنا واجب نہیں کیونکہ دونوں کی ولایت بھی ناقص ہے اور مؤنت بھی ناقص ہے(۱۲٦)مسلمان اپنے کافر غلام کی طرف سے صدقہ فطر ادا کریگا کیونکہ سبب موجود ہے یعنی ایسا راس جس کا خرچہ مولی پر ہے اور مولی کو اس پر ولایت حاصل ہے۔

(۱۲۷)وَالْفِطرَةُ نِصفُ صَاعٍ مِنْ بُرٍّاَوْصَاعٌ مِنْ تَمرٍاَوْزَبِيبٍ اَوْشَعِيرٍ۔

ترجمہ:۔اور صدقہ فطر گندم کا نصف صاع ہے اور کھجور یا کشمش یا جو کا ایک صاع ہے۔

تشریح:۔(۱۲۷)یعنی گندم (یا اسکے آٹے یا ستو یا کشمش) سے اگر صدقہ فطر ادا کرنا چاہے تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک آدھا صاع ادا کردے اور اگر کھجور یا جو سے ادا کرنا چاہے تو ایک صاع (بحساب درہم ۲۷۰ تولہ اور بحساب مثقال ۲۷۳ تولہ) ادا کردے"لقوله صلى الله عليه وسلم اَدُّوْاعَن كُلِّ حُرٍّ وَعَبْدٍصَغِيرٍاَوْكَبيرٍنِصفَ صَاعٍ مِن بُرٍّاَوْصَاعٍ مِن شَعِيرٍ "(یعنی

صدقہ فطر ہر آزاد اور غلام سے ادا کرو خواہ صغیر ہو یا کبیر آدھا صاع گندم یا ایک صاع جو)۔

صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک کشمش، جَو اور کھجور کے حکم میں ہے کیونکہ کشمش اور کھجور مقصود یعنی تفکہ اور مٹھاس حاصل کرنے میں قریب قریب ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک کشمش گندم کے حکم میں ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ کشمش اور گندم معنی کے اعتبار سے دونوں قریب قریب ہیں کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے تمام اجزاء کے ساتھ کھایا جاتا ہے۔ رہی کھجور اور جَو تو کھجور کی گٹھلی پھینک دی جاتی ہے اور جَو کی بھوسی پھینک دی جاتی ہے پس کشمش کو گندم پر قیاس کرنا مناسب ہوگا نہ کہ کھجور اور جَو پر۔

(۱۲۸) وَالصَّاعُ عِندَ اَبِی حَنِیفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ ثَمَانِیَةُ اَرْطَالٍ بِالعِرَاقِی وَقَالَ اَبُویُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ خَمسَةُ اَرْطَالٍ وَثُلُثُ رِطْلٍ۔

ترجمہ:۔ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک صاع عراقی رطل سے آٹھ رطل کا ہوتا ہے اور امام ابویوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پانچ رطل اور تہائی رطل کا ہوتا ہے۔

تشریح:۔ (۱۲۸) یعنی طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک صاع آٹھ رطل عراقی کا ہوتا ہے یعنی جس میں آٹھ رطل وزن کے برابر گندم وغیرہ سما سکے۔ اور امام ابویوسف رحمہ اللہ کے نزدیک صاع پانچ رطل اور ایک تہائی رطل کا ہوتا ہے۔ امام ابویوسف رحمہ اللہ کی دلیل پیغمبر ﷺ کا ارشاد ہے "صَاعُنَا اَصْغَرُ الصِّیعَانِ" (یعنی ہمارا صاع تمام صاعوں سے چھوٹا ہے) اور ظاہر ہے کہ پانچ رطل اور تہائی رطل والا صاع بنسبت آٹھ رطل والے صاع کے چھوٹا ہے۔

طرفین رحمہما اللہ کی دلیل حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ "انه ﷺ کَانَ یَتَوَضَّأُ بِالمُدِّ رِطْلَینِ وَیَغتَسِلُ بِالصَّاعِ ثَمَانِیَةَ اَرْطَالٍ" (یعنی رسول اللہ ایک مد یعنی دو رطل پانی سے وضوء فرماتے تھے اور ایک صاع یعنی آٹھ رطل پانی سے غسل فرماتے تھے) بہرحال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صاع آٹھ رطل کا ہوتا ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ طرفین رحمہما اللہ اور امام ابویوسف رحمہ اللہ کے درمیان یہ اختلاف حقیقی نہیں بلکہ لفظی ہے کیونکہ امام ابویوسف رحمہ اللہ نے صاع کا اندازہ مدنی رطل سے کیا ہے جو تیس استار (ایک استار چھ درہم اور دو دانق کا ہوتا ہے اور دانق درہم کے چھٹے حصے کا ایک سکہ ہے) کا ہوتا ہے اور صاع عراقی بیس استار کا پس جب آٹھ رطل عراقی صاع کا پانچ رطل اور ایک ثلث رطل مدنی کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو دونوں برابر نکلتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

(۱۲۹)وَوُجُوبُ الْفِطرَةِ يَتعلَّقُ بِطُلُوعِ الفَجرِ الثَّانِي مِنْ يَومِ الفِطرِ (۱۳۰)فَمَنْ مَاتَ قَبلَ ذَالِكَ لَمْ تَجِبْ فِطرَتُه وَمَنْ اَسْلَمَ اَوْ وُلِدَ بَعدَ طُلُوعِ الْفَجرِ لَمْ تَجِبْ فِطرَتُه۔

ترجمہ:۔اور فطرہ کا وجوب عید کے دن فجر ثانی کے طلوع سے متعلق ہے پس جو شخص اس سے پہلے مر جائے اس کا فطرہ واجب نہیں اور جو شخص اسلام لائے یا پیدا ہو طلوع فجر کے بعد تو اس کا فطرہ واجب نہیں۔

تشریح:۔(۱۲۹) ہمارے نزدیک عید الفطر کی صبح صادق سے صدقۃ الفطر ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے(۱۳۰) پس جو شخص عید الفطر کی صبح صادق سے پہلے مرا یا فقیر ہوا تو اس پر صدقہ فطر واجب نہیں اسی طرح اگر کوئی کافر طلوع فجر کے بعد مسلمان ہوا یا کوئی بچہ طلوع فجر کے بعد پیدا ہوا تو اس پر بھی صدقہ فطر نہیں کیونکہ ان دو صورتوں میں وجوب صدقہ کا سبب موجود نہیں۔

(۱۳۱)وَيُسْتَحَبُّ لِلنَّاسِ اَنْ يُخرِجُوا الْفِطرَةَ يَومَ الْفِطرِ قَبْلَ الْخُرُوجِ اِلَى الْمُصَلّٰى (۱۳۲) فَاِنْ قَدَّمُوْهَا قَبلَ يَومِ الْفِطرِ جازَ (۱۳۳) وَاِنْ اَخَّرُوهَا عَنْ يَومِ الْفِطرِ لَمْ تَسْقُطْ وَكَانَ علَيهِمْ اِخْرَاجُهَا۔

ترجمہ:۔اور مستحب ہے کہ لوگ عید گاہ کی طرف نکلنے سے پہلے صدقہ فطر نکال دیں اور اگر عید کے دن سے پہلے دیدیں تب بھی جائز ہے اور اگر عید کے دن سے مؤخر کردے تو وہ ساقط نہ ہوگا اور ان پر فطرہ نکالنا لازم ہے۔

تشریح:۔(۱۳۱) یعنی صدقۃ الفطر ادا کرنے میں مستحب یہ ہے کہ لوگ عید گاہ جانے سے پہلے ادا کرلے تا کہ فقراء کا دل نماز عید کیلئے فارغ ہو جائے (۱۳۲) اور اگر صدقہ فطر کو عید کے دن سے پہلے ادا کیا تو بھی جائز ہے کیونکہ سبب وجوب ثابت ہے لہذا یہ پیشگی زکوۃ ادا کرنے کے مشابہ ہے۔

(۱۳۳) اگر لوگوں نے صدقہ فطر عید کے دن سے مؤخر کردیا تو یہ ان کے ذمہ سے ساقط نہ ہوگا بلکہ ان پر واجب رہیگا اور ان پر اس کا نکالنا لازم ہوگا کیونکہ یہ معقول قربت مالی ہے پس یہ زکوۃ کی طرح وجوب کے بعد ساقط نہ ہوگا الا یہ کہ ادا کرلے۔

كتاب الصوم

یہ کتاب روزے کے بیان میں ہے۔

صوم لغت میں بمعنی مطلقاً امساک کے ہے خواہ کسی چیز سے امساک ہو اور کسی بھی وقت ہو جیسا کہ آیت مبارکہ ہے ﴿ اِنِّی نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْماً اَیْ اِمْساکاً عَنِ الْکَلَام ﴾ اور اصطلاح شریعت میں صبح سے شام تک مفطرات ثلاثہ (اکل، شرب، جماع) سے بالارادہ رکنے کو صوم کہتے ہیں۔

صوم بھی صلوۃ کی طرح عبادت بدنی ہے لہذا مناسب تھا کہ صلوۃ کے متصل ذکر کرتے مگر اقتداءً بالقرآن کی وجہ سے زکوۃ کو صوم سے مقدم ذکر کیا ہے قال اللہ تعالی ﴿ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ آتُوا الزَّکٰوۃَ ﴾ اس آیت مبارکہ میں صلوۃ کے متصل زکوۃ کو ذکر کیا ہے تو امام قدوری رحمہ اللہ نے بھی بجائے صوم کے صلوۃ کے ساتھ متصل زکوۃ ذکر کیا ہے۔

الحكمة :۔ ان الانسان اذاصام وذاق مرارة الجوع حصل عنده عطف ورحمة على الفقراء والمساكين الذين لايجدون من القوت مايسدون به الرمق ولقد ورد ان سيدنا يوسف عليه السلام كان لاياكل ولايتناول طعاما الااذااشتد عليه الجوع لاجل ان يتذكر البائس الفقير والمحتاج المضطر ۔(حكمة التشريع)

روزہ کی چھ قسمیں ہیں ان میں سے تین قسمیں ایسی ہیں کہ جن کے لئے رات سے نیت کرنا ضروری ہے، قضاء رمضان، نذر مطلق اور کفارہ کے روزے، اور تین قسمیں ایسی ہیں کہ جن کے لئے دن کے وقت نیت کرنا بھی کافی ہے، رمضان کے روزے، نذر معین اور نفل روزے۔

(۱)اَلصَّوْمُ ضَرْبَانِ وَاجِبٌ وَنَفلٌ فَالْوَاجِبُ ضَرْبانِ مِنْه مَايَتَعَلَّقُ بِزَمانٍ بِعَيْنِه كَصَوْمِ رَمضَانَ وَالنَّذرِ الْمعَيّنِ (۲)فَيجُوزُصَوْمُهُ بِنِيَّةٍ مِن اللَّيلِ فَانْ لَمْ يَنْوِحَتّى اَصْبَحَ اَجْزاتُهُ النِّيَّةُ مَابَيْنَهُ وَبينَ الزَّوَالِ،وَالضَّرْبُ الثَّانِى مَا يَثْبُتُ فِي الذِّمَّةِ كَقَضاءِ رَمضَانَ وَالنَّذْرِ الْمُطْلَقِ وَالْكَفّارَةِ(۳)فَلايَجُوْزُصَومُه اِلابِنِيَّةٍ مِنَ اللَّيلِ وَكَذالِكَ صَوْمُ الظِّهَارِ(٤)والنَّفْلُ كُلُّهُ يَجُوْزُبِنيةٍ قَبْلَ الزَّوَالِ۔

ترجمہ:۔روزہ کی دو قسمیں ہیں واجب اور نفل پھر واجب کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو کسی خاص زمانے سے تعلق رکھے جیسے رمضان المبارک اور نذر معین کے روزے پس یہ روزے رات سے نیت کر لینے سے جائز ہوتے ہیں پھر اگر صبح تک نیت نہیں کی تو زوال سے پہلے تک نیت کر لینی کافی ہے اور دوسری قسم وہ ہے جو ذمہ میں ثابت ہو جیسے قضائے رمضان اور نذر مطلق اور کفارہ کے روزے پس یہ روزے جائز نہیں مگر رات سے نیت کر لینے سے اور اسی طرح روزہ ظہار ہے اور تمام نفل روزے زوال سے پہلے نیت کرنے سے درست ہو جاتے ہیں۔

تشریح:۔(۱)یعنی روزہ کی دو قسمیں ہیں۔/ **نمبر ۱**۔واجب (مراد فرض اور واجب دونوں ہیں)۔/ **نمبر ۲**۔نفل پھر واجب کی دو قسمیں ہیں۔/ **نمبر ۱**۔معین یعنی جو کسی متعین زمانہ کے ساتھ متعلق ہو جیسے رمضان کے روزے اور نذر معین کے روزے (مثلاً کہا کہ مجھ پر اللہ کے واسطے رجب کے پہلے عشرہ کے روزے لازم ہیں)۔/ **نمبر ۲**۔غیر معین یعنی جو کسی متعین زمانے کے ساتھ متعلق نہ ہو جیسے رمضان کی قضائی روزے کہ ان کا کوئی وقت متعین نہیں اور نذر غیر معین کے روزے کہ ان کا بھی کوئی وقت متعین نہیں اور کفارات (شریعت نے گناہ کی سزا سے محفوظ رہنے کے لئے جو بدلہ بصورت صوم یا صدقہ یا باندی یا غلام کی آزادی تجویز کر دیا ہے اس کو کفارہ کہا جاتا ہے) کے روزے کہ ان کیلئے بھی کوئی وقت متعین نہیں (جیسے کفارہ یمین، کفارہ صوم وغیرہ)۔

(۲)پس واجب روزے کی پہلی قسم کا حکم یہ ہے کہ دوسرے روزوں کی طرح رات میں نیت کرنے سے جائز ہو جائیگا اور اگر

رات سے نیت نہ کی بلکہ صبح اور زوال کے درمیان نیت کی تو بھی جائز ہے "لحدیث سلمه بن الاکوع رضی الله تعالی عنه انه ﷺ امر رجلا من اسلم ان اذّن فی الناس ان من اکل فلیصم بقیة یومه ومن لم یاکل فلیصم فان الیوم یوم عاشورا " (یعنی پیغمبر ﷺ نے قبیلہ اسلم کے ایک شخص کو امر کیا کہ لوگوں میں اعلان کردو کہ جس نے کچھ کھایا ہے وہ بقیہ دن امساک کر دے اور جس نے نہیں کھایا ہے وہ روزہ رکھے کیونکہ آج کا دن عاشورا کا دن ہے) یہ اس وقت کی بات ہے کہ عاشورا کا روزہ واجب تھا تو یہ دلیل ہے کہ جس پر کسی دن کا روزہ واجب ہوا گر اس نے رات سے اسکی نیت نہیں کی تو قبل الزوال نیت کرنا بھی جائز ہے۔

(۳) واجب روزہ کی دوسری قسم (جس کے لئے وقت متعین نہیں ہوتا) کا حکم یہ ہے کہ اس کے لئے اگر صبح صادق سے پہلے نیت کر لی تو جائز ہے اور طلوع فجر کے بعد جائز نہیں کیونکہ اس قسم کے روزے کا کوئی وقت متعین نہیں رمضان شریف اور وہ دن جن میں روزہ ممنوع ہے کے علاوہ کسی بھی وقت رکھ سکتا ہے لہذا شروع دن سے پہلے متعین کرنا ضروری ہوگا۔ یہی حکم ظہار کے روزوں کا بھی ہے (مسلمان کا اپنی بیوی کو اپنی محرمات میں سے کسی کے ساتھ تشبیہ دینے کو ظہار کہتے ہیں جیسے کوئی اپنی بیوی سے کہے کہ تو مجھ پر میری ماں کی طرح ہے)۔

(٤) باقی نفلی روزہ کے لئے نصف نہار سے پہلے نیت کرنا کافی ہے رات سے نیت کرنا ضروری نہیں "لحدیث عائشة رضی الله تعالی عنها قالت دخل النبی ﷺ ذات یوم فقال هل عندکن شئ فقلت لا فقال انی اذا صائم " (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن گھر تشریف لائے اور فرمایا کیا کوئی کھانے کی چیز ہے میں نے کہا نہیں تو فرمایا بس میں اب صائم ہوں) حدیث سے معلوم ہوا کہ رات سے نفلی روزے کی نیت ضروری نہیں۔

(٥) وَيَنْبَغِىْ لِلنَّاسِ اَنْ يَلْتَمِسُوا الْهِلَالَ فِى الْيَوْمِ التَّاسِعِ وَالْعِشْرِيْنَ مِنْ شَعْبَانَ فَاِنْ رَاَوْهُ صَامُوْا وَاِنْ غُمَّ عَلَيْهِمْ اَكْمَلُوْا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلٰثِيْنَ يَوماً ثُمَّ صَامُوْا۔

اور مناسب ہے لوگوں کے لئے یہ کہ شعبان کی انتیسویں تاریخ کو چاند تلاش کریں پھر اگر لوگوں نے چاند دیکھ لیا تو روزہ رکھ لیں اور اگر چاند ان پر پوشیدہ ہو گیا تو شعبان کی تیس دن کی تعداد پورا کریں اس کے بعد روزہ رکھیں۔

تشریح:۔(٥) یعنی انتیس شعبان کو رمضان المبارک کا چاند تلاش کرنا واجب ہے کیونکہ مہینہ کبھی انتیس اور کبھی تیس کا ہوتا ہے پس اگر انتیس شعبان کو چاند نظر آ گیا تو روزہ رکھیں اور اگر چاند نظر نہ آیا تو شعبان کے تیس دن پورا کر کے اگلے دن روزہ رکھیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "صوموا لرؤيته وافطروا لرؤيته فان غم عليكم الهلال فاكملوا عدة شعبان ثلاثين يوما " (یعنی چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو پھر اگر چاند پوشیدہ اور مشتبہ ہو جائے تو شعبان کے تیس دن پورا کرلو)۔

(٦) وَمَنْ رَاٰى هِلَالَ رَمَضَانَ وَحْدَهٗ صَامَ وَاِنْ لَمْ يَقْبَلِ الْاِمَامُ شَهَادَتَهٗ۔

ترجمه:۔اور جس شخص نے رمضان کا چاند اکیلا دیکھ لیا تو وہ روزہ رکھے اگر چہ امام اس کی شہادت کو قبول نہ کرے۔

تشریح:۔(٦)یعنی اگر کسی نے تنہاء رمضان کا چاند دیکھا اور مطلع صاف تھا تو یہ شخص خود روزہ رکھے اگر چہ امام نے اسکی گواہی کی وجہ سے قبول نہ کی ہو، لقولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم صُوْمُوْا لِرُؤْیَتِہٖ وَاَفْطِرُوْا لِرُؤْیَتِہٖ "(یعنی چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو) پس جب اس کے حق میں رؤیت ہلال پائی گئی تو اس پر روزہ واجب ہو گیا۔ البتہ اگر اس نے یہ روزہ توڑ دیا تو اس پر کفارہ نہیں کیونکہ قاضی کے رد کرنے کی وجہ سے اس کے روزہ ہونے میں شبہ پایا جاتا ہے اور کفارہ شبہ کی وجہ سے ساقط ہوتا ہے۔

(٧)وَاِذَا كَانَ بِالسَّمَاءِ عِلَّةٌ قَبِلَ الْاِمَامُ شَهَادَةَ الْوَاحِدِ الْعَدْلِ فِي رُؤْيَةِ الْهِلَالِ رَجُلًا كَانَ اَوْ اِمْرَاَةً حُرًّا كَانَ اَوْ عَبْدًا۔

ترجمہ:۔اور جب آسمان میں کوئی علت ہو تو چاند دیکھنے کے بارے میں امام ایک عادل شخص کی گواہی قبول کرے خواہ وہ مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام۔

تشریح:۔(٧)یعنی اگر مطلع صاف نہ ہو بلکہ آسمان پر بادل ہو یا غبار وغیرہ ہو تو رمضان المبارک کے چاند کی رؤیت ایک عادل (جس کی نیکیاں اس کی برائیوں پر غالب ہوں) آدمی کی گواہی سے ثابت ہو جائیگی اور وہ آدمی خواہ مرد ہو یا عورت۔ خواہ آزاد ہو یا غلام، کیونکہ یہ ایک دینی معاملہ ہے تو یہ روایتِ اخبار کے مشابہ ہے یہی وجہ ہے کہ اس میں لفظ شہادت ضروری نہیں۔ لہذا اس میں عدد، آزادی اور مذکر ہونا شرط نہیں ہاں عدالت شرط ہے کیونکہ فاسق کا قول دیانات میں غیر مقبول ہے۔

(٨)فَاِنْ لَمْ يَكُنْ بِالسَّمَاءِ عِلَّةٌ لَمْ تُقْبَلِ الشَّهَادَةُ حَتّٰى يَرَاهُ جَمْعٌ كَثِيْرٌ يَقَعُ الْعِلْمُ بِخَبَرِهِمْ۔

ترجمہ:۔پس اگر آسمان میں کوئی علت نہ ہو تو شہادت قبول نہ کرے یہاں تک کہ ایسی جماعت کثیرہ چاند دیکھے جن کی خبر سے یقین آجائے۔

تشریح:۔(٩)یعنی اگر مطلع صاف ہو یعنی آسمان پر بادل وغبار وغیرہ نہ ہوں تو ایک دو کی گواہی معتبر نہیں بلکہ اتنی بڑی جماعت کی گواہی قبول کی جائیگی جن کی خبر سے چاند دیکھنے کا ظن غالب حاصل ہو جائے کیونکہ موانع رؤیت منتفی ہیں آنکھیں سالم ہیں پھر بھی ایک دو کے دیکھنے سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ ان کو چاند دیکھنے میں غلطی ہوگئی ہے۔

رہی یہ بات کہ بڑی جماعت کی کیا مقدار ہے تو ایک قول یہ ہے کہ یہ رائے قاضی کو مفوض ہے کہ وہ جن کو جماعت کثیرہ سمجھے وہی ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ جب ہر طرف سے رؤیت کی خبریں آئیں تو یہ بڑی جماعت سمجھی جائیگی۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ پچاس آدمی اگر خبر دیں تو یہ بڑی جماعت ہے۔

(١٠)وَوَقْتُ الصَّوْمِ مِنْ حِيْنِ طُلُوْعِ الْفَجْرِ الثَّانِي اِلٰى غُرُوْبِ الشَّمْسِ۔

ترجمہ:۔اور روزے کا وقت فجر ثانی کے طلوع سے سورج کے غروب ہونے تک ہے۔

تشریح:۔(١٠)یعنی روزہ کا وقت صبح صادق طلوع ہونے کے وقت سے لیکر سورج غروب ہونے تک ہے لِقَوْلِہٖ تَعَالٰی ﴿وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ﴾ (یعنی کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے تمہارے لئے فجر کے سیاہ ڈورے سے سپید ڈورا) پھر فرمایا ﴿ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى اللَّيْلِ﴾ (یعنی پھر تم پورا کرو روزے کو رات تک)۔ خیطِ ابیض واسود

سے مرادون کی روشنی اور رات کی تاریکی ہے۔

(۱۱)وَالصومُ هُوَالإمساكُ عَنِ الأكْلِ وَالشُّرْبِ وَالجِماعِ نَهاراًمعَ النيّةِ(۱۲)فَإنْ اَكَلَ الصّائِمُ اَوْ شَرِبَ اَوْ جامَعَ ناسِياًلَمْ يُفطِرْ۔

ترجمہ:۔اورروزہ دن میں کھانے پینے اور صحبت کرنے سے نیت کے ساتھ رکے رہنے کا نام ہے پس اگر روزہ دار بھول کر کھالے یا پی لے یا جماع کرلے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔

تشریح:۔(۱۱) یہ روزہ کی تعریف ہے یعنی جو شخص روزہ رکھنے کا اہل ہو اسکا صبح سے شام تک روزہ کی نیت کے ساتھ کھانے پینے اور جماع سے حقیقۃً یا حکماً رکنے کا نام روزہ ہے۔

(۱۲) اگر روزہ دار نے بھول کر کھایا پیا یا جماع کرلیا تو استحساناً اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ ٹوٹ جائے کیونکہ کھانا وغیرہ روزہ کی ضد ہیں اور شی کی ضد شی کو معدوم کردیتی ہے کیونکہ بیک وقت ضدین کا پایا جانا محال ہے۔وجہ استحسان یہ ہے کہ یہ شخص حکماً مفطرات سے رکا ہوا ہے کیونکہ ایک شخص نے بحالت صوم بھول کر کچھ کھاپی لیا تو اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو اپنا روزہ پورا کرلے اسلئے کہ اللہ تعالی نے تجھ کو کھلایا پلایا ہے۔تو فعل اکل وشرب کی نسبت حضور ﷺ نے اللہ کی طرف کی ہے کہ اللہ نے کھلایا پلایا ہے گویا بندہ نے کھایا پیا ہی نہیں ہے۔

(۱۳)وَاِنْ نَامَ فَاحْتَلَمَ اَوْنَظَرَ اِلٰى اِمْرَأةٍ فَاَنْزَلَ(۱٤)اَوِادَّهَنَ اَوِاحْتَجَمَ اَوِاكْتَحَلَ اَوْقَبَّلَ لَمْ يُفطِرْ(۱۵) فَاِنْ اَنْزَلَ بِقُبْلَةٍ اَوْلَمَسَ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ وَلاكَفَّارَةَ عَلَيْهِ(۱٦)وَلابَاْسَ بِالْقُبْلَةِ اِذَااَمِنَ عَلٰى نَفْسِهٖ(۱۷)وَيُكْرَهُ اِنْ لَمْ يَاْمَنْ۔

ترجمہ:۔اور اگر روزہ دار سو گیا اور اسے احتلام ہو گیا یا اس نے اپنی بیوی کی طرف دیکھا اور انزال ہو گیا یا کسی نے سر میں تیل لگایا یا پچھنا لگایا یا سرمہ لگایا یا بوسہ لیا تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا ہے اور بوسہ لینے میں کوئی حرج نہیں جبکہ اس کو اپنی نفس پر اطمینان ہو اور اگر اطمینان نہ ہو تو مکروہ ہے۔

تشریح:۔(۱۳) یعنی اگر روزہ دار سو گیا اور اسی حالت میں اس کا احتلام ہوا تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا کیونکہ احتلام میں نہ صورۃً جماع ہے اور نہ معنیً اور جب نہ صورۃً جماع ہے اور نہ معنیً تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔

صورۃً جماع یہ ہے کہ ایک کی شرمگاہ دوسرے کی شرمگاہ میں داخل ہو جائے اور معنیً جماع یہ ہے کہ مرد وعورت باہم چمٹ جائیں اور بغیر ادخال انزال ہو جائیں۔اسی طرح اگر کسی نے عورت کو دیکھا اور انزال ہوا تو بھی روزہ فاسد نہ ہوگا کیونکہ اس وقت بھی نہ صورۃً جماع ہے اور نہ معنیً۔

(۱٤) اگر روزہ دار نے تیل لگایا یا پچھنا لگایا یا سرمہ لگایا تو ان تینوں صورتوں میں روزہ فاسد نہیں ہوگا۔اسی طرح اگر روزہ دار نے کسی کا بوسہ لیا اور انزال نہ ہوا تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا کیونکہ منافی صوم نہ صورۃً پایا گیا اور نہ ہی معنیً۔

(۱۵) اگر روزہ دار نے عورت کا بوسہ لیایا اس کو مس کیا اور انزال ہو گیا تو اس کا روزہ فاسد ہو جائیگا کیونکہ منافی صوم یعنی معنی جماع پایا گیا اسلئے کہ مرد وعورت شہوۃ کے ساتھ چمٹ گئے اور انزال ہو گیا لہذا اس پر اس رزورہ کی قضاء واجب ہے لیکن کفارہ واجب نہیں ہوگا کیونکہ کفارہ کامل جنایت کے بعد واجب ہوتا ہے یہاں صورۃ جماع نہ ہونے کی وجہ سے جنایت کامل نہیں۔

(۱۶) اگر روزہ دار کو اپنی نفس پر قابو حاصل ہو کہ جماع میں مبتلا نہیں ہونگا اور منی نہیں نکلے گی تو اس کو اپنی بیوی کا بوسہ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں (۱۷) اور اگر اپنی نفس پر قابو نہیں رکھتا ہو تو بوسہ لینا مکروہ ہے کیونکہ بوسہ بذات خود مفطر نہیں ہاں کبھی انجام کے اعتبار سے مفطر ہو جاتا ہے بایں طور کہ بوسہ لیتے ہوئے مشتعل ہو کر جماع کرلیا یا انزال ہوا لہذا اگر اطمینان کی صورت ہو تو عین بوسہ کا اعتبار کر کے مکروہ نہ ہوگا اور اگر اطمینان کی صورت نہ ہو تو انجام کا اعتبار کر کے مکروہ کہا جائیگا۔

(۱۸) وَاِنْ ذَرَعَهُ الْقَئ لَمْ يُفْطِرْ (۱۹) وَاِنْ اسْتَقَاءَ عَامِدًا مِلأ فَمِهِ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ (۲۰) وَمَنْ ابْتَلَعَ الْحَصَاةَ اَوِالْحَدِيْدَ اَوِ النَّوَاةَ اَفْطَرَ وَقَضٰى۔

ترجمہ:۔ اور اگر کسی کو خود بخود قے ہو جائے تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا اور اگر جان بوجھ کر منہ بھر کر قے کی تو اس پر قضاء لازم ہے اور جس نے کنکری یا لوہے کا ٹکڑا یا گٹھلی نگل لی تو اس کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضاء کرے۔

تشریح:۔ (۱۸) یعنی اگر روزہ دار کو خود بخود قے آیا تو روزہ فاسد نہیں ہوگا خواہ قے قلیل ہو یا کثیر (۱۹) اور اگر کسی نے عمداً منہ بھر کر قے کی تو اس پر اسکی قضاء واجب ہے "لقوله صلى الله عليه وسلم مَنْ ذَرَعَه الْقَئ وَهُوَ صَائِمٌ فَلَيْسَ عَلَيه قَضَاءٌ وَمَن اسِتَقَاءَ عَمَدًا فَلْيَقضِ" (یعنی جس کو خود قے آئی تو اس پر قضاء نہیں اور جس نے عمداً قے کرلی تو اس پر قضاء واجب ہے)۔

(۲۰) اگر کسی نے کنکری یا لوہے یا کھجور کی گٹھلی کو نگل لیا تو اس پر قضاء واجب ہوگی لیکن کفارہ واجب نہ ہوگا قضاء اسلئے واجب ہے کہ افطار کی صورت پائی گئی کیونکہ ایک چیز پیٹ میں پہنچائی گئی اور کفارہ اس لئے واجب نہ ہوگا کہ معنی افطار نہیں پایا گیا کیونکہ معنی افطار کسی نفع بخش چیز (جس سے غذا یا دوا حاصل ہوتی ہو) کو پیٹ میں پہنچانا ہے کنکری وغیرہ ایسے نہیں۔

الالغاز:۔ ای صائم افطر ولاقضاء عليه؟

فقل:۔ من شرع فيه مظنوناً، كمن شرع بنية القضاء فتبين أن لاقضاء عليه۔ (الاشباه والنظائر)

(۲۱) وَمَنْ جَامَعَ عَامِدًا فِي اَحَدِ السَّبِيْلَيْنِ اَوْ اَكَلَ اَوْ شَرِبَ مَايَتَغَذّٰى بِه اَوْ يَتَدَاوٰى بِه فَعَلَيْه الْقَضَاءُ وَالْكَفَّارَةُ۔

ترجمہ:۔ اور جس نے قصداً احد السبیلین میں جماع کیا یا ایسی چیز کھالی یا پی لی جس سے غذا حاصل کی جاتی ہو یا دواء کی جاتی ہو تو اس پر قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔

تشریح:۔ (۲۱) یعنی اگر کسی نے عمداً کسی زندہ آدمی کے ساتھ احد السبیلین میں جماع کیا خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح اگر کسی نے عمداً کوئی ایسی چیز کھا پی لی جس سے غذا حاصل کی جاتی ہو یا اس سے دواء کی جاتی ہو تو ان سب صورتوں میں اس شخص پر قضاء بھی ہے اور کفارہ

بھی۔قضاءتواسلئے کہ منافی صوم پایا گیااور شہوۂ فرج یاشہوۂ بطن پورا کرنے کی وجہ سے جنایت بھی کامل ہےاسلئے کفارہ بھی واجب ہے۔

(۲۲)وَالْكَفَّارَةُ مِثْلُ كَفَّارَةِ الظِّهَارِ۔

ترجمہ:۔اور کفارہ مثل کفارۂ ظہار کے ہے۔

تشریح:۔(۲۲)یعنی روزہ کا کفارہ ظہار (مسلمان کا اپنی بیوی کو اپنی محرمات میں سے کسی کے ساتھ تشبیہ دینے کو ظہار کہتے ہیں جیسے کوئی اپنی بیوی سے کہے کہ تو مجھ پر میری ماں کی طرح ہے) کے کفارے کی طرح ہے۔اور ظہار کا کفارہ یہ ہے کہ ظہار کرنے والا ایک غلام یا لونڈی آزاد کرلے اگر اسکی قدرت نہ ہوتو دوماہ مسلسل روزے رکھے اور اگر اسکی بھی قدرت نہ ہوتو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے ہر مسکین کو نصف صاع گندم یا ایک صاع جو دیدے۔اور رمضان کا کفارہ ظہار کے کفارہ کی طرح اسلئے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "مَنْ اَفْطَرَفِي رَمَضَانَ فَعَلَيْهِ مَاعَلَى الْمظَاهِرِ "(یعنی جس نے رمضان میں روزہ توڑا تواس پر وہی ہے جو مظاہر پر ہے)۔

(۲۳)وَمَنْ جَامَعَ فِيْ مَادُوْنَ الْفَرْجِ فَاَنْزَلَ فَعلَيه الْقَضَاءُ(۲٤)وَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ۔

ترجمہ:۔اور جس نے فرج کے سوامیں جماع کیااور انزال ہوگیا تواس پر قضاء ہے اور اس پر کفارہ نہیں۔

تشریح:۔(۲۳)یعنی اگر کسی نے بحالت روزہ فرج کے علاوہ میں جماع کیا مثلاً رانوں میں یا پیٹ میں یا کسی جانور سے جماع کیا اور انزال ہوگیا تواس پر قضاء ہے کیونکہ معنی جماع پایا گیا(۲٤) مگراس پر کفارہ نہیں کیونکہ صورۃً جماع نہیں پایا گیا پس جنایت کامل نہ ہونے کی وجہ سے اس پر کفارہ نہیں۔

(۲۵)وَلَيْسَ فِي اِفْسَادِ صَوْمِ غَيْرِ رَمَضَانَ كَفَّارَةٌ۔

ترجمہ:۔اور رمضان المبارک کے روزے کے علاوہ کسی اور روزے کے توڑنے میں کفارہ نہیں۔

تشریح:۔(۲۵)یعنی اگر کسی نے غیر رمضان کا روزہ رکھ لیا پھراس کو عمداً توڑ دیا تواس پر کفارہ واجب نہ ہوگا مثلاً نفلی یا نذر یا قضائی روزہ رکھا پھر توڑ دیا کیونکہ رمضان کا روزہ توڑنے سے کفارہ خلاف قیاس نص سے ثابت ہے لہٰذا اس پر دوسرے روزوں کے توڑنے کو قیاس نہیں کیا جائیگا۔

(۲٦)وَمَنْ احتَقَنَ اَوِاسْتَعَطَ اَوْاَقْطَرَفِي اُذُنِه(۲۷)اَوْدَاوَى جَائِفَةً اَوْ آمَّةً بِدَوَاءٍ رَطْبٍ فَوَصَلَ اِلَى جَوْفِه اَوْدِمَاغِه اَفْطَرَ۔

ترجمہ:۔اور جس نے حقنہ لیا یا ناک میں یا کان میں دوا ڈالی یا پیٹ یا سر کے زخم میں تر دوا لگائی اور وہ دوا پیٹ کے اندر یا دماغ میں پہنچ گئی تواس کا روزہ ٹوٹ جائیگا۔

تشریح:۔(۲٦)یعنی اگر کسی نے حقنہ کرایا یعنی پاخانہ کے راستہ سے اندر دوائی پہنچائی اور یا ناک کے ذریعہ دواء پہنچائی گئی یا کان میں (تیل) کے قطرے ٹپکائے تو اسکا روزہ ٹوٹ جائیگا کیونکہ مذکورہ صورتوں میں افطار کا معنی پایا گیا اسلئے کہ افطار کا معنی ہے کہ کسی چیز کو نفع بدن کے لئے پیٹ میں پہنچانا۔اور کان میں قطرے ٹپکانے کے ساتھ ،تیل، کی قید اسلئے لگائی کہ کان میں اگر پانی داخل ہوجائے تو یہ مفطر

نہیں۔ مگر جدید تحقیق یہ ہے کہ کان میں تیل کے قطرے ٹپکانے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا ہے۔

(۲۷) اگر روزہ دار نے جائفہ (پیٹ کا زخم جو جوف تک پہنچا ہوا ہو) یا آمہ (سر کا زخم جو دماغ تک پہنچا ہوا ہو) میں تر دواء ڈال دی اور وہ سرایت کر کے پیٹ یا دماغ تک پہنچ گئی تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا روزہ فاسد ہو گیا کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ جب دواء کی رطوبت زخم کی رطوبت کے ساتھ ملے گی تو اندر کی طرف اسکے میلان کی وجہ سے دواء بالیقین جوف اور دماغ کے اندر پہنچ جائیگی اور جب دواء جوف یا دماغ کے اندر پہنچ گئی تو روزہ فاسد ہو جائیگا اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے کیونکہ دواء کا اندر تک پہنچنا یقینی نہیں بلکہ شک ہے اور شک کی وجہ سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

(۲۸) وَاِنْ اَقْطَرَ فِی اِحْلِیْلِهٖ لَمْ یُفْطِرْ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ یُفْطِرُ۔

ترجمہ:۔ اور اگر کسی نے اپنے ذکر کے سوراخ میں دواء ڈالی تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

تشریح:۔ (۲۸) یعنی اگر کسی روزہ دار نے اپنے ذکر کے سوراخ میں دواء ٹپکائی تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک روزہ فاسد نہیں ہوگا اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک فاسد ہو جائیگا۔ وجہ اختلاف یہ ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ذکر اور پیٹ کے درمیان مثانہ حائل ہے پیشاب اسی سے مترشح ہوتا ہے لہذا ذکر کے سوراخ سے دواء کا جوف تک پہنچنے کا راستہ نہیں اسلئے روزہ نہیں ٹوٹے گا جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک راستہ ہے اسلئے روزہ ٹوٹے گا۔ اصح یہ ہے کہ جوف اور ذکر میں منفذ نہیں لہذا صورت مذکورہ میں روزہ نہیں ٹوٹیگا۔

(۲۹) وَمَنْ ذَاقَ شَیْئاً بِفَمِهٖ لَمْ یُفْطِرْ وَیُکْرَہُ لَهٗ ذَالِکَ (۳۰) وَیُکْرَہُ لِلْمَرْاَةِ اَنْ تَمْضَغَ لِصَبِیِّهَا الطَّعَامَ اِذَا کَانَ لَهَا مِنْهُ بُدٌّ (۳۱) وَمَضْغُ الْعِلْکِ لَایُفْطِرُ الصَّائِمَ وَیُکْرَہُ۔

ترجمہ:۔ اور اگر کسی نے کوئی چیز اپنی زبان سے چکھ لی تو روزہ نہیں ٹوٹتا البتہ اس کے لئے یہ مکروہ ہے اور عورت کے لئے مکروہ ہے کہ اپنے بچے کے لئے کھانا چبائے بشرطیکہ اس سے اس کو چارہ ہو اور گوند چبانا روزہ نہیں توڑتا البتہ یہ مکروہ ہے۔

تشریح:۔ (۲۹) یعنی اگر کسی نے منہ سے کوئی چیز چکھی تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا کیونکہ کوئی مفطر چیز جوف میں نہیں پہنچی ہے البتہ یہ عمل مکروہ ہے کیونکہ اس میں بھی تعریض الصوم علی الفساد ہے۔ (۳۰) عورت کے لئے یہ مکروہ ہے کہ اپنے بچے کے لئے کھانا چبائے مگر شرط یہ ہے کہ عورت کو اس سے چارہ ہو یعنی ایسا کوئی غیر روزہ دار ہو جو بچہ کو چبا کر کھلائے ورنہ تو حفظ ولد کے پیش نظر مکروہ نہیں ہوگا (۳۱) اسی طرح گوند چبانا بھی مفسد صوم نہیں کیونکہ کوئی چیز جوف تک نہیں پہنچتی ہے البتہ مکروہ ہے کیونکہ لوگ دیکھ کر کہیں گے کہ کچھ کھا رہا ہے تو اس کو روزہ نہ رکھنے کی تہمت کے ساتھ متہم کریگا۔

☆ ☆ ☆

(۳۲)وَمَنْ كانَ مَرِيْضاً فِي رَمضَانَ فَخافَ اِنْ صامَ اِزْدَادَ مَرضُه اَفْطَرَ وَقَضیٰ(۳۳)وَاِنْ كانَ مسافِراً لایَسْتَضِرّ بِالصَّومِ فَصَوْمُه اَفْضَلُ (۳٤)وَاِنْ اَفْطَرَ وَقَضیٰ جَازَ۔

ترجمہ:۔اور جو شخص رمضان میں مریض ہو اور اسے خوف ہو کہ اگر روزہ رکھوں تو مرض بڑھ جائیگا تو افطار کرے اور قضاء کرے اور اگر مسافر روزہ سے ضرر محسوس نہ کرتا ہو تو اس کا روزہ رکھنا افضل ہے اور اگر افطار کرے اور قضاء کرے تو بھی جائز ہے۔

تشریح:۔(۳۲)یعنی اگر کوئی شخص رمضان المبارک میں بیمار ہو اور اسکو اندیشہ ہو کہ اگر روزہ رکھا تو بیماری بڑھ جائیگی یا تندرستی میں تأخیر ہو جائیگی تو یہ شخص روزہ افطار کردے جب صحتیاب ہو جائے تو قضاء کرے کیونکہ مرض کی زیادتی یا طویل ہونا کبھی ہلاکت کو مفضی ہوتی ہے اسلئے اس سے بچنا واجب ہے۔مگر زیادتی مرض کا صرف وہم کافی نہیں بلکہ اپنی تجربہ ہو کہ بیماری بڑھ جائیگی یا کوئی حاذق مسلمان اور عادل حکیم بتائے کہ بیماری بڑھ جائیگی تو روزہ توڑ سکتا ہے۔

(۳۳)اگر مسافر کے لئے روزہ رکھنا مضر نہ ہو تو اس کے لئے روزہ رکھنا افضل ہے لقولہ تعالیٰ ﴿وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ (یعنی تمہارا روزہ رکھنا افضل ہے)۔(۳٤)اور اگر افطار کر کے بعد میں قضاء کیا تو جائز ہے کیونکہ سفر مشقت سے خالی نہیں ہوتا ہے اسلئے نفس سفر کو عذر قرار دیا۔

(۳۵)وَاِنْ ماتَ الْمَرِيضُ اَوِ الْمُسَافِرُ وَهمَا عَلیٰ حَالِهِمالَمْ يَلْزَمْهُمَا الْقَضَاءُ۔

ترجمہ:۔اور اگر مریض یا مسافر اپنی اسی حالت میں مرجائے تو ان کے ذمہ روزوں کی قضاء لازم نہیں۔

تشریح:۔(۳٦)یعنی اگر مریض و مسافر نے روزہ توڑ دیا پھر اسی مرض یا سفر ہی میں مرگیا تو اس پر ان روزوں کی قضاء لازم نہیں جو اس نے حالت مرض و سفر میں توڑ دیا ہے یعنی عند اللہ مواخذہ نہیں ہوگا اور نہ انکا کوئی فدیہ واجب ہوگا کیونکہ مریض و مسافر پر قضاء کا وجوب اس وقت ہوتا ہے جب وہ مرض و سفر کے ازالہ کے بعد اتنا زمانہ پالے جس میں وہ یہ روزے رکھ سکے اور یہاں چونکہ زوال مرض و سفر ہی نہیں ہوا ہے تو قضاء بھی واجب نہ ہوگی۔

(۳۷)وَاِنْ صَحَّ الْمَرِيضُ وَاَقَامَ الْمُسَافِرُ ثُمَّ مَاتَا لَزِمَهُمَا الْقَضَاءُ بِقَدْرِ الصِّحَّةِ وَالْاِقَامَةِ۔

ترجمہ:۔اور اگر مریض تندرست ہوا یا مسافر مقیم ہوا پھر یہ دو مرگئے تو ان دونوں کے ذمہ تندرست اور مقیم ہونے کی مقدار کے روزوں کی قضاء لازم ہے۔

تشریح:۔(۳۷)یعنی اگر مریض تندرست اور مسافر مقیم ہو گیا پھر چند دن بعد مرگیا تو بحالت مرض و سفر جو روزے توڑ چکا ہے ان کی قضاء اس پر لازم ہوگی پس اگر بعد از مرض و سفر اتنے دن زندہ رہا جتنے دن کے روزے توڑ چکا ہے تو فوت شدہ تمام روزوں کی قضاء لازم ہے اور اگر جتنے روزے فوت ہوئے تھے ان سے کم زندہ رہا تو بقدر صحت و اقامت روزوں کی قضاء واجب ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضاً اَوْ عَلیٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾ (یعنی جو شخص تم میں سے مریض ہو یا سفر میں ہو تو افطار کر کے اسکے شمار پھر دوسرے

ایام میں رکھے) تو اس نے قضاء کرنے کیلئے ایام اُخر پالئے۔

(۳۸)وَقَضاءُ رَمضَانَ اِنْ شَاءَ فَرَّقَهُ وَاِنْ شَاءَ تَابَعَهُ(۳۹)وَاِنْ اَخرَه حَتى دَخَلَ رَمضَانُ آخرُ صَامَ رَمضَا نَ الثَانِي وَقَضَى الْاَوَّلَ بَعْدَه(٤٠)وَلَافِدْيَةَ عَلَيْهِ۔

ترجمہ:۔ اور رمضان کی قضاء کے روزے چاہے تو متفرق طور پر رکھے اور چاہے تو پے در پے رکھے اور اگر قضاء کو اتنا مؤخر کر دیا کہ دوسرا رمضان آگیا تو دوسرے رمضان کے روزے رکھے اور پہلے رمضان کے روزوں کی قضاء اس کے بعد کرے۔

تشریح:۔(۳۸) یعنی رمضان شریف کے فوت شدہ روزے چاہے تو متفرق رکھے اور چاہے تو پے در پے رکھے کیونکہ قضاء روزوں کے بارے میں نص یعنی ﴿وَمَنْ كَانَ مَرِيْضاً اَوْعَلى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ اَيَّامٍ اُخَر﴾ (یعنی جو شخص تم میں سے مریض ہو یا سفر میں ہو تو افطار کر کے اسکے شمار پھر دوسرے ایام میں رکھے) مطلق ہے اس میں پے در پے رکھنے کی قید نہیں ہے لیکن پے در پے رکھنا مستحب ہے تاکہ واجب ادا کرنے میں جلدی ہو۔

(۳۹) اگر کسی پر رمضان کے روزوں کی قضاء واجب ہو اس نے فوت شدہ روزوں کی قضاء مؤخر کیا یہاں تک کہ دوسرا رمضان آگیا تو یہ شخص پہلے دوسرے رمضان کے روزے رکھے کیونکہ یہ وقت ان ہی کا ہے اور گذشتہ روزوں کی قضاء اس کے بعد کرے کیونکہ بعد کا زمانہ بھی فوت شدہ روزوں کا وقت ہے (٤٠) اس تاخیر کی وجہ سے اس پر فدیہ بھی واجب نہیں ہوگا کیونکہ فوت شدہ روزوں کی قضاء علی التراخی واجب ہے علی الفور نہیں۔

(٤١)وَالْحَامِلُ وَالْمُرْضِعُ اِذَاخَافَتَا عَلى وَلَدَيْهِمَااَفْطَرَتَاوَقَضَتَا(٤٢)وَلَافِدْيَةَ عَلَيْهِمَا(٤٣)والشَّيْخُ الْفَانِي الَّذِيْ لَايَقْدِرُعَلَى الصِّيَامِ يُفطِرُوَيُطْعِمُ لِكُلِّ يَومٍ مِسْكِيناً كَمَايُطْعِمُ فِي الْكَفَّارَاتِ۔

ترجمہ:۔ اور حاملہ اور دودھ پلانے والی کو جب اپنے بچوں کا اندیشہ ہو تو روزہ نہ رکھیں قضا کر لیں اور ان دونوں پر کوئی فدیہ بھی نہیں اور ایسا شیخ فانی جو روزہ رکھنے پر قادر نہ ہو تو نہ رکھے بلکہ کھانا کھلائے ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو جیسے کفارات میں کھانا کھلایا جاتا ہے۔

تشریح:۔(٤١) یعنی حاملہ عورت اور دودھ پلانے والی عورت کو اگر روزہ رکھنے کی وجہ سے اپنے بچوں کے ضائع ہونے کا خوف ہو یا اپنی جان کا خوف ہو تو یہ دونوں افطار کر لیں اور بعد میں ان روزوں کی قضاء کریں کیونکہ ان صورتوں میں روزہ رکھنے میں حرج ہے اور حرج شرعاً مدفوع ہے (٤٢) اور ان پر فدیہ بھی نہیں کیونکہ یہ مسافر اور مریض کی طرح عجز کی وجہ افطار کر چکیں ہیں۔

(٤٣) شیخ فانی وہ بوڑھا مرد یا بوڑھی عورت ہے جو روزہ رکھنے پر قدرت نہ رکھتا ہو انکو فانی اسلئے کہتے ہیں کہ یہ فناء کے قریب ہو گیا ہے۔ یا اسکی قوت فناء ہو گئی ہے۔ شیخ فانی کے بارے میں حکم یہ ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے اور ہر روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا دیدے جیسا کہ کفارات میں دیا جاتا ہے لقوله تعالى ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ اَیْ وَعَلَى الَّذِيْنَ لَايُطِيْقُوْنَهُ الخ﴾ (یعنی جو لوگ روزہ کی طاقت نہ رکھتے ہوں ان پر فدیہ واجب ہے ہر دن کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلائے)۔

(۴۴)وَمَنْ ماتَ وَعَلَيهِ قَضاءُ رَمضانَ فَاَوْصٰى بِهِ اَطْعَمَ عَنهُ وَلِيُّهُ لِكُلِّ يَومٍ مِسْكِيناًنِصفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّاَوْصَاعاًمِنْ تَمرٍاَوْشَعِيرٍ(۴۵)وَمَنْ دَخَلَ فِي صَومِ التَطوّعِ ثُمَّ اَفْسَدَهُ قَضَاه۔

ترجمہ:۔اور جو شخص مرگیا اور اس کے ذمہ رمضان کی قضاء تھی پس اس نے اس کے بارے میں وصیت کی تو اس کی طرف سے اس کا ولی ہر روز ایک مسکین کو نصف صاع گندم یا ایک صاع کھجور یا جَو کھلائے اور جس نے نفلی روزہ شروع کردیا پھر اس کو فاسد کردیا تو اس کی قضاء کرے۔

تشریح:۔(۴۴) یعنی اگر کسی پر رمضان کے روزوں کی قضاء واجب ہو اور وہ مرنے کے قریب ہوگیا اور اس نے اپنے ورثہ کو فدیہ دینے کی وصیت کی تو اسکا ولی اسکی طرف سے ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو گندم کا آدھا صاع دیدے۔یا جَو یا کھجور کا ایک صاع دیدے وجہ یہ ہے کہ یہ شخص اپنی عمر کے آخر میں روزہ ادا کرنے سے عاجز ہوگیا تو یہ شیخ فانی کی طرح ہوا لہذا اب فدیہ دینے کا حکم ہے اور یہ ولی پر واجب ہے بشرطیکہ ترکہ کے ثلث سے پورا ہوتا ہو ورنہ بقدر ثلث واجب ہے۔اور اگر اس نے وصیت نہیں کی تو ورثہ پر لازم نہیں ہاں تبرع کرسکتے ہیں۔

(۴۵) اگر کسی نے نفلی روزہ شروع کردیا اور پھر اسکو فاسد کرڈالا تو اس پر اس کی قضاء کرنا واجب ہے کیونکہ نفلی روزہ جو شروع کردیا گیا وہ عبادۃ اور عمل ہے اور عمل کو باطل ہونے سے بچانا واجب ہے لقولہ تعالی ﴿وَلَاتُبْطِلُوْااَعْمَالَكُمْ﴾ (یعنی اپنے اعمال کو باطل مت کرو) اور اعمال کو باطل ہونے سے بچانا اس طرح ہوسکتا ہے کہ اسکو پورا کیا جائے لہذا بعد از شروع عمل کو پورا کرنا واجب ہے اور جس عمل کا پورا کرنا واجب ہو بصورت فساد اس کی قضاء کرنا بھی واجب ہے۔

(۴۶)وَاِذَابَلَغَ الصَّبِيُّ اَوْاَسْلَمَ الْكافِرُفِي رَمضَانَ اَمْسَكَابَقِيَّةَ يَوْمِهِمَاوَصَامَابَعدَه(۴۷)وَلَمْ يَقضِيَامَا مَضٰى۔

ترجمہ:۔اور جب بچہ بالغ ہوجائے یا کافر اسلام لائے رمضان شریف میں تو وہ باقی دن رکے رہیں اور اسکے بعد کے دنوں کا روزہ رکھیں اور گذشتہ دنوں کی قضاء نہ کریں۔

تشریح:۔(۴۶) یعنی اگر رمضان المبارک کے دن میں کوئی نابالغ بچہ بالغ ہوگیا یا کافر مسلمان ہوگیا تو یہ دونوں بقیہ دن کھانے پینے اور جماع کرنے سے اجتناب کرے تاکہ روزے داروں کیساتھ مشابہت اختیار کرنے کی وجہ سے رمضان المبارک کے مقدس وقت کا حق ادا ہوجائے۔اور رمضان المبارک کے باقی ماندہ ایام میں ان پر روزہ رکھنا واجب ہے کیونکہ اب ان میں اہلیت بھی ہے (کہ عاقل، بالغ اور مسلمان ہے) اور سبب روزہ یعنی رمضان المبارک کا مہینہ بھی موجود ہے (۴۷) پھر مسلمان اور بالغ ہونے کے دن اور اس سے پہلے دنوں کی قضاء ان پر لازم نہیں کیونکہ ان دنوں میں عدم اہلیت کی وجہ سے یہ لوگ امر باری تعالی کے مخاطب نہیں۔

(۴۸)وَمَنْ اُغْمِيَ عَلَيْهِ فِي رَمضَانَ لَمْ يَقْضِ الْيَومَ الَّذِيْ حَدَثَ فِيْهِ الْاِغْمَاءُ(۴۹)وَقَضٰى مَابَعْدَه۔

ترجمہ:۔اور جس پر رمضان المبارک میں بے ہوشی طاری ہوگئی تو اس دن کے روزے کی قضاء نہ کرے جس دن بے ہوشی طاری ہوگئی ہے اور اسکے بعد کے دنوں کی قضاء کرے۔

تشـــریح :۔(۴۸)یعنی اگر کسی پر رمضان المبارک میں کئی دن بے ہوشی طاری رہی اور وہ مفطرات صوم سے باز رہا تو وہ اس روزے کی قضاء نہ کرے جس میں بے ہوشی شروع ہوئی ہے کیونکہ ظاہر حال مسلمان کی یہ ہے کہ اس نے رات سے روزے کی نیت کی ہے اور مفطرات سے بھی باز رہا لہذا روزہ پایا گیا اسلئے اس پر قضاء واجب نہیں (۴۹) البتہ اس دن کے بعد والے دنوں کی قضاء کرے کیونکہ مفطرات سے اگر چہ باز رہا ہے مگر نیت نہ پائی جانے کی وجہ سے روزہ نہیں ہوا اسلئے قضاء کرنا واجب ہے۔

(۵۰)وَاِذَااَفَاقَ الْمَجْنُونُ فِی بَعضِ رَمضَانَ قَضٰی مامَضٰی مِنهُ(۵۱)وَصَامَ مَابَقِیَ(۵۲)وَاِذَاحَاضَتِ الْمرأۃُ اَوْ نَفِسَتْ اَفْطَرَتْ وَقَضَتْ اِذَاطَهُرَتْ۔

ترجمہ:۔اور جب رمضان کے بعض دنوں میں کسی دیوانے کا افاقہ ہو جائے تو گذشتہ دنوں کی قضاء کرے اور باقی دنوں کے روزے رکھے اور جب عورت کو حیض یا نفاس آجائے تو افطار کرے اور قضاء کرے جب پاک ہو جائے۔

تشـــریح :۔(۵۰)یعنی اگر مجنون کو رمضان المبارک کے بعض حصہ میں افاقہ ہو گیا تو وہ گذشتہ ایام کی قضاء کرے(۵۱)اور آئندہ دنوں کے روزے رکھے کیونکہ سبب یعنی شہود شہر رمضان پایا گیا اور اہلیت وجوب موجود ہے اس لئے کہ اہلیت وجوب آدمیت ہے جس کی وجہ سے انسان اور جانور میں فرق قائم ہے اسی وجہ سے تو مجنون پر صدقہ فطر اور نفقہ محارم واجب ہے اسلئے مجنون پر گذشتہ ایام کی قضاء لازم ہے۔

(۵۲) رمضان المبارک میں اگر کسی عورت کو حیض آ گیا یا نفاس والی ہو گئی تو یہ عورت اس روزہ کو توڑ دے اور دیگر روزہ داروں کے ساتھ تشبہ نہ کرے اور بعد میں قضاء کر دے کیونکہ روزہ کے قضاء کرنے میں حرج نہیں ہے۔

(۵۳)وَاِذَاقَدِمَ الْمُسَافِرُاَوْطَهُرَتِ الْحَائِضُ فِی بَعضِ النَّهَارِاَمْسَكَا عَنِ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ بَقِيَّةَ يَومِهِمَا۔

ترجمہ:۔اور جب دن کے بعض حصے میں مسافر سفر سے آئے یا حائضہ عورت پاک ہو جائے تو باقی دن کھانے پینے سے رکے رہیں۔

تشـــریح:۔(۵۳)یعنی اگر مسافر رمضان المبارک کے دن میں گھر آیا اور صبح سے روزہ نہیں تھا تو اس شخص پر روزہ داروں کی طرح بقیہ دن مفطرات یعنی کھانے پینے اور جماع کرنے سے اجتناب کرنا واجب ہے اور یہ وجوب رمضان کے مقدس وقت کا حق ادا کرنے کیلئے ہے۔ یہی حکم اس عورت کا بھی ہے جو دن کے بعض حصہ میں حیض یا نفاس سے پاک ہو جائے۔

(۵۴)وَمَنْ تَسَحَّرَوَهُوَيَظُنُّ اَنَّ الْفَجْرَلَمْ يَطْلُعْ اَوْاَفْطَرَوَهُوَيَرٰى اَنَّ الشَّمْسَ قَدْغَرَبَتْ ثُمَّ تَبَيَّنَ اَنَّ الْفَجْرَكَانَ قَدْ طَلَعَ اَوْاَنَّ الشَّمْسَ لَمْ تَغْرُبْ قَضٰی ذَالِكَ الْيَوْمَ(۵۵)وَلَاكَفَّارَةَ عَلَيْهِ۔

ترجمہ:۔اور جس نے سحری کھائی یہ گمان کرتے ہوئے کہ فجر طلوع نہیں ہوئی یا روزہ افطار کیا یہ خیال کرتے ہوئے کہ آفتاب غروب ہو گیا پھر معلوم ہوا کہ فجر طلوع ہو چکی تھی یا آفتاب غروب نہیں ہوا تھا تو اس دن کی قضاء کرے اور اس پر کفارہ نہیں۔

تشـــریح:۔(۵۴)یعنی اگر رمضان المبارک کی رات میں کسی نے یہ گمان کر کے سحری کھائی کہ ابھی صبح صادق نہیں ہوئی ہے بعد میں معلوم ہوا کہ صبح ہو چکی تھی۔یا یہ گمان کر کے افطار کر لیا کہ سورج غروب ہو چکا ہے بعد میں معلوم ہوا کہ سورج غروب نہیں ہوا تھا تو ان دونوں

صورتوں میں اس شخص پر حقِ وقت کی وجہ سے مفطرات سے اجتناب کرنا واجب ہے بعد میں اس دن کی قضاء کرلے کیونکہ روزہ ایسا حق شرعی ہے کہ فوت ہونے سے ساقط نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کا ضمان بالمثل واجب ہوتا ہے (۵۵) البتہ کفارہ اس پر نہیں کیونکہ عدم قصد کی وجہ سے جنایت کامل نہیں قاصر ہے۔

(۵۶) وَمَنْ رَاٰى هِلَالَ الْفِطْرِ وَحْدَهٗ لَمْ يُفْطِرْ (۵۷) وَاِذَا كَانَ بِالسَّمَاءِ عِلَّةٌ لَمْ يَقْبَلِ الْاِمَامُ فِي هِلَالِ الْفِطْرِ اِلَّا شَهَادَةَ رَجُلَيْنِ اَوْ رَجُلٍ وَامْرَاَتَيْنِ (۵۸) وَاِنْ لَمْ تَكُنْ بِالسَّمَاءِ عِلَّةٌ لَمْ يَقْبَلْ اِلَّا شَهَادَةَ جَمَاعَةٍ يَقَعُ الْعِلْمُ بِخَبَرِهِمْ۔

ترجمہ:۔اور جس نے عید کا چاند اکیلے دیکھا تو وہ افطار نہ کرے اور جب آسمان میں کوئی علت ہو تو امام قبول نہ کرے مگر دو مردوں یا ایک مرد دو عورتوں کی گواہی، اور اگر آسمان میں کوئی علت نہ ہو تو قبول نہ کرے مگر ایک ایسی جماعت کی گواہی جن کی خبر دینے کی یقین آجائے۔

تشریح:۔(۵۶) یعنی اگر کسی نے تنہا عید الفطر کا چاند دیکھا تو اس پر احتیاطاً روزہ واجب ہے اور افطار نہ کرے اور اگر افطار کرلیا تو اسکی قضاء کرلے مگر اس پر کفارہ نہیں اسلئے کہ شبہ پایا جاتا ہے کیونکہ ہوسکتا ہے اس نے دیکھنے میں غلطی کی ہو۔

(۵۷) اگر انتیس رمضان کو آسمان پر بادل یا گرد وغبار ہو تو عید الفطر کے چاند دیکھنے میں دو مردوں یا ایک مرد دو عورتوں کی شہادت ضروری ہے کیونکہ عید الفطر کے چاند کے ساتھ بندوں کا نفع یعنی افطار متعلق ہے تو یہ دیگر حقوق العباد کے مشابہ ہوگیا لہٰذا اس کے ثبوت کیلئے بھی دیگر حقوق العباد کی طرح دو مرد یا ایک مرد دو عورتوں کی شہادت ضروری ہے اور عید الضحیٰ کے چاند کا بھی یہی حکم ہے۔

(۵۸) اگر آسمان پر بادل یا گرد وغبار نہ ہو تو امام اس وقت تک عید ہونے کا فیصلہ نہ کرے جب تک کہ ایک ایسی جماعت خبر نہ دے جس کی خبر سے چاند دیکھنے کی یقین حاصل ہوجائے اسکی وجہ رؤیت ہلال رمضان میں گذر چکی ہے۔

بَابُ الْاِعْتِكَافِ

یہ باب اعتکاف کے بیان میں ہے۔

اعتکاف عکوف سے ہے لغوی معنی لازم پکڑنا اور حبس ومنع ہے اور اصطلاح شریعت میں بنیت اعتکاف مسجد میں ٹھہرنے کو اعتکاف کہتے ہیں۔باب اعتکاف، کتاب الصوم کے بعد لانے کی وجہ یہ ہے کہ صوم اعتکاف کیلئے شرط ہے اور شرط طبعاً مشروط سے مقدم ہوتی ہے لہٰذا امام قدوری رحمہ اللہ نے وضعاً بھی مقدم کرلیا۔

(۵۹) اَلْاِعْتِكَافُ مُسْتَحَبٌّ۔

ترجمہ:۔اعتکاف مستحب ہے۔

تشریح:۔(۵۹) امام قدوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اعتکاف مستحب ہے مگر صحیح یہ ہے کہ اعتکاف تین قسم پر ہے۔/**نمبر ۱**۔ واجب۔جو بطریق نذر لازم کرلیا جائے۔/**نمبر ۲**۔سنت مؤکدہ۔جو رمضان المبارک کے آخیر عشرہ میں ہوتا ہے۔/**نمبر ۳**۔مستحب۔جو ان دو کے علاوہ ہو۔

(٦٠)وَهُوَ اللُّبْثُ فِی الْمَسْجِدِمَعَ الصَّوْمِ وَنِیَّةِ الْاِعْتِکَافِ۔

ترجمہ:۔اور اعتکاف یہ ہے کہ روزے اور اعتکاف کی نیت سے مسجد میں رہے۔

تشریح:۔(٦٠) یہ اعتکاف کی اصطلاحی تعریف ہے یعنی اعتکاف روزے کے ساتھ بنیتِ اعتکاف مسجد میں ٹھہرنے کو کہتے ہیں۔ٹھہرنا اعتکاف کا رکن ہے کیونکہ اعتکاف ٹھہرنے ہی سے وجود میں آتا ہے۔اور روزہ اعتکاف واجب کیلئے تو شرط ہے۔باقی نفل اعتکاف کیلئے شرط ہے یا نہیں اس بارے میں روایات مختلف ہیں ظاہر روایت عدم اشتراط کی ہے اور بروایت حسن بن زیادؒ شرط ہے۔

نیت چونکہ تمام عباداتِ مقصودہ میں شرط ہے لہذا اعتکاف کے لئے بھی شرط ہوگی۔اور مرد کے حق میں اعتکاف کی شروط جواز میں سے مسجد کا ہونا ہے اور مسجد بھی ایسی ہو کہ اس کیلئے امام اور مؤذن ہو اور اسمیں پانچوں نمازیں یا بعض باجماعت ادا کی جاتی ہوں "لحدیث حُذَیْفَة رضی اللّٰه تعالی عنه لااِعْتِکَافَ اِلَّافِی مَسْجِدِ جَمَاعَةٍ" (یعنی اعتکاف نہیں مگر مسجد جامع میں)۔

(٦١)وَیَحْرُمُ عَلَی الْمُعْتَکِفِ الْوَطْیءُ وَاللَّمسُ وَالْقُبْلَةُ (٦٢)وَاِنْ اَنْزَلَ بِقُبْلَةٍ اَوْ لَمسٍ فَسَدَ اِعْتِکَافُه وَعَلَیْهِ الْقَضَاءُ۔

ترجمہ:۔اور اعتکاف کرنے والے پر صحبت کرنا اور عورت کو چھونا اور بوسہ لینا حرام ہے اور اگر بوسہ لینے یا چھونے سے انزال ہوگیا تو اس کا اعتکاف فاسد ہوگیا اور اس پر قضاء لازم ہے۔

تشریح:۔(٦١) یعنی معتکف کیلئے بحالتِ اعتکاف جماع کرنا حرام ہے لقوله تعالی ﴿ولاتُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عَاکِفُوْنَ فِی الْمَسَاجِدِ﴾ (مت مباشرت کرو عورتوں سے درآنحالیکہ تم مساجد میں معتکف ہوں)۔(٦٢) اسی طرح معتکف کیلئے عورت کا چھونا اور بوسہ لینا بھی حرام ہے کیونکہ یہ دونوں باتیں دواعی جماع میں سے ہیں جماع ممنوع ہے تو اسکے دواعی بھی ممنوع ہونگے۔لہذا اگر بوسہ لینے یا چھونے سے انزال ہوگیا تو اس کا اعتکاف فاسد ہوگیا اور اس پر قضاء لازم ہے۔

(٦٣)وَلا یَخْرُجُ مِنَ الْمَسْجِدِ اِلَّا لِحَاجَةِ الْاِنْسَانِ اَوْلِلْجُمُعَةِ۔

ترجمہ:۔اور مسجد سے نہ نکلے مگر حاجتِ انسانی اور جمعہ کے لئے۔

تشریح:۔(٦٣) یعنی معتکف کیلئے مسجد سے نکلنا جائز نہیں مگر دو ضرورتوں کیلئے ایک طبعی جیسے بول و براز، دوم دینی جیسے جمعہ وغیرہ پھر ضرورت طبعی کیلئے نکلنا اسلئے جائز ہے کہ ضروریات انسانی کا واقع ہونا پہلے سے معلوم ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ ان کیلئے نکلنا ضروری ہے لہذا ان ضرورتوں کیلئے نکلنا خود ہی اعتکاف سے مستثنی ہے۔اور ضرورت دینی یعنی جمعہ کے لئے نکلنا اسلئے جائز ہے کہ یہ بھی اہم حوائج میں سے ہے اور اس کا واقع ہونا بھی معلوم ہے لہذا اس کے لئے نکلنا بھی اعتکاف سے مستثنی ہے۔

پھر ان ضرورتوں کو پورا کرنے کے بعد حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اگر مسجد سے باہر تھوڑی دیر کے لئے نکل گیا تو اعتکاف فاسد ہو جائیگا کیونکہ لبث فی المسجد اعتکاف کا رکن ہے اور مسجد سے نکلنا اسکی ضد ہے اور شی اپنی ضد کے پائی جانے سے فوت ہو جاتی ہے۔صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک جب تک کہ نصف دن سے زائد بلاعذر مسجد سے باہر نہ رہے اعتکاف فاسد نہ

ہوگا کیونکہ تھوڑی دیر کیلئے مسجد سے نکلنا ضرورت کی وجہ سے معاف ہے اور زیادہ معاف نہیں۔قلیل وکثیر میں حدِ فاصل نصف دن سے زائد ہے۔امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے۔

(٦٤)وَلَابَاسَ بِاَنْ يَبِيعَ وَيَبْتَاعَ فِي الْمَسجِدِ مِن غيرِاَنْ يُحْضِرَ السِّلْعَةَ۔

توجمه:۔اور مسجد کے اندر اسباب لائے بغیر خرید وفروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

تشریح:۔(٦٤)یعنی معتکف کیلئے ضروری اشیاء کا مسجد کے اندر خریدنے اور فروخت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ کبھی معتکف کو خرید وفروخت کی ضرورت پڑتی ہے دوسرا کوئی ایسا نہیں پاتا جو اس کی ضرورت کو پورا کردے لہذا اس ضرورت کے پیش نظر معتکف کو اسکی اجازت دی گئی ہے۔لیکن خرید وفروخت کیلئے مسجد کے اندر سامان لانا مکروہ ہے کیونکہ مسجد حقوق العباد سے منزہ ہے اور خرید وفروخت کا سامان لاکر مسجد میں رکھنے میں مسجد کا حقوق العباد کے ساتھ مشغول ہونا لازم آتا ہے اسلئے خرید وفروخت کا سامان مسجد میں لانا مکروہ ہے۔

(٦٥)وَلَايَتَكَلَّمُ اِلَّا بِخَيرٍ(٦٦)وَيُكرَهُ لَه الصَّمْتُ۔

توجمه:۔اور باتیں نہ کرے مگر خیر کی اور معتکف کے لئے خاموش رہنا بھی مکروہ ہے۔

تشریح:۔(٦٥)یعنی معتکف کو چاہئے کہ وہ بری باتیں نہ کرے بلکہ نیک اور اچھی باتیں کریں یہ حکم ہر کسی کیلئے ہے مگر معتکف اس کا زیادہ لائق ہے(٦٦)اور عبادت سمجھ کر خاموش رہنا بھی مکروہ ہے کیونکہ خاموشی کا روزہ پہلی شریعتوں میں تھا ہماری شریعت میں نہیں۔

(٦٧)فَاِنْ جامعَ الْمعتَكِفُ لَيلاًاَونَهاراًنَاسِياًاَوْعَامِداًاَبطَلَ اِعتِكافُهُ(٦٨)وَلوخرجَ من الْمَسجِدِ سَاعةً بِغَيرِعُذْرٍ فَسَدَاِعْتِكَافُهُ عِنْدَاَبِي حَنِيفَةَ رَحمهُ اللهُ وَقَالَارحِمهُمَااللهُ لَايَفْسُدُحَتّٰى يَكُوْنَ اَكثَرَمِنْ نِصْفِ يَوْمٍ۔

توجمه:۔اگر معتکف نے رات کو یا دن کو،بھول کر یا قصداً جماع کرلیا تو اس کا اعتکاف باطل ہوگیا اور اگر بغیر عذر ایک گھڑی مسجد سے باہر نکلا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا اعتکاف فاسد ہوگیا اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں فاسد نہیں ہوتا یہاں تک کہ وہ نصف دن سے زائد باہر رہے۔

تشریح:۔(٦٧)یعنی اگر معتکف نے رات یا دن میں عمداً یا بھول کر جماع کیا تو اس کا اعتکاف باطل ہوجائیگا خواہ انزال ہو یا نہ ہو کیونکہ رات بھی اعتکاف کا محل ہے لہذا جو چیز دن میں مبطل اعتکاف ہے وہی رات میں بھی مبطل ہے۔اور نسیان اس لئے عذر نہیں کہ حالت اعتکاف یعنی مسجد میں ہونا ہر وقت یاد دہانی کراتی ہے کہ تو اعتکاف میں ہے مفسدات اعتکاف سے اجتناب کر لہذا نسیان عذر نہ ہوگا۔

(٦٨) حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اگر مسجد سے باہر تھوڑی دیر کے لئے نکل گیا تو اعتکاف فاسد ہوجائیگا کیونکہ لبث فی المسجد اعتکاف کا رکن ہے اور مسجد سے نکلنا اسکی ضد ہے اور شئی اپنی ضد کے پائی جانے سے فوت ہوجاتی ہے۔صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک جب تک کہ نصف دن سے زائد بلا عذر مسجد سے باہر نہ رہے اعتکاف فاسد نہ ہوگا کیونکہ تھوڑی دیر کیلئے مسجد سے نکلنا ضرورت کی وجہ سے معاف ہے اور زیادہ معاف نہیں۔قلیل وکثیر میں حدِ فاصل نصف دن سے زائد ہے۔امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے۔

(٦٩)وَمَنْ اَوجَبَ عَلٰی نَفْسِهٖ اِعْتِكَافَ اَيَّامٍ لَزِمَهٗ اِعْتِكَافُهَا بِلَيَالِيْهَا (٧٠)وَ كَانَتْ مُتَتَابِعَةً وَاِنْ لَّمْ يَشْتَرِطِ التَّتَابُعَ فِيْهَا۔

ترجمه:۔اور جس نے خود پر دنوں کا اعتکاف لازم کیا تو اس پر ان دنوں کی راتوں کا اعتکاف بھی لازم ہوگا اور اعتکاف کے دن پے درپے ہونگے اگر چہ اس نے پے درپے کی نیت نہ کی ہو۔

تشریح:۔(٦٩)یعنی اگر کسی نے چند ایام کا اعتکاف اپنے اوپر لازم کیا مثلاً کہا کہ ،اللہ کے واسطے مجھ پر دس دن کا اعتکاف لازم ہے،تو ان ایام کی راتوں کا اعتکاف بھی لازم ہوگا کیونکہ قاعدہ ہے کہ بصیغہ جمع ایام کا ذکر کرنا ان کے مقابل راتوں کو بھی شامل ہوتا ہے۔

(٧٠)اعتکاف پے درپے لازم ہوگا اگر چہ پے درپے کی شرط نہ کی ہو کیونکہ اعتکاف کا مبنٰی تتابع اور تسلسل پر ہے اسلئے کہ شب وروز کے تمام اوقات قابل اعتکاف ہیں۔

كتابُ الحجّ

یہ کتاب حج کے بیان میں ہے۔

کتاب الحج کی ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ عبادات تین قسم پر ہیں۔/ **نمبر ۱**۔محض بدنی عبادات جیسے صلوٰۃ /**نمبر ۲**۔محض مالی عبادات جیسے زکوٰۃ وغیرہ۔/ **نمبر ۳**۔دونوں سے مرکب جیسے حج۔امام قدوری رحمہ اللہ اول دو سے فارغ ہو گئے تو تیسرے کو شروع فرمایا۔

لفظ حج بفتح الحاء وکسر الحاء دونوں طرح مستعمل ہے لغت میں مطلقاً قصد کو کہتے ہیں۔بعض کے نزدیک کسی معظم کی طرف قصد کرنے کو حج کہتے ہیں اور اصطلاح شرع میں ''زِيَارَةُ مَكَانٍ مَخْصُوصٍ فِي زَمَنٍ مَخْصُوصٍ بِفِعْلٍ مَخْصُوصٍ ''(یعنی مکان مخصوص کی زمانہ مخصوص میں فعل مخصوص کے ساتھ زیارت کرنے کو حج کہتے ہیں)۔

امام قدوریؒ نے عنوان میں حج ذکر کیا ہے جبکہ تفصیل میں عمرہ کا بیان بھی ہے تو اس کی وجہ حج کا اشرف اور فرض ہونا بیان کیا ہے یا یوں کہو کہ حج کی دو قسمیں ہیں، حج الاکبر، جسے حج الاسلام کہا جاتا ہے۔اور حج الاصغر، جسے عمرہ کہا جاتا ہے،تو عنوان دونوں کو شامل ہے۔

صحیح یہ ہے کہ حج صرف اس ملت بیضاء پر واجب ہے۔پیغمبر ﷺ نے ہجرۃ سے پہلے حج کئے ہیں مگر ان کی تعداد معلوم نہیں اور فرض حج آپ ﷺ نے دس ہجری کو ادا فرمایا۔حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نو ہجری کو حج ادا کیا اور نو ہجری ہی میں حج فرض ہوا ہے۔

حج میں تین چیزیں فرض ہیں،احرام،وقوف عرفات اور طواف زیارت۔اور پانچ چیزیں واجب ہیں،وقوف مزدلفہ،رمی الجمار حلق یا قصر،سعی بین الصفا والمروۃ اور طواف صدر۔باقی ان کے علاوہ سنن اور آداب ہیں۔

الحكمة:۔شرع الحج للمسلمين ليجتمعوا في صعيد واحد على اختلاف اجناسهم وملاهبهم وبعد بلادهم واقطارهم كما قال الله تعالى في كتابه العزيز﴿واذن في الناس بالحج يأتوك رجالا وعلى كل ضامر يأتين من كل فج عميق﴾فاذا اجتمعوا من اماكنهم

الشاسعة حصل بينهم التعارف والتآلف وعرف العربی الهندی ،والترکی الصینی ،
والمصری الشامی وهلم جرا حتی الهم بهذا الاجتماع وهذا التعارف کالاخوة
الذین هم من أب واحد وأم واحدة لرابطة الدین التی جعلتهم کذالک
بلافرق بین قبیلة واخری او عنصر وآخر۔(حکمة التشریع)

(۱)اَلحجُّ واجِبٌ علی الْاَحْرَارِالْمُسْلِمِینَ الْبَالِغِینَ الْعُقَلاءِ الْاَصِحَّاءِ اِذَاقَدَرُوْاعَلَی الزَّادِوَ الرَّاحِلَةِ فَاضِلاًعَنِ الْمَسْکَنِ وَمَالابُدَّمنه وعَنْ نَفقَةِ عِیَالِه اِلٰی حِیْنَ عَوْدِهٖ وَکَانَ الطَّرِیْقُ آمناً(۲)وَیُعْتَبَرُفی حَقِّ الْمَرْاَةِ اَنْ یَکُوْنَ لَهَا مَحْرَمٌ یَحُجُّ بِهَااَوْزَوْجٌ ولایَجُوزُلَهَااَنْ تَحُجَّ بِغَیرِهِمَااِذَا کَانَ بَیْنَهَا وَبینَ مَکَّةَ مَسِیْرَةُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ فَصَاعِداً۔

ترجمہ:۔حج ایسے لوگوں پرواجب ہے جوآزاد،مسلمان،بالغ،عاقل اورتندرست ہوں بشرطیکہ ایسےتوشہ اورسواری پرقدرت رکھتے ہوں جورہائشی مکان،ضروریات کی چیزوں اورتاواپسی اسکے عیال کے نفقہ سے زائدہوں اورراستہ پرامن ہواورعورت کے حق میں یہ معتبر ہے کہ اس کے ساتھ کوئی اس کا محرم یااس کا خاوند ہوجس کے ساتھ عورت حج کرے اوران دونوں کے علاوہ کے ساتھ حج کرنا جائزنہیں جبکہ عورت اورمکہ مکرمہ کے درمیان تین دن یااس سے زائدکی مسافت ہو۔

تشریح:۔(۱)"الحج واجبٌ"میں"واجبٌ"بمعنی ثابت ولازم ہےلہذایہاں واجب سے مرادفرض ہے کیونکہ حج دلیل قطعی سے ثابت ہے۔فرضیت کی دلیل باری تعالیٰ کاارشاد ہے﴿وَلِلّٰهِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ﴾(یعنی اللہ کے واسطےلوگوں پرفرض ہے بیت اللہ کاحج کرناجواس راہ کی استطاعت پائے)۔

فرضیت حج کیلئے کچھ شرائط ہیں پہلی شرط حج کرنے والے کاحرہوناہےغلام پرحج فرض نہیں کیونکہ حج غالباًبغیرمال کےادانہیں ہوسکتاہےجبکہ غلام کچھ بھی مال نہیں رکھتاہے۔دوسری شرط مسلمان ہوناہےکافرپرحج فرض نہیں کیونکہ کافرفی حق الاداءفروع ایمان کا مخاطب نہیں۔تیسری شرط بالغ ہوناہےبچےپرحج فرض نہیں کیونکہ عبادات ان سےساقط ہیں۔

چوتھی شرط عاقل ہوناہےمجنون پرحج فرض نہیں کیونکہ مجنون مرفوع القلم ہے۔پانچویں شرط تندرست ہوناہےبیمار،مفلوج،اندھےپرحج فرض نہیں کیونکہ عبادات سےعجزسقوط عبادات میں مؤثرہےجب تک کہ عذرقائم ہو۔

چھٹی شرط سواری اورآنےجانےکاخرچہ ہےجورہائشی گھراورضروریات سےزائدہوکیونکہ یہ چیزیں اسکےحاجات اصلیہ کے ساتھ مشغول ہیں اوربچوں(جن کاخرچہ اس کےذمہ واجب ہے)کےخرچ سےزائدہوکیونکہ حق عبدمقدم ہےحقوق اللہ سے۔ساتویں شرط راستےکاپرامن ہوناہےکیونکہ استطاعت بغیرآمن کےثابت نہیں ہوتاہے۔

(۲)عورت کیلئےاگرچہ بوڑھی ہوایک مزیدشرط یہ بھی ہےکہ(اگرمکہ مکرمہ سےتین دن یااس سےزیادہ فاصلےپرہے)اس کے ساتھ کوئی عاقل بالغ اورغیرفاسق محرم یاشوہرہوبغیرمحرم یاشوہرکےاتنےفاصلےسےعورت کاحج پرجانامکروہ تحریمی ہے"لِقَوْلِهٖ صَلَّی اللّٰہ

علیه وسلم لاتحجنّ امرأة الاومعهامحرم " (یعنی ہرگز کوئی عورت حج کو نہ جائے مگر اس حال میں کہ اس کے ساتھ کوئی محرم ہو)۔

لایجوز لهاان تحج بمعنی تکره تحریمًالهاان تحج الخ

الالغاز:۔ ای فقیر یلزمه الاستقراض للحج؟

فقل:۔ من کان غنیا ووجب علیه ثم استهلکه ۔(الاشباه والنظائر)

(۴)والمواقیت التی لایجوز ان یتجاوزها الانسان الامحرما لاهل المدینة ذوالحلیفة ولاهل العراق ذات عرق ولاهل الشام الجحفة ولاهل النجد قرن ولاهل الیمن یلملم۔

ترجمه:۔اور وہ مواقیت جن سے آدمی کو احرام باندھے بغیر گذر جانا جائز نہیں یہ ہیں اہل مدینہ کے لئے ذوالحلیفہ ہے اور اہل عراق کے لئے ذات عرق ہے اور اہل شام کے لئے جحفہ ہے اور اہل نجد کے لئے قرن ہے اور اہل یمن کے لئے یلملم ہے۔

تشریح:۔(۴) یہاں سے ان مواضع کو بیان کرنا چاہتے ہیں جن سے کسی خارجی شخص کیلئے بغیر احرام بیت اللہ کے ارادے سے گذرنا جائز نہیں ہے۔مواقیت میقات کی جمع ہے بمعنی متعین وقت یا متعین مکان یہاں وہ مواضع مراد ہیں جن سے حجاج کرام احرام باندھتے ہیں۔

مختلف علاقوں کیلئے مختلف میقاتیں ہیں مدینہ والوں کیلئے ذوالحلیفہ (بضم الحاء وفتح اللام) ہے جو مدینہ منورہ سے چھ میل کے فاصلے پر ہے اور مکہ مکرمہ سے دس دن کی مسافت پر ہے۔اور عراق، خراسان، ماوراء النہر اور اہل مشرق کیلئے ذات عرق (بکسر العین وسکون الراء) ہے جو مکہ مکرمہ سے دو مراحل پر ہے۔

شام، مصر وغیرہ کیلئے جحفہ (بضم الجیم وسکون الحاء) ہے جو مکہ مکرمہ سے تین مراحل یعنی چھتیس میل پر ہے۔نجد والوں کے لئے قرن (بسکون الراء) ہے جو مکہ مکرمہ سے دو مراحل یعنی چوبیس میل پر ہے۔یمن والوں کیلئے یلملم (بفتح الیاء ولامین وسکون المیم) ہے جو مکہ مکرمہ سے دو مراحل پر ہے یوں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مواقیت کو ان لوگوں کے لئے مقرر فرمایا ہے۔

(٤)فان قدّم الاحرام علی هذه المواقیت جاز(٥)ومن کان منزله بعدالمواقیت فمیقاته الحل(٦)ومن کان بمکة فمیقاته فی الحج الحرم وفی العمرة الحل۔

ترجمه:۔اور اگر کسی نے ان مواقیت سے پہلے ہی احرام باندھ لیا تب بھی جائز ہے اور جس کی رہائش ان مواقیت کے بعد ہو تو اس کی میقات حل ہے اور جو مکہ کے اندر رہتا ہو تو اسکی میقات حج کے لئے حرم ہے اور عمرہ کے لئے حل ہے۔

تشریح:۔(٤) یعنی اگر مذکورہ بالا میقاتوں سے پہلے کسی نے احرام باندھا تو یہ جائز ہے بلکہ افضل ہے ﴿لقوله تعالیٰ واتموا الحج والعمرة لله﴾ یعنی اللہ کے لئے حج اور عمرہ کو پورا کرو۔اور حج وعمرہ کا پورا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کا احرام اپنے گھروں سے باندھ کر نکلو لیکن شرط یہ ہے کہ خلاف احرام کاموں کے سرزد ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔

(٥) جو لوگ مذکورہ بالا میقاتوں کے بعد مکہ مکرمہ سے پہلے رہتے ہوں (یعنی حرم شریف اور مذکورہ میقاتوں کے درمیان رہتے

ہوں) توان کیلئے احرام باندھنے کی میقات حل (بکسر الحاء حل سے مراد حرم اور مذکورہ بالا مواقیت کے درمیانی علاقہ ہے) ہے۔ یہ لوگ اپنی کسی حاجت کے لئے بغیر احرام کے بھی مکہ مکرمہ میں داخل ہو سکتے ہیں کیونکہ ان کو کثرت سے آنے جانے کی ضرورت پیش آتی ہے تو اگر ان پر بھی احرام لازم کر دیا جائے تو اس میں ان کے لئے حرج ہے البتہ اگر یہ لوگ احکام عمرہ یا حج ادا کرنا چاہتے ہیں تو ان کے لئے بغیر احرام کے دخول مکہ جائز نہیں کیونکہ یہ احیاناً ہوتا ہے۔

(٦) جو لوگ مکہ مکرمہ کے اندر رہتے ہوں وہ اگر ادا حج کرتے ہوں تو انکا میقات حرم ہے اور اگر عمرہ ادا کرتے ہوں تو انکا میقات حل ہے کیونکہ حج عرفات میں ادا کیا جاتا ہے اور عرفات حل میں واقع ہے تو حرم سے احرام باندھنے میں ایک طرح کا سفر کرنے والا ہو جائیگا۔ اور عمرہ حرم میں ادا کیا جاتا ہے تو برائے تحقق سفر احرام حل سے باندھنا چاہئے۔

(۷) وَإِذَا أَرَادَ الإِحْرَامَ اغتَسَلَ أَوْتَوَضَّأَ وَالغُسلُ أفضَلُ (۸) وَلَبِسَ ثَوبَينِ جَدِيدَينِ أَوْ غَسِيلَينِ إِزَاراًوَرِدَاءً وَمَسَّ طِيباًإِنْ كانَ لَهُ (۹) وَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وقالَ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أُرِيدُالحجَّ فَيَسِّرْه لِي وتَقَبَّلْهُ مِنِّي (۱۰) ثُمّ يُلَبِّي عقِيبَ صَلٰوتِه (۱۱) فَإِنْ كانَ مُفرِداًبِالحَجِّ نوىٰ بِتلبِيتِه الحجَّ۔

ترجمہ:۔ اور جب کوئی احرام باندھنے کا ارادہ کرے تو غسل کرے یا وضوء کرے اور غسل کرنا افضل ہے اور دو نئے یا دھلے ہوئے کپڑے یعنی ازار اور رداء پہن لے اور اگر اس کے پاس خوشبو ہو تو لگائے اور دو رکعت نماز پڑھے اور یہ دعاء پڑھے "اَللّٰهُمَّ إِنِّي أُرِيدُ الحجَّ فَيَسِّرْه لِي وَتَقَبَّلْه مِنِّي" پھر نماز کے بعد تلبیہ پڑھے پھر اگر صرف حج کا ارادہ کیا ہوا ہے تو اپنے تلبیہ میں حج ہی کی نیت کرے۔

تشریح:۔ (۷) یہاں سے امام قدوری رحمہ اللہ حج یا عمرہ کیلئے احرام باندھنے کا مسنون طریقہ بتانا چاہتے ہیں کہ جو شخص احرام باندھنے کا ارادہ کرے تو غسل کرے کیونکہ پیغمبر ﷺ سے احرام کیلئے غسل کرنا مروی ہے البتہ یہ غسل چونکہ پاکی کیلئے ہے اسلئے وضوء بھی اسکا قائم مقام ہو سکتا ہے مگر غسل افضل ہے کیونکہ غسل سے پاکی اچھی طرح حاصل ہوتی ہے۔

(۸) پھر دو کپڑے نئے یا دھوئے ہوئے پہنے کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے دو کپڑے چادر اور ازار پہنے تھے البتہ نئے کپڑے پہننا افضل ہے کیونکہ اس میں کامل نظافت حاصل ہوتی ہے دو کپڑوں سے مراد اِزار (جو ناف سے گھٹنوں کے نیچے تک ہوتا ہے) اور رِداء (جو پیٹھ اور سینہ پر رہے) ہیں۔ اگر خوشبو پاس ہے تو استحباباً خوشبو بھی لگائے "لحديث عائشة رضي الله تعالى عنها قالت كنت أُطَيِّبُ رَسُولَ اللهِ لِإِحْرَامِه قَبلَ أَنْ يَحْرِمَ" (یعنی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو احرام کے لئے خوشبو لگاتی احرام باندھنے سے پہلے)۔

(۹) اب دو رکعت نماز پڑھے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وقت دو رکعت نماز پڑھنا مروی ہے۔ پھر چونکہ حج طویل اور مشکل عمل ہے لہذا یہ دعاء پڑھے "اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أُرِيدُالحَجَّ الخ" (۱۰) نماز و مذکورہ دعاء کے بعد تلبیہ پڑھنا شروع کردے کیونکہ مروی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نماز کے بعد تلبیہ پڑھا (۱۱) پھر اگر آپ حج افراد کرنے والے ہیں تو تلبیہ میں صرف حج کی نیت کرے۔

فائدہ:۔ یادرہے کہ احرام ازاراور رداء پہننے کونہیں کہتے ہیں جیسا کہ عوام سمجھتے ہیں بلکہ احرام نیت وتلبیہ پڑھنے یا نیت وھدی (قربانی کا وہ جانور جواشہر حج میں حرم کے اندر ذبح کرنے کے لئے بھیجا جاتا ہے) ساتھ لے جانے کو کہتے ہیں۔

(۱۲) وَالتَّلْبِيَةُ اَنْ يقولَ لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ (۱۳) وَلايَنْبَغِيْ اَنْ يُخِلَّ بِشَيْئٍ مِن هٰذِه الْكَلماتِ فَاِنْ زَادَفِيْهَا جَازَ (۱٤) فَاِذَا لَبّٰى فَقَدْ اَحْرَمَ (۱۵) فَلْيَتَّقِ مانَهَى اللّٰه عَنه مِن الرَّفَثِ وَالْفُسُوْقِ وَالْجِدَالِ (۱٦) وَلايَقْتُلُ صَيْداًولايُشِيْرُاِلَيه ولايَدُلُّ عَلَيه (۱۷) ولايَلْبَسُ قَمِيْصاًولاسَرَاوِيْلَ وَلاعِمَامَةً ولاقَلَنْسُوَةً وَلاقَبَاءً (۱۸) ولاخُفَّيْنِ اِلَّااَنْ لايَجِدَ نَعْلَيْنِ فَيَقْطَعُهُمَامِنْ اَسْفَلِ الْكَعْبَيْنِ۔

ترجمہ:۔اور تلبیہ یہ ہے کہ یوں کہے لبیک اللّٰھم لبیک الخ یعنی حاضر ہوں اے اللہ حاضر ہوں، حاضر ہوں، حاضر ہوں، آپ کا کوئی شریک نہیں حاضر ہوں، بیشک حمد اور نعمت آپ ہی کے لئے ہے، بادشاہت آپ کے لئے ہے آپ کا کوئی شریک نہیں۔اور مناسب نہیں ان کلمات سے کچھ کم کرنا پس اگر اس میں اضافہ کرے تو جائز ہے اور جب کسی نے تلبیہ کہہ لیا تو وہ محرم ہو گیا اب اسے چاہئے کہ جن چیزوں سے اللہ نے منع کیا ہے ان سے بچے یعنی جماع کرنے اور جھوٹ بولنے اور لڑائی جھگڑا کرنے سے پرہیز کرے اور شکار نہ کرے اور نہ شکار کی طرف اشارہ کرے اور نہ شکار کسی کو بتلائے اور نہ قمیص پہنے اور نہ شلوار اور نہ پگڑی اور نہ ٹوپی اور نہ جبہ اور نہ موزے پہنے البتہ اگر کسی کے پاس جوتے نہ ہوں تو وہ موزوں کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ کر پہن لے۔

تشریح:۔(۱۲) یہاں سے امام قدوری رحمہ اللہ تلبیہ کے الفاظ بتانا چاہتے ہیں کہ تلبیہ کے الفاظ "لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ الخ" ہیں کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی منقول ہے۔تلبیہ پڑھنا واجب ہے اگر مذکورہ الفاظ کے علاوہ تسبیح وتہلیل پڑھ کر نیت کرے تو بھی محرم ہو جاتا ہے۔

(۱۳) تلبیہ کے مذکورہ الفاظ چونکہ باتفاق الرواۃ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں لہذا ان میں کمی نہ کرے البتہ ان کے کہنے کے بعد اگر حمد وثناء کے مزید الفاظ بڑھائے تو یہ بلاکراہت جائز ہے مثلاً ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے تلبیہ میں یہ الفاظ بڑھاتے "لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ كُلُّه فِي يَدَيْكَ وَالرَّغْبَاءُ اِلَيْكَ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ" البتہ تلبیہ کے مذکورہ بالا کلمات کے درمیان میں مزید کوئی کلمہ کہنا مکروہ ہے۔

(۱٤) جب تلبیہ پڑھا اور نیت یا قائم مقام نیت (یعنی ھدی ساتھ لے چلا) بھی کی تو یہ شخص محرم ہوا۔اور نیت کی قید اس لئے میں نے بڑھائی کہ صرف تلبیہ پڑھنے سے بغیر نیت کے کوئی محرم نہیں ہوتا ہے اسلئے کہ عبادت میں شروع ہونا بغیر نیت کے نہیں ہوتا (۱۵) بعد از احرام حاجی منہیات یعنی رفث، فسوق، جدال وغیرہ سے رکے لقولہ تعالیٰ ﴿فَلارَفَثَ وَلافُسُوْقَ وَلاجِدَالَ﴾ (یعنی احرام کے باندھنے کے بعد نہ رفث ہے نہ فسوق اور نہ جدال) مراد یہ ہے کہ اب یہ کام تمہیں زیبا نہیں لہذا مت کرو۔اور "رفث" سے مراد جماع یا عورتوں کی

موجودگی میں جماع کا تذکرہ ہے۔ "فُسُوْق" سے مراد تمام گناہیں ہیں اور "جدال" سے مراد اپنے رفقاء سے لڑنا جھگڑنا ہے۔

(۱۶) بعد از احرام نہ خود شکار مارے لقوله تعالیٰ ﴿لاتَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ﴾ (یعنی شکار قتل مت کرو اس حال میں کہ تم محرم ہو) اور نہ شکار کی طرف اشارہ کرے اگر شکار حاضر ہو اور نہ شکار کی طرف دلالت کرے اگر شکار غائب ہو کیونکہ حدیث شریف سے اشارہ اور دلالت کی بھی ممانعت ثابت ہے۔

(۱۷) محرم قمیص، شلوار، عمامہ، ٹوپی اور جبہ نہ پہنے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محرم کو ان چیزوں کے پہننے سے منع فرمایا ہے۔ اور مذکورہ اشیاء کے پہننے سے لبسِ معتاد مراد ہے لہذا اگر قمیص سے ازار اور شلوار سے رداء بنایا تو حاجی پر کچھ لازم نہیں۔

(۱۸) محرم موزے نہ پہنے۔ البتہ کسی کے پاس جوتے نہ ہوں تو وہ اگر موزوں کو ٹخنوں سے نیچے کاٹ کر پہن لے تو جائز ہے کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محرم موزے نہ پہنے البتہ اگر جوتے نہ پائے تو موزوں کو کعبین سے نیچے قطع کر کے پہن لے۔ اور کعبین سے یہاں وہ جوڑ مراد ہے جو تسمہ باندھنے کی جگہ وسطِ قدم میں واقع ہے۔

(۱۹) ولايُغَطِّي رَاْسَهُ وَلاوَجْهَهُ (۲۰) ولايَمَسُّ طِيباً (۲۱) ولايَحْلِقُ رَاْسَه وَلاشَعْرَبَدَنِه ولايَقُصّ مِن لِحْيَتِه ولامِنْ ظُفُرِه (۲۲) ولايَلْبَسُ ثَوْباًمَصْبُوْغاًبِوَرْسٍ ولابِزَعْفَرانٍ ولابِعُصْفُرٍ (۲۳) اِلَّااَنْ يَكُوْنَ غَسِيْلاًلاينفُضُ الصَّبْغَ۔

ترجمہ:۔ اور نہ اپنا سر اور چہرہ چھپائے اور نہ خوشبو لگائے اور نہ اپنا سر اور اپنے بدن کے بال مونڈے اور نہ اپنی ڈاڑھی کے بال کاٹے اور نہ ناخن تراشے اور ورس، زعفران اور کسم سے رنگا ہوا کپڑا نہ پہنے الا یہ کہ دھلا ہوا ہو اور رنگ نہ جھڑتا ہو۔

تشریح:۔ (۱۹) محرم نہ اپنا سر اور نہ چہرہ چھپائے کیونکہ ایک اعرابی حالت احرام میں انتقال کر گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،، لاتُخَمِّرُوْا وَجْهَه ولارَاْسَه،، (یعنی تم اس کے چہرے اور سر کو مت چھپاؤ)۔ (۲۰) محرم خوشبو بھی نہ لگائے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ، حاجی پراگندہ بال اور بغیر خوشبو والا ہے، مراد یہ ہے کہ خوشبو نہ لگائے پراگندگی دور نہ کرے۔ (۲۱) محرم سر اور بدن کے بال نہ منڈائے لِمَا رَوَيْنَا۔ محرم ڈاڑھی اور ناخن نہ تراشے کیونکہ اسمیں پراگندگی اور میل کچیل کو زائل کرنا پایا جاتا ہے جو کہ ممنوع ہے۔ بالوں کا کاٹنا ہر طرح ممنوع ہے خواہ بلیڈ سے ہو یا دانت چونہ وغیرہ سے ہو۔

(۲۲) ورس (پیلے رنگ کا یمنی گھاس ہے) زعفران اور عصفر (کپڑے رنگنے کا مشہور خوشبودار گھاس ہے) سے رنگے ہوئے کپڑے نہ پہنے "لقوله ﷺ لايَلْبَسُ الْمُحْرِمُ ثَوْباًمَسَّهُ الزَّعْفَرانُ ولاوَرْسٌ" (یعنی محرم ایسا کپڑا نہ پہنے جس کو زعفران یا ورس لگا ہو) اور عصفر خوشبودار ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے۔ (۲۳) البتہ اگر مذکورہ پھولوں سے رنگنے کے بعد کپڑے دھو لئے ہوں اور اب کپڑوں سے رنگ نہ جھڑتا ہو اور نہ خوشبو پھوٹتا ہو تو ایسے کپڑوں کا استعمال جائز ہے۔

(۲۴)وَلابأسَ بِأنْ يَغتَسِلَ ويدخُلَ الحَمَّامَ وَيَستَظِلَّ بِالبَيتِ وَالمَحمِلِ(۲۵)وَيَشُدُّ فِي وَسطِهِ الهِميَانَ (۲۶)ولايَغسِلُ رَاسَهُ وَلالِحيَتَهُ بِالخِطمِيِّ۔

ترجمہ:۔اور غسل کرنے اور حمام میں داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں اور بیت اللہ اور کجاوہ سے سایہ حاصل کرنے اور ہمیانی کمرسے باندھنے میں بھی کوئی حرج نہیں اور اپنے سر اور ڈاڑھی کو گل خطمی سے نہ دھوئے۔

تشریح:۔(۲۴)یعنی محرم کیلئے غسل کرنے میں حرج نہیں اور حمام میں داخل ہوسکتا ہے کیونکہ یہ تو طہارۃ حاصل کرنا ہے جو کہ ممنوع نہیں۔بیت اللہ اور کجاوہ سے سایہ حاصل کرسکتا ہے کیونکہ یہ چیزیں اسکے بدن کو مس نہیں کرتی ہیں تو یہ مکان کی چھت کے مشابہ ہوگئیں۔

(۲۵)البتہ ہمیانی کمر سے باندھ سکتا ہے کیونکہ یہ سلے ہوئے کپڑے کے معنی میں نہیں ہے۔ہمیانی بکسر الھاء وہ تھیلہ جس میں حاجی پیسے ڈال کر کمر سے باندھتا ہے(۲۶)محرم سر اور ڈاڑھی کو گل خطمی سے نہ دھوئے کیونکہ یہ ایک طرح کا خوشبو ہے اور خوشبو لگانا محرم کے لئے ممنوع ہے گل خطمی ایک خوشبودار پھول ہے۔

(۲۷)ويُكثِرُ مِنَ التَّلبِيَةِ عَقِيبَ الصَّلوٰةِ وكُلَّمَاعَلاشَرفاًاَوهَبَطَ وَادِياًاَو لَقِيَ رُكبَاناً وَبِالاَسحَارِ۔

ترجمہ:۔اور نمازوں کے بعد تلبیہ کثرت سے کہے اور جب کسی بلندی پر چڑھے یا نشیب میں اترے یا سواروں سے ملے اور بوقت صبح بھی تلبیہ بکثرت کہے۔

تشریح:۔(۲۷)یعنی محرم کیلئے بعد از نماز خواہ نفل ہو یا فرض، بلندی پر چڑھتے وقت، کسی وادی میں اترتے وقت، سواروں کے ساتھ ملاقات کے وقت اور صبح کے وقت کثرت سے تلبیہ پڑھنا مستحب ہے کیونکہ اصحاب رسول ﷺ ان اوقات میں تلبیہ پڑھتے تھے۔تلبیہ احرام میں تکبیرات نماز کی طرح ہے لہٰذا ایک حال سے دوسرے حال کی طرف انتقال کے وقت پڑھا جائے گا۔اور "لَقِيَ رُكبَاناً" سے مراد حجاج کی جماعت سے ملنا ہے اگرچہ وہ پیدل چلتے ہوں۔

(۲۸)فإذادَخَلَ بِمكَّةَ اِبتدأبِالمَسجِدِالحَرامِ فَاذاعَايَنَ البَيتَ كَبَّرَ وهَلَّلَ (۲۹)ثُمَّ ابتَدَأبِالحَجَرِ الاَسوَدِفَاستَقبَلَه وَكَبَّرَوَهَلَّلَ وَرَفَعَ يَدَيهِ مَعَ التَّكبِيرِ(۳۰)واستَلَمَهُ وقَبَّلَه اِنِ استَطَاعَ من غيرِاَنْ يُؤذِيَ مُسلِماً۔

ترجمہ:۔پس جب مکہ مکرمہ میں داخل ہو تو مسجد حرام سے ابتدا کرے پس جب بیت اللہ کو دیکھے تو تکبیر اور تہلیل کہے پھر حجر اسود سے ابتدا کرے اور حجر اسود کی طرف منہ کرکے تکبیر اور تہلیل کہے اور تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھائے اور حجر اسود کا استلام کرے اور کسی مسلمان کو تکلیف دئے بغیر اگر ہوسکے تو اسے چومے۔

تشریح:۔(۲۸)یعنی جب محرم مکہ مکرمہ میں داخل ہو جائے تو اول مسجد حرام جائے کیونکہ مقصود بیت اللہ کی زیارت ہے اور بیت اللہ مسجد حرام میں ہے جب بیت اللہ پر نظر پڑ جائے تو اللہ اکبر کہے جسکا مطلب یہ ہے کہ اللہ ہر بڑی چیز سے بڑا ہے۔اس میں یہ اشارہ ہے کہ کعبہ کی عزت وحرمت اللہ کی طرف سے اس کی دی ہوئی ہے اس کی ذاتی نہیں ہے۔اور "لاالٰہ الاالله" پڑھے تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ مقصود

بالعبادة کعبۃ اللہ ہے۔ اور دعاء کرلے کیونکہ یہ اجابت (قبولیت) دعاء کی جگہ ہے۔

(۲۹) محرم اب طواف قدوم کو شروع کرلے تو حجر اسود سے ابتداء کرکے حجر اسود کا استقبال کرلے تکبیر و تہلیل پڑھے "لِمَارُوِیَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَابْتَدَأَ بِالْحَجَرِ فَاسْتَقْبَلَهٗ وَکَبَّرَ وَهَلَّلَ" (کیونکہ مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں داخل ہوئے تو حجر اسود سے شروع فرمایا پس اس کی طرف متوجہ ہوئے "اَللّٰہُ اَکْبَر" کہا اور "لا الٰہ الا اللہ" کہا)۔

(۳۰) حجر اسود کا استلام کرلے کسی مسلمان کو تکلیف دئے بغیر چھوم لے۔ اور مسلمان کو تکلیف دئے بغیر کی قید اسلئے لگائی کہ استلام سنت ہے اور مسلمان کو تکلیف دینے سے بچنا واجب ہے لہٰذا حصولِ سنت کے لئے واجب کو ترک نہیں کیا جائیگا۔ استلام اور تقبیل یوں کرلے کہ دونوں ہاتھ حجر اسود پر رکھ کر حجر اسود کو چھوم لے اگر چھوم نہ سکا تو ہاتھوں کو چھوم لے اور اگر ہاتھ بھی نہ رکھ سکا تو ہاتھوں سے اشارہ کرکے ہاتھوں کو چھوم لے۔

فائدہ:۔ حجر اسود کے استلام کی صورت یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو حجر اسود پر رکھے اور اپنے منہ کو دونوں ہاتھوں کے درمیان میں رکھے اور اسے اگر ممکن ہو بوسہ دے ورنہ تو اپنے ہاتھوں کو اس کی طرف کرکے ہاتھوں ہی کو بوسہ دے۔

(۳۱) ثُمَّ اَخَذَ عَنْ یَمِیْنِهٖ مَایَلِی الْبَابَ وَقَدِ اضْطَبَعَ رِدَائَهٗ قَبْلَ ذَالِکَ فَیَطُوْفُ بِالْبَیْتِ سَبْعَةَ اَشْوَاطٍ وَیَجْعَلُ طَوَافَهٗ مِنْ وَّرَاءِ الْحَطِیْمِ۔

ترجمہ:۔ پھر اپنی دائی جانب یعنی جو جانب دروازے کی طرف ہے سے طواف شروع کرے اور طواف شروع کرنے سے پہلے اپنی چادر کا اضطباع کرے پھر بیت اللہ کا سات شوط طواف کرے اور طواف حطیم کے پیچھے سے کرے۔

تشریح:۔ (۳۱) استلام حجر کے بعد پہلے اضطباع کرے (یعنی اپنی چادر کو دائی بغل سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈال دے) کیونکہ حدیث سے اضطباع ثابت ہے۔ پھر اپنی دائی طرف سے جہاں بیت اللہ کا دروازہ ہے حطیم (بیت اللہ کے متصل چھ زراع ایک بالشت کی مقدار چبوترہ سا جو معلوم ہوتا ہے اس کو حطیم کہتے ہیں) سمیت بیت اللہ کا سات شوط (شوط کہتے ہیں بیت اللہ کا ایک مرتبہ حجر اسود سے حجر اسود تک چکر لگانے کو) طواف کرے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی ثابت ہے۔

یاد رہے کہ اضطباع طواف میں سنت ہے۔ اور حطیم کو طواف میں گھیر لینا واجب ہے لہٰذا اگر کسی نے بیت اللہ اور حطیم کے درمیان طواف کرلیا تو احتیاطاً یہ معتبر نہ ہوگا۔

(۳۲) وَیَرْمُلُ فِی الْاَشْوَاطِ الثَّلٰثِ الْاُوَلِ وَیَمْشِیْ فِیْ مَابَقِیَ عَلٰی هَیْئَتِهٖ وَیَسْتَلِمُ الْحَجَرَ کُلَّمَامَرَّبِهٖ اِنِ اسْتَطَاعَ وَیَخْتِمُ الطَّوَافَ بِالْاِسْتِلَامِ (۳۳) ثُمَّ یَاْتِی الْمَقَامَ فَیُصَلِّیْ عِنْدَهٗ رَکْعَتَیْنِ اَوْحَیْثُ مَاتَیَسَّرَ مِنَ الْمَسْجِدِ۔

ترجمہ:۔ اور پہلے تین شوطوں میں اکڑتا ہوا چلے اور باقی چار شوطوں میں اپنی ہیئت پر چلے اور جب بھی حجر اسود کے ساتھ گذرے اسے استلام کرے اگر ہو سکا اور طواف کو استلام پر ختم کردے پھر مقام ابراہیم میں آئے اور اسکے پاس دو رکعت پڑھے یا مسجد حرام میں جہاں

آسانی سے پڑھ سکے وہاں پڑھ لے۔

تشریح:۔(۳۲) یعنی طواف کے پہلے تین شوطوں میں رمل (کندھوں کو ہلاتے ہوئے دوڑنے کو رمل کہتے ہیں) کرے کیونکہ حضور ﷺ نے عمرۃ القضاء کے موقع پر بعض مشرکین سے یہ سنا کہ مسلمانوں کو مدینہ کے بخار نے کمزور کر دیا ہے، تو آپ ﷺ نے اپنے دونوں بازو کھول کر رمل کیا اور اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی رمل کرنے کا حکم دیا تا کہ مسلمانوں کی بہادری کا مشرکین مشاہدہ کر لے پھر یہ سبب اگر چہ زائل ہوا مگر حکم رمل باقی ہے۔

جہاں رش کی وجہ سے رمل نہ کر سکا تو رک جائے جب رش ختم ہو جائے تو رمل کرتے ہوئے طواف شروع کر دے یہ رمل سنت ہے باقی چار شوطوں میں اپنی ہیئت پر وقار سے چلے اور ہر شوط کے اختتام پر حجر اسود کا استلام کرے اپنے طواف کو استلام حجر پر ختم کر دے جس طرح کہ استلام سے شروع کیا تھا۔ اور استلام حجر سنت ہے۔

(۳۳) پھر طواف سے فراغت کے بعد مقام ابراہیم (وہ پتھر جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی تعمیر کرتے تھے جس میں ابراہیم علیہ السلام کے قدم مبارک کے نشان ہیں) پر آئے مقام ابراہیم علیہ السلام میں یا مسجد حرام میں جہاں جگہ ملے دو رکعت نماز پڑھے کیونکہ مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب طواف سے فارغ ہو گئے تو مقام ابراہیم میں دو رکعت نماز پڑھ کر یہ آیت کریمہ تلاوت کی ﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى﴾ (یعنی مقام ابراہیم علیہ السلام سے مصلی بناؤ)۔ طواف کے بعد یہ دو رکعت واجب ہیں اور ان دو رکعتوں کو غیر مباح اوقات میں نہ پڑھے۔

(۳۴) وَهٰذَا الطَّوَافُ طَوَافُ الْقُدُوْمِ وهو سُنَّةٌ وليسَ بِواجِبٍ (۳۵) وليس على أهلِ مَكَّةَ طواف القُدُوْمِ۔

ترجمہ:۔ اور یہ طواف قدوم ہے اور یہ سنت ہے واجب نہیں اور اہل مکہ پر طواف قدوم نہیں۔

تشریح:۔(۳۴) جس طواف کی اوپر تفصیل بیان ہوگئی اسے طواف قدوم کہا جاتا ہے یہ طواف آفاقی (یعنی مکہ کے باہر سے آنے والا) کیلئے سنت ہے واجب نہیں۔ (۳۵) اہل مکہ پر طواف قدوم نہیں کیونکہ ان کے حق میں قدوم (باہر سے آنا) معدوم ہے۔

(۳۶) ثُمَّ يَخْرُجُ اِلَى الصَّفَا فَيَصْعَدُ عَلَيْهِ وَيَسْتَقْبِلُ الْبَيْتَ وَيُكَبِّرُ وَيُهَلِّلُ وَيُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَيَدْعُو اللّٰهَ تعالىٰ لحاجَتِه (۳۷) ثُمَّ يَنْحَطُّ نحو الْمَرْوَةِ وَيَمْشِيْ عَلٰى هَيْنَتِه (۳۸) فَاِذَا بَلَغَ اِلٰى بَطْنِ الْوَادِيْ سعٰى بَيْنَ الْمِيْلَيْنِ الْاَخْضَرَيْنِ سَعْيًا حَتّٰى يَأْتِيَ الْمَرْوَةَ فَيَصْعَدُ عَلَيْهَا وَيَفْعَلُ كَمَا فَعَلَ عَلَى الصَّفَا۔

ترجمہ:۔ پھر صفا کی طرف نکلے اور اس پر چڑھے اور بیت اللہ کی طرف منہ کرے اور تکبیر و تہلیل کہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور اپنی حاجت کے لئے دعاء کرے اور مروہ کی طرف اترے اور اپنی چال سے چلے اور جب بطن وادی میں پہنچے تو میلین اخضرین کے درمیان سعی کرے یہاں تک کہ مروہ آئے پس اس پر چڑھے اور وہی کرے جو صفا پر کیا تھا۔

تشریح:۔(۳۶) طواف قدوم سے فراغت کے بعد باب صفا سے نکل کر صفا پر اتنا چڑھے کہ بیت اللہ نظر آئے کیونکہ صفا پر چڑھنے

مقصود استقبال بیت اللہ ہے پس بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو کر تکبیر تہلیل اور درود شریف پڑھے کیونکہ اجابت دعاء (قبولیت دعاء) کے لئے دعاء سے پہلے ثناء اور درود پڑھے جاتے ہیں اور پھر اپنی حاجات کیلئے دعاء مانگے کیونکہ صفا پر حضور ﷺ سے دعاء کرنا مروی ہے۔

(۳۷) پھر صفا سے مروہ کی طرف اتر جائے اپنی ہیئت اور وقار سے چلے۔ (۳۸) جب بطن وادی میں پہنچ جائے تو میلین اخضرین کے درمیان دوڑ لگائے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے میلین اخضرین کے درمیان سعی مروی ہے۔ دراصل دوڑنے کا محل بطن وادی ہے اب چونکہ وادی نہیں رہا ہے بطور علامت کے دو پتھر مسجد حرام کی پشت کی دیوار میں تراشے گئے ہیں انکو میلین اخضرین کہتے ہیں اب ان کے درمیان دوڑے۔ میلین اخضرین سے اوپر دوڑ کا محل نہیں لہذا وقار سے چلے یہاں تک کہ مروہ پر چڑھے مروہ پر چڑھ کر تکبیر تہلیل اور درود پڑھے اور اپنی حاجات کیلئے دعاء مانگے۔

(۳۹) وهٰذَا شَوْطٌ فَيَطُوفُ سَبْعَةَ أَشْوَاطٍ (٤٠) يَبْتَدِأُ بِالصَّفَا وَيَخْتِمُ بِالْمَرْوَةِ۔

ترجمہ:۔ اور یہ ایک شوط ہے پس اسی طرح سات شوط کرے صفا سے شروع کرے اور مروہ پر ختم کرے۔

تشریح:۔ (۳۹) یعنی صفا سے چل کر مروہ پر چڑھے یہ ایک شوط ہے پھر مروہ سے چل کر صفا پر چڑھے یہ دوسرا شوط ہے اسطرح سات شوط پورا کرے۔ دراصل امام قدوری رحمہ اللہ اپنے اس قول سے امام طحاویؒ پر رد کرنا چاہتے ہیں جنہوں نے صفا سے چل کر مروہ پر چڑھنے اور مروہ سے چل صفا پر چڑھنے کو ایک شوط قرار دیا ہے امام قدوری رحمہ اللہ نے رد کرلیا کہ یہ تو دو شوط ہیں ایک نہیں اور مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سات شوط کئے تھے امام طحاویؒ کے قول کے مطابق چوداشوط ہو جائینگے۔

(۴۰) سعی کو صفا سے شروع کرے اور مروہ پر ختم کرے "لقوله ﷺ اِبْدَءُوا بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ تعالىٰ به" یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم سعی کو وہاں سے شروع کرو جہاں سے اللہ تعالیٰ نے شروع فرمایا ہے۔

(٤١) ثُمَّ يُقِيمُ بِمَكَّةَ مُحْرِماً فَيَطُوفُ بِالْبَيْتِ كُلَّمَابَدَالَهُ (٤٢) وَاِذَا كَانَ قَبْلَ يَوْمِ التَّرْوِيَةِ بِيَوْمٍ خَطَبَ الْإِمَامُ خُطْبَةً يُعَلِّمُ النَّاسَ فِيْهَا الْخُرُوجَ اِلَى الْمِنٰى وَالصَّلٰوةَ بِعَرَفَاتٍ وَالْوُقُوفَ وَالْإِفَاضَةَ۔

ترجمہ:۔ پھر حالت احرام میں مقیم رہے اور جب جی چاہے بیت اللہ کا طواف کرلیا کرے اور جب یوم الترویہ سے ایک دن پہلے ہو تو امام خطبہ دے جس میں لوگوں کو منیٰ جانا اور عرفات میں نماز پڑھنا اور وقوف کرنا اور عرفات سے اترنا سکھلائے۔

تشریح:۔ (٤١) یعنی صفا و مروہ کی سعی سے فارغ ہو کر اگر حج کے دنوں تک وقت ہے تو مکہ مکرمہ میں حالت احرام ہی میں مقیم ہو کیونکہ یہ شخص محرم بالحج ہے تو جب تک کہ حج کے افعال مکمل نہ کرے حلال نہیں ہوگا اور جتنا بھی جی چاہے بیت اللہ کا طواف کرے "لِقَوْلِهٖ ﷺ الطَّوَافُ بِالْبَيْتِ صَلٰوةٌ" (یعنی بیت اللہ کا طواف کرنا نماز ہے) اور نماز ایک نیکی وضع کی گئی ہے جس وقت بھی جی چاہے اسکو حاصل کرے فکذا الطواف۔ یہ طوافیں آفاقی کیلئے نفل نماز سے افضل ہیں۔

(٤٢) یوم الترویہ (آٹھویں ذی الحجہ) سے ایک دن پہلے یعنی ساتویں ذی الحجہ کو زوال کے بعد امام خطبہ پڑھے اس میں

لوگوں کو منیٰ (حل میں مکہ مکرمہ سے ایک فرسخ پر ایک قریہ کا نام ہے) اور عرفات (مکہ مکرمہ سے تین یا چار فرسخ پر حل ہی میں ایک پہاڑی کا نام ہے) پر جانا اور عرفات پر نماز پڑھنا، عرفات پر ٹھہرنا اور عرفات سے اترنا سکھلائیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتویں ذی الحجہ کو خطبہ پڑھا ہے۔

فائدہ:۔ حج میں تین خطبے ہیں ساتویں تاریخ کو مکہ مکرمہ میں نویں تاریخ کو عرفات میں گیارھویں تاریخ کو منیٰ میں۔

(۴۳) فَاِذَاصَلَّىٰ الْفَجْرَيَوْمَ التَّرْوِيَةِ بِمَكَّةَ خَرجَ اِلَى مِنى وَاَقَامَ بِهَاحَتّٰى يُصَلِّى الفَجْرَيَوْمَ عَرَفَةَ ثُمّ يَتَوَجَّه اِلَى عَرَفَاتٍ فَيُقِيْمُ بِهَافَاِذَازَالَتِ الشَّمْسُ من يَوْمِ عرفَة صَلَّى الامامُ بِالنَّاسِ الظُّهْرَوَالْعصرَ (۴۴) ثُمّ يَبْتَدِئ فَيَخْطُبُ خُطْبَتَيْنِ قَبْلَ الصَّلٰوةِ يُعَلِّمُ النَّاسَ فيهماالصَّلٰوةَ وَالوُقُوفَ بِعَرَفَةَ وَالْمُزدَلِفَةِ ورَمْىَ الجِمار وَالنَّحْرَوَالْحَلْقَ وَطَوَافَ الزِّيَارَةِ۔

ترجمہ:۔ پس جب ترویہ کے دن فجر کی نماز مکہ میں پڑھ لے تو منیٰ کی طرف نکلے اور وہاں مقیم رہے یہاں تک کہ عرفہ کے دن صبح کی نماز پڑھ لے پھر عرفات کی طرف جائے اور وہیں ٹھہرا رہے پس جب آفتاب ڈھل جائے تو امام لوگوں کو ظہر اور عصر کی نماز پڑھا دے اور نماز سے پہلے دو خطبے دے جس میں لوگوں کو نماز پڑھنا اور عرفہ اور مزدلفہ میں وقوف کرنا اور رمی جمرات اور قربانی اور سر منڈوانا اور طواف زیارت کرنا سکھلائے۔

تشریح:۔ (۴۳) یعنی آٹھویں ذی الحجہ کی فجر کی نماز مکہ مکرمہ میں پڑھنے کے بعد منیٰ کی طرف نکلے۔ منی میں مقیم رہے یہاں تک کہ نویں ذی الحجہ کی فجر کی نماز منیٰ میں پڑھے پھر طلوع شمس کے بعد عرفات کی طرف چلے عرفات میں اقامت کرے سورج ڈھلنے کے بعد امام ظہر و عصر کی نماز جمع کر کے ظہر کے وقت میں لوگوں کو پڑھائے۔

(۴۴) نماز سے پہلے دو خطبے پڑھے جن میں وقوف عرفات، وقوف مزدلفہ اور ان دونوں سے واپسی، رمی جمرات، قربانی، سر منڈانے، طواف زیارت وغیرہ کے احکام سکھلائے کیونکہ یہی تفصیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔

(۴۵) وَيُصَلِّى بِهِم الظُّهْرَوَالْعَصْرَفِى وَقْتِ الظُّهرِبِاَذَان وَاِقَامَتَيْنِ (۴۶) وَمَنْ صَلَّى الظُّهْرَفِىْ رَحْلِهِ وَحْدَهُ صَلَّى كُلَّ وَاحِدٍمِنْهُمَافِىْ وَقْتِهَاعِنْدَاَبِى حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَمُحَمَّدٌرَحِمَهُ اللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَهُمَاالْمُنْفَرِدُ۔

ترجمہ:۔ اور لوگوں کو ظہر اور عصر کی نمازیں ظہر ہی کے وقت میں ایک اذان اور دو اقامتوں سے پڑھائے اور جس نے ظہر کی نماز اپنے ٹھکانے پر تنہا پڑھ لی تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں نمازوں میں سے ہر ایک کو اس کے وقت پر پڑھے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اکیلا پڑھنے والا بھی دونوں کو جمع کرلے۔

تشریح:۔ (۴۵) یعنی خطبہ کے بعد امام ظہر اور عصر کی نماز جمع کر کے ایک اذان اور دو اقامتوں سے پڑھائے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں نمازیں ایک اذان اور دو اقامتوں سے پڑھائی تھیں۔ مگر جمع بین الصلوتین کے جواز کیلئے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک پانچ

شرطیں ہیں۔/ **نمبر ۱**۔ظہر کا وقت ہونا۔/ **نمبر ۲**۔عرفات کا میدان ہونا۔/ **نمبر ۳**۔احرام کا ہونا۔/ **نمبر ۴**۔بادشاہ یا اسکے نائب کا ہونا۔/ **نمبر ۵**۔نماز با جماعت ہونا۔اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک امام اور جماعت کا ہونا شرط نہیں۔

(۴۶) اگر کسی نے اپنی اقامت گاہ میں ظہر کی نماز پڑھ لی تو اس کے لئے جائز نہیں کہ عصر کی نماز ظہر کے ساتھ ملا کر ظہر کے وقت میں پڑھے بلکہ عصر کو اپنے ہی وقت میں پڑھنا پڑیگا کیونکہ امام صاحبؒ کے نزدیک جمع بین الصلوتین کے لئے جماعت شرط ہے جبکہ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک جماعت شرط نہیں لہذا منفرد بھی جمع بین الصلوتین کرسکتا ہے۔امام صاحبؒ کا قول راجح ہے۔

(۴۷) ثُمَّ يَتَوَجَّهُ إِلَى الْمَوْقِفِ فَيَقِفُ بِقُرْبِ الْجَبَلِ (۴۸) وعَرَفَاتٌ كُلُّهَا مَوْقِفٌ إِلَّا بَطْنَ عُرَنَةَ (۴۹) ويَنبَغِي لِلإمامِ أَنْ يَقِفَ بِعَرَفَةَ على رَاحِلَتِهِ (۵۰) ويدْعُو ويُعَلِّمُ النَّاسَ المَنَاسِكَ (۵۱) وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يَغْتَسِلَ قَبْلَ الْوُقُوفِ بِعَرَفَةَ وَيَجْتَهِدُ فِي الدُّعَاءِ۔

ترجمہ:۔ پھر موقف کی طرف جائے اور جبل رحمت کے قریب کھڑا ہو اور عرفات سارا موقف ہے سوائے بطنِ عرنہ کے اور امام کو چاہئے کہ عرفات میں اپنی سواری پر سوار رہے اور دعاء کرے اور لوگوں کو احکام سکھلائے اور مستحب ہے کہ عرفات پر وقوف کرنے سے پہلے غسل کرے اور خوب دعاء کرے۔

تشریح:۔(۴۷) یعنی جمع بین الصلوتین سے فارغ ہوکر موقف کی طرف متوجہ ہو جائے جبل رحمت کے قریب ٹہر جائے کیونکہ حضور ﷺ نماز کے بعد موقف کو روانہ ہوئے۔(۴۸) عرفات سارا ٹہرنے کی جگہ ہے مگر عُرنہ نامی وادی جو عرفات سے نیچے ہے جہاں شیطان ٹہرا تھا ٹہرنے کی جگہ نہیں "لِقَوْلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسلم عَرَفَاتٌ كُلُّهَا مَوْقِفٌ وَارْتَفِعُوا عَنْ بَطْنِ عُرَنَةَ" (یعنی عرفات پورا موقف ہے ہاں وادی عرنہ سے اوپر رہو)۔

(۴۹) امام موقف میں اپنے سواری پر سوار ہو کر رُو بقبلہ ٹہر جائے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی قصواء پر کھڑے ہوئے تھے۔(۵۰) اور یہاں دعائیں کرلیں کیونکہ مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کے دن اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے مسکین کھانا مانگنے والے کی طرح دعاء کرتے تھے اور لوگوں کو حج کے احکام سکھلائے۔لوگ بھی امام کے قریب ٹہرے تا کہ انکی دعاء پر آمین کہے اور امام کے پیچھے ٹہرے تا کہ رو بقبلہ ہوں۔(۵۱) وقوف عرفہ کرنے والوں کیلئے مستحب ہے کہ وقوف سے پہلے غسل کریں کیونکہ یہ بھی جمعہ کی طرح اجتماع کا دن ہے۔اور خوب دعائیں کرلیں کیونکہ یہ قبولیت کے مواقع میں سے ہے۔

(۵۲) فَإِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ أَفَاضَ الْإِمَامُ وَالنَّاسُ مَعَهُ عَلَى هَيْنَتِهِمْ حَتَّى يَأْتُوا الْمُزْدَلِفَةَ فَيَنْزِلُونَ بِهَا (۵۳) وَالْمُسْتَحَبُّ أَنْ يَنْزِلُوا بِقُرْبِ الْجَبَلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْمِيقَدَةُ يُقَالُ لَهُ قُزَحُ۔

ترجمہ:۔ پس جب آفتاب غروب ہو جائے تو امام اور اس کے ساتھ سب لوگ میانہ چال سے چلیں یہاں تک کہ مزدلفہ آئیں اور وہیں اُتر جائیں اور مستحب یہ ہے کہ اس پہاڑ کے پاس اتریں جس پر میقدہ ہے جسے قزح کہتے ہیں۔

تشریح:۔(۵۲)یعنی نویں ذی الحجہ کے غروب شمس تک عرفات میں رہے غروب شمس کے بعد امام لوگوں کے ساتھ وقار اور سکون سے مزدلفہ آئے کیونکہ حضور ﷺ غروب افتاب کے بعد روانہ ہوئے تھے اور اپنی سواری پر راستہ میں سکون کے ساتھ چلے تھے۔اور مزدلفہ میں پڑاؤ ڈالے۔

(۵۳)اترتے ہوئے اس پہاڑ کے قریب اترے جس پر میقدہ (میقدہ وہ جگہ ہے جس پر دور جاہلیت میں آگ جلایا کرتے تھے جس سے لوگ رہنمائی حاصل کرتے) ہے جس کو جبل قُزح کہتے ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی قزح نامی پہاڑ کے قریب ٹھہرے تھے۔ قزح بمعنی مرتفع تو بوجہ بلند ہونے کے اس کو قزح کہتے ہیں اور باری تعالیٰ کے قول ﴿عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَام﴾ سے یہی پہاڑ مراد ہے۔

(۵٤)وَيُصَلِّى الْإِمَامُ بِالنَّاسِ الْمغربَ وَالعشاءَ فى وقتِ العشاءِ بِاَذَانٍ وَاِقَامَةٍ(۵۵)وَمَنْ صَلَّى الْمَغْرِبَ فِى الطَّرِيْقِ لَمْ يَجُزْ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰه۔

ترجمہ:۔اور امام لوگوں کو مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک اذان اور ایک اقامت سے اکٹھی پڑھائے اور جس نے مغرب کی نماز راستہ میں پڑھی تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک جائز نہیں۔

تشریح:۔(۵٤)یعنی مزدلفہ آنے کے بعد امام لوگوں کو مغرب وعشاء کی نماز جمع کر کے عشاء کے وقت میں ایک اذان اور ایک اقامت سے پڑھائے۔یہاں اقامت بھی دونوں نمازوں کیلئے ایک ہے کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے مغرب وعشاء کو ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ جمع کیا۔اور اس لئے بھی کہ چونکہ عشاء کی نماز اپنے وقت میں پڑھی جارہی ہے لہٰذا اس کے لئے مستقل اقامت کی ضرورت نہیں باقی عرفات کے موقع پر عصر کی نماز چونکہ وقت سے پہلے پڑھی جارہی تھی اس لئے وہاں اس کے لئے مستقل اقامت کی تھی۔

(۵۵)اگر کسی نے راستے میں مغرب کی نماز پڑھی تو طرفینؒ کے نزدیک جائز نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا "اَلصَّلٰوةُ اَمَامَکَ" (یعنی نماز تیرے آگے ہے) مراد یہ ہے کہ نماز کا وقت تیرے آگے یعنی مزدلفہ میں ہے اور یہ اس لئے تاکہ جمع بین الصلوتین ممکن ہو۔امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے مگر خلاف سنت ہے۔طرفینؒ کا قول راجح ہے۔

(۵٦)فَاِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ صَلَّى الْاِمَامُ بِالنَّاسِ الْفَجْرَ بِغَلَسٍ ثُمَّ وَقَفَ الْاِمَامُ وَوَقَفَ النَّاسُ مَعَهُ فَدَعَا(۵۷)وَالْمُزْدَلِفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ اِلَّا بَطْنَ مُحَسِّرٍ۔

ترجمہ:۔اور جب صبح صادق طلوع ہو جائے تو امام لوگوں کو فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھائے پھر امام کھڑا ہو اور لوگ بھی اس کے ساتھ کھڑے ہوں پس دعا کرے اور مزدلفہ سارا موقف ہے سوائے بطن محسر کے۔

تشریح:۔(۵٦)یعنی دسویں ذی الحجہ کی رات مزدلفہ میں گذار کر صبح جیسے ہی طلوع فجر ہو جائے تو امام اندھیرے میں لوگوں کو فجر کی نماز پڑھائے کیونکہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے اس دن فجر کی نماز تاریکی میں پڑھی۔بعد از نماز امام اور

لوگ وقوف مزدلفہ کریں۔ وقوف مزدلفہ کا وقت طلوع فجر سے طلوع افتاب تک ہے اگر چہ ایک گھڑی ہو یہاں بھی خوب دعائیں کریں اور تکبیر و تہلیل و تلبیہ اور درود شریف پڑھیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں دعاء کرتے ہوئے وقوف کیا تھا۔

(۵۷) مزدلفہ سارا موقف ہے مگر محسر نامی وادی (محسر مزدلفہ کے بائیں جانب مزدلفہ سے نیچے واقع ہے جہاں شیطان ٹھہرا تھا) میں نہ ٹھہرے "لقوله صلّى الله عليه وسلم اَلْمُزْدَلِفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ وَارْتَفِعُوْا عَنْ وَادِي مُحَسِّرٍ " (یعنی مزدلفہ پورا موقف ہے ہاں وادی محسر سے اوپر رہو)۔

(۵۸) ثُمّ اَفَاضَ الْإِمامُ وَالنَّاسُ معه قبلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ حتّى يَأْتُوْا مِنىً فَيَبْتَدِأُ بِجَمْرَةِ العَقَبَةِ (۵۹) فَيَرْمِيهَا مِنْ بَطْنِ الْوَادِيْ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ مِثْلَ حَصَاةِ الْخَذفِ وَيُكَبِّرُ مع كُلِّ حَصَاةٍ ولا يَقِفُ عِنْدَهَا۔

ترجمہ:۔ پھر طلوع آفتاب سے پہلے امام اور لوگ اس کے ساتھ لوٹ آئیں یہاں تک کہ منیٰ آجائیں اور جمرہ عقبہ سے ابتداء کرے پس جمرۂ عقبہ پر بطن وادی سے ٹھیکری جیسی سات کنکریاں ماردے اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتا رہے اور جمرہ عقبہ کے پاس نہ ٹھہرے۔

تشریح:۔ (۵۸) یعنی وقوف مزدلفہ کر کے جب خوب روشنی ہو جائے طلوع افتاب سے پہلے امام لوگوں سمیت تکبیر تہلیل اور تلبیہ پڑھتے ہوئے منیٰ آئے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم طلوع افتاب سے پہلے روانہ ہوئے تھے۔ راستے میں تکبیر تہلیل اور تلبیہ پڑھتے ہوئے آئے منیٰ آکر جمرہ عقبہ بطن وادی سے ماردے۔

(۵۹) جمرہ مارتے ہوئے یوں کھڑا ہو کہ بیت اللہ آپ کی بائیں جانب اور منیٰ آپکی دائیں جانب ہو اور ٹھیکرے جیسے سات پتھروں سے ماردے "لحديث سليمان بن عمرو بن الاحوص عَنْ اُمِّهِ قَالَتْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ يَرْمِي الْجَمْرَةَ مِنْ بَطْنِ الْوَادِيْ وَهُوَ رَاكِبٌ يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ وَفِيْ حَدِيْثِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ سَبْعَ حَصَاةٍ " (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمرہ عقبہ کو بطن وادی سے اس حال میں مار رہے تھے کہ سواری پر سوار تھے اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر پڑھتے اور ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت میں سات کنکریوں کا ذکر ہے)۔

ٹھیکرے سے چھوٹے یا بڑے پتھر سے مارنا بھی جائز ہے مگر اتنے بڑے نہ ہوں کہ جن سے کسی کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ ہر کنکری پھینکتے ہوئے تکبیر کہے لِمَا رَوَيْنَا اور اگر تسبیح پڑھے تو بھی جائز ہے کیونکہ تکبیر سے ذکر مراد ہے۔ کنکریاں مارنے کے بعد جمرہ عقبہ کے پاس رُکے نہیں بلکہ جائے کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے پاس توقف نہیں فرمایا ہے۔

(۶۰) وَيَقْطَعُ التَّلْبِيَةَ مَعَ اَوَّلِ حَصَاةٍ (۶۱) ثُمّ يَذْبَحُ اِنْ اَحَبَّ (۶۲) ثُمّ يَحْلِقُ اَوْيُقَصِّرُ وَالْحَلْقُ اَفْضَلُ (۶۳) وَقَدْ حَلَّ لَهُ كُلُّ شَيءٍ اِلَّا النِّسَاءُ۔

ترجمہ:۔ اور پہلی کنکری مارنے کے ساتھ تلبیہ قطع کردے پھر اگر چاہے تو قربانی ذبح کردے پھر بال منڈوائے یا کتروائے اور منڈوانا افضل ہے اور اب حلال ہوگئی اس کے لئے ہر شئی سوائے عورتوں کے۔

تشــریح:۔(٦٠)یعنی جمرہ عقبہ کے اوپر پہلی کنکری پھینکتے ہی تلبیہ قطع کردے کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جمرہ عقبہ کو پہلی پتھر مارتے وقت تلبیہ قطع کر دیا تھا۔(٦١) پھر اگر چاہے تو قربانی کرے چونکہ یہ حج افراد ہے لہذا یہ قربانی واجب نہیں بلکہ تطوع ہے اسلئے امام قدوری رحمہ اللہ نے ،اِنْ اَحَبَّ، کہا۔

(٦٢) پھر پورا سر منڈوائے یا کتروائے یا کم از کم ربع سر منڈائے یا کتروائے اور منڈوانا افضل ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منڈوانے والوں کے لئے تین مرتبہ اور مقصرین کے لئے ایک مرتبہ دعا کی ہے اور اسلئے کہ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں محلقین کو مقصرین سے مقدم ذکر کیا ہے۔ نیز حلق ستھرائی حاصل کرنے میں بنسبت قصر کے اکمل ہے۔ یاد رہے کہ قصر کی صورت میں انگلیوں کے فوروں سے کم نہ کتروائے "وَهٰذَا التَّقْدِيْرُ مَرْوِيٌّ عَنْ اِبْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ" (یعنی یہ تقدیر حضرت ابن عمرؓ سے مروری ہے)۔

(٦٣) بعد از حلق یا تقصیر حاجی کیلئے احرام کے ممنوعات میں سے ہر شی حلال ہوگئی سوائے عورتوں کے ساتھ جماع و دواعی جماع کے کہ وہ تا حال جائز نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اس کیلئے ہر شی حلال ہوگئی سوائے عورتوں کے۔

(٦٤)ثُمَّ يَاْتِي مَكَّةَ مِنْ يَوْمِهٖ ذَالِكَ اَوْمِنَ الْغَدِ اَوْمِنْ بَعْدِ الْغَدِ فَيَطُوْفُ بِالْبَيْتِ طَوَافَ الزِّيَارَةِ سَبْعَةَ اَشْوَاطٍ (٦٥) فَاِنْ كَانَ سَعٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ عَقِيْبَ طَوَافِ الْقُدُوْمِ لَمْ يَرْمُلْ فِيْ هٰذَا الطَّوَافِ وَلَا سَعْيَ عَلَيْهِ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ قَدَّمَ السَّعْيَ رَمَلَ فِي هٰذَا الطَّوَافِ وَيَسْعٰى بَعْدَهٗ عَلٰى مَا قَدَّمْنَاهُ وَقَدْ حَلَّ لَهُ النِّسَاءُ وَهٰذَا الطَّوَافُ هُوَ الْمَفْرُوْضُ فِي الْحَجِّ (٦٦) وَيُكْرَهُ تَاخِيْرُهٗ عَنْ هٰذِهِ الْاَيَّامِ فَاِنْ اَخَّرَهٗ عَنْهَا لَزِمَهٗ دَمٌ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ۔

ترجمہ:۔ پھر اسی دن یا دوسرے دن یا تیسرے دن مکہ مکرمہ آئے اور بیت اللہ کا سات شوط طواف زیارت کرے پس اگر طواف قدوم کے بعد صفا و مروہ کے درمیان سعی کر چکا ہے تو اس طواف میں رمل نہ کرے اور نہ اس پر سعی ہے اور اگر پہلے سعی نہیں کی ہے تو اب اس طواف میں رمل کرے اور اسکے بعد سعی کرے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور اس وقت اس کے لئے عورتیں بھی حلال ہو جائینگی اور یہ طواف حج میں فرض ہے اور ان دنوں سے اس کی تاخیر مکروہ ہے پس اگر کسی نے مؤخر کر دیا تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر دم لازم ہے اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس پر کچھ لازم نہیں۔

تشــریح:۔(٦٤) یعنی بعد از ذبح و حلق حجاج اسی دن یعنی دسویں ذی الحجہ کو یا گیارھویں یا بارھویں کو مکہ مکرمہ آئے مگر افضل دسویں ذی الحجہ ہے۔ مکہ مکرمہ آکر بیت اللہ کا سات شوط طواف کرلے (اس کو طواف زیارت و طواف افاضہ کہتے ہیں) کیونکہ مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سر منڈوایا تو مکہ مکرمہ تشریف لائے اور بیت اللہ کا طواف فرمایا پھر واپس منی آئے اور منی میں ظہر کی نماز پڑھی۔ یہ طواف رکن ہے کیونکہ ارشاد باری تعالی ﴿ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴾ (یعنی بندے بیت العتیق کا طواف کرے) میں اسی کا حکم دیا گیا ہے۔ اس طواف کے بعد حاجی کے لئے عورتیں بھی حلال ہو جائینگی۔

(٦٥) طواف قدوم میں اگر حاجی رمل اور سعی بین الصفا والمروہ کر چکا ہے تو اب اس طواف میں رمل اور اسکے بعد سعی بین الصفا والمروہ نہیں کیونکہ سعی صرف ایک مرتبہ کسی طواف کے بعد واجب ہے دوبارہ جائز نہیں اور رمل صرف اس طواف میں مشروع ہے جسکے بعد سعی ہو۔

(٦٦) طواف زیارت کو ان تین ایام سے مؤخر کرنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ طواف زیارت ایام نحر کے ساتھ موقت ہے لہذا بصورت تاخیر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دم لازم ہوتا ہے۔ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک کچھ لازم نہیں۔ البتہ حائضہ ونفاسہ عورت اس حکم سے مستثنیٰ ہے کہ وہ ان دنوں کے بعد بھی بلا کراہت طواف زیارت کرسکتی ہے۔

(٦٧) ثُمَّ يَعُودُ إِلَى مِنىً فَيُقِيمُ بِهَا فَإِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ مِنَ الْيَوْمِ الثَّانِي مِنْ أَيَّامِ النَّحْرِ رَمَى الْجِمَارَ الثَّلٰثَ يَبْتَدِئُ بِالَّتِي تَلِي الْمَسْجِدَ فَيَرْمِيهَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ ثُمَّ يَقِفُ عِنْدَهَا فَيَدْعُو ثُمَّ يَرْمِي الَّتِي تَلِيهَا مِثْلَ ذَالِكَ وَيَقِفُ عِنْدَهَا ثُمَّ يَرْمِي جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ كَذَالِكَ وَلَا يَقِفُ عِنْدَهَا۔

ترجمہ:۔ پھر منیٰ کو لوٹ آئے اور وہیں قیام کرے پس ایام قربانی کے دوسرے دن زوال شمس کے بعد تینوں جمرات کی رمی کرے رمی کی ابتدا اس جمرہ سے کرے جو مسجد خیف سے متصل واقع ہے اس پر سات کنکریاں مارے اور ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہتا رہے پھر اس جمرہ کے پاس ٹھہرے اور دعاء کرے پھر اسی طرح اس جمرہ کی رمی کرے جو اس جمرہ اولیٰ سے متصل ہے اور اس کے پاس بھی ٹھہرے پھر اسی طرح جمرہ عقبہ کی رمی کرے اور اسکے پاس نہ ٹھہرے۔

تشریح:۔ (٦٧) یعنی طواف زیارت سے فراغت کے بعد اسی وقت منیٰ واپس لوٹ جائے مکہ مکرمہ میں رات نہ گذارے منیٰ جا کر اقامت اختیار کرلے پس جب گیارہویں تاریخ کو زوال ہوجائے تو تینوں جمرات کو مار دے۔ سنت یہ ہے کہ جو جمرہ مسجد خیف کے قریب ہے اسی سے شروع کردے ساتھ کنکریوں سے مار دے ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہے کنکریاں مارنے کے بعد ٹھہر جائے اور دعاء کرلے۔ پھر جو اس کے قریب جمرہ ہے اسی کو اسی طرح ساتھ کنکریوں سے مار دے آخر میں ٹھہر کر دعاء کرلے۔ پھر جمرہ عقبہ کو اسی طرح مار دے مگر اسکے بعد ٹھہرے نہیں کیونکہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اسی طرح نقل کیا ہے۔

(٦٨) فَإِذَا كَانَ مِنَ الْغَدِ رَمَى الْجِمَارَ الثَّلٰثَ بَعْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ كَذَالِكَ (٦٩) وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَتَعَجَّلَ النَّفْرَ نَفَرَ إِلَى مَكَّةَ وَإِنْ أَرَادَ أَنْ يُقِيمَ رَمَى الْجِمَارَ الثَّلٰثَ فِي الْيَوْمِ الرَّابِعِ بَعْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ كَذَالِكَ (٧٠) فَإِنْ قَدَّمَ الرَّمْيَ فِي هٰذَا الْيَوْمِ قَبْلَ الزَّوَالِ بَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ جَازَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ لَا يَجُوزُ (٧١) وَيُكْرَهُ أَنْ يُقَدِّمَ الْإِنْسَانُ ثِقَلَهُ إِلَى مَكَّةَ وَيُقِيمَ بِهَا حَتَّى يَرْمِيَ (٧٢) فَإِذَا نَفَرَ إِلَى مَكَّةَ نَزَلَ بِالْمُحَصَّبِ۔

ترجمہ:۔ پھر جب اگلا دن ہو تو اسی طرح زوال آفتاب کے بعد تینوں جمرات کی رمی کرے اور جب کوئی جلدی چلا جانا چاہے تو مکہ مکرمہ کی جانب روانہ ہوجائے اور اگر قیام کرنے کا ارادہ کرے تو اسی طرح چوتھے دن تینوں جمرات کی رمی کرے پس اگر کسی نے اس دن صبح صادق ہونے کے بعد اور آفتاب ڈھلنے سے پہلے کنکریاں ماردیں تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ بھی جائز ہے اور صاحبین رحمہما

للہ فرماتے ہیں کہ جائز نہیں اور یہ مکروہ ہے کہ کوئی شخص اپنا سامان پہلے ہی مکہ مکرمہ بھیج دے اور خود کنکریاں مارنے تک وہیں رہے پھر جب مکہ آئے تو محصب میں اترے۔

تشریح :۔(٦٨) اگلے دن یعنی بارھویں تاریخ کو پھر زوال کے بعد اسی طرح تینوں جمرات کو مار دے۔(٦٩) اب اگر حاجی کو مکہ مکرمہ جانے کا جلدی ہو تو تیرہویں تاریخ کے طلوع فجر سے پہلے پہلے جا سکتا ہے لیکن اگر تیرہویں تاریخ (جو ایام نحر کا چوتھا دن ہے) کے فجر تک ٹھہر گیا اور یہ ٹھہرنا افضل بھی ہے تو تیرہویں تاریخ کو بھی تینوں جمرات بعد از زوال مار کر مکہ مکرمہ جائے لقولہ تعالیٰ ﴿فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلااِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلااِثْمَ عَلَيْهِ﴾ (یعنی جو شخص جلدی کرے دو دنوں میں تو اس پر کچھ گناہ نہیں اور جو تاخیر کرے تو اس پر بھی گناہ نہیں)۔

(٧٠) لیکن اگر اس دن زوال سے پہلے جمرات کو مار دیا تو بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے مع الکراھۃ التنزیھیۃ کیونکہ جب بالکل ترک کرنا جائز ہے تو آگے پیچھے کرنا تو بطریقہ اولیٰ جائز ہونا چاہئے راجح قول یہی ہے۔ مگر صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک جائز نہیں وہ دوسرے دنوں پر قیاس کرتے ہیں۔

(٧١) مگر ان دنوں میں منیٰ میں رہتے ہوئے اپنے سامان کو مکہ مکرمہ بھیجنا مکروہ ہے کیونکہ مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے منع فرماتے تھے۔(٧٢) پھر جب رمی جمرات سے فارغ ہو جائے تو مکہ مکرمہ آتے ہوئے محصب یعنی وادی ابطح (جس کو وادی بطحاء اور خیف بنی کنانہ بھی کہتے ہیں) پر اترے یہاں اترنا سنت ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قصداً یہاں اترے تھے۔

(٧٣) ثُمَّ طَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعَةَ اَشْوَاطٍ لايَرْمُلُ فِيهَاوَهٰذَا طَوَافُ الصَّدْرِ (٧٤) وَهُوَ وَاجِبٌ اِلَّاعَلٰى اَهْلِ مَكَّةَ ثُمَّ يَعُوْدُ اِلٰى اَهْلِهٖ۔

ترجمہ:۔ پھر بیت اللہ کا سات شوط طواف کرے اور اس میں رمل نہ کرے اور یہ طواف صدر ہے اور یہ واجب ہے مگر اہل مکہ پر واجب نہیں پھر اپنے گھر کی طرف لوٹے۔

تشریح :۔(٧٣) اب اگر واپس اپنے اہل کی طرف جانے کا ارادہ ہے تو بلا رمل وسعی بیت اللہ کا سات شوط طواف کرلے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص بیت اللہ کا حج کرے تو اس کا آخری عہد اس بیت کے ساتھ طواف ہو۔ اس کو طواف صدر اور طواف وداع اور طواف آخر عہد بالبیت بھی کہتے ہیں یہ رخصتی کا طواف ہے۔(٧٤) یہ طواف صرف آفاقیوں پر واجب ہے مکہ مکرمہ اور میقاتوں کے اندر رہنے والوں پر نہیں ہے کیونکہ یہ لوگ نہ بیت اللہ سے جاتے ہیں اور نہ بیت اللہ کو چھوڑتے ہیں۔ اس طواف کے بعد گھر واپس لوٹ جائے۔

(٧٥) فَاِنْ لَمْ يَدْخُلِ الْمُحْرِمُ مَكَّةَ وَتَوَجَّهَ اِلٰى عَرَفَاتٍ وَوَقَفَ بِهَاعَلٰى مَاقَدَّمْنَاهُ سَقَطَ عَنْهُ طَوَافُ الْقُدُوْمِ وَلاشَئَ عَلَيْهِ لِتَرْكِهٖ۔

ترجمہ:۔ اگر محرم مکہ مکرمہ میں داخل نہ ہوا اور عرفات کی جانب روانہ ہو گیا ہو اور وقوف عرفات کر لیا جیسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں تو اس سے طواف قدوم ساقط ہو جائیگا اور اس پر ترک طواف قدوم کی وجہ سے کوئی چیز لازم نہیں۔

تشریح:۔(۷۵)-یعنی اگر کسی نے میقات سے احرام باندھا مکہ مکرمہ جانے کے بجائے سیدھا عرفات گیا اور وقوف عرفات اس طریقہ پر کیا جو ہم نے بیان کیا تو اس پر سے طواف قدوم (جو کہ سنت ہے) ساقط ہو جاتا ہے۔اور ایسے شخص پر دم یا صدقہ کچھ واجب نہیں کیونکہ ترک سنت کی وجہ سے کچھ واجب نہیں ہوتا ہے۔

(۷۶)وَمَنْ اَدْرَکَ الْوُقُوفَ بِعَرَفَةَ مَابَیْنَ زَوَالِ الشَّمْسِ مِنْ یَوْمِ عَرَفَةَ اِلٰی طُلُوْعِ الْفَجْرِمِنْ یوم النّحرِ فَقَدْاَدْرَکَ الْحَجَّ (۷۷)وَمَنِ اجْتَازَبِعَرَفَةَ وهونَائِمٌ اَوْمُغْمًی عَلَیه اَوْلَمْ یَعْلَمْ اَنّهَاعَرَفَاتٌ اَجْزَاهُ ذَالِکَ عنِ الْوُقُوفِ۔

ترجمہ:۔اور جس نے وقوف عرفات پالیا عرفہ کے دن زوال آفتاب سے لے کر عید کے دن کے طلوع فجر تک تو اس نے حج پالیا اور اگر کوئی شخص سوتے میں یا بے ہوشی میں عرفات سے گذر جائے یا اسے معلوم نہ ہو کہ یہ عرفات ہے تو یہ وقوف عرفات سے کفایت کریگا۔

تشریح:۔(۷۶)یعنی جس نے نویں تاریخ کے زوال سے دسویں تاریخ کی فجر تک وقوف عرفات پایا اگر چہ تھوڑی دیر کیلئے کیوں نہ ہو تو اس نے حج پالیا کیونکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد از زوال وقوف کیا اور پھر فرمایا''مَنْ اَدْرَکَ عَرَفَةَ بِلَیْلٍ فَقَدْ اَدْرَکَ الْحَجَّ وَمَنْ فَاتَه عَرَفَةَبِلَیْلٍ فَقَدْفَاتَه الْحَجُّ''(یعنی جس نے عرفہ کو رات میں پایا تو اس نے حج پایا اور جس نے رات کو بھی عرفہ نہیں پایا تو اس کا حج فوت ہوا)اس حدیث شریف میں آخر وقت کو بیان فرمایا ہے۔اول وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے معلوم ہوا۔اور حج پالینے سے مراد یہ ہے کہ اب اس کا حج فساد سے محفوظ ہوا، ورنہ ایک رکن اب تک باقی ہے یعنی طواف زیارت۔

(۷۷)اگر کوئی شخص حالت نیند میں یا بے ہوشی میں یا عرفات کو نہ جانتے ہوئے عرفات پر سے گذر جائے تو یہ بھی وقوف عرفات سے کفایت کریگا کیونکہ رکن یعنی وقوف عرفات پایا گیا۔

(۷۸)وَالْمَرْاَةُ فِی جمِیْعِ ذَالِکَ کالرَّجُلِ غَیْرَاَنّهَالَاتَکْشِفُ رَاْسَهَاوتکْشِفُ وجهَهَاولاتَرْفَعُ صَوتَهَابِالتَّلْبِیَةِ وَلَاتَرْمُلُ فِی الطَّوَافِ وَلَاتَسْعیٰ بَیْنَ الْمِیلَیْنِ الْاَخْضَرَیْنِ وَلَاتَحْلِقُ وَلٰکِنْ تُقَصِّرُ۔

ترجمہ:۔اور عورت ان تمام احکام حج میں مرد کی طرح ہے سوائے اس کے کہ عورت اپنا سر نہیں کھولے گی اور وہ اپنا چہرہ کھولے گی اور اپنی آواز کو تلبیہ کے ساتھ بلند نہیں کریگی اور طواف میں رمل نہیں کریگی اور نہ میلین اخضرین کے درمیان سعی کرے گی اور عورت سر نہ منڈوائے بلکہ کتروائے۔

تشریح:۔(۷۸)عورت گذرے ہوئے تمام احکام میں مرد کی طرح ہے البتہ سر نہ کھولے کیونکہ عورت کی سر ستر میں داخل ہے ہاں چہرہ کھلا رکھے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عورت کا احرام اس کے چہرے میں ہے۔مگر کھلا رکھنے سے مراد یہ ہے کہ چہرے پر ایسا کوئی کپڑا لٹکائے کہ چہرے کو نہ لگے اور پردہ حاصل ہو ایسا ہی ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا فعل مروی ہے۔

عورت تلبیہ بلند آواز سے نہ پڑھے کیونکہ قول اصح کے مطابق اگر چہ عورت کی آواز ستر میں داخل نہیں مگر اس میں فتنہ ضرور ہے اسلئے تلبیہ بلند آواز سے نہ پڑھے۔اسی طرح طواف میں رمل نہ کرے۔اور میلین اخضرین کے درمیان سعی نہ کرے کیونکہ یہ ستر عورت

کیلئے مخل ہے۔اور سر منڈوائے نہیں بلکہ کتروائے کیونکہ عورتوں کے حق میں سر منڈوانا مُثلہ (تغیر لخلق اللہ) ہے جو کہ حرام ہے۔

اسی طرح عورت کے لئے سلے ہوئے کپڑے اور موزے پہننا ممنوع نہیں اور مردوں کی موجودگی میں استلام حجر نہ کرے کیونکہ عورت کے لئے مردوں کو مس کرنا ممنوع ہے۔خنثٰی مشکل احتیاطاً مذکورہ بالا امور میں عورت کی طرح ہے۔

بَابُ الْقِرَانِ

یہ باب قران کے بیان میں ہے۔

"قران" ماخوذ ہے "قرن" سے باب ضرب ونصر سے آتا ہے لغت میں مطلقاً جمع بین الشیئین کو کہتے ہیں اور شرعاً ایک ہی سفر میں حج اور عمرہ کے احرام اور افعال کو جمع کرنے کو قران کہتے ہیں۔

چونکہ حج افراد بمنزلہ مفرد کے ہے کیونکہ افراد میں صرف حج کا احرام ہوتا ہے اور قران بمنزلہ مرکب کے ہے کیونکہ اس میں حج وعمرہ دونوں کا احرام ہوتا ہے اسلئے حج افراد کو مقدم کیا۔

(۷۹) وَالْقِرَانُ اَفْضَلُ عِنْدَنَامِنَ التَّمَتُّعِ وَالْإِفْرَادِ۔

ترجمه:۔ ہمارے نزدیک قران افضل ہے تمتع اور افراد سے۔

تشریح:۔(۷۹) احنافؒ کے نزدیک حج قران افضل ہے حج کے باقی دو اقسام یعنی حج افراد اور تمتع سے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "یاآل محمداهلوابحجة وعمرة معاً" (یعنی اے آل محمد حج وعمرہ دونوں کا ساتھ ساتھ احرام باندھو)۔ نیز قران میں ایک ہی احرام کے ساتھ دو عبادتیں ادا ہوتی ہیں تو یہ صوم مع الاعتکاف کے مشابہ ہے۔اور احرام بھی بہت دنوں تک رہتا ہے جس میں مشقت زیادہ ہے اسلئے قران افضل ہے۔

جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک حج افراد افضل ہے انکی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اَلْقِرَانُ رُخْصَةٌ" (یعنی قران رخصت ہے) جس سے ظاہر یہ ہے کہ قران کرنے کی اجازت ہے عزیمت افراد ہے پس چونکہ اجازت سے عزیمت اولیٰ ہے لہذا حج افراد اولیٰ ہے۔امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک حج تمتع افضل ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے اس ارشاد ﴿ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ ﴾ میں حج تمتع کا ذکر کیا ہے لہذا یہ افضلیت کی دلیل ہے۔

(۸۰)وَصِفَةُ الْقِرانِ اَنْ يُهِلَّ بِالْعُمْرَةِ وَالْحَجِّ معاًمن الْمِيقاتِ وَيقُولُ عقِيبَ الصَّلٰوةِ اَللّٰهُمَّ اِنِّى اُرِيدُ الْحجَّ وَالْعُمرَةَ فَيَسِّرْهُمَالِى وَتَقَبَّلْهُمَامِنِّى(۸۱)فَاِذَادَخلَ مَكَّةَ اِبْتَدَأَبِالطَّوافِ فطَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعَةَ اَشْوَاطٍ يَرْمُلُ فِى الثَّلٰثَةِ الْاُوَلِ مِنْهَاوَيَمْشِى فِى مَابَقِىَ عَلٰى هَيْئَتِهٖ وَيَسْعىٰ بَعدَهَابَيْنَ الصَّفَاوَالْمَرْوَةِ وهٰذِهٖ افعالُ الْعُمْرَةِ(۸۲)ثُمَّ يَطُوْفُ بَعْدَ السَّعْيِ طَوَافَ الْقُدُومِ وَيَسْعىٰ بَيْنَ الصَّفَاوَالْمَرْوَةِ لِلْحَجِّ كَمَابَيَّنَّاهُ فِى حَقِّ الْمُفْرِدِ(۸۳)فَاِذَارَمَى الْجَمْرَةَ يَوْمَ النَّحْرِ ذَبَحَ شَاةً اَوْبَقَرَةً اَوْبَدَنَةً اَوْ سُبُعَ بَدَنَةٍ اَوْسُبُعَ بَقَرَةٍ فَهٰذَادَمُ الْقِرانِ۔

توجمه:۔اور قران کا طریقہ یہ ہے کہ میقات سے حج اور عمرہ دونوں کے لئے ایک ساتھ تلبیہ کہے اور دو رکعت نماز کے بعد یہ کہے"اَللّٰهُمَّ اِنِّى اُرِيدُالْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَيَسِّرْهُمَالِىْ وَتَقَبَّلْهُمَامِنِّى" پھر جب یہ مکہ مکرمہ میں داخل ہو تو طواف سے ابتدأ کرے پس بیت اللہ کا سات شوط طواف کرے اور تین شوطوں میں رمل کرے اور باقی میں وقار اور سکون سے چلے اور اسکے بعد صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے اور یہ عمرہ کے افعال ہیں پھر سعی کے بعد طواف قدوم کرے اور صفا و مروہ کے درمیان حج کے لئے سعی کرے جیسا کہ ہم نے اس کو مفرد بالحج کے حق میں بیان کر دیا ہے پس جب عید کے دن جمرہ کو مارے تو بکری ذبح کرے یا ایک گائے یا ایک اونٹ ذبح کرے یا اونٹ یا گائے کا ساتواں حصہ لے یہ دم قران ہے۔

تشریح:۔(۸۰) یہاں سے امام قدوری رحمہ اللہ حج قران کا طریقہ بتانا چاہتے ہیں کہ حج قران کا طریقہ یہ ہے کہ میقات سے ایک ساتھ حج اور عمرہ کا احرام باندھے۔احرام کی دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد یوں دعاء کرلے"اَللّٰهُمَّ اِنِّى اُرِيدُالْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَيَسِّرْهُمَالِىْ وَتَقَبَّلْهُمَامِنِّى "بعض نسخوں میں ذکر عمرہ مقدم ہے تاکہ ذکر فعل کے مطابق ہو البتہ اس نسخہ میں حج کا ذکر پہلے کیا ہے تو یہ برائے تبرک بقوله تعالى ﴿وَاَتِمُّواالْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾۔

(۸۱)اب جب مکہ مکرمہ میں داخل ہو جائے تو پہلے عمرہ کے افعال ادا کرلے اس طرح کہ بیت اللہ شریف کا سات شوط طواف کرلے پہلے تین شوطوں میں رمل کرلے باقی چار میں اپنی ہیئت پر وقار و سکون سے چلے پھر سعی بین الصفا والمروہ کرلے جس کا طریقہ پہلے بیان ہو چکا ہے سعی کر کے عمرہ کے افعال مکمل ہو جاتے ہیں لیکن سعی کے بعد حلق یا قصر نہ کرے اسلئے کہ احرام حج و افعال حج اب تک باقی ہیں۔

(۸۲) عمرہ کے سعی کے بعد حج کیلئے طواف قدوم کرلے پھر آٹھویں ذی الحجہ کو منیٰ پھر عرفات پھر مزدلفہ دسویں ذی الحجہ کو منیٰ پہنچ کر جمرہ عقبہ مار کر(۸۳)دم شکر ذبح کرلے جس کو دم قران کہا جاتا ہے یہ واجب ہے کیونکہ قران تمتع کے معنی میں ہے اور ھدی تمتع میں منصوص علیہ ہے۔دم قران ذبح کر کے حاجی دونوں احراموں سے نکل جائیگا۔حج کے باقی اعمال یعنی طواف زیارت، رمی جمرات اور طواف صدر ادا کر کے گھر لوٹ جائے۔یہ یاد رہے کہ دم میں چاہے تو بکری ذبح کرلے یا اونٹ یا گائے یا ان دو میں سے کسی ایک کا ساتواں حصہ لے۔

☆ ☆ ☆

(۸٤)فَإنْ لَمْ يَكُنْ لَه مَا يَذْبَحُ صَامَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ آخِرُهَا يَوْمُ عَرَفَةَ(۸۵)فَإنْ فَاتَهُ الصَّوْمُ حَتّٰى يَدْخُلَ يَوْمُ النَّحْرِ لَمْ يُجْزِهُ اِلَّا الدَّمُ ثُمَّ يَصُوْمُ سَبْعَةً اِذَا رَجَعَ اِلٰى اَهْلِهِ فَإنْ صَامَهَا بِمَكَّةَ بَعْدَ فَرَاغِهِ مِنَ الْحَجِّ جَازَ۔

ترجمہ:۔پس اگراس کے پاس کوئی جانور نہ ہو جو وہ ذبح کرے تو ایام حج میں روزہ رکھے اس طرح کہ آخری روزہ عرفہ کے دن ہو پس اگراس کے روزے فوت ہو گئے یہاں تک کہ عید کا دن آ گیا تو اب سوائے دمِ قران کے کوئی چیز کافی نہ ہوگی پھر جب گھر لوٹ آئے تو سات روزے رکھے اور اگر ان روزوں کو حج سے فارغ ہونے کے بعد مکہ ہی میں رکھ لے تب بھی جائز ہے۔

تشریح:۔(۸٤)یعنی اگر قارن کے پاس دم قران نہ ہو تو ایام حج میں تین روزے رکھے لقوله تعالیٰ ﴿فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ﴾ (یعنی جو کوئی ھدی نہ پائے تو اس پر تین روزے حج کے ایام میں واجب ہے)۔اور روزے یوں رکھے کہ تیسرا روزہ عرفات کے دن ہو۔یہ بہتر ہے ورنہ عرفات کے دن سے پہلے اور متفرق بھی رکھے جا سکتے ہیں اور سات روزے ایام تشریق کے بعد رکھے لقوله تعالیٰ ﴿وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ﴾ (یعنی سات روزے جب تم واپس ہو جاؤ)۔(۸۵)لیکن اگر کسی نے اس صورت میں دسویں ذی الحجہ سے پہلے تین روزے نہیں رکھے تو اب دم قران متعین ہو جائیگا اب قربانی کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

باقی جو سات روزے ایام تشریق کے بعد رکھنے کے ہیں ان میں یہ رخصت ہے کہ گھر آ کر رکھے یا مکہ مکرمہ ہی میں رکھے اسلئے کہ "سَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ" کا معنیٰ "اِذَا فَرَغْتُمْ" ہے۔امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سات روزے گھر میں رکھنا پڑیگا مکہ مکرمہ میں جائز نہیں۔

(۸٦)فَإنْ لَمْ يَدْخُلِ الْقَارِنُ مَكَّةَ وَتَوَجَّهَ اِلٰى عَرَفَاتٍ فَقَدْ صَارَ رَافِضاً لِعُمْرَتِه بِالْوُقُوْفِ وَسَقَطَ عَنْه دَمُ الْقِرَانِ (۸۷)وَعَلَيْه دَمٌ لِرَفْضِ الْعُمْرَةِ(۸۸)وَعَلَيْه قَضَاؤُهَا۔

ترجمہ:۔اور اگر کوئی قارن مکہ مکرمہ نہیں گیا اور عرفات چلا گیا تو وقوف عرفہ کی وجہ سے وہ عمرہ کا تارک ہو گیا اور اس سے دم قران ساقط ہوا اور اس پر عمرہ توڑنے کی وجہ سے ایک دم ہے اور اس پر اس عمرہ کی قضاء لازم ہے۔

تشریح:۔(۸٦)اگر کسی نے میقات سے عمرہ و حج کا احرام باندھا مگر پھر عمرۂ قران چھوڑ کر سیدھا عرفات گیا تو اس نے عمرہ چھوڑ دیا لہذا اب اسکا حج افراد ہوگا قران نہیں ہوگا کیونکہ اب بایں طور عمرہ کرنا متعذر ہے کہ اس پر حج کے احکام بناء ہو لہذا اس پر دم قران نہیں کیونکہ اس نے نسکین کو ایک احرام میں جمع نہیں کیا ہے۔(۸۷)البتہ عمرہ چھوڑنے کی وجہ سے بطور جبیرہ اس پر دم لازم ہے۔(۸۸)اور عمرہ کی قضاء لازم ہے کیونکہ عمرہ کو شروع کرنے کی وجہ سے عمرہ واجب ہوا اسلئے ترک واجب کی قضاء کریگا۔

باب التمتّع

یہ باب تمتع کے بیان میں ہے۔

تمتع لغت میں بمعنی انتفاع اور شرعاً عبارت ہے "عن الجمع بین احرام العمرة و افعالها واحرام الحج و افعاله فی اشهر الحج من غیر المام صحیح باهله" (یعنی المام صحیح کے بغیر حج اور عمرہ کے احرام اور افعال کو اشہر حج میں جمع کرنے کو حج تمتع کہتے ہیں)۔

"اِلْمَامِ صَحِیْح" شیخینؒ کے نزدیک یہ ہے کہ عمرہ کر کے حرم میں سر منڈوا کر خود کو حلال کر کے گھر آئے (یہ اسی متمتع میں ہوگا جس نے اپنے ساتھ ہدی نہ لے چلا ہو اور اگر اس نے ہدی لے چلا ہو تو وہ اگر وطن آجائے تو بھی اس کا المام صحیح نہ ہوگا) اور امام محمدؒ کے نزدیک، خود کو حلال کرنا، المام صحیح کے لئے ضروری نہیں۔

تمتع کی قران کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ ہر دو میں دو عبادتوں کا جمع کرنا پایا جاتا ہے البتہ قران کی افضلیت کی وجہ سے قران کو مقدم ذکر کیا ہے۔

(۸۹) اَلتَّمَتُّعُ اَفْضَلُ مِنَ الْاِفْرَادِ عِنْدَنَا (۹۰) وَالْمُتَمَتِّعُ عَلٰی وَجْهَیْنِ مُتَمَتِّع یَسُوْقُ الْهَدْیَ وَمُتَمَتِّعٌ لَایَسُوْقُ الْهَدْیَ۔

ترجمہ:۔ حجِ تمتع ہمارے نزدیک حجِ افراد سے افضل ہے اور متمتع دو قسم پر ہے ایک وہ متمتع ہے جو ھدی ساتھ لے جائے اور دوسرا وہ جو ھدی ساتھ نہ لے جائے۔

تشریح:۔ (۸۹) احنافؒ کے قولِ صحیح کے مطابق حج تمتع افضل ہے حج افراد سے کیونکہ جمع بین العبادتین کی وجہ سے قران کے مشابہ ہے اگر چہ ایک روایت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے یہ بھی مروی ہے کہ افراد افضل ہے یہی قول امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی ہے۔

(۹۰) حج تمتع کی ادائیگی کے دو طریقے ہیں یہ عبارت ان دو طریقوں کے بیان کے لئے اجمال ہے امام قدوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ متمتع دو قسم پر ہے۔/ **نمبر ۱**۔ جو بغیر ہدی حج پر جاتا ہے۔/ **نمبر ۲**۔ جو اپنے ساتھ ھدی لے جاتا ہے۔ ان دو میں سے ہر ایک کے احکام الگ ہیں جو آنے والے متن میں بیان کئے جائینگے۔

(۹۱) وَصِفَةُ الْمُتَمَتِّعِ اَنْ یَبْتَدِاَ مِنَ الْمِیْقَاتِ فَیُحْرِمُ بِالْعُمْرَةِ وَیَدْخُلُ مَکَّةَ فَیَطُوْفُ لَهَا وَیَسْعٰی وَیَحْلِقُ اَوْیُقَصِّرُ وَقَدْ حَلَّ مِنْ عُمْرَتِهٖ وَیَقْطَعُ التَّلْبِیَةَ اِذَا ابْتَدَأَ بِالطَّوَافِ (۹۲) وَیُقِیْمُ بِمَکَّةَ حَلَالًا فَاِذَا کَانَ یَوْمُ التَّرْوِیَةِ اَحْرَمَ بِالْحَجِّ مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَفَعَلَ مَا یَفْعَلُهُ الْحَاجُّ الْمُفْرِدُ (۹۳) وَعَلَیْهِ دَمُ التَّمَتُّعِ فَاِنْ لَمْ یَجِدْ مَا یَذْبَحُ صَامَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ فِی الْحَجِّ وَسَبْعَةً اِذَا رَجَعَ اِلٰی اَهْلِهٖ۔

ترجمہ:۔ اور تمتع کا طریقہ یہ ہے کہ حاجی میقات سے شروع کرے پس عمرہ کا احرام باندھ لے اور مکہ مکرمہ میں داخل ہو کر عمرہ کے لئے طواف کرے اور سعی کرے اور سر منڈوائے یا کتروائے اور اپنے عمرہ سے حلال ہو جائے اور جب طواف شروع کردے تو تلبیہ

قطع کر دے اور حلال ہو کر مکہ مکرمہ میں مقیم رہے پھر جب ترویہ کا دن آجائے تو مسجد حرام سے حج کا احرام باندھے اور وہ افعال کرے جس کو مفرد بالحج کرتا ہے اور اس پر تمتع کا دم واجب ہے پس اگر ذبح کے لئے جانور نہ پایا تو تین روزے ایام حج میں رکھے اور سات اس وقت جبکہ اپنے گھر لوٹ آئے۔

تشریح :۔(۹۱) یہاں سے امام قدوری رحمہ اللہ متمتع کی پہلی قسم (یعنی جو ھدی ساتھ نہیں لے جاتا ہے) کا طریقہ بیان فرماتے ہیں کہ جو متمتع ھدی ساتھ نہیں لے جاتا ہے تو وہ میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ میں داخل ہو کر سات شوط طواف کرلے پہلے تین شوطوں میں رمل بھی کرلے پھر سعی بین الصفا والمروہ کرلے اسکے بعد حلق یا قصر کرلے تو عمرہ کے افعال سے حلال ہو گیا یوں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ قضاء میں کیا تھا اور جیسے ہی عمرہ کا طواف شروع کرلے تلبیہ قطع کر دے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ قضاء میں تلبیہ اس وقت قطع کیا جس وقت حجر اسود کا استلام کیا۔

(۹۲) عمرہ کے افعال ادا کرنے کے بعد اگر حج کے ایام تک وقت ہے تو مکہ مکرمہ میں حلال ہو کر رہے پھر آٹھویں ذی الحجہ یا اس سے پہلے یا اس کے بعد عرفات کے دن تک حج کا احرام باندھ لے مگر آٹھویں تاریخ سے پہلے احرام باندھنا افضل ہے" لانّ فیہ الرغبة فی العبادة "۔حج کا احرام باندھ کر حج کے افعال ادا کرلے جس کی تفصیل حج افراد میں بیان ہو چکی ہے۔البتہ یہ شخص طواف زیارۃ میں رمل کریگا اور اسکے بعد سعی بین الصفا والمروہ کریگا بخلاف مفرد کے کہ وہ رمل اور سعی طواف قدوم میں کر چکا تھا۔

(۹۳) نیز متمتع کے ذمہ دم تمتع لازم ہے اگر دم نہیں پایا تو تین روزے ایام حج میں اور سات روزے بعد از ایام تشریق رکھے جس کی تفصیل باب القران میں گذر چکی ہے۔

(۹۴)وَاِنْ اَرَادَالْمُتَمَتِّعُ اَنْ یَسُوْقَ الْهَدْیَ اَحْرَمَ وَسَاقَ هَدْیَهُ(۹۵)فَاِنْ کَانَتْ بَدَنَةً قَلَّدَهَا بِمَزَادَةٍ اَوْنَعْلٍ وَ اَشْعَرَالْبَدَنَةَ عِنْدَاَبِی یوسفَ رحِمَه اللّٰه وَمُحَمَّدٍرَحِمَه اللّٰه(۹۶)وهوَ اَنْ یَشُقَّ سَنَامَهَامِنَ الْجَانِبِ الْاَیْمَنِ وَلَایُشْعِرُ عِنْدَاَبِی حَنِیفَةَ رحِمَه اللّٰه(۹۷)فَاِذَادَخَلَ مَکَّةَ طَافَ وَسَعٰی وَلَمْ یَتَحَلَّلْ حَتّٰی یُحْرِمَ بِالْحَجِّ یَوْمَ التَّرْوِیَةِ(۹۸)فَاِنْ قَدَّمَ الْاِحْرَامَ قَبْلَهُ جَازَ وَعَلَیْهِ دَمُ التَّمَتُّعِ فَاِذَاحَلَقَ یَوْمَ النَّحْرِ فَقَدْحَلَّ مِنَ الْاِحْرَامَیْنِ۔

ترجمہ:۔اور اگر متمتع ھدی کا جانور لے جانا چاہا تو احرام باندھے اور اپنی ھدی لے جائے پس اگر وہ اونٹ ہو تو اس کی گردن میں چمڑے کے ٹکڑے یا پرانے جوتے کا قلادہ ڈال دے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اونٹ کا اشعار کر دے اور اشعار یہ ہے کہ دائیں جانب سے اس کے کوہان کو چیر دے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اشعار نہ کرے پھر جب متمتع مکہ مکرمہ میں داخل ہو تو طواف اور سعی کرے اور حلال نہ ہوگا یہاں تک کہ یوم الترویہ میں حج کا احرام باندھ لے اور اگر یوم الترویہ سے پہلے احرام باندھ لیا تو جائز ہے اور اس پر دم تمتع لازم ہے پس جب یہ عید کے دن سر منڈوائے گا تو دونوں احراموں سے حلال ہو جائیگا۔

تشریح:۔(۹۴) یہاں سے امام قدوری رحمہ اللہ متمتع کی دوسری قسم (جو جاتے ہوئے ھدی ساتھ لے جائے) کے احکام بیان فرماتے

ہیں یہ قسم پہلی قسم سے افضل ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ھدایا اپنے ساتھ لے چلے تھے۔اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے میقات سے احرام باندھ لے پھر ھدی کو ہانک کرلے چلے مکہ مکرمہ میں داخل ہوکر عمرہ کے افعال ادا کرلے۔مگر حلق یا قصر نہ کرے احرام ہی میں رہے اٹھویں ذی الحجہ کو حرم شریف سے حج کا احرام باندھ کر حج کے افعال (اس سے پہلے ذکر شدہ طریقہ پر) ادا کرلے مگر احرام اٹھویں تاریخ سے پہلے بھی باندھ سکتا ہے بلکہ پہلے احرام باندھنا افضل ہے لما مر۔اس شخص پر بطور شکر دم تمتع لازم ہے اور یہ شخص جب عید کے دن سر منڈوائے تو دونوں احراموں سے حلال ہوجائیگا۔

(۹۵) تمتع کی اس قسم میں حاجی جو بدنہ یعنی اونٹ یا گائے ساتھ لے جاتا ہے تو پرانے چمڑے یا جوتے کا ہار بنا کر پہنائے یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک ہے "لحدیث عائشة رضی اللّٰہ تعالی عنها قَالَتْ كُنْتُ أَفْتَلُ قَلَائِدَهَدْيِ رَسُوْلِ اللّٰه" (یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ھدی کی ہار بٹی تھی)۔صاحبین رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ بدنہ کا اشعار کرائے کیونکہ یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے

(۹۶) اشعار کا معنی یہ ہے کہ کوہان کو دائیں جانب سے زخمی کرلے مگر اشبہ الی الصواب یہ ہے کہ بائیں جانب سے زخمی کرلے کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بائیں جانب میں مقصوداً اور دائیں جانب میں اتفاقاً زخمی کیا تھا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اشعار نہ کرائے۔خلاف روایت ہونے کی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کی یہ تاویل کی گئی ہے کہ انہوں اپنے زمانے کے لوگوں کے لئے اشعار مکروہ قرار دیا تھا کیونکہ اس زمانے کے لوگ اشعار میں حد سے تجاوز کرتے جس سے زخم کے سرایت کا خطرہ ہوتا۔چونکہ فتوی صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر ہے اس لئے امام قدوری رحمہ اللہ نے صاحبین رحمہما اللہ کے قول کو مقدم ذکر کیا ہے۔یہ یاد رہے کہ قلادہ یا اشعار اس لئے کرایا جاتا ہے تا کہ لوگوں کو اس کا ھدی ہونا معلوم ہوجائے اور پانی کے گھاٹ اور چراگاہوں پر کوئی اس سے تعارض نہ کرے۔

(۹۷) پھر جب متمتع مکہ مکرمہ میں داخل ہو تو طواف اور سعی کرے اور حلال نہ ہوگا یہاں تک کہ آٹھویں تاریخ کو حج کا احرام باندھ لے۔چونکہ اس متمتع نے اپنے ساتھ ہدی لے چلا ہے اس لئے عمرہ کرنے کے بعد بال نہیں منڈوائے گا اور نہ سلا ہوا کپڑا پہنے گا اور نہ خوشبو لگائے گا بلکہ احرام ہی میں رہے گا اور دوبارہ آٹھویں تاریخ کو حج کا احرام باندھے گا۔

(۹۸) اگر آٹھویں تاریخ سے پہلے احرام باندھ لیا تو جائز ہے بلکہ افضل ہے کیونکہ اس میں عبادت کی طرف جلدی کرنا پایا جاتا ہے اور اس پر دم تمتع لازم ہے۔پس جب یہ عید کے دن سر منڈوالے گا تو دونوں احراموں سے حلال ہوجائیگا چونکہ عمرے کا احرام نہیں کھولا تھا اور حج کا احرام باندھ لیا تھا اس لئے دسویں تاریخ کو دونوں احراموں سے حلال ہوگا۔

☆ ☆ ☆

(۹۹)وَلَیس لِاَھلِ مَکَّۃَ تَمَتَّعٌ وَلاقِرانٌ وَاِنَّمَالَھُمُ الْاِفْرادُخاصَۃً.

ترجمہ:۔اوراہل مکہ کے لئے تمتع اور قران نہیں بلکہ ان کے لئے خاص افراد ہے۔

تشریح:۔(۹۹)یعنی اہل مکہ اور مواقیت کے اندر رہنے والوں کے لئے حج تمتع وقران نہیں بلکہ ان کیلئے صرف حج افراد مشروع ہے لقولہ تعالیٰ﴿ ذَالِکَ لِمَنْ لَمْ یَکُنْ اَھْلُہٗ حَاضِرِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾(یعنی یہ ان لوگوں کے لئے ہے جو مسجد حرام کے حاضرین میں سے نہ ہوں)پس ان میں سے اگر کوئی قران کریگا تو گناہ گار ہو جائیگا اور اس پر دم لازم ہوگا۔

(۱۰۰)واذاعادَالْمُتَمَتِّعُ اِلیٰ بَلَدِہٖ بَعْدَفِرَاغِہٖ مِنَ الْعُمْرَۃِ وَلَمْ یَکُنْ سَاقَ الْھَدیٰ بَطَلَ تَمَتُّعُہٗ۔

ترجمہ:۔اور جب متمتع اپنے عمرہ سے فارغ ہو کر اپنے شہر کی طرف لوٹ آیا اور وہ ھدی ساتھ نہیں لے گیا تھا تو اس کا تمتع باطل ہو گیا۔

تشریح:۔(۱۰۰)یعنی اگر متمتع کی پہلی قسم (جس میں حاجی نے ھدی ساتھ نہیں لے چلا ہو) عمرہ کے افعال ادا کر کے واپس گھر لوٹ آئے گھر آکر کچھ مدت اقامت کر کے واپس جا کر حج کے افعال ادا کرلے تو یہ متمتع نہیں کیونکہ متمتع وہ ہے جو ایک سفر میں دو عبادتیں ادا کرلے جبکہ اس نے تو درمیان میں المام صحیح (المام صحیح شیخینؒ کے نزدیک یہ ہے کہ عمرہ کر کے حرم میں سر منڈوا کر خود کو حلال کر کے گھر آئے۔یہ اسی متمتع میں ہوگا جس نے اپنے ساتھ ہدی نہ لے چلا ہو اور اگر اس نے ہدی لے چلا ہو تو وہ اگر وطن آجائے تو بھی اس کا المام صحیح نہ ہوگا) کیا اور المام صحیح سے تمتع باطل ہو جاتا ہے۔اور اگر ھدی ساتھ لے چلا ہو تو اس کا المام صحیح نہیں لہذا اس کا حج تمتع باطل نہ ہوگا جبکہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک باطل ہو جاتا ہے کیونکہ اس نے ایک سفر میں دو عبادتیں نہیں کی ہیں۔

(۱۰۱)وَمَنْ اَحْرَمَ بِالْعُمْرَۃِ قَبْلَ اَشْھُرِ الْحَجِّ فطَافَ لَھَااَقَلَّ مِنْ اَربَعَۃِ اَشْوَاطٍ ثُمَّ دَخَلَتْ اَشْھُرُ الْحَجِّ فَتَمَمَھَاواَحْرَ مَ بِالْحَجِّ کَانَ مُتَمَتِّعاً(۱۰۲)فَاِنْ طَافَ لِعُمْرَتِہٖ قَبْلَ اَشْھُرِ الْحَجِّ اَربَعَۃَ اَشْوَاطٍ فَصَاعِداًثُمَّ حَجَّ مِنْ عَامِہٖ ذَالِکَ لَمْ یَکُنْ مُتَمَتِّعاً۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی نے اشہر حج سے پہلے عمرہ کا احرام باندھ لیا اور اس نے عمرہ کے لئے طواف کے چار شوطوں سے کم کئے تھے کہ اشہر حج شروع ہو گئے تو اس نے ان شوطوں کو پورا کر دیا اور حج کا احرام باندھ لیا تو یہ متمتع ہو جائیگا اور اگر کسی نے حج کے مہینوں سے پہلے اپنے طواف کے چار شوط یا اس سے زیادہ کر لئے تھے پھر اسی سال حج کیا تو یہ متمتع نہ ہوگا۔

تشریح:۔(۱۰۱)یعنی جس نے اشہر حج سے پہلے عمرہ کا احرام باندھا پھر عمرہ کیلئے چار شوط طواف نہیں کیا تھا کہ اشہر حج داخل ہو گئے اس نے باقی ماندہ طواف اور سعی اشہر حج میں مکمل کیا تو یہ شخص متمتع ہے اس پر دم تمتع واجب ہے اسلئے کہ اس نے اکثر طواف عمرہ اشہر حج میں ادا کیا وللاکثر حکم الکل تو گویا اس نے تمام اعمال عمرہ اشہر حج میں ادا کئے۔

(۱۰۲)اگر کسی نے اشہر حج کے دخول سے پہلے چار شوط یا زیادہ ادا کر لئے پھر اشہر حج داخل ہو گئے اب اگر حج بھی کریگا تو یہ شخص متمتع نہ ہوگا اسلئے کہ اس نے اکثر طواف اشہر حج سے پہلے ادا کیا تو گویا تمام اعمال عمرہ اشہر حج سے پہلے ادا کئے لہذا یہ شخص متمتع نہیں۔

(۱۰۳)وَاَشهُرُ الحجِّ شَوَّالٌ وَ ذُوالقَعْدَةِ وعَشرٌمِنْ ذِى الحَجَّةِ(۱۰۴)فَاِنْ قَدَّمَ الاِحْرَامَ بِالحَجِّ عَلَيْهَاجَازَاِحْرَامُه وَانعَقَدَحَجُّه۔

ترجمہ:۔ اورحج کے مہینے یہ ہیں،شوال، ذیقعدہ اوردس روز ذی الحجہ کےاوراگرکسی نے ان سے پہلے حج کااحرام باندھ لیاتو اس کا احرام جائز ہےاوراس کاحج منعقدہوجائیگا۔

تشریح:۔(۱۰۳)اشہرحج سے مرادشوال، ذی قعدہ اورذی الحجہ کے پہلے دس دن ہیں اسی طرح عبادلہ ثلثہ اورعبداللہ ابن زبیررضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کیونکہ یہ رکن حج یعنی طواف زیارت کااول وقت ہےاورکسی عبادت کارکن عبادت کےوقت کے بعدنہیں ہوتامگر امام ابویوسف رحمہ اللہ کےنزدیک ذی الحجہ کی دسویں تاریخ اشہرحج میں سےنہیں کیونکہ دسویں تاریخ کے طلوع فجرہوتے ہی اس شخص کے حق میں حج فوت ہوجاتاہےجس نے وقوف عرفہ نہ کیاہوجبکہ عبادت جب تک کہ وقت باقی ہوفوت نہیں ہوتی توانکےنزدیک اشہرحج شوال ،ذی قعدہ اورذی الحجہ کےنودن ہیں۔

(۱۰۴)اگرکسی نے اشہرحج سے پہلے حج کااحرام باندھاتو یہ جائزہےاس لئے کہ احرام وضوءللصلوۃ کی طرح شرط ہے جو دخول وقت سے پہلےبھی درست ہےاس احرام سے حج درست ہوجاتاہےمگریہ تقدیم احرام مکروہ ہے۔

(۱۰۵)وَاِذَاحَاضَتِ الْمَرْاَةُ عِندَالاِحرَامِ اِغْتَسَلَتْ وَاَحْرَمَتْ وَصَنَعَتْ كَمَا يَصْنَعُ الحَاجُّ غَيرَ اَنَّهَا لاتَطُوفُ بِالْبَيتِ حتَى تَطْهُرَ (۱۰۶)واِذَاحَاضَتْ بعدَ الْوُقُوفِ بِعَرَفَةٍ وبَعْدَطَوافِ الزِّيَارَةِ اِنْصَرَفَتْ مِنْ مَكَّةَ ولاشَيئَ عَلَيهَالِتَرْكِ طَوافِ الصَّدْرِ۔

ترجمہ:۔ اوراگرعورت کواحرام کےوقت حیض آجائےتووہ غسل کرکےاحرام باندھ لےاوروہی افعال کرے جوحاجی کرتاہےسوائے اس کے کہ پاک ہونے تک بیت اللہ کاطواف نہ کرےاوراگروقوف عرفات اورطواف زیارت کےبعدحیض آجائےتووہ مکہ مکرمہ سے لوٹ جائےاوراس پرطواف صدرترک کرنے کی وجہ سےکوئی چیزلازم نہیں۔

تشریح:۔(۱۰۵)یعنی اگرعورت کواحرام باندھتےوقت حیض آناشروع ہوجائےتووہ غسل کرکےاحرام باندھ لےکیونکہ یہ غسل برائے نظافت ہے برائے طہارت نہیں۔پس جب افعال حج کاوقت آجائےتووہ حج کے تمام افعال اداکرسکتی ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہامقام سرف میں حائضہ ہوگئیں تو حضورصلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایاکہ حاجی جوارکان اداکرتاہےتم بھی اداکرو۔ہاں بیت اللہ کاطواف نہیں کرسکتی ہے کیونکہ طواف مسجدحرام میں ہوتاہےاورحائضہ کیلئے دخول مسجدجائزنہیں۔

(۱۰۶)اگرکسی عورت کووقوف عرفات وطواف زیارت کےبعدحیض آجائےتووہ طواف صدرچھوڑکرمکہ مکرمہ سےگھرجاسکتی ہےاورطواف صدرچھوڑنےکی وجہ سےاس پردم وغیرہ کچھ واجب نہ ہوگایہ اس لئے کہ پیغمبرصلی اللہ علیہ وسلم نے حائضہ عورتوں کوطواف صدرچھوڑکرجانےکی اجازت دی تھی البتہ اگرمکہ مکرمہ سےنکلنے سے پہلے وہ پاک ہوگئی تواب طواف صدرکرناپڑےگا۔

باب الجنايات

یہ باب جنایات کے بیان میں ہے۔

"جنایات" جمع ہے "جنایۃ" کی، شرعاً حرام فعل کا نام ہے خواہ مال میں ہو یا نفس میں ہو یہاں مراد اس فعل کا ارتکاب ہے جو بسبب احرام یا حرم کے حرام ہو۔

امام قدوری رحمہ اللہ جب محرمین کے احکام سے فارغ ہو گئے تو اب محرمین کو پیش آنے والے عوارض یعنی جنایات، احصار اور فوات کے احکام آنے والے تین بابوں میں بیان فرمائیں گے۔

(۱۰۷)وَاِذَاتَطَيَّبَ الْمُحْرِمُ فَعَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ(۱۰۸)فَاِنْ طَيَّبَ عُضْواً كَامِلاً فَمَازَادَ فَعَلَيْهِ دَمٌ (۱۰۹)وَاِنْ طَيَّبَ اَقَلَّ مِنْ عُضْوٍ فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ۔

ترجمہ:۔اور جب محرم خوشبو لگائے تو اس پر کفارہ ہے پس اگر ایک پورے عضو یا اس سے زیادہ کو خوشبو لگائی تو اس پر ایک دم واجب ہے اور اگر ایک عضو سے کم کو لگائی تو اس پر صدقہ ہے۔

تشریح:۔(۱۰۷) اگر کسی محرم نے خوشبو لگائی تو اس پر کفارہ ہے یہ اجمال ہے اس سے مابعد والا متن اس اجمال کی تفصیل ہے ماتنؒ نے اس تفصیل کو یوں بیان کیا ہے(۱۰۸) کہ اگر کسی محرم نے ایک عضو (مثلاً سر یا ہاتھ وغیرہ) کو یا زیادہ اعضاء کو ایک ہی مجلس میں خوشبو لگائی تو چونکہ یہ کامل جنایت ہے اسلئے اس شخص پر بکری ذبح کرنا لازم ہے۔(۱۰۹)اور اگر ایک عضو سے کم مقدار کو خوشبو لگائی تو چونکہ جنایت کامل نہیں اسلئے اس شخص پر دم نہیں صدقہ لازم ہے۔

فائدہ:۔ التطيب عبارة عن لصوق عين له رائحة طيبة ببدن المحرم او ببعضو منه پس اگر خوشبو سونگھ لی مگر عین خوشبو کو بدن کے ساتھ نہیں لگائی تو کچھ واجب نہ ہوگا۔

فائدہ:۔محرم پر جہاں بھی صدقہ لازم ہو اور اس کی مقدار متعین نہ ہو تو اس سے نصف صاع گندم مراد ہے البتہ جوں اور ٹڈی کے مارنے کی صورت میں جتنا چاہے صدقہ کرے کافی ہے۔

(۱۱۰)وَاِنْ لَبِسَ ثَوْباً مَخِيطاً اَوْغَطّٰى رَاْسَه يَوْماً كَامِلاً فَعَلَيْهِ دَمٌ(۱۱۱)وَاِنْ كَانَ اَقَلَّ مِنْ ذَالِكَ فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ۔

ترجمہ:۔اور اگر محرم نے سلا ہوا کپڑا پہنا یا اپنا سر پورا ایک دن ڈھانپ دیا تو اس پر دم واجب ہے اور اگر ایک دن سے کم ہو تو اس پر صدقہ واجب ہے۔

تشریح:۔(۱۱۰) یعنی اگر کسی نے سلا ہوا کپڑا (قمیص، شلوار، جبہ) کامل دن یا کامل رات پہنایا کامل دن سر ڈھانپا جبکہ یہ پہننا اور ڈھانپنا معتاد طریقہ پر ہو تو اس شخص پر دم لازم ہے کیونکہ ارتفاق کامل ہے۔(۱۱۱)اور اگر ایک دن یا ایک رات سے کم ہو تو صدقہ لازم ہے کیونکہ ارتفاق کامل نہیں۔اور اگر خلاف عادت پہنا مثلاً قمیص سے چادر بنا کر پہنایا شلوار سے ازار بنا کر پہنا تو کچھ لازم نہیں اسلئے کہ یہ

سلے ہوئے کپڑوں کے معنی میں نہیں ہے کیونکہ سلے کپڑے کا پہننا یہ ہے کہ بواسطہ خیاطت دو باتیں حاصل ہوں اشتمال علی البدن اور استمساک لہذا ان دو میں سے جو بات بھی منتفی ہو تو اسے سلے ہوئے کپڑے پہننا نہیں کہا جائیگا۔

(۱۱۲)وَاِنْ حلقَ رُبعَ رَاسِہٖ فَصَاعِداً فَعَلَیْہِ دَمٌ(۱۱۳)وَاِنْ حَلَقَ اَقَلَّ مِنَ الرّبعِ فَعَلَیہِ صَدَقَۃٌ(۱۱٤)وَاِنْ حلقَ مَوَاضِعِ الْمَحَاجِمِ مِنَ الرَّقَبَۃِ فَعلَیہِ دَمٌ عِندَابِیْ حنِیفۃَ رَحمَہ اللّٰہ وقَالَ اَبُو یوسفَ رَحِمہ اللّٰہ وَمُحَمّدٌ رحِمَہ اللّٰہ علیہ صَدَقَۃٌ۔

ترجمہ:۔اور اگر محرم نے اپنے سر کا چوتھائی یا اس سے زائد منڈوا دیا تو اس پر دم واجب ہے اور اگر چوتھائی سے کم منڈوا دیا تو اس پر صدقہ واجب ہے اور اگر گردن سے پچھنا لگانے کی جگہ منڈوا دیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر دم ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس پر صدقہ ہے۔

تشریح:۔(۱۱۲)یعنی اگر کسی نے ربع رأس یا اس سے زیادہ یا ربع ڈاڑھی یا زیادہ منڈوایا تو اس پر دم لازم ہے کیونکہ ربع رأس یا ربع لحیہ منڈوانا بعض علاقوں میں معتاد ہے لہذا کامل جنایت ہونے کی وجہ سے اس پر دم لازم ہے۔(۱۱۳)اگر چوتھائی سے کم منڈوایا تو اس پر صدقہ واجب ہے(کیونکہ ربع سے کم منڈوانا معتاد نہ ہونے کی وجہ سے کامل جنایت نہیں لہذا دم لازم نہیں بلکہ صدقہ لازم ہے)۔

(۱۱٤)اگر گردن میں سے پچھنا لگوانے کے مقام کے بال منڈوائے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس شخص پر دم لازم ہے کیونکہ اس کا حلق مقصود ہے اسلئے کہ اس کے بغیر مقصود حاصل نہیں ہوسکتا اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک دم لازم نہیں صدقہ لازم ہے کیونکہ یہ بذاتہ مقصود نہیں البتہ اس مونڈنے میں میل کچیل کا دور کرنا پایا جاتا ہے اس لئے اس پر صدقہ لازم ہے۔

(۱۱۵)وَاِنْ قَصّ اَظَافِیرَ یَدَیْہِ وَرِجْلَیہ فَعلَیہ دَمٌ (۱۱٦)وَاِنْ قَصّ یداً اَوْ رِجلاً فَعَلَیہِ دَمٌ (۱۱۷)وَاِنْ قَصّ اَقَلّ مِنْ خَمْسَۃِ اَظَافِیرَ فَعلَیہ صدَقَۃٌ (۱۱۸)وان قَصّ اقلّ مِنْ خَمْسَۃِ اَظَافِیرَمُتَفَرِّقَۃٍ من یَدَیْہِ ورِجْلَیہِ فعَلَیْہِ صَدَقَۃٌ عِندَاَبی حَنِیفَۃَ رحِمہ اللّٰہ وَاَبی یوسفَ رَحِمہ اللّٰہ وقَالَ مُحَمّدٌ رحِمَہ اللّٰہ علَیْہِ دمٌ۔

ترجمہ:۔اور اگر محرم نے اپنے دونوں ہاتھ اور پاؤں کے ناخن کاٹے تو اس پر دم واجب ہے اور اگر اس نے ایک ہاتھ یا ایک پاؤں کے ناخن کاٹے تو بھی اس پر دم لازم ہے اور اگر اس نے پانچ ناخن سے کم کاٹے تو اس پر صدقہ ہے اور اگر ہاتھ و پاؤں سے متفرق طور پر پانچ سے کم ناخن کاٹے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر صدقہ واجب ہے اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس پر دم ہے۔

تشریح:۔(۱۱۵)اگر محرم نے دونوں ہاتھوں اور پاؤں کے ناخن ایک ہی مجلس میں کاٹے تو اس پر ایک دم لازم ہے کیونکہ یہ ارتفاق کامل ہے۔اور اگر متعدد مجلسوں میں سے ہر ایک مجلس میں ایک ہاتھ یا ایک پاؤں کے ناخن کاٹے تو ہر ایک ہاتھ و ہر ایک پاؤں کے بدلے میں ایک دم لازم ہوگا(۱۱٦)اور اگر صرف ایک ہاتھ یا ایک پاؤں کے ناخن کاٹے تو بھی ایک دم لازم ہے لان للربع حکم الکل۔

(۱۱۷) اگر پانچ ناخنوں سے کم کاٹے تو ہر ایک ناخن کے بدلے صدقہ لازم ہے (۱۱۸) اور اگر پانچ ناخن تو کاٹے مگر ہاتھ پاؤں میں سے متفرق طور پر کاٹے تو شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک صدقہ لازم ہے اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک دم لازم ہے۔ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک چونکہ اس سے کمال راحت حاصل نہیں ہوتا ہے تو کامل جنایت نہ ہونے کی وجہ سے اس پر دم لازم نہیں۔ یہی قول راجح ہے۔

(۱۱۹) وَاِنْ تَطَيَّبَ اَوْحلَقَ اَوْلَبِسَ مِنْ عُذْرٍ فَهوَمُخَيَّرٌاِنْ شَاءَ ذَبَحَ شَاةً وَاِنْ شَاءَ تَصَدَّقَ على سِتَّةِ مَسَاكِينَ بِثَلٰثَةِ اَصْوُعٍ مِنَ الطَّعامِ وَاِنْ شَاءَ صَامَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ۔

ترجمہ:۔ اور اگر عذر کی وجہ سے خوشبو لگائی یا سر منڈوایا یا سلا ہوا کپڑا پہنا تو اسے اختیار ہے اگر چاہے تو بکری ذبح کرے اور اگر چاہے تو چھ مسکینوں پر تین صاع گندم صدقہ کرے اور اگر چاہے تو تین روزے رکھے۔

تشریح:۔ (۱۱۹) اس سے پہلے غیر معذور جانی (جنایت کرنے والا) کی جنایت کا بیان تھا اس متن میں عذر کی وجہ سے جنایت کرنے والے کی جنایت کا بیان ہے یعنی اگر کسی نے عذر کی وجہ سے خوشبو لگائی یا سلے ہوئے کپڑے پہنے یا سر منڈوایا تو شریعت کی جانب سے اسکو اختیار ہے چاہے تو بکری ذبح کرنے یا چھ مسکینوں پر تین صاع (بحساب درہم ۷۰ ۲۷ تولہ اور بحساب مثقال ۲۷۳ تولہ) گندم صدقہ کرے اور اگر چاہے تو تین دن روزہ رکھے لقوله تعالىٰ ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضاً اَوْبِهٖ اَذىً مِن رَّاسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ اَوْصَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ﴾ (یعنی جو شخص تم میں سے مریض ہو یا اس کو ایذاء ہو سر سے تو اس پر فدیہ واجب ہے روزہ رکھنے سے یا صدقہ دینے سے یا قربانی کرنے سے) آیت کریمہ میں کلمہ اَوْ تخییر کیلئے ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت مبارکہ کی یہی تفسیر کی ہے جو ہم نے ذکر کیا۔

(۱۲۰) وَاِنْ قَبَّلَ اَوْلَمَسَ بِشَهْوَةٍ فَعَلَيْهِ دَمٌ اَنْزَلَ اَوْلَمْ يُنْزِلْ (۱۲۱) وَمَنْ جَامَعَ فِي اَحدِالسَّبِيلَيْنِ قَبْلَ الْوُقُوفِ بِعَرَفَةَ فَسَدَحَجُّهُ وَعَلَيْهِ شَاةٌ وَيَمْضِي فِي الْحَجّ كَمَايَمْضِي مَن لَمْ يَفْسُدْحَجُّهُ وَعَلَيْهِ الْقَضاءُ۔

ترجمہ:۔ اور اگر بوسہ لیا یا شہوت سے چھو لیا تو اس پر دم لازم ہے خواہ انزال ہو یا نہ ہو اور جس نے وقوف عرفہ سے پہلے احد السبیلین میں جماع کیا تو اس کا حج فاسد ہو گیا اور اس پر بکری لازم ہے اور یہ حج کے افعال اسی طرح ادا کرے جس طرح کہ وہ ادا کرتا ہے جس کا حج فاسد نہ ہوا اور اس پر قضاء لازم ہے۔

تشریح:۔ (۱۲۰) یعنی اگر کسی نے بوسہ لیا یا شہوت کے ساتھ چھوا تو خواہ انزال ہو یا نہ ہو اس پر دم لازم ہے کیونکہ یہ احرام میں ممنوعہ شی سے مقصودی طور پر نفع حاصل کرنا ہے (۱۲۱) اور اگر کسی محرم نے وقوف عرفات سے پہلے کسی آدمی کے احد السبیلین میں جماع کیا تو اس کا حج فاسد ہوا اب اس پر ایک بکری ذبح کرنا یا اونٹ و گائے میں سے کسی ایک کا ساتواں حصہ لازم ہے۔ اور دیگر حجاج کی طرح حج کے باقی ماندہ اعمال ادا کرنا اس شخص پر واجب ہے اور اگلے سال اس شخص پر اس حج کی قضاء لازم ہے کیونکہ ایسوں کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ان دونوں پر دم ہے اور اپنے اس حج کے اعمال ادا کر کے آئندہ سال ان پر اس حج کا اعادہ واجب ہے۔

☆ ☆ ☆

(۱۲۲)وَلَيسَ عَلَيه اَنْ يُفَارِقَ امرأته اِذَا حَجَّ بِهَا فِي الْقَضَاءِ عِنْدَنَا۔

ترجمه:۔اور اس پر ہمارے نزدیک یہ لازم نہیں کہ اپنی بیوی سے الگ ہو جائے جب اس کے ساتھ حج قضاء کرے۔

تشریح:۔(۱۲۲)یعنی مذکورہ بالا حاجی (جس نے وقوف عرفہ سے پہلے جماع کر کے حج فاسد کیا) جب اگلے سال حج کی قضاء کریگا تو اسکی بیوی (جس کے ساتھ اس نے گذشتہ سال جماع کر کے حج فاسد کیا تھا) پر بھی حج کی قضاء لازم ہے اب قضاء کرتے ہوئے یہ دونوں اکٹھے جاسکتے ہیں الگ الگ جانا ان پر لازم نہیں جبکہ دیگر آئمہ میں سے امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ان پر اپنے شہر سے نکلتے ہی جدائی لازم ہے۔امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک بعد از احرام جدائی لازم ہے۔اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک جب اس جگہ پر پہنچے جہاں گذشتہ سال جماع کیا تھا تو وہاں سے ان پر جدائی لازم ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ جامع بین الزوجین (یعنی نکاح) قائم ہے تو احرام سے پہلے افتراق کی تو کوئی وجہ نہیں کیونکہ اس وقت تک جماع جائز ہے اور بعد از احرام اگر چہ جماع ممنوع ہو جاتا ہے مگر اس سے پہلے جماع کی معمولی لذت کی وجہ سے یہ بہت مشقت میں پڑ گئے ہیں اس لئے اب کے مرتبہ یہ جماع سے دور رہیں گے لہذا افتراق کی کوئی وجہ نہیں۔

(۱۲۳)وَمَنْ جَامَعَ بَعْدَ الْوُقُوفِ بِعَرَفَةَ لَمْ يَفْسُدْ حجّه وَعلَيهِ بَدَنَةٌ (۱۲٤)وَمَن جَامَعَ بَعْدَ الْحَلْقِ فَعليه شَاةٌ (۱۲۵)وَمَنْ جَامَعَ فِي الْعُمرَةِ قَبلَ اَنْ يَطُوْفَ اَرْبَعَةَ اَشْوَاطٍ اَفْسَدَهَا وَمضَى فِيهَا وقَضَاهَا وعَلَيْه شَاةٌ (۱۲٦)وإنْ وَطِي بَعدَمَا طَافَ اَرْبَعَةَ اَشْوَاطٍ فَعَلَيْهِ شَاةٌ ولاتَفْسُدُ عُمْرَتُه ولايَلزَمُه قَضَاؤهَا (۱۲۷)وَمَنْ جَامَعَ نَاسِياً كَمَنْ جَامَعَ عَامِداً فِي الْحُكمِ۔

ترجمه:۔اور جس نے وقوف عرفات کے بعد جماع کیا تو اس کا حج فاسد نہ ہوگا اور اس پر ایک اونٹ ہے اور جس نے سر منڈوانے کے بعد جماع کیا تو اس پر ایک بکری ہے اور جس نے عمرہ میں چار شوط کرنے سے پہلے جماع کیا تو اس کا عمرہ باطل ہو گیا اور وہ اس عمرے کے افعال پورا کرے اور اس کی قضاء کرے اور اس پر ایک بکری لازم ہے اور اگر چار شوط طواف کے بعد جماع کیا تو اس پر ایک بکری لازم ہے اور اس کا عمرہ فاسد نہ ہوگا اور نہ اس پر اس کی قضاء لازم ہے اور جس نے بھول کر جماع کیا تو یہ حکم میں اس شخص کی طرح ہے جو جان کر جماع کرے۔

تشریح:۔(۱۲۳)یعنی اگر کسی نے وقوف عرفات کے بعد حلق سے پہلے جماع کیا تو حج تو اس کا فاسد نہ ہوگا البتہ جنایت چونکہ اعلیٰ قسم کی ہے اسلئے اس پر بدنہ لازم ہے (۱۲٤)اور اگر کسی محرم نے حلق کے بھی بعد جماع کیا تو چونکہ عورتوں کے حق میں اب تک احرام باقی ہے لہذا اس شخص پر بکری لازم ہے اور چونکہ عورتوں کے علاوہ دیگر چیزوں کے بارے میں احرام انتہاء کو پہنچ گیا ہے اسلئے اس جانی کے ساتھ تخفیف کی گئی ہے۔

(۱۲۵)اگر کسی نے عمرہ کرتے ہوئے چار شوط طواف نہیں کیا تھا کہ جماع کیا تو عمرہ فاسد ہوا اب یہ شخص دیگر عمرہ کرنے والوں کی طرح عمرہ کے باقی افعال (یعنی طواف کے باقی ماندہ اشواط وسعی بین الصفا والمروہ) ادا کرے اور جنایت جماع کی وجہ سے بکری ذبح

کرے کیونکہ عمرہ میں طواف ایسا ہے جیسے حج میں وقوف عرفات ہے البتہ چونکہ عمرہ سنت ہے لہذا جنایت اس درجہ کی نہیں جو حج پر ہے اس لئے یہاں بکری ذبح کرنا ہوگا اور وہاں اونٹ۔ اور فاسد شدہ عمرہ کی قضاء کرلے۔

(۱۲۶) اگر عمرہ کرنے والے نے چار شوط طواف کرنے کے بعد حلق راس سے پہلے جماع کیا تو اس شخص کا عمرہ فاسد نہ ہوگا کیونکہ اکثر طواف کر چکا ہے البتہ اس پر دم لازم ہے کیونکہ اس نے ایسے عمل کا ارتکاب کیا جو احرام میں ممنوع ہے۔

(۱۲۷) جس محرم نے بھول کر یا حالت نیند یا اکراہ (کسی نے جماع پر مجبور کر دیا) میں جماع کیا تو یہ قصداً جماع کرنے کا حکم رکھتا ہے کیونکہ ارتفاق میں سب برابر ہیں۔

(۱۲۸) وَمَن طَافَ طَوَافَ القُدُومِ مُحدِثاً فَعَلَيهِ صَدَقَةٌ (۱۲۹) وَإِن كَانَ جُنُباً فَعَلَيهِ شَاةٌ (۱۳۰) وَإِن طَافَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ محدثاً فَعَلَيهِ شَاةٌ (۱۳۱) وَإِن كَانَ جُنُباً فَعَلَيهِ بَدَنَةٌ وَالافضَلُ اَن يُعِيدَ الطَّوَافَ مَادَامَ بِمَكَّةَ وَلَاذَبحَ عَلَيهِ۔

ترجمہ:۔ اور جس نے طواف قدوم بے وضو کر لیا تو اس پر صدقہ ہے اور اگر جنبی تھا تو اس پر بکری لازم ہے اور اگر طواف زیارت بے وضوء کیا تو اس پر بکری لازم ہے اور اگر جنب تھا تو اس پر اونٹ لازم ہے اور افضل یہ ہے کہ طواف کا اعادہ کرے جب تک کہ مکہ مکرمہ میں ہو اور اس پر ذبح کرنا واجب نہیں۔

تشریح:۔ (۱۲۸) اگر کسی نے طواف قدوم یا کوئی بھی نفلی طواف بے وضو کیا تو اس شخص پر ترک طہارت کی وجہ سے صدقہ لازم ہے جو ترک طہارت کے نقصان کا جبیرہ ہوگا (۱۲۹) اور اگر حالت جنابت میں طواف قدوم کیا تو چونکہ جنایت زرا بڑی ہے اس لئے اس پر دم لازم ہے۔

(۱۳۰) اگر کسی نے طواف زیارت بے وضو کیا تو چونکہ طواف زیارت رکن ہے لہذا نقصان زیادہ ہونے کی وجہ سے دم لازم ہے (۱۳۱) اور اگر طواف زیارت حالت جنابت میں ادا کی تو شدت نقصان کی وجہ سے اب اس شخص پر بدنہ لازم ہے مگر بہتر یہ ہے کہ جب تک یہ شخص مکہ میں ہو طواف زیارت کا اعادہ کرے تاکہ کامل طور پر ادا ہو جائے۔

بعض نسخوں میں وجوب اعادہ کا ذکر ہے تو شراح نے یوں تطبیق دی ہے کہ اگر طواف زیارت بے وضو ادا کیا تو اعادہ مستحب ہے اور اگر حالت جنابت میں ادا کیا تو اعادہ واجب ہے۔ پھر اگر بے وضو ادا کرنے کی صورت میں کسی بھی وقت اعادہ کیا اور حالت جنابت میں ادا کرنے کی صورت میں ایام نحر میں اعادہ کیا تو اس پر دم لازم نہیں۔ اور اگر حالت جنابت میں ادا کئے ہوئے کا اعادہ ایام نحر کے بعد کیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر دم لازم ہے کما مرّ۔

(۱۳۲) وَمَن طَافَ طَوَافَ الصَّدرِ مُحدِثاً فَعَلَيهِ صَدَقَةٌ (۱۳۳) وَإِن كَانَ جُنُباً فَعَلَيهِ شَاةٌ (۱۳۴) وَإِن تَرَكَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ ثَلٰثَةَ اَشوَاطٍ فَمَادُونَهَا فَعَلَيهِ شَاةٌ (۱۳۵) وَإِن تَرَكَ اَربَعَةَ اَشوَاطٍ بَقِيَ مُحرِماً اَبَداً حَتّٰى يَطُوفَهَا۔

ترجمہ:۔ اور جس نے طواف صدر بے وضو کیا تو اس پر صدقہ ہے اور اگر جنب ہو تو اس پر بکری لازم ہے اور اگر طواف زیارت کے تین شوط یا اس سے کم چھوڑ دئے تو اس پر بکری لازم ہے اور اگر چار شوط چھوڑ دئے تو یہ ہمیشہ محرم رہیگا جب تک کہ وہ اس طواف کو دوبارہ نہ کرے۔

تشریح :۔(۱۳۲) اگر کسی نے طواف صدر (جو کہ واجب ہے) بے وضو ادا کیا تو اس پر صدقہ لازم ہے(۱۳۳) اور اگر حالت جنابت میں ادا کیا تو اس پر دم لازم ہے چونکہ طواف صدر رتبۃً طواف زیارت سے کم ہے لہذا طواف صدر کی مذکورہ صورتوں میں وہ واجب نہیں جو طواف زیارت کی صورتوں میں واجب تھا اظہاراً للتفاوۃ۔

(۱۳٤) اگر کسی نے طواف زیارت کے تین سے کم شوط چھوڑ دیئے پھر اس کے بعد کوئی نفلی یا واجب طواف بھی نہیں کیا تو ترک اقل کی وجہ سے نقصان تھوڑا ہے اس لئے اس پر دم لازم ہے(۱۳۵) اور اگر چار یا زائد اشواط چھوڑ دیئے تو یہ شخص جب تک یہ طواف مکمل نہ کرے عورتوں کے حق میں محرم ہی رہیگا کیونکہ اکثر متروک ہے وللاکثر حکم الکل لہذا اگر جماع کرے گا تو دم لازم ہوگا۔

(۱۳٦) وَمَنْ تَرَكَ ثَلَاثَةَ أَشْوَاطٍ مِن طَوَافِ الصَّدْرِ فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ (۱۳۷) وإنْ تَرَكَ طَوَافَ الصَّدْرِ أَوْ أَرْبَعَةَ أَشْوَاطٍ مِنْه فَعَلَيْهِ شَاةٌ (۱۳۸) وَمَنْ تَرَكَ السَّعْيَ بَيْنَ الصَّفا وَالمَرْوَةِ فَعلَيْه شاة وَحَجُّهُ تامٌ (۱۳۹) وَمَنْ أَفَاضَ مِنْ عَرفَاتٍ قَبلَ الْإمام فَعلَيْهِ دَمٌ۔

ترجمہ :۔اور جس نے طواف صدر کے تین شوط چھوڑ دیئے تو اس پر صدقہ لازم ہے اور اگر پورا طواف صدر یا اس میں سے چار شوط چھوڑ دیئے تو اس پر بکری لازم ہے اور جس نے صفا اور مروہ کے درمیان سعی چھوڑ دیا تو اس پر ایک بکری لازم ہے اور اس کا حج تام ہے اور اگر کوئی امام سے پہلے عرفات سے اُتر آئے تو اس پر بکری لازم ہے۔

تشریح :۔(۱۳٦) اگر کسی نے طواف صدر کے تین یا اس سے کم شوط چھوڑ دیئے تو اس پر صدقہ لازم ہے(۱۳۷) اور اگر کل طواف صدر یا چار شوط چھوڑ دیئے تو چونکہ طواف صدر واجب ہے لہذا ترک واجب یا ترک اکثر الواجب پر دم لازم ہوگا۔

(۱۳۸) جو شخص کل سعی بین الصفا والمروہ یا اکثر اشواط چھوڑ دے تو اس کا حج تام ہے کیونکہ سعی واجب ہے جس سے فساد لازم نہیں آتا ہے البتہ ترک واجب یا ترک اکثر الواجب کی وجہ سے دم لازم ہے(۱۳۹) اگر کوئی محرم عرفات میں سے امام سے پہلے غروب آفتاب سے قبل اتر آیا تو اس پر دم لازم ہے کیونکہ غروب آفتاب تک عرفات میں رہنا واجب ہے اور اگر غروب آفتاب کے بعد اتر آیا تو کچھ واجب نہیں۔

(۱٤۰) ومَنْ تَرَكَ الْوُقُوفَ بِمُزْدَلِفَةِ فَعلَيْهِ دَمٌ (۱٤۱) ومَنْ تَرَكَ رَمْيَ الْجِمَارِ فِي الْأيَّامِ كُلِّهَا فَعلَيْهِ دَمٌ (۱٤۲) وَإنْ تَرَكَ رَمىَ إحْدَى الْجِمَارِ الثَّلْثِ فَعلَيْهِ صَدَقَةٌ (۱٤۳) وَإنْ تَرَكَ رَمْيَ جَمْرَةِ الْعَقَبَةِ فِي يَوْمِ النَّحرِ فَعلَيْهِ دَمٌ۔

ترجمہ :۔اور جس نے مزدلفہ کا وقوف چھوڑ دیا تو اس پر بکری لازم ہے اور جس نے تمام دنوں میں رمی جمرات چھوڑ دی تو اس پر بکری لازم ہے اور اگر کسی نے تینوں جمرات میں سے ایک کی رمی چھوڑ دی تو اس پر صدقہ لازم ہے اور اگر کسی نے عید کے دن جمرہ عقبہ کی رمی کو چھوڑ دیا تو اس پر بکری لازم ہے۔

تشریح :۔(۱۴۰) اگر کسی نے وقوف مزدلفہ بلا عذر چھوڑا تو چونکہ وقوف مزدلفہ واجب ہے اسلئے اس پر دم واجب ہے البتہ اگر عذر (مثلاً ضعف، بیماری یا عورتوں کو خوف از دحام ہو) کی وجہ سے چھوڑا تو کچھ لازم نہیں (۱۴۱) جس نے تمام دنوں کی رمی جمرات چھوڑ دی تو اس پر دم واجب ہے کیونکہ ترک واجب پایا گیا البتہ سب کی جنس ایک ہونے کی وجہ سے ایک دم لازم ہے۔ اور اگر ایک دن کی رمی چھوڑ دی تو چونکہ یہ نسک تام ہے اور نسک تام چھوڑنے کی وجہ سے دم لازم ہے۔

(۱۴۲) اگر عید کے دن کے علاوہ باقی دنوں کے ایک جمرے کی رمی چھوڑ دی تو اس پر ہر کنکری کے بدلے صدقہ لازم ہے کیونکہ پورے دن کا وظیفہ کے ترک موجب دم ہے تو اس سے کم موجب صدقہ ہوگا۔ (۱۴۳) اگر کسی نے عید کے دن میں جمرہ عقبہ کی رمی چھوڑ دی تو چونکہ یہ اس دن کا کل وظیفہ ہے لہذا اس پر دم لازم ہے۔

(۱۴۴) وَمَنْ اَخَّرَ الْحَلقَ حتّٰى مَضَتْ اَيَّامُ النَّحرِ فَعلَيْهِ دمٌ عِنْدَاَبِي حنيْفَةَ رحِمَه اللّٰه وَكَذَالِكَ اِنْ اَخَّرَطَوافَ الزِّيَارَةِ عِنْدَاَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَه اللّٰه (۱۴۵) وَاِذَاقَتَلَ الْمُحْرِمُ صَيْداًاَوْدَلَّ عَلَيْه مَنْ قَتَلَه فَعَلَيْهِ الْجَزاءُ (۱۴۶) سَواءٌ فِيْ ذَالِكَ الْعَامِدُ وَالنَّاسِي وَالْمُبْتَدِئ وَالْعَائِدُ۔

ترجمہ:۔ اور جس نے سر منڈوانا مؤخر کر دیا یہاں تک کہ قربانی کے دن گذر گئے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر دم واجب ہے اور اگر کسی نے طواف زیارت میں تاخیر کر دی تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر بھی دم ہی واجب ہے اور جب کوئی محرم خود شکار کرے یا شکار شکاری کو بتا دیا تو اس پر جزاء ہے اور اس میں جان کر اور بھول کر بتلانے والا اسیطرح پہلی بار بتلانے والا اور دوسری بار بتلانے والا سب برابر ہیں۔

تشریح :۔(۱۴۴) اگر کسی نے حلق الرأس یا طواف زیارت کو ایام النحر سے مؤخر کر دیا (یا رمی جمرات کو مؤخر کر دیا یا ایک حکم کو دوسرے سے مقدم کیا جبکہ وہ حکماً مؤخر تھا جیسے رمی جمرات سے پہلے سر منڈوایا) تو ان تمام صورتوں میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دم لازم ہے کیونکہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ کا قول ہے کہ جس نے کسی نسک کو دوسرے پر مقدم کر دیا تو اس پر قربانی واجب ہے۔ اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک نسک کی تقدیم و تاخیر سے کچھ لازم نہیں ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے۔

(۱۴۵) اگر محرم نے بری شکار کو قتل کیا یا قاتل کو دلالت کر کے بتا دیا اس نے مار دیا جبکہ قاتل کو پہلے سے معلوم نہ تھا تو محرم قاتل اور شکار بتانے والا دونوں پر جزاء لازم ہے لقوله تعالىٰ ﴿لَاتَقْتُلُوْاالصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ﴾ (یعنی تم شکار مت مارو اس حال میں تم محرم ہو) اور بتانے والا پر اس لئے جزاء ہے کہ بتانے والے نے شکار کے امن کو فوت کیا ہے۔

(۱۴۶) پھر اس میں زرا تعمیم ہے کہ محرم قاتل اور دلالت کرنے والے کو احرام یاد ہے قصداً قتل اور دلالت کر رہا ہے یا احرام یاد نہیں ہے کیونکہ یہ اتلاف ہے تو یہ مالی غرامات کے مشابہ ہے۔ اور برابر ہے کہ پہلی مرتبہ شکار کیا ہے یا عائد یعنی دوبارہ، سہ بارہ شکار کرنے والا ہے کیونکہ موجب تاوان جو کہ صید کو تلف کرنا ہے ابتداً اور عود کرنے سے مختلف نہیں ہوتا ہے بلکہ جس طرح تلف کرے جزاء واجب ہوگی۔

(۱۴۷)وَالجَزاءُ عِندَ اَبی حَنِیفَةَ وَابی یوسفَ رَحمَه اللّٰه اَنْ یُقَوِّمَ الصَّیدُفِی المَکانِ الَّذِی قَتلَه فِیهِ اَوْ فِی اَقرَبِ المَواضِعِ مِنْه اِنْ کانَ فِی بَرِّیَّةٍ (۱۴۸)یُقَوِّمُهُ ذَوَاعَدلٍ(۱۴۹)ثُمّ هوَمُخیّرٌفِی القِیمَةِ اِنْ شاءَ اِبتَاعَ بِهَاهدْیاًفَذَبَحه اِنْ بَلَغَتْ قِیمَتُه هَدیاًوَاِنْ شاءَ اشْتَرَی بِهَاطعَاماًفَتصَدَّقَ به عَلی کُلِّ مِسْکِینٍ نصفَ صاعٍ مِن بُرٍّاَوْصَاعاًمِن تَمرٍ اَوْ صَاعاً مِن شَعِیرٍوَاِنْ شاءَ صَامَ عَنْ کُلِّ نِصفِ صَاعٍ بُرٍّیَوماًوَعَن کُلِّ صَاعٍ مِن شَعِیرٍیَوماً(۱۵۰) فَاِنْ فَضَلَ مِن الطَّعام اَقَلَّ مِنْ نِصفِ صَاعٍ فَهوَ مُخَیّرٌ اِنْ شاءَ تَصَدَّقَ بِه وَاِنْ شاءَ صامَ عَنه یَوماًکامِلاً۔

ترجمہ:۔ اور شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک شکار کی جزاء یہ ہے کہ شکار کی قیمت اس مقام پر لگائی جائے جہاں وہ قتل ہوایا اگر جنگل میں ہوا تو وہاں سے سب سے قریب کی آبادی میں اس کی قیمت کا اندازہ دو عادل آدمی لگائیں پھر قتل کرنے والا محرم جزاء کے بارے میں مختار ہے اگر چاہے تو اس کے عوض ہدی خرید کر اس کو ذبح کر دے اگر اس کی قیمت ہدی کو پہنچ جائے اور اگر چاہے تو اس کے عوض غلہ خرید کر اس کو صدقہ کر دے ہر مسکین پر گندم کا نصف صاع یا کھجور یا جَو کا ایک صاع اور اگر چاہے تو گندم کے نصف صاع اور کھجور و جَو کے ایک صاع کے بدلے ایک دن روزہ رکھے اور اگر غلہ نصف صاع سے کم بچ گیا تو اس کو اختیار ہے کہ چاہے تو اس کو صدقہ کر دے اور چاہے تو اس کے بدلہ ایک کامل دن روزہ رکھے۔

تشریح:۔ (۱۴۷) یعنی شکار کی جزاء میں ائمہ کا اختلاف ہے شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک شکار کا مثل معنوی یعنی قیمت لازم ہے کیونکہ مثل معنوی مراد لینے میں تعمیم ہے اس شکار کو بھی شامل ہے جس کی نظیر ہے اور اسکو بھی شامل ہے جس کی نظیر نہیں۔ پھر جس مکان میں شکار مارا گیا ہے اسی میں شکار کی قیمت لگائیں اگر دیہات میں مارا ہے تو قریب کے آبادی میں قیمت معلوم کرے کیونکہ اختلاف امکنہ سے قیمتیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔ (۱۴۸) قیمت بھی دو ایسے عادل آدمی لگائینگے جو شکار کی قیمت لگانے میں بصیرت رکھتے ہوں اعتباراًبحقوق العباد۔

(۱۴۹) پھر طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک قاتل پر جو قیمت مقرر ہوگئی اس میں اسکو اختیار ہے اگر یہ قیمت اتنی ہو کہ اس سے بکری وغیرہ خریدی جاسکتی ہو تو بکری وغیرہ خرید کر حرم میں ذبح کرلے۔ اور اگر چاہے تو اس قیمت سے غلہ خرید کر ہر مسکین کو نصف صاع گندم یا ایک صاع کھجور یا جَو دیدیں اور اگر چاہے تو ہر نصف صاع گندم کے بدلے روزہ رکھے۔

(۱۵۰) اگر نصف صاع گندم سے کم ہو مثلاً ربع صاع ہو تو بھی اس کے بدلے کامل روزہ رکھنا پڑیگا یا ربع صاع گندم ہی صدقہ کرلے۔ اسیطرح اگر ایک صاع کھجور یا جو سے کم ہو تو بھی یہی حکم ہے کیونکہ صوم ایک دن سے کم مشروع نہیں۔

(۱۵۱)وَقالَ محمدٌ رَحمه اللّٰه یَجِبُ فِی الصَّیدِالنَّظِیرُفِیمَالَه نَظِیرٌفَفِی الظَّبْیِ شاةٌ وَفِی الضَّبُعِ شاةٌ وَفِی الاَرْنَبِ عَناقٌ وَفِی النَّعَامَةِ بَدَنَةٌ وفِی الیَرْبُوْعِ جَفرَةٌ۔

ترجمہ:۔ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شکار میں اس کی نظیر واجب جس کی نظیر ہو پس ہرن میں بکری ہے اور بجو میں بکری ہے اور

خرگوش میں بکری کا چھ ماہ کا بچہ ہے اور شتر مرغ میں اونٹ ہے اور جنگلی چوہے میں چار ماہ کا بکری کا بچہ ہے۔

تشریح:۔(۱۵۱) یعنی امام محمد رحمہ اللہ وامام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک محرم نے جس شکار کو مارا ہے اگر اس کا صورۃً مثل ہے تو مثل صوری دیدے لقولہ تعالیٰ ﴿فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَاقَتَلَ مِنَ النَّعَمِ﴾ (یعنی پس جزاء ہے مثل اس کا جو قتل کیا ہے جانوروں میں سے) لہٰذا ہرن کے بدلے میں بکری ہے۔ بجو (ایک قسم کا گوشت خور جانور جو دن بھر بلوں میں رہتا ہے اور رات کو باہر نکلتا ہے اس کی آنکھیں بہت چھوٹی ہوتی ہیں) کے بدلے میں بکری لازم ہے۔ خرگوش کے بدلے میں عناق (بکری کا چھ ماہ کا بچہ) ہے۔ شتر مرغ کے بدلے میں اونٹ ہے۔ یربوع یعنی جنگلی چوہے کے بدلے میں جفرہ (یعنی بکری کا چار ماہ کا بچہ) ہے۔

اگر کسی شکار کا مثل صوری نہ ہو جیسے چڑیا کبوتر وغیرہ تو مثل صوری ومعنوی ہر دو کے تعذر کی وجہ سے امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک صرف مثل معنوی یعنی قیمت لازم ہے۔ شیخین کا قول راجح ہے۔

(۱۵۲) وَمَنْ جرَحَ صَيْداً اَوْنَتَفَ شَعْرَه اَوْقَطَعَ عُضْواً مِنْهُ ضَمِنَ مَانَقَصَ مِنْ قِيْمَتِهِ (۱۵۳) وَاِنْ نَتَفَ رِيْشَ طَائِرٍ اَوْ قَطَعَ قَوائِمَ صيدٍ فَخرجَ من حَيِّزِ الْاِمتِناعِ فعليْهِ قِيمَتُه كامِلةً۔

ترجمہ:۔ اور جس نے شکار کو زخمی کر دیا یا اس کے بال اکھاڑ دیئے یا اس کا ایک عضو کاٹ دیا تو اس کی قیمت کے نقصان کا ضامن ہوگا اور اگر پرندہ کے پر اکھیڑ لئے یا کسی شکار کے ہاتھ پیر کاٹ ڈالے کہ اب وہ اپنے بچاؤ سے نکل گیا تو اس پر اس کی پوری قیمت واجب ہے۔

تشریح:۔(۱۵۲) یعنی جس نے شکار کو زخمی کر دیا یا شکار کے بال اکھاڑ دیئے یا شکار کا کوئی عضو کاٹ دیا مگر اب بھی وہ اپنی حفاظت کرنے کے قابل ہے تو اس زخم وغیرہ کی وجہ سے شکار کی قیمت میں جو کمی آئی ہے شکار کرنے والا اس کمی کا ذمہ دار ہے بعض کو کل پر قیاس کرتے ہوئے کما فی حقوق العباد۔

(۱۵۳) اگر محرم نے پرندے کے پر اکھاڑ دیئے یا شکار کے پاؤں کاٹ دیئے جس کی وجہ سے اب شکار اپنی حفاظت کے قابل نہ رہا تو محرم اس شکار کی کل قیمت کا ذمہ دار ہے کیونکہ اس نے حفاظت کو ضائع کر کے شکاری نے گویا کہ شکار کو ضائع کر دیا اسلئے کل قیمت کا ذمہ دار ہوگا۔

(۱۵٤) وَمَنْ كَسَرَ بَيْضَ صَيْدٍ فَعَلَيْهِ قِيمَتُه (۱۵۵) فَاِنْ خرجَ مِنَ الْبَيْضَةِ فَرْخٌ مَيِّتٌ فَعَلَيْهِ قِيمَتُه حَيًّا۔

ترجمہ:۔ اور جس نے شکار کے انڈے توڑ دیئے تو اس پر اسکی قیمت لازم ہے پس اگر انڈے سے مردہ بچہ نکل آیا تو اس پر زندہ بچے کی قیمت لازم ہے۔

تشریح:۔(۱۵٤) اگر کسی نے شکار کے ایسے انڈے کو توڑ دیا جو خراب نہیں ہوئے تھے تو اس کی قیمت اس پر لازم ہے کیونکہ انڈا شکار کی اصل ہے جس میں شکار بننے کی صلاحیت ہے لہٰذا احتیاطاً انڈا بمنزلہ شکار کے ہے۔ (۱۵۵) اگر انڈے سے مردہ بچہ نکلا اور یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ توڑنے سے پہلے مرا ہے یا بعد میں تو اس پر زندہ بچے کی قیمت لازم ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ زندہ نکل آتا مگر وقت روح سے پہلے توڑنے کی وجہ سے مر گیا ہو۔

(۱۵۶) وَلَيسَ فِي قَتلِ الغُرَابِ وَالحِدَاةِ وَالذِّئبِ وَالحَيَّةِ وَالعَقرَبِ وَالفَارَةِ وَالكَلبِ العَقُورِ جَزَاءٌ (۱۵۷) وَلَيسَ فِي قَتلِ البَعُوضِ وَالبَرَاغِيثِ وَالقُرَادِ شَيءٌ۔

ترجمہ:۔ اور کوے، چیل، بھیڑئے، سانپ، بچھو، چوہے اور کاٹ کھانے والے کتے کے قتل کرنے میں جزا نہیں اور مچھر، پسو اور چیچڑی کے قتل کرنے میں کچھ لازم نہیں۔

تشریح:۔ (۱۵۶) یعنی محرم اگر مردار کھانے والا کوا، چیل، بھیڑیا، سانپ، بچھو، چوہا یا کاٹ کھانے والا کتا قتل کرے تو قاتل پر کوئی جزاء نہیں کیونکہ یہ موذی چیزیں ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وحشی، مانوس اور عقور و غیر عقور ہر قسم کے کتے عدم جزا میں برابر ہیں کیونکہ ان سب کی جنس ایک ہے اور اس باب میں معتبر وحدت جنس ہے۔ (۱۵۷) اگر محرم نے مچھر، پسو، چیچڑی یا دیگر حشرات الارض میں سے کوئی مارڈالا تو بھی مارنے والے پر کسی قسم کی جزا نہیں کیونکہ یہ چیزیں نہ شکار ہیں اور نہ انسانی بدن سے پیدا ہیں۔

(۱۵۸) وَمَن قَتَلَ قُمْلَةً تَصَدَّقَ (۱۵۹) بِمَاشَاءَ وَمَن قَتَلَ جَرَادَةً تَصَدَّقَ بِمَاشَاءَ وَتَمرَةٌ خَيرٌ مِن جَرَادَةٍ۔

ترجمہ:۔ اور جس نے جوں کو مارڈالا تو جتنا چاہے صدقہ کردے اور جس نے ٹڈی کو مارڈالا تو جو چاہے صدقہ کردے اور کھجور بہتر ہے ٹڈی سے۔

تشریح:۔ (۱۵۸) جس نے ایک یا دو یا تین جوں تک قتل کیا تو جتنا چاہے صدقہ کرے مثلاً مٹھی بھر غلہ یا روٹی کا ایک ٹکڑا وغیرہ دیدے کیونکہ جوں بالوں کی طرح بدن سے پیدا ہوتا ہے تو اس کو دور کرنے میں میل کچیل دور کرنا پایا جاتا ہے لہذا صدقہ لازم ہے۔ (۱۵۹) اور یہی حکم ٹڈی کے مارنے کا بھی ہے کیونکہ ٹڈی بری (خشکی میں رہنے والا) شکار ہے۔ امام قدوری رحمہ اللہ نے بطور تبرک حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کا قول "تَمرَةٌ خَيرٌ مِن جَرَادَةٍ" نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا تھا کہ ٹڈی سے ایک کھجور بہتر ہے لہذا ایک کھجور دینا کافی ہے۔

(۱۶۰) وَمَن قَتَلَ مَالَا يُؤكَلُ لَحمُهُ مِنَ السِّبَاعِ وَنَحوِهَا فَعَلَيهِ الجَزَاءُ وَلَا يَتَجَاوَزُ بِقِيمَتِهَا شَاةً۔

ترجمہ:۔ اور جس نے غیر ماکول اللحم درندوں میں سے کوئی جانور مارڈالا یا ان جیسا کوئی جانور مارڈالا تو اس پر جزا واجب ہے اور یہ جزاء قیمت میں ایک بکری سے بڑھ کر نہ ہو۔

تشریح:۔ (۱۶۰) اگر کسی نے غیر ماکول اللحم جانور (جنکا گوشت نہیں کھایا جاتا) مثلاً سباع البھائم (جانوروں کو پھاڑنے والے) کو مارڈالا یا ان جیسا کوئی جانور مثلاً سباع الطیر (پرندوں کو پھاڑنے والے) کو مارڈالا تو اس پر جزاء لازم ہے یعنی اس کی قیمت معلوم کرکے دیدے مگر یہ قیمت ایک بکری سے بڑھ کر نہ ہو کیونکہ ان کا قتل خون بہانے کی وجہ سے حرام اور موجب جزاء تھا۔ ان کے گوشت فاسد کرنے کی وجہ سے نہیں کیونکہ گوشت ان کا غیر ماکول ہے۔ اور خون بہانے کی وجہ سے صرف دم واحد واجب ہوتا ہے۔ البتہ ماکول اللحم میں چونکہ فساد لحم بھی ہے تو اس کی قیمت واجب ہوگی جتنی بھی ہو۔

☆ ☆ ☆

(۱۶۱) وان صال السبع علی محرم فقتله فلاشئ علیه (۱۶۲) وان اضطر المحرم الی اکل لحم الصید فقتله فعلیه الجزاء۔

ترجمہ:۔ اور اگر درندے نے محرم پر حملہ کر دیا پس اس نے اس کو قتل کر دیا تو اس پر کچھ نہیں اور اگر محرم شکار کا گوشت کھانے پر مجبور ہوا پس اس نے شکار کو قتل کر دیا تو اس پر جزاء ہے۔

تشریح:۔ (۱۶۱) یعنی اگر محرم پر کسی درندے نے حملہ کیا اور سوائے قتل کے دفع کرنے کی کوئی صورت نہ ہو تو بصورت قتل کرنے کے محرم پر کوئی جزاء نہیں کیونکہ محرم تعرض شکار سے اگر چہ ممنوع ہے مگر دفع اذی سے تو ممنوع نہیں۔

(۱۶۲) اگر محرم شکار کے گوشت کھانے پر مجبور ہوا تو قتل کرنے اور کھانے کی صورت میں اس پر جزاء لازم ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ﴿فمن کان منکم مریضا او بہ اذی من راسہ ففدیۃ من صیام او صدقۃ او نسک﴾ (یعنی جو شخص تم میں سے مریض ہو یا اس کو ایذاء ہو سر سے تو اس پر فدیہ واجب ہے روزہ رکھنے سے یا صدقہ دینے سے یا قربانی کرنے سے) میں اجازت مقید بالفدیہ ہے۔

(۱۶۳) ولا باس ان یذبح المحرم الشاۃ والبقرۃ والبعیر والدجاج والبط الکسکری (۱۶۴) وان قتل حماما مسرولا او ظبیا مستانسا فعلیہ الجزاء۔

ترجمہ:۔ اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ محرم بکری، گائے، اونٹ، مرغی اور گھریلو بطخ کو ذبح کردے اور اگر پاموز کبوتر یا مانوس ہرن کو ذبح کر دیا تو اس پر جزاء ہے۔

تشریح:۔ (۱۶۳) اگر کسی محرم نے بکری یا گائے یا اونٹ یا مرغی یا بطخ کسکری (کسکر کی طرف منسوب ہے جو بغداد کے اطراف میں ایک جگہ کا نام ہے) ذبح کیا تو ذابح (ذبح کرنے والے) پر کوئی جزاء نہیں۔ (بط کسکری سے مراد گھروں میں رہنے والے بطخ ہیں جو اڑتے نہیں) چونکہ مذکورہ بالا اشیاء گھروں میں رہتے ہیں شکار نہیں اسلئے ان کے ذابح پر جزاء نہیں۔

(۱۶۴) اگر محرم نے پاموز کبوتر (جس کے ٹانگوں پر بال ہوتا ہے) یا مانوس ہرن کو قتل کیا تو قاتل پر جزاء لازم ہے یہ اس لئے کہ یہ اپنی اصل خلقت کے لحاظ سے وحشی شکار ہیں اسلئے ان کے قاتل پر جزاء ہے۔

(۱۶۵) وان ذبح المحرم صیدا فذبیحتہ میتۃ لا یحل اکلھا (۱۶۶) ولا باس بان یاکل المحرم لحم صید اصطادہ حلال وذبحہ اذا لم یدل علیہ المحرم ولا امرہ بصیدہ (۱۶۷) وفی صید الحرم اذا ذبحہ الحلال الجزاء۔

ترجمہ:۔ اور اگر محرم نے شکار کو ذبح کر دیا تو اس کا ذبیحہ مردار ہے اس کا کھانا حلال نہیں اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ محرم ایسے شکار کے گوشت کھائے جو کسی حلال نے شکار کیا ہو اور اسی نے ذبح کیا ہو جبکہ محرم نے وہ شکار اسے نہ بتلایا ہو اور نہ اس کے شکار کرنے کے لئے اسے امر کیا ہو اور حرم کے شکار میں جزاء ہے جس وقت کہ اس کو حلال نے ذبح کیا ہو۔

تشریح:۔(۱٦۵)اگرمحرم نے شکار ذبح کیا تو اس کا ذبیحہ مردار ہے اس کا کھانا حلال نہیں کیونکہ ذبح کرنا فعل مشروع ہے اور یہ فعل حرام ہے لہذا یہ مشروع ذبح شمار نہ ہوگا۔(۱٦٦)البتہ اگر کسی غیر محرم نے حرم سے باہر شکار کیا تو محرم کیلئے اس کا گوشت کھانا جائز ہے بشرطیکہ اس محرم نے غیر محرم شکاری کو دلالت کر کے شکار بتایا نہ ہوا اور نہ شکار کا حکم دیا ہو کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم نے محرم کے حق میں صید کے گوشت کھانے کے بارے میں مذاکرہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **لا بـاس بـه** (یعنی اس میں کوئی حرج نہیں)(۱٦۷)اگر غیر محرم نے حرم کا شکار ذبح کیا تو اس پر جزاء ہے شکار کی قیمت کی مقدار میں فقراء پر صدقہ کرے کیونکہ شکار بسبب حرم امن کا مستحق تھا شکاری نے اسکے امن کو برباد کر دیا۔

(۱٦۸)وَاِنْ قَطَعَ حَشِيْشَ الْحَرِمِ اَوْ شَجَرَهُ الَّذِيْ لَيْسَ بِمَمْلُوْكٍ وَلاهُوَمِمَّايُنْبِتُهُ النَّاسُ فَعَلَيْهِ قِيْمَتُه۔

ترجمہ:۔اور اگر حرم کے گھاس کاٹ دیا اور یا وہاں کا ایسا درخت کاٹ دیا جو کسی کی مملوک نہیں اور نہ وہ ایسا ہو کہ جسے لوگ بوتے ہوں تو اس پر اس کی قیمت واجب ہے۔

تشریح:۔(۱٦۸)حرم کی گھاس اور درخت چار قسم پر ہیں۔/**نمبر ۱**۔کسی نے بویا ہوا اور ایسی چیز ہو جو عادۃً لوگ بوتے ہوں۔/**نمبر ۲**۔خود اُگی ہوا ایسی چیز ہو جو عادۃً لوگ بوتے ہوں۔/**نمبر ۳**۔کسی نے بویا ہوا اور ایسی چیز ہو جسے عادۃً لوگ نہ بوتے ہوں۔**نمبر ٤**۔خود اُگی ہوا ایسی چیز ہو جسے عادۃً لوگ نہ بوتے ہوں۔

تو پہلی تین قسم کی گھاس کا کاٹنا اور ان سے فائدہ اٹھانا جائز ہے اور چوتھی قسم کا کاٹنا (بشرطیکہ خشک نہ ہو) جائز نہیں اور کاٹنے کی صورت میں قیمت دینا لازم ہے کیونکہ گھاس و درخت کی حرمت بسبب حرم کے ثابت ہوتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حرم کی ہری گھاس نہ کاٹی جائے اور نہ اس کے کانٹے توڑ دی جائے۔چوتھی قسم میں یہ شرط ہے کہ خشک نہ ہوں اگر خشک ہوں تو جزا نہیں۔

(۱٦۹)وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلَهُ الْقَارِنُ مِمَّاذَكَرْنَا اَنَّ فِيْهِ عَلَى الْمُفرِدِدَماً فَعَلَيْهِ دَمَانِ دَمٌ لِحَجَّتِهٖ وَدَمٌ لِعُمرَتِه(۱۷۰)اِلَّااَنْ يَتَجَاوَزَالْمِيْقَاتَ مِنْ غَيرِاحْرَامٍ ثُمَّ يُحْرِمَ بِالْعُمْرةِ وَالْحَجِّ فَيَلْزَمُهُ دَمٌ وَّاحِدٌ۔

ترجمہ:۔ہر وہ کام جو قارن کر دے ان کاموں میں سے جن کو ہم نے ذکر کیا ہے کہ ان میں مفرد پر ایک دم ہے تو قارن پر دو دم ہیں ایک دم حج اور ایک عمرہ کی وجہ سے البتہ اگر وہ میقات سے بغیر احرام کے گذر جائے اور پھر وہ حج و عمرہ کا احرام باندھ لے تو اس پر ایک دم لازم ہوگا۔

تشریح:۔(۱٦۹)یعنی جن جنایات کے بدلے میں حج افراد کرنے والے پر ایک دم یا ایک صدقہ ہے یہی جنایات کا اگر حج قران کرنے والے نے ارتکاب کیا تو اس پر دو دم یا دو صدقے ہونگے اسلئے کہ قارن محرم بدو احرام ہے ایک حج کا دوسرا عمرہ کا۔تو جنایت دو احراموں پر ہونے کی وجہ سے جزا بھی دو ہونگی۔

(۱۷۰)البتہ ایک صورت ایسی ہے کہ جس میں قارن پر بھی ایک دم ہے وہ یہ کہ میقات سے کوئی بغیر احرام کے گذر کر حل میں حج و عمرہ دونوں کا احرام باندھے تو اس پر ایک دم واجب ہے کیونکہ میقات سے گذرتے وقت قارن نہیں اور اس وقت اس پر ایک احرام

واجب ہے تو اس کی تاخیر کی وجہ سے ایک دم واجب ہوگا۔

(۱۷۱) وَاِذَا اشْتَرَکَ مُحْرِمَانِ فِي قَتْلِ صَيْدِ الْحَرَمِ فَعَلٰی کُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الْجَزَاءُ کَامِلاً (۱۷۲) وَاِذَا اشْتَرَکَ حَلَالَانِ فِي قَتْلِ صَيْدِ الْحَرَمِ فَعَلَيْهِمَا جَزَاءٌ وَاحِدٌ (۱۷۳) وَاِذَا بَاعَ الْمُحْرِمُ صَيْدًا اَوْ ابْتَاعَهُ فَالْبَيْعُ بَاطِلٌ۔

ترجمہ:۔اور جب دو محرم حرم کے شکار کرنے میں شریک ہو جائیں تو ہر ایک پر پوری جزاء ہے اور اگر حرم کے شکار میں دو حلال شریک ہو جائیں تو دونوں پر ایک ہی جزاء ہے اور جب محرم شکار کو فروخت کر دے یا خرید لے تو یہ خرید و فروخت باطل ہے۔

تشریح:۔(۱۷۱) اگر دو محرم مل کر کسی شکار کو حرم میں یا حل میں قتل کر دے تو ہر ایک پر کامل شکار کی جزاء ہے اسلئے کہ ان دو میں سے ہر ایک محرم ہے اور ہر ایک نے کامل احرام پر جنایت کی ہے۔

(۱۷۲) اگر دو حلال مل کر حرم میں شکار قتل کر دے تو دونوں پر ایک ہی جزاء ہے اسلئے کہ ضمان یہاں حرمت حرم کی وجہ سے ہے اور حرم ایک ہے لہٰذا جزاء بھی ایک ہوگی۔(۱۷۳) محرم نے اگر شکار خرید لیا یا فروخت کر دیا تو بیع باطل ہے کیونکہ محرم شکار کرنے کی وجہ سے شکار کا مالک نہیں ہوتا ہے تو خرید و فروخت کی وجہ سے بھی مالک نہیں ہوگا اور غیر مملوک کی بیع باطل ہے۔اور اگر حلال نے شکار کیا اور محرم نے فروخت کر دیا تو بیع فاسد ہے اور اگر اس کا عکس ہو تو بیع جائز ہے۔

بَابُ الْاِحْصَار

یہ باب احصار کے بیان میں ہے۔

"احصار" لغت میں روکنے کو کہتے ہیں اور شرعاً "مَنْعُ الْمُحْرِمِ عَنْ اَدَاءِ الرُّکْنَيْنِ" (یعنی محرم کو وقوف عرفات اور طواف زیارت سے روکنے) کو کہتے ہیں۔

چونکہ تحلل بالاحصار بھی ایک طرح کی جنایت ہے کیونکہ احصار کی وجہ سے جو دم لازم ہوتا ہے اس سے جانی کی طرح مصر نہیں کہا سکتا ہے اسلئے جنایات کے بعد احصار کو ذکر کیا ہے۔وجہ تقدیم جنایات یہ ہے کہ جنایات اختیاری ہیں اور احصار اضطراری ہے۔

(۱۷۴) وَاِذَا اُحْصِرَ الْمُحْرِمُ بِعَدُوٍّ اَوْ اَصَابَهُ مَرَضٌ يَمْنَعُهُ مِنَ الْمُضِيِّ جَازَ لَهُ التَّحَلُّلُ وَقِيْلَ لَهُ اِبْعَثْ شَاةً تُذْبَحُ فِي الْحَرَمِ وَوَاعِدْ مَنْ يَحْمِلُهَا يَوْمًا بِعَيْنِهِ يَذْبَحُهَا فِيْهِ ثُمَّ تَحَلَّلْ (۱۷۵) فَاِنْ کَانَ قَارِنًا بَعَثَ دَمَيْنِ۔

ترجمہ:۔اور جب محرم دشمن یا مرض کی وجہ سے (حج یا عمرہ کے لئے) جانے سے رک جائے تو اس کے لئے خود کو حلال کرنا جائز ہے اور اس سے کہا جائیگا کہ ایک بکری بھیج دے جو حرم میں ذبح کی جائے اور لے جانے والے سے خاص دن کا وعدہ کر لے جس میں وہ ذبح کریگا پھر خود کو حلال کرا اور اگر وہ قارن ہو تو دو بکریاں بھیج دے۔

تشریح:۔(۱۷۴) یعنی جس نے احرام باندھ لیا پھر خوف دشمن کی وجہ سے حج پر نہ جا سکا یا مریض ہوا مرض کی وجہ سے نہ جا سکا تو ایسے شخص کیلئے یہاں خود کو حلال کرنا جائز ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ کسی بیت اللہ جانے والے کے ہاتھ بکری یا بکری کی قیمت حرم بھیج دے تا کہ وہ حرم

میں اس بکری کو ذبح کردے۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ لے جانے والے سے ایک متعین دن کا وعدہ لے تاکہ وہ اسی دن بکری کو ذبح کرلے تو محصر (روکا گیا شخص) حلال ہو جائیگا اور یہ حکم اس لئے ہے تاکہ احرام ممتد نہ ہو جائے پس اس کے لئے مشکل ہو جائے گا۔ پھر جب متعین دن آجائے تو محصر کے لئے اب تمام ممنوعات حلال ہونگے۔ (۱۷۵) ایک بکری بھیجنے کا حکم تو مفرد کیلئے ہے اگر قارن حج جانے سے رک گیا تو چونکہ قارن دو احراموں کے ساتھ محرم ہے لہذا ان سے نکلنے کیلئے دو بکریاں یا انکی قیمت بھیجنا ضروری ہے۔

(۱۷۶) وَلایَجوزُ ذَبْحُ دَمِ الْإِحْصَارِ اِلّافِی الْحَرَمِ (۱۷۷) وَیَجُوزُ ذَبْحُهُ قَبْلَ یَوْمِ النَّحْرِ عِنْدَ اَبِی حَنِیفَةَ رَحِمَهُ اللّٰه وَقالا رَحِمَهُمااللّٰه لایَجوزُ الذَّبحُ لِلمُحْصَرِ بِالحَجّ اِلّا فی یَومِ النَّحرِ (۱۷۸) وَیَجوزُ لِلمُحصَرِ بِالْعُمرَةِ اَنْ یَذبحَ متٰی شاءَ۔

ترجمہ:۔ اور دم احصار کا ذبح کرنا جائز نہیں مگر حرم میں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عید کے دن سے پہلے دم احصار کا ذبح کرنا جائز ہے اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ محصر بالحج کیلئے ذبح کرنا جائز نہیں مگر عید کے دن میں اور محصر بالعمرہ کے لئے ذبح کرنا جائز ہے جب چاہے۔

تشریح:۔ (۱۷۶) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دم احصار حرم کے علاوہ کسی دوسری جگہ ذبح کرنا جائز نہیں کیونکہ زمان معین (یعنی عید کا دن) اور مکان معین (یعنی کعبۃ اللہ) کے سوا خون بہانے کا قربت ہونا متعارف نہیں۔ (۱۷۷) البتہ عید کے دن سے پہلے ذبح کرنا جائز ہے کیونکہ عید کے دن کے ساتھ مخصوص کردینے کی صورت میں کبھی عید کا دن دور ہوتا ہے تو محصر کا احرام طویل ہو کر حرج میں مبتلا ہو جائیگا۔ یہی قول راجح ہے۔ صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ محصر بالحج پر دم احصار کا عید کے دن میں ذبح کرنا لازم ہے پہلے جائز نہیں۔ صاحبین رحمہما اللہ دم تمتع وقران پر قیاس کرتے ہیں۔ (۱۷۸) البتہ محصر بالعمرہ کے بارے میں ائمہ ثلاثہ کا اتفاق ہے کہ کسی بھی وقت دم احصار کو ذبح کرسکتا ہے عید کا دن متعین نہیں کیونکہ تحلل عن العمرہ عید کے دن کے ساتھ خاص نہیں۔

(۱۷۹) وَالْمُحصَرِ بِالحجّ اِذا تَحَلّلَ فَعلَیه حَجّةٌ وعُمْرَةٌ (۱۸۰) وَعلی الْمُحصَرِ بِالعُمْرةِ القَضَاءُ (۱۸۱) وَعلی القَارِنِ حجّةٌ وَعُمْرَتانِ۔

ترجمہ:۔ اور محصر بالحج جب حلال ہو جائے تو اس پر ایک حج اور ایک عمرہ واجب ہے اور محصر بالعمرہ پر عمرہ کی قضاء واجب ہے اور قارن پر ایک حج اور دو عمرہ لازم ہے۔

تشریح:۔ (۱۷۹) یعنی محصر بالحج اگر حلال ہوا اور اسی سال حج نہیں کیا تو اسکے ذمہ اگلے سال اسی حج کی قضاء ہے اور ایک عمرہ ہے۔ حج کی قضا تو شروع فی الحج صحیح ہونے کی وجہ سے واجب ہے اور عمرہ اس لئے واجب ہے کہ محصر حج فوت کرنے والے کے معنی میں ہے اور حج فوت کرنے والے پر لازم ہے کہ عمرہ ادا کرکے حلال ہو جائے پھر اگلے سال میں حج کرلے تو محصر بھی عمرہ اور حج ادا کرلے۔ (۱۸۰) محصر بالعمرہ پر قضا لازم ہے کیونکہ عمل کو شروع کرکے توڑنے سے (اگرچہ نفلی عمل ہو) قضاء لازم ہو جاتی ہے۔

(۱۸۱) اگر قارن محصر ہوا تو اگلے سال ایک حج دو عمروں کی قضاء اس پر لازم ہے۔ حج اور ایک عمرہ کی وجہ تو احصار بالحج المفرد کے بیان میں ذکر ہوگئی اور عمرہ ثانی اس لئے لازم ہے کہ قارن نے حج کے ساتھ ایک عمرہ کا بھی احرام باندھا تھا تو احصار کی وجہ سے اس کی قضاء بھی لازم ہے۔

(۱۸۲) وَاِذَا بَعَثَ الْمُحْصَرُ هَدْياً وَوَاعَدَهُم اَنْ يَذْبَحُوْهُ فِي يَوْمٍ بِعَيْنِهٖ ثُمَّ زَالَ الْاِحْصَارُ فَاِنْ قَدَرَ عَلٰى اِدْرَاكِ الْهَدْيِ وَالْحَجِّ لَمْ يَجُزْ لَهُ التَّحَلُّلُ وَلَزِمَهُ الْمُضِيُّ وَاِنْ قَدَرَ عَلٰى اِدْرَاكِ الْهَدْيِ دُوْنَ الْحَجِّ تَحَلَّلَ وَاِنْ قَدَرَ عَلٰى اِدْرَاكِ الْحَجِّ دُوْنَ الْهَدْيِ جَازَ لَهُ التَّحَلُّلُ اسْتِحْسَاناً۔

ترجمہ:۔ اور جب محصر نے ھدی بھیج دی اور جانے والے سے وعدہ کر دیا کہ اسے فلاں معین دن ذبح کرنا اور پھر احصار ختم ہوا تو اگر وہ حج اور ہدی دونوں کے پانے پر قادر ہو تو اس کے لئے حلال ہونا جائز نہیں بلکہ جانا لازم ہے اور اگر وہ صرف ھدی پا سکتا ہو حج نہ پا سکتا ہو تو یہ حلال ہو جائے اور اگر حج پا سکتا ہو اور ھدی نہ پا سکتا ہو تو استحساناً اس کے لئے حلال ہونا جائز ہے۔

تشریح:۔ (۱۸۲) یعنی اگر محصر نے کسی کے ہاتھ ھدی بھیج دیا اور بتادیا کہ فلاں معین دن ھدی کو ذبح کرلیں اب ھدی روانہ کرنے کے بعد محصر کا احصار ختم ہوا تو اس کی چار صورتیں بنتی ہیں۔/ **نمبر ۱**۔ اتنا وقت ہے کہ محصر حج اور ھدی دونوں پا سکتا ہے۔/ **نمبر ۲**۔ دونوں نہیں پا سکتا ہے۔/ **نمبر ۳**۔ صرف ھدی پا سکتا ہے حج نہیں پا سکتا ہے۔/ **نمبر ٤**۔ صرف حج پا سکتا ہے ھدی نہیں پا سکتا۔

پہلی صورت کا حکم یہ ہے کہ محصر کیلئے احرام سے حلال ہونا جائز نہیں بلکہ جا کر حج کرلے کیونکہ حصول مقصود بالخلف (یعنی قضاء) سے پہلے عجز زائل ہوگیا۔ دوسری صورت میں جانا عبث ہے اسلئے نہ جائے۔ چونکہ اس صورت کا حکم ظاہر تھا اس لئے امام قدوری رحمہ اللہ نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ تیسری صورت میں بھی نہ جانے کا حکم ہے بلکہ ھدی ذبح کرنے سے تحلل حاصل کرلے کیونکہ اصل سے عاجز ہے۔ چوتھی صورت کا حکم یہ ہے کہ جا کر حج کے اعمال ادا کرنا افضل ہے مگر استحساناً تحلل بالذبح جائز ہے کیونکہ اس طرح کرنے سے مال ضائع ہونے سے بچ جائیگا۔

(۱۸۳) وَمَنْ اُحْصِرَ بِمَكَّةَ وهوَ مَمْنُوْعٌ عَنِ الْحَجِّ وَالْوُقُوْفِ وَالطَّوَافِ كَانَ مُحْصَراً (۱۸٤) وَاِنْ قَدَرَ عَلٰى اِدْرَاكِ اَحَدِهِمَا فَلَيْسَ بِمُحْصَرٍ۔

ترجمہ:۔ اور جو شخص مکہ مکرمہ میں روک دیا گیا اور حال یہ ہے کہ وہ وقوف عرفہ اور طواف زیارت سے روک دیا گیا تو وہ محصر ہے اور اگر دونوں میں سے ایک کے ادا کرنے پر قادر ہو تو وہ محصر نہیں۔

تشریح:۔ (۱۸۳) یعنی جو شخص مکہ مکرمہ میں ادارکنین یعنی وقوف عرفات اور طواف زیارت سے روک دیا گیا تو یہ شخص محصر ہے اس لئے کہ یہ اتمام حج سے معذور ہے۔ (۱۸٤) اگر طواف زیارت و وقوف عرفات میں سے کسی ایک کی ادائیگی پر قادر ہو تو یہ شخص محصر نہیں اسلئے کہ وقوف عرفات پر قدرت کی صورت میں حج تام ہوتا ہے لہٰذا محصر نہیں اور طواف زیارت کی صورت میں طواف کرکے حلال ہو جاتا ہے

ہدی بھیجنے کی ضرورت نہیں اسلئے مختصر نہیں۔

بَابُ الفَوَات

یہ باب حج فوت ہونے کے بیان میں ہے۔

الفوات لغةً عدم الشئ بعد وجوده وفوات الحج شرعاً ان يفوته الوقوف بعرفة ۔

فوات اور احصار دونوں عوارض میں سے ہیں اس لئے احصار کے بعد فوات کو ذکر کیا۔

(۱۸۵)وَمَنْ اَحْرَمَ بِالحَجِّ فَفَاتَه الوُقُوفُ بِعَرَفَةَ حتّٰى طَلَعَ الفَجْرُ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ فَقَدْ فَاتَه الحَجُّ وَعَلَيْهِ اَنْ يَطُوفَ وَيَسْعٰى وَيَتَحَلَّلَ وَيَقْضِي الحَجَّ مِنْ قَابِلٍ ولادَمَ عَلَيْه۔

ترجمہ:۔اور جس نے حج کا احرام باندھ لیا پھر اس سے وقوف عرفات فوت ہوگیا یہاں تک کہ عید کے دن کی فجر طلوع ہوگئی تو اس کا حج فوت ہوگیا اور اس پر لازم ہے کہ طواف اور سعی کرے اور حلال ہو جائے اور آئندہ سال حج کی قضاء کرے اور اس پر دم لازم نہیں۔

تشریح:۔(۱۸۵)یعنی جس نے حج کا احرام باندھ لیا (خواہ حج فرض ہو یا نفل، صحیح ہو یا فاسد) تو اگر نویں ذی الحجہ کی زوال سے یوم النحر کی طلوع فجر تک وقوف عرفہ نہ کرسکا تو اس شخص کا حج فوت ہو گیا اسلئے کہ وقوف عرفہ رکن ہے اب اس کیلئے حکم یہ ہے کہ یہ اسی احرام کے ساتھ بیت اللہ کا طواف اور سعی بین الصفا والمروہ کر کے حلال ہو جائے اور اگلے سال اس حج کی قضاء کرلے۔ چونکہ فوات الحج کے بعد اس نے عمرہ کے افعال (طواف وسعی) سے تحلل حاصل کرلیا اس لئے اس پر دم لازم نہیں۔

(۱۸٦)وَالعُمرَةُ لاتَفُوتُ وَهِيَ جَائِزَةٌ فِي جَمِيعِ السَّنةِ(۱۸۷) اِلّا خَمسَةَ اَيَّامٍ يُكرَه فِعلُهَا فِيهَا يَومَ عَرفَةَ وَيومَ النَّحرِ وَاَيَّامَ التَّشرِيقِ۔

ترجمہ:۔اور عمرہ فوت نہیں ہوتا اور وہ پورا سال جائز ہے سوائے پانچ دن جن میں عمرہ کرنا مکروہ ہے وہ عرفہ کا دن، عید کا دن، اور ایام تشریق ہیں۔

تشریح:۔(۱۸۷)یعنی عمرہ کبھی بھی فوت نہیں ہوتا ہے کیونکہ عمرہ کیلئے کوئی وقت متعین نہیں پورے سال میں ہر وقت ادا کر سکتا ہے۔(۱۸۷) البتہ صرف پانچ دنوں میں عمرہ ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے یعنی یوم عرفہ (نویں ذی الحجہ) یوم النحر (دسویں ذی الحجہ) اور ایام تشریق (گیارہویں، بارہویں، تیرہویں ذی الحجہ) میں۔ان دنوں میں عمرہ اس لئے مکروہ تحریمی ہے کہ یہ ایام الحج ہیں تو یہ حج ہی کیلئے متعین ہیں۔

(۱۸۸)وَالعُمرَةُ سُنَّةٌ (۱۸۹)وَهِيَ الاِحرَامُ وَالطَّوَافُ وَالسَّعيُ۔

ترجمہ:۔اور عمرہ سنت ہے اور وہ احرام اور طواف اور سعی ہے۔

تشریح:۔یعنی احناف کے قول صحیح کے مطابق عمرہ سنت مؤکدہ ہے اگر چہ بعض اسکو واجب سمجھتے ہیں" لقوله صلى الله عليه وسلم

اَلحَجُّ فَرِيضَةٌ وَالعُمْرَةُ تَطَوُّعٌ "(یعنی حج فرض ہے اور عمرہ تطوع ہے)۔امام شافعی رحمہ اللہ فرضیت عمرہ کے قائل ہیں۔(۱۸۹)عمرہ احرام،طواف اور سعی ہے۔

بَابُ الهَدْيِ

یہ باب حدی کے بیان میں ہے۔

اس سے پہلے حج کے تفصیلی بیان میں حدی کا ذکر کئی مرتبہ آیا تو اب امام قدوری رحمہ اللہ حدی اور حدی کے متعلقات کی تفصیل بیان کرنا چاہتے ہیں۔حدی لغۃً وشرعاً "مَا يُهدىٰ اِلَى الحَرَمِ مِنَ النَّعَمِ لِلتَّقَرُّبِ "(یعنی حدی وہ جانور ہے جو برائے تقرب حرم لے جایا جائے)کو کہتے ہیں۔

(۱۹۰)اَلهَديُ اَدناه شاةٌ وَهُوَ مِنْ ثَلٰثَةِ اَنوَاعٍ مِنَ الْاِبِلِ وَالبَقَرِ وَالغَنَمِ(۱۹۱) يُجزِئُ فِي ذَالِكَ كُلِّه الثَّنِيُّ فَصَاعِداً (۱۹۲)اَلاَّمِنَ الضَّانِ فَاِنَّ الجَذَعَ مِنه يُجزِئُ فِيه۔

ترجمہ:۔اور ادنیٰ درجہ کی حدی بکری ہے اور حدی کی تین انواع ہیں یعنی اونٹ،گائے اور بکری،اور ان تمام انواع میں ثنی یا اس سے زائد عمر کا کافی ہو جاتا ہے سوائے بھیڑ کے کہ اس کا چھ مہینے کا بچہ بھی ہدی میں کافی ہے۔

تشریح:۔(۱۹۰)یعنی حدی تین قسم کے جانوروں سے ہوسکتی ہے اونٹ،گائے،بکری کیونکہ حدی وہی ہے جو بطور تحفہ حرم کو بھیجی جائے تاکہ حرم میں اس کے ذبح سے تقرب حاصل کیا جائے اس معنی میں یہ تینوں اقسام برابر ہیں تو ہر ایک حدی ہوسکتا ہے۔پھر ظاہر ہے کہ ان میں ادنیٰ بکری اوسط گائے اور اعلیٰ اونٹ ہے۔(۱۹۱)البتہ یہ شرط ہے کہ ان میں سے جو بھی ہو وہ ثنی ہو یا ثنی سے اعلیٰ ہو۔پھر اونٹوں کا ثنی وہ ہے جس کے پانچ سال مکمل ہو گئے ہوں اور چھٹے سال میں شروع ہو۔اور گائے کا ثنی وہ ہے جس کے دو سال مکمل تیسرے میں شروع ہو۔اور بکری کا ثنی وہ ہے جس کا ایک سال مکمل دوسرے میں شروع ہو۔(۱۹۲)البتہ دنبہ اگر خوب فربہ ہو جو موٹاپے کی وجہ سے ثنی کے برابر معلوم ہوتا ہو تو جزع یعنی ثنی سے کم بھی جائز ہے۔

(۱۹۳)ولايَجُوزُ فِي الهَديِ مَقطُوعُ الْاُذُنِ وَلااَكثَرِهَا ولامَقطُوعُ الذَّنَبِ ولامَقطُوعُ اليَدِ ولاالرِّجلِ ولاذَاهِبَةُ العَينِ ولاالعَجفَاءُ ولاالعَرجَاءُ الَّتِي لاتَمشِيُ اِلَى المَنسَكِ۔

ترجمہ:۔اور حدی میں پورا کان یا اکثر کٹا ہوا جائز نہیں اور نہ دم کٹا ہوا اور نہ پیر کٹا ہوا جائز ہے اور نہ آنکھ پھوٹا ہوا اور نہ انتہائی کمزور اور نہ ایسا لنگڑا جو مذبح تک نہ جاسکے۔

تشریح:۔(۱۹۳)یعنی ایسا حیوان حدی میں جائز نہیں ہے جس کا کل یا اکثر کان کٹ گیا ہو اور نہ وہ جس کی دُم کٹی ہو اور نہ وہ جس کا ید (یعنی اگلا پاؤں) کٹا ہو اور نہ وہ جس کا رجل (یعنی پچھلا پاؤں) کٹا ہو اور نہ وہ جس کی آنکھ پھوٹ گئی ہو اور نہ وہ جو انتہائی کمزور ہو اور یا اتنا لنگڑا ہو جو منسک (مذبح خانہ) تک نہ جاسکتا ہو کیونکہ یہ کل ظاہر باہر معیوب ہیں۔

مذکورہ بالا عیوب سے مراد وہ عیوب ہیں جو قبل الذبح پائے جائے اور اگر بوقتِ ذبح اضطراب کی وجہ سے پیدا ہوگئے تو یہ مانع نہیں کیونکہ ان جیسی عیوب سے احتراز ممکن نہیں۔

(۱۹۴)والشَّاةُ جَائِزَةٌ في كُلِّ شَيْءٍ اِلَّا في مَوْضِعَيْنِ مَنْ طافَ طوافَ الزِّيارَةِ جُنُباً وَمَنْ جَامَعَ بَعْدَالْوُقُوفِ بِعرَفَةَ فانه لايَجُوزُفيه اِلَّابَدَنَةٌ۔

ترجمہ:۔اور بکری ہر قسم کی جنایتوں میں جائز ہے مگر دو موقعوں میں جائز نہیں ایک یہ کہ کوئی حالتِ جنابت میں طوافِ زیارت کرے اور دوسرا یہ کہ وقوفِ عرفات کے بعد کوئی جماع کرے کیونکہ ان میں اونٹ کے سوا جائز نہیں۔

تشریح:۔(۱۹٤)یعنی باب حج میں جہاں کہیں بھی دم اور ھدی کے وجوب کا ذکر ہے وہاں بکری ذبح کرنا کافی ہے مگر دو مواقع ایسے ہیں جہاں اونٹ ذبح کرنا ضروری ہے بکری کافی نہیں۔ایک یہ کہ کوئی محرم طواف زیارت بحالت جنابت کرلے اور دوسرا یہ کہ وقوف عرفہ کے بعد حلق الرأس سے پہلے کوئی محرم جماع کرلے لما مر۔

(۱۹۵)وَالْبَدَنَةُ وَالبَقَرَةُ يُجزِئُ كُلَّ وَاحِدٍمِنْهُمَاعَنْ سَبْعَةِ اَنفُسٍ اِذَاكانَ كُلُّ واحِدٍمِنَ الشُّرَكَاءِ يُرِيْدُالْقُربةَ (۱۹۶)فَاِذَااَرَادَاَحَدُهُمْ بِنَصِيبِه اللَّحمَ لَم يَجزْلِلْباقِينَ عن الْقُربَةِ۔

ترجمہ:۔اور اونٹ اور گائے میں سے ہر ایک سات آدمیوں کی طرف سے کفایت کریگی جبکہ ہر ایک شرکاء میں سے قربت کا ارادہ کرے اور اگر ان میں سے کسی ایک نے اپنے حصہ میں سے گوشت کا ارادہ کیا تو باقی کے لئے اس کی قربانی جائز نہ ہوگی۔

تشریح:۔(۱۹۵)یعنی اونٹ اور گائے میں سے ہر ایک سات یا سات سے کم آدمیوں کیلئے کافی ہوسکتی ہے کیونکہ مروی ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدنہ اور گائے سات افراد کی طرف سے ذبح کیا۔تو سات سے کم کی طرف سے تو بطریقہ اولیٰ جائز ہے۔

(۱۹۶) مگر یہ شرط ہے کہ سب نے قربت کی نیت کی ہو اگر چہ جہت قربت مختلف ہو مثلاً ایک نے تمتع دوسرے نے قران تیسرے نے تطوع کی نیت کی ہو کیونکہ مقصود ایک ہے یعنی اللہ کی رضاء۔البتہ اگر ان سات میں سے کوئی ایک گوشت کی نیت سے شریک ہوتا ہے تو پھر کسی ایک کا بھی جائز نہ ہوگا اس لئے کہ یہ اونٹ یا گائے اب خالص للہ تعالیٰ کے لئے نہ رہا۔

(۱۹۷)وَيجُوزُ الْاَكْلُ من هَدْيِ التَّطوُّعِ وَالْمُتْعَةِ وَالقِرانِ(۱۹۸)ولايَجُوزُ الْاَكْلُ من بَقِيةِ الْهَدايَا۔

ترجمہ:۔اور ھدی تطوع،متعہ اور قران سے کھانا جائز ہے اور باقی ھدایا میں سے کھانا جائز نہیں۔

تشریح:۔(۱۹۷)یعنی صاحب ھدی کیلئے دم تطوع،دم تمتع اور دم قران سے کھانا جائز بلکہ مستحب ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ھدی کا گوشت بھی کھایا اور شوربا بھی پیا مگر شرط یہ ہے کہ ھدی حرم کو پہنچ جائے۔اور اگر حرم پہنچے سے پہلے ذبح کیا ہو تو اس سے فقراء کے سوی کوئی نہیں کھاسکتا۔اسی طرح مذکورہ بالا تین قسم کے ھدایا سے اغنیاء بھی کھاسکتے ہیں کیونکہ جس ھدی سے کھانا صاحب ھدی کیلئے

جائز ہواس کا کھانا غنی کیلئے بھی جائز ہے۔

(۱۹۸) مگر دم تطوع، دم تمتع اور دم قران کے علاوہ (مثلاً دم کفارہ، دم نذر اور دم احصار) سے صاحب ھدی اور غنی نہیں کھا سکتے ہیں وہ فقراء ہی کھائینگے کیونکہ جس وقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم مقام حدیبیہ پر عمرہ کرنے سے روک دئے گئے تو آپ ﷺ نے ناجیہ الاسلمی کے ہاتھ ھدایا دے کر بھیج دئے اور فرمایا، ،لاتاکل انت ورفقتک منها شياء،، (آپ اور آپکے ساتھی ان سے کچھ نہ کھائے)۔

(۱۹۹) وَلايَجُوزُ ذَبحُ هَدْيِ التَطَوّعِ وَالمُتعةِ والقِرانِ اِلّافِى يَومِ النَّحْرِ (۲۰۰) وَيَجُوزُ ذَبحُ بَقِيّةِ الهَدايَا فِى أيّ وقتٍ شَاءَ۔

ترجمہ:۔اور ھدی تطوع، اور ھدی متعہ اور ھدی قران کا ذبح کرنا جائز نہیں مگر عید کے دن میں اور باقی ھدایا کا ذبح کرنا جب بھی چاہے جائز ہے۔

تشریح:۔(۱۹۹) باب حج میں ھدایا تین قسم پر ہیں، مختص بالوقت، غیر مختص بالوقت، مختلف فیہ، مختص بالوقت (یعنی مختص بیوم النحر) دم تمتع، دم قران اور بقول صاحب قدوری دم تطوع بھی یوم النحر کے ساتھ خاص ہے مگر صاحب مبسوط کے نزدیک دم تطوع یوم النحر کے ساتھ خاص نہیں اور یہی قول صحیح ہے۔(۲۰۰) دوسری قسم جو مختص بالوقت یعنی بیوم النحر نہیں وہ دم کفارات اور دم نذر ہے کیونکہ یہ دم کفارہ ہے جو نقصان دفع کرنے کے لئے واجب ہوا ہے تو اس کو جلدی ذبح کرنا اولی ہے تاکہ بلاتاخیر اس کے ساتھ نقصان دفع ہو۔ تیسری قسم جو مختلف فیہ ہے وہ دم احصار ہے۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یوم النحر کے ساتھ خاص نہیں لما مر اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک یوم النحر کے ساتھ خاص ہے۔

(۲۰۱) وَلايَجُوزُ ذَبحُ الهَدايَا اِلّا فِى الحَرمِ (۲۰۲) ويَجوزُ اَنْ يَتصدّقَ بِها عَلى مَساكِينِ الحَرمِ وغَيرِهِمْ (۲۰۳) ولايَجِبُ التّعرِيفُ بِالهَدَايَا۔

ترجمہ:۔اور ھدایا کا ذبح کرنا جائز نہیں مگر حرم میں اور ھدایا کو مساکین حرم اور غیر حرم پر صدقہ کرنا جائز ہے اور ھدایا کو عرفات لے جانا واجب نہیں۔

تشریح:۔(۲۰۱) یعنی کسی قسم کا ھدی حرم سے باہر ذبح کرنا جائز نہیں اس لئے کہ ھدی ایسی چیز کا نام ہے جو ھدیۃً کسی جگہ کو لے جائے اور وہ جگہ حرم ہے۔(۲۰۲) البتہ تصدق کیلئے حرم مختص نہیں مساکین حرم و مساکین غیر حرم سب پر صدقہ کرسکتے ہیں کیونکہ صدقہ قربت معقولہ ہے تو ہر فقیر پر صدقہ کرنا قربت ہوگی۔ہاں حرم کے مساکین پر صدقہ کرنا افضل ہے الا یہ کہ دوسرے لوگ زیادہ محتاج ہوں۔

(۲۰۳) ھدایا کو عرفات لے جانا واجب نہیں البتہ دم تطوع، دم تمتع اور دم قران عرفات لے جانا حسن ہے کیونکہ یہ دم نسک ہے جس کا بناء تشہیر پر ہے۔

(۲۰۴)وَالْاَفْضَلُ فِی الْبُدْنِ النَّحْرُوَفِی الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ الذَّبْحُ۔

ترجمہ:۔اوراونٹ میں افضل نحر ہےاورگائے اور بکری میں افضل ذبح ہے۔

تشریح:۔(۲۰۴)یعنی اونٹ میں افضل یہ ہے کہ پاؤں باندھ کرکھڑا کر کےنحر کرلے لقوله تعالیٰ﴿ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ﴾ (یعنی پس نماز پڑھ اپنے رب کے لئے اورنحر کر)۔گائے اور بکری میں افضل یہ ہے کہ لٹا کر ذبح کرلے کیونکہ باری تعالیٰ گائے کے بارے میں فرماتے ہیں﴿ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ﴾(یہ کہ تم ذبح کروگائے)اوردنبہ کے بارے میں فرماتے ہیں﴿فَدَیْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ ﴾(ہم نے ابراہیم علیہ السلام کوفدیہ دیاذبح عظیم کے ساتھ)،"وَقَدْ صَحَّ اَنَّ النَّبِیَّ نَحَرَ الْاِبِلَ وَذَبَحَ الْبَقَرَ وَالْغَنَمَ"،(یعنی حضورصلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹوں کونحر کیااورگائے وبکری کوذبح فرمایا)۔

نحر کی تعریف علامہ شامیؒ نے ان الفاظ میں کی ہے اَلنَّحرُ قَطعُ الْعُرُوقِ فِی اَسْفَلِ الْعُنُقِ عِنْدَ الصَّدْرِ (گردن کے نچلے حصہ میں سینہ کےقریب رگوں کوکاٹنا)اورذبح کی یہ تعریف کی ہے وَالذَّبحُ قَطْعُهَا(ای العروق)فی اَعْلاه (ای العنق) تَحْتَ اللَّحْیَیْنِ (گردن کےاوپر کے حصہ میں لحیین کے نیچے رگوں کوکاٹنا)اوریہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ ہر لمبی گردن والے(جیسے اونٹ، شترمرغ اوربطخ وغیرہ) کیلئے نحر مستحب ہےاوردیگر کیلئے ذبح مستحب ہے۔

(۲۰۵)وَالْاَوْلیٰ اَنْ یَتَوَلّٰی الْاِنْسَانُ ذَبْحَهَا بِنَفْسِهٖ اِذَاکَانَ یُحْسِنُ ذالِکَ(۲۰۶)وَیَتَصَدَّقُ بِجَلَالِهَا وَخِطَامِهَا (۲۰۷)وَلایُعْطِیْ اُجْرَةَ الْجَزَّارِ مِنْهَا۔

ترجمہ:۔اور بہتر یہ ہے کہ آدمی اپنی قربانی کوخود ذبح کردے بشرطیکہ وہ اچھی طرح ذبح کرسکتا ہواوران کی جھول اورلگام کوصدقہ کردے اورقصاب کی مزدوری ھدی میں سے نہ دے۔

تشریح:۔(۲۰۵)یعنی بہتر یہ ہے کہ آدمی اپنی ھدی خود ذبح کرلے اگروہ اچھی طرح کرسکتا ہوکیونکہ نحر کرنا قربت وطاعت ہےاور طاعات میں بذات خود متولی ہونا بہتر ہے کیونکہ اس میں خشوع ہے۔(۲۰۶)اور یہ بھی حکم ہے کہ ھدی کا جھول اور لگام صدقہ کرلے۔(۲۰۷)اورھدی کا گوشت جزار(قصاب)کومزدوری میں نہ دے کیونکہ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا کہ ھدایا کی جھولیں اورلگامیں صدقہ کراوران میں سے قصاب کی مزدوری نہ دے۔

(۲۰۸)وَمَنْ سَاقَ بَدَنَةً فَاضْطُرَّ اِلٰی رُکُوبِهَا رَکِبَهَا(۲۰۹)وَاِنِ اسْتَغْنٰی عَنْ ذَالِکَ لَمْ یَرْکَبْهَا(۲۱۰)وَاِنْ کَانَ لَهَا لَبَنٌ لَمْ یَحْلِبْهَاوَلٰکِنْ یَنْضِحُ ضِرْعَهَا بِالْمَاءِ الْبَارِدِ حَتّٰی یَنْقَطِعَ اللَّبَنُ۔

ترجمہ:۔اور جوشخص ھدی کوساتھ لے جائے پھراس کی سواری کرنے کومجبور ہوگیا تواس پرسوار ہوجائے اوراگروہ اس سے مستغنی ہوتو اس پرسوار نہ ہواوراگرھدی کے لئے دودھ ہےتو وہ نہ نکالے البتہ اس کےتھنوں پرٹھنڈا پانی چھڑک دے تاکہ دودھ خشک ہوجائے۔

تشریح:۔(۲۰۸)یعنی جس نے اپنے ساتھ ھدی لے چلا پھراسے اس پرسوار ہونے یاسامان لادنے کی ضرورت پیش آئی تو سوار ہو

سکتا ہے اور سامان لاد سکتا ہے۔(۲۰۹)اور اگر ضرورت نہیں تو سوار نہ ہو جائے کیونکہ یہ اب اس نے خالص اللہ کے نام کر دیا ہے لہذا اس کا عین یا منافع اپنے لئے خرچ کرنا مناسب نہیں۔

(۲۱۰)اگر ھدی کے دودھ ہو تو نہ دھوئے کیونکہ دودھ ھدی ہی سے متولد ہے لہذا اسے اپنے لئے صرف نہ کرے بلکہ اگر ذبح کا وقت قریب ہے تو ھدی کے تھنوں پر ٹھنڈے پانی چھڑک دے تا کہ دودھ خشک ہو جائے اور اگر ذبح کا وقت دور ہو تو پھر ضرر کا اندیشہ ہے لہذا دودھ نکال کر صدقہ کرلے۔اگر دھولیا تو صدقہ کرنا لازم ہے۔

(۲۱۱)وَمن سَاقَ هَديًا فَعَطِبَ فَإِنْ كَانَ تَطوّعاً فَلَيسَ عَلَيهِ غَيرُه وَإِنْ كَانَ عَنْ وَاجِبٍ فَعَلَيْهِ اَنْ يُقِيمَ غَيرَه مقامَه (۲۱۲)وَإِنْ اَصَابَه عَيبٌ كَثِيرٌ اَقامَ غَيرَه مَقامَه وَصَنَعَ بالمَعِيبِ ماشاءَ۔

ترجمه:۔اور اگر کسی نے ھدی ساتھ لے گیا پھر وہ ہلاک ہوگئی تو اگر یہ ھدی نفل کی ہو تو اس پر دوسری ھدی واجب نہ ہوگی اور اگر یہ ھدی واجب کی ہو تو دوسری ھدی اس کے قائم مقام کرنا اس پر واجب ہے اور اگر ہدی کو کوئی زیادہ عیب پہنچا تو دوسری اس کے قائم مقام کردے اور عیب دار کو جو چاہے کرے۔

تشریح:۔(۲۱۱)یعنی جس نے ھدی ساتھ لے چلا اور وہ ہلاک ہوگئی پس اگر نفلی ھدی ہے تو لیجانے والے پر کچھ نہیں کیونکہ قربت اسی کے ساتھ متعلق تھی جو کہ فوت ہوگئی اور اگر یہ واجب ھدی ہے تو اس کی جگہ دوسری ہدی واجب ہے کیونکہ وجوب اس شخص کے ذمہ باقی ہے۔(۲۱۲)اور اگر بہت زیادہ عیب اسکو لگا تو بھی دوسری اسکے قائم مقام کردے کیونکہ واجب اس کے ذمہ باقی ہے۔اور عیب دار اسکی دیگر املاک کی طرح ہوگئی لہذا اسکے ساتھ جو چاہے کرلے۔

(۲۱۳)وَإِذَاعَطِبَتِ البَدَنَةُ فِي الطَّرِيقِ فَإِنْ كَانَ تَطَوّعاً نَحَرَهَاوَصَبَغَ نَعْلَهَا بِدمِهَا وَضَرَبَ بِها صَفْحَتَها وَلم يَأكُلُ منها هو وَلاغَيرُه مِنَ الاَغنِيَاءِ (۲۱۴)وَإِنْ كَانَتْ وَاجِبةً اَقَامَ غَيرَها مقَامَهَاوصَنَعَ بِها ماشاءَ۔

ترجمه:۔اور جب ہدی کا اونٹ راستہ میں مر جائے تو اگر وہ نفل کی ہو تو اسے نحر کردے اور اسکے کھروں کو اس کے خون سے رنگ دے اور اسکے شانہ پر اسے ماردے اور اس کا گوشت نہ خود کھائے اور نہ کوئی دوسرا غنی اور اگر ھدی واجب کی ہو تو دوسری ہدی اس کے قائم مقام کردے اور اس کا جو چاہے کردے۔

تشریح:۔(۲۱۳)یعنی بدنہ اگر راستے میں قریب المرگ ہو جائے پس اگر نفلی ہے تو ذبح کر کے اسکے نعل (یعنی ہدی کا کھر یا وہ قلادہ جو اسکے گلے میں ڈالا گیا تھا) کو خون سے رنگ دے اور اسکے پہلو پر خون ماردے یہ اس لئے تا کہ یہ معلوم ہو کہ بدنہ ھدی کا ہے پس اس سے فقراء کھائے خود صاحب ھدی اور دوسرے اغنیاء اس سے نہ کھائے کیونکہ ھدی سے کھانے کا جواز معلق ہے اس شرط کے ساتھ کہ ھدی اپنے محل یعنی حرم تک پہنچ جائے پس مناسب تو یہ تھا کہ حرم پہنچنے سے پہلے بالکل اس کا کھانا جائز نہ ہو لیکن چونکہ تصدق علی الفقراء میں ایک گنا تقرب ہے اور تقرب ہی مقصود ہے لہذا فقراء کا کھانا جائز ہے۔(۲۱۴)اور اگر ھدی واجب ہے تو دوسری اس کے قائم مقام کردے

لما مر چونکہ یہ اب دیگر املاک کی طرح ہوگئی لہذا اس کو جو چاہے کرے لما مر۔

(۲۱۵) وَيُقَلَّدُهَدْیُ التَّطَوُّعِ وَالْمُتْعَةِ (۲۱۶) وَلَا يُقَلَّدُدَمُ الْإِحْصَارِ وَلَادَمُ الْجِنَايَاتِ۔

ترجمه:۔ اور نفلی ھدی، تمتع کی ہدی اور قران کی ہدی کو قلادہ ڈالا جائے اور احصار اور جنایات کی ہدی کو قلادہ نہ ڈالا جائے۔

تشریح:۔ (۲۱۵) یعنی تطوع، تمتع، قران اور نذر کی ھدی کو قلادہ پہنانا مستحب ہے کیونکہ یہ دم قربت ہے تو اس کی شہرت کرانا مناسب ہے۔ اور یہاں ھدی سے مراد اونٹ اور گائے ہے بکری کو قلادہ پہنانا مستحب نہیں کیونکہ بکری کو قلادہ پہنانے کی عادت نہیں (۲۱۶) اسی طرح دم احصار اور دم جنایات کو بھی قلادہ پہنانا مستحب نہیں کیونکہ ان کا سبب جنایت ہے تو اخفاء اولی ہے۔

كتَابُ الْبُيُوْعِ

یہ کتاب بیوع کے بیان میں ہے۔

بیع لغت میں ''مُبَادَلَةُ الشَّيِّ بِالشَّيِّ'' (ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ تبدیل کرنے) کو کہتے ہیں اور شرعاً ''مُبَادَلَةُ مَالٍ بِمَالٍ بِالتَّرَاضِي'' (ایک مال کو دوسرے مال کے ساتھ باہمی رضامندی سے تبدیل کرنے) کو کہتے ہیں۔ لفظ بیع اضداد میں سے ہے خرید و فروخت دونوں کیلئے مستعمل ہے۔ امام قدوری رحمہ اللہ نے کثرتِ انواع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لفظِ بیع جمع لایا ہے ورنہ مصدر تثنیہ و جمع نہیں لایا جاتا ہے۔

لفظِ بیع متعدی بدو مفعول ہوتا ہے کہا جاتا ہے ''بِعْتُکَ الشَّيَّ'' اور کبھی برائے تاکید مفعولِ اول پر مِنْ داخل کرتے ہیں کہا جاتا ہے بعت من زید الدارَ، اور کبھی لام زائدہ داخل کرتے ہیں کہا جاتا ہے ''بِعْتُ لَکَ الشَّيَّ''۔

کتاب البیوع کی ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ عبادات سے فراغت کے بعد نکاح اور بیوع میں سے بیع کی طرف لوگوں کی احتیاج اَعم ہے کیونکہ چھوٹے بڑے، مرد و عورت سب کو خرید و فروخت کی ضرورت ہے جبکہ نکاح ایسا نہیں اسلئے بیوع کو نکاح سے مقدم کیا۔

باعتبارِ مبیع کے بیع کی چار قسمیں ہیں، سامان بعوضِ سامان فروخت کرنا اس کو بیع مقایضہ کہا جاتا ہے، سامان بعوضِ ثمن فروخت کرنا اس قسم کو، بیع، کہا جاتا ہے کیونکہ یہ بیع کی انواع کی مشہور قسم ہے۔ ثمن بعوضِ ثمن فروخت کرنا اس کو بیع صرف کہا جاتا ہے۔ دین بعوضِ عین فروخت کرنا اس کو بیع سلم کہا جاتا ہے۔ رکنِ بیع ایجاب اور قبول ہے اور حکمِ بیع ملک ہے اور شرائطِ بیع عاقد کا عاقل ممیز ہونا ہے اور مبیع کا مال متقوم اور مقدور التسلیم ہونا ہے۔

فائدہ:۔ جس مقدار پر متعاقدین راضی ہو جائے برابر ہے کہ قیمت سے زائد ہو یا کم اسکو ثمن کہتے ہیں۔ اور قیمت وہ ہے جس کو اہل شہر آپس میں مقرر کردے جسے فارسی میں نرخ بازار کہتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

الحكمة:۔اعلم ان اللّٰہ سبحانه وتعالى خلق الانسان مدنيا بالطبع أى يحتاج الى من يتبادل معه المنفعة فى كل الامور سواء أكان ذالك من طريق البيع والشراء او الاجارة او غرس الارض والاشتغال بالفلاحة او غير ذالك من جميع الوجوه التى هى سبب فى جعل الناس مجتمعين غير متفرقين ومتجاورين غير متباعدين واذا كان الامر كذالك وكان الانسان ذانفس أمارة بالسوء والحرص والطمع من عاداتها المتأصلة فيها وضع الشارع الحكيم قانونا للمعاملات حتى لايأخذ المرء ما ليس له بحق وبذالك تستقيم احوال الناس ولاتضيع الحقوق وتكون المنافع متبادلة بين بنى الانسان على احسن الوجوه وأتمها۔(حكمة التشريع)

(۱) اَلْبَيْعُ يَنْعَقِدُ بِالْإِيجَابِ وَالقَبُولِ إِذَاكَانَابِلَفْظِ الْمَاضِيْ۔

ترجمہ:۔بیع منعقد ہو جاتی ہے ایجاب اور قبول سے جبکہ یہ دونوں ماضی کے لفظ سے ہوں۔

تشریح:۔انعقادعبارت ہے"اِنْضِمَامُ كَلَامِ اَحَدِالْمُتَعَاقِدَيْنِ اِلَى الآخَرِ "(متعاقدین میں سے ایک کا کلام دوسرے کے کلام کے ساتھ ملانا) سے۔متعاقدین میں سے جو پہلے بولے اسکے کلام کو ایجاب اور دوسرے کے کلام کو قبول کہا جاتا ہے۔

(۱) صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ بیع منعقد ہوتی ہے ایجاب اور قبول سے جبکہ یہ دونوں بلفظِ ماضی ہوں۔مگر یہ تخصیص لفظ الماضی صرف برائے احتراز"عَنِ الأمْرِ(غَيْرِ الدَّالِ عَلَى الحَالِ)وَالْمضَارِعِ الْمقْرُونِ بِسَوفَ وَسِين "ہے ورنہ اَمردال علی الحال سے بھی بیع منعقد ہو جاتی ہے جیسے کوئی کہے خُذْہُ بِكَذا دوسرا کہے اَخَذْتُ یا رَضِيتُ تو یہ بیع درست ہے اسی طرح مضارع غیر مقرون بسوف وسین سے بھی بیع منعقد ہو جاتی ہے جیسے کوئی کہے اَبِيْعُکَ دوسرا کہے اَشْتَرِيه تو بیع منعقد ہو جاتی ہے۔

البتہ بیع تعاطی کی صورت میں اگر چہ متعاقدین میں سے کوئی کچھ بھی زبان سے نہ کہے تو بھی بیع منعقد ہو جاتی ہے بیع تعاطی یہ ہے کہ بائع مبیع دیدے اور مشتری اس کی قیمت دیدے یعنی ہاتھ در ہاتھ دیدے تو ایسی بیع میں زبان سے کچھ کہنا ضروری نہیں۔

(۲)إِذَا أَوْجَبَ أَحَدُ الْمُتَعَاقِدَيْنِ الْبَيْعَ وَالآخَرُ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ قَبِلَ فِي الْمَجْلِسِ وَإِنْ شَاءَ رَدَّهُ(۳) فَأَيُّهُمَاقَامَ مِنَ الْمَجْلِسِ قَبْلَ الْقَبُولِ بَطَلَ الْإِيجَابُ۔

ترجمہ:۔اور متعاقدین میں سے جب ایک بیع کا ایجاب کرے تو دوسرے کو اختیار ہے چاہے تو مجلس میں قبول کرے اور اگر چاہے تو رڈ کر دے اور اگر قبول کرنے سے پہلے ان دونوں میں سے کوئی ایک مجلس سے کھڑا ہو تو ایجاب باطل ہو جائیگا۔

تشریح:۔(۲)یعنی متعاقدین میں سے جب کوئی ایک بیع کا ایجاب کردے تو دوسرے کو اختیار ہے چاہے تو کل مبیع کو کل ثمن کے ساتھ اسی مجلس میں قبول کر دے اور چاہے تو اسی مجلس میں رڈ کر دے۔(۳)لیکن اگر ثانی کے قبول کرنے سے پہلے متعاقدین میں سے کوئی ایک صرف مجلس سے اٹھ جائے تو پہلے کا ایجاب باطل ہو جائیگا لہذا ثانی اب اسکو قبول نہیں کرسکتا اسلئے کہ کھڑا ہونا اعراض ورجوع کی دلیل ہے اور

متعاقدین میں سے ہرایک کو ثانی کے قبول کرنے سے پہلے اعراض ورجوع کا حق حاصل ہے۔ یہی حکم ہراس عمل کا ہے جو اعراض پر دال ہو۔

(٤)فَاِذَا حصَلَ الْاِیجَابُ وَالقَبُولُ لَزِمَ الْبَیعُ وَ لاخِیارَ لِوَاحِدٍ مِنهُمَا(٥)اِلَّا مِن عَیبٍ اَوْ عَدمِ رُؤیَةٍ۔

ترجمہ:۔پس جب ایجاب اورقبول حاصل ہوجائے تو بیع لازم ہوجائیگی اوردونوں میں سے کسی ایک کے لئے اختیار نہ ہوگا مگر عیب یا نہ دیکھنے کی وجہ سے۔

تشریح:۔(٤)یعنی متعاقدین جب ایجاب وقبول کرلیں تو بیع لازم ہوجائیگی اگر چہ مشتری نے مبیعہ قبض نہ کیا ہولہذا اب کسی ایک کو فسخ بیع کا اختیار نہیں کیونکہ فسخ کرنے میں دوسرے کے حق کا ابطال ہے۔(٥)البتہ خیار عیب اور خیار رؤیت وخیار شرط کی وجہ سے فسخ بیع جائز ہے خیار کی ان تینوں قسموں کا بیان آگے آرہا ہے۔

(٦)وَالْاَعْوَاضُ الْمُشَارُ اِلَیهَا لایَحْتَاجُ اِلٰی مَعرِفَةِ مِقْدَارِ ھا فی جَوازِ الْبَیعِ۔

ترجمہ:۔اورجن عوضوں کی طرف اشارہ کردیا گیا ہوتو جواز بیع کے لئے ان کی مقدار معلوم کرنے کی ضرورت نہیں۔

تشریح:۔(٦)اعواض (یعنی مبیع اورثمن) کی طرف اگر متعاقدین نے اشارہ کردیا (مثلاً گندم کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ یہ گندم فروخت کردیا ان دراہم کے عوض جو تیرے ہاتھ میں ہیں) تو یہ بیع جائز ہے اس صورت میں عوضین کی مقدار اور صفت کی معرفت کی ضرورت نہیں (مثلاً کہ گندم اتنے سیر ہیں یا دراہم پانچ یا دس ہیں) کیونکہ جہالت عوضین اشارہ کی وجہ سے رفع ہوگئی لہذا احتمال نزاع نہیں۔

البتہ اموال ربویہ کو جب اپنی جنس کے بدلے فروخت کیا جائے تو ان میں اشارہ کافی نہیں بلکہ مقدار متعین کرنا ضروری ہے کیونکہ ربا کا احتمال ہے مثلاً گندم، گندم کے عوض فروخت کیا یا جَو، جَو کے عوض فروخت کیا یہ چونکہ اموال ربویہ ہیں لہذا مقدار متعین کرنا ضروری ہے اشارہ کافی نہیں۔

(٧)وَالْاَثمَانُ الْمُطلَقَةُ لَاتَصِحُّ(٨)اِلَّااَنْ تَکُوْنَ مَعْرُوْفَةَ الْقَدْرِ وَالصِّفَةِ۔

ترجمہ:۔اوراثمان مطلقہ کے ساتھ بیع درست نہیں ہوتی ہاں اگر ان کی مقدار اور وصف معلوم ہو۔

تشریح:۔(٧)اثمان مطلقہ (جس مبیع یا ثمن کی طرف اشارہ نہ کیا جائے تو اسے ثمن مطلقہ کہا جاتا ہے) کے ساتھ بیع جائز نہیں کیونکہ مبیع یا ثمن کی مقدار اگر مجہول ہو اور اسکی طرف اشارہ بھی نہ کیا جائے تو یہ بیع مفضی للنزاع ہے لہذا یہ بیع جائز نہیں۔(٨)البتہ اگر بیع میں مبیعہ اور ثمن کی مقدار معلوم ہو کہ دس سیر گندم پانچ درہم کے عوض میں، اسی طرح مبیعہ اور ثمن کی صفت بھی معلوم ہو کہ بخاری ہے یا سمرقندی، تو چونکہ جہالت مبیع یا ثمن نہیں تو مفضی للنزاع بھی نہیں لہذا یہ جائز ہے۔

(٩)وَیجُوز الْبَیعُ بِثمنٍ حالٍ وَمُؤجَّلٍ اِذَا کَانَ الْاَجلُ مَعلُوماً۔

ترجمہ:۔اور بیع نقد ثمن اور ادھار دونوں سے جائز ہے جبکہ مدت معلوم ہو۔

تشریح:۔(٩)یعنی بیع ثمن حال (نقد ثمن) سے بھی جائز ہے اور ثمن مؤجل (ادھار) سے بھی جائز ہے مگر بصورت تاجیل (ادھار)

مدت کا معلوم ہونا ضروری ہے تا کہ مفضی للنزاع نہ ہو۔

(۱۰)وَمَنْ اَطْلَقَ الثَّمنَ فِي الْبَيعِ كَانَ عَلَى غَالِبِ نَقْدِ الْبَلَدِ فَاِنْ كَانَتِ النُّقُوْدُ مُخْتَلِفَةً فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ اِلَّااَنْ يُبَيِّنَ اَحدَهَا

ترجمہ:۔اور جس نے بیع میں ثمن مطلق چھوڑا تو شہر میں زیادہ رائج ہونے والے سکہ پر محمول ہوگا اور اگر سکے مختلف رائج ہوں تو بیع فاسد ہوگی۔

تشریح:۔(۱۰) بیع میں اگر ثمن مطلق چھوڑے (اطلاق ثمن سے یہاں مراد یہ ہے کہ مقدار ثمن تو ذکر کرلے مگر صفت ثمن ذکر نہ کرے مثلاً کہا کہ "بِعْتُ مِنْکَ بِعشرَةِ دَرَاهِمَ" اور حال یہ ہے کہ شہر میں دراہم مختلف ہیں) تو اسکی شراح نے چار صور عقلیہ بیان کی ہیں کہ شہر میں اگر نقود مختلف ہوں تو یہ اختلاف رواج و مالیت ہر دو میں ہوگا یا صرف مالیت میں نہ کہ رواج میں یا صرف رواج میں نہ کہ مالیت میں یا مالیت و رواج میں تو اختلاف نہیں البتہ نام میں اختلاف ہے جیسے مصری دراہم، دمشقی دراہم وغیرہ۔

تو مذکورہ چار صورتوں میں سے پہلی صورت کا حکم صاحب کتاب نے بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ "كَانَ علىٰ نَقْدِ الْبَلَدِ" یعنی شہر میں جو سکہ زیادہ رائج ہو مشتری وہی دیگا۔ دوسری صورت کا حکم یوں بیان کیا ہے "فَاِنْ كَانتِ النُّقُودُ مُخْتَلِفَةً(فِي الْمَالِيةِ دُونَ الرَّواجِ) فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ" یعنی اگر نقود مالیت میں تو مختلف ہوں رواج میں مختلف نہ ہوں تو یہ بیع فاسد ہے کیونکہ یہ مفضی للنزاع ہے۔ ہاں اس صورت میں اگر نقود میں سے کسی ایک کو متعین کردیا تو پھر بیع درست ہے۔ تیسری اور چوتھی صورت کو صاحب کتاب نے بیان نہیں کئے ہیں حکماً وہ پہلی صورت کی طرح جائز ہیں کیونکہ مفضی للنزاع نہیں۔

(۱۱)وَيجُوزُ بيعُ الطَّعامِ وَالْحُبوبِ كلِّهَا مُكايَلةً وَمُجَازَفَةً وَبِاناءٍ بِعينِه لايُعْرَفُ مِقدَارُهُ او بِوزْنِ حَجرٍ بِعينِه لايُعْرَفُ مِقدَارُه۔

ترجمہ:۔اور گندم اور ہر قسم کے اناج کی بیع پیمانے اور اٹکل سے جائز ہے اور ایسے معین برتن اور معین پتھر کے وزن سے بھی جائز ہے جن کی مقدار معلوم نہ ہو۔

تشریح:۔(۱۱) بیع الطعام (طعام سے مراد عرف میں گندم اور اٹا ہے) والحبوب (حبوب سے مراد جوار و مسور وغیرہ ہیں) مکایلۃً (یعنی پیمانہ سے) بھی جائز ہے اور مجازفۃً (یعنی اٹکل و اندازہ سے) سے بھی جائز ہے۔ اور کسی معین برتن سے بھی جائز ہے جسکی مقدار معلوم نہ ہو اسی طرح ایسی معین پتھر سے بھی جائز ہے جسکی مقدار معلوم نہ ہو۔ مگر یہ یاد رہے کہ بیع مجازفۃ اس وقت جائز ہے کہ اپنی جنس کے غیر سے ہو مثلاً گندم، جوار کے مقابلے میں فروخت کیا جائے اور اگر اپنی جنس سے ہو مثلاً گندم بعوض گندم فروخت کیا جائے تو جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں رباء کا احتمال ہے۔

☆ ☆ ☆

(۱۲)وَمَنْ باعَ صُبْرَةَ طَعامٍ كُلَّ قَفِيزٍ بِدِرهمٍ جازَ الْبَيعُ في قَفِيزٍ وَاحِدٍ عِنْدَ ابي حَنِيفَةَ رحمه الله وَبَطَلَ في الباقِي(۱۳) اِلَّا ان يُسَمِّي جُملةَ قُفْزَانِها وقالَ ابو يوسف رحمه الله ومحمدٌ رحمه الله يَصِحّ فِي الوَجهَين۔

ترجمہ:۔ اور جس نے غلہ کا ایک ڈھیر اس طرح فروخت کیا کہ ایک قفیز ایک درہم میں ہے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ بیع صرف ایک قفیز میں جائز ہوگی اور باقی میں باطل ہوگی الا یہ کہ سب پیمانوں کا نام لے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں جائز ہے۔

تشریح:۔ (۱۲) جس نے صبرۂ طعام (غلے کا ڈھیر) بیچ دیا ہر قفیز (آٹھ رطل کا ایک پیمانہ ہے جو ایک صاع بغدادی کے برابر ہے) ایک درہم میں تو اگر اس ڈھیر کے کل قفیز نہ بتائے اور نہ اسی مجلس میں پیمانہ کر کے مقدار معلوم کی تو ایسی صورت میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک چونکہ کل قفیز معلوم نہیں تو کل ثمن بھی معلوم نہیں پس جہالت مبیع وثمن کی وجہ سے ایجاب وقبول کو کل کی طرف پھیرنا متعذر ہے لہٰذا اقل معلوم یعنی ایک قفیز کی طرف پھیر دینگے تو ایک قفیز میں بیع درست ہے باقی میں نہیں۔

(۱۳) ہاں اگر ڈھیر کے کل قفیز بتادیے یا اسی مجلس میں کل ڈھیر کو ناپ لیا تو چونکہ جہالت مبیع رفع ہوگئی لہٰذا یہ بیع تمام قفیزوں میں درست ہے۔ صاحبینؒ کے نزدیک ہر دو صورت میں بیع درست ہے۔ من حیث قوۃ الدلیل امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول راجح ہے اور من حیث التیسیر صاحبین رحمہما اللہ کا قول راجح ہے۔

(۱٤)وَمَنْ باعَ قَطِيعَ غَنَمٍ كُلَّ شاةٍ بِدِرْهَمٍ فالبيعُ فاسِدٌ في جَمِيعِها(۱۵) وَكَذالِكَ مَنْ باعَ ثَوباً مُذَارَعَةً كُلَّ ذِرَاعٍ بِدِرْهَمٍ وَلم يُسَمِّ جُملَةَ الذُّرعانِ۔

ترجمہ:۔ اور جس نے بکریوں کا ریوڑ اس طرح فروخت کر دیا کہ ایک بکری ایک درہم میں ہے تو یہ بیع تمام بکریوں فاسد ہوگی اور اسی طرح جس نے کپڑا اس طرح فروخت کیا کہ ایک گز ایک درہم میں ہے تمام گزوں کا نام نہ لیا (تو یہ بیع فاسد ہوگی)۔

تشریح:۔ (۱٤) جس نے بکریوں کا ریوڑ بیچا ہر بکری ایک درہم کے عوض میں تو صاحبینؒ کے نزدیک یہ بیع سب میں جائز ہے صاحبینؒ غلہ کے قفیز پر قیاس کرتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک کسی ایک میں بھی جائز نہیں۔ امام صاحب کے نزدیک سب میں تو اسلئے جائز نہیں کہ مبیع مجہول ہے کیونکہ بکریوں کا معین تعداد معلوم نہیں۔ پھر سابقہ مسئلہ کی طرح ایک میں تو جائز ہونا چاہئے جبکہ حال یہ ہے کہ ایک میں بھی جائز نہیں۔ تو یہ اس لئے کہ بکریوں میں تفاوت ہے مشتری اعلیٰ مانگے گا اور بائع ادنیٰ دیگا لہٰذا مفضی للنزاع ہونے کی وجہ سے ایک میں بھی جائز نہیں۔

(۱۵) اسی طرح اگر کسی نے کپڑا گزوں سے بیچا۔ ہر گز ایک درہم کے عوض میں تو یہ بیع بھی صاحبینؒ کے نزدیک کل میں جائز ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایک گز میں بھی جائز نہیں یہ اسلئے کہ پرانے زمانے کے کپڑے ہاتھ کے بنائے ہوئے ہوتے جنکا ہر ذراع بکریوں کی طرح دوسرے سے مختلف ہوتا اسلئے ایک گز میں بھی جائز نہیں ہے۔ دونوں مسئلوں میں فتویٰ صاحبینؒ کے قول پر ہے۔

(۱٦)وَمَنْ ابْتَاعَ صُبْرَةَ طَعامٍ على أنّها مِائةُ قَفِيزٍ بمائةِ دِرهمٍ فوجدها أقلّ من ذالك كانَ المُشترِي بالخِيارِ إنْ شاءَ أخذَ الموجودَ بحصّتِه من الثّمنِ وإنْ شاءَ فسَخَ البَيعَ(۱۷)وإنْ وَجدها أكثَرَ مِنْ ذالكَ فالزِّيادةُ لِلبَائعِ۔

ترجمه:۔اور جس اناج کا ڈھیر اس شرط پر خریدا کہ سو قفیز سو درہم میں ہیں پھر اس کو کم پایا تو مشتری کو اختیار ہے اگر چاہے تو موجود مقدار اسی کے حصہ کی مقدار قیمت دیکر لے لے اور اگر چاہے تو بیع فسخ کردے اور اگر اس کو مقدار مذکور سے زیادہ پایا تو زائد بائع کا ہے۔

تشریح:۔(۱٦)جس نے غلہ کا ڈھیر خریدا اس شرط پر کہ یہ سو قفیز ہیں سو درہم کے عوض میں۔ پھر ناپنے سے پتہ چلا کہ سو قفیز سے کم ہے مثلاً،۹۰،قفیز ہے تو مشتری کو اختیار ہے چاہے تو موجود کو بحصہ من الثمن خرید لے یعنی،۹۰،قفیز کو،۹۰،درہم کے عوض خرید لیا اور چاہے تو بیع کو فسخ کردے کیونکہ اس طرح اس پر عقد تام ہونے سے پہلے تفرق معاملہ لازم آتا ہے اور موجود کے ساتھ اس کی رضا تام نہیں۔

(۱۷)اگر غلہ سو قفیز سے زیادہ نکلا مثلاً ایک سو دس قفیز نکلا تو زائد بائع کا ہے کیونکہ بیع مقدار معین پر واقع ہوئی ہے جو کہ زائد کو شامل نہیں۔

(۱۸)وَمن اشْتَرىٰ ثَوباًعَلى أنّه عَشَرَةُ أذْرُعٍ بعشَرَةِ دَرَاهِمَ أوْأرْضاًعَلى أنّهامِائةُ ذِرَاعٍ فَوَجَدَهَاأقَلّ من ذالك فالمُشْتَرِي بِالخِيارِ إنْ شاءَ أخَذَهَابِجُمْلَةِ الثّمنِ وإنْ شاءَ تَرَكَهَا(۱۹)وإنْ وجَدَهَاأكْثَرَمِنَ الذِّرَاعِ الّذِي سَمّاه فَهِيَ لِلمُشْتَرِي وَلاخِيارَ لِلبَائعِ۔

ترجمه:۔اور جس نے کپڑا خریدا اس شرط پر کہ دس گز کپڑا دس درہم میں اور یا زمین خریدی اس شرط پر کہ سو گز ہے پھر اس کو اس مقدار سے کم پایا تو مشتری کو اختیار ہے اگر چاہے تو پورے ثمن کے عوض لے لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے اور اگر اس کو بتائے ہوئے گزوں سے زیادہ پایا تو وہ مشتری کا ہے اور بائع کے لئے اختیار نہیں۔

تشریح:۔(۱۸)جس نے اس شرط پر کپڑا خریدا کہ یہ مثلاً دس ذراع ہے دس دراہم کے عوض میں یا زمین خریدی اس شرط پر کہ مثلاً یہ زمین سو ذراع ہے سو درہم کے عوض میں۔ اب ہوا یہ کہ یہ کپڑا یا زمین مذکورہ مقدار سے کم نکلا تو مشتری کو اختیار ہے یا تو پورا ثمنِ مسمّٰی سے خرید لے یا چھوڑ دے کیونکہ ذراع عبارت ہے طول وعرض سے اور طول وعرض اوصاف ہیں اور اوصاف کے مقابلے میں ثمن نہیں ہوتا لہٰذا مبیعہ کے وصف کی کمی بیشی کی صورت میں ثمن میں کمی بیشی نہیں آئیگی۔(۱۹)یہی وجہ ہے کہ اگر مذکورہ مقدار سے کپڑا یا زمین زیادہ نکلے تو وہ مشتری کا ہوگا بائع کو اختیار نہیں کیونکہ زائد ذراع وصف ہے جس کے مقابلے میں ثمن نہیں ہوتا ہے۔

(۲۰)وَإنْ قالَ بِعتُكَهَاعلى أنّها مِائةُ ذِرَاعٍ بِمائةِ دِرْهَمٍ كُلّ ذِرَاعٍ بِدِرْهَمٍ فوجدها نَاقِصةً فهو بالخِيارِ إنْ شاءَ أخَذَهَابِحِصّتِها مِنَ الثّمَنِ وَإنْ شاءَ تَرَكَها (۲۱)وَإنْ وجدها زَائِدةً كانَ المُشتَرِي بِالخِيارِ إنْ شاءَ أخذَالجَمِيعَ كُلّ ذِرَاعٍ بِدِرْهَمٍ وإنْ شاءَ فَسَخَ البَيْعَ۔

ترجمه:۔اور اگر بائع نے کہا کہ میں تجھ پر یہ کپڑا اس شرط پر فروخت کرتا ہوں کہ سو گز ہے سو درہم کے عوض میں ہر ایک گز ایک درہم میں

پھراس کو کم پایا تو مشتری کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس کو لے اس کے حصہ ثمن کے عوض میں اور اگر چاہے تو چھوڑ دے اور اگر اس کو زیادہ پایا تو مشتری کو اختیار ہے اگر چاہے تو سب لے لے ہر ایک گز ایک درہم کے عوض میں اور اگر چاہے تو بیع فسخ کر دے۔

تشریح:۔(۲۰) یعنی جس نے زمین خریدی اس شرط پر کہ یہ سو ذراع ہے سو درہم کے عوض، ہر ایک ذراع ایک درہم کے عوض۔ اب ہوا یہ کہ زمین کم نکلی مثلاً پچانوے ذراع نکلی تو مشتری کو اختیار ہے یا تو بحصتھا من الثمن یعنی پچانوے درہم میں خریدے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے کیونکہ ذراع اگر چہ وصف ہے مگر یہاں ہر ذراع کی قیمت معین کر دینے سے اصل ہو گیا گویا ہر ذراع مستقل کپڑا ہے لہذا ذراع کی کمی بیشی سے ثمن میں بھی کمی بیشی آئیگی۔

(۲۱) اگر زمین مذکورہ مقدار سے زائد نکلی مثلاً ایک سو دس ذراع نکلی تو مشتری کو اختیار چاہے تو کل زمین خرید لے ہر ذراع ایک درہم کے عوض کیونکہ کل ذراع سو ہی دراہم میں خریدنے کی صورت میں ہر ذراع بعوض ایک درہم نہیں ہوا اور اگر چاہے تو بیع فسخ کر دے کیونکہ تمام ذراع مشتری پر لازم کرنے کی صورت میں مشتری کا ضرر ہے۔

(۲۲) وَلو قالَ بِعتُ مِنکَ هٰذِه الرِّزْمَةَ علی انّها عَشَرَةَ اَثوابٍ بِمائَةِ دِرْهَمٍ کُلّ ثَوبٍ بِعَشَرَةٍ فَاِنْ وَجَدَهَا نَاقِصةً جَازَ البیعُ بِحِصّتِه (۲۳) وانْ وَجَدَهَا زَائدَةً فَالْبَیْعُ فَاسِدٌ۔

ترجمه:۔ اور اگر بائع نے کہا کہ یہ گانٹھ تیرے ہاتھ اس شرط پر فروخت کرتا ہوں کہ اس میں دس کپڑے ہیں سو درہم کے عوض ہر ایک کپڑا دس درہم میں تو اگر اس کو کم پایا تو بیع اسکے حصہ ثمن کے عوض جائز ہے اور اگر زیادہ پایا تو یہ بیع فاسد ہے۔

تشریح:۔(۲۲) اگر کسی نے کہا کہ یہ گانٹھ تیرے ہاتھ فروخت کرتا ہوں اس شرط پر کہ اسمیں دس کپڑے ہیں سو درہم میں، ہر کپڑا دس درہم کے عوض۔ پھر ہوا یہ کہ کپڑے کم نکلے مثلاً آٹھ کپڑے پائے تو موجود کپڑوں کے بقدر بیع صحیح ہے ہاں مشتری کو لینے اور نہ لینے کا اختیار ہے۔ (۲۳) اور اگر دس کپڑوں سے زائد نکلے تو یہ بیع فاسد ہے کیونکہ اس صورت میں مبیعہ متعین نہیں کہ کونسے دس کپڑے ہیں تو مبیع مجہول ہونے کی وجہ سے بیع فاسد ہے۔ قدوری کے بعض نسخوں میں مذکورہ بالا عبارت نہیں۔

(۲۴) وَمن بَاعَ دَاراً دخلَ بِنائُها فی البَیعِ وانْ لم یُسَمّ (۲۵) ومَنْ باعَ اَرْضاً دخلَ مافِیها مِنَ النَّخْلِ وَالشَّجرِ فی البَیْعِ وانْ لَمْ یُسَمّه۔

ترجمه:۔ اور جس نے مکان فروخت کیا تو اس کی عمارت بیع میں داخل ہوگی اگر چہ اس کا نام نہ لیا ہو اور جس نے زمین فروخت کی تو جو کچھ اس میں کھجور اور دیگر درختیں ہوں گے وہ بیع میں داخل ہوں گے اگر چہ اس کا نام نہ لیا ہو۔

تشریح:۔(۲۴) یعنی جس نے مکان بیچا تو اس بیع میں عمارت بھی داخل ہے اگر چہ عمارت کا نام نہ لیا ہو کیونکہ عرف میں لفظ دار صحن و عمارت کو شامل ہے۔ نیز عمارت کا اتصال گھر کے ساتھ برائے قرار ہے نہ کہ برائے انقطاع۔ اس باب میں اصل یہ ہے کہ مبیعہ کا اسم عرف میں جن اشیاء کو شامل ہو وہ اشیاء مبیعہ کے تابع ہو کر بیع میں داخل ہیں اسی طرح جو اشیاء مبیعہ کے ساتھ متصل برائے قرار ہوں

برائے انقطاع نہ ہوں وہ اشیاء بھی مبیعہ کے تابع ہو کر بغیر انکے نام لئے بیع میں داخل ہیں۔

(۲۵) جس نے زمین بیچی تو اسمیں جو کھجور یا دیگر درختیں ہوں وہ زمین کے تابع بن کر بیع میں داخل ہونگے اگر چہ درختوں کا نام نہ لیا ہو کیونکہ درختوں کا اتصال بھی زمین کے ساتھ برائے قرار ہے نہ برائے انقطاع۔

(۲۶) وَلَایَدخُلُ الزَّرْعُ فِی بَیعِ الْاَرْضِ اِلَّابِالتَّسمِیَةِ (۲۷) وَمَن بَاعَ نَخلاً اَوْ شَجراً فِیه ثَمرَةٌ فَثَمرَتُه لِلْبَائِعِ اِلَّااَنْ یَشْتَرِطُهَاالْمُبْتَاعُ (۲۸) وَیُقَالُ لِلْبَائِعِ اِقْطَعْهَا وَسَلِّمِ الْمَبِیعَ۔

ترجمہ:۔ اور زمین کی بیع میں اس زمین کی کھیتی داخل نہ ہوگی مگر یہ کہ نام لے اور جس نے کھجور کا درخت یا کوئی دوسرے پھل دار درخت فروخت کیا تو اس کے پھل بائع کے لئے ہونگے الا یہ کہ خریدار اس کی شرط کر دے اور بائع سے کہا جائیگا کہ پھلوں کو توڑ کر مبیع مشتری کے حوالہ کر۔

تشریح:۔ (۲۶) یعنی کسی زمین بیچی تو اسمیں کھڑی کھیتی اس بیع میں داخل نہیں مگر یہ کہ کھیتی کی بیع کی بھی تصریح کرلے کیونکہ کھیتی کا اتصال زمین کے ساتھ برائے انقطاع ہے نہ برائے قرار۔ (۲۷) اسی طرح اگر کھجور یا دیگر پھل دار درختیں بیچ دیئے تو پھل اس بیع میں داخل نہیں بلکہ پھل بائع کا ہے کیونکہ پھل کا اتصال برائے انقطاع ہے نہ برائے قرار۔ البتہ اگر مشتری نے درختوں کے ساتھ پھل کی شرط لگائی تو پھر پھل مبیعہ میں داخل ہو جائیگا۔

(۲۸) ہاں ان دونوں صورتوں میں بائع سے کہا جائیگا کہ اپنی کھیتی یا اپنا پھل کاٹ دو مبیعہ فارغ کر کے مشتری کے حوالہ کرلو اگر چہ کھیتی اور پھل اب تک قابل انتفاع نہ ہو کیونکہ ملک مشتری ملک بائع کے ساتھ مشغول ہے لہذا بائع پر ملک مشتری فارغ کر کے دیدینا لازم ہے۔

(۲۹) وَمَن بَاعَ ثَمرَةً لَمْ یَبْدُ صَلاحُهَا اَوْ قَدْ بَدَا جَازَ الْبَیعُ وَوَجَبَ عَلَی الْمُشْتَرِیْ قَطْعُهَا فِی الْحَالِ (۳۰) فَاِنْ شَرطَ تَرْکَهَا عَلَی النَّخلِ فَسَدَ الْبَیعُ۔

ترجمہ:۔ اور جس نے ایسا پھل فروخت کیا جو کھانے کا قابل نہ ہوا تھا یا قابل ہوا تھا تو یہ بیع جائز ہے اور مشتری پر فی الحال اس کا کاٹنا واجب ہے اور اگر اس کو درختوں ہی پر چھوڑنے کی شرط کر لی تھی تو یہ بیع فاسد ہوگی۔

تشریح:۔ ج (۲۹) جس نے پھل بیچے خواہ قابل انتفاع ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں بہر صورت یہ بیع جائز ہے بشرطیکہ پھل درختوں پر ظاہر ہوئے ہوں (اور قابل انتفاع سے مراد یہ ہے کہ انسانوں یا جانوروں کے کھانے کے قابل ہوں)۔ لیکن مشتری پر لازم ہے کہ اپنے پھل فی الحال درختوں سے توڑ دے برائے تفریغ ملکِ بائع۔ اور یہ جواز اس وقت ہے کہ یہ بیع اس شرط پر ہوئی ہو کہ میوہ درختوں سے توڑ دوگے یا مطلقاً بغیر ذکرِ ترک وقطع کے ہوئی ہو۔ (۳۰) اور اگر یہ شرط لگائی ہو کہ میوہ درختوں پر چھوڑ دوگے تو یہ بیع فاسد ہے کیونکہ یہ ایک شرط ہے جس کا عقد مقتضی نہیں (امام محمدؒ کے نزدیک عموم بلوی کی وجہ سے جائز ہے اور یہی قول مفتی بہ ہے)۔

☆ ☆ ☆

(۳۱)وَلَا يَجُوْزُ اَنْ يَبِيْعَ ثَمَرَةً وَيَسْتَثْنِيَ مِنْهَا اَرْطَالًا مَعْلُوْمَةً۔

ترجمہ:۔اور جائز نہیں کہ پھل فروخت کردے اور اس سے معلوم ارطال پھل مستثنی کردے۔

تشریح:۔(۳۱)یعنی یہ جائز نہیں کہ درختوں پر موجود پھل بیچے اور اس سے معین ارطال مستثنٰی کردے کیونکہ بعد از استثناء یہ معلوم نہیں کہ مشتری کیلئے کچھ بچے گا بھی یا نہیں لہذا مبیعہ مجہول ہونے کی وجہ سے یہ بیع جائز نہیں۔

(۳۲)وَيَجُوْزُ بَيْعُ الْحِنْطَةِ فِيْ سُنْبُلِهَا وَالْبَاقِلٰى فِيْ قِشْرِهَا۔

ترجمہ:۔اور گندم کو اس کے بالیوں میں اور لوبیا کو اس کی پھلیوں میں فروخت کرنا جائز ہے۔

تشریح:۔(۳۲)یعنی گندم اپنے خوشوں میں لوبیا اپنے پھلیوں میں بیچنا جائز ہے بشرطیکہ اپنی جنس کے خلاف میں فروخت کردے مثلاً جو یا جوار کے عوض میں ہوں اور اگر گندم کے عوض میں بیچے تو جائز نہیں لاحتمال الرباء۔

(۳۳)وَمَن بَاعَ دَاراً دَخَلَ فِي الْبَيْعِ مَفَاتِيْحُ اَغْلَاقِهَا۔

ترجمہ:۔اور جس نے مکان فروخت کردیا تو بیع میں اس کے تالوں کی چابیاں بھی داخل ہونگی۔

تشریح:۔(۳۳)یعنی جس نے مکان فروخت کی تو بیع میں تالوں کی چابیاں داخل ہونگی کیونکہ تالے مکان کے ساتھ متصل برائے قرار ہیں لہذا تالے مکان کے تابع ہیں اور چابیاں تالوں کے لئے بمنزلہ جزء کے ہیں کیونکہ تالوں سے انتفاع بغیر چابیوں کے نہیں ہوسکتا۔

(۳۴)وَاُجْرَةُ الْكَيَّالِ وَنَاقِدِ الثَّمَنِ عَلَى الْبَائِعِ (۳۵)وَاُجْرَةُ وَزَّانِ الثَّمَنِ عَلَى الْمُشْتَرِيْ۔

ترجمہ:۔اور ناپنے اور روپیہ پرکھنے والے کی مزدوری بائع کے ذمہ ہے اور ثمن تولنے والے کی مزدوری مشتری پر ہے۔

تشریح:۔(۳۴)یعنی مبیعہ کو ناپنے، وزن کرنے اور گننے والے کی اُجرۃ بائع پر ہے کیونکہ تسلیم مبیع کیلئے ناپنا ضروری ہے اور تسلیم مبیع بائع کے ذمہ ہے تو ناپنا اور اسکی اُجرۃ بھی بائع کے ذمہ ہوگی۔ایک قول کے مطابق ثمن کے پرکھنے والے کی اُجرۃ بھی بائع پر ہے مگر مفتیٰ بہ قول کے مطابق مشتری پر ہے۔(۳۵)البتہ ثمن کو وزن کرنے والے کی اُجرۃ مشتری ہی پر ہے کیونکہ ثمن کا تسلیم کرنا مشتری کے ذمہ ہے تو ثمن کا وزن کرنا اور اسکی اُجرۃ بھی مشتری کے ذمہ ہوگی۔

(۳۶)وَمَنْ بَاعَ سِلْعَةً بِثَمَنٍ قِيْلَ لِلْمُشْتَرِيْ اِدْفَعِ الثَّمَنَ اَوَّلاً فَاِذَا دَفَعَ قِيْلَ لِلْبَائِعِ سَلِّمِ الْمَبِيْعَ(۳۷)وَمَنْ بَاعَ سِلْعَةً بِسِلْعَةٍ اَوْثَمَنًا بِثَمَنٍ قِيْلَ لَهُمَا سَلِّمَا مَعاً۔

ترجمہ:۔اور جس نے ثمن کے عوض سامان فروخت کردیا تو مشتری سے کہا جائے گا کہ پہلے تو ثمن ادا کر پس جب وہ ثمن ادا کردیگا تو بائع سے کہا جائیگا کہ مبیع مشتری کے سپرد کر اور جس نے سامان بعوض سامان فروخت کردیا یا ثمن بعوض ثمن فروخت کردیا تو دونوں سے کہا جائیگا کہ تم دونوں ایک ساتھ سپرد کرو۔

تشریح:۔(۳۶)یعنی جس نے سامان بعوض ثمن بیچا تو مشتری سے کہا جائیگا کہ پہلے آپ ثمن دیں کیونکہ مشتری کا حق مبیعہ میں متعین ہوگیا

تو مشتری کو اعطاء ثمن کا حکم دیا جائیگا تا کہ بائع کا حق بالقبض متعین ہو جائے کیونکہ ثمن ایسی چیز ہے کہ قبل القبض تعین سے متعین نہیں ہوتا اس طرح متعاقدین میں مساوات قائم ہو جائیگا۔ اور ثمن دینے کے بعد اب بائع سے کہا جائیگا کہ مبیع حوالہ کر دو۔ (۳۷) اگر سامان بعوض سامان یا ثمن بعوض ثمن بیچا تو دونوں سے کہا جائیگا کہ ساتھ ساتھ ہر ایک اپنی چیز دوسرے کے حوالہ کر دے لاستوائهما فی التعین۔

بَابُ خِيَارِ الشَّرْطِ

یہ باب خیار شرط کے بیان میں ہے۔

خیار شرط یہ ہے کہ متعاقدین میں سے ہر ایک یا دونوں میں سے کوئی ایک مثلاً مشتری کہے اشتریت علی انی با الخیار ثلاثة ایام، یعنی مجھے تین دن اختیار ہے اگر بیع پسند آئی تو ٹھیک ورنہ بیع فسخ کر دونگا۔

اس باب کی ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ بیع دو قسم پر ہے، بیع لازم (جس میں کسی کو فسخ کا اختیار نہ ہو)، بیع غیر لازم (جس میں متعاقدین میں سے کسی ایک یا دونوں کو اختیار ہو) تو چونکہ بیع لازم قوی ہے اسلئے اس سے پہلے بیع لازم کو بیان کیا اب ان بیوع کو بیان فرماتے ہیں جو غیر لازم ہیں (یعنی جن میں متعاقدین میں سے کسی ایک کو خیارِ فسخ ہے)۔

پھر خیار تین قسم پر ہے خیار شرط، خیار رؤیت اور خیار عیب، ان میں سے خیار شرط ابتداء حکم البیع (یعنی ملک المبیع) کیلئے مانع ہے اسلئے خیار شرط کو مقدم کیا اور خیار رؤیت اتمام حکم کیلئے مانع ہے اسلئے خیار شرط کے بعد خیار رؤیت کو ذکر کیا اور خیار عیب لزوم حکم کیلئے مانع ہے اور لزوم اتمام کے بعد ہوتا ہے اسلئے باب خیار عیب کو بعد میں رکھا ہے۔

خیار شرط کن چیزوں میں جاری ہوتا ہے اور کن میں نہیں، تو اسے کسی شاعر نے مندرجہ ذیل اشعار میں پیش کیا ہے

یأتی خیار الشرط فی الاجارة　　والبیع والابراء والکفالة
والرهن والعتق وترک الشفعة　　والصلح والخلع مع الحوالة
والوقف والقسمة والاقالة　　لاالصرف والاقرار والوکالة
ولاالنکاح والطلاق والسلم　　نذر وایمان والاقرار وهذا یختتم

(المعتصر الضروری ص۲۹۷)

(۳۸) خِيَارُ الشَّرْطِ جَائِزٌ فِي الْبَيْعِ لِلْبَائِعِ وَالْمُشْتَرِيْ ولهما الْخِيَارُ ثَلَثَةَ ايَامٍ فَمَا دُوْنَهَا (۳۹) ولا يَجُوْزُ اَكْثَرَ مِنْ ذَالِكَ عِنْدَ اَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله وقَالَ اَبُو يوسفَ رَحِمَهُ الله وَمُحَمَّد رحمه الله يجوز اذا سَمّٰى مُدَّةً مَعْلُومَةً۔

ترجمہ: ۔ بیع میں بائع اور مشتری دونوں کے لئے خیار شرط جائز ہے اور دونوں کو تین دن یا اس سے کم اختیار ہوگا اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ جائز نہیں اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب مدت معلوم ہو تو اس سے زیادہ بھی جائز ہے۔

تشـــریح:۔(۳۸)یعنی خیار شرط جائز ہے بائع کیلئے اور مشتری کیلئے اور بیک وقت دونوں کیلئے۔ پھر اسکی کئی اقسام ہیں مثلاً احد العاقدین کہے کہ مجھے اختیار ہے چند دن یا ہمیشہ کیلئے یہ بالاتفاق فاسد ہے دوسری قسم یہ ہے کہ احد العاقدین کہے کہ مجھے اختیار ہے تین دن یا تین سے کم یہ بالاتفاق جائز ہے۔(۳۹)تیسری قسم یہ ہے کہ تین دن سے زائد ایک یا دو مہینے کی شرط لگائے یہ مختلف فیہ ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ،امام زفر رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک جائز نہیں (کیونکہ خیار خلاف القیاس ثابت ہے فیبقی الباقی علی الاصل)اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک جائز ہے کیونکہ خیار مشروع ہوا ہے تا کہ خسارہ دفع ہو اور کبھی تین دن سے زیادہ کی ضرورت پڑھتی ہے۔ مفتیٰ بہ قول امام ابوحنیفہؒ کا ہے(کمافی الہندیہ :۳/۳۸)

(۴۰)وَخِيارُ البائعِ يَمنَعُ خُروجَ المَبيعِ مِنْ مِلْكِه(۴۱)فَإنْ قَبَضَه المُشتَرِيُ فَهلَكَ بِيَدِه فِي مُدّةِ الخِيارِ ضَمِنَه بالقِيمةِ۔

ترجمہ:۔اور بائع کا اختیار مبیع کو اس کی ملکیت سے نکلنے سے مانع ہے پس اگر مشتری نے مبیعہ پر قبضہ کرلیا پھر وہ مدت خیار میں مشتری کے ہاتھ ہلاک ہوئی تو مشتری قیمت کے ساتھ اس کا ضامن ہوگا۔

تشـــریح:۔(۴۰)یعنی اگر بیع میں خیار بائع کیلئے ہو تو یہ خیار ملک بائع سے خروج مبیع کیلئے مانع ہے(یعنی مبیع بائع کی ملک سے نہیں نکلتی)۔(۴۱)تو اس صورت میں اگر مشتری نے مبیع قبض کرلیا اور پھر مدت خیار ہی میں مبیع مشتری کے ہاتھ میں ہلاک ہوگئی پس اگر مبیع قیمتی چیز ہے تو مشتری قیمت کا ضامن ہے اور اگر مثلی چیز ہے تو مثل کا ضامن ہے کیونکہ یہ مبیع ید مشتری میں مقبوض علی سوم الشراء ہے جیسے کوئی کسی چیز کو خریدنے کے لئے اپنے قبضہ میں لے لے اور ایسے قبضہ سے ضائع ہونے کی صورت میں قیمتی چیز میں قیمت واجب ہوتی ہے اور مثلی میں مثل واجب ہوتی ہے۔

(۴۲)وَخيارُ المشتَرِيُ لايَمنَعُ خُروجَ المَبيعِ من مِلكِ البَائِعِ (۴۳)إلاّ أنّ المُشتَرِيُ لايَمْلِكُه عِندَ أبِي حَنِيفةَ رَحِمَه اللّٰهِ وقالَ أبُوْ يُوسُف رحمه اللّٰه ومُحَمّدٌ رَحِمَه اللّٰه يَمْلِكُه۔

ترجمہ:۔اور مشتری کا اختیار مبیع کا بائع کی ملکیت سے نکلنے سے مانع نہیں مگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مشتری بھی اس کا مالک نہیں ہوگا اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مشتری مالک ہوجاتا ہے۔

تشـــریح:۔(۴۲)یعنی اگر بیع میں خیار مشتری کیلئے ہو تو یہ خیار ملک بائع سے خروج مبیع کیلئے مانع نہیں کیونکہ بائع کے حق میں بیع لازم ہے۔(۴۳)پھر صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک مشتری مبیع کا مالک ہوجائیگا کیونکہ جب بائع کی ملک سے نکل گئی تو اگر مشتری کی ملک میں نہ آئے تو یہ دوسرے کسی کی ملک میں آنے کے بغیر ملک زائل ہوگی جس کا شرع میں کوئی نظیر نہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مشتری بھی مبیع کا مالک نہ ہوگا کیونکہ اگر مشتری کو مالک مانا جائے تو چونکہ اب تک ثمن مشتری کی ملک سے نہیں نکلا ہے تو مشتری کی ملک میں اجتماع بدلین (یعنی مبیع وثمن)لازم آتا ہے جس کا شرع میں کوئی اصل نہیں والصحیح

قول ابی حنیفہ رحمہ اللہ۔

(۴۴) فَاِنْ هلکَ فی یَدِه هلکَ بالثّمنِ (۴۵) وکذالکَ اِنْ دَخلَه عَیبٌ۔

ترجمہ:۔ پس اگر مبیع مشتری کے ہاتھ میں ہلاک ہوگئی تو ثمن کے عوض ہلاک ہوگی اسی طرح اگر مبیع میں عیب پیدا جائے۔

تشریح:۔ (۴۴) یعنی بصورت خیار مشتری اگر مبیع مشتری کے ہاں ہلاک ہوگئی (۴۵) یا مبیع میں عیب پیدا ہوا (برابر ہے کہ فعل مشتری سے ہو یا فعل اجنبی سے ہو یا آفت سماوی کی وجہ سے ہو) تو یہ بعوض ثمن ہلاک یا معیوب ہوگی کیونکہ اب مشتری اس کے ردّ کرنے سے عاجز ہوگیا تو ثمن لازم ہوگا۔

(۴۶) وَمَنْ شُرِطَ لَه الْخِیارُ فَلَه اَنْ یَفْسخَ فِی مُدّةِ الخِیارِ وَلَهُ اَنْ یُجیزَه (۴۷) فَاِنْ اَجازَه بِغَیرِ حَضْرَةِ صَاحِبِه جَازَ (۴۸) وَاِنْ فسخَ لَمْ یَجُزْ اِلّا اَنْ یکونَ الآخَرُ حاضِراً۔

ترجمہ:۔ اور جو اپنے لئے خیار شرط کردے تو اسے اختیار ہے کہ مدت خیار میں بیع فسخ کردے اور یہ بھی اختیار ہے کہ بیع کی اجازت دے لیکن اگر موجودگی بائع کے بغیر اجازت دی تو یہ جائز ہے اور اگر فسخ کردیا تو جائز نہیں الا یہ کہ دوسرا حاضر ہو۔

تشریح:۔ (۴۶) یعنی جس کیلئے متعاقدین میں سے خیار ہو تو اسکو یہ بھی اختیار ہے کہ مدۃ خیار (یعنی تین دن کے اندر) میں بیع فسخ کردے اور یہ بھی اختیار ہے کہ اس مدت میں بیع کو نافذ کردے۔ (۴۷) پس اگر بیع نافذ کردیا دوسرے کے حضور (یعنی علم) کے بغیر تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ اپنے حق کا اسقاط ہے لہذا یہ دوسرے کے حضور پر موقوف نہ ہوگا۔ (۴۸) اور اگر عاقد ثانی کے عدم حضور (یعنی عدم علم) میں فسخ کردیا تو یہ جائز نہ ہوگا کیونکہ رفع عقد عقد کی طرح ہے تو یہ ایک عاقد سے قائم نہیں ہوسکتا ہاں اگر عاقد ثانی کو علم ہے تو پھر جائز ہے۔

(۴۹) وَاِذامَاتَ مَنْ لَه الخِیارُ بَطَلَ خِیارُه وَلم یَنْتَقِلْ اِلیٰ وَرَثَتِه۔

ترجمہ:۔ اور اگر وہ مرگیا جس کے لئے خیار تھا تو اس کا خیار باطل ہوگیا اور اس کے ورثہ کی طرف منتقل نہ ہوگا۔

تشریح:۔ (۴۹) یعنی متعاقدین میں سے جس کیلئے خیار تھا وہ اگر مرجائے تو خیار باطل ہوجائیگا اور اسکی طرف سے بیع تام ہوگی فسخ ونفاذ کا اختیار ورثہ کی طرف منتقل نہ ہوگا کیونکہ خیار مشیت اور ارادہ کو کہتے ہیں جسکا انتقال ورثہ کی طرف متصور نہیں۔

(۵۰) ومَن باعَ عَبْداً عَلی اَنّه خَبّازٌ او کاتِبٌ فَوَجَدَه بِخلافِ ذالکَ فَالمُشْتَرِیْ بِالخِیارِ اِنْ شاءَ اَخذَه بِجمیْعِ الثّمنِ وَاِنْ شاءَ تَرکَه۔

ترجمہ:۔ اور جس نے غلام کو اس شرط پر فروخت کیا کہ وہ روٹی پکانے والا ہے یا کاتب ہے پھر اس کو اس کے خلاف پایا تو مشتری کو اختیار ہے اگر چاہے تو پورے ثمن سے لے لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے۔

تشریح:۔ (۵۰) یعنی جس نے غلام فروخت کیا اس شرط پر کہ یہ غلام خباز (نانبائی) ہے یا کاتب ہے اب ہوا یہ کہ غلام اسکے خلاف نکلا یعنی غلام میں یہ صفات نہ پائیں گئیں تو مشتری کو اختیار ہے چاہے تو بیع چھوڑ دے کیونکہ مبیع میں مرغوب فیہ صفت (جس کی بیع میں شرط

لگائی تھی) نہ ہونے کی صورت میں مشتری اس مبیع پر راضی نہیں اسلئے مشتری کو چھوڑنے کا اختیار ہے اور اگر چاہے تو بائع کی طرف سے بتایا ہوا پورا ثمن میں لے کیونکہ صفات کے مقابلے میں ثمن نہیں ہوتا ہے۔

بَابُ خِيَارِ الرُّؤيَت

یہ باب خیار رؤیت کے بیان میں ہے۔

اس باب کی ماقبل کے ساتھ وجہ مناسبت پہلے گذر چکی ہے۔ خیار رؤیت کی تعریف امام قدوری رحمہ اللہ نے اپنی اس عبارت ومن اشتریٰ ....وان شاء ردّه میں کی ہے۔

جن چیزوں میں خیار رؤیت ثابت ہوتا ہے ان کو علامہ حمویؒ نے مندرجہ ذیل عبارت میں پیش کیا ہے

فی اربع خیار رؤیة یری إجارة وقسمة كذاالشراء

كذاک صلح فی ادعاء المال فاحفظ سريعا نظمتها فی الحال

(المعتصر الضروری ص ۳۰۰)

(۵۱)وَمَنُ اشُتریٰ شَيْأمَالَمُ يَرَه فَالبَيعُ جَائِزٌوَلَهُ الْخِيارُإذَارَاٰه اِنُ شاءَ اَخذَه وَاِنُ شاءَ رَدَّه۔

ترجمہ:۔ اور جس نے کوئی چیز دیکھے بغیر خرید لی تو یہ بیع جائز ہے اور مشتری کو اختیار ہے، جس وقت اس کو دیکھے اگر چاہے تو اس کو لے لے اور اگر چاہے تو ردّ کر دے۔

تشریح:۔(۵۱) یعنی جس نے بن دیکھی کوئی چیز خرید لی تو یہ بیع جائز ہے اور مشتری کو دیکھنے کے بعد (قول اصح کے مطابق دیکھنے سے پہلے بھی) اختیار ہے چاہے تو لے لے ورنہ واپس کر دے اگر چہ رؤیت سے پہلے کہا تھا کہ میں راضی ہوں،، لقوله عليه السلام مَنِ اشُتَرىٰ شَيأً لَمُ يرَه فَلَه الْخِيارُ اِذَا رَاٰه،، (یعنی اگر کسی نے ایسی چیز خریدی جو دیکھی نہیں ہے تو جب دیکھے اس کو خیار حاصل ہے)۔

(۵۲)وَمَنُ باعَ ما لَمُ يَرَهُ فَلاخِيَارَلَه۔

ترجمہ:۔ اور جس نے کوئی چیز دیکھے بغیر فروخت کر لی تو اس کو اختیار نہیں۔

تشریح:۔(۵۲) یعنی جس نے بن دیکھی کوئی چیز بیچ دی مثلاً میراث میں کوئی چیز پا کر بن دیکھی بیچ دی تو بائع کو خیار رؤیت نہیں کیونکہ روایت سے خیار رؤیت صرف مشتری کیلئے ثابت ہے بائع کیلئے نہیں۔

(۵۳)وَاِن نظَرَ الىٰ وَجْهِ الصُّبُرَةِ اَوُاِلٰى ظَاهِرِ الثَوبِ مَطُوِيًّااَوُاِلٰى وَجُهِ الجَارِيَةِ اَوُاِلٰى وَجُهِ الدَّابَةِ وَكَفَلِهَا فَلاخِيارَلَهُ۔

ترجمہ:۔ اور اگر کسی نے اناج کے ڈھیر کو اوپر سے دیکھا یا لپٹے ہوئے کپڑے کے ظاہر کو دیکھا یا لونڈی کے چہرے کو دیکھا یا جانور کے منہ کو دیکھا اور اس کی سرین کو دیکھا تو اس کو اختیار نہیں۔

تشریح:۔(۵۳)یعنی جس نے کسی وزنی یا کیلی چیز کے ڈھیر کے ظاہر کو دیکھا یا لپٹے ہوئے کپڑے کے ظاہر کو دیکھا یا لونڈی کے چہرے کو دیکھا یا کسی حیوان (مراد گھوڑا، گدھا اور خچر ہیں ورنہ بکری اور گائے وغیرہ جو برائے دودھ ونسل رکھے جاتے ہیں کے تھنوں کو دیکھے بغیر خیار ساقط نہیں ہوتا) کے اگلے اور پچھلے حصے کو دیکھا تو اسکا خیار رؤیت ساقط ہو جاتا ہے۔رؤیت کے باب میں اصل یہ ہے کہ کل مبیع کا دیکھنا شرط نہیں کیونکہ یہ کبھی متعذر رہتا ہے البتہ اتنا حصہ دیکھنا جس سے باقی ماندہ مبیع کا حال معلوم ہو جائے شرط ہے۔

(۵٤) وَإنْ رَأى صَحْنَ الدّارِ فلاخِيارَ له وَإنْ لم يُشَاهِدْ بُيُوتَها۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی نے مکان کا صحن دیکھ لیا تو اس کو اختیار نہیں اگر چہ اسکے کمرے نہ دیکھے ہوں۔

تشریح:۔(۵٤)یعنی جس نے مکان کے صحن کو دیکھا تو اسکا خیار رؤیت ختم ہو جاتا ہے اگر چہ کمرے اندر سے نہ دیکھے ہوں یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک کمروں کو اندر سے دیکھنا ضروری ہے یہی قول مفتیٰ بہ ہے۔یہ اختلاف مبنی ہے اختلاف عادات پر۔کہ کوفے کے مکانات میں اندر سے تفاوت نہیں ہوا کرتا اسلئے اندر سے دیکھنا ضروری نہیں سمجھا مگر آج کے مکانات تو ایسے نہیں ان میں تو اندر سے بہت زیادہ تفاوت ہوتا ہے ظاہر مکان کو دیکھ کر اندر کا حال معلوم نہیں ہو سکتا اسلئے امام زفر رحمہ اللہ کا قول مفتیٰ بہ ہے۔

(۵۵)وَبَيعُ الأعْمىٰ وَشِرَاؤُه جائزٌ وَلَهُ الْخِيَارُ إذَا اشْترىٰ(٥٦)وَيَسْقُطُ خِيارُه بِانْ يَجُسَّ الْمَبِيعَ اِذَا كانَ يُعْرَفُ بِالجَسِّ اَوْ يَشُمَّه اِذَا كانَ يُعْرَفُ بِالشَّم اَوْ يَذُوقَه اِذَا كانَ يُعْرَفُ بِالذَّوْقِ (۵۷)ولايَسْقُطُ خِيارُه فِي العِقَارِ حَتّٰى يُوصَفَ لَهُ۔

ترجمہ:۔اور اندھے کی خرید اور فروخت جائز ہے اور جب خریدے گا تو اسے اختیار ہوگا اور مبیع کو چھونے سے اس کا اختیار ساقط ہو جاتا ہے جب وہ ایسی چیز ہو جو چھونے سے معلوم ہو جاتی ہو اور سونگھنے سے ساقط ہو جاتا ہے جب وہ ایسی چیز ہو جو سونگھنے سے معلوم ہو جاتی ہو اور چکھنے سے ساقط ہو جاتا ہے جب وہ ایسی چیز ہو جو چکھنے سے معلوم ہوتی ہو اور اندھے کا اختیار زمین میں اس وقت تک ساقط نہیں ہوتا جب تک کہ زمین کی حالت اسے بیان نہ کردی جائے۔

تشریح:۔(۵۵)یعنی نابینا کی خرید وفروخت جائز ہے کیونکہ نابینا بھی مکلف اور خرید وفروخت کا محتاج ہے اور نابینا کیلئے خیار رؤیت بھی ہے۔(٥٦) پھر نابینا چونکہ دیکھ نہیں سکتا اسلئے انکے خیار رؤیت کے سقوط کے مختلف طریقے ہیں اگر مبیع کا حال ہاتھ کے چھونے سے معلوم ہوتا ہو تو چھونے سے خیار رؤیت ساقط ہو جاتا ہے اور اگر سونگھنے سے معلوم ہو جاتا ہو تو سونگھ کر خیار رؤیت ساقط ہو جاتا ہے اور اگر چکھنے سے معلوم ہو جاتا ہو تو چکھ کر خیار رؤیت ساقط ہو جاتا ہے۔(۵۷)البتہ زمین کے جب تک اوصاف بیان نہ کئے جائیں نابینا کا خیار رؤیت ساقط نہ ہوگا۔

(۵۸)وَمَن بَاعَ مِلكَ غَيرِه بِغَيرِ اَمرِه فَالمَالِکُ بِالخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَجَازَ البَيعَ وَاِنْ شَاءَ فَسَخَ (۵۹)وَلَه الاِجَازَةُ اِذَا كَانَ المَعقُودُ عَلَيه بَاقِياً وَالمُتَعَاقِدَانِ بِحَالِهِمَا۔

ترجمہ:۔اور جس نے دوسرے کی ملک اس کی اجازت کے بغیر فروخت کردی تو مالک کو اختیار ہے اگر چاہے تو بیع کی اجازت دے اور اگر چاہے تو فسخ کردے اور اس کا اجازت دینا اس وقت تک ہے جب تک مبیع باقی ہو اور متعاقدین بحالہما باقی ہوں۔

تشریح:۔(۵۸)یعنی جس نے غیر کی مملوک چیز اسکی اجازت کے بغیر فروخت کردی تو مالک کو اختیار ہے چاہے تو اس بیع کو نافذ کردے اور چاہے تو فسخ کردے۔(۵۹)لیکن مالک کو بیع نافذ کرنے کا اختیار اس وقت تک ہے جب تک کہ چار چیزیں اپنی حالت پر باقی ہوں۔ / **نمبر ۱**۔معقود علیہ یعنی مبیع۔/ **نمبر ۲**۔مالک۔/ **نمبر ۳**۔/ **نمبر ٤**۔متعاقدین۔ان چار چیزوں کا اپنی حالت پر باقی رہنے کی صورت میں مالک کی اجازت لاحقہ (یعنی بعد از بیع اجازت دینا) بمنزلہ وکالت سابقہ (یعنی قبل از بیع وکیل بنانا) ہے تو بائع گویا مالک کا وکیل ہے۔

(٦٠)وَمَنْ رَاٰى اَحَدَ الثَوبَينِ فَاشتَرَاهُمَا ثُمَّ رَاٰى الآخَرَ جَازَ لَهُ اَنْ يَرُدَّهُمَا۔

ترجمہ:۔اور جس نے دو کپڑوں میں سے ایک کو دیکھا پھر دونوں خرید لیا پھر دوسرے کو بھی دیکھ لیا تو وہ دونوں رد کرسکتا ہے۔

تشریح:۔(٦٠)یعنی جس نے دو کپڑوں میں سے ایک دیکھا پھر دونوں کپڑے خرید لئے اب دوسرا کپڑا ابھی دیکھ لیا تو یہ مشتری بناء بر خیار رؤیت دونوں کپڑے رد کرسکتا ہے کیونکہ ایک کی رؤیت دوسرے کی رؤیت نہیں اسلئے کہ کپڑوں میں تفاوت ہے تو نہ دیکھے ہوئے کپڑے میں خیار رؤیت باقی ہے۔پھر ایک رد نہیں کرسکتا بلکہ دونوں کو رد کرنا پڑیگا تاکہ تام ہونے سے پہلے تفریق معاملہ لازم نہ آئے۔

(٦١)وَمَنْ مَاتَ وَلَه خِيَارُ رُؤيَةٍ بَطَلَ خِيَارُه۔

ترجمہ:۔اور اگر وہ مرگیا جس کو خیار رؤیت تھا تو اس کا اختیار باطل ہوگیا۔

تشریح:۔(٦١)یعنی جس شخص کو خیار رؤیت تھا وہ اگر مرگیا تو اسکا خیار رؤیت ساقط ہوجاتا ہے خیار شرط کی طرح خیار رؤیت بھی ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوگا کما مرّ۔

(٦٢)وَمَنْ رَاٰى شَيأً ثُمَّ اشتَرَاه بَعدَ مُدَّةٍ فَاِنْ كَانَ عَلَى الصِّفَةِ الَّتِي رَاٰه فَلاَخِيَارَ لَهُ وَاِنْ وَجَدَه مُتَغَيِّراً فَلَهُ الخِيَارُ۔

ترجمہ:۔اور جس نے کوئی چیز دیکھ لی پھر کچھ مدت بعد اس کو خرید لیا تو اگر وہ اسی حالت پر ہے جس حالت پر اس کو دیکھا تھا تو مشتری کے لئے اختیار نہیں اور اگر اس کو متغیر پایا تو اس کو اختیار ہے۔

تشریح:۔(٦١)یعنی جس نے کوئی چیز دیکھی پھر کچھ مدت کے بعد اسکو خرید لیا تو اگر مبیع اسی صفت پر ہو جس پر مشتری نے دیکھی ہے تو مشتری کو خیار رؤیت نہیں کیونکہ رؤیت سابقہ کی وجہ سے مشتری کو اوصاف مبیع کا علم حاصل ہے جبکہ خیار رؤیت عدم علم باوصافہ کی صورت میں ہوتا ہے اور اگر پہلے سے دیکھی ہوئی چیز اب متغیر پایا تو مشتری کو خیار رؤیت حاصل ہے کیونکہ بوجہ تغیر یہ ایسا ہوا گویا

کہ اس نے اسے دیکھائی نہیں ہے۔

بَابُ خِيَارِ الْعَيْبِ

یہ باب خیار عیب کے بیان میں ہے۔

ماقبل کے ساتھ وجہ مناسبت پہلے گذر چکی ہے۔ خیار عیب کی وضاحت امام قدوری رحمہ اللہ نے اپنی اس عبارت ''إذا اطلع ...... وان شاء ردّہ'' میں کی ہے۔ جو چیز اپنی اصل فطرتِ سلیمہ کے لحاظ سے جس نقص سے خالی ہو اس طرح کا نقص کا کسی شی میں پیدا ہونے کو عیب کہا جاتا ہے۔

(٦٢)وَإِذَا اطَّلَعَ الْمُشْتَرِيْ عَلىٰ عَيْبٍ فِيْ الْمَبِيْعِ فَهُوَ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ اَخَذَهُ بِجَمِيْعِ الثَّمَنِ وَإِنْ شَاءَ رَدَّهُ(٦٣) وَلَيْسَ لَه اَنْ يُمْسِكَهُ وَيَاْخُذَ النُّقْصَانَ۔

ترجمہ:۔اور جب مشتری مبیع میں کسی عیب پر مطلع ہو جائے تو اس کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس کو لے لے پورے ثمن کے ساتھ اور اگر چاہے تو اس کو رد کر دے اور اس کو یہ حق نہیں کہ مبیع کو روک لے اور بائع سے نقصان لے لے۔

تشریح:۔(٦٢)یعنی اگر مبیع میں عیب بائع کے ہاں پیدا ہوا تھا مشتری نے بوقت خرید وقبض عیب نہیں دیکھا تھا اب مطلع ہوا تو مشتری کو اختیار ہے چاہے تو پورے ثمن کے عوض لے اور چاہے تو رد کر دے کیونکہ مطلق عقد مبیع کے وصف سلامت کا مقتضی ہے اگر وصف سلامت نہیں تو مشتری کا نقصان ہے اسلئے مشتری کو رد کا اختیار دیا گیا ہے۔

(٦٣)البتہ مشتری کو یہ اختیار نہیں کہ معیوب مبیع رکھے اور مبیع کے عیب کے بقدر بائع سے نقصان لے کیونکہ مبیع کی سلامتی ایک وصف ہے اور اوصاف کے مقابلے میں ثمن نہیں ہوتا۔ تو فوات وصف کی صورت میں ثمن میں بھی کمی نہیں کی جائیگی۔

(٦٤)وَكُلُّ مَا اَوْجَبَ نُقْصَانَ الثَّمَنِ فِي عَادَةِ التُّجَارِ فَهُوَ عَيْبٌ (٦٥)وَالْإِبَاقُ وَالْبَوْلُ فِي الْفِرَاشِ وَالسَّرِقَةُ عَيْبٌ فِي الصَّغِيْرِ مَالَمْ يَبْلُغْ (٦٦)فَإِذَا بَلَغَ فَلَيْسَ ذَالِكَ بِعَيْبٍ حَتّٰى يُعَاوِدَهُ بَعْدَ الْبُلُوْغِ۔

ترجمہ:۔اور تجار کی عادت میں جس عیب سے شی کی قیمت میں کمی آ جائے وہی عیب شمار ہوتا ہے اور غلام کا بھاگنا اور بستر پر پیشاب کرنا اور چوری کرنا بچے کے حق میں عیب ہے جب تک کہ بالغ نہ ہو پس جب بالغ ہو جائے تو یہ عیب نہیں یہاں تک کہ بالغ ہونے کے بعد اس کو دوبارہ کرے۔

تشریح:۔(٦٤)شرعاً مبیع کا عیب وہ ہے جس کی وجہ سے تجار کے ہاں مبیع کی قیمت میں کمی آئے۔(٦٥)پس غلام کا اپنے مالک سے بھاگ جانا عیب ہے اسی طرح اگر غلام بچہ ممیز ہے تو اسکا بستر پر پیشاب کرنا اور چوری کرنا عیب ہے۔امام قدوری رحمہ اللہ کے قول ''مالم یبلغ فاذا بلغ فلیس ذالک بعیب '' کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا عیوب غلام نابالغ میں تھے اب مشتری نے خرید لیا تو بھی غلام نابالغ ہے اور یہ عیوب اسمیں پائے جاتے ہیں تو یہ عیب ہے۔

(٦٦) اور اگر یہ عیوب بائع کے ہاں غلام نابالغ میں تھے اب جب مشتری نے خرید لیا تو غلام بالغ ہو گیا پھر بھی یہ عیوب اسمیں پائے جاتے ہیں تو یہ وہ عیوب نہیں جو بائع کے ہاں تھے بلکہ یہ نئے عیوب ہیں کیونکہ بستر پر پیشاب کرنا صغرسنی میں ضعف مثانہ کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبرسنی میں باطنی بیماری کی وجہ سے ہوتا ہے اسی طرح بھگوڑا پن اور چوری کرنا صغرسنی میں لاپرواہی کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبرسنی میں خبث باطن کی وجہ سے ہوتا ہے لہذا مشتری کے ہاں جو عیوب ہیں یہ وہ نہیں جو بائع کے ہاں تھے پس اس عیب کی وجہ سے مشتری اس غلام کو رد نہیں کرسکتا ہے۔

امام قدوری رحمہ اللہ کے قول "حتىٰ يُعَاوِدَه بَعْدَالْبُلُوْغ" کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا عیوب غلام میں بائع کے ہاں اس حال میں پائے جاتے تھے کہ غلام بالغ تھا اب جب مشتری نے خرید لیا تو یہ عیوب دوبارہ ظاہر ہو گئے تو کہا جائیگا کہ یہ وہی عیب ہے جو بائع کے ہاں تھا لہذا اسکی وجہ سے مبیع کو رد کیا جاسکتا ہے۔

اللطيفة:۔رفعت امرأة زوجها الى القاضي لتبغي الفرقة وزعمت انه يبول في الفراش كل ليلة فقال الرجل للقاضي ،يا سيدي لاتعجل عليّ أقص عليك قصتي اني أرى في منامي كأني في جزيرة في البحر ،وفيها قصر عال ،وفوق القصر قبة عالية وفوق القبة جمل ،وأنا على ظهر الجمل وأن الجمل يطاطئ براسه ليشرب من البحر فاذا رأيت ذالك بلت من شدة الخوف ،فلما سمع القاضي ذالك بال في فراشه وثيابه وقال، يا هذه أنا قد أخذ ني البول من هول حديثه فكيف بمن يرى الأمر عيانا؟(المستطرف)

(٦٧)وَالْبَخرُ وَالدَّفَرُ عَيبٌ فِي الْجارِيةِ (٦٨)وَلَيسَ بِعَيبٍ فِي الْغُلامِ اِلّا اَنْ يكونَ مِنْ دَاءٍ (٦٩)وَالزِّنا وَوَلَدُ الزِّنا عَيبٌ فِيْ الجارِيَةِ دُوْنَ الْغُلامِ۔

ترجمه:۔اور گندہ دہنی اور بغل کی بدبو لونڈی کے حق میں ہے اور غلام کے حق میں عیب نہیں الا یہ کہ کسی بیماری کی وجہ سے ہو اور زنی اور ولد الزنی ہونا لونڈی کے حق میں عیب ہے غلام کے حق میں عیب نہیں۔

تشریح:۔(٦٧) بخر (یعنی گندہ دہنی) اور دفر (یعنی بغل کی بدبو) اگر لونڈی میں ہو تو یہ عیب ہے کیونکہ لونڈی سے کبھی مقصود صحبت وہمبستری ہوتا ہے اور یہ دو عیوب اس کے لئے مخل ہیں۔(٦٨) جبکہ غلام میں بخر اور دفر عیب نہیں کیونکہ غلام سے مقصود استخدام ہے اور یہ دو عیب استخدام کے لئے مخل نہیں۔

(٦٩) لونڈی کا زناکار یا ولد زنا ہونا عیب ہے کیونکہ یہ مقصود کے لئے مخل ہے (یعنی استفراش اور طلب ولد کے لئے) جبکہ غلام

میں یہ عیب نہیں کیونکہ یہ غلام میں مخل بالمقصود نہیں (یعنی استخدام کے لئے مخل نہیں)۔البتہ اگر غلام زنا کاری کا عادی ہے تو عیب ہے کیونکہ غلام کا عورتوں کے پیچھے لگنا مقصود (یعنی استخدام) کے لئے مخل ہے۔

(۷۰)وَاِذَا حَدَثَ عِنْدَ الْمُشْتَرِیْ عَیبٌ ثُمَّ اطَّلَعَ عَلٰی عَیبٍ کَانَ عِنْدَ الْبَائِعِ فَلَهُ اَنْ یَّرْجِعَ بِنُقْصَانِ الْعَیبِ وَلَا یَرُدُّ الْمَبِیعَ (۷۱) اِلَّا اَنْ یَرْضَی الْبَائِعُ اَنْ یَاْخُذَهُ بِعَیبِهِ۔

توجمه:۔اور جب مشتری کے پاس کوئی عیب پیدا ہو جائے پھر پتہ چلے کہ بائع کے ہاں بھی اس میں ایک عیب تھا تو مشتری کو اختیار ہے کہ نقصانِ عیب بائع سے واپس لے لے اور مبیع رد نہ کرے الا یہ کہ بائع راضی ہو کہ مبیع کو عیب کے ساتھ لے لے۔

تشریح:۔(۷۰)یعنی اگر مبیع میں مشتری کے ہاں عیب پیدا ہوا پھر پتہ چلا کہ مبیع میں تو اس سے پہلے بائع کے ہاں بھی ایک عیب تھا تو بائع کے ہاں پیدا شدہ عیب کی وجہ سے مبیع کی قیمت میں جتنی کمی آئی ہے مشتری اس کمی کا بائع سے رجوع کرسکتا ہے مگر مشتری مبیع کو واپس نہیں کرسکتا کیونکہ اسمیں بائع کا ضرر ہے اسلئے کہ بائع نے تو (مشتری کے ہاں پیدا شدہ عیب سے) سالم دیا تھا جبکہ اب معیوب ہو کر لوٹ رہی ہے۔(۷۱)البتہ اگر بائع معیوب مبیع کے لینے پر راضی ہو جائے تو مشتری واپس کرسکتا کیونکہ بائع نے اپنا حق خود ساقط کر دیا ہے۔

(۷۲)وَاِنْ قَطَعَ الْمُشْتَرِیْ الثَّوبَ وَخَاطَهُ اَوْ صَبَغَهُ اَوْ لَتَّ السَّوِیقَ بِسَمنٍ ثُمَّ اِطَّلَعَ عَلٰی عَیبٍ رَجَعَ بِنُقْصَانِهِ(۷۳) وَلَیسَ لِلْبَائِعِ اَنْ یَاْخُذَهُ بِعَینِهِ۔

توجمه:۔اور اگر مشتری نے کپڑا کاٹ دیا اور سی لیا یا رنگ لیا یا مبیع ستو تھا اور مشتری نے اس میں گھی ملا لیا اور اس کے بعد اس میں اسے عیب معلوم ہوا تو مشتری اس عیب کا نقصان بائع سے لے لے اور بائع کو یہ اختیار نہیں کہ اس مبیع کو بعینہ لے لے۔

تشریح:۔(۷۲)یعنی اگر مشتری نے کپڑا کاٹ کر سی لیا یا رنگ لیا اور یا مبیع ستو ہے مشتری نے اس میں گھی ملا لیا پھر مشتری کو ایسے عیب کا پتہ چلا جو بائع کے ہاں پیدا شدہ تھا تو بقدر نقصان ثمن واپس لے سکتا ہے۔(۷۳)مگر مبیع واپس نہیں کرسکتا اگر چہ بائع راضی ہو کیونکہ مشتری کی طرف سے مبیع میں جو زیادتی آئی وہ مبیع کے ساتھ متصل ہے اسکے بغیر تو رد نہیں کی جاسکتی ہے اور نہ ہی اس زیادتی کے ساتھ رد کی جاسکتی ہے کیونکہ اس صورت میں ربوا لازم آتا ہے کیونکہ مشتری کی طرف سے آئی ہوئی زیادتی بائع کے ہاں بلاعوض جاتی ہے۔

(۷۴)وَمَنْ اشْتَرٰی عَبْداً فَاَعْتَقَهُ اَوْ مَاتَ عِنْدَهُ ثُمَّ اطَّلَعَ عَلٰی عَیبٍ رَجَعَ بِنُقْصَانِهِ (۷۵)فَاِنْ قَتَلَ الْمُشْتَرِیْ الْعَبْدَ اَوْ کَانَ طَعَاماً فَاَکَلَهُ ثُمَّ اطَّلَعَ عَلٰی عَیبِهِ لَمْ یَرْجِعْ عَلَیهِ بِشَیْءٍ فِی قَوْلِ اَبِی حَنِیفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ یَرْجِعُ بِنُقْصَانِ الْعَیبِ۔

توجمه:۔اور جس نے غلام خریدا پھر اس کو آزاد کر دیا یا اس کے پاس مر گیا پھر کسی عیب پر مطلع ہوا تو اسکے نقصان کے لئے رجوع کرے گا پس اگر مشتری نے غلام کو قتل کر دیا یا مبیع کھانا تھا پس اس نے کھا لیا پھر اس کے عیب پر مطلع ہوا تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک کچھ بھی واپس نہیں لے سکتا ہے اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ عیب کے نقصان کے لئے رجوع کریگا۔

تشریح:۔(۷۴) یعنی جس نے غلام خرید لیا اور مفت آزاد کر دیا یا غلام مشتری کے ہاں مر گیا پھر مشتری اس غلام کے ایسے عیب پر مطلع ہوا جو عیب بائع کے ہاں پیدا شدہ تھا تو غلام کی قیمت میں اس عیب کی وجہ سے جو کمی آئی تھی بقدر نقصان بائع سے رجوع کرلے۔

(۷۵) اور اگر مشتری نے مذکورہ غلام کو قتل کر دیا یا مبیع کھانے کی چیز تھی مشتری نے کھالیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ان دو صورتوں میں مشتری بقدر نقصان بائع سے رجوع نہیں کرسکتا۔صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک بقدر نقصان مشتری رجوع کرسکتا ہے وعليه الفتوىٰ۔صاحب جوھرہ لکھتے ہیں کہ اختلاف صرف کھانے کی صورت میں ہے قتل کی صورت میں بالاتفاق رجوع نہیں کرسکتا (اسی پر فتویٰ ہے) الافي رواية عن ابي يوسف رحمه الله۔

(۷٦) وَمَنْ بَاعَ عَبْداً فَبَاعَه الْمُشْتَرِىْ ثُمَّ رُدَّ عَلَيْه بِعَيْبٍ فَإنْ قَبِلَهُ بِقَضَاءِ الْقَاضِىْ فَلَه اَنْ يَرُدَّه عَلٰى بَائِعِهِ الْاَوَّلِ

(۷۷) وَاِن قَبِلَه بِغَيْرِ قَضَاءِ الْقَاضِي فَلَيْسَ لَه اَنْ يَرُدَّهٗ عَلٰى بَائِعِه الْاَوَّلِ۔

ترجمہ:۔اگر کسی نے کوئی غلام فروخت کردیا اور خریدنے والے نے دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیا پھر وہ کسی عیب کی وجہ سے اس پر رد ہوا تو اگر اس نے اس غلام کو قاضی کے حکم سے قبول کیا تھا تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اس کو اپنے بائع اول کی طرف رد کردے اور اگر اس نے قاضی کے حکم کے بغیر قبول کیا تھا تو اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ اس کو بائع اول کی طرف رد کردے۔

تشریح:۔(۷٦) یعنی بائع (زید) نے غلام بیچ دیا مشتری (بکر) نے دوسرے مشتری (عمرو) پر فروخت کیا اب مشتری ثانی غلام کے کسی قدیم عیب پر مطلع ہوا تو اگر دوسرے مشتری (عمرو) نے قاضی کے کچہری میں جا کر دعویٰ دائر کیا اور قاضی نے غلام کی واپسی کا حکم جاری کر دیا اور مشتری اول (بکر) نے قاضی کے حکم کو قبول کر کے معیوب غلام واپس لیا تو مشتری اوّل (بکر) اس معیوب غلام کو بائع اوّل (یعنی زید) پر رد کرسکتا ہے کیونکہ بحکم قضاء مبیع کا واپس ہونا سب کے حق میں فسخ بیع کا حکم رکھتا ہے تو گویا بیع ہوئی ہی نہیں۔

(۷۷) اگر مشتری اوّل (بکر) نے اپنی رضامندی سے واپس لیا بغیر قضاء قاضی کے تو مشتری اوّل (بکر) بائع اول پر مذکورہ غلام رد نہیں کرسکتا کیونکہ مشتری اوّل وثانی کے حق میں اگر چہ یہ فسخ بیع ہے مگر کسی تیسرے کے حق میں یہ فسخ بیع نہیں بلکہ بیع جدید ہے اور بائع اول ان کے لحاظ سے تیسرا ہے لہذا بائع اول پر رد نہیں کیا جاسکتا۔

(۷۸) وَمَنْ اشْتَرٰى عَبْداً وَشَرَطَ الْبَائِعُ الْبَرَاءَةَ مِن كُلِّ عَيْبٍ فَلَيسَ لَه اَنْ يَرُدَّهٗ بِعَيْبٍ وَاِنْ لَمْ يُسَمِّ جُمْلَةَ الْعُيُوْبِ وَلَمْ يَعُدَّهَا۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی نے کوئی غلام خریدا اور بائع نے ہر قسم کے عیوب سے برأت کی شرط لگادی تو اب کسی عیب کی وجہ سے مشتری کو اس کے رد کرنے کا اختیار نہیں اگر چہ تمام عیبوں کا نام نہ لیا ہو اور نہ اسے شمار کر کے کہا ہو۔

تشریح:۔(۷۸) یعنی اگر کسی نے غلام خریدا اور بائع نے شرط لگائی کہ غلام کے ہر طرح کے عیوب سے میں بری ہوں تو مشتری کسی بھی قسم کے عیب کی وجہ سے مذکورہ غلام واپس نہیں کرسکتا اگر چہ تمام عیوب کے نام نہ لئے ہوں اور نہ تمام عیوب شمار کرائے ہوں اسلئے کہ حقوق

مجہولہ سے برأت صحیح ہے کیونکہ یہ مفضی للنزاع نہیں۔

بَابُ الْبَيْعِ الْفَاسِدِ

یہ باب بیع فاسد کے بیان میں ہے۔

بیع کی پانچ قسمیں ہیں، باطل، فاسد، صحیح نافذ لازم، صحیح نافذ غیر لازم، صحیح موقوف۔

باطل وہ بیع ہے جو نہ باصلہ مشروع ہو اور نہ بوصفہ (باصلہ عدم مشروعیت سے مراد یہ ہے کہ مال متقوم نہ ہو) جیسے مردار کا بیچنا۔ بیع باطل کا حکم یہ ہے کہ یہ ملک کا فائدہ نہیں دیتی خواہ مشتری مبیع پر قبضہ کرے یا نہ کرے۔ بیع فاسد وہ بیع ہے جو مشروع باصلہ ہو (یعنی مبیع مال متقوم ہو) مگر مشروع بوصفہ نہ ہو (بوصفہ عدم مشروعیت سے مراد یہ ہے کہ فتح عقد کے لوازم یعنی شرائط میں ہو مثلاً ایسی کسی شرط کے ساتھ بیع کرنا جس کا عقد مقتضی نہ ہو)۔ بیع فاسد کا حکم یہ ہے کہ قبضہ کے بعد ملک کا فائدہ دیتی ہے بغیر قبضہ کے ملک کا فائدہ نہیں دیتی۔

بعض حضرات نے بیع فاسد اور باطل میں یوں فرق بیان کیا ہے کہ عوضین میں سے اگر ایک بھی ایسا نہ ہو جسے کسی آسمانی دین نے مال قرار دیا ہو تو ایسی بیع باطل ہے خواہ وہ چیز مبیع ہو یا ثمن ہو مثلاً مردار کی خرید و فروخت، اسی طرح آزاد آدمی کی خرید و فروخت۔ اور اگر عوضین میں سے کوئی ایک ایسی چیز ہے جسے ایک دین نے تو مال قرار دیا ہے اور دوسرے نے نہیں تو پھر یہ دیکھنا چاہئے کہ اگر اس چیز کو ثمن قرار دینا ممکن ہے تو اس صورت میں بیع فاسد ہے جیسے غلام کو شراب کے عوض بیچنا یا شراب کو غلام کے بدلے بیچنا۔ اور اگر اس چیز کو ثمن نہیں ٹھہرا سکتے بلکہ اس کا مبیع ہونا ضروری ہو تو اس صورت میں بھی بیع باطل ہے جیسے کوئی مسلمان شراب کو روپیہ کے عوض بیچ دے۔

بیع صحیح نافذ لازم وہ بیع ہے جو باصلہ و وصفہ ہر لحاظ سے مشروع ہو نہ اسکے ساتھ حق غیر متعلق ہو اور نہ اسمیں کسی قسم کا خیار ہو اس قسم کا حکم یہ ہے کہ یہ فی الحال ملک کا فائدہ دیتی ہے۔ بیع صحیح نافذ غیر لازم وہ بیع ہے جو مشروع تو قسم ثالث کی طرح ہی ہو کسی غیر کا حق بھی اسکے ساتھ متعلق نہ ہو لیکن اسمیں خیار شرط، خیار رؤیت یا خیار عیب ہو۔ اس قسم کا حکم یہ ہے کہ ملک موقوف علی اسقاط الخیار کا فائدہ دیتی ہے۔ اور بیع صحیح موقوف وہ بیع ہے جو مشروع تو قسم ثالث کی طرح ہی ہو اسمیں کسی قسم کا خیار بھی نہ ہو لیکن اسکے ساتھ حق غیر متعلق ہو (مثلاً ملک غیر فروخت کی ہو) اس قسم کا حکم یہ ہے کہ یہ ملک موقوف علی الاجازۃ کا فائدہ دیتی ہے۔

باب بیع الفاسد کی ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ بیع کی دو قسمیں ہیں صحیح و فاسد۔ تو ماتنؒ نے بیع صحیح کو بیان کیا اب بیع فاسد کو بیان کرنا چاہتے ہیں چونکہ بیع فاسد عقد مخالف للدین ہے اسلئے مؤخر کر دیا۔

پھر اس باب کو بیع فاسد کے ساتھ ملقب کیا ہے حالانکہ اسمیں بیع باطل کی صورتیں بھی بیان کی ہیں تو وجہ یہ ہے کہ فاسد اعم مطلق اور باطل اخص مطلق ہے کیونکہ ہر بیع باطل فاسد بھی ہے اسلئے سب کو فاسد کہا ہے۔

(۷۹) وَإِذَا كَانَ اَحَدُ الْعِوَضَيْنِ اَوْ كِلَاهُمَا مُحَرَّمًا فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ كَالْبَيْعِ بِالْمَيْتَةِ اَوْ بِالدَّمِ اَوْ بِالْخَمْرِ اَوْ بِالْخِنْزِيْرِ۔

ترجمہ:۔ اور جب عوضین میں سے ایک یا دونوں حرام ہوں تو یہ بیع فاسد ہے جیسے مردار، خون، شراب یا خنزیر کی بیع۔

تشریح:۔(۷۹)یعنی جب احد العوضین یا دونوں حرام ہوں تو یہ بیع فاسد ہے جیسے مردار یا خون یا شراب یا خنزیر کی بیع ۔صاحب کتاب نے مذکورہ بالا بیوع کو فاسد کہا ہے مگر ان میں تفصیل ہے یوں کہ مردار اور خون کی بیع باطل ہے کیونکہ رکنِ بیع معدوم ہے یعنی ''مبادلة المال بالمال'' کیونکہ یہ اشیاء کسی کے نزدیک بھی مال نہیں ہاں خمر وخنزیر کی بیع فاسد ہے کیونکہ حقیقت بیع یعنی ''مبادلة المال بالمال'' پائی جارہی ہے اسلئے کہ بعض کفار کے نزدیک یہ دو مال ہیں۔

(۸۰)وَكَذَالِكَ إِذَا كَانَ الْمَبِيْعُ غَيْرَ مَمْلُوكٍ كَالْحُرِّ۔

ترجمہ:۔اور اسی طرح (بیع فاسد ہے) جب مبیع غیر مملوک چیز ہو جیسے آزاد آدمی کو فروخت کرنا۔

تشریح:۔(۸۰)یعنی اگر احد العوضین کسی کا بھی مال نہ ہو تو بھی بیع باطل ہے جیسے آزاد کا فروخت کرنا کیونکہ رکن بیع معدوم ہے یعنی مبادلة المال بالمال اسلئے کہ آزاد مال نہیں۔

(۸۱)وَبَيْعُ أُمِّ الْوَلَدِ وَالْمُدَبَّرِ وَالْمُكَاتَبِ فَاسِدٌ۔

ترجمہ:۔اور ام ولد، مدبر اور مکاتب کی بیع فاسد ہے۔

تشریح:۔(۸۱)یعنی اُم الولد (وہ لونڈی جسکا اپنے مولیٰ سے مِلک مولیٰ ہی میں بچہ پیدا ہو جائے) اور مدبر (وہ غلام جسکا مالک اسکی آزادی کو اپنے موت کے ساتھ معلق کردے مثلاً مولیٰ اپنے غلام سے کہہ دے کہ تو میرے مرنے کے بعد آزاد ہے) اور مکاتب کی بیع فاسد (یعنی باطل) ہے کیونکہ ام ولد کیلئے حق تو پیغمبر ﷺ کے قول ''اَعْتَقَهَا وَلَدُهَا'' (یعنی اس کو اسکے ولد نے آزاد کر دیا) سے ثابت ہے۔اور مدبر کی صحت تدبیر اسکی حریت کا سبب ہے جو فی الحال ہی ثابت ہے۔اور مکاتب اپنے ذاتی تصرفات کا مستحق ہو جاتا ہے تو اگر بیع کے ذریعے مشتری کیلئے ان میں ملک ثابت ہو جائے تو ان کے یہ تمام حقوق باطل ہو جائیں گے۔

(۸۲)وَلَايَجُوزُ بَيْعُ السَّمَكِ فِي الْمَاءِ قَبْلَ اَنْ يَصْطَادَهُ(۸۳)وَلَابَيْعُ الطَّائِرِ فِي الْهَوَاءِ۔

ترجمہ:۔اور مچھلی کی بیع پانی میں جائز نہیں اس سے پہلے کہ اس کو شکار کرلے اور نہ پرندے کی بیع ہوا میں۔

تشریح:۔(۸۲)یعنی جو مچھلی پانی میں ہو اب تک شکار نہ کی ہو تو اسکی بیع جائز نہیں (یعنی باطل ہے)۔(۸۳)اسی طرح فضاء میں رہتے ہوئے پرندے کی بیع بھی باطل ہے کیونکہ یہ دونوں مملوک نہیں غیر مملوک کی بیع باطل ہے۔

(۸٤)وَلَايَجُوزُ بَيْعُ الْحَمْلِ فِي الْبَطْنِ وَلَاالنِّتَاجِ (۸۵)وَلَاالصُّوفِ عَلٰى ظَهْرِ الْغَنَمِ (۸٦)وَلَا بَيْعُ اللَّبَنِ فِي الضَّرْعِ۔

ترجمہ:۔اور حمل کی بیع پیٹ میں جائز نہیں اور نہ حمل کے حمل کی بیع جائز ہے اور نہ اون کی بیع بکری کی پشت پر جائز ہے اور نہ تھنوں میں دودھ کی بیع جائز ہے۔

تشریح:۔(۸٤)یعنی کسی حیوان یا لونڈی کے حمل کی بیع جائز نہیں اسیطرح نتاج یعنی حمل کے حمل کی بیع بھی جائز نہیں کیونکہ اسمیں

دھوکہ ہوسکتا ہے اسلئے کہ ممکن ہے کہ یہ حیوان بچہ نہ جنے یا جننے سے پہلے مرجائے۔(۸۵)اسی طرح بکری کی پشت پراون کی بیع بھی جائز نہیں کیونکہ بکری سے اون مقصود نہیں تو اون گویا کہ وصف ہے اور وصف کی مستقل بیع نہیں ہوتی ہے۔(۸۶)اسی طرح بکری کے تھنوں میں دودھ کی بیع بھی جائز نہیں کیونکہ دودھ نکالنے کی کیفیت میں نزاع ہوسکتا ہے اور جو بیع مفضی للنزاع ہو وہ درست نہیں۔

(۸۷)وَلایَجُوزِ بَیعُ ذِرَاعٍ مِن ثَوبٍ (۸۸)وَلابَیعُ جِذعٍ مِنْ سَقفٍ۔

ترجمہ:۔اور نہیں جائز کپڑے میں سے ایک گز کی بیع اور نہ چھت میں سے شہتیر کی بیع جائز ہے۔

تشریح:۔(۸۷)یعنی کپڑے (ایسا کپڑا جس کے کاٹنے میں بائع کا ضرر ہو) میں سے ایک ذراع کی بیع جائز نہیں۔(۸۸)اور کھڑی چھت سے ایک معین شہتیر کی بیع جائز نہیں کیونکہ ان دو کی تسلیم کرنا بائع کے ضرر کے بغیر ممکن نہیں۔ہاں اگر بائع نے کپڑے سے ایک ذراع کاٹ دیا۔یا چھت سے شہتیر اتار دیا تو اب بیع درست ہے کیونکہ اب مفسد زائل ہوا۔

(۸۹)وَ(لایجوز)ضَربَۃُ القَانِصِ (۹۰)وَلابَیعُ المُزَابَنَۃِ وَھو بَیعِ الثَمرِ عَلی النَّخلِ بِخَرْصِہِ تَمْراً۔

ترجمہ:۔اور ضربۃ القانص جائز نہیں اور نہ بیع مزابنہ جائز ہے اور بیع مزابنہ یہ کہ ٹوٹے ہوئے پھل سے اندازہ کرکے درخت پر لگے ہوئے پھل کو فروخت کرنا۔

تشریح:۔(۸۹)ضربۃ القانص یہ ہے کہ بائع کہے کہ یہ جال میں پھینکتا ہوں اسمیں جو شکار آئے وہ مثلاً دس درہم میں آپ پر فروخت کرتا ہوں تو چونکہ یہ معلوم نہیں کہ شکار آئیگا بھی یا نہیں لہذا مبیع مجہول ہونے کی وجہ سے یہ بیع جائز نہیں۔(۹۰)اسی طرح بیع مزابنہ بھی جائز نہیں وہ یہ ہے کہ درخت پر پکی کھجوروں کو اندازے کے ساتھ درخت سے کٹی ہوئی کھجوروں کے عوض فروخت کردے۔وجہ عدم جواز یہ ہے کہ مکیلی کو مکیلی کے عوض اندازے سے فروخت کرنے میں شبہ ربوا ہے اور باب ربوا میں شبہ ربوا ملحق بحقیقۃ الربوا ہے اسلئے جائز نہیں

(۹۱)وَلایَجُوزُالبَیعُ بِالقَاءِ الحَجَرِوَالمُلامَسَۃِ وَالمُنَابَذَۃِ۔

ترجمہ:۔اور نہ بیع بالقاء الحجر جائز ہے اور نہ بیع ملامسہ اور بیع منابذہ جائز ہے

تشریح:۔(۹۱)متن میں مذکور یہ تین دور جہالت کی بیوع کی صورتیں ہیں۔گفتگوئے بیع کے دوران اگر مشتری کو مبیع پسند آتی تو وہ مبیع پر پتھر ڈالتے۔یا ہاتھ سے چھولیتے بس پتھر ڈالتے یا چھولیتے ہی بیع تام ہوتی خواہ مالک راضی ہو یا نہ ہو۔یا گفتگوئے بیع کے دوران مالک مبیع مشتری کی طرف پھینک دیتا پھینکتے ہی بیع تام ہوتی مشتری راضی ہو یا نہ ہو اب مبیع رد نہیں کرسکتا۔پہلی قسم کو بیع بالقاء الحجر اور دوسری قسم کو بیع ملامسہ اور تیسری قسم کو بیع منابذہ کہتے حضور ﷺ نے ان سے منع فرمایا ہے اسلئے یہ بیوع درست نہیں۔

(۹۲)وَلایَجوزُ بَیعُ ثَوبٍ مِن ثَوبَینِ (۹۳)وَمَن بَاعَ عَبداً علی اَنْ یَعتِقَہ المُشتَرِیْ اَوْ یُدَبِّرَہ اَوْ یُکَاتِبَہ اَوْ بَاعَ اَمَۃً عَلی اَنْ یَستَولِدَھا فَالبَیعُ فَاسِدٌ۔

ترجمہ:۔اور دو کپڑوں میں سے ایک کا فروخت کرنا جائز نہیں اور جس نے غلام اس شرط پر فروخت کیا کہ مشتری اس کو آزاد کردے گا یا

مدبر بنائیگا یا مکاتب بنائیگا اور یا لونڈی اس شرط پر فروخت کردی کہ مشتری اسے اُم ولدہ بنائیگا تو یہ بیوع فاسد ہیں۔

تشریح:۔(۹۲) یعنی دو کپڑوں میں سے لاعلی التعیین کوئی ایک کپڑا خریدنا جائز نہیں کیونکہ مبیع مجہول ہے ہاں اگر دوران بیع یوں کہا کہ ان میں سے مجھے اختیار ہے جو بھی چاہوں لے لونگا تو استحساناً جائز ہے۔

(۹۳) جس نے غلام اس شرط پر فروخت کیا کہ مشتری اس کو آزاد کردے گا یا مدبر بنائیگا یا مکاتب بنائیگا اور یا لونڈی فروخت کی اس شرط پر کہ مشتری اسے اُم ولدہ بنائیگا تو یہ بیوع فاسد ہیں کیونکہ ان میں ایسی شرائط لگائی ہیں جن کا بیع مقتضی نہیں اور بائع کا اس میں فائدہ ہے۔

(۹۴) وَكَذَالِكَ لَوْ بَاعَ عَبداً عَلى اَنْ يَسْتَخْدِمَه الْبَائِعُ شَهراً (۹۵) او دَاراً على اَنْ يَسْكُنَهَا الْبَائِعُ مُدَّةً مَعْلُوْمَةً (۹۶) اَوْعلى اَنْ يُقْرِضَه الْمُشْتَرِىْ دِرْهماً (۹۷) او على اَنْ يُهْدِىَ لَه (۹۸) ومَنْ بَاعَ عَيناً على اَنْ لا يُسَلِّمُهَا اِلى رَاْسِ الشَّهرِ فَالْبَيعُ فَاسِدٌ۔

ترجمہ:۔اور اسی طرح (بیع فاسد ہے) اگر کسی نے غلام کو اس شرط پر فروخت کردیا کہ بائع ایک ماہ تک اس سے خدمت لے گا یا مکان اس شرط پر فروخت کیا کہ بائع اس میں معلوم مدت تک رہیگا یا اس شرط پر کہ مشتری بائع کو ایک درہم قرض دیگا یا اس شرط پر کہ مشتری اسے ھدیہ دیگا۔اور جس نے کوئی چیز اس شرط پر فروخت کردی کہ ایک ماہ تک حوالہ نہیں کریگا تو یہ بیع فاسد ہے۔

تشریح:۔(۹۴) یعنی اگر کسی نے غلام اس شرط پر فروخت کردیا کہ ایک ماہ تک بائع اس سے خدمت لیگا ایک مہینہ کے بعد مشتری کے حوالہ کردے گا (۹۵) یا گھر اس شرط پر فروخت کردی کہ ایک ماہ تک بائع اسمیں رہیگا (۹۶) یا اس شرط پر کہ مشتری بائع کو کچھ دراہم قرض دیگا (۹۷) یا اس شرط پر کہ مشتری بائع کو کوئی چیز ھدیہ دیگا (۹۸) یا کوئی چیز اس شرط پر فروخت کردی کہ یہ مشتری کو ایک ماہ تک سپرد نہیں کریگا تو بیع کی یہ تمام صورتیں فاسد ہیں کیونکہ پیغمبر ﷺ نے بیع میں ہر ایسی شرط سے منع فرمایا ہے جس میں بائع یا مشتری یا معقود علیہ کا فائدہ ہو اور بیع اسکا مقتضی نہ ہو۔

(۹۹) وَمَنْ بَاعَ جَارِيةً او دَابَّةً اِلَّاحَمْلَهَا فَسَدَ الْبَيعُ۔

ترجمہ:۔اور جس نے لونڈی یا چوپایہ فروخت کردیا اور اس کا حمل مستثنیٰ کردیا تو یہ بیع فاسد ہے۔

تشریح:۔(۹۹) یعنی جس نے لونڈی فروخت کردی یا چوپایہ فروخت کردیا اور اسکے حمل کو مستثنیٰ کردیا کہ اس کا حمل فروخت نہیں کرتا ہوں تو یہ بیع فاسد ہے کیونکہ جس چیز کا انفراداً عقد صحیح نہ ہو اسکا عقد سے استثناء بھی صحیح نہیں اور حمل اسی قبیل سے ہے۔

(۱۰۰) وَمَنِ اشْتَرىٰ ثَوْباً عَلى اَنْ يَقْطَعَه الْبَائِعُ وَيُخِيطَهُ قَمِيصاً اَوْ قَبَاءً۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی نے کوئی کپڑا اس شرط پر خریدا کہ بائع اسے کاٹ دیگا اور اس کا قمیص یا جبہ بنائیگا (تو یہ بیع فاسد ہے)۔

تشریح:۔(۱۰۰) یعنی جس نے اس شرط پر کپڑا خرید لیا کہ بائع اسکو کاٹ کر قمیص یا شیروانی سی کردیگا تو یہ بیع فاسد ہے کیونکہ اسمیں ایسی

شرط (یعنی کاٹ کر قمیص یا شیروانی بنانا) لگادی ہے جسکی عقد مقتضی نہیں جس میں احد المتعاقدین کا فائدہ ہے۔

(۱۰۱) اَوْ نَعْلاً عَلٰی اَنْ یَحْذُوَهَا اَوْ یُشَرِّکَهَا فَالْبَیْعُ فَاسِدٌ۔

ترجمہ:۔ یا جوتا خریدا اس شرط پر کہ بائع اس کو برابر کردیگا یا تسمہ لگا کردیگا تو یہ بیع فاسد ہے۔

تشریح:۔ (۱۰۱) یعنی جس نے جوتا اس شرط پر خریدا کہ بائع برابر کرکے یا تسمہ لگا کردیگا تو یہ بیع فاسد ہے کیونکہ اسمیں ایسی شرط ہے جس کی عقد مقتضی نہیں۔ مگر صاحب ھدایہ وکنز وغیرہ نے استحساناً تعامل الناس کی وجہ سے اس بیع کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

(۱۰۲) وَالْبَیْعُ اِلَی النَّیْرُوْزِ وَالْمِهْرَجَانِ وَصَوْمِ النَّصَارٰی وَفِطْرِ الْیَهُوْدِ اذا لَمْ یَعْرِفِ الْمُتَبَایِعَانِ ذَالِکَ۔

ترجمہ:۔ اور بیع نوروز، مہرجان، صوم نصاریٰ اور یہود کے عید کے دن تک جبکہ متعاقدین ان کو نہ جانتے ہوں (فاسد ہے)۔

تشریح:۔ (۱۰۲) یعنی کوئی چیز فروخت کردی اور ثمن دینے کی میعاد نوروز (شمسی سال کا پہلا دن) یا مہرجان (فارسیوں کی عید کا دن) یا صوم نصاریٰ یا یہود کی عید کا دن مقرر کیا تو اگر متعاقدین مذکورہ میعادوں کو نہ جانتے ہوں تو یہ بیوع فاسد ہیں کیونکہ جہالت اَجل کی وجہ سے مفضی للنزاع ہیں۔

(۱۰۳) وَلَا یَجُوْزُ الْبَیْعُ اِلَی الْحَصَادِ وَالدِّیَاسِ وَالْقِطَافِ وَقُدُوْمِ الْحَاجِّ (۱۰۴) فَاِنْ تَرَاضَیَا بِاِسْقَاطِ الْاَجَلِ قَبْلَ اَنْ یَاْخُذَ النَّاسُ فِی الْحَصَادِ وَالدِّیَاسِ وقَبْلَ قُدُوْمِ الْحَاجِّ جَازَ الْبَیْعُ۔

ترجمہ:۔ اور بیع جائز نہیں گندم کٹنے اور گاہنے اور انگور اترنے اور حاجیوں کے آنے تک اور اگر لوگوں کے گندم کاٹنے اور گاہنے اور حاجیوں کے آنے سے پہلے بائع اور مشتری دونوں اس مدت کے ساقط کرنے پر راضی ہوگئے تو یہ بیع جائز ہوجائیگی۔

تشریح:۔ (۱۰۳) یعنی ایسی بیع جائز نہیں جس میں ثمن دینے کی میعاد کھیتی کاٹنے یا گاہنے یا انگور اتارنے یا حاجیوں کے آنے کا وقت مقرر کرلے کیونکہ مذکورہ میعادیں آگے پیچھے ہوتی ہیں تو جہالت اَجل کی وجہ سے یہ بیع جائز نہیں۔ (۱۰۴) البتہ اگر متعاقدین مذکورہ بیع کے بعد حاجیوں کے آنے اور لوگوں کے کھیتی کاٹنے یا گاہنے میں شروع ہونے سے پہلے مذکورہ میعادوں کے سقوط پر راضی ہوجائیں تو بیع جائز اور صحیح ہوجائیگی کیونکہ وجہ فساد جہالت اَجل تھی جو کہ مفضی للنزاع تھی اب جبکہ وجہ فساد نہ رہی تو بیع درست ہوئی۔ اور یہ جہالت شرط زائد میں ہے صلب عقد میں نہیں اس لئے اس کا اسقاط ممکن ہے۔

(۱۰۵) وَاِذَا قَبَضَ الْمُشْتَرِیْ الْمَبِیْعَ فِی الْبَیْعِ الْفَاسِدِ بِاَمْرِ الْبَائِعِ وفِی الْعَقْدِ عِوَضَانِ کُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَالٌ مَلَکَ الْمَبِیْعَ وَلَزِمَتْهُ قِیْمَتُهُ (۱۰۶) وَلِکُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الْمُتَعَاقِدَیْنِ فَسْخُهُ (۱۰۷) فَاِنْ بَاعَهُ الْمُشْتَرِیْ نَفَذَ بَیْعُهُ۔

ترجمہ:۔ اور جب بیع فاسد میں مشتری نے بائع کی اجازت سے مبیع پر قبضہ کرلیا اور عوضین میں سے ہر ایک مال ہو تو مشتری مبیع کا مالک ہوجائیگا اور اس پر مبیع کی قیمت لازم ہوگی اور متعاقدین میں سے ہر ایک کو اس کے فسخ کرنے کا اختیار ہوگا اور اگر مشتری نے آگے فروخت کردیا تو اس کی بیع نافذ ہوجائیگی۔

تشریح:۔ (۱۰۵) یعنی جب بیع فاسد میں مشتری بائع کے حکم سے مبیع پر قبضہ کرلے اور عقد میں دونوں عوض یعنی ثمن اور مبیع مال ہوں تو مشتری مبیع کا مالک ہو جاتا ہے اب مشتری کے ذمہ مبیع کی قیمت دینالازم ہے۔ (۱۰۶) اور متعاقدین میں سے ہر ایک پر بیع فاسد کا فسخ کرنالازم ہے کیونکہ بیع فاسد ہونے کی وجہ سے اس میں گناہ ہے۔ (۱۰۷) اور اگر مشتری نے بیع فاسد کی صورت میں بیع فسخ کرنے کے بجائے مبیع آگے فروخت کردی تو یہ بیع نافذ ہو جائیگی اب چونکہ مشتری ثانی کا حق مبیع کے ساتھ متعلق ہو گیا اسلئے اب بائع اول و مشتری اول بیع فسخ نہیں کرسکتے ہیں۔

(۱۰۸) وَمَنْ جَمَعَ بَيْنَ حُرٍّ وَعَبْدٍ اَوْشَاةٍ ذَكِيَّةٍ وَمَيِّتَةٍ بطَلَ الْبَيْعُ فِيهِما۔

ترجمہ:۔ اور جس نے حر اور غلام کو جمع کیا یا مذبوحہ اور مردار بکری کو تو بیع دونوں میں باطل ہو جائیگی۔

تشریح:۔ (۱۰۹) یعنی جس نے حر اور غلام جمع کر کے فروخت کر دیئے یا مذبوحہ و مردار بکری کو جمع کر کے بیچ دی تو اسکی دو صورتیں ہیں۔ / **نمبر ۱**۔ دونوں کا ایک ہی ثمن بیان کیا ہو۔ / **نمبر ۲**۔ ہر ایک کا الگ ثمن بیان کیا ہو۔ پہلی صورت میں بالاتفاق بیع باطل ہے اور دوسری صورت میں اما ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بیع باطل ہے جبکہ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک غلام و مذبوحہ بکری میں بیع جائز ہے اور حر و مردار بکری میں باطل ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول مفتی بہ ہے۔

(۱۱۰) وَاِنْ جَمَعَ بَيْنَ عَبدٍ وَمُدبرٍ اَوْ بَيْنَ عَبْدِه وَعَبدِ غَيرِه صَحّ الْبَيْعُ فِى الْعَبْدِ بِحِصَّتِه مِنَ الثَّمنِ۔

ترجمہ:۔ اور اگر غلام اور مدبر کو جمع کیا یا اپنے غلام اور دوسرے کے غلام کو جمع کیا تو غلام میں بیع اس کے حصہ ثمن کے عوض صحیح ہے۔

تشریح:۔ (۱۱۰) یعنی اگر بیع میں غلام اور مدبر یا اپنا غلام اور غیر کا غلام جمع کیا تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صرف غلام اور اپنے غلام میں بقدر حصہ ثمن بیع درست ہے جبکہ مدبر اور غلام غیر میں درست نہیں کیونکہ مدبر اور عبد غیر مملوک ہیں لہذا عقد ان پر منعقد ہو جاتا ہے مگر چونکہ ان کا تسلیم کرنا متعذر ہے اس لئے صرف غلام میں بقدر حصہ ثمن عقد برقرار رہیگا۔

(۱۱۱) وَنَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ عَنِ النَّجَشِ (۱۱۲) وعن السَّوْمِ على سَوْمِ غَيْرِهِ (۱۱۳) وعن تَلَقِّى الْجَلَبِ (۱۱۴) وعن بَيعِ الْحَاضِرِ لِلْبَادِىْ (۱۱۵) وَالْبَيْعِ عِنْدَ اَذَانِ الْجُمُعَةِ وكُلّ ذالكَ مَكْرُوهٌ ولايَفْسُدُبِه الْبَيْعُ۔

ترجمہ:۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بے ارادۂ خرید صرف بھاؤ بڑھانے، دوسرے کے بھاؤ پر بھاؤ لگانے، سوداگروں سے مل جانے، شہری کا دہاتی کے لئے فروخت کرنے اور بوقت اذان جمعہ خرید و فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے یہ سب مکروہ ہے مگر اس سے بیع فاسد نہیں ہوتی۔

تشریح:۔ (۱۱۱) یعنی پیغمبر ﷺ نے بیع "نجش" اور "سَوْمٌ على سَوْمِ غَيْرِه" اور "تَلَقِّى الْجَلَبِ" اور "بَيعِ الحَاضِرِ لِلبادِى" اور جمعہ کی اذان کے وقت خرید و فروخت سے منع فرمایا ہے۔ بیع نجش یہ ہے کہ کسی خریدار نے مبیع کی پوری قیمت لگا کر مانگا مگر کوئی دوسرا آکر بلا ارادۂ خریداری صرف مشتری کو ابھارنے کیلئے مبیع کی قیمت بڑھاتا ہے تو چونکہ اس طرح

کرنے میں مشتری کو دھوکہ دیا جا رہا ہے اسلئے یہ مکروہ ہے۔

(۱۱۲) سوم علی سوم غیرہ ٭ یہ ہے کہ متعاقدین مبیع کا بھاؤ لگا کر مقدار ثمن پر راضی ہو چکے ہوں صرف عقد بیع باقی ہو اس دوران ایک اور شخص آ کر بائع کے ساتھ اسی مبیع کا عقد شروع کر دے تو یہ بھی مکروہ ہے کیونکہ اس طرح کرنے میں وحشت اور دوسرے کو ضرر پہنچانا ہے۔

(۱۱۳) تلقی الجلب یہ ہے کہ کسی کو آنے والے قافلے کا پتہ چلے تو وہ آگے بڑھ کر دخول شہر سے پہلے قافلے والوں سے سارا غلہ خرید لے (شہر والوں کو اس غلہ کی حاجت بھی ہے) اور شہر میں اپنے مرضی کے نرخ فروخت کر دے تو یہ مکروہ ہے کیونکہ اسمیں شہر والوں کا ضرر ہے۔

(۱۱۴) بیع الحاضر للبادی یہ ہے کہ کوئی شہری باہر سے آنے والے سے کہدے کہ جلدی نہ کر غلہ میرے پاس چھوڑ دو میں مہنگے دام بیچ دونگا تو اسمیں بھی چونکہ شہر والوں کا ضرر ہے اسلئے مکرور ہے۔

(۱۱۵) جمعہ کی اذان کے وقت بیع مکروہ ہے لقولہ تعالیٰ ﴿إِذَا نُودِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ﴾ (یعنی جب جمعہ کے دن اذان ہو نماز کے لیے تو دوڑ و اللہ کی یاد کو اور چھوڑ دو خرید و فروخت)۔ یہ چاروں قسم کی بیوع مکروہ تحریمی ہیں اور مذکورہ وجوہ کی وجہ سے بیع فاسد نہیں ہوتی کیونکہ فساد صلب عقد میں نہیں بلکہ اَمر خارج زائد یعنی مجاور کی وجہ سے ہے۔

(۱۱۶) وَمَنْ مَلَكَ مَمْلُوكَيْنِ صَغِيرَيْنِ اَحَدُهُمَا ذُوْرَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنَ الْآخَرِ لَمْ يُفَرِّقْ بَيْنَهُمَا وَكَذَالِكَ إِذَا كَانَ اَحَدُهُمَا كَبِيراً وَالْآخَرُ صَغِيراً (۱۱۷) فَإِنْ فَرَّقَ بَيْنَهُمَا كُرِهَ ذَالِكَ وَجَازَ الْبَيْعُ (۱۱۸) وَإِنْ كَانَا كَبِيرَيْنِ فَلَا بَأْسَ بِالتَّفْرِيقِ بَيْنَهُمَا۔

توجمہ:۔ اور جو شخص دو چھوٹے غلاموں کا مالک ہو گیا ایک ان میں سے دوسرے کا ذو رحم محرم ہو تو ان میں جدائی نہ کرے اور اسی طرح جب ایک بڑا ہو اور دوسرا چھوٹا ہو پس اگر ان میں جدائی کر لی تو یہ مکروہ ہے اور بیع جائز ہو گی اور اگر دونوں بڑے ہوں تو ان میں جدائی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

تشریح:۔ (۱۱۶) یعنی جو شخص دو چھوٹے یا ایک چھوٹے اور ایک بڑے غلام کا مالک ہو گیا جبکہ یہ آپس میں ذورحم محرم (ایسے قریبی رشتہ دار جن کے درمیان نکاح ہمیشہ کیلئے حرام ہو کو ذورحم محرم کہتے ہیں) ہوں تو انکے درمیان تا وقت بلوغ تفریق (ایک بیچ کر) نہ کرے" لقوله عليه السلام مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ وَالِدَةٍ وَوَلَدِهَا فَرَّقَ اللّٰهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ اَحِبَّتِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" (یعنی جس نے ماں اور اسکے بچے کے درمیان جدائی کی تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے اور اسکے احبہ کے درمان تفریق کریگا)۔

(۱۱۷) لیکن اگر کسی نے ایسا کر لیا یعنی ان جیسے غلاموں میں سے ایک کو فروخت کر دیا تو بیع جائز ہے کیونکہ رکن بیع (ایجاب وقبول) اہل بیع (یعنی عاقل ممیز) سے محل بیع (یعنی مال) میں صادر ہو گئی لہذا یہ بیع جائز ہے۔ (۱۱۸) اور اگر غلام دونوں بڑے ہوں تو

پھر تفریق میں کوئی حرج نہیں کیونکہ پیغمبر ﷺ سے اسطرح کی تفریق ثابت ہے۔

باب الاقالة

یہ باب اقالہ کے بیان میں۔

''اقالہ''لغت میں''رفع الشئ''اوراصطلاح میں''رفع البیع''کو کہتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ اقالہ اجوف واوی ہے قول سے ہے پھر اقالہ میں ہمزہ سلب ماٰخذ کیلئے ہے بمعنی''اَزَالَ الْقَوْلَ الْاَوَّلَ اَیْ الْبَیْعَ''یعنی بیع کو زائل کردی مگر یہ قول درست نہیں بلکہ اقالہ اجوف یائی ہے کیونکہ لغت والوں نے اقالہ کو قاف مع الیاء کے مادے میں ذکر کیا ہے نہ کہ قاف مع الواو کے مادے میں۔

باب الاقالہ کی ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ ماقبل میں بیع فاسد ومکروہ کا ذکر تھا جن کا رفع متعاقدین پر واجب ہے اور اقالہ بھی رفع بیع ہے۔

(۱۱۹)وَالْإِقَالَةُ جَائِزَةٌ فِي الْبَيْعِ لِلْبَائِعِ وَالْمُشْتَرِيْ بِمِثْلِ الثَّمَنِ الْاَوَّلِ (۱۲۰)فَإِنْ شَرَطَ اَكْثَرَ مِنْهُ اَوْ اَقَلَّ مِنْهُ فَالشَّرْطُ بَاطِلٌ وَيُرَدُّ بِمِثْلِ الثَّمَنِ الْاَوَّلِ۔

ترجمہ:۔اور اقالہ بیع میں بائع اور مشتری کے لئے جائز ہے پہلی قیمت کے ساتھ اور اگر پہلی قیمت سے زیادہ کی شرط کرلی یا کمی کی شرط کرلی تو یہ شرط باطل ہے اور مبیع پہلی قیمت کے ساتھ واپس کردی جائیگی۔

تشریح:۔(۱۱۹)یعنی بیع میں اقالہ بائع ومشتری کیلئے مثل ثمن اول کے ساتھ جائز ہے کیونکہ عقد بیع متعاقدین کا حق ہے تو وہ اسکے رفع کرنے کے مالک ہیں۔پھر اقالہ کیلئے قاف لام کا مادہ ذکر کرنا ضروری نہیں بلکہ اگر ایک نے کہا تَرَكْتُ الْبَيْعَ دوسرے نے کہا رَضِيْتُ تو بھی اقالہ ہو جاتا ہے۔

(۱۲۰) لیکن اگر بائع نے ثمن اول سے کم یا مشتری نے ثمن اول سے زیادہ کی شرط لگائی (مثلاً دس روپیہ پر کتاب فروخت کیا تھا اب بائع نے شرط لگائی کہ بیع تو فسخ کردونگا مگر آٹھ روپیہ پر) تو یہ شرط باطل ہے اقالہ برقرار ہے ثمن اول ہی رد کرنا پڑیگا تاکہ اقالہ کا معنی ثابت ہو البتہ اگر مبیع میں مشتری کے ہاں عیب پیدا ہوا تھا تو بقدر عیب ثمن میں کمی جائز ہے۔

(۱۲۱)وَهِيَ فَسْخٌ فِي حَقِّ الْمُتَعَاقِدَيْنِ وَبَيْعٌ جَدِيْدٌ فِي حَقِّ غَيْرِهِمَا فِي قَوْلِ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ۔

ترجمہ:۔اور اقالہ متعاقدین کے حق میں فسخ ہے اور متعاقدین کے سوا کسی دوسرے کے حق میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق بیع جدید ہے۔

تشریح:۔(۱۲۱)یعنی اگر مشتری نے مبیع پر قبضہ کرلیا ہو اور اقالہ بلفظ اقالہ ہی کرلیا تو متعاقدین کے حق میں یہ فسخ عقد سابق ہے بلفظ اقالہ پر عمل کرتے ہوئے کیونکہ لفظ اقالہ فسخ اور رفع کی خبر دیتا ہے مگر کسی تیسرے کے حق میں معنی اقالہ پر عمل کرتے ہوئے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ فسخ عقد نہیں بلکہ بیع جدید ہے کیونکہ اقالہ''مُبَادَلَةُ الْمَالِ بِالْمَالِ بِالتَّرَاضِي''کے معنی میں ہے اور یہی بیع کی تعریف ہے۔

پھر کسی تیسرے کے حق میں بیع جدید ہونے کا مفاد اس صورت میں ظاہر ہوگا کہ مثلاً زید نے بکر پر زمین بیچ دی عمرو کو حق شفعہ حاصل تھا مگر عمرو نے شفعہ کا دعویٰ چھوڑ دیا اب اگر زید و بکر نے اقالہ کر دیا تو عمرو کے حق میں یہ اقالہ بیع جدید ہے لہذا عمرو کو اس مرتبہ بھی شفعہ کے دعویٰ کا حق حاصل ہے۔امام ابوحنیفہ کا قول صحیح ہے۔

(۱۲۲)وَهِلاكُ الثَّمنِ لايَمْنَعُ صِحَّةَ الْإقَالَةِ (۱۲۳)وهِلاكُ الْمَبِيعِ يَمْنَعُ صِحَّتَهَا(۱۲٤)وَإنْ هَلَكَ بَعْضُ الْمَبِيعِ جَازَتِ الْإقَالَةُ فِي بَاقِيهِ۔

ترجمہ:۔اور ثمن کا ہلاک ہونا صحتِ اقالہ کے مانع نہیں اور مبیع کا ہلاک ہونا صحتِ اقالہ کے لئے مانع ہے اور اگر بعض مبیع ہلاک ہوگئی تو باقی میں اقالہ جائز ہے۔

تشریح:۔(۱۲۲)یعنی مشتری کا دیا ہوا ثمن اگر بائع سے ھلاک ہو جائے تو یہ صحت اقالہ کیلئے مانع نہیں بلکہ دوسرے ثمن دے کر اقالہ کر سکتے ہیں۔(۱۲۳)لیکن اگر مشتری سے مبیع ھلاک ہوگئی تو ھلاکتِ مبیع صحت اقالہ کیلئے مانع ہے کوئی دوسری مبیع بائع کو دے کر اقالہ کرنا درست نہیں کیونکہ بیع کا رفع کرنا قیام بیع کا مقتضی ہے اور بیع مبیع کے ساتھ قائم ہے ثمن کے ساتھ نہیں جب مبیع نہ رہی تو بیع بھی نہیں رہے گی (۱۲٤)اور اگر بعض مبیع ھلاک ہوگئی تو باقی ماندہ میں اقالہ درست ہے کیونکہ باقی میں بیع قائم ہے۔

بَابُ الْمُرَابَحَةِ وَالتَّوْلِيَةِ

یہ باب بیع مرابحہ اور تولیہ کے بیان میں ہے۔

(۱۲۵)اَلْمُرَابَحَةُ نَقْلُ مَامَلَكَهُ بِالعَقْدِالْاَوَّلِ مَعَ زِيَادَةِ رِبْحٍ (۱۲٦)وَالتَّوْلِيَةُ نَقْلُ مَامَلَكَهُ بِالعَقْدِ الْاَوَّلِ بِالثَّمنِ الْاَوَّلِ مِنْ غَيرِ زِيادَةِ رِبْحٍ۔

ترجمہ:۔بیع مرابحہ یہ ہے کہ پہلے عقد کی وجہ سے جس شئی کا مالک ہوا ہے اس کو ثمن اوّل کے عوض کچھ مزید نفع کے ساتھ منتقل کرے اور تولیہ یہ ہے کہ پہلے عقد کی وجہ سے جس شئی کا مالک ہوا ہے اس کو ثمن اوّل کے عوض بغیر مزید نفع کے منتقل کرے۔

تشریح:۔بیع بنسبتِ ثمن چار قسم پر ہے،مساومہ،وضیعہ،مرابحہ،تولیہ،

مساومہ وہ بیع ہے جس میں ثمن اول کی طرف کوئی التفات نہیں ہوتی جس مقدار پر بھی متعاقدین کا اتفاق ہو جائے وہی ٹھیک ہے۔وضیعہ وہ ہے کہ جس مقدار پر شئی کی خرید ہے اس سے کم پر فروخت کر دے۔یہ دو قسم چونکہ ظاہر ہیں اسلئے انکو بیان نہیں کیا۔(۱۲۵)بیع مرابحہ وہ ہے کہ جس ثمن کے ساتھ مبیع خرید لی ہے اس سے زیادہ پر آگے فروخت کر دے(مثلاً آٹھ روپیہ میں کتاب خریدی تھی دس میں فروخت کر دی)۔(۱۲٦)بیع تولیہ وہ ہے کہ جس ثمن پر مبیع خرید لی ہے اسی ثمن پر آگے فروخت کر دے بغیر کمی بیشی کے(مثلاً دس روپیہ میں خریدی تھی دس روپیہ ہی میں فروخت کر دی)۔

ماقبل کے ساتھ وجہ مناسبت یہ ہے کہ اس سے پہلے ان بیوع کا ذکر تھا جن میں جانب مبیع ملحوظ ہوتی ہے اور اب ان بیوع کو بیان

رہا جس میں جانب ثمن ملحوظ ہوتی ہے۔

(۱۲۷)وَلَا تَصِحُّ الْمُرَابَحَةُ وَالتَّوْلِيَةُ حَتّٰى يَكُوْنَ الْعِوَضُ مِمَّا لَهٗ مِثْلٌ۔

ترجمہ: اور مرابحہ اور تولیہ صحیح نہیں یہاں تک کہ اس کا عوض ان چیزوں میں سے ہو جس کے لیے مثل ہے۔

تشریح: (۱۲۷) یعنی بیع مرابحہ وتولیہ کی صحت کیلئے یہ شرط ہے کہ عقد اول میں ثمن مثلی ہو جیسے دراہم ودنانیر، مکیل اور موزونی چیزیں اور عددی متقارب چیزیں ورنہ اگر عقد اول میں ثمن مثلی نہ ہو تو دوسرا مشتری ثمن اول سے کم یا زائد کے تسلیم پر قادر نہ ہوگا (مثلاً عقد اول میں کپڑا بعوض غلام مساومۃً خرید لیا)۔

(۱۲۸)وَيَجُوْزُ اَنْ يُضِيْفَ اِلٰى رَأْسِ الْمَالِ اُجْرَةَ الْقَصَّارِ وَالصَّبَّاغِ وَالطَّرَّازِ وَالْفَتْلِ وَاُجْرَةَ حَمْلِ الطَّعَامِ وَيَقُوْلُ قَامَ عَلَيَّ بِكَذَا وَلَا يَقُوْلُ اِشْتَرَيْتُهٗ بِكَذَا۔

ترجمہ: اور اصل مال کے ساتھ دھوبی، رنگریز، کشیدہ کار، کناری لگانے والے اور غلہ اٹھوانے والے کی اُجرت ملانا جائز ہے اور کہے گا کہ مجھے اتنے میں پڑی ہے اور یہ نہ کہے کہ میں نے اتنے میں خریدا ہے۔

تشریح: (۱۲۸) یعنی یہ جائز ہے کہ مبیع کے عقد اول کے ثمن کے ساتھ دھوبی، رنگریز، نقاش، کناری لگانے والے اور غلہ اٹھوانے کی اُجرت ملائے اگر اب مرابحۃً یا تولیۃً بیچتے ہوئے یوں کہے گا کہ یہ مجھے اتنے میں (مثلاً دس روپیہ میں پڑی ہے ان میں سے آٹھ روپیہ راس المال ہے دو روپیہ دھوبی کی اُجرت ہے) پڑی ہے یہ نہ کہے کہ اتنے میں (مثلاً دس روپیہ میں) میں نے خریدی ہے تاکہ جھوٹ نہ بن جائے۔

(۱۲۹)فَاِنِ اطَّلَعَ الْمُشْتَرِيْ عَلٰى خِيَانَةٍ فِي الْمُرَابَحَةِ فَهُوَ بِالْخِيَارِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اِنْ شَاءَ اَخَذَهٗ بِجَمِيْعِ الثَّمَنِ وَاِنْ شَاءَ رَدَّهٗ (۱۳۰)وَاِنِ اطَّلَعَ عَلٰى خِيَانَةٍ فِي التَّوْلِيَةِ اَسْقَطَهَا مِنَ الثَّمَنِ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَا يُحَطُّ فِيْهِمَا وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَا يُحَطُّ فِيْهِمَا لٰكِنْ يُخَيَّرُ فِيْهِمَا۔

ترجمہ: پھر اگر مشتری بیع مرابحہ میں خیانت پر مطلع ہوا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مشتری کو اختیار ہے اگر چاہے تو پورے ثمن کیساتھ لے لے اور اگر چاہے تو رد کر دے اور اگر مشتری بیع تولیہ میں خیانت پر مطلع ہوا تو بقدر خیانت اسے ثمن سے ساقط کر دے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مرابحہ اور تولیہ دونوں میں بقدر خیانت کم کر دے اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں میں کم نہ کر دے لیکن اسے دونوں میں اختیار ہے۔

تشریح: (۱۲۹) یعنی اگر مشتری پر بیع مرابحہ میں بائع کی خیانت ظاہر ہوگئی (مثلاً پانچ روپیہ میں خریدی ہوئی چیز کے بارے میں بتایا کہ آٹھ میں خریدی ہے) تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مشتری کو اختیار ہے چاہے تو کل ثمن ہی میں لے اور چاہے تو بیع فسخ کر دے کیونکہ خیانت فی المرابحہ سے بیع عقد مرابحہ سے نکل جاتی ہے اور مشتری کی عدم رضا کی وجہ سے بیع فسخ کرنا جائز ہے۔ اور ثمن میں کمی کرنا جائز نہیں کیونکہ بائع ثمن مسمّٰی سے کم پر اپنے ہاتھ سے خروج مبیع پر راضی نہیں۔

(۱۳۰) اگر بیع تولیہ میں بائع کی خیانت ظاہر ہوگئی (مثلاً پانچ روپیہ میں خریدی ہوئی چیز کے بارے میں بتایا کہ آٹھ میں خریدی ہے) تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بقدر خیانت ثمن کم کردے کیونکہ اگر ثمن بقدر خیانت کم نہ کردے تو یہ بیع پھر بیع تولیہ نہیں رہے گی بلکہ بیع مرابحہ ہو جائیگی۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول راجح ہے۔

مگر امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے فرماتے ہیں کہ بیع خواہ مرابحہ ہو یا تولیہ بہر دو صورت جب بائع کی خیانت ظاہر ہو جائے تو بقدر خیانت ثمن کم کردے اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں میں کم نہیں کیا جائیگا البتہ مشتری کو اختیار ہے چاہے تو کل ثمن کے عوض لے اور چاہے تو بیع فسخ کردے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول مفتیٰ بہ ہے۔

(۱۳۱) وَمَنِ اشْتَرَى شَيْأً مِمَّا يُنْقَلُ وَيُحَوَّلُ لَمْ يَجُزْ لَهُ بَيْعُهُ حَتَّى يَقْبِضَهُ (۱۳۲) وَيَجُوْزُ بَيْعُ الْعِقَارِ قَبْلَ الْقَبْضِ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وقَالَ مُحَمَّدٌ لَايَجُوزُ۔

ترجمہ:۔ اور جس نے کوئی ایسی چیز خریدی جو منتقل ہوتی ہو اور پھرتی ہو تو جب تک کہ اس پر قبضہ نہ کرے اس کا آگے فروخت کرنا جائز [illegible] اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک زمین کی بیع قبضہ سے پہلے جائز ہے اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جائز نہیں۔

تشریح:۔ (۱۳۱) یعنی جس نے منقولی چیز خریدی تو جب تک کہ اس پر قبضہ نہ کرے اسے آگے فروخت کرنا جائز نہیں کیونکہ بصورت ہلاکت مبیع فسخ بیع کا احتمال رکھتا ہے۔ (۱۳۲) البتہ اگر مبیع زمین ہے تو شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک قبل القبض آگے فروخت کرنا جائز ہے کیونکہ زمین کی ہلاکت نادر الوقوع ہے لہذا اسمیں فسخ بیع کا احتمال نہیں۔ مگر امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک زمین کو بھی قبل القبض آگے فروخت کرنا جائز نہیں وہ زمین کو بھی منقولی اشیاء پر قیاس کرتے ہیں۔ شیخینؒ کا قول راجح ہے۔

(۱۳۳) وَمَنِ اشْتَرَى مَكِيْلاً مُكَايَلَةً أَوْ مَوْزُوْناً مُوَازَنَةً فَاكْتَالَهُ أَوِاتَّزَنَهُ ثُمَّ بَاعَهُ مُكَايَلَةً أَوْ مُوَازَنَةً لَمْ يَجُزْ لِلْمُشْتَرِي مِنْهُ أَنْ يَبِيْعَهُ وَلَا أَنْ يَأْكُلَهُ حَتَّى يُعِيدَ الْكَيْلَ وَالْوَزْنَ۔

ترجمہ:۔ اور جس نے مکیلی چیز کیل کر کے یا موزونی چیز وزن کر کے خریدلی پھر اس کو کیل کیا یا وزن کیا پھر اسے پیمانے سے یا وزن سے فروخت کردیا تو مشتری کے لئے جائز نہیں کہ اس میں سے اس شئی کو فروخت کردے یا اس کو کھائے یہاں تک کہ دوبارہ پیمانہ کرلے یا وزن کرلے۔

تشریح:۔ (۱۳۳) یعنی جس نے کیلی چیز کیل کے لحاظ سے یا وزنی چیز وزن کے لحاظ سے خریدلی پھر اسکو ناپ لیا یا تول لیا بعد از ناپ وتول آگے فروخت کردی تو مشتری ثانی کیلئے دوبارہ ناپنے یا تولنے کے بغیر آگے فروخت کرنا یا کھانا جائز نہیں کیونکہ ایک تو پیغمبر ﷺ نے بیع طعام سے منع فرمایا ہے جب تک کہ اسمیں دو صاع جاری نہ ہوں ایک صاع بائع کا اور دوسرا مشتری کا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ممکن ہے کہ بائع کی بتائی ہوئی مقدار سے زائد ہو زائد تو بائع کا ہے اور دوسرے کے مال میں تصرف حرام ہے۔ اور اگر بائع نے بعد از عقد مشتری کے سامنے ناپا یا تولا تو قول صحیح کے مطابق اس صورت میں یہی ایک ناپ یا ایک تول بھی کافی ہے۔

(۱۳۴)وَالتَّصَرُّفُ فِي الثَّمَنِ قَبْلَ الْقَبْضِ جَائِزٌ۔

ترجمہ:۔اور قبضہ سے پہلے ثمن میں تصرف کرنا جائز ہے۔

تشریح:۔(۱۳۴)یعنی ثمن میں بائع کے قبضہ سے پہلے مشتری کا (اگر چہ مکیلی یا موزونی چیز ہو) تصرف کرنا جائز ہے کیونکہ اب تک مشتری کی ملک قائم ہے اور فسخ بیع کا احتمال بھی نہیں کیونکہ ثمن معین کی ہلاکت کی صورت میں بیع فسخ نہیں ہوتی۔

(۱۳۵)وَيَجُوزُ لِلْمُشْتَرِي اَنْ يَزِيدَ لِلْبَائِعِ فِي الثَّمَنِ (۱۳۶)وَيَجُوزُ لِلْبَائِعِ اَنْ يَزِيدَ فِي الْمَبِيعِ (۱۳۷)وَيَجُوزُ اَنْ يُحَطَّ مِنَ الثَّمَنِ (۱۳۸)وَيَتَعَلَّقُ الْاِسْتِحْقَاقُ بِجَمِيعِ ذَالِكَ۔

ترجمہ:۔اور مشتری کے لئے جائز ہے کہ بائع کے لئے ثمن میں اضافہ کردے اور بائع کے لئے جائز ہے کہ مبیع میں اضافہ کردے اور یہ بھی جائز ہے کہ قیمت میں کمی کردے اور استحقاق ان سب کے ساتھ متعلق ہوگا۔

تشریح:۔(۱۳۵)یعنی مشتری کیلئے جائز ہے کہ برائے بائع ثمن میں اضافہ کردے بشرطیکہ مبیع ہلاک نہ ہوئی ہو۔(۱۳۶)اور بائع کیلئے جائز ہے کہ برائے مشتری مبیع میں اضافہ کردے پس اگر مشتری نے قبول کیا تو بائع پر مبیع بمع اضافہ کے دینا لازم ہے۔(۱۳۷)یہ بھی جائز ہے کہ بائع ثمن میں کمی کردے۔(۱۳۸)یہ کمی بیشی اصل عقد کے ساتھ ملحق ہو جاتی ہے لہذا کمی بیشی کے بعد جس مقدار پر عقد قرار پائے تو بائع ومشتری میں سے ہر ایک کو اسکا استحقاق ہوگا مثلاً مشتری نے دس کپڑے سو درہم کے عوض خرید لئے پھر بائع کیلئے مزید دس درہم کا اضافہ کردیا اب ہوا یہ کہ کل مبیع کا مستحق نکل آیا تو مشتری ایک سو دس درہم بائع سے واپس لے گا۔

(۱۳۹)وَمَنْ بَاعَ بِثَمَنٍ حَالٍ ثُمَّ اَجَّلَهُ اَجَلاً مَعْلُوماً صَارَ مُؤَجَّلاً (۱۴۰)وَكُلُّ دَيْنٍ حَالٍ اِذَا اَجَّلَه صَاحِبُه صَارَ مُؤَجَّلاً اِلَّا الْقَرْضَ فَاِنَّ تَاْجِيلَه لَا يَصِحُّ۔

ترجمہ:۔اور جس نے کوئی چیز نقد ثمن کے ساتھ فروخت کردی پھر بائع نے ایک معلوم میعاد مقرر کردی تو اب یہ ثمن میعادی ہو جائیگا اور ہر دین معجّل اگر صاحب دین اس کی میعاد مقرر کردے تو وہ دین میعادی ہو جائیگا مگر قرض نہیں کیونکہ اس کی تاجیل درست نہیں۔

تشریح:۔(۱۳۹)یعنی جس نے کوئی چیز نقد پر فروخت کردی پھر مشتری کو معین میعاد کی مہلت دیدی تو یہ میعادی ہو جائیگی اور یہ درست ہے کیونکہ یہ اس کا حق ہے تو اسکے لئے من علیہ الحق پر آسانی کے لئے تاخیر جائز ہے۔اور اگر میعاد مجہول ہو تو باطل ہے۔

(۱۴۰)ہر قسم کے فوری دین (مثلاً کسی چیز کی قیمت وغیرہ کسی کے ذمہ ہو) کو اگر مالک میعادی بنادے تو میعادی ہو جاتا ہے یعنی اب مقررہ وقت سے پہلے اسے مانگنے کا اختیار نہ ہوگا مگر قرض کا میعادی بنانا درست (یعنی لازم) نہیں (مثلاً کسی کو سو روپیہ قرض دے دیئے ایک ماہ میعاد مقرر کرلی تو دس دن بعد بھی آپ واپسی کا مطالبہ کر سکتے ہیں اختتام ماہ تک آپ پر انتظار لازم نہیں) کیونکہ یہ ابتداءً تبرع ہے اور تبرع میں جبر نہیں۔

☆ ☆ ☆

بَابُ الرِّبٰوا

یہ باب سود کے بیان میں ہے۔

ربوا لغت میں مطلق زیادتی کو کہتے ہیں اور شرعی تعریف شیخ خالد الاتاسی نے ان الفاظ میں کی ہے "هُوَ اَیْ الرِّبَا فَضْلٌ خَالٍ عَنْ عِوَضٍ بِمِعْيَارٍ شَرْعِيٍّ مَشْرُوْطٍ لِاَحَدِ الْمُتَعَاقِدَيْنِ فِي الْمُعَاوَضَةِ" یعنی ربوا وہ زیادتی ہے جو بلا عوض بمعیار شرعی احد المتعاقدین کیلئے معاوضہ مالی میں شرط کی گئی ہو۔

آگے لکھتے ہیں "وَالْمُرَادُ بِالْفَضْلِ مَايَعُمَّ الْحُكْمِي وَهُوَ رِبَا النَّسأ كَمَا يَأْتِي، وَالْمُرَادُ بِالْمِعْيَارِ الشَّرْعِي الْكَيْلُ وَالْوَزْنُ فَلَيْسَ فِي الْمَذْرُوعَاتِ وَالْعَدَدِيَاتِ رِبًا،وَخَرَجَ بِالْمُتَعَاقِدَيْنِ مَالَوْشُرِطَ الْفَضْلُ لِغَيْرِهِمَا فَاِنَّه لَايَكُوْنُ رِبًا"۔

باب الربوا کی ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ بیع مرابحہ میں بھی زیادتی ہے اور ربوا میں بھی مگر اول حلال ثانی حرام ہے اور اشیاء میں اصل حلت ہے اسلئے بیع مرابحہ کو مقدم کیا اور ربوا کو مؤخر کر دیا۔

پھر ربوا دو قسم پر ہے "ربوا الفضل، ربوا النسا" اسلئے کہ زیادتی احد البدلین میں یا حقیقی ہوگی جیسے ایک قفیز گندم دو قفیز گندم کے عوض بیچنا۔ اور یا زیادتی حکمی ہوگی یوں کہ احد البدلین نقد ہو اور دوسرا ادھار ہو جیسے ایک قفیز گندم نقد بعوض دو قفیز جو ادھار، پہلے کو "ربوا لفضل" اور دوسرے کو "ربوا النسا" کہتے ہیں۔

(۱٤۱) اَلرِّبٰوا مُحَرَّمٌ فِي كُلِّ مَكِيْلٍ اَوْمَوْزُوْنٍ اِذَا بِيعَ بِجِنْسِهِ مُتَفَاضِلاً۔

ترجمہ:۔ سود حرام ہے ہر مکیلی یا موزونی چیز میں جب اس کو اپنی جنس کے عوض زیادتی کے ساتھ فروخت کر دے۔

تشریح:۔ (۱٤۱) یعنی حکم ربوا حرمت ہے جب فروخت کی جائے ہر کیلی و وزنی چیز بجنسہ متفاضلا۔ پھر سود کی حرمت کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ہر دو سے ثابت ہے اما الکتاب فقولہ تعالیٰ ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کر دیا ہے) "واما السنۃ فقولہ علیہ السلام اَكْلُ دِرْهَمٍ وَاحِدٍ مِنْ رِبٰوا اَشَدُّ مِنْ ثَلَاثٍ وَثَلَاثِيْنَ زِنْيَةً يَزْنِيْهَا الرَّجُلُ" (یعنی سود کا ایک درہم کھانا تینتیس مرتبہ زنا کرنے سے بدتر ہے)۔

(۱٤۲) فَالْعِلَّةُ فِيْهِ الْكَيْلُ مَعَ الْجِنْسِ اَوِالْوَزْنُ مَعَ الْجِنْسِ۔

ترجمہ:۔ پس سود میں علت کیل مع الجنس ہے یا وزن مع الجنس ہے۔

تشریح:۔ (۱٤۲) سود کے بارے میں پیغمبر ﷺ نے فرمایا ہے، اَلْحِنْطَةُ بِالْحِنْطَةِ وَالشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ وِالذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ مِثْلاً بِمِثْلٍ يَدًا بِيَدٍ وَالْفَضْلُ رِبٰوا،، یعنی گندم کو گندم، جو کو جو، کھجور کو کھجور، نمک کو نمک، سونے کو سونے، چاندی کو چاندی کے عوض برابر دست بدست بیچ دو اور ان میں زیادتی سود ہے۔

اب اہل ظواہر کے سوا دیگر مجتہدین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اشیاء مذکور فی الحدیث پر قیاس کر کے دیگر اشیاء میں بھی سود ہو

سکتا ہے اور مقیس ومقیس علیہ میں اشتراک علت بھی ضروری ہے مجتہدین کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا مذکورہ اشیاء میں علت حرمت کیا ہے کہ اگر وہ علت ان کے سوا دیگر اشیاء میں پائی گئی تو انکو بھی حرام کہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک علت کیل مع الجنس یا وزن مع الجنس ہے مختصر کر کے قدر مع الجنس بھی کہا جاسکتا ہے لہذا قدری اشیاء (یعنی وزنی وکیلی اشیاء) میں زیادتی اور ادھار اتحادِ جنس کے ساتھ سود ہوگا۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک طعم مطعومات میں اور ثمنیت اثمان میں علت ہے اور اتحادِ جنس شرط ہے (لہذا چونہ میں شوافع کے نزدیک کمی بیشی جائز ہے کیونکہ دونوں علتیں مفقود ہیں احناف کے نزدیک جائز نہیں کیونکہ علت حرمت (یعنی قدر مع الجنس) پائی جاتی ہے۔

(۱۴۳) فَإِذَا بِيعَ الْمَكِيلُ اوِ الْمَوْزُونُ بِجِنْسِهِ مِثْلاً بِمِثْلٍ جازَ الْبَيْعُ وَاِنْ تَفَاضَلا لَمْ يَجُزْ۔

ترجمہ:۔ پس اگر کوئی کیلی یا وزنی چیز اپنی جنس کے ساتھ برابر سرابر فروخت کی جائے تو جائز ہے اور اگر کمی بیشی کے ساتھ فروخت کی جائے تو جائز نہیں۔

تشریح:۔ (۱۴۳) مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ قدری اشیاء کو اپنی جنس کے عوض میں برابر برابر بیچنا جائز ہے اور زیادتی کے ساتھ جائز نہیں کیونکہ یہ سود ہے۔

(۱۴۴) وَلایَجوزُ بَيعُ الْجَيِّدِ بِالرَّدِيّ مِمَّا فِيه الرِّبوا اِلّا مِثْلاً بِمِثْلٍ۔

ترجمہ:۔ اور عمدہ کو ردی کے عوض ان اشیاء میں جن میں سود ہے فروخت کرنا جائز نہیں مگر یہ کہ برابر برابر ہو۔

تشریح:۔ (۱۴۴) اموال ربویہ میں عمدہ وردی میں کوئی فرق نہیں لہذا جید کو ردی کے عوض میں کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا جائز نہیں کیونکہ اموال ربویہ میں جب جودت جنس کے ساتھ مل جائے تو جودت کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔

(۱۴۵) واِذَا عُدِمَ الوَصْفانُ الجِنْسُ وَالمَعنٰى الْمَضْمُومُ اِلَيه حَلَّ التَفَاضُلُ وَالنَّسَاءُ (۱۴۶) وَاِذَا وُجِدَا حَرُمَ التَفَاضُلُ وَالنَّسَاءُ (۱۴۷) وَاِذَا وُجِدَ اَحَدُهُمَا وَعُدِمَ الآخرُ حَلَّ التَفَاضُلُ وحَرُمَ النَّسَاءُ۔

ترجمہ:۔ اور جب دونوں وصف نہ ہوں یعنی جنس اور جو جنس کے ساتھ ملایا گیا ہے تو زیادتی اور ادھار دونوں جائز ہیں اور جب دونوں وصف موجود ہوں تو زیادتی اور ادھار دونوں حرام ہیں اور جب دونوں میں سے ایک موجود ہو اور دوسرا معدوم ہو تو زیادتی جائز ہے اور ادھار حرام ہے۔

تشریح:۔ (۱۴۵) یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ علت حرمت جنس مع القدر ہے تو جہاں یہ دونوں صفات نہ پائی جائے وہاں عوضین میں تفاضل بھی جائز ہے اور ادھار بھی جائز ہے جیسے اخروٹ بعوض انڈا بیچنا کیونکہ علتِ تحریم نہیں۔ معنی مضموم الیہ سے مراد قدر ہے۔

(۱۴۶) جہاں یہ دونوں صفتیں پائی جائیں وہاں تفاضل اور ادھار دونوں حرام ہیں جیسے گندم بعوض گندم فروخت کرنا یا چاندی بعوض چاندی فروخت کرنا کیونکہ علتِ حرمت موجود ہے۔ (۱۴۷) جہاں دونوں صفتوں میں سے کوئی ایک پائی جائے یعنی عوضین ایک

جنس سے ہوں یا عوضین ایک جنس سے تو نہ ہوں مگر دونوں قدری ہوں تو اسوقت تفاضل جائز ہے مگر ادھار جائز نہیں جیسے گندم بعوض جو فروخت کرنا''لقولہ ﷺ اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم یداًبید ولاخیر فیہ نسیئۃ''۔

(۱۴۸)وَكُلُّ شَيْءٍ نَصَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى تَحْرِيمِ التَّفَاضُلِ فِيهِ كَيْلاً فَهُوَ مَكِيْلٌ اَبَداً وَاِنْ تَرَكَ النَّاسُ فِيهِ الْكَيْلَ مِثْلُ الحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ وَالتَّمرِ وَالْمِلْحِ (۱۴۹)وَكُلُّ شَيْءٍ نَصَّ عَلٰى تَحْرِيْمِ التَّفَاضُلِ فيه وَزْناً فَهُوَ مَوْزُوْنٌ ابداً وَاِنْ تَرَكَ النَّاسُ الْوَزْنَ فِيهِ مِثْلُ الذَّهَبِ وَالفِضَّةِ (۱۵۰)وما لم يُنَصُّ فهو مَحْمُوْلٌ على عَادَاتِ النَّاسِ۔

ترجمہ:۔اور ہر وہ چیز جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیل کے اعتبار سے زیادتی کے حرام ہونے کی تصریح فرمادی ہے تو وہ ہمیشہ کیلی رہے گی اگر چہ لوگوں نے اس میں کیل کرنا ترک کر دیا ہو جیسے گندم، جو، کھجور اور نمک،اور ہر وہ چیز جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وزن کے اعتبار سے زیادتی کے حرام ہونے کی تصریح فرمادی ہے تو وہ ہمیشہ وزنی رہے گی اگر چہ لوگوں نے اس میں وزن کرنا ترک کر دیا ہو جیسے سونا اور چاندی اور جس چیز کے بارے میں حضور ﷺ نے تصریح نہ فرمائی ہو وہ لوگوں کی عادات پر محمول ہے۔

تشریح:۔(۱۴۸)یعنی جن اشیاء کے بارے میں پیغمبر ﷺ نے تصریح فرمائی ہے کہ ان میں تفاضل حرام ہے کیل کے لحاظ سے تو وہ اشیاء ہمیشہ کیلی رہیں گی اگر چہ لوگ ان کی خرید و فروخت میں کیل چھوڑ دے جیسے گندم جو، کھجور اور نمک، کیونکہ نص عرف سے اقویٰ ہے اور اقویٰ کو ادنیٰ کی وجہ سے ترک نہیں کیا جا سکتا لہٰذا اگر گندم بعوض گندم برابر برابر وزناً فروخت کر دے جائز نہ ہوگا کیونکہ توہم زیادتی پائی جاتی ہے (گندم کیلی اشیاء میں ہے)۔

(۱۴۹)اور جن اشیاء کے بارے میں پیغمبر ﷺ نے تصریح فرمائی ہے کہ ان میں تفاضل حرام ہے وزن کے لحاظ سے تو وہ اشیاء ہمیشہ وزنی رہیں گی اگر چہ ان کی خرید و فروخت میں لوگ وزن کرنا چھوڑ دے جیسے سونا، چاندی، پس اگر چاندی بعوض چاندی برابر سرابر کیل کر کے فروخت کر دیئے تو جائز نہ ہو گا کیونکہ توہم زیادتی پائی جاتی ہے (چاندی وزنی اشیاء میں ہے)۔(۱۵۰)اور جن چیزوں کے بارے میں پیغمبر ﷺ سے کوئی تصریح نہ ہو تو وہ لوگوں کی عادت پر محمول ہیں اگر لوگوں کی عادت وزن کرنے کی ہے تو وزنی ہیں اور اگر کیل کرنے کی ہے تو کیلی ہیں۔

(۱۵۱)وَعَقْدُ الصَّرْفِ مَاوَقَعَ عَلٰى جِنْسِ الْاَثْمَانِ يُعْتَبَرُ فِيهِ قَبْضُ عِوَضَيْهِ فِي الْمَجْلِسِ (۱۵۲)ومَاسِوَاهُ مِمَّا فِيهِ الرِّبٰوا يُعْتَبَرُ فِيهِ التَّعْيِينُ ولايُعْتَبَرُ فِيهِ التَّقَابُضُ۔

ترجمہ:۔اور بیع صرف وہ ہے جو اثمان کی اجناس پر واقع ہو اس میں دونوں عوضوں پر اسی مجلس میں قبضہ کرنا معتبر (یعنی شرط) ہے اور اسکے سوا جن چیزوں میں سود جاری ہوتا ہے تو اس میں تعیین معتبر (شرط) ہے اور طرفین سے قبضہ معتبر (شرط) نہیں۔

تشریح:۔(۱۵۱)یعنی عقد صرف جو جنس اثمان پر واقع ہوتا ہے (یعنی جس میں ثمن بعوض ثمن فروخت کیا جاتا ہے) اس میں شرط یہ ہے

کہ عوضین پر مجلس عقد میں قبضہ ہو' لقولہ علیہ السلام اَلفِضَۃُ بِالفِضَۃِ ھَاءً وَھَاءً "(یعنی چاندی بعوض چاندی ہاتھوں ہاتھ لو)۔(۱۵۲) عقد صرف کے سوا دیگر اموال ربویہ میں عوضین کا تعین مجلس میں شرط ہے تقابض (متعاقدین کا قبضہ کرنا) شرط نہیں۔

(۱۵۳) وَلایَجُوزُ بَیۡعُ حِنۡطَۃٍ بِالدَّقِیۡقِ ولا بِالسَّوِیۡقِ و کذالِکَ الدَّقِیۡقُ بالسَّوِیۡقِ۔

ترجمہ:۔اور گندم کو آٹے اور ستو کے عوض فروخت کرنا جائز نہیں اور اسی طرح آٹے کو ستو کے عوض فروخت کرنا بھی جائز نہیں۔

تشریح:۔(۱۵۳) یعنی گندم کو آٹے اور ستو کے عوض فروخت کرنا جائز نہیں اسی طرح آٹا بعوض ستو فروخت کرنا بھی جائز نہیں کیونکہ گندم آٹا اور ستو ایک ہی جنس ہیں اور ثابت گندم میں اٹا مجتمع ہوتا ہے پیسنے سے منتشر ہو کر زیادہ ہو جاتا ہے پس کیل کرتے ہوئے ان دونوں میں تسویہ نہیں ہوسکتا۔

(۱۵٤) وَیَجوزُ بَیۡعُ اللَّحۡمِ بِالحَیۡوانِ عِندَ ابی حنیفَۃَ رَحِمَہ اللّٰہ وَابی یُوسُفَ رحِمَہ اللّٰہ وقالَ مُحَمَّدٌ رحمَہ اللّٰہ لایجُوزُ اِلّا عَلٰی وَجۡہِ الۡاِعۡتبارِ حتّٰی یَکُوۡنَ اللّحۡمُ اَکۡثَرَ ممّا فی الحَیوَانِ بمثۡلِ وَالزیَادَۃُ بالسَّقۡطِ۔

ترجمہ:۔اور امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک گوشت کو حیوان کے عوض فروخت کرنا جائز ہے اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جائز نہیں یہاں تک کہ گوشت زیادہ ہو اس گوشت کے مقابلے میں جو حیوان میں ہے تو گوشت گوشت کے مقابلہ میں ہو جائیگا اور زائد گوشت ہڈی، کھال وغیرہ کے مقابلے میں۔

تشریح:۔(۱۵٤) یعنی شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک گوشت بعوض حیوان فروخت کرنا جائز ہے اگر چہ ایک ہی جنس سے ہو کیونکہ یہ موزون کی بیع ہے بعوض غیر موزون لہذا جیسا بھی ہو جائز ہے (یہی قول راجح ہے) مگر امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک جائز نہیں البتہ اگر گوشت اس گوشت سے زائد ہے جو حیوان میں ہے تو پھر جائز ہے کیونکہ اس وقت گوشت بمقابلہ گوشت ہو جائیگا اور زائد گوشت بمقابلہ سقط (یعنی ھڈی، کھال وغیرہ) کے ہو جائیگا۔

(۱۵۵) وَیجُوزُ بَیۡعُ الرُّطَبِ بِالتَّمَرِ مِثۡلاً بِمِثۡلٍ عَنۡدَ ابی حَنِیفَۃَ رَحمَہ اللّٰہ وَ کَذٰالِکَ الۡعِنَبِ بِالزَّبِیۡبِ۔

ترجمہ:۔اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تر کھجور کو خشک کھجور کے عوض برابر سرابر فروخت کرنا جائز ہے اسی طرح انگور بعوض کشمش فروخت کرنا بھی جائز ہے۔

تشریح:۔(۱۵۵) یعنی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک پختہ کھجور بعوض خشک کھجور برابر سرابر فروخت کرنا جائز ہے اسی طرح انگور بعوض کشمش برابر سرابر بیچنا جائز ہے کیونکہ رطب اگر تمر ہے تو حدیث مشہور کی ابتداء سے (یعنی مِثۡلاً بِمِثۡلٍ) سے جواز ثابت ہوتا ہے اور اگر رطب تمر نہیں تو حدیث شریف کے آخری حصے سے (یعنی اِذَا اخۡتَلَفَ النَّوۡعَانِ فَبِیۡعُوۡا کَیۡفَ شِئۡتُمۡ) جواز ثابت ہوتا ہے۔صاحبینؒ کے نزدیک رطب بعوض تمر اور انگور بعوض کشمش فروخت کرنا جائز نہیں (صاحبینؒ کا قول راجح ہے)۔

☆ ☆ ☆

(۱۵٦)وَلَا يجوزُ بَيعُ الزَّيْتُونِ بِالزَّيْتِ وَالسِّمْسِمِ بِالشَّيْرَجِ حتى يكونَ الزَّيْتُ وَالشَّيْرَجُ اَكْثَرَ مِمَّا فِي الزَّيْتُونِ وَالسِّمْسِمِ فَيكونُ الدُّهْنُ بِمِثْلِهِ وَالزِّيَادَةُ بِالثَّجِيْرَةِ۔

ترجمه:۔اورزیتوں کوروغن زیتوں کے عوض اورتل کوروغن تل کے عوض فروخت کرنا جائز نہیں یہاں تک کہ زیتوں اورتل کا تیل اس تیل سے زیادہ ہوجائے جوزیتوں اورتل میں ہے تا کہ تیل، تیل کے عوض میں ہوجائے اورزیادتی کھلی کے عوض میں ہوجائے۔

تشریح:۔(۱۵٦)زیتون کی بیع روغن زیتون کے عوض اورتل کی بیع روغن تل کے عوض جائز نہیں جب تک کہ روغن زیتون اورروغن تل اس روغن سے زائد نہ ہوجوزیتون اورتل سے نکلنے والا ہے تا کہ تیل بعوض تیل ہوجائے اورزائد تیل زیتون وتل کی کھلی کے عوض میں ہوجائے اوراگر یہ معلوم نہ ہوسکا کہ زیتون وتل میں تیل کتنا ہے تواحتمال ربوا کی وجہ سے پھر یہ بیع جائز نہ ہوگی۔

(۱۵۷)وَيجوزُ بَيعُ اللُّحمَانِ الْمُختَلِفَةِ بَعْضِهَا بِبَعْضٍ مُتَفَاضِلاً (۱۵۸)و كَذَالِكَ اَلْبَانُ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ بَعْضُهَا بِبَعْضٍ مُتَفَاضِلاً (۱۵۹)وَخَلُّ الدَّقْلِ بِخَلِّ الْعِنَبِ مُتَفَاضِلاً۔

ترجمه:۔اورمختلف گوشتوں میں سے بعض کوبعض کے عوض کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہےاسی طرح اونٹ، گائے اوربکری کے دودھ کوبعض بعوض بعض کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہےاورکھجورکاسرکہ بعوض انگور کے سرکہ کے کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے۔

تشریح:۔(۱۵۷)مختلف قسم کے گوشت(مثلاً گائے، اونٹ اوربکری کے گوشت)بعض بعوض دوسرے بعض کے متفاضلا بیچنا جائز ہے کیونکہ اصول ان گوشتوں کے اجناس مختلفہ ہیں۔(۱۵۸)اسی طرح گائے کے دودھ بعوض بکری کے دودھ کے متفاضلا بیچنا جائز ہے کیونکہ ان کے اصول اجناسِ مختلفہ ہیں۔(۱۵۹)اورکھجورکاسرکہ بعوض انگور کے سرکے کے متفاضلا بیچنا جائز ہے کیونکہ ان کے اصول اجناسِ مختلفہ ہیں یہی وجہ ہے کہ بابِ زکوۃ میں ایک کودوسرے کے ساتھ ضم نہیں کیا جاتا ہے۔

(۱٦۰)وَيجوزُ بَيعُ الْخُبزِ بِالْحِنْطَةِ وَالدَّقِيْقِ مُتَفَاضِلاً۔

ترجمه:۔اورروٹی کوبعوضِ گندم اورآٹے کے کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے۔

تشریح:۔(۱٦۰)یعنی روٹی کی بیع گندم وآٹے کے عوض میں متفاضلا جائز ہے کیونکہ روٹی بننے سے جنس آخر بن جاتی ہے اسلئے کہ گندم وآٹا مکیلی ہیں اورروٹی عددی یاوزنی ہے۔

(۱٦۱)وَلَا رِبوا بَيْنَ الْمَوْلٰى وَعَبْدِه۔

ترجمه:۔اورمالک اوراسکے غلام کے درمیان سودنہیں۔

تشریح:۔(۱٦۱)مولیٰ اوراسکے غلام کے درمیان ربوا متحقق نہیں ہوتا کیونکہ غلام اوراسکے ہاتھ میں جومال ہے وہ تو مولیٰ ہی کی ملک ہے لہذاان کے درمیان ربوا متحقق نہیں ہوتا۔

☆ ☆ ☆

(۱٦۲)وَلا بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْحَرْبِي فِي دَارِ الْحَرْبِ۔

ترجمه:۔اور مسلمان اور حربی کے درمیان دارالحرب میں سود نہیں۔

تشریح:۔(۱٦۲)جس مسلمان کو اہل حرب کی طرف سے آمان حاصل ہوا ہو اور کافر حربی کے درمیان دارالحرب میں طرفینؒ کے نزدیک ربوا نہیں کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ،،لارِبَا بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْحَرْبِي فِي دَارِ الْحَرْبِ،،(یعنی دارالحرب میں مسلمان اور حربی کے درمیان سود نہیں) جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک دارالحرب میں مسلمان اور حربی کے درمیان ربوا ہے کیونکہ ربوا دارالاسلام میں ممنوع ہے تو دارالحرب میں بھی ممنوع ہوگا جیسے زنا اور سرقہ وغیرہ۔

دور حاضر کے علماء احتیاطاً امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کو مختار قرار دیتے ہیں کمافی فتاوی حقانیہ:٦/۳۱۰واحسن الفتاوی:۷/۲۰

بَابُ السَّلَمِ

یہ باب بیع السلم کے بیان میں ہے۔

اس باب کی ماقبل کے ساتھ وجہ مناسبت یہ ہے کہ امام قدوری رحمہ اللہ جب ان بیوع کے بیان سے فارغ ہو گئے جن میں عوضین یا کسی ایک پر مجلس عقد میں قبضہ ضروری نہیں تو اب ان بیوع کے بیان کو شروع فرماتے ہیں جن میں عوضین یا کسی ایک پر مجلسِ عقد میں قبضہ ضروری ہے۔ پھر بیع سلم میں احد العوضین پر قبضہ ضروری ہے اور بیع صرف میں دونوں عوضوں پر قبضہ ضروری ہے تو بیع سلم بمنزلہ مفرد کے ہے اور بیع صرف بمنزلہ مرکب کے اسلئے بیع سلم کو مقدم کیا۔

بیع سلم لغت میں عبارت ہے اس بیع سے جس میں ثمن معجل ہو اور اصطلاح فقہاء میں عبارت ہے"اخذ عاجل بآجل "سے (یعنی جس میں ثمن نقد اور مبیع ادھار ہو)۔

صاحب ثمن کو رب السلم اور صاحب مبیع کو مسلم الیہ اور ثمن کو رأس المال اور مبیع کو مسلم فیہ کہتے ہیں۔

بیع سلم کی مشروعیت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ دونوں سے ثابت ہے اما الکتاب فقال ابن عباسؓ اشهد ان الله أحل السلم المؤجل وتلاقوله تعالىٰ ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ﴾واما سنت رسول الله فقوله عليه السلام"من اسلم منكم في تمر فيسلم في كيل معلوم ووزن معلوم الى اجل معلوم .رواه البخاري ومسلم''۔

(۱٦۳)اَلسَّلَمُ جائزٌ فِي الْمَكِيلاتِ وَالْمَوْزُوْنَاتِ وَالْمَعْدُوْدَاتِ الَّتِي لايَتَفَاوَتُ كَالْجَوْزِ وَالْبِيْضِ وَالْمَذْرُوْعَاتِ۔

ترجمه:۔بیع سلم کیلی اور وزنی اشیاء میں اور ان عددی اشیاء میں جائز ہے جن تفاوت نہیں ہوتا جیسے اخروٹ اور انڈے اور گزوں سے پیائش کی جانے والی اشیاء میں بھی جائز ہے۔

تشریح:۔(۱٦۳)یعنی بیع سلم جائز ہے ہر اس شئی میں جسکی صفت (یعنی جودۃ، ردائت) اور مقدار کی معرفت ضبط کی جاسکتی ہو اور یہ

اسلئے ضروری ہے تا کہ جہالت مرتفع ہو۔ پھر یہ مکیلات میں کیل کے ذریعہ سے اور موزونات میں وزن کے ذریعہ سے اور عددیات میں شمار کے ذریعہ سے اور مذروعات میں ذراع کے ذریعہ سے ضبط کی جاسکتی ہے۔ مگر معدودات میں سے ان معدودات میں بیع سلم جائز ہے جن کے احاد میں زیادہ تفاوت نہ ہو جیسے اخروٹ وانڈے وغیرہ۔

(۱٦٤) ولایجوزُ السَّلَمُ فی الْحَیوانِ وَلافِي اَطْرَافِه وَلا فِي الْجُلُوْدِ عَدَداً۔

ترجمہ:۔ اور بیع سلم حیوان اور اسکے اطراف میں جائز نہیں اور نہ کھالوں میں عدد کے اعتبار سے۔

تشریح:۔ (۱٦٤) حیوان اور اسکی اطراف (یعنی سری، پاؤں) میں بیع سلم جائز نہیں اور نہ کھالوں میں گنتی کے لحاظ سے کیونکہ یہ سارے عددی اشیاء ہیں اور ان میں غیر معمولی تفاوت ہوتا ہے جو کہ مفضی للنزاع ہے۔

(۱٦٥) وَلافِي الْحَطَبِ حُزَماًوَلا فِي الرَّطْبَةِ جُرُزاً۔

ترجمہ:۔ اور نہ لکڑیوں میں گٹھڑیوں کے لحاظ سے اور نہ سبزیوں میں گڈیوں کے لحاظ سے۔

تشریح:۔ (۱٦٥) بیع سلم لکڑیوں میں گٹھڑیوں کے لحاظ سے اور سبزیوں میں گڈیوں کے لحاظ سے جائز نہیں کیونکہ گٹھڑیوں اور گڈیاں متفاوت اور مجہول ہیں البتہ اگر اس رسی کا طول بیان کیا جس سے گٹھڑی باندھا جائیگا تو اگر ایسے طور پر ہو کہ گٹھڑیوں میں تفاوت نہ ہوتا ہو تو پھر جائز ہے۔

(۱٦٦) ولایجوزُ السَّلَمُ حتّٰی یَکونَ الْمُسْلَمُ فیہ مَوْجُوداً مِنْ حِیْنِ الْعَقْدِ اِلٰی حِیْنِ الْمَحِلِّ۔

ترجمہ:۔ اور بیع سلم جائز نہیں یہاں تک کہ مسلم فیہ عقد کے وقت سے لے کر ادائیگی کے وقت تک موجود ہو۔

تشریح:۔ (۱٦٦) یعنی بیع سلم جائز نہیں یہاں تک کہ مسلم فیہ عقد کے وقت سے لیکر ادائیگی کے وقت تک موجود ہو حتی کہ اگر مسلم فیہ عقد کے وقت موجود ہو اور ادائیگی کے وقت منقطع ہو یا اسکا عکس ہو یا درمیان مدت میں منقطع ہو تو سلم جائز نہیں (کیونکہ مسلم الیہ کیلئے مسلم فیہ کے تسلیم کرنے پر قادر ہونا ضروری ہے تو مدت اجل میں اس کے وجود کا استمرار ضروری ہے۔ اگر میعاد مقررہ کے بعد وہ چیز منقطع ہوگئی تو رب السلم کو اختیار ہے چاہے تو بیع سلم کو فسخ کردے چاہے تو مسلم فیہ موجود ہونے کا انتظار کرے۔

(۱٦٧) ولایَصِحّ السَّلَمُ اِلّا مُؤجَلاً۔

ترجمہ:۔ اور بیع سلم بغیر میعاد کے جائز نہیں۔

تشریح:۔ (۱٦٧) بیع سلم جائز نہیں مگر مہلت دے کر کیونکہ عقد سلم مفلس مسلم الیہ کی ضرورت پورا کرنے کیلئے مسلم فیہ کے معدوم ہونے کے باوجود جائز قرار دی گئی ہے مگر جب مسلم الیہ فی الحال مسلم فیہ حوالہ کرنے پر قادر ہے تو ضرورت نہ رہی تو بیع سلم جائز نہ ہوگی۔

☆ ☆ ☆

(۱٦۸)وَلایَصِحّ اِلّا بِاَجَلٍ مَعْلُوْمٍ۔

ترجمہ:۔اور بیع سلم جائز نہیں مگر یہ کہ میعاد معلوم ہو۔

تشریح:۔(۱٦۸) بیع سلم جائز نہیں مگر میعاد معلوم کر کے (کیونکہ جہالت میعاد مفضی للنزاع ہے) پھر میعاد کی ادنیٰ مدت میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک کم از کم ایک مہینہ میعاد ہے بعض کے نزدیک کم از کم تین دن ہے اور بعض کہتے ہیں کہ نصف دن سے زیادہ ہو قول اول زیادہ صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

(۱٦۹)وَلایَصِحّ السَّلَمُ بِمِکْیَالِ رَجُلٍ بِعَیْنِہٖ (۱۷۰)وَلابِذِرَاعِ رَجُلٍ بِعَیْنِہٖ (۱۷۱)وَلافِی طَعَامِ قَرْیَۃٍ بِعَیْنِہَا (۱۷۲)وَلا فِی ثَمْرَۃِ نَخْلَۃٍ بِعَیْنِہَا۔

ترجمہ:۔اور بیع سلم کسی معین آدمی کے پیمانے اور معین آدمی کے گز سے جائز نہیں اور نہ کسی خاص گاؤں کے غلہ میں اور نہ کسی خاص کھجور کے پھل میں۔

تشریح:۔(۱٦۹)یعنی بیع سلم جائز نہیں کسی معین شخص کے ایسے ذاتی پیمانہ سے جسکی مقدار معلوم نہ ہو۔(۱۷۰)ایسے ہی کسی کی ذاتی گز سے بھی جائز نہیں کیونکہ میعاد مقرر سے پہلے اس مخصوص پیمانہ اور گز کا ضائع ہونا ممکن ہے تو بصورت ضیاع مفضی للنزاع ہوگی۔(۱۷۱)اسی طرح کسی معین گاؤں کے غلہ (۱۷۲)اور معین درخت کے پھلوں میں بھی بیع سلم جائز نہیں کیونکہ ان پر آفت کا طاری ہونا اور انکا معدوم ہونا ممکن ہے تو معدوم ہونے کی صورت میں سپردگی کی قدرت نہ ہوگی لہذا ایسی بیع بھی جائز نہیں۔

(۱۷۳) وَلایَصِحّ السَّلَمُ عِنْدَ اَبِی حَنِیْفَۃَ اِلّابِسَبْعِ شَرَائِطَ تُذْکَرُ فِی الْعَقْدِ جِنْسٌ معلومٌ وَنَوْعٌ معلومٌ وصِفَۃٌ معلومۃٌ ومِقْدارٌ معلومٌ واَجَلٌ مَعلومٌ ومَعْرِفَۃُ مِقْدارِ رَاْسِ الْمالِ اذَا کانَ مِمّایَتَعَلَّقُ العقدُ علی قَدْرِہٖ کالمَکِیْلِ وَالْمَوْزُوْنِ وَالْمَعْدُوْدِ وَتَسْمِیَۃُ مَکانِ الَّذِی یُوْفِیْہِ فیہ اِذَا کانَ لَہ حَمْلٌ وَمُؤْنَۃٌ وقَالَ ابو یُوسفَ رحمہ اللہ وَمحمّدٌ رحمہ اللہ لایَحْتاجُ اِلی تَسْمِیَۃِ رَاْسِ المَالِ اِذَا کانَ مُعیناً وَلا اِلی مَکانِ التَّسْلِیْمِ وَیُسَلِّمُہٗ فی مَوْضِعِ الْعَقْدِ۔

ترجمہ:۔اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بیع سلم جائز نہیں مگر سات شرطوں کے ساتھ جن کو عقد میں ذکر کر دیا جائیں،جنس معلوم ہو، نوع معلوم ہو،صفت معلوم ہو،مقدار معلوم ہو،وقت معلوم ہو،رأس المال کی مقدار معلوم ہو جبکہ عقد اس کی مقدار کے ساتھ متعلق ہو جیسے مکیلی،موزونی اور معدودی چیزیں،اور اس جگہ کا معلوم ہونا جہاں اس کو ادا کردیگا بشرطیکہ اس کے لئے بوجھ اور خرچ ہو اور امام ابویوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رأس المال کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں اگر وہ معین ہو اور نہ تسلیم کرنے کے مکان کا بیان ضروری ہے بلکہ مقامِ عقد میں تسلیم کردیگا۔

تشریح:۔(۱۷۳)امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک صحت بیع سلم کیلئے سات شرطیں ہیں۔/**نمبر ۱**۔مسلم فیہ کی جنس معلوم ہو کہ گندم ہوگا یا جو۔/**نمبر ۲**۔نوع معلوم ہو مثلاً کہ مثلاً ایسا گندم ہو جو ٹیوب ویل کے پانی سے سینچا ہو یا ایسا ہو جو بارش کے پانی سے سینچا ہو۔/

نمبر ۳ ۔ مسلم فیہ کی صفت معلوم ہو مثلاً کہ جید ہو یا اوسط یا ردی ہو۔/ **نمبر ٤** ۔ مسلم فیہ کی مقدار معلوم ہو کہ بیس گز ہو یا بیس رطل یا قفیز ہو۔/ **نمبر ٥** ۔ میعاد معلوم ہو کہ کتنی مدت بعد مسلم فیہ ادا کریگا۔/ **نمبر ٦** ۔ رأس المال (یعنی ثمن) کی مقدار معلوم ہو اگر عقد سلم اس کی مقدار کے ساتھ متعلق ہو جیسے ثمن کا مکیلی، موزونی اور معدودی ہونا (بخلاف حیوان و کپڑا وغیرہ کے کہ یہ اشارہ سے بھی معلوم ہوتا ہے)۔/ **نمبر ۷** ۔ مسلم فیہ کی سپردگی کے مکان کو بیان کرنا اگر مسلم فیہ کیلئے بوجھ ہو اور اسپر خرچہ آتا ہو۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے یہ شرطیں اسلئے لگائی ہیں کیونکہ اگر ان میں سے کوئی شرط نہ پائی گئی تو یہ بیع مفضی للنزاع ہوگی۔

مگر صاحبین رحمہما اللہ آخری دو شرطوں میں اتفاق نہیں کرتے وہ فرماتے ہیں کہ اگر رأس المال اشارہ سے متعین کردیا گیا ہو تو اسکی مقدار کا بیان کرنا ضروری نہیں کیونکہ رأس المال کی مقدار معلوم کرنے سے مقصود رأس المال سپرد کرنے پر قادر ہونا ہے اور یہ مقصود رأس المال کو اشارہ کے ذریعہ متعین کرنے سے بھی حاصل ہو جاتا ہے لہذا رأس المال کو وزن یا کیل یا عدد کے ذریعہ معلوم کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور آخری شرط کے بارے میں فرماتے ہیں کہ مسلم فیہ اسی جگہ سپرد کردے جہاں عقد سلم ہوا ہے لہذا مسلم فیہ کی سپردگی کے مکان کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول مختار ہے۔

(۱۷٤) وَلَایَصِحُ السَّلَمُ حَتّٰی یَقْبِضَ رأسَ المَالِ قَبلَ اَنْ یُفَارِقَه۔

ترجمہ:۔ اور بیع سلم جائز نہیں یہاں تک کہ جدائی سے پہلے بائع رأس المال پر قبضہ کرلے۔

تشریح:۔ (۱۷٤) بیع سلم صحیح نہیں جب تک کہ اسی مجلس میں رب السلم کی مفارقت (جدائی) سے پہلے مسلم الیہ رأس المال پر قبضہ نہ کرے۔ مفارقت رب السلم سے مراد مفارقت بالابدان ہے لہذا اگر اسی مجلس میں دونوں سو گئے یا چلتے رہے تو بیع سلم باطل نہ ہوگی۔

(۱۷٥) وَلایَجُوزُ التَّصَرُّفُ فی رَأسِ المَالِ ولا فِی الْمُسْلَمِ فِیه قَبلَ الْقَبْضِ۔

ترجمہ:۔ اور قبضہ سے پہلے نہ رأس المال میں تصرف جائز ہے اور نہ مسلم فیہ میں۔

تشریح:۔ (۱۷٥) قبضہ سے پہلے بیع سلم کے رأس السلم اور مسلم فیہ میں تصرف کرنا جائز نہیں اول تو اسلئے کہ اس میں اس قبضہ کی تفویت لازم آتی ہے جو قبضہ عقد کی وجہ سے واجب ہوا ہے اور ثانی اسلئے جائز نہیں کہ مسلم فیہ مبیع ہوتی ہے اور مبیع میں قبل از قبضہ تصرف کرنا جائز نہیں۔

(۱۷٦) وَلایَجُوزُ الشَّرِکَةُ (۱۷۷) وَلا التَّوْلِیَةُ فِی الْمُسْلَمِ فِیه قَبلَ قَبضِه۔

ترجمہ:۔ اور قبضہ سے پہلے مسلم فیہ میں شرکت اور تولیہ جائز نہیں۔

تشریح:۔ (۱۷٦) یعنی مسلم فیہ میں (قبل از قبضہ) کسی کو شریک کرنا جائز نہیں۔ (۱۷۷) اور نہ تولیۃً کسی پر بیچنا جائز ہے کیونکہ یہ مسلم فیہ میں قبضہ سے پہلے تصرف ہے جو کہ جائز نہیں۔

(۱۷۸)ویجوزُ السَّلَمُ فِی الثِّیابِ اِذَا سَمَّی طُوْلاً وَعَرْضاً وَرُقْعَۃً (۱۷۹)وَلایَجُوزُ السَّلَمُ فی الجَوَاھِرِ وَلافِی الخَرزِ۔

ترجمہ:۔اور بیع سلم کپڑوں میں جائز ہے جب کہ لمبائی، چوڑائی اور ضخامت کو بیان کر دیا جائے اور جواہر میں بیع سلم جائز نہیں اور نہ موتیوں میں ۔

تشریح:۔(۱۷۸)اگر کپڑے کی طول،عرض،موٹائی اور باریکی بیان کردی جائے تو اسکی بیع سلم جائز ہے کیونکہ یہ مقدور التسلیم میں بیع سلم ہے اور مقدور التسلیم میں بیع سلم جائز ہوتی ہے۔(۱۷۹)جواھر اور موتیاں چونکہ عددی ہیں اور انکے احاد میں باعتبار مالیت بہت فرق ہوتا ہے لہذا انکی بیع سلم جائز نہیں۔

(۱۸۰)وَلابَأسَ بِالسَّلَمِ فِی اللَّبِنِ والآجُرّاِذا سَمَّی مِلْبَناً مَعلُوماً۔

ترجمہ:۔اور کچی و پکی اینٹوں میں بیع سلم کرنے میں کوئی حرج نہیں جبکہ اس کے معلوم سانچہ کو بیان کردیا گیا ہو۔

تشریح:۔(۱۸۰)کچی اور پکی اینٹوں میں بیع سلم جائز ہے اگر انکا سانچہ متعین کردیا ہو کیونکہ سانچہ متعین کرنے کے بعد اینٹ کا دوسرے سے تفاوت کم ہوکر ساقط الاعتبار ہو جائیگا لہذا عددیات متقاربہ میں سے ہوکر اسمیں بیع سلم جائز ہوگی۔

(۱۸۱)وَکُلّ مَا اَمْکَنَ ضَبْطُ صِفَتِہٖ وَمَعْرِفَۃُ مِقْدَارِہٖ جازَ السَّلَمُ فیہ (۱۸۲)وَمالا یُمْکِنُ ضَبْطُ صِفَتِہٖ ومَعرِفَۃُ مِقْدَارِہٖ لایجُوزُ السَّلَمُ فیہِ۔

ترجمہ:۔اور ہر وہ چیز جس کی صفت کو ضبط کرنا اور اس کی مقدار کو معلوم کرنا ممکن ہو اس میں بیع سلم جائز ہے اور جس کی صفت کو ضبط کرنا اور مقدار کو معلوم کرنا ممکن نہ ہو اس میں بیع سلم جائز نہیں۔

تشریح:۔(۱۸۱)مسلم فیہ میں جواز بیع سلم وعدم جواز میں ضابطہ یہ ہے کہ جس چیز کی صفت کو ضبط کرنا اور اسکی مقدار کو معلوم کرنا ممکن ہو ایسی بیع سلم جائز ہے (جیسے مکیلات،موزونات اور عددیات متقاربہ) کیونکہ یہ بیع مفضی للنزاع نہیں۔(۱۸۲)اور جس چیز کی صفت کو ضبط کرنا اور اسکی مقدار کو معلوم کرنا ممکن نہ ہو تو اسکی بیع سلم جائز نہیں کیونکہ یہ مفضی للنزاع ہے۔

(۱۸۳)وَیجوزُ بَیْعُ الکَلْبِ وَالفَھْدِ وَالسّبَاعِ (۱۸٤)ولایجُوزُ بَیْعُ الخَمْرِ وَالخِنْزِیرِ۔

ترجمہ:۔اور کتے، چیتے اور درندوں کی بیع جائز ہے اور شراب اور خنزیر کی بیع جائز نہیں۔

تشریح:۔(۱۸۳) کتے، چیتے اور درندے (مثلاً بھیڑیا،شیر وغیرہ) خواہ معلم (تعلیم یافتہ) ہو یا نہ ہو کی بیع جائز ہے کیونکہ ان سے اور ان کے چمڑے سے انتفاع ممکن ہے۔امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شیر اور کلب العقور (کتا کاٹ کھانے والا) کی بیع جائز نہیں (۱۸٤)شراب اور خنزیر کی بیع جائز نہیں کیونکہ یہ دونجس ہیں اور ان سے انتفاع جائز نہیں۔

مسئلہ بالا سے لیکر آنے والے باب تک جو مسائل ہیں یہ دراصل سابقہ ابواب میں جن مسائل کا ذکر کرنا رہ گیا تھا انکا بیان ہے۔

☆ ☆ ☆

(۱۸۵)وَلایَجُوزُ بَیعُ دُوْدِالْقزِّاِلَّااَنْ یَکُوْنَ مَعَ الْقزِّ(۱۸٦)وَلاالنَّحلِ اِلَّا مع الکُوْرَاتِ۔

ترجمہ:۔اور ریشم کے کیڑوں کی بیع جائز نہیں مگر یہ کہ وہ ریشم کے ساتھ ہوں اور نہ شہد کی مکھیوں کی بیع جائز ہے مگر یہ کہ وہ چھتوں کے ساتھ ہوں۔

تشریح:۔(۱۸۵)ریشم کے کیڑوں کی بیع جائز نہیں مگر یہ کہ ریشم کے ساتھ ہوں یہ شیخین رحمہما اللہ کا قول ہے امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک مطلقاً جائز ہے ریشم ساتھ ہوں یا نہ ہوں۔یہی قول مفتی بہ ہے۔(۱۸٦)شہد کی مکھیوں کی بیع جائز نہیں مگر یہ کہ چھتوں کے ساتھ ہوں کیونکہ یہ دیگر حشرات الارض کی طرح ہیں یہ شیخین رحمہما اللہ کا قول ہے۔امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اگر مجتمع محرز ہوں تو انکی بیع انفراداً بھی جائز ہے۔امام محمد رحمہ اللہ کا قول مفتی بہ ہے"کمافی الدر المختار :وھذاعندمحمدوبہ قالت الثلاثۃ وبہ یفتی(الدرالمختارعلی ھامش الشامیۃ:۱۲۴/۴)"۔

(۱۸۷)وَاَھلُ الذِّمَۃِ فِی البِیَاعَاتِ کَالمُسلِمِینَ (۱۸۸)اِلَّا فی الْخَمْرِ وَالخِنْزِیرِ خَاصَۃً فاِنَّ عَقْدَھُم علی الْخَمْرِ کَعقْدِ المُسلِمِ علی الْعَصِیر وعَقدَھُمْ علی الخِنْزِیر کَعقْدِ الْمُسْلِمِ علی الشَّاۃِ۔

ترجمہ:۔اور ذمی کافر خرید وفروخت میں مسلمانوں کی طرح ہیں مگر خاص کر شراب اور خنزیر میں کیونکہ ان کا شراب پر معاملہ کرنا ایسا ہے جیسے مسلمان کا شیرۂ انگور پر معاملہ کرنا اور ان کا خنزیر پر معاملہ کرنا ایسا ہے جیسے مسلمان کا بکری پر معاملہ کرنا۔

تشریح:۔(۱۸۷)ذمی لوگ (دارالاسلام میں جزیہ دے کر رہنے والے کفار) خرید وفروخت میں مسلمانوں کی طرح ہیں کیونکہ ذمی بھی مکلف اور معاملات کا محتاج ہے۔اور پیغمبر ﷺ کا فرمان ہے"فَاعْلِمْھُمْ اَنَّ لَھُمْ مَا لِلْمُسْلِمِیْنَ وَعَلَیْھِمْ مَا عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ" (یعنی ذمیوں کو بتاؤ کہ انکے لئے وہی حقوق ہیں جو مسلمانوں کے لئے ہیں اور ان پر وہی ذمہ داری ہوگی جو مسلمانوں پر ہے)۔

(۱۸۸)البتہ دو چیزیں یعنی شراب اور خنزیر خاص کر ذمیوں کے لئے حلال ہیں کیونکہ یہ دوان کے اعتقاد میں اموال ہیں اور ہمیں ان کے عقیدے سے تعارض نہ کرنے کا حکم ہے پس ذمیوں کا شراب پر عقد کرنا ایسا ہے جیسے مسلمانوں کا شیرۂ انگور پر عقد کرنا ہے اور خنزیر پر عقد کرنا ایسا ہے جیسے مسلمانوں کا بکری پر عقد کرنا ہے۔

بَابُ الصَّرف

یہ باب بیع صرف کے بیان میں ہے۔

صرف کا لغوی معنی پھیرنا اور منتقل کرنا ہے چونکہ عقد صرف کے دونوں عوضوں کو ہاتھوں ہاتھ پھیرنا اور منتقل کرنا ضروری ہے اسلئے اس عقد کا نام صرف رکھا گیا ہے۔اور بیع الصرف کی اصطلاحی تعریف یوں کی گئی ہے کہ بیع صرف وہ ہے جسکے دونوں عوضوں میں سے ہر ایک ثمن کی جنس سے ہو۔اس باب کی ماقبل کے ساتھ وجہ مناسبت باب سلم میں گذر چکی ہے۔

بیع الصرف میں افتراق بالابدان سے پہلے تقابض (متعاقدین کا قبضہ) شرط ہے اور اس میں خیار درست نہیں اور اجل مقرر کرنا بھی جائز نہیں۔

(۱۸۹)اَلصَّرْفُ هُوَالْبَيْعُ اِذَاكَانَ كُلّ وَاحِدٍ مِنْ عِوَضَيْهِ مِنْ جِنْسِ الاثْمانِ۔

ترجمہ:۔بیع صرف وہ بیع ہے جب کہ اس کے عوضین میں سے ہرایک جنس ثمن سے ہو۔

تشریح:۔(۱۸۹)اس عبارت میں صاحب کتاب نے بیع صرف کی تعریف کی ہے جواوپر بیان ہوئی ہے۔

(۱۹۰)فَاِنْ باعَ فِضَّةً بِفِضَّةٍ اَوْذَهَباً بِذَهَبٍ لَمْ يَجُزْ اِلَّا مِثْلاً بِمِثْلٍ وانْ اِخْتَلَفَا فِي الْجُوْدَةِ وَالصِّيَاغَةِ۔

ترجمہ:۔پس اگر کسی نے چاندی کو چاندی کے عوض اور سونے کو سونے کے عوض فروخت کیا تو جائز نہیں الا یہ کہ برابر سرابر ہو اگر چہ وہ دونوں کھرے کھوٹے ہونے میں مختلف ہوں۔

تشریح:۔(۱۹۰)یعنی اگر کوئی شخص چاندی، چاندی کے عوض یا سونا، سونا کے عوض فروخت کر دے تو یہ عقد اس وقت جائز ہے کہ وزن کے اعتبار سے دونوں عوض برابر ہوں اگر چہ جودت (عمدگی) اور صیاغت (ڈھلائی وپگھلائی) میں مختلف ہوں یوں کہ دونوں میں سے ایک عوض زیادہ کھرا ہو اور دوسرا بنسبت اس کے کم کھرا ہو یا ایک عمدہ ڈھلا ہوا ہو اور دوسرا اتنا عمدہ ڈھلا ہوا نہ ہو''لقوله عليه السلام جَيِّدُهَا وَرَدِيئهَا سَواءٌ''(یعنی انکا جید اور ردی برابر ہے)۔

(۱۹۱)وَلَابُدَّ مِنْ قَبْضِ الْعِوَضَيْنِ قَبْلَ الْاِفْتِرَاقِ۔

ترجمہ:۔اور جدا ہونے سے پہلے دونوں عوضوں پر قبضہ کرنا ضروری ہے۔

تشریح:۔(۱۹۱)بیع صرف میں افتراق بالابدان سے پہلے عوضین پر قبضہ واجب ہے''لقوله عليه السلام ......يَداًبِيَدٍ''(یعنی ہاتھوں ہاتھ فروخت کرلیا کرو)۔

(۱۹۲)وَاِذَابَاعَ الذَّهَبَ بِالْفِضَّةِ جَازَالتَّفَاضُلُ وَوَجَبَ التَّقَابُضُ (۱۹۳)وَاِنْ افْتَرَقَا فِي الصَّرْفِ قَبْلَ قَبْضِ الْعِوَضَيْنِ اَوْ اَحَدِهِمَا بَطَلَ الْعَقْدُ(۱۹۴)وَلَايَجُوْزُ التَّصَرُّفُ فِي ثَمَنِ الصَّرْفِ قَبْلَ قَبْضِهِ۔

ترجمہ:۔اور جب سونے کو چاندی کے عوض فروخت کر دے تو اس میں زیادتی جائز ہے اور طرفین کی طرف سے قبضہ ضروری ہے اور اگر عقدِ صرف میں عوضین یادونوں میں سے ایک پر قبضہ کرنے سے پہلے متعاقدین جدا ہو گئے تو عقدِ صرف باطل ہو جائیگا اور عقدِ صرف کے ثمن میں قبضہ سے پہلے تصرف کرنا جائز نہیں۔

تشریح:۔(۱۹۲)اگر سونا چاندی کے عوض فروخت کر دے تو ان میں تفاضل (یعنی ایک کا کم ہونا دوسرے کا زیادہ ہونا) جائز ہے وجہ جواز اتحادِ جنس کا نہ ہونا ہے البتہ عوضین پر قبضہ اسی مجلس میں واجب ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ سونا چاندی کے عوض بیچنا ربا ہے مگر ہاتھ در ہاتھ جائز ہے۔

(۱۹۳)اگر عقدصرف میں عوضین یا عوضین میں سے کسی ایک پر قبضہ کرنے سے پہلے عاقدین جدا ہو گئے تو عقدصرف باطل ہو جائیگا کیونکہ بقاءِ صحتِ عقد کی جو شرط (یعنی عوضین پر قبضہ کرنا) تھی وہ فوت ہو گئی اسلئے عقدصرف باطل ہوا۔

(۱۹۴) قبضہ سے پہلے ثمن صرف میں تصرف کرنا جائز نہیں کیونکہ بیع الصرف میں ہر ایک عوض من وجہ مبیع ہے اور من وجہ ثمن ہے اور مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے تصرف کرنا جائز نہیں اسلئے عقد صرف کے عوضین میں قبضہ سے پہلے تصرف کرنا جائز نہیں۔

(۱۹۵) وَيَجُوزُ بَيْعُ الذَّهَبِ بِالفِضَّةِ مُجَازَفَةً۔

ترجمہ:۔اور سونے کو چاندی کے عوض انکل سے فروخت کرنا جائز ہے۔

تشریح:۔(۱۹۵) سونے کو چاندی کے عوض اندازے سے فروخت کرنا جائز ہے اسلئے کہ عوضین اگر مختلف الجنس ہوں تو تفاضل جائز ہے مساوات ضروری نہیں۔

(۱۹۶) وَمَنْ بَاعَ سَيفاً مُحَلّٰى بِمَائةِ دِرْهمٍ وَحِلْيَتُه خَمْسُوْنَ دِرْهَماً فَدَفَعَ مِنْ ثَمَنِهِ خَمْسِيْنَ دِرْهَماً جَازَ الْبَيْعُ وَكَانَ الْمَقْبُوْضُ مِنْ حِصّةِ الْفِضَّةِ وَاِنْ لَمْ يُبَيِّنْ ذَالِکَ (۱۹۷) وَكَذَالِکَ اِنْ قَالَ خُذْهٰذِهِ الْخَمْسِيْنَ مِنْ ثَمَنِهِمَا۔

ترجمہ:۔اور جس نے چاندی سے آراستہ ایک تلوار سو درہم کے عوض فروخت کی اور اس کی چاندی پچاس درہم کے برابر تھی اور اس نے اس تلوار کی قیمت میں سے پچاس درہم ادا کر دئے تو یہ بیع جائز ہوگی اور جس درہم پر قبضہ کیا گیا ہے وہ چاندی کے حصہ کا ہوگا اگر چہ اس نے بیان نہ کیا ہو اور اسی طرح اگر مشتری نے کہا کہ اس پچاس درہم کو ان دونوں کی قیمت سے لے۔

تشریح:۔(۱۹۶) اگر کسی نے زیوردار تلوار سو درھم کے عوض فروخت کی جسکا زیور پچاس درھم کا ہے پھر مشتری نے ثمن میں سے پچاس درھم ادا کئے تو یہ بیع جائز ہے اور ادا شدہ پچاس درھم زیور کا ثمن شمار ہونگے اگر چہ مشتری نے اسکی تصریح نہ کی ہو کہ یہ پچاس درھم زیور کا عوض ہے یا تلوار کا یا دونوں کا کیونکہ زیور ہی کے ثمن پر قبضہ کرنا واجب تھا اسلئے ظاہر حال کا تقاضا یہی ہے کہ پہلے وہی ادا کیا گیا ہوگا۔

(۱۹۷) اسی طرح اگر مشتری نے تصریح کی کہ یہ پچاس درھم تلوار وزیور دونوں کا ثمن ہے تو اس صورت میں بھی یہ زیور ہی کا ثمن شمار ہوگا کیونکہ مسلمانوں کے امور کو حتی الامکان جواز پر محمول کیا جائیگا اور یہاں یہ ممکن بھی ہے اس طرح کہ "ثمنهما" سے ثمن زیور ہی مراد لے کیونکہ تثنیہ ذکر کر کے واحد مراد لینا جائز ہے کقوله تعالیٰ ﴿ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴾ کہ "مِنْهُمَا" سے صرف کھاری سمندر مراد ہے کیونکہ موتی و مرجان صرف کھاری سمندر سے نکلتے ہیں۔

(۱۹۸) فَاِنْ لَمْ يَتَقَابَضَا حَتّٰى اِفْتَرَقَا بَطَلَ الْعَقْدُ فِي الْحِلْيَةِ (۱۹۹) وَاِنْ كَانَ يَتَخَلَّصُ بِغَيرِ ضَرَرٍ جَازَ الْبَيْعُ فِي السَّيْفِ وَبَطَلَ فِي الْحِلْيَةِ۔

ترجمہ:۔پس اگر متعاقدین نے قبضہ نہیں کیا یہاں تک کہ دونوں جدا ہو گئے تو زیور میں یہ بیع باطل ہو جائیگی اور اگر وہ زیور بلا نقصان تلوار سے علیحدہ ہو سکتا ہو تو تلوار کی بیع جائز ہو جائیگی اور زیور میں باطل ہوگی۔

تشریح:۔(۱۹۸) یعنی اگر مذکورہ بالا صورت میں عوضین پر مجلس میں قبضہ کرنے سے پہلے متعاقدین جدا ہو گئے تو زیور کے حصہ میں عقد باطل ہو جائیگا کیونکہ زیور کے حصہ میں یہ بیع صرف ہے جس میں افتراق سے پہلے تقابض (متعاقدین کا قبضہ) شرط ہے۔(۱۹۹) پھر اگر

زیورتلوار سے جدا کرنا بغیر ضرر کے ممکن ہوتو تلوار کی بیع جائز ہو جائیگی کیونکہ اس صورت میں مبیع بغیر ضرر کے سپرد کرنا ممکن ہے اور زیور کی بیع باطل ہو جائیگی لـمـا مـرّ۔ اگر زیورتلوار کے ساتھ ایسے پیوست ہو کہ زیورتلوار سے بغیر ضرر کے جدا کرنا ممکن نہ ہوتو تلوار کی بیع بھی باطل ہو جائیگی کیونکہ بغیر ضرر کے مبیع کا سپرد کرنا ممکن نہ رہا۔

(۲۰۰)وَمَنْ باعَ اِنَاءَ فِضَّةٍ ثُمّ اِفْتَرَقَا وَقَدْ قَبَضَ بَعْضَ ثَمَنِه بَطلَ الْعَقْدُ فِيمَا لَمْ يَقْبِضْ وَصَحَّ فِيمَا قَبَضَ وكانَ الْإناءُ مُشْتَرَكاً بَيْنَهُمَا۔

ترجمه:۔اور جس نے چاندی کا برتن فروخت کیا پھر متعاقدین بعض ثمن پر قبضہ کر کے جدا ہو گئے تو جس قدر قیمت پر قبضہ نہیں کیا ہے اس میں عقد باطل ہو گیا اور جس قدر پر قبضہ کرلیا ہے اس میں صحیح ہوا اور برتن دونوں میں مشترک ہوگا۔

تشریح:۔(۲۰۰)اگر کسی نے چاندی کا برتن فروخت کیا پھر دونوں جدا ہو گئے حالانکہ بائع نے بعض ثمن پر قبضہ کیا ہے تو جس قدر ثمن پر قبضہ کیا ہے اسی کے بقدر بیع صحیح ہو گئی اور جس قدر پر قبضہ نہیں کیا اسکے بقدر بیع باطل ہو جائیگی اور برتن متعاقدین کے درمیان مشترک ہو جائیگا کیونکہ یہ عقد صرف ہے اور عقد صرف میں بقاء جواز کیلئے قبل الافتراق عوضین پر قبضہ شرط ہے پس جتنے حصے میں شرط پائی گئی اُتنے میں عقد صحیح ہو جائیگا اور جتنے میں شرط نہیں پائی گئی اتنے میں عقد باطل ہو جائیگا۔

(۲۰۱)وَاِنْ اُسْتُحِقّ بَعْضُ الْإِنَاءِ كانَ الْمُشْتَرِي بِالخِيارِ اِنْ شاءَ اَخذَ ما بَقِيَ بِحِصّتِه مِنَ الثّمنِ وَاِنْ شاءَ رَدّهُ۔

ترجمه:۔اور اگر بعض برتن کا کوئی مستحق نکل آیا تو مشتری کو اختیار ہوگا اگر چاہے باقی کا حصہ ثمن دے کر لے لے اور اگر چاہے تو رد کردے۔

تشریح:۔(۲۰۱)یعنی اگر برتن کا کوئی مستحق (مشتری وبائع کے علاوہ کسی تیسرے آدمی نے برتن کے مالک ہونے کا دعویٰ کر کے اس کو ثابت کیا تو اس شخص کو مستحق کہتے ہیں) نکل آیا تو مشتری کو اختیار ہوگا کہ وہ غیر مستحق برتن کو اس کے حصہ ثمن کے عوض لے لے یا رد کردے کیونکہ شرکت عیب ہے اور معیوب کا قبول کرنے یا رد کرنے کا مشتری کو اختیار ہوتا ہے۔

(۲۰۲)وَمن بَاعَ قِطْعَةَ نُقْرَةٍفَاسْتُحِقّ بَعْضُهَااَخَذَ مَابَقِيَ بِحِصّتِه ولا خِيارَ لَه۔

ترجمه:۔اور جس نے چاندی کا ایک ٹکڑا فروخت کیا پھر اس کے بعض کا مستحق نکل آیا تو مشتری باقی کو اسکے حصہ ثمن سے لے لے اور اس کو کچھ اختیار نہیں۔

تشریح:۔(۲۰۲)اگر کسی نے ایک ٹکڑا نقرہ (چاندی کا پگھلایا ہوا ٹکڑا) کا فروخت کیا پھر اسکے بعض حصے کا مستحق نکل آیا تو جس قدر چاندی کا ٹکڑا غیر مستحق رہا مشتری اسکو اسکے حصہ ثمن کے عوض لے لے اور مشتری کو نہ لینے کا اختیار نہیں کیونکہ اسکو ٹکڑے کرنا مضر نہیں لہذا بلاشرکت مشتری اپنا حصہ الگ کر کے بغیر ضرر کے مالک بن سکتا ہے۔

☆ ☆ ☆

(۲۰۳)وَمَنْ باعَ دِرْهَمينِ وَدِيْنارا بِدِيْنارَينِ وَدِرْهَمٍ جَازَ الْبَيْعُ وجُعِلَ كُلُّ وَاحِدٍ مِن الجِنْسَيْنِ بَدلاً من جِنْسِ الآخَرِ۔

ترجمہ:۔اور جس نے دو درہم اور ایک دینار کو دو دینار اور ایک درہم کے عوض فروخت کر دیا تو یہ بیع درست ہے اور ہر ایک جنس کو دوسری جنس کے بدلے قرار دی جائیگی۔

تشریح :۔(۲۰۳)اگر کسی نے دو درہم ایک دینار کو ایک درہم دو دینار کے عوض فروخت کیا تو ہمارے نزدیک یہ بیع جائز ہے اور دونوں میں سے ہر ایک جنس کو اسکے خلاف کا عوض قرار دی جائیگی (یعنی دو درہم دو دینار کے عوض میں اور ایک درہم ایک دینار کے عوض میں شمار ہوگا) کیونکہ اس بیع کی صحت کی یہی صورت ہے لہذا عاقدین کے عقد کو صحیح بنانے کیلئے اس عقد کو اسی صورت کی طرف پھیرا ئینگے۔اس بارے میں اصل یہ ہے کہ اگر عقد کے لئے دو وجہ ہوں ایک وجہ صحت اور دوسری وجہ فساد ہو تو اس عقد کو وجہ صحت پر حمل کیا جائیگا۔

(۲۰٤)وَمَنْ باعَ اَحدَ عَشرَ دِرْهما بِعَشْرَةِ دَرَاهِمَ ودِيْنارٍ جَازَ الْبَيْعُ وكَانَتِ العَشَرَةُ بِمِثْلِها وَالدِّيْنارُ بِدِرْهَمٍ۔

ترجمہ:۔اور جس نے گیارہ درہم بعوض دس درہم اور ایک دینار کے فروخت کئے تو یہ بیع جائز ہے پس دس درہم بعوض دس درہم ہونگے اور ایک دینار بعوض ایک درہم ہوگا۔

تشریح :۔(۲۰٤)اگر کسی نے گیارہ درہم بعوض دس درہم ایک دینار فروخت کئے تو یہ بیع جائز ہوگی۔دس درہم بعوض دس درہم ہونگے اور ایک دینار بعوض ایک درہم ہوگا کیونکہ جواز عقد کی یہی صورت ہے اور عاقدین کا ظاہر حال اسی بات کا مقتضی ہے کہ انہوں نے عقد جائز کا ارتکاب کیا ہوگا نہ کہ عقد فاسد کا۔

(۲۰۵)ويَجوزُ بَيعُ دِرْهَمينِ صَحِيْحَيْنِ وَدِرْهَمٍ غَلَّةٍ بِدِرْهَمٍ صَحِيْحٍ وَدِرْهَمَيْنِ غَلَّةٍ

ترجمہ:۔اور دو کھرے درہم اور ایک کھوٹے درہم کو ایک کھرے درہم اور دو کھوٹے درہموں کے عوض فروخت کرنا جائز ہے۔

تشریح :۔(۲۰۵)اگر دو صحیح اور ایک غلّہ درہم (غلّہ بفتح اوله وتشديد ثانيه، ریزگاری کو کہتے ہیں یا جس کو بیت المال رد کر دے اور تجار اسکو قبول کرتے ہوں) کو بعوض دو غلّہ ایک صحیح درہم کے فروخت کیا تو یہ بیع جائز ہے کیونکہ وزن کے اعتبار سے عوضین برابر ہیں اور جودت کا اعتبار نہیں۔

(۲۰٦)وَاِنْ كانَ الْغالِبُ عَلى الدَّرَاهِمِ الْفِضَّةَ فَهِيَ فِي حُكمِ الفِضَّةِ وإنْ كانَ الْغَالِبُ عَلى الدَّنانِيرِ الذَّهَبَ فَهِيَ فِي حُكمِ الذَّهَبِ فَيُعْتَبرُ فِيْهِمَا مِن تَحْرِيْمِ التَفَاضُلِ ما يُعْتَبَرُ فِي الْجِيَادِ (۲۰۷)وإنْ كانَ الغَالِبُ عَلَيْهِما الْغِشُّ فَلَيْسَا فِي حُكمِ الدَّرَاهِمِ والدَّنَانِيرِ فَهُما فِي حُكمِ العُرُوْضِ فَإذَا بِيْعَتْ بِجِنْسِهَا مُتَفَاضِلاً جَازَ الْبَيْعُ۔

ترجمہ:۔اور اگر درہم پر چاندی غالب ہو تو وہ چاندی کے حکم میں ہے اور اگر دنانیر پر سونا غالب ہو تو وہ سونے کے حکم میں ہیں پس ان دونوں میں کمی بیشی کی حرمت وہی معتبر ہوگی جو کھروں میں معتبر ہوتی ہے اور اگر ان دو پر کھوٹ غالب ہو تو وہ دراہم اور دنانیر کے حکم میں

نہیں بلکہ وہ اسباب کے حکم میں ہیں پس جب اس کو اپنی جنس کے عوض زیادتی کے ساتھ فروخت کردے تو یہ بیع جائز ہے۔

تشریح:۔(۲۰۶) اگر دراہم میں چاندی غالب ہو تو یہ دراہم خالص چاندی کے حکم میں ہیں اور اگر دنانیر میں سونا غالب ہو تو یہ دنانیر خالص سونے کے حکم میں ہیں لہذا ان میں اپنی جنس کے ساتھ فروخت کرتے وقت کمی بیشی حرام ہوگی جیسے خالص سونے و چاندی کی اپنی جنس کے ساتھ بیع میں کمی بیشی حرام ہوتی ہے۔

(۲۰۷) اگر دراہم و دنانیر میں غش (کھوٹ) غالب ہو تو یہ دراہم و دنانیر کے حکم میں نہیں بلکہ سامان کے حکم میں ہے کیونکہ اعتبار غالب کا ہوتا ہے۔ پس اگر ایسے دراہم و دنانیر بجلسہ کی بیشی کے ساتھ فروخت کیا گیا تو یہ بیع جائز ہے ہر ایک کو اسکی جنس کے خلاف کی طرف منسوب کیا جائیگا یعنی احد العوضین کے غش کو عوض اخر کے چاندی کے مقابلہ میں اور پہلے کے چاندی کو عوض اخر کے غش کے مقابلے میں قرار دیا جائیگا۔

(۲۰۸) وَاِنْ اشترىٰ بِها سِلْعَةً ثم كَسَدَتْ فَتَرَكَ النّاسُ الْمُعامَلَةَ بها قبلَ القبضِ بَطَلَ الْبَيْعُ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رحمَه اللّٰه وقالَ ابو يوسُفَ رحمَه اللّٰه قِيمَتُها يومَ الْبَيْعِ وقالَ مُحمَّدٌ رحمَه اللّٰه عليه قِيمَتُها آخرَ مَا يَتَعامَلُ النّاسُ۔

توجمه:۔اور اگر کھوٹے دراہم سے سامان خریدا اور قبضہ کرنے سے پہلے ان کا رواج ختم ہوا اور لوگوں نے ان کے ساتھ معاملہ کرنا چھوڑ دیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ بیع باطل ہو جائیگی اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مشتری پر ان درہموں کی وہ قیمت لازم ہوگی جو بیع کے دن تھی اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کے معاملہ کرنے کے آخری دن کی قیمت اس پر لازم ہوگی۔

تشریح:۔(۲۰۸) اگر کسی نے ایسے دراہم سے جن میں کھوٹ غالب ہو کوئی سامان خریدا پھر بائع کے قبضہ سے پہلے ایسے دراہم کا رواج ختم ہوا یعنی لوگوں نے ان کے ساتھ معاملہ کرنا چھوڑ دیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ بیع باطل ہو جائیگی مگر صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک بیع باطل نہ ہوگی بلکہ مشتری پر انکی قیمت واجب ہوگی۔

صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ عقدِ بیع صحیح ہو چکا ہے البتہ کساد (رواج ختم ہونے) کی وجہ سے تسلیم ثمن متعذر ہوگئی ہے اور ثمن کا تسلیم کرنا اگر متعذر ہو جائے تو اسکی وجہ سے بیع فاسد نہیں ہوتی۔ پھر امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک جس دن عقد بیع ہوا ہے اسی دن ان دراہم کی جو قیمت تھی مشتری پر وہی واجب ہوگی اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک جس دن لوگوں نے ان کے ساتھ معاملہ کرنا چھوڑ دیا تھا اسی دن ان دراہم کی جو قیمت تھی مشتری پر وہی واجب ہوگی۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ دراہم کا ثمن ہونا لوگوں کی اصطلاح سے تھا عدم رواج کی وجہ سے لوگوں کی اصطلاح اور انکا ثمن ہونا نہ رہا تو بیع بلا ثمن رہ گئی اور بیع بلا ثمن باطل ہے۔ امام محمدؒ کا قول مفتٰی بہ ہے۔

(۲۰۹)وَيجوزُ البيعُ بِالفُلُوسِ النَّافِقَةِ وإنْ لم يُعَيِّنْ (۲۱۰)وإنْ كانتْ كاسدَةً لم يَجزِ البَيعُ بها حتى يُعَيِّنَهَا۔

ترجمہ:۔اور رائج پیسوں کے ساتھ بیع کرنا جائز ہے اگر چہ متعین نہ کرے اور اگر پیسے کھوٹے ہوں تو ان کے ساتھ خرید وفروخت کرنا جائز نہیں الا یہ کہ متعین کردے۔

تشریح:۔(۲۰۹) فلوس (فلس کی جمع ہے یعنی پیسہ۔فلوس پیتل وغیرہ کے ہوتے ہیں) کے ساتھ بیع جائز ہے کیونکہ فلوس مال ہے جس کا قدر اور وصف معلوم ہے اور مال معلوم القدر والوصف کے ساتھ بیع جائز ہے۔(۲۱۰) پھر یہ فلوس بوقت عقد یا تو رائج ہونگے یا کاسد (جن کا رواج نہ ہو)۔اگر رائج ہوں تو دراہم ودنانیر کی طرح بیع میں انکا تعین کرنا ضروری نہیں بلکہ بوقت عقد متعین کئے ہوئے فلوس کے غیر بھی دیا جا سکتا ہے اور اگر بوقت عقد کاسد ہوں تو متعین کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ اب سامان ہے اور بوقت عقد سامان کا متعین کرنا ضروری ہے۔

(۲۱۱)وَاِذَا باعَ بِالفُلُوسِ النَّافِقَةِ ثُمَّ كَسَدَتْ قبلَ القَبْضِ بطلَ البَيعُ عندَ ابي حنِيفَةَ رحمَه الله۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی نے کوئی چیز رائج پیسوں کے ساتھ فروخت کردی پھر قبضہ سے پہلے ان کا رواج ختم ہوا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ بیع باطل ہو جائیگی۔

تشریح:۔(۲۱۱) اگر کسی نے رائج فلوس کے عوض کوئی چیز فروخت کی پھر قبل القبض انکا رواج ختم ہوگیا تو یہ بیع امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک باطل ہے۔صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک یہ بیع درست ہے اس میں وہی تفصیل ہے جو"وان اشترىٰ بهاسِلْعَةً الخ" میں گذرگئی۔

(۲۱۲)وَمَنْ اشترىٰ شَيأً بِنِصفِ دِرْهِمٍ مِنْ فُلُوسٍ جا زَ البَيعُ وعَليه مَا يُبَاعُ بِنِصْفِ دِرْهِمٍ مِنْ فُلُوسٍ۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی نے نصف درہم پیسوں کے عوض کوئی چیز خریدلی تو یہ بیع جائز ہے اور مشتری پر لازم ہے کہ اتنے ہی پیسے دے جتنے کو نصف درہم کے ساتھ فروخت کیا جاتا ہے۔

تشریح:۔(۲۱۲) اگر کسی نے کہا کہ یہ چیز نصف درہم فلوس کے عوض میں نے خریدی یعنی اتنے فلوس کے عوض خریدی جن کی قیمت نصف درہم چاندی ہے تو یہ بیع جائز ہے عدد کے بیان کے بغیر۔اور مشتری پر اتنے فلوس کا ادا کرنا لازم ہے جو نصف درہم کے عوض بکتے ہوں لانه عبارة عن مقدار معلوم منها۔

(۲۱۳)وَمَنْ اَعْطىٰ صَيْرَفِيّاً دِرْهماًفقالَ اَعْطِنِي بِنِصْفِه فُلُوساًوَبِنِصْفِه نِصْفاً اِلَّاحَبَّةً فَسَدَ البَيعُ في الجَمِيعِ عند اَبي حَنيفَةَ رحمَه الله وقالارحمهما الله جازَ البَيعُ في الفُلُوسِ وبَطلَ البَيعُ فيمَا بقيَ۔

ترجمہ:۔اور جس نے صرّاف کو ایک درہم دیدیا اور کہا کہ اسکے نصف کے بدلے مجھے پیسے دیدو اور نصف کے بدلے ایک حبہ کم درہم دیدو تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ بیع کل میں فاسد ہے اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ پیسوں میں بیع جائز ہے اور باقی میں باطل ہے۔

تشریح:۔(۲۱۳) اگر کسی نے صراف کو ایک درہم دے کر کہا کہ اسکے نصف کے عوض فلوس دیدو اور نصف کے عوض ایک حبہ (دو جو کی

برابر ایک وزن کا نام ہے) کم درہم دیدو۔ تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک کل کے اندر یہ بیع باطل ہے کیونکہ عقد ایک ہے اور نصف درہم میں ربا لازم آنے کی وجہ سے فساد قوی ہے جو کہ پورے عقد میں پھیل جاتا ہے لہٰذا کل کے اندر عقد باطل ہو جائیگا۔ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک فلوس میں بیع جائز ہے باقی میں باطل ہے کیونکہ اس نے نصف درہم کا مقابلہ فلوس سے کیا جس میں کوئی مانع جواز نہیں اور نصف درہم کا مقابلہ حبہ کم نصف درہم سے کیا تو اسمیں چونکہ ربا ہے اسلئے یہ جائز نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے۔

(۲۱۴) وَلَوْ قَالَ اَعْطِنِیْ نِصفَ دِرْهَمٍ فُلوساً وَنِصفاً اِلَّا حَبَّةً جَازَ الْبَیعُ۔

ترجمہ:۔ اور اگر کہا کہ تو مجھے نصف درہم پیسے اور حبہ بھر کم نصف درہم دیدو تو یہ بیع جائز ہے۔

تشریح:۔ (۲۱۴) اگر کسی نے کہا کہ مجھے اس درہم کے عوض نصف درہم فلوس اور حبہ کم نصف درہم دیدو تو یہ پوری بیع جائز ہے کیونکہ اس صورت میں مشتری نے ایک درہم کے مقابلے میں نصف درہم کی قیمت کے فلوس اور حبہ کم نصف درہم کو ذکر کیا ہے پس حبہ کم نصف درہم کے عوض تو حبہ کم نصف درہم ہو جائیگا اور نصف درہم اور ایک حبہ کے عوض فلوس ہو جائینگے اور درہم و فلوس کے درمیان چونکہ اختلاف جنس ہے اسلئے ان میں کمی بیشی جائز ہوگی۔ وجہ فرق دونوں مسئلوں میں یہ ہے کہ ثانی میں لفظ "بنصفه" مکرر نہیں جس سے معنی میں فرق آیا۔

(۲۱۵) وَلَوْقَالَ اَعْطِنِیْ دِرْهَماً صَغِیراًوَزْنُه نِصْفُ دِرْهَمٍ اِلَّا حَبَّةً وَالبَاقِی فُلُوْساً جَازَ الْبَیعُ وَکَانَ النِّصْفُ اِلَّاحَبَّةً بِاِزَاءِ الدِّرْهَمِ الصَّغِیرِ وَالبَاقِی بِاِزَاءِ الْفُلُوسِ۔

ترجمہ:۔ اور اگر کہا کہ مجھے ایک چھوٹا درہم دیدو جس کا وزن ایک حبہ کم نصف درہم ہو اور باقی پیسے دیدو تو یہ بیع جائز ہے اور حبہ بھر کم نصف درہم چھوٹے درہم کے مقابلہ میں اور باقی پیسوں کے مقابلہ میں ہوگا۔

تشریح:۔ (۲۱۵) اگر مشتری نے کوئی بڑا درہم دیتے ہوئے کہا کہ مجھے ایک چھوٹا درہم دیدو جس کا وزن نصف درہم سے بھی ایک حبہ (رتی بھر) کم ہو اور باقی کے فلوس دیدو تو یہ بیع جائز ہے کیونکہ حبہ (رتی) بھر کم نصف درہم چھوٹے درہم کے مقابلے میں ہوگا اور باقی فلوس کے مقابلے میں لہٰذا سود لازم نہیں آئیگا۔

كتاب الرّهن

یہ کتاب رہن کے بیان میں ہے۔

بیوع کے بعد کتاب الرھن لانے کی وجہ یہ ہے کہ غالباً بیع کے بعد رہن (گروی) کی ضرورت پیش آتی ہے۔

رھن لغت میں حبس الشی یعنی کسی چیز کے روک لینے کو کہتے ہیں اور اصطلاح شرع میں "حبس شی بحق یمکن استیفاؤه منه" یعنی کسی چیز کا روکنا ایسے حق کے بدلے میں جسکا وصول کر لینا رہن سے ممکن ہو (مثلاً زید کا بکر پر ہزار روپیہ قرضہ ہے زید نے اس قرضہ کے بدلے بکر کا بندوق بطور رہن اپنے پاس رکھ لیا)۔

گروشدہ چیز کو رہن (من قبیل اطلاق المصدر وارادة المفعول) اور مرھون کہتے ہیں اور مرتہن رہن رکھنے والے اور

راہن رہن دینے والے کو کہتے ہیں۔

(۱) اَلرَّهنُ يَنعَقِدُ بِالْاِيْجابِ وَالقَبُولِ وَيَتِمُّ بِالقَبْضِ (۲) فاذا قَبَضَ المُرتَهِنُ الرَّهْنَ مَحوَزاً مُفرَّغاً مُميَّزاً تَمَّ العقدُ فيه (۳) ومَا لَمْ يَقْبِضْه فَالرَّاهِنُ بالخِيارِ اِنْ شاءَ سَلَّمَه اليه وَاِنْ شاءَ رجعَ عن الرَّهْنِ (٤) فاذَا سَلَّمَه اِلَيْه فَقَبَضَهُ دخَلَ في ضَمَانِه۔

ترجمہ:۔ رہن ایجاب وقبول سے منعقد ہو جاتا ہے اور قبضہ سے تام ہو جاتا ہے پس جس وقت مرتہن نے مرہون پر محوز و مفرغ اور ممیز ہونے کی حالت میں قبضہ کر لیا تو عقد اس میں پورا ہو گیا اور جب تک کہ مرتہن مرہون پر قبضہ نہ کرے راہن کو اختیار ہے اگر چاہے تو مرہون راہن کے حوالہ کر دے اور اگر چاہے تو رہن سے رجوع کر لے اور جب راہن نے رہن مرتہن کے حوالہ کر دیا اور اس نے اس پر قبضہ کر لیا تو اب رہن اسکے ضمان میں داخل ہو گیا۔

تشریح:۔ (۱) رہن ایجاب وقبول سے منعقد ہوتا ہے دیگر عقود کی طرح اور قبضہ سے تام ہوتا ہے۔ قبضہ لزوم رہن کیلئے شرط ہے۔ (۲) جب مرتہن رہن پر قبضہ کر لے اس حال میں کہ رہن محوز (یعنی مجتمع غیر متفرق ہو پس پھل درختوں پر بغیر درخت کے اور کھیتی زمین میں بغیر زمین کے رہن رکھنا درست نہ ہوگا کیونکہ محوز نہیں) ہو اور مفرغ (یعنی مشغول بحق راہن نہ ہو مثلاً ایسا گھر رہن رکھنا جائز نہیں جس میں راہن خود رہتا ہو یا اپنا سامان اس میں رکھا ہو کیونکہ مفرغ نہیں) ہو اور ممیز (یعنی رہن مشاع نہ ہو مثلاً مشترک غلام کا نصف یا ثلث بطور رہن رکھنا جائز نہیں کیونکہ رہن ممیز نہیں۔ مشاع بمعنی مشترک غیر منقسم) ہو تو عقد تام ولازم ہو جاتا ہے۔ (۳) جب تک کہ مرتہن نے رہن پر قبضہ نہ کیا ہو تو راہن کو اختیار ہوگا چاہے تو شئی مرہون مرتہن کے سپرد کر دے چاہے تو رہن سے رجوع کر دے کیونکہ عقد رہن کا لزوم مرتہن کے مرہون پر قبضہ سے ہوتا ہے جو کہ اب تک نہیں ہوا ہے لہذا یہ عقد راہن پر لازم نہیں۔

(٤) جب راہن مرہون کو مرتہن کے حوالہ کر دے تو اب مرہون مرتہن کے ضمان میں داخل ہو جائیگا (یعنی بصورت ہلاکت مرتہن ضامن ہوگا) کیونکہ عقد رہن مرتہن کے قبضہ سے تام ہوا۔

(۵) وَلَايَصِحّ الرَّهْنُ اِلّا بِدَيْنٍ مَضْمُونٍ (٦) وهو مَضْمُونٌ بِالْاَقَلِّ مِن قِيْمتِه ومِنَ الدَّيْنِ (۷) فاذا هَلَكَ الرَّهْنُ في يَدِ المُرْتَهِنِ وقِيْمَتُه وَالدَّيْنُ سَواءٌ صارَ الْمُرتَهِنُ مُسْتَوْفِياً لِدَيْنِه حُكْماً (۸) وان كانتْ قِيمةُ الرَّهْنِ اَكثَرَ من الدَّيْنِ فَالفَضلُ اَمانةٌ (۹) واِنْ كانتْ قِيمَةُ الرَّهْنِ اَقَلَّ مِن ذَالِكَ سَقَطَ مِنَ الدَّيْنِ بِقَدرِها وَرَجَعَ المُرْتَهِنُ بِالفَضْلِ۔

ترجمہ:۔ اور رہن صحیح نہیں مگر دین مضمون کے عوض اور رہن اپنی قیمت اور دین میں سے کم کے عوض میں مضمون ہوگا پس اگر رہن مرتہن کے ہاتھ میں ہلاک ہو گیا اور اس کی قیمت اور دین دونوں برابر ہیں تو مرتہن حکماً اپنا دین وصول کرنے والا ہو جائیگا اور اگر رہن کی قیمت دین سے زیادہ ہو تو زائد امانت ہے اور اگر رہن کی قیمت اس سے کم ہو تو اسی کے بقدر دین سے ساقط ہو جائیگا اور مرتہن باقی دین کے لئے رجوع کرے گا۔

تشریح:۔(۵)یعنی رہن رکھنا صحیح نہیں مگر دین مضمون (مضمون اسم مفعول کا صیغہ ہے وہ دین جس کا مستقرض ضامن ہو) کے بدلے میں کیونکہ رہن دین کی وصولیابی کیلئے رکھا جاتا ہے تو اگر دین نہیں تو وصولیابی کس چیز کی ہوگی۔ دین کے ساتھ مضمون کی قید برائے تاکید ہے ورنہ ہر دین مضمون ہوتا ہے۔(٦)اگر مرہون مرتہن کے پاس اسکی تعدی کے بغیر ہلاک ہوا تو مرہون اپنی قیمت اور قرضہ میں سے اقل کے ساتھ مضمون ہوگا کیونکہ مرتہن اتنے ہی کا ضامن ہوگا جتنے سے اسکا قرضہ وصول ہو سکے اور وہ بقدر قرض ہے۔

(۷)پس اگر مرہون ہلاک ہوا مرتہن کے ہاتھ میں اور مرہون کی قیمت و قرضہ برابر ہو تو سمجھا جائیگا کہ مرتہن نے اپنا حق وصول کرلیا کیونکہ مرہون کی قیمت متعلق بذمۃ المرتہن تھا۔(۸)اور اگر مرہون کی قیمت قرضہ سے زائد ہو تو زائد حصہ مرتہن کے ہاتھ میں امانت ہوگا کیونکہ مضمون اتنا ہے جتنے سے وصولیابی ہو سکے۔(۹)اور اگر مرہون کی قیمت قرضہ سے کم ہو تو بقدر قیمت راہن سے قرض ساقط ہوگا اور باقی ماندہ قرض مرتہن راہن سے لے لیگا کیونکہ قرض کی وصولی بقدر مالیت مرہون ہوتی ہے۔

(۱۰)وَلایَجُوزُ رَهْنُ الْمُشَاعِ (۱۱)ولارَهْنُ ثَمَرَةٍ علی رُؤُسِ النَّخلِ دُوْنَ النَّخلِ (۱۲)ولازَرْعٍ فی الْاَرْضِ دُوْنَ الْاَرْضِ (۱۳)ولا یَجوزُ رَهْنُ النَّخلِ وَالْاَرْضِ دُوْنَهُمَا۔

ترجمہ:۔اور مشترک چیز کو بطور رہن رکھنا جائز نہیں اور نہ درخت پر لگے پھل کا بغیر درخت رہن رکھنا جائز ہے اور نہ کھیتی زمین میں بغیر زمین کے اور درخت اور زمین کا بغیر پھل و کھیتی کے رہن رکھنا جائز نہیں۔

تشریح:۔(۱۰)شئ مشاع (مشترک غیر منقسم شئ) کو رہن رکھنا جائز نہیں کیونکہ صحتِ رہن کیلئے مرہون کا قبض کرنا شرط ہے اور رہن حبس دائی کا مقتضی ہے جبکہ رہنِ مشاع میں حبس دائی نہیں ہو سکتا کیونکہ اسمیں دوسرے کا حق موجود ہے جو مرہون میں اپنے حق کی باری چاہیگا۔

(۱۱)ایسے پھلوں کا رہن رکھنا جو درختوں پر ہوں بغیر درختوں کے جائز نہیں کیونکہ یہ محوز نہیں۔(۱۲)اسی طرح کھیتی زمین میں بغیر زمین کے رہن رکھنا جائز نہیں کیونکہ یہ محوز نہیں کما مرّ۔ نیز مرہون ایسی شئ کے ساتھ خلقۃً متصل ہے جو کہ مرہون نہیں تو یہ مشاع کے درجہ میں ہے۔(۱۳)اسی طرح درخت بغیر پھل کے اور زمین بغیر کھیتی کے رہن رکھنا بھی جائز نہیں کیونکہ اتصال من الطرفین ہے (لہٰذا اسمیں بھی سابقہ وجہ مانع ہے)۔

(۱٤)وَلا یَصِحّ الرَّهْنُ بِالْاَمانَاتِ کَالْوَدَائِعِ وَالعَوَارِیْ وَالْمُضَارَبَاتِ ومالِ الشَّرِکَةِ۔

ترجمہ:۔اور امانتوں کا رہن رکھنا صحیح نہیں جیسے ودیعتیں و عاریت کے طور پر لی گئی چیزیں و مال مضاربت اور مال شرکت۔

تشریح:۔(۱٤)امانت کی فہرست میں آنے والی چیزوں کے عوض رہن رکھنا صحیح نہیں جیسے کوئی چیز کسی کے پاس ودیعت (امانت) رکھی اور مودَع (جس کے پاس امانت رکھی ہے) سے اسکے عوض رہن چاہا۔ یا کوئی چیز بطور عاریت (کسی کو کسی شئ کے منافع کا بغیر عوض مالک بنانے کو عاریت کہتے ہیں) رکھی اور مستعیر (جس کے پاس شئ عاریۃً رکھی گئی ہو) سے اسکے عوض رہن چاہا۔ یا مال مضاربت (وہ مال جس سے مالک کے سوا کوئی دوسرا تجارت کرے اور نفع میں مالک کے ساتھ شریک ہو) کے عوض مضارب (دوسرے کے مال سے تجارت

کرنے والا) سے رہن چاہا۔ یا مالِ شرکت کے عوض شریک سے رہن چاہا۔ وجہ یہ ہے کہ رہن دینِ مضمون کے عوض رکھنا صحیح ہے مذکورہ چیزیں مضمون نہیں چنانچہ اگر مالِ ودیعت مودَع سے یا مستعار (عاریۃً لی ہوئی چیز) مستعیر سے یا رأس المال مضارب سے اور یا مالِ شرکت شریک سے ہلاک ہو جائے تو یہ لوگ ضامن نہیں۔

(۱۵) وَيَصِحّ الرَّهْنُ بِرَأْسِ مَالِ السَّلَمِ (۱٦) وَبِثَمَنِ الصَّرْفِ (۱۷) وَالْمُسْلَمِ فِيْهِ۔

ترجمہ:۔ اور بیع سلم کے راس المال، عقدِ صرف کے ثمن، اور مسلم فیہ کے عوض رہن رکھنا صحیح ہے۔

تشریح:۔ (۱۵) بیع سلم کے رأس المال کے عوض (۱٦) اور بیع صرف کے ثمن کے عوض (۱۷) اور بیع سلم کے مسلم فیہ کے عوض رہن رکھنا جائز ہے۔ امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک جائز نہیں کیونکہ رہن کا حکم وصولیابی حق ہے جبکہ ان اشیاء کے بدلہ رہن رکھنے کی صورت میں وصولی حق نہیں بلکہ حق میں تبدیلی ہوگئی یعنی رأس المال کچھ اور مقرر ہے اور رہن رکھ کر بدلہ میں کچھ اور دیا جا رہا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ مذکورہ اشیاء اور رہن میں ذاتی لحاظ سے اگر چہ مجانست نہیں مگر من حیث المالیۃ مجانست ہے اور رہن سے وصولیابی من حیث المالیۃ ہوتی ہے۔ باقی عین رہن تو مرتہن کے پاس امانت ہے۔

(۱۸) فَإِنْ هَلَكَ فِي مَجلِسِ العقدِتَمَّ الصَّرْفُ وَالسَّلَمُ وَصارَ الْمُرْتَهِنُ مُسْتَوْفِياً لِحَقِّه حُكْماً۔

ترجمہ:۔ پس اگر رہن مجلسِ عقد میں ہلاک ہو گیا تو عقدِ صرف اور عقدِ سلم تام ہو جائیگا اور مرتہن حکماً اپنا حق وصول کرنے والا ہوگا۔

تشریح:۔ (۱۸) اگر بیع صرف کے ثمن یا بیع سلم کے رأس المال کے عوض کوئی چیز رہن رکھی تو اگر اسی مجلس میں قبل الافتراق رہن ہلاک ہو جائے تو بیع صرف و سلم تام ہو جائیگی۔ اگر مرہون کی قیمت، ثمن صرف یا رأس مال سلم کے برابر ہے تو حکماً مرتہن کو اپنے حق کا وصول کرنے والا سمجھا جائیگا کیونکہ قبضہ متحقق ہوا۔

(۱۹) وَإِذَا اتَّفَقَا عَلَى وَضْعِ الرَّهْنِ على يَدِ عَدْلٍ جازَ (۲۰) وليس لِلْمُرْتَهِنِ وَلا لِلرَّاهِنِ اَخْذُه مِنْ يَدِه (۲۱) فَإِنْ هَلَكَ فِيْ يَدِه هَلَكَ مِنْ ضَمان الْمُرْتَهِنِ۔

ترجمہ:۔ اور اگر راہن و مرتہن کا کسی عادل کے ہاتھ رہن رکھنے پر اتفاق ہو جائے تو یہ جائز ہے اب مرتہن اور راہن کو حق نہیں کہ رہن عادل کے ہاتھ سے لے لے پس اگر رہن عادل کے ہاتھ میں ہلاک ہو جائے تو مرتہن کے ضمان میں سے ہلاک ہوگا۔

تشریح:۔ (۱۹) اگر راہن و مرتہن کسی عادل (وہ ثالث جسکے پاس رہن رکھا ہو) کے پاس رہن رکھنے پر راضی ہو جائے تو یہ جائز ہے کیونکہ رہن پر قبضہ مرتہن کا حق ہے وہ اپنے حق کے اسقاط پر راضی ہے (۲۰) اب مرتہن و راہن میں سے کسی ایک کو عادل سے رہن لینے کا حق نہ ہوگا کیونکہ ثالث کے ہاتھ سے حفاظت کے لحاظ سے رہن کے ساتھ راہن کا حق متعلق ہے اور حق کی وصولیابی کے لحاظ سے رہن کے ساتھ مرتہن کا حق متعلق ہے لہذا کسی ایک کو دوسرے کا حق باطل کرنے کا حق نہ ہوگا۔ (۲۱) اگر مرہون ثالث کے پاس ہلاک ہو جائے تو مرتہن کی ضمان سے ہلاک ہوگا کیونکہ مالیت کے حق میں ثالث کا قبضہ مرتہن کا قبضہ ہوتا ہے۔

(۲۲)وَيجوزُ رَهْنُ الدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ وَالمَكِيلِ وَالمَوْزُوْنِ (۲۳)فَإِنْ رُهِنَتْ بِجِنْسِهَا وهَلَكَتْ هَلَكَتْ بِمِثْلِهَا مِن الدَّيْنِ وإنْ اخْتَلَفَا فِي الجُودَةِ وَالصِّيَاغَةِ۔

ترجمه:۔اور دراہم، دنانیر اور مکیلی وموزونی چیزوں کو رہن رکھنا جائز ہے پس اگر کوئی چیز اپنی جنس کے عوض میں بطور رہن رکھی گئی اور وہ ہلاک ہوگئی تو اسی کی مثل کی مقدار دین میں سے ہلاک ہوجائیگا اگر چہ دونوں عمدگی اور بناوٹ میں مختلف ہوں۔

تشریح:۔(۲۲) دراہم، دنانیر اور مکیلی وموزونی اشیاء کو رہن میں رکھنا جائز ہے کیونکہ رہن سے مقصود وصولیابی حق ہے جو مذکورہ اشیاء سے وصول ہوسکتا ہے (۲۳) اگر مذکورہ چیزیں اپنی جنس کے عوض رہن رکھی گئیں اور ہلاک ہوگئیں تو انکی بقدار دین بھی ہلاک (ساقط) ہوجائیگا اگر چہ مرہون ودین عمدگی میں اور بناوٹ میں مختلف ہوں کیونکہ اموال ربویہ میں اپنی جنس کے ساتھ مقابلہ کے وقت جودت غیر معتبر ہے۔

(۲٤)وَمَنْ كَانَ لَه دَينٌ عَلى غَيرِه فَاَخَذَ مِنهُ مِثْلَ دَيْنِه فَاَنْفَقَهُ ثُمّ عَلِمَ انّه كانَ زُيُوفاً فَلا شَئَ لَهُ عِنْدَ اَبِي حَنِيفَةَ رحِمَه اللّه وقال اَبُويُوسُفَ رحِمَه اللّه ومُحَمّدٌ رحِمَه اللّه يَرُدُّ مِثْلَ الزُيُوفِ وَيَرْجِعُ مِثْلَ الجِيَادِ۔

ترجمه:۔اور جس کا کسی دوسرے پر دین تھا پھر اس نے اپنے مقروض سے اپنے دین کے برابر وصول کر کے خرچ کردیا پھر معلوم ہوا کہ وہ تو کھوٹا تھا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کے لئے اب کچھ نہیں اور امام ابویوسف وامام محمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ کھوٹے کے مثل واپس کردے اور کھرے کے مثل لے لے۔

تشریح:۔(۲٤) جسکا کسی پر قرضہ ہو اس نے اپنا قرضہ وصول کر کے خرچ کیا بعد میں پتہ چلا کہ جو سکہ مقترض سے وصول کیا تھا وہ کھوٹا تھا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قرض خواہ کیلئے مزید کچھ نہیں کیونکہ قرض خواہ کو مقدار کے اعتبار سے اسکے حق کا مثل مل گیا صفت جودۃ کی کوئی قیمت نہیں اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک اسی جیسا کھوٹا سکہ مقترض کو واپس کردے اور اس سے کھرا اسکہ واپس لے لے۔

(۲۵)وَمَنْ رَهَنَ عبدَيْنِ بِالْفٍ فَقَضَى حِصَّةَ اَحدِهِما لَمْ يكُنْ لَه اَنْ يَقْبِضَهُ حَتّى يُؤَدّىَ بَاقِيَ الدَّيْنِ۔

ترجمه:۔اور جس نے ایک ہزار کے عوض دو غلام رہن رکھا پھر ایک غلام کا حصہ ادا کردیا تو اس کو اس غلام پر قبضہ کرنے کا اختیار نہیں یہاں تک کہ باقی دین ادا کردے۔

تشریح:۔(۲۵) اگر کسی نے ہزار درہم کے عوض دو غلام رہن رکھے یہ نہیں بتایا کہ ان میں سے ہر ایک کتنے قرضے کے عوض رہن ہے اب ہوا یہ کہ ایک کی قیمت کی بمقدار قرضہ ادا کیا تو راہن اس غلام کو مرتہن سے واپس نہیں لے سکتا جب تک کہ باقی قرضہ ادا نہ کردے کیونکہ یہ دونوں غلام پورے دین کے عوض محبوس ہیں تو راہن کو قضاء دین پر ابھارنے میں مبالغہ کی غرض سے دین کے ہر ہر جزء کے عوض محبوس ہوگا۔

☆ ☆ ☆

(۲۶)فاِذَا وَكَّلَ الرَّاهِنُ المُرْتَهِنَ اَوِ العَدْلَ اَوْ غيرَهُمَا في بَيْعِ الرّهْنِ عِندَ حُلُولِ الدّيْنِ فَالوَكالَةُ جائزَ ةٌ (۲۷)فاِنْ شُرِطَتِ الوَكالَةُ في عَقْدِ الرّهْنِ فَلَيْسَ لِلرّاهِنِ عَزْلُه عَنْهَافاِنْ عَزَلَه لَمْ يَنْعَزِلْ (۲۸)واِنْ ماتَ الرّاهِنُ لم يَنْعَزِلْ اَيْضاً۔

ترجمہ:۔پھر اگر راہن نے قرض کی مدت گذرنے کے وقت رہن فروخت کرنے کے لئے مرتہن یا عادل یا کسی تیسرے شخص کو وکیل بنایا تو یہ وکالت جائز ہے اور اگر عقدِ رہن میں وکالت شرط کی تھی تو اب راہن کو حق نہیں کہ اس کو وکالت سے معزول کردے پس اگر اس کو معزول کردیا تو وہ معزول نہیں ہوگا اور اگر راہن مرگیا تب بھی وہ وکیل معزول نہیں ہوگا۔

تشریح:۔(۲۶)اگر راہن نے مرتہن یا عادل (وہ ثالث جسکے پاس رہن رکھا ہو) یا ان دو کے علاوہ کسی اجنبی کو مدت دین گذرنے پر مرہون کے بیچنے کا وکیل بنایا تو یہ وکالت جائز ہے اسلئے کہ یہ اپنے مال کی بیع کا وکیل بنانا ہے جو کہ جائز ہے (۲۷)اور اگر عقدِ رہن کے وقت مرتہن کے وکالت کی شرط کی گئی تو اب راہن کو یہ حق نہیں کہ وہ وکیل کو معزول کردے اگر معزول کیا تو معزول نہ ہوگا کیونکہ یہ وکالت عقدِ رہن کے حقوق میں سے ایک حق ہو چکا ہے فیلزم بلزوم اصله (ای رهن)۔

(۲۸)اگر راہن مرگیا تو بھی مذکورہ وکیل معزول نہ ہوگا اسلئے کہ راہن کی موت سے رہن باطل نہیں ہوتا اور اسلئے کہ وکالت تو ورثہ کے حق کی وجہ سے باطل ہوتی حالانکہ مرتہن کا حق ورثہ کے حق سے مقدم ہے۔

(۲۹)وَ لِلمُرْتَهِنِ اَنْ يُطَالِبَ الرَّاهِنَ بِدَيْنِهِ وَيَحْبِسَهُ بِهِ (۳۰)واِنْ كَانَ الرَّهْنُ فِيْ يَدِهٖ فَلَيْسَ عَلَيه اَنْ يُمَكِّنَهُ مِنْ بَيْعِهِ حَتّٰى يَقْبِضَ الدّيْنَ مِن ثَمَنِه (۳۱)فاِذَا قَضَاهُ الدّيْنَ قِيْلَ لَهُ سَلِّمِ الرَّهْنَ اِلَيْه۔

ترجمہ:۔اور مرتہن کو یہ حق ہے کہ راہن سے اپنے قرض کو طلب کرے اور راہن کو اس میں قید کرائے اور اگر رہن اسکے قبضہ میں ہے تو اس پر یہ نہیں کہ راہن کو فروخت کرنے کی قدرت دے یہاں تک کہ اس کے ثمن سے اپنا قرضہ وصول کرلے پس اگر راہن نے اس کا قرضہ ادا کردیا تو اب مرتہن سے کہا جائیگا کہ رہن اسکے حوالہ کردو۔

تشریح:۔(۲۹)مرتہن میعاد پورہ ہونے پر راہن سے اپنے قرضے کا مطالبہ کرسکتا ہے اور اگر راہن ٹال مٹول کرکے ظلم کرتا ہے تو قید بھی کیا جاسکتا ہے کیونکہ قید ظلم کا بدلہ ہے۔(۳۰)اگر رہن مرتہن کے قبضہ میں ہو تو جب تک اس کی قیمت سے اپنا قرضہ وصول نہ کرے اس وقت تک راہن کو رہن نہ بیچنے دے کیونکہ رہن کا حکم قضاء دین تک حبس دائم ہے جبکہ بیع اس حبس کو باطل کردیتی ہے۔(۳۱)جب راہن قرضہ ادا کرلے تو مرتہن سے کہا جائیگا کہ رہن راہن کے سپرد کردو کیونکہ دین جو مانع از تسلیم رہن تھا اب وہ نہ رہا۔

(۳۲) وَاِذا باعَ الرَّاهِنُ الرَّهْنَ بِغَيرِ اِذْنِ المُرْتَهِنِ فالبيعُ مَوْقُوفٌ (۳۳)فاِنْ اَجَازَه المُرْتَهِنُ جازَ واِنْ قَضَاهُ الرَّاهِنُ دَيْنَهُ جَازَ اَيْضاً۔

ترجمہ:۔اور اگر راہن نے مرتہن کی اجازت کے بغیر رہن فروخت کردیا تو یہ بیع موقوف ہے پس اگر مرتہن نے اجازت دیدی تو جائز ہوجائیگی اور اگر راہن نے مرتہن کا قرض ادا کردیا تب بھی یہ بیع جائز ہوجائیگی۔

تشریح:۔(۳۲)اگر راہن نے مرتہن کی اجازت کے بغیر مرہون فروخت کر دیا تو بیع موقوف رہے گی کیونکہ مرتہن کا حق اسکے ساتھ متعلق ہے۔(۳۳)اگر مرتہن نے اجازت دیدی یا راہن نے مرتہن کا دین ادا کر دیا تو بیع نافذ ہو جائیگی کیونکہ مانع زائل ہوا۔

(۳۴)وَاِنْ اَعْتَقَ الرَّاهِنُ عَبدَ الرَّهْنِ بِغَيرِ اِذْنِ المُرْتَهِنِ نَفَذَ عِتْقُه (۳۵)فَاِنْ كَانَ الدَّيْنُ حالاً طُوْلِبَ بِاَدَاءِ الدَّيْنِ وانْ كَانَ مُؤَجَّلاً اُخِذَ مِنْه قِيمةُ العَبدِ فَجُعِلَتْ رَهْناً مَكَانَهُ حَتّى يَحِلَّ الدَّينُ (۳۶)وانْ كَانَ مُعْسِراً اِسْتَسْعیٰ العَبدُ فی قِيْمَتِه فَقَضٰی بِه الدَّيْنَ ثم يَرْجِعُ العَبدُ عَلى الْمَوْلٰى (۳۷)وكَذَا لِكَ اِنْ اِسْتَهْلَكَ الرَّاهِنُ الرَّهْنَ۔

ترجمه:۔اور اگر راہن نے مرتہن کی اجازت کے بغیر رہن غلام کو آزاد کر دیا تو اس کا آزاد کرنا نافذ ہو جائیگا پس اگر راہن دولت مند ہے اور دین فوری ہو تو راہن سے قرض کی ادائیگی کا مطالبہ کیا جائیگا اور اگر قرض مؤجل ہو تو اس سے غلام کی قیمت لے لی جائیگی اور اس قیمت کو مدت گذرنے تک غلام کی جگہ بطور رہن رکھی جائیگی اور اگر راہن تنگدست ہے تو غلام اپنی قیمت میں سعی کرے گا اور اسی سے قرض ادا کرلے پھر غلام اپنے مولیٰ سے اس کو وصول کرلے اور یہی حکم اس وقت بھی ہے کہ راہن خود رہن کو ہلاک کر دے۔

تشریح:۔(۳۴)اگر مرہون غلام تھا راہن نے مرتہن کے اجازت کی بغیر آزاد کر دیا تو آزادی نافذ ہو جائیگی اب غلام رہن نہیں رہیگا کیونکہ آزاد ہوا۔(۳۵)اب اگر راہن مالدار ہو اور دین فوری ہو تو راہن سے دین کی ادائیگی کا مطالبہ کیا جائیگا اور اگر دین مؤجل ہو تو راہن سے غلام کی قیمت لے کر رہن رکھ دیجائیگی جب تک کہ دین کی میعاد پورا ہو جائیگی۔

(۳۶)اگر راہن تنگدست ہے تو غلام سے محنت کرا کے غلام اپنی قیمت کمائیگا اس سے قرضہ ادا کیا جائیگا کیونکہ جب معتق سے وصولی حق متعذر ہوا تو جس نے اسکے اعتاق سے فائدہ اٹھایا ہے اسی سے رجوع کیا جائیگا۔ پھر جتنا قرضہ غلام ادا کریگا جب مولیٰ غنی ہو جائے تو وہ اپنے مولیٰ سے واپس لیگا کیونکہ معتق نے اس کا قرضہ ادا کر دیا ہے۔

(۳۷) مذکورہ بالا تفصیل اس صورت میں بھی ہے کہ راہن خود رہن کو ہلاک کر دے الا فی السعایة کیونکہ مستھلک سے سعایت محال ہے۔

(۳۸)وَاِنْ اسْتَهْلَكَه اَجْنَبِيٌّ فَالمُرْتَهِنُ هوَ الْخَصْمُ فِي تَضْمِيْنِه فَيَاخُذُ القِيمَةَ فيكُونُ القِيْمةُ رَهناً فِي يَدِه۔

ترجمه:۔اور اگر رہن کو کسی اجنبی شخص نے ہلاک کر دیا تو اس کو ضامن بنانے میں مرتہن مدعی ہوگا پس اس سے قیمت لے اور یہ قیمت مرتہن کے ہاتھ میں رہن ہوگی۔

تشریح:۔(۳۸)اگر مرہون کو کسی اجنبی نے ہلاک کیا تو اس اجنبی سے مرہون کا ضمان لینے میں خصم مرتہن ہوگا پس اجنبی سے رہن کی قیمت لے کر مرتہن اب اس قیمت کو بطور رہن رکھے گا کیونکہ جب تک رہن قائم ہو عین رہن کا حقدار مرتہن ہے اور قیمت عین کا قائم مقام ہے۔

(۳۹)وَجِنَايَةُ الرَّاهِنِ عَلَى الرَّهْنِ مَضْمُونَةٌ (۴۰)وَجِنَايَةُ الْمُرْتَهِنِ عَلَيه تَسْقُطُ مِنَ الدَّيْنِ بِقَدْرِهَا (۴۱)وَجِنَايَةُ الرَّهْنِ عَلَى الرَّاهِنِ وعلى الْمُرْتَهِنِ وعلى مَالِهِمَا هَدَرٌ۔

ترجمہ:۔اور راہن کا رہن پر جنایت کرنا موجب ضمان ہے اور مرتہن کا رہن پر جنایت کرنا بقدر جنایت قرضہ کو ساقط کر دیتا ہے اور رہن کی جنایت راہن اور مرتہن پر اور ان دونوں کے مال پر ساقط الاعتبار ہے۔

تشریح:۔(۳۹) اگر مرہون پر راہن نے خود جنایت کی تو یہ مضمون (موجب ضمان) ہوگی کیونکہ اس سے مرتہن کا محترم حق جو متعلق بالرہن ہے فوت ہو جائیگا۔(۴۰) اور اگر مرتہن نے مرہون پر جنایت کی تو مرتہن کا قرضہ راہن سے بقدر جنایت ساقط ہو جائیگا کیونکہ مرتہن نے ملک غیر کو فوت کیا۔(۴۱) اور اگر مرہون نے راہن یا مرتہن یا ان میں سے کسی ایک کے مال پر جنایت کی تو یہ رائیگاں (موجب ضمان نہیں) ہے۔

پھر مرہون کی راہن پر جنایت اسلئے ہدر ہے کہ یہ مملوک کی جنایت مالک پر ہے اور مملوک کی مالک پر جنایت اگر موجب مال ہو تو اس جرم سے غلام کو چھڑانا مرتہن کے ذمہ ہو جایگا تو ایسے میں تو ایک ہی شخص پر ضمان ہے اور ضمان بھی خود اسی شخص کیلئے ہے جسکا کوئی فائدہ نہیں۔

(۴۲)وَأُجْرَةُ الْبَيْتِ الَّذِي يُحْفَظُ فِيه الرَّهْنُ على الْمُرْتَهِنِ (۴۳)وأُجْرَةُ الرَّاعِيْ على الرَّاهِنِ ونَفَقَةُ الرَّهْنِ على الرَّاهِنِ۔

ترجمہ:۔اور جس مکان میں رہن کی حفاظت کی جاتی ہو اس کا کرایہ مرتہن کے ذمہ ہے اور چرواہے کی اُجرت راہن کے ذمہ ہے اور رہن کا نفقہ راہن پر ہے۔

تشریح:۔(۴۲) جس گھر میں مرہون کی حفاظت کیجائے اسکا کرایہ مرتہن کے ذمہ ہے کیونکہ مرہون کی حفاظت مرتہن پر ہے۔(۴۳) مرہون اگر مال مویشی ہو تو چرواہے کی تنخواہ اور مرہون کا نان ونفقہ راہن کے ذمہ ہے۔ کس قسم کا خرچہ راہن اور کس قسم کا خرچہ مرتہن پر ہے تو اس سلسلے میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ مرہون کی مصلحت اور بقاء کیلئے جس خرچے کی احتیاج ہو وہ راہن کے ذمہ ہے اور جو خرچہ مرہون کی حفاظت سے متعلق ہو وہ مرتہن کے ذمہ ہے۔

(۴۴)وَنَمَاؤُه لِلرَّاهِنِ فَيَكُوْنُ النَّمَاءُ رَهْناً مع الْأَصلِ (۴۵)فإِنْ هلكَ النَّمَاءُ هلكَ بغيرِ شَيْئٍ وإِنْ هلكَ الاَصْلُ وبَقِيَ النَّمَاءُ افْتَكَّهُ الرَّاهِنُ بِحِصَّتِه (۴۶)ويُقْسَمُ الدَّيْنُ عَلَى قِيْمَةِ الرَّهْنِ يَوْمَ القَبْضِ وعلى قِيْمَةِ النَّمَاءِ يَوْمَ الفِكَاكِ فَمَا أَصَابَ الاَصلَ سقطَ من الدَّيْنِ بِقَدْرِه ومَا أَصَابَ النَّمَاءَ افْتَكَّه الرَّاهِنُ بِه

ترجمہ:۔اور رہن کی بڑھوتری راہن کی ہے اور یہ اصل کے ساتھ رہن رہے گی اور اگر بڑھوتری ہلاک ہوگئی تو بلاکسی چیز کے ہلاک ہوگی اور اگر اصل ہلاک ہوگیا اور بڑھوتری رہ گئی تو راہن اس کو اس کے حصہ کے عوض چھڑا لے اور قرضہ کو تقسیم کر دیا جائیگا رہن کے قبضہ کے دن کی قیمت پر اور بڑھوتری کے چھڑانے کے دن کی قیمت پر پس جو قیمت اصل کے مقابلہ میں آئے اسی کے بقدر قرضہ ساقط ہو جائیگا اور جو بڑھوتری کے مقابلہ میں آئے راہن اس کے عوض بڑھوتری کو چھڑا لے گا۔

تشریح:۔(۴۴) مرتہن کے پاس رہن میں جونماء یعنی بڑھوتری آئیگی مثلاً رہن کا بچہ، دودھ اور اون وغیرہ وہ راہن کی ہے کیونکہ راہن کے مملوک کی زیادتی ہے اور یہ نماء بھی اب اپنی اصل کے ساتھ رہن ہوگی کیونکہ نماء اصل کا تابع ہے۔(۴۵) اگر نماء ہلاک ہوگئی تو مرتہن پر ضمان نہ ہوگا اور اگر اصل ہلاک ہوگئی نماء باقی رہی تو نماء کو بقدر حصہ' دین چھڑایا جائیگا کیونکہ نماء اب مقصود ہوگئی اور تابع جب مقصود ہوجائے تو اسکے مقابلے میں قیمت آجاتی ہے۔

(۴۶) اب یہ کیسا معلوم ہوگا کہ نماء دین کی کتنی مقدار کے عوض محبوس ہے تو اسکی صورت یہ ہے کہ اصل کی اس دن کی قیمت جس دن مرتہن نے اس پر قبضہ کیا ہو اور نماء کی اس دن کی قیمت جس دن راہن اسکو چھڑارہا ہو متعین کیا جائیگا تو ان دونوں پر مرتہن کا دین تقسیم کیا جائیگا تو جو اصل کے مقابلے میں آئے دین کی وہ مقدار ساقط ہو جائیگی اور دین کی جو مقدار نماء کے مقابلے میں آئے راہن اسکو ادا کرکے نماء چھڑائے مثلاً قرضہ دس درہم ہے اور قیمۃ الاصل (مثلاً بکری) یوم القبض دس درہم ہیں اور نماء کی قیمت (مثلاً بچہ) چھڑانے کے دن پانچ درہم ہیں تو دونوں کی قیمت پندرہ روپیہ ہوئی اب دین کو مجموعہ قیمت پر تقسیم کیا جائے پس دین کے دوثلث (یعنی چھ درہم اور ایک درہم کے دوثلث) اصل (بکری) کے مقابلے میں آتے ہیں لہذا دین کی یہ مقدار ساقط ہو جائیگی اور دین کا ایک ثلث (یعنی تین درہم اور ایک درہم کا ایک ثلث) نماء کے مقابلے میں آتا ہے جو راہن ادا کرکے نماء چھڑادیگا۔

(۴۷) وَيَجُوزُ الزِّيادَةُ فِي الرَّهْنِ (۴۸) ولايَجُوزُ الزِّيادَةُ فِي الدَّيْنِ عِندَ أبي حَنيفَة رحمه الله وَمحمّدٍ رحمَه الله ولايَصِيرُ الرَّهن رَهْناً بِهِمَا وقالَ ابُو يُوسُفَ رَحمَه الله هو جائِزٌ۔

ترجمہ:۔ اور رہن میں اضافہ کرنا جائز ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک دین میں اضافہ کرنا جائز نہیں اور رہن ان دونوں کے عوض میں نہ ہوگا اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جائز ہے۔

تشریح:۔(۴۷) رہن میں زیادتی جائز ہے مثلاً ایک شخص نے ایک کپڑا دس روپیہ کے بدلے رہن رکھا تھا اسکے بعد ایک اور کپڑا رہن رکھا اب دونوں کپڑے دس روپیہ ہی کے بدلے رہن ہونگے۔(۴۸) طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک دین میں اضافہ کرنا جائز نہیں مثلاً مذکورہ بالاصورت میں راہن نے کہا کہ مجھے مزید پانچ روپیہ قرضہ دیں اور میرا وہ کپڑا جو تیرے پاس دس روپیہ کے بدلے رہن تھا اب پندرہ روپیہ کے بدلے رہن ہوگا تو طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک یہ کپڑا اضافہ شدہ دین کے بدلے رہن نہ ہوگا کیونکہ دین میں اضافہ رہن میں شیوع پیدا کرتا ہے یوں کہ مثلاً راہن نے ایک غلام ہزار روپیہ کے عوض رہن رکھا تھا پھر مرتہن نے دین مزید بڑھا کر دو ہزار کردیا تو اب غلام کا نصف غیر معین اول ہزار کا بدل ٹھہرا اور نصف غیر معین دوسرے ہزار کا بدل ٹھہرا تو غلام میں شیوع ہوگیا اور یہ پہلے گذر چکا ہے کہ رہن مشاع جائز نہیں جبکہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دین میں بھی اضافہ جائز ہے (طرفین کا قول راجح ہے)۔

☆ ☆ ☆

(۴۹)وَاِذَا رَهَنَ عَیناًوَاحِدةً عِندَ رَجُلَیْنِ بِدَیْنٍ لِکُلِّ وَاحِدٍ منهما جَازَ وجَمِیعُهَا رَهنٌ عِندَ کُلِّ وَاحِدٍ منهما (۵۰)وَالمَضمُونُ عَلی کُلِّ وَاحِدٍ منهُما حِصَّةُ دَیْنِه مِنهَا(۵۱)فَاِنْ قَضَی اَحدُهُمَا دَیْنَه کَانَ کُلُّهَارَهناًفِي یَدِ الآخَرِ حَتّٰی یَستَوفِیَ دَیْنَه۔

توجمه:۔اوراگرکسی نے ایک چیز دوشخصوں کے پاس ان دونوں میں سے ہرایک کے دین کے عوض رہن رکھی تو یہ جائز ہےاوروہ تمام شئ ان میں سے ہرایک کے پاس رہن رہے گی اوردونوں میں سے ہرایک پراس کے حصۂ دین کے مطابق ضمان ہوگاپس اگر چکادے ان میں سے ایک کا دَین تو اب کل رہن دوسرے کے پاس رہن ہوگا یہاں تک کہ وہ اپنا قرض وصول کرلے۔

تشریح:۔(۴۹)اگرکسی پردوشخصوں کا دین تھامقروض نے دونوں میں سے ہرایک کے دین کے عوض ایک چیز رہن رکھی تو یہ رہن صحیح ہےاور پوری چیزان دونوں میں سے ہرایک کے پاس رہن رہے گی اسلئے کہ ایک ہی معاملہ میں پوری چیز کی طرف رہن کی اضافت کی گئی ہےاور رہن میں شیوع نہیں (کیونکہ تعدد مستحقین محل واحد میں تعدد ثابت نہیں کرتا)اور رہن کا حکم مرہون کا قرضہ کے بدلے محبوس ہونا ہے جس میں تجزی نہیں اسلئے یہ چیز دونوں کے پاس محبوس ہوگی۔

(۵۰)مرہون کے ہلاک ہونے کی صورت میں ہرایک بقدر حصۂ دین ضامن ہوگا کیونکہ وصولی حق میں تجزی ہوسکتی ہے۔(۵۱)اوراگرراہن نے ان دونوں میں سے کسی ایک کا دین ادا کردیا تو اب پوری مرہون چیز دوسرے کے قبضہ میں رہن رہے گی جب تک کہ وہ بھی اپنا قرضہ وصول کرے کیونکہ پوری چیزان میں سے ہرایک کے ہاتھ بلاتفریق رہن ہے۔

(۵۲)وَمَنْ بَاعَ عَبداًعلٰی اَنْ یَرْهَنَه المُشتَرِیْ بِالثَّمنِ شَیئاً بِعَیْنِه فَامْتَنَعَ المُشتَرِیْ مِنْ تَسلِیمِ الرَّهنِ لم یُجبَرْ عَلَیْهِ (۵۳)وکَانَ البَائعُ بِالخِیارِ اِنْ شَاءَ رَضِیَ بِتَرْکِ الرَّهنِ واِنْ شَاءَ فَسَخَ البَیعَ (۵۴)اِلاّ اَنْ یَّدفَعَ المُشتَرِیْ الثَّمَنَ حالاً اَوْ یَدفَعَ قِیمةَ الرَّهنِ فَیکُونُ رَهناً۔

توجمه:۔اورجس نے اس شرط پرغلام فروخت کردیا کہ مشتری اس کے ثمن کے عوض کوئی خاص چیز اس کے پاس رہن رکھے گا پھرمشتری نے رہن رکھنے سے انکار کردیا تو اس پرجبر نہیں کیا جائیگا اور بائع کو اختیار ہے اگر چاہے تو رہن چھوڑنے پرراضی ہوجائے اوراگر چاہے تو بیع فسخ کردے الا یہ کہ مشتری اسی وقت ثمن ادا کردے یا رہن کی قیمت ادا کردے پس یہ قیمت رہن ہوجائیگی۔

تشریح:۔(۵۲)اگرکسی نے اس شرط پرغلام فروخت کیا کہ مشتری اسکے ثمن کے عوض کوئی معین چیز رہن رکھیگا تو یہ جائز ہےاب اگرمشتری اس شئ معین کے رہن رکھنے سے رک گیا تو مشتری کو شئ معین رہن رکھنے پرمجبور نہیں کیا جائیگا کیونکہ عقدِ رہن تام نہیں اس لئے کہ عقدِ رہن قبضہ سے تام ہوتا ہے جو یہاں نہیں پایا گیا۔(۵۳)البتہ بائع کو اختیار ہے اگر چاہے تو رہن چھوڑنے پرراضی ہوجائے اور چاہے تو بیع کو فسخ کردے کیونکہ بیع میں وصف مرغوب فیہ(یعنی رہن رکھنا)فوت ہوا۔(۵۴)البتہ اگرمشتری مبیع کا ثمن نقد دیدے بائع کو فسخ بیع کا اختیار نہ ہوگا کیونکہ مقصود حاصل ہوااور یا مشتری بائع کی طرف سے شرط کی گئی شئ مرہون کی قیمت بطور رہن رکھ دے تو

بھی بائع کو فسخ بیع کا اختیار نہ ہوگا۔

(۵۵)وَلِلمُرتَهِنِ اَنْ يَحفَظَ الرَّهْنَ بِنَفسِه وَزَوْجَتِه وَوَلَدِه وَخادِمِه الَّذِىْ فِى عَيَالِه (۵٦)وانْ حَفِظَه بِغَيرِ مَنْ هو فِى عَيَالِه اَوْ اَوْدَعَه ضَمِنَ ۔

ترجمہ:۔اور مرتہن کو اختیار ہے کہ رہن کی حفاظت خود کرے یا اپنی بیوی سے یا اپنی بڑی اولاد سے یا ایسے خادم سے جو اس کے عیال میں ہو سے کرائے اور اگر ایسے شخص سے حفاظت کرائیگا جو اس کی اولاد میں نہیں یا کسی کے پاس امانت رکھے گا تو ضامن ہوگا۔

تشریح:۔(۵۵)مرتہن رہن کی حفاظت خود کرے یا اپنی بیوی اور بڑی اولاد سے جو اسکے عیال میں شامل ہوں سے کرائے اور یا اپنے ایسے خادم سے جو اسکے عیال میں شامل ہو (کسی کا کسی کے عیال میں شامل ہونے سے مراد یہ ہے کہ باہم مل کر رہتے ہوں) کیونکہ عادۃً لوگ ان ہی افراد سے کسی شی کی حفاظت کراتے ہیں۔(۵٦)اگر مرتہن نے ایسے کسی فرد سے حفاظت کرائی جو اسکے عیال میں شامل نہ ہو یا کسی کو بطور امانت دیدی تو رہن کی ہلاکت کی صورت میں مرتہن ضامن ہوگا کیونکہ یہ تعدی شمار ہوگا۔

(۵۷)وَاِذَا تَعَدّٰى الْمُرْتَهِنُ فى الرَّهنِ ضَمِنَه ضَمانَ الْغَصْبِ بِجَمِيعِ قِيمَتِه (۵۸)وَاِذَا اَعَارَ الْمُرْتَهِنُ الرَّهْنَ لِلرَّاهِنِ فَقَبَضَه خَرجَ من ضَمَا نِ الْمُرتَهِنِ فاِنْ هلَكَ فِى يَدِ الرَّاهِنِ هلَكَ بِغَيرِ شَىٍ (۵۹)وَلِلْمُرتَهِنِ اَنْ يَسْتَرجِعَه اِلٰى يَدِه فاِذَا اَخذَه عَادَ الضَّمانُ عَلَيه۔

ترجمہ:۔اور اگر مرتہن نے رہن میں تعدی کی تو اس میں غصب کی طرح پوری قیمت کا ضامن ہوگا اور اگر مرتہن نے رہن راہن کو بطور عاریت دیدیا اور اس نے قبضہ کرلیا تو اب رہن مرتہن کے ضمان سے نکل جائیگا پس اگر وہ راہن کے قبضہ میں ہلاک ہوا تو بلاشیٔ ہلاک ہوگا اور مرتہن کو اختیار ہے کہ اسے پھر اپنے قبضہ میں لوٹائے پس جب مرتہن اسے لے لیگا تو اس پر ضمان لوٹ آئیگا۔

تشریح:۔(۵۷)اگر مرتہن نے رہن پر تعدی (تجاوز) کیا تو غاصب کی طرح ضامن ہوگا یعنی پوری قیمت کا ضامن ہوگا کیونکہ بوجہ تعدی یہ شخص غاصب شمار ہوگا۔(۵۸)اور اگر مرتہن نے شیٔ مرہون راہن کو بطور عاریت دیدی اور راہن نے قبض کردیا تو مرہون مرتہن کی ضمان سے خارج ہوجائیگا (یعنی اب بصورت ہلاکت مرتہن ضامن نہ ہوگا) کیونکہ راہن کے قبض کرنے سے مرتہن کا موجب ضمان قبضہ ختم ہوا پس اگر راہن کے قبضے میں ہلاک ہوجائے تو بلاشی ہلاک ہوگا کیونکہ مالک ہی کے ہاتھ میں تلف ہوا۔

(۵۹) مرتہن کو یہ حق ہے کہ وہ راہن کو عاریۃً دئے ہوئے رہن کو واپس لے لے کیونکہ مرتہن حق حبس میں بمنزلہ مالک کے ہے ۔پھر اگر مرتہن نے راہن سے واپس لے لیا تو مرتہن پر ضمان بھی واپس لوٹ آئیگا کیونکہ سبب لوٹ آیا۔

(٦۰)وَاِذَا ماتَ الرَّاهِنُ باعَ وَصِيُّهُ الرَّهْنَ وَقَضَى الدَّينَ (٦۱)فاِنْ لم يَكُنْ له وَصِيٌّ نَصَبَ القَاضِىُ له وَصِيًّا وَاَمَرَه بِبَيعِه۔

ترجمہ:۔اور اگر راہن مرگیا تو اس کا وصی رہن کو فروخت کرلے اور قرضہ ادا کردے اور اگر اس کا کوئی وصی نہ ہو تو قاضی اس کے وصی مقرر کردے اور اس کو رہن فروخت کرنے کا حکم کردے۔

تشریح:۔ (٦٠) اگر راہن مرگیا تو اسکا وصی (جسکو وصیت کی جائے) مرہون شیٔ بیچ دے اور مرتہن کا قرضہ ادا کردے کیونکہ وصی موصی کا قائم مقام ہوتا ہے۔ (٦١) اگر راہن کا کوئی وصی نہ ہو تو قاضی میت کا کوئی وصی مقرر کردے اور اس مقرر شدہ وصی کو حکم دے کہ مرہون بیچ کر مرتہن کا قرضہ ادا کردو۔

کتاب الحجر

یہ کتاب حجر کے بیان میں ہے۔

حجر لغت میں مطلق روکنے کو کہتے ہیں اور شرعاً تصرّف قولی کو نفاذ سے روکنے کو کہتے ہیں۔ پس اگر محجور اپنی کوئی چیز بیچ دے یا کسی سے کچھ خرید لے تو اس کے بیچنے کا اور خریدنے کا کچھ اعتبار نہ کیا جائیگا۔ اور اگر ہاتھ، پاؤں سے کسی کا کچھ نقصان کردیا تو اس کا تاوان دینا پڑیگا کیونکہ محجور کے فعل میں حجر نہیں ہوتا۔

کتاب الحجر کا رہن کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ رہن وحجر دونوں میں حبس (روکنا) پایا جاتا ہے فرق اتنا ہے کہ رہن میں مع الرضا اور حجر میں بلا رضا پایا جاتا ہے۔

(٦٢) وَالْاَسْبَابُ الْمُوْجِبَةُ لِلْحَجْرِ ثلثةٌ اَلصِغرُ وَالرِّقُّ وَالجُنُوْنُ (٦٣) ولايَجوزُ تَصرفُ الصَّغِيرِ اِلَّا بِاِذْنِ وَلِيِّه (٦٤) وَلايجوزُ تَصرّفُ العَبدِ اِلّا باِذنِ سَيِّدِه (٦٥) ولايجوزُ تَصَرّفُ الْمَجْنُوْنِ الْمَغْلُوْبِ على عَقْلِه بحَالٍ (٦٦) ومَنْ باعَ مِنْ هٰؤلاءِ شَيْئاً اَوْ اشتَراه وهو يَعْقِلُ البَيعَ ويَقْصُدُه فَالوَلِيُّ بِالخِيارِ اِنْ شاءَ اَجازَه اِذَا كانَ فِيْه مَصْلَحَةٌ واِنْ شاءَ فَسَخَ۔

ترجمہ:۔ موجب حجر اسباب تین ہیں، صغر سنی، غلامی، جنون، اور بچہ کا تصرف جائز نہیں مگر اسکے ولی کی اجازت سے اور غلام کا تصرف جائز نہیں مگر اسکے آقا کی اجازت سے اور مغلوب العقل مجنون کا تصرف کسی حال میں جائز نہیں اور ان تینوں میں سے جس نے کوئی چیز فروخت کردی یا خرید لی اور وہ بیع کو سمجھتا ہو اور اس کا قصد کرتا ہو تو ولی کو اختیار ہے اگر اس بیع میں مصلحت سمجھے تو اسکی اجازت دے اور اگر چاہے تو فسخ کردے۔

تشریح:۔ (٦٢) حجر کو ثابت کرنے والے اسباب تین ہیں، صغر سنی، رقیت یعنی غلام یا لونڈی ہونا، جنون، بچہ اسلئے محجور ہے کہ اگر غیر ممیز ہے تو عدیم العقل ہے اور اگر ممیز ہے تو ناقص العقل ہے۔ اور مجنون اسلئے محجور ہے کہ عدیم العقل ہے۔ اور غلام اسلئے محجور ہے کہ قرضوں میں پھنس کر دوسرے کا مملوک بن جاتا ہے تو حق آقا کی رعایت کیلئے شرعاً اسکے تصرفات قولیہ غیر معتبر ہیں۔

(٦٣) پس بچہ کا تصرف قولی نقصان عقل کی وجہ سے جائز نہیں (الا یہ کہ ولی اجازت دے کیونکہ اجازت ولی علامت اہلیت ہے)۔ بچہ سے عاقل بچہ مراد ہے پس غیر عاقل بچہ کا تصرف جائز نہیں اگر چہ اس کا ولی اجازت دے۔ اور عاقل بچہ وہ ہے جو یہ جانے کہ بیع سالب ہے اور شراء جالب ہے یعنی بیع سے شیٔ ہاتھ سے نکل جاتی ہے اور شراء سے شیٔ ہاتھ آجاتی ہے۔ عاقل وغیر عاقل ہونے میں یوں

تمیز کی جاسکتی ہے کہ مثلاً بچہ کو پیسے دے دیں اگر اس نے دو کاندار کو پیسے دیکر سودا لے لیا پھر پیسے واپس مانگنے کے لئے رونا شروع کر دیا تو یہ غیر عاقل ہے ورنہ عاقل ہے۔

(٦٤) غلام کا تصرف قولی جائز نہیں الا یہ کہ مولیٰ اجازت دے کیونکہ حق مولیٰ کیلئے محجور قرار دیا تھا جب مولیٰ خود اجازت دیتا ہے تو سقوط حق پر خود راضی ہو گیا اسلئے اب غلام کا تصرف قولی جائز ہے۔ (٦٥) اور مغلوب العقل مجنون کا تصرف کسی حال میں بھی جائز نہیں اگر چہ ولی اسکی تصرف کو جائز رکھے۔

(٦٦) اگر ان میں کسی نے (هــؤلاء جمع کا صیغہ ہے مگر اس سے مراد دو ہیں یعنی صبی اور رقیق) کوئی چیز فروخت کی یا خرید لی بشرطیکہ وہ بیع جانتا ہو (کہ بیع سے مالک کی ملک مبیع سے سلب ہوتی ہے اور مشتری کی ملک ثابت ہوتی ہے) اور بیع کا قصد رکھتا ہو (یعنی اثبات حکم کا ارادہ کیا ہو ہازل نہ ہو) تو اسکے ولی کو اختیار ہے چاہے تو اس بیع کو نافذ کر دے اور چاہے تو فسخ کر دے کیونکہ عقد احتمال ضرر کی وجہ سے موقوف ہوتا ہے پس اگر ولی نے اجازت دیدی تو جہت مصلحت متعین ہوا اسلئے یہ عقد نافذ ہوگا۔

(٦٧) فَهٰذِهِ الْمَعَانِي الثَّلَاثَةُ تُوْجِبُ الْحَجَرَ فِي الْاَقْوَالِ دُوْنَ الْاَفْعَالِ

ترجمہ:۔ پس یہ تین اسباب اقوال میں حجر کو ثابت کرتے ہیں افعال میں نہیں۔

تشریح:۔ (٦٧) مذکورہ بالا تین اسباب (صغر، رقیت، جنون) صرف اقوال میں حجر ثابت کرتا ہے افعال میں نہیں کیونکہ خارج میں تصرفات قولی کا وجود نہیں ہوتا بلکہ وہ صرف شرعاً معتبر ہوتے ہیں اور شرعی اعتبار کیلئے بھی شرط یہ ہے کہ متکلم نے اسکا قصد کیا ہو اور بچے و مجنون کیلئے قصور عقل کی وجہ سے قصد نہیں اسلئے ان کے اقوال معتبر نہیں۔ باقی غلام میں اگر چہ قصد کی اہلیت ہے مگر مولیٰ پر لزوم ضرر کی وجہ سے غیر معتبر ہے بخلاف افعال کے کہ وہ تو حساً و مشاہدۃً پائے جاتے ہیں جن سے اتلاف (اتلاف نفس یا عضو یا مال) حاصل ہوتا ہے لہذا اسکو کالعدم نہیں قرار دیا جاسکتا ہے۔

(٦٨) وَاَمَّا الصَّبِيُّ وَالْمَجْنُوْنُ لَاتَصِحّ عُقُوْدُهُمَا وَلَا اِقْرَارُهُمَا وَلَايَقَعُ طَلَاقُهُمَا وَلَا اِعْتَاقُهُمَا (٦٩) فَاِنْ اَتْلَفَا شَيْئًا لَزِمَهُمَا (٧٠) وَاَمَّا الْعَبْدُ فَاَقْوَالُهُ نَافِذَةٌ فِي حَقِّ نَفْسِهِ غَيْرُ نَافِذَةٍ فِي حَقِّ مَوْلَاهُ۔

ترجمہ:۔ بہر حال بچہ اور مجنون ان دونوں کا نہ تو عقود درست ہیں اور نہ اقرار، اور نہ ان کی طلاق واقع ہوگی اور نہ ان کا غلام کو آزاد کرنا درست ہوگا پس اگر ان دونوں نے کوئی چیز تلف کر دی تو اس شئ کا ضمان ان پر لازم ہوگا بہر حال غلام تو اس کے اقوال اس کی ذات کے حق میں نافذ ہونگے اسکے مالک کے حق میں نافذ نہیں ہونگے۔

تشریح:۔ (٦٨) یہ ماقبل پر تفریع ہے یعنی بچہ اور دیوانہ کا کوئی عقد صحیح نہیں اور نہ انکا اقرار صحیح ہے اور نہ انکا طلاق دینا صحیح ہے اور نہ ان کا اعتاق (آزاد کرنا) صحیح ہے کیونکہ انکے اقوال معتبر نہیں۔ (٦٩) ہاں اگر انہوں نے کوئی چیز تلف کر دی تو ان پر اسکا ضمان لازم ہوگا کیونکہ افعال انکے معتبر ہیں۔ (٧٠) رہا غلام تو اسکے اقوال اپنے حق میں نافذ ہیں کیونکہ اسمیں اہلیت (یعنی اقرار مع القصد) موجود ہے لیکن اسکے

مولیٰ کے حق میں نافذ نہیں جانب مولیٰ کی رعایت کرتے ہوئے۔

(۷۰) فَإِنْ أَقَرَّ بِمَالٍ لَزِمَهُ بَعْدَ الحُرِّيَّةِ ولَمْ يَلْزَمْهُ فِي الحال (۷۱) وَإِنْ أَقَرَّ بِحَدٍّ أَوْ قِصَاصٍ لَزِمَهُ فِي الْحَالِ (۷۲) وَيَنْفُذُ طَلاقُهُ (۷۳) ولا يقعُ طَلاقُ مَوْلاهُ عَلى اِمْرَأتِهِ۔

ترجمہ:۔ پس اگر غلام نے مال کا اقرار کیا تو آزادی کے بعد اس پر لازم ہوگا فی الحال لازم نہیں ہوگا اور اگر اس نے حد یا قصاص کا اقرار کرلیا تو اس پر فی الحال لازم ہوگا اور اس کی طلاق نافذ ہو جائیگی اور اس کے مولیٰ کی طلاق اس کی بیوی پر واقع نہ ہوگی۔

تشریح:۔ (۷۰) اگر غلام نے مال کا اقرار کیا (مثلاً کہا کہ مجھ پر زید کے ہزار روپیہ قرض ہے) تو آزادی کے بعد لازم ہوگا کیونکہ بعد از حریت اہلیت موجود ہے اور مانع منتفی ہے مگر فی الحال لازم نہ ہوگا کیونکہ مانع موجود ہے۔

(۷۱) اگر غلام نے حد یا قصاص کا اقرار کیا تو فی الحال نافذ ہوگا کیونکہ حد وقصاص کے حق میں غلام اپنی اصلی آزادی پر برقرار رکھا گیا ہے کیونکہ حدود وقصاص خواص آدمیت میں سے ہیں اور غلام آدمی ہونے کی حیثیت سے مملوک نہیں بلکہ مال ہونے کی حیثیت سے مملوک ہے پس جب حدود وقصاص میں غلام اپنی آزادی پر برقرار ہے تو یہ اقرار حر کا اقرار شمار ہوگا نہ کہ غلام کا لہذا فی الحال نافذ ہوگا۔

(۷۲) اگر اپنی بیوی کو طلاق دے تو نافذ ہو جائیگی کیونکہ غلام طلاق دینے کا اہل ہے اور اس میں نہ ملکِ مولیٰ کا ابطال ہے اور نہ اسکے منافع کی تفویت ہے لہذا غلام کی طلاق نافذ ہو جائیگی۔ (۷۳) البتہ غلام کی بیوی پر اسکے آقا کی طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ حِل (بیوی کا حلال ہونا) غلام کیلئے ثابت ہے تو اسکو رفع کرنا بھی غلام کو حاصل ہوگا نہ کہ آقا کو۔

(۷۴) قَالَ ابُو حَنِيفَةَ رحِمَهُ اللّٰهُ لايُحْجَرُ عَلَى السَّفِيْهِ إِذَا كَانَ عَاقِلاً بَالِغاً حرّاً وَتَصرُّفُه فِي مالِه جَائِزٌ وإنْ كانَ مُبَذِّراً مُفْسِداً يُتْلِفُ مالَه في مَا لاغَرْضَ لَه فيه ولامَصْلَحَةَ مِثْلَ انْ يُتْلِفَهُ فِي الْبَحْرِ اَوْيُحَرِّقَهُ فِي النَّارِ (۷۵) إلّا انّه قالَ اذا بلغَ غَيرَ رَشِيْدٍ لَم يُسَلَّمْ إليه مَالُهُ حتّى يَبْلُغَ خَمْساً وعِشْرِينَ سَنَةً وإنْ تَصَرَّفَ فيه قَبْلَ ذالكَ نَفَذَ تَصَرُّفُه فاذَا بَلَغَ خَمْساً وعِشْرِينَ سَنَةً سُلِّمَ اليه مالُه وإنْ لم يُؤْنَسْ منه الرُّشْدُ (۷۶) قالَ ابُو يُوسفَ رحِمَهُ اللّٰهُ ومُحَمَّدٌ رحمَه اللّٰه يُحْجَرُ عَلَى السَّفِيْهِ ويُمْنَعُ من التَّصَرُّفِ في مالِه فإنْ باعَ لم يَنْفُذْ بَيعُه فِي مالِه وإنْ كانَ فيه مَصْلَحَةٌ أجازَه الحَاكِمُ۔

ترجمہ:۔ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر سفیہ عاقل، بالغ اور آزاد ہو تو اس پر حجر نہ کیا جائے اور اس کا اپنے مال میں تصرف کرنا جائز ہے اگر چہ فضول خرچ، مفسد ہو، اپنے مال کو ایسے مواقع میں خرچ کرتا ہو جس میں کوئی نفع اور مصلحت نہ ہو جیسے مال کو دریا میں ڈال دیتا ہے یا مال کو آگ میں جلا دیتا ہے مگر امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر بے وقوفی کی حالت میں بالغ ہوا تو اس کا مال اس کے حوالہ نہیں کیا جائیگا یہاں تک کہ وہ پچیس سال کا ہو جائے اور اگر اس سے پہلے وہ اس میں تصرف کریگا تو اس کا تصرف نافذ ہوگا اور جب وہ پچیس برس کا ہو جائے تو اس کا مال اس کو دے دیا جائیگا اگر چہ سمجھداری کے آثار اس سے ظاہر نہ ہوں اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد

رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سفیہ پر حجر کیا جائیگا اور اسکے مال میں اسے تصرف کرنے سے روک دیا جائے گا پس اگر اس نے کوئی چیز فروخت کر لی تو اس کی بیع اسکے مال نافذ نہ ہوگی اور اگر اس میں مصلحت ہو تو حاکم اس کی اجازت دے۔

تشریح:۔(۷۴)امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک سفیہ (بے وقوف) جب کہ آزاد، عاقل اور بالغ ہو تو اسکی بے وقوفی کی وجہ سے حجر نہیں کیا جائیگا کیونکہ اسکی ولایت ختم کرنے میں اسکی آدمیت مٹانا اور اسکو جانوروں کے ساتھ ملا دینا ہے جو کہ فضول خرچی سے زیادہ نقصان دہ ہے لہذا اسکا تصرف اپنے مال میں جائز ہے اگر چہ وہ فضول خرچ اور مفسد ہو مال ان چیزوں میں خرچ کرتا ہو جن میں اسکی کوئی غرض نہ ہو اور نہ کوئی مصلحت ہو مثلاً مال دریا میں ڈبوتا ہو یا آگ میں جلاتا ہو۔

(۷۵)البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی لڑکا بیوقوفی کی حالت میں بالغ ہو جائے تو اسکا مال اسکے حوالے نہیں کیا جائیگا یہاں تک کہ وہ پچیس برس کا ہو جائے تو مال اسکے حوالے کر دیا جائیگا اگر چہ اس سے سمجھداری کے آثار ظاہر نہ ہوں کیونکہ بلوغ کے بعد اس سے مال روکنا بطور تادیب تھا اور اس عمر کے بعد غالب یہ ہے کہ کوئی ادب حاصل نہیں کرتا۔ اگر اس نے پچیس سال سے پہلے اپنے مال میں کوئی تصرف کیا تو نافذ ہو جائیگا کیونکہ اہلیت موجود ہے۔(۷۶)صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ سفیہ پر حجر کیا جائیگا اور مال میں تصرف کرنے سے روکا جائیگا اگر کوئی چیز اپنے مال سے فروخت کی تو یہ بیع نافذ نہ ہوگی ہاں اگر اس بیع میں اسکی کوئی مصلحت ہو تو حاکم اسکا لحاظ کرتے ہوئے اس بیع کو نافذ کر دے (صاحبینؒ کا قول مفتیٰ بہ ہے)۔

(۷۷)وَاِنْ اَعتقَ عبداً نَفَذَ عِتقُه و كانَ عَلَى العبدِ اَنْ يَسعىٰ فى قِيمَتِه(۷۸) وَاِنْ تَزَوَّجَ اِمْرَاَةً جازَ نِكاحُه فَاِنْ سَمّٰى لَهَا مَهراً جازَ مِنه مِقْدَارُ مَهرِ مِثْلِهَا وبَطلَ الفَضْلُ وقالا فِيمَنْ بلَغَ غيرَ رَشِيدٍ لا يُدفَعُ اِلَيه مالُه اَبَداً حتّى يُونَسَ مِنه الرُّشْدُ ولا يَجوزُ تَصَرُّفُه فِيه۔

ترجمہ:۔اور اگر سفیہ نے غلام آزاد کر دیا تو اس کا آزاد کرنا نافذ ہو جائیگا اور غلام پر واجب ہے کہ اپنی قیمت میں سعی کرے اور اگر اس نے کسی عورت سے نکاح کر لیا تو اس کا نکاح جائز ہوگا پس اگر اس عورت کے لئے مہر مقرر کر لیا ہو تو اس میں سے اس کے مہر مثل کی مقدار جائز ہوگا اور زائد باطل ہوگا۔ صاحبین رحمہما اللہ بے وقوفی کی حالت میں بالغ ہونے والے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس کو اس کا مال کبھی نہیں دیا جائیگا جب تک کہ اس سے سمجھداری کے آثار ظاہر ہوں اور اس کا اپنے مال میں تصرف کرنا جائز نہ ہوگا۔

تشریح:۔(۷۷)امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو حجر ہی صحیح نہیں اس لئے ان کے نزدیک سفیہ کا غلام کو آزاد کرنے سے غلام آزاد ہو جائے گا۔ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک بھی سفیہ کا اپنے غلام کو آزاد کرنا نافذ ہو جائیگا۔ اس باب میں صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ تصرف جس میں ہزل (تمسخر) موثر ہو اسمیں حجر بھی موثر ہوتا ہے اور جس میں ہزل موثر نہ ہو اسمیں حجر بھی موثر نہیں ہوتا (یعنی جو تصرف مذاق و تمسخر کرتے ہوئے کرلے وہ نافذ ہوتا ہو تو وہ بعد از حجر اگر مجور شخص کرلے تو بھی نافذ ہو جائیگا) کیونکہ سفیہ بھی ہازل کے معنیٰ میں ہے۔ کیونکہ ہازل کا کلام اتباع نفس کی وجہ سے ایسے نہج پر ہوتا ہے جو عقلاء کے نہج پر نہیں ہوتا اور سفیہ بھی ایسا ہی ہے۔ پس حق میں

ہزل مؤثر نہیں تو حجر بھی مؤثر نہ ہوگا لہذا سفیہ مجور کا حق صحیح ہو جائیگا اور بعد از اعتاق غلام پر لازم ہے کہ اپنی قیمت کما کر دیدے۔

آزادی کے بعد غلام پر واجب ہے کہ اپنی قیمت کما کر مولیٰ کو دیدے کیونکہ سفیہ کی رعایت کے لئے اس پر حجر کیا تھا جس کا تقاضا یہ تھا کہ سفیہ کا آزاد کرنا رد کر دیا جائے لیکن چونکہ غلام آزاد ہو گیا اب آزادی کو رد کرنا متعذر ہے لہذا غلام کی قیمت رد کرنا واجب قرار دیا۔

(۷۸)۔اگر سفیہ نے کسی عورت سے نکاح کرلیا تو اس کا نکاح جائز ہوگا کیونکہ اس میں ہزل مؤثر نہیں۔ نیز نکاح حاجات اصلیہ میں سے ہے اس لئے نکاح کر سکتا ہے۔ پس اگر اس عورت کے لئے مہر مقرر کرلیا ہو تو اس میں سے اس کے مہر مثل کی مقدار جائز ہوگا لانــه مـن ضرورات النكاح۔ اور زائد باطل ہوگا لانه لاضرورة فيه۔

صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک سفیہ کو اسکا مال حوالہ نہیں کیا جائیگا یہاں تک کہ اس سے سمجھداری کے آثار ظاہر ہوں اور اپنے مال میں اسکا کوئی تصرف جائز نہ ہوگا کیونکہ روکنے کی علت بیوقوفی ہے تو جب تک علت باقی رہے گی تو منع بھی باقی رہے گی (صاحبینؒ کا قول مفتیٰ بہ ہے)۔

(۷۹)وَتخرَجُ الزَّكَاةُ مِنْ مَالِ السَّفِيْهِ وَيُنفِقُ عَلَى اَوْلَادِهٖ وَزَوْجَتِهٖ وَمَن تَجِبُ نَفَقَتُهٗ عَلَيْهِ مِن ذَوِى الْاَرْحَامِ (۸۰)فَاِنْ اَرَادَ حَجَّةَ الْاِسْلَامِ لَمْ يُمْنَعْ مِنْهَا وَلَا يُسَلِّمُ الْقَاضِى النَّفَقَةَ اِلَيْهِ وَلٰكِنْ يُسَلِّمُهَا اِلٰى ثِقَةٍ مِن الحَاجِّ يُنفِقُهَا عَلَيْهِ فِى طَرِيقِ الحَجِّ (۸۱)فَاِنْ مَرِضَ وَاَوْصىٰ بِوَصَايَا فِى الْقُرَبِ وَاَبْوَابِ الخَيْرِ جَازَ ذَالِکَ مِنْ ثُلُثِ مَالِهٖ۔

ترجمه:۔اور سفیہ کے مال سے زکوۃ نکالی جائیگی اور اسکی اولاد، اسکی بیوی اور ذوی الارحام میں سے ان لوگوں پر خرچ کیا جائیگا جن کا نفقہ اس پر واجب ہے پس اگر اس نے حج کرنے کا ارادہ کیا تو اس سے اس کو نہیں روکا جائیگا اور قاضی سفر خرچ اس کے حوالہ نہ کرے بلکہ حاجیوں میں سے کسی معتمد کے حوالہ کرے جو راستہ میں اس پر خرچ کرتا رہے پس اگر یہ مریض ہو گیا اور اس نے کارِ ثواب و کارِ خیر میں خرچ کرنے کی وصیت کی تو یہ اس کے ثلث مال سے جائز ہوگی۔

تشریح:۔(۷۹)سفیہ کے مال سے زکاۃ نکالی جائیگی کیونکہ زکوٰۃ اس پر نماز اور روزے کی طرح واجب بایجاب اللہ تعالیٰ ہے اور اسکے مال سے اسکی اولاد، بیوی اور ان لوگوں پر جنکا نفقہ اس پر واجب ہے (اسکے ذوی الارحام میں سے) خرچ کیا جائیگا کیونکہ اولاد اور بیوی کا زندہ رکھنا اسکی ضروریات میں سے ہے اسلئے ان پر خرچ کرنا اس پر لازم ہے۔ اور ذوی الارحام پر خرچ کرنا قرابت کی وجہ سے اس پر واجب ہے۔

(۸۰)اگر سفیہ نے حج اسلام (فرض حج) ادا کرنے کا ارادہ کیا تو منع نہیں کیا جائیگا کیونکہ حج اس پر بایجاب اللہ تعالیٰ واجب ہے البتہ قاضی اسکو اسکے حج کا خرچہ نہ دے بلکہ کسی معتمد حاجی کے سپرد کردے وہ اسکو سفیہ پر راستہ میں خرچ کرتا جائیگا کیونکہ سفیہ کو دینے کی صورت میں خطرہ ہے کہ کہیں وہ اسکو بے جا ضائع نہ کر ڈالے۔

(۸۱)اگر سفیہ مریض ہوا اور اس نے قربت اور ابواب خیر میں وصیتیں کیں تو یہ وصیتیں اسکے تہائی مال سے جائز ہوگی کیونکہ

وصیت مأمور بھا من جانب اللہ تعالیٰ ہے لہٰذا اس سے نہیں روکا جائیگا اور اس میں تقرب الی اللہ ہے جس میں اس کا فائدہ اور مصلحت ہے۔

(۸۲)وَبُلُوْغُ الْغُلَامِ بِالْاِحْتِلَامِ وَالْاِنْزَالِ وَالْاِحْبَالِ اِذَا وَطِیَ فان لم یُوْجَدْ ذَالکَ فحتّی یَتِمَّ لہ ثَمَانی عَشَرَۃَ سَنَۃً عندابی حَنِیفَۃَ رحِمَہ اللّٰہ (۸۳)وَبلُوغُ الجَارِیَۃِ بِالحَیْضِ وَالْاِحتِلَامِ وَالْحَبْلِ فانْ لم یُوجَدْ ذالکَ فحتّی یَتِّمَ لھا سَبْعَۃَ عَشَرَ سَنۃً وقالَ اَبُو یُوسُفَ رحمَہ اللّٰہ وَمحَمّدٌ رحمَہ اللّٰہ اذا تَمّ لِلغُلَامِ والجَارِیَۃِ خَمْسَۃَ عشَرَ سَنۃً فقَدْ بَلَغا۔

ترجمہ:۔اور لڑکے کا بلوغ احتلام، انزال اور حاملہ کردینے سے ہے جب وطی کرلے پس اگر ان میں سے کوئی علامت نہ پائی گئی تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جب اس کے اٹھارہ سال پورا ہو جائے (تو بالغ سمجھا جائیگا) اور لڑکی کا بلوغ حیض، احتلام اور حمل سے ہے پس اگر ان میں کوئی علامت نہ پائی گئی تو جب وہ پورا سترہ سال کی ہو جائے (تو بالغ سمجھی جائیگی) اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب لڑکے اور لڑکی کی عمر پندرہ سال پوری ہو جائے تو وہ بالغ ہیں۔

تشریح:۔(۸۲) بچہ تین امور میں سے کسی ایک سے بالغ ہوتا ہے۔/**نمبر ۱**۔احتلام سے۔/**نمبر ۲**۔انزال سے۔/**نمبر ۳**۔احبال یعنی عورت کے ساتھ وطی کرکے اسکو حاملہ کردینے سے۔اگر ان تین میں سے کوئی علامت نہ پائی جائے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جب اٹھارہ برس کا ہو جائے تو بالغ سمجھا جائیگا (۸۳) بچی بھی تین امور میں سے کسی ایک سے بالغ ہو جاتی ہے۔/**نمبر ۱**۔حیض آنے سے۔/**نمبر ۲**۔احتلام سے۔/**نمبر ۳**۔حاملہ ہونے سے۔اگر ان تین میں کوئی علامت نہ پائی جائے تو جب سترہ برس کی ہو جائے تو بالغ سمجھی جائیگی۔

صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک اگر لڑکے ولڑکی میں مذکورہ بالا علاماتِ بلوغ نہ پائی جائے تو جب پندرہ برس پورے ہو جائیں تو بالغ سمجھا جائیگا کیونکہ عام عادت یہ ہے کہ بلوغ پندرہ سال سے مؤخر نہیں ہوتا (صاحبینؒ کا قول مفتیٰ بہ ہے)۔

(۸۴)وَاِذَا رَاھَقَ الْغُلَامُ وَالْجَارِیَۃُ فَاشکَلَ اَمْرُھُمَا فِی الْبُلُوغِ فقالا قَدْ بَلَغْنَا فَالقولُ قَوْلُھُما وَاَحکامُھُمَا اَحکامُ الْبَالِغِیْنَ۔

ترجمہ:۔اور جب لڑکا اور لڑکی سن بلوغ کو قریب ہو جائے اور ان کے بلوغ میں ان کا معاملہ دشوار ہو جائے اور وہ کہتے ہیں کہ ہم بالغ ہوگئے ہیں تو قول ان کا معتبر ہے اور ان کے احکام بالغوں جیسے احکام ہونگے۔

تشریح:۔(۸۴) جب لڑکا یا لڑکی مراہق (یعنی قریب البلوغ) ہو جائے اور انکا بلوغ وعدم بلوغ معلوم ہونا دشوار ہو جائے اور وہ کہتے ہیں کہ ہم بالغ ہوگئے تو انکا قول معتبر ہے اور انکے احکام بالغوں جیسے ہونگے کیونکہ یہ ایسی بات ہے جو انہیں کی جانب سے معلوم ہوسکتی ہے پس جب انہوں نے خبر دی اور ظاہر حال انکی تکذیب نہیں کرتا تو انکا قول قبول کیا جائیگا۔

(۸۵)وَقالَ ابو حنيفةَ رحمه الله لا اَحجُرُ في الدَّينِ على المُفلِسِ(۸٦) واذا وَجبتِ الدُّيُونُ على رَجُلٍ مُفلِسٍ وَطلَبَ غُرماؤُه حَبسَه وَالحَجرَ عليه لَمْ اَحجُرْ عليه (۸۷)وَاِنْ كانَ له مالٌ لَمْ يَتصرَّفْ فيه الحَاكِمُ ولكنْ يَحبِسُه اَبداً حتّٰي يَبيعَه فِي دَيْنِه۔

ترجمہ:۔اورامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں قرض کی وجہ سے مفلس پر حجر نہیں کرونگا اور جب کسی مفلس پر قرضے ثابت ہوجائے اوراسکے قرض خواہوں نے اس کے قید اوراس پر حجر کرنے کا مطالبہ کرلیا تو میں اس پر حجر نہیں کرونگا اوراگر اسکے پاس مال موجود ہے تو حاکم اس میں تصرف نہ کرے البتہ اس کو برابر قید میں رکھے یہاں تک کہ قرضہ ادا کرنے کے لئے اپنا مال فروخت کردے۔

تشریح :۔(۸۵)امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مفلس کو دین کی وجہ سے مجبور نہیں کرونگا کیونکہ وہ بالغ وعاقل ہے لہٰذا اسکے تصرفات جائز ہیں۔(۸٦)اگراس پر قرضے واجب ہوجائے اوراسکے قرض خواہ اسکو قید یا مجبور کرنا چاہیں تو میں اسکو مجبور نہیں کرونگا کیونکہ حجر کرنے میں اسکی اہلیت کو ختم کرنا ہے تو قرض خواہوں کی ضرر دفع کرنے کی خاطر ایسا کرنا جائز نہیں۔

(۸۷)اگراسکے پاس کچھ مال ہو تو حاکم اسمیں تصرف نہیں کرسکتا کیونکہ حاکم کا تصرف بھی ایک طرح کا حجر ہے اور تجارت بلا تراضی ہے جو کہ جائز نہیں۔ہاں حاکم اس کو ہمیشہ قید میں رکھے یہاں تک کہ وہ خود اپنے قرضہ کی ادائیگی میں اس مال کو فروخت کردے کیونکہ مقروض کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے تو دفع ظلم کیلئے حاکم اسکو قید کردیگا۔

(۸۸)وَاِنْ كانَ لَه دَرَاهِم ودَيْنُه دَرَاهِمُ قَضَاه القَاضِي بِغَيْرِ اَمْرِه(۸۹)وَاِنْ كانَ دَيْنُه دَرَاهِمَ وله دَنَانِيرُ اوعلى ضِدِّ ذَالكَ بَاعَهَا القَاضِي فِي دَيْنِه۔

ترجمہ:۔اوراگراس کے پاس دراہم ہوں اوراس کا قرضہ بھی دراہم ہی ہوں تو قاضی اس کی اجازت کے بغیر اس کا قرض ادا کردے اوراگراس کا قرضہ دراہم ہوں اوراس کے پاس دنانیر ہوں یا اس کے برعکس ہو تو قاضی اس کو اس کے قرضہ میں فروخت کردے۔

تشریح :۔(۸۸)اگر مقروض کا دین دراہم ہوں اوراسکا مال بھی دراہم ہو تو قاضی مدیون کی اجازت کے بغیر اسکا قرضہ ادا کردے کیونکہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر قرضخواہ مقروض کے اسی جنس کے مال کو پالے جس جنس کا قرضہ ہے تو وہ مدیون کی رضامندی کے بغیر لے سکتا ہے تو قاضی کا ادا کرنا تو بطریقہ اولیٰ جائز ہے۔

(۸۹)اگر مقروض کا دین دراہم ہوں اوراسکا مال دنانیر ہو یا اسکا عکس ہو تو قاضی دنانیر برائے ادائیگی دین بیچ کر مقروض کی اجازت کے بغیر اسکا قرضہ ادا کردے یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک استحساناً جائز ہے وجہ یہ ہے کہ دراہم ودنانیر دونوں ثمنیت ومالیت میں جنس متحد ہے یہی وجہ ہے کہ باب زکوٰۃ میں ایک دوسرے کے ساتھ ضم کئے جاتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

(۹۰)وَقَالا اِذَا طَلَبَ غُرَمَاءُ المُفلِسِ الحَجرَ عَلَيه حَجرَ القَاضِيُ عَلَيْهِ وَمَنَعَه من البَيعِ وَالتَصرُّفِ وَالإقرارِ حتى لَايَضُرَّ بِالغُرَمَاءِ (۹۱)وبَاعَ مالَه اِنْ اِمْتَنَعَ المُفلِسُ مِنْ بَيْعِه وَقَسَمَهُ بَيْنَ غُرَمَائِه بِالحِصَصِ۔

ترجمہ:۔اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جب مفلس کے قرض خواہ مفلس پر حجر کرنے کا مطالبہ کریں تو قاضی اس پر حجر کردے اور اس کو بیع، تصرف اور اقرار سے روک دے تاکہ قرض خواہوں کا نقصان نہ ہو اور اگر مفلس اپنے مال کو فروخت کرنے سے رک گیا تو قاضی اس کو فروخت کردے اور قرض خواہوں میں ان کے حصص کے مطابق تقسیم کردے۔

تشریح:۔(۹۰)صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک مقروض مفلس کے قرض خواہ اگر اس پر حجر طلب کریں تو قاضی اس پر حجر کردے اور اسکو بیع، تصرف اور اقرار کرنے سے روکدے تاکہ اسکے مزید مالی خسارے سے قرضخواہوں کا نقصان نہ ہو۔(۹۱)اگر مقروض مفلس کا مال ہو اور وہ خود اسکو نہ بیچے تو قاضی اس مال کو بیچ دے اور قرضخواہوں میں سے ہر ایک پر اسکے دین کے بقدر تقسیم کردے کیونکہ قرض کی ادائیگی کیلئے خود مقروض پر اپنا مال فروخت کرنا واجب ہے جب وہ خود فروخت کرنے سے رُک گیا تو قاضی اسکا قائم مقام ہو گیا، وبقولهما يفتیٰ۔

(۹۲) فَإنْ اَقَرَّ فِي حالِ الحَجْرِ بِإقْرارٍ بِمالٍ لَزِمَهُ ذَالِكَ بعدَ قَضاءِ الدُّيُونِ (۹۳)ويُنْفَقُ على المُفلِسِ مِنْ مالِه وعَلى زَوْجَتِه وَاَوْلادِهِ الصِّغارِ وَذَوِيْ الْاَرْحامِ۔

ترجمہ:۔پھر اگر وہ حالتِ حجر میں مال کا اقرار کردے تو تمام قرضوں کا ادا کرنے کے بعد اس پر یہ لازم ہوگا اور مفلس پر اسکے مال سے خرچ کیا جائیگا اور اسکی بیوی پر اور اسکی نابالغ اولاد پر اور اسکے ذوی الارحام پر۔

تشریح:۔(۹۲)اگر مدیونِ مذکور نے حالتِ حجر میں کسی کیلئے اقرار کیا (مثلاً کہ زید کے مجھ پر ہزار روپیہ ہے) تو اس اقرار کی ادائیگی دیون سابقہ کی ادائیگی کے بعد لازم ہوگی کیونکہ اسکے پاس موجود مال کے ساتھ پہلے قرضخواہوں کا حق وابستہ ہو چکا ہے تو دوسروں کیلئے اقرار کرکے انکے حق کو باطل نہیں کرسکتا۔

(۹۳) مفلس مجور پر اسکے اپنے مال سے خرچ کیا جائیگا اور اسکی بیوی، چھوٹے بچوں اور ذوی الارحام پر بھی خرچ کیا جائیگا کیونکہ ان کی حاجتِ اصلیہ قرضخواہوں کے حق پر مقدم ہے جیسا کہ خود مفلس مجور کا نفقہ ہے۔

(۹۴)وَاِذَا لَمْ يُعْرَفْ لِلْمُفْلِسِ مالٌ وطَلَبَ غُرَماؤُه حَبْسَهُ وهو يَقُوْلُ لا مَالَ لِي حَبَسَهُ الحَاكِمُ فِي كُلِّ دَيْنٍ لَزِمَه بَدلاً عَنْ مالٍ حَصَلَ فِي يَدِه كَثَمَنِ المَبِيعِ وبَدَلُ القَرْضِ وفِي كُلِّ دَيْنٍ اِلْتَزَمَه بعقْدٍ كَالمُهْرِ وَالكَفالَةِ (۹۵)ولَمْ يَحْبِسْه فِيْمَا سِوى ذَالِكَ كَعِوَضِ المَغْصُوْبِ وَاَرْشِ الْجِنَايَاتِ اِلَّا اَنْ تَقُوْمَ البَيِّنَةُ بِاَنَّ لَه مالاً۔

ترجمہ:۔اور اگر یہ معلوم نہیں کہ مفلس کے پاس مال ہے اور اس کے قرض خواہوں نے اسکے قید کرنے کا مطالبہ کیا اور وہ کہتا ہے کہ میرے پاس مال نہیں تو حاکم اس کو ہر ایسے قرضے میں قید کرلے جو اس پر کسی ایسے مال کے عوض لازم ہو جو اس کے ہاتھ میں آچکا ہو جیسے مبیع کا ثمن، بدلِ قرض، اور ہر اس دین میں جو اس پر کسی عقد کی وجہ سے لازم ہو جیسے مہر اور کفالہ۔ اور اس کے علاوہ میں حاکم اس کے قید نہ

کرے جیسے عوضِ مغصوب اور جنایتوں کے تاوان میں الا یہ کہ بینہ قائم ہوں کہ اس کے پاس مال ہے۔

تشریح: ۔(۹۴) اگر مفلس کا کوئی مال ظاہر نہ ہو اور قرضخواہ اسکو قید کرنے کا مطالبہ کریں جبکہ خود مقروض کہتا ہے کہ میرے پاس مال نہیں تو حاکم اسکی تصدیق نہ کرے بلکہ اسکو قید کرلے ہر اس دین کے بدلے جو اس پر لازم ہوا ہو ایسے مال کے بدلے جو اسکے ہاتھ میں ہے جیسے قیمت مبیع اور بدل قرض کیونکہ اس مال کا اسکے ہاتھ میں ہونا اسکے غنی ہونے کی دلیل ہے باوجود غناء پھر بھی ٹال مٹول کرنا ظلم ہے اسلئے حاکم اسکو قید کرلے۔ اسی طرح ہر اس قرضے کے بدلے جسکا اس نے کسی عقد کے ذریعہ سے التزام کیا ہو جیسے مہر اور کفالہ (کسی کی جان یا مال کے ضامن ہونے کو کفالہ کہا جاتا ہے) وغیرہ کیونکہ ان عقود کا کرنا اسکے غنی ہونے کی دلیل ہے۔

(۹۵) باقی انکے علاوہ دیون میں حاکم اسکو قید نہ کرے جیسے عوض مغصوب (مثلاً کوئی چیز غصب کی تھی اور وہ ہلاک ہوگئی تھی تو اسکا عوض دینا ہوگا مگر اس کے بدلے میں غاصب قید نہیں کیا جائیگا) اور جنایتوں کے تاوان میں کیونکہ اصل اعسار (تنگ دست ہونا) ہے تو جب تک اس کے خلاف ثابت نہ ہو جائے اسکا ظلم بھی ثابت نہ ہوگا تو اسکا حبس بھی جائز نہ ہوگا البتہ اگر گواہوں سے یہ ثابت ہو جائے کہ اسکے پاس مال ہے تو اسکو ایسے قرضوں کے بدلے بھی قید کیا جائیگا کیونکہ اسکے فقر کا دعویٰ غلط ثابت ہوا۔

(۹۶) وَيَحْبِسُه الحَاكِمُ شَهْرَيْنِ اَوْثَلٰثَةَ اَشْهُرٍ ثُمَّ سَاَلَ عَنْ حَالِه فَاِنْ لَمْ يَنْكَشِفْ لَه مالٌ خَلّٰى سَبِيْلَه (۹۷) وَكَذٰلِكَ اِذَا قَامَ الْبَيِّنَةُ عَلٰى اَنَّه لامالَ لَه۔

ترجمہ: ۔اور حاکم اس کو دو یا تین ماہ قید میں رکھے اور اسکے حال کی تحقیق کرے پس اگر اس کے پاس مال کا ہونا ظاہر نہ ہوا تو اسے رہا کر دے اور اسی طرح جب اس پر گواہ قائم ہو جائے کہ اس کے پاس مال نہیں (تو بھی اسے رہا کر دے)۔

تشریح: ۔(۹۶) مفلس مذکور کو حاکم دو یا تین ماہ یا کم وبیش تک قید رکھے اور اسکے مال کی بابت اسکے پڑوسیوں سے تحقیق کرتا رہے پس اگر تحقیق کے بعد اسکا مال ظاہر نہ ہوا اور قاضی کا یہ غالب گمان ہوا کہ اگر اسکے پاس مال ہوتا تو ضرور ظاہر کر دیتا تو اسکو چھوڑ دے کیونکہ وسعت تک مہلت دینا واجب ہے۔ (۹۷) اسی طرح اگر گواہوں سے یہ ثابت ہو جائے کہ اسکے پاس مال نہیں تو بھی اسکو رہا کر دے۔

(۹۸) ولا يَحُوْلُ بَيْنَه وَبَيْنَ غُرَمَائِه بعدَ خُرُوْجِه مِنَ الْحَبْسِ وَيُلازِمُوْنَه ولا يَمْنَعُوْنَه مِنَ التَّصَرُّفِ وَالسَّفَرِ (۹۹) وَيَاْخُذُوْنَ فَضْلَ كَسْبِه وَ يُقسَمُ بَيْنَهُم بِالْحِصَصِ۔

ترجمہ: ۔اور حاکم اسکے اور اسکے قرض خواہوں کے درمیان حائل نہ بنے جب وہ قید سے نکلے اور قرض خواہ ہر وقت اس کا پیچھا کرے اور اس کو تصرف اور سفر کرنے سے نہ روکیں اور یہ لوگ اسکی آمدنی سے جو بچے اسکو لیتے رہیں اور آپس میں بقدر حصہ تقسیم کرتے رہیں۔

تشریح: ۔(۹۸) مذکورہ مفلس جب قید خانہ سے نکل جائے تو قاضی انکے اور قرضخواہوں کے درمیان حائل نہ بنے بلکہ قرضخواہ اسکے پیچھے لگے رہیں کہیں یہ غائب نہ جائے البتہ اسکو خرید وفروخت کے تصرف اور سفر سے نہ روکیں اور اسکے ساتھ اسکے گھر میں بھی داخل نہ ہوں بلکہ دروازے پر اسکے خروج کا انتظار کریں۔ (۹۹) اور اسکی کمائی سے جو بچے وہ قرضخواہ آپس میں بقدر انکے حصص کے تقسیم کرتے رہیں۔

(۱۰۰)وقالَ ابُو يُوسُفَ وَمحَمَّدٌ رَحمهُما اللهُ اِذا افلَسَہ الحاكِمُ حالَ بَينَه وَبَينَ غُرَمائِه اِلّا اَن يُقيمُوا البَيِّنَةَ انّه قد حصَلَ لَه مالٌ۔

ترجمہ:۔اورامام ابو یوسف رحمہ اللہ اورامام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس کو حاکم نے مفلس قرار دیدیا تو حاکم مفلس اور اسکے قرضخواہوں کے درمیان حائل ہوالا یہ کہ قرضخواہ اس پر گواہ قائم کریں کہ اسکے پاس مال آگیا ہے۔

تشریح:۔(۱۰۰)صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جب حاکم اسکو مفلس قرار دے تو پھر اسکے اور قرضخواہوں کے درمیان حائل ہوجائے کیونکہ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک قضاء بالافلاس صحیح ہے تو اس سے مفلس کی تنگدستی ثابت ہوتی ہے لہذا وہ وسعت تک مہلت کا مستحق ہے۔البتہ اگر گواہوں سے ثابت ہوجائے کہ اسکے پاس مال ہے تو اسے قید کیا جائیگا اسمیں اشارہ ہے کہ وسعت کا بینہ تنگدستی کے بینہ پر راجح ہیں (امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے)۔

(۱۰۱)وَلایُحجَرُ علَى الفَاسِقِ اذَا كانَ مُصلِحاً لِمَالِه (۱۰۲)وَالفِسقُ الاَصلِى وَالطَّارِئُ سَواءٌ۔

ترجمہ:۔اور فاسق پر حجر نہیں کیا جائیگا جب کہ وہ اپنے مال کے بارے میں مصلح ہو اور فسقِ اصلی وطاری دونوں برابر ہیں۔

تشریح:۔(۱۰۱)فاسق پر حجر نہیں کیا جائیگا اگر وہ اپنے مال کیلئے مصلح ہو کیونکہ حجر اسراف وتبذیر کو روکنے کیلئے مشروع ہوا ہے جبکہ یہ تو اپنے مال کیلئے مصلح مفروض ہے۔(۱۰۲)پھر فسق اصلی (جو بلوغ سے پہلے فاسق ہو، فاسق ہی بالغ ہوا ہو یہ فسقِ اصلی ہے) اور فسق طاری (جو بعد از بلوغ فاسق ہوا ہو یہ فسقِ طاری ہے) برابر ہیں۔

(۱۰۳) وَمن افلَسَ وَعِندَه مَتاعٌ لِرَجلٍ بِعَينِه اِبْتَاعَه منهُ فَصَاحِبُ المَتَاعِ اُسوَةٌ لِلغُرَماءِ فِيه۔

ترجمہ:۔اور جو شخص مفلس ہوگیا اور اسکے پاس کسی شخص کا سامان بعینہ موجود ہے جس کو اس نے اس شخص سے خریدا تھا تو مالک سامان دوسرے قرضخواہوں کے ساتھ برابر ہے۔

تشریح:۔(۱۰۳)جو شخص مفلس ہوا اور اسکے پاس کسی کا کوئی چیز بعینہ موجود ہے جو مفلس نے اس سے خریدا تھا تو اس چیز کا مالک دیگر قرضخواہوں کے ساتھ برابر کا شریک ہوگا کیونکہ بائع نے جب یہ چیز مشتری کے سپرد کیا تو اس چیز کی عین سے اپنے حق کے سقوط اور مشتری کے ذمہ میں ہونے پر راضی ہوگیا تو دیگر قرضخواہوں کی طرح ہوا۔

کتاب الاقرار

یہ کتاب اقرار کے بیان میں ہے۔

کتاب الاقرار کی ماقبل کے ساتھ وجہ مناسبت یہ ہے کہ حجر کے بعض مسائل اقرار کو متضمن ہیں اسلئے حجر کے بعد اقرار لایا۔

اقرار لغۃً بمعنی اثبات ہے کہا جاتا ہے "قرّ الشیئ اِذا ثَبتَ" اور شرعاً "اِخبارٌ عَنْ ثُبُوتِ حَقّ الْغیرِ علی نَفْسِہٖ" یعنی مقر کا اپنے نفس پر لازم وثابت شدہ حق غیر کی خبر دینے کو اقرار کہتے ہیں۔ اقرار کرنے والے کو مقر اور جس کیلئے اقرار کیا جائے اسکو مقر لہ اور جس شی کی اقرار کیجائے اسکو مقر بہ کہا جاتا ہے۔

(۱) وَاِذَا اَقَرَّ الْحُرُّ الْبَالِغُ الْعَاقِلُ بِحَقٍ لَزِمَه اِقْرَارُه مَجْهُوْلاً كَانَ مَا اَقَرَّ بِه اَوْ مَعْلُوْماً (۲) وَيُقَالُ لَه بَيِّنِ الْمَجْهُوْلَ فَاِنْ لَمْ يُبَيِّنْ اَجْبَرَه الْحَاكِمُ عَلَى الْبَيَانِ۔

ترجمہ:۔ جب کوئی آزاد، عاقل، بالغ کسی حق کا اقرار کرے تو وہ اس پر لازم ہو جائیگا جس چیز کا اقرار کیا ہے خواہ وہ معلوم ہو یا مجہول اور اس سے کہا جائیگا کہ اس مجہول کو بیان کر پس اگر وہ بیان نہیں کرے گا تو حاکم اس کو بیان کرنے پر مجبور کرے۔

تشریح:۔ (۱) اگر کسی آزاد، بالغ اور عاقل نے کسی کے حق کا اقرار کیا تو یہ اقرار مقر پر لازم ہوگا برابر ہے کہ مقر بہ مجہول ہو یا معلوم، کیونکہ مقر بہ کا مجہول ہونا صحت اقرار سے مانع نہیں کیونکہ کبھی آدمی پر مجہول حق لازم ہوتا ہے مثلاً کسی کا ایسا مال ضائع کیا جسکی قیمت معلوم نہیں۔ (۲) البتہ اگر مقر نے حق مجہول کا اقرار کیا (مثلاً کہا کہ له علیّ مالٌ) تو مقر سے کہا جائیگا کہ مقر بہ مجہول کو بیان کر کیونکہ تجہیل مقر کی جانب سے ہے تو بیان بھی اسی کے ذمہ ہوگا۔

الالغاز:۔ أی رجل أقر ولم یلزمه المال حتی تکرر الاقرار ؟

الجواب:۔ انه المقربالزنا لایجب علیه مهر المزنیة حتی یکرر الاقرار ۔ (الاشباہ والنظائر)

(۳) فَاِنْ قَالَ لِفُلَانٍ عَلَيَّ شَيْئٌ لَزِمَه اَنْ يُبَيِّنَ مَالَه قِيْمَةٌ (٤) وَالْقَوْلُ فِيْه قَوْلُه مَعَ يَمِيْنِه اِنْ اِدَّعَى الْمُقَرُّ لَه اَكْثَرَ مِنْه۔

ترجمہ:۔ پس اگر کہا کہ فلاں کی مجھ پر ایک چیز ہے تو اس پر لازم ہے کہ ایسی چیز بیان کرے جس کے لئے قیمت ہو اور اس بارے مقر کا قول مع الیمین معتبر ہے اگر مقر لہ اس سے زیادہ کا دعوی کرے۔

تشریح:۔ (۳) اگر مقر نے کہا کہ فلاں کی مجھ پر ایک چیز ہے تو مقر پر ایسی چیز بیان کرنا لازم ہوگا جسکی کچھ قیمت ہو کیونکہ اس نے اپنے ذمہ شی کے وجوب کی خبر دی ہے اور جس شی کی کچھ قیمت نہ ہو وہ واجب نہیں ہوتی۔ (٤) اب مقر نے جو بھی بیان کیا اگر مقر لہ نے اس سے زیادہ کا دعوی کیا تو مقر کا قول مع الیمین معتبر ہوگا کیونکہ مقر زیادتی کا منکر ہے اور قول منکر کا مع الیمین معتبر ہوتا ہے۔

☆ ☆ ☆

(۵)وَاِذَا قَالَ لَه عَلَيَّ مَالٌ فَالْمَرْجِعُ فِي بَيَانِهٖ اِلَيْهِ وَيُقْبَلُ قَوْلُه فِي الْقَلِيْلِ وَالْكَثِيْرِ (٦)فَاِنْ قَالَ لَه عَلَيَّ مَالٌ عَظِيْمٌ لَمْ يُصَدَّقْ فِي اَقَلَّ مِنْ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ۔

ترجمہ:۔ اور اگر مقر نے کہا کہ فلاں کا میرے ذمہ مال ہے تو اسکے بیان میں اسی کی طرف رجوع کیا جائیگا اور کم وزیادہ میں اسی کا قول قبول کیا جائیگا اور اگر کہا کہ فلاں کا میرے ذمہ مالِ عظیم ہے تو دوسو درہم سے کم میں اس کی تصدیق نہیں کی جائیگی۔

تشریح:۔ (۵) اگر مقر نے کہا کہ فلاں کا مجھ پر مال ہے تو چونکہ مقر بہ مجہول ہے اسلئے اسکے بیان میں مقر کی طرف رجوع ہوگا کیونکہ مجمل رکھنے والا مقر ہی ہے۔ پھر خواہ کم بیان کرے یا زیادہ دونوں صورتوں میں مقر کا قول مقبول ہوگا کیونکہ قلیل وکثیر دونوں پر مال کا اطلاق صحیح ہے۔

(٦) اگر مقر نے کہا کہ فلاں کا مجھ پر مالِ عظیم ہے تو دوسو درہم سے کم میں اسکی تصدیق نہیں کی جائیگی کیونکہ اس نے صفتِ عظیم کے ساتھ موصوف مال کا اقرار کیا ہے تو صفت کو لغو کرنا جائز نہ ہوگا اور دوسو درہم نصاب ہے اور نصاب مالِ عظیم ہے اسلئے کہ اسکا مالک غنی شمار ہوتا ہے۔

(۷)وَاِنْ قَالَ لَه عَلَيَّ دَرَاهِمُ كَثِيْرَةٌ لَمْ يُصَدَّقْ فِي اَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ (۸)فَاِنْ قَالَ لَه عَلَيَّ دَرَاهِمُ فَهِيَ ثَلٰثَةٌ اِلَّا اَنْ يُبَيِّنَ اَكْثَرَ مِنْهَا۔

ترجمہ:۔ اور اگر کہا کہ فلاں کا میرے ذمہ بہت سے دراہم ہیں تو دس درہم سے کم میں اس کی تصدیق نہیں کی جائیگی اور اگر کہا کہ فلاں کے میرے ذمہ دراہم ہیں تو وہ تین درہم ہیں الا یہ کہ اس سے زائد بیان کرے۔

تشریح:۔ (۷) گر مقر نے کہا کہ فلاں کے مجھ پر بہت سے دراہم ہیں تو دس درہم سے کم میں اسکی تصدیق نہیں کیجائیگی کیونکہ اسم جمع جب عدد کی تمیز واقع ہو تو دس کا عدد آخری وہ عدد ہے جس پر اسم جمع منتہی ہوتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے عشرة دراهم جبکہ دس کے بعد تمیز (یعنی دراہم) جمع نہیں بلکہ مفرد کہتے ہیں مثلاً "عشرة درهم" اور "مائة درهم" تو لفظ کی حیثیت سے دس اکثر ہو۔ اتو مقر کا کلام اسی کی طرف پھیرا جائیگا۔

(۸) اگر مقر نے کہا "له عليّ دراهم" تو کم از کم تین دراہم لازم ہونگے کیونکہ دراہم جمع کا صیغہ ہے اور ادنیٰ جمع صحیح تین ہے لہذا مقر پر تین دراہم لازم ہونگے البتہ اگر مقر تین سے زیادہ بیان کرے تو جو بیان کرے وہی مراد ہوگا کیونکہ لفظ جمع تین سے زیادہ کا بھی احتمال رکھتا ہے۔

(۹) وَاِنْ قَالَ لَه عَلَيَّ كَذَا كَذَا دِرْهَمًا لَمْ يُصَدَّقْ فِي اَقَلَّ مِنْ اَحَدَ عَشَرَ دِرْهَمًا (۱۰)وَاِنْ قَالَ كَذَا وَكَذَا دِرْهَمًا لَمْ يُصَدَّقْ فِي اَقَلَّ مِنْ اَحَدٍ وَعِشْرُوْنَ دِرْهَمًا۔

ترجمہ:۔ اور اگر کہا کہ فلاں کے میرے ذمہ اتنے اتنے درہم ہیں تو گیارہ درہم سے کم میں اس کی تصدیق نہیں کی جائیگی اور اگر کہا کہ اتنے اور اتنے درہم ہیں تو اکیس درہم سے کم میں اسکی تصدیق نہیں کی جائیگی۔

تشریح:۔ (۹) گر مقر نے کہا کہ فلاں کے مجھ پر اتنے اتنے درہم ہیں تو گیارہ درہم سے کم میں اسکی تصدیق نہیں کی جائیگی کیونکہ مقر نے دو ایسے مبہم عدد ذکر کئے ہیں جن کے درمیان حرف عطف نہیں اور مفسّر اعداد میں سے اقل ایسا عدد "احد عشر" ہے۔ (۱۰) اور اگر مقر

نے کہا کذا و کذا تو اکیس سے کم میں اسکی تصدیق نہیں کیجائیگی کیونکہ مقر نے دو ایسے مبہم عدد ذکر کئے ہیں جن کے درمیان حرف عطف ہے اور مفسّر اعداد میں سے اقل ایسا عدد احد و عشرون ہے تو ہر ایک وجہ کو اپنے نظیر پر حمل کیا جائیگا۔

(۱۰)وَان قالَ لَه عَلَيّ اَوْ قِبَلِيْ فَقَد اَقَرَّ بِدَيْنٍ (۱۱)وان قالَ له عِنْدِیْ اَوْ مَعِیَ فهو اِقْرارٌ بِاَمَانَةٍ فِي يَدِه۔

ترجمہ:۔اور اگر کہا کہ فلاں کے مجھ پر یا میری طرف ہیں، تو یہ دین کا اقرار ہے اور اگر کہا کہ فلاں کے میرے پاس یا میرے ساتھ ہیں تو یہ اس کے ہاتھ میں امانت ہونے کا اقرار ہے۔

تشریح:۔(۱۰) اگر مقر نے کہا ''لہ علیّ '' (فلاں کا مجھ پر) یا ''لہ قبلی '' (فلاں کا میری طرف) تو یہ قرضہ کا اقرار ہوگا کیونکہ ''علیّ'' صیغہ ایجاب ہے اور ''قبلی ''ضمان کی خبر دیتا ہے کیونکہ قبالہ کفالہ کی طرح ضمانت کا نام ہے۔(۱۱) اگر مقر نے کہا ''لہ عندی '' (فلاں کے میرے پاس) یا ''لہ معی '' (فلاں کے میرے ساتھ) تو یہ امانت کا اقرار ہوگا کیونکہ ان دونوں صورتوں میں اس شئ کا اس کے ہاتھ میں ہونے کا اقرار ہے اور کسی شئ کا ہاتھ میں ہونا دو طرح ہوتا ہے، مضمون ،امانت ،تو ان میں سے کمتر ثابت ہو جائیگا اور کمتر امانت ہے اسلئے یہ امانت کا اقرار ہے۔

(۱۲)وَاِذا قالَ له رَجُلٌ لِی عَلَیکَ اَلفُ دِرْهَمٍ فقالَ اِتَّزِنْهَا اَوْ اِنْتَقِدْهَا اَوْ اَجِّلْنِیْ بِها او قَدْ قَضَيْتُهَا فَهُو اِقْرارٌ۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی نے دوسرے سے کہا کہ تیرے ذمہ میرے ہزار درہم ہیں اور اس نے کہا کہ ان کو تول لو یا پرکھ لو یا اس میں مجھ کو مہلت دو یا کہا کہ وہ تو میں ادا کر چکا ہوں تو یہ اقرار ہوگا۔

تشریح:۔(۱۲) اگر مقر سے کسی نے کہا کہ میرے تجھ پر ہزار دراہم ہیں مقر نے کہا انکو تول لے یا پرکھ لے (یہ اس زمانے کی بات ہے کہ لوگ چاندی کے دراہم کی مقدار معلوم کرنے کیلئے تولتے یا کھرہ کھوٹہ معلوم کرنے کیلئے پرکھتے تھے) اور یا کہا کہ انکی مجھے مہلت دیدو۔اور یا کا کہ وہ تو میں تجھ کو دے چکا ہوں تو ان تمام صورتوں میں مقر کی طرف سے ہزار درہم کا اقرار ہے کیونکہ ان سب جملوں میں ہاء ضمیر الف کی طرف راجع ہے تو گویا مقر کہتا ہے اِتزن الالف التي لک علي ،اس طرح باقی جملے ہیں لہذا یہ اقرار ہے۔

(۱۳)وَمَنْ اَقَرَّ بِدَيْنٍ مُؤَجَّلٍ فَصَدَّقَهُ الْمُقَرُّ لَه فِی الدَّيْنِ وَكَذَّبَه فِي التَّاجِيْلِ لَزِمَه الدَّيْنُ حَالاً وَيُسْتَحْلَفُ الْمُقَرُّ لَه فی الْاَجَلِ۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی نے میعادی دین کا اقرار کیا اور مقرلہ نے دین کے بارے میں اس کی تصدیق کی اور میعاد کے بارے میں اسکی تکذیب کی تو مقر پر فی الحال دین لازم ہوگا اور میعاد کے بارے میں مقرلہ سے قسم لی جائیگی۔

تشریح:۔(۱۳) اگر مقر نے میعادی دین کا اقرار کیا اور مقرلہ نے دین میں اسکی تصدیق کی مگر میعادی ہونے میں اسکی تکذیب کی تو مقر پر فی الحال دین لازم ہوگا اور میعادی ہونے میں اسکی تصدیق نہیں کی جائیگی البتہ مقرلہ سے اس بات پر قسم لیجائیگی کہ دین میعادی نہیں کیونکہ مقر نے اپنے اوپر حق غیر کے ساتھ ساتھ مقرلہ پر اپنے لئے حق میعاد کا دعویٰ کیا، مقرلہ حق میعاد سے انکار کرتا ہے اور قسم منکر پر ہوتا ہے۔

(۱۴)وَمَنْ اَقَرَّ بِدَيْنٍ وَاسْتَثْنَىٰ شَيْاً مُتَصِلاً بِاِقْرَارِهِ صَحَّ الْاِسْتِثْنَاءُ وَلَزِمَهُ الْبَاقِي وَسَوَاءٌ اِسْتَثْنَى الْاَقَلَّ اَوِالْاَكْثَرَ (۱۵)فَاِنْ اِسْتَثْنَى الْجَمِيعَ لَزِمَهُ الْاِقْرَارُ وَبَطَلَ الْاِسْتِثْنَاءُ۔

ترجمه:۔اور جس نے کسی دین کا اقرار کیا اور متصل کچھ مستثنیٰ کر لیا تو یہ استثناء صحیح ہے اور اس پر باقی لازم ہوگا اور برابر ہے کہ کم مستثنیٰ کردے یا زیادہ اور اگر تمام کا استثناء کر دیا تو اس پر اس کا اقرار لازم ہوگا اور استثناء باطل ہو جائیگا۔

تشریح:۔(۱۴)اگر کسی نے دین کا اقرار کیا اور اقرار کے متصل مقر بہ سے کچھ مستثنیٰ کر دیا خواہ کم مستثنیٰ کردے یا زیادہ تو یہ استثناء صحیح ہے اور مستثنیٰ کے سوا باقی ماندہ مقر بہ مقر پر لازم ہوگا کیونکہ استثناء مستثنیٰ کے بعد تکلم بالباقی ہے۔(۱۵)البتہ اگر مقر نے کل کا استثناء کر دیا تو کل کا استثناء باطل ہے، مقر پر مقر بہ لازم ہے کیونکہ کل کا استثناء رجوع عن الاقرار ہے جو کہ درست نہیں۔

(۱۶)وَاِنْ قَالَ لَهُ عَلَيَّ مِائَةُ دِرْهَمٍ اِلَّا دِيْنَارًا اَوْ اِلَّا قَفِيْزَ حِنْطَةٍ لَزِمَهُ مِائَةُ دِرْهَمٍ اِلَّا قِيْمَةَ الدِّيْنَارِ اَوِ الْقَفِيْزِ (۱۷)وَاِنْ قَالَ لَهُ عَلَيَّ مِائَةٌ وَدِرْهَمٌ فَالْمِائَةُ كُلُّهَا دَرَاهِمُ (۱۸)وَاِنْ قَالَ لَهُ عَلَيَّ مِائَةٌ وَثَوْبٌ لَزِمَهُ ثَوْبٌ وَاحِدٌ وَالْمَرْجِعُ فِي تَفْسِيْرِ الْمِائَةِ اِلَيْهِ۔

ترجمه:۔اور اگر کسی نے کہا کہ فلاں کے میرے ذمہ سو درہم ہیں مگر ایک دینار یا ایک قفیز گندم تو اس پر سو درہم لازم ہیں مگر ایک دینار یا قفیز گندم کی قیمت لازم نہ ہوگی اور اگر کہا کہ میرے ذمہ فلاں کے سو اور درہم ہے تو پورے سو درہم لازم ہونگے اور اگر کہا کہ فلاں کے میرے ذمہ سو اور کپڑا ہے تو اس پر ایک کپڑا لازم ہوگا اور سو کی تفسیر میں اسی سے رجوع کیا جائیگا۔

تشریح:۔(۱۶)اگر مقر نے کہا کہ فلاں کے مجھ پر سو درہم ہیں مگر ایک دینار یا کہا کہ فلاں کے مجھ پر سو درہم ہیں مگر گندم کا ایک قفیز تو اس پر سو درہم سوائے ایک دینار کی قیمت کے یا سو درہم سوائے گندم کے ایک قفیز کی قیمت کے لازم ہیں یہ دونوں صورتیں شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک استحساناً درست ہیں جبکہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک درست نہیں، شیخینؒ کا قول راجح ہے۔

(۱۷)اگر مقر نے کہا کہ فلاں کے میرے ذمہ سو اور ایک درہم ہے تو اس پر تمام (یعنی ایک سو ایک) درہم ہی لازم ہونگے کیونکہ عادۃً لوگ اس طرح کے کلام میں مائۃ بطور تفسیر ذکر کرتے ہیں۔(۱۸)اور اگر کہا کہ فلاں کے مجھ پر سو اور ایک کپڑا ہے تو اس پر ایک کپڑا لازم ہوگا اور سو کی تفسیر میں مقر سے رجوع کیا جائیگا کہ مائۃ سے تیری کیا مراد ہے کیونکہ معطوف مفسَّر کا عطف معطوف علیہ مبہم پر کیا ہے اور عطف برائے بیان وضع نہیں ہوا ہے تو لفظ مائۃ مبہم ہی رہا لہذا مائۃ کے بیان کیلئے مقر سے رجوع کیا جائیگا۔

(۱۹)وَمَنْ اَقَرَّ بِحَقٍّ وَقَالَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى مُتَصِلاً بِاِقْرَارِهِ لَمْ يَلْزَمْهُ الْاِقْرَارُ۔

ترجمه:۔اور جس نے کسی حق کا اقرار کر لیا اور اپنے اقرار کے متصل انشاء اللہ کہا تو اس پر اقرار لازم نہ ہوگا۔

تشریح:۔(۱۹)اگر کسی نے کسی حق کا اقرار کرتے ہوئے متصل کہا انشاء اللہ تو یہ اقرار مقر پر لازم نہ ہوگا کیونکہ انشاء اللہ کے ساتھ استثناء امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حکم کو انعقاد سے پہلے ہی باطل کرنے کیلئے ہے اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک حکم کو مشیت باری تعالیٰ کے ساتھ

معلق کرنے کیلئے ہے بہر حال دونوں صورتوں میں اقرار لازم نہ ہوگا۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق تو ظاہر ہے اور امام محمد رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق اسلئے لازم نہ ہوگا کہ اقرار تعلیق بالشرط کا احتمال رکھتا ہے۔

(۲۰) وَمَنْ اَقَرَّ وَشَرَطَ الْخِيَارَ لِنَفْسِهِ لَزِمَهُ الْاِقْرَارُ وَبَطَلَ الْخِيَارُ۔

ترجمہ:۔ اور جس نے اقرار کیا اور اپنے لئے خیار کی شرط لگادی تو اس پر اقرار لازم ہے اور خیار باطل ہے۔

تشریح:۔ (۲۰) اگر مقر نے اپنے لئے شرط خیار کی شرط پر کسی کیلئے اقرار کیا مثلاً کسی کیلئے قرض یا غصب یا ودیعت یا عاریت کا اقرار اس شرط پر کیا کہ مجھے تین دن تک اختیار ہے تو اقرار صحیح ہوگا اور شرط باطل ہوگی شرط اسلئے باطل ہوگی کہ خیار اس غرض سے ہوتا ہے کہ جب چاہے فسخ کردے اور اقرار اخبار ہے قابل فسخ نہیں۔

(۲۱) وَمَنْ اَقَرَّ بِدَارٍ وَاسْتَثْنٰی بِنَائَهَا لِنَفْسِهِ فَلِلْمُقَرِّ لَهُ الدَّارُ وَالْبِنَاءُ جَمِيعاً (۲۲) وَاِنْ قَالَ بِنَاءُ هٰذِهِ الدَّارِ لِیْ وَالْعَرْصَةُ لِفُلَانٍ فَهُوَ كَمَا قَالَ۔

ترجمہ:۔ اور جس گھر کا اقرار کیا اور اپنے لئے اس کی عمارت کا استثناء کیا تو مکان اور عمارت سب مقرلہ کے ہونگے اور اگر کہا کہ اس گھر کی عمارت میرے لئے ہے اور صحن فلاں کا ہے تو یہ اس کے بیان کے مطابق ہوگا۔

تشریح:۔ (۲۱) اگر مقر نے کسی کیلئے مکان کا اقرار کر کے عمارت اپنے لئے مستثنیٰ کردیا تو مکان وعمارت سب مقرلہ کے ہونگے کیونکہ اعتراف دار میں عمارت تبعاً داخل ہے۔ (۲۲) اور اگر مقر نے کہا کہ اس مکان کی عمارت میری ہے اور صحن فلاں کا ہے تو جیسا مقر کہتا ہے ویسا ہی ہے کیونکہ صحن عبارت ہے خالی زمین سے بغیر عمارت کے تو گویا اس نے کہا کہ یہ زمین فلاں کی ہے بغیر عمارت کے۔

(۲۳) وَمَنْ اَقَرَّ بِتَمْرٍ فِی قَوْصَرَةٍ لَزِمَهُ التَّمْرُ وَالْقَوْصَرَةُ (۲۴) وَمَنْ اَقَرَّ بِدَابَّةٍ فِی اِصْطَبْلٍ لَزِمَهُ الدَّابَّةُ خَاصَّةً (۲۵) وَاِنْ قَالَ غَصَبْتُ ثَوْباً فِی مِنْدِيْلٍ لَزِمَاهُ جَمِيْعاً (۲۶) وَاِنْ قَالَ لَهُ عَلَیَّ ثَوْبٌ فِی ثَوْبٍ لَزِمَاهُ جَمِيْعاً (۲۷) وَاِنْ قَالَ لَهُ عَلَیَّ ثَوْبٌ فِی عَشَرَةِ اَثْوَابٍ لَمْ يَلْزَمْهُ عِنْدَ اَبِیْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اِلَّا ثَوْبٌ وَاحِدٌ وَقَالَ مُحَمَّدٌ يَلْزَمُهُ اَحَدَ عَشَرَ ثَوْباً۔

ترجمہ:۔ اور جس نے ٹوکری میں کھجور کا اقرار کیا تو اس پر کھجور اور ٹوکری دونوں لازم ہوگی اور جس جانور کا اصطبل میں اقرار کیا تو اس پر خاص کر جانور لازم ہوگا اور اگر کہا کہ میں نے کپڑا رومال میں غصب کیا تو اس پر دونوں چیزیں لازم ہونگی اور اگر کہا کہ فلاں کا میرے ذمہ کپڑا ہے کپڑے میں تو دونوں لازم ہونگے اور اگر کہا کہ فلاں کا میرے ذمہ کپڑا ہے دس کپڑوں میں تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک لازم نہیں ہوتا مگر ایک کپڑا اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس پر گیارہ کپڑے لازم ہونگے۔

تشریح:۔ (۲۳) اگر مقر نے اقرار کیا کہ فلاں کے مجھ پر کھجور ہے ٹوکری میں تو کھجور اور ٹوکری دونوں واپس کرنا لازم ہوگا (۲۴) اور اگر مقر نے کہا کہ مجھ پر فلاں کا جانور ہے اصطبل میں تو صرف جانور لازم ہوگا (۲۵) اور اگر مقر نے کہا کہ میں نے غصب کیا ہے کپڑا رومال

میں تو دونوں لازم ہونگے (۲۶) اور اگر مقر نے کہا کہ فلاں کا مجھ پر کپڑا ہے کپڑے میں تو دونوں کپڑے لازم ہونگے۔

(۲۷) اگر مقر نے کہا کہ فلاں کا مجھ پر ایک کپڑا ہے دس کپڑوں میں تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک صرف ایک کپڑا لازم ہوگا کیونکہ عادت یہ ہے کہ دس کپڑے ایک کپڑے کے لئے ظرف نہیں ہوتا۔ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک گیارہ کپڑے لازم ہونگے کیونکہ یہ جائز ہے کہ کوئی عمدہ کپڑے کو دس کپڑوں میں لپیٹ دے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول راجح ہے۔

ان تمام مسائل میں اصل اور قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز ظرف ہونے کی صلاحیت رکھتی ہو اور اسکا ایک جگہ سے دوسری جگہ انتقال ممکن ہو تو ایسی چیز کے اقرار میں ظرف اور مظروف دونوں لازم ہوتے ہیں جیسے کھجور کا اقرار ٹوکری میں۔ اور اگر ظرف ہونے کی صلاحیت رکھتی ہو مگر اسکا انتقال ممکن نہ ہو تو صرف مظروف لازم ہوگا ظرف لازم نہ ہوگا جیسے جانور کا اقرار اصطبل میں۔ لیکن امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں لازم ہونگے کیونکہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک غیر منقول کا غصب کرنا متصور ہے۔ اور اگر وہ چیز ظرف ہونے کی صلاحیت نہ رکھتی ہو تو صرف مظروف لازم ہوگا جیسے کوئی کہے "له عليّ درهم في درهم"۔

(۲۸) وَمَنْ اَقَرَّ بِغَصْبِ ثَوْبٍ وجاءَ بِثَوْبٍ مَعِيبٍ فالقَولُ قولُه فيه مَعَ يَمِينِه (۲۹) وكَذالِكَ لَوْ اَقَرَّ بِدَرَاهِمَ وقالَ هِيَ زُيُوفٌ۔

ترجمہ:۔ اور جس نے کپڑا غصب کرنے کا اقرار کیا اور پھر عیب دار کپڑا لایا تو اس میں اس کا قول اسکی قسم کے ساتھ معتبر ہے اور اسی طرح اگر دراہم کا اقرار کیا اور کہا کہ وہ کھوٹا ہیں (تو بھی مقر کا قول معتبر ہے)۔

تشریح:۔ (۲۸) اگر مقر نے کپڑا غصب کرنے کا اقرار کیا پھر جب اس سے مطالبہ کیا گیا تو اس نے معیوب کپڑا لا کر دیا کہ یہ میں نے غصب کیا تھا جبکہ مغصوب منہ کہتا ہے کہ مجھ سے سالم کپڑا غصب کیا ہے تو غاصب کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا کیونکہ غصب سالم کے ساتھ مختص نہیں بلکہ معیوب بھی غصب کیا جا سکتا ہے۔ (۲۹) یہی حکم اس صورت کا بھی ہے کہ مقر نے دراہم غصب کرنے کا اقرار کیا اور کہا کہ کھوٹے دراہم میں نے غصب کئے ہیں۔

(۳۰) وَاِنْ قَالَ لَه عَلَيّ خَمْسَةٌ فِي خَمْسَةٍ يُرِيْدُ بِه الضَّرْبَ وَالحِسابَ لَزِمَه خَمْسَةٌ وَاحِدَةٌ (۳۱) وان قالَ اَرَدْتُ خَمْسَةً معَ خَمْسَةٍ لَزِمَه عَشَرَةٌ۔

ترجمہ:۔ اور اگر کہا کہ فلاں کے میرے ذمہ پانچ ہیں پانچ میں اور اس سے اس کی مراد ضرب اور حساب ہے تو پانچ لازم ہونگے اور اگر کہا کہ میرے مراد پانچ کے ساتھ پانچ ہیں تو اس پر دس لازم ہونگے۔

تشریح:۔ "خمسة في خمسة" کے تین مطلب نکل سکتے ہیں اور ہر ایک کا حکم الگ ہے۔ ایک مطلب تو یہ ہے کہ پانچ کو پانچ میں ضرب دیا جائے اور یہی مراد لی جائے تو پچیس لازم ہونگے کیونکہ پانچ کو پانچ سے ضرب دینے سے پچیس ہوتے ہیں۔ حسن ابن زیادؒ کا یہی قول ہے۔ (۳۰) دوسرا مطلب یہ ہے کہ پانچ، پانچ کے ساتھ اور "في" کو "مع" کے معنی میں لیا جائے تو دس لازم ہونگے کیونکہ پانچ

پانچ کے ساتھ ہو جائے تو دس بنتے ہیں۔(۳۱) تیسرا مطلب یہ ہے کہ پانچ کو پانچ میں ضرب دے کر اس کے اجزاء اور ٹکڑے بڑھائے جائیں اس صورت میں عدد تو پانچ ہی رہیں گے البتہ ان کے اجزاء پچیس ہو جائیں گے اگر یہ مطلب لیا جائے تو صرف پانچ ہی لازم ہونگے کیونکہ ضرب دینے سے اجزاء اگر چہ بڑھ گئے لیکن عدد پانچ ہی رہے گا۔ امام قدوریؒ نے یہی مطلب لیا ہے اور پانچ ہی لازم کئے ہیں۔

(۳۲) وَاِنْ قَالَ لَه عَلَيَّ مِنْ دِرْهَمٍ اِلىٰ عَشَرَةٍ لَزِمَه تِسْعَةٌ عِندَ اَبِي حَنِيفَةَ يَلْزَمُه الْاِبْتِدَاءُ وَمَا بَعدَه وَيَسْقُطُ الْغَايَةُ وقَالاَ رَحِمَهُمَا اللّٰه يَلزَمُه العَشَرَةُ كُلُّهَا۔

ترجمہ:۔اور اگر کہا کہ فلاں کے میرے ذمہ ایک درہم سے لے کر دس تک ہیں تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر نو درہم لازم ہونگے ابتداء اور اس کا مابعد لازم ہوگا اور غایت ساقط ہو جائیگی اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس پر پورے دس لازم ہونگے۔

تشریح:۔(۳۲) اگر مقر نے کہا کہ فلاں کے مجھ پر ایک درہم سے دس تک ہیں تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مقر پر نو درہم لازم ہونگے یعنی ابتدا اور اسکا مابعد لازم ہوگا اور غایہ ساقط ہوگی اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک پورے دس لازم ہونگے انکے نزدیک غایہ مغیا میں داخل ہے۔ جبکہ امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک آٹھ لازم ہونگے انکے نزدیک دونوں غایہ مغیا میں داخل نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول راجح ہے۔

(۳۳) وَاِذَا قَالَ لَه عَلَيَّ اَلْفُ دِرْهَمٍ مِنْ ثَمَنِ عَبدٍ اِشْتَرَيتُه مِنه وَلَمْ اَقْبِضْه فَاِنْ ذَكَرَ عَبداً بِعَيْنِه قِيلَ لِلْمُقَرِّ لَه اِنْ شِئْتَ فَسَلِّمِ العَبدَ وَخُذِ الْاَلْفَ وَاِلَّا فَلا شَيْءَ لَكَ عَلَيه (۳۴) وَاِنْ قَالَ لَه عَلَيَّ اَلفٌ مِنْ ثَمَنِ عَبدٍ وَلَمْ يُعَيِّنْه لَزِمَه الْاَلْفُ فِي قَولِ اَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَه اللّٰه۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی نے کہا کہ فلاں کے میرے ذمہ ہزار درہم ہیں ایک ایسے غلام کی قیمت کے جو میں نے اس سے خریدا تھا اور میں نے اس پر قبضہ نہیں کیا تھا تو اگر اس نے معین غلام کو ذکر کیا تو مقر لہ سے کہا جائیگا کہ اگر تو چاہو تو غلام دیدو اور ہزار لے لو ورنہ تیرے لئے اس پر کچھ لازم نہیں اور اگر کہا کہ فلاں کے میرے ذمہ غلام کے ثمن کے ہزار درہم ہیں اور غلام کو متعین نہیں کیا تو اس پر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق ہزار لازم ہونگے۔

تشریح:۔(۳۳) اگر مقر نے کہا کہ فلاں کے مجھ پر ہزار درہم ہیں اس غلام کے ثمن کے جو میں نے اس سے خریدا تھا لیکن میں نے اس غلام پر قبضہ نہیں کیا تھا پس اگر مقر نے کسی معین غلام کا ذکر کیا جو کہ فی الحال مقر لہ کے ہاتھ میں ہے تو مقر لہ سے کہا جائیگا کہ اگر چاہے تو غلام مقر کے سپر کردے اور مقر نے جن ہزار دراہم کا اقرار کیا ہے وہ لے لیں ورنہ تیرے لئے کچھ نہ ہوگا کیونکہ مقر نے اقرار بالمال بعوض غلام کیا تھا تو بغیر غلام کے مقر پر کچھ لازم نہ ہوگا۔

(۳۴) اگر مقر نے معین غلام ذکر نہیں کیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مقر پر ہزار درہم لازم ہونگے اور مقر کے اس قول کی تصدیق نہیں کی جائیگی کہ میں نے اس پر قبضہ نہیں کیا کیونکہ مقر کا یہ کہنا اقرار سے رجوع ہے جو کہ درست نہیں۔ یہی قول راجح ہے۔

(۳۵)ولَوْ قالَ له عَلیَّ اَلفٌ مِن ثَمنِ خمرٍ اَوْ خِنزِیرٍ لَزِمَهُ الْاَلفُ وَلمْ یُقبلْ تفسِیرُہ۔

ترجمہ:۔اوراگرکہا کہ فلاں کے میرے ذمہ شراب یا خنزیر کے ثمن کے ہزار درہم ہیں تو اس پر ہزار درہم لازم ہونگے اور اس کی یہ تفسیر قبول نہیں کی جائیگی۔ 2

تشریح:۔(۳۵)اگر مقر نے کہا کہ فلاں کے مجھ پر ہزار درہم ہیں شراب یا خنزیر کی قیمت کے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مقر پر ہزار لازم ہونگے اور مقر کا یہ کہنا کہ شراب یا خنزیر کی قیمت کے ہیں مقبول نہ ہوگا کیونکہ یہ اقرار سے رجوع ہے کیونکہ مسلمان پر خمر اور خنزیر کے ثمن واجب نہیں ہوتے جبکہ اس کلام کا اول حصہ وجوب کے لئے ہے۔

(۳۶)وَاِنْ قالَ له عَلَیَّ اَلفٌ مِن ثَمنِ مَتَاعٍ وهیَ زُیُوفٌ فقالَ الْمُقَرُّ له جِیادٌ لَزِمَه الْجِیادُ فی قَوْلِ اَبی حَنیفَة رحمَه اللّٰه وَقالَ ابُو یوسُفَ رحمَه اللّٰه ومُحمّدٌ رحمَه اللّٰه اِنْ قالَ ذالکَ مَوْصُولًا صُدِّقَ واِنْ قالَ مَفصُوْلًا لا یُصَدَّقُ۔

ترجمہ:۔اوراگرکہا کہ فلاں کے میرے ذمہ سامان کی قیمت کے ہزار درہم ہیں اور وہ کھوٹے ہیں اور مقر لہ کہتا ہے کہ کھرے ہیں تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق کھرے لازم ہونگے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر اس نے یہ متصل کہا تو اس کی تصدیق کی جائیگی اور اگر کچھ دیر بعد کہا تو تصدیق نہیں کی جائیگی۔

تشریح:۔(۳۶)اگر مقر نے کہا کہ فلاں کے مجھ پر ہزار درہم ہیں سامان کی قیمت کے اور وہ کھوٹے ہیں اور مقر لہ نے کہا کہ کھوٹے نہیں بلکہ کھرے ہیں تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک کھرے ہی لازم ہونگے کیونکہ مقر کا کہنا، کہ کھوٹے ہیں، یہ اقرار سے رجوع ہے اسلئے کہ عقد مطلق عیب سے سالم ہونے کا مقتضی ہے جبکہ کھوٹا ہونا عیب ہے۔

صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اگر مقر نے یہ قول، کہ کھوٹے ہیں، متصل کہا تو پھر مقر کی تصدیق کی جائیگی اور اگر منفصل کہا تو تصدیق نہیں کی جائیگی۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول راجح ہے۔

(۳۷)وَمنْ اَقرّ لِغیرِہ بِخاتَمٍ فلَه الْحلقَةُ وَالفصُّ (۳۸)وَاِنْ اقرّ لَه بِسَیفٍ فلَه النَّصْلُ وَالجَفْنُ وَالحَمائلُ (۳۹)وَاِنْ اَقرَّ لَهٗ بِحَجلَةٍ فلَه العِیْدانُ وَالْکِسْوَةُ۔

ترجمہ:۔اور جس نے دوسرے کے لئے انگوٹھی کا اقرار کیا تو اس کے لئے انگوٹھی اور نگینہ دونوں ہیں اور اگر کسی کے لئے تلوار کا اقرار کیا تو اس کے لئے تلوار اور پرتلہ اور نیام تینوں ہونگے اور اگر کسی کے لئے ڈولی کا اقرار کیا تو اس کے لئے لکڑیاں اور پردہ ہوگا۔

تشریح:۔(۳۷)اگر مقر نے کسی کیلئے انگوٹھی کا اقرار کیا تو مقر پر حلقہ اور نگینہ دونوں لازم ہونگے کیونکہ اسم خاتم دونوں کو شامل ہے(۳۸) اوراگر کسی کیلئے تلوار کا اقرار کیا تو مقر لہ کیلئے نصل (تلوار) جفن (نیام) حمائل (تلوار کا پرتلہ) تینوں ہونگے کیونکہ اسم سیف ان تینوں کو شامل ہے۔(۳۹)اگر کسی کیلئے چھپر کھٹ (دلہن کا چھتری دار پلنگ) کا اقرار کیا تو مقر لہ کیلئے لکڑیاں (جن سے چھپر کھٹ بنایا جاتا ہے) اور پردہ (جو لکڑیوں پر ڈالا جاتا ہے) ہوگا کیونکہ اسم حجلہ ان دونوں کو شامل ہے۔

(۴۰)وَ اِنْ قَالَ لِحَمْلِ فُلَانَةٍ عَلَيَّ اَلْفُ دِرْهَمٍ فَاِنْ قَالَ اَوْصٰى لَه فُلَانٌ اَوْ مَاتَ اَبُوْه فَوَرِثَهٗ فَالْاِقْرَارُ صَحِيْحٌ
(۴۱)وَاِنْ اَبْهَمَ الاقرارَ لَمْ يَصِحَّ عِندَ ابِي يُوسفَ رحمه الله وقَالَ محَمَّدٌ رحِمَه الله يَصِحُّ۔

ترجمہ:۔اور اگر کہا کہ فلاں کے حمل کے میرے ذمہ ہزار درہم ہیں پس اگر اس نے کہا کہ اس کے لئے فلاں نے وصیت کی تھی یا اس کا باپ مرگیا اور یہ اس کا وارث ہے تو یہ اقرار صحیح ہے اور اگر اس نے اقرار مبہم چھوڑا تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک یہ اقرار صحیح نہیں اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں صحیح ہے۔

تشریح:۔(۴۰)اگر مقر نے کہا کہ فلاں کے حمل کیلئے مجھ پر ہزار درہم ہیں تو اسکی دو صورتیں ہیں۔ایک صورت یہ ہے کہ حمل کیلئے ثبوت ملک کا سبب صالح بیان کرے جسکی صورت یوں ہے کہ مقر کہے کہ فلاں عورت کے حمل کے مجھ پر ہزار درہم لازم ہیں جن کی وصیت فلاں شخص نے اس حمل کیلئے کی تھی جو بعد میں وہ مجھ سے ضائع ہوگئے یا کہے کہ حمل کا باپ مرگیا تھا حمل نے ہزار روپیہ اس سے میراث میں پائے تھے جو بعد میں مجھ سے ہلاک ہوئے تو چونکہ مقر نے حمل کیلئے ثبوت ملک کا سبب۔صالح (وصیت یا میراث) بیان کردیا سلئے یہ اقرار صحیح ہے۔

(۴۱) دوسری صورت یہ ہے کہ اقرار کو مبہم چھوڑ دے یعنی ثبوت ملک کا کوئی سبب صالح بیان نہیں کرے تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک یہ اقرار صحیح نہیں۔امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک صحیح ہے۔امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول راجح ہے۔

(۴۲)وَاِنْ اَقَرَّ بِحَمْلِ جَارِيَةٍ اوحَمْلِ شَاةٍ لِرَجُلٍ صَحَّ الْاِقْرَارُ وَلَزِمَه۔

ترجمہ:۔اور اگر لونڈی کے حمل کا یا بکری کے حمل کا کسی کے لئے اقرار کیا تو یہ اقرار صحیح ہے اور اس پر لازم ہے۔

تشریح:۔(۴۲)اگر مقر نے کسی کیلئے باندی کے حمل کا یا بکری کے حمل کا اقرار کیا تو یہ اقرار صحیح ہے اور مقر پر مقر بہ لازم ہے خواہ سبب صالح بیان کرے یا نہ کرے کیونکہ اس اقرار کی وجہ صحیح ممکن ہے وہ یہ کہ ممکن ہے کہ کسی مرنیوالے نے اسکی وصیت کی ہو لہذا اس اقرار کو جواز کی اس صورت پر محمول کیا جائیگا۔

(۴۳)وَاِذَا اَقَرَّ الرَّجلُ فِي مَرَضِ مَوْتِه بِدُيُوْنٍ وَعَلَيْهِ دُيُوْنٌ فِي صِحَّتِهٖ وَدُيُوْنٌ لَزِمَتْه فِي مَرَضِه بِاَسْبَابٍ مَعْلُوْمَةٍ فَدَيْنُ الصِّحَّةِ وَالدَّيْنُ الْمَعْرُوْفُ بِالاسْبَابِ مُقَدَّمٌ فَاِذَا قُضِيَتْ وفَضَلَ شَيْءٌ مِنْهَا كَانَ فِيْمَا اَقَرَّبِه فِي حَالِ الْمَرَضِ
(۴۴)وَاِنْ لَمْ يَكنْ عَلَيه دُيُوْنٌ لَزِمَتْه فِي صِحَّتِهٖ جَازَ اِقْرَارُه وكَانَ الْمُقَرُّلَه اَوْلٰى مِنَ الْوَرَثَةِ۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی نے مرض الموت میں چند قرضوں کا اقرار کیا اور اس پر صحت کی حالت کے اور بھی قرضے ہیں اور کچھ قرضے اس پر حالت مرض میں بھی آگئے جن کے اسباب معلوم ہیں تو حالت صحت کا قرض اور جس قرض کے اسباب معلوم ہیں یہ مقدم ہیں پس جس وقت یہ قرضے ادا ہوجائیں اور ان سے کچھ بچ جائے تو اس قرض میں دیا جائے جو مرض الموت میں اس نے اسکا اقرار کیا ہے اور اگر اس کے ذمہ ایسا قرضے نہیں جو اس پر حالت صحت میں لازم ہوں تو اس کا اقرار جائز ہے اور مقرلہ ورثہ سے اولی ہوگا۔

تشریح:۔(۴۳)گر مقر نے مرض الموت میں قرضوں کا اقرار کیا (مثلاً کہ مجھ پر زید، بکر کے دو ہزار درہم دین ہے) اور مقر کے

ذمہ تندرستی کے زمانے کے بھی کچھ قرضے ہیں اور اسی مرض میں بھی کچھ قرضے اسکے ذمہ اسباب معلومہ سے لازم ہوئے ہوں (مثلاً مرض الموت میں کسی کی کوئی چیز ہلاک کردی) تو تندرستی کے قرضے اور مرض الموت میں اسباب معروفہ سے لازم شدہ قرضے ان قرضوں سے مقدم ہونگے جنکا مرض الموت میں اقرار کیا کیونکہ اقرار بیشک دلیل ہے مگر اسکا دلیل ہونا اسی وقت معتبر ہے جب اس سے دوسرے کا حق باطل نہ ہوتا ہو جبکہ ایسے مریض کے اقرار سے حق غیر کا ابطال لازم آتا ہے کیونکہ اسکے مال کے ساتھ صحت کے قرضخوہوں کا حق متعلق ہو چکا ہے۔

ہاں اگر اول الذکر دوقسم قرضے ادا کردئے گئے اور کچھ مال بچ گیا تو اس بچے ہوئے مال سے مریض کے وہ قرضے ادا کرلے جن کا اس نے مرض الموت میں اقرار کیا تھا کیونکہ بنفسہ تیسری قسم کے قرضوں کا اقرار صحیح تھا صرف صحت کے قرض خواہوں کے حق کی وجہ سے رد ہوا تھا۔

(۴۴) اگر مرض الموت کے مریض پر اول الذکر دوقسم کے قرضے نہ ہوں تو مرض الموت کا اقرار صحیح ہوگا کیونکہ یہ اقرار حق غیر کے ابطال کو متضمن نہیں اور اس صورت میں مقرلہ ورثہ سے مقدم ہوگا کیونکہ ادائیگی قرض حوائج اصلیہ میں سے ہے اور ورثہ کا حق فارغ ترکہ کے ساتھ متعلق ہوتا ہے۔

(۴۵) وَاِقْرَارُ الْمَرِيضِ لِوَارِثِهٖ بَاطِلٌ اِلَّا اَنْ يُصَدِّقَهٗ فِيهِ بَقِيَّةُ الْوَرَثَةِ۔

ترجمہ:۔ اور مریض کا اپنے ورثہ کے لئے اقرار کرنا باطل ہے الا یہ کہ اس میں باقی ورثہ اس کی تصدیق کرلے۔

تشریح:۔ (۴۵) مرض الموت کا مریض اگر اپنے کسی وارث کیلئے اقرار کرے تو یہ درست نہیں کیونکہ دیگر ورثہ کا حق اس مال کے ساتھ متعلق ہو چکا ہے تو بعض ورثہ کو اقرار کے ساتھ مخصوص کرنے سے باقی ورثہ کا حق باطل ہوتا ہے لہذا یہ اقرار درست نہیں البتہ اگر باقی ورثہ اسمیں اسکی تصدیق کریں تو پھر درست ہے کیونکہ مانع از صحتِ اقرار ترکہ کے ساتھ انکے حق کا تعلق تھا جو انکی تصدیق کرنے سے یہ مانع زائل ہوا۔

(۴۶) وَمَنْ اَقَرَّ لِاَجْنَبِيٍّ فِي مَرَضِ مَوْتِهٖ ثُمَّ قَالَ هُوَ اِبْنِيْ ثَبَتَ نَسَبُهٗ وَبَطَلَ اِقْرَارُهٗ لَهٗ (۴۷) وَلَوْ اَقَرَّ لِاَجْنَبِيَّةٍ ثُمَّ تَزَوَّجَهَا لَمْ يَبْطُلْ اِقْرَارُهٗ لَهَا۔

ترجمہ:۔ اور جس نے مرض الموت میں کسی اجنبی کے لئے اقرار کیا پھر کہا یہ میرا بیٹا ہے تو اس کا نسب اس سے ثابت ہو جائیگا اور مقر کا اس کے لئے اقرار باطل ہو جائیگا اور اگر کسی اجنبی عورت کے لئے اقرار کیا پھر اس کے ساتھ نکاح کیا تو اس کے لئے اس کا اقرار باطل نہ ہوگا۔

تشریح:۔ (۴۶) اگر مقر نے مرض الموت میں کسی اجنبی کیلئے اقرار کیا پھر مقر نے کہا کہ یہ مقرلہ میرا بیٹا ہے تو مقر سے مقرلہ کا نسب ثابت ثابت ہو جائیگا اور اقرار باطل ہوگا دعویٰ نسب قرار نطفہ کے زمانہ کی طرف منسوب ہوتا ہے لہذا مقرلہ اسی وقت سے اسکا بیٹا ہے تو اب جو اسکے لئے اقرار کریگا تو بیٹے ہی کیلئے اقرار ہوگا جو کہ درست نہیں۔

(۴۷) اگر مقر نے اجنبی عورت کیلئے اقرار کیا پھر مقر نے اس سے نکاح کیا تو اقرار باطل نہ ہوگا کیونکہ بوقتِ اقرار یہ رشتہ قائم نہ تھا تو اسکا اقرار اجنبیہ کیلئے باقی رہا۔

(۴۸) وَمَنْ طَلَّقَ زَوْجَتَه فِي مَرَضِ مَوْتِه ثَلٰثاً ثم اَقَرَّ لَهَا بِدَيْنٍ وماتَ فَلَهَا الْاَقَلُّ مِنَ الدَّيْنِ ومِن مِيْرَاثِهَا۔

ترجمہ:۔ اور جس نے مرض الموت میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدیں پھر اس کے لئے قرضے کا اقرار کیا اور مرگیا تو اس عورت کے لئے وہی ہوگا جو اس کے دین اور میراث میں سے کم ہوگا۔

تشریح:۔ (۴۸) اگر مقر نے مرض الموت میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدیں پھر اس کیلئے قرضہ کا اقرار کر کے مرگیا تو عورت کیلئے مقر بہ اور حصہ میراث میں سے جو کم ہوگا وہی ہوگا کیونکہ زوجین مذکورہ اقرار کی وجہ سے متہم ہو سکتے ہیں یوں کہ ممکن ہے کہ زوج نے طلاق دیکر اس کے لئے اقرار کرنے میں یہ قصد کیا ہو کہ زوجہ کو حصہ میراث سے زیادہ دلائے جو کہ حالتِ قیام نکاح میں یہ ممکن نہیں کیونکہ وارث کیلئے اقرار صحیح نہیں جبکہ اقل الامرین میں یہ تہمت نہیں۔

(۴۹) وَمن اَقَرَّ بِغُلامٍ يُوْلَدُ مِثْلُه لِمِثْلِه وَلَيْسَ لَه نَسَبٌ مَعْرُوفٌ اَنَّه اِبْنُه وصَدَّقَه الْغُلامُ ثَبَتَ نَسَبُه منه واِنْ كَانَ مَرِيضاً وَيُشَارِكُ الوَرَثَةَ فِي الْمِيراثِ۔

ترجمہ:۔ اور اگر کوئی کسی لڑکے کا اقرار کرے کہ یہ میرا بیٹا ہے اور اس جیسا لڑکا اس مقر سے پیدا ہو سکتا ہے اور اس لڑکے کا نسب معروف نہیں کہ وہ اس کا لڑکا ہے اور اس لڑکے نے اس کی تصدیق کر دی تو مقر سے اس لڑکے کا نسب ثابت ہو جائیگا اگر چہ مقر مریض ہو اور وہ لڑکا ورثہ کے ساتھ میراث میں شریک ہوگا۔

تشریح:۔ (۴۹) اگر مقر نے (اگر چہ مریض ہو) کسی لڑکے کے بارے میں کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے تو مقر سے اسکا نسب ثابت ہو جائیگا دیگر ورثہ کے ساتھ میراث میں شریک ہوگا بشرطیکہ اس عمر کا لڑکا مقر سے پیدا ہو سکتا ہو (یعنی کم از کم مقر کی عمر بارہ سال لڑکے کی عمر سے زیادہ ہو) تا کہ ظاہر میں جھوٹا نہ قرار پائے اور مقر لہ کا نسب معروف نہ ہو کیونکہ معروف النسب کا ثبوت النسب من الغیر ممتنع ہے۔ اور غلام اس مقر کی تصدیق بھی کر دے کہ یہ اپنے دعوی میں سچا ہے میں اسکا بیٹا ہوں کیونکہ ثبوتِ نسب پر بہت سارے حقوق مرتب ہوتے ہیں جیسے ابن سے اب کے لئے ثبوتِ ارث وغیرہ پس اقرارِ بنوت کی صورت میں یہ حقوق مقر لہ پر لازم ہوتے ہیں تو مقر لہ کا التزام ضروری ہے جسکی یہی صورت ہے کہ مقر لہ مقر کی تصدیق کر دے۔

(۵۰) وَيَجُوزُ اِقْرَارُ الرَّجُلِ بِالوَالِدَيْنِ وَالزَّوْجَةِ وَالوَلَدِ وَالمَوْلىٰ (۵۱) وَيُقْبَلُ اِقْرَارُ الْمَرْاَةِ بِالوَالِدَيْنِ وَالزَّوْجِ والمَوْلىٰ۔

ترجمہ:۔ اور آدمی کا کسی کے متعلق والدین، بیوی، لڑکا اور مولیٰ ہونے کا اقرار کرنا جائز ہے اور عورت کا کسی کے متعلق والدین، شوہر اور مولیٰ ہونے کا اقرار کرنا قبول کیا جائیگا۔

تشریح :۔(۵۰)مقر مرد کا والدین، بیوی، بچے اور آقا (آزاد کرنے والا) کا اقرار کرنا صحیح ہے (مثلاً یہ کہ کہے کہ فلاں میرا باپ ہے فلاں میری ماں ہے وغیرہ وغیرہ) کیونکہ یہ ایسا اقرار ہے جو خود مقر پر لازم ہوگا اور اس میں غیر کی طرف نسب منسوب کرنا بھی نہیں پایا جاتا ہے۔(۵۱) اگر عورت کسی کے بارے میں والدین یا شوہر یا مولیٰ کا اقرار کرے تو قبول ہوگا لِـمـا بیّـنـا۔ مگر ان سب کا مقر کی تصدیق کرنا ضروری ہے کما مر اور یہ بھی ضروری ہے کہ اقرار ولد کی صورت میں اس عمر کا لڑکا مقر سے پیدا ہوسکتا ہو۔

(۵۲)وَلایُقبَلُ اِقرارُهَابِالوَلَدِ اِلّا اَنْ یُصَدِّقَهَاالزَّوْجُ فِی ذَالکَ اَوْ تَشْهَدَ بِوِلادَتِهاقابلةٌ۔

ترجمه:۔اور عورت کا کسی کے متعلق بیٹے ہونے کا اقرار کرنا قبول نہیں کیا جائیگا الا یہ کہ اس میں زوج اسکی تصدیق کرلے یا دایہ اسکے پیدائش کی گواہی دے۔

تشریح :۔(۵۲) اگر عورت نے کسی کے بیٹے ہونے کا اقرار کیا عورت ذات زوج ہو یا معتدہ من الزوج ہو تو یہ اقرار قبول نہیں کیا جائیگا کیونکہ اس اقرار میں نسب کو دوسرے پر یعنی زوج پر ڈالنا ہے کیونکہ نسب کا تعلق زوج سے ہے البتہ اگر زوج مقرہ کی تصدیق کردے اور یا دایہ اس بچے کا مقرہ سے پیدا ہونے کی گواہی دے تو پھر یہ اقرار درست ہے کیونکہ پہلی صورت میں حق زوج ہی کا ہے اور دوسری صورت میں چونکہ ولادت کے بارے میں تنہا دایہ کی گواہی مقبول ہے لہذا ان دو صورتوں میں مقرہ کی تصدیق کیجائیگی۔

(۵۳)وَمَنْ اَقَرَّ بِنَسَبٍ مِنْ غَیرِ الوَالِدَینِ وَالوَلَدِ مِثْلَ الاَخِ وَالعَمِّ لم یُقْبَلْ اقرارُه بِالنَّسَبِ فاِنْ کانَ لَه وَارِثٌ مَعْرُوفٌ قَرِیبٌ اَوْ بَعِیدٌ فهوَ اَوْلیٰ بِالمِیرَاثِ مِنَ المُقَرِّلَه (۵۴)فَاِنْ لَمْ یَکُنْ له وَارِثٌ اِسْتَحقَّ المُقَرُّ له مِیراثَه۔

ترجمه:۔اور جس نے والدین اور اولاد کے علاوہ کے نسب کا اقرار کیا مثلاً بھائی، چچا ہونے کا اقرار کیا تو اس کا اقرار نسب کے بارے میں قبول نہیں کیا جائیگا پس اگر اس کا کوئی معروف النسب وارث ہو خواہ قریب ہو یا بعید تو وہ میراث کا مقرلہ سے زیادہ مستحق ہوگا اور اگر اسکے لئے کوئی وارث نہ ہو تو مقرلہ میراث کا مستحق ہوگا۔

تشریح :۔(۵۳) اگر مقر نے والدین اور اولاد کے علاوہ کسی اور کے نسب کا اقرار کیا مثلاً کسی کے بھائی ہونے کا اقرار کیا یا چچا ہونے کا اقرار کیا تو مقر کا اقرار قبول نہ ہوگا کیونکہ اسمیں حمل النسب علی الغیر پایا جاتا ہے پس اس صورت میں اگر مقر کا کوئی قریب یا بعید وارث ہو تو وہ مقرلہ سے میراث کا زیادہ حقدار ہوگا کیونکہ مقرلہ کا جب نسب ثابت نہ ہوا تو وہ وارث معروف کا مزاحم نہیں بن سکتا (۵۴) اور اگر مقر کا کسی قسم کا وارث نہ ہو تو پھر مقرلہ اسکی میراث کا مستحق ہوگا کیونکہ وارث نہ ہونے کی صورت میں مقر کو اپنے مال میں تصرف کرنے کی ولایت حاصل ہے لہذا مقرلہ تمام مال کا مستحق ہوگا اگرچہ اس کا نسب ثابت نہ ہوجائے۔

(۵۵)وَمَنْ مَاتَ اَبُوْهُ فَاَقَرَّبِاَخٍ لم یَثْبُتْ نَسَبُ اَخِیْه مِنْه وَیُشَارِکُه فِی الْمِیرَاثِ۔

ترجمه:۔اور جس کا باپ مر گیا اور اس نے کسی کے متعلق بھائی ہونے کا اقرار کیا تو اس سے اس کے بھائی ہونے کا نسب ثابت نہ ہوگا ہاں میراث میں وہ اس کا شریک ہوجائیگا۔

تشریح :۔(٥٦)اگر مقر کا باپ مرگیا پھر مقر نے کسی کے بارے میں بھائی ہونیکا اقرار کیا تو اسکے بھائی ہونے کا نسب ثابت نہ ہوگا کیونکہ اس اقرار میں حمل النسب علی الغیر پایا جاتا ہے البتہ مقرلہ میراث میں مقر کا شریک ہوجائیگا کیونکہ مقر کو میراث میں شریک کرنے کی ولایت حاصل ہے اسلئے مقرلہ کی شرکت ثابت ہوجائیگی۔

كتابُ الاجارة

یہ کتاب اجارہ کے بیان میں ہے۔

ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ امام قدوری رحمہ اللہ جب بیع الاعیان کے بیان سے فارغ ہوگئے تو بیع السنافع کے بیان میں شروع فرمایا۔اجارہ لغۃً اُجرت کا نام ہے اس مزدوری کو کہتے ہیں جس کا استحقاق عمل خیر پر ہو۔اسی لئے اس کے ذریعہ دعاء دی جاتی ہے کہا جاتا ہے"اَعْظَمَ اللهُ اَجْرَکَ"۔اور اجارہ کا مصدر ہونا بھی ممکن ہے لہذا اجارہ لغت میں منافع فروخت کرنے کو کہتے ہیں۔

امام قدوری رحمہ اللہ نے شرعی تعریف یوں کی ہے اَلْاِجَارَةُ عَقْدٌ عَلَى الْمَنَافِعِ بِعِوَضٍ یعنی اجارہ ایسا عقد ہے جو منافع پر بعوض واقع ہوتا ہے۔اور بعضوں نے یوں تعریف کی ہے"اَلْاِجَارَةُ عَقْدٌ عَلٰى مَنْفَعَةٍ مَعْلُومَةٍ بِعِوَضٍ مَعْلُومٍ اِلٰى مُدَّةٍ مَعْلُومَةٍ"یعنی معلوم منفعت کو عوض معلوم کے بدلے مدت معلوم تک فروخت کرنے کو اجارہ کہتے ہیں۔

کرایہ پر دی ہوئی شئی کو ماجور،مؤجَر اور مستاجر(بفتح الجیم) کہتے ہیں اور ماجور کرایہ پر دینے والے کو آجر"مُکاری"(بضم المیم)اور"موجِر"(بکسر الجیم) کہتے ہیں اور(ماجور کو) کرایہ پر لینے والے کو مستاجر(بکسر الجیم) کہتے ہیں اور اجیر مزدور کو کہتے ہیں۔

(۱)وَلاتَصِحُّ حَتّٰى تَكُونَ الْمَنَافِعُ معلُومةً والْاُجْرَةُ مَعْلُومةً (۲)وماجَازَ اَنْ يَكُونَ ثَمناً فى الْبَيعِ جازَ اَنْ يكونَ اُجْرَةً فِي الْاجارَةِ۔

ترجمہ:۔اور اجارہ صحیح نہیں ہوتا یہاں تک کہ منافع معلوم ہوں اور اُجرت معلوم ہو اور جس چیز کا بیع میں ثمن ہونا جائز ہے اس کا اجارہ میں اُجرت ہونا بھی جائز ہے۔

تشریح:۔(۱)جب تک کہ منافع اور اُجرت معلوم نہ ہو اجارہ صحیح نہیں کیونکہ معقود علیہ اور بدل معقود علیہ میں جہالت مفضی للنزاع ہے جس طرح کہ ثمن اور مبیع کی جہالت بیع میں مفضی للنزاع ہے۔(۲)جو چیز عقد بیع میں ثمن ہوسکتی ہے وہ عقد اجارہ میں اُجرۃ ہوسکتی ہے اسلئے کہ اُجرۃ منفعت کا ثمن ہے تو اسکو ثمن مبیع پر قیاس کیا جائیگا۔مزید برآں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی چیز ثمن مبیع نہ بن سکتی ہو اور ثمن منفعت بن جائے جیسے گھر میں رہنے کو کرایہ رکوب دابہ بنائے۔

(۳)وَالْمَنَافِعُ تَارَةً تَصِيرُ مَعْلُومَةً بِالْمُدَّةِ كَاسْتِئْجَارِ الدَّوْرِ لِلسُّكْنٰى وَالْاَرْضِينَ لِلزِّرَاعَةِ فَيَصِحُّ الْعَقْدُ عَلٰى مُدَّةٍ مَعْلُومَةٍ اَيَّ مُدَّةٍ كَانَتْ(٤)وَتَارَةً تَصِيرُ مَعْلُومَةً بِالْعَمَلِ وَالتَّسْمِيَةِ كَمَنِ اسْتَاجَرَ رَجُلاً عَلٰى صَبْغِ ثَوْبٍ اَوْخِيَاطَةِ ثَوْبٍ او استاجَرَ دَابَّةً لِيَحْمِلَ عَلَيْهَامِقْدَاراً مَعْلُوماً اِلٰى مَوْضِعٍ مَعْلُومٍ او يَرْكَبَهَا مَسَافَةً مَعْلُومَةً (۵)وَتَارَةً تَصِيرُ مَعْلُومَةً بِالتَّعْيِينِ وَالْاِشَارَةِ كمن اسْتَاجَرَ رَجُلاً لِيَنْقُلَ هٰذَا الطَّعَامَ اِلٰى مَوضِعٍ مَعْلُومٍ۔

ترجمہ:۔اور منافع کبھی تو مدت کے بیان سے معلوم ہوتے ہیں جیسے مکان کو رہنے کے لئے اُجرت پر لینا اور زمینوں کو زراعت کے لئے لینا تو عقد مدت معلوم پر درست ہو جائیگا جتنی بھی مدت ہو اور کبھی عمل اور نام لینے سے معلوم ہوتے ہیں جیسے کسی نے کسی کو کپڑا رنگنے یا سینے کے لئے اُجرت پر لیا اور یا جانور کو کرایہ پر لیا تا کہ اس پر مقام معلوم تک ایک ایسا بوجھ لاد دے جس کی مقدار معلوم ہو یا مسافتِ معلوم تک اس پر سوار ہوگا اور کبھی تعین اور اشارہ سے معلوم ہوتے ہیں جیسے کسی نے کسی شخص کو اُجرت پر لیا تا کہ وہ اس غلہ کو فلاں معلوم جگہ تک لے جائے۔

تشریح:۔(۳) اجارہ کی صحت کیلئے منفعت کا معلوم ہونا ضروری ہے پھر منفعت کے معلوم ہونے کے تین طریقے ہیں کبھی اجارہ کی مدت بیان کر دینے سے مقدار منفعت معلوم ہو جاتی ہے مثلاً گھروں کو رہائش کیلئے یا زمینوں کو کاشت کیلئے مدت معلوم تک اجارہ پر لینے سے منفعت معلوم ہو جاتا ہے لہذا یہ اجارہ صحیح ہے خواہ مدتِ اجارہ کم بیان کیجائے یا زیادہ۔مگر اوقاف میں مدت طویل تک اجارہ درست نہیں اسلئے کہ کہیں مستاجر ملک کا دعویٰ نہ کرے۔

(٤)اور کبھی منفعت معقود علیہ عمل کے بیان اور نام لینے سے معلوم ہوتی ہے مثلاً کسی نے کسی شخص کو کپڑا رنگنے یا سینے کیلئے اُجرۃ پر لیا تو جب کپڑے اور اسکے رنگانے کا رنگ اور کپڑے سلانے میں سینے کی قسم بیان کر دے تو منفعت معلوم ہو جاتی ہے۔یا جانور کو اُجرۃ پر لیا کسی معلوم جگہ تک معلوم مقدار بوجھ لادنے کیلئے یا معلوم مسافت تک اس پر سوار ہونے کیلئے تو بھی منفعت معلوم ہو جاتی ہے لہذا یہ اجارہ صحیح ہے۔

(۵)اور کبھی معقود علیہ کی تعین اور اسکی طرف اشارہ کرنے سے منفعت معلوم ہو جاتی ہے مثلاً کسی مزدور کو اُجرت پر لیا تا کہ وہ یہ غلہ فلاں جگہ تک پہنچائے تو غلہ اور مسافت کی مقدار بتانے سے منفعت معلوم ہو جاتی ہے لہذا یہ اجارہ صحیح ہے۔

(٦)وَيَجوزُ اسْتِئْجَارُ الدُّوْرِ وَالْحَوَانِيْتِ لِلسُّكْنٰى وَاِنْ لَمْ يُبَيِّنْ ما يَعْمَلُ فِيهَا (۷)وَلَه اَنْ يَعْمَلَ كُلَّ شَيْءٍ اِلَّا الْحَدَّادَ وَالْقَصَّارَ وَالطَّحَّانَ۔

ترجمہ:۔اور گھروں اور دکانوں کو رہنے کے لئے کرایہ پر لینا جائز ہے اگر چہ یہ نہ بیان کرے کہ ان میں کیا کام کریگا اور اسے اختیار ہے کہ جو کام چاہے کرے مگر لوہار کا کام، دھوبی کا کام اور پسائی کا کام نہیں کر سکتا۔

تشریح:۔(٦)مکانوں اور دوکانوں کو رہائش کیلئے کرایہ پر لینا جائز ہے اگر چہ یہ بیان نہ کرے کہ اسمیں کیا کام کرونگا کیونکہ عمل متعارف ان میں رہائش ہے لہذا یہ اجارہ رہائش ہی کیلئے ہوگا (۷) مستاجر اسمیں ہر کام کر سکتا ہے مگر لوہار، دھوبی اور بڑی چکی چلانے کا کام نہیں کر سکتا ہے کیونکہ ان کاموں سے عمارت کمزور ہو جاتی ہے البتہ اگر عقد میں یہ شرط لگائے کہ میں اسمیں مذکورہ کاموں میں سے کوئی کام کرونگا

تو پھر جائز ہے کیونکہ صاحب الدار راضی ہے۔

(۸)وَيجوزُ اِسْتِيْجارُ الْاَرَاضِى لِلزِّرَاعَةِ وَلِلمُستاجِرِ الشُّرْبُ وَالطَّرِيقُ وإنْ لم يَشْتَرِطْ (۹)وَلا يَصِحّ العَقدُ حتّٰى يُسَمِّي ما يَزْرَعُ فِيهَا اَوْ يَقُولَ عَلى اَنْ يَزْرَعَ فِيهَا مَاشَاءَ۔

ترجمہ:۔اور زمینوں کو زراعت کے لئے کرایہ پر لینا جائز ہے اور مستاجر کو پانی اور راستہ کا حق حاصل ہے اگر چہ اس کی شرط نہ کی ہو اور عقد اجارہ صحیح نہیں یہاں تک کہ یہ بیان کرے کہ اس میں کیا کاشت کریگا اور یا کہدے کہ اس شرط پر کہ جو چاہے اس میں کاشت کریگا۔

تشریح:۔(۸)زمینوں کو زراعت کیلئے کرایہ پر لینا جائز ہے اسلئے کہ زراعت ہی زمین کی منفعت مقصودہ معہودہ ہے اب مستاجر کو اس زمین کے سینچنے کا پانی اور اسمیں آنے جانے کا راستہ ملے گا اگر چہ دورانِ عقد اسکی شرط نہ لگائی ہو کیونکہ اجارہ برائے انتفاع منعقد ہوتا ہے جبکہ زمین سے پانی اور راستے کے بغیر انتفاع ممکن نہیں۔

(۹) مگر اس چیز کا بیان کرنا ضروری ہے جسکو مستاجر اس زمین میں کاشت کریگا ورنہ عقد اجارہ صحیح نہ ہوگا کیونکہ زمین میں کاشت کی جانے والی اشیاء متفاوت ہوتی ہیں بعض زمین کیلئے مضر ہوتی ہیں لہذا تعین ضروری ہے تا کہ مفضی للنزاع نہ ہو۔ہاں اگر آجر نے کہا کہ اس زمین میں جو چاہے کاشت کرلے تو مستاجر جو چاہے کاشت کرسکتا ہے کیونکہ اب مفضی للنزاع نہیں۔

(۱۰)وَيجُوزُ اَنْ يَستاجِرَ سَاحَةً لِيَبْنِىَ فيهَا او يَغْرِسَ فيها نَخلاً او شَجَراً فاذَاانْقَضَتْ مُدَّةُ الْاِجارَةِ لَزِمَه اَنْ يَقْلَعَ البِناءَ وَالغَرسَ وَيُسَلِّمَهَا فَارِغَةً (۱۱)اِلّا اَنْ يَختارَ صاحِبُ الْاَرْضِ اَنْ يَغْرَمَ له قِيمَةَ ذَالِكَ مَقْلُوعاً وَيتَمَلّكَه (۱۲)او يَرْضٰى بتَرِكِه على حَالِه فَيكُونُ البِناءُ لِهذَا وَالاَرْضُ لِهذَا۔

ترجمہ:۔اور خالی زمین کو کرایہ پر لینا جائز ہے تا کہ اس میں عمارت بنائے یا اس میں کھجور یا دیگر درخت لگائے پس جب اجارہ کی مدت ختم ہو جائے تو مستاجر پر لازم ہوگا کہ اپنی عمارت اور درختوں کو اکھاڑ دے اور زمین کو فارغ کر کے مالک کے حوالہ کر دے البتہ اگر مالک زمین اس بات کو پسند کرے کہ مستاجر کو عمارت اور درخت کی وہ قیمت دے جو اس کے اکھڑنے کے بعد ہو اور اس کا مالک ہو جائے اور یا اس پر راضی ہو جائے کہ زمین کو اپنی حالت پر چھوڑ دے تو عمارت مستاجر کے لئے اور زمین مالک کے لئے ہوگی۔

تشریح:۔(۱۰)خالی زمین عمارت بنانے یا درخت لگانے کیلئے کرایہ پر لینا جائز ہے پھر مدت اجارہ ختم ہو جانے کے بعد اگر موجر ترک بناء والاشجار پر راضی نہ ہو تو مستاجر اپنی عمارت کو توڑ کر اور درختیں اُکھاڑ کر خالی زمین موجر کے حوالہ کر دے کیونکہ عمارت اور درختوں کی کوئی انتہا نہیں تو برقرار رکھنے میں صاحب زمین کا ضرر ہے۔

(۱۱)البتہ اگر مالکِ زمین مستاجر کو ٹوٹی ہوئی عمارت اور اکھڑے ہوئے درختوں کی قیمت دینے پر راضی ہو جائے تو یہ جائز ہے اور قیمت دینے کے بعد صاحب زمین عمارت اور درختوں کا مالک ہو جائیگا۔(۱۲)اگر مالک زمین عمارت اور درختوں کو اپنی زمین پر برقرار رکھنے پر راضی ہو جائے تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ حق مالک زمین کا ہے تو اسکو اختیار ہے کہ اپنا حق حاصل نہ کرے اور اس صورت میں

زمین مالک کی رہے گی اور عمارت و درختیں مستاجر کی رہیں گی۔

(۱۳) وَيجوزُ استِيجارُ الدَّوابِّ لِلرُّكُوبِ وَالحَملِ فان اَطلَقَ الرُّكُوبَ جازَ اَنْ يَركَبَها مَنْ شاءَ (۱۴) وكذالك اِن اسْتاجَرَ ثَوباً لِلُّبسِ وَاَطلَقَ (۱۵) فَاِنْ قالَ لَه عَلى اَنْ يَركَبَها فلانٌ او يَلْبَسَ الثَّوبَ فُلا نٌ فَاَركَبَها غَيرَه او اَلبَسَه غَيرَه كان ضَامِنًا اِن عَطِبَتِ الدَّابَّةُ او تَلِفَ الثَّوبِ (۱۶) وكذالك كُلّ ما يَختَلِفُ بِاختِلافِ المُستَعمِلِ (۱۷) فَامّا العِقارُ ومَالا يَختلِفُ بِاختِلافِ المُستَعمِلِ فان شَرَطَ سُكنىٰ وَاحِدٍ بِعَينِه فَلَه اَن يُسكِنَ غَيرَه۔

ترجمہ:۔ اور جانوروں کو سواری اور بوجھ لادنے کے لئے کرایہ پر لینا جائز ہے پس اگر سوار ہونے کو مطلق چھوڑا تو مستاجر کے لئے جائز ہے کہ اس پر جس کو چاہے سوار کرے اور اسی طرح اگر اس نے کپڑا پہننے کے لئے کرایہ پر لیا اور پہننے کو مطلق چھوڑا اور اگر اس سے کہا کہ اس شرط پر کہ فلاں شخص اس پر سوار ہوگا یا کپڑا فلاں شخص پہنے گا پس مستاجر نے اس پر کسی اور کو سوار کیا یا وہ کپڑا کسی اور کو پہنایا تو اگر جانور ہلاک ہوا یا کپڑا ضائع ہوا تو مستاجر ضامن ہوگا اور یہی حکم ہے ہر اس چیز کا جو استعمال کرنے والے کے بدلنے سے مختلف ہو جاتی ہے البتہ زمین اور وہ چیز جو استعمال کرنے والے کے بدلنے سے مختلف نہیں ہوتی میں اگر یہ شرط کر لی کہ فلاں معین آدمی اس میں رہیگا تو اس کو یہ اختیار ہے کہ اس میں کسی اور کو بسائے۔

تشریح:۔ (۱۳) جانوروں کو سواری اور بار برداری کیلئے کرایہ پر لینا جائز ہے کیونکہ یہ منفعت معلومہ ہے۔ پھر اگر عقد مطلق ہو کسی معین سواری کی شرط نہیں لگائی ہو تو مستاجر جس کو چاہے سوار کر سکتا ہے اطلاقِ عقد پر عمل کرتے ہوئے۔ (۱۴) اگر پہننے کیلئے کپڑا کرایہ پر لیا اور عقد مطلق ہو کسی معین شخص کے پہننے کی شرط نہیں لگائی تو اس کا بھی یہی حکم ہے جو اوپر بیان ہوا۔ (۱۵) اور اگر موجر نے یہ شرط لگائی کہ فلاں معین شخص سوار ہوگا یا فلاں معین شخص پہنے گا۔ اب اگر مستاجر نے کسی اور کو سوار کیا یا پہنایا تو اگر جانور ہلاک ہو گیا یا کپڑا تلف ہو گیا تو مستأجر ضامن ہوگا کیونکہ لوگ سواری اور پہننے میں متفاوت ہوتے ہیں تو تعیین صحیح ہے اور مستأجر کیلئے تجاوز کرنا جائز نہیں۔ (۱۶) یہی حکم ہر اس چیز کا ہے جو استعمال کرنے والے کے اختلاف سے مختلف ہوتی ہو۔

(۱۷) البتہ زمین اور وہ چیز جو استعمال کنندہ کے اختلاف سے مختلف نہیں ہوتی کا حکم یہ ہے کہ اگر موجر نے کسی معین شخص کی سکونت کی شرط لگائی تو بھی مستاجر کسی دوسرے شخص کو بسا سکتا ہے لعدم التفاوۃ۔

(۱۸) وَاِنْ سَمّىٰ نوعاً وقدراً يَحمِلُه عَلَى الدَّابَةِ مِثلُ ان يقولَ خَمسَةَ اَقفِزَةِ حِنطَةٍ فَلَه ان يَحمِلَ ماهو مِثلُ الحِنطَةِ في الضَّرَرِ او اَقَلّ كَالشَّعيرِ وَالسِّمسِمِ (۱۹) وليس له ان يَحمِلَ ما هو اَضرُّ من الحِنطَةِ كَالمِلحِ وَالحَديدِ وَالرُّصَاصِ۔

ترجمہ:۔ اور اگر مستاجر نے اس بوجھ کی نوع اور مقدار معلوم کر دیا جو جانور پر لادے گا مثلاً کہا کہ پانچ قفیز گندم لادونگا تو اس کو اختیار ہے کہ ایسی چیزوں کو لادے جو بوجھ میں گندم جیسی ہوں یا اس سے کم ہوں جیسے جو اور تل اور اس کو ایسی چیزوں کو لادنے کا اختیار نہیں جو

گندم سے زیادہ مضر ہوں جیسے نمک، لوہا اور سیسہ۔

تشریح:۔(۱۸) اگر کسی نے جانور کرایہ پر لیا کہ اس پر بوجھ لادونگا اور بوجھ کی نوع اور مقدار بیان کر دی مثلاً یہ کہ پانچ قفیز گندم لادونگا تو مستاجر اس پر ہر وہ شئی لاد سکتا ہے جو مشقت میں گندم جیسی ہو جیسے جو۔ یا گندم سے بھی کم ہو جیسے تل، کیونکہ گندم و جو میں تفاوت نہیں اور تل میں تو گندم سے مشقت کم ہے لہذا یہ اجازت کے تحت داخل ہے۔(۱۹) البتہ ایسی چیز جو گندم سے مشقت میں زیادہ ہو مثلاً نمک، لوہا اور سیسہ وغیرہ تو انکے لادنے کی اجازت نہیں کیونکہ ان میں مشقت زیادہ ہے، جس پر مالک راضی نہیں۔

(۲۰) فَاِنِ اسْتَاجَرَها لِيَحْمِلَ عليهَا قُطْناً سَمَّاه فَلَيْسَ لَهُ اَنْ يَحْمِلَ مِثْلَ وَزْنِه حَدِيداً (۲۱) وان اسْتَاجَرَ ها لِيَرْكَبها فَاَرْدَفَ معه رجُلاً آخرَ فَعَطِبَتْ ضَمِنَ نِصفَ قِيمتِها اِنْ كانتِ الدّابةُ تُطِيقُهُمَا وَلا يُعْتَبَرُ بِالثِّقلِ۔

ترجمہ:۔اور اگر جانور کرایہ پر لیا تا کہ اس پر متعین روئی لادے تو مستاجر کو اختیار نہیں کہ اس پر روئی کے وزن کے برابر لوہا لادے اور اگر جانور کرایہ پر لیا تا کہ اس پر سوار ہو جائے پھر اس نے اپنے پیچھے ایک اور شخص بٹھالیا پس وہ مر گیا تو مستاجر اس کی نصف قیمت کا ضامن ہوگا بشرطیکہ جانور دونوں کو لے جانے کی طاقت رکھتا ہو اور بوجھ کا اعتبار نہیں کیا جائیگا۔

تشریح:۔(۲۰) اگر کسی نے کوئی معلوم مقدار روئی لادنے کیلئے جانور کرایہ پر لیا تو مستاجر کو جانور پر روئی کے ہموزن لوہا لادنے کا اختیار نہیں کیونکہ کبھی لوہا جانور کیلئے مضر ہوتا ہے اسلئے کہ لوہا جانور کی پیٹھ پر ایک ہی جگہ مجتمع ہو جاتا ہے اور روئی پھیل جاتی ہے۔(۲۱) اگر جانور سواری کیلئے کرایہ پر لیا پھر اپنے پیچھے ایک اور کو سوار کیا اور جانور ہلاک ہو گیا تو مستاجر نصف قیمت کا ضامن ہوگا بوجھ کا اعتبار نہ ہوگا مثلاً کہ مستاجر کا وزن ایک تہائی ہے اور دوسرے کا دو تہائی تو ضمان بھی دو تہائی ہوگا کیونکہ کبھی سوار کی نادانی کی وجہ سے ہلکا سواری بھی جانور کو زخمی کر دیتا ہے اور کبھی بھاری آدمی کی سواری تجربہ کاری کی وجہ سے جانور کیلئے خفیف ہوتی ہے۔لیکن یہ اس وقت ہے کہ جانور دونوں کی طاقت رکھتا ہو اور اگر دونوں کی طاقت نہ رکھتا ہو تو بصورت ہلاکت کل قیمت کا ضامن ہوگا۔

(۲۲) وَاِنْ اسْتَاجرَ هَا لِيَحْمِلَ عَليهَا مِقْدَاراً مِّنَ الحِنْطَةِ فَحَمَلَ عَلَيْهَا اَكْثَرَ مِنْهُ فَعَطِبَتْ ضَمِنَ مَازَادَ مِنَ الثِّقْلِ۔

ترجمہ:۔اور اگر جانور کو کرایہ پر لیا تا کہ اس پر ایک معلوم مقدار گندم کالادے پھر اس نے اس مقدار سے زیادہ لادا پس وہ ہلاک ہو گیا تو مستاجر زائد بوجھ کا ضامن ہوگا۔

تشریح:۔(۲۲) اگر جانور کو کرایہ پر لیا ایک معین مقدار گندم لادنے کیلئے پھر اگر متعین مقدار سے زیادہ لادکر جانور ہلاک ہو گیا تو مستاجر زائد بوجھ کے بقدر ضامن ہوگا کیونکہ جانور ماذون اور غیر ماذون بوجھ کے مجموعہ سے ہلاک ہوا اور سبب ہلاکت بوجھ ہی ہے تو ضمان دونوں پر تقسیم ہوگا۔لیکن اگر بوجھ اتنا ہو کہ اسکو ایسا جانور نہیں اٹھا سکتا تو پھر کل قیمت کا ضامن ہوگا۔

(۲۴)وَلَوْ كَبَحَ الدَّابَةَ بِلِجَامِهَا اَوْضَرَبَهَا فَعَطِبَتْ ضَمِنَ عِنْدَاَبِي حنيفَةَ رحمه الله وقالَ ابُو يُوسفَ رحمَه اللّٰه وَمُحَمّدٍ رحمه اللّٰه لايَضْمَنُ۔

ترجمہ:۔اوراگر مستاجر نے جانور کواس کی لگام سے کھینچایا ماراپس وہ ہلاک ہواتوامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ضامن ہوگااورامام ابو یوسف رحمہ اللہ اورامام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ضامن نہ ہوگا۔

تشریح:۔(۲۴)اگر جانور کولگام سے کھینچایا مارااوروہ ہلاک ہوگیاتوامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مستاجر کل قیمت کاضامن ہوگااور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک اگر متعارف طریقے سے کھینچایا ماراہوتو ضامن نہ ہوگا کیونکہ متعارف عقدِ مطلق میں داخل ہے جس کی اجازت ہے۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اجازت سلامتی کی شرط کے ساتھ مقید ہے کیونکہ ضرب وغیرہ کے بغیر بھی لے جایا جا سکتا ہے۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کاقول راجح ہے۔

(۲۵)وَالْاُجَرَاءُ علٰی ضَربَينِ اَجِيرٌ مُشْتَرَكٌ وَاَجِيرٌ خاصٌ فَالْمُشْتَرَكُ من لا يَسْتَحِقُّ الْاُجْرَةَ حتّٰی يَعْمَلَ كا لصَّبَّاغِ وَالْقَصَّارِ (۲۶)وَالْمَتَاعُ امانَةٌ فی يَدِه اِنْ هَلَكَ لم يَضْمَنْ شَيْئًا عندَ ابی حَنِيفَةَ رحِمَه اللّٰه وقالا رحمهمااللّٰه يَضْمَنُهُ۔

ترجمہ:۔اوراجیروں کی دوقسمیں ہیں،اجیر مشترک،اجیر خاص،پس مشترک وہ ہے جواُجرت کامستحق نہیں ہوتایہاں تک کہ وہ کام کردے جیسے رنگریز،دھوبی،اورسامان اسکے پاس امانت ہے اگر ہلاک ہواتوامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ کسی چیز کابھی ضامن نہ ہوگااورصاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ وہ سامان کاضامن ہوگا۔

تشریح:۔(۲۵)اجیر(مزدور)دوقسم پرہے۔/**نمبر ۱**۔اجیر مشترک۔/**نمبر ۲**۔اجیر خاص

اجیر مشترک وہ ہے جوکئی اشخاص کاکام کرتاہوجیسے رنگریزاوردھوبی اوریابلاتوقیت شخص واحد کاکام کرتاہو۔اوراجیر خاص وہ ہے جوایک ہی شخص کیلئے معین وقت میں کام کرے اجیر مشترک کے احکام میں سے یہ ہے کہ جب تک کہ کام نہ کردے اُجرۃ کامستحق نہ ہوگاجیسے رنگریزاوردھوبی۔(۲۶)اجیر مشترک کے ہاتھ میں سامان امانت ہے اگر یہ سامان(اجیر کی زیادتی کے بغیر)ہلاک ہوجائے توامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مزدورضامن نہ ہوگااگرچہ ضمان کی شرط لگائی ہو۔صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک مزدورضامن ہوگا کیونکہ اگر مزدورسے ضمان ساقط کردے توپھروہ احتیاط نہیں کریگا۔متاخرین اجیرومستاجر کے درمیان صلح بالنصف کافتویٰ دیتے ہیں۔

(۲۷)وَمَاتَلِفَ مِنْ عَمَلِه كَتَخْرِيقِ الثَّوْبِ من دَقِّه وزَلَقِ الحَمَّالِ وانْقِطاعِ الحَبْلِ الَّذِیْ يَشُدُّ بِه المُكَارِیْ الحملَ وغَرِقِ السَّفِينَةِ من مَدِّهَا مَضْمُونٌ (۲۸)اِلّا انَّه لايَضْمَنُ بِه بَنِی آدَمَ فمن غَرِقَ فی السَّفِينَةِ او سَقَطَ منَ الدَّابَةِ لم يَضْمَنْه۔

ترجمہ:۔اورجوچیز اجیر مشترک کے عمل سے ضائع ہوجائے جیسے کپڑے کاپھاڑ دینادھوبی کی چوٹ سےاورمزدورکاپھسل جانااوراس

رسی کا ٹوٹ جانا جس سے اجیر بوجھ کو باندھتا ہے اور ملاح کا کشتی کو کھینچنے سے کشتی کا غرق ہو جانا تو یہ سب ضامن ہیں مگر اجیر اپنے اس عمل کی وجہ آدمیوں کا ضامن نہ ہوگا پس جو شخص کشتی میں غرق ہوا یا جانور سے گر گیا تو اجیر ان کا ضامن نہ ہوگا۔

تشریح:۔(۲۷) جو چیز اجیر مشترک کے عمل سے تلف ہو جائے جیسے دھوبی کے کوٹنے سے کپڑا پھٹ جائے اور یا مزدور کے پھسلنے سے یا جس رسی سے مُکاری (کرایہ پر دینے والا) بوجھ باندھتا ہے اس کے ٹوٹنے سے مال تلف ہو جائے یا ملاح کے کشتی کھینچنے سے کشتی ڈوب جائے مال ضائع ہو جائے تو ان صورتوں میں اجیر مشترک ضامن ہوگا کیونکہ اجیر کے عمل کی وجہ سے مال ضائع ہوا اور اجیر کیلئے عمل صالح کا تو اذن ہے مگر عمل مفسد کا اذن نہیں۔

(۲۸) البتہ اجیر مشترک آدمی کا ضامن نہ ہوگا پس اگر کشتی ڈوبنے سے کوئی غرق ہو جائے یا سواری سے گر کر مر جائے تو اجیر ضامن نہ ہوگا اگر چہ اجیر کے ہانکنے اور کھینچنے سے ہو کیونکہ آدمی کا تاوان عقد کی وجہ سے واجب نہیں ہوتا بلکہ قتل یا زخمی کرنے کی جنایت سے واجب ہوتا ہے جبکہ کشتی کا کھینچنا وغیرہ جنایت نہیں کیونکہ یہ ماذون فیہ ہے۔

(۲۹) وَاِذَا فَصَدَ الفَصَّادُ اَوْ بَزَغَ البَزَّاغُ ولَمْ يَتَجاوَزِ المَوضِعَ المُعتَادَ فلا ضَمانَ عَلَيهِما فِيمَا عَطِبَ مِنْ ذَالِكَ وانْ تَجاوَزَه ضَمِنَ۔

ترجمہ:۔اور جب رگ کھولنے والے نے رگ کھولا یا داغ لگانے والے نے داغ لگایا اور معتاد جگہ سے تجاوز نہیں کیا تو اس کی وجہ سے جو ہلاک ہوگا اس کا ضمان ان پر نہیں ہوگا اور اگر معتاد جگہ سے تجاوز کر دیا تو ضامن ہوگا۔

تشریح:۔(۲۹) اگر رگ کھولنے والے نے کسی کا رگ کھولا یا داغ لگانے والے نے کسی کو داغ لگایا اور اس سے کوئی ہلاک ہوا تو اگر جراح نے حد سے تجاوز نہیں کیا تھا تو ضامن نہ ہو اور اگر تجاوز کیا تھا تو ضامن ہوگا کیونکہ تجاوز کرنا ماذون فیہ نہیں۔

(۳۰) وَالأجيرُ الخَاصُ هوَ الَّذِي يَسْتَحِقُّ الْاُجْرَةَ بِتَسْلِيمِ نَفْسِهِ فِي الْمُدَةِ وانْ لم يَعْمَلْ كَمَنْ اسْتَاجَرَ رَجُلاً شَهراً لِلْخِدمَةِ اَوْ لِرَعْيِ الغَنَمِ (۳۱) ولا ضَمانَ عَلَى الْاَجِيرِ الخَاصِّ فِيمَا تَلِفَ فِي يَدِه ولا فِي ما تَلِفَ مِنْ عَمَلِه اِلّا اَنْ يَتَعدّى فَيَضْمَنَ۔

ترجمہ:۔اور اجیر خاص وہ ہے جو مدت کے اندر اپنی نفس سپرد کرنے سے مزدوری کا مستحق ہو جاتا ہے اگر چہ اس نے عمل نہ کیا ہو جیسے کسی نے کسی کو خدمت کے لئے یا بکریاں چرانے کے لئے ایک ماہ کے لئے اُجرت پر لیا اور اجیر خاص کے ہاتھ میں جو کچھ ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان نہیں اور نہ اس چیز میں جو اس کے عمل سے ہلاک ہو جائے الا یہ کہ اجیر تجاوز کرے تو ضامن ہوگا۔

تشریح:۔(۳۰) اجیر خاص کے احکام میں سے ایک حکم یہ ہے کہ جب وہ معقود علیھا مدت میں خود کو کام کرنے کیلئے پیش کر دے تو اُجرت کا مستحق ہو جاتا ہے اگر چہ کام نہ کر دے جیسے کوئی کسی کو ایک ماہ خدمت یا بکریاں چرانے کیلئے اجارہ پر لے اور اجیر خود کو کام کرنے کے لئے پیش کر دے تو اُجرت کا مستحق ہو جاتا ہے کیونکہ معقود علیہ تسلیم نفس ہے نہ کہ عمل۔(۳۱) اور دوسرا حکم یہ ہے کہ اجیر خاص کے ہاتھ

میں سامان امانت ہے لہٰذا بصورت ہلاکت اجیر پرضمان نہیں۔ اسی طرح اگر اجیر خاص کے عمل معتاد سے کوئی چیز ہلاک ہو جائے تو بھی ضامن نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں منافع مستاجر کے مملوک ہیں تو جب مستاجر نے اجیر کو اپنی ملک میں تصرف کرنے کا حکم دیا تو یہ حکم دینا صحیح ہے اور اجیر مستاجر کے قائم مقام ہوگیا تو گویا یہ فعل مستاجر ہی نے کیا لہٰذا اجیر ضامن نہ ہوگا۔ ہاں اگر اجیر کے عمل غیر معتاد سے ہلاک ہو جائے تو اجیر ضامن ہوگا۔

(۳۲)وَالْاِجارَةُ تُفْسِدُها الشُّرُوطُ كما تُفْسِدُ البَيْعَ۔

ترجمہ:۔اور شرطیں اجارہ کو فاسد کر دیتی ہیں جس طرح کہ وہ بیع کا فاسد کر دیتی ہیں۔

تشریح:۔(۳۲)جن شرطوں سے بیع فاسد ہو جاتی ہے ان سے اجارہ بھی فاسد ہو جائیگا اسلئے کہ اجارہ بمنزلہ بیع کے ہے کیونکہ اسمیں منافع کی بیع ہے۔ مراد وہ شرطیں ہیں جو مقتضیٰ عقد کے خلاف ہوں جیسے اجیر خاص پر یہ شرط لگائے کہ مال کی ہلاکت کی صورت میں تو ضامن ہے۔

(۳۳)وَمَنْ اسْتَاجَرَ عَبداًلِلْخِدمِةِفليسَ لَه اَنْ يُسافِرَ به اِلّا اَنْ يَشْتَرِطَ عَلَيه ذالِکَ فی العَقْدِ۔

ترجمہ:۔اور جس نے غلام کو خدمت کے لئے اجارہ پر لیا تو اس کو سفر میں لے جانے کا اختیار نہیں الا یہ کہ اس پر عقد میں یہ شرط کرلے۔

تشریح:۔(۳۳)جس نے غلام کو خدمت کیلئے اُجرت پر لیا اور مستاجر مقیم ہے اور معروف بالسفر نہیں تو مستاجر اس غلام کو سفر میں نہیں لے جاسکتا ہے کیونکہ سفر کی خدمت میں مشقت ہے تو جب تک اسکا التزام نہ کرے لازم نہ ہوگا البتہ اگر مستاجر دوران عقد اسکو سفر پر لے جانے کی شرط لگائے تو اسے سفر پر لے جانا درست ہوگا۔

(۳۴)وَمَنْ اسْتَاجَرَ جَمَلاً لِيَحْمِلَ عَلَيه مَحْمِلاً ورَاكِبَينِ اِلیٰ مَكّةَ جازَ وَلَه الْمَحْمِلُ المُعْتادُ وَان شَاهَدَ الْجَمّالُ المَحْمِلَ فهو اَجْوَدُ (۳۵)فاِنْ اسْتَاجَرَ بَعِيراً لِيَحْمِلَ عَلَيه مِقْداراًمن الزّادِ فَاَكلَ مِنه فِی الطَّرِيقِ جَازَ لَه اَنْ يَرُدَّ عِوَضَ مَا اَكلَ۔

ترجمہ:۔اور جس نے اونٹ کرایہ پر لیا تا کہ اس پر کجاوہ رکھدے اور دو آدمیوں کو مکہ تک لے جائے تو یہ جائز ہے اور مستاجر کو اختیار ہے کہ معتاد کجاوہ اس پر رکھدے اور اگر اونٹ والا کجاوہ دیکھ لے تو یہ اور بہتر ہے اور اگر اونٹ کرایہ پر لیا تا کہ اس پر ایک معلوم مقدار توشہ لادے پھر راستہ میں اس سے کچھ کھایا تو اس کے لئے جائز ہے کہ جس قدر کھایا ہے اس کے بدلے اور بوجھ اس میں ڈال دے۔

تشریح:۔(۳۴)اگر کسی نے اونٹ کرایہ پر لیا کہ اس پر مکہ مکرمہ تک ایک (غیر معین) کجاوہ اور دو آدمی سواری کریگا تو وہ اس پر معتاد کجاوہ رکھ سکتا ہے تو کجاوہ اگر چہ مجہول ہے مگر چونکہ مقصود آدمی ہیں وہ معلوم ہیں اور کجاوہ تابع ہے۔ اسے معتاد کی طرف پھیرنے سے جہالت رفع ہو جاتی ہے۔ اور اگر صاحب جمل کجاوہ دیکھ لے تو زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس سے جہالت ختم ہو جاتی ہے۔

(۳۵) اگر کسی نے ایک معین مقدار توشہ اٹھوانے کیلئے اونٹ اُجرت پر لیا پھر راستے میں مستاجر نے توشہ سے کچھ کھالیا جس سے توشہ کی مسمّیٰ مقدار کم ہوگئی تو مستاجر کیلئے یہ جائز ہے کہ جتنا کھایا ہے اتنی مقدار بار میں ڈال دے کیونکہ مستاجر تمام

راستے میں حملِ سٹی لادنے کا مستحق ہے۔

(۳٦)وَالْاُجْرَةُ لاتَجِبُ بِالعَقْدِوتُستَحَقُّ بِاَحدِ ثَلٰثةِ معانٍ اِمّا بِشرطِ التَعْجِيلِ او بِالتَّعْجِيلِ مِنْ غَيرِ شَرطٍ اَوْ بِاسْتِيفاءِ المَعْقُوْدِ عَلَيه۔

توجمه:۔اور اُجرت نفسِ عقد کرنے سے واجب نہیں ہوتی اور مزدور تین اسباب میں سے کسی ایک سے اُجرت کا مستحق ہوتا ہے، جلدی لینے کی شرط کرلی ہو، مستاجر بغیر شرط کے جلدی دیدے، یا مزدور اس کام کو کردے جس پر عقد ہوا تھا۔

تشریح:۔(۳٦)مستاجر پر صرف عقد اجارہ کے انعقاد کی وجہ سے اُجرت تسلیم کرنا واجب نہیں ہوتی بلکہ تین باتوں میں سے کسی ایک کے وجود سے واجب ہوتی ہے۔/**نمبر ۱**۔بوقت عقد آجر نے اُجرت پیشگی لینے کی شرط کی ہو۔/**نمبر ۲**۔مستاجر بغیر شرط از خود اُجرت پیشگی دیدے۔اس صورت میں وجوب اُجرت کا معنی یہ ہے کہ مستاجر اس اُجرت کو واپس نہیں لے سکتا۔/**نمبر ۳**۔مستاجر معقود علیہ یعنی منفعت حاصل کرلے تو بھی اُجرت واجب ہوتی ہے کیونکہ یہ عقد معاوضہ ہے تو جب منفعت حاصل کرلے بدل واجب ہوجاتا ہے۔

(۳۷)وَمَنِ اسْتَاجَرَ داراً فَلِلْمُوْجِرِ اَنْ يُطالِبَه بِاُجْرَةِ كُلِّ يَوْمٍ اِلّا اَنْ يُبَيِّنَ وَقْتَ الْاِسْتِحْقَاقِ فِيْ العَقْدِ (۳۸)وَمَنِ اسْتَاجَرَ بَعيراً اِلٰى مَكَّةَ فَلِلْجَمّالِ اَنْ يُطالِبَه بِاُجْرَةِ كُلِّ مَرْحَلَةٍ۔

توجمه:۔اور جس نے مکان کرایہ پر لیا تو مالک مکان کو اختیار ہے کہ ہر روز کا کرایہ روزانہ لے لیا کرے الا یہ کہ عقد میں استحقاق کا وقت بیان کردے اور جس نے اونٹ کو مکہ مکرمہ تک لے جانے کے لئے کرایہ پر لیا تو اونٹ والے کے لئے جائز ہے کہ ہر مرحلہ کی اُجرت مرحلہ طے کرنے پر طلب کرے۔

تشریح:۔(۳۷)جس نے مکان کرایہ پر لیا تو آجر کیلئے ہر روز کی اُجرت طلب کرنے کا حق ہوگا اگر اُجرت کے استحقاق کا وقت بیان نہ کیا ہو کیونکہ ہر روز کی رہائش منفعت مقصودہ ہے ہاں اگر مستاجر نے بوقت عقد اُجرت کے استحقاق کا کوئی وقت متعین کیا ہو تو پھر آجر صرف اسی وقت مطالبہ کرسکتا ہے۔(۳۸)اسی طرح اگر کسی نے اونٹ مکہ مکرمہ تک کرایہ پر لیا ہو تو صاحب اونٹ کیلئے ہر مرحلہ (وہ مسافت جسکو مسافر ایک دن میں طے کرتا ہے) کی اُجرت طلب کرنے کا حق ہوگا کیونکہ ہر مرحلہ کی مسافت طے کرنا منفعت مقصودہ ہے۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پہلے اس کے قائل تھے کہ انقضاء مدت اور انتہاء سفر سے پہلے آجر اُجرت کے مطالبے کا حقدار نہیں پھر مذکورہ بالا قول کی طرف رجوع فرمایا۔

(۳۹)وَلَيسَ لِلْقَصّارِ وَالخَيّاطِ اَنْ يُطالِبَ بِالْاُجْرةِ حتّى يَفْرُغَ مِنَ العَمَلِ اِلّا اَنْ يَشْتَرِطَ التَّعْجِيلَ (۴۰)وَمَنِ اسْتَاجَرَ خَبّازاً لِيَخْبِزَ له فِى بَيْتِه قَفِيزَ دَقِيقٍ بِدِرْهَمٍ لم يَسْتَحِقَّ الْاُجْرةَ حتّى يُخْرِجَ الخُبْزَ مِنَ التَّنُّورِ (۴۱)وَمَنِ اسْتَاجَرَ طَبّاخاً لِيَطْبُخَ له طَعاماً لِلْوَلِيْمَةِ فَالغَرفُ عَلَيه۔

توجمه:۔اور دھوبی اور درزی کو اُجرت مانگنے کا حق نہیں جب تک کہ وہ اس کام کو پورا نہ کردیں الا یہ کہ جلدی لینے کی شرط کرلی ہو اور جس

نے نانبائی کو اُجرت پر لیا تاکہ مستاجر کے لئے اس کے گھر میں ایک درہم کے عوض ایک قفیز آٹے کی روٹی پکائے تو نانبائی اُجرت کا مستحق نہیں ہوگا جب تک کہ وہ تندور سے روٹی نہ نکالے اور جس نے باورچی کو اُجرت پر لیا تاکہ اس کے ولیمہ کے لئے کھانا پکائے تو کھانے کو برتن میں اتار دینا اس کے ذمہ ہے۔

تشریح:۔(۳۹) دھوبی اور درزی جب تک کہ معقود علیہ عمل سے فارغ نہ ہو جائے اُجرت کا مستحق نہیں ہونگے اسلئے کہ دھوبی و درزی کا بعض عمل مستاجر کیلئے قابل انتفاع نہیں اسلئے مستحق اُجرت نہیں الا یہ کہ بوقت عقد یہ شرط کرلی ہو کہ اُجرت تکمیل عمل سے پہلے دینا ہوگا۔

(۴۰) اگر کسی نے بانبائی اُجرت پر لیا تاکہ وہ مستاجر کے گھر میں بیٹھ کر ایک قفیز (آٹھ رطل کا ایک پیمانہ ہے جو ایک صاع بغدادی کے برابر ہے) آٹے کی روٹی ایک درہم کے عوض پکادے تو جب تک کہ روٹی تنور سے نہ نکالے اُجرت کا مستحق نہ ہوگا کیونکہ اس عمل کی تکمیل روٹی نکالنے سے ہوتی ہے۔(۴۱) اگر کسی نے باورچی اُجرت پر لیا تاکہ وہ ولیمہ کا کھانا پکائے تو دیگ سے سالن نکالنا اور پلیٹیں بھرنا باورچی کے ذمہ ہے کیونکہ اس عمل کی تکمیل پلیٹیں بھرنے سے ہوتی ہے۔

(۴۲) وَمنِ اسْتاجرَ رَجُلاً لِيَضرِبَ له لَبِناً اِسْتَحَقَ الْاُجرةَ اذَا اَقامَه عِندابی حَنیفَةَ رحمَه اللّٰه وقال ابُو یُوسُف رحمَه اللّٰه وَمحمّدٌ رحمَه اللّٰه لا یَسْتَحِقُهَا حتّٰی یُشْرّجَه۔

ترجمہ:۔اور جس نے کسی شخص کو اُجرت پر لیا تاکہ اس کے لئے اینٹیں بنائے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ اُجرت کا مستحق اس وقت ہوگا جبکہ وہ اینٹیں کھڑی کرلے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ اُجرت کا مستحق نہیں ہوگا یہاں تک کہ اینٹوں کو تہ بتہ لگادے۔

تشریح:۔(۴۲) اگر کسی نے اینٹ ساز کو اینٹیں بنانے کیلئے اُجرت پر لیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جب اینٹیں خشک ہوکر کھڑی کردے تو اجیر اُجرت کا مستحق ہو جائیگا کیونکہ یہ عمل اینٹیں کھڑی کرنے سے تام ہو جاتا ہے اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک جب اجیر اینٹوں کو تہ بتہ لگا کر جمالے تو اُجرت کا مستحق ہو جائیگا۔صاحبینؒ کا قول راجح ہے۔"لَبِناً بفتح اللام و کسر الباء الموحدة وهو الآجر،شرّج الحجارة" بمعنی پتھروں کو تہ بتہ لگا کر جمانا۔

(۴۳) وَاذَا قالَ لِلخیّاطِ اِنْ خِطْتَ هذَا الثوْبَ فَارسِیاً فَبِدِرْهمٍ وانْ خِطْتَه رُوْمِیاً فَبِدِرْهَمَینِ جازَ وَاَیَّ العَمَلَیْنِ عمِلَ استحَقَّ الاُجرةَ **(۴۴)** وانْ قالَ اِنْ خِطْتَه الیومَ فَبِدِرْهمٍ وانْ خِطْتَه غداً فَبِنِصْفِ دِرْهمٍ فانْ خَاطَه الیومَ فله دِرْهمٌ وانْ خَاطَه غَداً فَلَهُ اُجْرَةُ مِثْلِه عِندَ ابی حنیفةَ رحمَه اللّٰه ولا یَتَجاوَزُ به نِصفَ دِرْهمٍ وقال اَبُوْ یُوسفَ رحِمَه اللّٰه ومُحمّدٌ رحِمَه اللّٰه الشّرْطَان جَائِزٌ ان وَاَیُّهُمَا عَمِلَ استحقَّ الْاُجرَةَ۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی نے درزی سے کہا کہ اگر تو اس کپڑے کو فارسی طرز پر سیئے گا تو ایک درہم اُجرت ہوگی اور اگر تو نے رومی طرز پر سی لیا تو دو درہم اُجرت ہوگی تو یہ جائز ہے اور جو بھی عمل اس نے کردیا اُجرت کا مستحق ہوگا اور اگر کہا کہ اگر تو نے آج سی لیا تو اُجرت ایک درہم

ہوگی اور اگر تو نے کل سی لیا تو اُجرت نصف درہم ہوگی تو اگر اس نے آج سی لیا تو اس کے لئے ایک درہم ہے اور اگر اس نے کل سی لیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کے لئے اُجرتِ مثل ہے اور وہ بھی نصف درہم سے نہیں بڑھے گی اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں شرطیں جائز ہیں اور جو بھی عمل اس نے کرلیا تو اُجرت کا مستحق ہوگا۔

تشریح :۔(۴۳) اگر مستاجر نے درزی سے کہا کہ اگر تو یہ کپڑا فارسی طرز پر سے گا تو ایک درہم دونگا اور اگر رومی طرز پر سے گا تو دو درہم دونگا تو یہ دونوں شرطیں جائز ہیں اور اجیر ان دو عملوں میں سے جو بھی عمل کریگا اسی کی اُجرت کا مستحق ہوگا۔ اسی طرح اگر اجیر کو تین چیزوں میں اختیار دیا تو بھی جائز ہے اور اگر چار چیزوں میں اختیار دیگا تو جائز نہیں جیسا کہ بیع میں ہے کہ دو اور تین کپڑوں میں سے جو چاہے لے لے مگر چار میں اختیار دینا جائز نہیں۔

(۴۴) اگر مستاجر نے کہا کہ یہ کپڑا اگر تو نے آج سی لیا تو ایک درہم دونگا اور اگر کل سی لیا تو نصف درہم دونگا پس اگر اجیر نے آج سی لیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایک درہم کا مستحق ہوگا اور اگر کل سی لیا تو اُجرتِ مثل (کسی شخص کی اُجرت مثل سے مراد یہ ہے کہ اس جیسا شخص اس جیسے عمل پر کتنی اُجرت لیتا ہے وہی اُجرت اس کے لئے بھی ہوگی) کا مستحق ہوگا نہ کہ اُجرت مسمّٰی (اُجرتِ مسمّٰی وہ اُجرت ہے جو بوقتِ عقد ذکر کر کے متعین کرلے) کا لیکن اُجرت مثل بھی نصف درہم سے زیادہ نہیں دیجائیگی کیونکہ یوم ثانی میں یہی مسمّٰی ہے جس پر اجیر راضی ہوا تھا اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک دونوں شرطیں جائز ہیں لہٰذا جس روز سے گا اسی کی اُجرتِ مسمّٰی کا مستحق ہوگا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول راجح ہے۔

(۴۵) وَإِنْ قَالَ إِنْ سَكَنْتَ فِي هٰذَا الدُّكَانِ عَطَّاراً فَبِدِرْهَمٍ فِي الشَّهْرِ وَإِنْ سَكَنْتَهُ حَدَّاداً فَبِدِرْهَمَيْنِ جَازَ وَأَيَّ الْأَمْرَيْنِ فَعَلَ اِسْتَحَقَّ الْمُسَمّٰى فِيهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ الْإِجَارَةُ فَاسِدَةٌ۔

ترجمہ:۔ اور اگر موجر نے مستاجر سے کہا کہ اگر تو نے اس دکان میں عطار بسایا تو ماہانہ اُجرت ایک درہم ہے اور اگر تو اس میں لوہار کو بسایا تو ماہانہ اُجرت دو درہم ہیں تو یہ جائز ہے اور جو بھی کام ان میں سے کریگا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اسی کی اُجرت مسمّٰی کا مستحق ہوگا اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اجارہ فاسد ہے۔

تشریح :۔(۴۵) اگر آجر نے مستاجر سے کہا کہ اگر اس دوکان میں تو نے عطر فروش ٹھہرایا تو اسکا کرایہ ماہانہ ایک درہم ہوگا اور اگر لوہار ٹھہرایا تو دو درہم ہونگے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ جائز ہے مستاجر جو بھی کریگا آجر اسی کی اُجرت مسمّٰی کا مستحق ہوگا کیونکہ مستاجر کو دو مختلف اور صحیح عقدوں میں اختیار دیا ہے لہٰذا یہ صحیح ہے کما فی مسئلۃ الرومیۃ والفارسیۃ۔ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک یہ اجارہ فاسد ہے کیونکہ اُجرت مجہول ہے اسلئے کہ معلوم نہیں کہ دو عملوں میں سے کونسا عمل کریگا اور کس اُجرت کا مستحق ہوجائیگا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول راجح ہے۔

☆ ☆ ☆

(۴۶)وَمَنِ اسْتَاجَرَ داراً كُلَّ شَهرٍ بِدِرْهَمٍ فالعَقْدُ صَحِيْحٌ فی شَهرٍ واحِدٍ وفَاسِدٌ فی بَقِيَةِ الشُّهُورِ اِلّا اَنْ يُسَمّی جُمْلَةَ الشُّهُورِ مَعْلُومَةً (۴۷)فانْ سَكَنَ ساعةً مِنَ الشَّهرِ الثّانِی صَحَّ العَقْدُ فيه ولَمْ يَكُنْ لِلمُؤجِرِ اَنْ يُخرِجَه اِلٰی اَنْ يَنْقَضِیَ الشَّهرُ وكذالِکَ حُكمُ كُلِّ شَهرٍ يَسْكُنُ فی اَوّلِه يوماً او ساعةً۔

ترجمہ:۔اور جس نے گھر کرایہ پر لیا ہر ماہ ایک درہم کے عوض تو یہ عقد ایک مہینہ کے لئے صحیح ہے اور باقی مہینوں میں فاسد ہے الا یہ کہ اگر بقیہ تمام مہینوں کو معلوم کر کے بیان کر دے پس اگر وہ دوسرے مہینہ میں ایک گھڑی کے لئے اس میں ٹھہر گیا تو اس میں بھی عقد صحیح ہوگا اور موجر کو یہ اختیار نہیں ہوگا کہ اب اس کو نکال دے مہینہ ختم ہونے سے پہلے اور یہی حکم ہر مہینہ کا ہے جس کے شروع میں ایک دن یا ایک گھڑی وہ اس میں ٹھہرے گا۔

تشریح:۔(۴۶)اگر کسی نے کوئی مکان ماہانہ ایک درہم کے عوض کرایہ پر لیا تو یہ عقد صرف ایک ماہ میں صحیح ہوگا کیونکہ مدت معلوم ہے باقی مہینوں میں فاسد ہوگا کیونکہ مدت مجہول ہے۔ اس سلسلے میں قاعدہ یہ ہے کہ کلمہ کل جب ایسی چیز پر داخل ہو جس کی کوئی انتہاء نہ ہو تو یہ فرد واحد معلوم کی طرف پھرے گا کیونکہ عموم پر عمل متعذر رہتا ہے پس ایک مہینہ چونکہ معلوم ہے اسلئے اسمیں اجارہ صحیح ہے۔البتہ اگر کل مہینے بیان کر دے (مثلاً کہ پانچ ماہ کیلئے ہر ماہ ایک درہم کے عوض کرایہ پر لیتا ہوں) تو سب میں صحیح ہو جائیگا کیونکہ مانع زائل ہوا اسلئے کہ اب مدت معلوم ہوگئی۔

(۴۷) پھر ایک مہینہ کے بعد اگر اگلے مہینے کے شروع میں بھی مستاجر تھوڑی دیر کیلئے ٹھہرے گا تو اسمیں بھی اجارہ صحیح ہو جائیگا لہذا اختتام ماہ تک موجر مستاجر کو نہیں نکال سکتا ہے یہی حکم ہر اس مہینے کا ہے جسکے اول میں تھوڑی دیر کیلئے مستاجر رہیگا کیونکہ مستاجر کی ٹھہرنے کی وجہ سے دونوں کی رضامندی پائی گئی جس سے عقد تام ہوتا ہے۔

(۴۸)وَاِذَا اسْتَاجَرَ داراً شَهراً بِدِرْهَمٍ فَسَكَنَ شَهْرَيْنِ فَعَلَيه اُجْرَةُ الشَّهرِ الْاَوّلِ ولا شَیَٔ عَلَيْهِ مِنَ الشَّهرِ الثّانِی (۴۹)وَاِذَا استَاجَرَ داراً سَنَةً بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ جازَ واِنْ لم يُسَمِّ قِسْطَ كُلِّ شَهرٍ مِنَ الْاُجرَةِ۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی نے ایک گھر ایک ماہ کے لئے ایک درہم کے عوض کرایہ پر لیا پھر اس میں دو ماہ تک رہا تو اس پر پہلے ماہ کی اُجرت لازم ہے دوسرے مہینہ کی کچھ لازم نہیں اور اگر ایک گھر ایک سال کے لئے دس درہم کے عوض اُجرت پر لیا تو یہ جائز ہے اگر چہ اُجرت میں سے ہر مہینہ کی قسط بیان نہ کرے۔

تشریح:۔(۴۸)اگر کسی نے کوئی مکان ایک ماہ کیلئے بعوض ایک درہم کرایہ پر لیا پھر مستاجر دو ماہ تک اس مکان میں ٹھہرا تو مستاجر پر پہلے مہینے کا کرایہ ہوگا دوسرے مہینے کا کچھ نہ ہوگا۔ مذکورہ بالا عبارت صرف مصری نسخہ میں موجود ہے قدوری کے دیگر نسخوں میں نہیں۔(۴۹)اگر کسی نے سال بھر کیلئے مکان بعوض دس درہم کرایہ پر لیا تو یہ جائز ہے اگر چہ ہر مہینے کی قسط بیان نہ کرے کیونکہ کل مدت معلوم ہے مہینوں پر تقسیم کے بغیر۔

(۵۰)ویَجُوزُ اَخذُ اُجرۃِ الحَمَامِ وَالحَجَامِ (۵۱)ولایجوزُ اخذُاُجرۃِ عَسْبِ التَّیسِ۔

ترجمہ:۔اور حمام اور پچھنا لگانے کی اُجرت لینا جائز ہے اور نر کو مادہ پر چڑھانے کی اُجرت لینا جائز نہیں۔

تشریح:۔(۵۰)موجر کیلئے حمام (غسل کرنے کی جگہ) کی اُجرت لینا جائز ہے۔مستاجر کا حمام میں ٹھہرنے کی مدت اگر چہ مجہول ہے لیکن تعامل الناس کی وجہ سے اس کو جائز قرار دیا ہے۔حجام (پچھنے لگانے والا) کی اُجرت بھی جائز ہے کیونکہ عمل معلوم پر اُجرت معلوم کے ساتھ اجارہ ہے اسلئے جائز ہے۔(۵۱)نر جانور کو مادہ پر چڑھانے کی اُجرت لینا جائز نہیں کیونکہ پیغمبر ﷺ نے عسب التیس (نر جانور کو مادہ پر چڑھانے) سے منع فرمایا ہے جس سے مراد عسب التیس پر اُجرت لینا ہے۔

(۵۲)وَلایَجُوزُ الْاِسْتِجارُ عَلی الْاَذا نِ وَالْاِقامَۃِ وتَعْلِیمِ الْقُرْآنِ وَالحَجِّ۔

ترجمہ:۔اور اذان دینے،اقامت کہنے،تعلیم قرآن اور حج پر اُجرت لینا جائز نہیں۔

تشریح:۔(۵۲)اذان،اقامت،تعلیم قرآن اور حج وغیرہ عبادات پر اُجرت لینا جائز نہیں۔اس باب میں اصل یہ ہے کہ ہر وہ طاعت جس کے ساتھ مسلمان مختص ہوں اس پر اُجرت لینا جائز نہیں۔مگر ان طاعات پر عدم جواز اُجرت متقدمین کا قول ہے جبکہ متاخرین نے ضرورت کی بناء پر جواز کا فتویٰ دیا ہے صاحب ھدایہ لکھتے ہیں وَبَعْضُ مَشَائِخِنَا اِسْتَحْسَنُوْا الْاِسْتِجارَ عَلی تَعْلِیْمِ الْقُرْآنِ لِاَنَّہ ظَھَرَ تَوَانِی فِی الْاُمُورِ الدِّیْنِیَۃِ فَفِی الْاِمْتِنَاعِ یَضِیْعُ حِفْظُ الْقُرْآنِ.وَعلیہ الفتویٰ۔

(۵۳)ولایَجوزُ الْاِسْتِجارُ عَلی الغِنَاءِ وَالنَّوْحِ۔

ترجمہ:۔اور گانا گانے اور نوحہ کرنے پر اُجرت لینا جائز نہیں۔

تشریح:۔(۵۳)گانا گانے اور نوحہ (مردہ پر واویلا کرنا) کرنے کیلئے کسی کو اُجرت پر لینا جائز نہیں کیونکہ یہ معصیت پر اجارہ ہے جو کہ جائز نہیں اسلئے کہ عقد اجارہ کی وجہ سے شرعاً معقود علیہ کی تسلیم واجب ہوتی ہے حالانکہ کسی پر ایسی چیز کا واجب ہونا جائز نہیں جسکی وجہ سے وہ شرعاً گناہ گار ہو۔تا کہ یہ معصیت شرع کی طرف مضاف نہ ہو۔

(۵۴)ولاتَجوزُ اِجارَۃُ الْمُشَاعِ عِنْدَابِی حَنِیفَۃَ رَحِمَہ اللّٰہ وقالارحمہمااللّٰہ اِجارَۃُ الْمُشَاعِ جائزۃٌ۔

ترجمہ:۔اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مشترک چیز کا اجارہ جائز نہیں اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ مشترک چیز کا اجارہ جائز ہے۔

تشریح:۔(۵۴)امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مشترک غیر مقسوم چیز کا اجارہ اپنے شریک کے علاوہ کسی اور کو اجارہ پر دینا جائز نہیں خواہ قابل تقسیم ہو جیسے زمین یا قابل تقسیم نہ ہو جیسے غلام۔مثلاً مشترک مکان میں سے یا مشترک غلام میں سے اپنا حصہ شریک کے علاوہ کسی کو اجارہ پر دینا کیونکہ اس نے ایسی چیز اجارہ پر دی جو مقدور التسلیم نہیں اس لئے کہ مشترک چیز کو علیحدہ طور پر سپرد کرنا متصور نہیں اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک اجارۃ الشاع جائز ہے کیونکہ باری مقرر کر کے سپردگی ممکن ہے۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول راجح ہے۔

☆ ☆ ☆

(٥٥)ويجوزُ اِستِيجارُ الظِّئرِ بِاُجرةٍ مَعلُومَةٍ (٥٦)ويجوزُ بِطعَامِهَا و كِسوَتِهَا عِندَ ابى حنيفةَ رَحمَه اللّٰه (٥٧)وليسَ لِلمُستَاجِرِ انْ يَمنَعَ زَوجَهَا من وَطئِهَا فانْ حَبِلَتْ كان لَهُمْ اَنْ يَفسَخُوا الإجارةَ اذا خَافُوا عَلى الصَّبِيّ من لَبَنِهَا (٥٨)وعَلَيها انْ تُصلِحَ طعامَ الصَّبِيّ (٥٩)وانْ اَرضَعَتْه فى الْمُدَةِ بِلَبَنِ شاةٍ فلا اُجرةَ لَهَا۔

ترجمه:۔اور انّا (دودھ پلانے والی عورت) کو معلوم اُجرت پر اجارہ پر لینا جائز ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اسے روٹی کپڑے پر رکھ لینا بھی جائز ہے اور مستاجر کو یہ اختیار نہیں کہ اس کے شوہر کو اس کے وطی کرنے سے روک دے پھر اگر انّا حاملہ ہوگئی تو ان کو اختیار ہے کہ اجارہ فسخ کر دے اگر ان کو بچہ پر خوف ہو کہ اس کے دودھ سے اس کو نقصان ہوگا اور انّا پر لازم ہے کہ بچہ کی غذا کو درست کرے اور اگر انّا نے بچہ کو مدت اجارہ میں بکری کا دودھ پلایا تو اس کے لئے اُجرت نہیں ہوگی۔

تشریح:۔(٥٥)انّا یعنی دودھ پلانے والی عورت کو اُجرت معلومہ کے ساتھ اجارہ پر لینا جائز ہے تعامل الناس کی وجہ سے۔(٥٦)اسی طرح دودھ پلانے والی کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اسکی خوراک و پوشاک کے عوض بھی اجارہ پر لینا جائز ہے مگر صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک بعوض خوارک و پوشاک جائز نہیں کیونکہ اُجرت مجہول ہے۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ جہالت مفضی للنزاع نہیں کیونکہ بوجہ شفقت علی الاولاد لوگ انّا کی خوراک و پوشاک میں وسعت اپناتے ہیں۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول راجح ہے۔

(٥٧) مستاجر کو یہ حق نہیں کہ وہ انّا کے شوہر کو اسکے ساتھ وطی کرنے سے روک دے کیونکہ یہ شوہر کا حق ہے۔ہاں اگر انّا حاملہ ہو جائے تو چونکہ حاملہ عورت کے دودھ سے بچے کی خرابی صحت کا اندیشہ ہے لہذا بچے کے اولیاء کو اجارہ فسخ کرنے کا حق ہے۔

(٥٨)انّا پر بچے کی غذا کا درست کرنا لازم ہے یوں کہ کھانا چبا کر کھلائے اور خود ایسی چیز نہ کھائے جس سے دودھ خراب ہو کر بچے کو ضرر پہنچائے اور اسکے علاوہ جن کا عرف جاری ہو۔(٥٩)اگر انّا نے مدت اجارہ میں بچے کو بکری کا دودھ پلایا تو مستحق اُجرت نہ ہوگی کیونکہ واجب کام (یعنی اپنا دودھ پلانا) اس نے نہیں کیا اسلئے کہ بکری کا دودھ پلانا تو ایجار (یعنی منہ میں ڈال دینا) ہے نہ کہ دودھ پلانا۔

(٦٠)وَكُلّ صَانِعٍ لِعَمَلِه اَثَرٌ فى العَيْنِ كالقَصَّارِ والصَّبَّاغِ فَلَهُ اَنْ يَحْبِسَ العَيْنَ بعدَ الفِرَاغِ من عَمَلِه حتّى يَسْتَوْفِيَ الْاُجْرَةَ (٦١)ومَنْ ليسَ لِعَمَلِه اَثَرٌ فِي العَيْنِ فَلَيْسَ لَهُ اَنْ يَحْبِسَ العَيْنَ لِلْاُجْرِةِ كالحَمَّالِ وَالمَلّاحِ۔

ترجمه:۔اور ہر وہ کاریگر جس کے کام کا عین شیٔ میں اثر ہو جیسے دھوبی اور رنگریز تو اسکے لئے یہ جائز ہے کہ اپنے کام سے فراغت کے بعد عین شیٔ کو روک دے یہاں تک کہ اُجرت وصول کرلے اور جس کاریگر کے عمل کا اثر عین شیٔ میں نہ ہو تو اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ عین شیٔ اُجرت وصول کرنے تک روک دے جیسے بار بردار اور کشتی بان۔

تشریح:۔(٦٠) ہر وہ اجیر جسکے کام کا عین شیٔ میں اثر موجود ہو یوں کہ اس شیٔ میں اسکے عمل کا اثر دیکھا جا سکتا ہو جیسے دھوبی، رنگریز وغیرہ تو ایسا اجیر اپنا مزدوری وصول کرنے کیلئے اس شیٔ کو روک سکتا ہے کیونکہ معقود علیہ وصف قائم فی الثوب ہے تو وہ استیفاء بدل کیلئے روکنے کا حقدار ہے۔(٦١) ہر وہ اجیر جسکے کام کا عین شیٔ میں اثر نہ ہو تو وصولی اُجرت کیلئے شیٔ کو نہیں روک سکتا ہے جیسے حمّال (قلی) اور ملّاح (

کشتی چلانے والا) کیونکہ معقود علیہ نفس عمل ہے (یعنی بوجھ اٹھانا) اور وہ عین شی میں قائم نہیں تو اسکا روکنا متصور نہیں۔

(۶۲)وإذَا شُرِطَ عَلَى الصَّانِعِ أنْ يَعمَلَ بِنَفْسِهِ فَلَيسَ لَه أنْ يَسْتَعمِلَ غَيرَه (۶۳)وإنْ أطْلَقَ لَه العَمَلَ فَلَهُ أنْ يَسْتَاجِرَ مَنْ يَعْمَلُه۔

توجمه:۔اور اگر کسی کاریگر سے یہ شرط کر لی ہو کہ یہ کام تو خود کرنا تو اس کے لئے جائز نہیں کہ کسی دوسرے سے کرائے اور اگر عمل کو مطلق چھوڑا تو اس کے لئے جائز ہے کہ ایسے آدمی کو اُجرت پر لے جو اس کام کو کرلے۔

تشریح:۔(۶۲)اگر مستاجر نے کاریگر پر یہ شرط لگائی کہ کام خود کرنا ہوگا تو کاریگر کیلئے اختیار نہیں کہ یہ کام دوسرے سے کرائے بلکہ خود کرنا ہوگا کیونکہ مستاجر اس کے سوا دوسرے کے کام پر راضی نہیں۔(۶۳)اگر اجیر کیلئے عمل مطلق چھوڑا تو وہ اس کام کو کرنے کیلئے مزدور رکھ سکتا ہے کیونکہ اجیر کے ذمہ کام واجب ہے جس کا بنفسہ پورا کرنا بھی ممکن ہے اور دوسرے سے مدد لے کر بھی، جیسے قرض کی ادائیگی خود ادا کرے یا وکیل سے کرائے دونوں جائز ہیں۔

(۶۴)وَإذَا اِخْتَلَفَ الخَيَّاطُ وَالصَّبَّاغُ وصَاحِبُ الثَّوبِ فقالَ صاحِبُ الثَّوبِ لِلْخيَّاطِ أمَرْتُكَ أنْ تَعْمَلَه قُبَاءً وقالَ الخَيَّاطُ قَمِيصاً (۶۵)او قالَ صاحِبُ الثَّوبِ لِلصَّبَّاغِ أمَرْتُكَ أنْ تَصْبُغَه أحْمرَ فَصَبَغْتَه أصْفَرَ فَا لقَوْلُ قَوْلُ صاحِبِ الثَّوبِ مع يَمِينِه (۶۶)فَإنْ حَلَفَ فَالخَيَّاطُ ضَامِنٌ۔

توجمه:۔اور جب درزی، رنگریز اور صاحب ثوب کا باہم اختلاف پیدا ہو جائے پس صاحب الثوب نے درزی سے کہا کہ میں نے تجھ کو اچکن بنانے کا حکم کیا تھا اور درزی کہتا ہے کہ بلکہ کُرتے کا کہا تھا یا صاحب الثوب نے رنگریز سے کہا میں نے تجھے سرخ رنگ رنگنے کو کہا تھا جبکہ تو نے تو زرد رنگ دیا ہے پس قول مالکِ کپڑے کا قسم کے ساتھ معتبر ہے تو اگر اس نے قسم کھائی تو درزی ضامن ہوگا۔

تشریح:۔(۶۴)اگر صاحب ثوب یعنی مستاجر اور درزی یعنی اجیر میں اختلاف ہوا مستاجر نے کہا کہ میں نے اچکن سینے کیلئے کہا تھا تو نے قمیص سی لی ہے (۶۵) یا صاحب ثوب یعنی مستاجر نے رنگریز یعنی اجیر سے کہا کہ میں نے سرخ رنگ دینے کیلئے کہا تھا تو نے زرد رنگ دیا ہے مگر اجیر کہتا ہے کہ نہیں بلکہ تو نے مجھے قمیص سینے کیلئے کہا تھا یا زرد رنگ ہی دینے کیلئے کہا تھا تو قول صاحب ثوب (مستاجر) کا معتبر ہے کیونکہ اجازت صاحب ثوب کی طرف سے حاصل ہوتی ہے حتی کہ وہ اگر اصل اجازت ہی سے انکار کرتا ہے تو انکا قول معتبر ہے لہذا بصورت انکار از صفت بھی ان ہی کا قول معتبر ہوگا۔لیکن اس سے قسم لیجائیگی کیونکہ یہ ایسی چیز کا انکار کرتا ہے کہ اگر وہ اسکا اقرار کردے تو اس پر لازم ہو جائیگا۔(۶۶) پھر اگر صاحب ثوب نے قسم کھالیا تو درزی (اجیر) ضامن ہوگا کیونکہ اس نے ملک غیر میں بغیر اسکی اجازت کے تصرف کیا ہے۔

(٦٧)وَاِذَا قَالَ صاحِبُ الثَّوبِ عَمِلْتَهُ لِيْ بِغَيرِ اُجرةٍ وَقَالَ الصَّانِعُ بِاُجرةٍ فَالقَوْلُ قَولُ صاحبِ الثَّوبِ مع يَمِينِه عِندَ اَبِي حَنيفةَ رحِمه اللّٰه وقالَ ابُو يُوسُفَ رحِمَه اللّٰه اِنْ كانَ حَرِيفاً فَلَه الْاُجرةُ واِنْ لم يَكُنْ حَرِيفاً فَلا اُجرةَ له وقَالَ مُحمدٌ رحِمَه اللّٰه اِنْ كانَ الصَّانِعُ مُبْتَذِلًا لِهٰذه الصَّنعةِ بِالْاُجرةِ فَا لقولُ قَولُه مَعَ يَمِينِه انّه عَمِلَه بِاُجرةٍ۔

ترجمه:۔اوراگر صاحب الثوب نے کہا کہ تونے یہ کام میرے لئے بغیر اُجرت کے کرلیا ہے اور کاریگر نے کہا بلکہ اُجرت سے کیا ہے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک صاحب الثوب کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کاریگر کا پیشہ ہی یہ ہے تو اس کے لئے اُجرت ہوگی اور اگر اس کا پیشہ یہ نہیں تو اس کے لئے اُجرت نہ ہوگی اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر کاریگر اس کام کو اُجرت کے ساتھ کرنے میں مشہور ہے تو قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر ہوگا کہ اس نے یہ عمل اُجرت پر کیا ہے۔

تشریح:۔(٦٧)اگر صاحب ثوب نے کہا کہ تونے میرے لئے بلا اُجرت کام کیا ہے اور کاریگر کہتا ہے نہیں بلکہ اُجرت سے کیا ہے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قول صاحب ثوب کا معتبر ہے کیونکہ صاحب ثوب وجوب اُجرت کا منکر ہے اور کاریگر اسکا مدعی ہے اور قول منکر کا معتبر ہوتا ہے۔امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صاحب ثوب اگر کاریگر کا حریف ہو (یعنی ان میں پہلے سے لین دین اُجرت سے ہوتا رہا ہو) تو کاریگر اُجرت کا مستحق ہوگا ورنہ نہیں کیونکہ ان کے درمیان سابقہ معاملہ جہت اُجرت کو متعین کرتا ہے۔امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کاریگر یہ کام اُجرت کے ساتھ کرنے میں مشہور ہو تو قول کاریگر کا معتبر ہوگا ورنہ صاحب ثوب کا کیونکہ جب کاریگر نے کسی کام کیلئے اپنے کو متعین کیا تو یہ اُجرت پر تصریح کے قائم مقام ہے۔(فتویٰ امام محمدؒ کے قول ہے کمافی الہندیہ:۴۲۸/۴)

(٦٨)وَالوَاجِبُ فِي الْاِجارَةِ الفَاسِدَةِ اُجْرَةُ المِثْلِ لايَتَجاوَزُ بِه المُسَمّٰى۔

ترجمه:۔اوراجارہ فاسدہ میں اُجرت مثل واجب ہے جو متعین شدہ سے زائد نہ ہوگی۔

تشریح:۔(٦٨)اجارہ فاسدہ میں اجیر کیلئے اُجرت مثل واجب ہوگی لیکن مسمّٰی سے زیادہ نہیں دیجائیگی بشرطیکہ مسمّٰی معلوم ہو کیونکہ مسمّٰی پر دونوں راضی ہو چکے ہیں۔امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک مسمّٰی ہی واجب ہوگی جتنی بھی ہو۔

(٦٩)وَاِذَا قَبضَ المُستاجِرُ الدَّارَ فَعَلَيه الْاُجرةُ وَاِنْ لم يَسْكُنْهَا (٧٠)فَاِنْ غَصَبَهاَ غاصِبٌ مِنْ يَدِه سَقطَتِ الْاُجرةُ (٧١)واِنْ وَجَدَ بِهاَ عَيباً يَضُرّ بِالسُّكْنٰى فَلَه الفَسْخُ (٧٢)واِذَا خَرِبَتِ الدَّارُ اوانْقَطَعَ شِربُ الضَّيعةِ او انْقَطَعَ المَاءُ عَنِ الرَّحٰى اِنْفَسَخَتِ الْاِجارةُ۔

ترجمه:۔اور جب مستاجر نے مکان پر قبضہ کرلیا تو اس پر کرایہ واجب ہے اگرچہ وہ اس میں نہ رہے اور اگر کسی غاصب نے یہ مکان اس سے غصب کرلیا تو اُجرت ساقط ہو جائیگی اور اگر اس میں عیب پایا جو رہنے کے لئے مضر ہو تو اس کو عقد اجارہ فسخ کرنے کا اختیار ہے اور جب مکان ویران ہو جائے یا زمین کا پانی منقطع ہو جائے یا پن چکی کا پانی بند ہو جائے تو وہ اجارہ فسخ ہو جائیگا۔

تشریح:۔(٦٩) جب مستاجر اجارہ پر لئے ہوئے گھر پر قبضہ کرلے تو اُجرت واجب ہو جائیگی اگرچہ وہ اسمیں نہ رہے کیونکہ محل کا تسلیم

کرنا منفعت کے تسلیم کرنے کے قائم مقام ہے کیونکہ تسلیم محل سے ہی تمکن انتفاع ثابت ہوتا ہے۔(۷۰) پھر اگر مذکورہ صورت میں مستاجر سے کسی غاصب نے گھر غصب کیا تو اُجرت ساقط ہو جائیگی کیونکہ تمکن انتفاع فوت ہوا۔

(۷۱) اور اگر اسمیں ایسا عیب پایا گیا جو سکنیٰ کیلئے مضر ہو تو مستاجر اس اجارہ کو فسخ کر سکتا ہے کیونکہ اس صورت میں انتفاع بلاضرر ممکن نہیں۔(۷۲) اگر اجارہ پر لیا ہوا گھر ویران ہو جائے یا زرعی زمین یا پن چکی کا پانی منقطع ہو جائے تو اجارہ فسخ ہو جائیگا کیونکہ معقود علیہ (منافع) قبل القبض فوت ہوا تو یہ ایسا ہے جیسے قبل القبض مبیع فوت ہو جائے۔

(۷۳) وَاِذَا ماتَ اَحَدُ الْمُتَعاقِدَينِ وقَدْ عقَدَ الْاِجارَةَ لِنفْسِهِ اِنْفَسَخَتِ الْاِجارَةُ (۷۴) واِنْ كانَ عَقَدَهَا لِغَيرِهِ لم يَنْفَسِخْ (۷۵) ويَصِحُّ شَرْطُ الخِيارِ فى الْاِجارَةِ كمَا فى الْبيعِ۔

ترجمه:۔ اور اگر متعاقدین میں سے کوئی مرگیا اور اس نے عقدِ اجارہ اپنے ہی لئے کیا تھا تو عقد اجارہ فسخ ہو جائیگا اور اگر اس نے کسی دوسرے کے لئے عقد کیا تھا تو فسخ نہ ہوگا اور اجارہ میں شرطِ خیار درست ہے۔ جس طرح کہ بیع میں درست ہے۔

تشریح:۔(۷۳) اگر احد المتعاقدین مرگیا جبکہ اجارہ اس نے اپنے ہی لئے کیا تھا تو اجارہ فسخ ہو جائیگا کیونکہ موت موجر کی صورت میں اگر مستاجر شئی مستاجرہ سے نفع حاصل کریگا تو ملک غیر سے منتفع ہونا لازم آتا ہے (جو کہ جائز نہیں) کیونکہ موت موجر کے بعد شئی اس کے ورثہ کی ہوگئی۔ اور موت مستاجر کی صورت میں ملک غیر سے اُجرت کی ادائیگی لازم آتی ہے جو کہ جائز نہیں۔(۷۴) اگر عقد اجارہ غیر کیلئے کیا تھا تو فسخ نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں ملک غیر سے منتفع ہونا یا اُجرت ادا کرنا لازم نہیں آتا ہے۔(۷۵) اجارہ میں خیار شرط کرنا صحیح ہے کیونکہ اجارہ عقد معاوضہ ہے جس کیلئے مجلس عقد میں قبضہ ضروری نہیں لہذا بیع کی طرح اسمیں بھی خیار شرط جائز ہے۔

(۷۶) وَ تَنْفَسِخُ الاِجارَةُ بِالْاَعْذَارِ كمَنِ اسْتَاجَرَ دُكَّاناً فِى السُّوقِ لِيَتَّجِرَ فِيهِ فَذَهَبَ مالُه وَكمَنْ آجَرَ داراً او دُكَّاناً ثمّ اَفْلَسَ فَلِزَمَه دُيُونٌ لايَقْدِرُ عَلى قَضَائِهَا اِلّامِنْ ثَمَنِ مَا آجَرَ فَسَخَ القَاضِي العَقْدَ وبَاعَهَا فى الدَّيْنِ (۷۷) ومَنْ استاجَرَ دابَّةً لِيُسافِرَ عَليهَا ثُمّ بَدَا من السَّفرِ فهو عُذْرٌ واِنْ بَدَا لِلْمُكارِيْ من السَّفرِ فليسَ ذالِكَ بِعُذْرٍ۔

ترجمه:۔ اجارہ عذروں سے فسخ ہو جاتا ہے جیسے کسی نے شہر میں دکان کرایہ پر لیا تا کہ اس میں تجارت کرے پھر اس کا مال جاتا رہا اور جیسے کسی نے مکان یا دکان کرایہ پر دیا پھر وہ مفلس ہو گیا اس پر اس قدر قرضے لازم آئے جن کی ادائیگی پر اسے قدرت نہیں مگر اس چیز کی قیمت سے جو اس نے کرایہ پر دی ہے تو قاضی عقد اجارہ کو فسخ کردے اور اس کو قرض میں فروخت کردے اور جس نے جانور کرایہ پر لیا تا کہ اس پر سفر کرے پھر اس کو سفر سے مانع رای سامنے آئی تو یہ عذر ہے اور اگر کرایہ پر دینے والے کی رای بدل گئی تو یہ عذر نہیں۔

تشریح:۔(۷۶) اجارہ ایسے عذروں کی وجہ سے فسخ ہو جاتا ہے جن میں عاقد کیلئے ایسا ضرر ہو جو بوجہ عقد اس پر لازم نہ تھا مثلاً کسی نے بازار میں دکان کرایہ پر لیا تا کہ اسمیں تجارت کرے پھر اسکا مال تجارت ضائع ہوا یا مثلاً کسی نے گھر یا دوکان کرایہ پر دیا پھر آجر مفلس ہوا اور اسکے ذمہ اتنا قرضہ آیا جو کرایہ پر دئے ہوئے مکان اور دوکان کے ثمن کے علاوہ اسکے پاس اور کوئی مال نہیں جو اس قرضہ کو ادا کرے۔

(۷۷) یا مثلاً کسی نے کوئی جانور کرایہ پر لیا تا کہ اس پر سفر کرے پھر اسکی رائے بدل گئی اور اس کیلئے بنسبت سفر عدم سفر میں مصلحت ظاہر ہوئی تو ان تمام صورتوں میں اجارہ فسخ ہو جائیگا ورنہ عدم فسخ اجارہ کی صورت میں آجر یا مستاجر میں سے کسی ایک کا ایسا ضرر ہوگا جو بوجہ عقد اس پر لازم نہ تھا۔ البتہ اگر آجر نے جانور کرایہ پر دیا تو جانور کی نگرانی کیلئے خود آجر نے بھی ساتھ جانا تھا مگر ہوا یہ کہ آجر کی رائے بدل گئی اور اسکے لئے بنسبت سفر کے عدم سفر میں مصلحت ظاہر ہوئی تو آجر کیلئے یہ عذر نہیں کیونکہ آجر کیلئے یہ ممکن ہے کہ خود گھر بیٹھے اور جانور کی نگرانی کیلئے کوئی مزدور یا غلام بھیج دے۔

کتاب الشفعة

یہ کتاب شفعہ کے بیان میں ہے۔

"شفعہ" ماخوذ ہے "شفعٌ" سے ماخوذ ہے لغۃً بمعنی ملانا ضد ہے وتر کا۔ اور فیما نحن فیہ میں بھی چونکہ شفیع ماخوذ (یعنی مشفوعہ زمین) کو اپنے ملک کے ساتھ ملا دیتا ہے اسلئے اس کو شفعہ کہتے ہیں۔

شفعہ شرعاً "تَمَلُّکُ الْعِقَارِ جَبْراً عَلَی الْمُشْتَرِیْ بِمَاقَامَ عَلَیْهِ" یعنی جبراً خریدی ہوئی زمین کا اس قیمت پر مالک ہونا ہے جس پر مشتری کو اسکی خرید میں پڑی ہے، مثلاً کسی نے اپنا گھر کسی اجنبی شخص پر فروخت کیا پھر بائع کے گھر کے متصل گھر والے پڑوسی نے شفعہ کا دعویٰ کیا کہ اس گھر کا حقدار میں ہوں تو پڑوسی کے شفعہ کا دعویٰ قبول کیا جائیگا لہذا اب یہ گھر پڑوسی مثل ثمن سے لے لیگا۔

شفیع وہ شخص ہے جسکو حق شفعہ حاصل ہے مشفوع وہ زمین ہے جسکے ساتھ حق شفعہ متعلق ہے اور مشفوع بہ شفیع کی وہ ملک ہے جسکی وجہ سے اسکو حق شفعہ حاصل ہے۔

کتاب شفعہ کی ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ اس سے پہلے عقود اختیاری بیان کئے اب عقد اضطراری بیان فرماتے ہیں۔

(۱) اَلشُّفْعَةُ وَاجِبَةٌ لِلْخَلِیْطِ فِی نَفْسِ الْمَبِیْعِ ثُمَّ لِلْخَلِیْطِ فِی حَقِّ الْمَبِیْعِ کَا لشُّرْبِ وَالطَّرِیْقِ ثُمَّ لِلْجَارِ (۲) وَلَیْسَ لِلشَّرِیْکِ فِی الطَّرِیْقِ وَالشُّرْبِ وَالْجَارِ شُفْعَةٌ مع الْخَلِیْطِ فانْ سَلَّمَ الْخَلِیْطُ فَا لشُّفْعَةُ لِلشَّرِیْکِ فِی الطَّرِیْقِ فان سَلَّمَ اَخذَهَا الجَارُ۔

ترجمہ:۔ حق شفعہ نفسِ مبیع میں شریک کے لئے ثابت ہے پھر اس کے لئے جو حق مبیع میں شریک ہو جیسے پانی کا شریک اور راستہ کا شریک پھر حق شفعہ پڑوسی کے لئے ہے اور نفس مبیع میں شریک کی موجودگی میں شریک فی الطریق، شریک فی الشرب اور پڑوسی کے لئے حق شفعہ نہیں پھر اگر نفس مبیع میں شریک نے حق شفعہ چھوڑ دیا تو پھر حق شفعہ اس کے لئے ہوگا جو راستہ میں شریک ہو اور اگر اس نے بھی چھوڑ دیا تو پھر حق شفعہ پڑوسی کے لئے ہے۔

تشریح:۔ (۱) حق شفعہ سب سے پہلے اس شخص کیلئے واجب (اَلْمُرَادُ بِهٖ وَاجِبَةٌ ثَابِتَةٌ اِذْ لَا یَاْثِمُ بِتَرْکِهَا لِاَنَّهَا وَاجِبَةٌ لَه لا عَلَیْهِ) ہوتا ہے جو نفس مبیع میں شریک ہو۔ اگر بائع کے ساتھ نفس مبیع میں کوئی شریک نہ ہو یا شریک تو ہو مگر اس نے شفعہ کا دعویٰ نہیں کیا تو پھر اس

شخص کیلئے ثابت ہوگا جو حقِ مبیع میں شریک ہو جیسے کوئی پانی اور راستہ میں شریک ہو۔ پھر اگر یہ بھی نہ ہو یا اس نے بھی شفعہ کا دعویٰ نہیں کیا تو پھر اس پڑوسی کیلئے حق شفعہ ثابت ہے جو مشفوعہ زمین سے اسکی زمین متصل ہو۔

(۲) اگر پہلے نے دعویٰ کیا تو پھر دوسرے وتیسرے کیلئے حق شفعہ نہیں اور اگر پہلے نے چھوڑ دیا دوسرے نے دعویٰ کیا تو پھر تیسرے کیلئے حق شفعہ نہیں۔ جسکی یوں صورت پیش کی گئی ہے کہ مثلاً ایک گھر دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہے اور اسی گھر میں ایک کمرہ ان دو میں سے ایک اور ثالث کے درمیان مشترک ہے اور گھر کا دروازہ ایک ایسی گلی کی طرف کھلتا ہے جو شارع عام نہ ہو اور کمرے کے پیچھے ایک اور شخص کا گھر ہے جسکا دروازہ ایک اور گلی کی طرف کھلتا ہے اب کمرے کے شریکین میں سے ایک نے اپنا حصہ فروخت کر دیا تو سب سے پہلے شفعہ کا حقدار وہ شخص ہے جو کمرہ میں بائع کے ساتھ شریک ہے اسکے بعد جو گھر میں شریک ہے کیونکہ صاحب دار و منزل طریق خاص میں شریک ہے تو حق مبیع میں شرکت کی وجہ سے اسکو حق شفعہ حاصل ہے پھر گلی والا حقدار ہے کیونکہ طریق اعم میں منزل والے کے ساتھ شریک ہے اگر ان سب نے چھوڑ دیا تو پھر منزل کے پیچھے جو صاحب دار پڑوسی ہے وہ حقدار ہے۔

(۳) وَالشُّفعةُ تَجِبُ بِعقدِ البَيعِ وَتَستَقِرُّ بِالْإِشْهَادِ (۴) وتُملَکُ بِالْاَخذِ اِذَا سَلَّمَهَا الْمُشتَرِیُ اَوْ حَکَمَ بِهَا حَاكِمٌ۔

ترجمہ:۔ اور حق شفعہ عقد بیع سے ثابت ہوتا ہے اور گواہ قائم کرنے سے پختہ ہو جاتا ہے اور قبضہ کرنے سے شفعہ کے مالک ہو جاتا ہے جس وقت کہ خود مشتری دیدے یا حاکم اس کا فیصلہ کر دے۔

تشریح:۔ (۳) حق شفعہ کا ثبوت عقد بیع کے بعد ہوتا ہے کیونکہ عقد بیع شفعہ کیلئے شرط ہے اور اسمیں استحکام اس وقت پیدا ہو جاتا ہے جب شفیع کو بیع کا علم ہوتے ہی وہ طلبِ شفعہ کر لے اور اپنے دعویٰ شفعہ پر گواہ بنالے (مثلاً لوگوں سے کہے کہ تم گواہ رہو کہ میں نے اس مکان میں شفعہ طلب کیا ہے) کیونکہ شفعہ کمزور حق ہے جو اعراض سے باطل ہو جاتا ہے تو گواہ بنانا اور طلب شفعہ کا ہونا ضروری ہے تا کہ شفیع کی رغبت اسمیں معلوم ہو جائے۔

(۴) شفیع مشفوعہ زمین کا اس وقت مالک بن جاتا ہے جب مشتری خوشی سے مشفوعہ زمین شفیع کے سپرد کر دے یا قاضی شفیع کے حق میں فیصلہ کر کے مشفوعہ زمین شفیع کے حوالہ کر دے کیونکہ مشتری کی ملک تام ہو چکی ہے اسلئے مشفوعہ زمین اب شفیع کی طرف منتقل نہ ہوگی مگر مشتری کی رضا سے یا قاضی کی قضاء سے۔

(۵) وَاِذَا عَلِمَ الشَّفِيعُ بِالبَيْعِ اَشْهَدَ فِي مَجْلِسِهِ ذَالِکَ عَلَی الْمُطَالَبَةِ (۶) ثُمَّ يَنْهَضُ منه فَيُشْهِدُ على البائعِ اِنْ كَانَ المَبِيعُ فِي يَدِه اَوْ على الْمُبْتَاعِ او عِندَ العِقَارِ فَاِذَا فَعَلَ ذَالِکَ اِستَقَرَّتْ شُفْعَتُه۔

ترجمہ:۔ اور جب شفیع کو بیع کا علم ہو جائے تو اسی مجلس علم میں مطالبہ کرنے پر گواہ بنادے پھر یہاں سے اٹھے اور بائع کے پاس گواہ بنائے اگر مبیع بائع کے ہاتھ میں ہو یا مشتری کے پاس گواہ بنادے یا زمین کے پاس پس جب یہ کام کر لے تو اس کا حق شفعہ مستحکم ہو جائیگا۔

تشریح:۔ (۵) شفعہ چونکہ بغیر طلب وخصومت کے ثابت نہیں ہوتا اسلئے مذکورہ عبارت میں صاحب کتاب اسکی کیفیت بیان فرماتے ہیں

۔کہ جب شفیع کو یہ علم ہو جائے کہ میرے شریک یا پڑوسی نے مکان فروخت کر دیا ہے تو وہ پہلا کام یہ کرے کہ اسی مجلس میں طلب شفعہ پر گواہ بنادے (مرادفوراً شفعہ طلب کرنا ہے گواہ قائم بنانا ضروری نہیں) اسکوطلب مواثبت کہتے ہیں۔

(٦) اسکے بعد اگر زمین اب تک مالک کے ہاتھ میں ہے تو مالک پر گواہ قائم کر دے یا مشتری پر گواہ قائم کر دے یا زمین کے پاس گواہ قائم کر دے۔اسکوطلب تقریر اور طلب اشہاد کہتے ہیں اسکی صورت یہ ہے کہ شفیع گواہوں سے کہے کہ فلاں شخص نے یہ گھر خرید لیا ہے مجھے حق شفعہ حاصل ہے اور میں نے شفعہ طلب کیا تھا اب بھی کر رہا ہوں تم اس پر گواہ رہو۔

اسکے بعد قاضی کے پاس جائے حق شفعہ طلب کرے اسکوطلب خصومت ،طلبِ تملیک اور طلبِ استحقاق کہتے ہیں۔اسکی صورت یہ ہے کہ شفیع قاضی سے کہدے کہ فلاں شخص نے فلاں شہر میں گھر خریدا ہے جس کے حدود یہ ہیں اور میں اپنے اس گھر کی وجہ سے شفیع ہوں جو اس گھر کے متصل ہے لہذا آپ حکم دیجئے کہ وہ یہ گھر مجھے سپرد کر دے۔

(۷)وَلَمْ تَسْقُطْ بِالتَّاخِيرِ عِنْدَ اَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله وقالَ مُحَمَّدٌ رحمه الله اِنْ تَرَكَهَا مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ شَهْرًا بَعْدَ الْاِشْهَادِ بَطَلَتْ شُفْعَتُه۔

ترجمه:۔اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک (طلب کے بعد) تاخیر کرنے سے حق شفعہ باطل نہیں ہوتا اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر بلا عذر ایک ماہ تک طلب اشہاد کے بعد چھوڑ دیا تو حق شفعہ باطل ہو جائیگا۔

تشریح:۔(۷) چونکہ طلب ثانی کے بعد شفعہ میں پختگی پیدا ہو جاتی ہے لہذا اسکے بعد اگر طلب ثالث کو مؤخر کر دے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حق شفعہ ساقط نہ ہوگا کیونکہ کسی حق کے ثبوت واستقرار کے بعد جب تک کہ ساقط نہ کر دے خود ساقط نہیں ہوتا ہے وعلیہ الفتوی۔امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اگر طلب ثالث میں ایک ماہ تک تاخیر کر دی تو شفعہ ساقط ہو جاتا ہے کیونکہ زیادہ تاخیر کی صورت میں مشتری کا ضرر ہے اسلئے کہ وہ دعوی شفعہ کے خوف کی وجہ سے اسمیں تصرف نہیں کر سکے گا۔

(۸)وَالشُّفْعَةُ وَاجِبَةٌ فِي الْعِقَارِ وَاِنْ كَانَ مِمَّا لَايُقْسَمُ كَالْحَمَّامِ وَالرَّحٰى وَالْبِئْرِ وَالدُّوَرِ الصِّغَارِ۔

ترجمه:۔اور شفعہ زمین میں واجب ہوتا ہے اگر چہ وہ ایسی ہو جو قابل تقسیم نہ ہو جیسے حمام، پن چکی، کنواں اور چھوٹے مکان۔

تشریح:۔(۸) شفعہ زمینوں میں ثابت ہے اگر چہ وہ اتنا کم ہو کہ قابل تقسیم نہ ہو جیسے حمام، پن چکی، کنواں اور چھوٹے مکان۔کیونکہ سبب شفعہ یعنی اتصال فی الملک (یعنی ملکِ شفیع کا اتصال ملکِ مشفوع کے ساتھ) ہے البتہ سامانوں اور کشتیوں میں شفعہ ثابت نہیں کیونکہ سامان اور کشتیاں منقولی اشیاء ہیں اور منقولی اشیاء میں شفعہ نہیں۔

(۹)وَلَاشُفْعَةَ فِي الْبِنَاءِ وَالنَّخْلِ اِذَا بِيعَ بِدُونِ الْعَرْصَةِ (۱۰)ولا شُفْعَةَ فِي الْعُرُوضِ وَالسُّفُنِ (۱۱)وَالْمُسْلِمُ وَالذِّمِّي فِي الشُّفْعَةِ سَوَاءٌ۔

ترجمه:۔اور عمارت اور باغ میں شفعہ نہیں جبکہ یہ بلا صحن ومیدان کے فروخت کیا جائے اور اسباب اور کشتیوں میں شفعہ نہیں اور حق شفعہ

میں مسلمان اور ذمی برابر ہیں۔

تشریح:۔(۹) اگر عمارت یا باغ زمین کے بغیر فروخت کیا جائے تو اس میں شفعہ نہیں کیونکہ صرف عمارت اور درخت کے لئے دوام نہیں تو یہ بھی منقولات میں سے ہوئے۔(۱۰) منقولی سامانوں اور کشتیوں میں شفعہ نہیں۔(۱۱) مسلمان و ذمی حق شفعہ میں برابر ہیں کیونکہ مسلمان و ذمی حکمت شفعہ اور استحقاق شفعہ میں برابر ہیں اس لئے کہ دونوں سبب شفعہ (یعنی اتصال الملک) میں برابر ہیں تو استحقاق میں بھی برابر ہونگے۔

(۱۲) وَإِذَا مَلَكَ العِقَارَ بِعِوَضٍ هو مالٌ وَجَبَتْ فِيه الشُّفْعَةُ (۱۳) ولا شُفْعَةَ فِي الدَّارِ الَّتِي يَتَزَوَّجُ الرَّجُلُ عَلَيها (۱٤) او تُخَالِعُ الْمَرْأةُ بِها (۱۵) اَوْ يَسْتَاجِرُ بِها دَاراً (۱٦) اَوْ يُصَالِحُ مِنْ دَمِ عَمَدٍ (۱۷) او يُعْتِقُ عليهاعبداً (۱۸) او يُصالِحُ عَنْهَابِانْكارٍ او سُكُوْتٍ (۱۹) فانْ صَالَحَ عَنْهَابِاِقْرَارٍ وَجَبَتْ فِيهَاالشُّفْعَةُ۔

ترجمہ:۔اور جب کوئی زمین کا ایسے عوض کے ساتھ مالک ہو جائے جو مال ہو تو اس میں شفعہ واجب ہے اور اس مکان میں شفعہ نہیں جس کے عوض مرد عورت سے شادی کرلے یا جس کے بدلے عورت خلع کر دے یا اس کے بدلے کوئی مکان کرایہ پر لے یا قتل عمد میں اس پر صلح کر لے یا اس کے بدلے میں غلام کو آزاد کر دے یا اس سے صلح کر لے انکار یا سکوت کے بعد اور اگر اس سے صلح کر دی اقرار کے بعد تو اس میں شفعہ واجب ہے۔

تشریح:۔(۱۲) جب مشتری بعوض مال زمین کا مالک ہو جائے تو اس زمین میں شفعہ ثابت ہوگا کیونکہ شرعی شرط (کہ مشتری جس مال کے بدلے مالک بنا ہے شفیع بھی اسکا مثل ادا کر کے اسکا مالک ہو) کی رعایت ممکن ہے۔(۱۳) اگر مشتری بعوض مال مالک نہیں بنا تھا تو اس زمین میں شفعہ نہ ہوگا لہذا ایسے گھر میں شفعہ نہیں جسکو کوئی مرد بوقت نکاح مہر میں دیدے۔(۱٤) اور ایسے گھر میں بھی نہیں جس کے بدلے عورت اپنے شوہر سے خلع (عورت کا بعوض مال طلاق لینے کو خلع کہتے ہیں) کرتی ہے۔

(۱۵) ایسے گھر میں بھی نہیں جس کے بدلے مالک کوئی دوسرا مکان کرایہ پر لے۔(۱٦) اور ایسے گھر میں بھی نہیں جسکے مالک پر قصاص واجب ہو پھر اس نے مقتول کے ورثہ کے ساتھ اس گھر پر قصاص کے بدلے میں مصالحت کر لی۔(۱۷) اور ایسے گھر میں بھی نہیں جو غلام اپنے مالک کو دے کر خود کو اسکے بدلے آزاد کرائے۔

(۱۸) ایسے گھر میں بھی نہیں جسکے متعلق انکار یا سکوت کے بعد صلح کی ہو (مثلاً کسی نے کسی مکان کی بابت دعویٰ کیا کہ یہ میرا ہے مدعیٰ علیہ نے انکار کیا یا خاموش رہا پھر مدعیٰ علیہ نے کچھ مال دے کر مدعی کے ساتھ صلح کر لی) کیونکہ شفعہ مبادلۃ المال بالمال میں واجب ہوتا ہے مذکورہ صورتوں میں اعواض مال نہیں۔

(۱۹) البتہ ایسے گھر میں شفعہ ہے جسکی بابت مدعی کے ساتھ اقرار کے بعد صلح کی ہو (مثلاً مدعی نے دعویٰ کیا کہ یہ گھر میرا ہے مدعیٰ علیہ نے اعتراف کرتے ہوئے کچھ مال دے کر مدعی کے ساتھ صلح کر لی) کیونکہ مدعیٰ علیہ معترف ہے کہ یہ گھر مدعی کا ہے پھر بذریعہ صلح

لے لیا تو یہ مبادلۃ المال بالمال ہے لہذا اسمیں شفعہ ہے۔

(۲۰) وَإذَا تَقَدَّمَ الشَّفِيعُ إلَى القَاضِيْ فَادَّعَى الشِّرَاءَ وَطَلَبَ الشُّفْعَةَ سَالَ القَاضِي الْمُدَّعیٰ عَلَيْه عَنْهَا فَإنِ اعْتَرَفَ بِمِلكِه الَّذِيْ يَشْفَعُ بِهِ وَإلَّا كَلَّفَهُ بِإقَامَةِ الْبَيِّنَةِ فَإنْ عَجَزَ عَنِ الْبَيِّنَةِ اِسْتَحْلَفَ الْمُشْتَرِي بِاللّٰهِ مَا يَعْلَمُ انَّه مَالِكٌ لِلَّذِيْ ذَكَرَه مِمَّا يَشْفَعُ بِه (۲۱) فَإنْ نَكَلَ عن اليَمِينِ او قَامَتْ لِلشَّفِيعِ بَيِّنَةٌ سَالَه القاضي هَلِ ابْتَاعَ اَمْ لا فَإنْ اَنْكَرَ الْاِبْتِيَاعَ قِيلَ لِلشَّفِيعِ اَقِمِ البَيِّنَةَ فان عَجَزَ عنها اُسْتُحْلِفَ الْمُشْتَرِي بِاللّٰهِ ما اِبْتَاعَ او بِاللّٰهِ مايَسْتَحِقُّ عَلَى هٰذِه الدَّارِ شُفْعَةً

ترجمہ:۔اور جب شفیع قاضی کے پاس آ کر خرید کا دعویٰ کرے اور شفعہ طلب کرے تو قاضی مدعیٰ علیہ سے اس کے متعلق دریافت کرے پس اگر مدعیٰ علیہ نے اس مکان کی ملکیت کا اعتراف کیا جس کی وجہ سے وہ شفعہ طلب کرتا ہے تو فبہا ورنہ قاضی مدعی کو بیّنہ پیش کرنے کا مکلف بنائے پس اگر وہ بیّنہ پیش کرنے سے عاجز ہوا تو مشتری سے قسم لے اس طرح کہ واللہ مجھے یہ معلوم نہیں کہ یہ اس مکان کا مالک ہے جس کا اس نے ذکر کیا ہے جس کی وجہ سے یہ شفعہ کا دعویٰ کرتا ہے پس اگر اس نے قسم سے انکار کر دیا یا شفیع کے لئے گواہ قائم ہو جائے تو قاضی مدعیٰ علیہ سے دریافت کرے کہ اس نے مکان خریدا ہے یا نہیں؟ پس اگر مدعیٰ علیہ خریدنے سے انکار کر دے تو شفیع سے کہا جائیگا کہ تو گواہ قائم کر و پس اگر وہ گواہ قائم کرنے سے عاجز ہوا تو مشتری سے قسم لی جائے گی کہ واللہ میں نے نہیں خریدا ہے یا واللہ اس مکان پر شفعہ کا شفیع مستحق نہیں۔

تشریح:۔(۲۰) جب شفیع قاضی کے پاس آئے اور دعویٰ کرے کہ مثلاً زید نے فلاں گھر خریدا ہے میں طلب شفعہ کرتا ہوں تو قاضی مدعیٰ علیہ (یعنی مشتری) سے پوچھ لے اس گھر کی ملکیت کے بارے میں جسکی وجہ سے شفیع شفعہ کا مطالبہ کرتا ہے کہ کیا واقعی یہ شفیع کی ملک ہے تو اگر مشتری نے شفیع کی ملکیت کا اعتراف کیا تو فبہا ورنہ قاضی شفیع کو اپنی ملکیت کے ثبوت پر گواہ قائم کرنے کا مکلف بنائیگا اگر شفیع گواہ قائم کرنے سے عاجز ہوا تو قاضی مشتری سے قسم لیگا کہ واللہ میں نہیں جانتا کہ شفیع مالک ہے اسکا جسکا اس نے دعویٰ کیا یعنی اس گھر کا جسکی وجہ سے یہ شفعہ کا دعویٰ کرتا ہے۔

(۲۱) پھر اگر مشتری نے مذکورہ بالا قسم سے انکار کیا یا شفیع نے مذکورہ بالا دعویٰ پر گواہ قائم کئے تو جس گھر کی وجہ سے شفیع دعویٰ کرتا ہے اس پر شفیع کی ملکیت ثابت ہو جائیگی اور شفیع کیلئے حق شفعہ ثابت ہو جائیگا اسکے بعد قاضی مدعیٰ علیہ (مشتری) سے پوچھے گا کہ کیا تو نے مذکورہ گھر خریدا ہے یا نہیں اگر وہ اقرار کرے تو فبہا اور اگر انکار کرے تو شفیع سے کہا جائیگا کہ گواہ پیش کر کہ مشتری (زید) نے واقعی وہ گھر خریدا ہے کیونکہ ثبوت بیع کے بغیر شفعہ ثابت نہیں ہوتا۔ پھر اگر شفیع بھی گواہ قائم کرنے سے عاجز ہوا تو مشتری سے قسم لیا جائیگا کہ واللہ میں نے نہیں خریدا ہے یا واللہ شفیع اس گھر پر اس طرح شفعہ کا مستحق نہیں جس طرح کہ اس نے ذکر کیا ہے۔

(۲۲) وتَجُوزُ المُنَازَعَةُ فِي الشُفعَةِ وإنْ لَمْ يُحْضِرِ الشَّفِيعُ الثَّمنَ إلى مَجْلِسِ القاضِي (۲۳) واذا قَضَى القَاضِي لَه بالشُفعةِ لَزِمَه اِحْضَارُ الثَّمَنِ (۲٤) وَلِلشَّفِيعِ اَنْ يَرُدَّ الدَّارَ بِخِيارِ العَيبِ وَالرُّوْيَةِ۔

ترجمہ:۔ اور شفعہ کے بارے میں جھگڑنا جائز ہے اگر چہ شفیع مجلس قاضی میں ثمن حاضر نہ کرے اور جب قاضی اس کے حق میں شفعہ کا فیصلہ کردے تو اب ثمن کو حاضر کرنا لازم ہے اور شفیع کے لئے جائز ہے کہ خیار عیب یا خیار رؤیت کی وجہ سے مکان کو رد کردے۔

تشریح:۔ (۲۲) شفیع کیلئے شفعہ میں خصومت ومنازعت جائز ہے اگر چہ مجلس قاضی میں مشفوعہ زمین کا ثمن حاضر نہ کردے کیونکہ قضاء قاضی سے پہلے شفیع پر ثمن لازم نہیں۔ (۲۳) پھر جب قاضی شفیع کے حق میں مشفوعہ زمین کا فیصلہ کردے تو اب شفیع پر ثمن پیش کرنا لازم ہے یہی ظاہر روایت ہے۔ (۲٤) شفیع دار مشفوعہ خیار عیب یا خیار رؤیت کی وجہ سے واپس کرسکتا ہے کیونکہ بحق شفعہ گھر لینا بمنزلہ خرید ہے تو جس طرح خریدنے کی صورت میں خیار ہے اسی طرح بحق شفعہ لینے کی صورت میں بھی خیار ہوگا۔

(۲۵) وَإنْ اَحضَرَ الشَّفِيعُ البَائِعَ وَالمَبِيعُ فِي يَدِه فله اَنْ يُخاصِمَه في الشُفعةِ ولا يَسْمَعُ القَاضِي البَيِّنَةَ حتّى يَحضُرَ المُشتَرِى فَيَفسَخُ البَيْعَ بِمَشْهَدٍ مِنه ويَقْضِي بالشّفعةِ عَلى البَائِع ويَجعَلُ العُهْدَةَ عَلَيْه (۲٦) وَاذا تَرَكَ الشَّفِيعُ الإشهادَ حِينَ عَلِمَ بِالبَيْعِ وهو يَقدِرُ على ذَالكَ بَطَلَتْ شُفعَتُهُ (۲۷) وكَذَالكَ اِنْ اَشْهَدَ في المَجلِسِ ولم يُشْهِدْ على اَحدِ المُتَعَاقِدَينِ ولا عِندَ العِقارِ۔

ترجمہ:۔ اور جب شفیع نے بائع کو حاضر کردیا اور مبیع بائع ہی کے قبضہ میں ہے تو شفیع کا شفعہ کے بارے میں جھگڑنا جائز ہے لیکن قاضی اس وقت تک گواہ نہیں سنے گا جب تک کہ مشتری حاضر نہ ہو پھر اس کی موجودگی میں بیع فسخ کردے گا اور بائع پر شفعہ کا حکم لگادے اور ذمہ داری اسی پر ڈال دے اور شفیع کو جب مکان فروخت ہونے کا علم ہوگیا اس وقت اس نے اشہاد چھوڑ دیا حالانکہ وہ اس کی قدرت رکھتا تھا تو اس کا شفعہ باطل ہوجائیگا اور اسی طرح اگر مجلس میں اس نے گواہ بنالیا لیکن متعاقدین میں سے کسی پر گواہ قائم نہیں کیا اور نہ زمین کے پاس کسی کو گواہ کیا (تو بھی حق شفعہ باطل ہوجائیگا)۔

تشریح:۔ (۲۵) اگر شفیع نے بائع کو مجلس قاضی میں پیش کیا اور مبیع اب تک بائع کی ہاتھ میں ہے مشتری کو تسلیم نہیں کی ہے تو شفیع بائع کے ساتھ شفعہ کے بارے میں جھگڑا کرسکتا ہے اسلئے کہ قبضہ بائع کا ہے۔ لیکن شفیع جو بینہ بائع پر پیش کریگا قاضی وہ نہیں سنیگا جب تک کہ مشتری حاضر نہ ہو کیونکہ مبیع کا مالک مشتری ہے لہذا اسکی موجودگی میں قاضی بیع کو فسخ کردیگا۔ اور قاضی شفعہ کا حکم بائع پر لگادیگا حتیٰ کہ تسلیم دار بائع پر واجب ہے۔ اور عہدہ بھی بائع پر ہے یعنی اگر مبیع کا کوئی اور مستحق نکل آیا تو شفیع کیلئے ثمن کا ضامن بائع ہوگا۔

(۲٦) اگر شفیع کو بیع کا علم ہوا اور وہ باوجود قدرت کے اشہاد (یعنی طلب مواثبہ) چھوڑ دے تو اسکا حق شفعہ باطل ہوجائیگا کیونکہ اس نے طلب سے اعراض کردیا۔ (۲۷) اسی طرح اگر شفیع نے گواہ بنائے مجلس میں (یعنی طلب مواثبہ کرلیا) مگر بائع یا مشتری یا زمین کے پاس گواہ نہ بنائے (یعنی طلب تقریر واشہاد چھوڑ دیا) تو چونکہ یہ بھی اعراض کی دلیل ہے لہذا شفعہ باطل ہوجائیگا۔

(۲۸)فإنْ صَالَحَ مِن شُفعتِه عَلى عِوَضٍ اَخَذَه بَطَلَتِ الشُّفعَةُ ويَرُدَّ العِوَضَ (۲۹)وَاِذَا ماتَ الشَّفِيعُ بَطَلَتْ شُفعتُه (۳۰)وإذَا ماتَ المشترِي لَم تَسقُطِ الشُفعَةُ۔

ترجمہ:۔اگر کسی نے حق شفعہ سے کوئی عوض لے کر صلح کر لی تو اس کا حق شفعہ باطل ہو جائیگا اور عوض واپس کریگا اور اگر شفیع مر جائے تو اس کا حق شفعہ باطل ہو جائیگا اور اگر مشتری مر گیا تو حق شفعہ ساقط نہ ہوگا۔

تشریح:۔(۲۸)اگر شفیع نے اپنے حق شفعہ سے کسی عوض پر صلح کر لی تو شفعہ باطل ہو جائیگا اور عوض بھی واپس کرنا پڑے گا (مثلاً مشتری سے شفیع نے کہا کہ ہزار درہم دیدو میں حق شفعہ چھوڑ دونگا اگر مشتری نے دے دیئے تو شفعہ باطل ہو جائیگا اور ہزار درہم بھی واپس کرنا پڑیگا) کیونکہ عوض لینا اعراض کی دلیل ہے۔اور حق شفعہ چونکہ محض مالک بننے کا حق ہے مالک بننا نہیں ہے لہذا اسکا عوض لینا صحیح نہیں۔

(۲۹)اگر شفیع بیع کے بعد اور شفعہ کے فیصلہ سے پہلے مر جائے تو شفعہ باطل ہو جائیگا کیونکہ موت کی وجہ سے شفیع کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے اور وارث کیلئے ملک ثابت ہو جائیگی مگر بیع کے بعد۔جبکہ شفیع کیلئے ملک از وقت بیع تا قضاء قاضی شرط ہے تو چونکہ وارث کیلئے ملک بوقت بیع نہیں لہذا وارث کیلئے بھی حق شفعہ نہیں۔

(۳۰) اگر مشتری مر گیا تو شفعہ باطل نہ ہوگا کیونکہ مستحق شفعہ یعنی شفیع موجود ہے اور حق شفعہ کا سبب (اتصال الملک) بھی متغیر نہیں ہوا ہے۔

(۳۱)وَاِذَا باعَ الشَّفِيعُ ما يَشْفَعُ بِه قَبلَ اَنْ يُقضِيَ لَه بِالشُّفعَةِ بَطَلَتْ شُفعتُه۔

ترجمہ:۔اور اگر شفیع نے اس سے پہلے کہ اس کے حق میں فیصلہ ہو جائے اس زمین کو فروخت کر دیا جس کی وجہ سے وہ شفعہ طلب کر رہا ہے تو اس کا حق شفعہ باطل ہو جائیگا۔

تشریح:۔(۳۱)اگر شفیع نے قاضی کی طرف سے شفعہ کا فیصلہ کئے جانے سے پہلے اپنی اس ملک کو فروخت کی جسکی وجہ سے وہ شفعہ کا دعویٰ کرتا ہے تو اسکا شفعہ باطل ہو جائیگا کیونکہ مالک بننے سے پہلے سبب شفعہ زائل ہوا۔

(۳۲)وَوَكِيلُ البَائعِ اِذَا باعَ وهو الشَّفِيعُ فلا شُفعَةَ لَه (۳۳)وَكذالِكَ اِنْ ضَمِنَ الشَّفِيعُ الدَّرْكَ عَنِ البائِعِ (۳۴)وَوَكِيلُ المُشتَرِي اِذَا ابْتَاعَ وهو الشَّفِيعُ فَلَهُ الشُّفعَةُ۔

ترجمہ:۔اور بائع کا وکیل اگر کسی ایسے مکان کو فروخت کر دے جس کا وہ خود شفیع ہے تو اس کے لئے حق شفعہ نہیں اور اسی طرح اگر شفیع بائع کی طرف سے درک کا ضامن ہوا (تو بھی اس کے لئے حق شفعہ نہیں) اور مشتری کا وکیل اگر ایسی زمین خریدیگا جس کا وہ خود شفیع بھی ہے تو اس کو حق شفعہ ہے۔

تشریح:۔(۳۲)اگر بائع کے وکیل نے بائع کا مکان فروخت کر دیا اور حال یہ ہے کہ یہی وکیل اس مکان کا شفیع بھی ہے تو اس کیلئے حق شفعہ نہیں کیونکہ فروخت کر کے اسکی طرف سے ایک عقد تام ہو گیا جس میں یہ وکیل بائع تھا اب اگر بحق شفعہ یہی مکان لے گا تو یہ مشتری

ہوگا لہذا یہ عقد سابقہ عقد کے توڑنے کی سعی ہے جو کہ جائز نہیں۔
(۳۳) اسی طرح اگر کوئی شخص بائع کی طرف سے درک کا ضامن ہو جائے (ضامن بالدرک کا معنی یہ ہے کہ کوئی مشتری سے کہے کہ فلاں چیز بے فکر ہو کر خرید لو اگر اس چیز کا کوئی مستحق نکل آیا تو آپ کے ثمن کی ادائیگی کا میں ضامن ہوں) اور حال یہ کہ خود یہ ضامن شفیع بھی ہے تو اس کیلئے حق شفعہ نہیں کیونکہ عقد سابق کی تقریر و تصحیح اسی ضامن کی طرف سے ہوئی ہے اب اگر شفعہ کا دعویٰ کریگا تو یہ عقد سابق کے توڑنے کی سعی ہے جو کہ جائز نہیں۔ (۳۴) اور اگر مشتری کا وکیل کوئی مکان خرید لے اور حال یہ کہ وہ اس مکان کا شفیع بھی ہے تو اس وکیل کیلئے حق شفعہ ہے کیونکہ بحق شفعہ لینے میں نقض شراء نہیں اسلئے کہ شفعہ شراء کے مثل ہے۔

(۳۵) وَمَن بَاعَ بِشَرْطِ الخِيَارِ فلا شُفْعةَ لِلشَّفِيعِ فَإِنْ اَسْقَطَ البَائِعُ الخِيَارَ وَجَبَتِ الشُّفعةُ (۳۶) وإِنْ اشْتَرَى بِشَرْطِ الخِيَارِ وَجَبَتِ الشُّفعةُ۔

ترجمہ:۔ اور جس نے شرط خیار کے ساتھ کوئی مکان فروخت کر لیا تو شفیع کے لئے حق شفعہ نہیں پس اگر بائع نے خیار شرط ساقط کر دیا تو اب حق شفعہ واجب ہو جائیگا اور اگر کسی نے کوئی مکان شرط خیار کے ساتھ خرید لیا تو حق شفعہ واجب ہوگا۔

تشریح:۔ (۳۵) اگر کسی نے بشرط خیار کوئی مکان فروخت کر دیا تو شفیع کیلئے شفعہ نہیں کیونکہ شرط خیار کی وجہ سے ملک بائع زائل نہیں ہوتی تو گویا کہ فروخت ہی نہیں کیا ہے۔ پھر اگر بائع نے بیع نافذ کر کے خیار ساقط کر دیا تو شفعہ ثابت ہو جائیگا کیونکہ اب زوال ملک کا مانع زائل ہوا اور بیع لازم ہوگئی۔ (۳۶) اگر کسی نے بشرط خیار مکان خرید لیا تو شفیع کیلئے شفعہ ثابت ہوگا کیونکہ مشتری کے لئے خیار شرط کی صورت میں زوال ملک بائع کیلئے کوئی مانع نہیں۔

(۳۷) وَمَنْ اِبْتَاعَ داراً شِراءً فاسِداً فلا شُفْعةَ فيها ولِكُلِّ وَاحِدٍ مِنَ المُتَعَاقِدَيْنِ اَلْفَسْخُ (۳۸) فإنْ سَقَطَ الفَسْخُ وَجَبَتِ الشُّفعةُ۔

ترجمہ:۔ اور جس نے شراء فاسد کے ساتھ کوئی مکان خرید لیا تو اس میں حق شفعہ نہیں ہوگا اور متعاقدین میں سے ہر ایک کو فسخ کا اختیار ہوگا پس اگر فسخ ہونا ساقط ہوا تو حق شفعہ واجب ہوگا۔

تشریح:۔ (۳۷) اگر کسی نے کوئی مکان بیع فاسد کے ساتھ خرید لیا تو اس مکان میں شفیع کیلئے شفعہ نہیں کیونکہ قبضہ سے پہلے ملک بائع زائل نہیں ہوئی اور قبضہ کے بعد یہ عقد واجب الفسخ ہے جبکہ اثبات شفعہ میں فسخ نہیں بلکہ تقریر فساد ہے پس جائز نہیں۔ (۳۸) اگر بیع فاسد میں حق فسخ ساقط ہوگیا (مثلاً مشتری نے مبیع آگے فروخت کر لی) تو شفیع کیلئے شفعہ ثابت ہو جائیگا کیونکہ مانع زائل ہوا۔

(۳۹) وَإِذَا اشْتَرَى الذِّمِّيُّ داراً بِخَمْرٍ اَوْ خِنْزِيرٍ وَشَفِيعُهَا ذِمِّيٌّ اَخَذَها بِمِثْلِ الخَمْرِ وقِيمَةِ الخِنْزِيرِ (۴۰) وإنْ كَانَ شَفِيعُهامُسْلِماً اَخَذَها بِقِيمَةِ الخَمْرِ وَالخِنْزِيرِ۔

ترجمہ:۔ اور اگر ذمی نے مکان شراب یا خنزیر کے عوض خرید لیا اور اس کا شفیع بھی ذمی ہے تو شفیع اسے مثل شراب اور قیمت خنزیر

دیکر لے لےاور اگر اس کا شفیع مسلمان ہے تو قیمت شراب اور قیمت خنزیر دیکر لے لے۔

تشریح :۔(۳۹) اگر ایک ذمی نے دوسرے ذمی سے مکان بعوض شراب یا خنزیر خرید لیا اور شفیع بھی ذمی ہے تو شفیع یہ مکان مثل شراب اور قیمت خنزیر سے لے لے کیونکہ یہ بیع فیما بینھم صحیح ہے اور حق شفعہ مسلمان کی طرح ذمی کیلئے بھی ہے اور شراب انکے لئے ایسا مال ہے جیسے ہمارے لئے سرکہ ہے اور خنزیر ایسا ہے جیسے ہمارے لئے بکری ہے۔

(۴۰) اگر مذکورہ صورت میں شفیع مسلمان ہے تو وہ شراب وخنزیر دونوں کی قیمت دے کر لے لے۔ خنزیر چونکہ مثلی چیز نہیں اسلئے اسکی ہر صورت میں قیمت دینا ہوگا اور شراب اگر چہ مثلی چیز ہے مگر مسلمان کیلئے اسمیں تصرف ممنوع ہے لہذا مسلمان کے حق میں یہ غیر مثلی شمار ہوگا۔

(۴۱) وَلَاشُفْعَةَ فِي الْهِبَةِ اِلَّا اَنْ تَكُونَ بِعِوَضٍ مَشْرُوْطٍ۔

توجمه:۔اور ہبہ میں شفعہ نہیں ہے الا یہ کہ ہبہ کسی عوض کے ساتھ مشروط ہو۔

تشریح :۔(۴۱) اگر واہب نے کوئی مکان کسی کو ہبہ کیا تو اسکے شریک یا پڑوس کیلئے حق شفعہ نہیں کیونکہ ہبہ مبادلۃ المال بالمال نہیں الا یہ کہ یہ ہبہ مشروط بالعوض ہو(مثلاً واہب کہے وَهَبْتُ لَكَ هٰذِهِ الدَّارَ عَلٰى كَذَا مِنَ الدَّرَاهِمِ) کیونکہ ہبہ بالعوض ابتداً ہبہ ہے انتہاءً بیع ہے۔

(۴۲) وَاِذَا اخْتَلَفَ الشَّفِيْعُ وَالْمُشْتَرِي فِي الثَّمَنِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُشْتَرِي (۴۳) فَاِنْ اَقَامَا الْبَيِّنَةَ فَالْبَيِّنَةُ بَيِّنَةُ الشَّفِيْعِ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ الْبَيِّنَةُ بَيِّنَةُ الْمُشْتَرِي۔

توجمه:۔اور اگر شفیع اور مشتری نے ثمن میں اختلاف کیا تو قول مشتری کا معتبر ہے اور اگر دونوں نے گواہ قائم کر دئے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک شفیع کے گواہ معتبر ہیں اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مشتری کے گواہ معتبر ہیں۔

تشریح :۔(۴۲) اگر شفیع ومشتری نے ثمن میں اختلاف کیا مثلاً مشتری نے کہا کہ میں نے یہ مکان دو ہزار میں خریدا ہے اور شفیع نے کہا کہ ایک ہزار میں۔ تو قول مشتری کا مع الیمین معتبر ہے کیونکہ شفیع کم قیمت ادا کر کے استحقاق دار کا اس پر دعویٰ کر رہا ہے اور مشتری کم قیمت پر اسکے استحقاق کا منکر ہے اور قول منکر کا مع الیمین معتبر ہے۔

(۴۳) اگر شفیع ومشتری میں سے ہر ایک نے مذکورہ بالا صورت میں اپنے دعویٰ پر گواہ قائم کر دئے تو طرفین کے نزدیک شفیع کے گواہ معتبر ہونگے کیونکہ گواہ کسی شی کے الزام کیلئے ہوتے ہیں اور شفیع کے گواہ ملزم ہیں اسلئے کہ شفیع کے گواہ قبول کرنے کی صورت میں مشتری پر مکان شفیع کے حوالہ کرنا لازم ہوتا ہے جبکہ مشتری کے گواہ ملزم نہیں کیونکہ مشتری کے گواہ قبول کرنے کی صورت میں شفیع کو پھر بھی اختیار ہے چاہے تو مکان لے اور چاہے تو چھوڑ دے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک مشتری کے گواہ معتبر ہونگے اسلئے کہ اسکے گواہ امر زائد کیلئے مثبت ہے اور مثبت للزیادۃ والا گواہ اولیٰ ہوتے ہیں (طرفین کا قول راجح ہے)۔

(٤٤)وَاِذَاادّعیٰ الْمُشْتَرِی ثَمَناً اَکثَرَ وَادّعٰی الْبَائِع اَقَلّ منه وَلم یَقْبِضِ الثّمنَ اَخذَهَا الشّفِیعُ بِما قَالَ البَائِعُ وکَانَ ذَالِکَ حَطّاً عَنِ الْمشتَرِی (٤٥)وَاِنْ کَان قَبَضَ الثّمنَ اَخذَها بِمَاقَالَ الْمُشْتَرِی ولَمْ یَلْتَفِتْ اِلٰی قَوْلِ الْبَائِعِ۔

ترجمه:۔اور اگر مشتری نے زیادہ ثمن کا دعوی کر دیا اور بائع نے اس سے کم کا اور ابھی اس نے ثمن پر قبضہ نہیں کیا ہے تو شفیع اس کو وہ قیمت دیکر لے گا جو بائع کہتا ہے اور یہ مشتری کے ذمہ سے کچھ قیمت ساقط کرنے کے حکم میں ہوگا اور اگر بائع نے ثمن پر قبضہ کر لیا ہو تو شفیع اسے اس قیمت پر لے گا جو مشتری کہتا ہے اور بائع کے قول کی طرف التفات نہیں کریگا۔

تشریح:۔(٤٤)اگر بائع و مشتری نے ثمن میں اختلاف کیا مشتری ثمن زیادہ بتائے اور بائع کم بتائے اور حال یہ ہے کہ بائع نے اب تک ثمن پر قبضہ نہیں کیا ہے تو شفیع اسی قیمت پر لیگا جو بائع کہے اور یوں سمجھا جائیگا کہ بائع نے اپنی جانب سے مشتری کیلئے قیمت کم کر دی ہے (تو شفیع کیلئے بھی کم ہوگی)۔

(٤٥)اگر بائع ثمن قبض کر چکا ہے تو شفیع اسی قیمت پر لیگا جو مشتری کہے اور یا چھوڑ دے اور بائع کے قول کی طرف التفات نہ کرے کیونکہ بائع جب ثمن وصول کر چکا تو بائع درمیان سے نکل کر اجنبی ہوا اب اختلاف شفیع و مشتری کے درمیان رہ گیا جس کی تفصیل گذر چکی۔

(٤٦)واذَا حَطّ الْبَائِعُ عن الْمُشْتَرِی بَعضَ الثّمنَ یَسْقُطُ ذالکَ عن الشّفِیعِ (٤٧)واِنْ حَطّ جَمِیعَ الثّمنَ لم یَسْقُطْ عَن الشّفِیعِ (٤٨)وَاِذَا زَادَ الْمُشْتَرِی لِلبائعِ فی الثّمنِ لم تَلزَمِ الزّیَادَةُ لِلشّفِیعِ۔

ترجمه:۔اور اگر بائع نے مشتری سے بعض ثمن ساقط کر دیا تو یہ شفیع سے بھی ساقط ہوگا اور اگر بائع نے مشتری سے کل ثمن ساقط کر دیا تو یہ شفیع سے ساقط نہ ہوگا اور اگر مشتری نے بائع کے لئے ثمن میں اضافہ کر دیا تو یہ اضافہ شفیع کو لازم نہ ہوگا۔

تشریح:۔(٤٦)اگر بائع نے مشتری سے کچھ رقم کم کر دی تو اتنی ہی مقدار شفیع سے بھی ساقط ہو جائیگی کیونکہ ثمن وہی ہے جو باقی بچ گیا۔(٤٧)اگر بائع نے مشتری سے کل ثمن ساقط کر دیا تو شفیع سے کچھ ساقط نہ ہوگا کیونکہ کل ثمن ساقط کرنے کی صورت میں یہ ہبہ یا بیع بلا عوض ہوا جس میں شفعہ نہیں لیکن چونکہ اس طرح تو شفیع کا حق بالکل باطل ہو جائیگا لہذا شفیع سے کل قیمت لیکر حق شفعہ دیدیا جائیگا۔

(٤٨)اگر مشتری نے بائع کو عقد میں طے شدہ قیمت سے زیادہ دیدی تو یہ زیادتی شفیع کے ذمہ لازم نہ ہوگی کیونکہ اسمیں شفیع کا ضرر ہے اسلئے کہ وہ اس سے کم پر لینے کا مستحق ہو چکا ہے۔

(٤٩)وَاِذَا اِجْتَمَعَ الشُّفَعَاءُ فَالشفعَةُ بَیْنَهُمْ عَلٰی عَدَدِ رُؤُسِهِمْ وَلَا یُعْتَبَرُ بِاخْتِلَافِ الْاَمْلَاکِ۔

ترجمه:۔اور اگر کئی شفیع جمع ہو جائیں تو شفعہ ان کے درمیان ان کے عدد روس کے مطابق ہوگا اور اختلاف املاک کا اعتبار نہ ہوگا۔

تشریح:۔(٤٩)اگر کسی مشفوعہ زمین میں چند مساوی درجے کے شفیع جمع ہو جائیں تو مشفوعہ زمین ان کے درمیان انکے عدد روس کے مطابق تقسیم ہوگی کیونکہ سبب استحقاق یعنی اتصال ملک میں سب مساوی ہیں۔ اختلاف املاک کا اعتبار نہیں کیا جائیگا مثلاً ایک گھر تین آدمیوں کے درمیان مشترک ہے جس میں نصف ایک کا ثلث دوسرے کا سدس تیسرے کا ہو۔اب صاحب نصف نے اپنا حصہ فروخت کیا

توباقی شریک اگر شفعہ طلب کرے تو ہر ایک فروخت شدہ حصے کے نصف کا مستحق ہوگا مقدار ملک مابہ الشفعہ کا اعتبار نہ ہوگا۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ہر ایک کے سہام کے بمقدار حق شفعہ ہوگا پس مذکورہ بالاصورت میں صاحب ثلث دوثلث کا مستحق ہوگا اور صاحب 25
سدس ایک ثلث کا مستحق ہوگا۔

(۵۰)وَمَنْ اشتَرىٰ داراً بِعَرْضٍ اَخَذَهَا الشَّفِيعُ بِقِيْمَتِه (۵۱)وَاِنْ اشتراهَا بِمَكِيلٍ اَوْ مَوزُونٍ اَخَذَهَا بِمِثْلِه (۵۲)وَاِنْ باعَ عِقاراً بِعقارٍ اَخذَ الشَّفِيعُ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُما بِقِيمَةِ الآخرِ۔

ترجمہ:۔ اور جس مکان سامان کے عوض خریدا تو شفیع اس چیز کی قیمت دیکرا سے لے لیگا اور اگر مکیلی یا موزونی چیز کے عوض خریدا تو شفیع اس کی مثل کیلی یا وزنی چیز دیکر لے لیگا اور اگر زمین کو بعوض زمین فروخت کردی تو شفیع ہر ایک کو دوسرے کی قیمت کے عوض لے گا۔

تشریح:۔(۵۰)اگر کسی نے کوئی گھر سامان کے بدلے خرید لیا تو شفیع اسکو اس سامان کی قیمت کے عوض لیگا کیونکہ سامان ذوات القیم میں سے ہے۔(۵۱)اگر مشتری نے بعوض کیلی یا وزنی چیز خرید لیا تو شفیع اسکو اسکے مثل کے عوض خریدیگا کیونکہ یہ دونوں ذوات الامثال میں سے ہیں۔(۵۲)اگر زمین بعوض زمین خریدی تو اگر دونوں کا شفیع ایک ہے تو وہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کی قیمت کے عوض لیگا کیونکہ دوسرے کی قیمت اسکا بدل ہے۔

(۵۳)وَاِذَا بَلَغَ الشَّفِيعَ اَنَّهَا بِيعَتْ بِاَلفٍ فَسَلَّمَ الشُّفْعَةَ ثُمَّ عَلِمَ اَنَّهَا بِيعَتْ بِاَقَلَّ مِنْ ذالِكَ اَوْ بِحِنْطَةٍ او شَعِيرٍ قِيمَتُهَا اَلفٌ او اَكثرُ فَتَسلِيمُه بَاطِلٌ وَلَه الشُّفْعَةُ (۵۴)وَاِنْ بَانَ اَنَّهَا بِيعَتْ بِدَنانِيرَ قِيمَتُها اَلفٌ فلا شُفْعَةَ لَه۔

ترجمہ:۔ اور اگر شفیع کو خبر پہنچی کہ فلاں مکان ہزار میں فروخت ہوا تو اس نے شفعہ کا دعوی چھوڑ دیا پھر معلوم ہوا کہ وہ تو اس سے کم میں فروخت ہوا ہے یا اتنے گندم یا جو کے عوض فروخت ہوا ہے جن کی قیمت ہزار یا زیادہ ہے تو اس کا چھوڑنا باطل ہے اور اس کو حق شفعہ ہے اور اگر یہ ظاہر ہوا کہ وہ تو اتنے دنانیر کے عوض فروخت ہوا ہے جن کی قیمت ہزار درہم ہے تو اب اسے حق شفعہ نہیں۔

تشریح:۔(۵۳)اگر شفیع کو یہ خبر پہنچی کہ فلاں گھر (جس میں شفیع کو حق شفعہ حاصل ہے) ایک ہزار یا اس سے کم میں فروخت ہوا ہے یا اتنے گندم یا جو میں فروخت ہوا ہے جنکی قیمت ایک ہزار یا اس سے بھی زیادہ ہے تو شفیع نے ان تمام صورتوں میں شفعہ کا دعوی چھوڑ دیا مگر پھر پتہ چلا کہ یہ گھر مذکورہ بالا قیمتوں سے کم میں فروخت ہوا ہے تو شفیع کا ترک شفعہ باطل ہے بلکہ شفیع کو اب بھی حق شفعہ حاصل ہے کیونکہ اس نے پہلے کثرت ثمن کی وجہ سے چھوڑا تھا یا جس جنس کی خبر اس کو پہنچی تھی وہ جنس اس کے لئے متعذر تھی اب چونکہ اس کے خلاف ظاہر ہوا اسلئے اب اس کو حق شفعہ حاصل ہے۔

(۵۴)اگر مذکورہ بالاصورت میں بعد میں یہ معلوم ہوا کہ فلاں گھر اتنے دینار کے عوض فروخت ہوا ہے جنکی قیمت ایک ہزار دراہم ہے تو شفیع کیلئے حق شفعہ نہیں کیونکہ دینار اور دراہم حق ثمنیت میں ایک جنس ہیں۔

☆ ☆ ☆

(۵۵)وَاِذَا قِيلَ لَه اَنَّ الْمشتَرِى فُلانٌ فَسَلَّمَ الشَّفْعَةَ ثُم عَلِمَ اَنَّه غَيرُه فَلَه الشُّفْعَةُ (۵۶)ومَنْ اشْتَرى دَارَ الْغَيرِه فَهو الخَصْمُ فِي الشُّفْعَةِ اِلَّا اَنْ يُسَلِّمَهَا اِلَى الْمُوَكَّلِ۔

ترجمه:۔اور اگر شفیع سے کسی نے کہا کہ مشتری فلاں شخص ہے تو اس نے دعوی شفعہ چھوڑ دیا پھر معلوم ہوا کہ مشتری کوئی اور ہے تو اس کو حق شفعہ ہے اور اگر کسی نے دوسرے کے لئے مکان خریدا تو شفعہ میں مدعی علیہ یہی شخص ہوگا الا یہ کہ اگر اس نے مکان موکل کے حوالہ کر دیا (تو مدعی علیہ موکل ہوگا)۔

تشریح:۔(۵۵)اگر شفیع کو یہ خبر ملی کہ مکان کا خریدار فلاں (مثلاً) ہے تو اس نے شفعہ چھوڑ دیا پھر معلوم ہوا کہ خریدار تو کوئی اور ہے (مثلاً بکر ہے) تو شفیع کو اب بھی حق شفعہ حاصل ہے کیونکہ آدمی کو بعض لوگوں کی ہمسائیگی گوارا ہوتی ہے اور بعض کی ناگوار تو اول الذکر کیلئے شفعہ چھوڑنا دوسرے کیلئے چھوڑنے کو مستلزم نہیں۔

(۵۶)اگر کسی نے دوسرے کیلئے گھر خریدلیا تو شفعہ میں خصم (مدعی علیہ) خریدار ہی ہوگا کیونکہ عاقد خریدار ہے لہذا شفیع خریدار کو ثمن حوالہ کر کے گھر لے لیگا ہاں اگر خریدار نے گھر اپنے موکل کے حوالہ کر دیا تو پھر مدعی علیہ موکل ہوگا کیونکہ بعد از تسلیم خریدار کا قبضہ نہ رہا۔

(۵۷)وإذَا بَاعَ دَاراً اِلَّا مِقْدَارَ ذِرَاعٍ فِى طُوْلِ الحَدِّ الَّذِىْ يَلِىَ الشَّفِيعَ فلا شُفْعَةَ لَه (۵۸)وانْ اِبْتَاعَ مِنْهَا سَهْماً بِثَمنٍ ثُمّ اِبْتَاعَ بَقِيَّتَهَا فَالشُّفْعةُ لِلْجارِ فِى السَّهْمِ الْاَوَّلِ دُونَ الثَّانِى (۵۹)وَاِذَا اِبْتَاعَهَا بِثَمنٍ ثُمّ دَفَعَ اِلَيْه ثَوْباً عِوَضاً عَنْه فَالشُّفْعَةُ بِالثَّمَنِ دُوْنَ الثَّوْبِ۔

ترجمه:۔اور اگر کسی نے مکان فروخت کیا مگر ایک ہاتھ کی مقدار اس طول کی حد میں جو شفیع سے متصل ہے تو شفیع کے لئے حق شفعہ نہیں اور اگر کسی نے مکان کا ایک حصہ پہلے خرید لیا پھر باقی مکان بھی خرید لیا تو پڑوس کے لئے پہلے حصہ میں حق شفعہ ہے دوسرے میں نہیں اور اگر کسی مکان ثمن کے بدلے خرید لیا پھر بائع کو ثمن کے عوض کپڑا دیدیا تو شفعہ ثمن کے عوض ہوگا نہ کہ کپڑے کے عوض۔

تشریح:۔(۵۷)اگر کسی نے مکان فروخت کیا مگر شفیع کی متصل جانب میں بمقدار ایک ذراع چھوڑ دیا تو شفیع کیلئے حق شفعہ نہیں کیونکہ جس حصہ کی بیع ہوئی ہے اسکا شفیع پڑوس نہیں اور جس کا پڑوس ہے اسکی بیع نہیں ہوئی ہے۔

(۵۸)اگر مشتری نے گھر کا کچھ حصہ ثمن سے خریدا جسکی خبر شفیع کو ہوئی مگر اس نے شفعہ کا دعویٰ نہیں کیا پھر مشتری نے باقی ماندہ حصہ خرید لیا تو حصہ اول میں تو شفیع کیلئے حق شفعہ تھا مگر حصہ ثانی میں نہیں کیونکہ مشتری اول حصہ کے خریدنے سے بائع کا شریک ہوا اور حق شفعہ میں شریک پڑوس سے مقدم ہوتا ہے۔

(۵۹)اگر مشتری نے گھر بعوض ثمن خرید لیا پھر بائع کو بجائے ثمن مسمّٰی کے کپڑا دیدیا تو شفعہ ثمن مسمّٰی کے عوض ہوگا نہ کہ کپڑے کے عوض کیونکہ گھر کا عوض ثمن مسمّٰی ہی ہے کپڑا دینا تو دوسرا عقد ہے۔

☆ ☆ ☆

(۶۰)وَلاتُكْرَه الْحِيْلَةُ فِي إِسْقَاطِ الشُّفْعَةِ عِنْدَابِي يُوسُفَ رحمه الله وقالَ مُحمدٌ رحمه الله تُكْرَه۔

ترجمہ:۔اور شفعہ کوساقط کرنے کے لئے حیلہ کرناامام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک مکروہ نہیں اورامام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مکروہ ہے۔

تشریح:۔(۶۰)امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حق شفعہ کے ثبوت سے پہلے اسقاط شفعہ کیلئے حیلہ کرنا مکروہ نہیں کیونکہ ثبوت حق کے بعد حیلہ سے کسی کا حق دفع کرنے میں اسکا ضرر اوراس پرظلم ہے جبکہ ثبوت سے پہلے امکانِ ثبوت کوختم کرنا ظلم نہیں۔امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک مکروہ ہے کیونکہ شفعہ برائے دفع ضرر عن الشفیع مشروع ہوا ہے تو اگر حیلہ کی اجازت دیں تو شفیع سے ضرر دور نہیں کرسکیں گے (امام ابو یوسفؒ کا قول راجح ہے)۔

(۶۱)وَاِذَا بَنَى الْمُشْتَرِى اَو غَرَسَ ثُمَّ قُضِىَ لِلشَّفِيعِ بِالشُّفْعَةِ فهو بِالخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَهَا بِالثَّمنِ وقِيمَةِ البِنَاءِ وَالغَرسِ مَقْلُوعَيْنِ وإِنْ شاءَ كَلَّفَ المُشْتَرِى بِقَلْعِهِ۔

ترجمہ:۔اوراگرمشتری نے مشفوعہ زمین میں مکان بنالیایاباغ لگالیا پھرشفعہ کی وجہ سے اس زمین کافیصلہ شفیع کے حق میں ہواتو شفیع کواختیار ہے اگر چاہےتو اس زمین کوثمن اوراکھڑی ہوئی عمارت اور درختوں کی قیمت دیکرلے لےاوراگر چاہےتو مشتری کواکھڑوانے کامکلف بنائے۔

تشریح:۔(۶۱)اگرمشتری نے مشفوعہ زمین میں مکان بنالیایاباغ لگالیا پھرشفیع کے حق میں شفعہ کافیصلہ ہواتواب شفیع کواختیار ہے چاہےتو مشفوعہ زمین کاثمن اوراکھڑی ہوئی عمارت اور باغ کی قیمت دیکرلے لےاور چاہےتو مشتری کواپنی تعمیر وباغ کے اکھاڑنے کامکلف بنائے کیونکہ مشتری نے ایسے محل میں تعمیر کی ہے جسکے ساتھ غیر کامضبوط حق وابستہ ہےاور صاحب حق نے مشتری کوتعمیر کاحکم بھی نہیں دیا ہے۔

(۶۲)واِذَا اَخَذَهَا الشَّفِيعُ فَبَنى اَوغَرَسَ ثُمَّ اسْتُحِقَّتْ رَجَعَ بِالثَّمنِ (۶۳)ولا يَرْجِعُ بِقِيمةِ البِنَاءِ وَالغَرْسِ۔

ترجمہ:۔اوراگرشفیع نے مشفوعہ زمین لے لی اوراس میں مکان بنالیایاباغ لگالیا پھراس کاکوئی مستحق نکل آیاتو یہ ثمن کوواپس لے لیگا مکان اورباغ کی قیمت واپس نہیں لیگا۔

تشریح:۔(۶۲)اگرشفیع نے بحق شفعہ زمین لےکراسمیں مکان بنادیایاباغ لگادیاپھراس زمین کاکوئی مستحق نکل آیاتواگرشفیع نے بائع سے لیاہوتواس صورت میں شفیع بائع سے ثمن واپس لیگااوراگرمشتری سے لیاہوتواس صورت میں ثمن مشتری سے واپس لیگا۔(۶۳)تعمیر کی قیمت کسی سے نہیں لے سکتا ہے چونکہ شفیع کومبیع تسلیم نہ ہوئی اسلئے رجوع بثمن کاحقدار ہے۔باقی بناء کی قیمت کے لئے رجوع کااسلئے حقدار نہیں کہ رجوع تواس صورت میں کیاجاسکتا ہے جس میں اسکودھوکہ دیا گیاہوجبکہ اس صورت میں تومشتری یابائع کی طرف سے شفیع کودھوکہ نہیں دیاگیاہے بلکہ شفعہ کادعوٰی کرکے انکوزمین دینے پرمجبورکیاتھا۔

☆ ☆ ☆

(۶۴)وَاِذَا انْهَدَمَتِ الدَّارُ اَوْ اِحْتَرَقَتْ بِنَاؤُهَا او جَفَّ شَجَرُ الْبُسْتَانِ بِغَيرِ عَمَلِ اَحَدٍ فَالشَّفِيعُ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَهَا بِجَمِيعِ الثَّمَنِ وَاِنْ شَاءَ تَرَكَ (۶۵)وَاِنْ نَقَضَ الْمُشْتَرِي الْبِنَاءَ قِيلَ لِلشَّفِيعِ اِنْ شِئْتَ فَخُذِ الْعَرْصَةَ بِحِصَّتِهَا وَاِنْ شِئْتَ فَدَعْ وَلَيسَ لَه اَنْ يَاْخُذَ النَّقْضَ۔

ترجمہ:۔اور اگر مکان منہدم ہو گیا یا اس کی عمارت جل گئی یا باغ کے درخت خشک ہو گئے بغیر کسی کے عمل کے تو شفیع کو اختیار ہے چاہے تو اس زمین کو کل ثمن کے عوض لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے اور اگر مشتری نے مکان خود گرا دیا تو اب شفیع سے کہا جائیگا کہ اگر چاہو تو اس میدان کو اس کے حصہ کی قیمت دے کر لے لے اور اگر چاہو تو چھوڑ دو اور اس کو اختیار نہیں کہ ملبہ لے لے۔

تشریح:۔(۶۴)اگر مشتری کے قبضہ میں مشفوع مکان منہدم ہو گیا یا اسکی تعمیر جل گئی اور یا باغ تھا اسکی درختیں خشک ہو گئیں بشرطیکہ یہ آفت سماوی سے ہو کسی کے فعل سے نہ ہو تو شفیع کو اختیار ہے چاہے تو پورا ثمن ادا کر کے مکان لے لے کیونکہ تعمیر اور درخت تابع ہیں جن کے مقابلے میں ثمن نہیں آتا لہذا انکی کمی بیشی سے ثمن میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔اور چاہے تو چھوڑ دے کیونکہ شفیع کو حق ہے کہ وہ بعوض مال گھر کے مالک بننے سے رک جائے۔

(۶۵)اگر عمارت مشتری نے توڑ دیا تو شفیع سے بقدر عمارت قیمت ساقط ہو جائیگی اور شفیع اگر چاہے خالی زمین اسکے حصہ کے بقدر ثمن سے لے لے اور چاہے تو بالکل چھوڑ دے کیونکہ تعمیر وغیرہ اب باتلاف مشتری مقصود ہوا اسلئے اسکے مقابلے میں اب ثمن آجائیگا اور شفیع کو ملبہ لینے کا حق نہیں کیونکہ ملبہ جدا ہو کر تابع نہیں رہی۔

(۶۶)وَمَن ابْتَاعَ اَرْضاً وَعلى نَخْلِهَا ثَمَرٌ اَخَذَهَا الشَّفِيعُ بِثَمَرِهَا(۶۷)فان جَذَّه الْمُشْتَرِي سَقَطَ عن الشَّفِيعِ حِصَّتُهُ۔

ترجمہ:۔اور جس نے زمین خریدی اور اس کے درختوں پر پھل ہے تو شفیع اس کو اس کے پھل کے ساتھ لے لے اور اگر مشتری نے پھل توڑ لیا ہے تو شفیع سے اس کے بقدر قیمت ساقط ہو جائیگی۔

تشریح:۔(۶۶)اگر کسی نے ایسی زمین خریدی جسکے درختوں پر پھل ہو اور بوقت بیع پھل لینے کا ذکر بھی کیا تو شفیع اسکو مع پھل کے لیگا (۶۷)اور اگر پھل مشتری نے توڑ دیا تو شفیع سے بقدر پھل قیمت ساقط ہو جائیگی کیونکہ بیع میں پھل کا ذکر کر لینے سے پھل مقصود ابیع میں داخل ہو گیا ہے لہذا اسکے مقابلے میں ثمن بھی ہوگا۔

(۶۸)وَاِذَا قَضَى القَاضِي لِلشَّفِيعِ بِالدَّارِ وَلَم يَكُنْ رَآهَا فَلَه خِيَارُ الرُّؤْيَةِ فَاِنْ وَجَدَ بِهَا عَيباً فَلَه اَنْ يَرُدَّهَا بِه وَاِنْ كَانَ الْمُشْتَرِي شَرَطَ الْبَرَاءَةَ مِنْهُ۔

ترجمہ:۔اور اگر شفیع کے حق میں قاضی نے مکان کا فیصلہ دیا اور حال یہ ہے کہ شفیع نے اس مکان کو دیکھا نہیں ہے تو اسے خیار رؤیت حاصل ہوگا پس اگر اس میں کوئی عیب پایا تو اسے اس کو اس عیب کی وجہ رد کرنے کا اختیار ہے اگرچہ مشتری نے اس سے بری ہونے کی شرط لگا دی ہو۔

تشریح :۔(۶۸) اگر قاضی نے شفیع کے حق میں مکان کا فیصلہ تو کر لیا مگر شفیع نے مشفوع مکان دیکھا نہیں تھا تو شفیع کو خیار رؤیت حاصل ہے۔ اسی طرح اگر مکان میں کوئی عیب پایا گیا تو شفیع بوجہ عیب یہ مکان رد کر سکتا ہے کیونکہ شفیع بمنزلہ مشتری کے ہے تو جس طرح کہ مشتری کو خیار رؤیت اور خیار عیب حاصل ہوتے ہیں اسی طرح شفیع کو بھی حاصل ہونگے۔ (یہ مسئلہ اسی باب میں گذر چکا ہے یہاں مقصود صرف آخری حصہ یعنی وان کان المشتری شرط البراءۃ منہ کو بیان کرنا ہے مگر چونکہ یہ حصہ ماقبل مضمون پر مرتب ہے اس لئے اس کو دوبارہ بیان کیا) اور اگر مشتری نے بائع کو ہر عیب سے بری کر دیا ہو تو شفیع کا یہ حق ساقط نہ ہوگا کیونکہ مشتری شفیع کا نائب نہیں لہذا حق شفیع کو ساقط نہیں کر سکتا۔

(۶۹) وَاِذَا ابْتَاعَ بِثَمَنٍ مُؤَجَّلٍ فَالشَّفِيعُ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَهَا بِثَمَنٍ حَالٍ وَاِنْ شَاءَ صَبَرَ حَتّٰى يَنْقَضِيَ الْاَجَلُ ثُمَّ يَاْخُذُهَا (۷۰) وَاِذَا اقْتَسَمَ الشُّرَكَاءُ الْعِقَارَ فَلَا شُفْعَةَ لِجَارِهِمْ بِالْقِسْمَةِ۔

ترجمہ:۔اور اگر مشتری نے کوئی مکان ادھار خریدا تو شفیع کو اختیار ہے اگر چاہے تو نقد ثمن دیکر اسے ابھی لے لے اور اگر چاہے تو صبر کرلے یہاں تک کہ مدت ختم ہو جائے پھر لے لے اور اگر چند شریکوں نے زمین کو تقسیم کرلی تو اس تقسیم کی وجہ پڑوسی کے لئے حق شفعہ نہیں۔

تشریح :۔(۶۹) اگر مشتری نے مکان بائع سے ثمن مؤجل (ادھار) کے ساتھ خرید لیا تو شفیع کو اختیار ہے چاہے تو نقد ثمن سے خرید لے اور چاہے تو اس میعاد کے گذرنے کا انتظار کرے جس کی بائع نے مشتری کو مہلت دی ہے جب یہ میعاد گذر جائے تب لے لے مگر مشتری کی طرح ثمن مؤجل کے ساتھ نہیں لے سکتا کیونکہ اگر بائع مشتری کو مہلت دینے پر راضی ہے تو یہ مستلزم نہیں کہ شفیع کو مہلت دینے پر بھی راضی ہو کیونکہ لوگ معاملات میں متفاوت ہیں۔ (۷۰) اگر کسی زمین میں چند افراد شریک ہوں پھر انہوں نے آپس میں یہ زمین تقسیم کر لی تو اس تقسیم کی وجہ سے انکے پڑوس کیلئے حق شفعہ نہیں کیونکہ تقسیم مبادلۃ المال بالمال نہیں۔

(۷۱) وَاِذَا اشْتَرٰى دَارًا فَسَلَّمَ الشَّفِيعُ الشُّفْعَةَ ثُمَّ رَدَّهَا الْمُشْتَرِي بِخِيَارِ رُؤْيَةٍ اَوْ شَرْطٍ اَوْ بِعَيْبٍ بِقَضَاءِ قَاضٍ فَلَا شُفْعَةَ لِلشَّفِيعِ (۷۲) وَاِنْ رَدَّهَا بِغَيْرِ قَضَاءِ قَاضٍ اَوْ تَقَايَلَا فَلِلشَّفِيعِ الشُّفْعَةُ۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی نے کوئی مکان خرید لیا اور شفیع نے شفعہ چھوڑ دیا پھر مشتری نے خیار شرط یا خیار رؤیت یا خیار عیب کی وجہ سے قاضی کے حکم سے واپس کر دیا تو اب اس میں شفیع کے لئے حق شفعہ نہیں اور اگر مشتری نے اسے قاضی کے حکم کے بغیر واپس کر دیا یا دونوں نے آپس میں اقالہ کر دیا تو اب شفیع کے لئے حق شفعہ ہے۔

تشریح :۔(۷۱) اگر کسی نے کوئی مکان خرید لیا اور شفیع نے شفعہ چھوڑ کر دعویٰ نہیں کیا پھر مشتری نے خیار رؤیت یا خیار شرط یا خیار عیب کی وجہ سے بحکم قاضی مکان واپس کیا تو یہ چونکہ من کل الوجوہ فسخ ہے عقد جدید نہیں لہذا اب شفیع کیلئے حق شفعہ نہیں۔ (۷۲) اگر مشتری نے بغیر قضاء قاضی کے مبیع واپس کیا اور یا بائع و مشتری نے آپس میں اقالہ کیا تو شفیع کو اب حق شفعہ حاصل ہے کیونکہ یہ بائع و مشتری کے حق میں تو فسخ بیع ہے اور کسی تیسرے کے حق میں بیع جدید ہے پس شفیع کے حق میں بیع جدید ہونے کی وجہ سے شفیع کو حق شفعہ حاصل ہے۔

كتاب الشركة

یہ کتاب شرکت کے بیان میں ہے۔

ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ شفعہ کے بعض مسائل چونکہ شرکت سے متعلق تھے اسلئے شفعہ کے بعد شرکت کے مسائل بیان فرمائے ہیں۔

شرکت لغت میں دو یا زیادہ حصوں کو اس طرح ملانا کہ ان میں امتیاز نہ رہے۔ مجازاً عقد شرکت کو بھی شرکت کہتے ہیں اور شرعاً اس عقد کو کہتے ہیں جس میں متشارکین کا اشتراک رأس المال اور منفعت دونوں میں ہو۔

جوازِ شرکت ادلۂ اربعہ سے ثابت ہے" اَمّا الكتاب فقوله تعالیٰ ﴿فهم شركاء في الثلث﴾ واما السنة فكما في سنن ابي داؤد وابن ماجة والحاكم عن السائب انه قال كان رسول الله ﷺ شريكي في الجاهلية "اور جوازِ شرکت پر ائمہ کا اجماع ہے اور قیاس سے یوں ثابت ہے کہ شرکت رزق طلب کرنے کا راستہ ہے اور رزق طلب کرنا مشروع عمل ہے۔

(۱) اَلشَّرِكَةُ عَلٰى ضَرْبَيْنِ شِرْكَةُ اَمْلَاكٍ وَشِرْكَةُ عُقُوْدٍ فَشِرْكَةُ الْاَمْلَاكِ الْعَيْنُ يَرِثُهَا رَجُلَانِ او يَشْتَرِيَانِهَا (۲) فلا يَجُوْزُ لِاَحَدِهِمَا اَنْ يَتَصَرَّفَ فِي نَصِيْبِ الْآخَرِ اِلَّا بِاِذْنِهِ وكُلّ واحِدٍ مِنْهُمَا فِي نَصِيْبِ صاحِبِه كَالْاَجْنَبِيِّ۔

ترجمہ:۔ شرکت دو قسم پر ہے شرکتِ املاک اور شرکتِ عقود، اور شرکت املاک یہ ہے کہ ایک چیز کے دو شخص وارث ہو جائیں یا دونوں ملکر اس کو خرید یں پس جائز نہیں کسی ایک کے لئے کہ دوسرے کے حصہ میں تصرف کرے الا یہ کہ وہ اجازت دے اور ہر ایک ان دو میں سے دوسرے کے حصہ میں اجنبی کی طرح ہے۔

تشریح:۔ (۱) شرکت دو قسم پر ہے۔/ **نمبر ۱**۔ شرکت املاک۔/ **نمبر ۲**۔ شرکت عقود۔ پھر شرکت املاک یہ ہے کہ ایک چیز کو دو آدمی میراث میں پائے اور یا دونوں ملکر خرید لیں۔ یا دونوں کیلئے کوئی کسی چیز کا ہبہ کرلے اور یہ دونوں اسکو قبول کرلے یا دونوں کا مال اس طرح مل جائے کہ امتیاز نہ رہے۔ (۲) اس قسم کا حکم یہ ہے کہ شریکین میں سے کوئی بھی دوسرے کی اجازت کے بغیر دوسرے کے حصہ میں تصرف نہیں کرسکتا اور ہر ایک دوسرے کے حصہ میں اجنبی ہوتا ہے۔

(۳) وَالضَّرْبُ الثَّانِيْ شِرْكَةُ الْعُقُوْدِ وهي عَلٰى اَرْبَعَةِ اَوْجُهٍ مُفَاوَضَةٌ وعَنَانٌ وَشِرْكَةُ الصَّنَائِعِ وَشِرْكَةُ الْوُجُوْهِ فَاَمَّا شِرْكَةُ الْمُفَاوَضَةِ فَهِيَ اَنْ يَشْتَرِطَ الرَّجُلَانِ فَيَتَسَاوِيَانِ فِيْ مَالِهِمَا وَتَصَرُّفِهِمَا وَدِيْنِهِمَا فَيَجُوْزُ بَيْنَ الْحُرَّيْنِ الْمُسْلِمَيْنِ الْبَالِغَيْنِ الْعَاقِلَيْنِ (۴) ولا يَجُوْزُ بَيْنَ الْحُرِّ وَالْمَمْلُوْكِ ولا بَيْنَ الصَّبِيِّ وَالْبَالِغِ ولا بَيْنَ الْمُسْلِمِ والكافِرِ

ترجمہ:۔ اور دوسری قسم شرکت عقود ہے اور وہ چار قسم پر ہے، شرکت مفاوضہ، شرکتِ عنان، شرکتِ صنائع اور شرکت وجوہ۔ بہر حال شرکت مفاوضہ یہ ہے کہ دو آدمی آپس میں یہ شرط کرلیں کہ مال میں، تصرف میں اور دین میں برابر رہوں پس یہ شرکت ایسے دو آدمیوں میں جائز ہے کہ دونوں آزاد ہوں، مسلمان ہوں، بالغ ہوں، عاقل ہوں، اور جائز نہیں حر اور مملوک کے درمیان میں اور نہ بچے اور بالغ کے

درمیان میں اور نہ مسلمان اور کافر کے درمیان میں۔

تشــریح :۔(۳)شرکت کی دوسری قسم شرکت عقود ہے۔شرکت عقود وہ ہے جو بسبب عقد حاصل ہوئی ہو۔ پھر شرکت عقود چار قسم پر ہے ،شرکت مفاوضہ،شرکت عنان (بکسر العین وفتحھا)،شرکت وجوہ،شرکت صنائع۔

مفاوضہ تفویض سے ہے بمعنی مساوات فی کل شیٔ اور اصطلاح میں شرکت مفاوضہ یہ ہے کہ دونوں شریک مال میں تصرف میں اور دین میں برابر ہوں لہذا دو حر، مسلمان، بالغ اور عاقل آدمیوں کے درمیان صحیح ہوگی کیونکہ مذکورہ صفات والوں میں مساوات متحقق ہے۔

(۴) مذکورہ شرکت آزاد و غلام میں جائز نہیں اور بچے و بالغ میں جائز نہیں کیونکہ حر تصرف اور کفالہ (کسی کا ضامن ہونا) دونوں کا مالک ہے اور غلام اجازت مولیٰ کے بغیر دونوں میں سے ایک کا بھی مالک نہیں لہذا تصرف میں مساوات کے فقدان کی وجہ سے ان میں شرکت مفاوضہ صحیح نہیں۔اسی طرح بچہ بھی ہے کہ کفالہ کا تو مطلقاً مالک نہیں اور تصرف کا ولی کی اجازت کے بغیر مالک نہیں لہذا فقدان مساوات کی وجہ سے بچے اور عاقل بالغ میں بھی شرکت مفاوضہ صحیح نہیں۔طرفین کے نزدیک مسلمان و کافر میں بھی شرکت مفاوضہ صحیح نہیں کیونکہ ذمی بعض ایسے تصرفات کا مالک ہے جنکا مسلمان مالک نہیں (جیسے تصرف فی الخمر والخنزیر) لہذا مساوات نہیں البتہ امام یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک صحیح ہے کیونکہ کفالت و وکالت میں دونوں مساوی ہیں اس سے زائد کا اعتبار نہیں۔

(۵)وَتَنعقِدُ عَلى الوَكالَةِ وَالْكفالَةِ (٦)ومايَشْتَرِيه كُلّ وَاحِدٍ مِنْهُما يكونُ عَلى الشَّرْكَةِ اِلّاطَعَامَ اَهْلِه وَكِسْوَتَهُمْ (۷)وما يَلْزَمُ كلُ واحدٍ مِنَ الدّيُون بَدَلًاعَمّا يَصِحُّ فيه الْاِشتراكُ فَالآخَرُ ضَامِنٌ لَه۔

ترجمہ:۔اور شرکت مفاوضہ منعقد ہوتی ہے وکالت اور کفالت پر اور جو کچھ ہر ایک ان دونوں میں سے خریدیگا تو وہ شرکت پر ہوگی سوائے اپنے بال بچوں کے کھانے اور کپڑوں کے اور ان میں سے ہر ایک پر ایسی چیز کے بدلے قرض ہوگا کہ اس میں شرکت درست ہوتی ہے تو دوسرا اس کا ضامن ہوگا۔

تشــریح :۔(۵)شرکت مفاوضہ منعقد ہوتی ہے وکالت اور کفالت پر یعنی ہر ایک شریکین میں سے دوسرے کا وکیل اور ہر ایک دوسرے کا کفیل ہوگا۔(٦)اور متفاوضین میں سے جو بھی کوئی چیز خریدیگا وہ دونوں میں مشترک ہوگی کیونکہ شرکت مفاوضہ کا مقتضیٰ مساوات ہے البتہ وہ چیزیں جو حاجات راتبہ (دائمی ضروریات) میں سے ہوں تو وہ مستثنیٰ ہیں مثلاً بال بچوں کے طعام اور کپڑے اور دیگر ضروری اشیاء ۔کیونکہ دائمی ضروریات معلومۃ الوقوع ہیں جن کو نہ شریک ثانی پر واجب کیا جاسکتا ہے اور نہ شریک ثانی کے مال سے ثمن دیا جاسکتا ہے لہذا ان کے ساتھ مشتری ہی مختص ہوگا۔

(۷) متفاوضین میں سے اگر کسی ایک پر ایسی چیز کے بدلے میں قرضہ لازم ہو جائے جس میں شرکت صحیح ہو مثلاً بیع وشراء، استیجار واستقراض کے بدلے میں تو دوسرا اسکا ضامن ہوگا تا کہ مساوات متحقق ہو۔

☆ ☆ ☆

(۸)فَاِنْ وَرِثَ اَحَدُهما مَا تَصِحُ فِيهِ الشَّرْكَةُ اَوْ وُهِبَ له وَوَصَلَ اِلیٰ يَدِه بَطَلَتِ المُفَاوَضَةُ وَصَارَتِ الشَّرْكَةُ عِنَاناً۔

ترجمہ:۔اور اگران میں سے کوئی ایسی چیز کا وارث ہوگیا جس میں شرکت صحیح ہو یا کسی ایک کے لئے کوئی چیز ہبہ کی گئی اور وہ چیز اس کے ہاتھ آ گئی ہو تو شرکت مفاوضہ باطل ہو جائیگی اور شرکت عنان ہو جائیگی۔

تشریح:۔(۸) اگر متفاوضین میں سے کوئی ایک ایسی چیز کا وارث ہوگیا جس میں شرکت صحیح ہو یا کسی ایک کے لئے کوئی چیز ہبہ کی گئی اور وہ چیز اس کے ہاتھ آ گئی تو شرکت مفاوضہ باطل ہو جائیگی کیونکہ مفاوضہ میں مساوات ابتداءً بھی ضروری ہے اور بقاءً بھی جبکہ مذکورہ صورت میں مساوات بقاءً باقی نہیں رہے گی اور اب یہ شرکت عنان ہو جائیگی کیونکہ عنان میں مساوات شرط نہیں۔

(۹)وَلاتَنعَقِدُ الشَّرِكَةُ اِلَّا بِالدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ وَالفُلُوسِ النَّافِقَةِ ولا يَجوزُ فِيمَا سِوى ذَالِكَ(۱۰) اِلَّا اَنْ يَتَعَامَلَ النَّاسُ به كَالتِّبْرِ والنُّقْرَةِ فَتَصِحَ الشَّرْكَةُ بِهِما۔

ترجمہ:۔اور شرکت منعقد نہیں ہوتی مگر دراہم اور دنانیر اور رائج پیسوں سے اور ان کے سوا میں جائز نہیں الا یہ کہ لوگ اس کے ساتھ معاملہ کرنے لگیں جیسے سونے چاندی کے ٹکڑے پس ان سے بھی شرکت صحیح ہو جائیگی۔

تشریح:۔(۹) دراہم و دنانیر اور رائج الوقت پیسوں کے علاوہ میں شرکت جائز نہیں۔(۱۰) البتہ اگر لوگ ان کے علاوہ سے معاملہ کرنے لگیں تو پھر جائز ہے جیسے سونے چاندی کے ٹکڑے کہ ان سے بھی شرکت صحیح ہو جائیگی۔ان کے علاوہ عروض، مکیلی اور موزونی اشیاء اور زمین میں شرکت صحیح نہیں یعنی یہ چیزیں شرکت کے لئے رأس المال نہیں بن سکتیں کیونکہ یہ رِبحُ مَالَمْ يَضْمَنْ (یعنی کمائی ایسی شی کی جسکا آپ ضامن نہیں) کو مفضی ہوتی ہیں اور ربح مالم یضمن سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ربح مالم یضمن کو مذکورہ اشیاء کے مفضی ہونے کی صورت یوں ہے کہ شریکین میں سے ایک نے اپنی شرکت کے عروض بعوض ہزار فروخت کر دیا اور دوسرے نے پندرہ سو کے عوض فروخت کر دیا اور عقد کا مقتضی کل میں شرکت ہے تو صاحب ہزار جو ہزار سے زائد پانچ سو سے اپنا حصہ لیگا تو وہ ربح مالم یضمن ہے (یعنی ایسی شی کی کمائی ہے جسکا آپ ضامن نہیں)۔

(۱۱)وَاِنْ اَرَادَ الشَّرْكَةَ بِالعُرُوضِ بَاعَ كُلّ وَاحِدٍمنْهُما نِصْفَ مالِه بِنِصْفِ مالِ الآخَرِ ثُمّ عَقَدَ الشَّرْكَةَ۔

ترجمہ:۔اور اگر عروض اور اسباب کے ساتھ شرکت کرنے کا ارادہ کریں تو ان میں سے ہر ایک اپنے نصف مال کو دوسرے کے نصف مال کے عوض فروخت کر دے پھر عقد شرکت کر دیں۔

تشریح:۔(۱۱) دراہم و دنانیر کے علاوہ عروض اور حیوان وغیرہ میں شرکت مفاوضہ صحیح نہیں لیکن اگر کوئی ان میں شرکت مفاوضہ کرنا چاہئے تو اسکی صورت یہ ہے کہ شریکین میں سے ہر ایک اپنے مال کا غیر معین نصف حصہ دوسرے کے مال کے غیر معین نصف حصہ کے عوض فروخت کر دے اب دونوں شریک ہو جائے کیونکہ اب وہ دونوں عقد بیع کے ذریعہ قیمت میں شریک ہو گئے لیکن یہ شرکت شرکت املاک ہے پھر اسکے بعد شرکت عقد کا عقد کر لیں تاکہ ہر ایک دوسرے کا وکیل وکفیل ہو تو یہ شرکت مفاوضہ ہو جائیگی۔

(۱۲)وَاَمَّاشِرْكَةُ العَنَانِ فَتَنْعَقِدُ عَلى الْوَكَالَةِ دُوْنَ الكَفَالَةِ (۱۳)وَيَصِحُّ التَفَاضُلُ فِى الْمَالِ وَيَصِحُّ اَنْ يَتَسَاوِيَا فِى المَالِ وَيَتَفَاضَلَافِى الرِّبْحِ (۱٤)ويجوزُ اَنْ يَعْقِدَهَا كُلّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِبَعْضِ مَالِه دُوْنَ بَعْضٍ (۱۵)ولاتَصِحُّ اِلّا بِمَا بَيَّنَّا اَنَّ الْمُفَاوَضَةَ تَصِحُّ بِه۔

ترجمه:۔ بہرحال شرکت عنان تو وکالت پر منعقد ہوتی ہے کفالت پر نہیں اور شرکت عنان میں تفاضل فی المال صحیح ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ مال میں دونوں برابر ہوں اور نفع میں کم وزیادہ ہوں اور یہ بھی جائز ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے بعض مال سے عقد شرکت کر دے اور بعض سے نہ کرے اور صحیح نہیں مگر اسی مال سے جس سے شرکت مفاوضہ صحیح ہوتی ہے جو ہم نے بیان کر دیا۔

تشریح:۔(۱۲)شرکت عنان یہ ہے کہ دو یا زیادہ افراد آپس میں عقد شرکت کرے اور رأس المال ومنفعت میں مساوات کی شرط نہ لگائے۔شرکت عنان وکالت پر منعقد ہوتی ہے کفالت پر نہیں یعنی شریکین میں سے ہر ایک دوسرے کا وکیل ہوگا کفیل نہ ہوگا کیونکہ وکالت ضروریات تصرف میں سے ہے اور کفالت ضروریات تصرف میں سے نہیں۔(۱۳)شرکت عنان میں یہ صحیح ہے کہ مال ایک کا زیادہ دوسرے کا کم ہو اور ربح میں مساوی ہو اور اسکا عکس بھی صحیح ہے کیونکہ ربح کا استحقاق جس طرح کہ مال کے ذریعہ سے ہوتا ہے عمل کے ذریعہ سے بھی ہوتا ہے کیونکہ شریکین میں سے کبھی کوئی ایک زیادہ چالاک اور قوی ہوتا ہے جو مساوات منافع پر راضی نہیں ہوتا لہذا تفاضل فی الربح کی ضرورت ہے اسلئے تفاضل فی الربح جائز ہے۔

(۱٤)یہ بھی جائز ہے کہ شریکین میں سے ہر ایک اپنے بعض مال کے ساتھ عقد شرکت کرلے اور بعض کے ساتھ نہ کرے کیونکہ شرکت عنان میں مساوات فی المال شرط نہیں۔(۱۵)شرکت عنان بھی صرف ان ہی چیزوں میں (یعنی اثمان میں) صحیح ہے جن میں شرکت مفاوضہ صحیح ہے جو ہم نے شرکت مفاوضہ میں بیان کر دیا۔

(۱٦)وَيَجُوْزُ اَنْ يَشْتَرِكَا وَمِنْ جِهَةِ اَحَدِهِمَادَنَانِيْرُ ومِنْ جِهَتِ الآخَرِ دَرَاهِمُ (۱۷)ومَا اِشْتَرَاه كُلّ وَاحِدٍ مِنْهُمَالِلشَّرِكَةِ طُوْلِبَ بِثَمنِه دُوْنَ الآخَرِ(۱۸)ويَرْجِعُ عَلى شَرِيْكِه بِحِصَّتِه مِنْه۔

ترجمه:۔اور یہ جائز ہے کہ دونوں شریکوں میں سے ایک کی جانب سے دنانیر ہوں اور دوسرے کی طرف سے دراہم ہوں اور دونوں میں سے کوئی بھی جو چیز شرکت کے لئے خریدیگا تو ثمن کا اسی سے مطالبہ کیا جائیگا دوسرے سے نہیں اور یہ اپنے شریک سے اس کے حصہ کے بقدر رجوع کریگا۔

تشریح:۔(۱٦)شرکت عنان میں یہ بھی جائز ہے کہ شریکین میں سے ایک کی جانب سے دنانیر ہوں اور دوسرے کی جانب سے دراہم ہوں کیونکہ دراہم ودنانیر بہت سے احکام میں جنس واحد کے درجے میں ہیں یہی وجہ ہے کہ باب زکوۃ میں بعض دوسرے بعض کے ساتھ ضم کیا جاتا ہے۔(۱۷)شرکت عنان میں شریکین میں سے جو کوئی بھی کچھ خریدیگا ثمن کا مطالبہ اسی سے ہوگا نہ کہ دوسرے سے کیونکہ شرکت عنان وکالت کو تو متضمن ہے مگر کفالت کو متضمن نہیں۔(۱۸)ہاں اپنے شریک سے بقدر حصہ واپس لیگا اگر اس نے اپنے مال سے ادا کیا ہو۔

(۱۹) واذا هلک مالُ الشرکةِ او احدُ المالَین قبلَ ان یشتریا شیئاً بطلتِ الشرکةُ (۲۰) وَانِ اشتری احدُهما بمالِه شیئاً وھلکَ مالُ الآخرِ قبلَ الشراءِ فالمُشتری بینهما علی ما شرطا ویرجعُ علی شریکِه بحصّتِه مِن ثمنِه (۲۱) وتجوزُ الشرکةُ وَاِن لم یخلِطَا المالَ۔

ترجمہ:۔اور اگر مال شرکت یا شریکین میں سے کسی ایک کا مال کسی چیز کو خریدنے سے پہلے ہلاک ہوگیا تو شرکت باطل ہوجائیگی اور اگر ایک نے اپنے مال سے کوئی چیز خرید لی اور دوسرے کا مال کوئی چیز خریدنے سے پہلے ہلاک ہوا تو خریدی ہوئی چیز دونوں کے درمیان شرط کے مطابق مشترک ہوگی اور خریدنے والا اپنے شریک سے رجوع کریگا اس کے حصہ کے بقدر خریدی ہوئی چیز کے ثمن میں سے اور شرکت جائز ہے اگر چہ دونوں نے مال نہ ملایا ہو۔

تشریح:۔(۱۹) اگر شرکت عنان میں کوئی چیز خریدنے سے پہلے کل مال ہلاک ہوجائے اور یا احد المالین ہلاک ہوجائے تو شرکت باطل ہوجائیگی کیونکہ عقد شرکت میں معقود علیہ مال ہے اور ہلاکتِ معقود علیہ سے عقد باطل ہوجاتا ہے جیسے بیع میں۔اور ہلاکتِ احد المالین کی صورت میں اسلئے باطل ہوگی کہ جس شریک کا مال ہلاک نہیں ہوا وہ دوسرے کو اپنے مال میں شریک کرنے پر راضی نہیں ہوتا جب تک کہ خود یہ دوسرے کے مال میں شریک نہ ہو۔

(۲۰) انعقاد شرکت کے بعد ایک نے اپنے مال سے کوئی چیز خرید لی پھر شریک آخر کا مال کوئی چیز خریدنے سے پہلے ہلاک ہوا تو خریدی ہوئی چیز دونوں میں شرط کے مطابق مشترک ہوگی کیونکہ بوقت خرید شرکت قائم تھی تو ملک مشترک واقع ہوئی ہے۔ہاں مشتری اپنے شریک سے بقدر اس کے حصہ کے ثمن لے لیگا کیونکہ دوسرے شریک کا حصہ اس نے وکیل بن کر خریدا تھا اور ثمن اپنے مال سے دیا تھا۔

(۲۱) اگر شریکین مال نہ ملائے تب بھی شرکت صحیح ہے کیونکہ شرکت منسوب الی العقد ہے الی المال نہیں (لہذا عقد شرط ہے) البتہ عقد کے بعد خلط (مال ملانے سے) سے پہلے ہلاک شدہ مال صاحب مال کا شمار ہوگا شرکت کا نہیں۔

(۲۲) ولاتَصِحّ الشرکةُ اِذا شرطا لِاَحدِهما دَراهم مُسمّاةً مِنَ الرِّبحِ۔

ترجمہ:۔اور شرکت کی یہ صورت درست نہیں کہ شریکین میں سے کسی ایک کے لئے منافع میں سے کچھ متعین دراہم شرط کرلیں۔

تشریح:۔(۲۲) اگر شریکین میں سے کسی ایک کیلئے معین درہموں کی شرط کرلیجائے تو یہ شرکت صحیح نہیں (مثلاً ایک شریک نے کہا کہ منافع میں سے دس درہم میرے ہونگے باقی جو بچ گئے وہ آپس میں تقسیم کردینگے) کیونکہ شرکت منافع میں اشتراک کا مقتضی ہے اور اسکی شرط اشتراک کو ختم کردیتی ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ نفع صرف دس درہم ہی ہو۔

(۲۳)وَلِكُلِّ واحِدٍ مِنَ المُفَاوِضَيْنِ وَشَرِيْكَيِ العَنَانِ اَنْ يَبْضَعَ المالَ (۲٤)وَيَدْفَعَه مُضَارَبَةً (۲۵)وَيُوَكِّلَ مَنْ يَتَصَرَّفُ فِيهِ (۲٦)وَيَرْهَنَ وَيَسْتَرْهَنَ (۲۷)وَيَسْتَاجِرَ الْاَجْنَبِيَّ عَلَيه (۲۸)وَيَبِيْعَ بِالنَّقْدِ وَالنَّسِيْئَةِ (۲۹)وَيَدُه فِي المالِ يَدُ اَمَانَةٍ۔

ترجمہ:۔اور شرکت مفاوضہ اور شرکت عنان کے ہر ایک شریک کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ کسی کو مال بطور بضاعت یا بطور مضاربت دیدے یا کسی کو مال شرکت میں تصرف کرنے کا وکیل بنائے یا مال شرکت کسی کے پاس رہن رکھدے یا مال شرکت کے بدلے کسی سے رہن رکھے یا مال شرکت کی حفاظت کے لئے کسی کو نوکر رکھے یا مال شرکت نقد فروخت کردے یا ادھار فروخت کردے اور مال شرکت میں شریک کا قبضہ قبضہ امانت ہوگا۔

تشریح:۔(۲۳)شرکت مفاوضہ وعنان کے ہر ایک شریک کیلئے یہ جائز ہے کہ وہ کسی کو مال بطور بضاعت (کسی کو مال دیدے تاکہ وہ اسکو فروخت کرے اور اس مال کے ثمن ومنافع صاحب مال کو واپس کردے) دیدے۔(۲٤)یا بطور مضاربت (وہ عقد شرکت فی الربح ہے جس میں ایک کی جانب سے مال ہو اور دوسرے کی جانب سے عمل ہو) دیدے۔(۲۵)یا کسی کو مال شرکت میں تصرف کرنے کا وکیل بنائے (۲٦)یا مال شرکت کو کسی کے پاس رہن رکھدے یا مال شرکت کے بدلے کسی سے رہن رکھدے۔(۲۷)یا مال شرکت کی حفاظت کیلئے کسی کو نوکر رکھے (۲۸)یا مال شرکت کو نقد فروخت کردے یا ادھار فروخت کردے یہ سب امور اگر شریک آخر کی اجازت سے ہو تو جائز ہیں کیونکہ یہ تجار کی عادات میں سے ہیں۔(۲۹)مال شرکت میں شریک کا قبضہ قبضہ امانت ہوگا لہذا اگر بغیر تعدی ہلاک ہوا تو شریک ضامن نہ ہوگا۔

(۳۰)وَاَمَّا شِرْكَةُ الصَّنَائِعِ فَالخَيَّاطَانِ وَالصَّبَّاغَانِ يَشْتَرِكَانِ علی اَنْ يَتَقَبَّلا الْاَعْمَالَ ويَكُوْنَ الكَسْبُ بَيْنَهُمَا فيجوزُ ذَالكَ (۳۱)وما يَتَقَبَّلُه كلُّ واحِدٍ مِنْهُمَا مِنَ العَمَلِ يَلْزَمُه ويَلْزَمُ شَرِيْكَه (۳۲)فَاِنْ عَمِلَ اَحَدُهُمَا دُوْنَ الآخَرِ فَالكَسْبُ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ۔

ترجمہ:۔بہر حال شرکت صنائع پس دو درزی یا دو رنگ ریز اس شرط پر شریک ہوجائیں کہ دونوں لوگوں سے کام قبول کرلیں گے اور کمائی ان کے درمیان تقسیم ہوگی تو یہ جائز ہے اور دونوں میں جو بھی کوئی کام لے گا تو یہ کام اس پر اور اس کے شریک پر کرنا لازم ہوگا پس اگر کسی ایک نے کرلیا دوسرے کے بغیر تو بھی مزدوری دونوں کے درمیان نصفا نصف ہوگی۔

تشریح:۔(۳۰)شرکت عقد کی تیسری قسم شرکت صنائع ہے جسکو شرکت تقبل، شرکت اعمال اور شرکت ابدان بھی کہتے ہیں۔عند الاحناف" شرکت صنائع یہ ہے کہ دو کاریگر اس پر متفق ہوجائیں کہ دونوں لوگوں سے اعمال قبول کرینگے اور جو بھی کوئی کام لیگا وہ دوسرے کو بھی لازم ہوگا اور کمائی دونوں میں مشترک ہوگی جیسے دو درزیوں یا ایک درزی اور ایک رنگریز کی شرکت۔

اس قسم کی شرکت جائز ہے خواہ شریکین متفق الاعمال ہوں جیسے دو خیاط یا دو رنگریز یا مختلف الاعمال ہوں جیسے ایک خیاط اور

ایک رنگریز۔ (۳۱) اور دونوں میں سے جوکوئی بھی کوئی کام لیگا وہ اس پر اور اسکے شریک دونوں پر لازم ہوگا کیونکہ خود اس نے اسکو مسلط کیا ہے کہ اپنے لئے اور میرے لئے کام قبول کرلیا کرو۔ (۳۲) اگر کام ایک نے کیا تو بھی کمائی دونوں میں نصف نصف ہوگی اگر شرط نصف نصف کی لگائی ہو ورنہ تو جیسی شرط کی ہو''لانهما يستحقان الربح بالضمان فماحصل من احدهمامن زيادة عمل فهو اعانة لصاحبه''۔

(۳۳) وَاَمَّا شِرْكَةُ الوُجُوهِ فَالرَّجُلانِ يَشْتَرِكَانِ وَلا مالَ لَهُمَا عَلى اَنْ يَشْتَرِيَا بِوُجُوهِهِمَا وَيَبِيْعَا فَتَصِحّ الشَّرْكَةُ عَلى هذَا وكُلّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا وَكِيْلُ الآخَرِ فِيْمَايَشْتَرِيْه (۳٤) فَإِنْ شَرَطَا اَنّ الْمُشْتَرىٰ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ فَالرِّبْحُ كَذالِكَ ولا يَجُوزُ اَنْ يَتَفَاضَلا فيه وإِنْ شَرَطَا اَنّ المشتَرىٰ بَيْنَهُمَا اَثْلاثًا فَالرِّبْحُ كذالِكَ (۳۵) ولايَجُوزُ الشَّرْكَةُ فِى الْإِحْتِطَابِ وَالْإِحْتِشَاشِ وَالْإِصْطِيَادِ ومَااصْطَادَه كُلّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا اَوْ اِحْتَطَبَه فهو لَه دُوْنَ صَاحِبِه۔

توجمه:۔ بہر شرکت وجوہ تو وہ یہ ہے کہ دو آدمیوں کے پاس مال نہیں وہ اس شرط پر شریک ہوتے ہیں کہ دونوں میں سے ہر ایک اپنے اعتبار پر خرید وفروخت کریگا تو اس صورت پر شرکت صحیح ہوجائیگی اور ہر ایک جو کچھ خریدیگا اس میں وہ دوسرے کا وکیل ہوگا پس اگر دونوں نے یہ شرط کرلی کہ خریدی ہوئی چیز ان دونوں کے درمیان نصفا نصف ہوگی تو نفع بھی اسی طرح ہوگا اور نفع میں کمی بیشی جائز نہیں اور اگر دونوں نے یہ شرط کرلی کہ خرید ہوئی چیز ان دونوں کے درمیان اثلاثا ہوگی تو نفع بھی اسی طرح ہوگا اور لکڑی جمع کرنے اور گھاس جمع کرنے اور شکار کرنے میں شرکت جائز نہیں اور دونوں میں سے جس نے جو شکار کیا یا جس نے جو لکڑی جمع کی وہ اسی کا ہوگا دوسرے ساتھی کا نہیں ہوگا۔

تشریح:۔ (۳۳) شرکت عقد کی چوتھی قسم شرکت وجوہ ہے جسکی صورت یہ ہے کہ شریکین کے پاس مال نہیں ہوتا وہ اس بات پر عقد شرکت کرتے ہیں کہ اپنے اعتبار واعتماد کی بناء پر مال ادھار خریدینگے فروخت کرکے جو نفع حاصل ہوگا وہ آپس میں تقسیم کرینگے۔ شرکت کی یہ قسم بھی جائز ہے اور جو کچھ خریدیگا اسمیں ہر ایک ان میں سے دوسرے کا وکیل ہوگا کیونکہ تصرف علی الغیر جائز نہیں مگر وکالت یا ولایۃ کے ساتھ ولایۃ تو یہاں ہے نہیں لہذا وکالت متعین ہے۔

(۳٤) اگر شرکت وجوہ میں شریکین نے یہ شرط لگائی کہ خریدی ہوئی چیز دونوں کے درمیان نصف نصف ہوگی تو بقدر ملک منافع بھی اسی طرح نصف نصف ہوگی اس صورت میں کمائی میں کمی بیشی جائز نہ ہوگی۔ اور اگر خریدی ہوئی چیز اثلاثا خریدی یعنی ایک نے ایک تہائی اور دوسرے نے دو تہائی خریدی تو نفع بھی اثلاثا تقسیم ہوگا کیونکہ شرکت وجوہ میں منافع بالضمان ہیں اور ضمان مشتریٰ میں بقدر ملک ہے تو زائد ربح مالم یضمن ہے لہذا اس کی شرط لگانا جائز نہ ہوگا۔

(۳۵) مباح الاصل اشیاء مثلاً لکڑی، گھاس، شکار کے حاصل کرنے میں شرکت درست نہیں کیونکہ شرکت وکالت کو متضمن ہے اور حصول مباح کیلئے توکیل درست نہیں لہذا شریکین میں سے جو کوئی شکار کریگا یا لکڑیاں جمع کریگا وہ اسی کی ہوگی دوسرے کی نہیں۔

☆ ☆ ☆

(۳۶) وإذا اشتركا ولأحدهما بغلٌ وللآخر راويةٌ ليستقيا عليها الماء والكسب بينهما لم تصح الشركة والكسب كله للذي استقى الماء (۳۷) وعليه أجر مثل الراوية إن كان العامل صاحب البغل وإن كان صاحب الراوية فعليه أجر مثل البغل۔

ترجمہ:۔ اور اگر دو آدمی شریک ہو گئے ایک کا خچر ہو دوسرے کا راویہ ہو یہ طے کیا کہ ان دونوں کے ذریعہ پانی کھینچیں گے کمائی دونوں کے درمیان مشترک ہو گی تو یہ شرکت صحیح نہیں اور کمائی پانی کھینچنے والے کی ہو گی تو اگر عامل صاحب خچر ہو تو اس پر راویہ کی اجرت مثل ہے اور اگر عامل صاحب راویہ ہو تو اس پر خچر کی اُجرت مثل ہو گی۔

تشریح:۔ (۳۶) اگر دو آدمی شریک ہو گئے ایک کا خچر ہو دوسرے کا راویہ (تین چمڑوں سے بنایا ہوا پانی کا برتن۔ مشکیزہ) ہو یہ طے کیا کہ ان دونوں کے ذریعہ پانی کھینچیں گے جو کمائی حاصل ہو گی آپس میں تقسیم کرینگے تو یہ شرکت صحیح نہیں کیونکہ یہ ایک مباح الاصل شی یعنی پانی جمع کرنے پر منعقد ہوئی اور مباح الاصل اشیاء میں شرکت صحیح نہیں لہذا جو کمائی حاصل ہو گی وہ پانی کھینچنے والے کی ہو گی کیونکہ یہ فائدہ بالاحراز کا بدل ہے۔ (۳۷) اگر عامل خچر والا ہے تو اس پر راویہ کی اُجرت مثل واجب ہو گی اور اگر عامل راویہ والا ہے تو خچر والے کو خچر کی اجرت مثل دی جائیگی کیونکہ اس نے ملک غیر (خچر) سے عقد فاسد کے ساتھ منافع حاصل کئے ہیں لہذا اس پر اُجرت دینا لازم ہے۔

(۳۸) وكل شركة فاسدة فالربح بينهما على قدر رأس المال ويبطل شرط التفاضل۔

ترجمہ:۔ اور جو شرکت فاسد ہو اس میں نفع اصل مال کے حساب سے تقسیم ہو گا اور کمی بیشی کی شرط باطل ہو جائیگی۔

تشریح:۔ (۳۸) ہر وہ شرکت جو کسی وجہ سے فاسد ہو جائے تو اس میں منافع شرکین کے رأس المال کے حساب سے تقسیم ہونگے (یعنی اگر رأس المال نصف نصف ہو تو منافع بھی نصف نصف تقسیم ہونگے اور اگر اثلاثا ہو تو منافع بھی ایسا ہی ہونگے) ایک کیلئے زیادہ اور دوسرے کیلئے کم منافع کی شرط باطل ہو گی کیونکہ ربح اس میں مال کا تابع ہے۔

(۳۹) وإذا مات أحد الشريكين أو ارتد ولحق بدار الحرب بطلت الشركة۔

ترجمہ:۔ اور اگر شریکین میں سے کوئی ایک مر گیا یا مرتد ہو کر دار الحرب چلا گیا (نعوذ باللہ) تو شرکت باطل ہو جائیگی۔

تشریح:۔ (۳۹) اگر شریکین میں سے ایک مر گیا یا (نعوذ باللہ) مرتد ہو کر دار الحرب چلا گیا تو شرکت باطل ہو جائیگی کیونکہ شرکت وکالت کو متضمن ہے اور وکالت موت سے باطل ہوتی ہے اسی طرح وکالت مرتد ہو کر دار الحرب جانے سے بھی باطل ہوتی ہے۔

(۴۰) وليس لواحد من الشريكين أن يؤدي زكوة مال الآخر إلا بإذنه (۴۱) فإن أذن كل واحد منهما لصاحبه أن يؤدي زكوته فأدى كل واحد منهما فالثاني ضامنٌ سواء علم بأداء الأول أو لم يعلم عند أبي حنيفة رحمه الله وقالا رحمهما الله إن لم يعلم لم يضمن۔

ترجمہ:۔ اور شریکین میں سے کسی ایک کو یہ اختیار نہیں کہ وہ دوسرے کے مال کی زکوٰۃ ادا کرے البتہ اگر وہ اجازت دیدے تو جائز

ہے۔اور اگر دونوں میں سے ہر ایک نے اپنی زکوۃ دینے کی دوسرے کواجازت دیدی تھی پھران میں سے ہر ایک اپنی بھی اور دوسرے کی بھی زکوۃ دیدی تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دوسرا ضامن ہوگا خواہ اسے پہلے کے ادا کرنے کی خبر ہو یا نہ ہو اور صاحبین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر اسے خبر نہ تو ضامن نہ ہوگا۔

تشـــریـــح:۔(۴۰)ایک شریک دوسرے کی اجازت کے بغیر اسکے مال کی زکوۃ ادا نہیں کرسکتا کیونکہ شریکین میں سے ہر ایک کو دوسرے کی طرف سے صرف تجارتی امور میں تصرف کی اجازت حاصل ہے اور زکوۃ ان میں سے نہیں۔(۴۱)اگر شریکین میں سے ہر ایک نے دوسرے کو زکوۃ ادا کرنے کی اجازت دی تھی پھر ہوا یہ کہ ہر ایک نے علی سبیل التعاقب زکوۃ ادا کرلی تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بعد میں دینے والا ضامن ہوگا خواہ اول کا ادا کرنا اسکو معلوم ہو یا نہ ہو کیونکہ شریکین میں سے ہر ایک مأمور باداء الزکوۃ ہے اور زکوۃ چونکہ پہلے نے ادا کردیا لہذا بعد میں ادا کرنا زکوۃ واقع نہ ہوگی تو مخالفت امر کی وجہ سے ضامن ہوگا اور اول کی ادائیگی سے ثانی معزول ہوجاتا ہے خواہ اسکو علم ہو یا نہ ہو کیونکہ یہ عزل حکمی ہے (اور عزل حکمی کیلئے وکیل کا علم شرط نہیں)۔صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک عدم علم کی صورت میں ضامن نہ ہوگا۔

(کتابُ المُضارَبَة)

یہ کتاب مضاربت کے بیان میں ہے۔

ماقبل کے ساتھ وجہ مناسبت یہ ہے کہ مضاربت چونکہ شرکت پر مشتمل ہے تو شرکت بمنزلہ مقدمہ ہے مضاربت کیلئے اسلئے پہلے شرکت کا ذکر کیا اب مضاربت کے احکام بیان فرماتے ہیں۔

"مُضارَبَتْ" مشتق ہے "ضرب فی الارض " سے، بمعنی سفر کرنا اور مضاربت کو مضاربت اسلئے کہتے ہیں کہ اسمیں بھی مضارب طلب ربح کیلئے زمین میں سفر کرتا ہے۔

شرعاً وہ عقد شرکت فی الربح ہے جس میں ایک کی جانب سے مال ہو اور دوسرے کی جانب سے عمل ہو اس مال کو رأس المال اور صاحب مال کو رب المال اور کام کرنے والے کو مضارب کہتے ہیں۔

مضاربت کے لئے کئی شروط ہیں۔/**نمبر ۱**۔رأس المال اثمان میں سے ہو کما فی الشرکۃ۔/**نمبر ۲**۔رأس المال عین ہو دین نہ ہو۔/**نمبر ۳**۔رأس المال مضارب کو حوالہ ہوتا کہ اس میں تصرف ممکن ہو۔/**نمبر ۴**۔منافع دونوں میں مشاعاً ہو کسی ایک کے لئے کوئی مقدار متعین نہ ہو ورنہ تو فاسد ہوگا۔/**نمبر ۵**۔بوقت عقد ہر ایک کا حصہ معلوم ہو۔/**نمبر ۶**۔مضارب کا حصہ صرف منافع میں ہو رأس المال میں نہ ہو ورنہ تو فاسد ہوگا۔

(۱) اَلْمُضارَبَۃُ عَقْدٌ عَلَی الشَّرِکَۃِ فِی الرِّبْحِ بِمَالٍ مِنْ اَحَدِ الشَّرِیْکَیْنِ وَعَمَلٍ مِنَ الآخَرِ۔

ترجمہ:۔اور مضاربت نفع میں شرکت پر عقد کرنا ہے یوں کہ مال ایک شریک کا ہو اور عمل دوسرے کا ہو۔

تشریح:۔(۱) یہ مضاربت کی شرعی تعریف ہے۔

(۲) ولاتصحُّ المُضارَبَةُ اِلا بالمالِ الَّذِیْ بَیَّنَّا اَنَّ الشّرکَةَ تصِحُّ به (۳)وَمِنْ شرطِهَا اَنْ یَکُونَ الرِّبحُ بَیْنَهُمَامُشاعاً لایَستَحِقُ اَحَدُهُمَا مِنْه دَرَاهِمَ مُسَمَّاةً (۴)ولا بُدَّ اَنْ یَکونَ المَالُ مُسلَّماً اِلَی المُضارِبِ وَلا یَدَ لِرَبِّ المالِ فِیْه

ترجمہ:۔اور مضاربت درست نہیں ہوتی مگر اس مال سے جس کو ہم نے بیان کر دیا ہے کہ اس مال سے شرکت درست ہوتی ہے اور مضاربت کی شرط میں سے یہ ہے کہ نفع دونوں کے درمیان مشترک ہو کہ دونوں میں سے ایک متعین دراہم کا مستحق نہ ہو اور ضروری ہے کہ مال مضارب کو سپرد ہو اور رب المال کا اس مال میں کوئی قبضہ نہ ہو۔

تشریح:۔(۲) مضاربت صحیح نہیں مگر اس مال میں جس میں شرکت صحیح ہے یعنی دراہم، دنانیر اور فلوس نافقہ جسکا بیان باب الشرکۃ میں ہو چکا ہے۔(۳) اور صحت مضاربت کیلئے شرط یہ ہے کہ منافع دونوں کے درمیان شائع ہوں یوں کہ کوئی ایک معین دراہم کا مستحق نہ ہو کیونکہ اس سے انکی شرکت منقطع ہو جائیگی اسلئے کہ ممکن ہے کہ نفع صرف وہی متعین دراہم ہوں جنکا کسی ایک کو مستحق قرار دیا گیا ہے کما مرفی باب الشرکۃ۔(۴) یہ بھی شرط ہے کہ مال مضارب کو سپرد ہو اور ربُّ المال کا کسی طرح قبضہ نہ ہو یعنی رب المال پر عمل کی شرط لگانا جائز نہیں ورنہ مضاربت فاسد ہو جائیگی کیونکہ یہ مضارب کے کلی تصرف کیلئے مانع ہے۔

(۵)فَاِذَا صَحَّتِ المُضَارَبَةُ مُطْلَقَةً جَازَ لِلمُضَارِبِ اَنْ یَشتَرِیَ وَیَبِیعَ ویُسافِرَ ویُبْضِعَ ویُوَکِّلَ(۶)ولیسَ له اَنْ یدفَعَ المالَ مُضارَبَةً اِلا اَنْ یَاذنَ له رَبُّ المالِ فی ذالِکَ اَوْ یَقُولَ له اِعْمَلْ علی رَایِکَ (۷)واِنْ خصَّ له رَبُّ المالِ التَّصرُّفَ فی بَلَدٍ بِعَیْنِه او فِی سِلْعَةٍ بِعَیْنِهَالم یَجُزْ له اَنْ یَتَجَاوَزَ عنْ ذالکَ(۸) وکَذالکَ اِنْ وَقَّتَ المُضَارَبَةَ بِعَیْنِهَا جَازَ وبطَلَ العَقْدُ بِمُضِیِّهَا۔

ترجمہ:۔پھر جب مضاربت مطلق صحیح ہو جائے تو مضارب کے لئے خرید و فروخت کرنا اور سفر کرنا اور بضاعت پر مال دینا اور کسی کو وکیل بنانا جائز ہے البتہ اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ مال کسی دوسرے کو مضاربت پر دیدے الا یہ کہ رب المال اس کو اس کی اجازت دے اور یا اسے کہہ دے کہ اپنی رای کے مطابق کام کر واور اگر مضارب نے کسی خاص شہر یا کسی خاص مال تجارت میں تصرف کرنے کی تخصیص کر دی تو اس کو اس سے تجاوز کرنا جائز نہیں اور اسی طرح اگر مضاربت کی کوئی مدت معین کر دی جائے تب بھی جائز ہے اور اس مدت کے گذرنے کے بعد مضاربت باطل ہو جائیگی۔

تشریح:۔(۵) اگر مضاربت مطلق ہو یعنی کسی زمانہ، مکان یا سامان کی ایک خاص نوع میں تصرف کرنے کے ساتھ مقید نہ ہو تو مضارب کیلئے خرید و فروخت اور سفر کرنا اور مال مضاربت کسی کو بضاعت (بضاعت یہ ہے کہ کسی کو مال دیدے تا کہ وہ اسکو فروخت کرے اور اس مال کے ثمن و منافع صاحب مال کو واپس کر دے) پر دینا اور اسمیں تصرف کرنے کا کسی کو وکیل بنانا اور ودیعت رکھنا، رہن رکھنا وغیرہ سب جائز ہیں کیونکہ عقد مطلق ہے اور مقصود حصول نفع ہے جو بغیر تجارت حاصل نہیں ہوتا پس یہ عقد تمام اقسام تجارت اور عادات تجار کو شامل ہوگا

اور مذکورہ تمام اعمال عادات تجار میں سے ہیں۔

(٦) مضارب کا مال مضاربت کسی دوسرے کو مضاربت پر دینا جائز نہیں کیونکہ شی اپنے مثل کے ساتھ قوت میں برابر ہوتا ہے تو ایک دوسرے کو متضمن نہیں ہوسکتا لہذا ایک مضاربت دوسرے کو متضمن نہیں ہوتی الا یہ کہ رب المال مضارب کو اسکی صریح اجازت دیدے یا رب المال مضارب سے کہدے کہ تو اپنی رائی کے مطابق عمل کرنے کا مختار ہے۔

(٧) اگر رب المال نے یہ شرط کر لی کہ فلاں خاص شہر میں یا فلاں معین سامان میں تجارت کرنا ہوگا تو مضارب کیلئے شرط کو چھوڑ کر تجارت کرنا جائز نہیں کیونکہ مضاربت توکیل ہے اور وکالت کی تخصیص میں فائدہ ہے لہذا تخصیص اسمیں ہوجائیگی۔

(٨) اسیطرح اگر ربُّ المال نے مضاربت کیلئے وقت معین مقرر کیا تو اسکے گذرنے سے عقد باطل ہوجائیگا کیونکہ مضاربت توکیل ہے تو جس وقت کے ساتھ موقت کیا اسی وقت تک رہے گی۔

(٩) وَلَيسَ لِلمُضَارِبِ انْ يَشتَرِيَ اَبَا رَبِّ المَالِ ولَا اِبنَهُ ولا مَن يُعتَقُ عَلَيهِ (١٠) فَاِنْ اِشتَرَاهُم كَانَ مُشتَرِياً لِنَفسِهِ دُونَ المُضَارَبَةِ۔

ترجمہ:۔ اور مضارب کو یہ اختیار نہیں کہ رب المال کا باپ خرید لے اور نہ اس کے بیٹے کو خرید سکتا ہے اور نہ ہر ایسے شخص کو خرید سکتا ہے جو رب المال کی ملکیت میں آنے سے آزاد ہوجائے اور اگر اس نے ان کو خرید لیا تو یہ خرید اس مضارب کے لئے ہوگی نہ کہ مضاربت کے لئے۔

تشریح:۔ (٩) مضارب کو یہ اختیار نہیں کہ وہ رب المال کے باپ، بیٹے یا کوئی ایسا شخص جو مالک (رب المال) پر آزاد ہوتا ہو کو خرید لے (قاعدہ یہ ہے کہ اپنا ذورحم محرم خریدتے ہی وہ خود بخود آزاد ہوجاتا ہے) کیونکہ مضاربت تحصیل منافع کیلئے وضع ہوئی ہے جو کہ خرید و فروخت سے ممکن ہے اور مذکورہ بالا افراد کو مالک (رب المال) کی خرید میں آنے کے بعد فروخت نہیں کیا جاسکتا۔ (١٠) اگر پھر بھی انکو خرید لیا تو اپنے لئے خریدنے والا ہوگا مضاربت کیلئے نہیں کیونکہ جس خرید کا نفاذ مشتری پر ممکن ہو تو وہ مشتری پر نافذ ہوگی۔

(١١) وَاِنْ كَانَ فِي المَالِ رِبحٌ فَلَيسَ لَهُ أَنْ يَشتَرِيَ مَنْ يُعتَقُ عَلَيهِ وَاِنْ اشتَرَاهُم ضَمِنَ مالَ المُضَارَبَةِ (١٢) وَاِنْ لَم يَكُنْ فِي المَالِ رِبحٌ جَازَ لَهُ أَنْ يَشتَرِيَهُم (١٣) فَاِنْ زَادَتْ قِيمَتُهُم عَتَقَ نَصِيبُهُ مِنهُم (١٤) ولم يَضمَنْ لِرَبِّ المَالِ شَيْئاً وَيَسْعىٰ المُعتَقُ لِرَبِّ المالِ فِي قِيمَةِ نَصِيبِهِ مِنهُ۔

ترجمہ:۔ اور اگر مال میں نفع ہو تو کسی مضارب کے لئے ایسے آدمی کا خریدنا جائز نہیں جو اس پر آزاد ہوجائے اور اگر ایسے آدمیوں کو خرید لیا تو مال مضاربت کا ضامن ہوگا اور اگر مال مضاربت میں نفع نہ ہو تو پھر مضارب کے لئے ایسے لوگوں کا خریدنا جائز ہے پس اگر ان کی قیمت بڑھ گئی تو اس خرید کردہ میں سے اس کا حصہ آزاد ہوجائیگا اور مضارب مالک کے لئے کسی شئ کا ضامن نہیں ہوگا اور آزاد شدہ مالک کے لئے اس کے حصے کے بقدر قیمت میں سعی کریگا۔

تشریح:۔ (١١) اگر مال مضاربت میں نفع ہو تو ایسا شخص خریدنا جائز نہیں جو مضارب پر آزاد ہو کیونکہ اس صورت میں منافع میں

حصہ کے بمقدار مضارب کا حصہ آزاد ہو جائیگا جس سے رب المال کا حصہ بھی فاسد ہو جائیگا (کیونکہ اب اسکا حصہ بھی آزاد ہوگا)۔اگر مضارب نے پھر بھی ایسے کسی شخص کو خرید لیا جو مضارب پر آزاد ہوتا ہے تو مال مضاربت کا ضامن ہوگا کیونکہ وہ غلام کو اپنے لئے خریدنے والا ہے تو مال مضاربت سے ثمن دینے سے مال مضاربت کا ضامن ہوگا۔(۱۲)اور اگر مال مضاربت میں نفع نہ ہو تو پھر مضارب کیلئے ایسے غلام کا خریدنا جائز ہے (جو مضارب کا ذو رحم محرم ہو) کیونکہ مال میں مضارب شریک نہیں لہذا اس مال سے خریدنے سے یہ غلام مضارب پر آزاد نہ ہوگا۔

(۱۳) پھر اگر بعد از خرید غلام کی قیمت بڑھ گئی تو اس زیادتی میں مضارب کا بھی حصہ پیدا ہو جاتا ہے لہذا اسکے حصے کے بقدر آزاد ہو جائیگا کیونکہ ''اذامـلـک الـرّجلُ ذارَحمٍ مَحرَمٍ مِنه عُتِقَ عَلَيْهِ '' (یعنی جو اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہوتا ہے وہ اس پر آزاد ہو جاتا ہے)۔

(۱٤) مضارب مالک کیلئے کسی چیز کا ضامن نہ ہوگا کیونکہ قیمت بڑھانے میں مضارب کا کوئی صنع واختیار نہیں البتہ غلام رب المال کے حصے کے بمقدار قیمت میں سعایت کر کے کمائے اور رب المال کو دیدے کیونکہ رب المال کی مالیت اس غلام کے پاس رُک گئی۔

(۱۵)وَاِذَا دَفعَ المُضَارِبُ المَالَ مُضَارَبَةً على غيرِه ولَمْ يَاذَنْ لَه رَبّ المالِ فی ذالِکَ لم يَضْمنْ بِالدَّفعِ (۱٦)ولا بِتَصَرّفِ المُضَارِبِ الثّانی حتّی يَرْبَحَ (۱۷)فاذا رَبِحَ ضَمِنَ المُضَارِبُ الْاَوّلُ المَالَ لِرَبّ المالِ۔

ترجمہ:۔اور اگر مضارب نے مال مضاربت کسی دوسرے شخص کو بطور مضاربت دیدیا حالانکہ رب المال نے اس کو اس کی اجازت نہیں دی تھی تو مضارب صرف مال دینے سے ضامن نہ ہوگا اور نہ دوسرے مضارب کے محض تصرف کرنے سے یہاں تک کہ اس میں کچھ نفع ہو جائے پس جب نفع ہو جائے تو مضارب اول رب المال کے لئے مال کا ضامن ہوگا۔

تشریح:۔(۱۵) اگر مضارب نے رب المال کی اجازت کے بغیر مال کسی دوسرے شخص کو مضاربت پر دیدیا تو مضارب اول صرف مال دینے سے ضامن نہ ہوگا اور نہ صرف مضارب ثانی کے مذکورہ مال میں تصرف کرنے سے ضامن ہوگا جب تک کہ مضارب ثانی کو نفع نہ ہوا ہو کیونکہ جب تک نفع نہ ہو مضارب ثانی بمنزلہ وکیل کے ہے۔اور مضارب اول کیلئے جائز ہے کہ کسی کو وکیل بنائے (۱۷) اور جب مضارب ثانی کو نفع ہو جائے تو مضارب اول مالک کیلئے کل مال کا ضامن ہوگا کیونکہ اب مضارب اول نے رب المال کے ساتھ ربح میں غیر (یعنی مضارب ثانی) کو شریک کیا۔

مذکورہ بالا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے حسن بن زیادؒ کی روایت ہے۔صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک جب مضارب ثانی مال کے ساتھ کام شروع کردے تو ضامن ہوگا خواہ نفع ہو یا نہ ہو کیونکہ مضارب ثانی کا عمل شروع کرنا مضاربت ہے جسکی مضارب اول کو اجازت نہیں۔یہی ظاہر الروایت اور اسی پر فتویٰ ہے۔

☆ ☆ ☆

(۱۸)وَاِذَا دَفَعَ اِلَيْهِ رَبُّ المَالِ مُضَارَبَةً بالنِّصفِ فَاَذِنَ لَه اَنْ يَدْفَعَهَا مُضَارَبَةً فَدفَعَهَا بِالثُّلُثِ جَازَ فَاِنْ كَانَ رَبُّ المالِ قالَ لَه عَلى اَنَّ مَا رَزَقَ اللّٰه تَعالىٰ بَيْنَنَا نِصْفَيْنِ فَلِرَبِّ المَالِ نِصْفُ الرِّبْحِ وَلِلْمُضَارِبِ الثَّانِي ثُلُثُ الرِّبْحِ وَلِلاَوَّلِ السُّدُسُ (۱۹)وَاِنْ كَانَ قَالَ عَلى اَنَّ ما رَزَقَکَ اللّٰه بَيْنَنَا نِصْفَيْنِ فَلِلْمُضَارِبِ الثَّانِي الثُّلُثُ وما بَقِيَ بَيْنَ رَبِّ المالِ وَالمُضَارِبِ الاَوَّلِ نِصْفَانِ (۲۰)فَاِنْ قَالَ عَلى اَنَّ ما رَزَقَ اللّٰه فَلِيْ نِصْفُه فَدَفَعَ المالَ اِلىٰ آخرَ مُضَارَبَةً بِالنِّصْفِ فَلِلثَّانِي نِصْفُ الرِّبْحِ وَلِرَبِّ المالِ النِّصْفُ ولا شَئَ لِلْمُضَارِبِ الاَوَّلِ (۲۱)فَاِنْ شَرَطَ لِلْمُضَارِبِ الثَّانِي ثُلُثَي الرِّبْحِ فَلِرَبِّ المالِ نِصْفُ الرِّبْحِ وَلِلْمُضَارِبِ الثَّانِي نِصْفُ الرِّبْحِ وَيَضْمَنُ المُضَارِبُ الاَوَّلُ لِلْمُضَارِبِ الثَّانِي مِقْدَارَ سُدُسِ الرِّبْحِ مِنْ مالِه۔

ترجمہ:۔اور اگر رب المال نے مضارب کو مال مضاربت بالنصف پر دیدیا اور مضارب کو اس کی اجازت دیدی کہ یہ مال اگلے شخص کو مضاربت پر دے سکتا ہے چنانچہ اس نے کسی کو مضاربت بالثلث پر دیدیا تو یہ جائز ہے پس اگر رب المال نے مضارب سے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ جو نفع دیگا وہ ہمارے درمیان نصف نصف ہوگا تو رب المال کے نصف اور مضارب ثانی کے لئے ثلث اور مضارب اول کے لئے سدس ہوگا، اور اگر کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ تجھے جو کچھ بھی نفع دیگا تو وہ ہمارے درمیان نصف نصف ہوگا پس مضارب ثانی کو ثلث ملے گا اور جو کچھ باقی ہے وہ رب المال اور مضارب اول کے درمیان نصف نصف ہوگا، اور اگر رب المال نے یہ کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ رزق دیگا اس کا نصف میرا ہے پھر مضارب اول نے مضارب ثانی کو مال نصف نفع پر دیدیا تو مضارب ثانی کے لئے نصف نفع ہوگا اور رب المال کے لئے نصف نفع ہوگا اور مضارب اول کے لئے کچھ نہیں ہوگا، اور اگر اسی صورت میں مضارب ثانی کے لئے دوثلث نفع کی شرط کرلی تو نفع کا نصف رب المال کے لئے ہوگا اور نصف مضارب ثانی کے لئے ہوگا اور مضارب اول مضارب ثانی کے سدس نفع کی مقدار اپنے مال سے ضامن ہوگا۔

تشریح:۔(۱۸) اگر رب المال نے مضارب کو مال دیتے ہوئے کہا کہ جو نفع اللہ دیگا وہ ہمارے درمیان نصف نصف ہوگا اور کسی دوسرے کو مضاربت پر دینے کی اجازت بھی دیدی اب مضارب نے دوسرے کو مضاربت بالثلث پر دیدیا تو یہ جائز ہے۔اور اب رب المال کو اسکی شرط کے مطابق کل نفع کا نصف ملیگا اور مضارب ثانی کو ثلث ملیگا کیونکہ یہی اس کے لئے شرط کی گئی ہے اور مضارب اول کو باقی ماندہ سدس ملیگا کیونکہ اسکے لئے یہی باقی رہا ہے مثلاً چھ درہم کی نفع میں سے تین رب المال کو ملیں گے دو مضارب ثانی کو اور ایک مضارب اول کو۔

(۱۹) اگر مذکورہ بالا صورت میں رب المال نے صیغہ خطاب کے ساتھ کہا کہ جو نفع تجھے اللہ تعالیٰ دیگا وہ ہم میں نصف نصف ہوگا تو مضارب ثانی کو ثلث ملیگا اور باقی دوثلث رب المال و مضارب اول میں نصف نصف ہوگا کیونکہ رب المال نے اپنے لئے اس مقدار کا نصف مقرر کیا ہے جو مضارب اول کو حاصل ہو اور مضارب اول کو دوثلث حاصل ہوئے ہیں۔

(۲۰) اگر رب المال نے کہا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ دیگا اسکا نصف میرا ہے۔ پھر مضارب نے دوسرے کو مضاربت بالنصف پر مال دیدیا تو آدھا نفع مضارب ثانی کا ہوگا اور آدھا رب المال کا اور مضارب اول کو کچھ نہ ملیگا۔ (۲۱) اور اگر مذکورہ صورت میں مضارب ثانی کیلئے دوثلث طے کر لئے تو آدھا نفع رب المال کا ہوگا اور آدھا مضارب ثانی کا اور مضارب اول مضارب ثانی کو نفع کا چھٹا حصہ اپنے مال سے دیگا کیونکہ اول نے ثانی کیلئے ایسی چیز کی شرط کی ہے جس کا رب المال مستحق ہے تو رب المال کے حق میں اسکی شرط نافذ نہ ہوگی کیونکہ اس میں رب المال کے حق کا ابطال ہے۔ لیکن ثانی کیلئے مذکورہ مقدار مقرر کرنا فی نفسہ صحیح ہے لہذا اسکا پورا کرنا مضارب اول پر لازم ہے۔

(۲۲) وَاِذَا مَاتَ رَبُّ المَالِ او المُضَارِبُ بَطَلَتِ المُضَارَبَةُ (۲۳) واذا ارْتَدَّ رَبُّ المالِ عَنِ الْاِسْلامِ ولَحِقَ بِدَارِ الحَرْبِ بَطَلَتِ المُضَارَبَةُ۔

ترجمہ:۔ اور اگر رب المال یا مضارب مرگیا تو مضاربت باطل ہو جائیگی اور اگر رب المال اسلام سے مرتد ہوگیا (نعوذ باللہ) اور دارالحرب چلا گیا تو مضاربت باطل ہو جائیگی۔

تشریح:۔ (۲۲) اگر رب المال یا مضارب مرجائے تو مضاربت باطل ہو جائیگی کیونکہ مضاربت توکیل ہے جو مؤکل یا وکیل کی موت سے باطل ہو جاتی ہے۔ (۲۳) اگر رب المال (نعوذ باللہ) مرتد ہو کر دارالحرب چلا گیا تو بھی مضاربت باطل ہو جائیگی کیونکہ اس صورت میں مالک (رب المال) کی ملک زائل ہو کر ورثہ کی طرف منتقل ہوتی ہے تو یہ بمنزلہ موت کے ہے۔

(۲۴) وَاِنْ عَزَلَ رَبُّ الْمَالِ الْمُضَارِبَ ولم يَعْلَمْ بِعَزْلِه حتّٰى اشْتَرىٰ اَوْ بَاعَ فَتَصَرُّفُهٗ جَائِزٌ (۲۵) وانْ عَلِمَ بِعَزْلِه والمالُ عُرُوْضٌ فِي يَدِه فَلَه اَنْ يَبِيْعَهَا ولايَمْنَعُه الْعَزْلُ مِنْ ذَالِکَ (۲۶) ثُمَّ لايجوزُ اَنْ يَشْتَرِيَ بِثَمَنِهَا شَيْئاً آخَرَ (۲۷) وانْ عَزَلَه وَرَأسُ المال دَرَاهِمُ اودَنَانِيْرُ قَدْ نَضَّتْ فَلَيْسَ لَه اَنْ يَتَصَرَّفَ فِيْهَا۔

ترجمہ:۔ اور اگر رب المال نے مضارب کو معزول کر دیا اور مضارب کو عزل کی خبر نہیں پہنچی تھی کہ اس نے کوئی چیز خرید لی یا فروخت کر لی تو اس کا یہ تصرف جائز ہے اور اگر اس کو اپنے معزول ہونے کا علم ہوا اور مال اس کے قبضہ میں سامان کی صورت میں ہے تو اس کو یہ اختیار ہے کہ اس کو فروخت کر دے اور معزولی اس کے لئے اس سے مانع نہیں پھر یہ جائز نہیں کہ سامان کے ثمن سے کوئی چیز خرید لے اور اگر اس کو معزول کر دیا اور رأس المال دراہم یا دنانیر نقد ہیں تو اس کو یہ اختیار نہیں کہ اس میں تصرف کر لے۔

تشریح:۔ (۲۴) اگر رب المال نے مضارب کو معزول کر دیا مگر مضارب کو اسکی خبر نہ ہوئی چنانچہ اس نے کوئی چیز خریدی یا فروخت کر لی تو یہ تصرف اسکا صحیح ہے کیونکہ مضارب رب المال کا وکیل ہے اور وکیل کو اگر قصداً معزول کرنا ہو تو یہ معزولی اسکے علم پر موقوف ہوتی ہے۔

(۲۵) اور اگر اسکو اپنے معزولی کا علم تو ہوا مگر اس کے پاس موجود مال رأس المال کی جنس سے مغائر ہو تو اسکو فروخت کر سکتا ہے اور معزولی اس سے مانع نہ ہوگی کیونکہ ربح میں مضارب کا حق ہے جو نقد کئے بغیر ظاہر نہ ہوگا لہذا اسکو حق فروخت حاصل ہے۔ (۲۶) پھر اسکی قیمت سے کوئی اور چیز خریدنا جائز نہ ہوگا۔ (۲۷) اور اگر رب المال نے مضارب کو اس حال میں معزول کیا کہ رأس المال نقد دراہم

وہ نانیر ہیں تو مضارب کیلئے ان میں تصرف کرنا جائز نہ ہوگا کیونکہ اب تصرف کرنے کی ضرورت نہیں اور تصرف کرنے میں مالک کا نقصان بھی ہے یوں کہ اس کی مرضی کے بغیر مضاربت کی میعاد بڑھ جائیگی۔

(۲۸)وَاِذَا افْتَرَقَا وفي المالِ دُيُوْنٌ وقد رَبِحَ المُضارِبُ فيه اَجْبرَه الحَاكِمُ علي اِقْتِضَاءِ الدُّيُوْنِ(۲۹)وانْ لَمْ يَكُنْ في المالِ رِبْحٌ لم يَلزَمه الْاِقْتِضاءُ ويُقالُ له وَكِّلْ رَبَّ الْمَالِ في الْاِقْتِضاءِ۔

ترجمہ:۔ اور اگر رب المال اور مضارب دونوں جدا ہو گئے اس حال میں کہ مال مضاربت میں قرضے ہیں اور اس میں مضارب کو نفع ہوا ہے تو حاکم مضارب کو قرضے وصول کرنے پر مجبور کرے گا اور اگر مال میں نفع نہ ہو تو اب قرضے وصول کرنا مضارب کے ذمہ لازم نہیں اور اس سے کہا جائیگا کہ رب المال کو قرضے وصول کرنے کے لئے وکیل بنادے۔

تشریح:۔(۲۸) اگر رب المال اور مضارب دونوں فسخ عقد کے بعد جدا ہو گئے اور مال مضاربت لوگوں پر قرض ہو اور مضارب کو تجارت میں نفع حاصل ہوا ہو تو مضارب کو قرضداروں سے قرض وصول کرنے پر مجبور کیا جائیگا کیونکہ مضارب اجیر کی مانند ہے اور نفع اُجرت کی مانند ہے لہذا اجیر کی طرح مضارب کو اتمام عمل پر مجبور کیا جائیگا۔

(۲۹) اگر مضارب کو نفع حاصل نہ ہوا ہو تو اسکو مجبور نہیں کیا جائیگا کیونکہ اس صورت میں مضارب متبرع ہے اور متبرع پر جبر نہیں ہوتا ہے البتہ اس سے کہا جائیگا کہ مالک کو قرضوں کی وصولیابی کیلئے وکیل بنادے کیونکہ عقد کے حقوق عاقد کی طرف راجع ہوتے ہیں تو اسکا وکیل بنانا ضروری ہے تاکہ رب المال کا حق ضائع نہ ہو۔

(۳۰)وما هلَكَ مِنْ مالِ المُضَارَبةِ فهو مِنَ الرِّبْحِ دُوْنَ رَاسِ المالِ(۳۱)فاِنْ زَادَ الهَالِكُ عَلي الرِّبحِ فلا ضَمانَ علي المُضَارِبِ فيه (۳۲)وانْ كانَا يَقْتَسِمانِ الرِّبْحَ وَالمُضَارَبَةُ علي حالِهَا ثُمَّ هَلَكَ المالُ كُلّه او بَعْضُه تَرادَّا الرِّبْحَ حتّي يَسْتَوْفِيَ رَبُّ الْمَالِ رَاسَ المالِ فان فَضُلَ شئٌ كَانَ بَيْنَهُمَا وان نَقَصَ مِنْ رَاسِ المالِ لم يَضْمَنِ المُضارِبُ (۳۳)وان كانَااقْتَسَمَا الرِّبْحَ وفَسَخَا المُضَارَبَةَ ثُمَّ عَقَدَاهَا فَهَلَكَ المالُ او بَعْضُه لم يَتَرادّا الرِّبْحَ الْاَوّلَ۔

ترجمہ:۔ اور جو کچھ مضاربت کے مال سے ضائع ہو جائے تو وہ نفع میں سے ہوگا رأس المال سے نہ ہوگا اور اگر ضائع شدہ نفع سے بڑھ جائے تو اس میں مضارب پر کوئی ضمان نہیں اور اگر دونوں نے نفع تقسیم کر لیا اور مضاربت اپنی حالت پر برقرار ہے پھر تمام مال یا بعض مال ہلاک ہو گیا تو دونوں نفع لوٹا دیں یہاں تک کہ رب المال رأس المال پورا کرلے اور اگر کچھ رقم بچ جائے تو وہ دونوں کے درمیان تقسیم ہوگی اور اگر رأس المال سے کم ہو جائے تو مضارب ضامن نہ ہوگا اور اگر دونوں نے نفع تقسیم کر لیا اور مضاربت فسخ کردی پھر دوبارہ عقد مضاربت کر دیا پس کل مال مضاربت یا بعض ہلاک ہو گیا تو پہلا نفع نہیں لوٹائیں گے۔

تشریح:۔(۳۰) جو کچھ مال مضاربت سے ہلاک ہو جائے تو وہ نفع سے ہلاک ہوگا نہ کہ رأس المال سے کیونکہ نفع تابع ہے اور رأس

المال اصل ہے اور ہلاکت کو تابع کی طرف پھرانا اولی ہوتا ہے جیسے نصاب زکوۃ میں ہلاکت کو عفو کی جانب پھرایا جاتا ہے۔(۳۱) اگر ہلاک شدہ مال نفع سے بڑھ جائے تو مضارب پر ضمان نہ ہوگا کیونکہ مال مضاربت مقبوض علی وجہ الامانۃ ہے۔

(۳۲) اگر رب المال اور مضارب عقد مضاربت باقی رکھتے ہوئے نفع تقسیم کرتے رہے پھر کل مال یا بعض مال ہلاک ہوا تو دونوں اپنا وصول کیا ہوا نفع لوٹائیں یہاں تک کہ مالک کی اصل رقم پوری ہو جائے کیونکہ رأس المال وصول کرنے سے پہلے نفع کی تقسیم کرنا صحیح نہیں اسلئے کہ رأس المال اصل ہے اور نفع تابع ہے۔ پھر رأس المال مکمل کرنے کے بعد جو کچھ بچے تو وہ ان میں مشترک ہوگا کیونکہ یہ نفع ہے۔اور اگر رأس المال میں کمی رہ جائے تو مضارب ضامن نہ ہوگا کیونکہ مضارب امین ہے۔

(۳۳) اگر نفع تقسیم کر کے مضاربت توڑ دی اسکے بعد پھر عقد مضاربت کر لی تو عقد ثانی کے بعد اگر کل مال یا بعض ہلاک ہوا تو پہلی مرتبہ کا تقسیم شدہ نفع کو نہیں لوٹائیں گے کیونکہ پہلی مضاربت تو ہلاکتِ مال سے پہلے تام ہو چکی ہے۔

(۳٤) وَيَجُوزُ لِلْمُضَارِبِ اَنْ يَبِيعَ بِالنَّقْدِ وَالنَّسِيئَةِ (۳۵) ولا يُزَوِّجُ عبداً ولا اَمَةً من مالِ الْمُضَارَبَةِ۔

ترجمہ:۔اور مضارب کے لئے نقد اور ادھار دونوں طرح فروخت کرنا جائز ہے لیکن مال مضاربت سے کسی غلام یا لونڈی کی شادی نہ کرے۔

تشریح:۔(۳٤) مضارب کیلئے مال مضاربت نقد اور ادھار دونوں طرح فروخت کرنا جائز ہے کیونکہ یہ سب عادات تجار میں سے ہیں تو عقد مطلق اسکو شامل ہوگا۔(۳۵) البتہ مضارب کو یہ اختیار نہیں کہ مال مضاربت کے کسی غلام کا کسی کے ساتھ نکاح کرے اور نہ یہ اختیار ہے کہ مضاربت کی باندی کو کسی کے نکاح میں دے کیونکہ یہ تجارت نہیں اور عقد مضاربت صرف توکیل بالتجارۃ کو متضمن ہے۔

كتاب الوكالة

یہ کتاب وکالت کے بیان میں ہے۔

کتاب الوکالت کی مضاربت کے ساتھ وجہ مناسبت یہ ہے کہ وکالت مضاربت کے احکام میں سے ہے۔

وکالت لغۃً بمعنی تفویض وسپرد کرنا اور وکیل فعیل کا وزن ہے بمعنی مفعول یعنی مفوّض الیہ۔فقہاء کی اصطلاح میں وکالت یہ ہے کہ کوئی کسی معلوم تصرف میں دوسرے کو اپنا قائم مقام مقرر کر دے۔دوسرے کو اپنا قائم مقام بنانے والے کو مؤکّل اور قائم مقام بنائے ہوئے کو وکیل اور امرِ مفوّض (کام) کو مو کل بہ کہتے ہیں۔

(۱) كُلّ عَقْدٍ جازَ اَنْ يَعْقِدَهُ الْإِنْسانُ بِنَفْسِه جازَ اَنْ يُوَكِّلَ بِه غَيْرَهُ (۲) ويجوزُ التَّوْكِيلُ بِالْخُصُوْمَةِ في سائِرِ الْحُقُوقِ وبِاِثْبَاتِهَا ويجوزُ بالاسْتِيفاءِ (۳) اِلّا في الْحُدُوْدِ وَالقصاصِ فانَّ الوَكالةَ لا تَصِحُّ بِاسْتِيْفَائِهِمَا مع غَيْبَةِ الْمُوَكِّلِ عن الْمَجْلِسِ۔

ترجمہ:۔ ہر وہ عقد جو انسان کو خود کرنا جائز ہو اس میں دوسرے کو وکیل کرنا بھی جائز ہے اور تمام حقوق کے دعویٰ کرنے اور ثابت کرنے کے لئے وکیل بنانا جائز ہے اور حقوق حاصل کرنے کے لئے بھی جائز ہے مگر حدود اور قصاص میں جائز نہیں کیونکہ ان کے وصولی کے لئے

وکالت جائز نہیں جبکہ مجلس سے موکل غائب ہو۔

تشریح :۔(۱) ضابطہ یہ ہے کہ انسان جس عقد کو بذات خود منعقد کر سکتا ہے اس عقد کیلئے دوسرے کو بھی وکیل مقرر کر سکتا ہے کیونکہ انسان کبھی بنفسہ کسی کام کی مباشرت سے عاجز ہوتا ہے لہٰذا اسکو وکیل مقرر کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اسلئے دوسرے کو وکیل بنانا جائز ہے۔

(۲) تمام حقوق میں وکالت بالخصومت (صحیح دعویٰ کرنے اور صریح جواب دینے کیلئے) جائز ہے۔ اسی طرح تمام حقوق کے اثبات اور تمام حقوق کے وصول کرنے کیلئے بھی وکیل بنانا جائز ہے۔(۳) مگر حدود اور قصاص حاصل کرنے کیلئے وکیل بنانا جائز نہیں (مثلاً موکل خود غائب ہو اور وکیل قاتل سے قصاص حاصل کرے) کیونکہ حدود شبہات کی وجہ سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ عدالت میں موکل کے عدم حضور کی صورت میں قاتل کے معاف کرنے کا شبہ موجود ہے یعنی یہ ممکن ہے کہ اگر موکل عدالت میں خود موجود ہوتا تو وہ قاتل کو بری کر دیتا۔

(٤) وقالَ ابُو حَنِيفَةَ رَحِمَه اللّٰه لايَجوزُ التَوْكِيلُ بِالخُصُومةِ اِلّا بِرِضَا الخَصْمِ اِلّا اَنْ يكونَ المُوَكِّلُ مَرِيضاً اَوْ غَائِباً مَسِيرَةَ ثَلٰثةِ ايَام فَصَاعِداً وقالَ اَبُو يُوسُفَ رحِمَه اللّٰه ومُحَمّدٌ رحِمَه اللّٰه يَجوزُ التَوْكِيلُ بغَيْرِ رِضَا الخَصْمِ۔

ترجمه:۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حقوق کی جواب دہی کے لئے وکیل بنانا خصم کی رضامندی کے بغیر جائز نہیں الا یہ کہ موکل مریض ہو یا تین دن یا اس سے زائد کی مسافت پر ہو اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ خصم کی رضا کے بغیر توکیل جائز ہے۔

تشریح :۔(٤) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک خصم کی رضامندی کے بغیر کسی کو وکیل بالخصومت (وکیل برائے جوابدہی) بنانا جائز نہیں مگر یہ کہ موکل بیمار ہو یا تین دن یا زیادہ مدت کی مسافت پر غائب ہو۔ جبکہ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک خصم کی رضامندی کے بغیر بھی وکیل بالخصومت جائز ہے۔

مگر یہ اختلاف نفس جواز میں نہیں کیونکہ نفس جواز پر ائمہ کا اتفاق ہے بلکہ یہ اختلاف لزوم میں ہے یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ توکیل لازم نہیں بلکہ خصم کے رد کرنے سے رد ہو جائیگی اور بعد از رد اگر وکیل عدالت میں خصومت پیش کریگا تو خصم پر عدالت میں حاضر ہونا اور جواب دینا لازم نہ ہوگا اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک خصم پر عدالت میں حاضر ہونا اور جواب دینا لازمی ہوگا۔

صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ وکیل بنانا خالص اپنے حق میں تصرف ہے اور اپنے حق میں تصرف کرنے کیلئے دوسرے کی رضامندی شرط نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ وکیل بالخصومت بنانا خالص اپنے حق میں تصرف نہیں کیونکہ مدعی علیہ پر مدعی کا جواب دینا مدعی کا حق ہے مدعی علیہ پر واجب ہے۔ پس وکیل بالخصومت بنانا خالص اپنے حق میں تصرف نہیں بلکہ مدعی کے حق میں بھی تصرف ہے اسلئے مدعی کی رضامندی ضروری ہے۔

اگر یہ تسلیم کرلیں کہ وکیل بنانا خالص اپنے حق میں تصرف ہے تو بھی اپنے خالص حق میں دوسرے کی رضامندی کے بغیر اس وقت تصرف کرنا درست ہے جبکہ دوسرے کا ضرر نہ ہو یہاں ایسا نہیں کیونکہ خصومتوں کے سلسلے میں لوگوں کی حالتیں مختلف ہوتی ہیں یوں

کہ بعض انتہائی چالاک اور بعض غبی ہوتے ہیں۔(امام صاحبؒ کا قول مفتیٰ بہ ہے کمافی الشامیۃ:۴/۴۳۶)

(۵)وَمِنْ شَرْطِ الوَكَالَةِ اَنْ يَكُونَ المُوَكِّلَ مِمَّنْ يَمْلِكُ التَّصَرُّفَ وَيَلْزَمُهُ الْاَحْكَامُ (٦)وَالوَكِيلُ مِمَّنْ يَعْقِلُ البَيْعَ وَيَقْصُدُهُ۔

ترجمہ:۔اور وکالت کی شرط میں سے یہ ہے کہ موکل ان میں سے ہو جو تصرف کا مالک ہو اور اس پر احکام لازم ہوتے ہوں اور ان میں سے ہو جو بیع کو جانتا ہو اور بیع کا قصد کرتا ہو۔

تشریح:۔(۵)صحت وکالت کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ موکل ایسا شخص ہو جو تصرف کا اختیار رکھتا ہو کیونکہ وکیل کو موکل کی طرف سے تصرف کا اختیار حاصل ہوتا ہے لہذا ضروری ہے کہ موکل خود اس تصرف کا مالک ہو تا کہ دوسرے کو اسکا مالک بنا سکے۔اور یہ بھی صحت وکالت کی شرط ہے کہ موکل ایسا ہو کہ اسکے ذمے احکام لازم ہوتے ہوں لہذا مجور بچہ یا مجور غلام اگر کسی کو وکیل بنائے تو یہ درست نہ ہوگا کیونکہ انکے ذمہ احکام لازم نہیں ہوتے ہیں اگر کوئی چیز خریدتے ہیں تو اسکے مالک نہیں ہوتے ہیں۔

(٦) یہ بھی صحت وکالت کی شرط ہے کہ وکیل ایسا ہو جو بیع کے معنی ومفہوم سمجھتا ہو کہ بیع سے مالک کی ملک از مبیع سلب ہوتی ہے اور ثمن کا مالک ہو جاتا ہے اور مشتری اسکے برعکس ہے اور غبن یسیر وفاحش سے واقف ہو۔اور وکیل اس عقد کا قصد کرتا ہو۔اس سے احتراز ہوا ہازل اور مکرہ سے۔

(۷)وَاِذَا وَكَّلَ الحُرُّ البَالِغُ اوِ المَاذُوْنُ مِثْلَهُمَا جَازَ (۸)وَاِنْ وَكَّلَ صَبِيًّا مَحْجُوراً يَعْقِلُ البَيْعَ وَالشِّرَاءَ اَوْ عَبْداً مَحْجُوْراً جَازَ (۹)وَلايَتَعَلَّقُ بِهِمَا الحُقُوْقُ وَيَتَعَلَّقُ بِمُوَكِّلَيْهِمَا۔

ترجمہ:۔اور اگر حر،بالغ یا ماذون غلام میں سے کسی نے اپنے مثل کو وکیل بنایا تو یہ جائز ہے اور اگر کسی مجور بچے کو وکیل بنایا جو بیع کو جانتا ہو یا مجور غلام کو وکیل بنایا تو جائز ہے لیکن حقوق ان کے ساتھ متعلق نہیں ہونگے بلکہ ان کے موکلوں کے متعلق ہونگے۔

تشریح:۔(۷)اگر آزاد عاقل نے یا ماذون (غلام ہو یا بچہ) نے اپنے مثل (یا اعلیٰ) کو وکیل بنایا تو یہ جائز ہے کیونکہ شرائطِ صحت موجود ہیں کہ موکل مالک تصرف ہے اور وکیل معاملہ کا اہل ہے۔

(۸)اگر آزاد عاقل یا ماذون نے ایسے مجور بچہ کو وکیل بنایا جو بیع وشراء کے معنی کو جانتا ہو یا مجور غلام کو وکیل بنایا تو یہ وکالت درست ہے کیونکہ موکل تصرف کا مالک ہے اور وکیل معاملہ کا اہل ہے کیونکہ بچے کا تصرف ولی کی اجازت سے نافذ ہو جاتا ہے۔اور غلام اپنی ذات پر تصرف کا مالک ہے۔لہذا وکالت کی شرائط صحت موجود ہیں اسلئے یہ وکالت درست ہے۔(۹)البتہ معاملہ کے حقوق ان دو کے ساتھ متعلق نہ ہونگے بلکہ موکل کے ساتھ متعلق ہونگے یعنی سپردگی مبیع اور مطالبہ ثمن اور بصورت عیب مخاصمہ موکل سے ہوگا۔

(۱۰)وَالْعُقُوْدُ الَّتِی یَعْقِدُهَاالوکَلاءُ علی ضَرْبَیْنِ کُلّ عَقْدٍ یُضِیْفُه الوَکِیْلُ اِلی نَفْسِه مِثْلُ الْبَیْعِ وَالشِّرَاءِ وَالْاِجارَۃِ فحُقُوْقُ ذالکَ العَقْدِ یَتَعَلَّقُ بِالوَکِیْلِ دُوْنَ الْمُوَکّلِ فَیُسَلِّمُ الْمَبِیْعَ ویَقْبِضُ الثَمَنَ ویُطالَبُ بِالثَمنِ اِذَا اشْتَرٰی ویَقْبِضُ الْمَبِیْعَ ویُخَاصِمُ فِی العَیْبِ (۱۱)وکُلّ عَقْدٍ یُضِیْفُه الوَکِیْلُ اِلی مُوَکّلِه کالنِّکاحِ وَالخُلْعِ والصُّلحِ عن دَمِ العَمَدِ فاِنّ حُقُوقَه یَتَعَلَّقُ بِالمُوَکّلِ دُونَ الوَکِیْلِ فلا یُطالَبُ وَکِیْلُ الزَّوْجِ بِالمَهْرِ ولا یَلْزَمُ وکِیلُ المَرْاَۃِ تَسْلِیْمُهَا

ترجمہ:۔ اور وہ معاملات جو وکلاء کرتے ہیں وہ دوقسم پر ہیں، ایک وہ کہ جن کو وکیل اپنی طرف منسوب کرتا ہے جیسے خرید وفروخت اور اجارہ پس ان کے حقوق وکیل کے ساتھ متعلق ہونگے نہ کہ موکل کے ساتھ پس وکیل ہی مبیع حوالہ کردیگا اور ثمن وصول کریگا اور اگر کوئی چیز خریدیگا تو اسی سے ثمن طلب کیا جائیگا اور وہی مبیع پر قبضہ کریگا اور عیب کی صورت میں اسی کے ساتھ جھگڑا کیا جائیگا، دوسرے وہ کہ جن کو وکیل اپنے موکل کی طرف منسوب کرتا ہے جیسے نکاح، خلع اور دم عمد سے صلح تو ان کے حقوق موکل کے متعلق ہونگے نہ کہ وکیل کے پس زوج کے وکیل سے مہر کا مطالبہ نہیں کیا جائیگا اور عورت کے وکیل پر عورت حوالہ کرنا لازم نہیں ہوگا۔

تشریح:۔(۱۰) جو معاملے وکلاء کرتے ہیں وہ دوقسم پر ہیں۔/ **نمبر ۱**۔جن کو وکیل اپنی طرف منسوب کرتا ہے جیسے خرید وفروخت اور اجارہ تو ان کے حقوق وکیل کے ساتھ متعلق ہونگے موکل کے ساتھ نہیں مثلاً بصورت فروخت وکیل ہی مبیع سپرد کریگا اور وہ ہی ثمن وصول کریگا اور مبیع کے عیب کی صورت میں اسی سے جھگڑا ہوگا اور بصورت خرید وکیل ہی سے ثمن کا مطالبہ کیا جائیگا اور وہ ہی مبیع پر قبضہ کریگا۔

/**نمبر ۲**۔(۱۱) جن کو وکیل اپنے موکل کی طرف منسوب کرتا ہے جیسے نکاح، خلع، صلح عن دم العمد تو انکے حقوق موکل کے ساتھ متعلق ہونگے نہ کہ وکیل کے ساتھ چنانچہ عقد نکاح میں جو شخص شوہر کا وکیل ہو تو مہر کا مطالبہ وکیل سے نہیں بلکہ موکل (شوہر) سے کیا جائیگا اور اگر عورت کا وکیل ہو تو عورت کا سپرد کرنا وکیل پر لازم نہ ہوگا بلکہ خود عورت پر خود کو سپرد کرنا لازم ہوگا۔

(۱۲)وَاِذَا طَالَبَ الْمُوَکّلُ الْمُشْتَرِیَ بِالثَّمَنِ فَلَهُ اَنْ یَمْنَعَه اِیَّاہ فَاِنْ دَفَعَه اِلَیْه جازَ ولم یَکُنْ لِلوَکِیْلِ اَنْ یُطالِبَه ثَانِیاً۔

ترجمہ:۔ اور اگر موکل مشتری سے ثمن کا مطالبہ کرے تو مشتری کو حق ہے کہ موکل کو ثمن دینے سے منع کردے اور اگر مشتری نے ثمن موکل کو دیدیا تو جائز ہے اور اب وکیل کے لئے یہ جائز نہیں کہ اس سے دوبارہ مطالبہ کرے۔

تشریح:۔(۱۲) اگر وکیل نے کوئی چیز فروخت کی اور مشتری سے ثمن کا مطالبہ وکیل کے بجائے موکل نے کیا تو مشتری موکل سے ثمن روک سکتا ہے کیونکہ عقد کے حقوق عاقد یعنی وکیل کے ساتھ متعلق ہیں اور موکل عقد سے اجنبی ہے اسلئے موکل مشتری سے ثمن کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔ اور اگر مشتری نے ثمن موکل ہی کو دیدیا تو یہ بھی جائز ہے اور وکیل کو دوبارہ مطالبہ کا حق نہ ہوگا کیونکہ مقصود حاصل ہوگیا۔

(۱۳)وَمَنْ وَكَّلَ رَجُلاً بِشِراءِ شَيءٍ فلا بُدَّ مِن تَسْمِيَةِ جِنْسِه وَصِفَتِه ومَبْلَغِ ثَمَنِه اِلّا اَنْ يُوَكِّلَه وَكَالَةً عَامَّةً فيَقُولُ اِبْتَعْ ما رَأيْتَ (۱۴)وَاِذَا اشْتَرى الوَكِيلُ وَقَبَضَ المَبِيْعَ ثمّ اطّلَعَ عَلى عَيْبٍ فلَه اَنْ يَرُدَّه بالعَيْبِ ما دَامَ المَبِيْعُ في يَدِه فإنْ سَلَّمَه اِلى المُوَكِّلِ لَمْ يَرُدَّه اِلّا بِاِذْنِه۔

ترجمه:۔اور جو شخص کسی کو کسی چیز کے خریدنے کا وکیل بنادے تو اس چیز کی جنس، اس کی صفت اور اس کی قیمت کی مقدار بیان کرنا ضروری ہے الا یہ کہ وہ اس کو وکالت عامہ سپرد کردے اور یہ کہے کہ جو تو میرے لئے پسند کرے وہی خرید لے اور اگر وکیل نے کوئی چیز خرید لیا اور مبیع پر قبضہ کرلیا پھر یہ کسی عیب پر مطلع ہوا تو وکیل کو اختیار ہے کہ مبیع کو عیب کی وجہ سے واپس کردے جب تک کہ مبیع اس کے ہاتھ میں ہو اور اگر وکیل نے مبیع موکل کو سپرد کردیا تو اب وکیل مبیع موکل کی اجازت کے بغیر رد نہیں کرسکتا۔

تشریح:۔(۱۳) اگر کسی شخص کو کسی شی کے خریدنے کا وکیل بنایا تو صحت وکالت کیلئے ضروری ہے کہ اس شی کی جنس (کہ غلام خرید لے یا لونڈی) اور صفت (یعنی نوع مثلاً ترکی ہو یا حبشی) اور قیمت کی مقدار بیان کرے تا کہ جس کام کیلئے وکیل بنایا گیا ہے وہ معلوم ہو سکے اور تعمیل حکم ممکن ہو سکے البتہ اگر اسکو وکالت عامہ سپرد کرے مثلاً کہے کہ میرے لئے وہ چیز خرید لے جسکو تو مناسب سمجھے تو اس صورت میں جنس، صفت اور مقدار قیمت بتانے کی ضرورت نہیں کیونکہ موکل نے معاملہ اسکی رائے کے حوالہ کردیا تو جس چیز کو بھی وکیل خریدے گا حکم کے موافق سمجھا جائیگا۔

(۱۴) اگر وکیل نے کوئی چیز خریدی اور اس پر قبضہ کیا پھر مبیع کے کسی عیب پر مطلع ہوا تو جب تک کہ مبیع وکیل کے ہاتھ میں ہو اس وقت تک بوجہ عیب مبیع واپس کرسکتا ہے کیونکہ معاملہ کے حقوق وکیل کے متعلق ہیں۔اور اگر وکیل نے مبیع موکل کے حوالہ کردی تو اب موکل کی اجازت کے بغیر واپس نہیں کرسکتا کیونکہ مبیع کے حوالہ کرنے سے وکالت کا حکم انتہاء کو پہنچ جاتا ہے۔

(۱۵)ويَجوزُ تَوْكِيْلُ بِعَقْدِ الصَّرْفِ اَوِ السَّلَمِ (۱۶)فإنْ فَارَقَ الوَكِيْلُ صَاحِبَه قَبْلَ القَبْضِ بَطَلَ العَقْدُ (۱۷)وَلا يُعْتَبَرُ مُفارَقَةُ المُوَكِّلِ۔

ترجمه:۔اور عقد صرف اور عقد سلم میں وکیل بنانا جائز ہے پس اگر وکیل عاقد ثانی سے مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے جدا ہوا تو عقد باطل ہو جائیگا اور موکل کی جدائی کا اعتبار نہیں۔

تشریح:۔(۱۵) عقد صرف وسلم کیلئے وکیل بنانا جائز ہے کیونکہ یہ ایسے عقود ہیں جن کو موکل خود کرسکتا ہے اور یہ پہلے گذر چکا کہ جس عقد کو موکل خود کرسکتا ہے اس کیلئے دوسرے کو بھی وکیل بناسکتا ہے۔(۱۶) اور مذکورہ عقود میں اگر وکیل اور عاقد آخر عوضین پر قبضہ کرنے سے پہلے ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں تو عقد باطل ہو جائیگا کیونکہ بلا قبضہ افتراق پایا گیا۔(۱۷) اور اگر موکل قبل القبض مجلس عقد سے چلا جائے تو اسکا اعتبار نہیں بیع باطل نہ ہوگی کیونکہ موکل عاقد نہیں جبکہ قبضہ عاقد کا ضروری ہے اور وہ وکیل ہے۔

☆ ☆ ☆

(۱۸)وَاِذَا دَفَعَ الوَكِيْلُ بِالشِّرَاءِ الثَّمَنَ مِنْ مالِه وقَبَضَ المَبِيْعَ فلَه اَنْ يَّرْجِعَ بِه عَلَى المُوَكِّلِ (۱۹)فَاِنْ هَلَكَ المَبِيْعُ فِي يَدِه قَبْلَ حَبْسِه هَلَكَ من مالِ المُوَكِّلِ ولَمْ يَسْقُطِ الثَّمَنَ۔

ترجمہ:۔اور اگر وکیل بالشراء نے اپنے مال میں سے ثمن کو ادا کر دیا اور مبیع پر قبضہ کر دیا تو اسے حق ہے کہ اس کے لئے موکل سے رجوع کرے اور اگر قبل اس کے کہ وکیل اپنے روپیہ کی وجہ سے اس مبیع کو روکے اور وہ مبیع وکیل کے پاس ضائع ہو جائے تو وہ موکل کے مال سے ضائع ہوگی اور ثمن ساقط نہ ہوگا۔

تشریح:۔(۱۸)اگر وکیل بالشراء (جسکو کسی شی کی خرید کیلئے وکیل بنایا ہو) نے بائع کو ثمن اپنے مال سے دیدیا اور مبیع پر قبضہ کرلیا تو وکیل کیلئے موکل سے رجوع کر کے ثمن لینا جائز ہے کیونکہ موکل کی طرف سے دلالۃً اذن پایا جاتا ہے اسلئے کہ عقد کے تمام حقوق وکیل کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں تو ثمن کا مطالبہ وکیل سے ہوگا اور موکل کو اسکا علم ہے پھر بھی وکیل کو ثمن نہیں دیا تو گویا موکل اس بات پر راضی ہے کہ وکیل اپنے مال سے ثمن ادا کرے اور موکل کا اس پر راضی ہونا گویا کہ موکل کی طرف سے یہ اجازت ہے کہ ثمن تو اپنے مال سے ادا کر سکتا ہے۔

(۱۹) پس اگر اسی صورت میں قبل الحبس (یعنی موکل کے مطالبہ پر وکیل نے ثمن کی وجہ سے مبیع اپنے پاس نہیں روکی تھی) مبیع ہلاک ہوگئی تو یہ مبیع موکل کے مال سے ہلاک ہوئی نہ کہ وکیل کے مال سے اور ثمن موکل کے ذمہ سے ساقط نہ ہوگا کیونکہ وکیل کا قبضہ حکماً موکل کا قبضہ ہے تو گویا کہ موکل کے ہاتھ سے ہلاک ہوئی ایسے میں وکیل کا حق رجوع ساقط نہ ہوگا۔

(۲۰)ولَه اَنْ يَّحْبِسَه حتّى يَسْتَوْفِيَ الثَّمَنَ (۲۱)فَاِنْ حَبَسَه فَهَلَكَ فِي يَدِه كانَ مَضْمُوْناً ضَمانَ الرَّهْنِ عِنْدَ اَبِي يُوْسُفَ رحمَه اللّٰه وَضَمانَ المَبِيْعِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رحمَه اللّٰه۔

ترجمہ:۔اور وکیل کو یہ حق ہے کہ جب تک مبیع کی قیمت وصول نہ کر دے مبیع کو روک دے پس اگر اس نے مبیع کو روک لیا اور وہ اس کے ہاتھ میں ہلاک ہوگئی تو یہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک رہن کی طرح مضمون ہوگی اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک مبیع کی طرح مضمون ہوگی۔

تشریح:۔(۲۰) مذکورہ بالا صورت میں وکیل ثمن وصول کرنے کیلئے مبیع کو روک سکتا ہے "لِاَنَّ الْوَكِيْلَ مَعَ الْمُوَكِّلِ بِمَنْزِلَةِ الْبَائِعِ وَالْمُشْتَرِيْ"۔(۲۱)اور اگر وکیل نے مبیع اپنے پاس روک لیا پھر وہ وکیل کے ہاتھ میں ہلاک ہوگئی تو امام یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ضمان رہن کی طرح مضمون ہوگی یعنی مبیع کی قیمت و ثمن میں سے جو کم ہوگا اسکے ساتھ مضمون ہوگی مثلاً وکیل نے بائع سے مبیع پندرہ روپیہ ثمن پر خریدی اور ہلاک شدہ مبیع کی قیمت دس روپیہ ہے تو قیمت کے ساتھ مضمون ہوگی یعنی موکل کے ذمہ وکیل کیلئے پندرہ روپیہ واجب ہیں اور موکل کیلئے وکیل پر مبیع کا تاوان دس روپیہ واجب ہیں تو ثمن میں سے تاوان کے دس روپیہ منہا کرنے کے بعد وکیل موکل سے پانچ روپیہ واپس لیگا اور اگر ثمن دس روپیہ ہوں اور مبیع کی قیمت پندرہ روپیہ ہوں تو مبیع ثمن کے ساتھ مضمون ہوگی یعنی وکیل دس روپیہ تاوان دیگا تو چونکہ وکیل کا موکل پر بیع کے دس روپیہ واجب ہیں اور موکل کا وکیل پر تاوان کے دس روپیہ واجب

ہیں تو ایک دوسرے سے رجوع نہیں کرینگے۔

امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ضمان مبیع کی طرح مضمون ہوگی یعنی جس طرح کہ مبیع اگر بائع کے قبضہ میں ہلاک ہو جائے تو مشتری کے ذمہ سے اسکا ثمن ساقط ہو جاتا ہے مبیع کی قیمت خواہ ثمن سے کم ہو یا زیادہ۔ اسی طرح وکیل کے قبضہ میں مبیع کی ہلاکت کی صورت میں موکل کے ذمہ سے ثمن ساقط ہو جائیگا خواہ مبیع کی قیمت ثمن سے کم ہو یا زیادہ یہی قول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہے اور یہی قول راجح ہے۔

امام یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ ثمن کی وجہ سے مبیع روکنا رہن کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے اسلئے یہ مبیع ضمان رہن کی طرح مضمون ہوگی۔ طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ وکیل بمنزلہ بائع اور موکل بمنزلہ مشتری کے ہے اسلئے وکیل سے ہلاک شدہ مبیع ضمان بیع کی طرح مضمون ہوگی۔

(۲۲) وإذَا وَكَّلَ رَجُلٌ رَجُلَيْنِ فليسَ لِأحَدِهِمَا أَنْ يَتصرَّفَ فِيمَا وُكِّلَا فِيهِ دُونَ الآخَرِ (۲۳) إلَّا أَنْ يُوَكِّلَهُمَا بِالخُصُومَةِ أَوْ بِطلاقِ زَوْجَتِهِ بِغَيْرِ عِوَضٍ او بِعِتْقِ عَبْدِهِ بِغَيْرِ عِوَضٍ او بِرَدِّ وَدِيْعَةٍ عِنْدَه أَوْ بِقَضَاءِ دَيْنٍ عَلَيْهِ۔

ترجمہ:۔ اور اگر کسی نے دو آدمیوں کو وکیل بنایا تو جس چیز میں ان کو وکیل بنایا ہے اس میں کسی ایک کے لئے دوسرے کے بغیر تصرف کرنا جائز نہیں الا یہ کہ ان دونوں کو کسی جوابدہی کے لئے وکیل بنائے یا بغیر کسی عوض کے اس کی بیوی کو طلاق دینے یا بغیر کسی عوض کے اس کے غلام کو آزاد کرنے یا اس کے پاس جو امانت ہے اس کو واپس کر دینے یا اس پر جو قرضہ ہے اس کو ادا کرنے کے لئے وکیل بنائے۔

تشریح:۔ (۲۲) اگر کسی نے دو آدمیوں کو ایک ساتھ وکیل بنایا (مثلاً کہا کہ وَكَّلْتُكُمَا) تو کسی ایک کیلئے دوسرے کے بغیر موکل بہ میں تصرف کرنا جائز نہیں کیونکہ موکل دو کی رائے سے کئے ہوئے معاملہ پر راضی ہے نہ کہ ایک کی رائے سے اسی لئے تو موکل نے دو کو وکیل بنائے تھے۔

(۲۳) البتہ اگر وکیل بالخصومت بنائے تھے یا اپنی بیوی کو بلا عوض طلاق دینے یا اپنے غلام کو بلا عوض آزاد کرنے یا امانت کی واپسی کیلئے یا اپنا قرضہ ادا کرنے کیلئے وکیل بنائے تھے تو ان صورتوں میں ایک کا تصرف بھی نافذ ہوگا کیونکہ وکیل بالخصومت کی صورت میں اگر مجلس قضاء میں دونوں جوابدہی کرینگے تو شور وشغب ہوگا۔ اور باقی صورتوں میں چونکہ رائے کی ضرورت نہیں بلکہ محض موکل کے کلام کی تعبیر ہوتی ہے جس میں ایک اور دو برابر ہیں۔

(۲۴) وَلَيسَ لِلْوَكِيلِ أَنْ يُوَكِّلَ فِيمَا وُكِّلَ بِهِ إلَّا أَنْ يَأْذَنَ لَه المُوَكِّلُ أَوْ يَقُولَ لَه اِعْمَلْ بِرَأيِكَ (۲۵) فَإنْ وَكَّلَ بِغَيْرِ اذنِ مُوَكِّلِه فَعَقَدَ وَكِيْلُه بِحَضْرَتِه جازَ وإنْ عَقَدَ بِغَيْرِ حَضْرَتِه فَأجَازَه الوَكِيلُ الْأوَّلُ جازَ۔

ترجمہ:۔ اور وکیل کے لئے یہ جائز نہیں کہ جس کام کے لئے وہ خود وکیل بنایا گیا ہے اس میں کسی اور کو وکیل بنائے الا یہ کہ موکل نے اس کو اجازت دی ہو یا موکل اس سے کہدے کہ تو اپنی رائے پر عمل کر پس اگر اس نے موکل کی اجازت کے بغیر کسی کو وکیل بنا دیا اور وکیل نے اس کے سامنے عقد کر لیا تو یہ جائز ہے اور اگر اس کے غیر حاضری میں عقد کر لیا پھر وکیل اول نے اس کو جائز قرار دیا تو یہ جائز ہے۔

تشریح:۔ (۲۴) وکیل کو یہ حق نہیں کہ جس کام کیلئے اس کو وکیل بنایا گیا ہے وہ اسی کام کیلئے دوسرے کو وکیل بنائے کیونکہ موکل نے وکیل

کواس کام میں تصرف کا اختیار دیا ہے اسمیں دوسرے کو وکیل بنانے کا اختیار نہیں دیا ہے۔البتہ اگر موکل اسکو اجازت دیدے تو جائز ہے کیونکہ رضامندی پائی گئی اور یا موکل نے وکیل سے کہا، کہ اپنی رائے پر عمل کر جیسا بھی چاہے، کیونکہ اس صورت میں تصرف علی الاطلاق وکیل کی رائے کے سپرد کیا گیا ہے۔

(۲۵) اگر وکیل نے موکل کی اجازت کے بغیر دوسرے کو وکیل بنادیا پھر وکیل ثانی نے اول کی موجودگی میں کوئی عقد کیا تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ عقد وکیل اول کی رائے سے منعقد ہوا ہے اور اگر وکیل ثانی نے وکیل اول کی عدم موجودگی میں عقد کیا پھر وکیل اول نے اس عقد کو منظور کیا تو یہ عقد بھی جائز ہے کیونکہ یہ بھی وکیل اول کی رائے سے نافذ ہوا ہے۔

(۲٦) وللمُوَكِّلِ اَنْ يَعْزِلَ الْوَكِيْلَ عنِ الوَكالَةِ (۲۷) فإنْ لم يَبْلُغْهُ العَزْلُ فَهُوَ عَلَى وَكالَتِهِ وَتَصَرُّفُه جائزٌ حتّى يَعْلَمَ

ترجمہ:۔اور موکل کو یہ اختیار ہے کہ وکیل کو وکالت سے معزول کردے پھر اگر وکیل کو اپنی معزولی کی خبر نہیں پہنچی تھی تو وہ اپنی وکالت پر برقرار رہیگا اور اس کا تصرف جائز ہے جب تک اسے معلوم نہ ہو۔

تشریح:۔(۲٦) موکل کو اختیار ہے کہ وہ اپنے وکیل کو معزول کردے کیونکہ وکالت موکل کا حق ہے لہذا اسکو اپنا حق باطل کرنے کا اختیار ہوگا۔(۲۷) اگر موکل نے وکیل کو معزول کردیا اور وکیل کو اسکی اطلاع نہ ہوئی تو وہ اپنی وکالت پر برقرار رہے گا اور اسکا تصرف جائز ہوگا یہاں تک کہ اسکو اپنا معزول ہونا معلوم ہوجائے کیونکہ عزل نہی ہے اور اوامر ونواہی کا حکم ثابت نہ ہوگا مگر بعد العلم۔

(۲۸) وَتَبْطُلُ الوَكالةُ بِمَوتِ الْمُوَكِّلِ وجُنُونِه جُنُوناً مُطْبِقاً ولِحَاقِه بِدَارِ الحَرْبِ مُرْتَدًّا۔

ترجمہ:۔اور وکالت موکل کی موت، اور اس کے جنونِ مطبق، اور مرتد ہوکر دار الحرب چلے جانے سے باطل ہوجاتی ہے۔

تشریح:۔(۲۸) وکیل کی وکالت موکل کی موت اور موکل کے جنون مطبق (یعنی دائمی جنون) اور مرتد ہوکر دار الحرب چلے جانے سے باطل ہوجاتی ہے کیونکہ توکیل غیر لازم تصرف ہے اور غیر لازم تصرف کے دوام کو اسکی ابتداء کا حکم ہے اور ابتداءً میں وکالت کیلئے حکم اور امر موکل ضروری ہے تو بقاء کیلئے بھی امر موکل کا پایا جانا ضروری ہے اور مذکورہ عوارض کی وجہ سے موکل کا امر باطل ہوجاتا ہے لہذا وکالت بھی باطل ہوجائیگی۔

(۲۹) وَاِذَا وَكَّلَ الْمُكاتَبُ رَجُلاً ثم عَجَزَ او المَاذُوْنَ لَه فَحُجِرَ عليه اَوِ الشَّرِيْكانِ فَافْتَرَقَا فهذِه الوُجُوْهُ كُلّهايُبْطِلُ الوَكالَةَ عَلِمَ الوَكِيْلُ اَوْلَمْ يَعْلَمْ۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی نے مکاتب غلام کو وکیل بنایا پھر وہ عاجز ہوگیا یا ماذون غلام کو وکیل بنایا پھر وہ محجور ہوگیا یا دو شریک تھے پھر وہ جدا ہوگئے تو یہ تمام وجوہ وکالت کو باطل کردیتے ہیں وکیل کو علم ہو یا نہ ہو۔

تشریح:۔(۲۹) اگر مکاتب نے کسی کو وکیل بنایا پھر مکاتب بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز ہوگیا یا ماذون (خواہ بچہ ہو یا غلام) نے کسی کو وکیل بنایا پھر وہ محجور ہوا (یعنی اسکو تجارت کرنے سے روک دیا) یا دو شریکوں میں سے ایک نے کسی تیسرے کو وکیل بنایا پھر شریکین نے

شرکت ختم کر کے جدا ہو گئے تو ان تمام صورتوں میں وکالت باطل ہو جائیگی خواہ وکیل کو علم ہو یا نہ ہو کیونکہ وکالت کی بقاء قیامِ امر پر موقوف ہے اور موکل کا امر عجز، حجر اور افتراق سے باطل ہو گیا۔ اور اس تعمیم، کہ وکیل کو علم ہو یا نہ ہو، کی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ صورتوں میں وکیل کا معزول ہونا امر حکمی (یعنی غیر اختیاری ہے کیونکہ معزول کئے بغیر بھی وکیل معزول ہو جاتا ہے) اور عزل حکمی کیلئے وکیل کا علم شرط نہیں۔

(۳۰) وَاِذَا مَاتَ الوَكِيلُ اَوْ جُنَّ جُنُوناً مُطْبِقاً بَطَلَتْ وَكَالَتُه (۳۱) وانْ لَحِقَ بِدَارِ الحَرْبِ مُرْتَدًّا لَمْ يَجُزْ لَه التَّصَرّفُ اِلّا انْ يَعُوْدَ مُسْلِماً۔

توجمه:۔ اور اگر وکیل مرگیا یا جنون مطبق اس پر طاری ہوا تو اس کی وکالت باطل ہوگئی اور اگر مرتد ہو کر دار الحرب چلا گیا (نعوذ باللہ) تو اب اس کے لئے تصرف کرنا جائز نہیں الا یہ کہ وہ مسلمان ہو کر واپس آئے۔

تشریح:۔ (۳۰) اگر وکیل مرگیا یا جنون مطبق اس پر طاری ہوا تو وکالت باطل ہوگئی بطلان اہلیت کی وجہ سے۔ (۳۱) اور اگر وکیل مرتد ہو کر (نعوذ باللہ) دار الحرب چلا گیا تو اسکا تصرف جائز نہیں سقوط اہلیت کی وجہ سے مگر یہ کہ وہ مسلمان ہو کر واپس آئے تو اسکا تصرف جائز ہو جائیگا۔ اور مرتد وکالت سے معزول نہیں ہوتا جب تک کہ قاضی اسکے چلے جانے کا حکم نہ دیدے۔

(۳۲) وَمَنْ وَكّلَ رَجُلاً بِشَيءٍ ثمّ تَصَرّفَ المُوَكّل بِنَفْسِه فِيما وَكّلَ به بَطَلَتِ الوَكالةُ (۳۳) وَالوَكِيلُ بِالبَيْعِ وَالشّرَاءِ لا يَجُوزُ لَه اَنْ يَعْقِدَ عندابي حَنِيْفَةَ مع اَبِيْه وَجَدّه ووَلَدِه وَوَلَدِولَدِه وزَوجَتِه وعَبْدِه و مُكاتَبِه وقالَ ابو يوسُف رحِمَه اللّه ومُحَمّدٌ رحِمَه اللّه يَجُوزُ بَيْعُه مِنهُمْ بِمِثْلِ القِيْمَةِ اِلّا في عَبْدِه ومُكاتَبِه۔

توجمه:۔ اور جس نے کسی کو کسی کام کے لئے وکیل بنایا پھر جس کام کے لئے اس کو وکیل بنایا تھا وہ کام موکل نے خود کرلیا تو وکالت باطل ہوگئی اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وکیل بالبیع والشراء کا اپنے باپ، دادا بیٹے، پوتے، اپنی بیوی، اپنے غلام، اور اپنے مکاتب کے ساتھ عقد کرنا جائز نہیں اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مثل قیمت کے ساتھ اس کی بیع ان کے ساتھ جائز ہے مگر اس کا اپنے غلام اور مکاتب کے ساتھ بیع جائز نہیں۔

تشریح:۔ (۳۲) اگر کسی شخص کو کسی کام کیلئے وکیل بنایا پھر جس کام کیلئے اسکو وکیل بنایا تھا وہ کام موکل نے خود یا دوسرے وکیل کے ذریعے کرالیا تو وکالت باطل ہو جائیگی کیونکہ موکل کے تصرف کے بعد وکیل کیلئے تصرف کرنا متعذر ہے لہذا وکالت باطل ہو جائیگی۔ (۳۳) امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وکیل بالبیع والشراء کا اپنے باپ، دادا یا ہر اس شخص کے ساتھ جس کی گواہی اس کے حق میں قبول نہ کی جائیگی (مثلاً بیٹے، پوتے، بیوی، غلام اور مکاتب وغیرہ کے ساتھ) عقد کرنا جائز نہیں کیونکہ ان کے درمیان اتصال منافع ہے (اس لئے ایک دوسرے کے مال سے نفع اٹھاتے ہیں) جسکی وجہ سے تہمت کا احتمال ہے۔ یہی قول راجح ہے۔

صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ وکیل کا مذکورہ رشتہ داروں کے ساتھ مثل قیمت پر (جس میں غبن نہ ہو) عقد کرنا جائز ہے کیونکہ توکیل مطلق ہے (یعنی یہ قید نہیں کہ فلاں کے ساتھ عقد کی اجازت ہے اور فلاں کے ساتھ اجازت نہیں)۔ البتہ وکیل کا

اپنے غلام و مکاتب کے ساتھ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک بھی عقد کرنا جائز نہیں کیونکہ غلام پر کچھ فروخت کرنا گویا خود اپنے ہاتھ فروخت کرنا ہے۔ اسی طرح مکاتب کی کمائی میں بھی مولیٰ کا حق ہے اور بصورت عجز مولیٰ کا یہ حق حقیقت مِلک کے ساتھ بدل جاتا ہے تو مکاتب پر کچھ فروخت کرنا گویا اپنے ہاتھ فروخت کرنا ہے۔

(۳۴) وَالوَكِيلُ بَالبَيعِ يجوز بَيعُه بِالقَلِيلِ وَالكَثِيرِ عِندَابي حَنِيفةَ رحمَه اللّٰه وقالا رَحِمَهُمَا اللّٰه لايَجُوزُ بَيعُه بِنُقصانٍ لا يَتَغَابَنُ النّاسُ في مِثلِه (۳۵) وَالوَكِيلُ بِالشّراءِ يجوزُ عَقدُه بِمِثلِ القِيمَةِ وزِيادَةٍ يَتَغَابَنُ النّاسُ في مِثلِهَا ولا يجوزُ بِمَا لا يَتَغَابَنُ النّاسُ في مِثلِه (۳۶) وَالّذِيْ لايَتَغَابَنُ النّاسُ فِيه مَالا يَدْخُلُ تَحتَ تَقوِيمِ المُقَوّمِينَ۔

ترجمہ:۔ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وکیل بالبیع کے لئے جائز ہے کہ کمی بیشی کے ساتھ فروخت کر دے اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اتنی کمی کے ساتھ فروخت کرنا جائز نہیں جتنی میں لوگ دھوکہ نہ کھاتے ہوں جائز نہیں اور وکیل بالشراء کے لئے مثل قیمت اور کچھ زیادہ قیمت کے ساتھ جسکے مثل میں لوگ عموماً دھوکہ کھاتے ہوں کے ساتھ عقد جائز ہے اور اتنی زیادتی کے ساتھ جائز نہیں جس کے مثل میں لوگ دھوکہ نہ کھاتے ہوں اور جس کے مثل میں لوگ دھوکہ نہ کھاتے ہوں وہ قیمت ہے جو قیمت لگانے والوں میں سے کسی کی قیمت لگانے میں داخل نہ ہو۔

تشریح:۔ (۳۴) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وکیل خواہ ثمن قلیل کے ساتھ اور خواہ کثیر کے ساتھ مبیع بیچ دے جائز ہے کیونکہ توکیل مطلق ہے (یعنی یہ قید نہیں کہ اتنے ثمن پر فروخت کراتنے پر نہیں)۔ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک ایسے نقصان فاحش کے ساتھ فروخت کرنا جتنے سے لوگ عموماً دھوکہ نہ کھاتے ہوں جائز نہیں کیونکہ توکیل مقید بقید التعارف ہوتا ہے اور متعارف یہی ہے کہ ثمن مثل کے ساتھ فروخت کردے غبن فاحش کے ساتھ نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے۔

(۳۵) وکیل بالشراء کیلئے مثل قیمت اور غبن یسیر کے ساتھ (جسکے مثل میں عموماً لوگ دھوکہ کھاتے ہوں) خریدنا جائز ہے۔ مگر یہ اسوقت ہے جبکہ خریدی ہوئی چیز کی قیمت معلوم نہ ہو مثلاً گھر، فرس وغیرہ اور اگر اسکی قیمت معلوم ہو جیسے روٹی گوشت وغیرہ وہ غبن یسیر کے ساتھ بھی جائز نہیں اور غبن فاحش کے ساتھ تو کسی حال میں بھی بالاتفاق جائز نہیں۔

(۳۶) صاحب کتاب نے غبن فاحش کی یوں تعریف کی ہے کہ جس کے مثل میں لوگ دھوکہ نہ کھاتے ہوں، وہ قیمت ہے جو قیمت لگانے والوں میں سے کسی کی قیمت لگانے میں داخل نہ ہو اور اسکا مقابل وہ ہے جو بعض مقومین کی تقویم میں داخل ہو۔

(۳۷) وَاِذَاضَمِنَ الوَكِيلُ بِالبَيعِ الثَّمَنَ عَنِ المُبتَاعِ فَضَمانُه بَاطِلٌ (۳۸) فَاِذَا وَكّلَه بِبَيعِ عَبدِه فَبَاعَ نِصفَه جازَ عِندَابي حَنِيفَةَ رحمَه اللّٰه (۳۹) وَاِنْ وَكّلَه بِشراءِ عبدٍ وَاشتَرىٰ نِصفَه فَالشّراءُ مَوقُوفٌ فَاِنْ اشتَرىٰ بَاقِيَهُ لَزِمَ المُوَكّلَ۔

ترجمہ:۔ وکیل بالبیع اگر مشتری کی طرف سے بھی ثمن کا ضامن ہو جائے تو یہ ضمانت باطل ہے اور اگر کسی کو اپنا غلام فروخت کرنے کا

وکیل بنایا پس وکیل نے آدھا غلام فروخت کیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے اور اگر کسی نے دوسرے کو غلام خریدنے کا وکیل بنایا پس وکیل نے آدھا غلام خریدا تو یہ خرید بالاتفاق موقوف ہوگی پھر اگر اس نے بقیہ خرید لیا تو موکل کو لازم ہوگا۔

تشریح:۔(۳۷) وکیل بالبیع اگر مشتری کی طرف سے بھی ثمن کا ضامن ہو جائے تو یہ ضمانت باطل ہے کیونکہ وکیل کا حکم یہ ہے کہ ثمن اسکے ہاتھ میں امانت ہو تو مشتری کا ضامن ہو کر موجب وکالت یعنی امانت کی نفی جائز نہیں جس طرح کہ اگر مودَع پر ودیعت کی ضمانت کی شرط کرلے تو جائز نہیں۔

(۳۸) اگر کسی کو اپنا غلام فروخت کرنے کا وکیل بنایا پس وکیل نے آدھا غلام فروخت کیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے کیونکہ توکیل مطلق ہے اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک جائز نہیں کیونکہ یہ غیر متعارف ہے اور موکل کیلئے ضرر شرکت بھی ہے۔ صاحبین رحمہما اللہ کا قول مفتیٰ بہ ہے۔

(۳۹) اگر کسی نے دوسرے کو غلام خریدنے کا وکیل بنایا پس وکیل نے آدھا غلام خریدا تو یہ خرید موقوف ہوگی پھر اگر موکل کی خصومت سے پہلے باقی نصف خرید لیا تو یہ خریداری موکل پر لازم ہوگی اور اگر وکیل و موکل نے مجلس قاضی میں اس نصف خریداری پر خصومت کی بعد میں وکیل نے باقی حصہ خریدا تو یہ خریداری وکیل پر لازم ہوگی موکل پر لازم نہ ہوگی۔

(۴۰) وَاِذَا وَكَّلَه بِشِرَاءِ عَشَرَةِ اَرْطَالِ اللَّحْمِ بِدِرْهَمٍ فَاشْتَرٰى عِشْرِينَ رِطْلاً بِدِرْهَمٍ مِنْ لَحْمٍ يُبَاعُ مِثْلُه عَشَرَةَ اَرْطَالٍ بِدِرْهَمٍ لَزِمَ الْمُوَكِّلَ مِنْه عَشَرَةٌ بِنِصْفِ دِرْهَمٍ عِنْدَ اَبِى حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يَلْزَمُه الْعِشْرُوْنَ۔

ترجمہ:۔ اگر کسی نے دوسرے کو ایک درہم کے عوض دس رطل گوشت خریدنے کا وکیل بنایا پھر وکیل نے ایک درہم کے عوض بیس رطل ایسا گوشت خریدا جو ایک درہم کے عوض دس رطل فروخت کیا جاتا ہے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک موکل پر اس میں سے نصف درہم کے عوض دس رطل گوشت لازم ہوگا اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ موکل کو بیس کے بیس رطل لازم ہونگے۔

تشریح:۔(۴۰) اگر کسی نے دوسرے کو ایک درہم کے عوض دس رطل (چونتیس تولہ ڈیڑھ ماشہ کا ایک وزن ہے) گوشت خریدنے کا وکیل بنایا مگر وکیل نے ایک درہم کے عوض بیس رطل ایسا گوشت خریدا جو ایک درہم کے عوض دس رطل فروخت کیا جاتا ہے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک موکل پر اس میں سے نصف درہم کے عوض دس رطل گوشت لازم ہوگا کیونکہ موکل نے دس رطل خریدنے کا امر کیا تھا۔ اور موکل کی طرف سے دس رطل سے زائد کا وکیل مامور نہیں لہذا موکل پر نہیں بلکہ وکیل پر لازم ہوگا۔ یہی قول راجح ہے۔

صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ایک درہم کے عوض بیس رطل گوشت لازم ہوگا کیونکہ موکل نے وکیل کو ایک درہم خرچ کرنے کا امر کیا تھا صرف خیال یہ تھا کہ ایک درہم کے عوض دس رطل گوشت آتا ہوگا اب جب وکیل نے بیس رطل خرید لئے تو موکل کو زیادہ فائدہ پہنچایا لہذا یہ موکل کے امر کی مخالفت نہیں۔

(٤١)وَاِنْ وَكَّلَه بِشِراءِ شَيٍ بِعَيْنِه فلَيسَ لَه اَنْ يَشْتَرِيَه لِنَفْسِه (٤٢)وَاِنْ وَكَّلَه بِشِراءِ عبدٍ بِغَيْرِ عَيْنِه فَاشترى عَبدا فهو لِلْوَكِيْلِ اِلَّا اَنْ يَقُولَ نَوَيْتُ الشِراءَ لِلْمُوَكِّلِ او يَشْتَرِيَه بِمالِ المُوَكِّلِ۔

ترجمہ:۔ اگر موکل نے کسی کو کسی معین شی کی خرید کا وکیل بنایا تو وکیل کیلئے یہ جائز نہیں کہ یہ چیز اپنے لئے خرید لے اور اگر موکل نے غیر معین غلام کی خرید کا وکیل بنایا اور اس نے غلام خرید لیا تو یہ غلام وکیل کا ہوگا الاّ یہ کہ وکیل کہے کہ میں نے موکل کیلئے خریدنے کی نیت کی ہے اور یا وکیل اس غلام کو مال موکل سے خرید لے۔

تشریح:۔ (٤١) اگر موکل نے کسی کو کسی معین شی کی خرید کا وکیل بنایا تو وکیل کیلئے یہ جائز نہیں کہ یہ چیز اپنے لئے خرید لے کیونکہ موکل نے وکیل پر اعتماد کیا ہے پس اگر وکیل اپنے لئے خریدے گا تو اسمیں موکل کو دھوکہ دینا ہے جو کہ جائز نہیں۔

(٤٢) اگر موکل نے غیر معین غلام کی خرید کا وکیل بنایا اور اس نے غلام خرید لیا تو یہ غلام وکیل کا ہوگا کیونکہ اصل یہ ہے کہ ہر ایک اپنے لئے عمل کرتا ہے البتہ اگر وکیل کہے کہ میں نے موکل کیلئے خریدنے کی نیت کی ہے اور یا وکیل اس غلام کو مال موکل سے خرید لے تو اس صورت میں بھی یہ موکل کا ہوگا کیونکہ وجہ ترجیح موجود ہے۔

(٤٣)وَالوَكِيلُ بِالخُصُومةِ وَكِيلٌ بالقَبْضِ عِنْدَ ابى حَنِيفَةَ رَحِمَه اللّٰه وَابى يُوسُفَ رحمَه اللّٰه ومُحَمَّدٌ رَحِمَه اللّٰه (٤٤)وَالوَكِيلُ بِقَبْضِ الدَّينِ وَكِيلٌ بِالخُصُومةِ فِيه عِندَ ابى حَنيفَةَ رحِمَه اللّٰه۔

ترجمہ:۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وکیل بالخصومت وکیل بالقبض بھی ہوتا ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جو شخص قرضہ پر قبضہ کرنے کا وکیل ہو گا وہ اس میں خصومت کا بھی وکیل ہوگا۔

تشریح:۔ (٤٣) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وکیل بالخصومت وکیل بالقبض بھی ہوتا ہے کیونکہ جو شخص کسی چیز کا مالک ہوتا ہے وہ اسکے اتمام کا بھی مالک ہوتا ہے اور خصومت کا اتمام قبضہ سے ہوتا ہے۔ مگر امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک وکیل بالخصومت وکیل بالقبض نہیں ہوتا کیونکہ موکل اسکے جوابدہی پر راضی ہے قبضہ پر نہیں۔ فتویٰ امام زفر رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔

(٤٤) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جو شخص قرضہ پر قبضہ کرنے کا وکیل ہوگا وہ قرضہ کے بارے میں خصومت کا بھی وکیل ہوگا کیونکہ قرضہ پر قبضہ کرنا بغیر مطالبہ ومخاصمہ کے متصور نہیں جبکہ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک وکیل بقبض الدین وکیل بالخصومت نہیں ہوتا کیونکہ موکل کا اسکے قبضۂ دین پر راضی ہونے کیلئے یہ ضروری نہیں کہ موکل اسکے خصومت پر بھی راضی ہو۔ امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے۔

(٤٥)وَاِذا اَقَرَّ الوَكِيلُ بِالخصُومةِ عَلى مُوَكِّلِه عِندَ القَاضِي جازَ اِقْرارُه (٤٦)ولا يَجُوزُ اِقْرارُه عَلَيه عِندَ غَيرِ القاضِي عِنْدَابى حَنِيفَةَ رحمَه اللّٰه ومُحَمَّدٍ رحمَه اللّٰه اِلّا اَنّه يَخرُجُ مِنَ الخُصُومةِ وقالَ ابُو يُوسُفَ رَحِمَه اللّٰه يَجُوزُ اِقْرارُه عَليه عِندَ غَيرِ القَاضِي۔

ترجمہ:۔ اور اگر وکیل بالخصومت (جوابدہی کا وکیل) نے اپنے موکل کے خلاف قاضی کی عدالت میں اقرار کیا تو یہ طرفین رحمہما اللہ کے

نزدیک جائز ہے اور مجلس قاضی کے علاوہ اگر کسی اور کی مجلس میں اقرار کیا تو یہ صحیح نہیں البتہ وہ جواب دہی سے نکل جائیگا اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ غیر قاضی کی مجلس میں اس کا اقرار موکل پر صحیح ہے۔

تشریح:۔(۴۵) اگر وکیل بالخصومت (جوابدہی کا وکیل) نے اپنے موکل کے خلاف قاضی کی عدالت میں اقرار کیا (مثلاً موکل نے وکیل بنایا کہ فلاں شخص پر فلاں شئ کا دعویٰ کر، وکیل نے قاضی کی مجلس میں موکل کے دعویٰ کے بطلان کا اقرار کیا) تو یہ طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک جائز ہے۔(۴۶) مجلس قاضی کے علاوہ اگر کسی اور کی مجلس میں اقرار کیا تو یہ صحیح نہیں۔طرفین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ وکیل مامور بالجواب ہے اور اقرار جواب کی نوعین (یعنی اقرار وانکار) میں سے ایک ہے۔اور اقرار مجلس قاضی ہی میں جواب شمار ہوگا مجلس قاضی کے علاوہ میں جواب شمار نہ ہوگا لہٰذا اگر غیر قاضی کی مجلس میں اقرار کیا تو صحیح نہ ہوگا۔البتہ طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک وکیل موکل پر اقرار کرنے کے بعد وکالت سے نکل جائیگا۔

امام یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں اقرار صحیح ہے کیونکہ وکیل موکل کا نائب ہے اور موکل کا اقرار کرنا مجلس قضاء کے ساتھ خاص نہیں تو نائب کا اقرار بھی مجلس قضاء کے ساتھ خاص نہ ہوگا۔طرفینؒ کا قول راجح ہے۔

(۴۷)وَمَنِ ادَّعىٰ اَنَّه وَكِيلُ الغَائِبِ في قَبْضِ دَيْنِه فَصَدَّقَه الْغَرِيْمُ اُمِرَ بِتَسْلِيْمِ الدَّيْنِ اِلَيْه (۴۸)فَاِنْ حَضَرَ الغَائِبُ فَصَدَّقَه جازَ وَاِلّا دَفَعَ اليه الغَرِيْمُ الدَّيْنَ ثَانِياً(۴۹)وَيَرْجِعُ بِه على الوَكيلِ اِنْ كانَ بَاقِياً في يَدِه۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی شخص نے دعویٰ کیا کہ میں فلاں غائب کی طرف سے قرضہ وصول کرنے کا وکیل ہوں اور مقروض نے اسکی تصدیق کی تو مدیون کو امر کیا جائیگا کہ وہ مدعی وکالت کو قرضہ دیدے پھر اگر موکل غائب نے حاضر ہو کر مدعی وکالت کے قول کی تصدیق کی تو فبہا ورنہ مقروض اسکو دوبارہ قرضہ ادا کریگا اور مقروض اس کو وکیل سے وصول کرے گا اگر اس کے پاس موجود ہو۔

تشریح:۔(۴۷) اگر کسی شخص نے دعویٰ کیا کہ میں فلاں غائب کی طرف سے قرضہ وصول کرنے کا وکیل ہوں اور مقروض نے اسکی تصدیق کی تو مدیون کو امر کیا جائیگا کہ وہ وکالت کے مدعی کو قرضہ دیدے کیونکہ وکیل کا تصدیق کرنا اپنی ذات پر اقرار کرنا ہے۔(۴۸) پھر اگر موکل غائب نے حاضر ہو کر مدعی وکالت کے قول کی تصدیق کی تو فبہا ورنہ مقروض اسکو دوبارہ قرضہ ادا کریگا کیونکہ جب موکل نے وکالت سے انکار کیا تو اسکا قرضہ وصول کرنا ثابت نہ ہوا اور موکل کا انکار از وکالت مع الیمین معتبر ہوگا۔

(۴۹) پھر وہ مال جو مدعی وکالت کو دیا گیا ہے اگر مدعی وکالت کے پاس موجود ہو تو مقروض یہ مال واپس لے گا کیونکہ مقروض کی غرض یہ تھی کہ ذمہ بری ہو جائے حالانکہ مقروض کا ذمہ بری نہ ہوا اسلئے مال واپس لیگا۔اور اگر وہ مال مدعی وکالت سے ضائع ہو گیا تھا تو مقروض مذکورہ مال واپس نہیں لیگا کیونکہ مقروض نے مدعی وکالت کی تصدیق کر کے حق دار سمجھا تھا اور ایسے سے مال مقبوض نہیں لیا جاتا۔

(۵۰)وَاِنْ قَالَ اِنّي وَكِيلٌ بِقَبْضِ الوَدِيْعَةِ فَصَدَّقَه المُودَعُ لم يُؤْمَرْ بِالتَّسْلِيْمِ اِلَيْه

ترجمہ:۔اگر کسی نے دعویٰ کیا کہ میں غائب مودع کی طرف سے اس مال ودیعت پر قبضہ کرنے کا وکیل ہوں جو مودَع کے پاس ہے

اور موذع نے اسکی تصدیق کی تو موذع کو یہ حکم نہیں دیا جائیگا کہ مال ودیعت مدعی وکالت کے حوالہ کر۔

تشریح:۔(۵۰) اگر کسی نے دعویٰ کیا کہ میں غائب مودِع (بکسر الدال مال ودیعت رکھنے والا) کی طرف سے اس مال ودیعت پر قبضہ کرنے کا وکیل ہوں جو موذع (بفتح الدال جس کے پاس مال ودیعت رکھا گیا ہو) کے پاس ہے اور موذع نے اسکی تصدیق کی تو موذع کو یہ حکم نہیں دیا جائیگا کہ مال ودیعت مدعی وکالت کے حوالہ کر کیونکہ موذع معترف ہے کہ یہ مال مودِع کی ملک ہے پھر مدعی وکالت کی تصدیق کرنا درحقیقت غیر کے مال پر قبضہ کے حق کا اقرار کرنا ہے جبکہ یہ درست نہیں۔ البتہ قرضہ کی صورت میں چونکہ قرضے بامثالها ادا کئے جاتے ہیں نہ کہ باعیانھا لہٰذا اسمیں مقروض کا اعتراف اپنی ذات پر اعتراف ہوگا نہ کہ غیر پر۔

كتابُ الكَفَالَة

یہ کتاب کفالہ کے بیان میں ہے۔

وکالت کے ساتھ وجہ مناسبت یہ ہے کہ وکالت وکفالت ہر ایک میں استعانت بالغیر پائی جاتی ہے۔

کفالہ لغت میں ضم یعنی ملانے کو کہتے ہیں اور شرعاً "ضَمُّ ذِمَّةٍ اِلىٰ ذِمَّةٍ فِي الْمُطَالَبَةِ" (یعنی ایک ذمہ کو دوسرے ذمہ سے مطالبہ میں ملانا کہ مطالبہ اب کفیل ومکفول عنہ دونوں سے ہوسکتا ہے)۔ اور ذمہ وصفِ شرعی ہے جس سے صاحبِ وصف پر حقوق واجبہ اور دوسروں پر اسکے حقوق کی اہلیت ثابت ہوتی ہے "وفسرها فخرُ الاسلام بالنفس والرقبة التي لها عهد والمراد انها العهد في ذمته اي في نفسه باعتبار عهدها من باب اطلاق الحال وارادة المحل"۔

مدیون (مقروض) کو "مکفول عنه" اور "اصیل"۔ دائن (قرضخواہ) کو "مکفول له" اور ضامن وملتزم کو "کفیل" اور نفس یا دَین کو "مکفول ومکفول به" کہتے ہیں۔

(۱) اَلْكَفَالَةُ ضَرْبَانِ كَفَالَةٌ بِالنَّفْسِ وَكَفَالَةٌ بِالْمَالِ فَالْكَفَالَةُ بِالنَّفْسِ جائزةٌ (۲) وَالْمَضْمُوْنُ بِها اِحْضَارُ الْمَكْفُوْلِ بِه (۳) وَتَنْعَقِدُ اِذَا قَالَ تَكَفَّلْتُ بِنَفْسِ فُلانٍ اَوْ بِرَقَبَتِه او بِرُوْحِه او بِجَسَدِه او بِرَاسِه او بِنِصْفِه او بِثُلُثِه (۴) وكَذَالِكَ اِنْ قَالَ ضَمِنْتُه اَوْهُوَ عَلَيَّ اَوْاِلَيَّ اَوْ اَنَا بِه زَعِيْمٌ او قَبِيْلٌ بِه۔

ترجمه:۔ کفالہ دو قسم پر ہے، کفالہ بالنفس، کفالہ بالمال، پس کفالہ بالنفس جائز ہے اور کفالہ بالنفس میں مضمون بھا (یعنی ضمانت یہ کہ) مکفول بہ کو حاضر کرنا لازم ہوتا ہے اور کفالہ بالنفس منعقد ہوتی ہے جبکہ کہے کہ میں نے فلاں کی جان کی یا اس کی گردن کی یا اس کی روح کی یا اس کے بدن کی یا اس کے سر کی یا اس کے نصف کی یا اس کے ثلث کی کفالت کی اور اسی طرح اگر کوئی کہے کہ میں اس کا ضامن ہوں یا وہ میرے ذمہ ہے یا میری طرف ہے یا میں اس کا ذمہ دار ہوں یا اس کا کفیل ہوں۔

تشریح:۔(۱) کفالہ (ضمانت) دو قسم پر ہے۔/**نمبر ۱**۔ کفالہ بالنفس (ذات کا ضامن ہونا)۔/**نمبر ۲**۔ کفالہ بالمال (مال کا ضامن ہونا) یہ دونوں قسمیں جائز ہیں "لاطلاق قوله عليه السلام الزَّعِيْمُ غَارِمٌ" (یعنی کفیل ضامن ہے) اور مطلق ارشاد سے یہ

فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ کفالہ اپنی دونوں قسموں کے ساتھ مشروع ہے۔

(۲) کفالہ بالنفس میں مضمون بھا (یعنی ضمانت) یہ ہے کہ مکفول بہ کو حاضر کرے کیونکہ حاضر ہونا اصیل پر لازم ہے تو کفیل بھی اسکو حاضر کرنے کا التزام کر سکتا ہے کَمَا فِي الْمَالِ۔

(۳) کفالہ بالنفس کن الفاظ سے منعقد ہوتی ہے تو اس میں ضابطہ یہ ہے کہ جن الفاظ سے انسان کے پورے بدن کو تعبیر کیا جا سکتا ہو خواہ حقیقۃً جیسے لفظ نفس، جسد، روح یا عرفاً جیسے لفظ رقبہ، وجہ، رأس وغیرہ (مثلاً کسی نے کہا کہ میں فلاں کی نفس کا یا اسکی گردن کا یا اسکی روح کا یا اسکے جسم کا یا اسکے سر کا یا اسکے بدن کا کفیل ہوں) تو ان الفاظ سے کفالہ منعقد ہو جائیگی اور اگر کفالت کو جزء شائع (یعنی جزء غیر معین) کی طرف منسوب کیا مثلاً کہا کہ میں فلاں کے نصف یا ثلث کا کفیل ہوں تو بھی کفالہ منعقد ہو جائیگی کیونکہ ایک نفس کفالہ کے حق میں متجزی نہیں ہوتا لہذا جزء شائع کو ذکر کرنا ایسا ہوگا جیسے کل بدن کا ذکر کرنا۔

(۴) اسی طرح اگر کہا کہ "ضَمِنْتُهُ" (یعنی میں اسکا ضامن ہو گیا) تو بھی کفالہ منعقد ہو جاتی ہے کیونکہ کفالہ کے موجب کی صراحت ہوگئی اور عقد موجب کی تصریح سے منعقد ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کہا کہ "هُوَ عَلَيَّ" یا "إِلَيَّ" تو بھی کفالہ منعقد ہو جاتی ہے کیونکہ لفظ "عَلَيَّ" التزام کا صیغہ ہے اور کفالہ میں بھی مطالبہ کا التزام ہوتا ہے اسلئے لفظ "عَلَيَّ" سے کفالہ منعقد ہو جائیگی۔ اور "الیّ" اس موقع میں "علیّ" کے معنی میں ہے اسلئے "الیّ" سے بھی کفالہ منعقد ہو جائیگی۔ اسی طرح اگر کہا "أَنَا بِهِ زَعِيمٌ" میں اسکا ذمہ دار ہوں یا "أَنَا قَبِيلٌ بِهِ" میں اسکا کفیل ہوں تو عقد کفالہ منعقد ہو جاتی ہے کیونکہ یہ بھی کفالہ کے معنی میں ہیں۔

(۵) فَإِنْ شُرِطَ فِي الْكَفَالَةِ تَسْلِيمُ الْمَكْفُوْلِ بِهِ فِي وَقْتٍ بِعَيْنِهِ لَزِمَهُ إِحْضَارُهُ اِذَا طَالَبَهُ بِهِ فِي ذَالِكَ الْوَقْتِ فَإِنْ أَحْضَرَهُ وَإِلَّا حَبَسَهُ الْحَاكِمُ (۶) وَإِذَا أَحْضَرَهُ وَسَلَّمَهُ فِي مَكَانٍ يَقْدِرُ الْمَكْفُوْلُ لَهُ عَلَى مُخَاصَمَتِهِ بَرِئَ الْكَفِيلُ مِنَ الْكَفَالَةِ۔

ترجمہ:۔ اور اگر کفالہ بالنفس میں مکفول لہ نے ایک معین وقت میں مکفول بہ کو سپرد کرنے کی شرط کی گئی تو کفیل پر اسی معین وقت میں مکفول بہ حوالہ کرنا لازم ہوگا بشرطیکہ مکفول لہ کفیل سے اس وقت میں مطالبہ کرے اب اگر کفیل نے وقت معین میں حوالہ کیا تو فبہا اور اگر کفیل نے مکفول بہ کو لا کر ایسی جگہ مکفول لہ کے حوالہ کیا جہاں مکفول لہ اسکے ساتھ مخاصمہ ومحاکمہ پر قادر ہو تو کفیل کفالت سے بری ہو جائیگا۔

تشریح:۔ (۵) اگر کفالہ بالنفس میں مکفول لہ نے ایک معین وقت میں مکفول بہ کو سپرد کرنے کی شرط لگائی تو کفیل پر اسی معین وقت میں مکفول بہ حوالہ کرنا لازم ہوگا جب کہ مکفول لہ کفیل سے اس کا اس وقت میں مطالبہ کرے اب اگر کفیل نے وقت معین میں حوالہ کیا تو فبہا کیونکہ اس نے ذمہ داری پوری کر دی۔ اور اگر کفیل مکفول بہ کو حاضر نہ کر سکا تو حاکم کفیل کو قید کرلے کیونکہ وہ ایسا حق ادا کرنے سے رک گیا جو اس پر واجب ہے۔

(۶) اگر کفیل نے مکفول بہ کو لا کر ایسی جگہ مکفول لہ کے حوالہ کیا جہاں مکفول لہ اسکے ساتھ مخاصمہ ومحاکمہ پر قادر ہو مثلاً شہر کے

اندر حوالہ کیا تو کفیل کفالت سے بری ہو جائیگا خواہ مکفول لہ اسکو قبول کرے یا نہ کرے کیونکہ کفیل نے ایک مرتبہ حاضر کرنا اپنے اوپر لازم کیا تھا وہ ذمہ داری اس نے پورہ کرلی۔

(۷)وَاِذَا تَكَفَّلَ بِهٖ عَلٰى اَنْ يُّسَلِّمَهٗ فِي مَجْلِسِ الْقَاضِي فَسَلَّمَهٗ فِي السُّوْقِ بَرِئَ (۸)وَاِنْ سَلَّمَهٗ فِي بَرِيَّةٍ لَمْ يَبْرَأْ (۹)وَاِذَا مَاتَ الْمَكْفُوْلُ بِهٖ بَرِئَ الْكَفِيْلُ بِالنَّفْسِ مِنَ الْكَفَالَةِ۔

ترجمہ:۔ اگر اس شرط پر کفیل ہوا کہ مکفول بہ کو مجلس قاضی میں حوالہ کریگا پھر ہوا یہ کہ مکفول بہ کو بازار میں مکفول لہ کو حوالہ کیا تو کفیل بری ہو جائیگا اور اگر کفیل نے مکفول بہ کو کسی جنگل میں حوالہ کیا تو کفیل بری نہ ہوگا اور اگر مکفول بہ مرگیا تو کفیل بالنفس کفالہ سے بری ہو جائیگا۔

تشریح:۔(۷) اگر اس شرط پر کفیل ہوا کہ مکفول بہ کو مجلس قاضی میں حوالہ کریگا پھر ہوا یہ کہ مکفول بہ کو بازار میں مکفول لہ کو حوالہ کیا تو کفیل بری ہو جائیگا کیونکہ بازار میں لوگ مکفول بہ کو قاضی کی مجلس میں حاضر کرنے میں مکفول لہ کی معاونت کرتے ہیں لہذا کفیل بری ہو جائیگا۔ مگر آج کل تو لوگ مکفول لہ کے بجائے مکفول بہ کی معاونت کر کے بچانے کی کوشش کرتے ہیں اسلئے جب تک کہ مکفول بہ کو مجلس قاضی میں حاضر کر کے حوالہ نہ کرے کفیل بری نہ ہوگا۔

(۸) اگر کفیل نے مکفول بہ کو کسی جنگل میں حوالہ کیا تو کفیل بری نہ ہوگا کیونکہ مکفول لہ جنگل میں مخاصمت پر قادر نہیں لہذا مقصود حاصل نہ ہونے کی وجہ سے کفیل بری نہ ہوگا۔(۹) اگر مکفول بہ مرگیا تو کفیل بالنفس کفالہ سے بری ہو جائیگا کیونکہ کفیل اب اسکو حاضر کرنے سے عاجز ہوگیا۔

(۱۰)وَاِنْ تَكَفَّلَ بِنَفْسِهٖ عَلٰى اَنَّهٗ اِنْ لَّمْ يُوَافِ بِهٖ فِي وَقْتِ كَذَا فَهُوَ ضَامِنٌ لِمَا عَلَيْهِ وَهُوَ اَلْفٌ فَلَمْ يُحْضِرْهُ فِي الْوَقْتِ لَزِمَهٗ ضَمَانُ الْمَالِ وَلَمْ يَبْرَأْ مِنَ الْكَفَالَةِ بِالنَّفْسِ۔

ترجمہ:۔ اگر کوئی کسی کی نفس کا کفیل ہوا اور کہا کہ مکفول بہ کو اگر فلاں وقت پر حاضر نہ کرسکا تو مکفول بہ پر جو کچھ واجب ہے اور حال یہ کہ وہ ایک ہزار ہے میں اسکا ضامن ہوں اتفاق سے ہوا یہ کہ کفیل مکفول بہ کو اس وقت تک حاضر نہ کرسکا تو کفیل مکفول لہ کیلئے ایک ہزار روپیہ کا ضامن ہوگا مگر پھر بھی کفالہ بالنفس سے بری نہ ہوگا۔

تشریح:۔(۱۰) اگر کوئی کسی کی نفس کا کفیل ہوا اور کہا کہ مکفول بہ کو اگر فلاں وقت پر حاضر نہ کرسکا تو مکفول بہ پر جو کچھ واجب ہے (یعنی مثلا ایک ہزار روپیہ) تو میں اسکا ضامن ہوں اتفاق سے ہوا یہ کہ کفیل مکفول بہ کو اس وقت تک حاضر نہ کرسکا تو کفیل مکفول لہ کیلئے ایک ہزار روپیہ کا ضامن ہوگا مگر پھر بھی کفالہ بالنفس سے بری نہ ہوگا کیونکہ کفالہ بالمال کے ساتھ کفالہ بالنفس کو ضم کیا ہے تو اگر ایک کو پورا کرلیا تو دوسرا اس پر باقی رہیگا۔

(۱۱)وَلَاتَجُوْزُ الْكَفَالَةُ بِالنَّفْسِ فِي الْحُدُوْدِ وَالْقِصَاصِ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ۔

ترجمہ:۔ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک کفالہ بالنفس حدود اور قصاص میں جائز نہیں۔

تشریح :۔(۱۱)اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی پر حد یا قصاص کا دعویٰ کیا گیا تو اگر اس سے مدعی نے کفیل بالنفس کا مطالبہ کیا مگر اس نے کفیل دینے سے انکار کیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اسکو کفیل دینے پر مجبور نہیں کیا جائیگا تو "لاتجوزُ الکفالةُ بالنفس الخ" کا معنیٰ "لایجوزُ إجبارُ الکفالةِ" (بحذف المضاف) ہے۔صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک حد قذف وقصاص میں چونکہ حق العبد ہے اسلئے ان میں مدعیٰ علیہ کو کفیل دینے پر مجبور کیا جائیگا۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل پیغمبر ﷺ کا ارشاد "لاکَفَالَةَ فِیْ حَدٍّ" (یعنی حد میں کفالہ نہیں) مطلق ہے جس میں حدود کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا ہے۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول راجح ہے۔

(۱۲)وَاَمَا الْکَفَالَةُ بالمالِ فَجَائِزَةٌ معلُوماً کا نَ المَکْفُوْلُ بِه اَوْ مَجْهُوْلاً اذا کانَ دیناً صَحیحاًمِثْل اَنْ یَقُوْلَ تَکَفَّلتُ عنه بَاَلْفِ دِرهمٍ اَوْبِمَالَکَ علَیه او بِمَا یُدْرِکُکَ فی هذَا البَیْعِ (۱۳)والمَکْفُوْلُ لَه بِالخِیارِ اِنْ شاءَ طَالَبَ الَّذِیْ علیه الاصْلُ واِنْ شاءَ طَالَبَ الکَفِیْل (۱۴)ویجُوزُ تَعْلِیْقُ الکَفَالةِ بِالشُّرُوْطِ مِثْلَ اَنْ یَقُوْلَ مَابایَعْتَ فلاناً فعلَیَّ اوما ذَابَ لکَ عَلَیْه فَعَلَیَّ او مَاغَصَبَکَ فُلانٌ فَعَلَیَّ۔

ترجمہ:۔بہر حال کفالہ بالمال جائز ہے مکفول بہ معلوم ہو یا مجہول، بشرطیکہ دین صحیح ہو مثلاً کہے میں نے مقروض کی طرف سے ہزار درہم کی کفالت کی یا اس کے ذمہ جو کچھ تیرا ہے یا جو کچھ ثمن تجھے اس بیع میں لاحق ہوگا میں اسکا ضامن ہوں اور مکفول لہ کو اختیار ہے چاہے اس شخص سے مطالبہ کرے جس پر اصل قرضہ ہے اور چاہے تو کفیل سے مطالبہ کرلے اور کفالہ کو کفالہ کی ملائم شرطوں پر معلق کرنا جائز ہے مثلاً اگر تو نے فلاں کے ساتھ خرید و فروخت کیا تو جو کچھ حق تیرا اس پر آیا میں اس کا ضامن ہوں یا جو کچھ تیرا اس پر ثابت ہو جائے میں اس کا ضامن ہوں یا فلاں شخص نے جو کچھ تجھ سے غصب کیا اس کا میں ضامن ہوں۔

تشریح :۔(۱۲)صاحب کتاب کفالہ بالنفس کے بیان سے فارغ ہو گئے تو اب کفالہ بالمال کو ذکر کرنا چاہتے ہیں چنانچہ فرمایا کہ کفالہ بالمال جائز ہے مکفول بہ معلوم ہو یا مجہول کیونکہ کفالہ کی بنیاد توسع پر ہے مگر شرط یہ ہے کہ دین صحیح ہو(دین صحیح سے مراد یہ ہے کہ مدیون اسکو ساقط نہ کر سکتا ہو مگر یہ کہ ادا کرلے یا قرض خواہ اسکو معاف کر دے۔اس احتراز ہوا مال کتابت سے کیونکہ مکاتب اپنے کو عاجز کر کے مذکورہ دو صورتوں کے علاوہ بھی مال کتابت ساقط کر سکتا ہے)مکفول بہ معلوم کی مثال یہ ہے کہ کفیل کہے "تَکَفَّلْتُ عَنْهُ بِاَلْفٍ" (یعنی میں نے مقروض کی طرف سے ہزار درہم کی کفالت کی)اور مجہول کی مثال "تَکَفَّلْتُ عَنه بِمَالَکَ عَلَیْه" (یعنی جو کچھ حق تیرا اس کے ذمہ ہے میں اس کا ضامن ہوں) یا "بِمَایُدْرِکُکَ فِیْ هٰذَاالْبَیْع" (یعنی کفیل مکفول عنہ سے کہے کہ تو فلاں چیز خرید لے جو کچھ ثمن تجھے اس بیع میں لاحق ہوگا میں اسکا ضامن ہوں)۔

(۱۳) مکفول لہ کو اختیار ہے چاہے اس شخص سے مطالبہ کرے جس پر اصل قرضہ ہے اور چاہے تو کفیل سے مطالبہ کرلے کیونکہ کفالہ ایک ذمہ کو دوسرے ذمہ کے ساتھ ملانے کا نام ہے۔

(۱۴) کفالہ کو کفالہ کی ملائم شرطوں پر معلق کرنا جائز ہے۔شرط ملائم سے مراد یہ ہے کہ شرط سبب ہو ثبوت حق کیلئے مثلاً کہے "مـا

(انْ)بـايـعـت فـلانـاً فعليّ "(یعنی اگر تو نے فلاں کے ساتھ خرید وفروخت کیا تو جو کچھ حق تیرا اس پر آیا میں اس کا ضامن ہوں) یا "مـاذاب (لـت)لک عـلیـه فعليّ "(یعنی جو کچھ تیرا اس پر ثابت ہو جائے میں اس کا ضامن ہوں) یا "مـاغـصبک فلانٌ فعليّ "(یعنی فلاں شخص نے جو کچھ تجھ سے غصب کیا اس کا میں ضامن ہوں)۔

(۱۵)وَاِذَا قَالَ تَكَفَّلْتُ بِمَا لَكَ عَلَيْهِ فَقَامَتِ الْبَيِّنَةُ بِاَلْفٍ عَلَيه ضَمِنَه الْكَفِيْلُ (۱٦)وَاِنْ لَمْ تَقُمِ الْبَيِّنَةُ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْكَفِيْلِ مع يَمِيْنِه في مِقْدَارِ ما يَعْتَرِفُ به (۱۷)فَاِنِ اعْتَرَفَ الْمَكْفُوْلُ عنه بِاَكْثَرَ من ذالكَ لَمْ يُصَدَّقْ عَلٰى كَفِيْلِه۔

ترجمہ:۔اگر کسی نے کہا کہ جو مال تیرا اس پر ہے میں اسکا ضامن ہوں پھر گواہوں کے ذریعہ ثابت ہوا کہ مکفول عنہ پر مکفول لہ کے ایک ہزار درہم ہیں تو کفیل ایک ہزار درہم کا ضامن ہوگا اور اگر گواہ نہ ہوں تو ایسی صورت میں قولِ کفیل مع الیمین معتبر ہوگا اس مقدار میں جس کا وہ اعتراف کرتا ہے اور اگر مکفول عنہ نے کفیل کے اعتراف کردہ مقدار سے زائد کا اعتراف کیا تو کفیل کے مقابلے میں اسکے قول کی تصدیق نہیں کی جائیگی۔

تشریح:۔(۱۵)اگر کسی نے کہا کہ جو مال تیرا اس پر ہے میں اسکا ضامن ہوں اور مکفول بہ مجہول ہے پھر گواہوں کے ذریعہ ثابت ہوا کہ مکفول عنہ پر مکفول لہ کے ایک ہزار درہم ہیں تو کفیل ایک ہزار درہم کا ضامن ہوگا۔(۱٦)اور اگر گواہ نہ ہوں اور طرفین میں اختلاف ہوا(مثلاً مکفول لہ دو ہزار کے قرضے کا دعویٰ کرتا ہے اور کفیل ایک ہزار کا اقرار کرتا ہے) تو ایسی صورت میں قولِ کفیل مع الیمین معتبر ہوگا کیونکہ کفیل زیادتی کا منکر ہے اور قولِ منکر کا مع الیمین معتبر ہوتا ہے۔

(۱۷)اگر مکفول عنہ نے کفیل کے اعتراف کردہ مقدار سے زائد کا اعتراف کیا تو کفیل کے مقابلے میں اسکے قول کی تصدیق نہیں کی جائیگی کیونکہ یہ اقرار ہے غیر پر جس پر اس کو کوئی ولایت حاصل نہیں۔

(۱۸)وتَجُوزُ الْكَفَالَةُ بِاَمْرِ الْمَكْفُوْلِ عَنْه وَبِغَيْرِ اَمْرِه (۱۹)فَاِنْ كَفَلَ بِاَمْرِه رَجَعَ بِمَا يُؤَدِّيْ عَلَيْه وَاِنْ كَفَلَ بِغَيْرِ اَمْرِه لَمْ يَرْجِعْ بِمَا يُؤَدِّيْ (۲۰)وليسَ لِلْكَفِيْلِ اَنْ يُطَالِبَ الْمَكْفُوْلَ عَنْه بِالْمَالِ قَبْلَ اَنْ يُؤَدِّيَ عَنْه۔

ترجمہ:۔کفالہ بحکم مکفول عنہ بھی جائز ہے اور بغیر حکمِ مکفول عنہ بھی اور اگر کفیل نے مکفول عنہ کے حکم سے کفالت کی تو جو کچھ ادا کریگا وہ مکفول عنہ سے واپس لے لیگا اور اگر کفیل نے مکفول عنہ کے حکم کے بغیر کفالت کی تو جو کچھ ادا کریگا وہ اس سے واپس نہیں لے سکتا اور کفیل جب تک کہ مکفول عنہ کا قرضہ ادا نہ کرے اس وقت تک مکفول عنہ سے مال کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔

تشریح:۔(۱۸)کفالہ بحکم مکفول عنہ بھی جائز ہے اور بغیر حکمِ مکفول عنہ بھی۔ کیونکہ کفالہ نام ہے اپنے اوپر مطالبہ کو لازم کرنے کا اور اپنی ذات کے حق میں جائز تصرف کرنے کا ہر کسی کو اختیار ہے بشرطیکہ اس تصرف سے غیر کو ضرر نہ پہنچتا ہو۔ اور کسی کے اپنے طور پر کفیل بننے سے مکفول لہ وعنہ کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا۔

(۱۹)اگر کفیل نے مکفول عنہ کے حکم سے کفالت کی تو جو کچھ ادا کریگا وہ مکفول عنہ سے واپس لے لیگا کیونکہ کفیل نے مکفول

عنہ کے حکم سے اسکا قرضہ ادا کیا ہے۔اور اگر کفیل نے مکفول عنہ کے حکم کے بغیر کفالت کی تو جو کچھ ادا کریگا وہ اس سے واپس نہیں لے سکتا کیونکہ کفیل مکفول عنہ پر متبرع اور احسان کرنے والا ہے۔(۲۰) کفیل جب تک کہ مکفول عنہ کا قرضہ ادا نہ کرے اس وقت تک مکفول عنہ سے مال کا مطالبہ نہیں کر سکتا کیونکہ ادائیگی سے پہلے کفیل کو یہ حق حاصل نہیں۔

(۲۱)وَاِنْ لُوْزِمَ بِالمَالِ لِلْكَفِيلِ كَانَ لَهُ اَنْ يُلازِمَ المَكْفُولَ عَنْهُ حَتّٰى يُخَلِّصَه (۲۲)وَاِذَا اَبْرَأَ الطَّالِبُ المَكْفُوْلَ عَنْهُ اَوِ اسْتَوْفٰى مِنْهُ بَرِئَ الكَفِيْلُ (۲۳)وَاِنْ اَبْرَأَ الكَفِيْلَ لَمْ يَبْرَأْ المَكْفُوْلُ عَنْهُ۔

ترجمه:۔اور اگر مکفول لہ نے مال (یعنی مکفول بہ) کے وصول کرنے کیلئے کفیل کا پیچھا کیا تو کفیل کو اختیار ہے کہ مکفول عنہ کا پیچھا کرے یہاں تک کہ مکفول عنہ قرضہ ادا کر لے اور اگر طالب (یعنی مکفول لہ) نے مکفول عنہ کو بری کر دیا یا مکفول لہ نے مکفول عنہ سے اپنا حق وصول کر لیا تو کفیل بھی بری ہو گیا اور اگر مکفولہ نے کفیل کو بری کر دیا تو مکفول عنہ بری نہ ہوگا۔

تشریح:۔(۲۱) اگر مکفول لہ نے مال (یعنی مکفول بہ) کے وصول کرنے کیلئے کفیل کا پیچھا کیا تو کفیل کو اختیار ہے کہ مکفول عنہ کا پیچھا کرے یہاں تک کہ مکفول عنہ قرضہ ادا کر کے کفیل کو چھڑا دے کیونکہ کفیل کو مکفول عنہ ہی کی وجہ سے پریشانی در پیش ہے لہذا کفیل مکفول عنہ کے ساتھ وہی معاملہ کرے جو مکفول لہ کفیل کے ساتھ کرتا ہے۔

(۲۲) اگر طالب (یعنی مکفول لہ) نے مکفول عنہ کو بری کر دیا یا مکفول لہ نے مکفول عنہ سے اپنا حق وصول کر لیا تو کفیل بھی بری ہو جائیگا کیونکہ مکفول عنہ کا بری ہونا کفیل کے بری ہونے کو واجب کرتا ہے۔(۲۳) اور اگر مکفولہ نے کفیل کو بری کر دیا تو مکفول عنہ بری نہ ہوگا کیونکہ قرضہ مکفول عنہ پر ہے نہ کہ کفیل پر۔

(۲۴)ولايَجُوزُ تَعْلِيْقُ البَرَاءَةِ مِنَ الكَفَالَةِ بِشَرْطٍ (۲۵)وكُلُّ حَقٍّ لا يُمْكِنُ اِسْتِيْفَاؤُه مِنَ الكَفِيْلِ لا تَصِحُّ الكَفَالَةُ بِه كَالحُدُوْدِ وَالقِصَاصِ (۲۶)وَاِذَا تَكَفَّلَ عَنِ المُشْتَرِيْ بِالثَّمَنِ جَازَ وَاِنْ تَكَفَّلَ عَنِ البَائِعِ لَمْ تَصِحَّ۔

ترجمه:۔ برأت عن الکفالہ شرط پر معلق کرنا جائز نہیں اور ہر وہ حق جس کا کفیل سے حاصل کرنا ممکن نہ ہو اسکا کفالہ صحیح نہیں جیسے حد وقصاص کا کفالہ اور اگر کوئی مشتری کی طرف سے ثمن کا کفیل ہو گیا تو یہ جائز ہے مگر بائع کی طرف سے مبیع کا ضامن ہونا صحیح نہیں۔

تشریح:۔(۲۴) برأت عن الکفالہ شرط پر معلق کرنا جائز نہیں مثلاً کہا کہ اِذَا جَاءَ غَدٌ فَاَنْتَ بَرِئٌ مِنَ الكَفَالَةِ کیونکہ برأت میں تملیک کا معنی ہے (كالابراء عن الدين) یوں کہ مکفول عنہ مطالبہ کا مالک تھا جب کفیل کو بری کر دیا تو کفیل کو برأت کا مالک بنا دیا اور تملیکات کو شرط پر معلق کرنا جائز نہیں۔لیکن اس طرح بھی ایک روایت ہے کہ کفالہ کی تعلیق بالشرط جائز ہے کیونکہ کفیل پر مطالبہ لازم ہے قرض نہیں لہذا کفیل کو بری کرنا اسقاط محض ہے اور اسقاط محض کو شرط معلق کرنا جائز ہے۔

(۲۵) ہر وہ حق جس کا کفیل سے حاصل کرنا ممکن نہ ہو اسکا کفالہ صحیح نہیں مثلاً حدود اور قصاص کا کفالہ جائز نہیں (ہاں جس پر حد یا قصاص ہو اسکو مجلس قاضی میں حاضر کرنے کا کفیل ہونا جائز ہے) کیونکہ کفیل پر حد اور قصاص کو واجب کرنا متعذر ہے

اسلئے کہ عقوبات میں نیابت جاری نہیں ہوتی۔

(۲۶) اگر کوئی مشتری کی طرف سے ثمن کا کفیل ہوگیا تو یہ جائز ہے کیونکہ ثمن بھی دوسرے قرضوں کی طرح قرضہ ہے۔ مگر قبل القبض بائع کی طرف سے مبیع کا ضامن ہونا صحیح نہیں کیونکہ ضمانت عین کیلئے شرط یہ ہے کہ مضمون بنفسہ ہو یعنی اگر یہ عین نہ ہو تو بجائے اسکے قیمت لازم ہو جبکہ قبضہ سے پہلے مبیع اگر ہلاک ہوئی تو ثمن کے ساتھ مضمون ہوتی ہے نہ کہ قیمت کے ساتھ۔

(۲۷) وَمَنْ اسْتَاجَرَ دَابَّةً لِلْحَمْلِ فَإِنْ كَانَتْ بِعَيْنِهَا لَمْ تَصِحَّ الكَفَالَةُ بِالحَمْلِ وإنْ كانتْ بِغَيْرِ عَيْنِهَا جَازَتِ الكَفَالَةُ۔

ترجمہ:۔ اور جس جانور بوجھ اٹھوانے کے لئے کرایہ پر لیا تو اگر وہ معین ہو تو اس کا کفالہ صحیح نہیں اور اگر جانور غیر معین ہو تو کفالہ جائز ہے۔

تشریح:۔ (۲۸) اگر معین جانور بار برداری کیلئے کرایہ پر لیا اور مستاجر کیلئے اسی معین جانور پر بار برداری کا کوئی کفیل ہوگیا تو یہ کفالہ جائز نہیں کیونکہ یہ معین جانور کفیل کی ملک میں نہیں لہذا وہ اسے مکفول لہ کو بار برداری کے لئے دینے سے عاجز ہے اور جس کام سے کفیل عاجز ہو اسکا کفالہ جائز نہیں۔ اور اگر جانور غیر معین ہو تو کفالہ جائز ہے کیونکہ واجب بار برداری ہے اور کفیل اس پر (اپنے ذاتی جانور کے ذریعے) قادر ہے لہذا یہ کفالہ درست ہے۔

(۲۹) ولاتَصِحُّ الكَفَالَةُ إِلَّا بِقَبُولِ المكْفُولِ له فِي مَجْلِسِ العَقْدِ (۳۰) إلَّا في مَسْئَلَةٍ وَاحِدَةٍ وهي اَنْ يَقُولَ المَرِيْضُ لِوَارِثِه تَكَفَّلْ عَنِّي بِمَا عَلَيَّ مِنَ الدَّيْنِ فَتكفَّلَ بِه مع غَيْبَةِ الغُرَماءِ جازَ۔

ترجمہ:۔ اور کفالہ صحیح نہیں مگر یہ کہ مکفول لہ مجلس عقد میں قبول کرلے البتہ ایک مسئلہ ایسا نہیں وہ یہ کہ مریض مقروض نے اپنے وارث سے کہا کہ جو قرضہ مجھ پر واجب ہے تو اسکا کفیل ہو پس وہ اس کا کفیل ہوگیا حالانکہ قرض خواہ مجلس میں موجود نہیں تو یہ جائز ہے۔

تشریح:۔ (۲۹) کفالہ کی دونوں قسموں میں طرفینؒ کے نزدیک صحت کفالہ کی شرط یہ ہے کہ مکفول لہ مجلس کفالہ میں اس کو قبول بھی کرلے جبکہ امام یوسفؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ مکفول لہ کی اجازت مطلقاً شرط نہیں۔ امام یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ کفالہ میں کفیل اپنے اوپر مطالبہ کو لازم کرتا ہے اور التزام علی النفس میں ملتزم خود مختار ہوتا ہے لہذا مکفول لہ کا قبول کرنا ضروری نہیں۔ طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ کفالہ میں کفیل مکفول لہ کو اپنے اوپر مطالبہ کا مالک بناتا ہے اور جس چیز میں تملیک کا معنی ہو وہ مالک بنانے والے اور مالک بننے والے دونوں کے ساتھ قائم ہوتی ہے لہذا کفالہ میں کفیل کا ایجاب اور مکفول لہ کا قبول دونوں ضروری ہونگے۔ طرفینؒ کا قول مفتیٰ بہ ہے۔

(۳۰) البتہ ایک مسئلہ ایسا ہے جس میں صحت کفالہ کیلئے طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک بھی مکفول لہ کا قبول کرنا مجلس کے اندر شرط نہیں وہ یہ کہ مریض مقروض نے اپنے وارث سے کہا کہ جو قرضہ مجھ پر واجب ہے تو اسکا کفیل ہو جا۔ اس صورت میں وارث کفیل ہو جائیگا حالانکہ قرض خواہ مجلس میں موجود نہیں۔ یہ کفالہ استحساناً صحیح ہے اسلئے کہ جب مریض نے اپنے وارث سے کہا کہ جو کچھ قرضہ مجھ پر واجب ہے تو اس کا کفیل ہو جا تو گویا مریض نے کہا، کہ تو میرا قرضہ ادا کر، اور یہ کہنا درحقیقت وصیت ہے لہذا مکفول لہ کا مجلس کے اندر قبول کرنا شرط نہ ہوگا۔

(۳۱)وإذَا كانَ الدَّينُ عَلى اِثْنَيۡنِ وَكُلّ وَاحِدٍ مِنۡهُمَا كَفِيۡلٌ ضَامِنٌ عَنِ الآخَرِ وما أدّى أحَدُهُمَا لم يَرۡجِعۡ بِه عَلى شَرِيۡكِه حتّى يَزِيۡدَ مَايُؤَدِّيۡه على النّصۡفِ فَيَرۡجِعُ بِالزِّيَادَةِ۔

ترجمہ:۔اگر قرضہ دو شخصوں پر ہو پھران دونوں میں سے ہرایک اپنے ساتھی کی طرف سے کفیل ہو گیا توان دونوں میں سے جس نے نصف یا نصف سے کم ادا کیا تو وہ اپنے شریک سے واپس نہیں لے سکتا ہے یہاں تک کہ جو اس نے ادا کر دیا وہ نصف سے بڑھ جائے پس نصف سے زائد کے لئے رجوع کریگا۔

تشریح :۔(۳۱)اگر قرضہ دو شخصوں پر ہو(مثلاً دو آدمیوں نے ایک ہزار درہم کے عوض ایک غلام خریدا) پھران دونوں میں سے ہرایک اپنے ساتھی کی طرف سے کفیل ہو گیا تو ان دونوں میں سے جس نے نصف یا نصف سے کم ادا کیا تو وہ اپنے شریک سے واپس نہیں لے سکتا ہے کیونکہ دونوں میں سے ہرایک پر نصف قرضہ اس پر دَین ہونے کی وجہ سے لازم ہے اور نصف من جہت الکفالہ لازم ہے تو جب نصف یا کم از نصف ادا کریگا تو کہا جائیگا کہ یہ وہ ہے جو اس پر بسبب مدایۃ لازم ہیں لہذا اسمیں اپنے شریک سے رجوع نہیں کرسکتا اور جب نصف سے زائد ادا کریگا تو کہا جائیگا کہ یہ وہ ہے جو اس پر بسبب کفالت لازم ہے لہذا اس میں اپنے شریک سے رجوع کریگا۔

(۳۲)وإذَا تَكَفَّلَ اِثۡنَانِ عَن رَجُلٍ بِالۡفٍ عَلى اَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنۡهُمَا كَفِيۡلٌ عن صَاحِبِه فمَا أدّاه أحَدُهُمَا يَرۡجِعُ بِنِصۡفِه على شَرِيۡكِه قَلِيۡلاً كانَ او كَثِيۡراً۔

ترجمہ:۔اوراگر دو شخص ایک آدمی کی طرف سے ایک ہزار روپیہ کے کفیل ہو گئے اس شرط پر کہ ان دونوں میں سے ہرایک دوسرے کی طرف سے بھی کفیل ہے تو جو کچھ ان میں سے ایک ادا کرلے اسکا نصف اپنے ساتھی سے لے لے خواہ کم ہو یا زیادہ۔

تشریح :۔(۳۲)اگر دو شخص ایک آدمی کی طرف سے ایک ہزار روپیہ کے کفیل ہو گئے اس شرط پر کہ ان دونوں میں سے ہرایک دوسرے کی طرف سے بھی کفیل ہے تو جو کچھ ان میں سے ایک ادا کرلے اسکا نصف اپنے ساتھی سے لے لے خواہ کم ہو یا زیادہ کیونکہ نصف مال کفالہ عن الاصیل کی وجہ سے خود اسکی طرف سے ادا ہوگا اور نصف مال کفالہ عن الکفیل کی وجہ سے اسکے ساتھی کی طرف سے ادا ہوگا لہذا نصف مال کا رجوع اپنے ساتھی سے کرسکتا ہے۔

(۳۳)وَلاتَجوزُ الكَفَالَةُ بِمَالِ الكِتَابَةِ سَوَاءٌ حُرٌّ تَكَفَّلَ به اَوۡ عبدٌ۔

ترجمہ:۔اور مال کتابت کی کفالت جائز نہیں خواہ آزاد ہو جس نے اس کی کفالت کی ہے یا غلام۔

تشریح :۔(۳۳)اگر مولیٰ کیلئے مکاتب کی طرف سے کوئی مال کتابت کا کفیل ہو جائے تو یہ جائز نہیں خواہ کفیل آزاد ہو یا غلام کیونکہ یہ پہلے گذر چکا ہے کہ صحت کفالہ بالمال کیلئے شرط یہ ہے کہ دین صحیح ہو اور دین صحیح وہ ہے کہ مدیون اسکو ساقط نہ کرسکتا ہو مگر یہ کہ ادا کرلے یا قرض خواہ اسکو معاف کردے جبکہ مال کتابت ان دو صورتوں کے سوا بھی ساقط کیا جاسکتا ہے یوں کہ مکاتب خود کو عاجز کردے اسلئے یہ دین صحیح نہیں۔

☆ ☆ ☆

(۳۷)وَاِذَا مَاتَ الرَّجُلُ وَعَلَيْهِ دُيُوْنٌ وَلَمْ يَتْرُكْ شَيْئاً فَتَكَفَّلَ رَجُلٌ عنه لِلْغُرَمَاءِ لَمْ تَصِحَّ الْكَفَالَةُ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ وَعِنْدَهُمَا تَصِحُّ۔

ترجمہ:۔اور اگر کوئی شخص مرجائے اور اس پر کچھ قرضے ہوں اور اس نے ترکہ کچھ نہیں چھوڑا پھر ایک شخص اس کی طرف سے قرضخواہوں کے لئے کفیل ہوا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس شخص کیطرف سے کسی کا کفیل ہونا درست نہیں اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک یہ کفالہ درست ہے۔

تشریح:۔(۳۷)اگر کوئی شخص حالت مفلسی میں مرجائے اور اس پر کچھ قرضے ہوں تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس شخص کیطرف سے کسی کا کفیل ہونا درست نہیں کیونکہ مفلسی میں مرنے سے دین ساقط ہو جاتا ہے(اسلئے کہ قیام دین بلا محل ممکن نہیں) لہذا یہ کفالت صحیح نہیں۔صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک یہ کفالہ درست ہے کیونکہ یہ دین ثابت (ثابت اس لئے ہے کہ کوئی ساقط کرنے والا نہیں) سے کفالہ ہے جو کہ جائز ہے۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول راجح ہے۔

كتاب الحوالة

یہ کتاب حوالہ کے بیان میں ہے۔

"کتاب الحوله" کی "کتاب الکفاله" کے ساتھ وجہ مناسبت یہ ہے کہ کفیل ومحال علیہ میں سے ہر ایک اپنے اوپر اس چیز کو لازم کرتا ہے جو اصیل پر واجب تھی۔

"حوالہ" لغۃً بمعنی زوال ونقل ہے اور شریعت میں برائے وثوق واعتماد محیل کے ذمہ سے محتال علیہ کے ذمہ کی طرف دین منتقل کردینے کو حوالہ کہتے ہیں یا بالفاظ دیگر مدیون کا اپنے قرض کا دوسرے کو اس کی اجازت سے ذمہ دار بنانا۔

فائدہ:۔"محیل" وہ مقروض ہے جو قرضہ حوالہ کردے "محال" قرضخواہ کو کہتے ہیں جسکو "محال،محتال له" اور "محتال" بھی کہتے ہیں اور "محتال علیه" وہ جو اپنے اوپر حوالہ قبول کرے اور "محال به" وہ مال جس کا حوالہ کیا جائے۔

(۱)اَلْحَوَالَةُ جَائِزَةٌ بِالدُّيُوْنِ (۲)وَتَصِحُّ بِرِضَا الْمُحِيْلِ وَالْمُحْتَالِ لَهُ وَالْمُحْتَالِ عَلَيْهِ۔

ترجمہ:۔قرضوں میں حوالہ جائز ہے اور حوالہ محیل محتال لہ اور محتال علیہ کی رضامندی سے صحیح ہوتا ہے۔

تشریح:۔(۱)قرضوں میں حوالہ جائز ہے اعیان میں جائز نہیں کیونکہ حوالہ بمعنی نقل وتحویل کے ہے اور نقل دیون کے اندر ممکن ہے اعیان کے اندر نہیں کیونکہ دین غیر متعین ہوتا ہے لہذا اسکو محتال علیہ بھی ادا کرسکتا ہے اور عین چونکہ متعین ہوتا ہے اسلئے اسکو وہی ادا کرسکتا ہے جسکے پاس موجود ہو۔

(۲)حوالہ محیل محتال لہ اور محتال علیہ کی رضامندی سے صحیح ہوتا ہے۔محتال لہ کی رضامندی اسلئے شرط ہے کہ قرضہ اسکا حق ہے جو حوالہ کے ذریعے ایک ذمے سے دوسرے ذمے کی طرف منتقل ہوتا ہے اور ذمے وقت پر ادا کرنے اور ٹال مٹول کے اعتبار سے

مختلف ہیں (یعنی بعض ادائیگی قرضہ میں کھرے ہوتے ہیں اور بعض ٹال مٹول کرتے ہیں) تو حوالہ میں محتال لہ کے ضرر کا احتمال ہے اسلئے محتال لہ کی رضامندی شرط ہے۔ اور محتال علیہ کی رضامندی اسلئے شرط ہے کہ حوالہ میں محیل کی طرف سے محتال علیہ پر دین لازم کرنا ہوتا ہے اور لزوم بغیر التزام کے نہیں ہوسکتا۔

البتہ روایت مختار کے مطابق محیل کی رضامندی شرط نہیں کیونکہ محتال علیہ کا اپنے اوپر قرضہ لازم کرنا اپنے حق میں تصرف ہے جسمیں محیل کا نقصان نہیں فائدہ ہے لہذا محیل کی رضامندی ضروری نہیں۔

(۳) وَاِذَا تَمَّتِ الْحَوَالَةُ بَرِئَ الْمُحِيْلُ مِنَ الدُّيُوْنِ (۴) وَلَمْ يَرْجِعِ الْمُحْتَالُ لَه عَلَى الْمُحِيْلِ اِلَّا اَنْ يَتْوىٰ حَقُّه۔

ترجمہ:۔ اور حوالہ جب تام ہوگیا تو محیل قرضوں سے بری ہو جائیگا اور محتال لہ کو محیل سے رجوع کرنے کا حق نہ ہوگا الا یہ کہ محتال لہ کا حق فوت ہو جائے۔

تشریح:۔ (۳) حوالہ جب (محتال لہ و محتال علیہ کے قبول کرنے سے) تام ہوگیا تو محیل قرضہ سے بری ہو جائیگا خلافاً لزفر رحمہ اللہ۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حوالہ برائے انتقال (قرضے کا ایک ذمہ سے دوسرے ذمہ کی طرف) ہے تو قرضہ جب محیل کے ذمے سے منتقل ہوا تو اسکے ذمے میں باقی نہیں رہیگا لہذا محیل بری ہوگیا۔

(۴) بعد از حوالہ محتال لہ کو محیل سے رجوع کرنے کا حق نہ ہوگا الا یہ کہ محتال لہ کا حق فوت ہو جائے (مثلاً محتال علیہ حوالہ کا انکار کردے اور یا مرجائے)۔ کیونکہ محیل کا بری ہونا مقید ہے کہ محتال لہ کا حق سالم ہو کیونکہ حوالہ سے مقصود یہ ہے کہ محتال لہ کا حق محفوظ ہو جائے جب مقصود حاصل نہ ہوا تو حوالہ نہ رہا لہذا محیل سے رجوع کرنا درست ہوگا۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بصورت ہلاکتِ حقِ محتال لہ بھی محیل سے رجوع کرنے کا حق نہیں رکھتا۔

(۵) وَالتَّوىٰ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰه بِاَحَدِ الْاَمْرَيْنِ اِمَّا اَنْ يَجْحَدَ الْحَوَالَةَ وَيَحْلِفَ ولا بَيِّنَةَ عليه او يَمُوْتَ مُفْلِساً وقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰه ومُحَمَّدٌ رَحمه اللّٰه هذَانِ الْوَجْهَانِ وَوَجْهٌ ثَالِثٌ وهو اَنْ يَحْكُمَ الْحَاكِمُ بِاِفْلاسِه فِي حَالِ حَيَاتِه۔

ترجمہ:۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک محتال علیہ کے حق کا فوت ہونا دو باتوں میں سے کسی ایک کے ذریعہ متحقق ہو جائیگا یا محتال علیہ حوالہ کا انکار کر کے قسم کھالے جب کہ اس کے خلاف گواہ نہ ہو یا محتال علیہ مفلس ہو کر مرجائے اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک ان دو باتوں کے ساتھ ایک تیسری بات وجہ بھی ہے وہ یہ کہ حاکم محتال علیہ کی زندگی میں اسکے افلاس کا حکم کردے۔

تشریح:۔ (۵) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک محتال علیہ کے حق کا فوت ہونا دو باتوں میں سے کسی ایک کے ذریعہ متحقق ہو جائیگا۔ /**نمبر ۱** محتال علیہ حوالہ کا انکار کر کے قسم کھالے جب کہ محتال لہ و محیل کے پاس محتال علیہ کے خلاف گواہ نہ ہو۔/**نمبر ۲** محتال علیہ مفلس ہو کر مرجائے۔ کیونکہ ان دو صورتوں میں محتال لہ اپنا حق وصول کرنے سے عاجز ہو جاتا ہے اسلئے محتال لہ محیل سے رجوع کرسکتا ہے۔

صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک ان دو باتوں کے ساتھ ایک تیسری بات سے بھی محتال لہ کا حق فوت ہوسکتا ہے وہ یہ کہ حاکم محتال علیہ کی زندگی میں اسکے افلاس کا حکم کردے کہ یہ شخص مفلس ہے کیونکہ اس صورت میں بھی محتال لہ اپنا حق وصول کرنے سے عاجز ہوجاتا ہے۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول راجح ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور صاحبین رحمہما اللہ کا یہ اختلاف ایک اور اختلاف پر مبنی ہے وہ یہ کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حاکم کا کسی کو مفلس قرار دینے سے افلاس ثابت نہیں ہوتا جبکہ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک ثابت ہوتا ہے۔

(٦)وَاِذَا طَالَبَ الْمُحْتَالُ عَلَيه الْمُحِيْلَ بِمِثْلِ مالِ الْحَوَالَةِ فقالَ الْمُحِيْلُ اَحَلْتُ بِدَيْنٍ لِي عَلَيْكَ لم يُقْبَلْ قَوْلُه وكانَ عليه مثلُ الدَّيْنِ (٧)وإنْ طالَبَ الْمُحِيلُ الْمُحتالَ بِمَا اَحالَه بِه فَقالَ اِنَّمَا اَحَلْتُكَ لِتَقْبِضَه لِي وقالَ الْمُحتَالُ بَلْ اَحَلْتَنِيْ بِدَيْنٍ لِي عَلَيْكَ فَالقَوْلُ قَوْلُ الْمُحِيْلِ مع يَمِيْنِه۔

تو جمه:۔اگر محتال علیہ نے محیل سے بقدر حوالہ مال کا مطالبہ کیا محیل نے کہا کہ تجھ پر حوالہ تو میں نے اپنے اس قرضہ کے عوض کیا تھا جو تیرے ذمہ پر تھا تو محیل کا قول قبول نہ کیا جائیگا اور اس کے ذمہ مثل دین ہوگا اور اگر محیل نے محتال سے اس مال کا مطالبہ کیا جو اس نے حوالہ کیا تھا اور یہ کہا کہ میں نے آپ کو حوالہ کیا تھا تا کہ آپ اس پر میرے لئے قبضہ کرلیں اور محتال نے کہا بلکہ آپ نے مجھے اس دین کے عوض حوالہ کیا تھا جو میرا آپ کے ذمہ تھا تو محیل کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔

تشریح:۔(٦)اگر محتال علیہ نے محیل کی طرف سے قرضہ ادا کرنے کا دعویٰ کرکے محیل سے بقدر حوالہ مال کا مطالبہ کیا محیل نے کہا کہ تجھ پر حوالہ تو میں نے اپنے اس قرضہ کے عوض کیا تھا جو تیرے ذمہ پر تھا لہٰذا تجھے مجھ سے رجوع کا حق نہیں تو محیل کا قول قبول نہ کیا جائیگا کیونکہ محیل کی طرف سے اسکے حکم سے قرضہ ادا کرنے کی وجہ سے محتال علیہ کیلئے حق رجوع متحقق ہو چکا ہے باقی محیل کی جانب سے محتال علیہ پر قرضے کا دعویٰ کرنا تو چونکہ گواہ نہیں اور محتال علیہ منکر ہے اور قول منکر کا معتبر ہوتا ہے اسلئے محیل کا قول قبول نہ کیا جائیگا۔

(٧)(محتال علیہ نے محتال لہ کو قرضہ ادا کردیا) پھر اگر محیل نے محتال لہ سے اس قرضہ کا مطالبہ کیا جس کا حوالہ کیا تھا اور محیل نے دعویٰ کیا کہ میں نے تجھے اس قرضے کے وصول کیلئے وکیل بنایا تھا تاکہ تو اس پر میرے لئے قبضہ کرلیں (اور لفظ حوالہ وکالت کے معنی میں مستعمل ہے) اور محتال لہ نے انکار کیا اور کہا کہ آپ نے اس دین کے عوض حوالہ کیا تھا کہ میرا تجھ پر قرضہ تھا تو اس صورت میں محیل کا قول مع الیمین معتبر ہوگا کیونکہ محتال لہ محیل پر دین کا دعویٰ کرتا ہے اور محیل منکر ہے اور قول منکر کا مع الیمین معتبر ہوتا ہے۔

(٨)وَيُكْرَه السَّفَاتِجُ وهو قَرْضٌ اِسْتَفَادَ بِه الْمُقْرِضُ اَمْنَ خَطَرِ الطَّرِيْقِ۔

تو جمه:۔اور سفاتج مکروہ ہے اور سفاتج وہ قرض ہے جس سے قرض دہندہ راستہ کے خطرات سے محفوظ ہونے کا فائدہ اٹھائے۔

تشریح:۔(٨)سفاتج سفتجة (بضم السین وفتح الفاء) کی جمع ہے بمعنی شئی محکم اور اصطلاح فقہاء میں سفتجہ یہ ہے کہ مقرض اس شرط پر مستقرض کو قرضہ دے کہ پھر مستقرض اس قرضہ کو اسی شہر میں ادا کردے جس میں مقرض چاہتا ہے تاکہ مقرض کا مال خطرۂ راہ سے

محفوظ ہو۔اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً زید کراچی شہر میں کاروبار کرتا ہے کوئٹہ سے کوئی مسافر کراچی گیا زید نے اس مسافر کو دس ہزار روپیہ دئے اور کہا کہ اس سے یہاں کام چلائیں کوئٹہ جاکر میرے وکیل کو حوالہ کرلیں چونکہ قرضہ دینے والے کا فائدہ یہ ہے کہ خود لانے کی صورت میں اس کیلئے خطرۂ راہ ہے تو قرضہ دیکر اپنے مال کو خطرۂ راہ سے محفوظ کیا۔اور جس قرض سے فائدہ حاصل کیا جائے حدیث شریف میں اسکی ممانعت ہے اسلئے یہ صورت مکروہ ہے۔

كتابُ الصّلح

یہ کتاب صلح کے بیان میں ہے۔

''صلح ''اسم ہے مصالحت مصدر کا جو مخاصمت کی ضد ہے۔''صلاح ''بمعنی استقامۃ الحال سے مشتق ہے۔اور شریعت میں اس عقد سے عبارت ہے جو رافع نزاع ہو۔ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ وکالت، کفالہ اور حوالہ سب میں قضاء حاجت کی مساعدت پائی جاتی ہے اور یہی کچھ صلح میں بھی ہے۔

عاقدِ صلح کرنے والے کو''مصالح '' کہتے ہیں اور بدل صلح (یعنی جس چیز پر صلح واقع ہو) کو''مصالح علیہ ''اور مدعیٰ بہ (یعنی جس کا مدعی دعویٰ کرے) کو''مصالح عنہ'' کہتے ہیں۔

صلح کا رکن وہ ایجاب وقبول ہیں جو صلح کے لئے وضع شدہ ہیں اور اس کے لئے شرط یہ ہے کہ مصالح عنہ مال ہو یا ایسا حق ہو جس کا عوض لینا جائز ہو جیسے قصاص۔اور ایسا حق نہ ہو جس کا عوض لینا جائز نہ ہو جیسے حق شفعہ اور کفالہ بالنفس۔

جواز صلح کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع سے ثابت ہے ''اما الكتاب فقوله تعالىٰ ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾ واما السنة فقوله ﷺ ،، كُلّ صُلْحٍ جَائِزٌ فِيمَا بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ اِلَّا صُلْحاً اَحَلَّ حَرَاماً اَوْ حَرَّمَ حَلالاً ''اور اُمت کا جواز صلح پر اجماع ہے۔

(۱) وَالصُّلْحُ عَلٰى ثَلٰثَةِ اَضْرُبٍ (۲) صُلْحٌ مع اِقْرارٍ (۳) وصُلْحٌ مع سُكُوتٍ وهو اَنْ لا يُقِرَّ الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ ولا يُنْكِرَ (۴) وصُلْحٌ مع اِنْكارٍ وكُلّ ذالكَ جَائِزٌ۔

ترجمہ:۔صلح کی تین قسمیں ہیں، صلح مع اقرار، صلح مع سکوت، اور وہ یہ ہے کہ مدعیٰ علیہ نہ اقرار کرے اور نہ انکار، اور صلح مع انکار، اور صلح کی یہ تینوں قسمیں جائز ہیں۔

تشریح:۔(۱) صلح کی تین قسمیں ہیں، صلح مع اقرار، صلح مع سکوت، صلح مع انکار،

(۲) صلح مع اقرار یہ ہے کہ مدعیٰ علیہ کے اقرار پر واقع ہو جائے مثلاً زید کے ہاتھ میں زمین ہے بکر نے اسکا دعویٰ کیا زید نے بکر کے دعویٰ کا اقرار کر کے اس سے کسی قدر مال پر صلح کرلیا۔

(۳) صلح مع انکار یہ ہے کہ مدعیٰ علیہ کے انکار پر واقع ہو مثلاً مذکورہ بالا صورت میں زید نے بکر کے دعویٰ کا انکار کر کے اس کے

شر سے بچنے کیلئے کسی قدر مال پر صلح کرلیا۔ (۴) اور صلح مع سکوت یہ ہے کہ مدعیٰ علیہ کے سکوت پر واقع ہو مثلاً مذکورہ بالا صورت میں زید نے بغیر کسی قسم کے اقرار وانکار کے کسی قدر مال پر صلح کرلیا۔

صلح کی یہ تینوں قسمیں جائز ہیں لاطلاق قوله تعالىٰ ﴿وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾ (یعنی صلح بہتر ہے) "وقوله عليه السلام كُلّ صُلْحٍ جَائِزٌ فِيمَا بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ اِلَّا صُلْحاً اَحَلَّ حَرَاماً اَوْحَرَّمَ حَلاَلاً. رواه الترمذی "۔ (یعنی ہر صلح مسلمانوں کے درمیان جائز ہے سوائے اس صلح کے جو کسی حرام کو حلال کرے یا حلال کو حرام کرے)۔

(۵) فَاِنْ وَقَعَ الصَّلْحُ عَنْ اِقْرَارٍ اُعْتُبِرَ فِيْهِ مَا يُعْتَبَرُ فِي الْبِيَاعَاتِ اِنْ وَقَعَ عَنْ مَالٍ بِمَالٍ (٦) وَاِنْ وَقَعَ عَنْ مَالٍ بِمَنَافِعَ فَيُعْتَبَرُ بِالْاِجَارَاتِ۔

ترجمہ:۔ پس اگر صلح مدعیٰ علیہ کے اقرار پر واقع ہوئی ہو تو اس میں وہ امور معتبر ہونگے جو بیوع میں معتبر ہوتیں ہیں اگر صلح مال سے بعوض مال واقع ہوئی ہو اور اگر صلح مال سے بعوض منافع واقع ہوئی ہو تو اس میں اجارات کا اعتبار ہوگا۔

تشریح:۔ (۵) اگر صلح مدعیٰ علیہ کے اقرار پر واقع ہوئی ہو اور مصالح عنہ ومصالح علیہ دونوں مال ہوں تو یہ صلح بیع کے حکم میں ہوگی کیونکہ اسمیں متعاقدین کے حق میں معنی بیع یعنی مبادلۃ المال بالمال موجود ہے پس بیع میں جن امور کا اعتبار ہوتا ہے وہ اسمیں بھی ہوگا لہذا اگر (مصالح علیہ یا عنہ) زمین ہو تو اسمیں شفیع کیلئے حق شفعہ ثابت ہوگا اور اسمیں خیار عیب وشرط ورؤیت ثابت ہونگے۔

(٦) اگر صلح مال سے بعوض منافع واقع ہوئی ہو تو یہ صلح اجارہ کے حکم میں ہوگی کیونکہ اسمیں اجارہ کا معنی (یعنی بعوض مال منافع کا مالک ہونا) موجود ہے پس اجارہ میں جن امور کا اعتبار ہوتا ہے وہ اسمیں بھی ہوگا۔ لہذا وصولی منفعت کی مدت مقرر کرنا شرط ہے اور مقررہ مدت میں کسی ایک کی موت سے صلح باطل ہوگی۔

(٧) وَالصَّلْحُ عَنِ السُّكُوْتِ وَالْاِنْكَارِ فِي حَقِّ الْمُدَعٰى عَلَيْهِ لِاِفْتِدَاءِ الْيَمِيْنِ وَقَطْعِ الْخُصُوْمَةِ (٨) وَفِي حَقِّ الْمُدَعِي بِمَعْنَى الْمُعَاوَضَةِ (٩) وَاِذَا صَالَحَ عَن دَارٍ لَمْ يَجِبْ فِيْهَا الشُّفْعَةُ (١٠) وَاِذَا صَالَحَ عَلٰى دَارٍ وَجَبَتْ فِيْهَا الشُّفْعَةُ۔

ترجمہ:۔ اور اگر صلح مدعیٰ علیہ کے سکوت یا اسکے انکار سے ہوئی ہو تو یہ مدعیٰ علیہ کے حق میں قطع نزاع اور قسم کا فدیہ ہوگی اور مدعی کے حق میں معاوضہ ہوگا اور اگر صلح عن دار (یعنی مدعی بہ دار ہو) کی ہو تو اس گھر میں شفیع کیلئے حق شفعہ نہیں اور اگر صلح علی دار ہو (یعنی بدل صلح دار ہو) تو اس گھر میں شفیع کیلئے حق شفعہ ثابت ہوگا۔

تشریح:۔ (٧) اگر صلح مدعیٰ علیہ کے سکوت یا اسکے انکار سے ہوئی ہو تو یہ مدعیٰ علیہ کے حق میں قطع نزاع اور قسم کا فدیہ ہوگی کیونکہ مدعیٰ علیہ کا گمان یہ ہے کہ شئی مدعیٰ بہ اسکی ملک ہے تو مصالح علیہ اسکا عوض نہ ہوگا۔ (٨) اور مدعی کے حق میں معاوضہ ہوگا کیونکہ وہ بزعم خود اپنے حق کا عوض لے رہا ہے لہذا ہر ایک کے ساتھ اسکے اعتقاد کے مطابق معاملہ ہوگا۔

(٩) واذا صالح الخ ماقبل پر تفریع ہے یعنی اگر مدعیٰ علیہ کے سکوت یا انکار کے ساتھ صلح عن دار (یعنی مدعی بہ دار ہو) کی ہو تو

اس گھر میں شفیع کیلئے حق شفعہ نہیں کیونکہ مدعی علیہ اس گھر کو بزعم خود اپنی ملک پر بذریعہ صلح برقرار رکھتا ہے نہ یہ کہ وہ اسکو خرید رہا ہے لہذا اس میں شفعہ نہیں۔(۱۰) اور اگر صلح علی دار ہو (یعنی بدل صلح دار ہو) تو اس گھر میں شفیع کیلئے حق شفعہ ثابت ہوگا کیونکہ مدعی اسکو اپنے مال کا عوض سمجھ کر لے رہا ہے تو یا اسکے حق میں معاوضہ ہوالہذا اس میں شفعہ واجب ہوگا۔

الالغاز: ۔ أی صلح ان قبل رجل صالح آخر علی ان یترک حقه فی شیء معین علی مال معین فیسقط حق المصالح ولایلزم المصالح المال الذی صولح به ویجبر علی رده لو اخذه ؟

فالجواب: ۔هذا شفیع صالح المشتری علی ترک حقه فی الشفعة یسقط حقه ولایلزمه المال ویجبر علی رده لو اخذه۔(الاشباه والنظائر)

(۱۱) وَاِذَا كَانَ الصُّلْحُ عَنْ اِقْرَارٍ فَاسْتُحِقَّ بَعضُ المَصَالِحِ عَنْهُ رَجَعَ المُدعٰی عَلَيْهِ بِحِصَّةِ ذَالِکَ مِنَ العِوَضِ (۱۲) وَاِذَا وَقَعَ الصُّلْحُ عَنْ سُكُوْتٍ اَوْ اِنْكَارٍ فَاسْتُحِقَّ المَتَنَازَعُ فِيهِ رَجَعَ المُدَّعِي بِالخُصُوْمَةِ وَرَدَّ العِوَضَ (۱۳) وَاِنْ اسْتُحِقَّ بَعْضَ ذَالِکَ رَدَّ حِصَّتَه وَرَجَعَ بِالخُصُوْمَةِ فِيْهِ۔

توجمه: ۔اور اگر مدعی علیہ نے مدعی کے دعویٰ کا اقرار کر کے صلح کی پھر مصالح عنہ (یعنی مدعی بہ) میں سے کچھ حصہ کا مستحق نکل آیا تو مدعی علیہ مستحق حصہ کے بمقدار عوض مدعی سے واپس لے گا اور اگر صلح مع سکوت یا مع انکار کی ہو پھر متنازع فیہ (مدعی بہ) کا کوئی اور مستحق نکل آیا تو مستحق کے ساتھ خصومت مدعی کرے اور عوض مدعی علیہ کو واپس کردے اور اگر اسی صورت میں بعض مدعی بہ کا مستحق نکل آیا تو مدعی بقدر مستحق کے عوض مدعی علیہ کو واپس کردے اور مستحق میں مستحق کے ساتھ خصومت مدعی کرلے۔

تشریح: ۔(۱۱) اگر مدعی علیہ نے مدعی کے دعویٰ کا اقرار کر کے صلح کی پھر مصالح عنہ (یعنی مدعی بہ) میں سے کچھ حصہ میں کسی نے اپنا استحقاق ثابت کر کے مدعی علیہ سے لے لیا تو مدعی علیہ مستحق حصہ کے بمقدار عوض مدعی سے واپس لے گا اسلئے کہ صلح مع اقرار درحقیقت بیع کی طرح معاوضہ مطلقہ ہے اور معاوضہ کا حکم یہی ہے کہ بوقت استحقاق رجوع بقدر مستحق ہوتا ہے۔

(۱۲) اور اگر صلح مع سکوت یا مع انکار کی ہو پھر متنازع فیہ (مدعی بہ) کا کوئی اور مستحق نکل آیا تو مستحق کے ساتھ خصومت مدعی کرے کیونکہ بعض مستحق اس کے ہاتھ میں ہونے کی وجہ سے یہ مدعی علیہ کے قائم مقام ہے)۔اور مدعی علیہ کا عوض (مصالح علیہ) واپس کردے اسلئے کہ مدعی علیہ نے مدعی کو عوض اسلئے دیا تھا تا کہ مدعی کی خصومت دفع ہو لیکن جب مدعی بہ کا کوئی اور مستحق نکل آیا تو ظاہر ہوا کہ مدعی کو حق خصومت نہیں تھا اور عوض بلاوجہ اسکے ہاتھ میں آیا لہذا یہ عوض مدعی علیہ کو واپس کردے۔(۱۳) اور اگر اسی صورت میں بعض مدعی بہ کا مستحق نکل آیا تو مدعی بقدر مستحق کے عوض مدعی علیہ کو واپس کردے اور مستحق میں مستحق کے ساتھ خصومت مدعی کرلے اِعْتِبَاراً لِلْبَعْضِ بِالْكُلِّ ۔

☆ ☆ ☆

(۱۴) وَاِنْ اِدَّعىٰ حقاً فی دارٍ ولم يُبَيِّنْهُ فَصُولِحَ مِنْ ذَالكَ علی شیٍٔ ثُمّ اسْتُحِقّ بَعْضُ الدَّارِ لم يُرَدّ شيئاً مِنَ العِوَضِ لِاَ نَّ دَعْوَاه يَجُوزُ اَنْ يَكُونَ فِيمَا بقِيَ۔

ترجمہ:۔اور اگر مدعی نے کسی گھر کے کسی غیر معین حصہ میں اپنے حق کا دعویٰ کیا اور مدعی علیہ نے مدعی کے دعویٰ سے کسی شئی پر صلح کرلی پھر اس گھر کے کچھ حصہ کا مستحق نکل آیا تو مدعی عوض (مصالح علیہ) کو واپس نہیں کریگا اسلئے کہ ہوسکتا ہے کہ مدعی کا دعویٰ مکان کے باقی ماندہ حصہ میں ہوا ہو۔

تشریح:۔(۱۴) اگر مدعی نے کسی گھر کے کسی غیر معین حصہ میں اپنے حق کا دعویٰ کیا اور مدعی علیہ نے مدعی کے دعویٰ سے کسی شئی پر صلح کرلی پھر اس گھر کے کچھ حصہ کا مستحق نکل آیا تو مدعی عوض (مصالح علیہ) کو واپس نہیں کریگا اسلئے کہ ہوسکتا ہے کہ مدعی کا دعویٰ مکان کے باقی ماندہ حصہ میں ہوا ہو اس حصہ میں نہ ہوا ہو جس کا مستحق نکل آیا ہے۔البتہ اگر کل دار کا کوئی مستحق نکل آیا تو پھر مدعی پر عوض (مصالح علیہ) کا واپس کرنا لازم ہوگا کیونکہ اس صورت میں عوض بلاوجہ مدعی کے ہاتھ میں آیا ہے۔

(۱۵) وَالصُّلْحُ جَائِزٌ مِنْ دَعْوىٰ الْاَمْوَالِ وَالْمَنَافِعِ وَجِنَايَةِ الْعَمَدِ وَالْخَطَاءِ (۱۶) ولا يَجُوزُ مِنْ دَعْوَى حَدٍّ۔

ترجمہ:۔اور صلح جائز ہے مال، منافع، جنایتِ عمد اور جنایتِ خطاء کے دعوی سے اور جائز نہیں حد کے دعوی سے۔

تشریح:۔(۱۵) اگر مدعی مال کا دعویٰ کرے تو مدعی علیہ کیلئے اس دعوی مال سے صلح کرنا جائز ہے کیونکہ صلح بیع کے معنی میں ہے تو جس چیز کی بیع جائز ہے اس سے صلح بھی جائز ہے۔اسی طرح اگر مدعی منافع کا دعویٰ کرے تو مدعی علیہ کیلئے اس دعویٰ منافع سے صلح کرنا جائز ہے مثلاً مدعی نے دعویٰ کیا کہ فلاں میت نے میرے لئے اس مکان میں ایک سال تک رہنے کی وصیت کی ہے ورثہ نے انکار یا اقرار کر کے اسکے ساتھ کسی شئی پر صلح کرلی تو یہ جائز ہے کیونکہ اجارات میں عوضِ منافع لینا جائز ہے تو صلح میں بھی جائز ہوگا۔اسی طرح جنایتِ عمد سے بھی صلح جائز ہے (مثلاً کسی نے قصداً کسی کا باپ قتل کیا تو مقتول کے ورثہ قاتل سے قصاص لینے کے بجائے کسی شئی پر صلح کر سکتے ہیں) کیونکہ جنایتِ عمد سے صلح کرنا بمنزلہ نکاح کے ہے اسلئے کہ نکاح و صلح میں سے ہر ایک مبادلة المال بغير المال ہے پس نکاح جائز تو یہ بھی جائز ہوگا۔اسی طرح جنایتِ خطاء سے بھی صلح کرنا جائز ہے (مثلاً کسی نے خطاءً کسی کا باپ قتل کیا تو مقتول کے ورثہ قاتل سے دیت لینے کے بجائے کسی شئی پر صلح کر سکتے ہیں) کیونکہ جنایتِ خطاء کا موجَب مال ہے اور صلح عن المال جائز ہے۔

(۱۶) دعویٰ حد سے صلح کرنا جائز نہیں مثلاً کسی نے زانی یا چور یا شارب الخمر کو پکڑ لیا انہوں نے حاکم کو پیش نہ کرنے سے کچھ مال دے کر صلح کرلی تو یہ جائز نہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے پکڑنے والے کا حق نہیں اور حقِ غیر کا عوض لینا جائز نہیں۔

(۱۷) وَاِذَا ادَّعىٰ رَجُلٌ عَلی اِمْرَاَةٍ نِكَاحاً وهی تَجْحَدُ فَصَالَحَتْهُ عَلی مالٍ بَذَلَتْه حتّی يَتْرُكَ الدَّعْوىٰ جازَ وكانَ فی مَعْنَی الخُلعِ (۱۸) وَاِذَا ادَّعَتْ اِمْرَاَةٌ نِكَاحاً عَلی رَجُلٍ فَصَالَحَهَا عَلی مالٍ بَذَلَه لها لَمْ يَجُزْ۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی نے کسی عورت پر نکاح کا دعویٰ کیا اور عورت نے انکار کر کے کچھ مال دیکر دعویٰ نکاح سے صلح کرلی تا کہ وہ دعوی

چھوڑ دے تو یہ جائز ہے اور یہ صلح مدعی کے حق میں خلع ہے اور اگر عورت نے کسی کی منکوحہ ہونے کا دعویٰ کیا مدعی علیہ نے انکار کر کے کچھ مال دیکر دعوی نکاح سے صلح کر لی تو یہ جائز نہیں۔

تشریح :۔(۱۷) اگر کسی نے کسی عورت پر نکاح کا دعویٰ کیا اور عورت نے انکار کر کے کچھ مال دیکر دعویٰ نکاح سے صلح کر لی تا کہ وہ دعوی چھوڑ دے تو یہ جائز ہے اور یہ صلح مدعی کے حق میں خلع (عورت کا مال دیکر زوج سے طلاق حاصل کرنا خلع ہے) ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ نکاح قائم ہے۔اور عورت کے حق میں دفع خصومت وفدیہ یمین ہوگا کیونکہ عورت اس دعوے کو ناحق سمجھتی ہے۔

(۱۸) اگر عورت نے کسی کی منکوحہ ہونے کا دعویٰ کیا مدعی علیہ نے انکار کر کے کچھ مال دیکر دعوی نکاح سے صلح کر لی تو یہ جائز نہیں کیونکہ مرد نے عورت کو ترک دعوی کی غرض سے مال دیا ہے اب اگر عورت کی طرف سے ترک دعوی کو فرقت قرار دیا جائے تو شوہر فرقت میں عوض نہیں دیا کرتا ہے اور اگر فرقت نہ قرار دیا جائے تو حال وہی رہیگا جو دعوی سے پہلے تھا پس کوئی چیز نہ رہی جس کے مقابلے میں بدل صلح عوض ہو لہذا یہ صلح درست نہ ہوگی۔

(۱۹) وَاِنْ اِدَّعَى عَلٰى رَجُلٍ اَنَّهٗ عَبْدُهٗ فَصَالَحَه عَلٰى مَالٍ اَعْطَاه جَازَ وَكَانَ فِي حَقِّ الْمُدَّعِيْ فِي مَعْنَى الْعِتْقِ عَلٰى مَالٍ۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی نے دعویٰ کیا کہ فلاں شخص میرا غلام ہے اور مدعی علیہ نے کچھ مال دیکر صلح کر لی تو یہ صلح صحیح ہے اور مدعی کے حق میں یہ آزادی عبد بعوض مال ٹھہر یگی۔

تشریح :۔(۱۹) اگر کسی نے دعویٰ کیا کہ فلاں شخص میرا غلام ہے اور مدعی علیہ نے کچھ مال دیکر صلح کر لی تو یہ صلح صحیح ہے اور مدعی کے حق میں یہ آزادی عبد بعوض مال ٹھہر یگی کیونکہ وہ بزعم خود اسکو اپنی ملک سمجھتا ہے اور اگر صلح مع اقرار ہو تو یہ مدعی علیہ کے حق میں بھی حق علی المال ہے ورنہ مدعی علیہ کی طرف سے بدل صلح دفع خصومت کیلئے ہوگا کیونکہ وہ بزعم خود کو حر سمجھتا ہے۔

(۲۰) وَكُلُّ شَيْءٍ وَقَعَ عَلَيْهِ الصُّلْحُ وهو مُسْتَحَقٌّ بِعَقْدِ الْمُدَايَنَةِ لَمْ يُحْمَلْ عَلَى الْمُعَاوَضَةِ وَاِنَّمَا يُحْمَلُ عَلٰى اَنَّه اسْتَوْفٰى بَعْضَ حقه وَاَسْقَطَ بَاقِيَه كَمَنْ لَه عَلٰى رَجُلٍ اَلْفُ دِرْهَمٍ جِيَادٍ فَصَالَحَه عَلٰى خَمْسِ مِائَةٍ زُيُوفٍ جَازَ وَصَارَ كَاَنَّه اَبْرَاه عَنْ بَعْضِ حَقِّه (۲۱) وَلَوْ صَالَحَه عَلٰى اَلْفٍ مُؤَجَّلَةٍ جَازَ وَكَاَنَّه اَجَّلَ نَفْسَ الْحَقِّ (۲۲) وَلَوْ صَالَحَه عَلٰى دَنَانِيْرَ اِلٰى شَهْرٍ لَمْ يَجُزْ۔

ترجمہ:۔اور ہر وہ چیز جس پر صلح واقع ہوئی جبکہ وہ عقد مداینت کی وجہ سے واجب ہو تو اس صلح کو معاوضہ پر محمول نہیں کیا جائیگا بلکہ اس بات پر محمول کیا جائیگا کہ مدعی نے اپنا کچھ حق وصول کر لیا اور باقی حق کو ساقط کر دیا جیسے کسی کا دوسرے پر ایک ہزار کھرے درہم تھے اس نے اس شخص سے پانچ سو کھوٹے درہموں پر صلح کر لی تو یہ صلح جائز ہے اور یہ ایسا ہو گیا گویا کہ مدعی نے اس کو اپنے بعض حق سے بری قرار دیا اور اگر اس نے ایک ہزار میعادی پر صلح کر لی تو یہ بھی جائز ہے گویا اس نے نفس حق کو مؤخر کر دیا اور اگر ایک ماہ تک صلح دنانیر پر کر لی تو یہ جائز نہیں۔

تشریح:۔(۲۰)اگر کسی پر عقد مداینت (یعنی البیع بالدین) کی وجہ سے قرضہ آیا اور اس نے ایسی چیز پر صلح کی جو اس کے قرض کی جنس سے ہو اور قرض سے کم ہو تو اس صلح کو قرض کے عوض دینے پر محمول نہیں کیا جائیگا کیونکہ عاقل بالغ جو کام یا بات کرے تو حتی الامکان اسے صحیح کر دکھانا چاہئے جبکہ عوض قرار دینے کی صورت میں اس کے سودی کاروبار ہونے کی صورت پیدا ہوتی ہے لہذا اس کی کو اس بات پر محمول کیا جائیگا کہ قرضخواہ نے اپنے حق کا کچھ حصہ معاف کر کے باقی وصول کیا ہے مثلاً کسی کے دوسرے پر ایک ہزار کھرے درہم ہوں اور قرضخواہ نے پانچ سو پر صلح کر لی تو یہ صلح جائز ہے اور یہ کہا جائے گا کہ اس نے اپنے بعض حق سے مقروض کو بری کر دیا۔

(۲۱)اسی طرح اگر مقروض نے ایک ہزار نقد سے ایک ہزار میعادی پر صلح کر لی تو یہ بھی جائز ہے گویا کہ قرضخواہ نے اپنے اصل قرض میں وقت کی مہلت دیدی کیونکہ ایسے کرنے کو عوض قرار دینا درست نہیں اسلئے کہ درہم کو اسی جیسے درہم کے بدلے ادھار فروخت کرنا (جس سے ربا النسیٔ لازم آتا ہے) جائز نہیں لہذ مہلت دینے پر محمول کیا جائیگا۔

(۲۲)اگر کسی نے ہزار دراہم کے عوض ایک ماہ کی مہلت کے ساتھ دنانیر پر صلح کی تو یہ جائز نہ ہوگی کیونکہ عقد مداینت کی وجہ سے دنانیر واجب نہیں ہوئے تھے اسلئے اس کو اصل قرضہ میں مہلت دینے پر محمول نہیں کیا جاسکتا اور اس کو معاوضہ قرار دینے کے سوا دوسری کوئی صورت نہیں اور درہم بعوض دینار ادھار فروخت کرنا جائز نہیں اسلئے یہ صلح بھی جائز نہیں۔

(۲۳)وَلَوْ كَانَ لَه اَلْفٌ مُؤَجَّلَةٌ فَصَالَحَه عَلى خَمْسِ مِائَةٍ حَالَةٍ لَمْ يَجُزْ (۲۴) وَلَو كَانَ لَه اَلْفُ دِرهَمٍ سُوْدٍ فَصَالَحَه علی خَمْسِ مِائَةٍ بِيْضٍ لَمْ يَجُزْ۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی کے دوسرے پر ہزار درہم میعادی قرض کے طور واجب تھے قرضخواہ نے اس کے عوض نقد پانچ سو پر مصالحت کر لی تو یہ صورت جائز نہ ہوگی اور اگر قرضہ ایک ہزار سیاہ درہم ہوں قرضخواہ نے پانچ سو سفید درہم لینے پر صلح کر لی تو یہ صورت جائز نہ ہوگی۔

تشریح:۔(۲۳)اگر کسی کے دوسرے پر ہزار درہم میعادی قرض کے طور واجب تھے اب قرضخواہ نے اس کے عوض نقد پانچ سو پر مصالحت کر لی تو یہ صورت جائز نہ ہوگی کیونکہ ادھار کے بلسبت نقد بہتر ہوتی ہے اور نقد بسبب عقد واجب نہیں ہوئی تھی تو یہ میعاد کا عوض ہے جو کہ حرام ہے۔

(۲۴)اگر قرضہ ایک ہزار سیاہ درہم (کھوٹہ درہم) ہوں قرضخواہ نے پانچ سو سفید درہم (کھرہ درہم) لینے پر صلح کر لی تو یہ صورت جائز نہ ہوگی کیونکہ عقد مداینت کی وجہ سے کھرے درہم واجب نہیں ہوئے تھے اور کھرہ ہونا وصف ہے تو ہزار درہم کا عوض پانچ سو درہم زیادتی وصف کے ساتھ ہوئے (نقدین میں وصف معتبر نہیں) لہذا یہ صلح سود پر مشتمل ہونے کی وجہ سے جائز نہیں۔

(۲۵)وَمَنْ وَكَّلَ رَجُلاً بِالصُّلْحِ عَنْه فَصَالَحَه لم يَلْزَمِ الوَكِيلَ ما صَالَحَه عَلَيْه (۲۵)اِلَّا اَنْ يَضْمَنَه وَالمالُ لَازِمٌ لِلمُوَكِّلِ۔

ترجمہ:۔اور جس نے دوسرے کو اپنی طرف سے کسی معاملہ میں صلح کرا دینے کا وکیل بنایا اور وکیل نے صلح کرا دی تو جس مال پر صلح کرائی

وہ وکیل کے ذمہ لازم نہ ہوگا الا یہ کہ وکیل نے بوقت صلح مال دلانے کی ذمہ داری بھی قبول کرلی ہو اور مال مؤکل پر لازم ہے۔

تشریح:۔(۲۵) اگر کسی نے دوسرے کو اپنی طرف سے کسی معاملہ میں صلح کرادینے کا وکیل بنایا اور وکیل نے صلح کرادی تو جس مال پر صلح کرائی وہ وکیل کے ذمہ لازم نہ ہوگا (کیونکہ وکیل کی حیثیت محض سفیر کی ہے کما سنذکرہ) بلکہ مؤکل کے ذمہ لازم ہوگا کیونکہ اس عقد کی نسبت مؤکل کی طرف ہوتی ہے کما سنذکرہ (۲۶) البتہ اگر وکیل نے بوقت صلح مال دلانے کی ذمہ داری بھی قبول کرلی ہو تب تو وکیل ذمہ دار ہوگا لانه حينئذٍ مواخذ بعقد الضمان لا بعقد الصلح۔

مگر اس صلح سے مراد یہ ہے کہ ایسے حق سے صلح ہوئی ہو جو مال نہ ہو مثلاً قصاص سے صلح ہوئی اور یا مال تو ہو مگر جس قرضہ کا دعویٰ کیا گیا ہو اس کے کچھ حصہ پر صلح ہوئی ہو تو چونکہ ان دو صورتوں (صلح برائے اسقاط قصاص یا اسقاط حصہ قرض کیلئے ہے) جس میں وکیل کی حیثیت محض ایک سفیر کی ہے اسلئے بدل صلح اس پر نہیں بلکہ مؤکل پر لازم ہوگی۔

(۲۷) فَإِنْ صَالَحَ عَنْهُ عَلَى شَيْءٍ بِغَيْرِ أَمْرِهِ فَهُوَ عَلَى أَرْبَعَةِ أَوْجُهٍ إِنْ صَالَحَ بِمَالٍ وَضَمِنَهُ تَمَّ الصُّلْحُ وَكَذَالِكَ لَوْ قَالَ صَالَحْتُكَ عَلَى أَلْفِي هٰذِهِ أَوْ عَلَى عَبْدِيْ هٰذَا تَمَّ الصُّلْحُ وَلَزِمَهُ تَسْلِيْمُهَا إِلَيْهِ وَكَذَالِكَ لَوْ قَالَ صَالَحْتُكَ عَلَى أَلْفٍ وَسَلَّمَهَا إِلَيْهِ وَإِنْ قَالَ صَالَحْتُكَ عَلَى أَلْفٍ وَلَمْ يُسَلِّمْهَا إِلَيْهِ فَالْعَقْدُ مَوْقُوْفٌ فَإِنْ أَجَازَهُ الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ جَازَ وَلَزِمَهُ الْأَلْفُ وَإِنْ لَمْ يُجِزْهُ بَطَلَ۔

ترجمہ:۔اگر کسی کی طرف سے اسکے حکم کے بغیر دوسرے شخص نے از خود صلح کرادی تو اس کی چار صورتیں ہوسکتی ہیں۔فضولی نے مال کے بدلے صلح کرائی اور مال کی ادائیگی کا خود ضامن بھی ہوا تو یہ صلح صحیح ہوگی۔اور اسی طرح اگر اس نے کہا کہ میں نے تم سے اپنے ان ہزار پر صلح کرلی یا اپنے اس غلام پر صلح کرلی تو یہ صلح پوری ہوجائیگی اور اس کا مدعی کے سپرد کرنا لازم ہوگا۔اور اسی طرح اگر کہا کہ میں نے تم سے ایک ہزار پر صلح کی اور اس ہزار کو مدعی کے حوالہ کردیا۔اور اگر کہا میں نے تم سے ایک ہزار پر صلح کی اور وہ ہزار مدعی کے حوالہ نہیں کیا تو عقد موقوف ہوگی پس اگر مدعیٰ علیہ نے اس کی اجازت دیدی تو عقد جائز ہوگا اور اس کے ذمہ ایک ہزار لازم ہوجائیگا اور اگر اس نے اجازت نہیں دی تو صلح باطل ہوگی۔

تشریح:۔(۲۷) اگر کسی کی طرف سے اسکے حکم کے بغیر دوسرے شخص نے از خود صلح کرادی تو اس کی چار صورتیں ہوسکتی ہیں

/نمبر ۱۔فضولی نے مال کے بدلے صلح کرائی اور مال کی ادائیگی کا خود ضامن بھی ہوا تو یہ صلح صحیح ہوگی کیونکہ مدعیٰ علیہ کو صرف برأت حاصل ہوئی اور حصول برأت میں اجنبی اور خصم برابر ہیں تو یہ اس اجنبی کی طرف سے مدعیٰ علیہ پر احسان ہے جیسا کہ کسی مقروض کا قرض کوئی اس پر احسان کرتے ہوئے ادا کردے۔

/نمبر ۲۔بدل صلح کی نسبت اپنے مال کی طرف کی مثلاً کہا کہ میں اپنے ان ہزار درہموں پر یا اپنے اس غلام پر صلح کرتا ہوں تو یہ صلح صحیح ہوگی کیونکہ جب اس نے اپنے ذاتی مال کی طرف صلح کی نسبت کی تو اس نے بدل صلح تسلیم کرنا اپنے اوپر لازم کردیا لہذا صلح صحیح ہے۔

/**نمبر ۳**۔فضولی نے کہا کہ میں ہزار درہم پر صلح کرتا ہوں اور ساتھ ہی یہ ہزار درہم مدعی کو دیدے تو یہ صلح بھی صحیح ہوگی کیونکہ اس سے مدعی کا مقصود (سلامۃ البدل) حاصل ہو گیا لہذا یہ صلح صحیح ہے۔

/**نمبر ۴**۔اور اگر فضولی نے کہا کہ میں ہزار درہم پر صلح کرتا ہوں لیکن نہ اپنے مال کی طرف صلح کی نسبت کی اور نہ بدل صلح مدعی کو سپرد کیا تو یہ عقد مدعی علیہ کی اجازت پر موقوف رہیگا اگر اجازت دیدی تو صلح ہو جائیگی ورنہ نہیں کیونکہ اس صلح کا فائدہ مدعی علیہ کو حاصل ہوتا ہے لہذا بصورت اجازت مدعی علیہ پر ہزار درہم لازم ہونگے ورنہ صلح باطل ہوگی۔

(۲۸)وَاِذَا كَانَ الدَّيْنُ بَيْنَ الشَّرِيْكَيْنِ فَصَالَحَ اَحَدُهُمَا مِنْ نَصِيْبِهِ عَلٰى ثَوْبٍ(۲۹) فَشَرِيْكُهٗ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اتَّبَعَ الَّذِىْ عَلَيْهِ الدَّيْنُ بِنِصْفِهٖ وَاِنْ شَاءَ اَخَذَ نِصْفَ الثَّوْبِ (۳۰)اِلَّا اَنْ يَّضْمَنَ لَهٗ شَرِيْكُهٗ رُبْعَ الدَّيْنِ۔

ترجمہ:۔اور اگر دو شریکوں کا ایک شخص پر قرضہ ہو اب اگر ان دو شریکوں میں سے ایک نے اس مقروض کے ساتھ اپنے حصے کے عوض کسی کپڑے پر صلح کر لی تو شریک ثانی کو اختیار ہے چاہے تو اصل مقروض سے اپنا حصہ طلب کرے اور گر چاہے تو شریک اول سے مصالح بہ کپڑے کا نصف لے لے الا یہ کہ شریک اول شریک ثانی کیلئے ربع دین کا ضامن ہو جائے (تو پھر شریک ثانی کو نصف کپڑا لینے کا حق نہیں)۔

تشریح:۔(۲۸) جب دو شریکوں کا ایک شخص پر قرضہ ہو (بشرطیکہ قرضے کا سبب ایک ہو مثلاً ایک شخص مر گیا اس کا کسی پر قرضہ ہو اور اس میت کے دو وارث ہوں تو یہ قرضہ اب ان وارثوں کی طرف منتقل ہوگا اور یہ دو وارث اب اس قرضہ میں شریک ہیں) اب اگر ان دو شریکوں میں سے ایک نے اس مقروض کے ساتھ اپنے حصے کے عوض کسی کپڑے پر صلح کر لی تو شریک ثانی کو اختیار ہے چاہے تو اصل مقروض سے اپنا حصہ طلب کرے کیونکہ اسکا حصہ مقروض کے ذمے باقی ہے اسلئے کہ شریک اول نے تو اپنا ہی حصہ قبض کیا ہے۔

(۲۹)البتہ شریک ثانی کو چونکہ حق مشارکت حاصل ہے لہذا اگر چاہے تو شریک اول سے مصالح بہ کپڑے کا نصف لے لے اسلئے کہ شریک اول نے نصف دین پر صلح کیا ہے کیونکہ دین تو مشاع ہے مقروض کے ذمے میں ہوتے ہوئے تقسیم قبول نہیں کرتا لہذا دین کے ہر جزء کے ساتھ شریک ثانی کا حق متعلق ہے تو شریک اول کی صلح شریک ثانی کی اجازت پر موقوف ہے اور جب شریک ثانی نصف کپڑا لیتا ہے تو یہ اجازت عقد ہے لہذا یہ جائز ہے۔

(۳۰)البتہ اگر شریک اول (صلح کرنے والا) شریک ثانی کیلئے ربع دین کا ضامن ہو جائے تو پھر شریک ثانی کو نصف کپڑا لینے کا حق نہیں کیونکہ اسکا حق ربع دین ہے جس کا شریک اول ضامن ہے۔

(۳۱)وَلَوِ اسْتَوْفٰى نِصْفَ نَصِيْبِهٖ مِنَ الدَّيْنِ كَانَ لِشَرِيْكِهٖ اَنْ يُّشَارِكَهٗ فِيْمَا قَبَضَ(۳۲)ثُمَّ يَرْجِعَانِ عَلَى الْغَرِيْمِ بِالْبَاقِىْ (۳۳)وَلَوِ اشْتَرٰى اَحَدُهُمَا بِنَصِيْبِهٖ مِنَ الدَّيْنِ سِلْعَةً كَانَ لِشَرِيْكِهٖ اَنْ يُّضَمِّنَهٗ رُبْعَ الدَّيْنِ۔

ترجمہ:۔اور اگر شریکین میں سے کوئی اپنا نصف قرضہ وصول کر لے تو شریک ثانی کے لئے جائز ہے کہ اس وصول کردہ دین میں شریک ہو جائیگا اور باقی دین کا مطالبہ وہ دونوں ملکر مدیون سے کر لیں اور اگر ایک شریک نے مقروض سے اپنے حصہ کے بدلے میں کوئی سامان

خریدلیاتو شریک ثانی کو یہ اختیار ہے کہ شریک اول کو ربع دین کا ضامن بنائے۔

تشریح:۔(۳۱) اگر شریکین میں سے کوئی اپنا نصف قرضہ وصول کرلے تو شریک ثانی کے لئے جائز ہے کہ اس وصول کردہ دین میں شریک ہوجائیگا کیونکہ اول دین مشاع پر قابض ہوا ہے لہذا ثانی اسکے ساتھ شریک ہوجائیگا۔(۳۲) باقی دین کا مطالبہ وہ دونوں ملکر مدیون سے کرلیں کیونکہ جب مقبوض مقدار میں وہ دونوں شریک ہوگئے تو باقی میں بھی بالضرور شرکت برقرار رہے گی۔

(۳۳) اگر ایک شریک نے مقروض سے اپنے حصہ کے بدلے میں کوئی سامان خرید لیا تو شریک ثانی کو اختیار ہے خواہ اصل مقروض سے اپنا حصہ طلب کرے (کیونکہ اسکا قرضہ اصل مقروض کے ذمہ برقرار ہے) اور اگر چاہے تو شریک اول کو ربع دین کا ضامن بنائے کیونکہ شریکِ اول نے قرضہ کے عوض سامان خریدنے میں بدون کی وچشم پوشی کے بھرپور اپنا حصہ وصول کرلیا ہوگا تو ربع دین کے ضامن بنانے میں اس پر کچھ خسارہ نہیں۔

(۳۴) وَاِذَا كَانَ السَّلَمُ بينَ الشَّرِيْكَيْنِ فَصَالَحَ اَحَدُهُمَا من نَصِيْبِه على رَاْسِ المَالِ لَمْ يَجُزْ عِنْدَابى حَنِيفَةَ رَحِمَه اللّٰه ومُحَمَّدٍ رحمَه اللّٰه وقالَ ابو يُوسُفَ رَحمَه اللّٰه يَجُوزُ الصُّلْحُ۔

ترجمہ:۔اور اگر دو آدمیوں نے بیع سلم کرلی پھر ان میں سے ایک نے اپنے حصہ کے راس المال پر صلح کرلی تو یہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک جائز نہیں اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ صلح جائز ہے۔

تشریح:۔(۳۴) دو آدمیوں نے مل کر ایک بوری گندم میں تیسرے شخص کے ساتھ عقد سلم کیا اور سو روپیہ راس المال طے پایا شریکین میں سے ہر ایک نے اپنے حصہ کے پچاس روپیہ دے دئے اسکے بعد ایک شریک نے اپنی نصف بوری کے بدلے میں راس المال (پچاس روپیہ) پر تیسرے شخص (مسلم الیہ) سے صلح کرلی اور راس المال میں سے اپنا حصہ لے کر سلم چھوڑ دی تو اگر شریک ثانی نے اجازت دے دی تو مقبوض راس المال اور باقی من السلم دونوں شریکین میں شریک رہیں گے۔

اگر شریک ثانی نے اجازت نہ دی تو طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک یہ صلح جائز نہیں اسلئے کہ یہ صلح اگر صرف ایک شریک کے حصہ میں جائز قرار دیا جائے تو اس صلح میں قبل القبض دین (یعنی راس المال جو مسلم الیہ کے ذمہ دین ہے) کی تقسیم لازم آتی ہے اور قبل القبض تقسیم دین باطل ہے اگر دونوں شریکوں کے حصہ میں جائز قرار دیا جائے تو شریک ثانی کی اجازت ضروری ہے جبکہ وہ نہیں پائی گئی۔امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک یہ صلح جائز ہے وہ دیگر دیون پر قیاس کرتے ہیں۔

(۳۵)وَإِذَا كَانَتِ التَّرِكَةُ بَيْنَ وَرَثَةٍ فَأَخْرَجُوا أَحَدَهُم مِنْهَا بِمَالٍ أَعْطَوْهُ إِيَّاهُ وَالتَّرِكَةُ عِقَارٌ أَو عُرُوضٌ جَازَ قَلِيلًا كَانَ مَا أَعْطَوْهُ أَو كَثِيرًا (۳۶)فَإِنْ كَانَتِ التَّرِكَةُ فِضَّةً فَأَعْطَوْهُ ذَهَبًا أَو ذَهَبًا فَأَعْطَوْهُ فِضَّةً فَهُوَ كَذَالِكَ (۳۷)وَإِنْ كَانَتِ التَّرِكَةُ ذَهَبًا وَفِضَّةً وَغَيْرَ ذَالِكَ فَصَالَحُوهُ عَلَى ذَهَبٍ أَو فِضَّةٍ فَلَا بُدَّ أَنْ يَكُونَ مَا أَعْطَوْهُ أَكْثَرَ مِن نَصِيبِهِ مِن ذَالِكَ الْجِنْسِ حَتَّى يَكُونَ نَصِيبُهُ بِمِثْلِهِ وَالزِّيَادَةُ بِحَقِّهِ مِن بَقِيَّةِ الْمِيرَاثِ۔

ترجمہ:۔اور اگر ترکہ چند وارثوں کے درمیان ہو اور وہ اپنے میں سے ایک کو ترکہ سے کچھ مال دے کر علیحدہ کر دیں اور ترکہ زمین یا سامان ہو تو یہ جائز ہے خواہ اس کو جو دیا کم ہو یا زیادہ اور اگر ترکہ چاندی ہو اور ورثہ اس وارث کو سونا دیں اور یا ترکہ سونا ہو اور ورثہ چاندی دیں تو بھی یہی حکم ہے اور اگر ترکہ سونا، چاندی اور اسباب وزمین ہوں اور ورثہ اس وارث کو صرف سونا یا چاندی دیں تو یہ صلح جائز نہیں جب تک کہ وہ چاندی یا سونا جو اس وارث کو دیا ہے اس مقدار سے زیادہ نہ ہو جو اس وارث کو اسی جنس کے حصے سے پہنچنے والا ہے تا کہ اسکا حصہ اس کے برابر ہو جائے اور زائد مقدار اسکے اس حق کے مقابل ہو جائے جو اس کو باقی میراث میں سے ملتا ہے۔

تشریح:۔(۳۵)اگر کسی کا انتقال ہو جائے اور وہ ترکہ میں سامان یا زمین چھوڑ دے اور ورثہ کسی ایک وارث سے یوں صلح کر لیں کہ کچھ مال دے کر میراث سے خارج کر دیں تو یہ صلح صحیح ہے خواہ وہ مال کم ہو جو ورثہ نے اس وارث کو دیا یا زیادہ ہو کیونکہ اس صلح کو بیع قرار دے کر صحیح بنانا ممکن ہے۔(۳۶)اگر ترکہ چاندی ہو اور ورثہ اس وارث کو سونا دیں۔یا ترکہ سونا ہو اور ورثہ چاندی دیں تو بھی یہی حکم ہے کہ عوض خواہ قلیل ہو یا کثیر سب جائز ہے کیونکہ یہ بیع الجنس بخلاف الجنس ہے لہذا اس میں مساوات ضروری نہیں۔مگر چونکہ یہ بیع صرف ہے لہذا اس میں تقابض فی المجلس شرط ہے۔

(۳۷)اگر ترکہ سونا، چاندی اور اسباب وزمین ہوں اور ورثہ اس وارث کو صرف سونا یا چاندی دیں تو یہ صلح جائز نہیں جب تک کہ وہ چاندی یا سونا جو اس وارث کو دیا گیا ہے اس مقدار سے زیادہ نہ ہو جو اس وارث کو اسی جنس کے حصے سے پہنچنے والا ہے تا کہ اسکا حصہ اس کے برابر ہو جائے اور زائد مقدار اسکے اس حق کے مقابل ہو جائے جو اس کو باقی میراث میں سے ملتا ہے اور یہ اسلئے تا کہ یہ ربا کو مفضی نہ ہو۔

(۳۸)وَإِذَا كَانَ فِي التَّرِكَةِ دَيْنًا عَلَى النَّاسِ فَأَدْخَلُوهُ فِي الصُّلْحِ عَلَى أَنْ يُخْرِجُوا الْمُصَالِحَ عَنْهُ وَيَكُونَ الدَّيْنُ لَهُمْ فَالصُّلْحُ بَاطِلٌ (۳۹)فَإِنْ شَرَطُوا أَنْ يُبْرِئَ الْغُرَمَاءَ مِنْهُ وَلَا يُرْجَعُ عَلَيْهِمْ بِنَصِيبِ الْمُصَالِحِ عَنْهُ فَالصُّلْحُ جَائِزٌ۔

ترجمہ:۔اور اگر میت کے ترکہ میں لوگوں پر کچھ دیون ہوں اور ورثہ دین کو صلح میں اس شرط پر داخل کر دیں کہ مصالح اس سے خارج کر دینگے اور یہ دیون (باقی ترکہ کی طرح) دیگر ورثہ کیلئے ہونگے تو یہ صلح (دین وعین دونوں میں) جائز نہیں اور اگر یہ شرط کر لیں کہ مصالح (صلح کنندہ) قرضداروں کو اپنے حصہ سے بری کر دے اور اسکے حصہ کیلئے قرض داروں پر رجوع نہیں کیا جائیگا تو یہ صلح جائز ہے۔

تشریح:۔(۳۸)اگر میت کے ترکہ میں لوگوں پر کچھ دیون ہوں اور ورثہ کسی وارث سے اس شرط پر صلح کر لیں کہ یہ دیون باقی ترکہ کی طرح دیگر ورثہ کیلئے ہونگے تو یہ صلح دین وعین دونوں میں جائز نہیں کیونکہ اس نے باقی ورثہ کو اپنے حصہ دین کا مالک بنا دیا حالانکہ مدیون

کے سوا کسی دوسرے کو دین کا مالک بنانا باطل ہے اور جب حصۂ دین میں صلح باطل ہوئی تو کل میں باطل ہوگی کیونکہ عقد ایک ہے۔

(۳۹) البتہ اس کی صحت کا یہ حیلہ ہے کہ یہ شرط کرلیں کہ مصالح (صلح کنندہ) قرضداروں کو اپنے حصہ سے بری کردے اور اسکے حصہ کیلئے قرض داروں پر رجوع نہیں کریگا تو یہ صلح جائز ہے کیونکہ یہ یا تو اسقاط حق ہے اور یا مدیون کو دَین کا مالک بنانا ہے جو کہ جائز ہے۔

كتابُ الهِبَة

یہ کتاب ہبہ کے بیان میں ہے۔

کتاب الھبہ کی ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ صلح میں قضاء حاجت کی مساعدت پائی جاتی ہے یہی کچھ ہبہ میں بھی ہے۔

ہبہ لغت میں اسکو کہتے ہیں کہ دوسرے کو کوئی چیز دی جائے جو اس کیلئے نافع ہو خواہ مال ہو یا غیر مال جیسے "وَهَبْتُ لَهُ مَالاً وَوَهَبَ اللّٰهُ فلاناً وَلَداً صَالِحاً" اور شریعت میں تملیک مال بلاعوض کو ہبہ کہتے ہیں۔ ہبہ کرنے والے کو واہب اور جو چیز ہبہ کی جائے اسکو موہوب اور جس کو ہبہ کیا جائے اسکو موہوب لہ کہتے ہیں اور اتہاب بمعنی قبول الھبۃ۔

صحتِ ہبہ کی شرائط واہب میں یہ ہیں کہ عاقل، بالغ اور مالک ہو۔ اور موہوب میں یہ ہیں کہ موہوب مقبوض غیر مشاع ہو اور ممیّز غیر مشغول ہو۔ رکنِ ہبہ ایجاب اور قبول ہے۔ حکمِ ہبہ موہوب لہ کے لئے غیر لازم ملک کا ثبوت ہے۔

(۱) وَتَصِحّ الهِبَةُ بِالْإِيْجَابِ وَالقَبُوْلِ وتَتِمُّ بِالقَبْضِ (۲) فَإِنْ قَبَضَ المَوْهُوْبُ لَه فِي الْمَجْلِسِ بِغَيْرِ اَمْرِالوَاهِبِ جازَ (۳) وإنْ قَبَضَ بعدَ الْإِفْتِرَاقِ لَمْ تَصِحّ اِلّاانْ يَاذَنَ لَه الوَاهِبُ فِي القَبْضِ۔

ترجمہ:۔ ہبہ ایجاب وقبول سے صحیح ہو جاتا ہے اور موہوب لہ کے قبضہ سے تام ہو جاتا ہے اور اگر موہوب لہ نے عقد ہبہ کی مجلس میں مال موہوب پر واہب کے حکم کے بغیر قبضہ کرلیا تو یہ جائز ہے اور اگر موہوب لہ نے مجلس ہبہ سے الگ ہونے کے بعد موہوب پر قبضہ کیا تو جائز نہیں البتہ اگر واہب نے موہوب لہ کو (مجلس ہبہ سے الگ ہونے کے بعد) قبضہ کی اجازت دیدی تو جائز ہے۔

تشریح:۔ (۱) ہبہ ایجاب وقبول سے صحیح ہو جاتا ہے کیونکہ ہبہ بھی دیگر عقود (جو ایجاب وقبول سے منعقد ہو جاتے ہیں) کی طرح عقد ہے لہذا ہبہ میں بھی ایجاب اور قبول ضروری ہیں۔ اور تام اس وقت ہو جاتا ہے جب موہوب لہ کی طرف سے مجلس میں قبضہ متحقق ہو جائے کیونکہ ہبہ میں موہوب لہ کیلئے مِلک ثابت ہوتی ہے اور ثبوتِ مِلک کیلئے قبضہ کا ہونا ضروری ہے۔

(۲) اگر موہوب لہ نے عقد ہبہ کی مجلس میں مال موہوب پر واہب کے حکم کے بغیر قبضہ کرلیا تو یہ استحساناً جائز ہے کیونکہ واہب کی طرف سے ایجاب موہوب لہ کیلئے دلالۃً اذن بالقبض ہے۔

(۳) اگر موہوب لہ نے مجلس ہبہ سے الگ ہونے کے بعد موہوب پر قبضہ کیا تو جائز نہیں کیونکہ ہبہ میں موہوب لہ کا قبضہ کرنا بمنزلہ قبول کے ہے اور قبول مجلس عقد کے ساتھ خاص ہے فکذا ماھو بمنزلتہ، البتہ اگر واہب نے موہوب لہ کو (مجلس ہبہ سے الگ ہونے کے بعد) قبضہ کی اجازت دیدی تو موہوب لہ کیلئے قبضہ جائز ہے کیونکہ واہب کا اجازت دینا بمنزلہ عقد جدید کے ہے۔

(٤) وَتَنعَقِدُ الهِبَةُ بِقَوْلِه وَهَبْتُ وَنَحلتُ وَاَعْطَيْتُ وَاَطْعَمْتُکَ هذَا الطَّعَامَ وجَعَلْتُ هذَا الثَّوْبَ لَکَ وَاَعْمَرْتُکَ هذَا الشَّیئ وحَمَلْتُکَ عَلی هذِه الدَّابَةِ اِذَا نَوی بِالْحُمْلانِ الْهِبَةِ۔

ترجمہ:۔اور ہبہ واہب کے اس طرح کہنے سے منعقد ہو جاتا ہے کہ میں نے ہبہ کر دیا، میں نے دیدیا، میں نے بخش دیا، میں نے تم کو یہ کھانا دیدیا، یہ کپڑا میں نے تیرے لئے مخصوص کر دیا، یہ چیزیں میں نے تم کو عمر بھر کے لئے دیدیں، میں نے تم کو اس سواری پر سوار کر دیا جبکہ سوار کرنے سے ہبہ کی نیت کی ہو۔

تشریح:۔(٤) جن الفاظ سے ہبہ منعقد ہو جاتا ہے وہ یہ ہیں "وهبت" (میں نے ہبہ کر دیا) "نحلت" (میں نے عطیہ دے دیا) "اعطیت" (بمعنی وهبت) ان میں سے پہلا لفظ تو ہبہ کے معنی میں صریح ہے اور ثانی وثالث ہبہ کے معنی میں مجازاً مستعمل ہیں۔ اسی طرح "اطعمتک هذاالطعام" (میں نے تجھے یہ طعام کھلایا) سے بھی ہبہ منعقد ہو جاتا ہے کیونکہ لفظ اطعام کی اضافت جب ایسی چیز کی طرف ہو جسکی عین کھائی جاتی ہو تو اس سے تملیک عین مراد ہوتی ہے اور اگر اطعام کی اضافت ایسی چیز کی طرف ہو جسکی عین نہیں کھائی جاتی ہو جیسے "اطعمتک هذه الارض" (میں نے تجھے یہ زمین کھلائی) تو اس صورت میں اطعام کا معنی عاریت ہوگا۔

اسی طرح "جَعَلْتُ هذاالثوب لک" (میں نے یہ کپڑا تیرے لئے کر دیا) سے بھی ہبہ منعقد ہو جاتا ہے کیونکہ لام تملیک کیلئے ہے۔ اسی طرح "اعمرتک هذاالشی" (میں نے عمر بھر کیلئے یہ چیز تجھے دیدی) سے بھی ہبہ منعقد ہو جاتا ہے "لقوله علیه السلام فمن اعمر عمریٰ فهی للمعمرله" (یعنی جس نے دوسرے کو عمریٰ دیا تو یہ عمریٰ اس شخص کے لئے عمر بھر ہے)۔ اسی طرح "حملتک علی هذه الدابة" (یعنی اس سواری پر تجھے سوار کیا) سے اگر ہبہ کی نیت کی ہو تو ہبہ منعقد ہو جاتا ہے کیونکہ یہ ہبہ کرنے میں چونکہ صریح نہیں اسلئے کہ حمل سوار کرنے کو کہتے ہیں تو یہ عاریت ہوگا لیکن چونکہ ہبہ کو بھی محتمل ہے لہذا بوقت نیت اسی پر محمول کیا جائیگا۔

(٥) وَلاتَجُوزُ الهِبَةُ فِيمَا يُقْسَمُ اِلَّامَحُوزاً مَقْسُومَةً (٦) وهِبَةُ المُشَاعِ فِيمالايُقْسَمُ جائِزَةٌ (٧) ومَنْ وَهَبَ شِقْصاً مُشَاعاًفَالهِبَةُ فَاسِدَةٌ فَاِنْ قَسَّمَه وَسَلَّمَه جازَ (٨) ولَوْوَهَبَ دَقِيْقاً فی حِنْطَةٍ او دُهْناً فی سِمْسِمٍ فَالهِبَةُ فَاسِدَةٌفَاِنْ طَحَنَ وسَلَّمَ لَمْ يَجُزْ۔

ترجمہ:۔اور جو چیز تقسیم ہو سکتی ہے اس کا ہبہ جائز نہیں الا یہ کہ حقوق سے فارغ ہو اور تقسیم شدہ ہو اور مشترک چیز کا ہبہ جو نا قابل تقسیم ہو جائز ہے اور اگر کسی نے (قابل تقسیم) مشترک چیز کا ایک غیر مقسوم ٹکڑا ہبہ کیا تو یہ ہبہ فاسد ہے البتہ اگر واہب نے ٹکڑے کو تقسیم کر کے موہوب لہ کو سپرد کیا تو یہ جائز ہے اور اگر کسی نے وہ آٹا جو گندم میں ہے یا وہ تیل تو تل میں ہے ہبہ کیا تو یہ ہبہ فاسد ہے پس اگر واہب نے گندم کو پیس کر آٹا (یا تل سے تیل نکال کر) موہوب لہ کے سپرد کیا تو یہ ہبہ جائز نہ ہوگا۔

تشریح:۔(٥) جو چیز بعد از تقسیم بھی قابل انتفاع ہو تقسیم اس کے لئے مضر نہ ہو ایسی چیز کا ہبہ جائز نہیں مگر یہ کہ محوز ہو (یعنی ملک واہب اور حقوق واہب سے فارغ ہو) لہذا درخت پر لگے ہوئے پھل کا ہبہ درخت کے بغیر اور زمین پر کھڑی کھیتی کا ہبہ زمین کے بغیر جائز نہ

ہوگا۔ اسی طرح ایسی چیز کا مقسوم ہونا بھی شرط ہے کیونکہ تقسیم کر کے قبضہ کامل اس میں ممکن ہے لہذا قبضہ قاصر پر اکتفاء نہیں کیا جائیگا اور بلا تقسیم قبضہ قاصر ہے۔

(٦) جو چیز تقسیم نہ ہو سکے یعنی جو بعد از تقسیم بالکل قابل انتفاع نہ رہے (جیسے ایک غلام یا ایک دابہ) یا جو انتفاع قبل از تقسیم ہو سکتا تھا وہ بعد از تقسیم فوت ہو جائے (جیسے بیت صغیر و حمام صغیر وغیرہ) تو اسکا مشاعا یعنی بغیر تقسیم ہبہ جائز ہے کیونکہ ایسی چیز میں صرف قبضہ قاصر ممکن ہے لہذا اسی پر اکتفاء کیا جائیگا۔

(٧) اگر کسی نے قابل تقسیم مشترک چیز کا ایک غیر مقسوم ٹکڑا ہبہ کیا تو یہ ہبہ فاسد ہے کیونکہ قابل تقسیم چیز میں بلا تقسیم قبضہ قاصر ہے جس پر اکتفاء نہیں کیا جائیگا البتہ اگر واہب نے ٹکڑے کو تقسیم کر کے موہوب لہ کو سپرد کیا تو یہ جائز ہے کیونکہ ہبہ کا اتمام قبضہ سے ہوتا ہے اور بوقت قبضہ شیوع و شرکت نہیں تو گویا واہب نے غیر مشترک چیز کا ہبہ کیا۔

(٨) اگر کسی نے وہ آٹا جو گندم میں ہے یا وہ تیل جو تل میں ہے ہبہ کیا تو یہ ہبہ فاسد یعنی باطل ہے پس اگر واہب نے گندم کو پیس کر آٹا یا تل سے تیل نکال کر موہوب لہ کے سپرد کیا تو یہ ہبہ جائز نہ ہوگا کیونکہ بوقت ہبہ موہوبہ چیز معدوم ہے اور معدوم چیز محل ملک نہیں ہوتی لہذا یہ عقد باطل ہے۔

(٩) وَاِذَا كَانَتِ الْعَيْنُ فِى يَدِ الْمَوْهُوبِ لَه مَلَكَهَا بِالْهِبَةِ وَاِنْ لَم يُجَدِّدْ فِيْهَا قَبضاً (١٠) وَاِذَا وَهَبَ الْاَبُ لِابْنِهِ الصَّغِيْرِ هِبَةً مَلَكَهَا الْاِبْنُ بِالْعَقْدِ (١١) وَاِنْ وَهَبَ لَه اَجْنَبِىٌّ هِبَةً تَمَّتْ بِقَبْضِ الْاَبِ۔

ترجمہ:۔ اگر موہوبہ چیز موہوب لہ کے ہاتھ میں ہو تو ہبہ سے موہوب لہ اسکا مالک ہو جائیگا اگر چہ قبضہ کی تجدید نہ کرے اور اگر باپ نے اپنے نابالغ بچے کو کوئی چیز ہبہ کیا تو بچہ عقد ہبہ ہی سے اسکا مالک ہو جاتا ہے اور اگر نابالغ بچہ کو کسی اجنبی نے کوئی چیز ہبہ کیا تو یہ باپ کے قبضہ سے تام ہو جائیگا۔

تشریح:۔ (٩) اگر موہوبہ چیز موہوب لہ کے ہاتھ میں ہو تو ہبہ سے موہوب لہ اسکا مالک ہو جائیگا اگر چہ قبضہ کی تجدید نہ کرے کیونکہ عین موہوب اسکے قبضہ میں ہے اور قبضہ ہی شرط ہے۔ (١٠) اگر باپ نے اپنے نابالغ بچے کو کوئی چیز ہبہ کیا تو بچہ عقد ہبہ ہی سے اسکا مالک ہو جاتا ہے اگر چہ تجدید قبضہ نہ کرے اسلئے کہ بچے کا باپ بچے کی طرف سے قبضہ کریگا اور حال یہ ہے کہ موہوبہ چیز باپ کے قبضے میں موجود ہے تو یہی قبضہ قبضہ ہبہ کا قائم مقام ہو جائیگا۔

(١١) اگر نابالغ بچہ کو کسی اجنبی نے کوئی چیز ہبہ کیا تو یہ باپ کے قبضہ سے تام ہو جائیگا کیونکہ باپ بچے کے حق میں ان امور کا بھی مالک ہے جو نفع و نقصان دونوں کا محتمل ہوں تو ایسے امر کا تو بطریقہ اولیٰ مالک ہوگا جو محض نافع ہو لہذا باپ کو قبضہ کی ولایت حاصل ہے۔

(۱۲)وَاِذَا وُهِبَ لِلیَتِیمِ هِبَۃٌ فَقَبَضَہَالَہ وَلِیُّہ جازَ(۱۳)فَاِنْ کانَ فِی حِجْرِ اُمِّہ فَقَبْضُہَا لَہ جائزٌ (۱۴)و کذالِکَ اِنْ کانَ فِی حِجْرِ اَجْنَبِیِّ یُرَبِّیہِ فَقَبْضُہُ لَہ جَائزٌ (۱۵)وانْ قَبَضَ الصَّبِیُّ الْہِبَۃَ بِنَفْسِہِ وھوَ یَعْقِلُ جازَ۔

ترجمہ:۔اوراگر یتیم کیلئے کوئی چیز ہبہ کی گئی اور اسکے ولی نے موہوبہ چیز پر قبضہ کرلیا تو یہ جائز ہے اوراگر یتیم ماں کی پرورش میں ہوتو یتیم کیلئے ماں کا قبضہ جائز ہے اوراسی طرح اگر یتیم کسی اجنبی کی پرورش وتربیت میں ہوتو اس کیلئے اجنبی کا قبضہ جائز ہے اور اگر بچے نے خود ہی موہوبہ چیز پر قبضہ کرلیا تو یہ جائز ہے بشرطیکہ بچہ سمجھدار ہو۔

تشریح:۔(۱۲)اگر یتیم کیلئے کوئی چیز ہبہ کی گئی اور اسکے ولی نے موہوبہ چیز پر قبضہ کرلیا(ولی سے مراد باپ کا وصی ہے یا یتیم کا دادا ہے یا دادا کا وصی ہے)تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ لوگ باپ کے قائم مقام ہیں لہذا ان کو یتیم پر ولایت حاصل ہے۔

(۱۳)اگر یتیم ماں کی پرورش میں ہوتو یتیم کیلئے ماں کا قبضہ جائز ہے کیونکہ جوامور بچے یا اسکے مال کی حفاظت کی طرف راجع ہوں ان میں ماں کو ولایت حاصل ہے اور موہوب پر قبضہ کرنا از بابِ حفاظتِ یتیم ہے کیونکہ وہ مال کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔

(۱۴)اسی طرح اگر یتیم کسی اجنبی کی پرورش وتربیت میں ہوتو اس کیلئے اجنبی کا قبضہ جائز ہے کیونکہ اجنبی کو اس پر ولایت معتبرہ حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ کوئی دوسرا اجنبی اس بچے کو اس کے ہاتھ سے نہیں نکال سکتا لہذا یہ اجنبی ہر ایسے امر کا مالک ہوگا جو بچے کے حق میں محض نافع ہو۔(۱۵) اگر بچے نے خود ہی موہوبہ چیز پر قبضہ کرلیا تو یہ جائز ہے بشرطیکہ بچہ سمجھدار ہو کیونکہ بچہ خالص نافع امر میں بالغ کی طرح ہے۔

(۱٦)وَاِنْ وَھَبَ اِثْنَانِ مِنْ وَاحِدٍ دَاراً جازَ(۱۷)وانْ وَھَبَ وَاحِدٌ من اِثْنَیْنِ داراً لَمْ تَصِحَّ عِندَ ابی حَنِیفَۃَ رحمَہ اللّٰہ وقالا رَحِمَہُمَا اللّٰہ تَصِحّ۔

ترجمہ:۔اوراگر دوآدمیوں نے گھر(یا جو بھی قابل تقسیم چیز ہو)ایک آدمی کو ہبہ کیا تو یہ جائز ہے اوراگر ایک شخص نے دوآدمیوں کو ایک گھر ہبہ کیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ ہبہ جائز نہیں اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک یہ ہبہ صحیح ہے۔

تشریح:۔(۱٦)اگر دوآدمیوں نے گھر(یا جو بھی قابل تقسیم چیز ہو)ایک آدمی کو ہبہ کیا تو یہ جائز ہے کیونکہ انہوں نے مجموعہ مکان سپرد کیا اور موہوب لہ نے مجموعہ مکان پر قبضہ کیا لہذا یہاں شیوع نہیں۔(۱۷)اگر ایک شخص نے دوآدمیوں کو ایک گھر ہبہ کیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ ہبہ جائز نہیں کیونکہ یہ ان دو میں سے ہر ایک کو نصف مشاع کا ہبہ ہے لہذا لزوم شیوع کی وجہ سے یہ ہبہ جائز نہیں۔صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک یہ ہبہ صحیح ہے کیونکہ یہ ان دونوں کو یکبارگی ہبہ ہے اس لئے کہ تملیک ایک ہی ہے لہذا شیوع متحقق نہ ہوگا۔راجح قول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہے۔

(۱۸)وَاِذَا وَهَبَ لِاَجْنَبِیٍّ هِبَةً فَلَه الرُّجُوْعُ فِیْهَا(۱۹)اِلَّااَنْ یُعَوِّضَه عَنْهَا اَوْ یَزِیْدَ زِیَادَةً مُتَّصِلَةً او یَمُوْتَ اَحدُ الْمُتَعَاقِدَیْنِ او یَخْرُجَ الْهِبَةَ مِن مِلْکِ الْمَوْهُوْبِ لَه۔

ترجمہ:۔اور اگر واہب نے کسی اجنبی کو کوئی چیز ہبہ کی تو اب واہب کو ہبہ میں رجوع کرنا جائز ہے الا یہ کہ موہوب لہ اس کا معاوضہ دیدے یا اس میں ایسی زیادتی کرلے جو متصل ہو یا متعاقدین میں سے کوئی مرجائے یا موہوب موہوب لہ کی ملک سے نکل جائے۔

تشریح:۔(۱۸)اگر واہب نے کسی اجنبی کو کوئی چیز ہبہ کی اور موہوب لہ نے موہوب چیز پر قبضہ بھی کرلیا تو اب واہب کو ہبہ میں رجوع کرنا اور موہوب شی کو واپس لے لینا جائز ہے کیونکہ عادۃ الناس یہ ہے کہ ہبہ سے انکا مقصود عوض لینا ہوتا ہے پس عوض نہ ملنے کی صورت میں واہب کو فسخ کا اختیار ہوگا کیونکہ اس عقد میں فسخ ہونے کی صلاحیت ہے۔اور یہ حکم قضاءً ہے دیانۃً رجوع فی الھبہ مکروہ ہے۔

(۱۹)**قولہ الاان یعوضہ الخ** یہاں سے امام قدوری رحمہ اللہ رجوع فی الھبہ کے کچھ موانع کا ذکر فرماتے ہیں۔/**نمبر ۱**۔ جب موہوب لہ موہوب کا عوض دے اور واہب اسکو قبضہ کرلے تو واہب کو رجوع کا حق نہیں کیونکہ واہب کو مقصودِ ہبہ حاصل ہوگیا بشرطیکہ اس وقت ایسا لفظ ذکر ہو جس سے واہب یہ سمجھے کہ یہ ہبہ کا عوض ہے۔

/**نمبر ۲**۔اگر عین موہوب میں کوئی ایسی زیادتی متصل ہوگئی جس سے اسکی قیمت بڑھ گئی مثلاً موہوب زمین تھی موہوب لہ نے اس میں عمارت بنادی یا درخت لگادئے یا موہوب کوئی حیوان تھا موہوب لہ نے اسے کھلا پلا کر فربہ کردیا تو اس صورت میں واہب رجوع نہیں کرسکتا کیونکہ اگر واہب اس زیادتی کے بغیر رجوع کرنا چاہے تو یہ ممکن نہیں اور اگر زیادتی کے ساتھ رجوع کرنا چاہے تو یہ بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ زیادتی عقد ہبہ میں داخل نہیں۔

/**نمبر ۳**۔اگر احد المتعاقدین (واہب یا موہوب لہ) میں سے کوئی مرگیا تو بھی ہبہ میں رجوع نہیں ہوسکتا کیونکہ اگر موہوب لہ مرگیا تو مِلک اسکے ورثہ کی طرف منتقل ہوگئی تو جیسے اسکی زندگی میں انتقالِ ملک کے بعد واہب کیلئے رجوع جائز نہیں اسی طرح مرنے کے بعد انتقال ملک کی وجہ سے رجوع جائز نہ ہوگا اور اگر واہب مرگیا تو چونکہ اسکے ورثہ عقد ہبہ کے لحاظ سے اجنبی ہیں لہذا اس صورت میں بھی رجوع جائز نہیں۔

/**نمبر ۴**۔اگر موہوب موہوب لہ کی ملک سے خارج ہوجائے (آگے فروخت کرلے یا کسی دوسرے کو ہبہ کرلے) تو واہب رجوع نہیں کرسکتا کیونکہ ملک سے نکال کر آگے فروخت کرنے اور ہبہ کرنے پر تو واہب نے موہوب لہ کو مسلّط کیا ہے لہذا اب واہب کو اسکے توڑنے کا حق نہ ہوگا۔

(۲۰)وَاِنْ وَهَبَ هِبَةً لِذِیْ رَحْمٍ مَحْرَمٍ مِنْه فَلا رُجُوْعَ فِیْهَا (۲۱)وکَذٰلِکَ مَاوَهَبَ اَحَدُالزَّوْجَیْنِ مِنَ الْآخَرِ۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی نے اپنے ذی رحم محرم کو کوئی چیز ہبہ کی تو اب واہب کو رجوع کا حق نہیں اور اسی طرح اگر احد الزوجین میں سے ایک نے دوسرے کو کوئی چیز ہبہ کی (تو بھی واہب کو حق رجوع نہیں)۔

تشریح :۔(۲۰)اگر کسی نے اپنے ذی رحم محرم کو کوئی چیز ہبہ کی تو اب واہب کو رجوع کا حق نہیں کیونکہ اس ہبہ سے مقصود صلہ رحمی تھی جو کہ حاصل ہوگئی۔(۲۱)اسی طرح اگر احد الزوجین میں سے ایک نے حالت زوجیت میں دوسرے کو کوئی چیز ہبہ کی تو بھی واہب کو حق رجوع نہیں کیونکہ اسمیں بھی صورت قرابت کی طرح صلہ رحمی مقصود ہے جو کہ حاصل ہوگئی۔

الالغاز :۔ای اب وهب لابنه وله الرجوع ؟

فقل:۔اذا كان الابن مملوكا لأجنبي وجهه انه اذا كان مملوكا تكون الهبة لمالكه لان المملوك لايملك ۔(الاشباه والنظائر)

(۲۲)وَاِذَا قَالَ الْمَوْهُوْبُ لَه لِلْوَاهِبِ خُذْ هذَا عِوَضاً عَنْ هِبَتِکَ اَوْ بَدَلاً عَنْهَا او فى مُقَابلَتِهَا فَقَبَضَه الوَاهِبُ سَقَطَ الرَّجُوْعَ (۲۳)وَاِنْ عَوَّضَه اَجْنَبِیّ عَنِ الْمَوْهُوْبِ لَه مُتَبَرِّعاً فَقَبَضَ الْوَاهِبُ الْعِوَضَ سَقَطَ الرَّجُوْعُ۔

ترجمہ:۔اور اگر موہوب لہ نے واہب کو اسکے ہبہ کا عوض دیتے ہوئے کہا لو یہ تیرے ہبہ کا عوض ہے یا تیرے ہبہ کا بدلہ لو یا یہ تیرے ہبہ کے مقابلہ میں لو اور واہب نے بھی اس عوض پر قبضہ کرلیا تو واہب کا حق رجوع ساقط ہوجائیگا اور اگر موہوب لہ کی طرف سے کسی اجنبی نے واہب کو اسکے ہبہ کا عوض دیدیا اور واہب نے بھی عوض پر قبضہ کرلیا تو حق رجوع ساقط ہوجائیگا۔

تشریح :۔(۲۲)اگر موہوب لہ نے واہب کو اسکے ہبہ کا عوض دیتے ہوئے کہا "خُذْ هذَا عِوَضاً عَنْ هِبَتِکَ اَوْ بَدَلاً عَنْهَا اَوْفِیْ مُقَابِلِهَا "(یعنی لو یہ تیرے ہبہ کا عوض ہے یا تیرے ہبہ کا بدلہ ہے یا یہ تیرے ہبہ کے مقابلہ میں لو) یا اور کوئی ایسا لفظ کہ جس میں تصریح ہو کہ یہ کل موہوب کا عوض ہے اور واہب نے بھی اس عوض پر قبضہ کرلیا تو واہب کا حق رجوع ساقط ہوجائیگا کیونکہ واہب کا مقصود عوض پانا تھا وہ حاصل ہوگیا۔

(۲۳)اسی طرح اگر موہوب لہ کی طرف سے کسی اجنبی نے تبرعایا بأمر موہوب لہ واہب کو اسکے ہبہ کا عوض دیدیا اور واہب نے بھی اس پر قبضہ کرلیا تو حق رجوع ساقط ہوجائیگا کیونکہ عوض دینا اسقاط حق کیلئے ہے تو یہ اجنبی کی طرف سے بھی صحیح ہوگا جس طرح کہ خلع اور صلح کا عوض اجنبی کی طرف سے صحیح ہوتا ہے۔

(۲۴)وَاِذَا اسْتُحِقَّ نِصْفُ الْهِبَةِ رَجَعَ بِنِصْفِ الْعِوَضِ (۲۵)وَاِنْ اسْتُحِقَّ نِصْفُ الْعِوَضِ لَمْ يَرْجِعْ فِی الْهِبَةِ بِشَیْئٍ (۲۶)اِلَّا اَنْ يَرُدَّ ما بَقِیَ مِنَ الْعِوَضِ ثُمَّ يَرْجِعُ فِی كُلِّ الْهِبَةِ۔

ترجمہ:۔اور اگر نصف موہوب کا کوئی اور مالک نکل آیا تو موہوب لہ اپنا نصف عوض واہب سے واپس لے سکتا اور اگر عوض کے نصف کا کوئی مستحق نکل آیا تو واہب یہ نہیں کرسکتا کہ اپنا نصف موہوب واپس لے لے البتہ اگر واہب باقی ماندہ عوض موہوب لہ کو واپس کرلے تو اپنا کل موہوب (موہوب لہ سے) واپس لے سکتا ہے۔

تشریح :۔(۲۴)اگر موہوب لہ نے موہوب کا عوض دیدیا بعد میں نصف موہوب کا کوئی اور مالک نکل آیا تو موہوب لہ اپنا نصف عوض

واہب سے واپس لے سکتا کیونکہ نصف عوض کے مقابلہ جونصف موہوب تھا وہ موہوب لہ کے لئے سالم نہ رہا۔(۲۵)اور اگر موہوب لہ کی طرف سے دئے ہوئے عوض کے نصف کا کوئی مستحق نکل آیا تو واہب یہ نہیں کرسکتا کہ اپنا نصف موہوب واپس لے لے کیونکہ جس قدر عوض باقی ہے وہ ابتداءً کل موہوب کا عوض ہوسکتا ہے اور جو ابتداءً کل کا عوض ہوسکتا ہو وہ بقاءً بھی کل کا عوض ہوسکتا ہے۔

(۲۶)البتہ اگر واہب باقی ماندہ عوض موہوب لہ کو واپس کرلے تو اپنا کل موہوب موہوب لہ سے واپس لے سکتا ہے کیونکہ واہب نے اپنا حق رجوع اس لئے ساقط کیا تاکہ پورا عوض اسکے لئے سالم رہے اور جب پورا عوض سالم نہ رہا تو اسکو حق ہے کہ باقی ماندہ عوض واپس کرلے اور ہبہ میں رجوع کرلے کیونکہ اب ہبہ بلاعوض ہے جس میں واہب کو حق رجوع حاصل ہے۔

(۲۷)وَلاتَصِحّ الرُّجُوْعُ اِلّا بِتَرَاضِیْهِمَااَوْبِحُکْمِ الْحَاکِمِ۔

ترجمہ:۔اور ہبہ میں رجوع کرنا صحیح نہیں مگر یہ کہ دونوں راضی ہوں یا حاکم حکم کرے۔

تشریح:۔(۲۷) یہ تو پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ واہب کو حق رجوع حاصل ہے مگر رجوع کرنے کی دو صورتیں ہیں/**نمبر۱**۔واہب و موہوب لہ دونوں موہوب کے واپس کرنے پر راضی ہو جائیں/**نمبر۲**۔واہب حاکم کی کچہری میں درخواست دے کہ میرا موہوب موہوب لہ سے واپس دلادے۔

پس اگر واہب نے قضاءِ قاضی یا باہمی رضامندی کے بغیر موہوب واپس لے لیا تو یہ جائز نہ ہوگا کیونکہ ہبہ سے واہب کا جو مقصود ہے اسکے حاصل ہونے اور نہ ہونے میں خفاء ہے اسلئے کہ اگر ہبہ سے مقصود ثواب تھا تو وہ تو حاصل ہو چکا اور اگر مقصود عوض پانا تھا تو وہ حاصل نہیں ہوا ہے پس اسمیں تردد پیدا ہوا تو فیصلہ کیلئے قضاءِ قاضی یا طرفین کی رضامندی ضروری ہے۔

(۲۸)وَاِذَا تَلِفَتِ الْعَیْنُ الْمَوْهُوْبَةُفَاسْتَحَقَّهَامُسْتَحِقٌّ فَضَمَّنَ الْمَوْهُوْبَ لَه لَمْ یَرْجِعْ عَلَی الْوَاهِبِ بِشَیْءٍ (۲۹)وَاِذَا وَهَبَ بِشَرْطِ الْعِوَضِ اُعْتُبِرَ التَّقَابُضُ فِی الْعِوَضَیْنِ جَمِیْعاً(۳۰)وَاِذَا تَقَابَضَا صَحَّ الْعَقْدُ وَ کَانَ فِی حُکْمِ الْبَیْعِ یَرُدُّ بِالْعَیْبِ وَخِیَارِ الرُّؤْیَةِ وَیَجِبُ فِیْهَا الشُّفْعَةُ۔

ترجمہ:۔اور اگر مال موہوب ضائع ہو جائے پھر اس تلف شدہ موہوب میں کوئی اجنبی شخص اپنا استحقاق ثابت کرکے موہوب لہ سے ضمان لے لے تو موہوب لہ واہب سے کچھ نہیں لے سکتا اور اگر واہب نے بشرط معین عوض کوئی چیز ہبہ کی تو دونوں عوضوں پر مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہے اور جب دونوں نے قبضہ کرلیا تو عقد ہبہ درست ہو جائیگا اور یہ ہبہ بیع کے حکم میں ہوگا چنانچہ عیب اور خیار رؤیت کی وجہ سے واپس کیا جاسکے گا اور اس میں شفعہ واجب ہوگا۔

تشریح:۔(۲۸) اگر مال موہوب موہوب لہ کے ہاں ضائع ہو جائے پھر اس تلف شدہ موہوب میں کوئی اجنبی شخص اپنا استحقاق ثابت کرکے موہوب لہ سے ضمان لے لے تو موہوب لہ واہب سے کچھ نہیں لے سکتا کیونکہ یہ عقد تبرع ہے تو موہوب لہ سلامتی موہوب کا مستحق نہ ہوگا۔

(۲۹) اگر واہب نے بشرط معین عوض کوئی چیز ہبہ کی تو اسمیں ہبہ کی شرائط معتبر ہونگی لہذا عوضین پر مجلس میں قبضہ کرنا ضروری

ہے۔اور عوضین کا محوز ہونا اور عوضین میں عدم شیوع شرط ہوگا کیونکہ یہ ابتداءً باعتبار تسمیہ کے ہبہ ہے۔(۳۰)اور جب عوضین پر قبضہ کرلے تو یہ عقد صحیح ہے اب انتہاءً یہ بیع کے حکم میں ہے کیونکہ اسمیں عوض پایا جاتا ہے لہذا بوجہ عیب وخیار رؤیت کے رد کیا جاسکتا ہے اور اسمیں شفیع کیلئے حق شفعہ بھی ثابت ہوگا۔

(۳۱)وَالعُمرىٰ جائزَةٌ لِلمُعمَرِ لَه فِي حالِ حَيَاتِه وَلِوَرَثَتِه بَعدَ مَوتِه (۳۲)وَالرُّقبىٰ بَاطِلَةٌ عِندَ ابِي حَنِيفَةَ رَحِمَه اللّٰهُ ومُحَمَّدٍ رحِمَه اللّٰه وقالَ ابُو يُوسُفَ رحِمَه اللّٰه جائِزَةٌ۔

ترجمہ:۔اور عمریٰ معمرلہ کے لئے اس کے زندگی میں جائز ہے اور اس کی موت کے بعد اس کے ورثہ کے لئے جائز ہے اور رقبیٰ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک باطل ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں جائز ہے۔

تشریح:۔(۳۱)عمریٰ یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے سے کہے کہ میرا یہ مکان تجھے دونگا تیرے مدتِ عمر تک اور جب تو مریگا تو میں یہ مکان واپس لونگا تو عمریٰ کی یہ صورت جائز ہے یہ مکان معمرلہ کی زندگی تک معمرلہ کا ہوگا اسکے مرنے کے بعد اسکے ورثہ کو ملیگا لہذا معمرلہ کا مالک ہونا صحیح ہے اور معمر کی یہ شرط، جب تو مرے گا تو میں یہ مکان واپس لونگا، باطل ہے کیونکہ یہ بھی درحقیقت ہبہ ہے اور ہبہ شرط فاسد کی وجہ سے باطل نہیں ہوتا۔

(۳۲)رقبیٰ یہ ہے کہ مالک مکان دوسرے سے کہے "دَارِیْ لَکَ رُقْبیٰ" یعنی اگر میں تجھ سے پہلے مرجاؤں تو یہ گھر تیرا ہے اور اگر تو مجھ سے پہلے مرگیا تو میرا ہے۔

طرفینؒ کے نزدیک رقبیٰ باطل ہے کیونکہ اس میں ہرایک دوسرے کی موت کا منتظر رہتا ہے تو اسمیں تملیک کی تعلیق بالخطر ہے جو جائز نہیں جب رقبیٰ باطل ہوا تو بطور رقبیٰ دیا ہوا مکان عاریت ہوگا۔امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک رقبیٰ جائز ہے کیونکہ "داری لک" سے تملیک حاصل ہوگئی اب واہب کا "رقبیٰ" کہنا شرط فاسد ہے اور ہبہ شرط فاسد کی وجہ سے باطل نہیں ہوتا خود شرط فاسد باطل ہوتی ہے۔طرفینؒ کا قول راجح ہے۔

(۳۳)وَمَن وَهَبَ جَارِيَةً اِلَّا حَملَهَا صَحَّتِ الهِبَةُ وبَطَلَ الاِستِثنَاءُ۔

ترجمہ:۔اور جس نے باندی ہبہ کی مگر اسکے حمل کو مستثنیٰ کرلیا تو ہبہ صحیح ہوگا اور حمل کا استثناء باطل ہوگا۔

تشریح:۔(۳۳)اگر واہب نے باندی ہبہ کی مگر اسکے حمل کو مستثنیٰ کرلیا تو ہبہ باندی وحمل دونوں میں صحیح ہوگا اور حمل کا استثناء باطل ہوگا کیونکہ استثناء اسی محل میں عمل کرتا ہے جس میں عقد عمل کرتا ہو جبکہ عقد ہبہ حمل میں عمل نہیں کرتا یوں کہ باندی کے سوی صرف حمل ہبہ کیا جائے تو یہ جائز نہیں کیونکہ حمل تو ایک وصف اور تابع ہے جیسے اطراف باندی (یعنی ہاتھ پاؤں وغیرہ) پس جب اسکا مستقل طور پر ہبہ صحیح نہیں تو استثناء بھی صحیح نہیں لہذا واہب کا حمل کو مستثنیٰ کرنا شرط فاسد ہے اور ہبہ شرط فاسد کی وجہ سے باطل نہیں ہوتا۔

☆ ☆ ☆

(۳۴)وَالصَّدَقَةُ كالهبةِ لاتَصِحّ اِلّابالقَبْضِ (۳۵)ولاتَجوزُ الصّدَقَةُفی مُشَاعٍ الّذِیْ یَحتَمِلُ القِسمَةَ (۳۶)واِذَاتَصَدّقَ عَلٰی فَقِیْرَیْنِ بِشَیءٍ جازَ(۳۷)ولا یَصِحّ الرّجُوْعُ فی الصَّدَقَةِ بعدَ القَبْضِ۔

ترجمہ:۔اور صدقہ ہبہ کی طرح ہے ہبہ کی طرح قبضہ کے بغیر صحیح نہیں ہوتا ایسی مشترک چیز جو قابل تقسیم ہو کا صدقہ بھی مشاعاً جائز نہ ہوگا اور جب ایک چیز کو دو فقیروں پر صدقہ کرلے تو جائز ہے اور صدقہ میں بعدالقبض رجوع کرنا صحیح نہیں۔

تشریح:۔(۳۴)صدقہ ہبہ کی طرح ہے کیونکہ ہبہ کی طرح صدقہ بھی ایک تبرع اور احسان ہے لہذا ہبہ کی طرح قبضہ کے بغیر صحیح نہیں ہوتا۔(۳۵)ایسی مشترک چیز جو قابل تقسیم ہو کا صدقہ بھی مشاعاً جائز نہ ہوگا دلیل وہی ہے جو ہبہ مشاع کے بیان میں گذر چکی (۳۶)لیکن اگر ایک قابل تقسیم چیز دو فقیروں پر صدقہ کیا تو یہ جائز ہے کیونکہ مقصود صدقہ میں اللہ تعالیٰ ہے اور وہ واحد ہے فقیر تو اسکا قبضہ صدقہ میں نائب ہے جیسے سائی باب زکوۃ میں۔(۳۷)ہبہ اور صدقہ میں یہ فرق ہے کہ صدقہ میں بعدازقبض رجوع جائز نہیں کیونکہ صدقہ میں مقصود ثواب ہے جو حاصل ہو چکا جبکہ ہبہ میں بعدازقبض رجوع جائز ہے لما مرّ۔

(۳۸)وَمَنْ نَذَرَ اَنْ یَتَصَدّقَ بِمالِه لَزِمَه اَنْ یَتَصَدّقَ بِجِنْسِ مَاتَجِبُ فِیْهِ الزّكٰوةُ (۳۹)وَمَنْ نَذَرَ اَنْ یَتَصَدّقَ بِمِلْكِه لَزِمَه اَنْ یَتَصَدّقَ بِالجَمِیْعِ ویُقَالُ لَه اَمْسِکْ مِنْه مِقْدَارَما تُنْفِقُه عَلٰی نَفْسِکَ وعَیَالِکَ اِلٰی اَنْ تَکْتَسِبَ ما لاً فَاِذَا اکْتَسَبَ ما لاقِیْلَ لَه تَصَدّقْ بِمِثْلِ ما اَمْسَکْتَ لِنَفْسِکَ۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی نے اپنا مال صدقہ کرنے کی نذر کی تو اس پر اس جنس کا مال صدقہ کرنا لازم ہوگا جس میں زکوۃ واجب ہوتی ہے اور اگر اپنی ملک صدقہ کرنے کی نذر کی تو اس پر کل مال مملوک کا صدقہ کرنا لازم ہے اس سے کہا جائیگا کہ جب تک تو اور مال کما کر حاصل کرو گے اس وقت تک کے لئے منذور مال سے اتنا مال روک دو جو اپنی ذات اور اپنے اہل وعیال پر خرچ کرو گے اور پھر جب نیا مال حاصل ہو جائے تو اتنا ہی صدقہ کردو جتنا تو نے اپنے لئے روک لیا تھا۔

تشریح:۔(۳۸)اگر کسی نے اپنا مال صدقہ کرنے کی نذر کی تو اس پر اس جنس کا مال صدقہ کرنا لازم ہوگا جس میں زکوۃ واجب ہوتی ہے یعنی نقدی، اسباب تجارت، سائمہ جانور، غلہ اور عشری پھل ان کے علاوہ اور کسی مال کا صدقہ لازم نہیں کیونکہ ذکر صدقہ کے وقت شرعاً لفظ مال اموال زکوۃ پر مقتصر ہوتا ہے۔(۳۹)اور اگر اپنی ملک صدقہ کرنے کی نذر کی تو اس پر کل مال مملوک کا صدقہ کرنا لازم ہے (لان الملک عبارۃ عمّا یتملک وذالک یتناول جمیع مایملکه)

البتہ اس دوسری صورت میں ناذر سے کہا جائیگا کہ جب تک تو اور مال کما کر حاصل کرو گے اس وقت تک کے لئے منذور مال سے اتنا مال روک دو جو اپنی ذات اور اپنے اہل وعیال پر خرچ کرو گے اور پھر جب نیا مال حاصل ہو جائے تو اتنا ہی صدقہ کردو جتنا تو نے خرچہ کیلئے روک لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

كتاب الوقف

یہ کتاب وقف کے بیان میں ہے۔

"وقف" لغۃً حبس (بمعنی ٹھہرانے وروکنے) کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں کسی چیز کو اپنی مِلک میں یا اللہ تعالیٰ کی مِلک میں رکھنے اور اسکی منفعت کو اللہ کی راہ میں صدقہ کرنے کو کہتے ہیں۔

واقف، وقف کرنے والے کو کہتے ہیں اور موقوف اسم مفعول ہے بمعنی وقف شدہ۔ اور جن لوگوں پر وقف کیا جائے ان کو موقوف علیہم اور جس راہ پر وقف کیا جائے اس کو جہت وقف کہتے ہیں۔

"كتاب الهبه" کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ دونوں میں تبرع بالملک ہے البتہ ہبہ میں عین اور منفعت دونوں کے ساتھ تبرع ہے جبکہ وقف میں صرف منفعت کے ساتھ تبرع ہے اسلئے ہبہ کو مقدم کیا۔

حدیث شریف سے جوازِ وقف معلوم ہوتا ہے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے پیغمبر ﷺ سے فرمایا "اني أصبت أرضاً بخيبر ولم أصب مالا قط أنفس منه فما تامرني، فقال ﷺ: ان شئت حبست أصلها وتصدقت بثمرتها"۔

(۱) لايَزَالُ مِلْكُ الْوَاقِفِ عَنِ الْوَقْفِ عِندَ اَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَه اللّٰه اِلَّا اَنْ يَحْكُمَ بِه الحَاكِمُ او يُعَلِّقَه بِمَوْتِه فَيَقُوْلُ اِذَا مِتُّ فَقَدْ وَقَفْتُ دَارِىْ على كَذَا وقَالَ ابويُوسُفَ رحمَه اللّٰه يَزُوْلُ الْمِلْكُ بِمُجَرَّدِ القَوْلِ وقالَ مُحَمَّدٌ رحِمَه اللّٰه لا يَزُوْلُ الْمِلْكُ حتّٰى يَجْعَلَ لِلْوَقْفِ وَلِيّاً وَيُسَلِّمَه اِلَيْه۔

ترجمہ:۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک واقف کی مِلک وقف سے زائل نہ ہوگی الّا یہ کہ حاکم زوال کا فرمان جاری کردیا واقف وقف شدہ مال کو اپنی موت سے معلق کردے پس کہے "اذامتُ فقدوقفتُ داری علی كذا" اور امام ابویوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صرف وقف کا قول کرنے سے ملک زائل ہو جاتی ہے اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک واقف کی مِلک زائل نہ ہوگی یہاں تک کہ وقف شدہ مال کیلئے کوئی متولی مقرر کردے اور مذکورہ مال اسکے سپرد کیا جائے۔

تشریح:۔ (۱) اگر کسی نے اپنا مال وقف کیا تو وقف شدہ مال سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک واقف کی مِلک زائل نہ ہوگی مگر دو امور میں سے ایک کے ساتھ / نمبر ۱۔ حاکم وقف شدہ مال سے واقف کی مِلک کے زوال کا فرمان جاری کردے کیونکہ جن مسائل میں مجتہدین کا اختلاف ہوتا ہے ان میں حاکم کے حکم کی ضرورت ہوتی ہے۔

/ نمبر ۲۔ واقف وقف شدہ مال کو اپنی موت سے معلق کردے مثلاً یوں کہے "اذامتُ فقدوقفت داری علی كذا" تو صحیح یہ ہے کہ وصیت کی طرح موت کے بعد ثلث سے لازم ہوتا ہے۔ امام ابویوسفؒ کے نزدیک حکم حاکم یا تعلیق بالموت کی ضرورت نہیں بلکہ وقف کا قول کرتے ہی وقف شدہ مال سے واقف کی مِلک زائل ہو جاتی ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک واقف کی مِلک اس وقت زائل ہوگی جب وقف شدہ مال کیلئے کوئی متولی مقرر کیا جائے اور مذکورہ مال اسکے سپرد کیا جائے۔ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ بھی شرط

ہے کہ مذکورہ مال مشاع نہ ہو۔اور واقف اپنے لئے منافع میں سے کسی شئ کی شرط نہ لگائے اور ابدی ہو کہ آخر کار فقراء کے لئے ہو۔(امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول راجح ہے)۔ 2

(۲)وَاِذَا صَحَّ الْوَقْفُ عَلٰی اِخْتِلَافِهِمْ خَرَجَ مِنْ مِلْکِ الْوَاقِفِ ولم یَدْخُلْ فِی مِلْکِ الْمَوْقُوْفِ عَلَیْهِ۔

ترجمہ:۔اور جب وقف ائمہ کے اختلاف کے موافق صحیح ہو جائے تو اب وقف سے واقف کی ملک زائل ہو جاتی ہے لیکن جس پر وقف کیا ہے اسکی مِلک میں بھی داخل نہ ہوگا۔

تشریح:۔(۲) جب وقف ائمہ کے اختلاف کے موافق صحیح ہو جائے (یعنی امام یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک وقف کا قول کرے۔امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ساتھ ساتھ حکمِ حاکم یا تعلیق بالموت ہو۔اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک وقف متولی کے سپرد بھی کیا جائے) تو اب وقف سے واقف کی ملک زائل ہو جاتی ہے لیکن جس پر وقف کیا ہے اسکی مِلک میں بھی داخل نہ ہوگا کیونکہ اگر موقوف علیہ کی ملک میں داخل ہو جاتا تو واقف کی شرط کے موافق وقف اسکی مِلک سے دوسرے موقوف علیہم کی طرف منتقل نہ ہوتا جیسا کہ اسکی دیگر املاک ہیں جبکہ حال یہ ہے کہ واقف کی شرط کے موافق وقف شدہ مال اس سے بالا جماع منتقل ہو جاتا ہے۔

(۳)وَوَقْفُ الْمُشَاعِ جَائِزٌ عِنْدَ اَبِی یُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وقَالَ مُحَمَّدٌ رحمه اللّٰه لَا یَجُوْزُ (۴)ولَا یَتِمُّ الْوَقْفُ عِنْدَ اَبِی حَنِیْفَةَ وَمُحَمَّدٍ رحمه اللّٰه حَتّٰی یَجْعَلَ آخِرَہٗ بِجِهَةٍ لَا تَنْقَطِعُ اَبَداً وقَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اِذَا سَمّٰی فِیْهِ جِهَةً تَنْقَطِعُ جَازَ وَصَارَ بَعْدَهَا لِلْفُقَرَاءِ وَاِنْ لَمْ یُسَمِّهِمْ۔

ترجمہ:۔اور امام یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک وقفِ مشاع (غیر منقسم چیز کا وقف) جائز ہے اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک جائز نہیں اور طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک وقف اس وقت تک تام نہ ہوگا جب تک کہ اسکا انجام اس طرح نہ کر دیجائے کہ وہ ہمیشہ منقطع نہ ہو اور امام یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر واقف نے وقف کی ایسی جہت مقرر کی جو منقطع ہوتی ہو تو بھی یہ وقف جائز ہے اس جہت کے انقطاع کے بعد وقف فقراء کیلئے ہوگا اگر چہ واقف نے فقراء کا نام نہ لیا ہو۔

تشریح:۔(۳) امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک وقفِ مشاع (غیر منقسم چیز کا وقف) جائز ہے کیونکہ تقسیم قبضہ کا تتمہ ہے اور امام یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک قبضہ شرط نہیں تو اسکا تتمہ بھی شرط نہ ہوگا۔امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک قابل تقسیم چیز کا مشاعاً وقف جائز نہیں اسلئے کہ۔امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اصل قبضہ شرط ہے تو اس کا تتمہ یعنی تقسیم بھی شرط ہوگی (امام ابو یوسفؒ کا قول راجح ہے)۔

یاد رہے کہ یہ اختلاف قابل تقسیم چیز میں ہے اور اگر وقف شدہ مال قابل تقسیم نہ ہو تو امام محمد رحمہ اللہ بھی ہبہ پر قیاس کرتے ہوئے مع الشیوع اسکا وقف جائز قرار دیتے ہیں۔

(۴) طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک وقف اس وقت تک تام نہ ہوگا جب تک کہ اسکا انجام اس طرح نہ کر دیجائے کہ وہ ہمیشہ کے لئے منقطع نہ ہو بلکہ جاری رہے کیونکہ طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک جواز وقف کیلئے مؤبد ہونا شرط ہے تو اگر وقف کی ایسی جہت مقرر کی جو کسی

وقت منقطع ہو جاتی ہو تو یہ مؤبد نہ ہونے کی وجہ سے جائز نہ ہوگا۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اگر واقف نے وقف کی ایسی جہت مقرر کی جو منقطع ہوتی ہو تو بھی یہ وقف جائز ہے ان کے نزدیک اس جہت کے انقطاع کے بعد وقف فقراء کیلئے ہوگا اگر چہ واقف نے فقراء کا نام نہ لیا ہو کیونکہ لفظ وقف وصدقہ از خود ذکر فقراء کی خبر دیتے ہیں (امام ابو یوسفؒ کا قول راجح ہے)۔

(۵) وَيَصِحُّ وَقْفُ الْعِقَارِ (٦) وَلَا يَجُوْزُ وَقْفُ مَا يُنْقَلُ وَيُحَوَّلُ وَقَالَ ابُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اِذَا وَقَفَ ضَيْعَةً بِبَقَرِهَا وَاَكَرَتِهَا وَهُمْ عَبِيْدُهُ جَازَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَجُوْزُ حَبْسُ الْكُرَاعِ وَالسِّلَاحِ (۷) وَاِذَا صَحَّ الْوَقْفُ لَمْ يَجُزْ بَيْعُهُ وَلَا تَمْلِيْكُهُ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ مُشَاعًا عِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فَيَطْلُبُ الشَّرِيْكُ الْقِسْمَةَ فَتَصِحُّ مُقَاسَمَتُهُ۔

ترجمہ:۔ اور زمین کو وقف کرنا صحیح ہے اور اشیاء منقولہ کا وقف جائز نہیں جبکہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جب زمین کو اسکے بیلوں اور کاشت کاروں کے ساتھ وقف کر دے تو جائز ہے جبکہ کاشت کار واقف کے غلام ہوں اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں گھوڑوں اور ہتھیاروں کا فی سبیل اللہ وقف کرنا جائز ہے اور جب وقف صحیح ہو گیا تو اب اسے فروخت کرنا اور ملکیت میں لانا صحیح نہیں البتہ امام یوسف رحمہ اللہ کے مسلک کے مطابق اگر وقف مشاع ہو اور شریک نے تقسیم کرنا چاہا تو یہ تقسیم صحیح ہوگی۔

تشریح:۔ (۵) زمین کو وقف کرنا بالاتفاق صحیح ہے کیونکہ زمین ابدی ہے۔ (٦) لیکن اشیاء منقولہ کا وقف امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جائز نہیں کیونکہ ان کیلئے بقاء نہیں تو توقیتی اور غیر مؤبد ہونے کی وجہ سے انکا وقف جائز نہیں جبکہ۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر زمین کو اسکے بیلوں اور کاشت کاروں کے ساتھ وقف کر دے تو جائز ہے جبکہ کاشت کار واقف کے غلام ہوں۔ اسی طرح دیگر زرعی آلات کا وقف بھی جائز ہے کیونکہ حصول مقصود میں یہ زمین کے تابع ہیں۔ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک گھوڑوں اور ہتھیاروں کا فی سبیل اللہ وقف کرنا جائز ہے اور یہ جواز استحساناً ہے ان آثار کی وجہ سے جو اس بارے میں مشہور ہیں (امام ابو یوسفؒ کا قول راجح ہے)۔

(۷) جب وقف صحیح ہو گیا تو اب اسے فروخت کرنا اور ملکیت میں لانا صحیح نہیں کیونکہ وقف صحیح ہونے کی صورت میں وقف شدہ چیزیں واقف کی ملک سے خارج ہو جاتی ہیں۔ البتہ امام یوسف رحمہ اللہ کے مسلک کے مطابق اگر وقف مشاع ہو اور شریک نے تقسیم کرنا چاہا تو یہ تقسیم صحیح ہوگی کیونکہ تقسیم تو صرف تمیز اور افراز ہی کا نام ہے۔

(۸) وَالْوَاجِبُ اَنْ يَبْتَدِئَ مِنْ اِرْتِفَاعِ الْوَقْفِ بِعِمَارَتِهِ شَرَطَ ذَالِكَ الْوَاقِفُ اَوْ لَمْ يَشْتَرِطْ۔

ترجمہ:۔ اور ضروری ہے کہ سب سے پہلے حاصلات وقف سے وقف کی مرمت کیجائے خواہ واقف نے وقف کی مرمت کی شرط لگائی ہو یا نہ لگائی ہو۔

تشریح:۔ (۸) یعنی ضروری ہے کہ سب سے پہلے حاصلات وقف سے وقف کی مرمت کیجائے خواہ واقف نے وقف کی مرمت کی شرط لگائی ہو یا نہ لگائی ہو کیونکہ واقف کا قصد یہ ہے کہ ہمیشہ وقف کے منافع مستحقین تک پہنچتے رہے جبکہ وقف کی بقاء ہمیشہ ممکن نہیں الا یہ کہ اسکی

مرمت کی جاتی رہے لہذا وقف کی تعمیر کی شرط اقتضاءً ثابت ہے۔

(۹) وَاِذَا وَقَفَ دَارَه علی سُکْنیٰ وَلَدِه فَالعِمَارَةُ علی مَنْ لَه السُّکْنیٰ (۱۰) فَاِنْ اِمْتَنَعَ من ذالک او کانَ فَقِیراً آجَرَهَا الحَاکِمُ وعَمَرَهَا بِاُجْرَتِهَا فَاِذَا عَمَرَتْ رَدَّهَا اِلی مَنْ لَه السُّکْنیٰ۔

ترجمہ:۔ اور جب اپنا گھر اپنی اولاد کی رہائش پر وقف کردے تو اس گھر کی تعمیر اس شخص کے مال سے ہوگی جس کی رہائش ہوگی پس اگر اس (من له السکنیٰ) نے گھر کی مرمت سے انکار کیا یا فقیر ہے (جس کی وجہ سے مرمت سے عاجز ہے) تو حاکم اس وقف شدہ گھر کسی کو کرایہ پر دیدے اور اسی کرایہ سے گھر کی مرمت کردے اور جب مرمت کرلے تو گھر واپس "من له السکنی" کے سپرد کردے۔

تشریح:۔ (۹) اگر کسی نے اپنا گھر اپنی اولاد کی رہائش پر وقف کیا تو اس گھر کی تعمیر اس شخص کے مال سے ہوگی جس کی رہائش ہوگی "لان الغرم بالغنم"۔ (۱۰) اگر اس (من له السکنیٰ) نے گھر کی مرمت سے انکار کیا یا فقر کی وجہ سے مرمت سے عاجز ہوا تو حاکم وقف شدہ گھر کسی کو کرایہ پر دیدے اور اسی کرایہ سے گھر کی مرمت کردے اور مرمت کرنے کے بعد جب مدت اجارہ بھی گذر جائے تو گھر واپس من له السکنیٰ کے سپرد کردے کیونکہ اس طرح کرنے میں واقف اور موقوف علیہ دونوں کے حق کی رعایت ہے یوں کہ واقف کا صدقہ دواماً جاری رہیگا اور موقوف علیہ کی سکونت۔

(۱۱) وَمَا انْهَدَمَ مِنْ بِنَاءِ الوَقْفِ وَآلَتِه صَرَفَه الحَاکِمُ فی عِمَارَةِ الوَقْفِ اِنْ اِحْتَاجَ اِلَیْه (۱۲) واِنْ اِسْتَغْنیٰ عَنْه اَمْسَکَه حتّی یَحْتَاجَ اِلی عِمَارَتِه فَیَصْرِفُه فِیْهَا (۱۳) ولا یَجُوزُ اَنْ یُقَسِّمَه بَیْنَ مُسْتَحِقِّی الوَقْفِ۔

ترجمہ:۔ اور وقف کی عمارت اور اسکے آلات میں سے جو کچھ گر جائے تو حاکم اس ملبے وقف کی مرمت میں خرچ کردے اگر اس کی ضرورت ہو اور اگر ابھی ضرورت نہ ہو تو روک لے یہاں تک کہ وقف کی مرمت کی ضرورت پڑے گی اسی وقت اسکو مرمت میں خرچ کردے مگر وقف کی ٹوٹی ہوئی چیزیں مستحقین وقف کے مابین تقسیم کرنا جائز نہیں۔

تشریح:۔ (۱۱) وقف کی عمارت وغیرہ میں سے جو کچھ گر جائے یا آلات وقف (مثلاً زراعت کے اوزار) ٹوٹ پھوٹ جائے تو حاکم (اگر ابھی ضرورت ہو) تو اس ملبے اور ٹوٹے پھوٹے آلات کو وقف کی مرمت میں خرچ کردے۔

(۱۲) اگر ابھی ضرورت نہ ہو تو روک لے جس وقت وقف کی مرمت کی ضرورت پڑے گی اسی وقت اسکو مرمت میں خرچ کردے یہ اسلئے تا کہ بوقت حاجت تعمیر وقف سے عاجز نہ رہے۔ (۱۳) وقف کی ٹوٹی ہوئی چیزیں مستحقین وقف کے مابین تقسیم کرنا جائز نہیں کیونکہ مستحقین وقف کا حق عین وقف میں نہیں بلکہ منافع وقف میں ہے۔

(۱۴) وَاِذَا جَعَلَ الوَاقِفُ غَلَّةَ الوَقْفِ لِنَفْسِه اَوْ جَعَلَ الوِلَایَةَ اِلَیْهِ جازَ عندابی یُوسُفَ رحمه الله وقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَه الله لایَجُوزُ۔

ترجمہ:۔ اور اگر واقف نے حاصلات وقف اپنے لئے رکھا یا وقف کی سرپرستی اپنے لئے رکھی تو امام یوسفؒ کے نزدیک یہ جائز ہے اور

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جائز نہیں۔

تشریح:۔(۱۴)اگر واقف نے حاصلات وقف اپنے لئے رکھا یا وقف کی سرپرستی اپنے لئے رکھی تو امام یوسفؒ کے نزدیک یہ جائز ہے یہی قول مفتیٰ بہ ہے۔امام محمد رحمہ اللہ کا قول عدم جواز کا ہے کیونکہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک وقف کو متولی کے سپرد کرنا ضروری ہے جو کہ یہاں نہیں پایا گیا۔

(۱۵) وَاِذَا بَنیٰ مَسْجِداً لَمْ یَزَلْ مِلْکُه عَنْه حتّی یُفْرِزَه عن مِلْکِه بِطَرِیْقِه ویَأْذَنُ لِلنَّاسِ بِالصَّلٰوةِ فِیْه فَاِذَا صَلّٰی فِیْه وَاحِدٌ زَالَ مِلْکُه عنه عِنْدَ ابی حَنِیْفَةَ رحِمَه اللّٰه وقالَ اَبُو یُوسُفَ رحِمَه اللّٰه یَزُوْلُ مِلْکُه عنه بِقَوْلِه جَعَلْتُه مَسْجِداً۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی نے مسجد بنائی تو واقف کی ملک زائل نہ ہوگی جب تک کہ وہ مسجد راستے سمیت اپنی ملک سے الگ کردے اور لوگوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دے اور امام یوسفؒ کے نزدیک صرف اتنا کہنے سے کہ ''جعلته مسجداً'' تو واقف کی ملک زائل ہوجائیگی۔

تشریح:۔(۱۵)جس نے مسجد بنائی تو طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک یہ اس وقت تک واقف کی ملک سے خارج نہ ہوگی جب تک کہ وہ مسجد راستے سمیت اپنی ملک سے الگ نہ کردے کیونکہ اسکے بغیر مسجد خالص اللہ کیلئے نہیں ہوسکتی اور یہ بھی ضروری ہے کہ لوگوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دے کیونکہ طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک وقف متولی کو سپرد کرنا ضروری ہے''وَتَسْلِیْمُ کُلِّ شَیْءٍ بِحَسْبِه''تو چونکہ مسجد میں حقیقی قبضہ متعذر ہے لہٰذا نماز پڑھنے کو حقیقی قبضے کے قائم مقام قرار دیا جائیگا۔

پھر ایک روایت کے مطابق اگر ایک شخص بھی اس میں نماز پڑھے گا تو واقف کی ملک زائل ہوجائیگی مگر مشہور روایت یہ ہے کہ صلوٰۃ بالجماعت ضروری ہے کیونکہ مسجد اسی لئے بنائی جاتی ہے۔امام یوسفؒ کے نزدیک صرف اتنا کہنے سے کہ''جعلته مسجداً''واقف کی ملک زائل ہوجائیگی کیونکہ امام یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک وقف متولی کو تسلیم کرنا شرط نہیں۔

(۱۶) وَمَنْ بَنیٰ سِقَایَةً لِلْمُسْلِمِیْنَ اَوْخَاناً یَسْکُنُه بَنُو السَّبِیْلِ اَوْرِبَاطاً او جَعَلَ اَرْضَه مَقْبَرَةً لم یَزَلْ مِلْکُه عن ذَالِکَ عِنْدَ ابی حَنِیْفَةَ رحِمَه اللّٰه حتّی یَحْکُمَ بِه حَاکِمٌ وقالَ اَبُو یُوسُفَ رحِمَه اللّٰه یَزُوْلُ مِلْکُه بِالْقَوْلِ وقالَ مُحَمَّدٌ رحِمَه اللّٰه اِذَااسْتَقَی النَّاسُ مِنَ السِّقَایَةِ وَسَکَنُوْا الخَانَ وَالرِّبَاطَ وَدَفَنُوْا فِی الْمَقْبَرَةِ زَالَ الْمِلْکُ۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی نے مسلمانوں کیلئے سقایہ(پانی کا حوض)بنایا یا خان(سرائے)یا رباط(قلعہ یا وہ جگہ جہاں لشکر حفاظت سرحد کیلئے قیام کرے)بنایا یا اپنی زمین قبرستان کیلئے وقف کی تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس سے واقف کی ملک زائل نہ ہوگی یہاں تک کہ حاکم اسکے وقف کا فرمان جاری کردے اور امام یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک وقف کا قول کرتے ہی واقف کی ملک زائل ہوجائیگی اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک جب سقایہ سے پانی پی لے اور خان(سرئے)اور رباط میں رہائش کرلے اور مقبرہ میں مردے دفن کردے تو واقف کی ملک زائل ہوجائیگی۔

تشریح :۔(۱۷) اگر کسی نے مسلمانوں کیلئے پانی کا حوض بنایا یا مسافروں کے لئے سرائے بنائی یا رباط (قلعہ یا وہ جگہ جہاں لشکر حفاظت سرحد کیلئے قیام کرے) بنایا یا اپنی زمین قبرستان کیلئے وقف کی تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس سے واقف کی ملک زائل نہ ہوگی جب تک کہ حاکم اسکے وقف کا فرمان جاری نہ کرے یا واقف اسکی اضافت الی مابعد الموت نہ کرے کما مر یہی وجہ ہے کہ واقف حکمِ حاکم یا اضافت الی مابعد الموت سے پہلے ان سے استفادہ کرسکتا ہے۔

امام یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک وقف کا قول کرتے ہی واقف کی ملک زائل ہو جائیگی کیونکہ ان کے نزدیک متولی کو سپرد کرنا شرط نہیں۔ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک جب لوگ سقایہ سے پانی پی لیں اور خان (سرئے) اور رباط میں رہائش کرلیں اور مقبرہ میں مردے دفن کردیں تو واقف کی ملک زائل ہو جائیگی کیونکہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک وقف متولی کے سپرد کرنا شرط ہے اور ان اشیاء کی سپردگی کی یہی صورتیں ہیں (امام ابو یوسفؒ کا قول راجح ہے)۔

كتاب الغصب

یہ کتاب غصب کے بیان میں ہے۔

"غصب" لغۃً کسی چیز کو زبردستی لے لینے کو کہتے ہیں خواہ وہ چیز مال ہو یا غیر مال ہو اور شرعاً "اَخْذُ مَالٍ مُتَقَوِّمٍ مُحْتَرَمٍ بِلااِذْنِ مَالِكِه بِلاخِفْيَة" (یعنی غیر خفی طور پر کسی کا قیمتی ومحترم مال بغیر مالک کی اجازت کے لے لینے کو کہتے ہیں)۔ مذکورہ مال کو مغصوب اور مال لینے والے کو غاصب اور صاحبِ مال کو مغصوب منہ کہتے ہیں۔

"کتاب الغصب" کی "وقف" کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ دونوں میں مِلکِ مالک کا رفع پایا جاتا ہے البتہ وقف چونکہ شریعت کے موافق ہے اسلئے اسکو مقدم کیا اور غصب چونکہ غیر شرعی عمل ہے اسلئے مؤخر کردیا۔

غصب کی حرمت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے ثابت ہے قال اللّٰه تعالى ﴿وَلَاتَأْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ وقال تعالىٰ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتَامىٰ ظُلْماً اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَاراً﴾ وقال عليه السلام "حرمة مال المسلم كحرمة دمه ومن غصب شبرا من أرض طوقه الله به من سبع أرضين"۔

حکمِ غصب یہ ہے کہ غاصب کو اگر یہ علم ہو کہ یہ مالِ غیر ہے تو وہ گناہ گار ہوگا اور مغصوب اگر موجود ہو تو اس کو رد کرنا اور اگر ہلاک ہوا ہے تو اس کا تاوان دینا غاصب پر لازم ہے۔ اور اگر غاصب کو بوقتِ غصب اس کا مالِ غیر ہونا معلوم نہ ہو تو پھر وہ گناہ گار نہ ہوگا ہاں اخیر کے دو حکم اب ہیں۔

(۱) وَمَنْ غَصَبَ شَيْئًا مِمَّا لَه مِثْلٌ فَهَلَكَ فِي يَدِه فَعَلَيْهِ ضَمَانُ مِثْلِهِ (۲) وَاِنْ كَانَ مما لا مثل له فعليه قيمته (۳) وعلى الْغَاصِبِ رَدّ الْعَيْنِ الْمَغْصُوْبَة (۴) فَاِنْ اِدعىٰ هلاكها حَبَسَه الْحَاكِمُ حتّٰى يَعْلَمَ اَنَّهَا لَوْ كَانَتْ بَاقِيَةً لَا ظْهَرَهَا ثُمَّ قَضٰى عَلَيْه بِبَدَلِهَا۔

ترجمہ:۔اور اگر غاصب نے کوئی چیز غصب کی اور مغصوب چیز مثلی (کیلی یا وزنی یا عددی غیر متفاوت) ہو تو غاصب پر اسکا مثل اور بدل واپس کرنا واجب ہے اور اگر مغصوب چیز کی مثل نہیں تھی تو غاصب پر مغصوب کی قیمت دینا واجب ہے اور غاصب پر عین مغصوب کا ردّ کرنا واجب ہے اور اگر غاصب نے اس کے ہلاک ہونے کا دعویٰ کیا تو حاکم اس کو قید کرلے یہاں تک کہ یہ یقین ہوجائے کہ اگر وہ باقی ہوتی تو ضرور ظاہر کردیتا پھر اس کے بدلہ کا فیصلہ کردے۔

تشریح:۔(۱) اگر غاصب نے کوئی چیز غصب کی تو اگر بعینہ مغصوب موجود نہیں اور مغصوب چیز مثلی (کیلی یا وزنی یا عددی غیر متفاوت) ہو تو پھر اسکا مثل اور بدل واپس کرنا واجب ہے کیونکہ بدل مبدل منہ کے قائم مقام ہوتا ہے۔(۲) اور اگر مغصوب چیز مثلی نہیں تھی تو پھر اس پر مغصوب کی قیمت دینا واجب ہے۔

پھر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک خصومت کے دن کی قیمت دینا لازمی ہے۔امام یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک غصب کے دن کی قیمت واجب ہے۔امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس دن کی قیمت واجب ہے جس دن مغصوب کا مثل بازار سے منقطع ہوا ہے (وعلیہ الفتویٰ)۔(۳) اگر مغصوب چیز بعینہ غاصب کی ہاتھ میں موجود ہے تو بعینہ مغصوب کو واپس کرنا واجب ہے۔اور اگر مغصوب مثلی چیز نہ ہو مثلاً عددی متفاوت ہو یا غلام ہو یا کوئی جانور ہو تو پھر غاصب پر غصب کے دن کی قیمت واجب ہوگی۔

(۴) اگر غاصب نے دعویٰ کیا کہ مغصوب چیز مجھ سے ہلاک ہوگئی تو صرف غاصب کے یہ کہنے سے حاکم اسکی تصدیق نہ کرے بلکہ برائے مبالغة فی ایصال الحق الی المستحق حاکم اسکو قید کردے یہاں تک کہ حاکم کو غالب گمان ہوجائے کہ اگر مغصوب چیز غاصب کے ہاتھ میں باقی ہوتی تو وہ ضرور ظاہر کردیتا اب بھی جب غاصب مغصوب کو ظاہر نہیں کرتا ہے تو یہ علامت ہے کہ مغصوب چیز ہلاک ہوئی ہے لہٰذا اب حاکم مغصوب کا بدل یعنی مثل یا قیمت دینے کا فیصلہ کردے کیونکہ ردِّ عین متعذر ہے۔

الالغاز:۔ ای مودَع یضمن بلاتعد؟

فقل:۔ھو مودع الغاصب اذا ھلک عندہ المغصوب فللمالک ان یضمنہ۔(الاشباہ والنظائر)

(۵) وَالغَصبُ فِیمَا یُنقَلُ ویُحَوَّلُ (۶) وإذَا غَصَبَ عِقَاراً فَھلَکَ فِی یَدِہ لَم یَضمَنہُ عِندَابِی حَنِیفَةَ رَحِمَہ اللّٰہ وَابِی یُوسُفَ رَحِمَہ اللّٰہ وقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَہ اللّٰہ یَضمَنُہ (۷) ومَانَقَصَ مِنہ بِفِعلِہ وسُکنَاہ ضَمِنَہ فِی قَولِھِم جمِیعاً۔

ترجمہ:۔اور غصب منقولی چیزوں میں ہوتا ہے اور اگر کسی نے زمین غصب کرلی پس وہ اس کے ہاتھ میں ہلاک ہوگئی تو شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک وہ ضامن نہ ہوگا اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ضامن ہوگا اور زمین میں اسکے فعل اور رہائش سے جو نقصان آئے تو اس کا بالاتفاق ضامن ہوگا۔

تشریح:۔(۵) شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک غصب صرف اشیاء منقولہ میں متحقق ہوتا ہے غیر منقولہ میں نہیں کیونکہ ید مالک کا ازالہ اس وقت ہوتا ہے جب منقولی چیز کو منتقل کیا جائے جبکہ عقار (غیر منقولی چیز) میں نقل وتحویل ممکن نہیں۔

(۶) پس اگر کسی نے عقار (غیر منقولی چیز مثلاً زمین یا مکان وغیرہ) غصب کیا پھر وہ کسی ساوی آفت سے ہلاک ہوگئی مثلاً سیلاب کے غلبہ سے زمین ڈوب گئی تو شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک غاصب پر ضمان نہ ہوگا کیونکہ غصب بمعنیٰ "اِزَالَةُ یَدِ الْمَالِکِ عَنِ الْمَمْلُوْکِ" (مالک کا قبضہ مملوک سے زائل کرنا) متحقق نہیں اسلئے کہ زمین اپنے محل پر بالفعل برقرار ہے غاصب نے صرف مالک کو زمین سے دور رکھا ہے تو یہ فعل مالک میں تصرف ہے عقار میں نہیں یہ ایسا ہے جیسا کہ مالک کو اپنے مویشی سے دور رکھا جائے۔ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک غاصب عقار ضامن ہوگا کیونکہ غاصب کا دوسرے کی زمین پر قبضہ جمالینے سے لامحالہ مالک کا قبضہ زائل ہوجاتا ہے تو قبضہ محققہ کا ازالہ اور قبضہ مبطلہ کا ثبوت پایا گیا اور یہی غصب ہے لہذا غاصب ضامن ہوگا۔ (قولِ مفتیٰ بہ میں تفصیل یوں ہے کہ اگر مغصوبہ زمین وقف کی زمین ہو تو امام محمدؒ کا قول مفتیٰ بہ ہے اور اگر وقف کی زمین نہ ہو تو شیخینؒ کا قول مفتیٰ بہ ہے)۔

(۷) غصب شدہ عقار میں غاصب کے فعل یا رہنے کی وجہ سے جو کچھ نقصان آجائے تو باتفاق ائمہ ثلاثہ غاصب اسکا ضامن ہوگا کیونکہ یہ اتلاف ہے اور اتلاف کی وجہ سے عقار کا ضمان واجب ہوتا ہے۔

(۸) وَإِذَا هَلَكَ الْمَغْصُوْبُ فِي يَدِ الْغَاصِبِ بِفِعْلِه أَوْ بِغَيْرِ فِعْلِه فَعَلَيْهِ ضَمَانُه (۹) وَإِنْ نَقَصَ فِي يَدِه فَعَلَيْه ضَمَانُ النُّقْصَانِ۔

ترجمہ:۔ اگر مغصوب چیز غاصب کے قبضہ میں غاصب کے فعل یا اسکے فعل کے بغیر ہلاک ہوگئی تو غاصب اسکا ضامن ہوگا اور اگر غاصب کے قبضہ میں مغصوب چیز میں نقصان آیا تو غاصب نقصان کا ضامن ہوگا۔

تشریح:۔ (۸) اگر مغصوب چیز غاصب کے قبضہ میں غاصب کے فعل یا اسکے فعل کے بغیر ہلاک ہوگئی تو غاصب اسکا ضامن ہوگا کیونکہ غصب کی وجہ سے مغصوب مال غاصب کی ضمانت میں داخل ہوگیا تو غاصب پر عین مغصوب کا ردّ کرنا واجب ہے مگر جب بوجہ ہلاکت غاصب عین مغصوب کی واپسی سے عاجز ہوگیا تو اسکی قیمت کی واپسی واجب ہوئی۔ (۹) اگر مغصوب چیز ہلاک تو نہ ہوئی البتہ اس میں نقصان آیا تو غاصب بقدر نقصان ضامن ہوگا لِمَامَرَّ۔

(۱۰) وَمَنْ ذَبَحَ شَاةَ غَيْرِه بِغَيْرِ اَمْرِه فَمَالِكُهَا بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ ضَمَّنَه قِيْمَتَهَا وَسَلَّمَهَا اِلَيْه وَاِنْ شَاءَ ضَمَّنَه نُقْصَانَهَا (۱۱) وَمَنْ خَرَقَ ثَوْبَ غَيْرِه خَرْقًا يَسِيْرًا ضَمِنَ نُقْصَانَه (۱۲) وَاِنْ خَرَقَ خَرْقًا كَثِيْرًا يُبْطِلُ عَامَّةَ مَنْفَعَتِه فَلِمَالِكِه اَنْ يُضَمِّنَه جَمِيْعَ قِيْمَتِه۔

ترجمہ:۔ اور اگر کسی نے دوسرے کی بکری اس کی اجازت کے بغیر ذبح کر ڈالی تو مالک کو اختیار ہے چاہے تو اس سے بکری کی قیمت لے کر مذبوحہ بکری اسکو دیدے اور چاہے تو اس سے نقصان لے لے (اور بکری خود رکھ لے) اور اگر کسی نے دوسرے کے کپڑے کو تھوڑا سا پھاڑ ڈالا تو وہ بقدر نقصان ضامن ہوگا اور اگر زیادہ پھاڑ ڈالا جس سے کپڑے کے اکثر منافع جاتے رہے تو مالک پوری قیمت کا تاوان لے سکتا ہے۔

تشریح:۔ (۱۰) اگر کسی نے دوسرے کی بکری یا اور کوئی ماکول اللحم جانور مالک کی اجازت کے بغیر ذبح کر ڈالی تو مالک کو اختیار ہے

چاہے تو اس سے بکری کی قیمت لے کر مذبوحہ بکری اسکو دیدے اور چاہے تو بقدر نقصان اس سے نقصان لے لے اور بکری خود رکھ لے کیونکہ یہ من وجہ اتلاف ہے یوں کہ بار برداری، دودھ اور نسل وغیرہ جیسے مقاصد فوت ہوگئے اور بعض منافع چونکہ اب بھی باقی ہیں لہذا مالک کو دونوں اختیار ہونگے۔

(۱۱) اگر کسی نے دوسرے کے کپڑے کو تھوڑا سا پھاڑ ڈالا تو چونکہ عین مال ہر طرح قائم ہے صرف اس میں ایک عیب آگیا ہے لہذا وہ بقدر نقصان ضامن ہوگا اور کپڑا مالک کی ملک رہیگا۔ (۱۲) اور اگر زیادہ پھاڑ ڈالا جس سے کپڑے کے اکثر منافع جاتے رہے تو مالک کو اختیار ہے چاہے تو اس سے پوری قیمت لے کر کپڑا اسکے حوالہ کردے کیونکہ یہ من وجہ اتلاف ہے اور چاہے تو کپڑا اپنے پاس رکھ کر بقدر نقصان اس سے لے لے بایں وجہ کہ یہ معیوب کرنا ہوا کیونکہ عین کپڑا اور بعض منافع تو باقی ہیں۔

(۱۳) وَاِذَا تَغَيَّرَتِ الْعَيْنُ الْمَغْصُوْبَةُ بِفِعْلِ الْغَاصِبِ حَتّٰى زَالَ اِسْمُهَا وَاَعْظَمُ مَنَافِعِهَا زَالَ مِلْكُ الْمَغْصُوْبِ مِنْهُ عَنْهَا وَمَلَكَهَا الْغَاصِبُ وَضَمِنَهَا (۱۴) وَلَا يَحِلُّ لَهُ الْاِنْتِفَاعُ بِهَا حَتّٰى يُؤَدِّيَ بَدَلَهَا وَهٰذَا كَمَنْ غَصَبَ شَاةً فَذَبَحَهَا وَشَوَاهَا اَوْ طَبَخَهَا اَوْ غَصَبَ حِنْطَةً فَطَحَنَهَا اَوْ حَدِيْدًا فَاتَّخَذَهُ سَيْفًا اَوْ صُفْرًا فَعَمِلَهُ آنِيَةً (۱۵) وَاِنْ غَصَبَ فِضَّةً اَوْ ذَهَبًا فَضَرَبَهَا دَرَاهِمَ اَوْ دَنَانِيْرَ اَوْ آنِيَةً لَمْ يَزُلْ مِلْكُ مَالِكِهَا عَنْهَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ (۱۶) وَمَنْ غَصَبَ سَاجَةً فَبَنٰى عَلَيْهَا زَالَ مِلْكُ مَالِكِهَا عَنْهَا وَلَزِمَ الْغَاصِبَ قِيْمَتُهَا۔

ترجمہ:۔ اور اگر مغصوبہ چیز غاصب کے فعل سے ایسا متغیر ہو جائے کہ اسکا نام اور اکثر مقاصد زائل ہو جائے تو اس سے مغصوب منہ کی ملک زائل ہو جائیگی غاصب اسکا مالک ہو جائیگا اور مغصوب منہ کو تاوان دیگا مگر مغصوب منہ کو بدل دینے سے پہلے غاصب کیلئے مغصوب سے فائدہ اٹھانا حلال نہیں اور یہ جیسے کسی شخص نے بکری غصب کرلیا اور ذبح کر کے بھون لیا یا پکالیا اور یا گندم تھا غاصب نے پیس لیا یا لوہا تھا غاصب نے اس سے تلوار بنالی اور یا پیتل تھا غاصب نے اس سے برتن بنالیا اور اگر غاصب نے چاندی یا سونا غصب کر کے اس سے درہم یا دنانیر یا برتن بنالئے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مغصوب منہ کی ملک ان سے زائل نہ ہوگی اور اگر کسی نے ساکھو (شہتیر) غصب کر کے اس پر عمارت بنائی تو اس سے مالک کی ملک زائل ہو جائیگی اور غاصب پر اسکی قیمت لازم ہوگی۔

تشـریح:۔ (۱۳) اگر مغصوبہ چیز غاصب کے فعل سے ایسا متغیر ہو جائے کہ اسکا نام اور اکثر مقاصد زائل ہو جائے تو اس سے مغصوب منہ کی ملک زائل ہو جائیگی غاصب اسکا مالک ہو جائیگا اور مغصوب منہ کو تاوان دیگا مثلاً مغصوب بکری تھی غاصب نے ذبح کر کے بھون لیا یا پکالیا۔ یا گندم تھا غاصب نے پیس لیا۔ یا لوہا تھا غاصب نے اس سے تلوار بنالی اور یا پیتل تھا غاصب نے اس سے برتن بنالیا تو ان تمام صورتوں میں احنافؒ کے نزدیک غاصب انکا مالک ہو جائیگا۔

(۱۴) مگر مغصوب منہ کو بدل دینے سے پہلے غاصب کیلئے مغصوب سے فائدہ اٹھانا استحساناً حلال نہیں کیونکہ ادائیگی بدل سے پہلے اباحت انتفاع میں غصب کا باب کھل جائیگا لہذا مالک کو بدل کی ادائیگی کے ساتھ راضی کرنے سے پہلے مغصوب سے انتفاع حرام ہوگا۔

(۱۵) اگر غاصب نے چاندی یا سونا غصب کر کے اس سے درہم یا دنانیر یا برتن بنالئے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مغصوب منہ کی ملک ان سے زائل نہ ہوگی لہذا مغصوب منہ یہی دراہم وغیرہ لے لیگا اور غاصب کیلئے کچھ نہ ہوگا کیونکہ عین مال من کل الوجوہ باقی ہے کیونکہ اب بھی انکو ذہب اور فضہ کہا جاتا ہے اور اب بھی یہ موزونی ہیں اور اب بھی ان میں ربا جاری ہوتا ہے مگر صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ غاصب ان کا مالک ہو جائیگا اور اس پر مغصوب کا مثل واجب ہوگا۔ (امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے)۔

(۱٦) اگر کسی نے ساکھو (شہتیر) غصب کر کے اس پر عمارت بنائی تو اس سے مالک کی ملک زائل ہو جائیگی اور غاصب پر اسکی قیمت لازم ہوگی کیونکہ یہ اب اور چیز بن گئی اور عین مغصوب ردّ کرنے میں غاصب کا ایسا ضرر ہے جس سے مغصوب منہ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا ہے جبکہ مغصوب منہ کے ضرر کا جبیرہ ضمان سے ہو جاتا ہے۔

(۱۷) وَمَنْ غَصَبَ اَرْضاً فَغَرَسَ فِيهَا اَوْ بَنٰى قِيلَ لَه اِقْلَعِ الْغَرسَ وَالْبِناءَ وَرُدَّهَا اِلٰى مالِكِهَا فَارِغَةً (۱۸) فَاِنْ كَانَتِ الْاَرْضُ تَنْقُصُ بِقَلْعِ ذالك فَلِلْمالِكِ اَنْ يُضْمَنَ لَه قِيمَةَ البِناءِ والغَرسِ مَقْلُوْعاً۔

ترجمہ:۔ اور جس نے زمین غصب کر کے اسمیں پودے لگا دیئے یا عمارت بنائی تو غاصب سے کہا جائیگا کہ زمین سے اپنی عمارت اور پودے اکھاڑ کر خالی زمین مالک کو واپس کر دو اور اگر غاصب کی عمارت توڑنے یا پودے اکھاڑنے سے زمین کو نقصان ہوتا ہو تو مالک کو اختیار ہوگا کہ وہ غاصب کو اکھڑی ہوئی عمارت اور اکھڑے ہوئے پودوں کی قیمت دیدے (پس عمارت و پودے بمع زمین مالک کی ہو جائینگی)۔

تشریح:۔ (۱۷) اگر غاصب نے زمین غصب کر کے اسمیں پودے لگا دیئے یا عمارت بنائی تو غاصب سے کہا جائیگا کہ زمین سے اپنی عمارت اور پودے اکھاڑ کر خالی زمین مالک کو واپس کر دو کیونکہ زمین حقیقۃً غصب نہیں ہوتی پس مالک کی ملک برقرار ہے غاصب نے زمین کو مشغول کر دیا ہے لہذا غاصب سے کہا جائیگا کہ زمین فارغ کر دو۔

(۱۸) اگر غاصب کی عمارت توڑنے یا پودے اکھاڑنے سے زمین کو نقصان ہوتا ہو تو مالک کو اختیار ہوگا کہ وہ غاصب کو اکھڑی ہوئی عمارت اور اکھڑے ہوئے پودوں کی قیمت دیدے پس عمارت و پودے بمع زمین مالک کی ہو جائینگی اور یہ اس لئے کہ اس میں دونوں کی رعایت ہے اور دونوں سے دفع ضرر ہے۔

(۱۹) وَمَنْ غَصَبَ ثَوْباً فَصَبَغَه اَحْمَرَ اَوْ سَوِيقاً فَلَتَّه بِسَمْنٍ فَصَاحِبُه بِالخِيارِ اِنْ شاءَ ضَمَّنَه قِيمَةَ ثَوْبٍ اَبْيَضَ ومِثْلَ السَّوِيقِ وَسَلَّمَه لِلْغاصِبِ وَاِنْ شاءَ اَخَذَهُمَا وَضَمِنَ ما زَادَ الصَّبْغُ والسَّمْنُ فِيهِمَا (۲۰) ومن غَصَبَ عَيناً فَغَيَّبَهَا فَضَمَّنَه المالِكُ قِيمَتَهَا مَلَكَهَا الْغَاصِبُ بِالْقِيمَةِ۔

ترجمہ:۔ اور اگر غاصب نے دوسرے کا کپڑا غصب کر کے سرخ رنگ دیا اور یا ستو غصب کر کے گھی میں ملالیا تو مالک کو اختیار ہے چاہے تو غاصب سے سفید کپڑے کی قیمت اور اپنے ستو کی مثل لے لے اور غصب شدہ کپڑا اور ستو غاصب کو دیدے اور چاہے تو غصب

شدہ کپڑا وستو لے لے اور جو رنگ اور گھی غاصب نے زیادہ کیا ہے اسکا غاصب کو عوض دیدے اور اگر غاصب نے کوئی چیز غصب کر کے غائب کر دیا اور مالک کو بطور ضمان اسکی قیمت دیدیا تو غاصب بعوض قیمت اس مغصوب شئی کا مالک ہو جائیگا۔

تشریح:۔(۱۹) اگر غاصب نے دوسرے کا کپڑا غصب کر کے سرخ رنگ دیا (سرخ رنگ سے مراد ہر ایسی زیادتی ہے جس سے کپڑے کی قیمت بڑھ جائے) اور یا ستو غصب کر کے گھی میں ملالیا تو مالک کو اختیار ہے چاہے تو غاصب سے سفید کپڑے کی قیمت اور اپنے ستو کی مثل لے لے اور غصب شدہ کپڑا اور ستو غاصب کو دیدے۔ اور چاہے تو غصب شدہ کپڑا وستو لے لے اور جو رنگ اور گھی غاصب نے زیادہ کیا ہے اسکا غاصب کو عوض دیدے کیونکہ اس میں جانبین کی رعایت ہے۔

(۲۰) اگر غاصب نے کوئی چیز غصب کر کے غائب کر دیا اور مالک کو اسکی قیمت دیدی تو غاصب اس مغصوب شئی کا مالک ہو جائیگا کیونکہ مالک (مغصوب منہ) تو شئی مغصوب کے بدل کا (یعنی قیمت کا) بکمالہ مالک ہو چکا اور مبدل (یعنی شئی مغصوب) ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف منتقل ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے لہذا مبدل اب مغصوب منہ کی ملک سے منتقل ہو کر غاصب کی ملک میں آئیگا تا کہ بدلان شخص واحد (مغصوب منہ) کی ملک میں جمع نہ ہوں۔

(۲۱) وَالْقَوْلُ فِي الْقِيمَةِ قَوْلُ الْغَاصِبِ مَعَ يَمِيْنِه (۲۲) إِلَّا أَنْ يُقِيمَ الْمَالِكُ الْبَيِّنَةَ بِأَكْثَرِ مِنْ ذَالِكَ (۲۳) فَإِذَا ظَهَرَتِ الْعَيْنُ وَقِيمَتُهَا أَكْثَرُ مِمَّا ضَمِنَ وَقَدْ ضَمِنَهَا بِقَوْلِ الْمَالِكِ أَوْ بِبَيِّنَةٍ أَقَامَهَا أَوْ بِنُكُوْلِ الْغَاصِبِ عن الْيَمِيْنِ فلا خِيَارَ لِلْمَالِكِ وهو لِلْغَاصِبِ (۲۴) وإنْ كان ضَمِنَهَا بِقَوْلِ الْغَاصِبِ مع يَمِيْنِه فَالْمَالِكُ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ أَمْضَىٰ الضَّمَانَ وإنْ شَاءَ أَخَذَ الْعَيْنَ وَرَدَّ الْعِوَضَ۔

ترجمہ:۔ اور قیمت کے بارے میں قول غاصب کا مع الیمین معتبر ہوگا الا یہ کہ مالک اس سے زیادہ قیمت پر گواہ قائم کر لے پھر اگر شئی مغصوب کسی وقت ظاہر ہوئی اور اسکی قیمت اس مقدار سے زائد ثابت ہوئی جو غاصب نے بطور تاوان مالک کو دیا تھا اور وہ تاوان بھی غاصب نے مالک کے قول کے مطابق یا مالک کے گواہوں کے مطابق یا خود غاصب کے انکار از قسم کی وجہ سے دیا تھا تو ان صورتوں میں مالک کو اختیار نہ ہوگا شئی مغصوب غاصب کی ملک ہوگی اور اگر غاصب نے اپنے قول کے موافق قسم کھا کر تاوان دیا تھا تو اب مالک کو اختیار ہے چاہے تو اسی قیمت کو برقرار رکھے اور اگر چاہے تو شئی مغصوب لیکر غاسب کی دی ہوئی قیمت واپس کر دے۔

تشریح:۔(۲۱) اگر مالک وغاصب کے درمیان مغصوب کی قیمت کے بارے میں اختلاف ہوا (مالک زیادہ قیمت بتارہا ہے اور غاصب کم) تو قول غاصب کا مع الیمین معتبر ہوگا کیونکہ مالک زیادتی کا مدعی ہے اور غاصب اسکا انکار کرتا ہے اور قول منکر کا معتبر ہوتا ہے۔(۲۲) لیکن اگر مالک نے اس زیادتی پر گواہ قائم کئے تو قول مالک کا معتبر ہوگا کیونکہ اس نے حجت سے زیادتی ثابت کر لیا۔

(۲۳) پھر اگر شئی مغصوب کسی وقت غاصب کے ہاں ظاہر ہوئی اور اسکی قیمت اس مقدار سے زائد ثابت ہوئی جو غاصب نے بطور تاوان مالک کو دیا تھا اور وہ تاوان بھی غاصب نے مالک کے قول کے مطابق یا مالک کے گواہوں کے مطابق یا خود غاصب کے انکار

ازقسم کی وجہ سے دیا تھا تو ان صورتوں میں شئی مغصوب غاصب کی ملک ہوگی مالک کو اسمیں اختیار نہ ہوگا اسلئے کہ غاصب کی ملک تام ہوگئی اور مالک اسی مقدار پر راضی ہو چکا تھا۔

(۲۴) لیکن اگر صورت یہ پیش آئی تھی کہ غاصب نے اپنے قول کے موافق قسم کھا کر تاوان دیا تھا تو اب مالک کو اختیار ہے چاہے تو شئی مغصوب لیکر غاسب کی دی ہوئی قیمت واپس کردے اور چاہے تو اسی قیمت کو برقرار رکھے اور شئی مغصوب غاصب کو چھوڑ دے یہ اختیار اس لئے ہے کہ اس مقدار کے ساتھ مالک کی رضامندی پوری نہیں ہوئی تھی کیونکہ وہ زیادہ قیمت کا مدعی تھا مگر عدم حجت کی وجہ سے کم لی تھی۔

(۲۵) وَوَلَدُ الْمَغْصُوْبَةِ وَنُمَاؤُهَا وَثَمرَةُ الْبُسْتَانِ الْمَغْصُوْبِ اَمَانَةٌ فِيْ يَدِ الْغَاصِبِ اِنْ هَلَكَ فِي يَدِه فَلا ضَمانَ عَلَيْهِ (۲۶) اِلاّ اَنْ يَتَعَدّى فِيْهَا اَوْ يَطْلُبُهَا مَالِكُهَا فَيَمْنَعُهَا اِيَّاه۔

ترجمہ:۔ اور مغصوبہ کا بچہ اسی طرح مغصوبہ جانور کا بڑھوتری اسی طرح مغصوب باغ کا پھل یہ سب غاصب کے پاس امانت ہیں اگر یہ چیزیں غاصب کے پاس ہلاک ہو جائیں تو غاصب پر تاوان لازم نہ ہوگا الّا یہ کہ ان چیزوں میں غاصب کی طرف سے تعدّی پائی جائے اور یا مالک نے ان اشیاء کو طلب کیا مگر غاصب نے روک دے۔

تشریح:۔ (۲۵) مغصوبہ (لونڈی، بکری یا کسی اور جانور) کا بچہ اسی طرح مغصوبہ جانور کا بڑھوتری (مثلاً فربہی، حسن، دودھ وغیرہ) اسی طرح مغصوب باغ کا پھل یہ سب غاصب کے پاس امانت ہیں پس اگر یہ چیزیں غاصب کے پاس ہلاک ہو جائیں تو غاصب پر تاوان لازم نہ ہوگا کیونکہ غاصب تو غیر کے مال پر اس طرح قبضہ کر لینے کو کہتے ہیں جس سے مالک کا قبضہ زائل ہو کما مرّ جبکہ مذکورہ بالا اشیاء پر تو مالک کا قبضہ ہی نہیں تھا لہذا یہ اشیاء مغصوب نہیں بلکہ ید غاصب میں امانت ہیں۔

(۲۶) لیکن اگر ان چیزوں میں غاصب کی طرف سے تعدّی پائی جائے مثلاً غاصب نے ہلاک کیا یا کھالیا یا بیچ دیا اور یا مالک نے ان اشیاء کو طلب کیا مگر غاصب نے روک دے تو ان دوصورتوں میں اگر یہ چیزیں ہلاک ہوئیں تو غاصب ضامن ہوگا کیونکہ منع اور تعدی کی وجہ سے غاصب ان اشیاء کا بھی غاصب شمار ہوگا۔

(۲۷) وَمَانَقَصَتِ الْجارِيَةُ بِالوِلادَةِ فهو فِي ضَمانِ الغَاصِبِ فَاِنْ كانَ فِي قِيمَةِ الْوَلَدِ وَفاءٌ به جُبِرَ النُّقْصانُ بِالوَلَدِ وَسَقَطَ ضَمانُه عنِ الغَاصِبِ (۲۸) ولا يَضْمَنُ الغَاصِبُ مَنَافِعَ مَا غَصَبَه (۲۹) اِلّا اَنْ يَنْقُصَ بِاسْتِعْمالِه فَيَغْرَمُ النُّقْصَانَ۔

ترجمہ:۔ اور باندی میں ولادت کی وجہ سے جو نقصان آجائے تو غاصب کے ضمان میں ہوگا پس اگر بچہ کی قیمت سے نقصان پورا ہو سکا تو نقصان اسی سے پورا کر دیا جائیگا اور غاصب سے تاوان ساقط ہو جائیگا اور غاصب مغصوب کے منافع کا ضامن نہیں ہوتا الّا یہ کہ استعمال سے اس میں نقصان آجائے تو وہ نقصان کا تاوان دیگا۔

تشریح:۔ (۲۷) اگر غاصب نے کسی کی باندی غصب کی اور اسکا بچہ پیدا ہوا تو ولادت کی وجہ سے باندی کی قیمت میں جو نقصان آئیگا

اسکا غاصب ضامن ہوگا مگر باندی کا یہ نقصان بچہ سے پورا کردیا جائیگا یوں کہ جتنا نقصان باندی کی قیمت میں آیا ہو اگر اسکا بچہ اتنی ہی قیمت کا ہو تو غاصب پر کچھ ضمان نہ ہوگا اور اگر بچہ کم قیمت کا ہو تو بقدر قیمت غاصب سے ضمان ساقط ہو جائے گا کیونکہ یہاں زیادتی اور نقصان دونوں کا سبب (یعنی ولادت) متحد ہے لہذا ولادت نقصان شمار نہیں کیا جائیگا۔

(۲۸) غاصب شئی مغصوب کے منافع (مثلاً رُکُوبُ الدابۃِ وَسُکْنیٰ الدَّارِ وخِدْمَۃُ الْعَبْدِ) کا ضامن نہیں خواہ وہ منافع بالفعل حاصل کرلئے ہوں یا مغصوب شئی کو بیکار چھوڑا ہو کیونکہ یہ منافع مِلکِ غاصب میں حاصل ہوئے ہیں اور انسان اس شئی کا ضامن نہیں ہوتا جو اسکی ملک میں پیدا ہو۔ (۲۹) البتہ اگر غاصب کے استعمال کرنے سے مغصوب میں نقصان آئے تو غاصب اسکا ضامن ہوگا کیونکہ اس نے عین کے بعض اجزاء ضائع کردئے۔

(۳۰) وَاِذَا اسْتَهْلَکَ الْمُسْلِمُ خَمْرَ الذِّمِّیِ اَوْخِنْزِیْرَہٗ ضَمِنَ قِیْمَتَهَا (۳۱) وَاِنِ اسْتَهْلَکَهُمَا الْمُسْلِمُ عَلَی الْمُسْلِمِ لم یَضْمَنْ۔

ترجمہ:۔ اگر مسلمان نے کسی ذمی کی شراب یا اسکا خنزیر تلف کردیا تو مسلمان اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اور اگر کسی مسلمان نے مسلمان کی شراب یا خنزیر تلف کردیا تو ضامن نہ ہوگا۔

تشریح:۔ (۳۰) اگر مسلمان نے کسی ذمی کی شراب یا اسکا خنزیر تلف کردیا تو مسلمان اس کا ضامن ہوگا کیونکہ خمر اور خنزیر ذمی کے حق میں مال ہیں پس خمر اور خنزیر ذمیوں کے حق میں ایسے ہیں جیسے ہمارے حق میں سرکہ اور بکری۔ (۳۱) اور اگر کسی مسلمان یا ذمی نے مسلمان کی شراب یا خنزیر تلف کردیا تو ضامن نہ ہوگا کیونکہ خمر وخنزیر مسلمان کے حق میں مال نہیں خود وہ مأمور بالاتلاف ہے۔

كتَابُ الْوَدِيْعَة

یہ کتاب ودیعت کے بیان میں ہے۔

"ودیعت" ماخوذ ہے "وَدْع" سے بمعنی ترک، اور ودیعت رکھی ہوئی چیز کو ودیعت اسلئے کہتے ہیں کہ اسکو امین کے پاس چھوڑا جاتا ہے۔ اور شریعت میں "تَسْلِیْطُ الْغَیْرِ عَلٰی حِفْظِ الْمَالِ" (اپنے مال کی حفاظت پر غیر کو قدرت دینے) کو کہتے ہیں۔

اپنا مال دوسرے کے ہاں برائے حفاظت رکھنے والے کو مودِع ومستودِع (بکسر الدال فیهما) کہتے ہیں اور جس کے پاس مال رکھا جائے اسکو مودَع ومستودَع (بفتح الدال فیهما) کہتے ہیں اور مذکورہ مال کو مودع اور ودیعت کہتے ہیں اور ایداع کا معنی ہے "تَسْلِیْطُ الْغَیْرِ عَلٰی حِفْظِ شَیْئٍ سَوَاءٌ کَانَ مَالاً اَوْ غَیْرَ مَالٍ" (یعنی غیر کو کسی شئی کی حفاظت پر مسلط کرنا خواہ وہ شئی مال ہو یا غیر مال)۔

کتاب الودیعت کی غصب کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ ودیعت بھی بوقت مخالفتِ شرط اور بوقتِ تعدی غصب بن جاتی ہے۔

امانت اور ودیعت میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے ودیعت میں غیر سے حفاظت کرانا قصداً مطلوب ہوتا ہے جبکہ امانت کبھی بلا قصد بھی ہوتی ہے مثلاً ہوا نے کسی کا کپڑا اُڑا کر دوسرے کے گود میں ڈال دیا تو یہ کپڑا اس کے پاس امانت ہے ودیعت نہیں۔

ودیعت کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ قبضہ کے قابل ہو تاکہ اس کا حفاظت کرنا ممکن ہو پس اگر بھاگا ہوا غلام یا ایسا مال جو دریا میں گر

گیا ہو ودیعت رکھا تو یہ صحیح نہیں۔اور ودیعت کا حکم وجوبِ حفاظت ہے۔

(۱) اَلْوَدِیْعَةُ اَمَانَةٌ فِی یَدِ الْمُوْدَعِ اِذَا هَلَکَتْ فِی یَدِهٖ لَمْ یَضْمَنْهَا۔

ترجمہ:۔ ودیعت مودَع کے پاس امانت ہوتی ہے اگر مودَع کے قبضہ میں (مودَع کی زیادتی کے بغیر) ہلاک ہو جائے تو مودَع ضامن نہ ہوگا۔

تشریح:۔(۱) ودیعت مودَع کے پاس امانت ہوتی ہے اگر مودَع کی زیادتی کے بغیر ہلاک ہو جائے تو مودَع ضامن نہ ہوگا کیونکہ لوگوں کو ودیعت رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے پس اگر ہم مودِع کو ضامن ٹہرائیں تو لوگ ودیعتیں رکھنے سے باز رہیں گے جس سے لوگوں کی مصلحتیں معطل ہو جائینگی۔

(۲) وَلِلْمُوْدَعِ اَنْ یَحْفَظَهَا بِنَفْسِهٖ وَبِمَنْ فِی عَیَالِهٖ (۳) فَاِنْ حَفِظَهَا بِغَیْرِهِمْ اَوْ اَوْدَعَهَا ضَمِنَ (۴) اِلَّا اَنْ یَقَعَ فِی دَارِهٖ حَرِیْقٌ فَیُسَلِّمُهَا اِلٰی جَارِهٖ اَوْ یَکُوْنَ فِی سَفِیْنَةٍ فَخَافَ الْغَرَقَ فَیُلْقِیْهَا اِلٰی سَفِیْنَةٍ اُخْرٰی۔

ترجمہ:۔ مودَع کو یہ اختیار ہے کہ ودیعت کی حفاظت بذاتِ خود کرے یا اپنے اہل وعیال سے کرائے اور اگر مودَع نے مالِ ودیعت کی حفاظت اپنے عیال کے سوا کسی اور سے کرائی یا کسی اور کے پاس ودیعت رکھا (تو بصورت ہلاکت) مودَع ضامن ہوگا الا یہ کہ اگر مودَع کے گھر میں آگ لگ گئی پس اس نے اپنے پڑوسی کو دیدیا اور یا وہ کشتی میں ہو اور ڈوبنے کا اندیشہ ہو پس اس نے اس کو دوسری کشتی میں ڈال دیا (تو ضامن نہ ہوگا)۔

تشریح:۔(۲) مودَع کو یہ اختیار ہے کہ ودیعت کی حفاظت بذاتِ خود کرے یا اپنے اہل وعیال سے کرائے کیونکہ عیال سے حفاظت کرائے بغیر چارہ نہیں اسلئے کہ حفاظتِ ودیعت کیلئے ہر وقت گھر میں رہنا بھی ممکن نہیں اور باہر جانے میں ہر وقت ودیعت کو ساتھ رکھنا بھی ممکن نہیں۔اور کسی کا کسی کے عیال میں شامل ہونے سے مراد یہ ہے کہ باہم مل کر رہتے ہوں۔

(۳) اگر مودَع نے مالِ ودیعت اپنے عیال کے سوا کسی اور کی حفاظت میں دیدیا یا کسی اور کے پاس ودیعت رکھا تو بصورت ہلاکت مودَع ضامن ہوگا کیونکہ صاحب مال مودَع کے قبضہ سے راضی ہوا ہے نہ کہ غیر کے قبضہ سے تو غیر کے قبضہ میں دینا مالک کی رضا کے بغیر ہوا۔

(۴) لیکن اگر اضطراری حالت میں مودَع نے مال ودیعت غیر کی حفاظت میں دیدیا مثلاً مودَع کے گھر میں آگ لگ گئی مودَع نے الغرض حفاظت مال ودیعت اپنے پڑوسی کو دیدیا۔یا مودَع کشتی میں سوار ہے اس کشتی کے غرق ہونے کے خوف سے اس نے مال ودیعت دوسری کشتی میں ڈال دیا تو بصورت ہلاکت مودَع ضامن نہ ہوگا کیونکہ ایسی حالت میں حفاظت کی یہی طریقہ متعین ہے تو مالک دلالۃً اس پر راضی ہوگا۔

☆ ☆ ☆

(٥)وَإنْ خَلَطَهَا الْمُودَعُ بِمَالِه حتّٰى لا تَتَمَيَّزَ ضَمِنَهَا(٦)فَإنْ طَلَبَهَا صَاحِبُهَا فَحَبَسَهَا عَنه وهو يَقْدِرُ عَلٰى تَسْلِيْمِهَا ضَمِنَهَا (٧)وَإنْ اختَلَطَتْ بِمَالِه مِنْ غَيْرِ فِعْلِه فهو شَرِيكٌ لِصَاحِبِهَا(٨)وَإنْ أنْفَقَ الْمُودَعُ بَعْضَهَا وهَلَكَ البَاقِي ضَمِنَ ذَالِكَ الْقَدْرَ(٩)فَإنْ أنْفَقَ المُودَعُ بَعضَهَا ثُمَّ رَدَّ مِثْلَه فَخَلَطَه بِالبَاقِي ضَمِنَ الْجَمِيعَ ۔

ترجمه:۔اور اگر مودَع نے مالِ ودیعت اپنے مال میں اس طرح خلط کر دیا کہ دونوں مالوں میں امتیاز نہ ہوسکتا ہو تو مودَع ضامن ہوگا اور اگر صاحب ودیعت نے مودَع سے اپنی ودیعت طلب کی مگر مودَع نے مالِ ودیعت روک لیا حالانکہ وہ سپردگی ودیعت پر قادر بھی تھا تو اگر ودیعت ہلاک ہوگئی تو مودَع اسکا ضامن ہوگا اور اگر مال ودیعت مودَع کے فعل کے بغیر مودَع کے مال میں مل جائے تو وہ مودَع مالک کے ساتھ شریک ہو جائیگا اور اگر مودَع نے کچھ ودیعت اپنے مقصد میں خرچ کرلی اور باقی تلف ہوگئی تو خرچ شدہ کے بقدر ضامن ہوگا اور اگر مودَع نے ودیعت کی کچھ مقدار خرچ کرلی پھر اپنے مال سے بقدر خرچ شدہ باقی ماندہ ودیعت میں ملادی تو مودَع کل کا ضامن ہوگا۔

تشریح:۔(۵)اگر مودَع نے مالِ ودیعت اپنے مال میں اس طرح خلط کر دیا کہ دونوں مالوں میں امتیاز نہ ہوسکا تو مودَع ضامن ہوگا۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مالِ ودیعت پر مودِع کو اب کوئی اختیار نہ ہوگا کیونکہ ودیعت من کل وجہ ہلاک ہوئی اب مودِع کیلئے اپنے عین حق کو وصول کرنا متعذر ہے۔صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک مودِع کو اختیار ہوگا چاہے تو ضمان لے لے اور چاہے تو مخلوط مال میں مودَع کے ساتھ شریک ہوجائے۔

(٦)اگر صاحب ودیعت نے بنفسہ یا بذریعہ وکیل مودَع سے اپنی ودیعت طلب کی مگر مودَع نے مالِ ودیعت روک لیا حالانکہ وہ ودیعت کے سپرد کرنے پر قادر بھی تھا تو اگر ودیعت ہلاک ہوگئی تو مودَع اسکا ضامن ہوگا کیونکہ اس نے تعدی کر کے روک دیا تو غاصب ٹھہرا۔

(۷)اگر مال ودیعت مودَع کے فعل کے بغیر مودَع کے مال میں مل جائے مثلاً دراہم سے بھری تھیلیاں پھٹ کر دراہم مل گئے تو عدم تعدی کی وجہ سے مودَع ضامن نہ ہوگا بلکہ دونوں بالاتفاق شریک ہوجائینگے۔

(۸)اگر مودَع نے کچھ ودیعت اپنے مقصد میں خرچ کرلی اور باقی تلف ہوگئی تو خرچ شدہ کے بقدر ضامن ہوگا تلف شدہ کا نہیں کیونکہ تلف شدہ میں مودَع متعدی نہیں۔

(۹)اگر مودَع نے ودیعت کی کچھ مقدار خرچ کرلی پھر اپنے مال سے بقدر خرچ شدہ باقی ماندہ ودیعت میں ملادی اب ہوا یہ کہ پوری ودیعت (باقی ماندہ اور مودَع کا ملایا ہوا) ہلاک ہوگئی تو مودَع کل کا ضامن ہوگا کیونکہ مودَع نے جب اپنا مال باقی ماندہ ودیعت کے ساتھ ملادیا (تو یہ ودیعت کو اپنے مال کے ساتھ ملانا ہوا) تو یہ استہلاک شمار ہوگا جس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

☆ ☆ ☆

(۱۰)وَاِذَا تَعَدّٰى الْمُودَعُ فِي الْوَدِيْعَةِ بِاَنْ كَانَتْ دَابَّةً فَرَكِبَهَا اَوْ ثَوْباً فَلَبِسَه اَوْ عَبْداً فَاسْتَخْدَمَه او اَوْدَعَهَا عِنْدَ غَيْرِه ثم اَزَالَ التَّعَدّٰى وَرَدَّهَا اِلٰى يَدِه زَالَ الضَّمَانُ (۱۱)فَاِنْ طَلَبَهَا صَاحِبُهَا فَجَحَدَه اِيَّاهَا ضَمِنَهَا (۱۲)فَاِنْ عَادَ اِلَى الْاِعْتِرَافِ لم يَبْرأْ مِنَ الضَّمَانِ۔

ترجمہ:۔اور اگر مودَع نے مال ودیعت پر کسی طرح کی تعدّی کی مثلاً ودیعت کوئی جانور تھا مودَع اس پر سوار ہوا یا کپڑا تھا مودَع نے پہن لیا یا غلام تھا مودَع نے اس سے خدمت لی یا مال ودیعت کو کسی غیر کے پاس ودیعت رکھ دی پھر مودَع نے اپنا یہ تعدی ختم کر دی ودیعت کی خود حفاظت شروع کر دی تو مودَع ضامن نہ ہوگا اور اگر مالک نے مودَع سے اپنی ودیعت طلب کی مگر مودَع نے انکار کر دیا تو مودَع ضامن ہوگا پھر اگر وہ ودیعت کا اقرار کر لیا تو مودَع ضمان سے بری نہ ہوگا۔

تشریح:۔(۱۰)اگر مودَع نے مال ودیعت پر کسی طرح کی تعدّی کی مثلاً ودیعت کوئی جانور تھا مودَع اس پر سوار ہوا یا کپڑا تھا مودَع نے پہن لیا یا غلام تھا مودَع نے اس سے خدمت لی یا مال ودیعت کو کسی غیر کے پاس ودیعت کے طور پر رکھ دیا پھر مودَع نے اپنا یہ تعدی ختم کر دی ودیعت کی خود حفاظت شروع کر دی تو اب اگر مال ودیعت ہلاک ہوگا تو مودَع ضامن نہ ہوگا کیونکہ سببِ ضمان یعنی تعدی نہ رہی تو ضمان بھی نہ رہیگا۔

(۱۱)اگر مالک نے مودَع سے اپنی ودیعت طلب کی مگر مودَع نے انکار کر کے کہا کہ میرے پاس آپ کی کوئی ودیعت نہیں تو اب اگر ودیعت ہلاک ہوگی تو مودَع ضامن ہوگا کیونکہ جب مالک نے ودیعت طلب کی تو اس نے مودَع کو ودیعت کی حفاظت سے معزول کر دیا لہذا اب بھی اگر مودَع ودیعت کو روکتا ہے تو غاصب شمار ہوگا پس بصورت ہلاکتِ ودیعت مودَع ضامن ہوگا۔

(۱۲)اگر مودَع نے پہلے ودیعت کا انکار کیا پھر اپنے انکار سے پھر گیا اور وجودِ ودیعت کا اقرار کر لیا تو اب اگر مودَع کے پاس ودیعت ہلاک ہوگئی تو مودَع ضمان سے بری نہ ہوگا کیونکہ جب مالک نے واپسی کا مطالبہ کیا تو اسکی طرف سے عقدِ ودیعت رفع ہوگیا اور جب مودَع نے انکار کیا تو یہ اسکی طرف سے بھی فسخ عقد ہے لہذا عقدِ ودیعت رفع ہوا اب بلا تجدید نہیں لوٹے گا لہذا عقدِ ودیعت ختم ہونے کی وجہ سے ضامن ہوگا۔

(۱۳)وَلِلْمُودَعِ اَنْ يُسَافِرَ بِالْوَدِيْعَةِ وَاِنْ كَانَ لها حَمْلٌ وَمُؤْنَةٌ (۱۴)وَاِذَا اَوْدَعَ رَجُلَانِ عِنْدَ رَجُلٍ وَدِيْعَةً لم حَضَرَ اَحَدُهُمَا طَلَبَ نَصِيْبَه مِنْهَا لم يَدْفَعْ اِلَيْهِ شَيْئاً عنداَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ حَتّٰى يَحْضُرَ الْآخَرُ وقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ رَحِمَه اللّٰهُ ومُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَدْفَعُ اِلَيْهِ نَصِيْبَه (۱۵)وَاِنْ اَوْدَعَ رَجُلٌ عِنْدَ رَجُلَيْنِ شَيْئاً مِمَّا يُقْسَمُ لم يَجُزْ اَنْ يَدْفَعَه اَحَدُهُمَا اِلَى الْآخَرِ ولٰكِنَّهُمَا يَقْتَسِمَانِه فَيَحْفَظُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نِصْفَه (۱۶)وَاِنْ كَانَ مِمَّا لَايُقْسَمُ جَازَ اَنْ يَحْفَظَ اَحَدُهُمَا بِاِذْنِ الْآخَرِ۔

ترجمہ:۔اور مودَع کیلئے یہ جائز ہے کہ مال ودیعت کو سفر میں لے جائے اگر چہ وہ وزنی ہو اور اس پر خرچہ آتا ہو اور اگر دو آدمیوں نے

کوئی چیز مودَع کے پاس ودیعت رکھی پھران دو میں سے ایک نے آ کر اپنا حصہ واپس کر دینے کا مطالبہ کیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مودَع کیلئے اسکا حصہ دینا جائز نہیں تاوقتیکہ دوسرا شخص حاضر نہ ہو اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا حصہ دیدیگا اور اگر ایک شخص نے دو آدمیوں کے پاس ایک قابل تقسیم چیز ودیعت رکھی تو ان میں سے کسی ایک کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ پوری چیز دوسرے کی حفاظت میں دیدے بلکہ وہ دونوں اس کو تقسیم کر کے ہر ایک اپنے نصف کی حفاظت کرے اور اگر یہ چیز نا قابل تقسیم ہو تو ان میں سے کوئی ایک دوسرے کی اجازت سے حفاظت کر سکتا ہے۔

تشـــریـــح :۔(۱۳) مودَع کیلئے یہ جائز ہے کہ مالِ ودیعت کو سفر میں لے جائے اگر چہ وہ وزنی ہو لیجانے میں سواری کا محتاج ہو اور لے جانے میں اس پر خرچہ آتا ہو کیونکہ مالک کی طرف سے حفظِ ودیعت کا امر مطلق ہے تو جیسے کسی زمانہ کے ساتھ مقید نہیں ایسا ہی کسی مکان کے ساتھ بھی مقید نہیں یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک اگر مال ودیعت وزنی ہو لیجانے میں سواری کا محتاج ہو اور اس پر خرچہ آتا ہو تو جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں ودیعت پر خرچہ آئیگا اور ظاہر یہی ہے کہ مالک اس پر راضی نہ ہوگا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول راجح ہے۔

(۱٤) اگر دو آدمیوں نے کوئی چیز مودَع کے پاس ودیعت رکھی پھران دو میں سے ایک نے آ کر اپنا حصہ واپس کر دینے کا مطالبہ کیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مودَع کیلئے اسکا حصہ دینا جائز نہیں تاوقتیکہ دوسرا شخص حاضر نہ ہو کیونکہ وہ تقسیم شدہ حصہ طلب کر رہا ہے حالانکہ اس کا حق مشاع میں ہے۔ اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک مودَع کیلئے اسکا حصہ دینا جائز ہے کیونکہ یہ اپنے ہی نصف حصہ کا طلبگار ہے جو اس نے مودَع کے سپرد کیا تھا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول راجح ہے۔

(۱۵) اگر ایک شخص نے دو آدمیوں کے پاس ایک قابل تقسیم چیز ودیعت رکھی تو ان میں سے کسی ایک کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ پوری چیز دوسرے کی حفاظت میں دیدے بلکہ وہ دونوں اس کو تقسیم کر کے ہر ایک اپنے نصف کی حفاظت کرے کیونکہ مالک اس پر راضی نہیں کہ دونوں میں سے ایک پوری ودیعت کی حفاظت کرلے۔(۱٦) اور اگر یہ چیز نا قابل تقسیم ہو تو ان میں سے کوئی ایک دوسرے کی اجازت سے حفاظت کر سکتا ہے کیونکہ مالک جانتا ہے کہ ہمہ وقت ان دونوں کا حفاظت ودیعت کیلئے مجتمع رہنا ممکن نہیں لہذا وہ اس پر راضی ہے کہ دونوں میں سے کوئی ایک کل ودیعت کی حفاظت کرلے۔

(۱۷) وَاِذَا قَالَ صَاحِبُ الْوَدِيْعَةِ لِلْمُوْدَعِ لَا تُسَلِّمْهَا اِلٰى زَوْجَتِكَ فَسَلَّمَهَا اِلَيْهَا لَم يَضْمَنْ (۱۸) وَاِنْ قَالَ لَهُ اِحْفَظْهَا فِى هٰذَا الْبَيْتِ فَحَفِظَهَا فِى بَيْتٍ آخَرَ مِنَ الدَّارِ لَم يَضْمَنْ (۱۹) وَاِنْ حَفِظَهَا فِى دَارٍ اُخْرىٰ ضَمِنَ۔

توجمه :۔ اور اگر مالک نے مودَع سے کہا کہ مالِ ودیعت اپنی بیوی کو سپرد مت کرنا مگر مودَع نے ودیعت بیوی کو سپرد کر دی تو مودَع ضامن نہ ہوگا اور اگر مالک نے مودَع سے کہا کہ ودیعت اس گھر کے فلاں کمرے میں رکھنا مگر مودَع نے اس گھر کے دوسرے کمرے میں رکھا تو مودَع ضامن نہ ہوگا اور اگر مودَع نے دوسرے گھر کے کمرے میں رکھا مودَع ضامن ہوگا۔

تشریح:۔(۱۷) اگر مالک نے مودَع سے کہا کہ مال ودیعت اپنی بیوی کو سپرد مت کرنا مگر مودَع نے ودیعت بیوی کو سپرد کردی تو اب اگر ودیعت ہلاک ہوگئی تو مودَع ضامن نہ ہوگا کیونکہ مودَع کیلئے اس سے چارہ نہیں اسلئے کہ وہ جب گھر سے نکلے گا تو گھر میں جو کچھ ہوگا وہ سب بیوی کے حوالہ ہیں تو مالک کی اس شرط کی رعایت ممکن نہیں۔

(۱۸) اگر مالک نے مودَع سے کہا کہ ودیعت تیرے گھر کے فلاں کمرے میں رکھنا مگر مودَع نے اس گھر کے دوسرے کمرے میں رکھا اور ودیعت ہلاک ہوگئی تو مودَع ضامن نہ ہوگا کیونکہ مالک کی یہ شرط غیر مفید ہے اسلئے کہ ایک گھر کے دو کمرے حفاظت میں متفاوت نہیں ہوتے۔(۱۹) اگر مالک نے ایک گھر کے کمرے کا کہا تھا اور مودَع نے دوسرے گھر کے کمرے میں رکھا تو بصورت ہلاکت مودَع ضامن ہوگا کیونکہ دو گھر حفاظت میں متفاوت ہوسکتے ہیں لہذا مالک کی یہ شرط مفید ہے۔

كتاب العارية

یہ کتاب عاریۃ کے بیان میں ہے۔

"عـاریـت" مشتق ہے "عـاریـة" بمعنی عطیہ سے، اور یا عار کی طرف منسوب ہے کیونکہ عاریۃ چیز مانگنا باعث عیب وعار ہے۔اور شریعت میں تملیک منافع بلاعوض سے عبارت ہے۔ کسی کی شی عاریۃ لینے والے کو "مستعیر" اور شی دینے والے کو "معیر" اور اس شی کو "معار ومستعار وعاریة" کہا جاتا ہے۔

"کتاب العاریة" کی "ودیعت" کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ دونوں امانت ہیں پھر ودیعت خالص امانت ہے کسی شی کی تملیک نہیں جبکہ عاریت میں امانت کے ساتھ ساتھ تملیک المنفعۃ بلاعوض بھی ہے تو ادنی سے اعلی کی طرف ترقی کے قصد سے پہلے ودیعت کو ذکر کیا اب عاریت کو ذکر فرماتے ہیں۔

عاریۃ کے لئے رکن معیر کی طرف سے ایجاب ہے باقی مستعیر کا قبول کرنا ائمہ ثلاثہ کے نزدیک شرط نہیں۔اور عاریۃ کا حکم مستعار کا امانت ہونا ہے پس اگر مستعیر کی طرف تعدی پائے جانے کی وجہ سے ہلاک ہوا تو مستعیر بالاجماع ضامن ہوگا اور اگر بلاتعدی ہلاک ہوا تو ضامن نہ ہوگا۔

(۱) اَلعَارِيَةُ جَائِزَةٌ (۲) وهي تَمْلِيكُ الْمَنَافِعِ بِغَيْرِ عِوَضٍ (۳) وَتَصِحّ بِقَوْلِه اَعَرْتُكَ وَاَطْعَمْتُكَ هٰذِهِ الْاَرْضَ وَمَنَحْتُكَ هٰذا الثَّوْبَ وحَمَلْتُكَ على هٰذِهِ الدَّابَّةِ اِذالم يَرِدْبِه الْهِبَةَ واَخْدَمْتُكَ هٰذاالعَبْدَ وَدَارِیْ لَكَ سُكْنٰی ودَارِیْ لَكَ عُمْرٰی سُكْنٰی۔

ترجمه:۔عاریت جائز ہے اور عاریت تملیک المنافع بلاعوض کو کہتے ہیں اور عاریت معیر کے ان الفاظ سے صحیح ہو جاتی ہے اعرتک (میں نے تجھے عاریۃ دی ہے) اور "اطعمتک هذه الارض" (میں نے تجھے کھانے کیلئے یہ زمین دی) اور "منحتک هذا الثوب" (میں نے تجھے عطیۃ یہ کپڑا دی ہے) اور "وحملتک علی هذه الدابة" (میں نے تجھے اس جانور پر سوار کیا) بشرطیکہ اس

سے ہبہ کا ارادہ نہ ہو"اخدمتک هذا العبد"(میں نے تجھے خدمت کیلئے یہ غلام دیا)اور"داری لک سکنیٰ"(میرا گھر تیرے رہنے کیلئے ہے)اور"دَارِیْ لَکَ عُمْرِیْ سُکْنیٰ"(میرا گھر تیرے عمر بھر رہنے کیلئے ہے)۔

تشریح:۔(۱)عاریت جائز ہے(یعنی مِلکِ منفعت کے لئے مفید ہے)کیونکہ عاریت ایک طرح کا احسان اور فعل خیر ہے۔(۲)عاریت شرعاً اپنی چیز کے منافع کا دوسرے کو بغیر عوض مالک کر دینے کو کہتے ہیں۔

(۳)عاریت مندرجہ ذیل الفاظ سے صحیح ہو جاتی ہے۔/**نمبر ۱**۔"اَعَرْتُکَ"(میں نے تجھے عاریۃً دی ہے)کیونکہ یہ لفظ عاریت کے معنی میں صریح ہے۔/**نمبر۲**۔"اَطْعَمْتُکَ هٰذِهِ الْاَرْضَ"(میں نے تجھے کھانے کیلئے یہ زمین دی)کیونکہ زمین تو کھائی نہیں جاتی لہذا مجازاً اس سے حاصلات زمین مراد ہیں۔

/**نمبر۳**۔"مَنَحْتُکَ هٰذَا الثَّوْبَ"(میں نے تجھے عطیۃً یہ کپڑا دی ہے)"وَحَمَلْتُکَ عَلٰی هٰذِهِ الدَّابَّةِ"(میں نے تجھے اس جانور پر سوار کیا)ان دو الفاظ سے عاریت اس وقت صحیح ہوتی ہے جب ان سے ہبہ کا ارادہ نہ کیا جائے کیونکہ یہ دو الفاظ تملیک عین و منفعت دونوں کا احتمال رکھتے ہیں جن میں سے منفعت ادنیٰ ہے لہذا بوقت عدم نیت انکو منفعت(عاریت)پر حمل کیا جائیگا۔

/**نمبر۴**۔"اَخْدَمْتُکَ هٰذَا الْعَبْدَ"(میں نے تجھے خدمت کیلئے یہ غلام دیا)کیونکہ یہ غلام سے خدمت لینے کی اجازت ہے/**نمبر۵**۔"دَارِیْ لَکَ سُکْنیٰ"(میرا گھر تیرے رہنے کیلئے ہے)کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس گھر کی سکونت تیرے لئے ہے/**نمبر۶**۔"دَارِیْ لَکَ عُمْرِیْ سُکْنیٰ"(میرا گھر تیرے عمر بھر رہنے کیلئے ہے)اس قول میں لکَ اگرچہ تملیک عین کیلئے ہے لیکن جب اس کی قید لفظ"سکنیٰ"لائی گئی جو کہ محکم ہے عاریت میں تو اسکی وجہ سے لفظ"لکَ"کو بھی تملیک منفعت پر حمل کرینگے۔

(۴)وَلِلْمُعِيْرِ اَنْ يَّرْجِعَ فِی الْعَارِيَةِ مَتٰی شَاءَ(۵)وَالْعَارِيَةُ اَمَانَةٌ فِیْ يَدِ الْمُسْتَعِيْرِ اِنْ هَلَکَ مِنْ غَيْرِ تَعَدٍّ لَمْ يَضْمَنِ الْمُسْتَعِيْرُ(۶)وَلَيْسَ لِلْمُسْتَعِيْرِ اَنْ يُّوْجِرَ مَا اسْتَعَارَهُ فَاِنْ آجَرَهُ فَهَلَکَ ضَمِنَ(۷)وَلَهُ اَنْ يُّعِيْرَهُ اِذَا کَانَ الْمُسْتَعَارُ مِمَّا لَا يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْمُسْتَعْمِلِ۔

ترجمہ:۔معیر جب بھی چاہے عاریت سے رجوع کر سکتا ہے اور عاریت مستعیر کے ہاتھ میں امانت ہے لہذا اگر مستعیر کی تعدی کے بغیر ہلاک ہو جائے تو مستعیر ضامن نہ ہوگا اور مستعیر کیلئے یہ جائز نہیں کہ مستعار کسی کو کرایہ پر دیدے اور اگر کرایہ پر دیدیا اور وہ ہلاک ہوا تو مستعار ضامن ہوگا اور مستعیر کیلئے یہ جائز ہے کہ مستعار کسی دوسرے کو عاریت پر دیدے بشرطیکہ مستعار ایسی چیز ہو جو مستعمل کے اختلاف سے متغیر نہ ہوتی ہو۔

تشریح:۔(۴)معیر جب بھی چاہے عاریت سے رجوع کر کے اپنی چیز مستعیر سے واپس لے سکتا ہے کیونکہ عاریت تملیک منافع ہے اور منافع حالاً بعد حالٍ پیدا ہوتے ہیں تو جو منافع ابھی تک وجود میں نہیں آئے ہیں ان کے ساتھ مستعیر کا قبضہ متصل نہیں ہوا ہے تو متبرع(معیر)کیلئے رجوع کرنا صحیح ہے۔(۵)عاریت مستعیر کے ہاتھ میں امانت ہے لہذا اگر مستعیر کی تعدی

کے بغیر ہلاک ہو جائے تو مستعیر ضامن نہ ہوگا۔

(٦) مستعیر کیلئے یہ جائز نہیں کہ مستعار کسی کو کرایہ پر دیدے کیونکہ اعارہ اجارہ سے کمتر ہے اس لئے کہ اجارہ عقد معاوضہ ہے اور شی اپنے مافوق کو متضمن نہیں ہوتی اور اگر کرایہ پر دیدیا اور وہ ہلاک ہوا تو مستعار ضامن ہوگا۔ (۷) ہاں مستعیر کیلئے یہ جائز ہے کہ مستعار کسی دوسرے کو عاریت پر دیدے بشرطیکہ مستعار ایسی چیز ہو جو مستعمل کے اختلاف سے متغیر نہ ہوتی ہو کیونکہ عقد عاریت تملیکِ منافع ہے تو مستعیرِ اول جس شی کا مالک ہوا ہے وہ بقدر ملک دوسرے کو بھی مالک بنا سکتا ہے۔

الالغاز:۔ أی مستعیر ملک المنع بعد الطلب؟

فقل:۔ اذا طلب السفينة في لجة البحر او السيف ليقتل به ظلما او الظئر بعد ماصار الصبی لاياخذ الاثديها ۔(الاشباه والنظائر)

(۸) وَعَارِيَةُ الدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيْرِ وَالْمَكِيْلِ وَالْمَوْزُوْنِ قَرْضٌ۔

ترجمہ:۔ اور دراہم، دنانیر، کیلی اور وزنی اشیاء عاریت پر دینا قرض شمار ہوگا۔

تشریح:۔ (۹) دراہم، دنانیر، کیلی اور وزنی (اور عددی متقارب اشیاء جیسے جوروانڈے) اشیاء عاریت پر دینا قرض شمار ہوگا کیونکہ عاریت تو تملیک منافع ہے اور ان اشیاء سے انتفاع ممکن نہیں الا یہ کہ ان کے اعیان کو تلف کر دے تو یہ بالضرورہ تملیکِ عین کو مقتضی ہے اور تملیک عین ہبہ یا قرض سے ممکن ہے پھر ان دو میں قرض ادنیٰ ہے لہذا قرض ہی ثابت ہوگا۔

(۱۰) وَإِذَا اسْتَعَارَ اَرْضاً لِيَبْنِيَ فِيها اَوْيَغْرِسَ جازَ (۱۱) ولِلْمُعِيْرِ اَنْ يَرْجِعَ عنها ويُكَلِّفَه قَلْعَ الْبِناءِ والْغَرْسِ (۱۲) فَاِنْ لم يَكُنْ وَقَّتَ الْعَارِيَةَ فلاضَمَانَ عليه (۱۳) وإنْ كانَ وَقَّتَ الْعارِيَةَ ورَجَعَ قَبْلَ الْوَقْتِ ضَمِنَ الْمُعِيْرُ لِلْمُسْتَعِيْرِ مانَقَصَ منَ الْبِناءِ وَالْغَرْسِ بالْقَلْعِ۔

ترجمہ:۔ اگر کسی نے زمین عاریت پر لی تاکہ اس میں عمارت بنائے یا درخت لگائے تو یہ جائز ہے اور معیر کیلئے اس عاریت سے رجوع کرنا جائز ہے اور مستعیر کو عمارت توڑنے اور درخت اکھاڑنے پر مجبور کیا جائیگا پھر اگر عاریت کی کوئی میعاد مقرر نہ کی ہو تو معیر پر کوئی ضمان نہیں اور اگر عاریت کی کوئی میعاد مقرر کی ہو اور معیر نے اس میعاد کے پورا ہونے سے پہلے زمین واپس لی تو معیر مستعیر کے لئے اس نقصان کا ضامن ہوگا جو عمارت کے توڑنے اور درخت اکھیڑنے سے ہوا ہے۔

تشریح:۔ (۱۰) اگر کسی نے زمین عاریت پر لی تاکہ اس میں عمارت بنائے یا درخت لگائے تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ بھی سکنیٰ کی طرح ایک قسم کی منفعت ہے اور یہ منفعت اجارہ کے ذریعہ مملوک ہوتی ہے تو اعارہ کے ذریعہ بھی مملوک ہوگی۔

(۱۱) معیر کیلئے عاریت سے رجوع کر کے اپنی زمین واپس لینا جائز ہے کیونکہ یہ پہلے گذر چکا ہے کہ یہ عقد غیر لازم ہے۔ اور معیر جب اپنی زمین واپس لینا چاہے تو مستعیر کو عمارت توڑنے اور درخت اکھاڑنے پر مجبور کیا جائیگا کیونکہ اس نے معیر کی زمین کو مشغول

کر رکھا ہے لہذا اسے فارغ کرنے پر مجبور کیا جائیگا۔

(۱۲) پھر درخت اکھڑ وانے سے تو مستعیر کا نقصان ضرور ہوگا تو اگر عاریت دیتے وقت عاریت کی کوئی میعاد مقرر کی گئی ہو اور معیر نے اس میعاد کے پورا ہونے سے پہلے زمین واپس لی تو اکھڑ وانے سے مستعیر کا جو نقصان ہوگا معیر اسکا ضامن ہے کیونکہ معیر نے مستعیر کو دھوکہ دیا ہے۔(۱۳) اور اگر عاریت دیتے وقت کوئی میعاد مقرر نہیں کی گئی تھی تو معیر ضامن نہ ہوگا کیونکہ مستعیر خود دھوکہ ہوا ہے معیر نے دھوکہ نہیں دیا ہے۔

(۱۴) وَاُجْرَةُ رَدِّ الْعَارِيَةِ على الْمُسْتَعِيْرِ (۱۵) وَاُجْرَةُ رَدِّ الْعَيْنِ الْمُسْتَاجَرَةِ على الْمُوْجِرِ (۱٦) واُجْرَةُ رَدِّ الْعَيْنِ الْمَغْصُوْبَةِ على الْغَاصِبِ (۱۷) واُجْرَةُ رَدِّ الْعَيْنِ الْمُوْدَعَةِ على الْمُوْدَعِ۔

ترجمہ:۔ مستعار کی واپسی پر جو خرچہ آئیگا وہ بذمہ مستعیر ہے اور اجارہ پر لی ہوئی چیز کی واپسی پر جو خرچہ آئیگا وہ بذمہ موجر ہے اور مغصوبہ چیز کی واپسی پر جو خرچہ آئیگا وہ بذمہ غاصب ہے اور ودیعت رکھی ہوئی چیز کی واپسی پر جو خرچہ آئیگا وہ مستودِع (ودیعت رکھنے والے) پر واجب ہے۔

تشریح:۔(۱۴) مستعار کی واپسی پر جو خرچہ آئیگا وہ بذمہ مستعیر ہے کیونکہ مستعار کی واپسی مستعیر پر واجب ہے۔ (۱۵) اجارہ پر لی ہوئی چیز کی واپسی پر جو خرچہ آئیگا وہ بذمہ موجر ہے کیونکہ مستاجر کے ذمہ اُجرت پر لی ہوئی چیز کو واپس کرنا واجب نہیں بلکہ صرف تخلیہ اور موجر کو قدرت دینا واجب ہے۔

(۱٦) مغصوبہ چیز کی واپسی پر جو خرچہ آئیگا وہ بذمہ غاصب ہے کیونکہ مغصوبہ چیز کی واپسی غاصب پر واجب ہے تو اُجرت بھی مالک سے دفع ضرر کے لئے غاصب پر واجب ہوگی۔(۱۷) اور ودیعت رکھی ہوئی چیز کی واپسی پر جو خرچہ آئیگا وہ مستودِع (ودیعت رکھنے والے) پر واجب ہے کیونکہ ودیعت کی حفاظت کا فائدہ مستودِع کی طرف لوٹتی ہے۔

(۱۸) وَاِذَا اسْتَعَارَ دَابَّةً فَرَدَّهَا اِلیٰ اِصْطَبْلِ مَالِكِهَا فَهَلَكَتْ لَمْ يَضْمَنْ (۱۹) وَاِنِ اسْتَعَارَ عَيْناً وَرَدَّهَا اِلیٰ دَارِ الْمَالِكِ ولم يُسَلِّمْهَا اِلَيْهِ لم يَضْمَنْ (۲۰) واِنْ رَدَّ الْوَدِيْعَةَ اِلى دَارِ الْمَالِكِ ولم يُسَلِّمْهَا اِلَيْه ضَمِنَ واللهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

ترجمہ:۔ اور اگر مستعیر نے کوئی حیوان عاریۃً لے لی پھر اسکو مالک کے اصطبل تک پہنچا دیا پس وہ ہلاک ہو گیا تو مستعیر ضامن نہ ہوگا اور اگر مستعیر نے کوئی چیز عاریت لی پھر اسکو مالک کے گھر تک پہنچا دی خود مالک کو نہیں دی تو مستعیر ضامن نہ ہوگا اور اگر ودیعت کو مالک کے گھر تک پہنچا دیا خود مالک کو نہیں دی تو مودَع ضامن ہوگا۔

تشریح:۔(۱۸) اگر مستعیر نے کوئی حیوان عاریۃً لے لی پھر اسکو مالک کے اصطبل تک پہنچا دیا اسکے بعد وہ ہلاک ہو گیا تو مستعیر استحساناً ضامن نہ ہوگا کیونکہ عام عادت یہ ہے کہ عاریت کے جانوروں کو مالک کے اصطبل تک پہنچا دیتے ہیں تو مستعیر نے بھی مستعار کو متعارف

طریقہ پر مالک کے پاس پہنچادیا لہذا ضامن نہ ہوگا۔

(۱۹) اگر مستعیر نے کوئی چیز عاریت لی پھر اسکو مالک کے گھر تک پہنچا دی خود مالک کو نہیں دی تو بصورت ہلاکت مستعیر ضامن نہ ہوگا۔ بعض نسخوں میں ہے کہ ضامن ہوگا وجہ اختلاف نسخ یہ ہے کہ اگر عام گھریلو آلات ہوں تو ضامن نہ ہوگا اور اگر کوئی نفیس چیز ہو تو ضامن ہوگا۔ (۲۰) اگر مودَع نے ودیعت کو مالک کے گھر تک پہنچادیا خود مالک کو نہیں دی تو اگر ودیعت ہلاک ہوگئی تو مودَع ضامن ہوگا کیونکہ ودیعت مالک کے گھر تک پہنچانے یا مالک کے عیال میں سے کسی ایک کو دینے سے مالک راضی نہیں ورنہ تو مودَع کے پاس ودیعت نہ رکھتا۔

كتَابُ اللَّقِيطِ

یہ کتاب لقیط کے بیان میں ہے۔

"لقیط" لغۃً وہ ہے جو زمین سے اُٹھایا جاتا ہے، بروزن فعیل بمعنی مفعول ہے۔ پھر پھینکے ہوئے بچے میں اس کا استعمال ہونے لگا ہے۔ اصطلاح شرع میں لقیط وہ بچہ ہے جسے اپنے اہل نے فقر ومحتاجی کے خوف سے یا تہمت زنا سے بچنے کیلئے پھینک دیا ہو۔

"کتاب العاریۃ" کے ساتھ "کتاب اللقیط" کی مناسبت یہ ہے کہ دونوں (مستعار اور لقیط) میں حفاظت لازمی ہے۔

(۱) اَللَّقِيطُ حُرٌّ (۲) وَنَفَقَتُهُ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ (۳) وَاِنْ اِلْتَقَطَهُ رَجُلٌ لم يَكُنْ لِغَيْرِهِ اَنْ يَاْخُذَهُ مِنْ يَدِهِ (۴) فَاِنْ اِدَّعىٰ مُدَّعٍ اَنَّهُ اِبْنُهُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ مَعَ يَمِينِهِ (۵) وَاِنْ اِدَّعَاهُ اِثْنَانِ وَوَصَفَ اَحَدُهُمَا عَلَامَةً فِي جَسَدِهِ فَهُوَ اَوْلىٰ بِهِ۔

ترجمہ:۔ لقیط حر شمار ہوگا اور لقیط کا خرچہ بیت المال پر ہے اور اگر کسی نے لقیط اٹھالیا تو کسی دوسرے شخص کو اس سے لینے کا حق نہیں اور اگر کسی مدعی نے دعویٰ کیا کہ لقیط میرا بیٹا ہے تو اسکا قول مع الیمین قبول ہوگا اور اگر دو آدمیوں میں سے ہر ایک نے لقیط کے بارے میں دعویٰ کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے اور ان دونوں میں سے ایک نے لقیط کے بدن میں کوئی علامت بیان کی تو علامت بیان کرنے والا حقدار ہے۔

تشریح:۔ (۱) لقیط تمام احکام میں حر شمار ہوگا کیونکہ اصل بنی آدم میں حریت ہے۔ نیز دار الاسلام میں ہونے کی وجہ سے آزاد ہے کیونکہ دار الاسلام آزاد لوگوں کا ملک ہے۔ (۲) لقیط کا خرچہ بیت المال پر ہے کیونکہ لقیط مسلمان ہے اور کمانے سے عاجز ہے نہ اس کیلئے مال ہے اور نہ قرابت، ایسوں کا نفقہ بیت المال پر ہوتا ہے۔

(۳) جس نے لقیط کو پہلے اٹھالیا تو لقیط کی حفاظت کا حق اسی کو ہوگا اب یہ کوئی دوسرا شخص اس سے نہیں لے سکتا ہے کیونکہ اسی نے اٹھانے میں سبقت کیا ہے۔ (۴) اگر کسی مدعی نے دعویٰ کیا کہ لقیط میرا بیٹا ہے تو اسکا قول قبول ہوگا (بشرطیکہ ملتقط لقیط کے نسب کا دعویٰ نہ کرے) کیونکہ یہ ایسا اقرار ہے جس میں بچے کا فائدہ ہے اسلئے کہ ثبوت نسب سے بچے کی شرافت بڑھتی ہے۔

(۵) اگر دو آدمیوں میں سے ہر ایک نے لقیط کے بارے میں دعویٰ کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے پھر ان دونوں میں سے ایک نے لقیط کے بدن میں کوئی علامت بیان کی تو اسکا حقدار علامت بیان کرنے والا ہے کیونکہ ظاہر اس کیلئے شاہد ہے اسلئے کہ علامت اسکے کلام کے

موافق ہے۔اوراگرکسی نے علامت بیان نہ کی تو وہ دونوں کا بیٹا شمار ہوگا کیونکہ سبب میں دونوں برابر ہیں۔

(٦)وَاِذَا وُجِدَ فِي مِصْرٍ مِنْ اَمْصَارِ الْمُسْلِمِينَ اَوْ فِي قَرْيَةٍ مِنْ قُرَاهُمْ فَادَّعٰى ذِمِّيٌّ اَنَّهُ اِبْنُهُ ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُ وَكَانَ مُسْلِماً (٧)وَاِنْ وُجِدَ فِي قَرْيَةٍ مِنْ قُرَى اَهْلِ الذِّمَّةِ او فِي بِيعَةٍ او كَنِيسَةٍ كَانَ ذِمِّيّاً۔

ترجمہ:۔اوراگرمسلمانوں کے کسی شہر یابستی میں لقیط پایا گیا پھر ذمی نے دعویٰ کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے تو لقیط کا نسب اس ذمی سے ثابت ہوگا اور مسلمان شمار ہوگا اوراگر ذمیوں کی کسی بستی میں یا یہودیوں یانصاریٰ کی عبادتگاہ میں ذمی نے لقیط پایا تو یہ لقیط ذمی شمار ہوگا۔

تشریح:۔(٦)اگرمسلمانوں کے کسی شہر یابستی میں لقیط پایا گیا پھر ذمی کافر نے دعویٰ کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے تو لقیط کا نسب اس ذمی سے ثابت ہوگا اور اتباع دار میں استحساناً مسلمان شمار ہوگا کیونکہ ذمی کا دعویٰ دو باتوں پر مشتمل ہے۔/**نمبر ۱**۔لقیط کیلئے ثبوتِ نسب ۔/**نمبر ۲**۔لقیط کا مسلمان نہ ہونا۔پہلی بات میں بچے کا فائدہ ہے لہذا اس بارے میں ذمی کا دعویٰ صحیح ہوگا اور ثانی میں بچے کا نقصان ہے لہذا اس بارے میں ذمی کا دعویٰ صحیح نہ ہوگا۔

(٧) اگر ذمیوں کی کسی بستی میں یا یہودیوں یانصاریٰ کی عبادتگاہ میں ذمی نے لقیط پایا تو یہ لقیط ذمی شمار ہوگا اس مسئلہ کی چار صورتیں ہیں۔/**نمبر ۱**۔مسلمان نے مسلمانوں کے مکانات میں لقیط پایا ہو تو مسلمان شمار ہوگا۔/**نمبر ۲**۔کافر نے کافروں کے مکانات میں پایا ہو تو کافر شمار ہوگا۔/**نمبر ۳**۔کافر نے مسلمانوں کے مکانات میں پایا ہو۔/**نمبر ٤**۔مسلمان نے کافروں کے مکانات میں پایا ہو آخری دوصورتوں میں ایک روایت یہ ہے کہ مکان کا اعتبار ہوگا دوسری روایت یہ ہے کہ پانے والے کا اعتبار ہوگا۔

(٨)وَمَنْ اِدَّعٰى اَنَّ اللَّقِيطَ عَبْدُهُ او اَمَتُهُ لم يُقْبَلْ منه و كَانَ حُرًّا (٩)وَاِنِ ادَّعٰى عَبْدٌ اَنَّهُ اِبْنُهُ ثَبَتَ نَسَبُهُ منه و كَانَ حُرًّا(١٠)وَاِنْ وُجِدَ مع اللَّقِيطِ مالٌ مَشْدُودٌ عَلَيه فهوَ لَه۔

ترجمہ:۔اوراگرکسی نے دعویٰ کیا کہ لقیط میرا غلام یا میری لونڈی ہے تو مدعی کا یہ دعویٰ قبول نہیں کیا جائیگا اور لقیط حر ہوگا اوراگر غلام نے دعویٰ کیا کہ لقیط میرا بیٹا ہے تو لقیط کا نسب ثابت ہو جائیگا اور لقیط آزاد ہوگا اوراگر لقیط کے ساتھ لقیط پر باندھا ہوا مال پایا گیا تو وہ مال لقیط کا ہوگا۔

تشریح:۔(٨)اگرکسی نے دعویٰ کیا کہ لقیط میرا غلام ہے تو مدعی کا یہ دعویٰ قبول نہیں کیا جائیگا کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ لقیط آزاد ہے اسلئے کہ اصل بنی آدم میں حریت ہے الا یہ کہ مدعی اس بات پر گواہ قائم کردے کہ لقیط اسکا غلام ہے۔

(٩) اگر غلام نے دعویٰ کیا کہ لقیط میرا بیٹا ہے تو لقیط کا نسب غلام سے ثابت ہو جائیگا کیونکہ ثبوت نسب میں لقیط کا فائدہ ہے مگر لقیط آزاد ہوگا کیونکہ کبھی حرہ عورت غلام کیلئے بچہ جنم دیتی ہے تو بچہ آزاد ہوگا اور کبھی لونڈی غلام کیلئے بچہ جنم دیتی ہے تو بچہ غلام ہوگا تو لقیط کی غلامی وآزادی میں شک ہے مگر بنی آدم میں ظاہر حریت ہے لہذا اسکی حریت شک کی وجہ سے باطل نہ ہوگی۔

(١٠) اگر لقیط کے ساتھ لقیط پر باندھا ہوا مال پایا گیا تو وہ مال لقیط کا ہوگا ظاہر کا اعتبار کرتے ہوئے۔اسی طرح اگر مال ایسے جانور پر باندھا ہوا ہو جس پر لقیط پایا گیا تو وہ مال بھی لقیط کا ہوگا لما ذکرنا۔

(۱۱) وَلَایَجُوزُ تَزوِیجُ المُلتَقِطِ وَلَا تَصَرُّفُه فِی مَالِ اللَّقِیطِ (۱۲) وَیَجُوزُ اَنْ یَقبِضَ لَه الهِبَةَ۔

توجمه:۔ ملتقِط کیلئے جائز نہیں کہ لقیط کا نکاح کرائے اسی طرح ملتقِط کیلئے لقیط کے مال میں تصرف کرنا بھی جائز نہیں اور ملتقِط کیلئے جائز ہے کہ لقیط کے لئے ہبہ پر قبضہ کرلے۔

تشریح:۔ (۱۱) ملتقِط (لقیط پانے والے) کیلئے جائز نہیں کہ لقیط کا نکاح کرائے کیونکہ نکاح کرانے کیلئے ولایت (ملک یا قرابت یا سلطنت کا ہونا) ضروری ہے جبکہ ملتقِط میں صفت ولایت معدوم ہے۔ اسی طرح ملتقِط کیلئے لقیط کے مال میں تصرف کرنا بھی جائز نہیں جس طرح کہ ماں اپنے بچے کے مال میں تصرف نہیں کرسکتی کیونکہ تصرف فی المال سے غرض اضافۂ مال ہے اور یہ رائے کامل اور شفقت وافرہ سے متحقق ہوسکتا ہے جبکہ ماں میں رائے کامل اور ملتقِط میں شفقت وافر نہیں۔ (۱۲) اگر کسی نے لقیط کو کوئی چیز ہبہ کی تو ملتقِط کیلئے اس پر قبضہ کرنا جائز ہے کیونکہ اس میں بچے کا محض نفع ہے۔

(۱۳) وَیُسَلِّمَه فِی صَنَاعَةٍ وَیُؤَاجِرُه۔

توجمه:۔ اور چاہئے کہ لقیط کو کسی صنعت (ہنر) سیکھنے میں لگائے اور مزدوری پر لگائے۔

تشریح:۔ (۱۳) یعنی چاہئے کہ ملتقِط لقیط کو کسی صنعت (ہنر) سیکھنے میں لگائے کیونکہ یہ لقیط کی تادیب وحفظ مال کے باب سے ہے۔ اسی طرح ملتقِط کیلئے یہ جائز ہے کہ لقیط کو مزدوری پر لگائے کیونکہ اسمیں لقیط کا نفع ہے۔

مگر جامع صغیر کی روایت یہ ہے کہ ملتقِط کیلئے لقیط کو مزدوری پر لگانا جائز نہیں یہی قول اصح ہے کیونکہ مزدوری میں لقیط کے منافع تلف ہوتے ہیں اور ملتقِط کیلئے لقیط کے منافع کا تلف کرنا جائز نہیں۔

كتاب اللُّقطة

یہ کتاب لقطہ کے بیان میں ہے۔

"لقطہ" لغت میں وہ چیز ہے جو تمہیں راستہ میں پڑی ہوئی ملے اور تو اسے اٹھائے۔ اور شرعاً وہ محترم غیر محفوظ حق ہے جس کے پانے والے کو اسکا مستحق معلوم نہ ہو۔

ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ "لقیط" اور "لقطہ" لفظاً ومعنیً متقارب ہیں پھر "لقیط" بنی آدم اور "لقطہ" غیر بنی آدم کے ساتھ خاص ہے۔ پھر برائے اظہار شرافت بنی آدم بیانِ "لقیط" کو "لقطہ" سے مقدم کیا ہے۔

(۱) اَللُّقَطَةُ اَمَانَةٌ فِی یَدِ المُلتَقِطِ اِذَا اَشهَدَ المُلتَقِطُ اَنَّه یَاخُذُهَا لِیَحفَظَهَا وَیَرُدَّهَا عَلٰی صَاحِبِهَا (۲) فَاِنْ کَانَتْ اَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ عَرَّفَهَا اَیَّامًا (۳) وَاِنْ کَانَتْ عَشَرَةً فَصَاعِدًا عَرَّفَهَا حَوْلًا کَامِلًا (۴) فَاِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَاِلَّا تَصَدَّقَ بِهَا (۵) فَاِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَهُوَ قَدْ تَصَدَّقَ بِهَا فَهُوَ بِالخِیَارِ اِنْ شَاءَ اَمْضَی الصَّدَقَةَ وَاِنْ شَاءَ ضَمَّنَ المُلتَقِطَ۔

توجمه:۔ لقطہ ملتقط کے ہاتھ میں امانت ہے جب ملتقط اس بات پر گواہ بنائے کہ میں اس کو حفاظت کی غرض سے لیتا ہوں اور مالک

کے پاس پہنچانے کے لئے پس اگر وہ چیز دس درہم سے کم کی ہوتو اس کی چند دن تک تشہیر کرے اور اگر دس درہم یا اس سے زائد کی ہوتو سال بھر اس کی تشہیر کرے پس اگر اس کا مالک آ گیا تو بہتر ہے ورنہ اس کو صدقہ کردے پھر اگر اس کا مالک آیا اس حال میں کہ وہ اس کو صدقہ کر چکا تھا تو مالک کو اختیار ہے اگر چاہے تو صدقہ کو برقرار رکھے اور اگر چاہے تو ملتقِط سے ضمان لے لے۔

تشریح:۔(۱) لقطہ ملتقط کے پاس امانت ہے بشرطیکہ ملتقِط نے بغرض حفاظت اٹھانے اور مالک کو واپس کرنے پر گواہ قائم کئے ہوں کیونکہ لقطہ کا اٹھانا افضل یا واجب ہے تو بصورت ہلاکت ملتقط ضامن نہ ہوگا۔(۲) اگر کسی کو کوئی ایسی لقطہ ملے جسکی مالیت دس درہم سے کم ہوتو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چند دن اسکی تشہیر کرے یہاں تک کہ ملتقط کو ظنِ غالب ہو جائے کہ صاحب لقطہ اب اسکو تلاش نہیں کرتا۔(۳) اور اگر لقطہ ایسی چیز ہو جسکی مالیت دس درہم یا اس سے زیادہ ہوتو ملتقط ایک سال تک اسکی تشہیر کرے۔ مگر صحیح قول یہ ہے کہ تشہیر کی کوئی معین مدت نہیں بلکہ اتنی تشہیر کرے کہ ملتقِط کو ظنِ غالب ہو جائے کہ اب مالک اسکو طلب نہیں کرتا۔

(٤) اگر بعد از تشہیر لقطہ کا مالک آ گیا اور لقطہ کی ملکیت پر گواہ قائم کردئے تو ملتقط لقطہ اسے حوالہ کردے تا کہ حقدار کو اپنا حق پہنچ جائے۔اور اگر مالک نہیں آیا تو ملتقط لقطہ کو فقراء پر صدقہ کردے تا کہ مالک کو لقطہ کا عوض یعنی ثواب پہنچ جائے اور اگر چاہے تو اس امید پر کہ مالک آجائیگا اپنے پاس رکھ لے۔(۵) اگر صدقہ کرنے کے بعد مالک آجائے تو مالک کو اختیار ہے چاہے تو صدقہ کو برقرار رکھ کر ثواب حاصل کرلے اور چاہے تو ملتقط سے ضمان وصول کرلے کیونکہ ملتقط نے صاحب لقطہ کی اجازت کے بغیر اسکا مال غیر کو دیدیا ہے۔

(٦) وَيَجُوْزُ الِالْتِقَاطُ فِي الشَّاةِ وَالْبَقَرِ وَالْبَعِيْرِ (٧) فَإِنْ أَنْفَقَ الْمُلْتَقِطُ عَلَيْهَا بِغَيْرِ إِذْنِ الحاكِمِ فهو مُتَبَرِّعٌ (٨) وَإِنْ أَنْفَقَ بِإِذْنِه كانَ ذَالِكَ دَيْنًا على صَاحِبِهَا۔

ترجمہ:۔بکری، گائے اور اونٹ میں التقاط جائز ہے پس اگر ملتقِط نے حاکم سے اجازت لئے بغیر لقطہ پر خرچ کیا تو یہ ملتقط کی طرف سے احسان ہوگا اور اگر ملتقط نے حاکم کی اجازت سے لقطہ پر خرچ کیا تو یہ صاحب لقطہ کے ذمہ قرض ہوگا۔

تشریح:۔(٦) اگر کسی کو بکری، گائے یا اونٹ بطور لقطہ مل جائے تو اگر انکے تلف ہونے کا خطرہ ہو مثلاً شہر میں چور یا جنگل میں درندے ہوں تو ملتقط کیلئے ان چوپایوں کو بغرض حفاظت پکڑنا جائز ہے۔(۷) پھر اگر ملتقِط نے حاکم سے اجازت لئے بغیر لقطہ پر خرچ کیا تو یہ ملتقط کی طرف سے احسان ہوگا مالک سے اسکا مطالبہ نہیں کرسکتا کیونکہ صاحب لقطہ کے مال پر ملتقط کی ولایت قاصر ہے۔(۸) اور اگر ملتقط نے حاکم کی اجازت سے لقطہ پر خرچ کیا تو یہ صاحب لقطہ کے ذمہ قرض ہوگا کیونکہ غائب (صاحب لقطہ) کے مال پر غائب کے مفاد کیلئے قاضی کو ولایت حاصل ہے۔

☆ ☆ ☆

(۹)وَاِذَا رَفَعَ ذَالِکَ اِلَی الْحَاکِمِ نَظَرَ فِیهِ فَاِنْ کَانَ لِلْبَهِیْمَةِ مَنْفَعَةٌ آجَرَهَا وَاَنْفَقَ عَلَیْهَا مِنْ اُجْرَتِهَا (۱۰)وَاِنْ لَمْ یَکُنْ لَهَا مَنْفَعَةٌ وَخَافَ اَنْ تَسْتَغْرِقَ النَّفَقَةُ قِیْمَتَهَا بَاعَهَا الْحَاکِمُ وَاَمَرَ بِحِفْظِ ثَمَنِهَا (۱۱)وَاِنْ کَانَ الْاَصْلَحُ الْاِنْفَاقَ عَلَیْهَا اَذِنَ فِی ذَالِکَ وَجَعَلَ النَّفَقَةَ دَیْنًا علی مالِکِهَا (۱۲)فَاِذَا حَضَرَ مالِکُهَا فَلِلْمُلْتَقِطِ اَنْ یَمْنَعَه مِنْهَا حَتّٰی یَاْخُذَ النَّفَقَةَ۔

ترجمہ:۔اور اگر حاکم کے سامنے یہ جانور لا جائے تو حاکم اس میں غور کرے پس اگر جانور کے منافع ہیں تو قاضی اسے کرایہ پر دیدے اور اس کرایہ سے حاصل شدہ رقم کو لقطہ پر خرچ کر دے اور اگر اس جانور کے منافع نہیں تو اگر یہ اندیشہ ہو کہ اس پر خرچہ کرنا جانور کی اصل قیمت لے ڈوبے گا تو قاضی اسکو فروخت کر دے اور ملتقط کو اسکی قیمت محفوظ رکھنے کا حکم صادر کر دے اور اگر لقطہ پر خرچ کرنے میں فائدہ ہو تو قاضی ملتقط کو خرچ کرنے کا حکم جاری کر دے اور ملتقط کی طرف سے خرچ شدہ رقم صاحب لقطہ پر قرض کر دے اور جب اس کا مالک آجائے تو ملتقط کیلئے جائز ہے کہ مالک سے لقطہ روک دے تاوقتیکہ ملتقط اس سے خرچ وصول کر لے۔

تشریح:۔(۹) اگر کسی نے بھٹکے ہوئے جانور کو بطور لقطہ پا کر قاضی کے سامنے پیش کیا تا کہ قاضی اسکے لقطہ ہونے کے بارے میں فرمان جاری کر دے تو قاضی کو چاہئے کہ وہ جانور کو دیکھے پس اگر جانور کے منافع ہیں تو قاضی اسے کرایہ پر دیدے اور اس کرایہ سے حاصل شدہ رقم کو لقطہ پر خرچ کر دے کیونکہ اس میں مالک کا مال اسکی ملکیت پر بغیر لزوم قرضہ کے باقی رہ جاتا ہے۔

(۱۰) اور اگر اس جانور کے منافع نہیں تو اگر یہ اندیشہ ہو کہ اس پر خرچہ کرنا جانور کی اصل قیمت لے ڈوبے گا تو قاضی اسکو فروخت کر دے اور ملتقط کو اسکی قیمت محفوظ رکھنے کا حکم صادر کر دے تا کہ لقطہ معنوی طور پر باقی رہے۔

(۱۱) اگر لقطہ پر خرچ کرنے میں فائدہ ہو تو قاضی ملتقط کو خرچ کرنے کا حکم جاری کر دے اور ملتقط کی طرف سے خرچ شدہ رقم صاحب لقطہ پر قرض ہوگا کیونکہ اس میں جانبین (ملتقط و مالک) کی رعایت ہے۔(۱۲) اگر ملتقط نے لقطہ پر بامر قاضی خرچہ کیا اب مالک لقطہ حاضر ہوا اور لقطہ طلب کیا تو ملتقط کیلئے جائز ہے کہ مالک سے لقطہ روک دے تاوقتیکہ وہ ملتقط کا وہ خرچہ ادا نہ کر دے جو اس نے لقطہ پر خرچ کیا ہے کیونکہ لقطہ ملتقط کے نفقہ ہی سے زندہ رہا ہے تو گویا کہ ملتقط نے مالک کی جانب سے لقطہ پر ملک حاصل کر لی ہے پس یہ مبیع کے مشابہ ہے۔

(۱۳)وَلُقْطَةُ الْحِلِّ وَالْحَرَمِ سَوَاءٌ۔

ترجمہ:۔اور حل اور حرم کی لقطہ حکم میں برابر ہے۔

تشریح:۔(۱۳) حل (غیر حرم) اور حرم شریف کی لقطہ حکم میں برابر ہے (حکم لقطہ یہ ہے کہ دس درہم سے کم مالیت کی چیز کی تشہیر چند دن کرے اور زیادہ کی تشہیر ایک سال تک کرے)۔دراصل اس قول میں امام قدوری رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ کے قول سے احتراز کیا ہے جو فرماتے ہیں کہ حرم کی لقطہ کی تشہیر ہمیشہ کرتا رہے یہاں تک کہ اسکا مالک آجائے۔

☆ ☆ ☆

(۱۴)وَاِذَا حَضَرَ رَجُلٌ فَادَّعیٰ اَنَّ اللُّقَطَةَ لَه لَمْ تُدْفَعْ اِلَيْهِ حتّٰی يُقِيْمَ الْبَيِّنَةَ (۱۵)فَاِنْ اَعْطٰی عَلامَتَهَا حَلَّ لِلْمُلْتَقِطِ اَنْ يَدْفَعَهَا اِلَيْهِ ولايُجْبَرُ علی ذَالِکَ فِی الْقَضَاءِ۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی شخص نے ملتقط کے پاس حاضر ہو کر دعویٰ کیا کہ لقطہ میری ہے تو جب تک کہ وہ گواہ قائم نہ کرے ملتقط لقطہ اس کے حوالہ نہ کرے،اور اگر اس مدعی نے لقطہ کی کوئی علامت بیان کی تو ملتقط کیلئے جائز ہے کہ لقطہ اسکے حوالہ کردے لیکن اس پر قضاءً جبر نہیں کیا جائیگا۔

تشریح:۔(۱۴)اگر کسی شخص نے ملتقط کے پاس حاضر ہو کر دعویٰ کیا کہ لقطہ میری ہے تو جب تک کہ وہ گواہ قائم نہ کرے ملتقط لقطہ اس کے حوالہ نہ کرے دوسرے دعوؤں پر قیاس کرتے ہوئے (۱۵)اور اگر اس مدعی نے لقطہ کی کوئی علامت بیان کی (مثلاً لقطہ دراہم ہے تو مدعی نے انکا وزن یا عدد وغیرہ بیان کیا) تو ملتقط کیلئے جائز ہے کہ لقطہ اسکے حوالہ کردے کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ لقطہ اسی کی ہے۔

(۱۶) لیکن اگر مدعی نے لقطہ کی علامت بیان کی پھر بھی ملتقط نے لقطہ دینے سے انکار کیا تو قضاءً ملتقط کو لقطہ دینے پر مجبور نہیں کیا جائیگا کیونکہ کبھی غیر مالک شی کی علامت معلوم کرکے بتادیتا ہے۔

(۱۷)وَلايَتَصَدَّقُ بِاللُّقَطَةِ علی غَنِیٍّ (۱۸)وَاِنْ كَانَ الْمُلْتَقِطُ غَنِيًّالَم يَجُزْ اَنْ يَنْتَفِعَ بِهَا (۱۹)وَاِنْ كَانَ فَقِيْرًا فلا بَاْسَ بِاَنْ يَنْتَفِعَ بِهَا (۲۰)وَيَجُوْزُ اَنْ يَتَصَدَّقَ بِهَا اِذَا كَانَ غَنِيًّاعلی اَبِيْهِ وَابْنِهٖ واُمِّهٖ وزَوْجَتِهٖ اِذَا كَانُوْا فُقَرَاءَ۔

ترجمہ:۔اور لقطہ غنی پر صدقہ نہ کرے اور اگر ملتقط خود غنی ہے تو اسکے لئے لقطہ سے انتفاع جائز نہیں اور اگر خود فقیر ہے تو پھر اس کے لئے لقطہ سے انتفاع جائز ہے اور اگر ملتقط خود تو غنی ہو تو اس کے لئے جائز ہے کہ اس لقطہ کو اپنے باپ، بیٹے اور زوجہ پر صدقہ کردے اگر وہ فقراء ہوں۔

تشریح:۔(۱۷)مدت تشہیر کے بعد اگر ملتقط لقطہ کو صدقہ کرنا چاہے تو غنی پر صدقہ نہ کرے کیونکہ لقطہ کے بارے میں صدقہ کرنے کا حکم ہے اور اغنیاء محل صدقہ نہیں۔(۱۸)اگر ملتقط خود غنی ہے تو اسکے لئے لقطہ سے انتفاع جائز نہیں لـمـا مـرّ۔(۱۹)اگر خود فقیر ہے تو پھر اس کے لئے لقطہ سے انتفاع جائز ہے کیونکہ فقیر محل صدقہ ہے۔(۲۰)اگر ملتقط خود تو غنی ہے مگر اسکا باپ، بیٹا اور زوجہ فقراء ہیں تو ملتقط کیلئے جائز ہے کہ لقطہ ان پر صدقہ کردے کیونکہ یہ محل صدقہ ہیں۔نیز اس میں جانبین (ملتقط و مالک) کی رعایت بھی ہے۔

كتاب الخنثىٰ

یہ کتاب احکام خنثیٰ کے بیان میں ہے۔

"خنثی" ماخوذ ہے "خنث خنثاً" سے بمعنی وہ مرد جس میں لچک ہو۔اور اصطلاح میں خنثیٰ وہ مولود ہے جس کیلئے فرج وذکر دونوں ہوں۔ ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ خنثیٰ کے بعض احکام میں توقف کا حکم ہے جب تک کہ اسکی حالت واضح نہ ہو جس طرح کہ لقطہ میں تصرف کرنے سے توقف کا حکم ہے یہاں تک کہ غالب گمان یہ ہو کہ اب مالک نے اسکا طلب کرنا چھوڑ دیا ہے۔

(۱)وَإذَا كانَ لِلْمَوْلُوْدِ فَرْجٌ وذَكَرٌ فهو خُنثى (۲)فَإنْ كانَ يَبُوْلُ مِنَ الذَّكَرِ فهو غُلامٌ (۳)وإنْ كانَ يَبُوْلُ من الفَرْجِ فهو أُنْثى (۴)فإنْ كانَ يَبُوْلُ مِنْهُمَا والبَوْلُ يَسْبِقُ من أحَدِهِمَا نُسِبَ إلى الأسْبَقِ مِنْهُمَا (۵)وإنْ كانَا في السَّبْقِ سَوَاءً فلا يُعْتَبَرُ بالْكَثْرَةِ عِنْدَأبِي حَنِيفَةَ رَحِمَه الله وقالا رَحِمَهما الله يُنْسَبُ إلى أكْثَرِهِمَا بَوْلاً۔

ترجمہ:۔ اور اگر کسی بچے کا ذکر اور فرج دونوں ہوں تو یہ خنثیٰ ہے پھر اگر وہ ذکر سے پیشاب کرتا ہو تو وہ لڑکا شمار ہوگا اور اگر فرج سے پیشاب کرتا ہو تو وہ لڑکی شمار ہوگی اور اگر دونوں راستوں سے پیشاب کرتا ہو تو جس عضو سے پہلے پیشاب نکلتا ہو اسی کی طرف منسوب کیا جائیگا اور اگر دونوں عضو سبقت میں برابر ہوں تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک کثرت پیشاب کا اعتبار نہیں جبکہ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک جس سے زیادہ پیشاب نکلے اسی کی طرف منسوب کیا جائیگا۔

تشریح:۔ (۱) اگر کسی بچے کا ذکر اور فرج دونوں ہوں تو یہ خنثیٰ ہے (۲) پھر اگر وہ ذکر سے پیشاب کرتا ہو تو وہ لڑکا شمار ہوگا (۳) اور اگر فرج سے پیشاب کرتا ہو تو وہ لڑکی شمار ہوگی کیونکہ جس عضو سے پیشاب کرے یہ دلیل ہے کہ اصل عضو یہی ہے دوسرا عارضی اور بمنزلہ عیب کے ہے۔

(۴) اگر دونوں راستوں سے پیشاب کرتا ہو تو جس عضو سے پہلے پیشاب نکلتا ہو وہی عضو معتبر اور اصلی شمار ہوگا اور اسی کا حکم اس پر جاری کر دیا جائیگا کیونکہ سبقت دلیل ہے کہ مجریٰ اصلی یہی ہے دوسرا عارضی ہے۔(۵) اگر دونوں عضو سبقت میں برابر ہوں تو صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک جس سے زیادہ پیشاب نکلے وہی عضو معتبر اور اصلی شمار ہوگا اور اسی کا حکم اس پر جاری کر دیا جائیگا کیونکہ بہت سارے احکام میں للاکثر حکم الکل ہوتا ہے جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک کثرت پیشاب کا اعتبار نہیں کیونکہ کثرت پیشاب کبھی ایک عضو کے اندر وسعت اور دوسرے کے اندر تنگی کی وجہ سے ہوتی ہے۔

(۶)وَإذَا بَلَغَ الخُنثى وخَرَجَتْ له لِحْيَةٌ أوْ وَصَلَ إلى النِّسَاءِ فهو رَجُلٌ (۷)فَإنْ ظَهَرَ له ثَدْيٌ كَثَدْيِ المَرْأةِ او نَزَلَ له لَبَنٌ في ثَدْيَيْهِ او حَاضَ او حَبِلَ او أمْكَنَ الْوُصُوْلُ إلَيْهِ مِنْ جِهَةِ الْفَرْجِ فهو اِمْرَأةٌ (۸)فَإنْ لم يَظْهَرْ لَه إحْدَى هٰذِه العَلامَاتِ فهو خُنْثى مُشْكِلٌ۔

ترجمہ:۔ اور جب خنثیٰ بالغ ہو جائے تو اگر اسکی داڑھی نکل آئی یا اسے عورتوں کے ساتھ وطی کرنے کی قدرت حاصل ہوگئی تو یہ خنثیٰ مرد

شمار ہوگا اور اگر عورتوں کی طرح اسکے پستان ظاہر ہو گئے یا اسکے پستانوں میں دودھ اتر آیا یا اسکو حیض آیا اور یا اسکو حمل ٹھہر گیا یا اسکے ساتھ ازراہ فرج وطی کرنا ممکن ہوا تو وہ عورت شمار ہوگی اور اگر مذکورہ بالا علامات میں سے کوئی علامت ظاہر نہ ہوئی تو یہ خنثیٰ مشکل ہے۔

تشریح:۔(٦) جب خنثیٰ بالغ ہو جائے تو اگر اسکی داڑھی نکل آئی یا اسے عورتوں کے ساتھ وطی کرنے کی قدرت حاصل ہوگئی۔ یا مردوں کی طرح اسکو احتلام ہوا یا اسکے پستان مردوں کی طرح مستوی ہوں تو یہ خنثیٰ مرد شمار ہوگا کیونکہ اس میں مرد کی علامات پائی جاتی ہیں۔(٧) اگر عورتوں کی طرح اسکے پستان ظاہر ہو گئے یا اسکے پستانوں میں دودھ اتر آیا یا اسکو حیض آیا اور یا اسکو حمل ٹھہر گیا یا اسکے ساتھ ازراہ فرج وطی کرنا ممکن ہوا تو ان تمام صورتوں میں وہ عورت شمار ہوگی کیونکہ یہ تمام عورتوں کی علامات ہیں۔

(٨) اگر مذکورہ بالا علامات میں سے کوئی علامت ظاہر نہ ہوئی یا متعارض علامات ظاہر ہوگئیں تو یہ خنثیٰ مشکل ہے جسکے مخصوص احکام ہیں۔ جن کا اجمال یہ ہے کہ دینی امور میں خنثیٰ مشکل کے بارے احوط اور اوثق پر عمل کیا جائیگا اور جس حکم کے ثبوت میں شک ہوا سکے ثبوت کا حکم نہیں کیا جائیگا۔ اس اجمال کی تفصیل امام قدوری رحمہ اللہ نے آنے والی عبارت میں بیان کی ہے۔

(٩) وَاِذَا وَقَفَ خَلْفَ الْاِمامِ قَامَ بَيْنَ صَفِّ الرِّجالِ وَالنِّسَاءِ (١٠) وتُبْتاعُ لَه اَمَةٌ مِنْ مالِه تَخْتِنُه اِنْ كَانَ له مالٌ (١١) فَاِنْ لم يَكُنْ له مالٌ اِبْتاعَ لَه الْاِمامُ مِنْ بَيْتِ الْمالِ اَمَةً فَاِذَا خَتَنَتْه بَاعَهَا وَرَدَّ ثَمَنَهَا اِلى بَيْتِ الْمالِ۔

ترجمہ:۔ اور خنثیٰ مشکل جب امام کے پیچھے کھڑا ہو تو مردوں اور عورتوں کی صف کے درمیان کھڑا ہو اور اگر اسکے پاس مال موجود ہے تو اس سے ایک باندی خریدی جائے جو اسکا ختنہ کرادے اور اگر اسکے پاس مال نہ ہو تو پھر امام بیت المال کے مال سے باندی خریدلے جو اسکا ختنہ کرادے اور ختنہ کرانے کے بعد امام اس باندی کو فروخت کردے اور اسکا ثمن بیت المال میں واپس کردے۔

تشریح:۔(٩) جماعت کی نماز میں خنثیٰ مشکل مردوں اور عورتوں کی صف کے درمیان کھڑا ہو اسلئے کہ ہوسکتا ہے کہ عورت ہو تو اگر صفِ رجال میں کھڑی ہوگی تو جن مردوں کے محاذات میں کھڑی ہو انکی نماز فاسد ہو جائیگی۔ اور ہوسکتا ہے کہ مرد ہو تو اگر عورتوں کی صف میں کھڑا ہوا تو اسکی نماز فاسد ہو جائیگی لہذا احوط واوثق یہ ہے کہ مردوں اور عورتوں کی صف کے درمیان کھڑا ہو۔

(١٠) اگر خنثیٰ مشکل حدِ شہوت کو پہنچ گیا (اور اسکا ختنہ نہیں ہوا ہو) تو اگر اسکے پاس مال موجود ہے تو اس سے ایک باندی خریدی جائے جو اسکا ختنہ کرادے چونکہ وہ باندی اسکی مملوکہ ہے اور مملوکہ مالک کو دیکھ سکتی ہے خواہ مالک مرد ہو یا عورت۔(١١) اگر اسکے پاس مال نہ ہو تو پھر امام بیت المال کے مال سے باندی خریدلے (کیونکہ بیت المال حوائج مسلمین کیلئے ہے) جو اسکا ختنہ کرادے اور ختنہ کرانے کے بعد امام اس باندی کو فروخت کردے اور اسکا ثمن بیت المال میں واپس کردے کیونکہ اب اسکی ضرورت نہ رہی۔

(۱۲) وَاِذَا مَاتَ اَبُوْهُ وَخَلَّفَ اِبْنًا وَخُنْثٰی فَالْمَالُ بَیْنَهُمَا عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلٰی ثَلٰثَةِ اَسْهُمٍ لِلْاِبْنِ سَهْمَانِ وَلِلْخُنْثٰی سَهْمٌ وَهُوَ مُؤَنَّثٌ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِی الْمِیْرَاثِ اِلَّا اَنْ یَّثْبُتَ غَیْرُ ذٰلِکَ وَقَالَا لِلْخُنْثٰی نِصْفُ مِیْرَاثِ الذَّکَرِ وَنِصْفُ مِیْرَاثِ الْاُنْثٰی وَهُوَ قَوْلُ الشَّعْبِیِّ وَاخْتَلَفَا فِیْ قِیَاسِ قَوْلِهٖ فَقَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ الْمَالُ بَیْنَهُمَا عَلٰی سَبْعَةِ اَسْهُمٍ لِلْاِبْنِ اَرْبَعَةٌ لِلْخُنْثٰی ثَلٰثَةٌ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ اَلْمَالُ بَیْنَهُمَا عَلٰی اِثْنَیْ عَشَرَ سَهْمًا لِلْاِبْنِ سَبْعَةٌ وَلِلْخُنْثٰی خَمْسَةٌ۔

ترجمہ:۔ اور اگر خنثیٰ مشکل کا باپ مرگیا ورثہ میں ایک لڑکا اور ایک خنثیٰ مشکل چھوڑا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک میراث ان دونوں کے درمیان تین حصوں پر تقسیم ہوگی بیٹے کیلئے دو حصے اور خنثیٰ کیلئے ایک حصہ ہوگا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک باب میراث میں خنثیٰ عورت ہے البتہ اگر اسکے سوا کچھ اور ظاہر ہو جائے اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ خنثیٰ کو نصف مرد کی میراث اور نصف عورت کی میراث ملے گی یہی قول امام شعبیؒ کا ہے پھر امام شعبیؒ کے قول کی قیاس کے مطابق تخریج میں صاحبین رحمہما اللہ کا اختلاف ہے پس امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ترکہ سات حصوں میں منقسم ہوگا بیٹے کیلئے چار اور خنثیٰ کیلئے تین حصے ہونگے اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں مذکورہ بالا صورت میں ترکہ بارہ حصوں پر منقسم ہوگا بیٹے کیلئے سات اور خنثیٰ کیلئے پانچ حصے ہونگے۔

تشریح:۔ (۱۲) اگر خنثیٰ مشکل کا باپ مرگیا ورثہ میں ایک لڑکا اور ایک خنثیٰ مشکل چھوڑا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک میراث ان دونوں کے درمیان تین حصوں پر تقسیم ہوگی بیٹے کیلئے دو حصے اور خنثیٰ کیلئے ایک حصہ ہوگا کیونکہ باب میراث میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک خنثیٰ باب میراث میں عورت کے حکم ہے یہ اسلئے کہ اگر خنثیٰ کو لڑکا فرض کیا جائے تو زیادہ حصہ ملیگا اور اگر لڑکی فرض کی جائے تو کم حصہ ملیگا پس کم تو متیقن ہے اور زیادہ میں شک ہے اور شک کی وجہ سے مال واجب نہیں ہوتا البتہ اگر اسکے (خنثیٰ مشکل ہونے) سوا کچھ اور ظاہر ہو جائے یعنی خنثیٰ کا مذکر ہونا ثابت ہو جائے تو پھر اسکو مذکر کا حصہ ملیگا۔ بعض حضرات نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ خنثیٰ مونث شمار ہے مگر یہ کہ اس کے علاوہ کچھ اور ثابت ہو جائے یعنی خنثیٰ کو مونث فرض کرنے کی صورت میں اس کا حصہ مذکر فرض کرنے کی صورت سے زیادہ ہو تو اسے پھر مذکر کا حصہ دیا جائیگا مونث کا نہیں مثلاً عورت مرجائے ورثہ میں زوج، ابوین اور ولد خنثیٰ چھوڑ دے تو مسئلہ بارہ سے بنے گا زوج کو تین سہام، ابوین کو چار اور خنثیٰ کو پانچ سہام دئے جائینگے، اسی صورت میں اگر خنثیٰ کو مونث فرض کیا جائے تو خنثیٰ کو چھ سہام ملیں گے اور مسئلہ عائلہ ہوگا جس کا عول تیرہ ہوگا مگر چونکہ مونث فرض کرنے کی صورت اس کا حصہ مذکر فرض کرنے کی صورت سے زیادہ ہے لہٰذا اسے مذکر کا حصہ دیا جائیگا۔

صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ خنثیٰ کو نصف مرد کی میراث اور نصف عورت کی میراث ملے گی یہی قول امام شعبیؒ عامر بن شراحیل کا ہے۔ پھر امام شعبیؒ کے قول کی قیاس کے مطابق تخریج میں صاحبین رحمہما اللہ کا اختلاف ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک مذکورہ بالا صورت میں ترکہ بارہ حصوں پر منقسم ہوگا بیٹے کیلئے سات اور خنثیٰ کیلئے پانچ حصے ہونگے اور امام یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ترکہ سات

حصوں پر منقسم ہوگا بیٹے کیلئے چار اور خنثیٰ کیلئے تین حصے ہونگے۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ کل ترکہ چار حصے فرض کیا جائیگا خنثیٰ کو نصف لڑکے کی میراث کا ملیگا اور نصف لڑکی کی میراث کا ملیگا جس کا مجموعہ تین چوتھائی ہو جائیگا اسلئے کہ لڑکے کی میراث کل ہے یعنی اگر چار حصے ہوں تو سب حصے بیٹے کے ہونگے جس کا نصف نصف دو چوتھائی ہے اور لڑکی کی میراث کل دو چوتھائی ہے جس کا نصف ایک چوتھائی ہے تو جب دو چوتھائی اور ایک چوتھائی کو جوڑا جائے تو اس کا مجموعہ تین چوتھائی ہو جائیگا تو خنثیٰ کی کل میراث تین چوتھائی ہے اور بیٹے کی کل میراث چاروں کے چاروں حصے ہیں تو جب بیٹا اور خنثیٰ دونوں جمع ہو جائیں تو ہم اسی حساب سے کل ترکہ تقسیم کرینگے تو اس کے کل حصے سات ہو جائیں گے لہذا لڑکے کو چار چوتھائیاں اور خنثیٰ کو تین چوتھائیاں دی جائیں گی۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ خنثیٰ اگر لڑکا ہو تو کل مال ان دونوں میں نصف نصف تقسیم ہوگا اور اگر خنثیٰ لڑکی ہو تو کل مال کو تین تہائی کر کے دو حصہ لڑکے کو اور ایک حصہ لڑکی کو دیا جائیگا پس ہمیں ایسے عدد کی ضرورت ہے جس کا نصف اور تہائی مستقیم ہو اور کمتر ایسا عدد چھ ہے پس خنثیٰ کو لڑکا فرض کرنے کی صورت میں مال دونوں میں آدھا آدھا تقسیم ہوگا یعنی دونوں میں سے ہر ایک کے لئے تین حصے ہونگے اور خنثیٰ لڑکی فرض کرنے کی صورت میں مال تین تہائی کر کے دو حصے لڑکے کو اور ایک حصہ لڑکی کو دیا جائیگا پس ثابت ہوا کہ خنثیٰ کے لئے دو حصے تو یقینی ہیں اور شک صرف ایک حصہ زائد میں ہے جو لڑکا فرض کرنے کی صورت میں اس کو ملتا تھا تو اسی حصہ کو دو حصے کر کے آدھا لڑکے کو اور آدھا خنثیٰ کو دیا جائے پس لڑکے کو تین کامل حصے اور ایک نصف حصہ ملا اور خنثیٰ کو دو کامل حصے اور ایک نصف حصہ ملا تو چونکہ سہام میں کسر ہے اسلئے ہم نے اصل مخرج یعنی چھ اور دونوں وارثوں کے سہام کو دو چند کر دیا تاکہ کسر ختم ہو جائے تو اب بارہ سے حساب ہوگا جس سے سات حصے لڑکے اور پانچ حصے خنثیٰ کو ملیں گے۔

كِتَابُ الْمَفْقُوْد

یہ کتاب احکام مفقود کے بیان میں ہے۔

"مفقود" لغت میں گم شدہ کو کہتے ہیں۔ اور شرعاً وہ غائب شخص ہے جس کے بارے میں معلوم نہ ہو کہ زندہ ہے اسکے آنے کی انتظار کیا جائے یا مر گیا ہے۔ ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ "کتاب الخنثیٰ" اور "کتاب المفقود" دونوں میں بیان حال تک بعض احکام میں توقف کیا جائیگا۔

(۱) وَإِذَا غَابَ الرَّجُلُ وَلَمْ يُعْرَفْ لَهُ مَوْضِعٌ وَلَا يُعْلَمُ أَحَيٌّ هُوَ أَمْ مَيِّتٌ نَصَبَ الْقَاضِيْ مَنْ يَحْفَظُ مَالَهُ وَيَقُوْمُ عَلَيْهِ وَيَسْتَوْفِيْ حُقُوْقَهُ (۲) وَيُنْفِقُ عَلَى زَوْجَتِهِ وَأَوْلَادِهِ الصِّغَارِ مِنْ مَالِهِ۔

ترجمہ: ۔اور جب کوئی شخص ایسا غائب ہو جائے کہ یہ معلوم نہ ہو کہ زندہ ہے یا مر چکا ہے تو اب قاضی ایک ایسے شخص کو مقرر کر دے جو غائب کے مال کی حفاظت و نگرانی کرے اور غائب کے حقوق (اگر لوگوں پر ہوں) کو وصول کرے اور قاضی مفقود کے مال سے مفقود کی

بیوی اور نابالغ اولاد پر خرچ کریگا۔

تشریح :۔(۱) جب کوئی شخص ایسا غائب ہو جائے کہ اسکا کوئی ٹھکانہ معلوم نہ ہوتا کہ اسے تلاش کیا جائے اور نہ یہ معلوم ہو کہ وہ زندہ ہے یا مرگیا ہے تو اب قاضی ایک ایسے شخص کو مقرر کردے جو غائب کے مال کی حفاظت ونگرانی کرے اور غائب کے حقوق (اگر لوگوں پر ہوں) کو وصول کرے کیونکہ قاضی ہر ایسے شخص کیلئے نگران مقرر کریگا جو اپنے ذاتی امور کی نگرانی سے عاجز ہو اور غائب ایسا ہی ہے کہ اپنے ذاتی امور کی نگرانی نہیں کرسکتا۔

(۲) قاضی مفقود کے مال سے مفقود کی بیوی اور نابالغ اولاد پر خرچ کریگا اور قاعدہ یہ ہے کہ جو لوگ مفقود کے حضور کے وقت بلاحکم قاضی مفقود کے مال میں نفقہ کے حقدار ہوں ان سب کو مفقود کے غائب ہونے کی صورت میں بھی مفقود کے مال میں سے نفقہ دیا جائیگا کیونکہ اس وقت قاضی کی قضاء صرف تعاون شمار ہوگی۔اور جو لوگ مفقود کے حضور کے وقت حکم قاضی کے بغیر حقدار نہ ہوں تو مفقود کے غائب ہونے کی صورت میں ان لوگوں کو بحکم قاضی مفقود کے مال سے نفقہ نہیں دیا جاسکتا کیونکہ اس وقت وجوب نفقہ قضاء قاضی سے ثابت ہوتا ہے جبکہ قضاء علی الغائب جائز نہیں۔

الالغاز:۔أی رجل یعد میتا وهو حی ینعم ؟

فقل:۔المفقود لان له فیما یرجع الی ماله حکم الحیاة وفیما یعود الی غیره حکم الممات ،ویمکن ان یجاب بانه الکافر لانه یعد من جملة الاموات بدلیل قوله تعالی ﴿کیف تکفرون باللّٰه و کنتم امواتا فاحیاکم﴾یعنی کنتم کفارا فهداکم الی الایمان۔(الاشباه والنظائر)

(۳)وَلَایُفَرِّقُ بَیْنَه وَبَیْنَ اِمْرَأتِه۔

ترجمه:۔اور قاضی مفقود اور اسکی بیوی کے درمیان تفریق نہ کرے۔

تشریح :۔(۳) قاضی مفقود اور اسکی بیوی کے درمیان تفریق نہ کرے۔امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب مفقود کو غائب ہوئے چار سال گذر جائیں تو قاضی مفقود اور اسکی بیوی کے درمیان تفریق کرسکتا ہے بعد از تفریق عدت وفات گذار کر جہاں چاہے نکاح کرسکتی ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک شخص کو جنات اٹھا کر لے گئے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اسکے اور اسکی بیوی کے درمیان چار سال گذرنے کے بعد تفریق کردی تھی۔

احناف ؒ کی دلیل یہ ہے کہ پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ مفقود کی عورت اسی کی بیوی ہے حتیٰ کہ اسکے پاس (مفقود کی طرف سے اسکی موت کی) خبر پہنچے اور حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے مفقود کی بیوی کے بارے میں فرمایا ''هِیَ اِمْرَأتُه اُبْتُلِیَتْ فَلْتَصْبِرْ حَتّٰی یَسْتَبِیْنَ مَوتٌ اَوْطَلَاقٌ''۔امام مالک رحمہ اللہ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کا حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے قول کی طرف رجوع ثابت ہے لہذا حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے قول سے استدلال درست نہیں۔

"وَفِي الشَّامِيَةِ لَوْ اَفْتَىٰ بِقَوْلِ مَالِكٍ رَحِمَهُ اللهُ فِي مَوْضِعِ الضَّرُوْرَةِ لَابَاسَ بِهٖ "یعنی بوقت ضرورت امام مالکؒ کے قول پر فتوی دینے میں کوئی حرج نہیں۔

(٤) فَاِذَا تَمَّ لَهٗ مِائَةٌ وَعِشْرُوْنَ سَنَةً مِنْ يَوْمِ وُلِدَ حَكَمْنَا بِمَوْتِهٖ وَاعْتَدَّتْ اِمْرَأَتُهٗ وَقُسِّمَ مَالُهٗ بَيْنَ وَرَثَتِهِ الْمَوْجُوْدِيْنَ فِي ذَالِكَ الْوَقْتِ (٥) وَمَنْ مَاتَ مِنْهُمْ قَبْلَ ذَالِكَ لَمْ يَرِثْ مِنْهُ شَيْئًا (٦) وَلَا يَرِثُ الْمَفْقُوْدُ مِنْ اَحَدٍ مَاتَ فِي حَالِ فَقْدِهٖ

ترجمہ: ۔اور جب مفقود کے یوم ولادت سے ایک سو بیس سال پورے ہو جائیں تو ہم مفقود کی موت کا حکم دیں گے تو اسکی بیوی اسی وقت سے عدت وفات گذارے گی وراسی وقت مفقود کے جو ورثہ موجود ہیں مفقود کا مال ان پر تقسیم کیا جائیگا اور مفقود کے جو ورثہ مفقود پر موت کا حکم کرنے سے پہلے مر چکے ہیں وہ مفقود کے ورثہ میں شمار نہ ہونگے اور مفقود کے غائب ہونے کی حالت میں اسکا جو رشتہ دار مریگا مفقود اسکا وارث متصور نہ ہوگا۔

تشریح: ۔(٤) جب مفقود کے یوم ولادت سے ایک سو بیس سال پورے ہو جائیں تو ہم مفقود کی موت کا حکم دیں گے۔یہ قول حسن بن زیادؒ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے۔ظاہر مذہب یہ ہے کہ مفقود کے ہم عمروں کی موت سے اندازہ کرینگے کہ اب مفقود بھی مر گیا ہے۔امام یوسف رحمہ اللہ سے سو سال کی میعاد مروی ہے اور بعض حضرات نے نوے سال کا اندازہ لگایا ہے۔بہر حال جب مفقود کی موت کا حکم دیا جائے تو اسکی بیوی پر اسی وقت سے عدت وفات گذارنا واجب ہے اور اسی وقت مفقود کے جو ورثہ موجود ہوں مفقود کا مال ان پر تقسیم کیا جائیگا۔

(٥) مفقود کے جو ورثہ مفقود پر موت کا حکم کرنے سے پہلے مر چکے ہیں وہ مفقود کے ورثہ میں شمار نہ ہونگے کیونکہ حکم بالموت سے پہلے مفقود زندہ شمار کیا جائے گا۔(٦) مفقود کے غائب ہونے کی حالت میں اسکا جو رشتہ دار مریگا مفقود اسکا وارث متصور نہ ہوگا کیونکہ مفقود کی زندگی متحقق نہیں اور وارث ہونے کے لئے موت مورث اور حیات وارث شرط ہے۔

كتاب الإباق

یہ کتاب اباق کے بیان میں ہے۔

"اباق" کالغوی معنی بھاگنا ہے۔اصطلاح فقہاء میں آبق وہ غلام ہے جو اپنے مالک سے قصداً بھاگ جائے۔"کتاب الإباق" کی ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ مفقود و آبق دونوں نشانہ زوال و ہلاکت میں ہیں۔

ثعالبیؒ فرماتے ہیں کہ آبق وہ ہے جو مولیٰ کے ظلم کے بغیر بھاگ جائے اور اگر ظلمِ مولیٰ کی وجہ سے بھاگ گیا تو اس کو آبق نہیں کہتے بلکہ ھارب کہتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اباق عیب ہے اور ہرب عیب نہیں۔

(۱) وَإِذَا أَبَقَ مَمْلُوكٌ فَرَدَّهٗ رَجُلٌ عَلٰى مَوْلَاهُ مِنْ مَسِيْرَةِ ثَلٰثَةِ أَيَّامٍ فَصَاعِداً فَلَهٗ عَلَيْهِ جُعْلُهٗ وهو أَرْبَعُوْنَ دِرْهَمًا (۲) وَإِنْ رَدَّهٗ لِأَقَلَّ مِنْ ذٰلِكَ فَبِحِسَابِهٖ (۳) وَإِنْ كَانَتْ قِيْمَتُهٗ أَقَلَّ مِنْ أَرْبَعِيْنَ دِرْهَمًا قُضِيَ لَهٗ بِقِيْمَتِهٖ إِلَّا دِرْهَمًا۔

ترجمہ:۔اور اگر کوئی غلام بھاگ گیا اور کسی شخص نے تین دن یا اس سے زائد مسافت سے غلام کو اسکے آقا کے پاس لے کر آیا تو آقا پر لانے والے کی اُجرت چالیس درہم ہونگے اور اگر تین دن سے کم مسافت سے لوٹا کر لے آیا تو اُجرت اسی حساب سے ہوگی اگر غلام کی قیمت چالیس درہم سے کم ہے تو کل قیمت سے ایک درہم کم کر کے باقی ماندہ لانے والے کو اُجرت میں دیدیں۔

تشریح:۔(۱) اگر کسی شخص نے تین دن یا اس سے زائد مسافت سے بھاگے ہوئے غلام کو اسکے آقا کے پاس لے کر آیا تو آقا پر لانے والے کی اُجرت چالیس درہم ہونگے۔(۲) اگر تین دن سے کم مسافت سے لوٹا کر لے آیا تو اُجرت اسی حساب سے ہوگی پس دو دن کی مسافت سے لانے والے کی اُجرت چالیس درہم کے دو ثلث ہونگے اور ایک دن کی مسافت سے لانے والے کیلئے ایک ثلث ہوگا۔

(۳) اگر کسی نے بھگوڑا غلام اسکے آقا کے پاس لے کر آیا مگر غلام کی قیمت چالیس درہم سے کم ہے (مثلاً غلام کی قیمت اکتیس درہم ہے) تو طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک کل قیمت سے ایک درہم کم کر کے باقی ماندہ (تیس درہم) لانے والے کو اُجرت میں دیدیں کیونکہ اُجرت دینے سے مقصود یہ ہے کہ بھگوڑے غلاموں کے لوٹانے پر لوگوں کو آمادہ کر دیا جائے تاکہ اصل مالک کا مال محفوظ رہے پس مذکورہ بالا صورت میں غلام کی قیمت سے ایک درہم کم کر لے تاکہ مالک کا بھی کچھ فائدہ ہو۔

(۴) وَإِنْ أَبَقَ مِنْ يَدِ الَّذِيْ رَدَّهٗ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ وَلَا جُعْلَ لَهٗ (۵) وَيَنْبَغِيْ أَنْ يُشْهِدَ إِذَا أَخَذَهٗ أَنَّهٗ يَأْخُذُ لِيَرُدَّ عَلٰى صَاحِبِهٖ۔

ترجمہ:۔اور اگر غلام کو لانے والے سے غلام بھاگ گیا تو لانے والے پر کوئی تاوان واجب نہ ہوگا اور اس کیلئے اب اُجرت بھی نہیں ہوگی اور بھاگے ہوئے کو پکڑتے وقت گواہ بنانا چاہئے کہ اس کو مالک تک پہنچانے کے لئے پکڑ رہا ہوں۔

تشریح:۔(۴) اگر غلام کو لانے والے سے غلام بھاگ گیا تو لانے والے پر کوئی تاوان واجب نہ ہوگا کیونکہ غلام اسکے ہاتھ میں امانت ہے اور امانت اگر تعدی وظلم کے بغیر تلف ہو جائے تو اس پر ضمان نہیں ہوتا۔اور اس کیلئے اب اُجرت بھی نہیں ہوگی کیونکہ غلام اسکے ہاتھ میں بمنزلة المبيع في يد البائع کے ہے تو جب تک کہ غلام مالک کے سپرد نہیں کریگا اُجرت کا مستحق نہ ہوگا۔

(۵) بھگوڑے غلام کو پکڑنے والے کو چاہئے کہ غلام کو گرفتار کرتے وقت کسی کو اس بات پر گواہ بنالے کہ میری گرفتاری کا مقصد اس کو مالک تک پہنچانا ہے۔طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک لانے والے پر گواہ بنانا واجب ہے اور اگر گواہ قائم نہ کئے تو اُجرت کا مستحق نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں سمجھا جائیگا کہ اس نے اپنی ذات کیلئے پکڑا ہے۔

(٦)فَإِنْ كَا نَ الْعَبْدُ الآبِقُ رَهْنًا فَالجُعْلُ عَلَى الْمُرْتَهِنِ۔

ترجمہ:۔اگر بھگوڑا غلام اصل مالک نے کسی کے پاس بطور رہن رکھا تھا تو لانے والے کی اُجرت مرتہن کے ذمہ ہوگی۔

تشریح:۔(٦)اگر بھگوڑا غلام اصل مالک نے کسی کے پاس بطور رہن رکھا تھا پس وہ مرتہن کے ہاتھ سے بھاگ گیا تو لانے والے کی اُجرت مرتہن کے ذمہ ہوگی کیونکہ فی الحال قبضہ مرتہن کا ہے۔

كتاب إحياء الموات

یہ کتاب احیاء الموات کے بیان میں ہے۔

"احیاء" کا لغوی معنی ہے کسی شی کو زندہ کرنا۔اور موات لغت میں مَـالارُوْحَ فِيْـهِ (جس میں روح نہ ہو) یا"اَرْضٌ لامَالِکَ لَهَا"(ایسی زمین جس کا مالک نہ ہو) کو کہتے ہیں۔اور شرعاً احیاء موات غیر آباد زمین میں تعمیر یا کاشتکاری کر کے قابل انتفاع بنانے کو کہتے ہیں۔

شرعی تعریف امام قدوری رحمہ اللہ نے یوں کی ہے"اَلْـمَـوَاتُ مَـالايُـنْتَفَعُ بِهِ مِنَ الْاَرْضِ لِانْقِطَاعِ الْمَاءِ عَنْهُ اَوْلِغَلَبَةِ الْـمَاءِ عَلَيْهِ اَوْمَا اَشْبَهَ ذَالِکَ مِمَّا يَمْنَعُ الزِّرَاعَةَ "یعنی ارض موات وہ زمین ہے جو کسی وجہ سے قابل انتفاع نہ رہی ہو خواہ پانی کے منقطع ہونے کی وجہ سے یا زیادہ پانی چڑھ آنے کی وجہ سے یا اس جیسے کسی اور سبب سے جو کاشت سے مانع ہو۔مثلاً زمین پر ریت یا پتھروں کا غالب آنا یا زمین کا شور ہو جانا۔

"کتاب احیاء الموات" کی ماقبل کے مناسبت یہ ہے کہ دونوں میں احیاء کا معنی پایا جاتا ہے کیونکہ بھگوڑا غلام واپس مالک کے پاس لے کر آنے میں مِلک مالک کا احیاء ہے۔

(۱)مَاكَانَ مِنْهَاعَادِيًّالا مالِکَ لَه اَوْ كَانَ مَمْلُوْكًافِي الْإِسْلَامِ لايُعْرَفُ لَه مالِکٌ بِعَيْنِه وهو بَعِيْدٌ مِنَ الْقَرْيَةِ بِحَيْثُ اِذَاوَقَفَ اِنْسَانٌ فِي اَقْصَى الْعَامِرِ فَصَاحَ لم يُسْمَعِ الصَّوْتُ فِيْهِ فهو مَوَاتٌ (۲)مَنْ اَحْيَاه بِإِذْنِ الْإِمَامِ مَلَكَه (۳)وَاِنْ اَحْيَاه بِغَيْرِاِذْنِه لم يَمْلِكْه عِنْدَاَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وقَالا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يَمْلِكُه۔

ترجمہ:۔پس جو زمین عادی ہو اور اسلام میں اسکا کوئی مالک نہ ہو اور یا اسلام میں مملوک تو ہو لیکن اسکا کوئی معین مالک معلوم نہ ہو نیز وہ بستی سے اتنی دور ہو کہ جب کوئی جہوری الصوت انسان آبادی کے اخیر میں بلند جگہ کھڑا ہو کر زور سے چلائے تو اس زمین تک اسکی آواز نہ پہنچے تو وہ موات ہے اور جس نے ارض موات امام کی اجازت سے آباد کیا تو وہ اسکا مالک ہو جائیگا اور جس نے امام کی اجازت کے بغیر آباد کیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ اسکا مالک نہ ہوگا اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک اجازت

امام کے بغیر بھی آباد کار مالک ہو جائیگا۔

تشریح:۔(۱)ارض موات کی شرعی تعریف میں کچھ قیودات اور بھی ہیں جن کو امام قدوری رحمہ اللہ نے اپنے قول فما کان عادیاً الخ سے بیان کئے ہیں۔ جو زمین عادی (قدیم ویران) ہو اور اسلام میں اسکا کوئی مالک نہ ہو اور یا اسلام میں یہ زمین مملوک تو ہو لیکن اسکا کوئی معین مالک معلوم نہ ہو نیز وہ بستی سے اتنی دور ہو کہ جب کوئی بلند آواز والا انسان آبادی کے اخیر میں بلند جگہ کھڑا ہو کر زور سے چلائے تو اس زمین تک اسکی آواز نہ پہنچے تو یہ موات ہے۔

بستی سے دور ہونا امام یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک شرط ہے کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ جو زمین بستی کے قریب ہوگی اس سے اسکے باشندوں کا انتفاع منقطع نہ ہوگا لہذا حکم کا مدار قرب وبعد پر ہے جبکہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک شرط یہ ہے کہ بستی والوں کا انتفاع حقیقۃً اس زمین سے منقطع ہو تو اگر چہ وہ بستی کے قریب ہو تو بھی موات شمار ہوگی (امام محمدؒ کا قول راجح ہے)۔

(۳) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جس نے ارض موات امام کی اجازت سے آباد کیا تو وہ اسکا مالک ہو جائیگا (۴) اور جس نے امام کی اجازت کے بغیر آباد کیا تو وہ اسکا مالک نہ ہوگا کیونکہ یہ زمین بھی منجملہ مال غنیمت کے ہے اور مال غنیمت میں کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ اسے اجازت امام کے بغیر لے لے اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک اجازت امام کے بغیر بھی آباد کار مالک ہو جائیگا کیونکہ یہ مال مباح ہے اور مال مباح پر جو پہلے قابض ہوگا وہ اسی کا ہوگا (امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے)۔

(٤) وَيَمْلِكُ الذِّمِّيُّ بِالْإِحْيَاءِ كَمَا يَمْلِكُهُ الْمُسْلِمُ۔

ترجمہ:۔اور جس طرح کہ مسلمان غیر آباد زمین کا مالک ہو جاتا ہے اسی طرح ذمی بھی مالک ہو جاتا ہے۔

تشریح:۔(٤) جس طرح کہ مسلمان غیر آباد زمین کو آباد کرنے سے اسکا مالک ہو جاتا ہے اسی طرح ذمی بھی مالک ہو جاتا ہے کیونکہ مِلک کا سبب احیاء ہے تو جس طرح کہ دیگر اسباب مِلک میں مسلمان وذمی دونوں برابر ہیں اسی طرح اس سبب مِلک (احیاء) میں بھی برابر ہونگے۔ البتہ اجازت امام کے بغیر ذمی بالاتفاق غیر آباد زمین کا مالک نہ ہوگا۔

(٥) وَمَنْ حَجَّرَ اَرْضًا وَلَمْ يُعَمِّرْهَا ثَلٰثَ سِنِيْنَ اَخَذَهَا الْاِمَامُ مِنْهُ وَدَفَعَهَا اِلٰى غَيْرِهٖ (٦) وَلَا يَجُوْزُ اِحْيَاءُ مَاقَرُبَ مِنَ الْعَامِرِ وَيُتْرَكُ مَرْعًى لِاَهْلِ الْقَرْيَةِ وَمَطْرَحًا لِحَصَائِدِهِمْ۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی نے غیر آباد زمین میں پتھر لگائے مگر تین سال تک اس زمین کو آباد نہیں کیا تو امام اس سے وہ زمین لے کر کسی اور کو دے دے اور جو زمین آبادی کے قریب ہو اس کا احیاء جائز نہیں اور اس کو اہل قریہ کے چراگاہ اور کھلیان کیلئے چھوڑ دیا جائیگا۔

تشریح:۔(٥) اگر کسی نے لوگوں کو غیر آباد زمین سے روکنے کی غرض سے بطور علامت غیر آباد زمین میں پتھر لگائے مگر تین سال تک اس زمین کو آباد نہیں کیا تو امام اس (محجر) سے وہ زمین لے کر کسی اور کو دے دے کیونکہ تحجیر احیاء نہیں اور امام نے تو اسے اس مقصد کیلئے دیا تھا کہ وہ اسکو آباد کرلے تاکہ اسکے عشر وخراج سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچے لیکن جب یہ مقصود حاصل نہ ہوا تو

برائے تحصیل مقصود کسی اور کو دیدے۔

(٦) جوزمین ابادی کے قریب ہو وہ موات نہ ہوگی اسلئے اسکا احیاء جائز نہ ہوگا بلکہ اس کو اہل قریہ کے چراگاہ اور کھلیان (کٹی ہوئی فصل ڈالنے کی جگہ) کیلئے چھوڑ دیا جائیگا کیونکہ اس زمین کے ساتھ بستی والوں کا حق متعلق ہے کیونکہ ایسی زمین کو زمین والوں کی حاجت ثابت ہے لہذا یہ موات نہ ہوگی۔

(۷)وَمَنْ حَفَرَ بِئْراً فِي بَرِيَّةٍ فَلَه حَرِيْمُهَا(۸)فَإِنْ كَانَتْ لِلْعَطَنِ فَحَرِيْمُهَا اَرْبَعُوْنَ ذِرَاعًا(۹)وَإِنْ كَانَتْ لِلنَّاضِحِ فَحَرِيْمُهَا سِتُّوْنَ ذِرَاعًا (۱۰)وَإِنْ كَانَتْ عَيْناً فَحَرِيْمُهَا خَمْسُ مِائَةِ ذِرَاعٍ (۱۱)فَمَنْ اَرَادَ اَنْ يَحْفِرَ فِي حَرِيْمِهَا بِئْراً مُنِعَ مِنْهُ۔

ترجمہ:۔اور جس نے جنگل میں کنواں کھودا تو اس کے لئے کنویں کا حریم ہے پس اگر وہ کنواں جانوروں کو پانی پلانے کیلئے ہو تو اسکا حریم چالیس ذراع ہے اور اگر کنواں کھیتوں کو سیراب کرانے کیلئے ہو تو اسکا حریم ساٹھ ذراع ہے اور اگر چشمہ ہو تو چشمہ کا حریم پانچ سو زراع ہے پس اگر کوئی شخص دوسرے کے کنویں یا چشمہ کے حریم میں کنواں کھودنا چاہے تو اسے روکا جائیگا۔

تشریح:۔(۷) جس نے جنگل (غیرآبادزمین) میں کنواں کھودا تو یہ شخص کنویں کے حریم (کنویں کے اردگرد) کا بھی مالک ہو جائیگا اسلئے کہ کنویں سے حریم کے بغیر کامل انتفاع نہیں ہوسکتا (۸) پس اگر وہ کنواں جانوروں کو پانی پلانے کیلئے ہو تو اسکا حریم ہر جانب سے چالیس ذراع ہے۔(۸)اور اگر کنواں کھیتوں کو سیراب کرانے کیلئے ہو تو اسکا حریم ساٹھ ذراع ہے۔ساٹھ ذراع کا قول صاحبین رحمہما اللہ کا ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نزدیک اسکا حریم بھی چالیس ذراع ہے (امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے)۔

(۱۰) اگر کسی نے غیرآبادزمین کھود کر اس سے جاری چشمہ نکالا تو چشمہ کا حریم پانچ سو زراع ہے کیونکہ چشمہ زراعت کیلئے نکالا جاتا ہے تو ضروری ہے ایسی جگہ کا ہونا جس میں پانی چل سکے اور ایسے حوض کا ہونا جس میں پانی جمع ہوسکے اور ایسی نہر کا ہونا جس میں پانی کھیتی تک جائے ان وجوہ کی بناء پر چشمہ کا حریم زیادہ فرض کیا ہے۔

(۱۱) پس اگر کوئی شخص دوسرے کے کنویں یا چشمہ کے حریم میں کنواں کھودنا چاہے تو اسے روکا جائیگا کیونکہ اول کے کنواں کھودنے سے حریم پر اسکا حق ثابت ہو چکا ہے تو دوسرے کے کنواں کھودنے سے اول کا حق فوت ہو جائیگا یا اسکے حق میں خلل پیدا ہوگا۔

(۱۲)وَمَاتَرَكَ الْفُرَاتُ اَوِ الدِّجْلَةُ وعَدَلَ عنه الْماءُ فَإِنْ كَانَ يَجُوزُ عَوْدُه اِلَيْه لم يَجُزْ اِحْيَاؤُه وإِنْ كَانَ لَايُمْكِنُ اَنْ يَعُوْدَ اِلَيْهِ فهو كَالْمَوَاتِ(۱۳) اِذَالَمْ يَكُنْ حَرِيْمًا لِعَامِرٍ يَمْلِكُه مَنْ اَحْيَاه بِإِذْنِ الْإِمَامِ۔

ترجمہ:۔فرات یا دجلہ جو جگہ چھوڑ دے اور اس سے پانی پھر جائے تو اگر اس جگہ کی طرف دوبارہ پانی آنے کا امکان ہے تو اسکا احیاء جائز نہیں اور اگر اس جگہ کی طرف دوبارہ پانی آنے کا امکان نہیں تو وہ موات ہے اگر یہ جگہ کسی ابادی کا حریم نہ ہو تو باجازت امام اسکا احیاء جائز ہے۔

تشریح:۔(۱۲)دریا کا پانی کبھی اپنی جگہ چھوڑ دیتا ہے دوسرے سائڈ میں بہنے لگ جاتا ہے پس اگر فرات یا دجلہ (مراد کوئی بھی دریا ہے) نے اپنی جگہ چھوڑ دی تو دیکھا جائے گا کہ اس جگہ کی طرف دوبارہ پانی آنے کا امکان ہے یا نہیں پہلی صورت میں اسکا احیاء جائز نہیں کیونکہ یہ اب تک نہر کے حکم میں ہے جس میں عام لوگوں کا حق ہے لہذا اس کا احیاء اگر چہ باجازتِ امام ہو جائز نہیں۔(۱۳)دوسری صورت میں اگر یہ جگہ کسی ابادی کا حریم نہ ہو تو یہ موات ہے لہذا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک باجازت امام اسکا احیاء جائز ہے اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک مطلقاً جائز ہے۔

(۱٤)وَمَنْ كَانَ لَهُ نَهْرٌ فِي أَرْضِ غَيْرِهِ فَلَيْسَ لَهُ حَرِيمٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْبَيِّنَةُ عَلَى ذَالِكَ وعِنْدَهُمَا لَهُ مُسَنَّاةُ النَّهْرِ يَمْشِي عَلَيْهَا وَيُلْقِي عَلَيْهَا طِينَهُ۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی کی نہر دوسرے کی زمین میں گذری ہو تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک نہر کیلئے حریم نہیں الّا یہ کہ صاحب نہر اس پر گواہ قائم کردے اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک اس نہر کیلئے نہر کی پٹڑی ہوگی تا کہ وہ اس پر چل سکے اور اسکی مٹی اس پر ڈال سکے۔

تشریح:۔(۱٤)اگر کسی کی نہر دوسرے کی زمین میں گذری ہو تو صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک اس نہر کیلئے حریم ہوگا یعنی کم از کم نہر کی پٹڑی نہر والے کی ہوگی تا کہ وہ اس پر چل سکے اور نہر کھودتے وقت اسکی مٹی اس پر ڈال سکے کیونکہ نہر کیلئے پٹڑی کا ہونا ضروری ہے تو ظاہر یہ ہے کہ پٹڑی صاحب نہر کی ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک نہر کیلئے حریم نہیں کیونکہ حدِ پٹڑی بھی جنس زمین سے ہے لہذا ظاہر یہ ہے کہ پٹڑی صاحب زمین کی ہے اور قول اسی کا معتبر ہے جس کے لئے ظاہر حال گواہ ہو الّا یہ کہ صاحب نہر گواہ قائم کردے کہ پٹڑی میری ہے کیونکہ گواہ خلاف ظاہر کے اثبات ہی کیلئے ہوتے ہیں۔

كتابُ الْمَاذُوْن

یہ کتاب ماذون کے احکام کے بیان میں ہے۔

"ماذون" ماخوذ ہے "اذن" سے لغۃً بمعنی اجازت دینا ہے۔اور شریعت میں "فَكُّ الْحَجْرِ وَإِسْقَاطُ الْحَقِ" کو کہتے ہیں یعنی غلام (بوجہ رقیت) اور بچہ (بوجہ صغرسنی کے) جو ممنوع عن التجارۃ تھے مولیٰ اور ولی کی طرف سے اس پابندی کو ختم کرنے اور مولیٰ وولی کو جو پابندی لگانے کا حق حاصل تھا اس کو ساقط کرنے کو اذن کہتے ہیں۔اور جس پر سے پابندی ختم ہو جائے اسکو ماذون کہتے ہیں۔

"كتاب الماذون" کی "احياء الموات" کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ کتاب الماذون میں بھی غلام اور بچے کا معنوی طور پر احیاء پایا جاتا ہے۔

(۱)إِذَا أَذِنَ الْمَوْلَى لِعَبْدِهِ إِذْنًا عَامًّا جَازَ تَصَرُّفُهُ فِي سَائِرِ التِّجَارَاتِ(۲) وَلَهُ أَنْ يَشْتَرِيَ وَيَبِيعَ وَيُرْهِنَ وَيَسْتَرْهِنَ (۳)وَإِنْ أَذِنَ لَهُ فِي نَوْعٍ مِنْهَا دُوْنَ غَيْرِهِ فَهُوَ مَاذُوْنٌ فِي جَمِيْعِهَا(٤)فَإِذَا أَذِنَ لَهُ فِي شَيْءٍ بِعَيْنِهِ فَلَيْسَ بِمَاذُوْنٍ۔

ترجمہ:۔ اگر مولیٰ نے اپنے غلام کو تجارت کی عام اجازت دی تو ہر قسم کی تجارت میں اس کا تصرف جائز ہے اور ماذون کے لئے خرید اور فروخت جائز ہے اور کسی کے پاس رہن رکھ بھی سکتا ہے اور کسی سے رہن لے بھی سکتا ہے اور اگر آقا نے غلام کو ایک خاص قسم کی تجارت کی اجازت دیدی اس کے علاوہ کی اجازت نہیں دی تو بھی وہ تمام اقسام تجارت میں ماذون ہوگا اور اگر آقا نے غلام کو کسی معین چیز کی خرید کی اجازت دی تو یہ غلام ماذون نہ ہوگا۔

تشریح:۔ (۱) اگر مولیٰ نے اپنے غلام کو تجارت کی عام اجازت دی کسی خاص قسم کی تجارت کے ساتھ مقید نہیں کیا مثلاً یوں کہا "اذنت لک فی التجارة" تو غلام ہر قسم کی تجارت کر سکے گا کیونکہ اسم تجارت عام ہے جنس تجارت کو شامل ہے پس ماذون جو چاہے خرید سکتا ہے اور جو چاہے فروخت کر سکتا ہے کیونکہ خرید و فروخت اصل التجارت ہے۔ (۲) اور کسی کے پاس رہن رکھ بھی سکتا ہے کسی سے رہن لے بھی سکتا ہے اور کسی کو شئی اجارہ پر دے بھی سکتا ہے اور کسی سے شئی اجارہ پر لے بھی سکتا ہے کیونکہ یہ تجار کے معمولات میں سے ہیں۔ (۳) اسی طرح اگر آقا نے غلام کو ایک خاص قسم کی تجارت کی اجازت دیدی مثلاً کہا کہ "اذنت لک فی التجارة فی البر فقط" تو بھی وہ تمام اقسام تجارت میں ماذون ہوگا کیونکہ اذن عبارت ہے پابندی ختم کرنے اور اسقاط حق سے اور جب آقا نے اپنا حق ساقط کر دیا تو غلام کی مالکیت ظاہر ہوگی پس وہ کسی خاص نوع کے ساتھ مخصوص نہ ہوگا۔

(۴) اگر آقا نے غلام کو کسی معین چیز کی خرید و فروخت کی اجازت دیدی مثلاً پہننے کیلئے کپڑا یا کھانے کیلئے غلہ خریدنے کا حکم دیا تو یہ غلام ماذون نہ ہوگا کیونکہ یہ تو استخدام (یعنی خدمت لینا ہے) ہے تو اگر اس سے بھی وہ ماذون ہو جائے تو خدمت لینے کا دروازہ ہی بند ہو جائیگا۔

(۵) وإقْرَارُ الْمَأْذُوْنِ بِالدُّيُوْنِ وَالْغُصُوْبِ جَائِزٌ (٦) وَلَيسَ لَه اَنْ يَتَزَوَّجَ ولا اَنْ يُزَوِّجَ مَمَالِيْكَه (٧) ولا يُكَاتِبَ ولا يُعْتِقَ على مالٍ (٨) ولا يَهَبَ بِعِوَضٍ ولا بغَيرِ عِوَضٍ (٩) اِلَّا اَنْ يُهْدِيَ الْيَسِيْرَ مِنَ الطَّعَامِ اَوْ يُضِيْفَ مَنْ يُطْعِمُه

ترجمہ:۔ اور ماذون کا اپنے اوپر قرضہ کا اقرار کرنا یا کسی شئی کو غصب کرنے کا اقرار کرنا جائز ہے اور ماذون غلام کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنا نکاح کرلے اور نہ اپنے غلاموں کا نکاح کرا سکتا ہے اور نہ مکاتب بنا سکتا ہے اور نہ بعوض مال آزاد کر سکتا ہے اور نہ کوئی چیز بعوض نہ بغیر عوض ہبہ کر سکتا ہے البتہ اگر تھوڑا سا طعام ہبہ کرلے یا کسی ایسے شخص کو مہمان بنائے جو اسے مہمان بناتا ہے تو یہ جائز ہے۔

تشریح:۔ (۵) ماذون کا اپنے اوپر قرضہ کا اقرار کرنا یا کسی شئی کو غصب کرنے کا اقرار کرنا جائز ہے کیونکہ اقرار تجارت کے توابع اور لوازم میں سے ہے اور اگر ماذون کا اقرار صحیح نہ ہو تو لوگ اسکے ساتھ خرید و فروخت اور معاملہ کرنے سے اجتناب کرینگے۔

(٦) ماذون غلام کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنا نکاح کرلے کیونکہ یہ کوئی تجارت نہیں اسی طرح طرفین کے نزدیک ماذون غلام کے مال میں اگر غلام یا باندی ہو تو انکا نکاح بھی نہیں کرا سکتا ہے جبکہ امام یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک باندی کا نکاح کرانے کا اختیار عبد ماذون کو حاصل ہے۔

(۷) عبد ماذون کے مال میں اگر غلام ہوتو اسے اسکو مکاتب بنانے کا اختیار نہیں اور نہ اسکو آزاد کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔(۸) اور نہ کوئی چیز بعوض نہ بغیر عوض ہبہ کرسکتا ہے کیونکہ یہ تمام یا تو ابتداءً وانتہاءً تبرع ہیں اور یا صرف ابتداءً (جیسے ہبہ بعوض میں) تبرع ہیں جو کہ اذن فی التجارت کے تحت داخل نہیں۔

(۹) البتہ اگر تھوڑا سا طعام ہبہ کرلے یا کسی ایسے شخص کو مہمان بنائے جو اسے مہمان بناتا ہے تو یہ جائز ہے۔یا ایسے شخص کو مہمان بنایا جو اسے مہمان نہیں بناتا ہے تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ یہ تجار کے دلوں کا مائل کرنے کیلئے ضروریات تجارت میں سے ہے۔

(۱۰)وَدُيُوْنُه مُتَعَلِّقَةٌ بِرَقَبَتِه يُبَاعُ لِلغُرَماءِ (۱۱)اِلّااَنْ يَفْدِيَه الْمَوْلٰى (۱۲)ويَقسَمُ ثَمَنُه بَيْنَهُمْ بِالْحِصَصِ (۱۳)فَاِنْ فَضُلَ مِنْ دُيُوْنِه شَئٌ طُوْلِبَ به بَعْدَ الْحُرِيَةِ۔

توجمه:۔اور عبد ماذون پر واجب قرضے اسکے گردن کے ساتھ متعلق ہونگے اسکو قرضخواہوں کے لئے فروخت کیا جائے گا الا یہ کہ مولی اس کا فدیہ دیدے اور قرض خواہوں کے حصص کے بمقدار ان پر ثمن غلام تقسیم کیا جائیگا پس اگر کچھ قرضہ باقی رہ گیا تو اسکا مطالبہ غلام سے آزادی کے بعد ہوگا۔

تشریح:۔(۱۰)عبد ماذون پر جو قرضے تجارت کی وجہ سے واجب ہوجائیں مثلاً خرید وفروخت اور اجارہ دینے لینے وغیرہ میں یہ مقروض ہوجائے تو یہ قرضے اسکے گردن کے ساتھ متعلق ہونگے پس قاضی اسکو فروخت کرکے اسکی قیمت سے قرضخواہوں کے قرضے ادا کردے۔(۱۱)الا یہ کہ مولی اپنی طرف سے غلام کے قرضے کا فدیہ قرض خواہوں کو دیدے تو پھر غلام کو فروخت نہیں کیا جائیگا کیونکہ اب غلام کے رقبہ کے ساتھ قرض خواہوں کا حق متعلق نہیں رہا۔

(۱۲)غلام کو فروخت کرنے کی صورت میں اگر ثمن سے دیون کی پوری ادائیگی نہ ہوتا ہوتو قرض خواہوں کے حصص کے بمقدار ان پر ثمن غلام تقسیم کیا جائیگا (۱۳) پس اگر کچھ قرضہ باقی رہ گیا تو اسکا مطالبہ غلام سے آزادی کے بعد ہوگا کیونکہ قرضہ اسکے ذمہ ثابت ہوچکا ہے اور رقبہ کافی نہیں ہوا۔مگر باقی ماندہ قرضہ کیلئے اسکو دوبارہ فروخت نہیں کیا جائیگا کیونکہ اس میں مشتری کا نقصان ہے۔

(۱۴)وَاِنْ حَجَرَ عَلَيْهِ لم يَصِرْ مَحْجُوْراً عليه حتّى يَظْهَرَ الحَجْرُ بَيْنَ اَهْلِ السُّوْقِ۔

توجمه:۔اور اگر آقا نے عبد ماذون کو مجور کردیا تو وہ مجور نہ ہوگا جب تک کہ بازار والوں کو اسکے مجور ہونے کا علم نہ ہوا ہو۔

تشریح:۔(۱۴)اگر آقا نے عبد ماذون کو مجور کردیا تو وہ مجور ہوجائیگا بشرطیکہ اکثر بازار والوں کو اسکے مجور ہونے کا علم ہوگیا ہوتا کہ اسکے ساتھ معاملہ کرنے والوں کا ضرر لازم نہ آئے کیونکہ بازار والوں کو اگر اسکے مجور ہونے کا علم نہ ہوتو غلام حجر کے بعد جو تصرف کریگا اس میں اگر اس پر قرضہ آئیگا تو یہ قرضہ اسکی کمائی یا رقبہ کے متعلق نہ ہوگا بلکہ اسکی آزادی کے بعد یہ قرضے اس سے وصول کرسکتے ہیں تو اس سے معاملہ کنندگان کا حق موخر ہوجائیگا جس میں انکا نقصان ہے حالانکہ معاملہ کنندگان نے اس کے ساتھ اس امید پر معاملہ کیا تھا کہ اگر وہ قرضہ ادا نہ کرسکا تو ہم اس کی گردن یا کمائی سے وصول کرینگے جبکہ اسکی آزادی بھی موہوم ہے یقینی نہیں۔

(۱۵) فَإِنْ ماتَ الْمَوْلىٰ او جُنَّ او لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ مُرْتَداً صارَ الْمَاذُوْنُ مَحْجُوْراً عَلَيْه (۱۶) ولَوْ اَبَقَ الْعَبْدُ الْمَاذُوْنُ صارَ مَحْجُوْراً عَلَيْهِ۔

ترجمہ:۔اور اگر عبد ماذون کا مالک مرگیا یا مجنون ہوگیا یا مرتد ہوکر (نعوذ باللہ) دارالحرب چلا گیا تو عبد ماذون مجور ہو جائیگا اور اگر عبد ماذون مولیٰ سے بھاگ جائے تو وہ مجور ہو جائیگا۔

تشریح:۔(۱۵) اگر عبد ماذون کا مالک مرگیا یا مجنون ہوگیا یا مرتد ہوکر (نعوذ باللہ) دارالحرب چلا گیا تو عبد ماذون مجور ہو جائیگا اگرچہ غلام اور شہر والوں کو اسکا علم نہ ہو کیونکہ مولیٰ کی طرف سے اذن واجازت مولیٰ پر ایک غیر لازم تصرف ہے تو اسکی بقاء کا بھی وہی حکم ہے جو اسکی ابتداً کا ہے۔ پس جس طرح ابتداءً مولیٰ میں اذن کی اہلیت کا ہونا ضروری ہے اسی طرح بقاءً بھی اسکا ہونا ضروری ہے حالانکہ موت اور جنون کی وجہ سے مولیٰ میں اہلیت اذن معدوم ہو جاتی ہے۔اسی طرح مرتد ہوکر (نعوذ باللہ) دارالحرب چلے جانے سے اہلیت اذن ختم ہو جاتی ہے کیونکہ یہ حکمی موت ہے یہی وجہ ہے کہ اسکا مال اسکے وارثوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔(۱۶) اگر عبد ماذون مولیٰ سے بھاگ جائے تو وہ مجور ہو جائیگا کیونکہ اذن سے مولیٰ کا حق ساقط ہو جاتا ہے جبکہ مولیٰ اپنے سرکش غلام پر سے اپنے حق کو ساقط کرنے پر راضی نہیں ہوتا لہذا وہ دلالۃً مجور ہو جائیگا۔

(۱۷) وَاِذَا حَجرَ عَلَيْهِ فَاِقْرَارُه جائِزٌ فِيْمَا فِی يَدِه مِنَ الْمَالِ عِنْدَابِی حَنِيْفَةَ رَحِمَه اللّٰه وقَالا رَحِمَهُمَا اللّٰه لا يَصِحّ اِقْرَارُه۔

ترجمہ:۔اور اگر عبد ماذون پر مولیٰ نے حجر لگائی تو بعد از حجر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا اقرار جائز ہے اس مال میں جو اسکے قبضہ میں ہے اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا اقرار صحیح نہیں۔

تشریح:۔(۱۷) اگر عبد ماذون پر مولیٰ نے حجر لگائی تو بعد از حجر اس کا اقرار جائز ہے اس مال میں جو اسکے قبضہ میں ہے مثلاً اس نے اقرار کیا کہ میرے پاس جو کچھ مال ہے وہ فلاں شخص کی امانت ہے یا فلاں سے میں نے غصب کیا ہے یا میرے ذمہ فلاں کا قرضہ ہے تو یہ اقرار جائز ہے یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک ہے۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ حقیقۃً اور بالفعل غلام کا قبضہ باقی ہے اور حجر کی وجہ سے جو حکماً اسکا قبضہ باطل ہو جاتا ہے اس کیلئے شرط یہ ہے کہ مال مقبوض اسکی ضرورت سے زائد اور فارغ ہو جبکہ اسکا اقرار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ابھی تک اسکی ضرورت باقی ہے لہذا اسکا قبضہ معتبر ہے تو اس میں اقرار بھی صحیح ہے۔

جبکہ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک بعد از حجر عبد ماذون کا اقرار اس مال میں جو اسکے قبضہ میں ہے جائز نہیں۔ صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ اقرار کا صحیح ہونا اگر مولیٰ کی طرف سے اجازت کی وجہ سے ہو تو وہ تو حجر کی وجہ سے زائل ہوگئی اور اگر غلام کا مال پر قبضہ کی وجہ سے ہو تو حجر نے تو اسکا قبضہ علی المال بھی باطل کر دیا کیونکہ مجور کا قبضہ شرعاً غیر معتبر ہے لہذا صحت اقرار کی کوئی وجہ نہیں (امام ابوحنیفہ کا قول راجح ہے)۔

☆ ☆ ☆

(۱۸)وَاِذَا لَزِمَتْه دُيُوْنٌ تُحِيطُ بِمَالِهِ وَرَقَبَتِهِ لم يَمْلِكِ الْمَوْلَى ما فِي يَدِه فَاِنْ اَعْتَقَ عَبِيْدَه لم يَعْتِقُوْا عندابی حنيفَةَ وقالا يَمْلِك مافی يَدِه(۱۹)واِذَا باعَ عَبْدٌ مَاذُوْنٌ مِنَ الْمَوْلٰى شَيْئًا بِمِثْلِ الْقِيْمَةِ اَوْ اَكْثَرَ جازَ الْبَيْعُ وانْ باعَ بِنُقْصَانٍ لم يَجُزْ (۲۰)وَاِنْ باعَه المولىٰ شيئًا بِمِثْلِ الْقِيمَةِ اَوْ اَقَلَّ جازَ الْبَيْعُ فَاِنْ سَلَّمَه اِلَيْهِ قَبْلَ قَبْضِ الثَّمَنِ بَطَلَ الثَّمَنُ (۲۱)وَاِنْ اَمْسَكَه فِي يَدِه حَتّٰى يَسْتَوْفِيَ الثَّمَنَ جازَ۔

ترجمہ:۔ اور عبد ماذون پر اگر اس قدر قرضے واجب ہو گئے کہ اسکے مال اور رقبہ دونوں کو محیط ہو تو جو مال اسکے پاس ہو آقا اسکا مالک نہیں ہوگا اور اگر عبد ماذون (مقروض) اپنے آقا کے ہاتھ کوئی چیز مثل قیمت یا زیادہ قیمت کے ساتھ فروخت کریگا تو یہ جائز ہے اور اگر نقصان کے ساتھ بیچا تو جائز نہیں اور اگر مولیٰ نے عبد ماذون پر کوئی چیز مثل قیمت یا کم میں فروخت کر دی تو بیع جائز ہے پس اگر ثمن قبض کرنے سے پہلے اس کے حوالہ کر دے تو ثمن باطل ہو جائیگا اور اگر مبیع کو آقا روک دے یہاں تک کہ قیمت وصول کرے تو جائز ہے۔

تشریح:۔(۱۸)عبد ماذون پر اگر اس قدر قرضے واجب ہو گئے کہ اسکے مال اور رقبہ دونوں کو محیط ہوں تو ایسی صورت میں جو مال اسکے پاس ہو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک آقا اسکا مالک نہیں ہوگا کیونکہ اسکے ساتھ قرض خواہوں کا حق متعلق ہو چکا ہے اور قرضخواہوں کا حق مولیٰ کے حق سے مقدم ہے۔ پس اگر اسی صورت میں مولیٰ عبد ماذون کے غلاموں کو آزاد کرنا چاہے تو وہ آزاد نہیں ہونگے کیونکہ اعتاق غیر مالک سے صادر ہو رہا ہے۔ جبکہ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک ایسی صورت میں مولیٰ اس مال کا مالک ہو جائیگا جو عبد ماذون کے ہاتھ میں ہے تو اگر مولیٰ اسکے غلاموں کو آزاد کرنا چاہے تو آزاد ہو جائینگے (امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے)۔

(۱۹) اگر عبد ماذون مقروض اپنے آقا کے ہاتھ کوئی چیز مثل قیمت یا زیادہ قیمت کے ساتھ فروخت کریگا تو یہ جائز ہے کیونکہ اس میں تہمت نہیں اور اگر تھوڑے سے نقصان کے ساتھ فروخت کریگا تو یہ بیع جائز نہ ہوگی کیونکہ اس میں تہمت کا امکان ہے (کہ قرضخواہوں کو نقصان پہنچانے کے لئے مالک و مملوک کے درمیان خفیہ معاہدہ ہو چکا ہے)۔

لیکن یہ حکم جواز اس صورت میں ہوگا جبکہ غلام پر قرض ہو کیونکہ قرض کی شکل میں اسکا آقا اجنبی شخص کی طرح ہوتا ہے اور غلام کے مقروض نہ ہونے پر آقا اور غلام کے درمیان خرید و فروخت درست نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں تمام کا مالک آقا ہی ہوگا۔

(۲۰) اگر آقا اپنے ماذون و مقروض غلام کے ہاتھ کوئی چیز مثل قیمت یا کم قیمت کے ساتھ فروخت کر دے تو یہ جائز ہے کیونکہ اس میں تہمت کچھ نہیں اور قرض خواہوں کا نفع ہے۔ پھر اگر مولیٰ نے ثمن پر قبضہ کرنے سے پہلے مبیع عبد ماذون کو سپرد کیا اور ثمن دین ہے عین نہیں تو وہ ثمن باطل ہو جائیگا (یعنی آقا اسکا مطالبہ نہیں کر سکتا) کیونکہ اس صورت میں ثمن مولیٰ کی طرف سے غلام کے ذمہ قرض ہوگا جبکہ مولیٰ کا غلام کے ذمہ قرض نہیں ہوتا، جب ثمن باطل ہوا تو گویا آقا نے اس کے ہاتھ بلا قیمت فروخت کر دی۔ البتہ مولیٰ کیلئے مبیع واپس لینا جائز ہے۔(۲۱)اور اگر آقا مبیع کو روک دے یہاں تک کہ ثمن وصول کرلے تو یہ جائز ہے کیونکہ بائع کو مبیع روکنے کا حق حاصل ہے۔

☆ ☆ ☆

(۲۲) وَاِنْ اَعْتَقَ الْمَوْلٰى الْمَاذُوْنَ وعليه دُيُوْنٌ فَعِتْقُه جَائِزٌ والْمَوْلٰى ضَامِنٌ لِقِيْمَتِه لِلْغُرَمَاءِ (۲۳) ومابَقِيَ مِنَ الدُّيُوْنِ يُطَالَبُ به الْمُعْتَقُ۔

ترجمہ:۔اور اگر مولیٰ نے اپنے ماذون مقروض غلام کو آزاد کیا تو اس کا آزاد کرنا جائز ہے البتہ مولیٰ اس کے قرض خواہوں کو اسکی قیمت کے بقدر ضامن ہوگا اور باقی ماندہ دین کا مطالبہ قرضخواہ غلام سے اسکی آزادی کے بعد کریگا۔

تشریح:۔(۲۲) اگر مولیٰ نے اپنے ماذون مقروض غلام کو آزاد کیا تو یہ جائز ہے کیونکہ اس میں اب تک مولیٰ کی ملک باقی ہے لہذا اپنے ملک کے بموجب مولیٰ اس میں تصرف کرسکتا ہے۔البتہ مولیٰ اس کے قرض خواہوں کو اسکی قیمت کے بقدر تاوان دیگا کیونکہ قرض خواہوں کا حق اسکے رقبہ کے ساتھ متعلق ہو چکا ہے مولیٰ نے آزاد کر کے انکے حق کو تلف کر دیا۔(۲۳) اور اگر مولیٰ نے اسکی قیمت قرض خواہوں کو دیدی مگر انکا دین ادا نہ ہوا تو باقی ماندہ دین کا مطالبہ قرضخواہ غلام سے اسکی آزادی کے بعد کریگا کیونکہ دین اسکے ذمہ باقی ہے۔

(۲۴) وَاِذَا وَلَدَتِ الْمَاذُوْنَةُ مِنْ مَوْلٰهَا فَذٰلِكَ حَجْرٌ عَلَيْهَا (۲۵) وإنْ اَذِنَ وَلِيُّ الصَّبِيِّ لِلصَّبِيِّ فِي التِّجَارَةِ فهو في الشِّرَاءِ وَالْبَيْعِ كَالْعَبْدِ الْمَاذُوْنِ اِذَا كَانَ يَعْقِلُ الْبَيْعَ وَالشِّرَاءَ۔

ترجمہ:۔اور اگر ماذونہ باندی نے مولیٰ سے بچہ جنا تو یہ اس پر حجر ہے اور اگر بچہ کے ولی نے بچے کو تجارت کرنے کی اجازت دیدی تو وہ بچہ خرید و فروخت میں عبد ماذون کی طرح ہے بشرطیکہ وہ خرید و فروخت کو سمجھتا ہو۔

تشریح:۔(۲۴) اگر ماذونہ باندی کے ساتھ مولیٰ نے وطی کی اور باندی نے اس سے بچہ جنا تو وہ مجور ہو جائیگی کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ ام ولدہ ہونے کے بعد مولیٰ اسکے لوگوں کے ساتھ اختلاط کرنے سے راضی نہیں ہوتا۔

(۲۵) اگر بچہ کے ولی نے بچے کو تجارت کرنے کی اجازت دیدی تو وہ بچہ خرید و فروخت میں عبد ماذون کی طرح ہے بشرطیکہ وہ خرید و فروخت کو سمجھتا ہو کیونکہ عاقل بچہ بالغین کے ساتھ بھی مشابہت رکھتا ہے اسلئے کہ عاقل ممیز ہے۔اور اطفال غیر ذی عقل کے ساتھ بھی مشابہت رکھتا ہے کیونکہ اسکے عقل میں قصور ہے اور غیر کو اس پر ولایت حاصل ہے۔تو خالص نافع امور میں بالغین کے ساتھ ملحق ہے اور امور ضارہ میں اطفال کے ساتھ ملحق ہے۔اور وہ امور جو دائر بین النافع والضار ہوں ان میں اگر ولی کی طرف سے اذن نہ ہو تو اطفال میں شمار ہے اور اگر ولی کی طرف سے اذن ہو تو بالغین میں شمار ہوگا لِرُجْهَانِ جُهَةِ النَّفْعِ عَلَى الضَّرَرِ بِدَلَالَةِ الْاِذْنِ۔

كتاب المزارعة

یہ کتاب مزارعت کے بیان میں ہے۔

"مزارعت" ماخوذ ہے "زرع" (بمعنی بونا، بیج ڈالنا) سے، اور شریعت میں "عَقْدٌ عَلَى الزَّرْعِ بِبَعْضِ الْخَارِجِ" (یعنی پیداوار کے بعض حصہ پر کھیتی کرنے کا عقد کرنے) کو کہتے ہیں۔مزارعت کو مخابرہ اور محاقلہ بھی کہتے ہیں۔"كتاب المزارعت" کی ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ مزارع اور ماذون میں سے ہر ایک ملکِ غیر میں کام کرنے والا ہے۔

(۱) قَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اَلْمُزَارَعَةُ بِالثُّلُثِ بَاطِلَةٌ وقالا جَائِزَةٌ۔

ترجمه:۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ثلث پر مزارعت باطل ہے اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک جائز ہے۔

تشریح:۔ (۱) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ثلث وربع یا کم وبیش پر مزارعت باطل ہے "لِاَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْمُخَابَرَةِ (وَهِيَ الْمُزَارَعَةُ)" یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مخابرہ سے منع فرمایا ہے۔ اور مخابرہ مضارعت کو کہتے ہیں۔ نیز ایک وجہ فساد یہ بھی ہے کہ مزارعت میں اُجرت مجہول یا بالکل معدوم ہوتی ہے۔

صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک مزارعت ثلث وربع وغیرہ پر جائز ہے کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خیبر فتح کیا تو وہاں کے یہود کوان کی زمین پر برقرار رکھا اور یہ طے فرمایا کہ جو پیداوار ہو اسکا نصف مسلمانوں کو دیا کریں تو اگر مزارعت جائز نہ ہوتی تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کیوں اسکو اختیار فرماتے۔

نیز مزارعت تو عقدِ شرکت بین المال والعمل ہے تو جس طرح مضاربت جائز ہے کہ اس میں بھی ایک کا مال دوسرے کا عمل ہوتا ہے تو ایسا ہی مزارعت بھی جائز ہونا چاہئے فتویٰ صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر ہے اسلئے امام قدوری رحمہ اللہ نے آنے والے مسائل ان کے مسلک پر متفرع کئے ہیں۔

(۲) وَهِيَ عِنْدَهُمَا عَلٰى اَرْبَعَةِ اَوْجُهٍ اِذَا كَانَتِ الْاَرْضُ وَالْبَذْرُ لِوَاحِدٍ وَالْعَمَلُ وَالْبَقَرُ لِوَاحِدٍ جَازَتِ الْمُزَارَعَةُ وَاِنْ كَانَتِ الْاَرْضُ لِوَاحِدٍ وَالْعَمَلُ وَالْبَقَرُ وَالْبَذْرُ لِآخَرَ جَازَتِ الْمُزَارَعَةُ وَاِنْ كَانَتِ الْاَرْضُ وَالْبَذْرُ وَالْبَقَرُ لِوَاحِدٍ وَالْعَمَلُ لِوَاحِدٍ جَازَتْ وَاِنْ كَانَتِ الْاَرْضُ وَالْبَقَرُ لِوَاحِدٍ وَالْبَذْرُ وَالْعَمَلُ لِوَاحِدٍ فَهِيَ بَاطِلَةٌ۔

ترجمه:۔ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک مزارعت کی چار صورتیں ہیں، اگر زمین اور بیج ایک کی طرف سے ہو اور بیل اور کام دوسرے کی طرف سے تو یہ جائز ہے، اور اگر زمین ایک کی ہو اور کام، بیل اور بیج دوسرے کی طرف سے ہو تو یہ بھی جائز ہے، اور اگر زمین اور بیج اور بیل ایک کی ہو اور عمل دوسرے کی ہو تو یہ بھی جائز ہے، اور اگر زمین اور بیل ایک کی ہو اور بیج اور عمل دوسرے کی ہو تو یہ باطل ہے۔

تشریح:۔ (۲) صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک مزارعت کی چار صورتیں ہیں جن میں سے تین جائز اور ایک باطل ہے۔

نمبر ۱۔ زمین اور بیج ایک کی طرف سے ہو بیل اور کام دوسرے کی طرف سے، یہ صورت جائز ہے کیونکہ اس صورت میں صاحب زمین مستاجر ہے عامل کو بعض پیداوار کے عوض اجارہ پر لیا ہے اور بیل اجیر کے عمل کے تابع ہے کیونکہ عمل کا آلہ ہے اور یہ ایسی صورت ہے جیسے مستاجر درزی کو اجیر رکھے تاکہ وہ اجارہ پر اپنی سوئی سے مستاجر کے کپڑے سی لے لہذا یہ جائز ہے۔

نمبر ۲۔ زمین ایک کی ہو اور کام، بیل اور بیج دوسرے کی طرف سے ہو تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ اس کا حاصل یہ ہے کہ عامل صاحب زمین کی زمین کرایہ پر لے رہا ہے جو کہ جائز ہے۔ **نمبر ۳**۔ اگر زمین، بیج اور بیل ایک کی ہو اور عمل دوسرے کی ہو تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ اسکا حاصل یہ ہے کہ صاحب زمین نے کام کرنے والے کو صاحب زمین ہی کے آلات سے کام کرنے کیلئے اجیر رکھا ہے تو یہ ایسا

ہے جیسے مستاجر درزی کو اجیر رکھے تاکہ مستاجر ہی کے سوئی سے مستاجر کے کپڑے سی لے لہذا یہ جائز ہے۔

نمبر ۴ ۔زمین اور بیل ایک کے ہوں کام اور بیج دوسرے کی طرف سے ہو ظاہر الروایت کے مطابق یہ صورت باطل ہے کیونکہ اس صورت میں عامل نے زمین اور بیلوں کو کرایہ پر لیا ہے اور اُجرت پیداوار کا کچھ حصہ مقرر کیا ہے جبکہ بیلوں کو بعض پیداوار کے بدلے کرایہ پر لینا جائز نہیں۔

(۳)وَلَاتَصِحُّ الْمُزَارَعَةُ اِلَّا عَلٰی مُدَّةٍ مَعْلُوْمَةٍ (٤)وَاَنْ یَکُوْنَ الْخَارِجُ بَیْنَهُمَا مُشَاعًا (٥)فَاِنْ شَرَطَا لِاَحَدِهِمَاقُفْزَانًا مُسَمَّاةً فَهِیَ بَاطِلَةٌ (٦)وَکَذَالِکَ اِذَا شَرَطَا ما عَلَی الْمَاذِیَانَاتِ وَالسَّوَاقِیْ۔

توجمه:۔اور مزارعت صحیح نہیں مگر یہ کہ مدت معلوم ہو اور یہ کہ زمین کی پیداوار میں مزارع اور رب الارض کے درمیان اشتراک بطریق شیوع ہو پس اگر کسی ایک کیلئے کچھ معلوم قفیزوں کی شرط کرلی تو یہ مزارعت باطل ہے اسی طرح اگر وہ پیداوار جو نالیوں کے آس پاس ہوگی کسی ایک کے لئے شرط کرلی (تو مزارعت کی یہ صورت باطل ہے)۔

تشریح:۔(۳)صحتِ مزارعت کیلئے شرط یہ ہے کہ مدتِ مزارعت معلوم ہو کیونکہ مدت کا مجہول ہونا اختلاف کا سبب بنتا ہے مثلاً صاحب زمین اپنی زمین کو جلدی فارغ کرنے کا مطالبہ کریگا اور مزارع زیادہ مدت تک فصل کو زمین پر برقرار رکھنے کا تقاضا کریگا۔(٤)اور صحت مزارعت کیلئے یہ بھی شرط ہے کہ حاصلاتِ زمین میں مزارع اور رب الارض کے درمیان اشتراک بطریق شیوع ہو کیونکہ مزارعت انتہاءً شرکت ہے۔(٥)پس اگر مشاعاً شرط نہ کی بلکہ کسی ایک کیلئے کچھ معلوم پیداوار مثلاً دس قفیزوں کی شرط کرلی تو یہ مزارعت باطل ہے کیونکہ اس سے شرکت منقطع ہوجائیگی اسلئے کہ ہوسکتا ہے کہ زمین کی کل پیداوار ہی صرف دس قفیز ہوں تو دوسرے کیلئے کچھ نہ بچنے کی وجہ سے شرکت منقطع ہوجائیگی۔(٦)اسی طرح اگر وہ پیداوار جو نالیوں کے آس پاس ہوگی کسی ایک کے لئے شرط کرلی تو مزارعت کی یہ صورت باطل ہے کیونکہ اس میں بھی صورت سابقہ کی طرح انقطاع شرکت کا امکان ہے۔"ماذیانات" اور "سواقی" ان نالیوں کو کہتے ہیں جو نہر سے چھوٹی ہوں دونوں مرادف الفاظ ہیں۔

(٧)وَاِذَا صَحَّتِ الْمُزَارَعَةُ فَالْخَارِجُ بَیْنَهُمَا عَلَی الشَّرْطِ (٨)وَاِنْ لم تُخْرِجِ الْاَرْضُ شَیْئًا فَلا شَیْئَ لِلْعَامِلِ (٩)وَاِذَافَسَدَتِ الْمُزَارَعَةُ فَالْخَارِجُ لِصَاحِبِ الْبَذْرِ فَاِنْ کَانَ الْبَذْرُ مِنْ قِبَلِ رَبِّ الْاَرْضِ فَلِلْعَامِلِ اَجْرُ مِثْلِهٖ لا یُزَادُ عَلٰی مِقْدَارِ مَاشُرِطَ لَه مِنَ الْخَارِجِ وقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَه اَجْرُ مِثْلِهٖ بَالِغًا مابَلَغَ(١٠)وَاِنْ کَانَ الْبَذْرُ مِنْ قِبَلِ الْعَامِلِ فَلِصَاحِبِ الْاَرْضِ اَجْرُ مِثْلِهَا۔

توجمه:۔اور جب مزارعت صحیح ہوجائے تو جو پیداوار ان دونوں کے درمیان شرط کے مطابق ہوگی اور اگر زمین کوئی چیز پیدا نہ کرے تو عامل کو کچھ نہیں ملیگا اور اگر مزارعت فاسد ہوجائے تو ساری پیداوار اسکو ملے گی جس کا بیج تھا پھر اگر بیج زمین والے کی طرف سے ہو تو عامل کیلئے اسکے مثل کی اُجرت ہے مگر یہ اُجرت مثل عامل کیلئے شرط کی گئی پیداوار کی مقدار سے زائد نہیں ہوگی جبکہ امام محمد رحمہ اللہ نے

فرمایا کہ عامل کیلئے اُجرت مثل ہے جتنی پہنچ جائے اور اگر بیج عامل کی طرف سے ہو تو صاحب زمین کو اسکی زمین کی اُجرت مثل ملیگی۔

تشریح :۔(۷) صحت مزارعت کی جو شرائط ہیں متعاقدین نے ان کی رعایت کر کے عقد مزارعت کر لیا (اور مثلاً پیداوار کو نصف نصف تقسیم کرنے کی شرط کر لی) تو جو پیداوار ہوگی اسکو شرط کے مطابق تقسیم کر لینگے۔(۸) اگر کسی وجہ سے پیداوار کچھ بھی نہیں ہوئی تو عامل کو کچھ اُجرت نہیں ملیگی کیونکہ اس کی اُجرت پیداوار ہی کی ایک حصہ تھی جب پیداوار ہوئی نہیں تو اسکا حصہ بھی نہیں۔

(۹) اگر مزارعت فاسد ہو جائے تو ساری پیداوار اسکو ملے گی جس کا بیج تھا اسلئے کہ یہ پیداوار اسکی ملک (بیج) کی نماء (بڑھوتری) ہے دوسرے کو اُجرت مثل ملے گی۔ پھر اگر بیج زمین والے کی طرف سے ہو تو عامل کیلئے اسکے مثل کی اُجرت ہے مگر یہ اُجرتِ مثل اس مقدار پر زائد نہیں ہوگی جو بوقت عقد عامل کیلئے شرط کی گئی ہو مثلاً عامل کیلئے نصف پیداوار شرط کر لی تھی تو اب یہ اُجرت مثل نصف پیداوار سے زیادہ نہ ہوگی کیونکہ وہ اپنا حق ساقط کرنے پر خود راضی ہو چکا ہے ورنہ وہ پیداوار کی کم مقدار پر آمادہ نہ ہوتا یہ شیخین رحمہما اللہ کا مسلک ہے (اور یہی قول راجح ہے)۔ جبکہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک عامل کیلئے اُجرت مثل ہے خواہ شرط کی گئی مقدار سے کم ہو یا زیادہ۔

(۱۰) اگر بیج عامل کی طرف سے ہو تو صاحب زمین کو اسکی زمین کی اُجرت مثل ملے گی کیونکہ عامل نے عقد فاسد کی وجہ سے اسکی زمین کے منافع حاصل کیا ہے لہذا عامل پر منافع زمین کی قیمت ادا کرنا لازم ہے۔ اس میں بھی شیخین رحمہما اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے درمیان سابقہ صورت کی طرح اختلاف ہے۔

(۱۱) وَاِذَا عَقَدِتِ الْمُزَارَعَةَ فَامْتَنَعَ صَاحِبُ الْبَذْرِ مِنَ الْعَمَلِ لم يُجْبَرْ عَلَيْهِ (۱۲) وَاِنْ اِمْتَنَعَ الَّذِىْ لَيْسَ مِنْ قِبَلِهِ الْبَذْرِ اَجْبَرَهُ الْحَاكِمُ علَى الْعَمَلِ (۱۳) وَاِذَا ماتَ اَحَدُ الْمُتَعَاقِدَيْنِ بَطَلَتِ الْمُزَارَعَةُ۔

ترجمہ :۔ اور اگر عقد مزارعت کر لیا پھر بیج والا کام کرنے سے رُک گیا تو اسکو معاملہ مزارعت پورا کرنے پر مجبور نہیں کیا جائیگا اور اگر متعاقدین میں سے معاملہ پورا کرنے سے وہ رک گیا جس کا بیج نہیں تھا تو حاکم اسکو کام کرنے پر مجبور کریگا اور اگر متعاقدین میں سے کوئی ایک مر جائے عقد مزارعت باطل ہو جائیگا۔

تشریح :۔(۱۱) اگر شروط صحت کے مطابق مزارعت کا معاملہ متعاقدین کے درمیان طے ہو گیا تو اب بیج والا بیج ڈالنے سے پہلے کام کرنے سے رُک گیا تو اسکو معاملہ مزارعت پورا کرنے پر مجبور نہیں کیا جائیگا کیونکہ بغیر اسکے نقصان کے یہ معاملہ پورا نہیں ہو سکتا اسلئے کہ یہ اپنا بیج زمین میں ہلاک کر دیگا تب یہ عقد پورا ہو جائیگا جس میں فی الحال اسکا نقصان ہے۔

(۱۲) اگر متعاقدین میں سے معاملہ پورا کرنے سے وہ رک گیا جس کا بیج نہیں تو حاکم اسکو معاملہ پورا کرنے پر مجبور کریگا اسلئے کہ عقد پورا کرنے سے اسکو کوئی نقصان نہیں پہنچتا اور عقد بھی لازم ہو چکا ہے تو یہ اجارہ کی طرح ہے۔ البتہ اگر کوئی ایسا عذر پیش آیا جس سے اجارہ فسخ ہو جاتا ہے تو اس سے مزارعت بھی فسخ کر دی جائیگی (۱۳) اگر متعاقدین میں سے کوئی ایک مر جائے تو اجارہ پر قیاس کرتے ہوئے عقد مزارعت کو باطل قرار دیا جائیگا۔

(۱۴)وَاِذَا انْقَضَتْ مُدَّةُ الزَّرْعِ لم يُدْرَكْ كانَ عَلَى الْمُزَارِعِ اَجْرُ مِثْلِ نَصِيْبِهِ مِنَ الْاَرْضِ اِلٰى اَنْ يُسْتَحْصَدَ، (۱۵)وَالنَّفَقَةُ عَلَى الزَّرْعِ عَلَيْهِمَا عَلٰى مِقْدَارِ حُقُوْقِهِمَا۔

ترجمہ:۔اوراگرمدت مزارعت ختم ہوگئی مگرکھیتی اب تک پکی نہیں ہے توکھیتی کٹنے تک کی مدت کا عامل اپنے حصہ کے بقدرزمین کی اُجرت مثل اداکریگااورکھیتی پرخرچہ متعاقدین پران کے حقوق کے مطابق ہوگا۔

تشریح:۔(۱۴)اگرمدت مزارعت ختم ہوگئی مگرکھیتی اب تک پکی نہیں ہے (مثلاً ایک مہینہ کھیتی پکنےاورکٹنے تک باقی ہے) توعامل اپنے حصہ کے بقدرزمین کی ایک مہینے کی اُجرت مثل اداکریگا کیونکہ اس میں بقدرالامکان جانبین کی رعایت ہے۔(۱۵)لیکن چونکہ اب عقد مزارعت ختم ہوچکااورکھیتی دونوں کامشترک ہے لہذااسکے بعد ہرایک بقدرحصہ خرچ اورکام کاذمہ دارہوگا۔

(۱۶)اُجْرَةُ الْحَصَادِ وَالدِّيَاسِ وَالرِّفَاعِ وَالتَّذْرِيَةِ عَلَيْهِمَا بِالْحِصَصِ (۱۷)فَاِنْ شَرَطَاهُ فِي الْمُزَارَعَةِ عَلَى الْعَامِلِ فَسَدَتْ۔

ترجمہ:۔کھیتی کاٹنے،گاہنے،اکٹھی کرنےاورغلہ صاف کرنے کی اُجرت دونوں پربقدرحصہ ہوگی اوراگر(بوقت عقد) مذکورہ بالاخرچ صرف عامل کے ذمہ لگادے تو یہ عقدفاسد ہے۔

تشریح:۔(۱۶)جب کھیتی پک کرمکمل ہوجائے خواہ مدت پوری ہوئی ہویانہیں تواسکے بعدکھیتی کاٹنے،گاہنے،اکٹھی کرنےاورغلہ صاف کرنے کی اُجرت دونوں پربقدرحصہ ہوگی کیونکہ کھیتی کی تکمیل سے عقدبھی انتہاءکوپہنچ گیااورمال متعاقدین کے درمیان مشترک ہوگیا توخرچہ بھی دونوں پرہوگا۔(۱۷)اگربوقت عقدمذکورہ بالاخرچ صرف عامل کے ذمہ لگادے تو یہ عقدفاسد ہے کیونکہ یہ ایک ایسی شرط ہے جس کاعقدمقتضی نہیں اورمتعاقدین میں سے ایک (یعنی صاحب زمین) کافائدہ بھی ہے۔

كِتَابُ الْمُسَاقَاتِ

یہ کتاب مساقات کے بیان میں ہے۔

"مساقات" ماخوذ ہے "سقی" سے بمعنی سیراب کرنا۔شرعاً وہ عقد ہے کہ ایک شخص اپناباغ دوسرے کواس لئے دیدے تاکہ وہ اسکی اصلاح اوردیکھ بھال کرےاورعامل کوپیداوارمیں سے معلوم حصہ دے۔اہل مدینہ مساقات کومعاملہ کہتے ہیں۔

"مساقات" کی "مزارعت" کے ساتھ مناسبت ظاہر ہے۔حکم اورشرائط میں بھی مزارعت کی طرح ہے۔نیزاس میں بھی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اورصاحبین رحمہما اللہ کاوہی اختلاف ہے جومزارعت میں گذرگیا۔فتوٰی اس میں بھی صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر ہے امام قدوری رحمہ اللہ کی درج ذیل عبارت میں یہی بیان ہے فرماتے ہیں۔

(۱)قَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اَلْمُسَاقَاةُ بِجُزْءٍ مِنَ الثَّمَرَةِ بَاطِلَةٌ وَقَالَا جَائِزٌ اِذَا ذَكَرَ مُدَّةً وَسَمَّيَا جُزْءًا مِنَ الثَّمَرَةِ مُشَاعًا۔

ترجمہ:۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پھل کا کچھ حصہ مقرر کر کے مساقات باطل ہے اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں جائز ہے جبکہ مدت معین ذکر کردیں اور پھل کا حصہ بطریق مشاع معین کردے۔

تشریح:۔(۱)اس عبارت میں امام قدوری رحمہ اللہ نے صاحبین رحمہما اللہ کے مذہب کے مطابق صحت مساقات کی دو شرطیں بیان کی ہیں۔پہلی شرط یہ ہے کہ مساقات کیلئے مدت معلومہ ذکر کی جائے اور یہ شرط قیاسی ہے کَمَا مَرَّ فِی الْمُزَارَعَةِ۔لیکن استحسان یہ ہے کہ اگر مساقات کیلئے مدت معلومہ ذکر نہ کی تب بھی جائز ہے کیونکہ پھلوں کے پکنے کا معروف وقت ہوتا ہے۔اور مدت بیان نہ کرنے کی صورت میں عقدان پھلوں پر واقع ہوگا جو پہلے پیدا ہوں۔دوسری شرط یہ ہے کہ پھلوں کا کوئی جزء مشاعاً مقرر کیا جائے ورنہ تو شرکت متحقق نہ ہوگی کَمَا مَرَّ فِی الْمُزَارَعَةِ۔

(۲)وَتَجُوْزُ الْمُسَاقَاةُ فِی النَّخْلِ وَالشَّجَرِ وَالْكَرْمِ وَالرِّطَابِ وَأُصُوْلِ الْبَاذِنْجَانِ (۳)فَإِنْ دَفَعَ نَخْلًا فِيْهِ ثَمَرَةٌ مُسَاقَاةً وَالثَّمَرُ تَزِيْدُ بِالْعَمَلِ جَازَ (٤)وَإِنْ كَانَتْ قَدْ اِنْتَهَتْ لَمْ يَجُزْ۔

ترجمہ:۔اور مساقات جائز ہے کھجور اور دیگر درختوں میں اور انگور میں اور سبزیوں میں اور بینگن کے پودوں میں اور اگر صاحب باغ نے عامل کو کھجور کا باغ مساقات پر دیا جس میں (کچے) پھل لگے ہوئے تھے جو عامل کی محنت سے اور بڑھ سکتے ہیں تو جائز ہے اور اگر پھل پک چکے ہوں تو جائز نہیں۔

تشریح:۔(۲)مساقات جائز ہے کھجور اور دیگر درختوں میں اور انگور میں اور سبزیوں میں اور بینگن کے پودوں میں کیونکہ مساقات کا جواز حاجت وضرورت کی وجہ سے ہے اور حاجت مذکورہ بالا سب چیزوں میں ہے۔

(۳)اگر صاحب باغ نے عامل کو کھجور کا باغ مساقات پر دیا جس میں کچے پھل لگے ہوئے تھے جو عامل کی محنت سے اور بڑھ سکتے ہوں تو مساقات کی یہ صورت جائز ہے۔(٤)اور اگر پھل پک چکے ہوں عامل کی محنت سے مزید نہ بڑھ سکتے ہوں تو مساقات کی یہ صورت جائز نہیں کیونکہ عامل اپنے عمل کی وجہ سے مستحق ہوتا ہے جب پھل پک چکا ہے تو اس کے عمل کو کوئی دخل نہیں رہا۔

(۵)وَإِذَا فَسَدَتِ الْمُسَاقَاةُ فَلِلْعَامِلِ أَجْرُ مِثْلِهِ (٦)وَتَبْطُلُ الْمُسَاقَاةُ بِالْمَوْتِ (۷)وَتُفْسَخُ بِالْأَعْذَارِ كَمَا تُفْسَخُ الْإِجَارَةُ۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی وجہ سے مساقات فاسد ہو جائے تو عامل کو اُجرت مثل ملے گی اور (احد المتعاقدین کی) موت سے بھی مساقات باطل ہوتی ہے اور عذروں فسخ ہو جاتی ہے جس طرح کہ اجارہ فسخ ہو جاتا ہے۔

تشریح:۔(۵)اگر کسی وجہ سے مساقات فاسد ہو جائے تو عامل کو اُجرت مثل ملے گی کیونکہ مساقات فاسدہ، اجارہ فاسدہ کے معنی میں ہے تو جیسے اجارہ فاسدہ میں اجیر کو اُجرت مثل ملتی ہے تو مساقات میں بھی اُجرت مثل ملے گی۔(٦)احد المتعاقدین کی موت سے بھی مساقات باطل ہوتی ہے کیونکہ یہ اجارہ کے معنی میں ہے۔

(۷) جن عذروں کی بناء پر اجارہ فسخ ہو جاتا ہے ان عذروں کی وجہ سے مساقات بھی فسخ ہو جاتی ہے مثلاً عامل چور ہے پھل پکنے سے پہلے وہ چوری کریگا تو اس میں صاحب زمین کا ایسا نقصان ہے جس کا اس نے التزام نہیں کیا ہے لہذا وہ مساقات کو فسخ کر سکتا ہے۔

تَمَتِ الْبُیُوْعُ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ

كتابُ النّكاح

یہ کتاب احکامِ نکاح کے بیان میں ہے۔

"نکاح" لغت میں وطی سے عبارت ہے اور تزوّج کو مجازاً نکاح کہتے ہیں کیونکہ تزوّج وطی کا سبب ہے بعض کہتے ہیں کہ نکاح وطی اور تزوّج میں مشترک ہے۔ اور اصطلاح میں "عَقْدٌ وُضِعَ لِتَمْلِيْكِ مَنَافِعِ الْبُضْعِ" یعنی منافع بضع کی تملیک کیلئے وضع شدہ عقد کو نکاح کہتے ہیں۔ مساقات کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ مساقات و نکاح میں سے ہر ایک میں مطلوب ثمرہ ہوتا ہے۔

نکاح عند التوقان (اَیْ شِدَّةُ الْاِشْتِيَاقِ اِلَى النِّسَاءِ) واجب ہے اور اگر زنا کا یقین ہو یعنی بغیر نکاح کے زنا سے بچنا ممکن نہ ہو تو فرض ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک فرضِ کفایہ ہے اور حالتِ اعتدال میں (جبکہ مہر، نفقہ اور وطی پر قدرت رکھتا ہو) سنت مؤکدہ ہے۔ بہر حال فرض ہو فرضِ کفایہ ہو واجب ہو یا سنت، نفل عبادت کے ساتھ مشغول ہونے سے افضل ہے۔

الحكمة :۔ اعلم ان الله سبحانه وتعالى قد خلق الانسان ليعمر هذه الارض التى خلق كل ما فيها له بدليل قوله تعالى ﴿خلق لكم ما فى الارض جميعا﴾ اذا عرفت هذا عرفت ان بقاء الارض عامرة يستلزم وجود الانسان حتى تنتهى مدة الدنيا وهذا يستلزم التناسل وحفظ النوع الانسانى حتى لايكون خلق الارض ومافيها عبثا فنتج من هذا ان عمار الكون متوقف على وجود الانسان ووجوده متوقف على وجود النكاح۔ (حكمة التشريع)

(۱) اَلنِّكَاحُ يَنْعَقِدُ بِالْاِيْجَابِ وَالْقَبُوْلِ بِلَفْظَيْنِ يُعَبَّرُ بِهِمَا عَنِ الْمَاضِىْ۔

ترجمہ:۔ نکاح ایجاب اور قبول سے منعقد ہوتا ہے جبکہ ایسے دو لفظوں سے ہو جن سے زمانہ ماضی کو تعبیر (بیان) کیا جائے۔

تشریح:۔ (۱) نکاح ایجاب اور قبول سے منعقد ہوتا ہے جبکہ ایسے دو لفظوں سے ہو جن سے زمانہ ماضی کو تعبیر (بیان) کیا جائے، مگر سوال یہ ہے کہ نکاح تو از قبیل انشاء ہے تو اسکو صیغہ ماضی سے کیسے تعبیر کیا جا سکتا ہے؟

جواب:۔ لغت میں ایسا لفظ موجود نہیں جو صراحۃً انشاء یعنی حدوث امر فی الحال پر دلالت کرے کیونکہ ماضی تو گذشتہ پر دلالت کرتا ہے اور مضارع جس طرح کہ حال پر دلالت کرتا ہے اسی طرح استقبال پر بھی دلالت کرتا ہے لہذا حال پر اسکی دلالت صریح نہ ہوگی تو صیغہ ماضی اگر چہ اخبار کیلئے وضع کیا گیا ہے مگر ضرورت نکاح کو پورا کرنے کیلئے شرعاً انشاء کے معنی میں نقل کیا گیا ہے۔

(۲)اَوْیُعَبِّرُ بِاَحَدِهِمَا عَنِ الْمَاضِی وَالْآخَرِ عَنِ الْمُسْتَقْبَلِ مِثْلُ اَنْ یَقُوْلَ زَوِّجْنِیْ فَیَقُوْلُ زَوَّجْتُکَ۔

توجمه:۔اور یا (ایسے دولفظوں سے بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے جن میں سے) ایک سے ماضی کو تعبیر کیا جائے اور دوسرے سے مستقبل کو تعبیر کیا جائے مثلاً زوج کہے "زَوِّجْنِیْ ابنتک" (اپنی بیٹی سے میرا نکاح کر) اور مخاطب کہے "زَوَّجْتُکَ" (میں نے تیرا نکاح کردیا)۔

تشریح:۔(۲) یعنی ایسے دولفظوں سے بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے جن میں سے ایک سے ماضی کو تعبیر کیا جائے اور دوسرے سے مستقبل کو تعبیر کیا جائے مثلاً زوج کہے "زَوِّجْنِیْ اِبْنَتَکَ" (اپنی بیٹی سے میرا نکاح کر) اور مخاطب کہے "زَوَّجْتُکَ" (میں نے تیرا نکاح کردیا)۔

دراصل اس میں زوج کا قول "زَوِّجْنِیْ" ایجاب نہیں بلکہ اس سے مخاطب کو وکیل بنایا اور جب مخاطب نے "زَوَّجْتُکَ" کہا تو یہ ایجاب اور قبول دونوں ہیں اور باب نکاح میں شخص واحد طرفین کا متولی بن سکتا ہے۔

(۳)وَلَایَنْعَقِدُ نِکَاحُ الْمُسْلِمِیْنَ اِلَّابِحُضُوْرِ شَاهِدَیْنِ حُرَّیْنِ بَالِغَیْنِ عَاقِلَیْنِ مُسْلِمَیْنِ (۴)اَوْ رَجُلٍ وَامْرَأتَیْنِ عُدُوْلًا کَانُوْا اَوْ غَیْرَعُدُوْلٍ (۵)اَوْ مَحْدُوْدَیْنِ فِی قَذْفٍ۔

توجمه:۔اور دو مسلمانوں کا نکاح منعقد نہیں ہوتا مگر دو گواہوں کی موجودگی میں اور گواہ دونوں آزاد، بالغ، عاقل اور مسلمان ہوں اور یا گواہ ایک مرد دو عورتیں ہوں خواہ دونوں عادل ہوں یا غیر عادل ہوں یا دونوں محدود فی القذف ہوں۔

تشریح:۔(۳) دو مسلمانوں کا نکاح منعقد نہیں ہوتا مگر دو گواہوں کی موجودگی میں "لِقَوْلِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَانِکَاحَ اِلَّا بِشُهُوْدٍ" (یعنی گواہوں کے بغیر نکاح نہیں)۔اور گواہ بھی ایسے ہوں کہ دونوں آزاد، بالغ، عاقل اور مسلمان ہوں اور دونوں کا متعاقدین کے کلام کو سننا اور سمجھنا ضروری ہے۔

(۴) یا گواہ ایک مرد دو عورتیں ہوں مگر گواہوں کا عادل ہونا شرط نہیں بلکہ فاسق (۵) اور محدود فی القذف (جو شخص کسی پاک دامن مرد یا عورت پر زنیٰ کی تہمت لگائے پھر گواہ نہ پیش کر سکنے کی وجہ سے اسے اسی (۸۰) کوڑے لگ جائے اسکو محدود فی القذف کہتے ہیں) بھی گواہ بن سکتے ہیں کیونکہ یہ سارے اہل ولایت میں سے ہیں (ولایت کہتے ہیں تَنْفِیْذُ الْقَوْلِ عَلَی الْغَیْرِ شَاءَ الْغَیْرُ اَوْاَبیٰ) اور جو اہل ولایت ہو وہ اہل شہادت بھی ہے۔

پھر محدود فی القذف تحمل شہادت تو کر سکتا ہے لیکن اگر کسی وجہ سے عدالت میں گواہی دینے کی ضرورت پڑے تو گواہی نہیں دے سکتا ہے۔

(٦)فَاِنْ تَزَوَّجَ مُسْلِمٌ ذِمِّیَّةً بِشَهَادَةِ ذِمِّیَّیْنِ جَازَ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَاَبِیْ یُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَایَجُوْزُ اِلَّا اَنْ یَشْهَدَ شَاهِدَیْنِ مُسْلِمَیْنِ۔

توجمه:۔پس اگر مسلمان مرد نے ذمی عورت کے ساتھ نکاح کرلیا اور گواہ دو ذمیوں کی گواہی سے تو یہ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک جائز ہے اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک جائز نہیں مگر یہ کہ دو مسلمان گواہ گواہی دیں۔

تشریح:۔(٦) اگر مسلمان مرد نے ذمی عورت کے ساتھ نکاح کرلیا اور گواہ دو ذمی مرد ہوئے تو یہ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک جائز ہے یعنی نکاح منعقد ہو جائیگا۔ لیکن اگر مسلمان مرد نے کسی وجہ سے نکاح کا انکار کیا تو ذمیوں کی گواہی سے نکاح ثابت نہیں ہوسکتا۔ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ذمیوں کی گواہی سے مسلمان کا نکاح منعقد نہیں ہوتا (شیخین کا قول راجح ہے)۔

(۷) ولا يَحِلُّ لِلرَّجُلِ اَنْ يَتَزَوَّجَ بِاُمِّهٖ ولا بِجَدَّاتِهٖ مِنْ قِبَلِ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ ولا بِبِنْتِهٖ ولا بِبِنْتِ وَلَدِهٖ وَاِنْ سَفُلَتْ (۸) ولا بِاُخْتِهٖ ولا بِبَنَاتِ اُخْتِهٖ (۹) ولا بِعَمَّتِهٖ ولا بِخَالَتِهٖ ولا بِبَنَاتِ اَخِيْهِ (۱۰) ولا بِاُمِّ اِمْرَاَتِهِ الَّتِي دَخَلَ بِابْنَتِهَا او لم يَدْخُلْ ولا بِبِنْتِ اِمْرَاَتِهِ الَّتِي دَخَلَ بِهَا سَوَاءٌ كَانَتْ فِي حِجْرِهٖ او فِي حِجْرِ غَيْرِهٖ (۱۱) ولا بِامْرَاَةِ اَبِيْهِ ولا اَجْدَادِهٖ ولا بِامْرَاَةِ اِبْنِهٖ ولا بَنِيْ اَوْلَادِهٖ (۱۲) ولا بِاُمِّهٖ مِنَ الرَّضَاعَةِ ولا بِاُخْتِهٖ من الرَّضَاعَةِ (۱۳) ولا يَجْمَعُ بين الْاُخْتَيْنِ بِنِكَاحٍ ولا بِمِلْكِ يَمِيْنٍ وَطْئًا ولا يَجْمَعُ بَيْنَ الْمَرْاَةِ وَعَمَّتِهَا وخَالَتِهَا ولا اِبْنَةِ اُخْتِهَا ولا اِبْنَةِ اَخِيْهَا (۱۴) ولا يَجْمَعُ بَيْنَ اِمْرَاَتَيْنِ لَوْ كَانَتْ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا رَجُلًا لم يَجُزْ له اَنْ يَتَزَوَّجَ بِالْاُخْرٰى (۱۵) ولا بَاْسَ بِاَنْ يَجْمَعَ بَيْنَ اِمْرَاَةٍ وَابْنَةِ زَوْجٍ كَانَ لَهَا مِنْ قَبْلُ۔

ترجمہ:۔ اور آدمی کے لئے حلال نہیں یہ کہ اپنی ماں سے نکاح کرے اور نہ اپنی دادی سے مردوں کی طرف سے ہو یا عورتوں کی طرف سے اور نہ اپنی بیٹی سے اور نہ اپنی پوتی سے اگر چہ نیچے کی ہو اور نہ اپنی بہن سے اور نہ اپنی بھانجیوں سے اور نہ اپنی پھوپھی سے اور نہ اپنی خالہ سے اور نہ اپنی بھتیجیوں سے اور نہ اپنی ساس سے خواہ اس کی بیٹی سے دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو اور نہ اپنی اس بیوی کی لڑکی سے جس سے وہ دخول کر چکا ہے خواہ وہ لڑکی اس کی پرورش میں ہو یا کسی اور کی پرورش میں ہو اور نہ اپنے باپ اور اپنے دادوں کی بیوی سے اور نہ اپنی بہو سے اور نہ اپنے پوتوں کی بیوی سے اور نہ اپنی رضاعی ماں سے اور نہ رضاعی بہن سے اور دو بہنوں کو نکاح کے ذریعہ جمع نہ کرے اور نہ ملک یمین کے ذریعہ از روئے وطی کے اور نہ جمع کرے عورت اور اسکی پھوپھی کو یا خالہ کو اور نہ اس کی بھانجی کو اور نہ اس کی بھتیجی کو اور نہ ایسی دو عورتوں کو جمع کرے کہ ان میں سے کوئی ایک مرد ہو تو اس کے لئے دوسری سے نکاح جائز نہ ہو اور عورت اور اس کے پہلے خاوند کی لڑکی کو جمع کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

تشریح:۔ یہاں سے امام قدوری رحمہ اللہ محرمات کو بیان فرماتے ہیں اسباب حرمت نو (۹) ہیں قرابت، مصاہرۃ، رضاعت، جمع المحرمات، تقدیم الحرۃ علی الامۃ، قیام حق الغیر من نکاح او عدۃ، شرک، ملک یمین، طلقات ثلاث۔

محرمات کل چودہ ہیں سات نسبی ہیں اور سات سببی ہیں سب کو امام قدوری رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔ (۷) مرد کا اپنی ماں، دادی، دادی کی ماں، نانی، نانی کی ماں وَاِنْ عَلَوْنَ کے ساتھ نکاح جائز نہیں اسی طرح مرد پر اپنی بیٹی، بیٹی کی بیٹی اور بیٹے کی بیٹی وَاِنْ سَفُلْنَ حرام ہیں لِقَوْلِهٖ تَعَالٰی ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ الخ﴾ (یعنی حرام کی گئیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں) چونکہ لغت میں لفظ اُم اصل کو اور بنت فرع کو کہتے ہیں پس اسی آیت سے جدات اور بنات الابن اور بنات البنت سب کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔

(۸) اسی طرح مرد پر اپنی بہن (خواہ سگی ہو یا صرف باپ شریک ہو یا صرف ماں شریک ہو) اور بہن کی بیٹیوں کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے لقوله تعالیٰ ﴿وَاَخَوَاتُكُمْ .... وبَنَاتُ الْاُخْتِ﴾ (یعنی حرام کی گئیں تم پر تمہاری بہنیں......اور بھانجیاں)۔

(۹) اسی طرح مرد پر اپنی پھوپھی اور خالہ (لِاَبٍ وَاُمٍّ اَوْ لِاَحَدِهِمَا) کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے لقوله تعالیٰ ﴿وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ﴾ (یعنی حرام کی گئیں تم پر تمہاری پھوپھیاں اور خالائیں)۔ اسی طرح مرد پر اپنے بھائی کی بیٹی کے ساتھ نکاح حرام ہے لقوله تعالیٰ ﴿وَبَنٰتُ الْاَخِ﴾ (یعنی حرام کی گئیں تم پر تمہارے بھائی کی بیٹیاں) مذکورہ بالا وہ محرمات ہیں جنکی حرمت نسبی ہے۔

(۱۰) اسی طرح اپنی بیوی کی ماں کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے برابر ہے کہ بیوی کے ساتھ صحبت بھی کر چکا ہے یا صرف عقدِ نکاح ہوا ہے صحبت نہیں کی ہے لقوله تعالى ﴿ وَاُمَّهٰتُ نِسَائِكُمْ﴾ (یعنی حرام کی گئیں تم پر تمہاری بیویوں کی مائیں)۔ اسی طرح اپنی بیوی کی بیٹی کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے بشرطیکہ بیوی کے ساتھ صحبت کر چکا ہو صرف عقدِ نکاح سے بیوی کی بیٹی کے ساتھ نکاح کرنا حرام نہیں ہوتا لقوله تعالیٰ ﴿وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِيْ فِي حُجُوْرِكُمْ مِنْ نِّسَائِكُمُ اللّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ﴾ (یعنی حرام کی گئیں تم پر تمہاری ربیبہ لڑکیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں تمہاری ایسی بیویوں سے جن کے ساتھ تم نے صحبت کی ہو اور اگر تم نے ان بیبیوں سے صحبت نہ کی ہو تو تم کو کوئی گناہ نہیں)۔ اس آیت مبارکہ میں فِي حُجُوْرِكُمْ بطور شرط نہیں بلکہ گود میں پرورش پانے کا ذکر بطور عادت بیان ہوا ہے کہ عادت یہی ہے کہ ربیبہ اپنی ماں کے دوسرے خاوند کے یہاں پرورش پاتی ہے۔

(۱۱) اسی طرح مرد پر اپنے باپ دادا کی بیوی کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے خواہ باپ دادا نے دخول کیا ہو یا نہ لقوله تعالیٰ ﴿وَلَاتَنْكِحُوْا مَانَكَحَ آبَاؤُكُمْ﴾ (یعنی نہ نکاح کرو ان عورتوں کے ساتھ جن کے ساتھ تمہارے آباء نے نکاح کیا ہو)۔ اسی طرح اپنے بیٹے اور پوتے کی بیوی کے ساتھ نکاح حرام ہے لقوله تعالیٰ ﴿وَحَلَائِلُ اَبْنَائِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ﴾ (یعنی تم پر حرام کی گئیں تمہارے بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری پشت سے ہیں)۔ اس آیت مبارکہ میں اصلاب کی قید متبنّیٰ کے اعتبار کو ساقط کرنے کے لئے ہے کہ متبنّیٰ کی بیوی کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے۔

الغاز: ای رجل له امرأتان ارضعت احداهما صبیا حرمت الاخری علیه وحلها؟

فقل: رجل زوج ابنه الصغیر امة فاعتقت فاختارت نفسها فتزوجت بآخر وله زوجة فارضعت الصبی الذی کان زوج ضرتها بلبن هذا الرجل حرمت ضرتها علی زوجها لانه صار ابنه من الرضاع فصار متزوجا حلیلة ابنه فلایجوز۔ (الاشباہ والنظائر)

(۱۲) رضاعی ماں، بہن بلکہ اس سے پہلے جتنے رشتوں کی حرمت بسبب نسب یا مصاہرۃ کے ذکر ہوئی وہ تمام رشتے رضاعت کے سبب سے بھی حرام ہیں "لقوله ﷺ یحرمُ مِنَ الرَّضَاعِ ما یُحَرَّمُ مِنَ النَّسَبِ " (یعنی حرام ہوتی ہے بوجہ رضاعت کے جو حرام ہوتی ہے نسب سے)۔

(۱۳) اسی طرح مرد پر دو نسبی یا رضاعی بہنوں کو برائے وطی جمع کرنا حرام ہے یوں کہ دونوں کے ساتھ نکاح کرلے یا ایک کے

ساتھ نکاح کرلے اور دوسری لونڈی ہو خرید لے یا دونوں لونڈیاں ہوں کوئی انکو خرید لے لقولہ تعالیٰ ﴿وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ﴾ (یعنی تم پر حرام کیا گیا یہ کہ تم جمع کرو دو بہنوں میں)۔ اسی طرح مرد پر عورت کو اپنی پھوپھی کے ساتھ جمع کرنا حرام ہے "لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتنکح المَرْاَۃُ عَلٰی عَمَّتِهَا اَوْ خَالَتِهَا ولاعلی ابْنَةِ اَخِيْهَا ولاعلی ابْنَةِ اُخْتِهَا" (یعنی نکاح نہ کیا جائے عورت سے اسکی پھوپھی پر اور نہ اس کی خالہ پر اور نہ اس کی بھتیجی پر اور نہ اس کی بھانجی پر)۔

(۱۴) بلکہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ہر ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے کہ جن میں سے کسی ایک کو اگر مرد فرض کرلیا جائے تو اس کیلئے دوسری حلال نہ ہو جیسے عورت اپنی پھوپھی یا خالہ وغیرہ کے ساتھ۔ (۱۵) یہی وجہ ہے کہ عورت اور اسکے سابقہ خاوند کی لڑکی کو جمع کرنا جائز ہے کیونکہ اگر اس عورت کو مرد فرض کیا جائے تو اس پر اس کے شوہر کی بیٹی حرام نہیں کیونکہ وہ اس عورت کی نسبت اجنبی شخص کی بیٹی ہے ہاں اگر اس لڑکی کو مرد فرض کیا جائے تو اس پر یہ عورت امرأۃ الاب ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔

(۱٦) وَمَنْ زَنٰی بِامْرَاَۃٍ حَرُمَتْ عَلَیْهِ اُمُّهَا وَابْنَتُهَا۔

ترجمہ:۔ اور اگر کسی نے کسی عورت کے ساتھ زنیٰ کیا تو اس شخص پر اس عورت کی ماں اور بیٹی حرام ہونگی۔

تشریح:۔ (۱٦) اگر کسی شخص نے کسی عورت کے ساتھ زنیٰ کیا تو اس شخص پر اس عورت کی ماں اور بیٹی اور عورت پر اس مرد کا باپ اور بیٹا حرام ہونگے ماں اور بیٹی، باپ اور بیٹے سے مراد اصول اور فروع ہیں۔

(۱۷) وَاِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ اِمْرَاَتَه طَلَاقًا بَائِنًا لَمْ یَجُزْ لَه اَنْ یَتَزَوَّجَ بِاُخْتِهَا حَتّٰی تَنْقَضِیَ عِدَّتُهَا۔

ترجمہ:۔ اور اگر کسی نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دی تو اسکی بہن کے ساتھ اس شخص کا نکاح کرنا جائز نہیں یہاں تک کہ اس کی عدت گذر جائے۔

تشریح:۔ (۱۷) اگر کسی نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دی تو جب تک کہ اسکی عدت (عدت عورت کے طلاق یا شوہر کی وفات پر سوگ کے زمانہ کو کہتے ہیں) نہ گذر جائے اسکی بہن کے ساتھ اس شخص کا نکاح کرنا جائز نہیں بلکہ ہر اس عورت کے ساتھ اس کا نکاح جائز نہیں جس کو مطلقہ کے ساتھ جمع کرنا ممنوع ہو کیونکہ اب تک نکاح کا اثر (یعنی عدت) باقی ہے جو مانع عن النکاح ہے۔

(۱۸) ولایَجُوْزُ اَنْ یَتَزَوَّجَ الْمَوْلٰی اَمَتَه (۱۹) ولا اِمْرَاَۃٌ عَبْدَهَا۔

ترجمہ:۔ اور مولیٰ کا اپنی باندی کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں ہے اور نہ عورت کا اپنے غلام کے ساتھ۔

تشریح:۔ (۱۸) مولیٰ کا اپنی باندی کے ساتھ نکاح کرنا (۱۹) اور عورت کا اپنے غلام کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں کیونکہ نکاح کی وجہ سے متناکحین میں سے ہر ایک کچھ حقوق کا مالک ہو جاتا ہے مثلاً مرد کو وطی اور دوائی وطی کا حق حاصل ہو جاتا ہے اور عورت کو نفقہ، سکنیٰ اور منع عن العزل کا حق حاصل ہو جاتا ہے تو یہ مالکیت ہے اور مالکیت و مملوکیت میں منافات ہے۔

☆ ☆ ☆

(۲۰)ویجوزُ تزویجُ الکتابیاتِ (۲۱)ولا یجوزُ تزویجُ المجوسیّاتِ ولا الوثنیّاتِ (۲۲)ویجوزُ تزویجُ الصابیاتِ اِنْ کانُوا یُؤمنون بنبیٍّ ویقرّون بکتابٍ واِنْ کانوا یعبُدُونَ الکواکبَ ولا کتابَ لَھُمْ لَمْ تجزْ مناکحتُھُم۔

ترجمہ:۔اور مسلمان کیلئے کتابی عورت کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے مگر مجوسیہ عورت اور وثنیہ عورت کے ساتھ نکاح جائز نہیں اور صابیہ عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے اگر وہ کسی نبی پر ایمان رکھتی ہوں اور کسی کتاب کا اقرار کرتی ہوں اور اگر وہ ستاروں کی عبادت کرتی ہوں اور ان کے پاس کوئی کتاب نہ ہو تو ان سے نکاح کرنا جائز نہیں۔

تشریح:۔(۲۰)مسلمان کیلئے کتابی عورت کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے (کتابی وہ ہے جو کسی نبی پر ایمان رکھتا ہو اور کسی اسمانی کتاب کا اقرار کرتا ہو) لِقولہ تعالیٰ ﴿وَالمُحصَنَاتُ مِنَ الذِیْنَ اُوْتُوْ الکِتَابَ﴾ (یعنی حلال کی گئیں ہیں تمہارے لئے اہلِ کتاب میں سے محصنہ عورتیں)۔

(۲۱) مگر مجوسیہ یعنی آتش پرست عورت کے ساتھ مسلمان کا نکاح جائز نہیں کیونکہ مجوس اہل کتاب میں سے نہیں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "سُنّوا بِھِمْ سُنَّۃَ اَھْلِ الکِتابِ غَیْرَ نَاکِحِیْ نِسَائِھِمْ ولا آکِلِیْ ذَبَائِحِھِمْ" (یعنی مجوسیوں کے ساتھ اہلِ کتاب کا سا برتاؤ کرو سوائے ان کی عورتوں سے نکاح کرنے میں اور ان کا ذبیحہ کھانے میں)۔اسی طرح وثنیہ یعنی بت پرست عورت کے ساتھ بھی نکاح جائز نہیں لقولہ تعالیٰ ﴿ولاتَنکِحُ المُشْرِکاتِ حتّٰی یُؤمِن﴾ (یعنی نکاح مت کرو مشرک عورتوں کے ساتھ جب تک کہ ایمان نہ لے آئیں)۔

(۲۲)البتہ صابیہ عورت کے ساتھ نکاح کے جواز وعدم جواز میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور صاحبین رحمہما اللہ کا اختلاف ہے۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ جواز اور صاحبین رحمہما اللہ عدم جواز کے قائل ہیں۔درحقیقت یہ اختلاف صابی کی تعریف وتفسیر میں ہے۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک صابی وہ ہے جو زبور کو مانتا ہے اور ستاروں کی صرف تعظیم کرتا ہے تو اہل کتاب ہونے کی وجہ سے اسکے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے۔صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک صابی وہ ہے جو ستاروں کی عبادت کرتا ہے اور کسی کتاب کو نہیں مانتا ہے تو چونکہ یہ اہل کتاب نہیں بلکہ عبدۃ الاوثان کی طرح ہے لہٰذا اسکے ساتھ نکاح جائز نہیں۔

(۲۳)وَیَجُوزُ لِلْمُحْرِمِ وَالْمُحْرِمَۃِ اَنْ یَتَزَوَّجَا فِی حَالَۃِ الْاِحْرَامِ۔

ترجمہ:۔اور محرم اور محرمہ کے لئے جائز ہے حالت احرام میں نکاح کرنا۔

تشریح:۔(۲۳)حالت احرام میں (خواہ احرام حج کا ہو یا عمرہ کا یا دونوں کا ہو) میں نکاح کرنا جائز ہے کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت احرام میں حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا تھا۔

(۲۴)وَیَنعَقِدُ نِکَاحُ الحُرَّۃِ البَالِغَۃِ العَاقِلَۃِ بِرِضَاھَا وَاِنْ لَمْ یَعْقِدْ عَلَیْھَا وَلِیٌّ عِنْدَاَبِی حَنِیفَۃَ رَحمہ اللہ بِکراً کَانَتْ اَوْ ثَیِّباً وَقَالَا رَحِمَھُمَا اللہ لایَنعَقِدُاِلّا بِاِذْنِ وَلِیٍّ۔

ترجمہ:۔اور حرہ، عاقلہ، بالغہ عورت کا نکاح امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اسکی رضامندی سے منعقد ہو جاتا ہے اگرچہ اس کے ولی نے عقد نہ کیا ہو خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ ہو اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ منعقد نہیں ہوتا مگر ولی کی اجازت سے۔

تشریح:۔(۲۴) حرہ، عاقلہ، بالغہ عورت کا نکاح اسکی رضامندی سے ولی کے انعقاد و اجازت کے بغیر بھی منعقد ہو جاتا ہے خواہ عقد عورت خود کرلے یا وکیل سے کرائے خواہ عورت باکرہ ہو یا ثیبہ کیونکہ وہ خالص اپنے حق میں تصرف کرتی ہے اور وہ تصرف کا اہل ہے یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے مال میں تصرف کرسکتی ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک ہے۔

صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک ولی کی اجازت کے بغیر عورت کا نکاح کرنا جائز نہیں ''لِقَوْلِه صَلی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ نَفْسَهَا بِغَيْرِ اِذْنِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ '' (یعنی جو بھی عورت اپنا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر کرلے تو اس کا نکاح باطل ہے)۔

(۲۵) وَلا يَجُوزُ لِلْوَلِيِّ اِجْبَارُ الْبِكْرِ الْبَالِغَةِ الْعَاقِلَةِ (۲۶) وَاِذَا اسْتَاْذَنَهَا الْوَلِيُّ فَسَكَتَتْ اَوْ ضَحِكَتْ اَوْ بَكَتْ بِغَيْرِ صَوْتٍ فَذَالِكَ اِذْنٌ مِنْهَا (۲۷) وَاِنْ اَبَتْ لَمْ يُزَوِّجْهَا (۲۸) وَاِذَا اسْتَاْذَنَ الثَّيِّبَ فَلا بُدَّ مِنْ رِضَائِهَا بِالْقَوْلِ۔

ترجمہ:۔اور ولی کیلئے یہ جائز نہیں کہ باکرہ بالغہ عاقلہ عورت کو نکاح پر مجبور کردے اور اگر ولی نے (بالغہ باکرہ عورت سے) اسکے نکاح کرانے کی اجازت مانگی تو وہ خاموش ہوگئی یا ہنس پڑی یا بلا آواز رو پڑی تو یہ اس کی طرف سے اجازت ہوگی اور اگر وہ انکار کردے تو ولی اس کا نکاح نہ کردے اور اگر ولی نے ثیبہ عورت سے نکاح کے بارے میں اجازت طلب کی تو اسکی طرف سے رضامندی کا اظہار زبان سے ضروری ہے۔

تشریح:۔(۲۵) ولی کیلئے یہ جائز نہیں کہ بالغہ اور عاقلہ عورت کو نکاح پر مجبور کردے خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ کیونکہ عورت کے بلوغ کے بعد ولی کی ولایت اجبار منقطع ہو جاتی ہے۔ (۲۶) اگر ولی نے بالغہ باکرہ عورت سے اسکے نکاح کرانے کی اجازت مانگی تو وہ خاموش ہوگئی یا ہنس پڑی یا بلا آواز رو پڑی تو یہ خاموش رہنا یا ہنسنا یا بلا آواز رونا اس کی طرف سے اجازت ہوگی بشرطیکہ ہنسی استہزاءً نہ ہو کیونکہ باکرہ عورت نکاح میں رغبت کا اظہار سے شرماتی ہے مگر انکار کرنے سے نہیں شرماتی لہذا خاموشی یا ہنسی رغبت کی علامت ہے۔ (۲۷) اگر باکرہ انکار کردے تو ولی اس کا نکاح نہ کردے کیونکہ بلوغ کی وجہ سے ولی کی ولایت منقطع ہوگئی ہے۔

(۲۸) اگر ولی نے ثیبہ بالغہ عورت سے نکاح کے بارے میں اجازت طلب کی تو اسکی طرف سے رضامندی کا اظہار زبان سے ضروری ہے کیونکہ ثیبہ اب امور نکاح میں تجربہ رکھتی ہے اور مردوں کے ساتھ اختلاط کی وجہ سے اسکی حیاء بھی کم ہوگئی ہے لہذا اس کے حق میں تکلم کرکے اظہار رضامندی سے کوئی مانع نہیں۔

(۲۹)وَاِذَا زَالَتْ بَکَارَتُهَابِوَثْبَةٍ او حَيْضَةٍ او جَرَاحَةٍ او تَعْنِيسٍ فَهِيَ فِي حُكْمِ الْاَبْكَارِ (۳۰)واِنْ زَالَتْ بَکَارَتُهَا بِالزِّنَا فَهِيَ كَذَالِكَ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰه وقالا هِيَ فِي حُكْمِ الثَّيِّبِ۔

ترجمہ:۔اوراگرلڑکی کی بکارت زائل ہوگئی کودنے کی وجہ سے یا حیض کی وجہ سے یاکسی زخم کی وجہ سے یا کثرت عمر کی وجہ سے تو یہ لڑکی باکرہ کے حکم میں ہوگی اوراگر باکرہ کی بکارت زنی سے زائل ہوگئی تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ بھی باکرہ کے حکم میں ہے اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک یہ ثیبہ کے حکم میں ہے۔

تشریح:۔(۲۹)اگرکسی لڑکی کی بکارت زائل ہوگئی کودنے کی وجہ سے یا قوت حیض کی وجہ سے یاکسی زخم کی وجہ سے یا کثرت عمر کی وجہ سے تو ان سب صورتوں میں یہ لڑکی باکرہ کے حکم میں ہوگی یعنی بوقت استیذان اس کاسکوت اذن شمار ہوگا کیونکہ یہ عورت حقیقت میں باکرہ ہے۔
(۳۰)اگر باکرہ کی بکارت زنی سے زائل ہوگئی تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ بھی باکرہ کے حکم میں ہے کیونکہ لوگ اسکو باکرہ قرار دیتے ہیں تو اگرنکاح کے بارے میں کلام کریگی تو لوگ اسکو معیوب قرار دینگے تو وہ کلام کرنے سے رکے گی اس لئے اسکے سکوت پراکتفاء کیاجائیگا تا کہ اس پراسکے مصالح معطل نہ ہوجائیں۔صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک یہ عورت ثیبہ کے حکم میں ہے لہذا اسکے سکوت پر اکتفاء نہیں کیاجائیگا کیونکہ یہ حقیقت میں ثیبہ ہے(امام ابوحنیفہؒ کاقول راجح ہے)۔

(۳۱)واِذَا قَالَ الزَّوْجُ لِلْبِكْرِ بَلَغَكِ النِّكَاحُ فَسَكَتِّ وقَالَتْ بَلْ رَدَدْتُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا ولا يَمِيْنَ عَلَيْهَا (۳۲)ولا يُسْتَحْلَفُ فِي النِّكَاحِ عِنْدَ اَبِي حنيفةَ رَحِمَهُ اللّٰه وقالايُسْتَحْلَفُ فِيْهِ۔

ترجمہ:۔اوراگرزوج نے باکرہ سے کہاتم کونکاح کی خبرپہنچی تھی توتم خاموش ہوگئی تھی اورعورت کہتی ہے بلکہ میں نے انکارکیاتھاتو عورت کی بات مانی جائیگی اورعورت پرقسم نہیں اورامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک نکاح میں قسم نہیں لی جائیگی اورصاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں اس میں قسم لی جائیگی۔

تشریح:۔(۳۱)کسی شخص نے کسی باکرہ عورت سے کہاکہ تجھے جب یہ خبرپہنچی تھی کہ تیرانکاح میرے ساتھ ہوچکاہے توتوخاموش ہوگئی تھی لہذا میرے ساتھ تیرانکاح ہوگیاہے عورت نے کہانہیں بلکہ اطلاع ملتے ہی میں نے رد کیاتھالہذا نکاح نہیں ہواہے تو قول عورت کا معتبر ہے کیونکہ عورت لزوم عقد کاانکارکررہی ہے(جبکہ مرد کے پاس گواہ نہیں)لہذا قول عورت ہی کامعتبرہوگا۔امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عورت پرقسم بھی نہیں جبکہ صاحبینؒ کے نزدیک عورت پرقسم ہے۔(۳۲)مذکورہ بالااختلاف اس اصل پرمبنی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک باب نکاح میں استحلاف نہیں خِلافاً لَهُمَا۔فتویٰ صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر ہے۔

(۳۳)وَيَنعَقِدُ النِّكاحُ بِلَفظِ النِّكاحِ وَالتَّزوِيجِ وَالتَّملِيكِ وَالهِبَةِ وَالصَّدَقَةِ (۳۴)ولا يَنعَقِدُ بِلَفظِ الإجَارَةِ وَالإعَارَةِ وَالإبَاحَةِ۔

ترجمه:۔اور لفظ نکاح، تزویج، تملیک، ہبہ اور صدقہ سے منعقد ہو جاتا ہے اور لفظ اجارہ اور اعارہ اور اباحت سے منعقد نہیں ہوتا۔

تشریح:۔(۳۳)لفظ نکاح اور تزویج سے بغیر نیت و دلالۃ الحال کے نکاح منعقد ہو جاتا ہے کیونکہ یہ دو لفظ نکاح میں صریح ہیں اور ان دو الفاظ کے علاوہ ہر وہ لفظ جو تملیک عین فی الحال کیلئے وضع ہو جیسے تملیک، ہبہ، صدقہ، بیع اور شراء تو یہ کنائی الفاظ ہیں پس بغیر نیت یا قرینہ کے ان سے نکاح منعقد نہیں ہوتا اگر نیت نکاح ہو تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ (۳۴)لفظ اجارہ، اباحت اور اعارہ سے نکاح منعقد نہیں ہوتا کیونکہ یہ الفاظ تملیک عین کے لئے وضع نہیں بلکہ تملیک منفعت کیلئے وضع ہیں۔

(۳۵)و يجوزُ نِكاحُ الصَّغِيرِ وَالصَّغِيرَةِ إذَا زَوَّجَهُمَا الوَلِيُّ بِكْراً كانَتِ الصَّغِيرَةُ اَوْ ثَيِّباً (۳۶)وَالوَلِيُّ هو العَصَبَةُ۔

ترجمه:۔اور صغیر اور صغیرہ کا نکاح جائز ہے جب ولی ان کا نکاح کرائے خواہ صغیرہ باکرہ ہو یا ثیبہ اور ولی عصبہ ہے۔

تشریح:۔(۳۵)صغیر اور صغیرہ کا نکاح جائز ہے جب ولی ان کا نکاح کرائے خواہ صغیرہ باکرہ ہو یا ثیبہ کیونکہ شرط ولایت موجود ہے یعنی ان کا صغر سنی کی وجہ سے عاجز ہونا۔(۳۶) باب نکاح میں اولیاء کی وہی ترتیب ہے جو باب وراثت میں عصبات کی ترتیب ہے سب سے پہلا حقدار بیٹا ہے پھر پوتا پھر پڑپوتا وَاِنْ سَفَلَ اور اگر یہ نہ ہوں تو باپ پھر دادا وَاِنْ عَلَا اور اگر یہ نہ ہوں تو پھر بھائی پھر بھتیجا ہے وَاِنْ سَفَلَ اور اگر یہ نہ ہوں تو پھر چچا پھر اِبْنُ الْعَم ہے وَاِنْ سَفُلَ۔

(۳۷)فَإنْ زَوَّجَهمَا الْاَبُ اَوِ الْجَدُّ فلا خِيارَ لَهُمَا بَعْدَ الْبُلُوْغِ (۳۸)وانْ زَوَّجَهُمَاغَيْرُ الْاَبِ وَالْجَدِّ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَاالْخِيَارُ اِنْ شاءَ اَقَامَ عَلَى النِّكاحِ وَاِنْ شاءَ فَسَخَ۔

ترجمه:۔پس اگر صغیر و صغیرہ کا نکاح باپ یا دادا میں سے کسی ایک نے کرایا تو بالغ ہونے کے بعد صغیر و صغیرہ کو خیار بلوغ حاصل نہ ہوگا اور اگر باپ یا دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے نکاح کرایا ہو تو بعد از بلوغ صغیر اور صغیرہ کو خیار بلوغ حاصل ہے اگر چاہے تو نکاح کو برقرار رکھے اور اگر چاہے تو فسخ کردے۔

تشریح:۔(۳۷)اگر صغیر و صغیرہ کا نکاح باپ اور دادا میں سے کسی ایک نے کرایا تو اگرچہ غبن فاحش یا غیر کفو میں ہو یہ نکاح لازم ہوگا بالغ ہونے کے بعد صغیر و صغیرہ کو خیار بلوغ حاصل نہ ہوگا کیونکہ باپ اور دادا دونوں کامل رائے اور بھرپور شفقت رکھتے ہیں اسلئے دونوں کا نکاح لازم ہے پس یہ ایسا ہے جیسے بعد از بلوغ باپ یا دادا نے ان کی رضامندی سے نکاح کرایا ہو۔

(۳۸)اگر باپ یا دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے نکاح کرایا ہو تو اگرچہ مہر مثل اور کفو ہی میں کرایا ہو پھر بھی بعد از بلوغ صغیر اور صغیرہ کو خیار بلوغ حاصل ہے چاہے تو نکاح کو برقرار رکھے اور چاہے تو فسخ کردے کیونکہ باپ اور دادا کے علاوہ میں شفقت کامل نہیں بلکہ قاصر ہے پس نقصان شفقت کی وجہ سے نکاح میں خلل کا واقع ہونا ممکن ہے جس کی تلافی خیار بلوغ سے ممکن ہے اسلئے انکو خیار بلوغ حاصل ہے۔

(۳۹)ولا ولاية لِعَبدٍ ولا صَغيرٍ ولا لِمَجنُونٍ (۴۱)ولا لِكافِرٍ علىٰ مُسلِمَةٍ۔

ترجمہ:۔ اور غلام، صغیر اور مجنون میں سے کسی کو حق ولایت حاصل نہیں اور نہ کافر کو مسلمان عورت پر حق ولایت حاصل ہے۔

تشریح:۔ (۳۹) غلام، صغیر اور مجنون میں سے کسی کو حق ولایت حاصل نہیں یعنی یہ کسی کے ولی نہیں بن سکتے ہیں کیونکہ انکو اپنے اوپر حق ولایت حاصل نہیں تو دوسرے پر تو بدرجہ اولی انکو حق ولایت حاصل نہ ہوگا۔

(۴۱) کافر کو مسلمان عورت پر حق ولایت حاصل نہیں لقولہ تعالیٰ ﴿وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا﴾ (ہر گز نہیں بنائیگا اللہ تعالیٰ کافر کیلئے مسلمان پر کوئی راہ) یہی وجہ ہے کہ مسلمان وکافر میں سے کوئی ایک دوسرے کا وارث نہیں ہوسکتا۔

البتہ کافر اپنی کافرہ بیٹی کا نکاح کرا سکتا ہے لقولہ تعالیٰ ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ﴾ (یعنی کفار بعض بعض کے ولی ہیں) یہی وجہ ہے کہ کافر دوسرے کافر کا وارث ہوسکتا ہے۔

(۴۲)وَقَالَ اَبُوْ حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَجُوْزُ لِغَيرِ الْعَصَبَاتِ مِنَ الْاَقَارِبِ اَلتَّزْوِيْجُ مِثْلَ الْاُخْتِ وَالْاُمِّ وَالْخَالَةِ۔

ترجمہ:۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عصبات کے علاوہ دیگر اقارب کے لئے نکاح کرانا جائز ہے جیسے بہن، ماں اور خالہ۔

تشریح:۔ (۴۳) عصبات کی عدم موجودگی میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ولایت دوسرے قرابت داروں (ذوی الارحام) کیلئے ثابت ہوگی جیسے ماں، دادی، بہن، پھوپھی، ماموں، خالہ وغیرھم۔ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ذوی الارحام کیلئے ولایت ثابت نہ ہوگی اور امام یوسفؒ کا قول مضطرب ہے مشہور یہ ہے کہ امام یوسف رحمہ اللہ امام محمد رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں (امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے)۔

(۴۴)وَمَنْ لاوَلِيَّ لَهَا اِذَا زَوَّجَهَا مَوْلَاهَا الَّذِيْ اَعْتَقَهَا جَازَ۔

ترجمہ:۔ اور جس لڑکی کا ولی نہ ہو تو جب اسکا نکاح وہ مولی کرادے جس نے اس کو آزاد کردیا ہے تو جائز۔

تشریح:۔ (۴۴) اگر کسی لڑکی کے عصبات نسبی نہ ہوں اور اسکا نکاح مولی عتاقہ (یعنی وہ آقا جس نے اسکو آزاد کیا ہے) نے کرادیا تو یہ جائز ہے کیونکہ مولی سببی عصبہ ہے اور عصبات میں سے آخری عصبہ ہے۔ اور اگر کسی لڑکی کا کوئی بھی ولی نہ ہو تو اسکا ولی وقت کا امام اور خلیفہ ہے لانه (الامام) ولی من لا ولی له (یعنی امام ولی ہے ہر اس شخص کا جس کا ولی نہیں)۔

(۴۵)وَاِذَا غَابَ الْوَلِيُّ الْاَقْرَبُ غَيْبَةً مُنْقَطِعَةً جَازَ لِمَنْ هو اَبْعَدُ مِنْهُ اَنْ يُزَوِّجَهَا (۴۶)وَالْغَيْبَةُ الْمُنْقَطِعَةُ اَنْ يَكُوْنَ فِيْ بَلَدٍ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ الْقَوَافِلُ فِي السَّنَةِ اِلَّا مَرَّةً وَاحِدَةً۔

ترجمہ:۔ اور اگر ولی اقرب (مثلاً باپ) غیبت منقطعہ کے طور پر غائب ہوگیا تو ولی ابعد (مثلاً دادا) کے لئے جائز ہے کہ اس کا نکاح کرائے اور غیبت منقطعہ یہ ہے کہ ولی کسی ایسے شہر میں ہو جہاں قافلے سال میں صرف ایک ہی مرتبہ جاتے ہوں۔

تشریح:۔ (۴۵) اگر کسی لڑکی کا ولی اقرب (مثلاً باپ) غیبت منقطعہ کے طور پر غائب ہوگیا تو ولی ابعد (مثلاً دادا) کیلئے ولایت تزویج ثابت ہوگی کیونکہ ولایت کا مدار شفقت پر ہے اور جس شخص کی رائے سے نفع اٹھانا ممکن نہ ہو تو امور نکاح اسکے سپرد کرنے میں کوئی شفقت

نہیں اس لئے ہم نے ولی البعد کے سپرد کیا اور ولی البعد امام سے مقدم ہے۔

(۴۶) غیبت منقطعہ سے مراد یہ ہے کہ ولی کسی ایسے شہر میں ہو جہاں قافلے سال میں صرف ایک ہی مرتبہ جاتے ہوں۔ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ ادنیٰ مدت سفر یعنی تین دن کی مسافت پر چلے جانے سے غیبت منقطعہ متحقق ہو جائیگی۔ اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ اگر ولی ایسی جگہ چلا گیا کہ اگر اسکی رائے معلوم کی جائیگی تو کفو فوت ہو جائیگا تو سمجھا جائیگا کہ یہ غائب بغیبت منقطعہ ہے اور یہ آخری قول اقرب الی الفقہ ہے۔

(۴۷) وَالْكَفَاءَةُ فِي النِّكَاحِ مُعْتَبَرَةٌ (۴۸) فَإِذَا تَزَوَّجَتِ الْمَرْأَةُ بِغَيْرِ كُفْوٍ فَلِلْأَوْلِيَاءِ اَنْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَهُمَا۔

ترجمہ:۔ اور بابِ نکاح میں کفاءت معتبر ہے پس اگر عورت اپنا نکاح غیر کفو میں کرلے تو اولیاء کو یہ حق حاصل ہے کہ ان کے درمیان تفریق کردے۔

تشریح:۔ (۴۷) بابِ نکاح میں کفاءت (رجل کا عورت کے ساتھ اسلام، نسب، تقویٰ، حریت اور مال و حرفت میں مساوی ہونے کو کفاءۃ کہتے ہیں) معتبر ہے اور کفاءۃ مرد کی طرف سے معتبر ہے کیونکہ شریف عورت کو خسیس کا فراش ہونا ناگوار ہوتا ہے لہذا کفاءت ضروری ہے۔ عورت کی طرف سے معتبر نہیں کیونکہ مرد کیلئے دناءۃِ فراش باعث عار نہیں۔

(۴۸) پس اگر عورت اپنا نکاح از خود غیر کفو میں کرلے تو یہ چونکہ اس کے اولیاء کیلئے باعث عار ہے لہذا برائے دفع عار از اولیاء، اولیاء کو یہ حق حاصل ہے کہ ان کے درمیان تفریق کردے اور یہ حق عورت کے بچہ جننے سے پہلے تک ہے۔ اگر عورت کے اولیاء میں سے کسی ایک نے اسکا نکاح غیر کفو میں کرلیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک باقی اولیاء کو اب حق تفریق حاصل نہیں اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک باقی اولیاء کیلئے حق تفریق ہے وَالصَّحِيْحُ قَوْلُ اَبِي حَنِيْفَةَ۔

(۴۹) وَالْكَفَاءَةُ تُعْتَبَرُ فِي النَّسَبِ وَالدِّيْنِ وَالْمَالِ وهو اَنْ يَّكُوْنَ مَالِكًا لِلْمَهْرِ وَالنَّفَقَةِ وتُعْتَبَرُ فِي الصَّنَائِعِ۔

ترجمہ:۔ اور نسب میں کفاءۃ معتبر ہے اور دین (مراد دیانت ہے) میں کفاءۃ معتبر ہے اور مال میں کفاءت معتبر ہے اور وہ یہ کہ شوہر مہر اور نفقہ کا مالک ہو اور پیشہ میں بھی کفاءۃ معتبر ہے۔

تشریح:۔ (۴۹) جن چیزوں میں کفاءۃ معتبر ہے ان میں سے امام قدوری رحمہ اللہ نے صرف چار چیزوں کو ذکر کئے ہیں۔ /**نمبر ۱**۔ نسب میں کفاءۃ معتبر ہے کیونکہ لوگ آپس میں نسب کے ساتھ ایک دوسرے پر فخر کرتے ہیں۔ پس قریش آپس میں کفو ہیں اور قریش کے سوا باقی عرب آپس میں کفو ہیں اور باقی عرب قریش کے کفو نہیں۔ عجم آپس میں کفو ہیں عربوں کے کفو نہیں۔

/**نمبر ۲**۔ اور دین (مراد دیانت ہے) میں کفاءۃ معتبر ہے لہذا فاسق مرد صالح عورت یا بنت صالح کے کفو نہیں ہے یہ شیخین رحمہما اللہ کا مسلک ہے وجہ یہ ہے کہ دین اعلیٰ مفاخر میں سے ہے لوگ عورت کو اس کے شوہر کے نسب کے گھٹیا ہونے پر جس قدر عار دلاتے ہیں اس سے کہیں زیادہ شوہر کے فاسق ہونے پر عار دلائیں گے۔/ **نمبر ۳**۔ مال میں بھی کفاءۃ معتبر ہے۔ اور مال سے مراد یہ ہے کہ

شوہر نفقہ اور مہر ادا کردینے پر قادر ہو غناء میں کفاءۃ شرط نہیں۔پس مہر اور نفقہ پر قادر بڑے سرمایہ داروں کا کفو ہے۔

/نمبر ۴۔پیشہ میں بھی کفاءۃ معتبر ہے کیونکہ لوگ عمدہ پیشوں پر فخر کرتے ہیں اور گھٹیا پیشوں پر عار اور شرم محسوس کرتے ہیں۔یہ صاحبین رحمہما اللہ کا مسلک ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے دو روایتیں ہیں۔امام یوسفؒ سے بھی ایک روایت ہے کہ کفاءۃ معتبر نہیں الا یہ کہ پیشہ انتہائی گھٹیا ہو۔اور شرح الطحاوی میں مذکور ہے کہ متقارب پیشوں کے ارباب آپس میں کفو ہیں اور متباعد پیشوں کے ارباب آپس میں کفو نہیں۔

(۵۰)وَاِذَا تَزَوَّجَتِ الْمَرْاَةُ وَنَقَصَتْ مِنْ مَهْرِ مِثْلِهَا فَلِلْاَوْلِيَاءِ الْاِعْتِرَاضُ عَلَيْهَا عِنْدَ اَبِى حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ حَتّٰى يُتِمَّ لَهَا مَهْرَ مِثْلِهَا اَوْ يُفَرِّقَهَا۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی عورت نے نکاح کیا اور اپنا مہر مہر مثل سے کم کیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اولیاء کو اس پر حق اعتراض حاصل ہے یہاں تک کہ شوہر اس کا مہر مثل پورا کردے اور یا اسکو جدا کردے۔

تشریح:۔(۵۰)اگر کسی بالغہ عورت نے اپنا نکاح کیا اور مہر، مہر مثل سے کم مقرر کیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اولیاء کو اس پر حق اعتراض حاصل ہے یہاں تک کہ شوہر اس کا مہر مثل پورا کردے یا اسکو جدا کردے۔صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک اولیاء کو حق اعتراض حاصل نہیں۔

صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ دس درہم مہر تک تو شریعت کا حق ہے اور اس سے زائد عورت کا حق ہے پس عورت نے مہر مثل میں کمی کرکے اپنا حق ساقط کیا ہے اور جو شخص اپنا حق ساقط کرے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ اولیاء اپنی خاندانی عورتوں کے گران مہروں پر فخر کرتے ہیں اور کم مہروں پر عار محسوس کرتے ہیں پس مہر میں کمی عدم کفو کے مشابہ ہے لہذا عدم کفو کی طرح مہر کی کمی کی صورت میں بھی اولیاء کو حق اعتراض ہوگا(امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے)۔

(۵۱)وَاِذَا زَوَّجَ الْاَبُ اِبْنَتَهُ الصَّغِيْرَةَ وَنَقَصَ مِنْ مَهْرِ مِثْلِهَا اَوْ اِبْنَهُ الصَّغِيْرَ وَزَادَ فِى مَهْرِ اِمْرَاَتِهِ جَازَ ذَالِكَ عَلَيْهِمَا (۵۲)وَلَا يَجُوْزُ ذَالِكَ لِغَيْرِ الْاَبِ وَالْجَدِّ۔

ترجمہ:۔اور اگر باپ نے اپنی نابالغ بیٹی کا نکاح کیا اور اسکا مہر مہر مثل سے کم مقرر کیا اور یا باپ نے اپنے نابالغ بیٹے کا نکاح کیا اور اس کی بیوی کا مہر مہر مثل سے زائد مقرر کیا تو یہ نکاح صغیرہ اور صغیر پر نافذ ہوگا اور اس طرح کرنا باپ اور دادا کے سوا کے لئے جائز نہیں۔

تشریح:۔(۵۱)اگر باپ کی عدم موجودگی کی صورت میں دادا نے اپنی نابالغ بیٹی کا نکاح کیا اور اسکا مہر مہر مثل سے کم مقرر کیا۔یا باپ نے اپنے نابالغ بیٹے کا نکاح کیا اور اس کی بیوی کا مہر مہر مثل سے زائد مقرر کیا تو یہ نکاح صغیرہ اور صغیر پر نافذ ہوگا کیونکہ باپ اور دادا کامل الرائی اور وافر الشفقۃ ہیں پس ظاہر یہ ہے کہ مہر میں کمی بیشی کسی دوسری منفعت کیلئے کی ہے۔(۵۲)لیکن اگر اب اور جد کے سوا کسی دوسرے ولی نے مہر میں کمی بیشی کرکے نکاح کیا تو جائز نہ ہوگا کیونکہ اب وجد کے سوا دیگر اولیاء میں شفقت کامل نہیں۔

(۵۳)وَيَصِحُّ النِّكَاحُ إِذَا سَمّٰى فِيهِ مَهْراً وَيَصِحُّ النِّكَاحُ وَإِنْ لَمْ يُسَمِّ فِيهِ مَهْراً۔

ترجمہ:۔اور نکاح میں اگر مہر مقرر کردے تو بھی صحیح ہے اور مہر مقرر کرنے کے بغیر بھی صحیح ہوتا ہے۔

تشریح:۔(۵۳) نکاح میں اگر مہر مقرر کردے تو یہ نکاح صحیح ہے اور اگر مہر مقرر کرنے کے بغیر نکاح کیا تو یہ بھی صحیح ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "فانکحوا ماطاب الخ"۔اور لغت میں نکاح انضمام وازدواج کو کہتے ہیں اور یہ معنی مناکحین سے پورا ہو جاتا ہے تو اگر ہم نے ذکر مہر کی شرط لگادی تو نص پر زیادتی کرنا لازم آئیگا جو کہ درست نہیں۔البتہ مہر شرعاً واجب ہے لیکن یہ وجوب صحت نکاح کیلئے نہیں بلکہ شرافت محل (یعنی شرافت بضع) کو ظاہر کرنے کیلئے ہے لہٰذا صحت نکاح کیلئے ذکر مہر کی کوئی ضرورت نہیں۔

(۵٤)وَاَقَلُّ الْمَهْرِ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ (۵۵)فَاِنْ سَمّٰى اَقَلَّ مِنْ عَشَرَةٍ فَلَهَا عَشَرَةٌ۔

ترجمہ:۔اور مہر کی اقل مقدار دس درہم ہیں پس اگر دس درہم سے کم مقرر کیا تو اس کے لئے دس درہم ہونگے۔

تشریح:۔(۵٤) مہر کی اقل مقدار احنافؒ کے نزدیک کم از کم دس درہم ہے یا جس کی قیمت بوقت عقد دس درہم ہو "لقوله صلى الله عليه وسلم لَامَهْرَ اَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ" (دس درہم سے کم مہر نہیں)۔نیز مہر شریعت کا حق ہے بضع کی شرافت ظاہر کرنے کیلئے لہٰذا اتنی مقدار متعین کی جائیگی جس سے شرافتِ بضع ظاہر ہو سکے ہم نے دیکھا کہ نصاب سرقہ دس درہم ہے تو دس درہم چوری کرنے پر ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے پس معلوم ہوا کہ انسان کے عضو یعنی ہاتھ کی کم از کم قیمت دس درہم ہے چنانچہ اسی پر قیاس کر کے نکاح میں بھی ملک بضع کی قیمت کم از کم دس درہم مقرر کی گئی ہے۔

(۵۵) اگر کسی عورت کیلئے مہر دس درہم سے کم مقرر کیا تو اب تین صورتیں ہیں یا تو شوہر قبل الدخول طلاق دیگا یا مر جائیگا یا دخول کر کے وطی کریگا پہلی صورت میں عورت کا مہر پانچ درہم ہوگا باقی دوصورتوں میں دس درہم ہوگا۔

(۵٦)وَمَنْ سَمّٰى مَهْراً عَشَرَةً فَمَازَادَ فَعَلَيْهِ الْمُسَمّٰى اِنْ دَخَلَ بِهَا اَوْ مَاتَ عَنْهَا(۵۷)فَاِنْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا وَالْخَلْوَةِ فَلَهَا نِصْفُ الْمُسَمّٰى۔

ترجمہ:۔اور جس نے دس درہم یا اس سے زائد مہر مقرر کیا تو اس پر مسمّٰی ہوگا اگر اس نے اس سے صحبت کر لی یا اس سے مر گیا اور اگر اس کو دخول یا خلوت سے پہلے طلاق دیدی تو اس کے لئے نصف مسمّٰی ہوگا۔

تشریح:۔(۵٦) اگر کسی عورت کا مہر دس درہم یا زیادہ مقرر کیا پھر دخول پایا گیا یا احد الزوجین کا انتقال ہو گیا تو ان دوصورتوں میں شوہر پر کل مسمّٰی واجب ہوگا کیونکہ دخول کی وجہ سے مبدل یعنی بضع کا سپرد کرنا متحقق ہو گیا اور مبدل کے سپرد کرنے سے بدل واجب ہو جاتا ہے لہٰذا شوہر پر بدل یعنی مہر واجب ہوگا۔اور موت کی وجہ سے شی اپنی انتہاء کو پہنچ جاتی ہے اور شی اپنی انتہاء کو پہنچ کر اپنے تمام احکام ومواجب کے ساتھ مقرر اور مؤکد ہو جاتی ہے اور نکاح کے احکام میں مہر بھی ہے لہٰذا موت کی وجہ سے یہ بھی ثابت ہوگا۔(۵۷) اور اگر دخول سے پہلے شوہر نے اس عورت کو طلاق دیدی تو شوہر پر عورت کیلئے نصف مسمّٰی واجب ہوگا۔

الغاز: ۔ أی امرأة أخذت ثلاثة مهور من ثلاثة أزواج في يوم واحد؟

القل: ۔امرأة حامل طلقت ثم وضعت فلها كمال المهر ثم تزوجت وطلقت قبل الدخول ثم تزوجت فمات من يومه فاستحقت كمال المهر۔ (الاشباه والنظائر)

(۵۸)فإنْ تَزَوَّجَهَا ولم يُسَمِّ لَهَا مَهراً او عَلى اَنْ لامَهْرَ لَهَا فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا اِنْ دَخَلَ بها اوْ ماتَ عَنْهَا (۵۹)وإنْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا اَوِ الْخَلْوَةِ فلها الْمُتْعَةُ (۶۰)فهي ثَلٰثَة اَثْوَابٍ مِنْ كِسْوَةِ مِثْلِهَا وهي دِرْعٌ وخِمَارٌ ومِلْحَفَةٌ۔

ترجمہ: ۔اوراگرکسی نے عورت کے ساتھ نکاح کیامگراسکے مہرکاکوئی ذکرنہیں کیایاشرط لگادی کہ اس کیلئے کوئی مہرنہ ہوگاتواب اگرشوہر نے اسکے ساتھ دخول کیااوریازوج کاانتقال ہوگیاتوعورت کیلئے مہرمثل ہوگااوراگردخول یاخلوت سے پہلے شوہرنے طلاق دیدی تو عورت کیلئے متعہ واجب ہوگااورمتعہ تین کپڑے ہیں قمیص،اوڑھنی،چادر۔

تشریح: ۔(۵۸)اگرکسی نے عورت کے ساتھ نکاح کیامگراس کے مہرکاکوئی ذکرنہیں کیایاشرط لگادی کہ اس کیلئے کوئی مہرنہ ہوگاتواب اگر شوہرنے اسکے ساتھ دخول کیایااحدالزوجین کاانتقال ہوگیاتوعورت کیلئے مہرمثل ہوگاکیونکہ مہرابتداءً شریعت کاحق ہےاورانتہاءً عورت کا حق ہےلہذاعورت ابتداءً مہرکی نفی نہیں کرسکتی ہاں بقاءً ابراً (شوہرکومہرسے بری کرنے)کاحق رکھتی ہے۔

(۵۹) اگرمذکورہ بالادوصورتوں میں شوہرنے بیوی کودخول اورخلوت سے پہلے طلاق دیدی توعورت کیلئے متعہ واجب ہوگا(۶۰)متعہ تین کپڑے ہیں قمیص،اوڑھنی،چادر۔اوریہ کپڑےاس درجے کے ہوں جواس عورت جیسی عورتیں پہنتی ہوں لیکن اتناقیمتی نہ ہوکہ نصف مہرمثل سے زائدہواورنہ اتناگھٹیاہوکہ پانچ درہم سے کم ہو۔

(۶۱)وَاِنْ تَزَوَّجَ الْمُسْلِمُ عَلى خَمْرٍ اَوْ خِنْزِيْرٍ فَالنكاحُ جَائِزٌ ولَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا۔

ترجمہ: ۔اوراگرمسلمان(مردنےکسی عورت کے ساتھ)شراب یاخنزیرپرنکاح کیاتویہ نکاح صحیح ہےاوراس عورت کیلئے مہرمثل ہوگا۔

تشریح: ۔(۶۱)اگرمسلمان مردنےکسی عورت کے ساتھ نکاح کیااورمہرشراب یاخنزیرمقررکیاتویہ نکاح صحیح ہےکیونکہ پہلے گذرچکاکہ ذکرمہرترک کرنےکی صورت میں نکاح صحیح ہےتوفسادِتسمیہ کی صورت میں توبطریقہ اولیٰ صحیح ہوگا۔اوراس صورت میں عورت کیلئے مہرمثل ہوگاکیونکہ خمراورخنزیرمسلمان کے حق میں مال متقوم نہیں اورغیرمال کاذکرایساہےگویاکہ وہ ذکرِمہرسے ساکت ہےاوربصورت سکوت مہرمثل واجب ہوتاہے۔

(۶۲)وَاِنْ تَزَوَّجَهَا ولم يُسَمِّ لَهَا مَهراً ثُمَّ تَرَاضَيَا عَلى تَسْمِيَةِ مَهْرٍ فهو لَهَا اِنْ دَخَلَ بها اَوْ ماتَ عَنْهَا (۶۳)وَاِنْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا وَالْخَلْوَةِ فَلَهَا الْمُتْعَةُ۔

ترجمہ: ۔اوراگرنکاح کیااورعورت کے لئے مہرمقررنہیں پھرشوہراوربیوی مہرکےایک متعین مقدارپرراضی ہوگئےتواگرشوہرنے اسکے ساتھ دخول کیایامرگیاتواس عورت کیلئے متعین کردہ مقدارواجب ہوگی اوراگرشوہرنے بیوی کودخول اورخلوت سے پہلے طلاق دیدی تو

عورت کیلئے متعہ واجب ہوگا۔

تشریح:۔(٦٢)اگر بوقت عقد مہر ذکر نہیں کیا پھر شوہر اور بیوی ایک متعین مقدار پر راضی ہو گئے تو اگر شوہر نے اسکے ساتھ دخول کیا مرگیا تو ان دونوں صورتوں میں عورت کیلئے متعین کردہ مقدار واجب ہوگی۔یہی حکم اس وقت بھی ہے کہ بعد العقد حاکم نے اس کیلئے مہر مقرر کیا ہو کیونکہ حاکم کا مہر مقرر کرنا زوجین کا مہر مقرر کرنے کے قائم مقام ہے۔(٦٣)اگر مذکورہ بالا صورت میں (یعنی بوقت عقد مہر کا ذکر نہیں کیا تھا) شوہر نے بیوی کو دخول اور خلوت سے پہلے طلاق دیدی تو طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک عورت کیلئے متعہ واجب ہوگا۔امام یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک نصف مہر واجب ہوگا۔

(٦٤)وَاِنْ زَادَهَا فِى الْمَهْرِ بعد العَقْدِ لَزِمَتْه الزِّيَادَةُ اِنْ دَخَلَ بِهَا او ماتَ عنها (٦٥)وَتَسْقُطُ الزِّيَادَةُ بِالطَّلَاقِ قَبْلَ الدُّخُوْلِ (٦٦)فَاِنْ حَطَّتْ من مَهْرِهَا صَحَّ الحَطُّ۔

ترجمہ:۔اور اگر شوہر نے عقد کے بعد مقررہ مہر میں زیادتی کر دی تو یہ زیادتی لازم ہوگی اگر شوہر نے اس کے ساتھ دخول کیا یا اس سے مرگیا اور قبل الدخول طلاق دینے سے یہ زیادتی ساقط ہو جائیگی اور اگر عورت نے اپنے مہر (مہر مسمّٰی فی العقد) میں سے کچھ ساقط کر دیا تو یہ صحیح ہے۔

تشریح:۔(٦٤)اگر شوہر نے عقد کے بعد مقررہ مہر میں زیادتی کر دی اور عورت نے بھی قبول کر لیا تو اگر شوہر نے اس کے ساتھ دخول کیا یا مرگیا تو شوہر پر یہ زیادتی لازم ہوگی کیونکہ میاں بیوی دونوں اس پر راضی ہیں۔(٦٥)مگر اسی صورت میں اگر قبل الدخول شوہر نے بیوی کو طلاق دیدی تو زیادتی ساقط ہو جائیگی کیونکہ تنصیف مخصوص ہے مفروض فی حالۃ العقد کے ساتھ لہٰذا اصل مہر جو حالت عقد میں مقرر ہوا تھا اسکی تنصیف تو ہوگی بعد میں جو زیادہ کیا گیا ہے اسکی تنصیف نہیں ہوگی۔اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اصل مہر کے ساتھ زیادتی کی بھی تنصیف ہوگی۔

(٦٦)اگر عورت نے اپنے مہر مسمّٰی فی العقد میں سے کچھ کم کر دیا یا کل مہر ساقط کر دیا تو یہ درست ہے کیونکہ مہر بقاءً عورت کا حق ہے اور یہ کمی عورت نے بقاء کے دوران کر دی ہے۔

(٦٧)وَاِذَا خَلا الزَّوْجُ بِامْرَأتِه وَلَيْسَ هُنَاکَ مَانِعٌ مِنَ الْوِطْيِ ثُمَّ طَلَّقَهَا فَلَهَا كَمَالُ مَهْرِهَا (٦٨)وَاِنْ كَانَ اَحَدُهُمَا مَرِيْضاً او صَائِماً فِى رَمَضَانَ او مُحْرِمًا بِحَجٍّ اوعُمْرَةٍ او كَانَتْ حَائِضًا فَلَيْسَتْ بِخَلْوَةٍ صَحِيْحَةٍ وَلَوْ طَلَّقَهَا فَيَجِبُ نِصْفُ الْمَهْرِ۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کے ساتھ خلوۃ کی اور وہاں وطی سے کوئی مانع نہیں تھا پھر شوہر نے اسے طلاق دیدی تو اس عورت کیلئے کامل مہر ہوگا اور اگر بوقت خلوۃ احد الزوجین مریض ہو یا احد الزوجین نے رمضان کا روزہ رکھا ہو یا حج یا عمرہ کا احرام باندھا ہو یا عورت حالت حیض میں ہو تو یہ خلوۃ، خلوۃ صحیحہ نہیں تو اگر اسے طلاق دیدی تو عورت کیلئے نصف مہر ہوگا۔

تشریح:۔(٦٧)اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کے ساتھ خلوۃ صحیحہ کی جس میں وطی سے کوئی مانع حسی یا شرعی نہ ہو پھر شوہر نے اسے طلاق دیدی تو اس عورت کیلئے کامل مہر ہوگا کیونکہ عورت نے موانع رفع کرکے مبدل (یعنی منافع بضع) شوہر کے حوالہ کردیا اور عورت کی قدرت میں اتنا ہی تھا لہٰذا عورت کا حق بدل (یعنی مہر) میں ثابت ہوجائیگا اور عورت پر عدت بھی ہوگی۔

(٦٨) اگر بوقت خلوۃ کوئی مانع حسی موجود ہو مثلاً احد الزوجین مریض ہو یا عورت صغر سنی کی وجہ سے قابل وطی نہ ہو یا زوجین کے ساتھ کوئی تیسرا شخص بھی ہو اگر چہ وہ سویا ہوا ہو یا اندھا ہو۔ یا بوقت خلوت کوئی مانع شرعی موجود ہو مثلاً احد الزوجین نے رمضان کا روزہ رکھا ہو یا حج یا عمرہ کا احرام باندھا ہو خواہ احرام فرض ہو یا نفل یا عورت حالت حیض میں ہو تو مذکورہ بالا تمام صورتوں میں خلوۃ، خلوۃ صحیحہ نہیں لہٰذا اگر شوہر طلاق دیگا تو یہ طلاق قبل الدخول سمجھا جائیگا عورت کیلئے نصف مہر ہوگا۔

(٦٩)وَإِذَا خَلَا الْمَجْبُوبُ بِامْرَأَتِهِ ثُمَّ طَلَّقَهَا فَلَهَا كَمَالُ الْمَهْرِ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ۔

توجمہ:۔اور اگر مقطوع الذکر نے اپنی بیوی کے ساتھ خلوت کرلی پھر شوہر نے طلاق دیدی تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عورت کیلئے کامل مہر ہوگا۔

تشریح:۔(٦٩)اگر مقطوع الذکر نے اپنی بیوی کے ساتھ خلوت کرلی اور مذکورہ بالا موانع میں سے کوئی مانع نہ ہو تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اگر شوہر اب طلاق دیگا تو عورت کیلئے کامل مہر ہوگا کیونکہ عورت نے مبدل سپرد کرلیا اور اتنا ہی عورت کی قدرت میں تھا لہٰذا یہ خلوت صحیحہ ہے تو عورت بدل کا مستحق ہوگی۔

صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک ایسی صورت میں عورت کیلئے نصف مہر ہوگا کیونکہ مقطوع الذکر مریض کی نسبت زیادہ عاجز ہے (اسلئے کہ مریض کبھی نہ کبھی جماع پر قادر ہوسکتا ہے لیکن مقطوع الذکر جماع پر بالکل قدرت نہیں رکھتا) لہٰذا یہ خلوت صحیحہ نہیں تو طلاق قبل الدخول ہونے کی وجہ سے عورت کیلئے نصف مہر ہوگا (امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے)۔

(٧٠)وَتُسْتَحَبُّ الْمُتْعَةُ لِكُلِّ مُطَلَّقَةٍ (٧١)إِلَّا مُطَلَّقَةً وَاحِدَةً وهي الَّتِي طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ ولم يُسَمِّ لَهَا مَهْرًا۔

توجمہ:۔اور ہر مطلقہ کیلئے متعہ مستحب ہے مگر ایک مطلقہ (اس سے مستثناء ہے اسکے لئے متعہ مستحب نہیں بلکہ واجب ہے) اور یہ وہ مطلقہ ہے جس کو شوہر نے قبل الدخول طلاق دی ہو اور اس کے لئے مہر مقرر نہ کیا ہو۔

تشریح:۔(٧٠)طلاق کی وجہ سے پیدا شدہ وحشت کو دفع کرنے کیلئے ہر مطلقہ کیلئے متعہ مستحب ہے۔(٧١)مگر ایک مطلقہ ایسی ہے کہ اسکے لئے متعہ مستحب نہیں بلکہ واجب ہے یہ وہ مطلقہ ہے جس کو شوہر نے قبل الدخول طلاق دی ہو اور بوقت عقد اس کے لئے مہر مقرر نہ کیا ہو۔اس کیلئے متعہ اس وجہ سے واجب ہے کہ یہ متعہ نصف مہر مثل کا بدل ہے کما مرّ۔

(۷۲)وَاِذَا زَوَّجَ الرَّجُلُ بِنْتَه عَلٰی اَنْ یُزَوِّجَهُ الرَّجُلُ اُخْتَه اَوْ اِبْنَتَه لِیَکُوْنَ اَحَدُ الْعَقْدَیْنِ عِوَضًا عَنِ الْآخَرِ فَالْعَقْدَانِ جَائِزَانِ وَلِکُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا مَهْرُ مِثْلِهَا۔

توجمہ:۔ اور اگر کسی نے اپنی بیٹی کا نکاح دوسرے کے ساتھ اس شرط پر کیا کہ وہ دوسرا اپنی بیٹی یا بہن کا نکاح اسکے ساتھ کردیگا تاکہ عقدین میں سے ایک دوسرے کا عوض ہو جائے تو دونوں عقد جائز ہیں عورتوں میں سے ہر ایک کیلئے مہر مثل ہوگا۔

تشریح:۔ (۷۲) اگر کسی نے اپنی بیٹی یا بہن کا نکاح دوسرے کے ساتھ اس شرط پر کیا کہ وہ دوسرا اپنی بیٹی یا بہن کا نکاح اسکے ساتھ کردیگا جس میں احد العقدین دوسرے کا عوض قرار دیا جائے تو احناف کے نزدیک یہ شرط فاسد ہے عورتوں میں سے ہر ایک کیلئے مہر مثل ہوگا۔ اور دونوں عقد جائز ہیں کیونکہ نکاح شروط فاسدہ کی وجہ سے باطل نہیں ہوتا البتہ انہوں نے ایسی چیز کو مہر مقرر کیا ہے جو مہر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی لہذا ان کیلئے مہر مثل ہوگا یہ ایسا ہے جیسا کہ شراب یا خنزیر کسی عورت کیلئے مہر قرار دیا جائے۔ اس طرح کے نکاح کو نکاح شغار کہتے ہیں۔

(۷۳)وَاِذَا زَوَّجَ حُرٌّ اِمْرَأَةً عَلٰی خِدْمَتِه سَنَةً اَوْ عَلٰی تَعْلِیْمِ الْقُرْاٰنِ جَازَ فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا(۷۴)وَاِنْ تَزَوَّجَ عَبْدٌ اِمْرَأَةً حُرَّةً بِاِذْنِ مَوْلَاه عَلٰی خِدْمَتِه سَنَةً جَازَ وَلَهَا خِدْمَتُه۔

توجمہ:۔ اور اگر کسی آزاد مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا عورت کی ایک سال خدمت پر یا قرآن مجید کی تعلیم پر تو نکاح جائز ہے اور عورت کیلئے مہر مثل ہوگا اور اگر غلام نے اپنے مولی کی اجازت سے آزاد عورت کے ساتھ ایک سال کی خدمت پر نکاح کیا تو یہ جائز ہے اور عورت کے لئے مہر غلام کی ایک سالہ خدمت ہوگی۔

تشریح:۔ (۷۳) اگر کسی آزاد مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا اور عورت سے کہا کہ ایک سال تک میں تیری خدمت کرونگا یہی تیرا مہر ہوگا اور یا میں تجھے قرآن مجید کی تعلیم دونگا یہی تیرا مہر ہوگا تو نکاح جائز ہے اور عورت کیلئے مہر مثل ہوگا کیونکہ آزاد آدمی کی خدمت اور تعلیم قرآن منافع ہیں مال نہیں جبکہ عقدِ نکاح میں ابتغاء بالمال (مال کے ذریعہ طلب کرنا) مشروع ہے لِقَوْلِهٖ تَعَالٰی ﴿اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ﴾۔

(۷۴) اگر غلام نے اپنے مولی کی اجازت سے آزاد عورت کے ساتھ نکاح کیا اور مہر ایک سال کی خدمت مقرر کیا تو یہ جائز ہے کیونکہ غلام کی خدمت مال ہے اسلئے کہ یہ تسلیم رقبہ کو متضمن ہے لہذا خدمت بطور مہر مقرر کرنا درست ہے۔

(۷۵)وَاِذَا اجْتَمَعَ فِی الْمَجْنُوْنَةِ اَبُوْهَا وَابْنُهَا فَالْوَلِیُّ فِیْ نِکَاحِهَا اِبْنُهَا عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَاَبِیْ یُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ اَبُوْهَا۔

توجمہ:۔ اور جب مجنونہ عورت کا باپ اور اس کا بیٹا جمع ہوں تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اس عورت کے نکاح کی ولایت بیٹے کو حاصل ہوگی اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ولایت باپ کو حاصل ہوگی۔

تشریح :۔(۷۵)اگر مجنونہ عورت کا باپ ہو اور پہلے شوہر سے بالغ بیٹا ہو تو شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک اس عورت کے نکاح کی ولایت بیٹے کو حاصل ہوگی کیونکہ یہ ولایت مبنی بر عصوبت ہے اور عصبہ ہونے میں بیٹا باپ سے مقدم ہے لہذا ولایت بیٹے کو حاصل ہوگی۔امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ولایت باپ کو حاصل ہوگی کیونکہ اس ولایت کا مدار شفقت پر ہے اور شفقت باپ میں زیادہ ہے (شیخینؒ کا قول راجح ہے)۔

(۷۶)ولايَجوزُ نِكاحُ الْعَبدِ وَالْاَمَةِ اِلّا بِاِذْنِ مَوْلاهُمَا(۷۷)واِذَا زَوَّجَ العَبْدُ بِاِذْنِ مَولاه فَالمَهْرُ دَيْنٌ في رَقَبَتِهِ يُبَاعُ فِيهِ۔

ترجمہ:۔اور غلام اور لونڈی کا نکاح مولیٰ کی اجازت کے بغیر جائز نہیں اور اگر غلام نے مولیٰ کی اجازت سے نکاح کیا تو مہر دَین ہو گا اس کے گردن میں جس کیلئے غلام فروخت کر دیا جائیگا۔

تشریح:۔(۷۶)غلام اور لونڈی کا نکاح مولیٰ کی اجازت کے بغیر جائز نہیں (یعنی نافذ نہیں ہوگا بلکہ مولیٰ کی اجازت پر موقوف رہیگا) کیونکہ غلام اور لونڈی کا نکاح ان کے حق میں عیب شمار ہوتا ہے لہذا مولیٰ کی اجازت کے بغیر وہ اسکے نفاذ کے مالک نہیں ہونگے۔

(۷۷)اگر غلام نے مولیٰ کی اجازت سے نکاح کیا تو مہر غلام کے گردن پر قرض اور واجب ہوگا اور اس مہر کو ادا کرنے کیلئے غلام فروخت کر دیا جائیگا البتہ اگر اس غلام کے ثمن سے پورا مہر ادا نہ ہو سکا تو دوبارہ فروخت نہیں کیا جائیگا بلکہ باقی مہر کا مطالبہ غلام سے آزاد ہونے کے بعد کیا جائیگا۔

(۷۸)وَاِذَا زَوَّجَ الْمَوْلىٰ اَمَتَه فَلَيْسَ عَلَيْهِ اَنْ يُبَوِّئَهَا بَيْتًا لِلزَّوْجِ (۷۹)ولٰكِنَّهَا تَخْدِمُ الْمَوْلىٰ وَيُقَالُ لِلزَّوْجِ مَتٰى ظَفِرْتَ بِهَا وَطِئْتَهَا۔

ترجمہ:۔اور اگر مولیٰ نے اپنی باندی کا نکاح کر دیا تو مولیٰ پر شوہر کے گھر میں باندی کا شب باشی کرانا لازم نہیں بلکہ وہ اپنے مولیٰ کی خدمت کرتی رہے گی اور شوہر سے کہا جائیگا کہ جب بھی تو اس پر قابو پانے میں کامیاب ہو جائے اس سے وطی کر لے۔

تشریح :۔(۷۸)اگر مولیٰ نے اپنی باندی کا نکاح کرا دیا تو مولیٰ پر شوہر کے گھر میں باندی کا شب باشی کرانا لازم نہیں بلکہ وہ اپنے مولیٰ کی خدمت کرتی رہے گی۔(۷۹)شوہر سے کہا جائیگا کہ جب بھی موقع ملے وطی کرلے کیونکہ مولیٰ کا حق باندی کے رقبہ اور منافع (سوائے منفعت بضع کے) ہر دو میں ہے جو کہ کثیر ہے جبکہ زوج کا حق صرف منافع میں ہے جو کہ قلیل ہے اور کثیر کا ابطال حصول قلیل کے لئے لازم نہیں خاص کر جبکہ قلیل بغیر ابطال کثیر کے ممکن ہو۔

(۸۰)وَاِنْ تَزَوَّجَ اِمْرَاَةً على اَلْفِ دِرْهَمٍ على اَنْ لا يُخْرِجَهَا مِنَ الْبَلَدِ او على اَنْ لا يَتَزَوَّجَ عَلَيهَاامْرَاَةً فَاِنْ وَفٰى بِالشَّرْطِ فَلَهَا الْمُسَمّٰى (۸۱)واِنْ تَزَوَّجَ عَلَيْهَا اَوْ اَخْرَجَهَا مِنَ الْبَلَدِ فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا۔

ترجمہ:۔اور اگر مرد نے کسی عورت کے ساتھ ایک ہزار پر نکاح کیا اس شرط پر کہ شوہر اسکو اسکی شہر سے نہیں نکالے گا یا اسکی موجودگی میں دوسری عورت کے ساتھ نکاح نہیں کریگا تو اگر شوہر نے شرط پوری کر دی تو عورت کیلئے مسمّٰی ہوگا اور اگر مرد شرط کی مخالفت کرتے ہوئے

دوسری عورت کے ساتھ نکاح کیایا اس کو اس کی شہر سے نکال دیا تو عورت کیلئے مہر مثل ہوگا۔

تشریح :۔(۸۰) اگر کسی شخص نے کسی عورت کے ساتھ نکاح کیا اور ایک ہزار روپیہ مہر مقرر کیا اور عورت نے یہ شرط لگائی کہ شوہر اسکو اسکی شہر سے نہیں نکالے گا یا اسکی موجودگی میں دوسری عورت کے ساتھ نکاح نہیں کریگا تو اگر شوہر نے شرط پوری کر دی تو عورت کیلئے مسمّٰی یعنی ایک ہزار درہم ہوگا کیونکہ اس پر عورت راضی ہے۔

(۸۱) اگر مرد نے شرط پوری نہیں کی بلکہ اسکی موجودگی میں دوسری عورت کے ساتھ نکاح کیا یا عورت کو اس کی شہر سے نکال دیا تو عورت کیلئے مہر مثل ہوگا کیونکہ شوہر نے بوقت عقد ایک ایسی چیز ذکر کی ہے جس میں عورت کا نفع ہے لیکن نفع کے فوت ہونے کی وجہ سے عورت کی رضامندی معدوم ہوگی لہذا اسکے مہر مثل کو مکمل کیا جائیگا۔

(۸۲) وإذَا تَزَوَّجَهَا على حَيْوَانٍ غَيْرِ مَوْصُوْفٍ صَحَّتِ التَّسْمِيَةُ ولَهَا الْوَسَطُ مِنْه (۸۳) وَالزَّوْجُ مُخَيَّرٌ إنْ شَاءَ أعْطاهَا ذَالِكَ وإنْ شَاءَ أعْطاهَا قِيْمَتَه۔

ترجمہ :۔اور مرد نے کسی عورت کے ساتھ ایک ایسے حیوان پر نکاح کیا جسکا وصف بیان نہیں کیا تو یہ مہر مقرر کرنا صحیح ہے اور عورت کے لئے اوسط درجہ کا حیوان ہوگا اور زوج کو اختیار ہے اگر چاہے تو اسے متوسط درجہ کا حیوان دے اور اگر چاہے تو متوسط درجہ کے حیوان کی قیمت دے۔

تشریح :۔(۸۲) اگر کسی نے کسی عورت کے ساتھ نکاح کیا اور مہر ایک ایسا حیوان مقرر کیا جسکی جنس معلوم ہو مثلاً کہ فرس ہے یا بقر یا حمار ہے مگر اسکا وصف بیان نہیں کیا کہ اعلیٰ درجہ کا فرس ہو یا اوسط یا ادنیٰ درجہ کا تو یہ مہر مقرر کرنا صحیح ہے۔(۸۳) زوج کو اختیار ہے کہ وہ متوسط درجہ کا حیوان دیگا یا متوسط درجہ کے حیوان کی قیمت دیگا۔ یہ اختیار اسلئے دیا ہے کہ حیوان کا متوسط ہونا قیمت سے معلوم ہوتا ہے لہذا ادا کے حق میں قیمت اصل ہے۔ اور تسمیہ کے اعتبار سے حیوان اصل ہے اسلئے کہ تسمیہ اسی پر واقع ہوا۔ اسلئے شوہر دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار کر سکتا ہے۔

(۸٤) وإنْ تَزَوَّجَها على ثَوْبٍ غَيْرِ مَوْصُوْفٍ فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا۔

ترجمہ :۔اور اگر مرد عورت کے ساتھ ایک ایسے کپڑے پر نکاح کیا جسکا وصف بیان نہیں کیا تو عورت کیلئے مہر مثل ہوگا۔

تشریح :۔(۸٤) اگر نکاح میں مہر کپڑا مقرر کیا اور کپڑے کا وصف یعنی جنس بیان نہیں کیا بس اتنا کہا کہ کپڑا دونگا تو عورت کیلئے مہر مثل ہو گا اسلئے کہ یہاں کپڑے کی جنس مجہول ہے کیونکہ کپڑوں کی بہت سے اجناس ہیں۔ اور اگر کپڑے کی جنس بیان کی مثلاً کہا کہ ہروی کپڑا دونگا تو یہ مہر مقرر کرنا صحیح ہے زوج کو کپڑا دینے یا قیمت دینے کا اختیار ہوگا لِمَا بَيَّنَا۔

(۸۵) وَنِكَاحُ الْمُتْعَةِ (۸۶) وَالْمُؤَقَّتِ بَاطِلٌ۔

ترجمہ:۔اور نکاح متعہ اور نکاح موقت باطل ہے۔

تشریح:۔(۸۵) متعہ باتفاق الائمہ باطل ہے۔متعہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی عورت سے کہدے کہ میں تجھ سے اتنی مدت اتنے مال کے عوض نفع اٹھاؤنگا۔نکاح متعہ کے بطلان پر امت کا اجماع ہے۔(۸۶) نکاح موقت بھی باطل ہے۔نکاح موقت کی صورت اس طرح ہے کہ کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ باقاعدہ گواہوں کے سامنے نکاح کردے مگر نکاح ابدی نہ ہو بلکہ محدود مدت کیلئے ہو مثلاً دس دن یا ایک مہینے کیلئے نکاح کردے۔اور نکاح موقت کے بطلان کی وجہ یہ ہے کہ اس میں بھی متعہ کا معنی پایا جاتا ہے (کیونکہ نکاح موقت کا مطلب بھی یہی ہے کہ کچھ دن نفع اٹھاؤنگا)۔امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک نکاح موقت صحیح اور لازم ہے کیونکہ نکاح شروط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا (امام زفرؒ کا قول راجح ہے اور امام زفرؒ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ یہ نکاح اب لازم اور ابدی ہے توقیت اس کی باطل ہے)۔

(۸۷) وَتَزْوِيجُ الْعَبْدِ وَالْاَمَةِ بِغَيْرِ اِذْنِ مَوْلَاهُمَا مَوْقُوفٌ فَاِنْ اَجَازَهُ الْمَوْلٰى جَازَ وَاِنْ رَدَّهُ بَطَلَ۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی فضولی شخص نے غلام یا لونڈی کا نکاح ان کے مولیٰ کی اجازت کے بغیر کردیا تو یہ نکاح موقوف ہوگا پس اگر مولیٰ نے اجازت دیدی تو نافذ ہوجائیگا اور اگر رد کردیا تو باطل ہوگا۔

تشریح:۔(۸۷) اگر کسی فضولی شخص نے غلام یا لونڈی کا نکاح ان کے مولیٰ کی اجازت کے بغیر کردیا تو یہ نکاح موقوف ہوگا اگر مولیٰ نے اجازت دیدی تو نافذ ہوجائیگا ورنہ باطل ہوگا۔ماقبل میں یعنی" ولا یجوز نکاح العبد الخ م" میں بھی قریب اسی مضمون کو بیان کیا تھا مگر تھوڑا سا فرق ہے وہ یہ کہ وہاں مباشر عقد خود غلام یا لونڈی ہے اور یہاں مباشر عقد غلام ولونڈی نہیں بلکہ فضولی (فضولی وہ شخص ہے جو حق غیر میں اذن شرعی کے بغیر متصرف ہو) ہے۔

(۸۸) وَكَذٰلِكَ لَوْزَوَّجَ رَجُلٌ اِمْرَاَةً بِغَيْرِ رِضَاهَا اَوْ رَجُلًا بِغَيْرِ رِضَاهُ۔

ترجمہ:۔اور اسی طرح اگر مرد نے عورت کے ساتھ نکاح کیا اسکی رضامندی کے بغیر یا عورت نے نکاح کیا مرد کی رضامندی کے بغیر (تو یہ بھی ان کی اجازت پر موقوف ہوگا)۔

تشریح:۔(۸۸) اگر کسی نے عورت کے ساتھ نکاح کیا اسکی اجازت کے بغیر یا عورت نے مرد کی اجازت کے بغیر اس کے ساتھ نکاح کیا تو یہ بھی تَزْوِيجُ الْعَبْدِ وَالْاَمَةِ بِغَيْرِ اِذْنِ مَوْلَاهُمَا کی طرح موقوف ہوگا اگر ان کو اطلاع ملتے ہی اجازت دیدی تو نافذ ہوگا ورنہ باطل ہوگا کیونکہ یہ حق غیر میں تصرف ہے لہذا اسکی اجازت کے بغیر نافذ نہ ہوگا۔

(۸۹) وَيَجُوزُ لِابْنِ الْعَمِّ اَنْ يُزَوِّجَ بِنْتَ عَمِّهِ مِنْ نَفْسِهِ (۹۰) وَاِذَا اَذِنَتِ الْمَرْاَةُ لِلرَّجُلِ اَنْ يُزَوِّجَهَا مِنْ نَفْسِهِ فَعَقَدَ بِحَضْرَةِ شَاهِدَيْنِ جَازَ۔

ترجمہ:۔اور چچازاد کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے چچا کی بیٹی کا اپنے ساتھ نکاح کرلے اور جب عورت کسی کو اس کے ساتھ اپنی شادی

کرنے کی اجازت دیدے پس وہ دو گواہوں کی موجودگی میں عقد کرلے تو جائز ہے۔

تشریح:۔(۸۹)یعنی اگر چچا کے بیٹے نے اپنا نکاح اپنے چچا کی صغیرہ بیٹی سے کیا جبکہ اس لڑکی کا اسکے علاوہ دوسرا اقرب ولی نہیں ہے تو یہ جائز ہے یہ شخص اپنی طرف سے اصیل اور لڑکی کی طرف سے ولی شمار ہوگا۔(۹۰)اسی طرح اگر کسی عورت نے کسی مرد کو وکیل بنایا اور کہا کہ میرا نکاح اپنے ساتھ کرلو اس نے دو گواہوں کے سامنے عقدِ نکاح کرلیا تو یہ بھی جائز ہے اور یہ شخص اپنی طرف سے اصیل اور عورت کی طرف سے وکیل شمار ہوگا۔اور ان دونوں صورتوں میں مرد کا ذو جہتٌ کہنا ایجاب وقبول دونوں کے قائم مقام ہوگا۔

(۹۱)وَاِذَا ضَمِنَ الْوَلِیُّ الْمَهْرَ لِلْمَرْاَةِ صَحَّ ضَمَانُه وَلِلْمَرْاَةِ الْخِیَارُ فِی مُطَالَبَةِ زَوْجِهَا اَوْ وَلِیِّهَا۔

ترجمہ:۔اور اگر عورت کا ولی عورت کیلئے مہر کا ضامن ہوگیا تو یہ ضمانت جائز ہے اور عورت کو اختیار ہوگا کہ وہ مہر کا مطالبہ اپنے شوہر سے کریگی یا ولی سے۔

تشریح:۔(۹۱)اگر عورت کا ولی عورت کیلئے اس کے شوہر کی طرف سے مہر کا ضامن ہوگیا تو یہ جائز ہے کیونکہ ولی اپنے اوپر شئی کو لازم کرنے کا اہل ہے۔اور عورت کو اختیار ہوگا کہ وہ مہر کا مطالبہ اپنے شوہر سے کریگی یا ولی سے کیونکہ تمام کفالوں میں یہی دستور ہے کہ صاحب مال مدیون اور کفیل دونوں سے مطالبہ کرسکتا ہے۔

(۹۲)وَاِذَا فَرَّقَ الْقَاضِی بَیْنَ الزَّوْجَیْنِ فِی النِّکَاحِ الْفَاسِدِ قَبْلَ الدُّخُوْلِ فَلا مَهْرَ لَهَا(۹۳)وَکَذٰلِکَ بَعْدَ الْخَلْوَةِ (۹۴)وَاِذَا دَخَلَ بِهَا فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا وَلا یُزَادُ علی الْمُسَمّٰی۔

ترجمہ:۔اور اگر قاضی نے نکاح فاسد میں زوجین کے درمیان قبل الدخول تفریق کرلی تو عورت کیلئے مہر نہیں ہوگا اور اسی طرح اگر خلوت کے بعد ہو اور اگر اس سے صحبت کرچکا ہو تو اس کے لئے مہر مثل ہوگا اور مہر مسمّٰی سے زائد نہیں کیا جائیگا۔

تشریح:۔(۹۲)اگر مرد وعورت نے نکاح فاسد کیا (مثلاً بغیر شہود کے نکاح کیا) پھر قبل الدخول (یعنی وطی) قاضی نے انکے درمیان تفریق کرلی تو عورت کیلئے مہر نہیں ہوگا کیونکہ نکاح فاسد میں صرف عقد کی وجہ سے مہر واجب نہیں ہوتا بلکہ استیفاء منافع کی وجہ سے واجب ہوتا ہے۔(۹۳)اسی طرح اگر نکاح فاسد میں عورت کے ساتھ خلوۃ کی گئی تب بھی عورت کیلئے مہر نہیں ہوگا کیونکہ نکاح فاسد میں خلوۃ بھی فاسد ہوگی اور خلوۃ فاسدہ وطی کے قائم مقام نہیں ہوتی لہذا نکاح فاسد میں خلوۃ کے بعد بھی مہر واجب نہیں ہوگا۔

(۹۴)ہاں اگر عورت کے ساتھ دخول (جماع) کرلیا تو اس کے لئے مہر مثل ہوگا کیونکہ دارالاسلام میں وطی کرنے پر یا تو حد ہوگی یا مہر، مگر حد تو شبہہ نکاح کی وجہ سے ساقط ہے لہذا مہر مثل واجب ہوگا۔مگر مہر مثل زوجین کے درمیان مقرر شدہ مقدار سے زائد نہ ہوگا کیونکہ عورت مقرر شدہ مقدار پر راضی ہے۔

(۹۵)وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ (۹٦)وَيَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِهَا مِنْه (۹۷)وَمَهْرُ مِثْلِهَا يُعْتَبَرُ بِاَخَوَاتِهَا وَعَمَّاتِهَا وَبَنَاتِ عَمِّهَا (۹۸) وَلَا يُعْتَبَرُ بِأُمِّهَا وَخَالَتِهَا إِذَا لَمْ تَكُوْنَا مِنْ قَبِيْلَتِهَا۔

ترجمہ:۔ اور (نکاح فاسد میں تفریق کے بعد) عورت پر عدت واجب ہوگی اور اس عورت کے بچے کا نسب اس سے ثابت ہوگا اور اس کے مہر مثل کا اعتبار کیا جائیگا اس کی بہنوں، پھوپھیوں اور چچازاد بہنوں کے ساتھ اور اس کی ماں، خالہ کے ساتھ اعتبار نہیں کیا جائیگا جبکہ وہ دونوں اس کے خاندان سے نہ ہوں۔

تشریح:۔ (۹۵) نکاح فاسد میں تفریق کے بعد عورت پر عدت واجب ہوگی کیونکہ نکاح فاسد میں شبہۃ النکاح ہے لہذا شبہۃ النکاح کو موضع احتیاط میں حقیقت نکاح کے ساتھ لاحق کر دیا گیا۔ (۹٦) اختلاط نسب سے بچنے کیلئے اس عورت کے بچے کا نسب اس سے ثابت ہوگا کیونکہ اثبات نسب میں احتیاط کی جاتی ہے بچے کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے۔

(۹۷) عورت کے مہر مثل میں اسکے خاندان کی عورتوں کا اعتبار ہوگا جو عورتیں اسکے باپ کی جانب منسوب ہوں مثلاً بہنیں ، پھوپیاں ، اور چچا کی بیٹیاں انکا جتنا مہر ہو عورت کا مہر مثل بھی ان جیسا ہوگا کیونکہ عورت باپ کے قبیلے کی طرف منسوب ہوتی ہے انکی شرافت سے عورت شریف سمجھی جاتی ہے۔ (۹۸) مہر مثل میں عورت کی ماں اور اسکی خالہ کا اعتبار نہ ہوگا بشرطیکہ یہ دونوں عورتیں اسکے باپ کے قبیلہ سے نہ ہوں۔

(۹۹)وَيُعْتَبَرُ فِي مَهْرِ الْمِثْلِ اَنْ تَتَسَاوِيَ الْمَرْأتَانِ فِي السِّنِّ وَالْجَمَالِ وَالْمَالِ وَالْعَقْلِ وَالدِّيْنِ وَالْبَلَدِ وَالْعَصْرِ۔

ترجمہ:۔ اور مہر مثل میں اعتبار ہوگا کہ دو عورتیں عمر میں، جمال میں، مال میں، عقل اور دین میں اور شہر اور زمانہ میں برابر ہوں۔

تشریح:۔ (۹۹) یعنی مہر مثل میں مزید کچھ اور باتوں کا بھی اعتبار ہوگا مثلاً یہ کہ دو عورتیں عمر میں، جمال میں، مال میں، عقل میں، دین میں، شہر اور زمانہ میں برابر ہوں۔ اسی طرح بکارت اور ثیوبت، علم و ادب اور حسن اخلاق میں برابر ہوں کیونکہ مہر مثل ان اوصاف کے اختلاف سے مختلف ہو جاتا ہے۔

(۱۰۰) يَجُوْزُ تَزْوِيْجُ الْاَمَةِ مُسْلِمَةً كَانَتْ اَوْ كِتَابِيَّةً (۱۰۱) وَلَا يَجُوْزُ اَنْ يَتَزَوَّجَ اَمَةً عَلَى حُرَّةٍ (۱۰۲) وَيَجُوْزُ تَزْوِيْجُ الْحُرَّةِ عَلَيْهَا۔

ترجمہ:۔ اور (آزاد شخص کیلئے) جائز ہے کہ باندی سے نکاح کرلے خواہ مسلمان ہو یا کتابیہ ہو اور یہ جائز نہیں کہ نکاح میں حرہ عورت ہوتے ہوئے وہ باندی سے نکاح کرلے اور یہ جائز ہے کہ باندی نکاح میں ہو وہ آزاد عورت سے نکاح کرلے۔

تشریح:۔ (۱۰۰) حر شخص کیلئے جائز ہے کہ وہ باندی سے نکاح کرلے خواہ مسلمان ہو یا کتابیہ ہو اگرچہ شوہر کو آزاد عورت سے نکاح کرنے کی طاقت ہو۔ (۱۰۱) البتہ یہ جائز نہیں کہ حرہ عورت کسی کے نکاح میں ہو اور پھر وہ باندی سے نکاح کرلے اگرچہ حرہ کی رضامندی سے ہو "لقوله ﷺ لَا تُنْكَحُ الْاَمَةُ عَلَى الْحُرَّةِ" (یعنی آزاد عورت نکاح میں ہوتے ہوئے

باندی سے نکاح نہ کیا جائے)۔

(۱۰۲) ہاں یہ جائز ہے کہ کسی کے نکاح میں باندی ہو اور پھر وہ حرہ سے نکاح کرلے،،لقوله صلى الله عليه وسلم وَتُنكِحُ الحُرَّةُ علی الْاَمَةِ،،(یعنی لونڈی نکاح میں ہوتے ہوئے آزاد عورت سے نکاح کیا جائے)۔

(۱۰۳) وَلِلْحُرّ اَنْ يَتَزَوَّجَ اَرْبَعًا مِنَ الحَرَائِرِ وِالْإماءِ لَيْسَ لَهُ اَنْ يَتَزَوَّجَ اَكْثَرَ مِنْ ذَالِكَ (۱۰۴) ولا يَتَزَوَّجُ العَبْدُ اَكْثَرَ مِن اِثْنَيْنِ (۱۰۵) فَاِنْ طَلَّقَ الحُرُّ اِحْدَى الْاَرْبَعِ طَلَاقًا بَائِنًالم يَجُزْ لَه اَنْ يَتَزَوَّجَ رَابِعَةً حتّٰى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا۔

توجمه:۔اور آزاد مرد کے لئے جائز ہے کہ چار آزاد عورتوں اور لونڈیوں سے نکاح کرلے اور چار سے زائد عورتوں کے ساتھ اس کا نکاح کرنا جائز نہیں اور غلام دو عورتوں سے زیادہ سے نکاح نہ کرے اور اگر آزاد مرد نے اپنی چار عورتوں میں سے ایک کو طلاق بائن دیدی تو اس کے لئے چوتھی عورت کے ساتھ نکاح جائز نہیں یہاں تک کہ مطلقہ کی عدت گذر جائے۔

تشریح:۔(۱۰۳) آزاد مرد بیک وقت چار عورتوں سے نکاح کرسکتا ہے چاروں آزاد ہوں یا چاروں باندی یا بعض آزاد اور بعض باندی ہوں۔اور چار سے زائد عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں لقوله تعالیٰ ﴿فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ﴾ (یعنی نکاح کرو ان سے جو عورتیں تم کو بھلی لگیں دو،دو سے،تین تین سے چار چار سے)۔

(۱۰۴) غلام کیلئے دو عورتوں سے زیادہ نکاح میں لانا جائز نہیں کیونکہ رقیت نعمتوں میں تنصیف کردیتی ہے اور عورتوں کا حلال ہونا بھی اللہ کی طرف سے نعمت ہے لہذا اس نعمت میں بھی تنصیف ہوگی۔

(۱۰۵) اگر آزاد مرد نے اپنی چار عورتوں میں سے ایک کو طلاق دیدی اگرچہ طلاق بائن ہو تو جب تک وہ مطلقہ اپنی عدت نہ گذارلے اس وقت تک یہ مرد ایک اور عورت سے نکاح نہیں کرسکتا کیونکہ اب تک مطلقہ کا نکاح من وجہ باقی ہے اسلئے کہ نکاح کے بعض احکام یعنی عدت اب تک باقی ہے۔

(۱۰۶) وَاِذَا زَوَّجَ الْاَمَةَ مَوْلَاهَا ثُمَّ اَعْتَقَتْ فَلَهَا الْخِيَارُ حُرًّا كَانَ زَوْجُهَا او عبداً (۱۰۷) وكَذَالِكَ الْمُكَاتَبَةُ۔

توجمه:۔اور اگر مولیٰ نے اپنی باندی کا نکاح کیا پھر وہ باندی آزاد کردی گئی تو اس باندی کیلئے نکاح کو باقی رکھنے اور فسخ کرنے دونوں کا اختیار ہے خواہ اسکا شوہر آزاد ہو یا غلام ہو اور یہی حکم مکاتبہ کا بھی ہے۔

تشریح:۔(۱۰۶) اگر مولیٰ نے اپنی باندی کا نکاح کیا یا باندی نے مولیٰ کی اجازت سے خود نکاح کیا پھر وہ باندی آزاد کردی گئی تو اس باندی کیلئے خیار حق ہے یعنی نکاح کو باقی رکھنے اور فسخ کرنے دونوں کا اختیار ہے خواہ اسکا شوہر آزاد ہو یا غلام ہو کیونکہ باندی کے آزاد ہونے سے پہلے شوہر دو طلاقوں کا مالک تھا اور آزاد ہونے کے بعد تین طلاقوں کا مالک ہو جائیگا لہذا معتقہ باندی کو ملک زوج کی زیادتی دفع کرنے کیلئے اصل عقد ہی ختم کرنے کا اختیار دیدیا گیا۔(۱۰۷) یہی حکم مکاتبہ کا بھی ہے یعنی آزادی کے بعد

اسکوخیار حق حاصل ہے بدلیل سابق۔

(۱۰۸)وانْ تَزَوَّجَتْ اَمَةٌ بغير اِذْنِ مولاها ثُمَّ اُعْتِقَتْ صَحَّ النكاحُ (۱۰۹)ولا خِيارَ لَهَا۔

ترجمہ:۔ اور اگر باندی نے مولیٰ کی اجازت کے بغیر نکاح کیا پھر وہ باندی آزاد کردی گئی تو یہ نکاح صحیح ہوگا اور باندی کیلئے خیار حق حاصل نہ ہوگا۔

تشریح:۔ (۱۰۸) اگر باندی نے مولیٰ کی اجازت کے بغیر نکاح کیا پھر وہ باندی آزاد کردی گئی تو یہ نکاح صحیح ہوگا کیونکہ مقتضی نکاح موجود ہے کیونکہ رکن نکاح (یعنی ایجاب وقبول) اسکے اہل سے صادر ہوا ہے اسلئے کہ باندی عاقلہ بالغہ ہونے کی وجہ سے اہل عبارت میں سے ہے اور مانع نکاح منتفی ہے کیونکہ نفاذ نکاح ممنوع تھا مولیٰ کے حق کی وجہ سے اور حق مولیٰ آزاد کردینے سے زائل ہوگیا لہذا نکاح صحیح ہوگیا۔

(۱۰۹) مگر باندی کیلئے خیار حق حاصل نہ ہوگا کیونکہ نکاح نافذ ہوا ہے باندی کے آزاد ہونے کے بعد پس آزاد کردینے سے ملک زوج کی زیادتی متحقق نہیں ہوتی۔

(۱۱۰)وَمَنْ تَزَوَّجَ اِمْرَاَتَيْنِ فِی عَقْدٍ وَاحِدٍ اِحْدٰیهُما لا يَحِلُّ لَه نِكاحُها صَحَّ نِكاحُ الَّتِی يَحِلُّ لَهٗ نِكاحُها (۱۱۱)وبَطَلَ نِكاحُ الْاُخْرٰی۔

ترجمہ:۔ اور اگر کسی نے عقد واحد میں دوعورتوں سے نکاح کیا دونوں میں سے ایک کا نکاح اس کیلئے حلال نہیں ہے تو جو حلال ہے اسکا نکاح درست ہے اور دوسرے کا نکاح باطل ہے۔

تشریح:۔ (۱۱۰) اگر کسی نے عقد واحد میں دوعورتوں سے نکاح کیا دونوں میں سے ایک اس کیلئے حلال ہے اور ایک بوجہ محرمہ ہونے کے یا مشرکہ ہونے کے یا ذات زوج آخر ہونے کے حرام ہے تو جو حلال ہے اسکا نکاح درست ہے۔ (۱۱۱) اور دوسری جو حرام ہے اسکا نکاح باطل ہے کیونکہ مبطل ان دونوں میں سے ایک میں ہے لہذا اسی پر اقتصار کیا جائیگا۔

(۱۱۲)وانْ كانَ بالزَّوْجَةِ عَيبٌ فَلا خِيارَ لِزَوْجِها (۱۱۳)واِذَا كانَ بِالزَّوْجِ جُنُوْنٌ اَوْ جُذَامٌ اَوْ بَرَصٌ فَلاخِيارَ لِلْمَرْاَةِ عِنْدَ اَبِی حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰه وَاَبِی يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰه وقالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰه لَها الْخِيارُ۔

ترجمہ:۔ اور اگر عورت میں کوئی عیب ہو تو شوہر کے لئے کوئی اختیار نہ ہوگا اور اگر زوج مجنون ہو یا جزام یا برص کی بیماری میں مبتلا ہو تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک عورت کے لئے اختیار نہیں اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عورت کے لئے اختیار ہے۔

تشریح:۔ (۱۱۲) اگر عورت میں کوئی عیب ہو مثلاً مجنونہ ہو یا جزام یا برص کا مریضہ ہو تو اس عیب کی وجہ سے شوہر کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں ہوگا کیونکہ اسمیں عورت کا ضرر ہے کیونکہ عورت کا حق بالکل ضائع ہو جاتا ہے۔ باقی رہا مرد کا ضرر تو اسکا دفعیہ یوں ممکن ہے کہ مرد

معیوب عورت کوطلاق دیدے۔

(۱۱۳) اگر مرد میں کوئی عیب ہو مثلاً مجنون ہو یا جزام یا برص کا مریض ہو تو امام محمد رحمہ اللہ عورت سے دفع ضرر کیلئے مجبوب اور عنین پر قیاس کرتے ہوئے عورت کو فسخ نکاح کا اختیار دیتے ہیں۔ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک عورت کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں کیونکہ زوج پر واجب عورت کے ساتھ وطی کر کے اسکے مہر کی تصحیح ہے اور زوج میں یہ بات پائی جارہی ہے۔

(۱۱٤) وإنْ كانَ عِنِّيْناً أجَّلَه الحَاكِمُ حَوْلاً فإنْ وَصَلَ في هذِهِ المُدَّةِ فَلا خِيارَ لها (۱۱۵) وَإلاّ فَرَّقَ بَيْنَهُمَا إنْ طَلَبَتِ المَرْأةُ ذَالِكَ (۱۱٦) وَالفُرْقَةُ تَطْلِيْقَةٌ بَائِنَةٌ ولَها كَمالُ المَهْرِ إذَا كانَ قَدْ خَلا بِهَا۔

ترجمہ:۔اور اگر شوہر نامرد ہو تو حاکم (علاج کیلئے) شوہر کو ایک سال کی مہلت دیدے پس اگر سال بھر میں اس نے بیوی کے ساتھ وطی کرلی تو بیوی کے لئے اختیار نہیں ہوگا ورنہ تو حاکم ان کے درمیان تفریق کردے اگر عورت اس کا مطالبہ کرے اور یہ تفریق ایک طلاق بائن ہوگی اور عورت کیلئے پورا مہر ہوگا اگر شوہر نے اس کے ساتھ خلوۃ کی۔

تشریح:۔(۱۱٤) اگر شوہر نامرد ہو اور عورت نے تفریق کا مطالبہ کیا تو حاکم (علاج کیلئے) شوہر کو ایک سال کی مہلت دیدے پس اگر سال بھر میں اس نے بیوی کے ساتھ ایک مرتبہ بھی وطی کرلی تو فَبِهَا وَنِعمَتْ (زوجین کے درمیان تفریق نہیں کی جائیگی)۔(۱۱۵) اور اگر سال بھر میں ایک مرتبہ بھی وطی نہ کرسکا اور زوج طلاق دینے کو بھی تیار نہ ہو تو حاکم ان کے درمیان تفریق کردے۔(۱۱٦) حاکم کی یہ تفریق ایک طلاق بائن ہوگی پس اگر شوہر نے اسکے ساتھ خلوۃ صحیحہ کی ہو تو عورت کیلئے پورا مہر ہوگا ورنہ نصف مہر لازم ہوگا۔

عنین وہ مرد ہے جو عورتوں کے ساتھ وطی نہ کرسکے یا ثیبہ کے ساتھ تو وطی کرسکتا ہو باکرہ کے ساتھ نہیں کرسکتا ہو یا بعض عورتوں کے ساتھ وطی کرسکتا ہو بعض کے ساتھ نہیں تو جن کے ساتھ وطی نہ کرسکتا ہو انکے حق میں عنین شمار ہوگا۔

(۱۱۷) وإنْ كانَ مَجْبُوْباً فَرَّقَ القَاضِيُ بَيْنَهُمَا في الحَالِ ولم يُؤَجِّلْه (۱۱۸) وَالخَصِي يُؤَجَّلُ كَمَا يُؤَجَّلُ العِنِّيْنُ۔

ترجمہ:۔اور اگر شوہر مجبوب ہو تو حاکم شوہر کو مہلت دئے بغیر دونوں میں فی الحال تفریق کردے اور خصی کو مہلت دی جائیگی جیسے نامرد کو مہلت دی جاتی ہے۔

تشریح:۔(۱۱۷) اگر شوہر مجبوب (يَعْنِي مَقْطُوْعُ الذَّكَرِ وَالْخُصْيَتَيْنِ مَعاً أوْ مَقْطُوْعُ الذَّكَرِ فَقَط) ہو اور عورت نے تفریق کا مطالبہ کیا تو حاکم شوہر کو مہلت دئے بغیر دونوں میں فی الحال تفریق کردے کیونکہ مقطوع الذکر کی طرف سے وطی متوقع نہیں لہذا اسکو مہلت دینے میں کوئی فائدہ نہیں۔

(۱۱۸) اگر شوہر خصی ہو تو اسکو بھی نامرد کی طرح مہلت دی جائیگی کیونکہ ممکن ہے کہ اسکے آلہ میں انتشار آجائے اور وطی پر قادر ہوجائے۔ خصی وہ ہے جسکے خصیتین نکال دئے ہوں اور آلہ باقی ہو۔

☆ ☆ ☆

(۱۱۹) وإذَا أَسْلَمَتِ الْمَرْأةُ وَزَوْجُهَا كَافِرٌ عَرَضَ عَلَيْهِ الْقَاضِي الْإِسْلَامَ فَإِنْ أَسْلَمَ فَهِيَ اِمْرَأتُه (۱۲۰) وإنْ أَبىٰ عَنِ الْإِسْلَامِ فَرَّقَ بَيْنَهُمَا وكَانَ ذَالِکَ طَلَاقًا بَائِنًا عِنْدَ ابي حَنِيْفَةَ رَحِمَه الله ومُحَمَّدٌ رحمه الله وقَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ هِيَ الْفُرْقَةُ بِغَيْرِ طَلَاقٍ۔

ترجمہ:۔اوراگرعورت مسلمان ہوگئی اوراسکا شوہر کافر ہوتو قاضی شوہر پر اسلام پیش کریگا اگر شوہر مسلمان ہوگیا تو وہ عورت اسکی بیوی ہے اوراگر شوہر نے اسلام لانے سے انکار کردیا تو قاضی ان دونوں میں تفریق کردے اور یہ تفریق طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک طلاق بائن ہوگی اورامام یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ فرقت بلاطلاق ہے۔

تشریح:۔(۱۱۹) اگرعورت مسلمان ہوگئی اوراسکا شوہر کافر ہوتو اگر مجنون یا بچہ نہ ہو اسلام سمجھتا ہوتو قاضی شوہر پر اسلام پیش کریگا اگر قاضی کے اسلام پیش کرنے پر شوہر مسلمان ہوگیا تو وہ عورت اسکی بیوی ہے اور نکاح بدستور قائم رہیگا کیونکہ منافی نکاح نہیں۔

(۱۲۰) اگر شوہر نے اسلام لانے سے انکار کردیا تو قاضی ان دونوں میں تفریق کردے کیونکہ مسلمان عورت کا نکاح کافر میں رہنا جائز نہیں۔اور یہ تفریق طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک طلاق بائن ہوگی اورامام یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک یہ تفریق طلاق نہ ہوگی بلکہ فسخ نکاح ہوگا (طرفینؒ کا قول مفتیٰ بہ ہے)۔

(۱۲۱) وإنْ أَسْلَمَ الزَّوْجُ وَتَحْتَه مَجُوْسِيَّةٌ عَرَضَ عَلَيْهَا الْإِسْلَامُ فَإِنْ أَسْلَمَتْ فهي اِمْرَأَتُهُ (۱۲۲) وإنْ أَبَتْ فَرَّقَ الْقَاضِيُ بَيْنَهُمَا (۱۲۳) ولم تَكُنِ الْفُرْقَةُ طَلَاقًا (۱۲۴) فَإِنْ كَانَ قَدْ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا كَمَالُ الْمَهْرِ (۱۲۵) وإنْ لم يَكُنْ دَخَلَ بِهَا فلا مَهْرَ لَهَا۔

ترجمہ:۔اوراگر شوہر مسلمان ہوگیا اوراسکے نکاح میں مجوسیہ عورت ہوتو مجوسیہ پر اسلام پیش کیا جائیگا اگر وہ اسلام لائی تو یہ اسکی بیوی ہے اوراگر اسلام لانے سے انکار کردیا تو قاضی دونوں میں تفریق کردے اور یہ فرقت طلاق نہ ہوگی پھر اگر شوہر نے اس عورت کے ساتھ دخول کرلیا ہوتو عورت کیلئے کامل مہر واجب ہوگا اوراگر دخول نہیں کیا ہوتو عورت کیلئے مہر نہیں ہوگا۔

تشریح:۔(۱۲۱) اگر شوہر مسلمان ہوگیا اوراسکے نکاح میں مجوسیہ عورت ہوتو قاضی مجوسیہ پر اسلام پیش کریگا اگر وہ اسلام لائی تو یہ اسکی بیوی ہے نکاح بدستور قائم رہیگا۔(۱۲۲) اوراگر عورت نے اسلام لانے سے انکار کردیا تو قاضی دونوں میں تفریق کردے کیونکہ مجوسیہ کے ساتھ مسلمان کا نکاح ابتداءً وبقاءً حرام ہے۔ (۱۲۳) یہ فرقت چونکہ عورت کی وجہ سے آئی ہے اورعورت طلاق کا اہل نہیں لہذا یہ فرقت طلاق نہ ہوگی۔

(۱۲۴) پھر اگر شوہر نے اس عورت کے ساتھ دخول کرلیا ہوتو عورت کیلئے کامل مہر واجب ہوگا کیونکہ دخول کی وجہ سے مہر مؤکد ہوگیا ہے۔(۱۲۵) اوراگر دخول نہیں کیا ہوتو عورت کیلئے مہر نہیں ہوگا کیونکہ فرقت عورت کی جانب سے واقع ہوئی اور بوجہ عدم دخول مہر مؤکد بھی نہیں ہوا ہے۔

(۱۲۶) وَاِذَا اَسْلَمَتِ الْمَرْاَةُ فِی دَارِ الْحَرْبِ لَمْ تَقَعِ الْفُرْقَةُ عَلَيْهَا حَتّٰى تَحِيْضَ ثَلٰثَ حِيَضٍ (۱۲۷) فَاِذَا حَاضَتْ بَانَتْ مِنْ زَوْجِهَا (۱۲۸) وَاِذَا اَسْلَمَ زَوْجُ الْكِتَابِيَّةِ فَهُمَا عَلٰى نِكَاحِهِمَا۔

توجمه: ۔اور اگر دارالحرب میں عورت نے اسلام لایا تو اس پر فرقت واقع نہ ہوگی یہاں تک کہ اس کو تین حیض آجائے پس جب حیض آجائیں تو اپنے شوہر سے بائنہ ہوجائیگی اور اگر کتابیہ عورت کا شوہر مسلمان ہوگیا تو وہ دونوں اپنے نکاح پر باقی رہیں گے۔

تشریح: ۔(۱۲۶) اگر دارالحرب میں کوئی عورت مسلمان ہوگئی اور اسکا شوہر کافر ہو تو صرف اسلام لانے سے زوجین کے درمیان تفریق نہیں ہوگی بلکہ اگر عورت ذوات الحیض میں سے ہو تو تین حیض گذارنے کے بعد فرقت واقع ہوگی اور اگر حاملہ ہو تو بچہ جننے کے بعد فرقت واقع ہوگی کیونکہ شوہر کے اسلام کا امید ہے مگر اس پر اسلام کا پیش کرنا دارالحرب میں ہونے کی وجہ سے متعذر ہے لہذا یہ بمنزلہ طلاق رجعی کے ہوگا۔(۱۲۷) پس تین حیض گذارنے کے بعد یہ اپنے شوہر سے بائنہ ہوجائیگی خواہ مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ ہو۔ پھر اگر فرقت قبل الدخول ہو تو بالاتفاق اس عورت پر فرقت کے بعد دوسری عدت نہیں اور اگر مدخولہ ہو تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اب بھی عدت نہیں۔صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک تین حیض مزید بیٹھ کر عدت اخرٰی گذارنا اس پر لازم ہے۔

(۱۲۸) اگر کتابیہ عورت کا شوہر مسلمان ہوگیا تو وہ دونوں اپنے نکاح پر باقی رہیں گے کیونکہ مسلمان مرد اور کتابیہ عورت کے درمیان ابتداءً نکاح صحیح ہے تو بقاءً بطریقہ اولیٰ صحیح ہوگا۔

(۱۲۹) وَاِذَا خَرَجَ اَحَدُ الزَّوْجَيْنِ اِلَيْنَا مِنْ دَارِ الْحَرْبِ مُسْلِمًا وَقَعَتِ الْبَيْنُوْنَةُ بَيْنَهُمَا (۱۳۰) وَاِنْ سُبِیَ اَحَدُهُمَا وَقَعَتِ الْبَيْنُوْنَةُ بَيْنَهُمَا (۱۳۱) وَاِنْ سُبِيَا مَعًا لَمْ تَقَعِ الْبَيْنُوْنَةُ۔

توجمه: ۔اور اگر احد الزوجین مسلمان ہو کر دارالحرب سے دارالاسلام میں آگیا تو دونوں میں فرقت واقع ہوجائیگی اور اگر احد الزوجین کو مسلمانوں نے گرفتار کر لیا تو بھی ان کے درمیان فرقت واقع ہوگی اور اگر زوجین دونوں گرفتار کر لئے گئے تو ان کے درمیان فرقت واقع نہ ہوگی۔

تشریح: ۔(۱۲۹) اگر احد الزوجین مسلمان ہو کر دارالحرب سے دارالاسلام میں آگیا تو دونوں میں فرقت واقع ہوجائیگی تبائن دارین کی وجہ سے (کیونکہ تبائن دارین حصول مصالح کے منافی ہے اور جو چیز حصول مصالح کے منافی ہو وہ نکاح کو قطع کر دیتی ہے)۔(۱۳۰) اسی طرح اگر احد الزوجین کو مسلمانوں نے گرفتار کر کے دارالاسلام میں لے آیا تو بھی فرقت واقع ہوگی لِمَا قُلْنَا۔(۱۳۱) اگر زوجین دونوں گرفتار کر لئے گئے تو ان کے درمیان فرقت واقع نہ ہوگی کیونکہ تبائن دارین نہیں پایا گیا صرف اتنی بات ہے کہ دونوں پر رقیت طاری ہوگئی اور رقیت نکاح کے منافی نہیں۔

(۱۳۲) وإذا خرجت المرأة إلينا مهاجرة جاز لها أن تتزوج في الحال فلا عدة عليها عند أبي حنيفة رحمه الله (۱۳۳) فإن كانت حاملا لم تتزوج حتى تضع حملها۔

توجمہ:۔ اور اگر کوئی عورت دار الحرب سے دار الاسلام کی طرف ہجرت کرکے آئی تو اس کے لئے جائز ہے کہ فی الحال نکاح کرے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس عورت پر عدت گذارنا واجب نہیں اور اگر وہ حاملہ ہو تو نکاح نہ کرے یہاں تک کہ وہ بچہ جن دے۔

تشریح:۔ (۱۳۲) اگر کوئی عورت دار الحرب سے دار الاسلام کی طرف ہجرت کرکے آئی خواہ وہ عورت مسلمان ہے یا ذمیہ ہے اور کبھی بھی دار الحرب واپس جانے کا ارادہ نہیں رکھتی ہو تو اس عورت کے ساتھ فی الحال نکاح کرنا جائز ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر عدت گذارنا واجب نہیں کیونکہ عدت ملکِ نکاح کے احترام کو ظاہر کرنے کیلئے واجب ہوتی ہے اور حال یہ ہے کہ حربی مرد کی ملکِ نکاح کا کوئی احترام نہیں۔

صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک اس عورت پر عدت گذارنا واجب ہے کیونکہ اس عورت کی اپنے زوج سے فرقت دار الاسلام میں داخل ہونے کے بعد واقع ہوئی ہے اور ہر وہ فرقت جو دار الاسلام میں واقع ہو اس پر احکام اسلام لازم ہوتے ہیں اور عدت بھی احکام اسلام میں سے ہے لہذا عدت واجب ہوگی (امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے)۔

(۱۳۳) اگر ہجرت کرنے والی عورت حاملہ ہو تو وضع حمل سے پہلے نکاح نہ کرے۔ اس قول کو امام محمد رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہؒ سے روایت کیا ہے وجہ یہ ہے کہ حمل غیر سے (یعنی حربی کافر سے) ثابت النسب ہے پس جب نسب کے حق میں کافر حربی کیلئے فراش ہونا ظاہر ہو گیا تو نکاح سے منع کے حق میں بھی احتیاطاً اس کا فراش ہونا ظاہر ہوگا لہذا نکاح نہیں کرسکتی۔

(۱۳٤) وإذا ارتد أحد الزوجين عن الإسلام وقعت البينونة بينهما (۱۳۵) وكانت الفرقة بينهما بغير طلاق (۱۳٦) فإن كان الزوج هو المرتد وقد دخل بها فلها كمال المهر (۱۳۷) وإن لم يدخل بها فلها نصف المهر (۱۳۸) وإن كانت المرأة هي المرتدة فإن كان قبل الدخول فلا مهر لها (۱۳۹) وإن كانت الردة بعد الدخول فلها المهر (۱٤۰) وإن ارتدا معا ثم أسلما معا فهما على نكاحهما۔

توجمہ:۔ اور اگر احد الزوجین اسلام سے مرتد ہو گیا (العیاذ باللہ) تو دونوں میں فرقت واقع ہو جائیگی اور یہ فرقت طلاق نہیں ہوگی پس اگر شوہر ہی مرتد ہوا اور عورت کے ساتھ دخول بھی کر چکا ہو تو عورت کیلئے کامل مہر ہوگا اور اگر شوہر نے دخول نہیں کیا ہو تو عورت کیلئے نصف مہر ہوگا اور اگر عورت مرتدہ ہوگئی تو اگر یہ دخول سے پہلے ہو تو ایسی عورت کیلئے مہر نہ ہوگا اور اگر عورت بعد الدخول مرتدہ ہوگئی تو عورت کیلئے کامل مہر واجب ہوگا اور اگر زوجین ایک ساتھ مرتد ہوئے پھر ایک ساتھ دونوں مسلمان ہوگئے تو دونوں اپنے نکاح پر رہیں گے۔

تشریح:۔ (۱۳٤) اگر احد الزوجین اسلام سے مرتد ہو گیا (العیاذ باللہ) تو شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک دونوں میں فی الحال فرقت واقع ہو جائیگی (۱۳۵) اور یہ فرقت طلاق نہیں ہوگی۔ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اگر ردت شوہر کی جانب سے ہو تو یہ فرقت طلاق ہے ورنہ

نہیں (شیخین کا قول راجح ہے)۔

(۱۳۶) پس اگر شوہر ہی مرتد ہوا اور عورت کے ساتھ دخول بھی کر چکا ہو تو عورت کیلئے کل مہر ہوگا کیونکہ دخول (جماع) کی وجہ سے مہر مؤکد ہو چکا۔ (۱۳۷) اور اگر شوہر نے دخول نہیں کیا ہو تو عورت کیلئے نصف مہر ہوگا کیونکہ فرقت قبل الدخول ہے جو کہ طلاق قبل الدخول کے مشابہ ہے۔

(۱۳۸) اگر عورت مرتدہ ہوگئی تو اگر یہ دخول سے پہلے ہو تو ایسی عورت کیلئے مہر نہ ہوگا کیونکہ اس نے ارتداد کی وجہ سے شوہر سے بضع روک دیا تو یہ قبل القبض بائع کا مبیع کو تلف کرنے کے مشابہ ہے۔ (۱۳۹) اور اگر عورت بعد الدخول مرتدہ ہوگئی تو عورت کیلئے کامل مہر واجب ہوگا کیونکہ دخول کی وجہ سے مہر مؤکد ہو چکا ہے۔ البتہ عدت کے دوران کا نفقہ عورت کیلئے واجب نہیں ہوگا کیونکہ فرقت عورت کی طرف سے آئی تو ناشزہ ہونے کی وجہ سے اس کیلئے نفقہ نہیں ہوگا۔

(۱۴۰) اگر زوجین ایک ساتھ مرتد ہوئے پھر ایک ساتھ دونوں مسلمان ہو گئے تو بوجہ عدم اختلاف دین کے دونوں استحساناً اپنے نکاح پر رہیں گے تجدید نکاح کی ضرورت نہیں۔

(۱٤۱) وَلَایَجُوزُ اَنْ یَتَزَوَّجَ الْمُرْتَدُّ مُسْلِمَۃً وَلَا مُرْتَدَّۃً وَلَا کَافِرَۃً (۱٤۲) وَکَذٰلِکَ الْمُرْتَدَّۃُ لَایَتَزَوَّجُھَا مُسْلِمٌ وَلَا کَافِرٌ وَلَا مُرْتَدٌّ۔

ترجمہ:۔ اور جائز نہیں کہ مرتد آدمی مسلمان عورت کے ساتھ نکاح کرے اور نہ مرتدہ عورت کے ساتھ اور نہ کافرہ کے ساتھ اور اسی طرح مرتدہ عورت ہے نہ نکاح کرے اس کے ساتھ نہ مسلمان نہ کافر اور نہ مرتد۔

تشریح:۔ (۱٤۱) مرتد آدمی کسی بھی عورت کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا نہ مسلمان عورت کے ساتھ نہ کافرہ اور نہ مرتدہ کے ساتھ کیونکہ مرتد تو واجب القتل ہے اسکو جو مہلت دی جاتی ہے وہ صرف اس لئے تاکہ وہ غور وفکر کرلے۔ (۱٤۲) اسی طرح مرتدہ عورت بھی ہے نہ مسلمان نہ کافر اور نہ مرتد اسکے ساتھ نکاح کر سکتا ہے کیونکہ مرتدہ بھی غور وفکر ہی کیلئے محبوس ہوتی ہے۔

(۱٤۳) وَاِنْ کَانَ اَحَدُ الزَّوْجَیْنِ مُسْلِمًا فَالْوَلَدُ علی دِیْنِہٖ (۱٤٤) وَکَذٰلِکَ اِنْ اَسْلَمَ اَحَدُھُمَا وَلَہٗ وَلَدٌ صَغِیْرٌ صَارَ وَلَدُہٗ مُسْلِمًا بِاِسْلَامِہٖ (۱٤۵) وَاِنْ کَانَ اَحَدُ الْاَبَوَیْنِ کِتَابِیًا وَالْآخَرُ مَجُوْسِیًّا فَالْوَلَدُ کِتَابِیٌّ۔

ترجمہ:۔ اور اگر احد الزوجین مسلمان ہو تو بچہ اسی کے دین پر ہوگا اور اسی طرح اگر زوجین میں سے ایک مسلمان ہو گیا اور اس کیلئے نابالغ بچہ ہو تو احد الزوجین کے اسلام کی وجہ سے بچہ بھی مسلمان ہوگا اور اگر ماں باپ میں سے ایک کتابی دوسرا مجوسی ہو تو بچہ کتابی ہوگا۔

تشریح:۔ (۱٤۳) اگر احد الزوجین مسلمان ہو تو بچہ اسی کے دین پر ہوگا کیونکہ اسی میں بچے کیلئے نظر شفقت ہے اسلئے کہ اَلْاِسْلَامُ یَعْلُوْ وَلَایُعْلٰی عَلَیْہِ۔ (۱٤٤) اسی طرح اگر زوجین میں سے ایک مسلمان ہو گیا اور ان کیلئے مجنون یا نابالغ بچہ ہو تو احد الزوجین کے اسلام کی وجہ سے بچہ بھی مسلمان ہوگا لِمَا قُلْنَا۔

(۱۴۵) اگر زوجین میں سے ایک کتابی دوسرا مجوسی یا بت پرست ہو تو بچہ کتابی ہوگا کیونکہ اسمیں بچہ کیلئے ایک قسم کی شفقت ہے کیونکہ کتابی احکام میں مسلمان کے قریب ہے اسلئے کہ کتابی کے ساتھ نکاح جائز ہے اور کتابی کا ذبیحہ جائز ہے جبکہ مجوسی اور بت پرست کے یہ احکام نہیں۔

(۱۴۶) وَاِذَا تَزَوَّجَ الْكَافِرُ بِغَيْرِ شُهُوْدٍ (۱۴۷) اَوْ فِي عِدَّةِ كَافِرٍ وَذَالِكَ فِي دِيْنِهِمْ جَائِزٌ ثُمَّ اَسْلَمَا اُقِرَّا عَلَيْهِ۔

ترجمہ:۔ اور اگر کافر نے بغیر گواہوں کے نکاح کیا یا عورت کسی دوسرے کافر کی عدت میں تھی اور حال یہ ہے کہ اس طرح کا نکاح ان کے دین میں جائز بھی ہے پھر زوجین دونوں مسلمان ہو گئے تو دونوں کو اسی نکاح پر برقرار رکھے جائیں گے۔

تشریح:۔ (۱۴۶) اگر کسی کافر نے کافرہ عورت کے ساتھ بغیر گواہوں کے نکاح کیا (۱۴۷) یا عورت کسی دوسرے کافر کی عدت میں تھی اس نے اس کے ساتھ نکاح ہے اور حال یہ ہے کہ اس طرح کا نکاح ان کے دین میں جائز بھی ہے پھر زوجین دونوں مسلمان ہو گئے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ دونوں کو اسی نکاح پر برقرار رکھے جائیں گے کیونکہ نکاح کے وقت برائے حق شرع حرمت ثابت کرنا ممکن نہیں اس لئے کہ کفار فروع کے ساتھ مخاطب نہیں اور نہ برائے حق زوج حرمت ثابت ہوتی ہے کیونکہ زوج اس کا اعتقاد نہیں رکھتا۔

(۱۴۸) وَاِذَا تَزَوَّجَ الْمَجُوْسِيُّ اُمَّهٗ اَوْ اِبْنَتَهٗ ثُمَّ اَسْلَمَا فُرِّقَ بَيْنَهُمَا۔

ترجمہ:۔ اور اگر مجوسی (آتش پرست) نے اپنی ماں یا بیٹی کے ساتھ نکاح کیا پھر وہ دونوں مسلمان ہو گئے تو دونوں میں تفریق کردی جائیگی۔

تشریح:۔ (۱۴۸) اگر مجوسی (آتش پرست) نے اپنی ماں یا بیٹی یا محارم ابدیہ میں سے کسی کے ساتھ نکاح کیا پھر وہ دونوں یا کوئی ایک مسلمان ہو گیا۔ یا حالت کفر ہی میں کسی مسلمان حاکم کے پاس مرافعہ کیا تو دونوں میں تفریق کردی جائیگی کیونکہ عورت محرمیت کی وجہ سے محل نکاح نہیں اور جو حکم محل کی طرف راجع ہو اس میں ابتداً اور بقاء برابر ہیں۔

(۱۴۹) وَاِذَا كَانَ لِرَجُلٍ اِمْرَأَتَانِ حُرَّتَانِ فَعَلَيْهِ اَنْ يَعْدِلَ بَيْنَهُمَا فِي الْقَسْمِ بِكْرَيْنِ كَانَتَا اَوْ اَحَدُهُمَا بِكْرًا وَالْاُخْرٰى ثَيِّبًا (۱۵۰) وَاِنْ كَانَتْ اِحْدٰهُمَا حُرَّةً وَالْاُخْرٰى اَمَةً فَلِلْحُرَّةِ الثُّلُثَانِ وَلِلْاَمَةِ الثُّلُثُ۔

ترجمہ:۔ اور اگر کسی کی دو آزاد بیویاں ہوں تو اس پر ان کے درمیان باری میں برابری کرنا ضروری ہے خواہ دونوں باکرہ ہوں یا ایک باکرہ اور دوسری ثیبہ ہو اور اگر ایک حرہ ہو اور دوسری باندی ہو تو حرہ کے لئے دو ثلث اور باندی کے لئے ایک ثلث ہوگا۔

تشریح:۔ (۱۴۹) اگر ایک مرد کی دو یا زیادہ آزاد عورتیں ہوں تو شوہر پر ان کے درمیان رات گذارنے میں، ملبوسات اور ماکولات میں برابری کرنا لازم ہے خواہ دونوں باکرہ ہوں یا دونوں ثیبہ یا ایک باکرہ اور دوسری ثیبہ "لقوله ﷺ مَنْ كَانَتْ لَهٗ اِمْرَأَتَانِ وَمَالَ اِلٰى اِحْدٰهُمَا فِي الْقَسْمِ جَاءَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَشِقُّهٗ مَائِلٌ" (یعنی جس کی دو بیویاں ہوں اور وہ قسم میں ان میں سے ایک کی طرف جھک گیا تو قیامت کے دن اس حالت میں آیگا کہ اس کا ایک دھڑ مائل ہوگا) اس حدیث میں برابری نہ کرنے والوں کے وعید کا بیان ہے

لہذا برابری لازم ہے۔

''قسم'' بفتح القاف شرعاً زوج کا اپنے منکوحات کے درمیان مأکولات، مشروبات اور ملبوسات وغیرہ میں برابری کرنے کو کہتے ہیں۔

(۱۵۰) اگر کسی کے نکاح میں ایک آزاد عورت ہو ایک باندی ہو تو آزاد کیلئے باری میں سے دو تہائی ہوگی اور باندی کیلئے ایک تہائی ہوگی کیونکہ اسی پر اثر وارد ہوا ہے ''عن عبادة بن عبدالله الاسدی رضی الله تعالی عنه قَالَ اِذَا نكحتِ الْحُرّةُ على الامة فَلِهٰذِه الثُلُثَانِ ولِهٰذِه الثُلُثُ'' (یعنی لونڈی نکاح میں ہوتے ہوئے جب حرہ کے ساتھ نکاح کرلے تو حرہ کے لئے دوثلث اور لونڈی کے لئے ایک ثلث ہے)۔

(۱۵۱) وَلاحَقَّ لَهُنَّ فِي الْقَسْمِ فِي حَالَةِ السَّفَرِ وَيُسَافِرُ الزَّوْجُ بِمَنْ شَاءَ مِنْهُنَّ (۱۵۲) وَالْاَوْلٰى اَنْ يُقْرِعَ بَيْنَهُنَّ فَيُسَافِرُ بِمَنْ خَرَجَتْ قُرْعَتُهَا (۱۵۳) وَاِذَا رَضِيَتْ اِحْدَى الزَّوْجَاتِ بِتَرْكِ قَسْمِهَا لِصَاحِبَتِهَا جَازَ (۱۵۴) وَلَهَا اَنْ تَرْجِعَ فِي ذَالِكَ۔

ترجمہ:۔ اور سفر میں ان کیلئے باری میں کوئی حق نہیں شوہر جس کے ساتھ ان میں سے سفر کرنا چاہے کرسکتا ہے مگر بہتر یہ ہے کہ ان میں قرعہ اندازی کرے جسکے نام کا قرعہ نکلے اسی کے ساتھ سفر کرے اور اگر زوجات میں سے کوئی اپنی باری اپنی سوتن کیلئے چھوڑنے پر راضی ہوجائے تو یہ جائز ہے پھر اسکو یہ اختیار ہے کہ اپنی باری میں رجوع کرلے۔

تشریح:۔ (۱۵۱) اگر کسی شخص کی متعدد بیویاں ہوں تو حالت سفر میں ان کیلئے باری میں کوئی حق نہیں شوہر جس کے ساتھ سفر کرنا چاہے کرسکتا ہے کیونکہ شوہر کو تو یہ اختیار ہے کہ ان میں سے کسی ایک کو بھی اپنے ساتھ سفر میں نہ لے جائے تو اس کیلئے یہ بھی اختیار ہے کہ ان میں سے جس کے ساتھ چاہے سفر کرے۔ (۱۵۲) مگر بہتر یہ ہے کہ انکی تطییب خاطر کیلئے ان میں قرعہ اندازی کرے جسکے نام کا قرعہ نکلے اسی کے ساتھ سفر کرے۔ اور یہ مدت اس پر محسوب نہیں ہوگی۔

(۱۵۳) اگر منکوحات میں سے کوئی اپنی باری اپنی سوتن کیلئے چھوڑنے پر راضی ہوجائے تو یہ جائز ہے اسلئے کہ یہ اسکا حق ہے اور اسکے ساقط کرنے کا حق رکھتی ہے۔ (۱۵۴) پھر اسکو یہ بھی اختیار ہے کہ اپنی باری میں رجوع کرلے کیونکہ اس نے ایسا حق ساقط کیا جو ابھی تک واجب نہیں ہوا تھا تو اسکے ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوگا۔

كتاب الرّضاع

یہ کتاب احکام رضاع کے بیان میں ہے۔

"رضاع" بفتح الرا و کسر الرا دونوں مستعمل ہے لغت میں دودھ چوسنے کو کہتے ہیں اور شرعاً عورت کی چھاتی سے مخصوص وقت میں دودھ چوسنے کو کہتے ہیں۔

"کتاب الرضاع" کی ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ نکاح سے مقصود توالد اور تناسل ہے اور ولد کیلئے رضاع ضروری ہے اسلئے نکاح کے بعد رضاعت کا ذکر مناسب سمجھا۔

(۱) وَقَلِيلُ الرَّضَاعِ وَكَثِيرُهُ إِذَا حَصَلَ فِي مُدَّةِ الرَّضَاعِ تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِيمُ۔

ترجمہ:۔ دودھ پینے کی قلیل وکثیر مقدار جب مدت رضاع میں حاصل ہو جائے تو اس کے ساتھ تحریم متعلق ہوگی۔

تشریح:۔ (۱) رضاعت کی قلیل وکثیر حکم میں برابر ہے بشرطیکہ مدت رضاعت میں حاصل ہو جائے تو اسکے ساتھ تحریم متعلق ہو جائیگی لقوله تعالیٰ ﴿ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ الخ ﴾ یعنی (حرام کی گئیں تم پر تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے)" ولقوله صلى الله عليه وسلم يُحْرِمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يحرمُ مِنَ النَّسَبِ" (یعنی حرام ہو جاتا ہے رضاعت سے جو حرام ہو جاتا ہے نسب سے)۔ مذکورہ بالا نصوص میں رضاعت قلیل وکثیر کا کوئی فرق بیان نہیں کیا ہے لہذا قلیل وکثیر ہر دو سے تحریم ثابت ہو جائیگی۔

(۲) وَمُدَّةُ الرَّضَاعِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ ثَلاثُونَ شَهْراً وَعِنْدَهُمَا سَنَتَانِ (۳) وَإِذَا مَضَتْ مُدَّةُ الرَّضَاعِ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِالرَّضَاعِ التَّحْرِيمُ۔

ترجمہ:۔ اور مدت رضاعت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تیس ماہ ہیں اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک دو سال ہیں اور جب مدت رضاعت گذر جائے تو پھر رضاعت سے تحریم متعلق نہ ہوگی۔

تشریح:۔ (۲) مدت رضاعت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تیس ماہ ہیں۔ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک دو سال ہیں۔ صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا ﴾ (یعنی بچے کا حمل اور فصال تیس ماہ ہیں) تو اللہ تعالیٰ نے حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ بیان فرمائی ہے اور ادنیٰ مدت حمل چھ ماہ ہیں لہذا مدت فصال دو سال رہی۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہی آیت مبارکہ ہے وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو چیزیں (حمل اور فصال) ذکر فرما کر ان دونوں کیلئے ایک مدت بیان کی ہے پس یہ مدت دونوں میں سے ہر ایک کیلئے پوری پوری ہوگی نہ یہ کہ دونوں پر تقسیم کی جائیگی اسکی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص کا زید اور بکر پر قرضہ ہے۔ قرض خواہ نے ان دونوں سے کہا کہ میں نے تم کو ایک سال کی مہلت دی تو یہ ایک سال کی مہلت دونوں میں سے ہر ایک کیلئے پوری ہوگی نہ یہ کہ دونوں پر تقسیم کر کے ہر ایک کیلئے چھ ماہ کی مدت شمار کی جائے۔ البتہ مدت حمل کو کم

کر دینے والی دلیل موجود ہے اور فصال کی کمی کی کوئی دلیل نہیں لہذا وہ اپنے ظاہر پر ہے (صاحبینؒ کا قول راجح ہے)

(۴) مدت رضاعت (علی اختلاف القولین) گذر جانے کے بعد اگر بچہ کو دودھ پلایا تو اسکے ساتھ تحریم متعلق نہیں ہوگی یعنی حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی "لقوله صلى الله عليه وسلم لَارِضَاعَ بَعْدَ الْفِصَالِ" دودھ چھڑانے کے بعد رضاعت نہیں۔

34

(۴) وَيَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ (۵) اِلَّا اُمَّ اُخْتِهِ مِنَ الرَّضَاعِ فَاِنَّهٗ يَجُوْزُ اَنْ يَتَزَوَّجَهَا وَلَا يَجُوْزُ اَنْ يَتَزَوَّجَ اُمَّ اُخْتِهِ مِنَ النَّسَبِ (۶) وَاُخْتَ اِبْنِهٖ مِنَ الرَّضَاعِ يَجُوْزُ اَنْ يَتَزَوَّجَهَا وَلَا يَجُوْزُ اَنْ يَتَزَوَّجَ اُخْتَ اِبْنِهٖ مِنَ النَّسَبِ۔

ترجمہ:۔اور رضاعت سے وہی رشتے حرام ہوتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں مگر رضاعی بہن کی ماں کہ اس کے لئے اس سے نکاح کرنا جائز ہے اور اپنی نسبی بہن کی ماں سے نکاح کرنا جائز نہیں اور سوائے اپنے رضاعی بیٹے کی بہن کے کہ اس سے نکاح کرنا جائز ہے اور اپنی نسبی بیٹے کی بہن سے نکاح کرنا جائز نہیں۔

تشریح:۔(۴) امام قدوری رحمہ اللہ نے ایک ضابطہ بیان کیا ہے کہ جو عورتیں نسب کی وجہ سے حرام ہیں وہ تمام عورتیں رضاعت کی وجہ سے بھی حرام ہوگی "لقوله صلى الله عليه وسلم، يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ" (یعنی حرام ہوجاتا ہے رضاعت سے جو حرام ہوجاتا ہے نسب سے) مگر اس ضابطہ سے درج ذیل دو صورتوں کو مستثنیٰ فرمایا ہے۔

(۵) رضاعی بہن بھائی کی نسبی ماں سے نکاح کرنا جائز ہے اسکی صورت یہ ہوگی کہ زید اور ساجدہ نے ایک اجنبی عورت کا دودھ پیا مگر زید نے ساجدہ کی نسبی ماں کا دودھ نہیں پیا تو زید کیلئے اسکی رضاعی بہن ساجدہ کی نسبی ماں حلال ہے۔ مگر نسبی بہن بھائی کی نسبی ماں سے نکاح جائز نہیں کیونکہ نسبی بہن بھائی کی نسبی ماں یا تو اسکی بھی ماں ہوگی اگر دونوں حقیقی بھائی بہن ہوں اور یا اسکے باپ کی موطوءہ ہوگی اگر دونوں کا باپ ایک اور ماں الگ الگ ہوں ان دونوں (ماں، اور باپ کی موطوءہ) کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔

(۶) استثناء کی دوسری صورت یہ ہے کہ رضاعی بیٹے کی نسبی بہن کے ساتھ نکاح جائز ہے مثلاً زید نے بکر کی بیوی کا دودھ پیا تو زید کی نسبی بہن کے ساتھ بکر کا نکاح جائز ہے مگر نسبی بیٹے کی بہن کے ساتھ نکاح جائز نہیں کیونکہ نسبی بیٹے کی بہن اگر اسی کے نطفہ سے ہے تو وہ اسکی بیٹی ہوگی اور اگر اسکی نطفہ سے نہیں اور اسکے بیٹے کی صرف ماں شریک بہن ہے تو یہ ربیبہ ہوگی اور ان دونوں (بیٹی اور ربیبہ اگر اسکی ماں کے ساتھ دخول کیا ہو) کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔

(۷) وَلَا يَجُوْزُ اَنْ يَتَزَوَّجَ اِمْرَاَةَ اِبْنِهٖ مِنَ الرَّضَاعِ كَمَا لَا يَجُوْزُ اَنْ يَتَزَوَّجَ اِمْرَاَةَ اِبْنِهٖ مِنَ النَّسَبِ۔

ترجمہ:۔اور رضاعی بیٹے کی بیوی کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں جیسا کہ نسبی بیٹے کی بیوی کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔

تشریح:۔(۷) رضاعی بیٹے کی بیوی کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں جیسا کہ نسبی بیٹے کی بیوی کے ساتھ نکاح جائز نہیں "لقوله صلى الله عليه وسلم يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ" (یعنی حرام ہوجاتا ہے رضاعت سے جو حرام ہوجاتا ہے نسب سے)۔

سوال:۔آیت مبارکہ ﴿وَحَلَائِلُ اَبْنَائِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ﴾ (یعنی تم پر حرام کی گئیں تمہارے بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری پشت

سے ہیں) سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف صلبی بیٹے کی بیوی حرام ہے رضاعی بیٹے کی بیوی حرام نہیں حالانکہ آپ اسکو حرام قرار دیتے ہیں؟
جواب:۔ آیت مبارکہ میں اصلاب کی قید متبنیٰ کی بیوی کو خارج کرنے کیلئے ہے نہ کہ رضاعی بیٹے کی بیوی کو لہذا صلبی بیٹے کی بیوی کی طرح رضاعی بیٹے کی بیوی بھی حرام ہے۔

(۸)وَلَبَنُ الْفَحْلِ يَتَعَلَّقُ بِهِ التَّحْرِيْمُ (۹)وهو اَنْ تَرْضِعَ الْمَرْاَةُ صَبِيَّةً فَتَحْرِمُ هٰذِهِ الصَّبِيَّةُ عَلٰى زَوْجِهَا وَعَلٰى آبَائِهِ وَاَبْنَائِهِ (۱۰)وَيَصِيْرُ الزَّوْجُ الَّذِيْ نَزَلَ لَهَا مِنْهُ اللَّبَنُ اَبًا لِلْمُرْضَعَةِ۔

ترجمہ:۔ اور مرد کے دودھ کے ساتھ تحریم متعلق ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ عورت کسی بچی کو دودھ پلائے تو یہ بچی اس عورت کے شوہر اور اس کے آباء اور اسکے ابناء پر حرام ہوگی اور وہ زوج جس سے مرضعہ کا دودھ اتر آیا ہے اس دودھ پینے والی بچی کا باپ ہو جائیگا۔

تشریح:۔ (۸) مرد کے دودھ کے ساتھ تحریم متعلق ہوتی ہے۔ (۹) مگر اس سے مراد مرد کی چھاتی سے نکلنے والا دودھ نہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ مرد کی وجہ سے جو اسکی بیوی کا دودھ اتر آیا تو یہ دودھ اگر اس عورت نے کسی بچی کو پلایا تو یہ بچی مرضعہ (دودھ پلانے والی) کے زوج پر حرام ہوگی اور اسکے آباء وابناء پر حرام ہوگی۔ (۱۰) اور زوج جس سے مرضعہ (دودھ پلانے والی) کا دودھ اتر آیا ہے مرضعہ (جسکو دودھ پلایا گیا) کا باپ ہو جائیگا۔

(۱۱)وَيَجُوْزُ اَنْ يَتَزَوَّجَ الرَّجُلُ بِاُخْتِ اَخِيْهِ مِنَ الرَّضَاعِ كَمَا يَجُوْزُ اَنْ يَتَزَوَّجَ بِاُخْتِ اَخِيْهِ مِنَ النَّسَبِ وَذَالِكَ مِثْلُ الْاَخِ مِنَ الْاَبِ اِذَا كَانَ لَهُ اُخْتٌ مِنْ اُمِّهِ جَازَ لِاَخِيْهِ مِنْ اَبِيْهِ اَنْ يَتَزَوَّجَهَا۔

ترجمہ:۔ اور اپنے رضاعی بھائی کی بہن کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے جیسا کہ اپنے نسبی بھائی کی بہن کے ساتھ نکاح جائز ہے اور یہ جیسے ایک باپ شریک بھائی ہے اور اسکی ایک ماں شریک بہن ہے تو باپ شریک بھائی کے لئے جائز ہے کہ اس بہن سے نکاح کرلے۔

تشریح:۔ (۱۱) اپنے رضاعی بھائی کی نسبی بہن کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے (مثلاً خالد نے ماجد کی ماں کا دودھ پیا تو ماجد خالد کی نسبی بہن کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے حالانکہ یہ لڑکی ماجد کے رضاعی بھائی خالد کی نسبی بہن ہے) وجہ یہ ہے کہ اپنے نسبی بھائی کی بہن کے ساتھ نکاح جائز ہے مثلاً شاہد کے دو بیٹے ہیں اور ماں دونوں کی الگ الگ ہے شاہد نے ان دونوں میں سے کسی ایک کی ماں کو طلاق دیدی اس مطلقہ نے عدت گذارنے کے بعد کسی دوسرے خاوند سے نکاح کرلیا اور اس سے ایک لڑکی پیدا ہوگئی تو یہ لڑکی شاہد کے دونوں بیٹوں میں سے ایک کی ماں شریک بہن ہے اور دوسرے کے حق میں اجنبیہ ہے پس یہ دوسرا بیٹا اس لڑکی کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے حالانکہ یہ لڑکی اسکے نسبی بھائی کی بہن ہے۔

(۱۲)وَكُلُّ صَبِيَّيْنِ اِجْتَمَعَا عَلٰى ثَدْيٍ وَاحِدٍ لَمْ يَجُزْ لِاَحَدِهِمَا اَنْ يَتَزَوَّجَ الْآخَرَ (۱۳)وَلَا يَجُوْزُ اَنْ تَتَزَوَّجَ الْمُرْضَعَةُ اَحَداً مِنْ وُلْدِ الَّتِيْ اَرْضَعَتْ (۱۴)وَلَا يَتَزَوَّجُ الصَّبِيُّ الْمُرْضَعُ اُخْتَ زَوْجِ الْمُرْضِعَةِ لِاَنَّهَا عَمَّتُهُ مِنَ الرَّضَاعِ۔

ترجمہ:۔ اور ہر وہ دو بچے جو ایک (عورت کے) پستان پر جمع ہو جائیں تو ان دونوں میں سے ایک کیلئے دوسرے کے ساتھ نکاح کرنا

جائز نہیں اور مرضَعہ (جس کو دودھ پلایا گیا) مرضِعہ (دودھ پلانے والی) کے لڑکوں میں سے کسی کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتی اور مرضَع (وہ بچہ جسکو دودھ پلایا گیا ہو) مرضِعہ کے شوہر کی بہن کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتا کیونکہ وہ اس کی رضاعی پھوپھی ہے۔

تشریح:۔(۱۲) ہر وہ دو بچے جو ایک عورت کے پستان پر جمع ہو جائیں یعنی دونوں نے ایک عورت کا دودھ پیے اگر چہ دونوں کا زمانہ رضاعت ایک نہ ہو تو ان دونوں میں سے ایک کیلئے دوسرے کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ آپس میں بہن بھائی ہیں۔(۱۳) اور مرضَعہ (جس کو دودھ پلایا گیا) مرضِعہ (دودھ پلانے والی) کے لڑکوں میں سے کسی کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتی کیونکہ مرضِعہ کے لڑکے اسکے رضاعی بھائی ہیں۔اور مرضِعہ کے پوتے کے ساتھ بھی نکاح نہیں کرسکتی کیونکہ وہ اسکا بھتیجہ ہے۔

(۱۴) مرضَع (وہ بچہ جسکو دودھ پلایا گیا ہو) مرضِعہ کے شوہر کی بہن کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتا کیونکہ وہ اس کی رضاعی پھوپھی ہے اسلئے کہ مرضِعہ کا زوج اسکا رضاعی باپ ہے۔

(۱۵)وَاِذَا اخۡتَلَطَ اللَّبَنُ بِالۡمَاءِ وَاللَّبَنُ هو الۡغَالِبُ يَتَعَلَّقُ به التَّحۡرِيۡمُ (۱۶)فَاِنۡ غَلَبَ الۡمَاءُ لَمۡ يَتَعَلَّقۡ به التَّحۡرِيۡمُ (۱۷)وَاِذَا اخۡتَلَطَ بِالطَّعَامِ لم يَتَعَلَّقۡ بِه التَّحۡرِيۡمُ وانۡ كَانَ اللَّبَنُ غَالِبًا عِنۡدَ ابِى حَنِيۡفَةَ رَحِمَه اللّٰه وقالا رَحِمَهُمَا اللّٰه يَتَعَلَّقُ بِه التَّحۡرِيۡمُ (۱۸)واِذَا اخۡتَلَطَ بِالدَّوَاءِ وَاللَّبَنُ غَالِبٌ تَعَلَّقَ بِه التَّحۡرِيۡمُ۔

ترجمہ:۔اور اگر دودھ پانی میں مل گیا اور دودھ غالب ہو تو اس کے ساتھ تحریم متعلق ہوگی اور اگر پانی غالب ہو تو اس کے ساتھ تحریم متعلق نہ ہوگی اور اگر دودھ کھانے میں مخلوط ہو گیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک اس کے ساتھ حرمت متعلق نہ ہوگی اگر چہ دودھ غالب ہو اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے ساتھ تحریم متعلق ہوگی اور اگر دودھ دوا کے ساتھ ملا دیا گیا ہو اور دودھ غالب ہو تو اس کے ساتھ تحریم متعلق ہوگی۔

تشریح:۔(۱۵) اگر دودھ پانی میں مل گیا دودھ غالب اور پانی مغلوب ہو پھر کسی بچے نے اسکو پی لیا تو اس سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائیگی۔(۱۶) اگر پانی غالب ہو اور دودھ مغلوب ہو تو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی کیونکہ مغلوب حکماً غیر موجود شمار ہوتا ہے۔(۱۷) اگر دودھ کھانے میں مخلوط ہو گیا اور اس مخلوط دودھ کو آگ پر پکایا نہیں گیا ہو تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی اگر چہ دودھ غالب ہو۔صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک اگر دودھ غالب ہو تو اس کے ساتھ تحریم متعلق ہو جائیگی کیونکہ اعتبار غالب کا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ مقصود یعنی غذا حاصل کرنے میں کھانا اصل ہے اور دودھ اس کا تابع ہے لہذا حصول مقصود یعنی غذا حاصل کرنے میں دودھ مغلوب ہو گیا اگر چہ حقیقت میں غالب تھا اس لئے اس کے ساتھ تحریم متعلق نہیں ہوگی (امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول راجح ہے)۔

(۱۸) اور اگر دودھ دوا کے ساتھ مل گیا ہو اور دودھ غالب ہو تو اس سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائیگی کیونکہ غذا حاصل

کرنے میں دودھ ہی مقصود ہے کیونکہ دودھ کا غالب ہونا دلیل ہے کہ دوا صرف اس کی تقویت کیلئے ملائی ہے۔

(۱۹) وَاِذَا حُلِبَ اللَّبَنُ مِنَ الْمَرْاَةِ بَعْدَ مَوْتِهَا فَاُوْجِرَ بِهِ الصَّبِيُّ تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِيْمُ۔

ترجمہ:۔ اور اگر عورت کے مرجانے کے بعد اسکا دودھ نکالا گیا پھر یہ دودھ کسی بچے کے منہ میں ڈال دیا گیا تو اس کے ساتھ تحریم متعلق ہوگی۔

تشریح:۔ (۱۹) اگر عورت کے مرجانے کے بعد اسکا دودھ نکالا گیا پھر یہ دودھ کسی بچے کے منہ میں ڈال دیا گیا تو اس سے حرمتِ رضاعت ثابت ہوجائیگی کیونکہ دودھ موت کے بعد ایسا ہی ہے جیسے موت سے پہلے۔ لہٰذا رضاعت کا معنی پایا جانے کی وجہ سے حرمتِ رضاعت ثابت ہوجائیگی۔

(۲۰) وَاِذَا اخْتَلَطَ اللَّبَنُ بِلَبَنِ الشَّاةِ وهو الْغَالِبُ تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِيْمُ (۲۱) فَاِنْ غَلَبَ لَبَنُ الشَّاةِ لم يَتَعَلَّقْ بِهِ التَّحْرِيْمُ (۲۲) وَاِذَا اخْتَلَطَ لَبَنُ اِمْرَاَتَيْنِ يَتَعَلَّقُ بِهِ التَّحْرِيْمُ بِاَكْثَرِهِمَا عِنْدَ اَبِي يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَلَّقَ بِهِمَا التَّحْرِيْمُ۔

ترجمہ:۔ اور اگر (عورت کا) دودھ بکری کے دودھ کے ساتھ مل گیا اور (عورت کا) دودھ غالب ہو تو اس کے ساتھ تحریم متعلق ہوگی اور اگر بکری کا دودھ غالب ہو تو اسکے ساتھ تحریم متعلق نہیں ہوگی اور اگر دو عورتوں کا دودھ مخلوط ہو گیا تو اکثر کے ساتھ تحریم متعلق ہوگی امام یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں کے ساتھ تحریم متعلق ہوگی۔

تشریح:۔ (۲۰) اگر عورت کا دودھ بکری کے دودھ کے ساتھ مل گیا اور عورت کا دودھ غالب ہو تو اس کے ساتھ تحریم متعلق ہوگی۔ (۲۱) اور اگر بکری کا دودھ غالب ہو تو اسکے ساتھ تحریم متعلق نہیں ہوگی غالب کا اعتبار کرتے ہوئے کَمَا فِي الْمَاءِ۔ (۲۲) اگر دو عورتوں کا دودھ مخلوط ہو گیا پھر کسی بچے نے اسکو پی لیا تو امام یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس کا دودھ غالب ہو اس کے ساتھ تحریم متعلق ہوگی کیونکہ دونوں عورتوں کا دودھ ملکر ایک چیز بن گئی پس اس پر رضاعت کا حکم مبنی کرنے میں اقل کو اکثر کا تابع بنایا گیا۔

امام محمد رحمہ اللہ وامام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں کے ساتھ تحریم متعلق ہوگی کیونکہ شیٔ اپنی جنس پر غالب نہیں آتی اسلئے کہ شیٔ اپنی جنس میں اتحادِ مقصود کی وجہ سے مستہلک نہیں ہوتی پس شیٔ اپنی جنس میں ملکر معدوم نہیں ہوتی تو ان میں سے کوئی کسی کے تابع نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے اس بارے میں دو روایتیں منقول ہیں ایک روایت میں امام یوسف رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں اور دوسری روایت میں امام محمد رحمہ اللہ وامام زفر رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں (امام محمدؒ کا قول راجح ہے)۔

(۲۳) وَاِذَا نَزَلَ لِلْبِكْرِ لَبَنٌ فَاَرْضَعَتْ صَبِيًّا يَتَعَلَّقُ بِهِ التَّحْرِيْمُ (۲۴) وَاِذَا نَزَلَ لِلرَّجُلِ لَبَنٌ فَاَرْضَعَ بِهِ صَبِيًّا لم يَتَعَلَّقْ بِهِ التَّحْرِيْمُ۔

ترجمہ:۔ اور اگر باکرہ عورت کا دودھ اتر آیا پھر اس نے کسی بچے کو پلا دیا تو اس دودھ کے ساتھ تحریم متعلق ہوگی اور اگر مرد کے پستان

سے دودھ اتر آیا پس اس نے وہ دودھ کسی بچے کو پلا دیا تو اس کے ساتھ تحریم متعلق نہ ہوگی۔

تشریح:۔(۲۳)اگر باکرہ عورت کے پستان سے دودھ اتر آیا پھر وہ دودھ اس نے کسی بچے کو پلا دیا تو اس دودھ سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائیگی کیونکہ حرمت رضاعت کے بارے میں نص ﴿وَاُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي اَرْضَعْنَكُمْ﴾ (حرام کی گئیں تم پر تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے) مطلق ہے جس میں باکرہ اور ثیبہ کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

(۲۴)اگر مرد کے پستان سے دودھ اتر آیا اس نے وہ دودھ کسی بچے کو پلا دیا تو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی کیونکہ مرد کا دودھ درحقیقت دودھ نہیں کیونکہ دودھ اس شخص سے متصور ہوگا جس سے ولادت متصور ہوتی ہے اور چونکہ مرد سے ولادت متصور نہیں اس وجہ سے دودھ بھی متصور نہیں ہوگا۔

(۲۵)وَاِذَا شَرِبَ صَبِيَّانِ مِنْ لَبَنِ شَاةٍ فَلَا رِضَاعَ بَيْنَهُمَا۔

ترجمہ:۔اور اگر دو بچوں نے ایک بکری کا دودھ پیا تو ان کے درمیان حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

تشریح:۔(۲۵)اگر دو بچوں نے ایک بکری کا دودھ پیا تو ان کے درمیان حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوگی کیونکہ جانوروں کے دودھ کھانے کا حکم رکھتا ہے۔اور بکری کے دودھ کیلئے کوئی حرمت نہیں یہی وجہ ہے کہ بکری کا دودھ پینے سے بکری کیلئے اُم ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اور بکری کے بچے اور مرضع کے درمیان اخوۃ ثابت نہیں ہوتا۔

(۲۶)وَاِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ صَغِيْرَةً وَكَبِيْرَةً فَاَرْضَعَتِ الْكَبِيْرَةُ الصَّغِيْرَةَ حَرُمَتَا عَلَى الزَّوْجِ (۲۷)فَاِنْ كَانَ لَمْ يَدْخُلْ بِالْكَبِيْرَةِ فَلَا مَهْرَ لَهَا وَلِلصَّغِيْرَةِ نِصْفُ الْمَهْرِ (۲۸)وَيَرْجِعُ بِهِ الزَّوْجُ عَلَى الْكَبِيْرَةِ اِنْ كَانَتْ تَعَمَّدَتْ بِهِ الْفَسَادَ وَاِنْ لَمْ تَتَعَمَّدْ فَلَا شَيْئَ عَلَيْهَا۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی نے ایک صغیرہ اور ایک کبیرہ عورت سے نکاح کیا پھر کبیرہ عورت نے صغیرہ کو اپنا دودھ پلایا تو شوہر پر یہ دونوں حرام ہو جائیگی اور اگر شوہر نے کبیرہ کے ساتھ دخول نہیں کیا ہو تو شوہر پر کبیرہ کیلئے مہر واجب نہیں ہوگا اور صغیرہ کیلئے نصف مہر ہوگا اور شوہر یہ نصف مہر کبیرہ سے واپس لیگا اگر کبیرہ نے دودھ پلانے سے فساد نکاح کا ارادہ کیا ہو اور اگر کبیرہ نے فساد کا ارادہ نہ کیا ہو تو کبیرہ پر کچھ نہیں۔

تشریح:۔(۲۶)اگر کسی نے ایک کبیرہ عورت اور ایک دودھ پیتی بچی سے نکاح کیا پھر کبیرہ عورت نے دودھ پیتی بچی کو اپنا دودھ پلایا تو شوہر پر یہ دونوں حرام ہو جائیگی کیونکہ دودھ پلانے سے کبیرہ صغیرہ کی ماں ہوگئی تو شوہر ماں اور بیٹی کو نکاح میں جمع کرنے والا ہوگا اور ماں اور بیٹی کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔

(۲۷)اگر شوہر نے کبیرہ کے ساتھ دخول نہیں کیا ہو تو شوہر پر کبیرہ کیلئے مہر واجب نہیں ہوگا کیونکہ کبیرہ کے صغیرہ کو دودھ پلانے کی وجہ سے فرقت قبل الدخول کبیرہ ہی کی جانب سے آئی ہے اور قبل الدخول عورت کی جانب سے فرقت نصف مہر کو ساقط کر دیتی ہے۔اور صغیرہ کیلئے نصف مہر ہوگا کیونکہ فرقت صغیرہ کی جانب سے واقع نہیں ہوئی ہے۔

(۲۸) شوہر کو اختیار ہے کہ صغیرہ کو دیا ہوا نصف مہر کبیرہ سے واپس لے اگر کبیرہ نے دودھ پلانے سے فسادِ نکاح کا ارادہ کیا ہو اور اگر کبیرہ نے فسادِ نکاح کا ارادہ نہ کیا ہو بلکہ بھوک اور ہلاکت دور کرنے کا ارادہ کیا ہو تو اس صورت میں شوہر نصف مہر کیلئے کبیرہ سے رجوع نہیں کرسکتا۔ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک کبیرہ نے فسادِ نکاح کا قصد کیا ہو یا نہ کیا ہو دونوں صورتوں میں شوہر نصف مہر کیلئے کبیرہ سے رجوع کریگا۔

(۲۹) وَلَاتُقْبَلُ فِی الرَّضَاعِ شَهَادَةُ النِّسَاءِ مُنْفَرِدَاتٍ (۳۰) وَاِنَّمَا يَثْبُتُ بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ اَوْ رَجُلٍ وَامْرَاَتَيْنِ۔

ترجمہ:۔ اور رضاعت ثابت کرنے کیلئے تنہا عورتوں کی گواہی قبول نہیں کی جائیگی بلکہ رضاعت دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے ثابت ہوتی ہے۔

تشریح:۔ (۲۹) یعنی رضاعت ثابت کرنے کیلئے تنہا عورتوں کی گواہی قبول نہیں کی جائیگی کیونکہ رضاعت ایسی چیز ہے جس پر مرد بھی مطلع ہوسکتے ہیں اور صرف عورتوں کی گواہی ان چیزوں کے بارے میں معتبر ہے جن پر مرد مطلع نہ ہوسکے۔ (۳۰) اور اثباتِ رضاعت سے چونکہ نکاح باطل ہوجاتا ہے جوکہ ابطالِ ملک ہے اور ابطالِ ملک دو عادل یا مستور مردوں کی گواہی سے یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے ہوتا ہے صرف عورتوں کی گواہی سے نہیں۔

كتاب الطّلاق

یہ کتاب طلاق کے بیان میں ہے۔

"طلاق" لغت میں رفعِ قید کو کہتے ہیں۔ اور شریعت میں قیدِ نکاح کو فی الحال یا فی المآل الفاظِ مخصوصہ کے ذریعہ رفع کرنے کو کہتے ہیں۔

"طلاق" کو "رضاعت" کے بعد ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ رضاعت اور طلاق دونوں موجبِ حرمت ہیں مگر رضاعت سے حرمتِ ابدی ثابت ہوتی ہے اور طلاق سے غیر ابدی تو برائے اہتمام شان حکم اشد کو مقدم کیا اور اخف کو مؤخر۔

طلاق کے لئے شرط یہ ہے کہ طلاق دینے والا عاقل بالغ ہو اور عورت اس کے نکاح میں ہو یا ایسی عدت میں ہو جس کی وجہ سے وہ محلِ طلاق ہونے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ اور طلاق کا حکم زوالِ ملک عن المحل ہے۔

(۱) اَلطَّلَاقُ عَلٰی ثَلَاثَةِ اَوْجُهٍ اَحْسَنُ الطَّلَاقِ وَطَلَاقُ السُّنَّةِ وَطَلَاقُ الْبِدْعَةِ (۲) فَاَحْسَنُ الطَّلَاقِ اَنْ يُطَلِّقَ الرَّجُلُ اِمْرَاَتَهُ تَطْلِيْقَةً وَاحِدَةً فِی طُهْرٍ وَاحِدٍ لَمْ يُجَامِعْهَا فِيْهِ وَيَتْرُكَهَا حَتّٰی تَنْقَضِیَ عِدَّتُهَا (۳) وَطَلَاقُ السُّنَّةِ اَنْ يُطَلِّقَ الْمَدْخُوْلَ بِهَا ثَلٰثًا فِی ثَلٰثَةِ اَطْهَارٍ (۴) وَطَلَاقُ الْبِدْعَةِ اَنْ يُطَلِّقَهَا ثَلٰثًا بِكَلِمَةٍ وَاحِدَةٍ اَوْ ثَلٰثًا فِی طُهْرٍ وَاحِدٍ (۵) فَاِذَا فَعَلَ ذَالِكَ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَبَانَتْ اِمْرَاَتُهُ مِنْهُ وَكَانَ عَاصِيًا۔

ترجمہ:۔ طلاق کی تین قسمیں ہیں، احسن، سنت، بدعت، طلاق احسن یہ ہے کہ مرد اپنی منکوحہ کو ایک طلاق ایسے طہر میں دے جس میں اسکے ساتھ جماع نہیں کیا ہو اور اسکو چھوڑ دے یہاں تک کہ اسکی عدت گذر جائے اور طلاق سنت یہ ہے کہ شوہر اپنی منکوحہ مدخول بھا کو تین

طہر میں تین طلاق دے اور طلاق بدعت یہ ہے کہ شوہر اپنی منکوحہ کو ایک کلمہ سے دو یا تین طلاق دے یا ایک طہر میں تین طلاق واقع کرے اگر کسی نے اپنی بیوی کو طلاق بدعت دیدی تو طلاق واقع ہو جائیگی اور اسکی بیوی بائنہ ہو جائیگی اور یہ شخص گناہ گار ہوگا۔

تشریح:۔(۱) طلاق کی تین قسمیں ہیں، احسن، سنت، بدعت۔

(۲) طلاق احسن یہ ہے کہ مرد اپنی منکوحہ کو ایک طلاق ایسے طہر میں دے جس میں اسکے ساتھ جماع نہیں کیا ہو اور اسکو چھوڑ دے یہاں تک کہ اسکی عدت گذر جائے۔ وجہ یہ ہے کہ ایک طلاق واقع کرنا ندامت سے ابعد ہے اسلئے کہ شوہر کیلئے تدارک کا امکان ہے کہ وہ عدت میں رجوع کرسکتا ہے اور عدت کے بعد بغیر حلالہ کے تجدید نکاح کرسکتا ہے اور ایک سے زیادہ طلاقوں میں عورت کیلئے شدتِ وحشت کا ضرر ہے جبکہ ایک طلاق میں یہ وحشت کم ہے۔ اور یہ طلاق احسن بنسبتِ دوسری دو طلاقوں کے ہے نہ کہ فی نفسہ احسن ہے۔

(۳) طلاق سنت یہ ہے کہ شوہر اپنی منکوحہ مدخول بہا کو تین طہر میں تین طلاق دے ہر طہر میں ایک طلاق دے (کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے فرمایا کہ اے ابن عمر ایسا کرنے کا تجھے اللہ نے حکم نہیں دیا تو سنت کو چوک گیا سنت یہ ہے کہ تو انتظار کرے طہر کا پھر ہر طہر میں طلاق دے۔ اور طلاق سنت ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس پر عتاب نہیں ہوگا یہ معنی نہیں کہ اس پر ثواب ملیگا کیونکہ طلاق فی نفسہ عبادت نہیں پس یہاں سنت سے مراد مباح ہے۔

(۴) طلاق بدعت یہ ہے کہ شوہر اپنی منکوحہ کو ایک کلمہ سے دو یا تین طلاق دے یا ایک طہر میں دو یا تین طلاق واقع کرے اور یہ طلاق بدعت اس لئے ہے کہ طلاق میں اصل ممانعت ہے کیونکہ طلاق کی وجہ سے وہ نکاح منقطع ہو جائیگا جسکے ساتھ مصالح دینیہ دنیویہ وابستہ ہیں مگر عورت سے چھٹکارا پانے کی ضرورت کی وجہ سے طلاق کو مباح قرار دیا ہے اور یہ مقصود ایک طلاق سے حاصل ہو جاتا ہے لہٰذا تین طلاقوں کو جمع کرنے یا طہر واحد میں تین طلاقوں کو واقع کرنے کی ضرورت نہیں اسلئے اس طلاق کو بدعت کہتے ہیں۔

(۵) لیکن اگر کسی نے اپنی بیوی کو طلاقِ بدعت دیدی تو طلاق واقع ہو جائیگی اور اسکی بیوی بائنہ ہو جائیگی کیونکہ ممانعت معنی فی غیرہ کی وجہ سے ہے لہٰذا طلاق بدعت فی نفسہ مشروع ہوگی۔

(٦) وَالسُّنَّةُ فِي الطَّلَاقِ مِنْ وَجْهَيْنِ سُنَّةٌ فِي الْوَقْتِ وَسُنَّةٌ فِي الْعَدَدِ (٨) فَالسُّنَّةُ فِي الْعَدَدِ يَسْتَوِي فِيهَا الْمَدْخُولُ بِهَا وَغَيْرُ الْمَدْخُولُ بِهَا (٧) وَالسُّنَّةُ فِي الْوَقْتِ تَثْبُتُ فِي حَقِّ الْمَدْخُولِ بِهَا خَاصَّةً وهو اَنْ يُطَلِّقَهَا وَاحِدَةً فِي طُهْرٍ لم يُجَامِعْهَا فيه (٩) وَغَيْرُ الْمَدْخُولِ بِهَا اَنْ يُطَلِّقَهَا فِي حَالِ الطُّهْرِ وَالْحَيْضِ۔

ترجمہ:۔اور سنت فی الطلاق دو طرح سے ہے۔ سنت فی الوقت۔ سنت فی العدد۔ پھر سنت فی العدد میں مدخول بہا وغیر مدخول بہا دونوں برابر ہیں اور سنت فی الوقت خاص طور پر مدخول بہا میں ثابت ہوگی وہ یہ کہ عورت کو ایسے طہر میں طلاق دے جس میں اس کے ساتھ جماع نہیں کیا ہو اور غیر مدخول بہا کو طہر وحیض ہر دو حالت میں طلاق دینا سنت فی الوقت ہے۔

تشریح:۔(٦) سنت فی الطلاق دو طرح سے ہے۔/ **نمبر ۱**۔ سنت فی الوقت۔/ **نمبر ۲**۔ سنت فی العدد۔

سنت فی الوقت یہ ہے کہ مرد عورت کو ایسے طہر میں طلاق دیدے جو جماع سے خالی ہو۔اور سنت فی العدد یہ ہے کہ حالت طہر میں صرف ایک طلاق دیجائے۔(۸) پھر سنت فی العدد میں مدخول بھا وغیر مدخول بھا دونوں برابر ہیں کیونکہ ایک ہی کلمہ سے تین طلاقوں کو واقع کرنے سے اس لئے ممانعت کی گئی ہے تا کہ شوہر ندامت سے بچے اور یہ بات غیر مدخول بھا میں بھی موجود ہے۔

(۷) سنت فی الوقت خاص طور پر مدخول بھا میں ثابت ہوگی وہ یہ کہ عورت کو ایسے طہر میں طلاق دے جس میں اس کے ساتھ جماع نہیں کیا ہو کیونکہ مشروعیت طلاق حاجت کی وجہ سے ہے اور ملحوظ دلیل حاجت ہے اور دلیل حاجت تجدد رغبت کے زمانہ میں اقدام علی الطلاق ہے اور تجدد رغبت کا زمانہ وہ طہر ہے جو خالی عن الجماع ہو۔رہا حیض کا زمانہ تو وہ تو نفرت کا زمانہ ہے۔اور طہر میں ایک مرتبہ جماع کر لینے سے رغبت کم ہو جاتی ہے پس حالت حیض اور طہر مع الجماع میں دلیل حاجت موجود نہیں اسلئے سنت فی الوقت صرف یہ ہے کہ ایسے طہر میں طلاق دی جائے تو جماع سے خالی ہو۔

(۹) رہا غیر مدخول بھا کا معاملہ تو اسکو طہر و حیض ہر دو حالت میں طلاق دینا سنت فی الوقت قرار دیا گیا ہے کیونکہ غیر مدخول بھا میں رغبت ہر حال میں بھر پور رہتی ہے۔

(۱۰) وَاِذَا كَانَتِ الْمَرْأَةُ لَاتَحِيْضُ مِنْ صِغَرٍ اَوْ كِبَرٍ فَاَرَادَ اَنْ يُطَلِّقَهَا لِلسُّنَّةِ طَلَّقَهَا وَاحِدَةً فَاِذَا مَضٰى شَهْرٌ طَلَّقَهَا اُخْرٰى وَاِذَا مَضٰى شَهْرٌ طَلَّقَهَا اُخْرٰى (۱۱) وَيَجُوْزُ اَنْ يُطَلِّقَهَا وَلَا يَفْصِلُ بَيْنَ وَطْيِهَا وَطَلَاقِهَا بِزَمَانٍ (۱۲) وَطَلَاقُ الْحَامِلِ يَجُوْزُ عَقِيْبَ الْجِمَاعِ۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی عورت کو صغر سنی یا کبر سنی کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو اور مرد چاہتا ہو کہ اسکو سنت طریقہ پر تین طلاق دیدے تو اسے ایک طلاق دیدے پھر جب ایک ماہ گذر جائے تو اسے دوسری طلاق دیدے پھر جب ایک ماہ گذر جائے تو تیسری طلاق دیدے اور یہ بھی جائز ہے کہ اسے ایسی حالت میں طلاق دے کہ اسکی طلاق اور وطی کے درمیان زمانے کے ساتھ فصل نہ کیا ہو اور حاملہ عورت کو جماع کے بعد طلاق دینا جائز ہے۔

تشریح:۔(۱۰) اگر کسی عورت کو صغر سنی یا کبر سنی کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو اور اسکا شوہر چاہتا ہو کہ اسکو سنت طریقہ پر تین طلاق دیدے تو اسکا طریقہ یہ ہے کہ ایک طلاق دیدے اور چھوڑ دے یہاں تک کہ ایک ماہ گذر جائے پھر دوسری طلاق دیدے پھر ایک ماہ تک چھوڑ دے پھر تیسری طلاق دیدے تو تین طلاق تین مہینوں میں ہو جائینگی اور یہ اس لئے کہ مہینہ صغیرہ اور کبیرہ کے حق میں حیض کے قائم مقام ہے۔

(۱۱) یہ بھی جائز ہے کہ صغیرہ و کبیرہ کو ایسی حالت میں طلاق دے کہ اسکی طلاق اور وطی کے درمیان زمانے کے ساتھ فصل نہ کیا ہو کیونکہ ذات الحیض میں طلاق بعد الجماع کی کراہت کی اصل وجہ احتمال حمل ہے کیونکہ یہ معلوم نہیں ہو سکے گا کہ یہ عورت حاملہ ہے عدت وضع حمل سے گذاریگی یا غیر حاملہ ہے عدت تین حیض سے گذاریگی اور صغیرہ و کبیرہ میں چونکہ احتمال حمل نہیں اسلئے ان کے حق میں طلاق بعد الجماع بھی بلا کراہت مباح ہوگی۔

(۱۲) حاملہ عورت کو جماع کے بعد طلاق دینا جائز ہے کیونکہ حاملہ عورت کے ساتھ وطی کرنے سے عدت مشتبہ نہیں ہوتی اسلئے کہ حاملہ میں عدت کا طریقہ وضع حمل متعین ہے۔

(۱۳) وَيُطَلِّقُهَا لِلسُّنَّةِ ثَلاثًا يَفْصِلُ بَيْنَ كُلِّ تَطْلِيقَتَيْنِ بِشَهْرٍ عِنْدَ اَبِي حنيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَاَبِي يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وقال مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ لا يُطَلِّقُهَا لِلسُّنَّةِ اِلّا وَاحِدَةً۔

ترجمہ:۔ اور حاملہ عورت کو سنت کے موافق تین طلاق دے ہر دو طلاقوں کے درمیان ایک ماہ کا فصل کرے امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اسے طلاق نہ دے سنت کے موافق مگر ایک طلاق۔

تشریح:۔ (۱۳) اگر شوہر حاملہ عورت کو تین طلاق مسنون طریقہ پر دینا چاہے تو شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک ہر دو طلاقوں کے درمیان ایک ماہ کا فصل کرے کیونکہ اباحتِ طلاق حاجت کی وجہ سے ہے اور مہینہ دلیل حاجت ہے جیسا کہ آئسہ اور صغیرہ کے حق میں۔ امام محمد رحمہ اللہ وامام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک حاملہ عورت کیلئے طلاق سنت صرف ایک طلاق ہے کیونکہ طلاق میں اصل ممانعت ہے اور شریعت اس پر وارد ہوئی ہے کہ طلاق کو فصول عدت پر متفرق کیا جائے اور آئسہ وصغیرہ کے حق میں مہینہ تو فصول عدت میں سے ہے مگر حاملہ کے حق میں مہینہ فصول عدت میں سے نہیں تو حاملہ ممتدۃ الطہر کی طرح ہے۔

(۱۴) وَاِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ اِمْرَاَتَهُ فِي حَالِ الْحَيْضِ وَقَعَ الطَّلاقُ (۱۵) وَيُسْتَحَبُّ لَهُ اَنْ يُرَاجِعَهَا فَاِذَا طَهُرَتْ وَحَاضَتْ وَطَهُرَتْ فَهُوَ مُخَيَّرٌ اِنْ شَاءَ طَلَّقَهَا وَاِنْ شَاءَ اَمْسَكَهَا۔

ترجمہ:۔ اور اگر کسی نے حالت حیض میں اپنی منکوحہ کو طلاق دیدی تو طلاق واقع ہو جائیگی اور اس کے لئے اپنی بیوی سے رجوع کرنا مستحب ہے پس جب وہ عورت حیض سے پاک ہوگئی اور پھر حائضہ ہوگئی پھر اس حیض سے پاک ہوگئی تو اب شوہر کو اختیار ہے کہ وہ اس کو طلاق دے یا روکے رکھے۔

تشریح:۔ (۱۴) اگر کسی نے حالتِ حیض میں اپنی منکوحہ کو طلاق دیدی تو طلاق واقع ہو جائیگی کیونکہ حالت حیض میں طلاق سے نہی معنی لغیرہ کی وجہ سے ہے اور وہ معنی لغیرہ تطویل عدت ہے (کیونکہ جس حیض میں طلاق دی گئی وہ عدت میں شمار نہیں ہوگا اسی طرح اس کے بعد والا طہر بھی شمار نہیں ہوگا) اور نہی لغیرہ لذاتہ مشروع ہوتا ہے۔

(۱۵) لیکن حالت حیض میں طلاق دینے والے مرد کیلئے اپنی اس مطلقہ بیوی سے مراجعت کرنا مستحب ہے یہ بعض مشائخ کا قول ہے۔ اصح یہ ہے کہ مراجعت کرنا واجب ہے۔ اور بعد از مراجعت جب وہ عورت اس حیض سے پاک ہوگئی جس میں طلاق دی گئی تھی اور پھر حائضہ ہوگئی پھر اس حیض ثانی کے بعد پاک ہوگئی تو اب شوہر کو اختیار ہے کہ وہ طہر ثانی میں اپنی اس بیوی کو طلاق دے یا روکے رکھے۔ امام محمد رحمہ اللہ نے مبسوط میں یہی صورت ذکر کی ہے۔

امام طحاویؒ نے ذکر کیا ہے کہ جس حیض میں طلاق واقع کی گئی تھی اسکے بعد طہر اول میں طلاق واقع کرنے کا اختیار ہے۔ امام ابو

الحسن کرخیؒ نے ان دونوں روایتوں میں تطبیق دیتے ہوئے فرمایا کہ امام طحاویؒ کی ذکر کردہ روایت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے اور مبسوط کی ذکر کردہ روایت صاحبین رحمہما اللہ کا قول ہے۔

(۱۶)وَيَقَعُ طَلَاقُ كُلِّ زَوْجٍ إِذَا كَانَ عَاقِلًا بَالِغًا (۱۷)وَلَا يَقَعُ طَلَاقُ الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُوْنِ وَالنَّائِمِ (۱۸)وَإِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ بِإِذْنِ مَوْلَاهُ وَطَلَّقَ وَقَعَ طَلَاقُهُ (۱۹)وَلَا يَقَعُ طَلَاقُ مَوْلَاهُ عَلَى اِمْرَأَتِهِ۔

ترجمہ:۔ اور طلاق واقع ہوجائیگی ہر شوہر کا جب وہ عاقل، بالغ ہو اور بچہ، دیوانہ اور نائم کی طلاق واقع نہیں ہوگی اور اگر غلام نے اپنے مولیٰ کی اجازت سے کسی عورت کے ساتھ نکاح کیا اور پھر طلاق دیدی تو اسکی طلاق واقع ہوجائیگی اور مولیٰ کی طلاق غلام کی بیوی پر واقع نہ ہوگی۔

تشریح:۔ (۱۶) ہر وہ شوہر جو عاقل، بالغ بیدار ہو اور اس نے اپنی منکوحہ کو طلاق دی تو طلاق واقع ہوجائیگی۔ (۱۷) اور اگر بچہ یا دیوانہ یا نائم طلاق دے تو واقع نہیں ہوگی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "كُلُّ طَلَاقٍ جَائِزٌ إِلَّا طَلَاقَ الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُوْنِ" (یعنی ہر طلاق جائز ہے سوائے بچے اور مجنون کی طلاق کے)۔ اور نائم چونکہ عدیم الاختیار ہے حالانکہ اختیار فی الحکم تصرف کی شرط ہے اس لئے نائم کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ (۱۸) اگر غلام نے اپنے مولیٰ کی اجازت سے کسی عورت کے ساتھ نکاح کیا اور پھر اسکو طلاق دیدی تو اسکی طلاق واقع ہوجائیگی۔

(۱۹) اگر اسکا مولیٰ اسکی بیوی کو طلاق دے تو مولیٰ کی طلاق اسکی بیوی پر واقع نہ ہوگی کیونکہ مِلکِ نکاح غلام کا حق ہے تو اسکا ساقط کرنا بھی اسی کا حق ہوگا نہ کہ مولیٰ کا۔

(۲۰)وَالطَّلَاقُ عَلَى ضَرْبَيْنِ صَرِيْحٌ وَكِنَايَةٌ (۲۱)فَالصَّرِيْحُ قَوْلُهُ أَنْتِ طَالِقٌ وَمُطَلَّقَةٌ وَطَلَّقْتُكِ (۲۲) فَهٰذَا يَقَعُ بِهِ الطَّلَاقُ الرَّجْعِيُّ (۲۳)وَلَا يَقَعُ بِهِ إِلَّا وَاحِدَةٌ وَإِنْ نَوىٰ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ (۲۴)وَلَا يَفْتَقِرُ بِهٰذِهِ الْأَلْفَاظِ إِلىٰ نِيَّةٍ۔

ترجمہ:۔ اور طلاق (مراد تطلیق ہے) کی دو قسمیں ہیں، صریح، کنایہ، پس صریح یہ کہ مرد اپنی بیوی سے کہے "انتِ طالق" (تجھے طلاق ہے) "انتِ مطلقة" (تو طلاق دی ہوئی ہے) "طلّقتک" (میں نے تجھے طلاق دیدی) اور ان الفاظ سے طلاق رجعی واقع ہوگی اور ان الفاظ سے صرف ایک طلاق واقع ہوگی اگرچہ مرد نے ایک سے زائد کی نیت کی ہو اور یہ الفاظ محتاجِ نیت نہیں۔

تشریح:۔ (۲۰) طلاق (مراد تطلیق یعنی طلاق دینا ہے) کی دو قسمیں ہیں، صریح، کنایہ۔

(۲۱) صریح وہ ہے جس کی مراد واضح طور پر ظاہر ہو مثلاً مرد اپنی بیوی سے کہے "اَنْتِ طَالِقٌ" (تجھے طلاق ہے) "اَنْتِ مُطَلَّقَةٌ" (تو طلاق دی ہوئی ہے) "طَلَّقْتُکِ" (میں نے تجھے طلاق دیدی)۔ (۲۲) ان الفاظ سے طلاق رجعی واقع ہوگی کیونکہ یہ الفاظ طلاق کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں غیر طلاق میں استعمال نہیں ہوتے لہذا یہ الفاظ طلاق کے معنی میں صریح ہونگے اور طلاق صریح کے بعد آیت مبارکہ ﴿وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ﴾ (یعنی ان عورتوں کے شوہران کے پھر لوٹا لینے کا حق رکھتے ہیں) سے رجعت ثابت ہے۔

(۲۳) مذکورہ بالا تینوں الفاظ میں سے ہر ایک کے ساتھ صرف ایک طلاق واقع ہوگی اگرچہ مرد نے ایک سے زائد کی نیت

کی ہو کیونکہ لفظ ''طالق ''صفت فرد ہے اسلئے کہ یہ ایک عورت کی صفت ہے حتیٰ کہ دو کیلئے '' طَالِقَانِ ''اور زیادہ کیلئے ''طوالق'' کہا جاتا ہے اور ہر وہ لفظ جو صفت فرد ہو وہ عدد کا احتمال نہیں رکھتا کیونکہ عدد فرد کی ضد ہے اور شی اپنی ضد کا احتمال نہیں رکھتی لہذا ''اَنْتِ طَالِقٌ '' سے دو یا تین طلاقوں کی نیت کرنا درست نہیں۔

(۲۴) طلاق صریح محتاجِ نیت نہیں کیونکہ نیت مبہم کو متعین کرنے میں ہوتی ہے اور یہ الفاظ غلبہ استعمال کی وجہ سے طلاق کے معنی میں صریح ہیں ان میں کوئی ابہام نہیں لہذا یہ الفاظ اپنے معنی پر دلالت کرنے میں نیت کے محتاج نہیں ہونگے۔

(۲۵)وَ اَنْتِ الطَّلَاقُ وَ اَنْتِ طَالِقُ الطَّلَاقُ وَ اَنْتِ طَالِقٌ طَلَاقًافَاِنْ لَمْ تَكُنْ لَه نِيَّةٌ فَهِيَ وَاحِدَةٌ رَجْعِيَّةٌوَاِنْ نَوىٰ ثِنْتَيْنِ لا يَقَعُ اِلَّا وَاحِدَةٌ (۲۶)وَاِنْ نَوىٰ بِه ثَلَاثًا كَا نَ ثَلَاثًا۔

ترجمہ:۔اور (اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا) ''انت الطلاق'' یا "طالق الطلاق" یا ''طالق طلاقاً'' (یعنی تو طلاق ہے) تو اگر کوئی نیت نہیں کی ہے تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور اگر دو کی نیت کی ہو تو بھی صرف ایک ہی طلاق واقع ہو جائیگی اور اگر تین طلاقوں کی نیت کی ہو تو تین واقع ہو جائینگی۔

تشریح:۔(۲۵) اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا ''انت الطلاق'' یا "طالق الطلاق" یا ''طالق طلاقاً'' (یعنی تو طلاق ہے) تو ان تینوں صورتوں میں اگر کوئی نیت نہیں کی ہے یا ایک طلاق کی نیت کی ہے یا دو کی تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی کیونکہ مذکورہ بالا الفاظ طلاق کے معنی میں غلبہ استعمال کی وجہ سے صریح ہیں اور صریح سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے اور محتاج نیت نہیں ہوتی۔اور چونکہ یہ مصادر ہیں مصادر میں عدد کا احتمال نہیں ہوتا اسلئے دو طلاقوں کی نیت کے وقت بھی ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔

(۲۶) اگر مذکورہ بالا الفاظ سے شوہر نے تین طلاقوں کی نیت کی ہو تو تین طلاقیں واقع ہو جائینگی کیونکہ یہ مصدر اسم جنس ہے اور اسم جنس کے دو فرد ہوتے ہیں ایک فرد حقیقی دوسرا فرد حکمی۔فرد حقیقی ایک طلاق ہے اور فرد حکمی کل کا مجموعہ یعنی تین طلاقیں ہیں۔پس جب شوہر نے تین طلاقوں کی نیت کی تو فرد حکمی ہونے کی وجہ سے صحیح ہے۔

(۲۷)وَ الضَّرْبُ الثَّانِي اَلْكِنَايَاتُ وَلا يَقَعُ بِهَا الطَّلَاقُ اِلَّا بِالنِّيَّةِ اَوْ بِدَلَالَةِ حَالٍ۔

ترجمہ:۔اور طلاق کی دوسری قسم کنایہ ہے اور کنایہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی مگر یہ کہ نیت پائی جائے یا دلالت حال پائی جائے۔

تشریح:۔(۲۷) طلاق کی دوسری قسم کنایہ ہے کنایہ وہ ہے جسکی مراد مستتر اور مخفی ہو۔اور کنایہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی مگر یہ کہ نیت پائی جائے یا نیت کے قائم مقام دلالت حال وغیرہ پائی جائے کیونکہ الفاظ کنایہ صرف طلاق کیلئے وضع نہیں کئے گئے ہیں بلکہ طلاق وغیر طلاق دونوں کا احتمال رکھتے ہیں لہذا تعین معنی کیلئے ضروری ہے کہ نیت یا دلالت حال پائی جائے۔

(۲۸) وَهِيَ عَلَى ضَرْبَيْنِ مِنْهَا ثَلاثَةُ اَلْفَاظٍ يَقَعُ بِهَا الطَّلاقُ الرَّجْعِيُّ ولا يَقَعُ بِهَا اِلَّا وَاحِدَةٌ وَهِيَ قَوْلُه اِعْتَدِّيْ وَاسْتَبْرِئِيْ رَحِمَكِ وَاَنْتِ وَاحِدَةٌ۔

ترجمہ:۔اور کنایہ کی دوقسمیں ہیں ان میں سے تین الفاظ تو وہ ہیں جن سے طلاقِ رجعی واقع ہوتی ہے اوران سے صرف ایک ہی طلاق واقع ہوگی اوروہ شوہر کا قول''اِعْتَدِّیْ''(تو عدت گذار)اور''اِسْتَبْرِئِیْ رَحِمَکِ''(تو اپنے رحم کو پاک کر)اور''اَنْتِ وَاحِدَۃٌ''(تو اکیلی ہے)۔

تشریح:۔(۲۸)یعنی کنایہ کی دوقسمیں ہیں۔ایک وہ جس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اوردوسراوہ جس سے ایک طلاق بائن واقع ہوگی۔قسم اول کے تین الفاظ ہیں یعنی''اعتدی''(تو عدت گذار)''استبرئی رحمک''(تو اپنے رحم کوصاف کر)''انتِ واحدۃ''(تو اکیلی ہے)۔ان تینوں میں سے ہرایک کیلئے دودو معنی ہیں پس''اعتدی'' کاایک معنی ہے،تو اپنے ایام عدت کوشمار کر،اوردوسرامعنی ہے کہ،تو اللہ کی نعمتوں کوشمار کر،پس اگرشوہر نے معنی اول کی نیت کی تو اسکی نیت سے معنی اول متعین ہو جائے گا اور یہ معنی طلاق کے مقدم ہونے کا تقاضا کریگا کیونکہ امر بالاعتداد بغیر طلاق کے صحیح نہیں لہذا طلاق کوسابقاً مقدر ماننا ضروری ہے گویا شوہر نے کہا''طلقتک او انت طالق فاعتدی''۔

دوسرے لفظ یعنی''استبرئی رحمکِ''میں بھی دومعنی کا احتمال ہیں ایک یہ کہ،تو عدت گذار،کیونکہ عدت گذارنے سے مقصود ہی رحم کو پاک کرنا ہے تو گویا مقصودِعدت کوصراحۃً ذکر کردیا گیا پس''استبرئی رحمک،اعتدی''کے معنی میں ہے اوردوسرامعنی یہ ہے کہ،حیض سے رحم کو پاک کرنا تا کہ مسنون طریقہ پرطلاق دی جاسکے،اس صورت میں اگر معنی اول کی نیت کی ہو تو معنی اول متعین ہوجائیگا اور یہ معنی طلاق سابق کا مقتضی ہوگا۔

تیسرے لفظ یعنی''انت واحدۃ''میں بھی دومعنی کا احتمال ہے اول یہ کہ''واحدۃ''کومصدر محذوف کی صفت قرار دیا جائے یعنی''تطلیقۃ واحدۃ''اوردوسرامعنی یہ کہ شوہر اسکی تعریف کرتا ہوا کہتا ہے کہ،تو میرے نزدیک یکتا ہے یا تو میری قوم میں یکتا ہے،یعنی تجھ جیسی کوئی عورت نہیں۔پس اس صورت میں بھی اگر معنی اول کی نیت کی ہو تو گویا اس نے''انت تطلیقۃ واحدۃ''کہا اوراس کلام سے ایک طلاق رجعی واقع ہوجاتی ہے لہذا''انت واحدۃ''سے بھی ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔

(۲۹) وَبَقِيَّةُ الْكِنَايَاتِ اِذَا نَوىٰ بِهَا الطَّلاقَ كَانَتْ وَاحِدَةً بَائِنَةً وَاِنْ نَوىٰ ثَلٰثًا كَانَتْ ثَلٰثًا وَاِنْ نَوىٰ ثِنْتَيْنِ كَانَتْ وَاحِدَةً وَهٰذِهِ مِثْلُ قَوْلِه اَنْتِ بَائِنٌ وَبَتَّةٌ وَبَتْلَةٌ وَحَرَامٌ وَحَبْلُكِ عَلٰى غَارِبِكِ وَالْحِقِيْ بِاَهْلِكِ وَخَلِيَّةٌ وَبَرِيَّةٌ وَوَهَبْتُكِ لِاَهْلِكِ وَسَرَّحْتُكِ وَاخْتَارِيْ وَفَارَقْتُكِ وَاَنْتِ حُرَّةٌ وَتَقَنَّعِيْ وَاسْتَتِرِيْ وَاغْرُبِيْ وَابْتَغِي الْاَزْوَاجَ۔

ترجمہ:۔اورباقی کنایات سے جب طلاق کی نیت کرے تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی اوراگر تین کی نیت کی تو تین واقع ہونگی اوراگر دو کی نیت کی تو ایک واقع ہوگی اوروہ الفاظ جیسے شوہر کا قول''اَنْتِ بَائِنٌ''تو مجھ سے جدا ہے''وَبَتَّۃٌ وَبَتْلَۃٌ''اورتیرا مجھ سے قطع تعلق

ہے...... ''وَحَرَامٌ'' اور تو حرام ہے ''وَحَبْلُکِ عَلٰی غَارِبِکِ'' اور تجھے اپنا اختیار ہے ''وَالْحِقِیْ بِاَھْلِکِ'' اور تو اپنے رشتہ داروں سے مل جا ''وَخَلِیَّۃٌ'' اور تو چھوڑ دی گئی ہے، ''وَبَرِیَّۃٌ'' اور تو بری ہے ''وَوَھَبْتُکِ لِاَھْلِکِ'' اور میں نے تجھے تیرے رشتہ داروں کو ہبہ کیا ہے ''وَسَرَّحْتُکِ'' اور میں نے تجھے چھوڑ دیا ہے ''وَاخْتَارِیْ'' اور تو خود کو اختیار کر ''وَفَارَقْتُکِ'' اور میں نے تجھے جدا کر دیا ہے ''وَاَنْتِ حُرَّۃٌ'' اور تو آزاد ہے ''وَتَقَنَّعِیْ'' اور تو چادر اوڑھ لیں ''وَتَقَنَّعِیْ'' اور تو پردہ کر لیں ''وَاعْزُبِیْ'' اور تو دور ہو جا ''وَابْتَغِی الْاَزْوَاجَ'' اور تو شوہروں کو طلب کر۔

تشریح:۔(۲۹) یعنی مذکورہ بالا تین الفاظ کے علاوہ باقی الفاظ کنایہ سے ایک طلاق بائن واقع ہوگی اگر ایک طلاق کی نیت کی ہو یا دو کی نیت کی ہو اور اگر تین کی نیت کی ہو تو تین طلاق واقع ہونگی۔ ان سے طلاق بائن اس لئے واقع ہوگی کہ یہ الفاظ صرف طلاق سے کنایہ نہیں بلکہ طلاق علی وجہ البینونۃ سے کنایہ ہیں۔

ان الفاظ سے اگر تین طلاقوں کی نیت کی تو وہ اس وجہ سے صحیح ہے کہ بینونۃ دو قسم پر ہے خفیفہ و مغلظہ تو چونکہ لفظ دونوں کا احتمال رکھتا ہے لہذا جس کی نیت کی وہی واقع ہوگی البتہ دو کی نیت کرنا صحیح نہیں کیونکہ دو عدد محض ہے اور مذکورہ الفاظ عدد پر دال نہیں لہذا دو کی نیت کے وقت ادنی البینونتین یعنی ایک واقع ہوگی۔ اور یہ الفاظ امام قدوری رحمہ اللہ نے ''انت بائن'' سے ''وابتغی الازواج'' تک ذکر کیے ہیں۔

(۳۰) فَاِنْ لَّمْ یَکُنْ لَہٗ نِیَّۃٌ لَمْ یَقَعْ بِھٰذِہِ الْاَلْفَاظِ طَلَاقٌ (۳۱) اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَا فِیْ مُذَاکَرَۃِ الطَّلَاقِ فَیَقَعُ بِھَا الطَّلَاقُ فِی الْقَضَاءِ وَلَا یَقَعُ فِیْمَا بَیْنَہٗ وَبَیْنَ اللّٰہِ تَعَالٰی اِلَّا اَنْ یَّنْوِیَہٗ (۳۲) وَاِنْ لَّمْ یَکُوْنَا فِیْ مُذَاکَرَۃِ الطَّلَاقِ وَکَانَا فِیْ غَضَبٍ اَوْ خُصُوْمَۃٍ وَقَعَ الطَّلَاقُ بِکُلِّ لَفْظَۃٍ لَا یُقْصَدُ بِھَا السَّبُّ وَالشَّتِیْمَۃُ (۳۳) وَلَمْ یَقَعْ بِمَا یُقْصَدُ بِھَا السَّبُّ وَالشَّتِیْمَۃُ اِلَّا اَنْ یَّنْوِیَہٗ۔

ترجمہ:۔ پس اگر اس نے ان کلمات سے طلاق کی نیت نہیں کی تو طلاق واقع نہیں ہوگی مگر یہ کہ زوجین طلاق کے مذاکرہ میں ہوں تو قضاءً ان سے طلاق واقع ہو جائے گی مگر بین العبد اور بین اللہ طلاق واقع نہیں ہوگی الا یہ کہ طلاق کی نیت کرے اور اگر زوجین مذاکرہ طلاق میں نہ ہوں بلکہ غصہ یا جھگڑے کی حالت میں ہوں تو طلاق ہر اس لفظ سے طلاق واقع ہو جائیگی جس سے گالی گلوچ کا قصد نہ کی گئی ہو اور جس لفظ سے گالی گلوچ مقصود ہو اس سے طلاق واقع نہ ہوگی الا یہ کہ اس سے طلاق کی نیت کی ہو۔

تشریح:۔(۳۰) الفاظ کنایہ سے نیت طلاق کے بغیر طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ الفاظ کنایہ غیر طلاق کا بھی احتمال رکھتے ہیں اور مع الاحتمال طلاق واقع نہ ہوگی۔(۳۱) البتہ اگر زوجین کے درمیان طلاق کا مذاکرہ ہو رہا ہو اور اسی حالت میں شوہر نے کسی لفظ کنایہ سے عورت کو مخاطب کیا تو بلا نیت بھی قضاءً طلاق واقع ہو جائیگی اگر چہ دیانۃً یعنی فِیْمَا بَیْنَہٗ وَبَیْنَ اللّٰہِ بلا نیت طلاق واقع نہ ہوگی الا یہ کہ وہ اس کی نیت کرے۔(۳۲) اگر زوجین مذاکرہ طلاق نہ کر رہے ہوں بلکہ غصہ یا خصومت کی حالت میں ہوں تو ہر اس لفظ سے طلاق واقع ہو جائیگی جس سے گالی گلوچ کا قصد نہ کی گئی ہو۔(۳۳) اور جس لفظ سے گالی گلوچ کا قصد کیا ہو اس سے طلاق واقع نہ ہو

کی الآیہ کہ اس سے طلاق کی نیت کی ہو۔

امام قدوری رحمہ اللہ نے مذاکرہ طلاق کی حالت میں بلانیت وقوع طلاق کے بارے میں تمام الفاظ کنایہ کو برابر قرار دیا ہے حالانکہ اس میں مندرجہ ذیل تفصیل ہے۔

احوال تین ہیں۔/ نمبر ۱۔ رضامندی کی حالت۔/ نمبر ۲۔ مذاکرہ طلاق کی حالت مثلاً عورت شوہر سے طلاق کا سوال کررہی ہو۔/ نمبر ۳۔ حالت غضب یعنی دونوں طرف سے غصہ کی باتیں ہورہی ہو۔

اسی طرح کنایات کی بھی تین قسمیں ہیں۔/ نمبر ۱۔ وہ الفاظ کنایہ جو عورت کی جانب سے کئے گئے سوال طلاق کا جواب بھی ہوسکتے ہوں اور اسکے کلام کا رد بھی۔/ نمبر ۲۔ وہ الفاظ جو جواب تو ہوسکتے ہوں مگر رد نہیں۔/ نمبر ۳۔ وہ الفاظ جو جواب بھی ہوسکتے ہوں اور گالی گلوچ بھی۔ پس رضامندی کی حالت میں الفاظ کنایہ میں سے کسی لفظ سے بغیر نیت طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اور مذاکرہ طلاق کی حالت میں شوہر کے قول ''لَمْ اَنْوِ الطَّلَاق '' (میں نے طلاق کی نیت نہیں کی ہے) کی قضاءً تصدیق نہیں کی جائیگی ان الفاظ میں جو جواب ہوسکتے ہیں اور رد نہیں ہوسکتے۔ اور وہ یہ آٹھ الفاظ ہیں ''خلية، برية، بائن، بتة، حرام، اعتدى، امرك بيدك، اختاري '' وجہ یہ ہے کہ عورت نے طلاق کا سوال کیا اور شوہر نے ان الفاظ ثمانیہ میں سے کوئی لفظ جواب میں کہدیا تو ظاہر یہی ہے کہ شوہر کی مراد اس سے طلاق ہوگی اور حاکم ظاہر پر عمل کرنے کا پابند ہے نہ کہ باطن پر۔

البتہ وہ الفاظ جو جواب اور رد دونوں ہوسکتے ہیں ان میں شوہر کے قول ''لَمْ اَنْوِ الطَّلَاق '' کی تصدیق کرلی جائیگی اور وہ سات الفاظ ہیں ''اذهبي، اخرجي، قومي، تقنعي، تخمري، اغربي، استري '' وجہ یہ ہے کہ یہ الفاظ طلاق کے علاوہ کا بھی احتمال رکھتے ہیں اور رد ادنیٰ اور سہل ہے لہذا رد پر محمول کیا جائیگا۔

حالت غضب میں تمام الفاظ کنایہ میں اس کے قول ''لَمْ اَنْوِ الطَّلَاق '' کی تصدیق کرلی جائیگی کیونکہ ان الفاظ میں رد کا احتمال ہے یا گالی کا۔ مگر جو الفاظ صرف طلاق ہوسکتے ہیں رد اور گالی نہیں ہوسکتے ان میں شوہر کے قول ''لَمْ اَنْوِ الطَّلَاق '' کی تصدیق نہیں کی جائیگی اور وہ تین لفظ ہیں ''اعتدی، اختاری، امرک بیدک '' وجہ یہ ہے کہ غصہ طلاق کے مراد ہونے پر دلالت کرتا ہے لہذا عدم نیت طلاق میں اسکے قول کی تصدیق نہیں کی جائیگی۔

(۳۴) وَاِذَا وَصَفَ الطَّلَاقَ بِضَرْبٍ مِنَ الزِّيَادَةِ كَانَ بَائِنًا مِثْلُ اَنْ يَقُوْلَ اَنْتِ طَالِقٌ بَائِنٌ وَاَنْتِ طَالِقٌ اَشَدَّ الطَّلَاقِ اَوْ اَفْحَشَ الطَّلَاقِ اَوْ طَلَاقُ الشَّيْطَانِ وَالْبِدْعَةِ اَوْ كَالْجَبَلِ اَوْ مِلَأَ الْبَيْتِ۔

ترجمہ:۔ اور اگر طلاق کو کسی زائد وصف کے ساتھ متصف کیا تو یہ طلاق بائن ہوگی مثلاً کہا ''انت طالق بائن'' (تو بائنہ طلاق والی ہے)''وانت طالق اشد الطلاق'' (تو سخت طلاق والی ہے)''وانت طالق افحش الطلاق'' (تو فحش طلاق والی ہے)''او طلاق الشیطان او طلاق البدعة'' (تجھ پر شیطان کی طلاق یا تجھ پر طلاق بدعت ہو)''او انت طالق کالجبل او انت طالق ملأ

البیت" (تجھے پہاڑ جیسی طلاق یا گھر بھرنے کے مثل طلاق ہو)۔

تشریح:۔(۳۴) اگر زوج نے طلاق کو کسی زائد وصف کے ساتھ متصف کیا تو یہ طلاق بائن ہوگی مثلاً کہا "انت طالق بائن" (تو بائنہ طلاق والی ہے) "وانت طالق اشد الطلاق" (تو سخت طلاق والی ہے) "وانت طالق افحش الطلاق" (تو فحش طلاق والی ہے) "او طلاق الشیطان او طلاق البدعة" (تجھ پر شیطان کی طلاق یا تجھ پر طلاقِ بدعت ہو) "او انت طالق کالجبل او انت طالق ملأ البیت" (تجھے پہاڑ جیسی طلاق یا گھر بھرنے کے مثل طلاق ہو) وجہ یہ ہے کہ طلاق تو نفس لفظِ طلاق ہی سے واقع ہوگئی اور جب اس نے وصف زائد کے ساتھ متصف کیا تو یہ ایک ایسے معنی کیلئے مفید ہے جو لفظ طلاق میں نہیں وَھُوَ الْبَیْنُوْنَۃُ۔

(۳۵) وَاِذَا اَضَافَ الطَّلَاقَ اِلٰی جُمْلَتِھَا اَوْ اِلٰی مَا یُعَبَّرُ بِہٖ عَنِ الْجُمْلَۃِ وَقَعَ الطَّلَاقُ مِثْلُ اَنْ یَقُوْلَ اَنْتِ طَالِقٌ اَوْ رَقَبَتُکِ طَالِقٌ اَوْ عُنُقُکِ طَالِقٌ اَوْ رُوْحُکِ طَالِقٌ اَوْ بَدَنُکِ اَوْ جَسَدُکِ اَوْ فَرْجُکِ اَوْ وَجْھُکِ (۳۶) وَکَذٰلِکَ اِنْ طَلَّقَ جُزْءًا شَائِعًا مِنْھَا مِثْلُ اَنْ یَقُوْلَ نِصْفُکِ اَوْ ثُلُثُکِ طَالِقٌ (۳۷) وَاِنْ قَالَ یَدُکِ اَوْ رِجْلُکِ طَالِقٌ لَمْ یَقَعِ الطَّلَاقُ (۳۸) وَاِنْ طَلَّقَھَا نِصْفَ تَطْلِیْقَۃٍ اَوْ ثُلُثَ تَطْلِیْقَۃٍ کَانَتْ تَطْلِیْقَۃً وَاحِدَۃً۔

ترجمہ:۔اور اگر زوج نے عورت کے کل کی طرف طلاق کی نسبت کی یا طلاق کی نسبت عورت کے ایسے جزء کی طرف کی جس سے کل کی تعبیر کیجاتی ہو تو طلاق واقع ہو جائیگی مثلاً کہے اَنتِ طَالِقٌ اَوْ رَقَبَتُکِ طَالِقٌ اَوْ عُنُقُکِ طَالِقٌ اَوْ رُوْحُکِ طَالِقٌ اَوْ بَدَنُکِ اَوْ جَسَدُکِ اَوْ فَرْجُکِ اَوْ وَجْھُکِ اور اسی طرح اگر زوج نے طلاق کی نسبت عورت کے جزء غیر معین کی طرف کی تو بھی طلاق واقع ہو جائیگی مثلاً کہے نِصْفُکِ طَالِقٌ یا ثُلُثُکِ طَالِقٌ اور اگر زوج نے کہا یَدُکِ طَالِقٌ اَوْ رِجْلُکِ طَالِقٌ تو طلاق واقع نہیں ہوگی اور اگر کسی نے اپنی منکوحہ کو نصف طلاق دیدی یا ثلث طلاق دیدی تو یہ پوری طلاق شمار کی جائیگی۔

تشریح:۔(۳۵) یعنی اگر زوج نے عورت کے کل کی طرف طلاق کی نسبت کی جیسے "انت طالق" تو طلاق واقع ہو جائے گی۔اسی طرح اگر طلاق کی نسبت عورت کے ایسے جزء کی طرف کی جس سے کل کی تعبیر کیجاتی ہو تو بھی طلاق واقع ہو جائیگی جیسے "رقبتک طالق او عنقک طالق او روحک طالق الخ" وجہ یہ ہے کہ ان اعضاء سے کل کی تعبیر کیجاتی ہے تو یہ بمنزلہ "انت طالق" کے ہے۔

(۳۶) اسی طرح اگر زوج نے طلاق کی نسبت عورت کے جزء غیر معین کی طرف کی تو بھی طلاق واقع ہو جائیگی جیسے "نصفک طالق یا ثلثک طالق" وجہ یہ ہے کہ جزء شائع بیع وغیرہ تصرفات کا محل ہے تو طلاق کا بھی محل ہوگا البتہ عورت کا بدن حق طلاق میں متجزی نہیں لہذا کل میں طلاق ثابت ہو جائیگی۔

(۳۷) اگر زوج نے کہا "یدک طالق او رجلک طالق" تو طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ اس میں اضافتِ طلاق غیر محل طلاق کی طرف ہے تو لغو ہونگے جیسے عورت کے لعاب یا ناخن کی طرف طلاق کی اضافت کرنا۔

(۳۸) اگر کسی نے اپنی منکوحہ کو نصف طلاق دیدی یا ثلث طلاق دیدی تو اسکو پوری طلاق شمار کی جائیگی اور وہ عورت ایک طلاق

کے ساتھ مطلقہ ہوگی وجہ یہ ہے کہ طلاق متجزی یعنی منقسم ہوکر ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہوتی اور قاعدہ ہے کہ بَعْضُ مَالایَتَجزیٰ کا ذکر کل کے ذکر کی طرح ہوتا ہے اسلئے ان الفاظ کے ساتھ پوری طلاق واقع ہوگی۔

(۳۹)وَطَلاقُ الْمُكْرَهِ (۴۰)وَالسَّكْرَانِ وَاقِعٌ۔

ترجمہ:۔اور مجبور کئے گئے اور نشہ کی طلاق واقع ہو جائیگی۔

تشریح:۔(۳۹)اگر کسی کو مجبور کیا گیا کہ وہ اپنی منکوحہ کو طلاق دے اور اس نے مجبور ہوکر طلاق دیدی تو واقع ہو جائیگی وجہ یہ ہے کہ مکرہ نے طلاق واقع کرنے کا ارادہ کیا ہے اور اس میں طلاق واقع کرنے کی اہلیت بھی ہے لہذا مکرہ کا قصدِ طلاق حکم سے خالی نہ ہوگا تاکہ تخلف حکم عن العلۃ لازم نہ آئے اور تاکہ مکرہ کی حاجت رفع ہو جائے۔مکرہ کی حاجت یہ ہے کہ جس چیز سے اسکو ڈرایا گیا ہے اس سے چھٹکارا پالے۔(۴۰)سکران (جو نشہ میں مست ہو) کی طلاق بھی واقع ہو جائیگی کیونکہ اسکی عقل ایسے سبب سے زائل ہوگئی ہے جو معصیت اور گناہ ہے لہذا بطور زجر و توبیخ اسکی عقل کو حکماً باقی قرار دیا گیا ہے۔

(۴۱)وَيَقَعُ الطَّلاقُ إذَا قَالَ نَوَيْتُ بِهِ الطَّلاقَ (۴۲)وَيَقَعُ طَلاقُ الْاَخْرَسِ بِالْإشَارَةِ۔

ترجمہ:۔اور (مکرہ اور سکران نے حالت اکراہ و سکر میں طلاق دی پھر کہا کہ) طلاق واقع ہو جائیگی اگر کہا کہ میں نے اس سے طلاق کا ارادہ کیا ہے اور گونگے کی طلاق اشارہ سے واقع ہو جائیگی۔

تشریح:۔(۴۱)یعنی مکرہ اور سکران نے حالت اکراہ و سکر میں طلاق دی پھر کہا کہ میں نے اس سے طلاق کا ارادہ کیا ہے تو طلاق واقع ہو جائیگی۔عام فقہاء کے نزدیک سکران کی صریح طلاق بلانیت بھی واقع ہو جاتی ہے پس ''اذا قال نویت به الطلاق'' کا کوئی معنی نہیں لہذا یہ سہو کاتب سمجھا جائیگا۔اور بعض نسخوں میں یہ عبارت ہے ''ويقع الطلاق بالكنايات اذا قال نويت به الطلاق'' یہی نسخہ صحیح ہے کیونکہ محتاج الی النیۃ کنایات ہی ہیں۔اور بعض نسخوں میں ''ويقع الطلاق بالكتاب الخ'' ہے اگر یہ نسخہ صحیح ہے تو مراد یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کی طلاق کاغذ وغیرہ پر لکھ لیا تو اگر نیت طلاق کی ہو تو واقع ہو جائیگی ورنہ نہیں۔

(۴۲) گونگے کی طلاق اشارہ سے واقع ہو جائیگی کیونکہ گونگے کا اشارہ معہود و معروف ہے لہذا برائے دفع حاجت وہ دلالت میں عبارت کی طرح ہوگا۔

(۴۳)وَإذَا أَضَافَ الطَّلاقَ إلَى النِّكَاحِ وَقَعَ عَقِيْبَ النِّكَاحِ مِثْلُ أَنْ يَقُوْلَ إنْ تَزَوَّجْتُكِ فَأَنْتِ طَالِقٌ أَوْ قَالَ كُلُّ امْرَأَةٍ أَتَزَوَّجُهَا فَهِيَ طَالِقٌ (۴۴)وَإذَا أَضَافَهُ إلىٰ شَرْطٍ وَقَعَ عَقِيْبَ الشَّرْطِ مِثْلُ أَنْ يَقُوْلَ لِامْرَأَتِهِ إنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَنْتِ طَالِقٌ۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی نے طلاق نکاح کی طرف منسوب کیا تو نکاح کے بعد واقع ہو جائیگی مثلاً زوج نے کہا ''ان تزوجتک فانتِ طالق'' (اگر میں تجھ سے شادی کروں تو تجھے طلاق ہے) یا یوں کہا ''کل امراۃ اتزوجها فهي طالق'' (جس عورت سے بھی میں

شادی کروں اسے طلاق ہے) اور اگر کسی نے طلاق کی نسبت شرط (مثلاً دخولِ دار) کی طرف کردی تو شرط کے بعد واقع ہوگی مثلاً اپنی بیوی سے کہا "ان دخلتِ الدار فانت طالق" (اگر تو گھر میں داخل ہوگئی تو تجھے طلاق ہے)۔

تشریح:۔(۴۳) اگر کسی نے طلاق نکاح کی طرف منسوب کیا تو نکاح کے بعد واقع ہوجائیگی مثلاً زوج نے کہا "ان تزوجتکِ فانتِ طالق" (اگر میں تجھ سے شادی کروں تو تجھے طلاق ہے) یا یوں کہا "کل امراۃ اتزوجھا فھی طالق" (جس عورت سے بھی میں شادی کروں اسے طلاق ہے) پس دوسری صورت میں جب بھی کسی عورت کے ساتھ نکاح کریگا تو وہ طلاق ہوجائیگی اور اس کیلئے شوہر کے ذمہ نصف مہر واجب ہوگا۔

(۴۴) اگر کسی نے اپنی بیوی کی طلاق کو کسی شرط (مثلاً دخولِ دار) پر معلق کردیا مثلاً کہا "ان دخلتِ الدار فانت طالق" (اگر تو گھر میں داخل ہوگئی تو تجھے طلاق ہے) تو وجودِ شرط یعنی دخولِ دار کے بعد طلاق واقع ہوجائیگی۔ اور یہ حکم متفق علیہ ہے کیونکہ ملک نکاح فی الحال قائم ہے اور ظاہر یہ ہے کہ وجودِ شرط کے وقت تک باقی رہے گی تو بوقت وجودِ شرط گویا زوج نے تکلم بالطلاق کیا ہے۔

(۴۵) وَلَایَصِحُ اِضَافَۃُ الطَّلَاقِ اِلَّااَنْ یَکُوْنَ الْحَالِفُ مَالِکًا **(۴۶)** اَوْ یُضِیْفَہٗ اِلٰی مِلْکِہٖ **(۴۷)** فَاِنْ قَالَ لِاَجْنَبِیَّۃٍ اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَاَنْتِ طَالِقٌ ثُمَّ تَزَوَّجَھَا فَدَخَلَتِ الدَّارَ لَمْ تُطَلَّقْ۔

ترجمہ:۔ اور اضافتِ طلاق صحیح نہیں مگر یہ کہ حالف (بوقتِ تعلیق) طلاق کا مالک ہو اور یا طلاق کو اپنی ملک کی طرف منسوب کرے اور اگر کسی اجنبیہ عورت سے کہا "ان دخلت الدار فانت طالق" (اگر تو گھر میں داخل ہوگئی تو تجھے طلاق ہے) پھر اس نے اس عورت کے ساتھ نکاح کیا پھر وہ گھر میں داخل ہوگئی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

تشریح:۔(۴۵) یعنی ضابطہ یہ ہے کہ شرط کے ساتھ طلاق کو معلق کرنا اس وقت صحیح ہے کہ حالف (زوج) بوقتِ تعلیق طلاق کا مالک ہو یعنی جس عورت کو طلاق دے رہا ہے وہ اسکی منکوحہ ہو مثلاً اپنی منکوحہ سے کہا "ان دخلت الدار فانت طالق" (اگر تو گھر میں داخل ہوگئی تو تجھے طلاق ہے)۔ **(۴۶)** یا طلاق کو اپنی ملک کی طرف منسوب کرے تو بھی تعلیق صحیح ہے مثلاً اجنبی عورت سے کہا "اِنْ نَکَحْتُکِ فَاَنْتِ طَالِقٌ" (اگر میں نے تیرے ساتھ نکاح کیا تو تجھے طلاق ہے)۔

(۴۷) اگر بوقتِ تعلیق زوج طلاق کا مالک نہ ہو اور نہ طلاق کو اپنی ملک کی طرف منسوب کیا تو طلاق واقع نہ ہوگی مثلاً کسی اجنبیہ عورت سے کہا "ان دخلت الدار فانت طالق" (اگر تو گھر میں داخل ہوگئی تو تجھے طلاق ہے) پھر اس نے اس عورت کے ساتھ نکاح کیا پھر وہ گھر میں داخل ہوگئی تو طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ بوقتِ تعلیق نہ وہ طلاق کا مالک ہے اور نہ اس نے طلاق کو ملک کی طرف منسوب کیا ہے۔

(۴۸) وَاَلْفَاظُ الشَّرْطِ اِنْ وَاِذَا وَاِذَا مَا وَکُلّ وَکُلَّمَا وَمَتٰی وَمَتٰی مَا فَفِیْ کُلّ ھٰذِہِ الْاَلْفَاظِ اِنْ وُجِدَ الشَّرْطُ اِنْحَلَّتِ الْیَمِیْنُ وَوَقَعَ الطَّلَاقُ **(۴۹)** اِلَّا فِیْ کُلَّمَافَاِنَّ الطَّلَاقَ یَتَکَرَّرُ بِتَکَرُّرِ الشَّرْطِ حَتّٰی یَقَعَ ثَلَاثُ تَطْلِیْقَاتٍ۔

ترجمہ:۔ اور الفاظِ شرط "اِنْ" اور "اذا" اور "اذاما" اور "کل" اور "کلما" اور "متی" اور "متی ما" ہیں پس ان تمام الفاظِ شرط کا

حکم یہ ہے کہ جب شرط پائی جائے تو قسم پوری ہو کر ختم ہو جائیگی اور طلاق واقع ہو جائیگی البتہ لفظ ''کلما'' میں طلاق مکرر ہوگی شرط کے مکرر ہونے سے یہاں تک کہ تین طلاقیں واقع ہو جائیں۔

تشریح:۔(۴۸) الفاظ شرط ''انْ واذا الخ'' ہیں۔ مگر ''کُلّ'' درحقیقت الفاظ شرط میں سے نہیں کیونکہ لفظ شرط کے بعد فعل ہوتا ہے جبکہ کلّ کے بعد اسم ہوتا ہے البتہ لفظ کلّ ملحق بالفاظ شرط ہے لِتَعْلِيْقِ الْفِعْلِ بِالْاِسْمِ الَّذِیْ يَلِيْهَا جیسے کُلّ اِمْرَاۃٍ اَتَزَوَّجُهَا فَهِیَ طَالِقٌ (جس عورت سے بھی میں شادی کروں اسے طلاق ہے)۔

پس کلمہ کلما کے سوا باقی تمام الفاظ شرط کا حکم یہ ہے کہ جب شرط پائی جائے تو قسم پوری ہو کر ختم ہو جائیگی کیونکہ کلّما کے سوا باقی الفاظ شرط لغۃً عموم و تکرار کا تقاضا نہیں کرتے لہذا ایک مرتبہ فعل کے پائے جانے سے شرط پوری ہو جائیگی اور بغیر شرط یمین باقی نہیں رہتی۔

(۴۹) رہا لفظ ''کلّما'' تو چونکہ وہ افعال میں تعمیم کا تقاضا کرتا ہے اور تعمیم کیلئے تکرار لازم ہے اسلئے لفظِ ''کلّما'' میں شرط کے پائے جانے کے بعد بھی یمین باقی رہیگی یہاں تک کہ تین طلاقیں واقع ہو جائیں۔

(۵۰) فَاِنْ تَزَوَّجَهَا بَعْدَ ذَالِکَ وَتَكَرَّرَ الشَّرْطُ لَمْ يَقَعْ شَیْءٌ۔

ترجمہ:۔ پھر اگر (زوج ثانی سے حلالہ کے بعد) زوج اول نے اس عورت کے ساتھ نکاح کیا اور شرط مکرر پائی گئی تو اب کوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔

تشریح:۔(۵۰) اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا ''كُلَّمَا دَخَلْتِ الدَّارَ فَاَنْتِ طَالِقٌ'' پھر عورت یکے بعد دیگرے تین مرتبہ گھر میں داخل ہوگئی تو اسکو تین طلاقین واقع ہو جائینگی پھر اگر زوج ثانی سے حلالہ کے بعد یہ عورت زوج اول کے نکاح میں آگئی اور شرط مکرر پائی گئی یعنی وہ عورت پھر گھر میں داخل ہوگئی تو اب کوئی طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ یہ شوہر سابقہ نکاح کی وجہ سے جن تین طلاقوں کا مالک تھا وہ پوری ہوگئیں لہذا اجزاء باقی نہ رہی تو قسم بھی ختم ہوگئی کیونکہ بقاء قسم شرط و جزاء کے ساتھ ہے اور جب قسم ختم ہوگئی تو دخولِ دار کے بعد طلاق واقع نہ ہوگی۔

(۵۱) وَزَوَالُ الْمِلْکِ بَعْدَ الْيَمِيْنِ لَايُبْطِلُهَا (۵۲) فَاِنْ وُجِدَ الشَّرْطُ فِی مِلْکٍ اِنْحَلَتِ الْيَمِيْنُ وَوَقَعَ الطَّلَاقُ (۵۳) وَاِنْ وُجِدَ فِی غَيْرِ الْمِلْکِ اِنْحَلَتِ الْيَمِيْنُ وَلَمْ يَقَعْ شَیْءٌ۔

ترجمہ:۔ اور یمین کے بعد ملک کا زائل ہونا یمین کو باطل نہیں کرتا پس اگر شرط ملک میں پائی گئی تو یمین پوری ہو جائیگی اور طلاق واقع ہو جائیگی اور اگر غیر ملک میں یمین پائی گئی تو یمین پوری ہو جائیگی اور طلاق واقع نہ ہوگی۔

تشریح:۔(۵۱) یعنی اگر قسم کے بعد مرد کی ملک ایک یا دو طلاقوں کی وجہ سے زائل ہوگئی تو قسم باطل نہیں ہوگی مثلاً زوج نے بیوی سے کہا ''ان دخلت الدار فانت طالق'' پھر دخولِ دار سے پہلے ہی اس عورت کو بائنہ کر دیا تو اس زوالِ ملک کی وجہ سے یمین باطل نہیں ہوگی کیونکہ یمین کی بقاء شرط اور جزاء سے ہے اور مفروض یہ ہے کہ شرط نہیں پائی گئی لہذا شرط باقی ہے اور بقاء محل کی وجہ سے جزاء بھی باقی ہے

پس جب شرط اور جزاء دونوں باقی ہیں تو یمین بھی باقی ہے۔

(۵۲) پس اگر یہ عورت پھر حالف کے نکاح میں آئی اور گھر میں داخل ہوئی تو طلاق واقع ہو جائیگی اور قسم پوری ہو جائیگی۔ (۵۳) اور اگر دوبارہ حالف کے نکاح میں آنے سے پہلے وہ عورت گھر میں داخل ہوگئی تو قسم پوری ہو جائیگی لِوُجُوْدِ الشَّرْطِ لیکن طلاق واقع نہ ہوگی لِعَدَمِ الْمَحَلِيَّةِ۔

(۵۴) وَاِذَا اخْتَلَفَا فِي وُجُوْدِ الشَّرْطِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الزَّوْجِ فِيْهِ اِلَّا اَنْ يُقِيْمَ الْمَرْأَةُ الْبَيِّنَةَ (۵۵) فَاِنْ كَانَ الشَّرْطُ لَا يُعْلَمُ اِلَّا مِنْ جِهَتِهَا فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا فِي حَقِّ نَفْسِهَا مِثْلُ اَنْ يَقُوْلَ اِنْ حِضْتِ فَاَنْتِ طَالِقٌ فَقَالَتْ قَدْ حِضْتُ طُلِّقَتْ۔

ترجمه:۔ اور اگر زوجین نے وجود شرط میں اختلاف کیا تو شوہر کا قول معتبر ہوگا الّا یہ کہ عورت گواہ قائم کر دے اور اگر شرط ایسی چیز ہو جس کا علم صرف عورت کو ہو سکتا ہو تو عورت کا قول صرف اس کی ذات کے حق میں قبول ہوگا مثلاً شوہر نے کہا ''ان حضت فانت طالق'' (جب تجھے حیض آئے تو تجھے طلاق ہے) اور عورت نے کہا مجھے حیض آ گیا تو طلاق واقع ہو جائیگی۔

تشریح:۔ (۵۴) اگر زوجین نے وجود شرط میں اختلاف کیا مثلاً شوہر کہتا ہے کہ شرط نہیں پائی گئی لہذا طلاق واقع نہیں ہوئی ہے اور عورت کہتی ہے کہ شرط پائی گئی اور طلاق واقع ہوگئی ہے تو اگر عورت کے پاس گواہ نہ ہوں تو شوہر کا قول معتبر ہوگا کیونکہ شوہر کا قول اصل کے موافق ہے کیونکہ اصل عدم شرط ہے اور قول متمسک بالاصل کا معتبر ہوتا ہے۔

(۵۵) البتہ اگر شرط ایسی چیز ہو جس کا علم صرف عورت کو ہو سکتا ہو تو وجود شرط میں اسکا قول صرف اس کی ذات کے حق میں قبول ہوگا دوسرے کے حق میں قبول نہ ہوگا مثلاً شوہر نے اپنی بیوی سے کہا ''ان حضت فانت طالق'' (جب تجھے حیض آئے تو تجھے طلاق ہے) اور عورت نے کہا مجھے حیض آ گیا تو استحساناً طلاق واقع ہو جائیگی کیونکہ حیض ایسی شرط ہے جس کا علم صرف عورت کو ہو سکتا ہے عورت اپنے حق میں امین ہے (اور امین کا قول اس کے حق میں قابل قبول ہوتا ہے)۔

(۵۶) وَاِذَا قَالَ لَهَا اِذَا حِضْتِ فَاَنْتِ طَالِقٌ وَفُلَانَةُ مَعَكِ فَقَالَتْ قَدْ حِضْتُ طُلِّقَتْ هِيَ وَلَمْ تُطَلَّقْ فُلَانَةُ (۵۷) وَاِذَا قَالَ لَهَا اِذَا حِضْتِ فَاَنْتِ طَالِقٌ فَرَاَتِ الدَّمَ لَمْ يَقَعِ الطَّلَاقُ حَتّٰى يَسْتَمِرَّ الدَّمُ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ فَاِذَا تَمَّتْ ثَلَاثَةُ اَيَّامٍ حَكَمْنَا بِوُقُوْعِ الطَّلَاقِ مِنْ حِيْنَ حَاضَتْ (۵۸) وَاِنْ قَالَ لَهَا اِذَا حِضْتِ حَيْضَةً فَاَنْتِ طَالِقٌ لَمْ تُطَلَّقْ حَتّٰى تَطْهُرَ مِنْ حَيْضِهَا۔

ترجمه:۔ اور اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا ''اذا حضت فانت طالق وفلانة معک'' اس عورت نے کہا مجھے حیض آ گیا تو یہ مطلقہ ہوگئی اور فلانۃ (یعنی اسکی سوتن) کو طلاق واقع نہ ہوگی اگر شوہر نے بیوی سے کہا ''اذا حضت فانت طالق'' پھر اس عورت نے خون دیکھا تو طلاق واقع نہ ہوگی یہاں تک کہ برابر تین دن تک خون جاری رہے پس اگر پورے تین دن خون آیا تو ہم وقوع طلاق کا حکم کرینگے جس وقت سے خون آنا شروع ہوا تھا اور اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا ''اذا حضت حيضة فانت طالق'' تو یہ عورت مطلقہ نہ ہوگی جب

تک کہ اپنے اس حیض سے پاک نہ ہو جائے۔

تشریح:۔(۵۶)اگر شوہر نے اپنی بیویوں میں سے ایک سے کہا"اذا حضت فانت طالق وفلانة معک "(جب تجھے حیض آئے تو تجھے اور فلانی کو طلاق ہے)اس عورت نے کہا مجھے حیض آگیا تو یہ مطلقہ ہوگئی اور"فلانة"(یعنی اسکی سوتن) کو طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ یہ عورت اپنی سوتن پر طلاق واقع ہونے کے سلسلے میں شاہدہ بلکہ متہمہ ہے لہذا سوتن کے حق میں اسکا قول معتبر نہیں کیونکہ متہم کی شہادت مردود ہے۔

(۵۷)اگر شوہر نے بیوی سے کہا"اذا حضت فانت طالق "(جب تجھے حیض آئے تو تجھے طلاق ہے) پھر اس عورت نے خون دیکھا تو محض خون دیکھنے سے طلاق واقع نہ ہوگی یہاں تک کہ برابر تین دن تک خون جاری رہے کیونکہ تین دن سے کم منقطع ہونے والا خون حیض نہیں ہوگا البتہ اگر پورے تین دن خون آیا تو جس وقت سے خون آنا شروع ہوا تھا اسی وقت سے طلاق واقع ہونے کا حکم لگا دیا جائیگا کیونکہ تین دن تک خون ممتد ہونے کی وجہ سے معلوم ہوگیا کہ یہ خون رحم کا ہے لہذا اول امر ہی سے حیض شمار ہوگا۔

(۵۸)اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا"اذا حضت حیضة فانت طالق "(جب تجھے ایک حیض آجائے تو تجھے طلاق ہے) تو یہ عورت جب تک کہ اپنے اس حیض سے پاک نہ ہو جائے مطلقہ نہ ہوگی کیونکہ"حیضة"بالتاء حیض کامل کو کہتے ہیں اور حیض کا کمال اسکے ختم ہونے سے ہوگا اور ختم ہونا طہر سے ہوگا لہذا طہر شروع ہونے پر طلاق واقع ہوگی اس سے پہلے نہیں۔

(۵۹)وَطَلَاقُ الْاَمَةِ تَطْلِيْقَتَانِ وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ حُرًّا كَانَ زَوْجُهَا اَوْ عَبْداً (۶۰)وَطَلَاقُ الْحُرَّةِ ثَلَاثًا حُرًّا كَانَ زَوْجُهَا اَوْ عَبْداً۔

ترجمہ:۔ اور باندی کی طلاقیں دو ہیں اور اسکی عدت دو حیض ہیں خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام، اور آزاد عورت کی طلاقیں تین ہیں خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام۔

تشریح:۔(۵۹) باندی کی طلاقیں دو ہیں اور اسکی عدت دو حیض ہیں خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام۔(۶۰) آزاد عورت کی طلاقیں تین ہیں خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام، کیونکہ عورت کا محل نکاح ہو کر حلال ہونا اس کے حق میں نعمت ہے اسلئے کہ اسکی وجہ سے وہ نفقہ، کسوۃ، اور سکنیٰ وغیرہ کا مستحق ہوگی اور نعمتوں کو آدھا کرنے میں رقیت کو دخل ہے تو باندی کو صرف ڈیڑھ طلاق دینا کافی ہوتا جو آزاد عورت کی طلاق کا نصف ہے مگر چونکہ طلاق میں تجزی اور تقسیم نہیں ہوتی اسلئے اس آدھی طلاق کو پورا کر کے مکمل دو طلاقیں کر دی گئیں۔

(۶۱)وَاِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ اِمْرَاَتَهُ قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا ثَلٰثًا وَقَعْنَ عَلَيْهَا(۶۲)وَاِنْ فَرَّقَ الطَّلَاقَ بَانَتْ بِالْاُوْلٰى وَلَمْ تَقَعِ الثَّانِيَةُ وَالثَّالِثَةُ(۶۳)وَاِنْ قَالَ لَهَا اَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً وَوَاحِدَةً وَقَعَتْ عَلَيْهَا وَاحِدَةٌ۔

ترجمہ:۔ اور اگر کسی نے اپنی بیوی کو قبل الدخول تین طلاقیں دیں تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائینگی اور اگر تین طلاقوں کو متفرق کیا تو پہلے لفظ طلاق سے عورت بائنہ ہو جائیگی اور دوسری اور تیسری طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا"انت طالق واحدة وواحدة"(تجھے ایک طلاق ہے اور ایک) تو ایک طلاق واقع ہوگی۔

تشریح :۔(٦١) اگر کسی نے اپنی بیوی کو قبل الدخول تین طلاقیں دیں مثلاً کہا "انت طالق ثلثاً" (تجھے تین طلاق ہیں) تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائینگی کیونکہ وقوع طلاق مذکورہ جملہ میں درحقیقت مصدر محذوف سے ہوتا ہے اور یہ عدد اس مصدر کی صفت واقع ہوگی پس "انت طالق ثلثاً" کا معنی ہوگا "انت طالق طلاقاً ثلاثاً" تو "انت طالق" سے علیحدہ طلاق واقع نہیں ہوگی بلکہ طلاقا ثلاثا سے یکبارگی تین طلاقیں واقع ہو جائینگی۔

(٦٢) اگر تین طلاقوں کو متفرق کیا مثلاً کہا "انت طالق، طالق، طالق" تو پہلے لفظ طلاق سے عورت بائنہ ہو جائیگی اور عورت پر غیر مدخول بہا ہونے کی وجہ سے عدت نہیں ہے تو شوہر کا دوسری اور تیسری مرتبہ "طالق، طالق" کہتے وقت عورت اجنبیہ ہو چکی ہے اسلئے دوسری اور تیسری طلاق واقع نہ ہوگی۔(٦٣) اگر شوہر نے اپنی غیر مدخول بہا بیوی سے کہا "انت طالق واحدة وواحدة" (تجھے ایک طلاق ہے اور ایک) تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی کیونکہ وہ پہلے "واحدة" سے بائنہ ہوگئی لہذا دوسرا، واحدة، لغو ہوگا۔

(٦٤)وإنْ قالَ لَهَا أنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً قَبْلَ وَاحِدَةٍوَقَعَتْ وَاحِدَةٌ (٦٥)وإنْ قالَ لَهَا وَاحِدَةً قَبْلَهَا وَاحِدَةٌ وَقَعَتْ عَلَيْهَا ثِنْتَانِ (٦٦)وَإنْ قالَ وَاحِدَةً بَعْدَهَا وَاحِدَةٌ وَقَعَتْ عَلَيْهَاوَاحِدَةٌ (٦٧)وَإنْ قالَ لَهَا أنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً بَعْدَوَاحِدَةٍ اَوْمَعَ وَاحِدَةٍ اَوْ مَعَهَا وَاحِدَةٌوَقَعَتْ ثِنْتَانِ۔

ترجمه :۔اور اگر بیوی سے کہا تجھے ایک طلاق ہے ایک سے پہلے تو ایک واقع ہوگی اور اگر بیوی سے کہا تجھے ایک طلاق ہے جس سے پہلے بھی ایک ہے تو دو واقع ہونگی اور اگر کہا تجھے ایک طلاق ہے اسکے بعد ایک ہے تو اس پر ایک طلاق واقع ہوگی اور اگر کہا تجھے ایک طلاق ہے ایک کے بعد یا ایک کے ساتھ یا اسکے ساتھ ایک ہے تو دو واقع ہونگی۔

تشریح :۔اس عبارت میں امام قدوری رحمہ اللہ نے چار صورتیں ذکر کی ہیں۔/ **نمبر ١**۔"انت طالق واحدة قبل واحدة" (تجھے ایک طلاق ہے ایک سے پہلے)۔/ **نمبر ٢**۔"انت طالق واحدة بعدهاواحدة" (تجھے ایک طلاق ہے ایک کے بعد)۔/ **نمبر ٣**۔"انت طالق واحدة قبلهاواحدة" (تجھے ایسی ایک طلاق ہے کہ اس سے پہلے بھی ایک ہے)۔/ **نمبر ٤**۔"انت طالق واحدة بعدواحدة" (تجھے ایک طلاق ہے ایک کے بعد)۔ان میں سے پہلی دو صورتوں میں ایک طلاق اور آخری دو صورتوں میں دو طلاقیں واقع ہونگی۔

دراصل یہ صورتیں دو اصول پر موقوف ہیں۔/ **نمبر ١**۔ظرف یعنی قبل اور بعد جب حاء کنایہ یعنی ضمیر کے ساتھ مقید کیا جائے تو ظرف مابعد کیلئے صفت ہوگا اور اگر حاء کنایہ کے ساتھ مقید نہ کیا جائے تو اپنے ماقبل کی صفت ہوگا۔اور صفت سے مراد صفت معنوی ہے نحوی نہیں جیسے "جاء نی زید قبله عمرو" یعنی عمرو پہلے آیا اور زید بعد میں اور "جاء نی زید قبل عمرو" یعنی زید پہلے آیا عمرو بعد میں۔/ **نمبر ٢**۔ماضی کی طرف منسوب کرکے اگر طلاق واقع کی جائے تو وہ زمانہ حال میں واقع ہوگی نہ کہ ماضی میں۔

(٦٤) اب اگر کسی نے اپنی غیر مدخول بہا بیوی سے کہا "انت طالق واحدة قبل واحدة" تو لفظ قبل ماقبل کی صفت ہوگا اور

معنی یہ ہوگا کہ ''واحدة'' اولیٰ پہلے واقع ہوئی اور ''واحدة'' ثانیہ بعد میں پس جب ''واحدة'' اولیٰ واقع ہوگئی تو عورت بائنہ ہوگئی لہذا ''واحدة'' ثانیہ کیلئے محل باقی نہ رہنے کی وجہ سے ''واحدة'' ثانیہ لغو ہوگئی لہذا اس صورت میں ایک طلاق واقع ہوگی۔

(٦٦) اگر شوہر نے کہا ''انت طالق واحدة بعدها واحدة'' اس صورت میں لفظ ''بعد'' مابعد کی صفت ہوگا معنی یہ ہوگا کہ تجھ کو ایک طلاق ہے اسکے بعد ایک ہے تو ''واحدة'' اولیٰ سے عورت بائنہ ہوگئی لہذا ''واحدة'' ثانیہ محل طلاق فوت ہونے کی وجہ سے لغو ہو جائے گی تو اس صورت میں بھی ایک طلاق واقع ہوگی۔

(٦٥) اگر شوہر نے کہا ''انت طالق واحدة قبلها واحدة'' اس صورت میں لفظ ''قبل'' مابعد کی صفت ہوگا یعنی تجھ کو ایک طلاق ہے اس سے پہلے ایک۔ یہ کلام تقاضا کرتا ہے کہ ''واحدة'' ثانیہ ماضی میں واقع ہو اور اولیٰ حال میں اور چونکہ ماضی میں طلاق واقع کرنا حال میں واقع کرنا ہوتا ہے لہذا دونوں طلاقیں زمانہ حال میں ساتھ ساتھ واقع ہونگی لہذا اس صورت میں دو طلاقیں واقع ہونگی۔

(٦٧) اگر کہا ''انت طالق واحدة بعد واحدة'' یعنی تجھ کو ایک طلاق ہے بعد ایک کے۔ اس صورت میں لفظ ''بعد'' ماقبل کی صفت ہوگا یہ کلام تقاضا کرتا ہے کہ ''واحدة'' ثانیہ ماضی میں واقع ہو اور اولیٰ حال میں اور ماضی میں طلاق واقع کرنا حال میں واقع کرنا ہوتا ہے لہذا یہ دونوں طلاقیں زمانہ حال میں ساتھ ساتھ واقع ہونگی لہذا اس صورت میں بھی دو طلاقیں واقع ہونگی۔

اگر کسی نے کہا ''انت طالق واحدة مع واحدة'' یا ''انت طالق واحدة معها واحدة'' تو دو طلاقیں واقع ہو جائیں گی کیونکہ کلمہ مع اقتران واتصال کیلئے آتا ہے لہذا دونوں ساتھ ساتھ واقع ہونگی۔

(٦٨) وَاِنْ قَالَ لَهَا اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَاَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً وَّوَاحِدَةً فَدَخَلَتِ الدَّارَ وَقَعَتْ عَلَيْهَا وَاحِدَةٌ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وقالا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَقَعُ ثِنْتَانِ۔

ترجمہ:۔ اور اگر شوہر نے بیوی سے کہا اگر تو گھر میں داخل ہوگئی تو تجھے ایک طلاق ہے اور ایک پس وہ گھر میں داخل ہوگئی تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر ایک طلاق واقع ہوگی اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں دو طلاقیں واقع ہوں گی۔

تشریح:۔ اگر متعدد طلاقیں شرط پر معلق کی گئیں اور ایک کا دوسری پر واو کے ذریعہ عطف کیا گیا تو اسکی دو صورتیں ہیں شرط مقدم ہوگی یا مؤخر، اگر مؤخر ہو مثلاً کہا ''انت طالق واحدة وواحدة ان دخلت الدار'' (تجھے ایک طلاق ہے اور ایک اگر تو گھر میں داخل ہوئی) تو بالاتفاق دو طلاقیں واقع ہوں گی۔ (٦٨) اور اگر شرط مقدم ہو مثلاً کہا ''اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَاَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً وَّوَاحِدَةً'' (اگر تو گھر میں داخل ہوگئی تو تجھے ایک طلاق ہے اور ایک) پھر غیر مدخول بھا عورت گھر میں داخل ہوگئی تو صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک اس صورت میں دو طلاقیں واقع ہونگی اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایک طلاق واقع ہوگی (صاحبینؒ کا قول راجح ہے)۔

صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ کلمہ واو مطلقاً جمع کیلئے آتا ہے لہذا دونوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی کیونکہ حرف واو کے ساتھ جمع ایسا ہے جیسا کہ لفظ جمع کے ساتھ، اور جس طرح شرط کو مؤخر کرنے کی صورت میں بالاتفاق دو طلاقیں واقع ہوتی ہیں اسی طرح

تقدیم کی صورت میں بھی دو واقع ہوں گی۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ مطلقاً جمع اتصال اور ترتیب دونوں کا احتمال رکھتی ہے پس اگر اتصال کے معنی کی رعایت کی جائے تو دو واقع ہوں گی اور اگر ترتیب کے معنی کی رعایت کی جائے تو ایک واقع ہوگی جیسا کہ ''انت طالق واحدة وواحدة'' میں صرف ایک واقع ہوگی پس معلوم ہوا کہ ایک طلاق سے زائد میں شک ہے اور شک کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی اسلئے ایک سے زیادہ واقع نہیں ہوگی۔

صاحبین رحمہما اللہ نے تقدیم شرط کی صورت کو تاخیر شرط کی صورت پر قیاس کیا ہے لیکن یہ قیاس صحیح نہیں کیونکہ تاخیر کی صورت میں شرط اول کلام کو بدل دینے والی ہے لہٰذا اول کلام شرط پر موقوف رہیگا پس وجود شرط کے بعد دونوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور تقدیم کی صورت میں اول کلام کو بدل دینے والی کوئی چیز موجود نہیں پس اول کلام آخر کلام پر موقوف بھی نہیں ہوگا اس وجہ سے دونوں طلاقیں علی الترتیب واقع ہوں گی اور عورت چونکہ غیر مدخول بھا ہے اسلئے وہ واحدۃ اولیٰ سے بائنہ ہو جائے گی اور ثانیہ واقع نہیں ہوگی۔

(۶۹) وَاِذَا قَالَ لَهَا اَنْتِ طَالِقٌ بِمَكَّةَ فَهِيَ طَالِقٌ فِي الْحَالِ فِي كُلِّ الْبِلَادِ (۷۰) وَكَذٰلِكَ اِذَا قَالَ لَهَا اَنْتِ طَالِقٌ فِي الدَّارِ (۷۱) وَاِنْ قَالَ لَهَا اَنْتِ طَالِقٌ اِذَا دَخَلْتِ بِمَكَّةَ لَمْ تُطَلَّقْ حَتّٰى تَدْخُلَ مَكَّةَ۔

ترجمہ:۔ اور اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا ''انت طالق بمكة'' تو وہ فی الحال طلاق ہو جائے گی ہر شہر میں اور اسی طرح اگر بیوی سے کہا ''انت طالق في الدار'' اور اگر بیوی سے کہا ''انت طالق اذا دخلت مكة'' تو جب تک کہ عورت مکہ مکرمہ میں داخل نہ ہو جائے طلاق واقع نہ ہوگی۔

تشریح:۔ (۶۹) اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا ''انت طالق بمكة'' (تجھے طلاق ہے مکہ میں)۔ (۷۰) یا ''انت طالق في الدار'' (تجھے گھر میں طلاق ہے) تو طلاق فی الحال واقع ہوگی کیونکہ طلاق ایسی نہیں کہ ایک مکان کے ساتھ خاص ہو نہ کہ دوسرے کے ساتھ بلکہ جب واقع ہوگی تو ہر جگہ پر واقع ہوگی۔

(۷۱) اگر کہا ''انت طالق اذا دخلت مكة'' (تجھے طلاق ہے جب تو مکہ میں داخل ہو) تو جب تک کہ عورت مکہ مکرمہ میں داخل نہ ہو جائے طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ طلاق کو دخول مکہ پر معلق کیا ہے۔

(۷۲) وَاِنْ قَالَ لَهَا اَنْتِ طَالِقٌ غَدًا وَقَعَ عَلَيْهَا الطَّلَاقُ بِطُلُوْعِ الْفَجْرِ الثَّانِيْ۔

ترجمہ:۔ اور اگر زوج نے اپنی بیوی سے کہا آئندہ کل تجھے طلاق ہے تو فجر ثانی طلوع ہوتے ہی اس پر طلاق واقع ہوگی۔

تشریح:۔ (۷۲) اگر زوج نے اپنی بیوی سے کہا آئندہ کل تجھے طلاق ہے تو فجر ثانی طلوع ہوتے ہی اس پر طلاق واقع ہوگی کیونکہ اس نے عورت کو جمیع غد میں طلاق کے ساتھ متصف کیا ہے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب طلاق اس کے اول جزء میں واقع ہو۔ اور اگر شوہر نے کل کے دن کے آخری حصے کی نیت کی ہو تو دیانۃً اس کی تصدیق کی جائے گی قضاءً نہیں۔

(۷۴)وَاِنْ قَالَ لِامْرَأتِه اِخْتَارِیْ نَفْسَکِ يَنْوِیْ بِذٰلِکَ الطَّلَاقَ اَوْ قَالَ لَهَا طَلِّقِیْ نَفْسَکِ فَلَهَا اَنْ تُطَلِّقَ نَفْسَهَامَادَامَتْ فِی مَجْلِسِهَاذَالِکَ ف(۷۵)اِنْ قَامَتْ مِنْه اَوْ اَخَذَتْ فِی عَمَلٍ آخرَ خَرَجَ الْاَمْرُ من يَدِهَا (۷۶)وَاِنْ اخْتَارَتْ نَفْسَهَا فِی قَوْلِه اِخْتَارِیْ نَفْسَکِ کَانَتْ وَاحِدَةً بَائِنَةً وَلَا يَکُوْنُ ثَلَاثًا وَاِنْ نَوَی الزَّوْجُ ذَالِکَ۔

ترجمه:۔اور اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا''اختاری نفسک''اور اس سے شوہر نے طلاق کی نیت کی ہو اور یا شوہر نے کہا''طلقی نفسک''تو عورت کو اختیار ہے کہ خود کو طلاق دے جب تک کہ اسی مجلس میں ہو اور اگر اس مجلس سے کھڑی ہوگئی یا دوسرے کام لگ گئی تو اختیار اسکے ہاتھ سے نکل جائیگا اور اگر عورت نے اس مجلس میں اپنی نفس کو اختیار کر لیا شوہر کے لفظ''اختاری ک'' ہنے کی صورت میں تو یہ ایک طلاق بائن ہوگی اور تین طلاق نہیں ہوگی اگر چہ شوہر نے اس کی نیت کی ہو۔

تشریح:۔(۷۴)اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا''اختاری نفسک''(تو خود کو اختیار کر)اور اس سے شوہر نے طلاق کی نیت کی ہو اور یا شوہر نے کہا''طلقی نفسک''(تو خود کو طلاق دے)تو وہ عورت جب تک کہ اسی مجلس میں رہے گی خود کو طلاق دے سکتی ہے۔(۷۵)اگر عورت اس مجلس سے کھڑی ہوگئی یا دوسرے کام لگ گئی تو اختیار اسکے ہاتھ سے نکل جائیگا کیونکہ عورت کو طلاق کا اختیار دینا درحقیقت اسکو طلاق کا مالک بنانا ہے اور تملیکات اسی مجلس میں جواب کا تقاضا کرتی ہیں کما فی البیع کیونکہ مجلس کی تمام ساعتیں بمنزلہ ایک ساعت کے ہیں لہذا عورت مجلس میں طلاق واقع کر سکتی ہے مگر مجلس بدل جانے کے بعد یہ اختیار باقی نہیں رہیگا۔

(۷۶) شوہر کے لفظ''اختاری نفسک''(تو خود کو اختیار کر) کہنے کے بعد اگر عورت نے اس مجلس میں اپنی نفس کو اختیار کر لیا تو یہ ایک طلاق بائن ہوگی کیونکہ عورت کا اپنے نفس کو اختیار کرنا اسی وقت ثابت ہوگا جبکہ نفس کے ساتھ عورت کا اختصاص ثابت ہو جائے یعنی شوہر کی مِلک زائل ہو جائے اور عورت اپنے نفس کی مالک ہو جائے ظاہر ہے کہ یہ بات طلاق بائن میں حاصل ہوگی۔اور اگر شوہر نے تین طلاقوں کی نیت کی ہو تو تین واقع نہیں ہونگی کیونکہ اختیار منقسم الی الاقسام نہیں ہوتا۔

(۷۷)وَلَابُدَّ مِنْ ذِکْرِ النَّفْسِ فِی کَلَامِه اَوْ فِی کَلَامِهَا۔

ترجمه:۔(لفظ اختاری سے طلاق واقع کرنے کیلئے)اور ضروری ہے لفظِ نفس،کو ذکر کرنا شوہر کے کلام میں یا بیوی کے کلام میں۔

تشریح:۔لفظ''اختاری''سے طلاق واقع کرنے کیلئے زوجین میں سے کسی ایک کے کلام میں لفظِ نفس،کا ذکر ضروری ہے چنانچہ اگر شوہر نے''اختاری''کہا اور عورت نے جواب میں''اخترت''کہدیا تو طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ بغیر ذکر نفس،عورت کے قول ''اخترت''میں یہ احتمال ہے کہ عورت اپنے زوج کو اختیار کر رہی ہے لہذا طلاق واقع نہ ہوگی۔

(۷۸)وَاِنْ طَلَّقَتْ نَفْسَهَا فِی قَوْلِه طَلِّقِیْ نَفْسَکِ فَهِیَ وَاحِدَةٌ رَجْعِيَّةٌ(۷۹)فَاِنْ طَلَّقَتْ نَفْسَهَا ثَلَاثًا وَقَدْ اَرَادَ الزَّوْجُ ذَالِکَ وَقَعْنَ عَلَيْهَا۔

ترجمه:۔اور اگر شوہر کے قول''طلقی نفسک''کے جواب میں عورت نے خود کو طلاق دیدی تو یہ ایک طلاق رجعی ہوگی اور اگر

عورت نے خود کو تین طلاقیں دی اور شوہر نے بھی اسکی نیت کر لی تھی تو تین واقع ہو جائیں گی۔

تشریح:۔(۷۸) اگر شوہر کے قول "طلقی نفسک" (تو خود کو طلاق دے) کے جواب میں عورت نے خود کو طلاق دیدی تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی کیونکہ تفویض صریح طلاق کی ہے اور صریح طلاق سے رجعی واقع ہوگی۔(۷۹) اور اگر عورت نے خود کو تین طلاقیں دی اور شوہر نے بھی اسکی نیت کر لی تھی تو تین واقع ہو جائیں گی کیونکہ "طَلِّقِیْ" کا معنیٰ "اِفْعِلِیْ فِعْلَ الطَّلَاق" ہوگا اور طلاق مصدر اسم جنس ہے جس سے ایک طلاق مراد ہوگی مع احتمال الکل تو اگر کل کی نیت ہوگی تو تینوں واقع ہو جائیں گی ورنہ ایک واقع ہوگی۔

(۸۰)وَاِنْ قَالَ لھا طَلِّقِیْ نَفْسَکِ مَتیٰ شِئتِ فَلھاانْ تُطَلِّقَ نَفْسَھافی الْمَجْلِسِ وبَعْدَہ (۸۱)واِنْ قَالَ لِرَجُلٍ طَلِّقْ اِمْرَاتِیْ فَلَه اَنْ یُطَلِّقَھَا فِی الْمَجْلِسِ وبَعْدَہ (۸۲)واِنْ قَالَ لَه طَلِّقْھَا اِنْ شِئتَ فَلَه اَنْ یُطَلِّقَھَا فِی الْمَجْلِسِ خاصّۃً۔

ترجمہ:۔اور اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا "طلقی نفسک متیٰ شئت" تو مجلس اور بعد از مجلس دونوں میں عورت کو طلاق واقع کرنے کا اختیار ہے اور اگر ایک مرد نے دوسرے سے کہا کہ "طلّقْ امراتی" تو اس وکیل کو اختیار ہے کہ اس عورت کو مجلس میں طلاق دے یا مجلس کے بعد اور اگر شوہر نے دوسرے مرد سے کہا "طلقھا ان شئت" تو وہ صرف مجلس میں طلاق دے سکتا ہے۔

تشریح:۔(۸۰) اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا "طلقی نفسک متیٰ شئت" (تو خود کو طلاق دے جب تو چاہے) تو عورت کو اختیار ہے مجلس میں طلاق واقع کرلے یا مجلس کے بعد کیونکہ کلمہ "متیٰ" تمام اوقات میں عام ہے لہذا یہ ایسا ہو گیا جیسے شوہر اپنی بیوی سے کہے "طلقی نفسک فی ایّ وقت شئت" (تو خود کو طلاق دے جس وقت میں بھی چاہے)۔

(۸۱) اگر ایک مرد نے دوسرے سے کہا کہ "طلّقْ امراتی" (تو میری بیوی کو طلاق دے) تو اس وکیل کو اختیار ہے کہ اسکی عورت کو مجلس میں طلاق دے یا مجلس کے بعد کیونکہ یہ توکیل ہے تملیک نہیں شوہر نے وکیل سے طلاق واقع کرنے میں مدد طلب کی ہے اور توکیل مجلس پر منحصر نہیں ہوتی۔

(۸۲) اگر شوہر نے دوسرے شخص سے کہا "طلقھاان شئت" (میری بیوی کو طلاق دے اگر تو چاہے) تو وہ صرف مجلس میں طلاق دے سکتا ہے بعد از مجلس نہیں کیونکہ تعلیق بالمشیت تملیک ہے توکیل نہیں اور تملیکات اسی مجلس میں جواب کا تقاضا کرتی ہے۔

(۸۳)وَاِنْ قَالَ لَھَا اِنْ کُنْتِ تُحِبِّیْنِیْ اَوْ تُبْغِضِیْنِیْ فَاَنْتِ طالِقٌ فَقَالَتْ اَنَا اُحِبُّکَ اَوْ اُبْغِضُکَ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَاِنْ کَانَ فِی قَلْبِھَاخِلَافُ مَا اَظْھَرَتْ(۸٤)وَاِنْ طَلَّقَ الرَّجُلُ اِمْرَاَتَه فِی مَرَضِ مَوْتِه طَلَاقًا بَائِناً فَمَاتَ وَھِیَ فِی الْعِدَّۃِ وَرِثَتْ مِنْه (۸۵)وَاِنْ مَاتَ بَعْدَ اِنْقِضَاءِ عِدَّتِھَا فَلَامِیْرَاثَ لَھَا۔

ترجمہ:۔اور اگر شوہر نے بیوی سے کہا "ان کنت تحبینی او تبغضینی فانت طالق" پس بیوی نے کہا "انا احبک او ابغضک" تو طلاق واقع ہو جائے گی اگر چہ اسکے دل میں اسکے خلاف ہو جو اس نے ظاہر کیا ہے اور اگر آدمی نے اپنی بیوی کو مرض الموت میں طلاق بائن دی پھر وہ مر گیا جبکہ وہ اس کی عدت میں تھی تو یہ اپنے شوہر کی وارث ہوگی اور اگر شوہر عورت کی عدت

گذرنے کے بعد مرگیا تو پھر عورت کے لئے میراث نہیں۔

تشریح:۔(۸۳)اگر شوہر نے بیوی سے کہا''ان کنت تحبینی او تبغضینی فانت طالق ''(اگر تو مجھ سے محبت رکھتی ہے یا بغض رکھتی ہے تو تجھے طلاق ہے)بیوی نے کہا''انا احبک او ابغضک''(میں تجھ سے محبت یا بغض رکھتی ہوں)تو طلاق واقع ہو جائے گی اگر چہ اسکے دل میں اسکے خلاف ہو جواس نے ظاہر کیا ہے کیونکہ جب حقیقتِ حال کا علم متعذر ہوا تو سبب ظاہر یعنی اخبار(عورت کا خبر دینے کو)کو حقیقتِ حال کی دلیل قرار دیا۔

(۸٤)اگر شوہر نے اپنے مرضِ موت میں اپنی بیوی کو طلاق بائن دیدی اور اسکی بیوی اس پر راضی نہیں پھر اس شوہر کا انتقال ہو گیا اور اسکی بیوی اب تک عدت میں ہے اور بیوی مستحق وراثت بھی ہے تو یہ اپنے شوہر کی وارث ہوگی(اسکو طلاق فارّ کہتے ہیں)کیونکہ شوہر کے مرضِ وفات میں بیوی کا حق اسکے مال کے ساتھ متعلق ہو جاتا ہے پس اس حالت میں شوہر نے طلاق بائن دیکر اس کے حق وراثت کو باطل کرنے کا ارادہ کیا ہے لہذا اس کے اس غلط ارادے کو اسی پر لوٹا دیا جائیگا بایں طور کے طلاق کے عمل کو عدت گذرنے کے زمانے تک کیلئے مؤخر کر دیا گیا تا کہ عورت سے حرمانِ وراثت کا ضرر دور ہو۔(۸۵)اور اگر شوہر عورت کی عدت گذرنے کے بعد مر گیا تو پھر عورت کے لئے میراث نہیں۔

الالغاز:۔قال لامرأته ،ان خرجت من هذا الماء وهي في نهر جار فانت طالق فما الحيلة؟

فقل:۔ تخرج ولايحنث لان الماء الذي كانت فيه زال بالجريان ۔(الاشباه والنظائر)

(۸٦)وَإِذَا قَالَ لِامْرَأَتِهِ اَنْتِ طَالِقٌ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعالىٰ مُتَصِلًا لَمْ يَقَعِ الطَّلَاقُ عَلَيْهَا۔

ترجمه:۔اور اگر شوہر نے بیوی سے کہا انت طالق متصل ان شاء الله تعالى کہا تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

تشریح:۔(۸٦)اگر شوہر نے بیوی سے کہا''انت طالق ان شاء الله تعالىٰ''(تجھے طلاق ہے ان شاءاللہ)اور لفظ''ان شاء الله، انت طالق''کے ساتھ متصل کہا تو طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ ایسی شرط کے ساتھ تعلیق جس کا وجود معلوم نہ ہو ابتداء کلام کیلئے مغیر ہوتی ہے اسی وجہ سے''إِنْ شَاءَ اللّٰه''متصل کہنے کی شرط لگائی۔

(۸۷)وَإِنْ قَالَ لَهَا اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا إِلَّا وَاحِدَةً طُلِّقَتْ ثِنْتَيْنِ (۸۸)وَإِنْ قَالَ ثَلَاثًا إِلَّا اثْنَتَيْنِ طُلِّقَتْ وَاحِدَةً۔

ترجمه:۔اور اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا انت طالق ثلاثا الّا واحدة تو دو طلاق واقع ہوگی اور اگر انت طالق ثلاثا الّا اثنين کہا تو ایک طلاق واقع ہوگی۔

تشریح:۔(۸۷)اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا''انت طالق ثلاثا الا واحدة''(تجھے تین طلاقیں ہیں مگر ایک)تو دو طلاق واقع ہونگی ۔(۸۸)اور اگر کہا''انت طالق ثلاثا الا اثنين''(تجھے تین طلاقیں ہیں مگر دو)تو ایک طلاق واقع ہوگی۔حاصل یہ کہ استثناء کہتے ہیں تکلم بالباقی بعد الاستثناء کو پس صحت استثناء کی شرط یہ ہے کہ بعد الاستثناء مستثنیٰ منہ میں کچھ باقی رہ جائے تا کہ متکلم باقی ماندہ کے ساتھ متکلم رہے

حتیٰ کہ اگر شوہر نے کہا "انت طالق ثلاثاً الا ثلاثاً" (تجھے تین طلاقیں ہیں مگر تین) تو تینوں طلاقیں واقع ہونگی کیونکہ بعد الاستثناء کوئی چیز باقی نہیں رہی جسکے ساتھ متکلم کو تکلم کرنے والا کہا جائے۔

(۸۹)وَاِذَا مَلَکَ الزَّوْجُ اِمْرَاَتَه اَوْ شِقْصاً مِنْهَا (۹۰)اَوْ مَلَکَتِ الْمَرْاَةُ زَوْجَهَا اَوْ شِقْصًا مِنْه وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ بَيْنَهُمَا۔

ترجمہ:۔اور اگر شوہر اپنی منکوحہ کا مالک ہو گیا یا اس کے کسی ایک جزء کا مالک ہو گیا اور یا عورت اپنے شوہر کی مالک ہو گئی یا اس کے کسی ایک جزء کی مالک ہو گئی تو ان میں فرقت واقع ہو جائے گی۔

تشریح:۔(۸۹)اگر شوہر اپنی منکوحہ (جو کسی دوسرے کا باندی ہو) کا مالک ہو گیا یا اس کے کسی ایک جزء کا مالک ہو گیا۔(۹۰)یا عورت اپنے شوہر (جو کسی دوسرے کا غلام ہو) کی مالک ہو گئی یا اس کے کسی ایک جزء کی مالک ہو گئی تو ان دونوں صورتوں میں ان دونوں کے درمیان بغیر طلاق کے فرقت واقع ہو جائے گی کیونکہ مِلکِ نکاح اور مِلکِ یمین کے درمیان منافات ہے۔

کتاب الرَّجعَة

یہ کتاب رجعت کے بیان میں ہے۔

"رَجعت" راء کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ ہے مگر فتحہ کے ساتھ پڑھنا افصح ہے "رَجَعَ يَرْجِعُ" باب ضرب سے ہے معنی ہے لوٹنا کہا جاتا ہے "اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُکَ"۔اور اصطلاح شریعت میں ملک نکاح جو دوران عدت قائم ہے کو برقرار رکھنے کو عدت کہتے ہیں۔

ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ چونکہ رجعت طلاق سے طبعاً مؤخر ہے اسلئے وضعاً ذکراً بھی مؤخر کر دیا تا کہ وضع طبع کے مطابق ہو جائے۔

(۱)وَاِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ اِمْرَاَتَه تَطْلِيْقَةً رَجْعِيَّةً اَوْ تَطْلِيْقَتَيْنِ فَلَه اَنْ يُرَاجِعَهَا فِي عِدَّتِهَا رَضِيَتِ الْمَرْاَةُ بِذَالِکَ اَوْ لَمْ تَرْضَ۔

ترجمہ:۔اور اگر شوہر نے اپنی (مدخول بہا) بیوی کو ایک طلاق رجعی یا دو طلاق رجعی دیدی تو شوہر کو اختیار ہے کہ وہ اس عورت کو اس کی عدت کے اندر مراجعت کرلے خواہ عورت اس پر راضی ہو یا نہ ہو۔

تشریح:۔(۱)اگر شوہر نے اپنی مدخول بہا بیوی کو ایک طلاق رجعی یا دو طلاق رجعی دیدی تو شوہر کو اختیار ہے کہ وہ اس عورت کو اس کی عدت کے اندر مراجعت کرلے خواہ عورت اس پر راضی ہو یا نہ ہو کیونکہ زوجیت اب تک باقی ہے اسلئے کہ شوہر اب بھی اس بیوی پر ظہار، ایلاء، لعان اور طلاق واقع کر سکتا ہے اور جب تک عدت باقی ہو زوجین ایک دوسرے کے وارث ہونگے یہ دلیل ہے بقاء زوجیت کی لہذا مرد کیلئے رجعت جائز ہے۔

(۲)وَالرَّجْعَةُ اَنْ يَقُوْلَ لَهَا رَاجَعْتُکِ اَوْ رَاجَعْتُ اِمْرَاَتِيْ اَوْ يَطَاَهَا اَوْ يُقَبِّلَهَا اَوْ يَلْمِسَهَا بِشَهْوَةٍ اَوْ يَنْظُرَ اِلَى فَرْجِهَا بِشَهْوَةٍ۔

ترجمہ:۔اور رجعت یہ ہے کہ مرد عورت سے کہے "راجعتک اور رجعت امراتی" اور یا اس کے ساتھ وطی کرلے یا اس کا بوسہ لے یا اس کو شہوت سے مس کر دے یا اس کی فرج کو شہوت سے دیکھے۔

تشریح:۔(۲)رجعت قول اور فعل ہر دو کے ذریعہ ہوسکتی ہے۔رجعت قولی جیسے شوہر کہے"رَاجَعْتُکِ"(میں نے تجھ سے رجوع کرلی)اگر عورت حاضر ہو۔اور"راجعت امرأتی"(میں نے اپنی بیوی سے رجوع کرلی)اگر عورت غائب ہو۔یہ الفاظ چونکہ رجعت میں صریح ہیں اسلئے محتاج نیت نہیں۔اور رجعت فعلی جیسے مرد کا اس کے ساتھ وطی کرنا،بوسہ لینا،شہوت سے چھونا،اور فرج داخل کو شہوت سے دیکھنا اور ہر وہ عمل جس سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے اس سے رجعت بھی ثابت ہوتی ہے مگر رجعت فعلی چونکہ مکروہ ہے اس لئے اس کے بعد مراجعت قولی مستحب ہے۔

(۳)وَيُسْتَحَبُّ لَه اَنْ يُشْهِدَ على الرَّجْعَةِ شَاهِدَيْنِ (٤)وَاِنْ لَمْ يُشْهِدْ صَحَّتِ الرَّجْعَةُ ۔

ترجمہ:۔اور زوج کیلئے مستحب ہے کہ رجعت پر دو گواہ بنالے اور اگر گواہ نہیں بنائے تو بھی رجعت صحیح ہے۔

تشریح:۔(۳)زوج کیلئے مستحب ہے کہ رجعت پر دو گواہ بنالے یعنی دو مسلمان مردوں سے کہے کہ تم گواہ رہو میں نے اپنی بیوی سے مراجعت کرلی ہے۔(٤)اگر شوہر نے گواہ نہیں بنایا تو بھی رجعت صحیح ہے کیونکہ رجعت نکاح کو برقرار رکھنے کا نام ہے اور نکاح کو برقرار رکھنے کیلئے شہادت شرط نہیں لہذا رجعت کیلئے بھی شہادت شرط نہیں ہوگی۔

(۵)وَاِذَا انْقَضَتِ الْعِدَّةُ فَقَالَ قَدْ كُنْتُ رَاجَعْتُهَا فِي الْعِدَّةِ فَصَدَّقَتْه فَهِيَ رَجْعَةٌ (٦)وَاِنْ كَذَّبَتْه فَالقَوْلُ قَوْلُهَا (۷)وَلا يَمِيْنَ عَلَيْهَا عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَه اللّٰه (۸)واِذَاقَالَ الزَّوْجُ قَدْ رَاجَعْتُكِ فَقَالَتْ مُجِيْبَةً لَه قَدْ انْقَضَتْ عِدَّتِيْ لَمْ يَصِحَّ الرَّجْعَةُ عِنْدَ اَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَه اللّٰه۔

ترجمہ:۔اور اگر عدت گذر جانے کے بعد شوہر نے کہا میں بیوی سے عدت میں مراجعت کر چکا ہوں اور عورت نے زوج کی تصدیق کرلی تو رجعت ثابت ہوجائے گی اور اگر عورت نے تکذیب کرلی تو عورت کا قول معتبر ہوگا (اور عورت کے انکار کی صورت میں) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عورت پر قسم نہیں اور اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا میں تجھ سے رجعت کر چکا ہوں عورت نے متصلا جواب دیتے ہوئے کہا میری عدت گذر گئی ہے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک رجعت صحیح نہیں ہوگی۔

تشریح:۔(۵)اگر عدت گذر جانے کے بعد شوہر نے اپنی بیوی سے کہا میں تجھ سے عدت میں مراجعت کر چکا ہوں اور عورت نے زوج کی تصدیق کرلی تو رجعت ثابت ہوجائے گی۔(٦)اگر عورت نے تکذیب کرلی تو عورت کا قول معتبر ہوگا وجہ یہ ہے کہ شوہر نے ایسی چیز کی خبر دی ہے جس کا انشاء وہ فی الحال نہیں کرسکتا تو وہ اس میں متہم ہوگا مگر چونکہ عورت کے تصدیق کردینے سے تہمت دور ہوجاتی ہے اسلئے بصورت تصدیق رجعت ثابت ہوجائے گی۔

(۷) عورت کے انکار کی صورت میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عورت پر قسم نہیں اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک عورت کو قسم دی جائی گی۔یہ ان آٹھ مسائل میں سے ہے جن میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک استحلاف نہیں (امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے)۔

(۸)اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا میں تجھ سے رجعت کر چکا ہوں عورت نے متصلا جواب دیتے ہوئے کہا میری عدت گذر گئی

ہےتو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک رجعت صحیح نہیں ہوگی کیونکہ عورت انقضاء عدت کی خبر دینے میں امینہ ہے۔

(۹)وَاِذَا قَالَ زَوْجُ الْاَمَةِ بَعْدَ اِنْقِضَاءِ عِدَّتِهَا قَدْ كُنْتُ رَاجَعْتُكِ فِي الْعِدَّةِ فَصَدَّقَهُ الْمَوْلٰى وَ كَذَّبَتْهُ الْاَمَةُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ۔

ترجمہ:۔اور اگر باندی کے شوہر نے اسکی عدت گذرنے کے بعد کہا کہ میں تجھ سے عدت میں رجعت کر چکا ہوں باندی کے مولیٰ نے اسکی تصدیق کی اور خود باندی نے اسکو جھٹلایا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک باندی کا قول معتبر ہوگا۔

تشریح:۔(۹)اگر باندی کے شوہر نے اسکی عدت گذرنے کے بعد کہا کہ میں تجھ سے عدت میں رجعت کر چکا ہوں باندی کے مولیٰ نے اسکی تصدیق کی اور خود باندی نے اسکو جھٹلایا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک باندی کا قول معتبر ہوگا۔صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک مولیٰ کا قول معتبر ہے۔

صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ عدت گذر جانے کے بعد منافع بضع مولیٰ کے مملوک ہیں پس شوہر کیلئے منافع بضع کا اقرار خالص اپنے حق کا اقرار کرنا ہے تو یہ ایسا ہے جیسا کہ مولیٰ اپنی باندی پر نکاح کا اقرار کرے مثلاً کہا کہ میں نے اپنی باندی کا فلاں سے نکاح کر دیا تو اس اقرار میں مولیٰ کا قول معتبر ہوگا۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ رجعت کا حکم بقاء عدت اور انقضاء عدت پر مبنی ہے اور عدت کی بقاء اور عدم بقاء میں عورت کا قول معتبر ہے پس جو چیز عدت پر مبنی ہوگی یعنی رجعت اس میں بھی عورت ہی کا قول معتبر ہوگا (امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے)۔

(۱۰)وَاِذَا انْقَطَعَ الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ الثَّالِثَةِ لِعَشَرَةِ اَيَّامٍ انْقَطَعَتِ الرَّجْعَةُ وَانْقَضَتْ عِدَّتُهَا وَاِنْ لَمْ تَغْتَسِلْ (۱۱)وَاِنْ انْقَطَعَ الدَّمُ لِاَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ اَيَّامٍ لَمْ تَنْقَطِعِ الرَّجْعَةُ حَتّٰى تَغْتَسِلَ اَوْيَمْضِيَ عَلَيْهَاوَقْتُ صَلٰوةٍ اَوْ تَيَمَّمَ وَتُصَلِّيَ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَاَبِي يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ اِذَا تَيَمَّمَتِ الْمَرْاَةُانْقَطَعَتِ الرَّجْعَةُ وَاِنْ لَمْ تُصَلِّ۔

ترجمہ:۔اور جب تیسرے حیض کا خون دس دن پر بند ہو جائے تو رجعت ختم ہو جائے گی اور عدت پوری ہو جائیگی اگر چہ غسل نہ کرے اور اگر خون دس دن سے کم پر بند ہوا تو رجعت منقطع نہ ہوگی یہاں تک کہ غسل کر لے یا ایک نماز کا وقت گذر جائے یا تیمم کر کے نماز پڑھ لے یہ شیخین رحمہما اللہ کا مسلک ہے اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب عورت تیمم کر لے تو رجعت ختم ہو جائے گی اگر چہ نماز نہ پڑھے۔

تشریح:۔(۱۰)اگر پورے دس روز پر آزاد عورت کے تیسرے حیض اور باندی کے دوسرے حیض سے خون منقطع ہو گیا تو رجعت منقطع ہو گئی اور عورت کی عدت ختم ہو گئی اگر چہ عورت نے غسل نہیں کیا ہو۔(۱۱)اگر دس روز سے کم میں خون منقطع ہوا ہے تو محض خون منقطع ہونے سے رجعت منقطع نہیں ہوگی یہاں تک کہ وہ عورت غسل کر لے یا اس پر نماز کا وقت گذر جائے۔کیونکہ رجعت کا منقطع ہونا موقوف ہے عدت کے گذر جانے پر اور عدت کا گذر جانا موقوف ہے تیسرے حیض سے فارغ ہونے پر اور تیسرے حیض سے فارغ ہونا موقوف ہے حصول طہارت پر۔پس اگر ایام حیض پورے دس دن ہیں تو طہارت محض انقطاع دم سے حاصل ہو جائے گی اس لئے کہ حیض دس دن

سے زیادتی کا احتمال نہیں رکھتا لہذا دس دن پورے ہونے کی صورت میں محض خون کے منقطع ہونے سے اس عورت کو حیض سے فراغت ہوجائے گی اور اسکی عدت بھی گذر گئی اور رجعت کا حکم بھی منقطع ہوگیا خواہ غسل کرے یا نہ کرے۔اور دس دن سے کم میں اگر تیسرے حیض کا خون منقطع ہوگیا تو چونکہ اس صورت میں خون کے لوٹ آنے کا احتمال ہے اسلئے ضروری ہے کہ انقطاع دم کے حکم کو قوت دی جائے غسل کر لینے کے ساتھ اور یا پاک عورتوں کے احکام میں سے کوئی حکم اس پر لازم ہونے کے ساتھ مثلاً جب اس عورت پر نماز کا وقت گذر گیا تو نماز اس کے ذمہ دین ہوگئی اور یہ پاک عورتوں کے احکام میں سے ہے۔

اگر معتدہ رجعیہ کے تیسرے حیض کا خون دس دن سے کم میں منقطع ہوگیا پھر بوجہ عذر اس عورت نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی خواہ فرض ہو یا نفل تو شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک استحساناً رجعت منقطع ہوگئی یعنی انقطاع رجعت تیمم اور نماز دونوں سے ہوگا۔امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک محض تیمم کر لینے سے بھی رجعت منقطع ہوگی۔

امام محمد رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ بوقت عذر تیمم طہارت مطلقہ ہے چنانچہ تیمم سے وہ تمام احکام ثابت ہوتے ہیں جو غسل سے ثابت ہوتے ہیں لہذا جو حکم غسل کا ہے وہی تیمم کا بھی ہوگا۔

شیخین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ تیمم درحقیقت ملوّث ہے نہ کہ مطہر لیکن شریعت نے بناء برضرورت (تا کہ واجبات اسکے ذمہ کئی گنا نہ ہوں) اسکے مطہر ہونے کا اعتبار کیا ہے پس ضرورت اداء صلوٰۃ کے وقت متحقق ہوگی نہ کہ اس سے پہلے لہذا بغیر اداء صلوٰۃ کے طہارت کا اعتبار نہ ہوگا (امام محمدؒ کا قول راجح ہے)۔

(۱۲) وَاِنْ اِغْتَسَلَتْ وَنَسِيَتْ شَيْئًا مِنْ بَدَنِهَا لم يُصِبْهُ الْمَاءُ فَاِنْ كَانَ عُضْوًا كَامِلًا فَمَا فَوْقَه لم تَنْقَطِعِ الرَّجْعَةُ (۱۳) وَاِنْ كَانَ اَقَلَّ مِنْ عُضْوٍ اِنْقَطَعَتِ الرَّجْعَةُ۔

ترجمہ:۔اور (اگر دس دن سے کم میں خون منقطع ہونے کے بعد) عورت نے غسل کیا اور بدن کا کچھ حصہ بھول گئی جس پر پانی نہیں بہا تو اگر وہ حصہ ایک عضو کامل یا اس سے بڑھ کر ہو تو رجعت منقطع نہیں ہوگی اور اگر وہ حصہ ایک عضو سے کم ہو تو رجعت منقطع ہوجائے گی۔

تشریح:۔(۱۲) اگر دس دن سے کم میں خون منقطع ہونے کے بعد عورت نے غسل کیا اور بدن کا کچھ حصہ بھول گئی جس پر پانی نہیں بہا تو اگر وہ حصہ ایک عضو یا اس سے بڑھ کر ہو تو رجعت منقطع نہیں ہوگی کیونکہ غسل نہ ہونے کی وجہ سے عدت باقی ہے۔(۱۳) اگر وہ حصہ ایک عضو سے کم ہو تو رجعت منقطع ہوجائے گی یہ حکم استحساناً ہے۔وجہ استحسان عضو کامل اور مادون العضو میں وجہ فرق ہے کہ عضو سے کم قلت کی وجہ سے جلد خشک ہوجاتا ہے تو اس حصہ تک پانی نہ پہنچنے کا یقین نہیں ہوسکتا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس حصہ کو دھویا ہو مگر جلدی خشک ہوگیا ہو اسلئے ہم نے احتیاط پر عمل کرتے ہوئے کہا کہ رجعت کا حکم منقطع ہوگیا اسکے برخلاف اگر عضو کامل خشک رہا تو رجعت کا حکم منقطع نہیں ہوگا کیونکہ عضو کامل جلد خشک نہیں ہوتا اور عادتاً عضو کامل سے انسان غافل بھی نہیں رہتا لہذا یہی کہا جائیگا کہ ابھی تک اس حصہ کو دھویا نہیں گیا اور جب ایسا ہے تو غسل نامکمل ہونے کی وجہ سے عدت باقی ہے۔

(۱۴)وَالْمُطَلَّقَةُ الرَّجْعِيَّةُ تَتَشَوَّفُ وَتَتَزَيَّنُ (۱۵)وَيُسْتَحَبُّ لِزَوْجِهَااَنْ لا يَدْخُلَ عَلَيْهَا حَتّٰى يَسْتَاذِنَهَااَوْ يُسْمِعَهَاخَفْقَ نَعْلَيْهِ۔

ترجمه:۔اور جس عورت کوطلاق رجعی دی گئی ہواسکو چاہئے کہ وہ (اپنے زوج کیلئے) خودکو آراستہ اور مزیّن کردے اوراسکے شوہر کیلئے مستحب یہ ہے کہ عورت پر داخل نہ ہو یہاں تک کہ اس سے اجازت لے یا جوتوں کی آہٹ سنائے۔

تشریح:۔(۱۴) جس عورت کوطلاق رجعی دی گئی ہواسکو چاہئے کہ وہ اپنے زوج کیلئے خودکو آراستہ اور مزیّن کردے کیونکہ ان کے درمیان زوجیت قائم ہے اور رجعت مستحب ہے تزیّن اسکا داعی ہے۔(۱۵) اسکے شوہر کا اگر ارادہ مراجعت نہ ہوتو اس کیلئے مستحب یہ ہے کہ عورت کو اطلاع دئے بغیر یا جوتوں کی آہٹ سنائے بغیر عورت کے پاس نہ جائے کیونکہ عورت بسا اوقات گھر میں برہنہ ہوجاتی ہے تو شوہر کی نظر ایسی جگہ پر پڑھ سکتی ہے جس سے رجعت ثابت ہوجائے گی پھر طلاق دینا پڑیگا تو بلا وجہ عورت کی عدت طویل ہوجائے گی۔

(۱۶)وَالطَّلاقُ الرَّجْعِيُّ لايُحَرِّمُ الْوَطْيَ (۱۷)وَاِنْ كَانَ طَلاقًا بَائِناً دُوْنَ الثَّلٰثِ فَلَه اَنْ يَتَزَوَّجَهَافِي عِدَّتِهَاوبَعْدَ اِنْقِضَاءِ عِدَّتِهَا۔

ترجمه:۔اور طلاق رجعی وطی کو حرام نہیں کرتی اور اگر شوہر نے تین سے کم (ایک یا دو) طلاق بائن دی ہوتو شوہر کو اختیار ہے چاہے تو اس معتدہ سے عدت میں نکاح کرلے یا اس کی عدت گذرنے کے بعد۔

تشریح:۔(۱۶) طلاق رجعی وطی کو حرام نہیں کرتی کیونکہ طلاق رجعی مِلکِ نکاح کو زائل نہیں کرتی یہی وجہ ہے کہ عورت کی رضامندی کے بغیر مرد اس سے مراجعت کرسکتا ہے۔(۱۷) اگر شوہر نے تین سے کم ایک یا دو طلاق بائن دی ہوتو شوہر کو اختیار ہے چاہے تو اس معتدہ سے عدت میں نکاح کرلے یا بعد از عدت کیونکہ عورت محلِ نکاح ہے اور حلتِ محل اب تک باقی ہے کیونکہ حلت کا زوال تیسری طلاق پر معلق ہے اور معلق بالشرط وجودِ شرط سے پہلے معدوم ہوتا ہے پس جب حلتِ محل ثابت ہوگئی تو شوہر کیلئے نکاح کرنا بھی حلال ہوگا۔

(۱۸)وَلَوْ كَانَ الطَّلاقُ ثَلاثًا فِي الْحُرَّةِ اَوْ اِثْنَيْنِ فِي الْاَمَةِ لَمْ تَحِلَّ لَه حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَه نِكَاحاً صَحِيْحاًوَيَدْخُلَ بِها ثم يُطَلِّقَهَااَوْ يَمُوْتَ عَنْهَا(۱۹)وَالصَّبِيُّ الْمُرَاهِقُ فِي التَّحْلِيْلِ كَالْبَالِغِ (۲۰)وَوَطْيُ الْمَوْلٰى اَمَتَه لايُحِلُّهَا۔

ترجمه:۔اور اگر تین طلاقیں دی ہو آزاد عورت کو یا دو طلاقیں دی ہو باندی کو تو یہ عورت شوہر کیلئے حلال نہیں ہوگی یہاں تک کہ وہ دوسرے شوہر سے صحیح نکاح کرلے اور وہ اسکے ساتھ دخول کرلے پھر وہ اسکو طلاق دیدے یا اس سے مرجائے اور مراہق بچہ تحلیل میں بالغ کی طرح ہے اور مولیٰ کا (مطلقہ) لونڈی سے وطی کرنا اس لونڈی کو حلال نہیں کرتا۔

تشریح:۔(۱۸) اگر شوہر نے اپنی آزاد بیوی کو تین طلاقیں دی یا منکوحہ باندی کو دو طلاقیں دی تو یہ عورت شوہر کیلئے حلال نہیں ہوگی یہاں تک کہ وہ دوسرے شوہر سے صحیح نکاح کرلے اور وہ اسکے ساتھ دخول کرلے پھر وہ اسکو طلاق دیدے یا مرجائے اور عورت عدت گذاردے لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى ﴿فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلاتَحِلُّ لَه مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَه﴾ (یعنی پھر دو طلاق

کے بعد اگر شوہر تیسری طلاق دیدے تو مطلقہ اس شوہر کے لئے حلال نہیں یہاں تک کہ دوسرے شوہر سے نکاح کرلے)۔اور نکاح کرنے سے مراد دوسرے شوہر کا اس کے ساتھ وطی کرنا ہے۔

(۱۹) مراہق (وَهُوَ الَّذِیْ تَتَحَرَّکُ آلَتُه وَتَشْتَهِیْ وَقَدْرُه خَمْسُ الْاَئِمَّةِ بِعَشْرٍ سِنِیْنَ) نے اگر مطلقہ ثلاثہ کے ساتھ نکاح کرکے وطی کرلی تو یہ زوج اول کیلئے حلال کرنے میں بالغ کے حکم میں ہے کیونکہ مراہق کے ساتھ نکاح صحیح کرکے وطی پائی گئی اور تحلیل کیلئے یہی شرط ہے انزال شرط نہیں۔

(۲۰) اگر کسی نے اپنی بیوی (جو دوسرے کی لونڈی ہے) کو تین طلاقیں دیدی پھر عدت گذر جانے کے بعد اس باندی کے مولیٰ نے اس سے وطی کرلی تو یہ عورت زوج اول کیلئے حلال نہیں ہوگی کیونکہ زوج کا وطی کرنے کی شرط نص سے ثابت ہے وھو قولہ تعالیٰ ﴿حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجاً غَیْرَہ﴾ اور مولیٰ زوج نہیں۔

الغاز:۔ای مطلقة ثلاثا دخل بها الثانی ولم تحل؟

فقل:۔اذا کان العقد فاسدًا۔(الاشباہ والنظائر)

(۲۱) وَاِذَا تَزَوَّجَهَا بِشَرْطِ التَّحْلِیْلِ فَالنِّکَاحُ مَکْرُوْهٌ (۲۲) فَاِنْ طَلَّقَهَا بَعْدَ وَطْئِهَا حَلَّتْ لِلْاَوَّلِ۔

ترجمہ:۔ اور اگر کسی نے اس کے ساتھ (جس کو تین طلاقیں دی گئی ہوں) بشرط تحلیل نکاح کیا تو یہ نکاح مکروہ ہے اگر اسے طلاق دیدی وطی کے بعد تو زوج اول کیلئے حلال ہوگی۔

تشریح:۔(۲۱) اگر کسی نے دوسرے کی مطلقہ مغلظہ کے ساتھ برائے تحلیل نکاح کیا تو یہ نکاح مکروہ ہے۔(۲۲) لیکن اگر اس نے اس کے ساتھ وطی کرنے کے بعد اسے طلاق دیدی تو زوج اول کیلئے حلال ہو جائے گی کیونکہ نکاح صحیح میں دخول پایا گیا۔اگر چہ وہ صراحۃً کہدے کہ "زَوَّجْتُکِ عَلٰی اَنْ اُحَلِّلَکِ" (یعنی میں نے تجھ سے نکاح کیا اس شرط کے ساتھ کہ تجھ کو زوج اول کیلئے حلال کروں) مگر ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے "لِحَدِیْثِ رَسُوْلِ اللّٰہِ لَعَنَ اللّٰہُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَه" (یعنی اللہ تعالیٰ لعنت کرے حلالہ کرنے والے کو اور جس کے لئے حلالہ کیا گیا)۔

(۲۳) وَاِذَا طَلَّقَ الْحُرَّةَ تَطْلِیْقَةً اَوْ تَطْلِیْقَتَیْنِ وَانْقَضَتْ عِدَّتُهَا وَتَزَوَّجَتْ بِزَوْجٍ آخَرَ فَدَخَلَ بِهَا ثُمَّ عَادَتْ اِلَی الْاَوَّلِ عَادَتْ بِثَلٰثِ تَطْلِیْقَاتٍ وَیَهْدِمُ الزَّوْجُ الثَّانِیْ مَادُوْنَ الثَّلَاثِ کَمَا یَهْدِمُ الثَّلٰثَ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰہُ وَاَبِیْ یُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰہُ وقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰہُ لَا یَهْدِمُ الزَّوْجُ الثَّانِیْ مَادُوْنَ الثَّلٰثِ۔

ترجمہ:۔ اور اگر کسی نے اپنی آزاد بیوی کو ایک یا دو طلاقیں دیں اور اس نے اپنی عدت گذار دی اور دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کیا اور دوسرے شوہر نے اسکے ساتھ دخول کیا پھر پہلے شوہر کی طرف لوٹ آئی تو یہ عورت (پہلے شوہر کے پاس) تین طلاقوں کے ساتھ واپس آئیگی شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک زوج ثانی تین طلاقوں سے کم اسی طرح منہدم کر دیتا ہے جس طرح کہ تین کو منہدم کر دیتا ہے اور امام محمد

رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زوج ثانی تین طلاقوں سے کم کو منہدم نہیں کرتا۔

تشریح :۔(۲۳) اگر کسی نے اپنی آزاد بیوی کو ایک یا دو طلاقیں دیں عورت نے عدت گذار دی بعد از عدت اس نے دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کیا اور دوسرے شوہر نے بھی طلاق دیدی عورت نے عدت گذار کر پھر پہلے شوہر کے ساتھ نکاح کیا تو یہ عورت پہلے شوہر کے پاس تین طلاقوں کے ساتھ واپس آئیگی یعنی زوج اول از سر نو تین طلاقوں کا مالک ہوگا۔

شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک زوج ثانی تین طلاقوں سے کم اسی طرح منہدم کردیتا ہے جس طرح کہ تین کو منہدم کردیتا ہے کیونکہ جب تین کو منہدم کردیتا ہے تو تین سے کم کو تو بطریقہ اولیٰ منہدم کریگا۔امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک زوج ثانی تین طلاقوں سے کم کو منہدم نہیں کرتا بلکہ یہ عورت اگر زوج اول کی طرف لوٹ آئی تو وہ باقی من الثلاث کا مالک رہیگا (امام محمدؒ کا قول راجح ہے)۔

(۲۴) وَاِذَا طَلَّقَهَا ثَلَاثاً فَقَالَتْ قَدْ اِنْقَضَتْ عِدَّتِيْ وَتَزَوَّجتُ بِزَوْجٍ آخَرَ وَدَخَلَ بِيْ الزَّوْجُ الثَّانِيْ وَطَلَّقَنِيْ وَانْقَضَتْ عِدَّتِيْ وَالْمُدَّةُ تَحْتَمِلُ ذَالِكَ جَازَ لِلزَّوْجِ الْاَوَّلِ اَنْ يُصَدِّقَهَا اِذَا كَانَ غَالِبُ ظَنِّهٖ اَنَّهَا صَادِقَةٌ۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں پھر عورت نے کہا کہ میری عدت گذر گئی اور میں نے دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کیا اس نے میرے ساتھ دخول کیا اور مجھ کو طلاق دیدی اور میری عدت پوری ہوگئی اور حال یہ کہ یہ مدت ان سب باتوں کا احتمال بھی رکھتی ہے تو پہلے شوہر کیلئے جائز ہے کہ وہ اس عورت کی تصدیق کرلے بشرطیکہ غالب گمان اس عورت کی سچی ہونے کا ہو۔

تشریح:۔(۲۴) اگر کسی نے اپنی آزاد بیوی کو تین طلاقیں دیں کچھ وقت گذر جانے کے بعد عورت نے کہا کہ میری عدت گذر گئی اور میں نے دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کیا اس نے میرے ساتھ دخول کیا اور مجھ کو طلاق دیدی اور میری عدت بھی پوری ہوگئی اور حال یہ ہے کہ یہ عورت جو مدت بیان کرتی ہے یہ مدت ایسی ہے کہ ان سب باتوں کا احتمال بھی رکھتی ہے تو پہلے شوہر کیلئے جائز ہے کہ وہ اس عورت کی تصدیق کرلے بشرطیکہ غالب گمان اس عورت کی سچی ہونے کا ہو کیونکہ نکاح معاملہ ہے یا امر دینی ہے۔معاملہ تو اس لئے ہے کہ بضع دخول کے وقت متقوم ہوتا ہے۔اور امر دینی اس لئے ہے کہ نکاح کے ساتھ حلت متعلق ہوتی ہے اور ان دونوں میں خبر واحد مقبول ہے۔

كتابُ الايلاء

یہ کتاب ایلاء کے بیان میں ہے۔

"ایلاء" ماخوذ ہے "آلٰی یُوْلِیْ اِیْلَاءً" سے بمعنی قسم کھانا۔اور شرعاً چار ماہ یا زائد اپنی منکوحہ کے پاس نہ جانے کی قسم کھانے کو کہتے ہیں۔کتاب الایلاء کی ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ بیوی کی تحریم چار طریقوں سے ہوتی ہے یعنی طلاق، ایلاء، ظہار، لعان، ان چاروں میں سب سے پہلے طلاق کو ذکر فرمایا کیونکہ طلاق طرق تحریم میں اصل ہے اور اپنے وقت میں مباح ہے پھر ایلاء کو ذکر کیا گیا اسلئے کہ ایلاء اباحت میں طلاق سے قریب تر ہے کیونکہ یہ یمین ہونے کی حیثیت سے مشروع ہے مگر اس میں عورت کے حق وطی کو روکنے کی وجہ سے ظلم کا معنی بھی ہے اس وجہ سے طلاق سے مؤخر کردیا۔

(۱)وَاِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِامْرَأَتِهِ وَاللّٰهِ لَا اَقْرَبُکِ اَوْلَا اَقْرَبُکِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ فَهُوَ مُوْلٍ۔

ترجمہ:۔اور اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا واللہ میں تیرے قریب نہ آونگا یا واللہ میں چار ماہ تک تیرے قریب نہ آونگا تو وہ ایلاء کرنے والا ہو جائیگا۔

تشریح:۔(۱) اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا، واللہ میں تیرے قریب نہ آونگا یا واللہ میں تیرے ساتھ جماع نہیں کرونگا یا واللہ میں چار ماہ تک تیرے قریب نہ آونگا یا اگر میں تیرے قریب آیا تو مجھ پر حج ہے یا میرا غلام آزاد ہے یا تو طلاق ہے تو وہ ایلاء کرنے والا ہو جائیگا لقولہ تعالیٰ ﴿اَلَّذِیْنَ یُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ﴾ (یعنی جولوگ کہ اپنی عورتوں سے ایلاء کرتے ہیں ان کے لئے چار ماہ کا انتظار ہے)۔

(۲)فَاِنْ وَطِئَهَا فِی الْاَرْبَعَةِ الْاَشْهُرِ حَنِثَ فِی یَمِیْنِهٖ وَلَزِمَتْهُ الْكَفَّارَةُ وَسَقَطَ الْاِیْلَاءُ (۳)وَاِنْ لَمْ یَقْرَبْهَا حَتّٰی مَضَتْ اَرْبَعَةُ اَشْهُرٍ بَانَتْ مِنْهُ بِتَطْلِیْقَةٍ وَاحِدَةٍ۔

ترجمہ:۔اور اگر شوہر نے چار ماہ کے اندر اندر اس عورت سے وطی کر لی تو حانث ہوگا اور شوہر پر کفارہ یمین واجب ہوگا اور ایلاء ساقط ہو جائیگا اور اگر شوہر مدت ایلاء میں بیوی کے قریب نہ گیا حتیٰ کہ چار ماہ گذر گئے تو یہ عورت اس سے ایک طلاق کے ساتھ بائنہ ہو جائے گی۔

تشریح:۔(۲) اگر شوہر نے مدت ایلاء یعنی چار ماہ کے اندر اندر اس عورت سے وطی کر لی تو اپنی قسم میں حانث ہو جائیگا محلوف عنہ فعل کے ارتکاب کی وجہ سے اور شوہر پر کفارہ یمین واجب ہوگا اور ایلاء ساقط ہو جائیگا سقوط ایلاء کا مطلب یہ ہے کہ اگر چار ماہ گذر جائیں تو طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ حانث ہونے کی وجہ سے یمین باقی نہیں رہتا اور یمین ہی کا نام ایلاء ہے پس جب یمین باقی نہ رہا تو ایلاء بھی باقی نہ رہیگا۔

(۳) اگر شوہر مدت ایلاء میں بیوی کے قریب نہ گیا حتیٰ کہ چار ماہ گذر گئے تو یہ عورت اس پر ایک طلاق کے ساتھ بائنہ ہو جائے گی کیونکہ شوہر نے عورت کے حق جماع کو روک کر اس پر ظلم کیا پس شریعت نے شوہر کو اس ظلم کا بدلہ اس طرح دیا کہ مدت ایلاء گذر جانے کے بعد نعمت نکاح کو زائل کر دیا۔

(۴)فَاِنْ کَانَ حَلَفَ عَلٰی اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَقَدْ سَقَطَتِ الْیَمِیْنُ (۵)وَاِنْ کَانَ حَلَفَ عَلَی الْاَبَدِ فَالْیَمِیْنُ بَاقِیَةٌ فَاِنْ عَادَ فَتَزَوَّجَهَا عَادَ الْاِیْلَاءُ (۶)فَاِنْ وَطِئَهَا لَزِمَتْهُ الْكَفَّارَةُ وَاِلَّا وَقَعَتْ بِمُضِیِّ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ تَطْلِیْقَةٌ اُخْرٰی (۷)فَاِنْ تَزَوَّجَهَا ثَالِثًا عَادَ الْاِیْلَاءُ وَوَقَعَتْ عَلَیْهَا بِمُضِیِّ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ تَطْلِیْقَةٌ اُخْرٰی (۸)فَاِنْ تَزَوَّجَهَا بَعْدَ زَوْجٍ آخَرَ لَمْ یَقَعْ بِذٰلِکَ الْاِیْلَاءِ طَلَاقٌ وَالْیَمِیْنُ بَاقِیَةٌ (۹)فَاِنْ وَطِئَهَا كَفَّرَ عَنْ یَمِیْنِهٖ (۱۰)فَاِنْ حَلَفَ عَلٰی اَقَلَّ مِنْ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ لَمْ یَكُنْ مُوْلِیًا۔

ترجمہ:۔پس اگر اس نے چار ماہ کی قسم کھائی ہو تو یمین ساقط ہو جائے گی اور اگر ہمیشہ کی قسم کھائی ہو تو یمین باقی رہے گی پھر اگر وہ دوبارہ نکاح کرے تو ایلاء لوٹ آئیگا اگر اس سے وطی کر لی تو شوہر پر کفارہ لازم ہے ورنہ چار ماہ گذرنے پر دوسری طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر سہ بارہ نکاح کرے تو ایلاء لوٹ آئیگا اور چار ماہ گذرنے پر تیسری طلاق واقع ہو جائے گی پھر اگر اس سے زوج ثانی کے بعد نکاح

کرے تو اس ایلاء سے طلاق واقع نہ ہوگی اور قسم باقی رہے گی پس اگر اس سے وطی کرلیا تو قسم کا کفارہ دیگا اور اگر چار ماہ سے کم کی قسم کھائی تو یہ شخص ایلاء کرنے والا نہ ہوگا۔

تشریح:۔(۴) اگر چار ماہ گذر گئے اور شوہر نے عورت کے ساتھ وطی نہیں کی تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ چار ماہ عورت کے قریب نہ جانے کی قسم کھائی تھی۔(۵) دوم یہ کہ ہمیشہ کیلئے قریب نہ جانے کی قسم کھائی تھی پہلی صورت میں چار ماہ گذر جانے پر قسم ساقط ہو جائے گی کیونکہ اس صورت میں قسم چار ماہ کی مدت کے ساتھ موقت تھی لہذا اس مدت کے گذر جانے سے قسم ساقط ہو جائے گی۔

دوسری صورت میں اگر چار ماہ بلا وطی گذر گئے تو عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہوگی اور قسم باقی رہے گی کیونکہ اس صورت میں قسم کسی وقت کیساتھ مقید نہیں لہذا یہ یمین مؤبد ہوگی اور موجب حنث (یعنی وطی) کے نہ پائے جانے کی وجہ سے شوہر حانث بھی نہ ہوا تا کہ یمین مرتفع ہو جاتی لہذا یمین اپنے حال پر باقی رہے گی۔

(۶) اگر بینونت اور عدت گذر جانے کے بعد ایلاء کرنے والے نے پھر اس عورت کے ساتھ نکاح کرلیا تو ایلاء بھی لوٹ آئیگا پس اگر اس نے مدت ایلاء میں وطی کرلی تو قسم ٹوٹ گئی اور قسم کا کفارہ لازم ہوگا اور ایلاء ختم ہو گیا۔ اور اگر وطی نہ کی تو چار ماہ گذر جانے پر دوسری طلاق واقع ہو گئی کیونکہ یمین مطلق عن الوقت ہونے کی وجہ سے ابھی باقی ہے اور نکاح کر لینے کی وجہ سے عورت کا حق ثابت ہو گیا تو ظلم متحقق ہوگا پس طلاق بائن کے ذریعے اس ظلم کو دور کیا جائیگا۔

(۷) پھر اگر تیسری بار اس سے نکاح کیا تو ایلاء پھر لوٹ آئیگا اور چار ماہ گذرنے پر تیسری طلاق واقع ہوگی بشرطیکہ اس مدت میں عورت سے وطی نہ کی ہو۔ دلیل سابق میں گذر چکی کہ قسم مطلق عن الوقت ہونے کی وجہ سے ابھی باقی ہے اور نکاح کر لینے سے عورت کا حق ثابت ہو گیا لہذا ظلم متحقق ہوگا۔(۸) اب چونکہ عورت تین طلاقوں کی وجہ سے مغلظہ ہوگئی تو اگر زوج ثانی سے حلالہ کرانے کے بعد پھر مُولی نے اسکے ساتھ نکاح کیا تو ایلاء باطل ہو گیا کیونکہ ایلاء صرف پہلی ملک کے ساتھ مقید تھا البتہ یمین باقی رہے گی کیونکہ یمین مطلق عن الوقت ہے اور وطی نہ کرنے کی وجہ سے حانث ہونا بھی نہ پایا گیا۔

(۹) پھر اگر اس عورت سے اس نے وطی کرلی تو اپنی قسم کا کفارہ ادا کرلے کیونکہ اب قسم توڑنا پایا گیا۔(۱۰) اگر کسی نے چار ماہ سے کم اپنی بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھائی مثلاً کہا ''وَاللّٰهِ لَا اَقْرَبُكِ شَهْراً اَوْشَهْرَيْنِ اَوْثَلَاثَةَ اَشْهُرٍ '' (واللہ میں تجھ سے ایک ماہ یا دو ماہ یا تین ماہ صحبت نہیں کرونگا) تو یہ شخص ایلاء کرنے والا نہیں ہوگا'' لقول ابن عباس رضی اللّٰه تعالی عنه لَاإِيْلَاءَ فِيْمَادُوْنَ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ '' (یعنی چار ماہ سے کم میں ایلاء نہیں)۔

(۱۱) وَاِنْ حَلَفَ بِحَجٍّ اَوْ بِصَوْمٍ اَوْ بِصَدَقَةٍ اَوْ عِتْقٍ اَوْ طَلَاقٍ فَهُوَ مُوْلٍ (۱۲) وَاِنْ آلٰى مِنَ الْمُطَلَّقَةِ الرَّجْعِيَّةِ كَانَ مُوْلِياً (۱۳) وَاِنْ آلٰى مِنَ الْبَائِنَةِ لَمْ يَكُنْ مُوْلِياً۔

ترجمہ:۔ اور اگر کسی نے حج کی قسم کھائی یا روزہ کی قسم کھائی یا صدقہ کی قسم کھائی یا عتق رقبہ کی قسم کھائی یا طلاق کی قسم کھائی تو یہ شخص مولی

شار ہوگا اور اگر کسی نے اپنی مطلقہ رجعیہ سے ایلاء کیا تو یہ شخص مولی ہوگا اور اگر مطلقہ بائنہ سے ایلاء کیا تو یہ شخص مولی نہ ہوگا۔

تشریح:۔ (۱۱) اگر کسی نے حج کی قسم کھائی مثلاً کہا ''اِنْ قَرِبْتُکِ فَعَلَیَّ حَجُّ الْبَیْتِ'' (اگر میں تجھ سے صحبت کروں تو مجھ پر حج بیت اللہ لازم ہے) یا روزہ کی قسم کھائی یعنی کہا ''اِنْ قَرِبْتُکِ فَعَلَیَّ صَوْمُ سَنَۃٍ'' (اگر میں تجھ سے صحبت کروں تو مجھ پر ایک سال کے روزے لازم ہیں) اور یا صدقہ کی قسم کھائی مثلاً کہا ''اِنْ قَرِبْتُکِ فَعَلَیَّ صَدَقَۃٌ'' (اگر میں تجھ سے صحبت کروں تو مجھ پر صدقہ لازم ہے) یا عتق رقبہ کی قسم کھائی مثلاً کہا ''اِنْ قَرِبْتُکِ فَعَبْدِیْ حُرٌّ'' (اگر میں تجھ سے صحبت کروں تو میرا غلام آزاد ہے) یا طلاق کی قسم کھائی مثلاً کہا ''اِنْ قَرِبْتُکِ فَضَرَّتُکِ طَالِقٌ'' (اگر میں تجھ سے صحبت کروں تو تیری سوتن کو طلاق ہے)۔

تو مذکورہ بالا تمام صورتوں میں یہ شخص مولی شمار ہوگا کیونکہ قسم یعنی شرط و جزاء کے ذکر کی وجہ سے وطی سے رکنا متحقق ہوگیا اور یہ جزائیں یعنی حج، روزہ وغیرہ مانع عن ارتکاب الشرط ہیں کیونکہ ان تمام جزاؤں میں مشقت ہے اس لئے کہ جب شرط کا ارتکاب کریگا تو جزاء یقیناً واقع ہوگی اور وقوع جزاء میں مشقت ہے لہذا اجزاء مانع عن الشرط ہوگی پس ان تمام صورتوں میں عورت کے ساتھ وطی کرنے سے رکنا متحقق ہوگیا اور بیوی کی وطی سے رکنے کا نام ہی ایلاء ہے لہذا ان تمام صورتوں میں ایلاء متحقق ہوگا چنانچہ اگر چار ماہ کی مدت بغیر وطی کے گذر گئی تو اس عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہوجائے گی۔

(۱۲) اگر کسی نے اپنی مطلقہ رجعیہ سے ایلاء کیا تو بقاء زوجیت کی وجہ سے یہ شخص ایلاء کرنے والا شمار ہوگا۔ (۱۳) اگر مطلقہ بائنہ سے ایلاء کیا تو یہ شخص ایلاء کرنے والا نہ ہوگا کیونکہ زوجیت باقی نہیں کیونکہ بعد از بینونت عورت کیلئے وطی کا حق نہیں تو شوہر مانع لحق المراۃ بھی نہیں۔

(۱٤) وَمُدَّۃُ اِیْلاءِ الْاَمَۃِ شَھْرَانِ۔

ترجمہ:۔ اور لونڈی کے ایلاء کی مدت دو ماہ ہیں۔

تشریح:۔ (۱٤) اگر کسی کی بیوی باندی ہو تو اس کے ایلاء کی مدت دو ماہ ہیں کیونکہ مدت ایلاء بائنہ ہونے کیلئے مقرر کی گئی پس رقیت کی وجہ سے آدھی رہ جائے گی جیسے باندی کی عدت کی مدت آزاد عورت کی عدت کی مدت کا نصف ہے۔

(۱۵) فَاِنْ کَانَ الْمُوْلِی مَرِیْضًا لا یَقْدِرُ علی الْجِمَاعِ اَوْ کَانَتِ الْمَرْاَۃُ مَرِیْضَۃً او کَانَتْ رَتْقَاءَ اَوْ صَغِیْرَۃً لا یُجَامَعُ مِثْلُھَا او کَانَتْ بَیْنَھُمَا مَسَافَۃٌ لا یَقْدِرُ اَنْ یَصِلَ اِلَیْھَا فِی مُدَّۃِ الْاِیْلاءِ فَفَیْئُہٗ اَنْ یَقُوْلَ بِلِسَانِہٖ فِئْتُ اِلَیْھَا فَاِنْ قَالَ ذَالِکَ سَقَطَ الْاِیْلاءُ (۱٦) وَاِنْ صَحَّ فِی الْمُدَّۃِ بَطَلَ ذَالِکَ الْفَیْءُ وَصَارَ فَیْئُہٗ الْجِمَاعُ۔

ترجمہ:۔ اور اگر ایلاء کرنے والا مریض ہو جماع پر قادر نہ ہو یا عورت مریضہ ہو یا رتقاء ہو یا چھوٹی ہو کہ اس جیسی سے وطی نہ کی جاسکتی ہو اور یا زوجین میں اتنی دوری ہو کہ شوہر چار ماہ کی مدت میں اس تک نہیں پہنچ سکتا تو اس کا رجوع یہ ہے کہ شوہر زبان سے کہہ دے کہ ''فئت الیھا'' پس اگر اس نے یہ کہا تو ایلاء ساقط ہوجائیگا اور اگر وہ مدت ایلاء میں صحیح ہوا تو یہ رجوع اس کا ساقط ہوجائیگا

اوراب اس کا رجوع یہ ہے کہ جماع کرلے۔

تشریح:۔(۱۵) اگر مولی بوجہ بیماری جماع کرنے پر قادر نہ ہو یا عورت بیمار ہو یا رتقاء ہو (جس کی شرمگاہ ہڈی وغیرہ ابھرنے کی وجہ سے بند ہو) یا چھوٹی ہو جماع کے قابل نہ ہو اور یا زوجین میں اتنی دوری ہو کہ شوہر چار ماہ کی مدت میں اس تک نہیں پہنچ سکتا تو ان تمام صورتوں میں شوہر کو رجوع بالقول کرنے کا اختیار ہے چنانچہ اگر شوہر نے مدت ایلاء میں "فِـئْـتُ اِلَیْهَـا" (میں نے اسکی طرف رجوع کیا) کہا یا کہا "اَبْطَلْتُ الْاِیْلَاءَ" (یعنی میں نے ایلاء باطل کردیا) یا کہا "رَجَعْتُ عَمَّاقُلْتُ" (جو کچھ میں نے کہا تھا اس میں نے رجوع کردیا) تو ایلاء ساقط ہو جائیگا کیونکہ شوہر بوجہ عجز کے عورت کے حق جماع کو روکنے والا ہے اسکا ارادہ ضرر پہنچانے کا نہیں کیونکہ اس وقت عورت کیلئے حق جماع ہی نہیں تھا البتہ زبانی ایلاء کرکے شوہر نے عورت کو وحشت میں مبتلا کردیا اور چونکہ توبہ بحسب الجنایت ہوتی ہے لہذا زبان سے وعدہ کرکے عورت کو راضی کرلینا کافی ہے اور جب زبانی وعدے سے ظلم مرتفع ہوگیا تو عورت پر طلاق واقع کرکے شوہر کو سزا نہیں دی جائے گی۔

(۱۶) اگر یہ شخص مدت ایلاء میں جماع پر قادر ہوگیا تو اسکا زبانی رجوع باطل ہو جائیگا اب جماع کرنے سے رجوع کرنا پڑیگا کیونکہ حصول مقصود بالخلف سے پہلے یہ شخص اصل پر قادر ہوگیا۔

(۱۷) وَاِذَا قَالَ لِاِمْرَاَتِهٖ اَنْتِ عَلَیَّ حَرَامٌ سُئِلَ عَنْ نِیَّتِهٖ فَاِنْ قَالَ اَرَدْتُ الْکِذْبَ فَهُوَ کَمَا قَالَ (۱۸) وَاِنْ قَالَ اَرَدْتُّ بِهِ الطَّلَاقَ فَهِیَ تَطْلِیْقَةٌ بَائِنَةٌ اِلَّا اَنْ یَنْوِیَ الثَّلَاثَ (۱۹) وَاِنْ قَالَ اَرَدْتُّ بِهِ الظِّهَارَ فَهُوَ ظِهَارٌ (۲۰) وَاِنْ قَالَ اَرَدْتُّ بِهِ التَّحْرِیْمَ اَوْ لَمْ اُرِدْ بِهٖ شَیْئًا فَهِیَ یَمِیْنٌ یَصِیْرُ بِهٖ مُوْلِیًا۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا اَنْتِ عَلَیَّ حَرَامٌ تو اس شخص سے نیت دریافت کی جائے پس اگر قائل نے کہا کہ میں نے جھوٹ کا ارادہ کیا ہے تو ایسا ہی ہوگا جیسا کہ وہ کہتا ہے اور اگر نے کہا کہ میں نے طلاق کی نیت کی تھی تو ایک بائن طلاق ہے الا یہ کہ تین طلاقوں کی نیت کی ہو اور اگر کہا کہ میں نے ظہار کی نیت کی تھی تو یہ ظہار ہوگا اور اگر نے کہا کہ میں نے عورت کو حرام کرلینے کی نیت کی ہے یا کچھ بھی ارادہ نہیں کیا ہے تو یہ قسم ہوگی جس کی وجہ سے وہ ایلاء کرنے والا ہو جائیگا۔

تشریح:۔(۱۷) اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا "اَنْتِ عَلَیَّ حَرَامٌ" (تو مجھ پر حرام ہے) تو اس شخص سے نیت دریافت کی جائے کیونکہ اسکا یہ کلام کئی معانی کا احتمال رکھتا ہے کسی ایک معنی کو متعین کرنے کیلئے قائل کی نیت معلوم کی جائے گی چنانچہ اگر قائل نے کہا کہ میں نے جھوٹ کا ارادہ کیا ہے تو ایسا ہی ہوگا جیسا کہ وہ کہتا ہے کیونکہ اس نے اپنے کلام سے حقیقی معنی کا ارادہ کیا ہے کیونکہ یہ عورت اس کیلئے حلال تھی پھر "انت علیّ حرام" کہنا واقع کے مطابق نہیں لہذا جھوٹ ہوگا اور کلام کے حقیقی معنی کی نیت کرنا شرعاً معتبر ہوتا ہے۔لیکن قضاءً اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی کیونکہ یہ ظاہر میں قسم ہے۔

(۱۸) اگر قائل نے کہا کہ میں نے طلاق کی نیت کی تھی تو ایک بائن طلاق واقع ہوگی اور اگر تین طلاقوں کی نیت کی تھی تو تین واقع ہونگی کیونکہ "انت علیّ حرام" الفاظ کنایات میں سے ہے جسکی بحث گذر چکی ہے۔

(۱۹) اگر قائل نے کہا کہ میں نے ظہار کی نیت کی تھی تو شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک یہ ظہار ہوگا اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ظہار نہیں ہوگا۔ امام محمد رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ ظہار حلال عورت کو محرمہ کے ساتھ تشبیہ دینے کو کہتے ہیں لہذا ظہار میں تشبیہ دینا رکن ہے اور یہاں حرف تشبیہ کے نہ ہونے کی وجہ سے تشبیہ موجود نہیں اسلئے ظہار بھی نہیں ہوگا۔

شیخین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ قائل نے اپنے کلام میں لفظ حرمت مطلق ذکر کیا ہے اور ظہار میں بھی حرمت کی ایک نوع ہے اور مطلق میں مقید کا احتمال ہوتا ہے لہذا جب قائل نے محتمل کی نیت کی ہے تو اسکی تصدیق کی جائے گی۔

(۲۰) اگر قائل نے کہا کہ میں نے عورت کو حرام کر لینے کی نیت کی ہے یا کچھ بھی ارادہ نہیں کیا ہے تو یہ قسم ہوگی کیونکہ حلال کو حرام کرنے میں اصل یہ ہے کہ وہ یمین ہو جب یہ ثابت ہوا کہ قائل کا قول یمین ہے تو اسکی وجہ سے وہ مولی ہو جائیگا پس چار ماہ کے اندر اگر وطی کر لی تو قسم کا کفارہ دیگا ورنہ چار مہینے کے بعد عورت ایلاء کی وجہ سے بائنہ ہو جائے گی۔

كتابُ الخُلعِ

یہ کتاب خلع کے بیان میں ہے۔

"خُلع" بضم الخاء (بمعنی اتارنا اور نکال ڈالنا) اسم ہے انکے قول "خَالَعَتِ الْمَرْأَةُ زَوْجَهَا وَاخْتَلَعَتْ مِنْهُ بِمَالِه" کا۔ اور شرعاً عورت سے لفظ خلع کے ساتھ نکاح کے مقابلے میں مال لینے کو کہتے ہیں۔

ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ ایلاء مال سے خالی ہونے کی وجہ سے اقرب الی الطلاق ہے اور خلع میں عورت کی جانب سے مال ہوتا ہے اسلئے طلاق کے متصل بعد ایلاء اور پھر خلع کو ذکر فرمایا ہے۔

(۱) وَاِذَا تَشَاقَ الزَّوْجَانِ وَخَافَا اَنْ لا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلا بَاْسَ اَنْ تَفْتَدِيَ نَفْسَهَا مِنْهُ بِمَالٍ يَخْلَعُهَا بِه (۲) فَاِذَا فَعَلَ ذَالِكَ وَقَعَ بِالْخُلْعِ تَطْلِيْقَةٌ بَائِنَةٌ وَلَزِمَهَا الْمَالُ۔

ترجمہ:۔ اور اگر زوجین باہم جھگڑا کرنے لگیں اور یہ محسوس کر لیں کہ اب اللہ کے حدود قائم نہیں کر سکیں گے تو آپس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ عورت اپنی جان کا اپنے شوہر کو فدیہ دیدے اور شوہر اس مال کے بدلے اسکے کے ساتھ خلع کر لے اور جب شوہر فدیہ لے کر خلع کر دے تو بوجہ خلع عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور عورت پر مال دینا واجب ہوگا۔

تشریح:۔ (۱) اگر زوجین باہم جھگڑا کرنے لگیں اور یہ محسوس کر لیں کہ اب اللہ کے حدود یعنی ایک دوسرے کے حقوق زوجیت ادا نہیں کر سکیں گے تو آپس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ عورت اپنی جان کا اپنے شوہر کو فدیہ دیدے اور شوہر اس مال کے بدلے اسکے کے ساتھ خلع کر لے لقوله تعالیٰ ﴿لا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهِ﴾ (یعنی ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ عورت اسکو فدیہ دیدے)۔ (۲) جب شوہر فدیہ لے کر خلع کر دے تو عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی کیونکہ لفظ خلع کنایات طلاق میں سے ہے اور الفاظ کنایہ کے ساتھ طلاق بائن واقع ہوتی ہے اور عورت پر فدیہ کا مال دینا واجب ہوگا کیونکہ عورت نے خود اسکو قبول کیا ہے۔

(۴)وَإِنْ كَانَ النُّشُوزُ مِنْ قِبَلِه كُرِهَ له اَنْ يَاخُذَ مِنْهَا عِوَضًا (۵)وَإِنْ كَانَ النُّشُوزُ مِنْ قِبَلِهَا كُرِهَ لَه اَنْ يَاخُذَ اَكْثَرَ مِمَّا اَعْطَاهَا(۶)فَإِنْ فَعَلَ ذَالِكَ جَازَ فِي الْقَضَاءِ۔

ترجمہ:۔اوراگر شوہر کی طرف سے نشوز ہوتو شوہر کیلئے عورت سے کچھ عوض لینا مکروہ ہے اوراگر نشوز عورت کی جانب سے ہوتو اس مقدار سے زیادہ لینا مکروہ ہے جو شوہر نے بطور مہر عورت کو دیا ہو اور اگر شوہر نے مقدار مہر سے زیادہ لیا تو قضاءً جائز ہے۔

تشریح:۔(۴) اگر شوہر کی طرف سے نشوز اور نفرت کا اظہار ہو تو شوہر کیلئے عورت سے خلع کا کچھ عوض لینا مکروہ ہے کیونکہ شوہر دوسری بیوی لانے کی نیت سے اس بیوی کو چھوڑ کر وحشت میں ڈال رہا ہے لہذا چھوڑنے کے عوض میں مال لے کر مزید وحشت میں نہ ڈالے۔

(۵) اگر نشوز ونفرت کا اظہار عورت کی جانب سے ہو تو بقدر مہر فدیہ لینا شوہر کیلئے بلا کراہت جائز ہے اس سے زائد لینا مکروہ ہے۔(۶) بہر دو صورت خواہ نشوز عورت کی طرف سے ہو یا زوج کی طرف سے اگر شوہر نے مقدار مہر سے زیادہ لیا تو قضاءً جائز ہے لاطلاق قوله تعالیٰ ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ﴾ (یعنی ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ عورت اسکو فدیہ دیدے)۔

(۷)وَإِنْ طَلَّقَهَا عَلى مَالٍ فَقَبِلَتْ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَلَزِمَهَا الْمَالُ (۸)وكَانَ الطَّلَاقُ بَائِنًا۔

ترجمہ:۔اوراگر شوہر نے اپنی بیوی کو مال پر طلاق دیا اور عورت نے اسکو قبول کیا تو طلاق واقع ہوجائے گی اور عورت کے ذمہ مال لازم ہوگا اور طلاق بائن ہوگی۔

تشریح:۔(۷) اگر شوہر نے اپنی بیوی کو بعوض مال طلاق دی مثلاً کہا "اَنْتِ طَالِقٌ عَلَى اَلْفِ دِرْهَمٍ" (یعنی تجھے طلاق ہے بعوض ہزار درہم) اور عورت نے اسکو قبول کیا تو طلاق واقع ہوجائے گی اور عورت کے ذمہ مال لازم ہوگا کیونکہ طلاق علی مال تصرف معاوضہ ہے اور تصرف معاوضہ متعاوضین کی اہلیت اور محل کی صلاحیت پر موقوف ہوتا ہے یہ دونوں باتیں یہاں موجود ہیں کیونکہ شوہر اہل تصرف ہے اسلئے کہ اسکو فی الحال طلاق یا معلق طلاق دینے کا مستقلاً اختیار حاصل ہے یہاں اس نے طلاق کو عورت کے قبول کرنے پر معلق کیا ہے لہذا اسکا قبول کرنا شرط ہوگا اگر قبول کریگی تو طلاق واقع ہوجائے گی اور اس پر مال لازم ہوگا ورنہ نہیں۔عورت بھی اہل تصرف ہے کیونکہ وہ اپنے ذمہ مال لازم کرنے کی مالک ہے اسلئے کہ اسکو اپنی ذات پر پوری پوری ولایت حاصل ہے۔اور محل میں اس تصرف کی صلاحیت ہے کیونکہ ملک نکاح ایسی چیز ہے جسکا عوض لینا جائز ہے اگرچہ مال نہیں۔(۸) پس اس مال کے عوض جو طلاق واقع ہوگی وہ بائن ہوگی کیونکہ عورت اپنے ذمہ مال اسی وقت قبول کریگی جبکہ اسکا نفس اس کے سپرد کردیا جائے۔

(۹)وَإِنْ بَطَلَ الْعِوَضُ فِي الْخُلْعِ مِثْلُ اَنْ يُخَالِعَ الْمَرْاَةَ الْمُسْلِمَةَ عَلى خَمْرٍ اَوْ خِنْزِيْرٍ فَلَاشَيْءَ لِلزَّوْجِ (۱۰)وَالْفُرْقَةُ بَائِنَةٌ (۱۱)وَإِنْ بَطَلَ الْعِوَضُ فِي الطَّلَاقِ كَانَ رَجْعِيًّا۔

ترجمہ:۔اوراگر خلع میں عوض باطل ہوا مثلاً مسلمان مرد اپنی بیوی سے شراب یا خنزیر پر خلع کرلے تو شوہر کیلئے کچھ نہ ہوگا اور یہ فرقت طلاق بائن ہوگی اور اگر طلاق بالمال میں عوض باطل ہوا تو طلاق رجعی ہوگی۔

تشریح:۔ (۸) اگر خلع میں عوض باطل ہوا مثلاً مسلمان مرد اپنی بیوی سے شراب یا خنزیر یا مردار پر خلع کرلے تو شوہر کیلئے عورت پر کوئی چیز بدلِ خلع کے طور پر واجب نہیں ہوگی۔ (۹) اور یہ فرقت طلاق بائن ہوگی۔ (۱۰) اگر مدخول بہا عورت کو بعوض مال طلاق دی تھی (اور یہ طلاق تیسری طلاق نہیں) اور حال یہ ہے کہ عوض کسی وجہ سے باطل ہے تو عورت پر طلاق رجعی واقع ہوگی اور شوہر کیلئے عورت پر کچھ واجب نہیں ہوگا۔

دونوں صورتوں میں طلاق اسلئے واقع ہوگی کہ عورت کی طلاق کو اس کے قبول کرنے پر معلق کیا گیا ہے اور اس نے قبول بھی کرلیا اور پہلی صورت میں طلاق کا بائن اور دوسری صورت میں رجعی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب دونوں صورتوں میں عوض باطل ہوگیا تو پہلی صورت میں عمل کرنے والا لفظِ خلع ہے اور لفظ خلع الفاظ کنایہ میں سے ہے اور الفاظ کنایہ سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے اور دوسری صورت میں صریح لفظِ طلاق عمل کرنے والا ہے اور صریح لفظ سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے۔

اور دونوں صورتوں میں عورت پر کچھ عوض اس لئے واجب نہیں کہ عوض واجب کرنے کی دو صورتیں ہیں یا تو عورت پر مسمّٰی واجب کردیا جائیگا یا غیر مسمّٰی واجب کیا جائیگا دونوں ممکن نہیں اول تو اسلئے کہ مسلمان شراب وغیرہ نہ کسی کو سپرد کرسکتا ہے اور نہ قبضہ کرسکتا ہے اور ثانی اس لئے صحیح نہیں کہ عورت نے اسکا التزام نہیں کیا ہے۔

(۱۱) وَمَا جَازَ اَنْ يَّكُوْنَ مَهراً فِى النِّكَاحِ جَازَ اَنْ يَّكُوْنَ بَدَلًا فِى الْخُلْعِ۔

ترجمہ:۔ اور جو چیز جائز ہے کہ نکاح میں مہر بنے جائز ہے کہ وہ خلع میں بدلِ خلع بنے۔

تشریح:۔ (۱۱) جو چیز عقدِ نکاح میں مہر بن سکتی ہے وہ بالاتفاق عقدِ خلع میں بدلِ خلع بن سکتی ہے کیونکہ بوقت عقد نکاح بضع متقوم ہے اور بوقت خلع غیر متقوم، لہذا جو چیز بضع متقوم کا عوض بن سکتی ہے وہ بضع غیر متقوم کا بدرجہ اولیٰ عوض ہوسکتی ہے۔

(۱۲) فَاِنْ قَالَتْ لَه خَالِعْنِىْ عَلٰى ما فِى يَدِىْ فَخَالَعَهَا وَلم يَكُنْ فِي يَدِهَا شَيْئٌ فَلاشَيْئَ لَه عَلَيْهَا (۱۳) وَاِنْ قَالَتْ خَالِعْنِىْ عَلٰى مَافِى يَدِىْ مِنْ مالٍ فَخَالَعَهَا ولم يَكُنْ فِى يَدِهَا شَيْئٌ رَدَّتْ عَلَيْهِ مَهْرَهَا (۱٤) وَاِنْ قَالَتْ خَالِعْنِىْ عَلٰى مافِى يَدِىْ مِنْ دِرَاهِمَ اَوْ مِنَ الدَّرَاهِمِ فَفَعَلَ فَلَمْ يَكُنْ فِى يَدِهَا شَيْئٌ فَعَلَيْهَا ثَلٰثَةُ دَرَاهِمَ۔

ترجمہ:۔ اور اگر عورت نے اپنے شوہر سے کہا مجھ سے خلع کریں اس کے بدلے جو میرے ہاتھ میں ہے پس شوہر نے خلع کردیا اور حال یہ کہ عورت کے ہاتھ میں کچھ نہیں تو شوہر کے لئے عورت پر کوئی چیز واجب نہیں ہوگی اور اگر عورت نے اپنے شوہر سے کہا کہ مجھ سے خلع کریں اس مال پر جو میرے ہاتھ میں ہے پس شوہر نے خلع کیا مگر عورت کے ہاتھ میں کچھ نہیں تھا تو عورت شوہر کو اپنا مہر واپس کریگی اور اگر عورت نے کہا مجھ سے خلع کر اس کے بدلے جو میرے ہاتھ ہے عام یا خاص درہموں میں سے اور شوہر نے ایسا کرلیا مگر عورت کے ہاتھ میں کچھ نہ تھا تو عورت پر تین دراہم واجب ہونگے۔

تشریح:۔ (۱۲) اگر عورت نے اپنے شوہر سے کہا جو کچھ میرے ہاتھ میں ہے اس پر مجھ سے خلع کر پس شوہر نے خلع کردیا اور حال یہ

ہے کہ عورت کے ہاتھ میں کچھ نہیں تو عورت پر کوئی چیز واجب نہیں ہوگی کیونکہ عورت نے اپنے قول میں مال کا ذکر نہیں کیا ہے لہذا جب ہاتھ میں کچھ نہیں تو شوہر کو دھوکہ دینے والی شمار نہ ہوگی تو کسی شی کی ضامن بھی نہ ہوگی۔

(۱۳) اگر عورت نے اپنے شوہر سے کہا کہ میرے ہاتھ میں جو مال ہے اس پر مجھ سے خلع کر پس شوہر نے خلع کر دیا مگر عورت کے ہاتھ میں کچھ نہیں تھا تو اس صورت میں عورت شوہر کو مقدار مہر واپس کریگی کیونکہ عورت نے اپنے قول میں مال ذکر کیا ہے اسلئے شوہر بغیر عوض ملکِ نکاح زائل کرنے پر راضی نہیں ہوگا۔

اور شوہر کو عوض دینے کی چار صورتیں ہیں۔(۱)۔ مسمّٰی (یعنی ما فی یدھا)۔(۲)۔ اسکی قیمت۔(۳)۔ بضع کی قیمت یعنی مہر مثل۔(۴)۔ مقدار مہر جو عورت اپنے شوہر سے لے چکی ہے۔ اول تین احتمال باطل ہیں کیونکہ مسمّٰی اور اسکی قیمت میں سے ہر ایک مجہول ہے۔ اور بضع کی قیمت یعنی مہر مثل اس وجہ سے واجب نہیں کی جاسکتی ہے کہ حالت خروج میں ملک بضع کی کوئی قیمت نہیں لہذا چوتھا احتمال یعنی مقدار مہر کا واجب کرنا متعین ہوگیا تا کہ شوہر کے ضرر کو دفع کیا جاسکے۔

(۱۴) اگر عورت نے کہا مجھ سے خلع کر ان دراہم پر جو میرے ہاتھ میں ہیں اور شوہر نے خلع کر دیا مگر عورت کے ہاتھ میں کچھ نہ تھا تو اس صورت میں عورت پر تین دراہم واجب ہونگے کیونکہ عورت نے دراہم صیغہ جمع کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اقل جمع تین ہے اسلئے تین دراہم واجب ہونگے۔

(۱۵) وَإِنْ قَالَتْ طَلِّقْنِيْ ثَلاثًا بِأَلْفٍ فَطَلَّقَهَا وَاحِدَةً فَعَلَيْهَا ثُلُثُ الْأَلْفِ (۱۶) وَإِنْ قَالَتْ طَلِّقْنِيْ ثَلٰثًا عَلَى أَلْفٍ فَطَلَّقَهَا وَاحِدَةً فَلاشَيْءَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وقالا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ عَلَيْهَا ثُلُثُ الْأَلْفِ۔

ترجمہ:۔ اور اگر عورت نے کہا مجھے تین طلاقیں ایک ہزار کے بدلے دیدے مگر شوہر نے اسکو ایک طلاق دیدی تو عورت پر ہزار کی ایک تہائی واجب ہوگی اور اگر عورت نے کہا "طلقني ثلثا علی الف" اور شوہر نے ایک طلاق دیدی تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عورت پر کچھ واجب نہ ہوگا اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ عورت پر ہزار کا ایک ثلث واجب ہوگا۔

تشریح:۔(۱۵) اگر عورت نے شوہر سے کہا مجھے تین طلاقیں ایک ہزار کے بدلے دیں مگر شوہر نے اسکو ایک طلاق دیدی تو عورت پر ہزار کی ایک تہائی واجب ہوگی کیونکہ جب عورت نے ایک ہزار کے بدلے تین طلاقوں کا مطالبہ کیا تو گویا ہر ایک طلاق کو ایک ہزار کے تہائی کے عوض طلب کیا کیونکہ لفظ باء عوض پر داخل ہوتی ہے اور عوض معوض پر منقسم ہوتا ہے۔ اور طلاق بائن واقع ہوگی کیونکہ یہ طلاق علی مال ہے اور طلاق علی مال بائن ہوتی ہے۔

(۱۶) اگر عورت نے بالف کے بجائے "علی الف" کہا اور شوہر نے اسکے جواب میں تین کے بجائے ایک طلاق دیدی تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور عورت پر کچھ واجب نہ ہوگا۔ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک ہزار درہم کی ایک تہائی کے عوض ایک طلاق بائن واقع ہوگی کیونکہ طلاق علی مال عقد معاوضہ ہے اور معاوضات میں کلمہ علی، باء کے حکم میں ہے اور باء کا حکم

مسئلہ سابقہ میں گذر گیا۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ کلمہ علی شرط کیلئے ہےاور مشروط شرط کے اجزاء پر منقسم نہیں ہوتا بخلاف الباء۔

(۱۷)وَلَوْ قَالَ الزَّوْجُ طَلِّقِي نَفْسَكِ ثَلاثًا بِالْفٍ اَوْ عَلى اَلْفٍ فَطَلَّقَتْ نَفْسَهَا وَاحِدَةً لم يَقَعْ عَلَيْهَا شَيْ مِنَ الطَّلَاقِ۔

ترجمہ:۔اور اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا ''طلقي نفسک ثلاثا بالف '' یا ''علی الف ''پس عورت نے اپنے نفس پر ایک طلاق واقع کی تو کچھ واقع نہ ہوگی۔

تشریح:۔(۱۸)اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا ''طلقي نفسک ثلاثا بالف '' (تو خود کو ہزار کے عوض تین طلاق دو) یا ''علی الف'' (تو خود کو ہزار پر تین طلاق دو) پس عورت نے اپنے نفس پر ایک طلاق واقع کی تو کچھ واقع نہ ہوگی کیونکہ شوہر اپنی بیوی کی بینونت پر راضی نہیں مگر یہ کہ شوہر کو پورے ایک ہزار سپرد کردئے جائیں۔

(۱۹)وَالْمُبَارَاةُ كَالْخُلْعِ (۲۰)وَالْخُلْعُ وَالْمُبَارَاةُ يُسْقِطَانِ كُلَّ حَقٍّ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الزَّوْجَيْنِ عَلَى الْآخَرِ مِمَّا يَتَعَلَّقُ بِالنِّكَاحِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ الْمُبَارَاةُ تُسْقِطُ وقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ لاتُسْقِطَانِ اِلَّا مَاسَمَّيَا۔

ترجمہ:۔اور مبارأۃ خلع کی طرح ہے اور خلع اور مبارأت ساقط کردیتے ہیں ہر وہ حق کو جو زوجین کے درمیان ہو دوسرے پر جو نکاح سے تعلق رکھتے ہوں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک۔اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں صرف مبارأۃ حق ساقط کردیتا ہے اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں کچھ ساقط نہیں کریں گے مگر وہ جو متعین کرے۔

تشریح:۔(۱۹)یعنی مبارأۃ (مبارأت یہ ہے کہ زوج اپنی بیوی سے کہے کہ میں بعوض ہزار درہم تیرے نکاح سے بری ہوں) خلع کی طرح ہے یعنی دونوں سے طلاق بائن بلانیت واقع ہوتی ہے۔(۲۰)مبارأت وخلع میں سے ہر ایک ایسا ہے کہ زوجین میں سے ہر ایک کو ہر اس حق سے جو نکاح سے متعلق ہے بری کردیتا ہے مثلاً مہر اور نفقہ ماضیہ وغیرہ۔یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ ہر وہ حق جسکو زوجین بیان کرے ساقط ہوگا اسکے علاوہ نہیں۔امام یوسف رحمہ اللہ خلع میں امام محمد رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں اور مبارأت میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں۔

اس اختلاف کا ثمرہ اس مثال سے واضح ہوگا کہ اگر عورت کا مہر ہزار درہم ہے پھر عورت نے اپنے شوہر سے قبل الدخول اپنے مہر میں سے سو درہم پر خلع کیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عورت کیلئے جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر سے کچھ رجوع کرلے۔صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک عورت اپنے شوہر سے چار سو درہم کیلئے رجوع کریگی (تاکہ فرقت قبل الدخول کی وجہ سے عورت کو نصف مہر پہنچ جائے اور صرف اتنا ساقط ہوگا جتنا دونوں نے بیان کیا ہے یعنی سو درہم)۔

اگر عورت نے ہزار پر قبضہ کرکے پھر سو درہم پر خلع کیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک شوہر کیلئے سو درہم کے علاوہ کچھ نہیں ہوگا۔صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک شوہر عورت سے اتنی مقدار کیلئے رجوع کرے کہ نصف مہر کی مقدار شوہر کو پہنچ جائے (یعنی چار سو درہم

عورت سے مزید لے لے) اور اگر مذکورہ بالا صورتوں میں زوجین نے مبارأت کیا تو بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک حکم وہی ہے جو اوپر ذکر ہوا مگر امام یوسف رحمہ اللہ صورت مبارأت میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں۔

كتابُ الظِّهَار

یہ کتاب ظہار کے بیان میں ہے۔

"ظہار" لغۃً مصدر ہے اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہے کہ تو مجھ پر ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ۔ اور شرعاً منکوحہ عورت کو کسی ایسی عورت کے ساتھ تشبیہ دینے کو کہتے ہیں جو اس پر ہمیشہ کیلئے حرام ہو جیسے ماں، بہن، خالہ اور پھوپھی وغیرہ اور خواہ یہ حرمت ابدی نسبی ہو یا رضاعی ہو یا بوجہ مصاہرت کے ہو۔

"کتاب ظہار" کی "خلع" کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ ظہار اور خلع میں سے ہر ایک کی وجہ بظاہر نشوز ہوتی ہے پھر خلع کو ظہار پر اسلئے مقدم کیا ہے کہ خلع میں تحریم زیادہ ہے کیونکہ خلع کی صورت میں نکاح منقطع ہو کر تحریم ثابت ہوتی ہے اور ظہار میں نکاح باقی رہتے ہوئے حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔

ظہار کے لئے شرط یہ ہے کہ مشبہہ عورت نکاح صحیح کے ساتھ منکوحہ ہو پس ام الولد، مدبرہ، قنہ اور مبانہ سے ظہار صحیح نہیں۔ اور ظہار کا اہل وہ شخص ہے جو کفارہ کا اہل ہو حتی کہ ذمی، مجنون اور بچے کا ظہار صحیح نہیں۔

(۱) وَاِذَا قَالَ الزَّوْجُ لِامْرَاَتِهٖ اَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ اُمِّيْ فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْهِ لَايَحِلُّ لَه وَطْؤُهَا وَلَا لَمْسُهَا وَلَا تَقْبِيْلُهَا حَتّٰى يُكَفِّرَ عَنْ ظِهَارِهٖ (۲) فَاِنْ وَطِئَهَا قَبْلَ اَنْ يُكَفِّرَ اِسْتَغْفَرَ اللّٰهَ وَلَا شَيْئَ عليه غَيْرَ الْكَفَّارَةِ الْاُوْلٰى (۳) وَلَا يُعَاوِدُ حَتّٰى يُكَفِّرَ (۴) وَالْعَوْدُ الَّذِيْ تَجِبُ به الْكَفَّارَةُ هوَ اَنْ يَعْزِمَ علٰى وَطْئِهَا۔

ترجمہ:۔ اور اگر زوج نے اپنی بیوی سے "انتِ عليّ كظهر أمي" کہا تو یہ عورت اس پر حرام ہو گئی اب اس مرد کیلئے نہ اسکے ساتھ وطی کرنا حلال ہے اور نہ اس کو چھونا اور نہ اس کا بوسہ لینا حلال ہے یہاں تک کہ شوہر اپنے ظہار کا کفارہ دیدے اور اگر مظاہر نے کفارہ دینے سے پہلے اس عورت سے وطی کر لی تو یہ شخص استغفار کرے اور اس پر کفارہ اولی کے علاوہ کچھ واجب نہیں ہوگا اور اب دوبارہ عود نہ کرے یہاں تک کہ کفارہ دیدے اور وہ عود جس سے کفارہ واجب ہوتا ہے یہ ہے کہ وہ عورت کے ساتھ وطی کرنے کا عزم کر لے۔

تشریح:۔ (۱) اگر کسی مرد نے اپنی بیوی سے "انت علىّ كظهر أمي" کہا تو یہ عورت اس پر حرام ہو گئی اب اس مرد کیلئے نہ اسکے ساتھ وطی کرنا حلال ہے اور نہ چھونا اور نہ بوسہ لینا حلال ہے۔ اور عورت پر بھی مرد کو اپنے اوپر قدرت دینا حرام ہے حتی کہ شوہر اپنے ظہار کا کفارہ دیدے کیونکہ ظہار جنایت ہے اسلئے کہ ظہار کرنا نازیبا اور جھوٹ بات ہے پس اس پر اس شخص کو یہ سزا دینا مناسب ہوگا کہ اسکی بیوی کو اس پر حرام کر دیا جائے تا وقتیکہ کفارہ ادا کر دے اور یہ جرم کفارہ سے دور ہو جاتا ہے۔

(۲) اگر مظاہر نے (ظہار کرنے والے نے) کفارہ دینے سے پہلے اس عورت سے وطی کر لی تو یہ شخص استغفار کرے اور

اس پر کفارہ اولیٰ کے علاوہ کچھ اور واجب نہیں ہوگا۔ (۳) اور اب وطی نہ کرے یہاں تک کہ کفارہ دیدے کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے شخص جس نے ظہار کرکے کفارہ سے پہلے وطی کرلی تھی سے فرمایا تھا "اِسْتَغْفِرِ اللّٰہَ وَلَاتَعُدْ حَتّٰی تُکَفِّرَ" (یعنی اپنے رب سے مغفرت طلب کر اور یہ حرکت دوبارہ نہ کرنا یہاں تک کہ کفارہ دیدے) تو اگر سوا استغفار کوئی اور جبیرہ واجب ہوتی تو حضور ﷺ ضرور اس پر تنبیہ فرماتے۔

(٤) مظاہر پر کفارہ اس وقت واجب ہوتا ہے جب وہ بعد از ظہار اس عورت کے ساتھ وطی کرنے کا عزم کرلے اور اگر ظہار کرنے والا مظاہر عنھا کی حرمت پر راضی ہے اسکے ساتھ وطی کرنے کا عزم نہیں رکھتا تو مظاہر پر کفارہ واجب نہیں ہوگا۔

(۵) وَاِذَا قَالَ اَنْتِ عَلَیَّ کَبَطْنِ اُمِّیْ اَوْ کَفَخِذِهَا اَوْ کَفَرْجِهَا فَهُوَ مُظَاهِرٌ (٦) وَ کَذٰلِکَ اِنْ شَبَّهَهَا بِمَنْ لَایَحِلُّ لَهُ النَّظْرُ اِلَیْهَا عَلٰی سَبِیْلِ التَّابِیْدِ مِنْ مَحَارِمِه مِثْلُ اُخْتِه اَوْ عَمَّتِه اَوْ اُمِّه مِنَ الرَّضَاعَةِ۔

ترجمہ:۔ اور اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا انت علیّ کبطن اُمّی یا کفخذ اُمّی یا کفرج امّی تو یہ شخص مظاہر ہوجائیگا اور اسی طرح اگر کسی نے اپنی بیوی کو اپنے محارم میں سے ایسی عورت کے ساتھ تشبیہ دی جو اس پر اسکو شہوت کے ساتھ دیکھنا دائمی حرام ہو جیسے اسکی بہن یا اس کی پھوپھی یا اس کی رضائی ماں (تو یہ شخص بھی مظاہر ہوجائیگا)۔

تشریح:۔ (۵) اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا انت علیّ کبطن اُمّی یا کفخذ اُمّی یا کفرج امّی (یعنی تو مجھ پر میری ماں کی پیٹ کی طرح ہے یا اسکی ران یا اس کی فرج کی طرح ہے) تو ان تمام صورتوں میں یہ شخص مظاہر ہوجائیگا کیونکہ ظہار کہتے ہیں اپنی بیوی کو محرم ابدیہ کے ساتھ تشبیہ دینا اور یہ معنی ہر ایسے عضو کے ساتھ تشبیہ دینے میں متحقق ہوجائیگا جس کی طرف دیکھنا ناجائز ہو۔

(٦) اگر کسی نے اپنی بیوی کو اپنے محارم میں سے ایسی عورت کے ساتھ تشبیہ دی جو اس پر اسکو شہوت کے ساتھ دیکھنا دائمی حرام ہو مثلاً بہن، پھوپھی، رضائی ماں وغیرہ تو یہ شخص بھی مظاہر ہوجائیگا کیونکہ یہ عورتیں دائمی تحریم میں ماں کی طرح ہیں۔

(۷) وَکَذٰلِکَ اِنْ قَالَ رَاْسُکِ عَلَیَّ کَظَهْرِ اُمِّیْ اَوْ فَرْجُکِ اَوْ وَجْهُکِ اَوْ رَقَبَتُکِ (۸) اَوْ نِصْفُکِ اَوْ ثُلُثُکِ۔

ترجمہ:۔ اور اسی طرح اگر کہا "راسک علی کظهر امی" یا "فرجک علی کظهر امی" یا "وجهک علی کظهر امی" یا "رقبتک علی کظهر امی" یا "نصفک علی کظهر امی" یا "ثلثک کظهر امی" (تو یہ شخص مظاہر ہوجائیگا)۔

تشریح:۔ (۷) اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا "راسک علی کظهر امی او فرجک علی کظهر امی او وجهک علی کظهر امی او رقبتک علی کظهر امی" (یعنی تیرا سر مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح یا تیری فرج مجھ پر میری ماں کی طرح ہے یا تیرا چہرہ مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے یا تیری گردن مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے) تو ان تمام صورتوں میں یہ شخص مظاہر ہوجائیگا کیونکہ ان اعضاء میں سے ہر عضو کے ساتھ پورے بدن کو تعبیر کیا جاتا ہے لہٰذا ان اعضاء کو تشبیہ دینا پوری عورت کو تشبیہ دینے کی طرح ہے۔

(۸) اسی طرح اگر کہا "نصفک علی کظهر امی" یا "ثلثک علی کظهر امی" (یعنی تیرا نصف مجھ پر میری ماں کی

پیٹھ کی طرح ہے یا تیرا ثلث مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے) تو بھی مظاہر ہو جائیگا کیونکہ حکم ظہار پہلے جزء شائع میں ثابت ہوتا ہے پھر تمام بدن کی طرف سرایت کر جاتا ہے۔

(۹)وَاِنْ قَالَ اَنْتِ عَلَيَّ مِثْلَ اُمِّيْ يُرْجَعُ اِلٰى نِيَّتِه فَاِنْ قَالَ اَرَدْتُ بِهِ الْكَرَامَةَ فَهُوَ كَمَا قَالَ (۱۰)وَاِنْ قَالَ اَرَدْتُ الظِّهَارَ فَهُوَ ظِهَارٌ (۱۱)وَاِنْ قَالَ اَرَدْتُ الطَّلَاقَ فهو طَلَاقٌ بَائِنٌ (۱۲)وَاِنْ لَمْ تَكُنْ لَه نِيَّةٌ فَلَيْسَ بِشَيْءٍ۔

ترجمہ:۔اور اگر کہا انت علی کامی یا انت علی مثل امی تو اس شخص کی نیت دریافت کی جائے گی پس اگر اس نے کہا کہ میں نے عزت کا ارادہ کیا تھا تو یہ ایسا ہی ہوگا اور اگر کہا کہ میں نے ظہار کا ارادہ کیا تھا تو یہ ظہار ہو جائیگا اور اگر کہا کہ میں نے طلاق کا ارادہ کیا تھا تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور اگر اس نے کوئی نیت نہیں کی ہو تو یہ کلام لغو ہوگا۔

تشریح:۔(۹)اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا ''انت علی کامی'' یا ''انت علی مثل امی'' (یعنی تو مجھ پر میری ماں کی طرح ہے) تو اس شخص کی نیت دریافت کی جائے گی تا کہ اسکا حکم ظاہر ہو پس اگر اس نے کہا کہ میرا ارادہ یہ تھا کہ تو مستحق اکرام ہونے میں میرے نزدیک میری ماں کی طرح ہے تو یہ ایسا ہی ہوگا اور اس شخص پر کچھ واجب نہ ہوگا کیونکہ تشبیہ کے ذریعہ تعظیم عام رواج ہے۔(۱۰)اور اگر کہا کہ میں نے ظہار کا ارادہ کیا تھا تو یہ ظہار ہو جائیگا کیونکہ پوری ماں کے ساتھ تشبیہ دینے میں ایک عضو کے ساتھ تشبیہ دینا موجود ہے مگر صریح نہیں لہذا نیت کی طرف محتاج ہوگا۔

(۱۱)اگر کہا کہ میں نے طلاق کا ارادہ کیا تھا تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی کیونکہ اس کلام میں بیوی کو ماں کے ساتھ حرمت میں تشبیہ دی ہے تو یہ ایسا ہے گویا کہ شوہر نے اپنی بیوی سے ''انت علیّ حرام'' (تو مجھ پر حرام ہے) کہا اور طلاق کی نیت کی (اور پہلے گذر چکا ہے کہ انت علیّ حرام الفاظ کنایہ میں سے ہے اور لفظ کنایہ سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے)۔

(۱۲)اگر اس شخص نے اس کلام سے کوئی نیت نہیں کی ہو تو یہ کلام شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک لغو ہوگا کیونکہ اس کلام کو تعظیم پر حمل کیا جا سکتا ہے۔امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ کلام عدم نیت کی صورت میں ظہار ہوگا (شیخینؒ کا قول راجح ہے)۔

(۱۳)وَلَا يَكُوْنُ الظِّهَارُ اِلَّا مِنْ زَوْجَتِه (۱۴)فَاِنْ ظَاهَرَ مِنْ اَمَتِه لَمْ يَكُنْ مُظَاهِراً۔

ترجمہ:۔اور ظہار نہیں ہوتا ہے مگر اپنی بیوی سے پس اگر کسی نے اپنی باندی سے ظہار کیا تو یہ شخص مظاہر نہیں ہوگا۔

تشریح:۔(۱۳)یعنی ظہار بیوی کے سوا کسی اور عورت سے نہیں ہوتا۔(۱۴)حتی کہ اگر کسی نے اپنی باندی سے ظہار کیا تو یہ شخص مظاہر نہیں ہوگا کیونکہ آیت کریمہ ﴿وَالَّذِيْنَ يُظَاهِرُوْنَ مِنْ نِّسَائِهِمْ﴾ (یعنی جو لوگ ظہار کرتے ہیں اپنی عورتوں سے) میں النساء سے مراد زوجات ہیں اور مملوکہ باندی زوجہ نہیں کہلاتی ہے۔

(۱۵)وَمَنْ قَالَ لِنِسَائِه اَنْتُنَّ عَلَيَّ كَظَهْرِ اُمِّيْ كَانَ مُظَاهِراً مِنْ جَمَاعَتِهِنَّ (۱۶)وَعَلَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ كَفَّارَةٌ۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی نے اپنی متعدد بیویوں سے کہا ''انتن علیّ کظهر امی'' تو یہ شخص ان سب سے ظہار کرنے والا ہو جائیگا اور اس

شخص پر ان میں سے ہر ایک کیلئے کفارہ واجب ہوگا۔

تشریح:۔(۱۵)اگر کسی نے اپنی متعدد بیویوں سے کہا"انتنّ علیّ کظھر امی "(یعنی تم مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہیں)تو یہ شخص ان سب سے ظہار کرنے والا ہو جائیگا کیونکہ اس نے سب کی طرف ظہار منسوب کیا ہے لہذا تمام سے ظہار ثابت ہوگا جیسے اگر یہ شخص اپنی تمام عورتوں کی طرف طلاق منسوب کرتے ہوئے کہتا"اَنْتُنَّ طَوَالِقُنَّ"(تم طلاق ہوں)تو سب پر طلاق واقع ہو جاتی۔

(۱۶)اور اس شخص پر ہر ایک کیلئے کفارہ واجب ہوگا کیونکہ ظہار کی وجہ سے ہر ایک عورت کے حق میں حرمت ثابت ہوگی اور کفارہ اسلئے ہوتا ہے کہ حرمت کو ختم کردے لہذا جتنی حرمتیں ہونگی اسی قدر کفارے ہونگے۔

(۱۷) كَفَّارَةُ الظِّهَارِ عِتْقُ رَقَبَةٍ فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ فَمَنْ لم يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا (۱۸) كُلّ ذَالِكَ قَبْلَ الْمَسِيْسِ (۱۹) وَيُجْزِئُ فِي ذَالِكَ عِتْقُ الرَّقَبَةِ الْمُسْلِمَةِ وَالْكَافِرَةِ وَالذَّكَرُ وَالْأُنْثَىٰ وَالصَّغِيْرُ وَالْكَبِيْرُ۔

ترجمہ:۔اور کفارہ ظہار یہ ہے کہ مظاہر غلام آزاد کردے اور اگر غلام نہ ہو تو پے درپے دو مہینے روزے رکھے اور اگر اسکی بھی قدرت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا دے اور یہ سب وطی سے پہلے ہونا ضروری ہے اور کافی ہے کفارہ ظہار میں رقبہ آزاد کرنا خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر ہو، مذکر ہو یا مونث، بالغ ہو یا نابالغ۔

تشریح:۔(۱۷)کفارہ ظہار یہ ہے کہ مظاہر بنیت کفارہ غلام آزاد کردے اور اگر غلام کی آزادی پر قدرت نہ ہو تو پے درپے ساٹھ روزے رکھے اور اگر اسکی بھی قدرت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا دے کیونکہ نص قرآن ﴿فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَتَمَاسَّا ذَالِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَتَمَاسَّا فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ذَالِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ﴾(یعنی جو لوگ اپنی عورتوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اپنی کہی ہوئی بات کی تلافی کرنا چاہتے ہیں تو ان کے ذمہ ایک غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے قبل اس کے کہ دونوں میاں بیوی باہم اختلاط کریں اس سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے پھر جس کو غلام یا لونڈی میسر نہ ہو تو اسکے ذمہ لگاتار دو مہینے کے روزے ہیں قبل اسکے کہ دونوں باہم اختلاط کریں پھر جس سے یہ بھی نہ ہو سکیں تو اسکے ذمہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے یہ حکم اس لئے بیان کیا گیا ہے کہ اللہ اور اسکے رسولؐ پر ایمان لے آؤ)اسی ترتیب پر وارد ہوا ہے۔

(۱۸) پھر کفارہ ظہار خواہ بالاعتاق ہو یا بالصیام یا بالاطعام ہر ایک کا وطی سے پہلے ہونا ضروری ہے کیونکہ وطی حرمت کی وجہ سے منہی عنہ ہے تو کفارہ کا وطی سے مقدم ہونا ضروری ہے تا کہ بعد از کفارہ وطی حلال واقع ہو۔

(۱۹) کفارہ ظہار میں مطلقاً رقبہ کو آزاد کرنا کافی ہے خواہ وہ کافر ہو یا مسلمان، مذکر ہو یا مونث، بالغ ہو یا نابالغ کیونکہ لفظ رقبہ ان سب پر بولا جاتا ہے اور آیت کریمہ﴿فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ﴾میں رقبہ مطلق ذکر ہے کسی صفت کے ساتھ مقید نہیں۔

(۲۰) ولایُجزی العَمیاءُ ولا مَقطُوعَةُ الیَدَینِ اَوِ الرِّجلَینِ (۲۱) ویَجُوزُ الاَصَمّ وَالمَقطُوعُ اِحدَی الیَدَینِ وَاِحدَی الرِّجلَینِ مِن خِلافٍ (۲۲) ولا تَجُوزُ مَقطُوعُ اِبهَامَی الیَدَینِ (۲۳) ولایَجُوزُ المَجنُونُ الَّذِی لایَعقِلُ ۔

ترجمہ:۔ اور نہیں کافی ہوگا اندھا اور نہ دونوں ہاتھ یا پاؤں کٹا ہوا اور جائز ہے بہرے غلام کو آزاد کرنا اور دونوں ہاتھوں میں سے ایک کٹا ہوا اور دونوں پاؤں میں سے ایک کٹا ہوا اور نہیں جائز جس کے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے کٹے ہوئے ہوں اور نہیں جائز وہ مجنون جس کو بالکل سمجھ نہ ہو۔

تشریح:۔(۲۰) کفارہ ظہار میں اندھے غلام کو آزاد کرنا جائز نہیں اسی طرح مقطوع الیدین اور مقطوع الرجلین کو آزاد کرنا بھی جائز نہیں کیونکہ ان عیوب کی وجہ سے اسکی جنس منفعت فوت ہو چکی ہے تو یہ حکماً ہلاک شدہ ہے۔

(۲۱) ایسے غلام کو آزاد کرنا جائز ہے جو بہرہ ہو اسی طرح ایسے غلام کو آزاد کرنا بھی جائز ہے جس کا ایک ہاتھ ایک جانب سے اور ایک پاؤں دوسری جانب سے کٹا ہوا ہو کیونکہ انکی جنس منفعت فوت نہیں ہوئی ہے بلکہ مختل ہو گئی ہے اور مختل ہونا مانع نہیں۔

(۲۲) اگر کسی غلام کے ہاتھوں کے دونوں انگوٹھے کٹے ہوئے ہوں تو کفارہ ظہار میں اسکا آزاد کرنا جائز نہ ہوگا کیونکہ انگوٹھوں کے کٹ جانے سے قوت گرفت زائل ہو جاتی ہے جسکی وجہ سے جنس منفعت زائل ہو جاتی ہے اور جس کی جنس منفعت زائل ہو اس کا آزاد کرنا جائز نہیں۔(۲۳) اسی طرح وہ مجنون غلام جس کو عقل بالکل نہ ہو اسکو آزاد کرنا بھی جائز نہ ہوگا کیونکہ اعضاء سے فائدہ اٹھانا بغیر عقل کے ممکن نہیں لہذا یہ بھی فائت المنفعت ہوا اسلئے اس کا آزاد کرنا جائز نہیں۔

(۲۴) ولایَجُوزُ عِتقُ المُدَبَّرِ وَاُمِّ الوَلَدِ وَالمُکَاتَبِ الَّذِی اَدّٰی بَعضَ المَالِ (۲۵) فَاِن اَعتَقَ مُکَاتَباً لم یُؤَدِّ شَیئاً جَازَ (۲۶) فَاِنِ اشتَرٰی اَبَاهُ اَوِ ابنَه وینوِی بِالشِّرَاءِ الکَفَّارَةَ جَازَ عَنهَا۔

ترجمہ:۔ اور نہیں جائز آزاد کرنا مدبر اور ام الولد اور ایسے مکاتب کو جس نے کچھ مال بطور بدل کتابت ادا کیا ہو البتہ اگر ایسا مکاتب آزاد کیا جس نے اب تک کچھ مال کتابت ادا نہیں کیا ہے تو یہ جائز ہے اور اگر مظاہر نے اپنے باپ یا اپنے بیٹے کو خرید لیا اور خریدنے سے نیت کی کفارہ کی تو یہ کفارہ سے کافی ہوگا۔

تشریح:۔(۲۴) کفارۂ ظہار میں مدبر اور ام الولد کو آزاد کرنا جائز نہیں کیونکہ مدبر تدبیر کی وجہ سے اور ام الولد استیلاد کی وجہ سے مستحق حریت ہے پس ان میں رقیت ناقص ہے اسلئے ان کو کفارہ میں آزاد کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح ایسے مکاتب کو آزاد کرنا بھی جائز نہیں جس نے کچھ مال بطور بدل کتابت ادا کیا ہو اور خود کو عاجز نہیں کر دیا ہو کیونکہ بدل کتابت ادا کر کے یہ آزاد ہو جائیگا اور بدل قربت کے معنی کو باطل کر دیتا ہے اسلئے اس کو کفارہ میں آزاد کرنا جائز نہیں۔

(۲۵) البتہ اگر مظاہر نے ایسا مکاتب آزاد کیا جس نے اب تک کچھ مال کتابت ادا نہیں کیا ہے تو یہ جائز ہے کیونکہ اس میں رقیت ہر جانب سے قائم ہے یہی وجہ ہے کہ یہ کتابت انفساخ کو قبول کرتا ہے۔(۲۶) اگر مظاہر نے کفارہ ظہار کی نیت سے اپنے باپ یا

بیٹے کو خریدا تو کفارہ ادا ہو جائیگا کیونکہ یہ اگر چہ ذی رحم محرم ہونے کی وجہ سے آزاد ہو جاتے ہیں مگر اسکی نیت کفارہ سے آزاد کرنے کی ہے اسلئے اس سے کفارہ ادا ہو جائے گا۔

(۲۷) وَاِنْ اَعْتَقَ نِصْفَ عَبْدٍ مُشْتَرَكٍ عَنِ الْكَفَّارَةِ وَضَمِنَ قِيْمَةَ بَاقِيْهِ فَاَعْتَقَه لم يجز عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَه الله وقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ رَحِمَه الله وَمُحَمَّدٌ رَحِمَه الله يُجْزِيْهِ اِنْ كَانَ الْمُعْتِقُ مُوْسِراً وانْ كان مُعْسِراً لم يجز۔

ترجمہ:۔ اور اگر مظاہر نے مشترک غلام کا نصف حصہ بنیت کفارہ آزاد کیا اور باقی ماندہ نصف کی قیمت کا ضامن ہو گیا پھر اس کو آزاد کیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک کافی نہیں ہو گا اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کا ہو گا اگر معتق غنی ہو اور اگر تنگ دست ہو تو کافی نہ ہو گا۔

تشریح:۔ (۲۷) اگر مظاہر نے مشترک غلام کا نصف حصہ بنیت کفارہ آزاد کیا اس حال میں کہ آزاد کرنے والا غنی ہے اور باقی ماندہ نصف کی قیمت کا اپنے شریک کیلئے ضامن ہو گیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس سے کفارہ ظہار ادا نہیں ہو گا اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک اگر معتق غنی ہو تو ادا ہو جائیگا اور اگر تنگ دست ہو تو ادا نہ ہو گا۔

صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ نصف غلام کا تو وہ مالک تھا اور ضمان دیکر اپنے شریک کے حصہ کا بھی مالک ہو گیا تو وہ پورا غلام کو آزاد کرنے والا ہوا اس حال میں کہ وہ غلام اسکی ملک میں ہے۔ البتہ اگر معتق غنی ہے تو یہ اپنے شریک کے حصہ کا ضامن ہو گا تو یہ عتق بعوض ہوا لہذا یہ کفارہ سے کفایت کرتا ہے اور اگر تنگ دست ہے تو غلام سعی کریگا تو یہ عتق بغیر عوض ہونے کی وجہ سے کفارہ سے کفایت نہیں کریگا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ جب مظاہر نے اپنا حصہ آزاد کیا تو شریک کا حصہ اسکی ملک میں ناقص رہ گیا (کیونکہ اب اسکو غلام رکھنا محال ہے یہ آزاد ہو کر رہیگا) اب جب بذریعہ ضمان مظاہر کی ملک میں آئیگا تو ناقص ہو کر آئیگا اور ناقص کی آزادی کفارہ ظہار کیلئے کافی نہیں (امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے)۔

(۲۸) وَاِنْ اَعْتَقَ نِصْفَ عَبْدِه عَنْ كَفَّارَتِه ثُمَّ اَعْتَقَ بَاقِيَهُ عَنْهَا جَازَ (۲۹) وَاِنْ اَعْتَقَ نِصْفَ عَبْدِه عَنْ كَفَّارَتِه ثُمَّ جَامَعَ الَّتِيْ ظَاهَرَ مِنْهَا ثُمَّ اَعْتَقَ بَاقِيَه لم يجز عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَه الله۔

ترجمہ:۔ اور اگر اپنا نصف غلام کفارہ میں آزاد کیا پھر باقی غلام کو بھی کفارہ میں آزاد کیا تو یہ جائز ہے اور اگر آدھا غلام کفارہ میں آزاد کیا پھر مظاہر منھا کے ساتھ وطی کر لی پھر باقی ماندہ غلام کو آزاد کر دیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ اعتاق کافی نہیں۔

تشریح:۔ (۲۸) اگر مظاہر نے اپنا نصف غلام کفارہ میں آزاد کیا پھر باقی غلام کو بھی آزاد کیا تو یہ جائز ہے کیونکہ مظاہر نے دو دفعہ کلام کر کے غلام آزاد کیا ہے تو جو نقصان نصف اخر میں واقع ہوا ہے وہ اسکی ملک میں رہتے ہوئے کفارہ میں آزاد کرنے ہی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے اس قسم کا نقصان ادائے کفارہ کیلئے مانع نہیں۔

(۲۹) اگر مظاہر نے آدھا غلام کفارہ میں آزاد کیا پھر مظاہر منھا کے ساتھ وطی کر لی پھر باقی ماندہ غلام کو آزاد کر دیا تو امام ابوحنیفہ

رحمہ اللہ کے نزدیک یہ اعتاق کافی نہیں اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک کافی ہے۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ اعتاق میں تجزی ہوسکتا ہے (یعنی اگر غلام تھوڑا تھوڑا آزاد کیا تو جتنا آزاد کیا اتنا ہی آزاد ہوگا) اور اعتاق کی شرط یہ ہے کہ جماع سے پہلے ہولقوله تعالیٰ ﴿فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَتَمَاسَّا﴾ (یعنی جولوگ اپنی عورتوں سے ظہار کرتے ہیں.....توان کے ذمہ ایک غلام یالونڈی کا آزاد کرنا ہے قبل اس کے کہ دونوں میاں بیوی باہم اختلاط کریں)۔یہاں نصف کا آزاد کرنا جماع کے بعد پایا گیالہذا یہ جائز نہ ہوگا۔صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک چونکہ اعتاق متجزی نہیں ہوتا اسلئے آدھے غلام کو آزاد کرنا پورے کو آزاد کرنا ہے لہذا صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک پورے غلام کی آزادی جماع سے پہلے پائی گئی اسلئے جائز ہوگا (امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے)۔

(۳۰) وَاِذَا لَمْ يَجِدِ الْمُظَاهِرُ مَا يُعْتِقُه فَكَفَّارَتُه صَوْمُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ وليس فِيهِمَا شَهْرُ رَمَضَانَ ولايَوْمُ الْفِطْرِ ولا يَوْمُ النَّحْرِ ولا اَيَّامُ التَّشْرِيْقِ (۳۱)فَاِنْ جَامَعَ الَّتِيْ ظَاهَرَ مِنْهَا فِي خِلالِ الشَّهْرَيْنِ لَيْلاً عَامِداً اَوْ نَهَاراً نَاسِياً اِسْتَأْنَفَ عِنْدَابِي حَنِيْفَةَ رَحِمَه اللهُ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَه اللهُ (۳۲)وَاِنْ اَفْطَرَ يَوْماً مِنْهُمَا بِعُذْرٍ اَوْ بِغَيْرِ عُذْرٍ اِسْتَأْنَفَ۔

ترجمہ:۔اوراگر مظاہر غلام نہ پائے جس کو آزاد کرے تو کا کفارہ دو مہینے مسلسل روزہ رکھنا ہے بشرطیکہ ان دو ماہ کے دوران ماہ رمضان نہ ہواور یوم عید الفطر نہ ہواور یوم النحر نہ ہواور ایام تشریق نہ ہوں اوراگر مظاہر نے مظاہر منھا سے ان دو ماہ کے درمیان وطی کی خواہ رات میں عمداً ہو یا دن میں سہواً ہو تو طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک یہ شخص از سرِ نو روزے رکھے اوراگر مظاہر نے دو ماہ کے درمیان ایک دن افطار کیا خواہ عذر کی وجہ سے ہو یا بغیر عذر کے ہو تو از سرِ نو روزے رکھے گا۔

تشریح:۔(۳۰)اگر مظاہر ادائیگی کفارہ کیلئے غلام نہیں پارہا تھا یعنی غلام کی آزادی پر قادر نہ ہو تو پھر اس کا کفارہ پے در پے دو ماہ کے روزے ہیں بشرطیکہ ان دو ماہ کے دوران ماہ رمضان نہ ہو کیونکہ رمضان کے روزے ظہار سے واقع نہ ہونگے اور یوم عید الفطر نہ ہواور یوم النحر نہ ہواور تین دن ایام تشریق کے نہ ہوں کیونکہ ان دنوں میں روزہ رکھنا منہی عنہ ہے تو اس سے واجب کامل ادا نہیں ہوسکتا۔اور یہ دو ماہ کے روزے اگر چاند کے حساب سے رکھے تو بہر صورت جائز ہے اگر چہ دونوں مہینے انتیس دن کا ہو۔اوراگر درمیان مہینے سے شروع کیا تو ساٹھ روزے پورے کرنا ضروری ہے اگر انسٹھ روزے رکھنے کے بعد افطار کیا تو از سرِ نو روزے رکھنا ضروری ہوگا۔

(۳۱) اگر مظاہر نے مظاہر منھا سے ان دو ماہ کے درمیان وطی کی خواہ رات میں عمداً ہو یا دن میں سہواً ہو تو طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک یہ شخص از سرِ نو روزے رکھے۔امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک از سرِ نو روزے رکھنے کی ضرورت نہیں۔امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ رات میں عمداً اور دن میں سہواً وطی کرنا مفسد صوم نہیں لہذا یہ وطی روزوں کے پے در پے ہونے سے مانع نہیں اور کفارہ ظہار میں تتابع ہی شرط ہے وہ پایا گیا لہذا اعادہ ضروری نہیں۔

طرفین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ روزے میں دو شرط ہیں ایک یہ کہ وطی سے پہلے ہو دوسری یہ کہ وطی سے خالی ہو اور خلال شہرین میں وطی کرنے کی وجہ سے شرط ثانی نہیں پائی گئی اسلئے اعادہ ضروری ہے۔(۳۲) اگر مظاہر نے دو ماہ کے درمیان ایک دن افطار کیا

خواہ عذر کی وجہ سے ہو یا بغیر عذر کے ہو بہر دو صورت یہ شخص از سر نو روزے رکھے گا کیونکہ روزوں میں تتابع شرط ہے جو کہ فوت ہو گیا حالانکہ یہ شخص تتابع پر قادر بھی ہے (طرفینؒ کا قول راجح ہے)۔

(۳۳)وانْ ظَاهَرَ العَبْدُ لم يُجْزِهِ فِي الكَفَّارَةِ إلَّا الصَّوْمُ (۳۴)فَإنْ أعْتَقَ المَوْلٰى عَنْهُ أوْ أطْعَمَ لَمْ يُجْزِهِ۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی غلام نے ظہار کیا تو نہیں جائز کفارے میں مگر روزہ اور اگر اس کے مولی نے اسکی طرف سے غلام آزاد کیا یا کھانا دیدیا تو بھی کافی نہیں ہوگا۔

تشریح:۔(۳۳) اگر کسی غلام نے اپنی بیوی کے ساتھ ظہار کیا تو اسکا کفارہ صرف روزوں سے ادا ہوگا کیونکہ غلام کی کسی شی پر ملکیت حاصل نہیں لہذا یہ نہ غلام کو آزاد کر کے کفارہ ادا کر سکتا ہے اور نہ کھانا کھلا کر کفارہ ادا کر سکتا ہے۔(۳۴) اگر اس کے مولی نے اسکی طرف سے غلام آزاد کیا یا کھانا دیدیا تو بھی کافی نہیں ہوگا اسلئے کہ یہ غلام مالک ہونے کا اہل نہیں لہذا مولی کے مالک کرنے سے مالک نہیں ہوگا۔

(۳۵)وَإذَا لم يَسْتَطِعِ المُظَاهِرُ الصِّيَامَ أطْعَمَ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا (۳۶)وَيُطْعِمُ كُلَّ مِسْكِيْنٍ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ أوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أوْ شَعِيْرٍ أوْ قِيْمَةَ ذالِكَ (۳۷)فَإنْ غَدَّاهُمْ وَعَشَّاهُمْ جازَ قَلِيْلًا كانَ ما أكَلُوْهُ أوْ كَثِيْرًا (۳۸)وَإنْ أطْعَمَ مِسْكِيْنًا وَاحِدًا سِتِّيْنَ يَوْمًا أجْزَأه (۳۹)وَإنْ أعْطَاه فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ لَمْ يُجْزِهِ إلَّا عَنْ يَوْمِه (۴۰)وإنْ قَرُبَ الَّتِيْ ظَاهَرَ مِنْهَا فِي خِلالِ الإطْعَامِ لم يَسْتَأنِفْ۔

ترجمہ:۔اور اگر مظاہر روزے رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو کفارہ میں ساٹھ مسکینوں کو کھانا دیدے اور ہر مسکین کو ادھا صاع گندم یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو دیدے اور یا اسکی قیمت دیدے اور اگر ساٹھ مسکینوں کو دو وقت یعنی صبح و شام کھانا دیدیا تو بھی جائز ہے خواہ کم ہو جو وہ کھائے یا زیادہ ہو اور اگر ایک مسکین کو ساٹھ دن تک کھانا دیا تو یہ بھی کافی ہے اور اگر ایک مسکین کو ایک ہی روز میں سارا کھانا دیا تو کفایت نہیں کریگا مگر اسی ایک دن سے اور اگر مظاہر نے کفارہ کا کھانا دینے کے درمیان مظاہر منھا سے وطی کر لی تو از سر نو کھانا نہیں دیگا۔

تشریح:۔(۳۵) اگر مظاہر بوجہ مرض یا کبر سنی کے روزے رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو کفارہ میں ساٹھ مسکینوں کو کھانا دیدے۔(۳۶) جس کی صورت یہ ہوگی کہ فطرہ کی طرح ہر مسکین کو ادھا صاع گندم یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو دیدے اور یا اسکی قیمت دیدے کیونکہ مقصود دفع حاجت مسکین ہے اور یہ مقصود قیمت ادا کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے۔

(۳۷) اگر ساٹھ مسکینوں کو دو وقت یعنی صبح و شام کھانا دیدیا تو بھی جائز ہے خواہ وہ کم کھائے یا زیادہ کیونکہ آیت کریمہ میں لفظ اطعام ہے اور اطعام کا حقیقی معنی کھا لینے پر قابو دینا ہے اور صبح و شام کھانا پیش کرنے میں یہ بات حاصل ہو جاتی ہے۔

(۳۸) اگر ایک مسکین کو ساٹھ دن تک کھانا دیا تو کفارہ ادا ہو جائیگا کیونکہ مقصود از کفارہ محتاج کی حاجت کو دور کرنا ہے اور حاجت ہر روز نئی پیدا ہوتی ہے پس دوسرے دن اسی مسکین کو دینا ایسا ہو گیا جیسا کہ دوسرے مسکین کو دیدیا ہو لہذا ساٹھ دن تک ایک مسکین کو کھانا دینا ساٹھ مسکینوں کو کھانا دینے کی طرح ہوگا۔

(۳۹) اگر ایک مسکین کو ایک ہی روز میں سارا کھانا دیا تو صرف ایک دن کیلئے کافی ہوگا کیونکہ تعدد حاجت نہیں۔ (۴۰) اگر مظاہر نے کفارہ کا کھانا دینے کے درمیان مظاہر منھا سے وطی کرلی تو ازسرنو کھانا دینے کی ضرورت نہیں کیونکہ آیت کریمہ میں یہ بیان نہیں کہ کھانا وطی سے پہلے ہو۔

(۴۱) وَمَنْ وَجبَ عَلَيْهِ كَفَّارَتَا ظِهَارٍ فَاعْتَقَ رَقَبَتَيْنِ لا يَنْوِيْ لِاَحَدِهِمَا بِعَيْنِهَا جَازَ عَنْهُمَا (۴۲) وَكَذَالِكَ اِنْ صَامَ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ اَوْ اَطْعَمَ مِائَةً وَّعِشْرِيْنَ مِسْكِيْنًا جَازَ (۴۳) وَاِنْ اَعْتَقَ رَقَبَةً وَاحِدَةً عَنْهُمَا اَوْ صَامَ شَهْرَيْنِ كَانَ لَهُ اَنْ يَجْعَلَ ذَالِكَ عَنْ اَيَّتِهِمَا شَاءَ۔

ترجمہ:۔ اور جس پر ظہار کے دو کفارے واجب ہوئے پس اس نے دونوں کی طرف سے دو غلام آزاد کردئے اور دونوں میں سے کسی ایک معین کی نیت نہیں کی تو یہ دونوں کی طرف سے جائز ہوگا اور اسی طرح اگر چار ماہ روزے رکھ لئے یا ایک سو بیس مسکینوں کو کھانا دیا تو یہ جائز ہے اور اگر اس نے دونوں کی طرف سے ایک غلام آزاد کیا یا دو ماہ روزے رکھے تو اس شخص کو اختیار ہے کہ ان دونوں کفاروں میں سے جس ایک کی طرف سے چاہے مقرر کردے۔

تشریح:۔ (۴۱) اگر کسی پر ظہار کے دو کفارے واجب ہوئے اس نے دونوں کی طرف سے دو غلام آزاد کردئے اور دونوں میں سے کسی ایک کو دو کفاروں میں سے کسی ایک کے لئے معین نہیں کیا (۴۲) یا بلاتعین چار ماہ روزے رکھ لئے یا ایک سو بیس مسکینوں کو کھانا دیا تو یہ جائز ہے کیونکہ جنس متحد ہے معین کرنے والی نیت کی ضرورت نہیں۔ (۴۳) اگر کسی پر دو کفارے واجب ہوں اس نے دونوں کی طرف سے ایک غلام آزاد کیا یا دو ماہ کے لگاتار روزے رکھے تو یہ ایک کفارے کی طرف سے صحیح ہوگا لہٰذا اس شخص کو اختیار ہے کہ ان دونوں کفاروں میں سے جس ایک کی طرف سے چاہے مقرر کردے۔

كتاب اللعان

یہ کتاب لعان کے بیان میں ہے۔

"لعان" مصدر ہے "لاعَنَ" کا لغۃً بمعنی دھتکارنا اور دور کرنا۔ اور شرعاً ایسی چار شہادتوں کو کہتے ہیں جو قسموں کے ساتھ مؤکد ہوں پھر مرد کی شہادتیں مقرون باللعن ہوں اور عورت کی شہادتیں مقرون بالغضب ہوں۔ اور مرد کی شہادتیں مرد کے حق میں قائم مقام حد قذف ہیں اور عورت کی شہادتیں عورت کے حق میں قائم مقام حد زنا ہیں یعنی بعد از لعان مرد پر حد قذف نہیں اور عورت پر حد زنا نہیں۔

"کتاب اللعان" کی "کتاب الظهار" کے ساتھ وجہ مناسبت یہ ہے کہ ظہار و لعان دونوں موجب حرمت ہیں۔ پھر ظہار کو اسلئے مقدم کیا ہے کہ ظہار بنسبت لعان کے اقرب الی الاباحت ہے کیونکہ لعان کو اگر غیر منکوحہ کی طرف منسوب کیا جائے تو موجب حد قذف ہے اور موجب حد محض معصیت ہے۔

لعان کے لئے شرط قیام زوجیت ہے۔ اور سبب مرد کا عورت پر ایسا الزام لگانا ہے جو اجنبیہ میں موجب حد ہو۔ اور رکن لعان

ایسی شہادات ہیں جو مؤکد بالیمین ہوں۔اور حکم لعان بعد از تلاعن حرمت وطی والاستمتاع ہے۔

(۱)وَإِذَا قَذَفَ الرَّجُلُ اِمْرَأتَه بِالزِّنَا وَهُمَا مِنْ أهْلِ الشَّهَادَةِ وَالْمَرْأةُ مِمَّنْ يُحَدُّ قَاذِفُهَا أوْ نَفٰى نَسَبَ وَلَدِهَا وَطَالَبَتْهُ الْمَرْأةُ بِمُوْجَبِ الْقَذْفِ فَعَلَيْهِ اللِّعَانُ (۲)فَإِنْ اِمْتَنَعَ مِنْهُ حَبَسَهُ الْحَاكِمُ حَتّٰى يُلَاعِنَ أوْ يُكَذِّبَ نَفْسَه فَيُحَدُّ (۳)وَإِنْ لَاعَنَ وَجَبَ عَلَيْهَا اللِّعَانُ (۴)فَإِنِ امْتَنَعَتْ حَبَسَهَا الْحَاكِمُ حَتّٰى تُلَاعِنَ أوْ تُصَدِّقَه۔

ترجمہ:۔ اور اگر شوہر نے اپنی بیوی کو زنا کی تہمت لگائی اور وہ دونوں اہل شہادت میں سے ہوں اور عورت ایسی ہو کہ اس کے تہمت لگانے والے کو حد ماری جاتی ہو یا عورت کے بچے کی نفی کرے اور عورت نے اپنے شوہر سے موجب قذف کا مطالبہ کیا تو شوہر پر لعان واجب ہوگا اور اگر شوہر لعان کرنے سے رک جائے تو حاکم اس کو قید کریگا یہاں تک کہ وہ لعان کرے اور یا اپنے آپ کو جھٹلا دے پس اس کو حد لگادی جائے اور اگر شوہر نے لعان کیا تو عورت پر بھی لعان کرنا واجب ہوگا اور اگر عورت لعان کرنے سے رک گئی تو حاکم اس کو قید کریگا یہاں تک کہ وہ لعان کرے یا اپنے شوہر کی تصدیق کردے۔

تشریح:۔ (۱) اگر شوہر نے اپنی بیوی کو زنا کی تہمت لگائی مثلاً کہا تو زانیہ ہے یا میں نے تجھ کو زنی کرتے ہوئے دیکھا یا کہا اے زانیہ یا شوہر نے اپنی بیوی کے بچہ کے نسب کی نفی کی (مثلاً کہا کہ یہ بچہ زنا سے ہے۔یا یہ بچہ مجھ سے نہیں) اور عورت نے اپنے شوہر سے موجب قذف (یعنی لعان) کا مطالبہ کیا تو شوہر پر لعان واجب ہوگا بشرطیکہ زوجین دونوں کسی مسلمان پر گواہی ادا کرنے کے اہل ہوں یعنی کافر یا مملوک یا نابالغ یا محدود فی القذف نہ ہوں اور عورت ایسی ہو کہ اس کے تہمت لگانے والے کو حد ماری جاتی ہو لہذا ایسی عورت نہ ہو جسکے ساتھ نکاح فاسد میں وطی ہو چکی ہو یا زندگی میں کبھی زنا کر چکی ہو یا اس کیلئے بچہ غیر معروف الاب ہو کیونکہ ان کے تہمت لگانے والے کو حد نہیں ماری جاتی ہے۔

(۲) اگر شوہر نے لعان کرنے سے انکار کردیا تو حاکم اس کو قید کریگا یہاں تک کہ وہ لعان کر کے خود کو بری کردے یا اپنے آپ کو جھٹلا دے اس دوسری صورت میں اس پر حدِ قذف جاری کی جائے گی کیونکہ لعان قائم مقام حد تھا جب لعان نہیں کیا تو اس پر اصل جاری کرنا واجب ہوگا۔

(۳) اگر شوہر نے لعان کیا تو عورت پر بھی لعان کرنا واجب ہوگا لیکن شوہر چونکہ مدعی ہے لہذا لعان کی ابتداءً شوہر سے کی جائے گی۔(۴) اگر عورت نے لعان کرنے سے انکار کردیا تو حاکم اس کو قید کریگا یہاں تک کہ وہ لعان کرے یا اپنے شوہر کی تصدیق کردے کہ وہ سچ کہتا ہے کیونکہ لعان عورت پر بھی واجب ہے اور وہ اسکو پورا کرنے پا قادر ہے لہذا اس حق کی وجہ سے اسکو محبوس کردیا جائیگا۔

(۵)وَإِذَا كَانَ الزَّوْجُ عَبْداً أوْ كَافِراً أوْ مَحْدُوْداً فِي قَذْفٍ فَقَذَفَ اِمْرَأتَه فَعَلَيْهِ الْحَدُّ (۶)وَإِنْ كَانَ الزَّوْجُ مِنْ أهْلِ الشَّهَادَةِ وَهِيَ أمَةٌ أوْ كَافِرَةٌ أوْ مَحْدُوْدَةٌ فِي قَذْفٍ أوْ كَانَتْ مِمَّنْ لَا يُحَدُّ قَاذِفُهَا فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ فِي قَذْفِهَا وَلَا لِعَانَ۔

ترجمہ:۔ اور اگر شوہر غلام ہو یا کافر ہو یا محدود فی القذف ہو اور اس نے اپنی بیوی کو زنا کی تہمت لگادی تو اس پر حد قذف واجب ہوگی

اور اگر شوہر اہل شہادت ہومگر عورت کسی کی باندی یا کافرہ ہو یا محدود فی القذف ہو اور یا ایسی عورت ہو جسکے تہمت لگانے والے کو حد نہیں ماری جاتی ہو تو ایسی عورت پر تہمت لگانے کی وجہ سے شوہر پر نہ حد واجب ہوگی اور نہ لعان۔

تشریح:۔(۵) اگر شوہر غلام ہو یا کافر ہو (اسکی صورت یہ ہے کہ زوجین دونوں کافر ہوں پھر عورت مسلمان ہو جائے اور شوہر پر اسلام پیش کرنے سے پہلے اس نے اپنی بیوی کو زنا کی تہمت لگادی) یا محدود فی القذف (محدود فی القذف وہ جو کسی پر تہمت زنا لگانے کی وجہ سے اسکو حد قذف ماری گئی ہو) ہو ان تینوں صورتوں میں اگر شوہر نے اپنی بیوی کو زنا کی تہمت لگادی تو اس پر لعان واجب نہیں ہوگا کیونکہ لعان ایک ایسی وجہ سے متعذر ہے جو وجہ شوہر کی طرف سے ہے لہٰذا اب واجب اصلی یعنی حد قذف کی طرف رجوع کیا جائیگا اور حد قذف باری تعالیٰ کے قول ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا﴾ (یعنی جو لوگ تہمت لگائیں پاک دامن عورتوں کو اور پھر چار گواہ اپنے دعوی پر نہ لاسکیں تو ایسے لوگوں کو اسی درّے لگاؤ اور ان کی کوئی گواہی کبھی قبول مت کرو) سے ثابت ہے۔

(۶) اگر شوہر اہل شہادت ہو مگر اسکی بیوی کسی کی باندی ہو یا کافرہ ہو یا محدود فی القذف ہو اور یا اسکی بیوی ایسی عورت ہو جسکے تہمت لگانے والے کو حد نہیں ماری جاتی ہو بایں وجہ کہ وہ بچی ہو یا مجنونہ ہو یا اسکا زنا معروف ہو تو ان تمام صورتوں میں اسکے شوہر پر نہ حد واجب ہوگی اور نہ لعان کیونکہ یہ عورت نہ اہل شہادت ہے اور نہ ہی اسکی جانب میں احصان (احصان یہ ہے کہ کوئی بالغ اور آزاد مسلمان نکاح صحیح کر کے وطی کرلے) ہے پس اہل شہادت نہ ہونے کیوجہ سے لعان واجب نہیں ہوگا اور محصنہ نہ ہونے کی وجہ سے شوہر پر حد قذف لازم نہیں ہوگی۔

(۷) وَصِفَةُ اللِّعَانِ اَنْ يَّبْتَدِئَ الْقَاضِيْ بِالزَّوْجِ فَيَشْهَدَ اَرْبَعَ مَرَّاتٍ يَقُوْلُ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ اَشْهَدُ بِاللّٰهِ اِنِّيْ لَمِنَ الصَّادِقِيْنَ فِيْمَا رَمَيْتُهَا بِهٖ مِنَ الزِّنَا ثُمَّ يَقُوْلُ فِي الْخَامِسَةِ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِيْنَ فِيْمَا رَمَاهَا بِهٖ مِنَ الزِّنَا وَيُشِيْرُ اِلَيْهَا فِيْ جَمِيْعِ ذٰلِكَ (۸) ثُمَّ تَشْهَدُ الْمَرْاَةُ اَرْبَعَ شَهَادَاتٍ تَقُوْلُ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ اَشْهَدُ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكَاذِبِيْنَ فِيْمَا رَمَانِيْ بِهٖ مِنَ الزِّنَا وَتَقُوْلُ فِي الْخَامِسَةِ غَضَبُ اللّٰهِ عَلَيْهَا اِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِيْنَ فِيْمَا رَمَانِيْ بِهٖ مِنَ الزِّنَا۔

ترجمہ:۔ اور لعان کا طریقہ یہ ہے کہ قاضی شوہر سے شروع کرے پس وہ چار مرتبہ گواہی دے ہر مرتبہ کہے کہ میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں کہ جو تہمت زنا میں نے اس عورت پر لگائی ہے اس میں میں سچا ہوں پھر پانچویں مرتبہ کہے اللہ کی لعنت ہو مجھ پر اگر میں نے جو الزام زنا لگایا ہے اس میں میں جھوٹا ہوں اور ان سب میں عورت کی طرف اشارہ کرے پھر عورت چار مرتبہ گواہی دے ہر مرتبہ کہے کہ میں اللہ کو گواہ بناتی ہوں کہ اس نے جو زنا کا الزام مجھ پر لگایا ہے اس میں یہ جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے اللہ کا مجھ پر غضب ہو اگر یہ زنا کے اس الزام میں سچا ہو جس کی تہمت مجھ پر لگائی ہے۔

تشریح:۔(۷) لعان کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ قاضی زوجین کو حاضر کر کے لعان کی ابتداً شوہر سے کرے پس وہ چار بار گواہی دے ہر مرتبہ

کہے کہ میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں کہ جو تہمت زنا میں نے اس عورت پر لگائی ہے اس میں میں سچا ہوں اور پانچویں بار کہے کہ میں نے جو اس عورت کو تہمت لگائی ہے اس میں اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو اور شوہر ان باتوں کو کہتے وقت عورت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

(۸) پھر اسی طرح چار مرتبہ عورت گواہی دے اور ہر بار کہے کہ میں اللہ کی قسم کے ساتھ گواہی دیتی ہوں کہ اس مرد نے مجھے زنا کاری کی جو تہمت لگائی ہے اس میں یہ جھوٹا ہے اور پانچویں بار کہے کہ اس نے جو زنا کاری کی تہمت مجھ کو لگائی ہے اگر یہ مرد اس میں سچا ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو۔

جانب عورت میں پانچویں بار میں، مجھ پر لعنت ہو، کے بجائے مجھ پر غضب ہو، اسلئے اختیار کیا ہے کہ عورتیں اپنے کلام میں لعنت کا استعمال کثرت سے کرتی ہیں تو بوجہ اُنس ایسے موقع پر وہ اس کے ساتھ بد دعا کرنے کی جسارت کریگی اور غضب کے ساتھ عدم اُنس کی وجہ بد دعا کرنے سے گریز کریگی۔

(۹) فَإِذَا الْتَعَنَا فَرَّقَ الْقَاضِیْ بَیْنَهُمَا وَكَانَتِ الْفُرْقَةُ تَطْلِیْقَةً بَائِنَةً عِنْدَ أَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ أَبُوْ یُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ یَكُوْنُ تَحْرِیْمًا مُؤَبَّدًا (۱۰) وَإِنْ كَانَ الْقَذْفُ بِوَلَدٍ نَفَى الْقَاضِیْ نَسَبَهُ وَأَلْحَقَهُ بِأُمِّهٖ۔

ترجمہ:۔ پس اگر زوجین نے لعان کر لیا تو قاضی ان کے درمیان تفریق کریگا اور یہ فرقت طرفین کے نزدیک بائن طلاق ہے اور امام یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک یہ حرمت ابدی ہوگی اور اگر الزام نفی ولد کے ساتھ ہو تو قاضی بچہ کا نسب اس مرد سے نفی کر دے گا اور بچہ کو ماں کے ساتھ لاحق کر دیگا۔

تشریح:۔ (۹) اگر زوجین نے لعان کر لیا تو محض لعان کرنے سے فرقت واقع نہیں ہوگی بلکہ قاضی ان کے درمیان تفریق کریگا چنانچہ اگر تفریق قاضی سے پہلے ان دونوں میں سے کوئی ایک مر گیا تو دوسرا اسکا وارث ہوگا۔ یہ فرقت طرفین کے نزدیک طلاق بائن ہے کیونکہ یہ فرقت، فرقتِ عنین کی طرح قاضی کی تفریق سے آئی ہے تو فرقتِ عنین کی طرح یہ بھی طلاق بائن ہوگی۔

امام یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک لعان کرنے سے حرمت ابدی ثابت ہو جاتی ہے لہذا یہ عورت اس کیلئے ہمیشہ کے لئے حرام ہوگی "لِقَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُتَلَاعِنَانِ لَا یَجْتَمِعَانِ اَبَدًا" (یعنی لعان کرنے والے میاں بیوی کبھی جمع نہ ہونگے) (طرفین کا قول راجح ہے)۔

(۱۰) اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو زنا کی تہمت اس طرح لگائی کہ یہ بچہ میرے نطفہ سے نہیں تو لعان کے بعد قاضی بچہ کا نسب اس مرد سے نفی کر دے گا اور بچہ کو ماں کے ساتھ لاحق کر دیگا۔

(۱۱) فَإِنْ عَادَ الزَّوْجُ وَأَكْذَبَ نَفْسَهٗ حَدَّهُ الْقَاضِیْ (۱۲) وَحَلَّ لَهٗ أَنْ یَتَزَوَّجَهَا (۱۳) وَكَذٰلِكَ إِنْ قَذَفَ غَیْرَهَا فَحُدَّ بِهٖ أَوْ زَنَتْ فَحُدَّتْ (۱۴) وَإِنْ قَذَفَ امْرَأَتَهٗ وَهِیَ صَغِیْرَةٌ أَوْ مَجْنُوْنَةٌ فَلَا لِعَانَ بَیْنَهُمَا وَلَا حَدَّ۔

ترجمہ:۔ پھر اگر شوہر نے اپنے قول سے رجوع کیا اور اپنی تکذیب کی تو قاضی اسکو حد قذف ماریگا اور اس کے لئے اس عورت سے

نکاح کرنا حلال ہے اور اسی طرح اگر اس شخص نے کسی اجنبیہ عورت کو زنا کی تہمت لگائی پھر اس شخص کو حدقذف ماری گئی یا (اگر لعان کے بعد) اس عورت نے زنا کیا اور پھر اسکو حد زنا ماری گئی اور اگر شوہر نے اپنی بیوی کو زنا کی تہمت لگائی اور وہ نابالغہ بچی ہے یا مجنونہ ہے تو ان دونوں کے درمیان لعان نہیں ہوگا اور نہ حد ہوگی۔

تشریح:۔(۱۱) لعان کے بعد اگر شوہر نے اپنے قول سے رجوع کیا اور اپنی تکذیب کی تو قاضی اسکو حد قذف ماریگا کیونکہ اس نے اپنے اوپر حد قذف واجب ہونے کا اقرار کیا تو بوجہ اقرار کے اسکو حد قذف ماری جائے گی۔(۱۲) طرفینؒ کے نزدیک شوہر خود کو جھٹلانے کے بعد اس عورت کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے کیونکہ جب شوہر کو حد قذف لگادی گئی تو اس میں لعان کی اہلیت باقی نہیں رہی تو تحریم نکاح کا حکم جو لعان کے ساتھ متعلق تھا وہ بھی مرتفع ہوگیا۔

(۱۳) اسی طرح اگر اس شخص نے کسی اجنبیہ عورت کو زنا کی تہمت لگائی پھر اس شخص کو حد قذف ماری گئی تو بھی اس شخص کیلئے اس عورت کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے لِمَا بَيَّنَا۔ اسی طرح اگر لعان کے بعد اس عورت نے زنا کیا اور پھر اسکو حد زنا ماری گئی تو بھی اس شوہر کیلئے اس عورت کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے کیونکہ بعد از حد عورت میں لعان کی اہلیت نہیں رہی لہٰذا تحریم نکاح کا حکم بھی مرتفع ہوگیا۔

(۱۴) اگر شوہر نے اپنی بیوی کو زنا کی تہمت لگائی اور اسکی بیوی نابالغہ بچی ہے یا مجنونہ ہے تو ان دونوں صورتوں میں لعان نہیں ہوگا کیونکہ صغیرہ اور مجنونہ کے قاذف اگر اجنبی مرد ہو تو اسکو حد نہیں ماری جائے گی پس اسی طرح شوہر سے بھی لعان کا مطالبہ نہیں ہوگا کیونکہ لعان حد قذف کے قائم مقام ہے۔

(۱۵) وَقَذْفُ الْاَ خْرَسِ لَا يَتَعَلَّقُ بِهِ اللِّعَانُ۔

ترجمہ:۔اور گونگے کی تہمت لگانے کے ساتھ لعان متعلق نہیں ہوگا۔

تشریح:۔(۱۵) اگر گونگے نے اپنی بیوی کو زنا کی تہمت لگائی تو اس سے لعان متعلق نہیں ہوگا کیونکہ لعان صریح قذف (تہمت) سے متعلق ہوتا ہے جیسا کہ حد قذف صریح قذف سے واجب ہوتی ہے جب کہ گونگے کی تہمت لگانے میں شبہ موجود ہے "وَالْحُدُوْدُ تُنْدَرِئُ بِالشُّبْهَةِ" (یعنی حدود شبہ کی وجہ سے دور کردی جاتی ہیں)۔

(۱۶) وَاِذَا قَالَ الزَّوْجُ لَيْسَ حَمْلُكِ مِنِّيْ فَلَا لِعَانَ (۱۷) وَاِنْ قَالَ زَنَيْتِ وَهٰذَا الْحَمْلُ مِنَ الزِّنَا تَلَاعَنَا وَلَمْ يَنْفِ الْقَاضِيُ الْحَمْلَ مِنْهُ۔

ترجمہ:۔اور اگر شوہر نے کہا کہ تیرا حمل مجھ سے نہیں تو اس پر لعان نہیں اور اگر شوہر نے کہا کہ تو نے زنا کیا ہے اور یہ حمل زنا سے ہے تو زوجین لعان کرینگے اور قاضی اس حمل کے نسب کی اس سے نفی نہیں کریگا۔

تشریح:۔(۱۶) اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ تیرا حمل مجھ سے نہیں تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس سے نہ لعان واجب ہوگا اور نہ حد اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک اگر اس عورت نے تہمت لگانے کے وقت سے چھ ماہ سے کم میں بچہ جنا تو حمل کی نفی کر لینے سے

لعان واجب ہو جائیگا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ جس وقت حمل کی نفی کی گئی اس وقت حمل کا ہونا یقینی نہیں (کیونکہ ممکن ہے کہ پیٹ میں ہوا بھری ہو جس کو حمل خیال کیا) لہذا شوہر تہمت لگانے والا شمار نہیں ہوگا جب تہمت ثابت نہیں ہوئی تو لعان واجب نہیں ہوگا (امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول راجح ہے)۔

(۱۷) اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو نے زنا کیا ہے اور یہ حمل زنا سے ہے تو زوجین لعان کرینگے کیونکہ لفظ زنا صراحۃً مذکور ہونے کی وجہ سے زنا کی تہمت پائی گئی البتہ قاضی اس حمل کے نسب کی نفی اس سے نہیں کریگا کیونکہ بچہ کی نفی کرنا بچہ کے احکام میں سے ایک حکم ہے اور احکام ولد ولادت کے بعد مرتب ہوتے ہیں نہ کہ ولادت سے پہلے۔

(۱۸) وَاِذَا نَفَى الرَّجُلُ وَلَدَ اِمْرَأتِه عَقِيبَ الْوِلادَةِ اَوْ فِي حَالِ الَّتِيْ تُقْبَلُ التَّهْنِيَةُ فِيهَا اَوْ تُبْتَاعُ لَه آلَةُ الْوِلادَةِ صَحَّ نَفْيُه ولاعَنَ بِه (۱۹) وإنْ نَفَاه بعدَ ذالِكَ لاعَنَ وَيَثْبُتُ النَّسَبُ وقالَ اَبُوْ يُوْسُفَ رَحِمَه اللّٰه ومُحَمَّدٌ رَحِمَه اللّٰه يَصِحّ نَفْيُه فِي مُدَّةِ النِّفَاسِ۔

ترجمہ: ۔ اور اگر شوہر نے اپنی بیوی کے بچہ کے نسب کی نفی کی بچہ کے پیدا ہونے کے بعد یا اس وقت نفی کی جس وقت بچے کی مبارکباد قبول کی جاتی ہے یا جس وقت پیدائش کی چیزیں خریدی جاتی ہیں تو اس کا نفی کرنا صحیح ہے اور لعان کریگا اور اگر شوہر نے ان اوقات کے بعد بچہ کی نفی کی تو لعان کریگا اور بچہ کا نسب ثابت ہو جائیگا اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ مدت نفاس کے اندر اندر بچہ کی نفی کرنا صحیح ہے۔

تشریح: ۔ (۱۸) اگر شوہر نے اپنی بیوی کے بچہ کے پیدا ہونے کے بعد بچہ کے نسب کی خود سے نفی کی یا اس وقت نفی کی جس وقت بچے کی مبارکباد قبول کی جاتی ہے یا اس وقت نفی کی جس وقت پیدائش کی چیزیں خریدی جاتی ہیں تو ان تینوں صورتوں میں نفی کرنا صحیح ہے (یعنی شوہر سے بچہ کا نسب ثابت نہیں ہوگا) کیونکہ شوہر نے نہ صراحۃً اسکا اعتراف کیا ہے اور نہ دلالۃً ۔ اور اس نفی ولد کی وجہ سے شوہر لعان کریگا کیونکہ نفی ولد کی وجہ سے شوہر تہمت لگانے والا ہے۔

(۱۹) اگر شوہر نے ان اوقات کے بعد بچہ کی نفی کی تو لعان کریگا اور بچہ کا نسب اس سے ثابت ہو جائیگا کیونکہ اس نے دلالۃً ثبوت نسب کا اعتراف کیا ہے اور دلالۃً اعتراف اسکا سکوت اور مبارکبادی قبول کرنا ہے یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک ہے۔

صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک مدت نفاس کے اندر اندر بچہ کی نفی کرنا صحیح ہے کیونکہ مدت قصیرہ میں بچہ کی نفی صحیح ہے اور مدت طویلہ میں صحیح نہیں ان کے درمیان فاصل مدت نفاس ہے کیونکہ نفاس ولادت کا اثر ہے (امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول راجح ہے)۔

(۲۰) وَاِذَا وَلَدَتْ وَلَدَيْنِ فِي بَطْنٍ وَاحِدٍ فَنَفَى الْاَوَّلَ وَاعْتَرَفَ بِالثَّانِيْ ثَبَتَ نَسَبُهُمَا وَحُدَّ الزَّوْجُ (۲۱) وَاِنْ اعْتَرَفَ بِالْاَوَّلِ وَنَفَى الثَّانِيْ ثَبَتَ نَسَبُهُمَا وَلاعَنَ۔

ترجمہ: ۔ اور اگر عورت نے ایک پیٹ سے دو بچے جنے پس شوہر نے پہلے بچے کے نسب کی نفی کردی اور دوسرے کا اقرار کیا تو دونوں بچوں کا نسب ثابت ہو جائیگا اور شوہر کو حد قذف ماری جائے گی اور اگر شوہر نے پہلے بچے کے نسب کا اعتراف کیا اور دوسرے کی نفی کی تو

دونوں بچوں کا نسب ثابت ہو جائیگا اور شوہر لعان کریگا۔

تشریح:۔(۲۰) اگر کسی عورت نے ایک پیٹ سے دو بچے جنے یعنی دونوں بچوں کے درمیان چھ ماہ سے کم کا فاصلہ ہو پس شوہر نے پہلے بچے کے نسب کی نفی کر دی اور دوسرے کا اقرار کیا تو اس شخص سے دونوں بچوں کا نسب ثابت ہو جائیگا کیونکہ دونوں بچے جڑواں ہیں ایک ہی منی سے پیدا ہوئے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک بچہ اسکا ہو اور دوسرا اسکا نہ ہو۔اور شوہر کو حد قذف ماری جائے گی کیونکہ اس نے دوسرے بچے کے نسب کا دعویٰ کر کے خود کو جھوٹا بتلایا۔

(۲۱) اگر شوہر نے پہلے بچے کے نسب کا اعتراف کیا اور دوسرے کی نفی کی تو اس صورت میں بھی دونوں بچوں کا نسب ثابت ہو جائیگا لِمَا تَقَدَّمَ البتہ اس صورت میں شوہر پر لعان واجب ہوگا کیونکہ شوہر نے دوسرے بچے کی نفی کر کے تہمت لگائی اور نفی کے بعد رجوع کر کے خود کو جھوٹا نہیں بتلایا اسلئے حد قذف نہیں ماری جائے گی اور لعان واجب ہوگا۔

كتاب العدة

یہ کتاب عدت کے بیان میں ہے۔

"عدت" لغت میں گننے اور شمار کرنے کو کہتے ہیں اور شرعاً اس انتظار کو کہتے ہیں جو عورت کو زوالِ نکاح یا شبہ نکاح کے بعد لازم ہوتا ہے۔ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ عدت چونکہ اپنے وجود کے لحاظ سے شرعاً فرقتِ نکاح پر مرتب ہے اسلئے وجوہ فرقت یعنی طلاق ،ایلاء، خلع اور لعان کے بعد اسکو ذکر کیا۔

(۱) وَاِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ اِمْرَأَتَهُ طَلَاقًا بَائِنًا اَوْ رَجْعِيًّا اَوْ وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ بَيْنَهُمَا بِغَيْرِ طَلَاقٍ وَهِيَ حُرَّةٌ مِمَّنْ تَحِيْضُ فَعِدَّتُهَا ثَلٰثَةُ اَقْرَاءٍ (۲) وَالْاَقْرَاءُ اَلْحَيْضُ (۳) وَاِنْ كَانَتْ لَاتَحِيْضُ مِنْ صِغَرٍ اَوْ كِبَرٍ فَعِدَّتُهَا ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ (۴) وَاِنْ كَانَتْ حَامِلًا فَعِدَّتُهَا اَنْ تَضَعَ حَمْلَهَا (۵) وَاِنْ كَانَتْ اَمَةً فَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ (۶) وَاِنْ كَانت لَاتَحِيْضُ فَعِدَّتُهَا شَهْرٌ وَنِصْفٌ۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی نے اپنی بیوی کو طلاق بائن یا طلاق رجعی دیدی یا ان دونوں میں بغیر طلاق کے فرقت واقع ہوگئی اور یہ عورت آزاد ہو اور ذوات الحیض میں سے ہو تو اسکی عدت تین حیض ہونگے اور اقراء سے حیض مراد ہے اور اگر آزاد عورت کو صغر سنی کی وجہ سے یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہیں آتا ہو تو اسکی عدت تین ماہ ہوگی اور اگر عورت حاملہ ہے تو اسکی عدت یہ ہے کہ حمل جن دے اور اگر مطلقہ عورت باندی ہو تو اسکی عدت دو حیض ہونگے اور اگر اسے حیض نہ آتا ہو تو اسکی عدت ڈیڑھ ماہ ہوگی۔

تشریح:۔(۱) اگر کسی نے اپنی بیوی کو طلاق بائن یا طلاق رجعی دیدی یا ان دونوں میں بغیر طلاق کے فرقت واقع ہوگئی (مثلاً عورت نے ابن الزوج کو اپنے اوپر قابو دیا) اور یہ عورت آزاد ہو اور ذوات الحیض میں سے ہو تو اسکی عدت از وقتِ طلاق وفرقت تین حیض کامل ہونگے۔اگر حالت حیض میں طلاق دی تو یہ حیض شمار نہ ہوگا۔

(۲) عدت کے بارے میں واردشدہ آیت مبارکہ ﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ﴾ (مطلقہ عورتیں اپنے

نفوس کو تین حیض تک انتظار میں رکھیں) میں لفظ "قُـرُوْء" سے امام شافعی رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک طہر مراد ہے لہذا ان کے نزدیک عدت تین طہر ہیں مگر احناف کے نزدیک "قُرُوْء" سے حیض مراد ہے لہذا عدت تین حیض ہیں۔

(۳) اگر آزاد عورت کو صغر سنی کی وجہ سے یا سن ایاس کو پہنچ جانے کی وجہ سے حیض نہیں آتا ہو تو اسکی عدت تین ماہ ہوگی لقولہ تعالیٰ ﴿ اَللَّائِی یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَائِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ اَشْهُرٍ وَّاللَّائِی لَمْ یَحِضْنَ ﴾ (یعنی تمہاری مطلقہ بیبیوں میں سے جو عورتیں بوجہ زیادت سن کے حیض آنے سے مایوس ہو چکی ہیں اگر تمہیں ان کی عدت میں شبہ ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہیں اور اسی طرح جن عورتوں کو اب تک بوجہ کم عمری کے حیض نہیں آیا)۔

(۴) اگر مطلقہ عورت حاملہ ہے تو اسکی عدت وضع حمل ہوگی لقولہ تعالیٰ ﴿ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾ (یعنی حاملہ عورتوں کی عدت اس حمل کا پیدا ہو جانا ہے)۔

(۵) اگر مطلقہ عورت باندی ہو تو اگر ذوات الحیض میں سے ہو تو اسکی عدت دو حیض ہونگے کیونکہ غلام یا باندی ہونا نعمت اور عذاب کو آدھا کر دیتا ہے تو باندی کی عدت ڈیڑھ حیض ہونا چاہئے لیکن حیض متجزی نہیں ہوتا اسلئے نصف حیض کو پورا کر دیا اس طرح مطلقہ باندی کی عدت دو حیض ہونگے۔

(۶) اگر مطلقہ باندی غیر ذوات الحیض میں سے ہو تو اسکی عدت ڈیڑھ ماہ ہوگی کیونکہ مہینہ متجزی ہو سکتا ہے پس رقیت پر عمل کرتے ہوئے اسکی تنصیف کر دی جائے گی۔ اور اگر مطلقہ باندی حاملہ ہو تو حرہ کی طرح اسکی عدت وضع حمل ہے۔

(۷) وَاِذَا مَاتَ الرَّجُلُ عَنْ اِمْرَاَتِهِ الْحُرَّةِ فَعِدَّتُهَا اَرْبَعَةُ اَشْهُرٍ وَّعَشَرَةُ اَیَّامٍ (۸) وَاِنْ کَانَتْ اَمَةً فَعِدَّتُهَا شَهْرَانِ وَخَمْسَةُ اَیَّامٍ (۹) وَاِنْ کَانَتْ حَامِلًا فَعِدَّتُهَا اَنْ تَضَعَ حَمْلَهَا۔

ترجمہ:۔ اور اگر آزاد عورت کا شوہر مر جائے تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہیں اور اگر متوفی عنہا زوجہا باندی ہو تو اسکی عدت دو ماہ پانچ دن ہیں اور اگر متوفی عنہا زوجہا حاملہ ہو تو اسکی عدت وضع حمل ہے۔

تشریح:۔ (۷) اگر آزاد عورت کا شوہر مر جائے تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہیں خواہ عورت مدخول بہا ہو یا غیر مدخول بہا، خواہ بالغہ ہو یا نابالغہ، خواہ مسلمان ہو یا کتابیہ، ذوات الحیض میں سے ہو یا غیر ذوات الحیض میں سے لقولہ تعالیٰ ﴿ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ﴾ (یعنی جو لوگ وفات پا جاتے ہیں تم میں سے اور چھوڑ جاتے ہیں بیویوں کو تو یہ عورتیں اپنے نفوس کو چار ماہ دس روز تک انتظار میں رکھیں)۔

(۸) اگر متوفی عنہا زوجہا باندی ہو تو اسکی عدت دو ماہ پانچ دن ہیں کیونکہ رقیت عذاب کی تنصیف کر دیتی ہے۔ (۹) اور اگر متوفی عنہا زوجہا حاملہ ہو تو اسکی عدت وضع حمل ہے خواہ آزاد ہو یا باندی ہو کیونکہ باری تعالیٰ کا قول ﴿ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾ (یعنی حاملہ عورتوں کی عدت اس حمل کا پیدا ہو جانا ہے) مطلق ہے۔

(۱۰)وَاِذَا وَرِثَتِ الْمُطَلَّقَةُ فِي الْمَرَضِ فَعِدَّتُهَا اَبْعَدُ الْاَجَلَيْنِ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ رحِمَهُ اللّٰهُ۔

ترجمہ:۔اور اگر وارث ہو مطلقہ مرض الموت میں تو اس کی عدت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ابعد الاجلین ہوگی۔

تشریح:۔(۱۰) اگر کسی نے اپنے مرض الموت میں اپنی بیوی کو ایک طلاق بائن یا تین طلاقیں دیں پھر عورت کی عدت ہی میں شوہر مر گیا تو اسکی بیوی وارث ہوگی اور اس عورت کی عدت ابعد الاجلین ہوگی یعنی اس عورت پر طلاق کی وجہ سے تین حیض گذارنا واجب ہے اور شوہر کی وفات کی وجہ سے چار ماہ دس دن گذارنا واجب ہے ان میں سے جس کی مدت زیادہ ہو وہی گذار یگی۔

پس اگر تین حیض گذر گئے لیکن چار ماہ دس دن پورے نہیں ہوئے تو کہا جائیگا کہ ابھی تک عدت نہیں گذری ہے یہاں تک کہ چار ماہ دس دن پورے ہو جائیں اور اگر چار ماہ دس دن گذر گئے لیکن تین حیض نہیں گذرے ہیں بایں طور کہ عورت ممتدۃ الطہر ہے تو یہی کہا جائیگا کہ ابھی تک عدت نہیں گذری ہے یہاں تک کہ تین حیض آجائیں اگر چہ سن ایاس تک انتظار کرنا پڑے یہ طرفین رحمہما اللہ کا مسلک ہے۔امام یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اسکی عدت صرف تین حیض ہیں (طرفینؒ کا قول راجح ہے)۔اور اگر طلاق رجعی دیا ہو تو بالاتفاق عدت الوفات گذار یگی۔

(۱۱)فَاِنْ اُعْتِقَتِ الْاَمَةُ فِي عِدَّتِهَا مِنْ طَلَاقٍ رَجْعِيٍّ اِنْتَقَلَتْ عِدَّتُهَا اِلَى عِدَّةِ الْحَرَائِرِ (۱۲)وَاِنْ اُعْتِقَتْ وَهِيَ مَبْتُوْتَةٌ اَوْ مُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا لَمْ تَنْتَقِلْ عِدَّتُهَا اِلَى عِدَّةِ الْحَرَائِرِ (۱۳)وَاِنْ كَانَتْ آيِسَةً فَاعْتَدَّتْ بِالشُّهُوْرِ ثُمَّ رَأَتِ الدَّمَ اِنْتَقَضَ مَا مَضٰى مِنْ عِدَّتِهَا وَكَانَ عَلَيْهَا اَنْ تَسْتَأْنِفَ الْعِدَّةَ بِالْحَيْضِ۔

ترجمہ:۔اور اگر باندی طلاق رجعی کی عدت میں آزاد کی گئی تو اسکی عدت آزاد عورتوں کی عدت کی طرف منتقل ہو جائے گی اور اگر وہ آزاد کی گئی اس حال میں کہ وہ بائنہ تھی یا اس کا شوہر مر گیا تھا تو اسکی عدت آزاد عورتوں کی عدت کی طرف منتقل نہیں ہوگی اور اگر مطلقہ عورت آئسہ ہو پس اس نے مہینوں کے ساتھ عدت گذاری پھر اس نے خون دیکھا تو جو عدت اس کی گذر چکی ہے وہ ٹوٹ جائیگی اور اس پر از سر نو حیض کے ساتھ عدت گزارنا لازم ہوگا۔

تشریح:۔(۱۱) اگر منکوحہ باندی کو اسکے شوہر نے طلاق رجعی دی پھر اسکو اسکے مولیٰ نے عدت ہی میں آزاد کر دیا تو اسکی عدت آزاد عورتوں کی عدت کی طرف منتقل ہو جائے گی کیونکہ طلاق رجعی کی وجہ سے نکاح منقطع نہیں ہوتا بلکہ من کل وجہ باقی رہتا ہے پس گویا اسکو اسکے مولیٰ نے منکوحہ ہونے کی حالت میں آزاد کیا ہے۔

(۱۲) اگر وہ باندی طلاق بائن کی عدت گذار رہی تھی یا اسکے شوہر کا انتقال ہو چکا ہے تو وہ عدت وفات گذار رہی تھی کہ اس کو اس کے مولیٰ نے آزاد کر دیا تو اس صورت میں اسکی عدت آزاد عورتوں کی عدت کی طرف منتقل نہیں ہوگی کیونکہ طلاق بائن یا موت کی وجہ سے نکاح زائل ہو چکا ہے پس گویا مولیٰ نے اسکو غیر منکوحہ ہونے کی حالت میں آزاد کیا ہے۔

(۱۳) اگر مطلقہ عورت سن ایاس میں ہو تو اس نے مہینوں کے ساتھ عدت گذاری پھر اس نے سن ایاس سے پہلے کی عادت کے

مطابق خون دیکھا تو اس نے جو کچھ عدت مہینوں کے ساتھ گذاری ہے وہ باطل ہوگئی اب از سر نو حیض کے ساتھ عدت گذارے گی کیونکہ عادت کے مطابق خون کا لوٹ آنا ایاس کو باطل کر دیتا ہے۔

(۱۴) وَالْمَنْكُوْحَةُ نِكَاحًا فَاسِدًا وَالْمَوْطُوْئَةُ بِشُبْهَةٍ عِدَّتُهُمَا الْحَيْضُ فِي الْفُرْقَةِ وَالْمَوْتِ۔

ترجمه:۔اور جس عورت کا نکاح فاسد ہوا ہو اور جس کے ساتھ شبہ میں وطی ہوئی ہو تو ان دونوں کی عدت فرقت اور موت دونوں میں حیض ہے۔

تشریح:۔(۱۵) اگر کسی عورت کے ساتھ نکاح فاسد کیا گیا (مثلاً بغیر شہود کے نکاح کیا) یا کسی عورت سے وطی بالشبہ کی گئی (مثلاً غلطی میں اپنی بیوی کے بجائے اس عورت کے ساتھ وطی کی) تو اس عورت پر فرقت یا موت دونوں کی صورت میں عدت واجب ہوگی کیونکہ ان پر عدت رحم کے پاک ہونے کو معلوم کرنے کیلئے ہوتی ہے نہ کہ حق نکاح ادا کرنے کیلئے اور رحم کے پاک ہونے کا علم حیض سے ہوتا ہے۔ حیض نہ آنے کی صورت میں مہینہ اسکے قائم مقام ہو جائیگا۔

(۱۶) وَإِذَا مَاتَ مَوْلَى أُمِّ الْوَلَدِ عَنْهَا أَوْ أَعْتَقَهَا فَعِدَّتُهَا ثَلٰثُ حِيَضٍ (۱۷) وَإِذَا مَاتَ الصَّغِيْرُ عَنْ اِمْرَأَتِهِ وَبِهَا حَبَلٌ فَعِدَّتُهَا أَنْ تَضَعَ حَمْلَهَا (۱۸) فَإِنْ حَدَثَ الْحَبَلُ بَعْدَ الْمَوْتِ فَعِدَّتُهَا أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَعَشَرَةُ أَيَّامٍ۔

ترجمه:۔اور اگر ام ولد کا مولیٰ مرگیا یا مولیٰ نے ام ولد کو آزاد کر دیا تو اس کی عدت تین حیض ہوگی اور اگر عورت کا نابالغ شوہر مرگیا اس حال میں کہ اس کی بیوی حاملہ ہے تو اسکی عدت وضع حمل ہے اور اگر حمل لڑکے (زوج) کی موت کے بعد پیدا ہوا تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔

تشریح:۔(۱۶) اگر ام ولد کا مولیٰ مرگیا یا مولیٰ نے ام ولد کو آزاد کر دیا تو ام ولد کی عدت تین حیض ہوگی اگر وہ ذوات الحیض میں سے ہو اور تین ماہ ہوگی اگر ذوات الاشہر میں سے ہو کیونکہ یہ عدت نکاح کی وجہ سے نہیں بلکہ وطی کی وجہ سے اس حال میں واجب ہوئی ہے کہ وہ آزاد ہے لہذا اسکی عدت تین حیض یا قائم مقام تین حیض ہوگی كَمَا فِي الْوَطْئِ بِشُبْهَةٍ۔

(۱۷) اگر نابالغ لڑکا (جس سے حمل نہیں ٹھہرتا) مرگیا اور اپنی بیوی کو اس حال میں چھوڑا کہ وہ حاملہ ہے تو اسکی عدت وضع حمل ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ﴿ وَأُوْلَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾ (یعنی حاملہ عورتوں کی عدت اس حمل کا پیدا ہو جانا ہے) مطلق ہے۔ امام یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی عدت چار ماہ دس دن ہیں کیونکہ حمل ثابت النسب نہیں لہذا یہ حادث بعد الموت کی طرح ہے (طرفین کا قول راجح ہے)۔

(۱۸) اور اگر حمل لڑکے (زوج) کی موت کے بعد ٹھہرا ہے تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے کیونکہ بوقت موت یہی عدت مقرر ہوئی ہے لہذا بعد میں حمل ٹھہرنے سے عدت متغیر نہ ہوگی۔ اور بچہ کا نسب دونوں صورتوں میں ثابت نہ ہوگا کیونکہ صغیر کا نطفہ نہیں ہوتا تو اسکی طرف سے حمل بھی متصور نہیں۔

(۱۹) وَاِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ اِمْرَأَتَهُ فِي حَالِ الْحَيْضِ لَمْ تَعْتَدَّ بِالْحَيْضَةِ الَّتِي وَقَعَ فِيهَا الطَّلَاقُ (۲۰) وَاِذَا وُطِئَتِ الْمُعْتَدَّةُ بِشُبْهَةٍ فَعَلَيْهَا عِدَّةٌ أُخْرَى وَتَدَاخَلَتِ الْعِدَّتَانِ فَيَكُونُ مَا تَرَاهُ مِنَ الْحَيْضِ مُحْتَسَبًا مِنْهُمَا جَمِيعًا وَاِذَا انْقَضَتِ الْعِدَّةُ الْأُولَى وَلَمْ تَكْمُلِ الثَّانِيَةُ فَعَلَيْهَا اِتْمَامُ الْعِدَّةِ الثَّانِيَةِ۔

ترجمہ:۔اور اگر شوہر نے بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی تو عدت میں وہ حیض شمار نہ ہوگا جس میں طلاق واقع ہوئی ہے اور اگر کوئی عورت عدت میں تھی کہ اسکے ساتھ وطی بالشبہ کرلی گئی تو اس پر ایک اور عدت واجب ہوگی اور دونوں عدتوں میں تداخل ہو جائیگا اب جو حیض آئیگا وہ دونوں عدتوں میں شمار ہوگا اگر پہلی عدت پوری ہوگئی ہو اور دوسری عدت پوری نہیں ہوئی تھی تو دوسری عدت کو پورا کرنا ضروری ہے۔

تشریح:۔(۱۹) اگر شوہر نے بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی تو عدت میں وہ حیض شمار نہ ہوگا جس میں طلاق دی گئی ہے کیونکہ اس حیض کا کچھ حصہ گذر چکا ہے تو اگر اسے عدت میں شمار کیا جائے تو عدت کامل تین حیض نہ ہوگی حالانکہ عدت میں پورے تین حیض کا گذرنا ضروری ہے۔(۲۰) اگر کوئی عورت طلاق بائن سے عدت میں تھی کہ اسکے ساتھ کسی نے وطی بالشبہ کرلی تو اس عورت پر تجدد سبب کی وجہ سے ایک اور عدت واجب ہوگی اور دونوں عدتوں میں تداخل ہو جائیگا اب جو حیض عدت ثانی کے بعد آئیگا وہ دونوں عدتوں میں شمار ہوگا اگر پہلی عدت پوری ہوگئی اور دوسری عدت پوری نہیں ہوئی تھی تو دوسری عدت کو پورا کرنا ضروری ہے مثلاً معتدہ نے عدت اولیٰ کا ایک حیض گذار دیا کہ اس کے ساتھ وطی بالشبہ کی گئی تو اب تین حیض اور گذارنے ہونگے اس طرح یہ عورت چار حیض گذاریگی جن میں سے پہلا عدت اولیٰ میں شمار ہوگا اور درمیانی دو حیض دونوں عدتوں میں شمار ہونگے اور آخری حیض صرف عدت ثانی میں شمار ہوگا۔

(۲۱) وَابْتِدَاءُ الْعِدَّةِ فِي الطَّلَاقِ عَقِيْبَ الطَّلَاقِ (۲۲) وَفِي الْوَفَاةِ عَقِيْبَ الْوَفَاةِ (۲۳) فَاِنْ لَمْ تَعْلَمْ بِالطَّلَاقِ أَوِ الْوَفَاةِ حَتّٰى مَضَتْ مُدَّةُ الْعِدَّةِ فَقَدِ انْقَضَتْ عِدَّتُهَا (۲۴) وَالْعِدَّةُ فِي النِّكَاحِ الْفَاسِدِ عَقِيْبَ التَّفْرِيْقِ بَيْنَهُمَا أَوْ عَزْمِ الْوَاطِئِ عَلٰى تَرْكِ وَطْئِهَا۔

ترجمہ:۔اور طلاق میں عدت کی ابتداء طلاق دینے کے بعد سے ہوگی اور وفات میں شوہر کی وفات کے بعد سے ہوگی اور اگر عورت کو طلاق یا وفات کا علم نہ ہوسکا یہاں تک کہ عدت کا زمانہ گذر گیا تو عورت کی عدت پوری ہوگئی اور نکاح فاسد میں زوجین کے درمیان تفریق کے بعد یا واطی کے وطی چھوڑنے کا پختہ ارادہ کے بعد سے۔

تشریح:۔(۲۱) طلاق کی صورت میں عدت کی ابتداء طلاق دینے کے بعد سے ہوگی۔(۲۲) اور وفات کی صورت میں شوہر کی وفات کے بعد سے ہوگی کیونکہ طلاق اور وفات عدت کے سبب ہیں لہذا عدت کی ابتداء وجود سبب کے بعد سے ہوگی۔(۲۳) اگر شوہر نے طلاق دی مگر عورت کو اسکا علم نہ ہوسکا یا شوہر کی وفات ہوگئی مگر عورت بے خبر رہی یہاں تک کہ عدت کا زمانہ گذر گیا تو عورت کی عدت پوری ہوگئی لہذا معلوم ہونے کے بعد عدت کا اعادہ نہیں کریگی کیونکہ عدت زمانہ گذرنے کا نام ہے جب زمانہ گذر گئی تو عدت پوری ہوگئی۔

(۲۴) نکاح فاسد کی صورت میں مدخول بہا عورت کی عدت کی ابتداء اس وقت سے ہوگی جس وقت حاکم زوجین کے درمیان

تفریق کردے یا واطی ترک وطی کا عزم کردے یعنی زبان سے کہدے تَرَكْتُ وَطْئَهَا اَوْ تَرَكْتُهَا (میں نے اسکی وطی چھوڑ دی یا میں نے اس کو چھوڑ دیا) اور صرف عزم معتبر نہیں۔ البتہ غیر مدخول بہا میں صرف تفریق الابدان کافی ہے۔

(۲۵)وَعَلى الْمَبْتُوْتَةِ وَالْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا اِذَا كَانَتْ بَالِغَةً مُسْلِمَةً اَلْاِحْدَادُ (۲۶)وَالْاِحْدَادُ اَنْ تَتْرُكَ الطِّيْبَ وَالزِّيْنَةَ وَالدُّهْنَ وَالْكُحْلَ اِلَّا مِنْ عُذْرٍ وَلَا تَخْتَضِبُ بِالْحِنَاءِ وَلَا تَلْبَسُ ثَوْبًا مَصْبُوْغًا بِعُصْفُرٍ وَلَا بِوَرْسٍ وَلَا بِزَعْفَرَانٍ (۲۷)وَلَا اِحْدَادَ عَلى كَافِرَةٍ (۲۸)وَلَا صَغِيْرَةٍ (۲۹)وَعَلى الْاَمَةِ اَلْاِحْدَادُ۔

ترجمہ:۔ اور معتدہ بائنہ اور متوفی عنھا زوجھا پر جبکہ وہ بالغہ اور مسلمان ہو سوگ کرنا واجب ہے اور سوگ یہ ہے کہ وہ خوشبو لگانا، زینت کرنا، تیل لگانا اور سرمہ لگانا سب چھوڑ دے الا یہ کہ کوئی عذر ہو اور مہندی نہ لگائے اور ایسا کپڑا نہ پہنے جو عصفر یا ورس یا زعفران میں رنگا ہوا ہو اور کافرہ عورت پر سوگ نہیں اور نابالغہ بچی پر بھی سوگ نہیں البتہ باندی پر سوگ واجب ہے۔

تشریح:۔ (۲۵) معتدہ بائنہ اور متوفی عنھا زوجھا پر جبکہ وہ بالغہ اور مسلمان ہو سوگ کرنا واجب ہے۔ نعمتِ نکاح کے فوت ہونے پر تأسف کیلئے۔ (۲۶) عورت کا سوگ یہ ہے کہ وہ خوشبو لگانا، زینت کرنا، تیل لگانا خواہ خوشبودار ہو یا غیر خوشبودار، اور سرمہ لگانا سب چھوڑ دے البتہ اگر کوئی عذر ہو تو ان چیزوں کا استعمال جائز ہے "اِذَا الضَّرُوْرَاتُ تُبِيْحُ الْمَحْظُوْرَاتِ" (کیونکہ ضرورتیں محظورات کو مباح کر دیتی ہیں)۔ اور مہندی نہ لگائے اور عصفر یا ورس یا زعفران میں رنگا ہوا کپڑا نہ پہنے کیونکہ ان اشیاء میں دواعی رغبت ہیں جو کہ ممنوع ہے۔

(۲۷) کافرہ عورت پر سوگ نہیں کیونکہ سوگ شرعی حق ہے اور وہ شرعی حقوق کے ساتھ مخاطب نہیں۔ (۲۸) نابالغہ بچی پر بھی سوگ نہیں کیونکہ اللہ کا خطاب اس پر سے اٹھالیا گیا ہے۔ (۲۹) البتہ باندی پر سوگ واجب ہے کیونکہ باندی ان تمام حقوق شرع کی مخاطب ہوتی ہے جن میں اسکے مولیٰ کا حق باطل نہ ہوتا ہو۔

(۳۰)وَلَيْسَ فِي عِدَّةِ نِكَاحِ الْفَاسِدِ (۳۱)وَلَا فِي عِدَّةِ اُمِّ الْوَلَدِ اِحْدَادٌ (۳۲)وَلَا يَنْبَغِيْ اَنْ تُخْطَبَ الْمُعْتَدَّةُ (۳۳)وَلَا بَاْسَ بِالتَّعْرِيْضِ فِي الْخِطْبَةِ۔

ترجمہ:۔ اور نکاح فاسد کی عدت میں سوگ نہیں اور نہ ام ولد کی عدت میں سوگ ہے اور معتدہ عورت کو پیغام نکاح دینا مناسب نہیں اور کوئی حرج نہیں پیغام نکاح میں تعریض کرنے میں۔

تشریح:۔ (۳۰) نکاح فاسد کی عدت میں سوگ نہیں (۳۱) اسی طرح اگر مولیٰ نے ام ولد کو آزاد کیا یا مولیٰ مر گیا تو ام ولد پر اسکی عدت میں سوگ واجب نہیں کیونکہ سوگ تو نعمت نکاح زائل ہونے کی وجہ سے واجب ہوتا ہے جبکہ ان عورتوں میں سے کسی کی نعمت نکاح زائل نہیں ہوئی ہے۔ (۳۲) معتدہ عورت کو پیغام نکاح دینا مناسب نہیں بلکہ حرام ہے لقولہ تعالیٰ ﴿وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّا اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا﴾ (یعنی تم ان کے ساتھ سری قرارداد مت کرو مگر یہ کہ معروف بات کرو)۔

(۳۳) البتہ تعریض کی اجازت ہے مثلاً یوں کہنا کہ میں نکاح کا ارادہ رکھتا ہوں یا یوں کہے کہ میں تیری طرف راغب ہوں

میں چاہتا ہوں کہ ہم دونوں ایک جگہ رہے۔ جوازِ تعریض کی دلیل باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَلاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّكَاحِ﴾ (یعنی تم پر کوئی گناہ نہیں اس امر میں جو تم عورتوں کی منگنی سے تعریض کے طور پر کہو)۔

(۳۴) ولا يَجُوزُ لِلْمُطَلَّقَةِ الرَّجْعِيَةِ وَالْمَبْتُوتَةِ الْخُرُوجُ من بَيْتِهَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا (۳۵) وَ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا الْخُرُوجُ نَهَارًا وَبَعْضَ اللَّيْلِ (۳۶) ولا تَبِيتُ فِي غَيْرِ مَنْزِلِهَا۔

ترجمہ:۔ اور جائز نہیں مطلقہ رجعیہ اور بائنہ کے لئے رات یا دن میں اپنے گھر سے نکلنا اور متوفی عنھا زوجھا نکل سکتی ہے دن بھر اور رات کے کچھ حصہ میں اور اپنے گھر کے علاوہ کہیں رات نہ گذارے۔

تشریح:۔ (۳۴) جس آزاد عورت کو طلاق رجعی یا بائن دی گئی ہو اس کیلئے رات یا دن میں اپنے گھر سے نکلنا جائز نہیں کیونکہ اسکا نفقہ اسکے زوج پر واجب ہے لہذا منکوحہ غیر مطلقہ کی طرح اسکو گھر سے نکلنے کی حاجت نہیں۔ (۳۵) متوفی عنھا زوجھا کیلئے دن بھر اور رات کا کچھ حصہ گھر سے باہر رہنے کی شرعاً اجازت ہے اسلئے کہ اسکا نفقہ کسی پر نہیں لہذا روزی تلاش کرنے کیلئے نکلنے کی محتاج ہے اور کبھی طلب معاش رات کے آنے تک دراز ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر اسکے پاس بقدر کفایت روزی ہو تو پھر مطلقہ کی طرح اسکے لئے بھی گھر سے نکلنا جائز نہیں۔ (۳۶) مگر رات بہر حال اپنے گھر میں گذارے گی کیونکہ رات باہر گذارنے کی حاجت نہیں۔

(۳۷) وَعلى الْمُعْتَدَةِ اَنْ تَعْتَدَّ فِي الْمَنْزِلِ الَّذِيْ يُضَافُ اِلَيْهَا بِالسُّكْنٰى حَالَ وُقُوْعِ الْفُرْقَةِ (۳۸) فَاِنْ كَانَ نَصِيْبُهَا مِنْ دَارِ الْمَيِّتِ لا يَكْفِيْهَا وَاَخْرَجَهَا الْوَرَثَةُ مِنْ نَصِيْبِهِمْ اِنْتَقَلَتْ (۳۹) ولا يَجُوْزُ اَنْ يُسَافِرَ الزَّوْجُ بِالْمُطَلَّقَةِ الرَّجْعِيَّةِ۔

ترجمہ:۔ اور معتدہ عورت پر واجب ہے کہ وقوعِ فرقت کے وقت عدت اس مکان میں گذارے جو مکان اسکی طرف رہنے کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے اور اگر شوہر متوفی کے مکان میں سے عورت کا حصہ اس کے رہنے کے لئے کافی نہ ہو اور دوسرے ورثہ نے اسے اپنے حصہ سے نکال دیا تو وہ منتقل ہو جائے اور شوہر کیلئے مطلقہ رجعیہ کو سفر میں لے جانا جائز نہیں۔

تشریح:۔ (۳۷) معتدہ عورت پر واجب ہے کہ وقوعِ فرقت اور وفات زوج کے وقت عدت اس مکان میں گذارے جو مکان اسکی طرف رہنے کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر وہ اپنے رہنے کے مکان کے سوا کسی دوسرے مکان میں ہو کہ شوہر نے طلاق دیدی تو فوراً اپنے گھر کی طرف لوٹ آئیگی۔

(۳۸) اگر شوہر متوفی کے مکان میں سے عورت کا حصہ تنگی کی وجہ سے اتنا ہو کہ وہ اس میں نہیں رہ سکتی اور دوسرے ورثہ بھی اسکو اپنے حصہ سے نکال دیں تو ایسی صورت میں یہ عورت دوسرے کسی مکان میں منتقل ہو سکتی ہے کیونکہ یہ انتقال بوجہ عذر ہے اور عبادات میں اعذار مؤثر ہوتی ہیں۔

(۳۹) شوہر کیلئے مطلقہ رجعیہ کو سفر میں لے جانا جائز نہیں کیونکہ قول باری تعالیٰ ﴿لاتُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ﴾ (یعنی ان

عورتوں کوان کے رہنے کے گھروں سے مت نکالو) عام ہے زوج وغیر زوج سب کو شامل ہے۔

(۴۰)وَاِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ اِمْرَأتَه طَلَاقًا بَائِنًا ثُمَّ تَزَوَّجَهَا فِي عِدَّتِهَا وَطَلَّقَهَا قَبْلَ اَنْ يَدْخُلَ بِهَا فَعَلَيْهِ مَهْرٌ كَامِلٌ وَعَلَيْهَا عِدَّةٌ مُسْتَقِلَّةٌ وقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَهَا نِصْفُ الْمَهْرِ وعَلَيْهَا تَمَامُ الْعِدَّةِ الْاُوْلیٰ۔

ترجمہ:۔اور اگر شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دی پھر اسکی عدت میں شوہر نے دوبارہ اسکے ساتھ نکاح کیا مگر اس کے ساتھ خلوۃ کرنے سے پہلے ہی اسکو دوبارہ طلاق دیدی تو شوہر پر پورا مہر واجب ہوگا اور عورت پر مستقلاً دوسری عدت واجب ہوگی اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عورت کے لئے نصف مہر واجب ہوگا اور عورت پر صرف پہلی عدت کا پورا کرنا واجب ہے۔

تشریح:۔(۴۰) اگر شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دی پھر اسکی عدت نہیں گذری تھی کہ شوہر نے دوبارہ اسکے ساتھ نکاح کیا مگر وطی اور خلوۃ صحیحہ سے پہلے ہی اسکو دوبارہ طلاق دیدی تو شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک دوسرے نکاح اور طلاق کی وجہ سے شوہر پر پورا مہر واجب ہوگا اور عورت پر مستقلاً دوسری عدت واجب ہوگی۔امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک شوہر پر عورت کے لئے طلاق قبل الدخول دینے کی وجہ سے نصف مہر واجب ہوگا اور عورت پر صرف پہلی عدت کا پورا کرنا واجب ہے(شیخینؒ کا قول راجح ہے)۔

(۴۱)وَيَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِ الْمُطَلَّقَةِ الرَّجْعِيَّةِ اِذَا جَاءَتْ بِه لِسَنَتَيْنِ اَوْ اَكْثَرَ مَا لَمْ تُقِرَّ بِانْقِضَاءِ عِدَّتِهَا (۴۲)وَاِنْ جَاءَتْ بِه لِاَقَلَّ مِنْ سَنَتَيْنِ بَانَتْ مِنْ زَوْجِهَا (۴۳)وَاِنْ جَاءَتْ بِه لِاَكْثَرَ مِنْ سَنَتَيْنِ ثَبَتَ نَسَبُه وَكَانَتْ رَجْعَةً۔

ترجمہ:۔اور مطلقہ رجعیہ کے ولد کا نسب ثابت ہوتا ہے اگر وہ دوسال یا دوسال سے زیادہ میں بچہ جنے جب تک کہ عورت نے عدت گذر جانے کا اقرار نہ کیا ہو اور اگر دوسال سے کم میں اس کا بچہ پیدا ہوا تو یہ عورت اپنے شوہر سے بائنہ ہو جائے گی اور اگر وہ بچہ جنے دو سال سے زیادہ میں تو بھی نسب ثابت ہو جائیگا اور یہ رجعت ہوگی۔

تشریح:۔(۴۱) مطلقہ رجعیہ نے اگر طلاق کے وقت سے دوسال یا دوسال سے زیادہ میں بچہ جنا تو شوہر سے اس بچہ کا نسب ثابت ہو جائیگا بشرطیکہ عورت نے اس سے پہلے عدت گذر جانے کا اقرار نہ کیا ہو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ عورت ممتدۃ الطہر ہو اور طہر کے دراز ہونے کی وجہ سے اسکی عدت دراز ہوگئی ہو اور شوہر نے عدت کے زمانے میں وطی کر لی ہو کیونکہ معتدہ رجعیہ کے ساتھ وطی کرنا جائز ہے پس اس وطی سے رجعت بھی ثابت ہوگی اور بچہ کا نسب بھی ثابت ہو جائیگا۔

(۴۲) اگر دوسال سے کم میں بچہ پیدا ہوا تو یہ عورت اپنے شوہر سے بائنہ ہو جائے گی اور اس بچہ کا نسب اسکے شوہر سے ثابت ہو جائیگا اور ثبوت نسب کی وجہ یہ ہے کہ اگر وطی حالت نکاح میں کی گئی ہو تب تو ظاہر ہے اور اگر عدت میں وطی کی گئی ہو تب بھی نسب ثابت ہو جائیگا کیونکہ معتدہ رجعیہ کے ساتھ وطی کرنا شرعاً جائز ہے لیکن شوہر اس وطی کی وجہ سے مراجعت کرنے والا شمار نہ ہوگا اسلئے کہ اگر یہ احتمال ہے کہ وطی طلاق کے بعد کی گئی ہے تو یہ بھی احتمال ہے کہ طلاق سے پہلے وطی کی گئی ہو پس رجعت میں شک ہوا اور شک کی وجہ سے رجعت ثابت نہیں ہوتی۔

(۴۳) اگر بچہ طلاق کے وقت سے دوسال سے زیادہ میں پیدا ہوا تو بھی نسب ثابت ہو جائیگا کیونکہ اس صورت میں علوق یقینا طلاق کے بعد ہوا ہے اسلئے کہ اکثر مدت حمل دوسال ہے اور ظاہر حال یہی ہے کہ یہ علوق اسی شخص سے ہوا ہوگا کیونکہ مسلم سے زنا منتفی ہے پس جب زمانہ عدت میں مطلقہ رجعیہ کے ساتھ وطی کی گئی ہے تو یہ شخص اس وطی کی وجہ سے مراجعت کرنے والا شمار ہوگا۔

(۴۴) وَالْمَبْتُوتَةُ يَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِهَا إِذَا جَاءَ تْ بِهِ لِأَقَلَّ مِنْ سَنَتَيْنِ (۴۵) وَإِذَا جَاءَ تْ بِهِ لِتَمَامِ سَنَتَيْنِ مِن يَوْمِ الْفُرْقَةِ لَم يَثْبُتْ نَسَبُهُ (۴۶) إِلَّا أَنْ يَدَّعِيَهُ الزَّوْجُ (۴۷) وَيَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِ الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا مَابَيْنَ الْوَفَاتِ وَبَيْنَ سَنَتَيْنِ۔

ترجمہ:۔اور بائنہ عورت کے بچے کا نسب ثابت ہوتا ہے جب وہ دوسال سے کم میں جنے اور اگر فرقت کے وقت سے پورے دوسال میں بچہ جنا تو اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا مگر یہ کہ زوج اسکا دعویٰ کرے اور متوفی عنہا زوجھا کے ولد کا نسب وفات کے وقت سے دوسال کے اندر ثابت ہوتا ہے۔

تشریح:۔(۴۴) جس عورت کو طلاق بائن دی گئی پھر اس نے فرقت کے وقت سے دوسال سے کم میں بچہ جنا تو اس بچہ کا نسب مطلقہ کے شوہر سے ثابت ہو جائیگا کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ طلاق کے وقت بچہ کا نطفہ قرار پا چکا تھا پس اس امر کا یقین نہیں کہ نطفہ قرار پانے سے پہلے عورت کا فراش ہونا زائل ہوا تھا لہذا احتیاطاً نسب ثابت ہوگا۔(۴۵) اگر فرقت کے وقت سے پورے دوسال پر بچہ جنا تو نسب ثابت نہیں ہوگا کیونکہ اس صورت میں حمل بالیقین طلاق کے بعد پیدا ہوا ہے اسلئے کہ معتدہ بائنہ کے ساتھ وطی حرام ہے لہذا یہ مطلقہ کے شوہر سے نہیں۔

(۴۶) البتہ اگر شوہر نے دعویٰ کیا کہ یہ بچہ میرے نطفہ سے ہے تو اس سے نسب ثابت ہو جائیگا کیونکہ اس نے اس بچہ کا نسب خود اپنے ذمہ لازم کرلیا ہے اور اسکی شرعی توجیہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس شخص نے عدت کے زمانے میں حلال سمجھ کر اس معتدہ بائنہ کے ساتھ وطی کرلی ہو اور چونکہ ثبوت نسب میں احتیاط کی جاتی ہے لہذا بچہ کا نسب ثابت ہو جائیگا۔

(۴۷) جس عورت کا شوہر مرگیا تو اسکے بچہ کا نسب اسکے شوہر کی وفات سے دو برس کے اندر ثابت ہوگا اگر چہ غیر مدخول بہا ہو بشرطیکہ اس نے عدت گذرنے کا اقرار نہ کیا ہو۔امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک عدت وفات گذارنے کے بعد مزید چھ ماہ گذرنے پر اگر بچہ جنا تو نسب ثابت نہ ہوگا۔

(۴۸) وَإِذَا اعْتَرَفَتِ الْمُعْتَدَّةُ بِانْقِضَاءِ عِدَّتِهَا ثُمَّ جَاءَ تْ بِوَلَدٍ لِأَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ ثَبَتَ نَسَبُهُ (۴۹) وَإِنْ جَاءَ تْ لِسِتَّةِ أَشْهُرٍ لم يَثْبُتْ نَسَبُهُ۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی معتدہ نے اعتراف کیا کہ میری عدت گذر گئی پھر (اقرار کے وقت سے) چھ ماہ سے کم مدت میں بچہ جنا تو اس بچہ کا نسب ثابت ہو جائیگا اور اگر (اقرار کے وقت سے) پورے چھ ماہ میں بچہ جنا تو اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا۔

تشریح:۔(۴۸) اگر کسی معتدہ نے اعتراف کیا کہ میری عدت گذر گئی پھر ہوا یہ کہ اسکے اقرار کے وقت سے چھ ماہ سے کم مدت

میں اس نے بچہ جنا تو اس بچہ کا نسب ثابت ہو جائیگا کیونکہ چھ ماہ سے کم میں بچہ کے پیدا ہونے سے معلوم ہوا کہ بوقت اقرار یہ عورت حاملہ تھی اور چونکہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے اسلئے وہ انقضاء عدت کا اقرار کرنے میں جھوٹی ہوگی لہذا اسکا گذشتہ اقرار باطل ہے اسلئے بچہ کا نسب ثابت ہے۔

(۴۹) اگر عدت گذر جانے کے اقرار کے وقت سے پورے چھ ماہ میں بچہ پیدا ہوا تو نسب ثابت نہیں ہوگا اسلئے کہ اقرار سے معلوم ہوتا ہے کہ حمل بعد از اقرار قرار پایا ہے کیونکہ عورت خبر دینے میں امینہ ہے اور قول امین کا معتبر ہے جب تک کہ اس کا کذب محقق نہ ہو۔

(۵۰) وَاِذَا وَلَدَتِ الْمُعْتَدَةُ وَلَداً لم يَثْبُتْ نَسَبُه عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ رحمه الله اِلَّا اَنْ يَشْهَدَ بِوِلَادَتِهَا رَجُلَانِ او رَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ (۵۱) اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ هُنَاكَ حَبَلٌ ظَاهِرٌ (۵۲) اَوِ اعْتِرَافٌ مِنْ قِبَلِ الزَّوْجِ فَيَثْبُتُ النَّسَبُ مِنْ غَيْرِ شَهَادَةٍ وقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ رحمه الله وَمُحَمَّدٌ رحمه الله يَثْبُتُ فِي الْجَمِيْعِ بِشَهَادَةِ اِمْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ۔

ترجمہ:۔ اور اگر معتدہ عورت نے بچہ جنا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا مگر یہ کہ بچہ کی ولادت پر دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں شہادت دیں الا یہ کہ حمل پہلے سے ظاہر ہو اور یا شوہر حمل کا اعتراف کردے تو شہادت کے بغیر نسب ثابت ہو جائیگا اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ تمام صورتوں میں ایک عورت کی گواہی سے نسب ثابت ہو جائیگا۔

تشریح:۔ (۵۰) اگر معتدہ عورت نے بچہ جنا اور شوہر نے ولادت کا انکار کیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک نسب اس وقت ثابت ہوگا جبکہ بچہ کی ولادت پر دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں شہادت دیں۔ (۵۱) البتہ اگر حمل پہلے سے ظاہر ہو۔ (۵۲) یا شوہر حمل کا اعتراف کردے تو ان دو صورتوں میں شہادت کے بغیر نسب ثابت ہو جائیگا۔

صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک مذکورہ بالا تمام صورتوں میں ایک عورت کی گواہی سے نسب ثابت ہو جائیگا۔ صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ عدت قائم ہونے کی وجہ سے عورت اپنے شوہر کی فراش (وَهُوَ تَعْيِيْنُ الْمَرْأَةِ لِمَاءِ الزَّوْجِ بِحَيْثُ يَثْبُتُ مِنْهُ نَسَبُ كُلِّ وَلَدٍ تَلِدُه) ہے اور فراش ہونا نسب کو لازم کر دیتا ہے لہذا نسب ثابت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہاں یہ حاجت ہے کہ یہ بچہ واقعی اسی عورت کا جنا ہوا ہے یا نہیں تو یہ بات ایک عورت کی گواہی سے ثابت ہو جائے گی۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ عورت چونکہ عدت گذار رہی ہے اسلئے وہ شوہر کی مکمل فراش نہیں ہے لہذا فراش ناقص ہونے کی وجہ سے ثبوتِ نسب کے لئے کافی نہیں پس ثبوتِ نسب کے لئے کامل گواہی ضروری ہے اور کامل گواہی یہ ہے کہ دو مرد گواہی دیں یا ایک مرد دو عورتیں گواہی دیں البتہ اگر حمل ظاہر ہو یا شوہر گواہی دے تو پھر شہادت ضروری نہیں (امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول راجح ہے)۔

(۵۳)اِذَا تَزَوَّجَ اِمْرَاَةً فَجَاءَ تْ بِوَلَدٍلِاَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ مُنْذُ يَوْمِ تَزَوَّجَهَا لَم يَثْبُتْ نَسَبُه (۵۴)وَاِنْ جَاءَ تْ بِه لِسِتَّةِ اَشْهُرٍ فَصَاعِداً يَثْبُتُ نَسَبُه سَوَاءٌ اِعْتَرَفَ بِه الزَّوْجُ اَوْ سَكَتَ (۵۵)وَاِنْ جَحَدَ الْوِلَادَةَ يَثْبُتُ بِشَهَادَةِ اِمْرَاَةٍ وَاحِدَةٍ تَشْهَدُبِالْوِلَادَةِ۔

ترجمہ:۔اوراگر مرد نے کسی عورت کے ساتھ نکاح کیا نکاح کے دن سے چھ مہینے سے کم مدت میں اس عورت نے بچہ جنا تو اس بچہ کا نسب ثابت نہیں ہوگا اور اگر چھ ماہ یا اس سے زائد میں بچہ جنا تو اس بچہ کا نسب ثابت ہو جائیگا خواہ شوہر اس بچہ کا اقرار کرے یا خاموش رہے اور اگر شوہر نے ولادت کا انکار کیا تو ایک عورت جو ولادت کی گواہی دے کی گواہی سے ولادت ثابت ہو جائے گی۔

تشریح:۔(۵۳)اگر مرد نے کسی عورت کے ساتھ نکاح کیا پس نکاح کے وقت سے چھ مہینے سے کم مدت میں اس عورت نے بچہ جنا تو اس بچہ کا نسب اس مرد سے ثابت نہیں ہوگا کیونکہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے اور بچہ چھ ماہ سے کم میں پیدا ہوا تو معلوم ہوا کہ نطفہ نکاح سے پہلے قرار پا گیا ہے پس ثابت ہوا کہ یہ نطفہ اس شوہر سے نہیں تو نسب بھی اس سے ثابت نہیں ہوگا۔

(۵۴)اگر نکاح کے وقت سے چھ ماہ یا اس سے زائد میں بچہ جنا تو اس بچہ کا نسب اس سے ثابت ہو جائیگا خواہ شوہر اس بچہ کا اقرار کرے یا خاموش رہے کیونکہ عورت کا فراش ہونا بھی ثابت ہے اور حمل کی مدت بھی پوری ہے۔(۵۵)اگر بچہ چھ ماہ یا اس سے زائد مدت میں پیدا ہوا مگر شوہر نے بچہ پیدا ہونے کا انکار کیا تو ایک عورت جو ولادت کی گواہی دے کی گواہی سے ولادت ثابت ہو جائے گی کیونکہ نسب تو فراش کی وجہ سے ثابت ہے حاجت تعین ولد کا ہے تو وہ ایک عورت کی گواہی سے متعین ہو جاتا ہے کمامرّ۔

(۵۶)وَاَكْثَرُ مُدَّةِ الْحَمْلِ سَنَتَانِ(۵۷)وَاَقَلُّه سِتَّةُ اَشْهُرٍ۔

ترجمہ:۔اور حمل کی اکثر مدت دو سال ہے اور حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہیں۔

تشریح:۔(۵۶)حمل کی اکثر مدت دو سال ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول ہے کہ بچہ پیٹ میں دو برس سے زیادہ نہیں رہتا اگرچہ تکلے کے سایہ بھر ہو۔(۵۷)اور حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہیں لقوله تعالیٰ ﴿وَحَمْلُه وَفِصَالُه ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾ (یعنی بچہ کا حمل میں رہنا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس ماہ ہیں)اور پھر فرمایا ''وَفِصَالُه فِي عَامَيْنِ'' کہ فصال دو برس میں ہوتا ہے تو حمل کیلئے چھ ماہ باقی رہے۔

(۵۸)وَاِذَا طَلَّقَ الذِّمِّيُّ الذِّمِّيَّةَ فَلا عِدَّةَ عَلَيْهَا(۵۹)وَاِنْ تَزَوَّجَتِ الْحَامِلُ مِنَ الزِّنَا جَازَ النِّكَاحُ وَلا يَطَاُهَا حَتّٰى تَضَعَ حَمْلَهَا۔

ترجمہ:۔اور اگر ذمی مرد نے اپنی ذمیہ بیوی کو طلاق دی تو اس پر عدت نہیں اور اگر کسی نے زنا سے حاملہ شدہ عورت کے ساتھ نکاح کیا تو نکاح جائز ہے اور اسکے ساتھ وطی نہ کرے یہاں تک کہ حمل جن لے۔

تشریح:۔(۵۸)اگر ذمی مرد نے اپنی ذمیہ بیوی کو طلاق دی اور یا ذمی مر گیا تو اس ذمیہ پر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عدت نہیں بشرطیکہ عدم عدت ان کے دین میں جائز ہو کیونکہ عدت واجب ہوتی ہے لحق الله تعالیٰ وحق الزوج جبکہ ذمی ...

مطالب نہیں اور رہا حق زوج تو اس نے عدم اعتقاد کی وجہ سے یہ حق خود ساقط کیا ہے۔ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک اس عورت پر عدت واجب ہے۔

(۵۹) اگر عورت زنا سے حاملہ ہو تو طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک اس کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے کیونکہ ماءِ زانی کیلئے کوئی حرمت نہیں۔ مگر وضع حمل سے پہلے وطی نہیں کرسکتا تاکہ دوسرے کی کھیت کو اپنا پانی نہ پلائے۔ لیکن اگر نکاح کرنے والا وہی زانی ہو تو وضع حمل سے پہلے بھی وطی جائز ہے۔ امام یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک حاملہ عورت کے ساتھ نکاح جائز نہیں والصحیح قوله۔

كتابُ النَّفقاتِ

یہ کتاب نفقات کے بیان میں ہے۔

"نفقہ" لغۃً وہ کچھ ہے جو انسان اپنے عیال پر خرچ کرے۔ اور شرعاً طعام، کپڑے اور سکنیٰ کو کہتے ہیں۔ جسکے وجوب کے تین اسباب ہیں، زوجیت، قرابت، ملک، پھر زوجیت اصل النسب ہے اور نسب اقویٰ من الملک ہے اسلئے امام قدوری رحمہ اللہ نے نفقۂ زوجیت کا بیان شروع فرمایا۔

ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ امام قدوری رحمہ اللہ جب نکاح اور طلاق کے مباحث سے فارغ ہو گئے تو نفقات کے بیان کو شروع فرمایا جن میں سے نفقۃ المنکوحہ ونفقۃ المطلقۃ اور نفقۃ المحارم بھی ہے جو نکاح کے ساتھ متعلق ہیں۔

وجوبِ نفقہ میں اصل باری تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ﴿لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ﴾ وقوله تعالیٰ ﴿وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ وقوله عليه السلام في حديث حجة الوداع "وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ"۔ نیز نفقہ احتباس کا بدلہ ہے اور قاعدہ ہے کہ جو بھی دوسرے کے مقصودی حق میں محبوس ہو تو محبوس کا نفقہ اسی پر ہوتا ہے۔

(۱) اَلنَّفَقَةُ وَاجِبَةٌ لِلزَّوْجَةِ عَلَى زَوْجِهَا مُسْلِمَةً كَانَتْ اَوْ كَافِرَةً اِذَا سَلَّمَتْ نَفْسَهَا فِي مَنْزِلِه فَعَلَيْهِ نَفَقَتُهَا وَكِسْوَتُهَا وَسُكْنَاهَا (۲) يُعْتَبَرُ ذَالِكَ بِحَالِهِمَا جَمِيْعًا مُوْسِرًا كَانَ الزَّوْجُ اَوْ مُعْسِرًا۔

ترجمہ:۔ اور بیوی کا نفقہ اسکے شوہر پر واجب ہے زوجہ خواہ مسلمان ہو یا کتابیہ، جبکہ وہ خود کو شوہر کے گھر سپرد کردے پس شوہر پر اسکا نفقہ اور اسکے کپڑے اور سکنیٰ واجب ہے اور اس کا اعتبار دونوں کے حال سے ہوگا شوہر خواہ غنی ہو یا تنگ دست ہو۔

تشریح:۔ (۱) بیوی کا نفقہ اسکے شوہر پر واجب ہے اگرچہ زوج صغیر یا فقیر ہو اور زوجہ خواہ مسلمان ہو یا کتابیہ، فقیرہ ہو یا دولت مند، موطوءہ ہو یا غیر موطوءہ، بشرطیکہ وہ خود کو شوہر کے گھر سپرد کردے پس شوہر پر اسکے ماکولات، مشروبات، کپڑے اور سکنیٰ واجب ہے کیونکہ نفقہ حبس کا عوض ہے اور جو کوئی دوسرے کے مقصودی حق کی وجہ سے محبوس ہوگا تو نفقہ بھی اسی پر ہوگا پس عورت بھی اپنے شوہر کے واسطے محبوس ہے لہذا عورت کا نفقہ بھی شوہر پر واجب ہوگا۔ (۲) نفقہ کی مقدار میں زوجین میں سے کس کا حال معتبر ہوگا امام قدوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زوجین دونوں کا حال معتبر ہوگا یہی قول امام خصاف کا مختار ہے اور یہی قول مفتیٰ بہ ہے۔

اس قول کی عقلاً چار صورتیں بنتی ہیں۔/ نمبر ۱۔ زوجین دونوں خوشحال ہوں۔/ نمبر ۲۔ دونوں تنگ دست ہوں۔/ نمبر ۳۔ شوہر غنی بیوی تنگدست ہو۔/ نمبر ۴۔ بیوی مالدار شوہر تنگدست ہو۔ پہلی صورت میں خوشحالی کا نفقہ واجب ہوگا دوسری صورت میں تنگی کا نفقہ واجب ہوگا اور تیسری و چوتھی صورت میں اوسط درجہ کا نفقہ واجب ہوگا۔

(۳) فَاِنْ اِمْتَنَعَتْ مِنْ تَسْلِيْمِ نَفْسِهَا حَتّٰى يُعْطِيَهَا مَهْرَهَا فَلَهَا النَّفَقَةُ (٤) وَاِنْ نَشَزَتْ فَلا نَفَقَةَ لَهَا حَتّٰى تَعُوْدَ اِلٰى مَنْزِلِه۔

ترجمہ:۔ پس اگر عورت نے خود کو شوہر کے حوالہ کرنے سے رک گئی یہاں تک کہ شوہر اسکا مہر دیدے تو اس کے لئے نفقہ ہے اور اگر اس نے نافرمانی کی تو اس کے لئے نفقہ نہیں یہاں تک کہ وہ اسکے گھر واپس آئے۔

تشریح:۔ (۳) اگر عورت نے خود کو شوہر کے حوالہ کرنے سے رک گئی یہاں تک کہ شوہر اسکا مہر معجّل دیدے تو اس صورت میں عورت کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا بلکہ نفقہ دینا شوہر پر واجب ہے کیونکہ عورت کا خود کو روکنا اپنے حق کیوجہ سے ہے پس احتباس کا فوت ہونا ایسی وجہ سے ہے جو شوہر کی طرف سے پیدا ہوئی ہے تو گویا احتباس فوت ہی نہیں ہوا ہے لہذا اس کا نفقہ بھی ساقط نہ ہوگا۔

(٤) اگر عورت سرکشی کر کے شوہر کی اجازت کے بغیر شوہر کے گھر سے نکل گئی تو اس کے واسطے نفقہ نہیں ہوگا کیونکہ احتباس اس نے خود ختم کیا ہے اور نفقہ احتباس ہی کا عوض تھا لیکن اگر وہ لوٹ کر واپس شوہر کے گھر آئی تو پھر محبوس ہوگئی لہذا پھر اس کیلئے نفقہ واجب ہوگا۔

(۵) وَاِذَا كَانَتْ صَغِيْرَةً لَايُسْتَمْتَعُ بِهَا فَلا نَفَقَةَ لها وَاِنْ سَلَّمَتْ اِلَيْهِ نَفْسَهَا (٦) وَاِنْ كَانَ الزَّوْجُ صَغِيْرًا لا يَقْدِرُ عَلَى الْوَطْئِ وَالْمَرْاَةُ كَبِيْرَةٌ فَلَهَا النَّفَقَةُ مِنْ مَالِه۔

ترجمہ:۔ اور اگر عورت صغیرہ ہو جس سے جماع نہیں کیا جا سکتا ہو تو اس کیلئے نفقہ واجب نہیں ہوگا اگر چہ وہ خود کو شوہر کے سپرد کر دے اور اگر زوج بچہ ہو وطی پر قادر نہ ہو اور عورت بالغہ تو اس عورت کیلئے شوہر کے مال سے نفقہ واجب ہے۔

تشریح:۔ (۵) اگر عورت ایسی صغیرہ ہو جس سے جماع نہیں کیا جا سکتا ہو تو اس کیلئے شوہر پر نفقہ واجب نہیں ہوگا اگر چہ وہ خود کو شوہر کے سپرد کر دے کیونکہ نفقہ ایسے احتباس کے عوض واجب ہوتا ہے جس احتباس میں شوہر اس سے فائدہ حاصل کر سکے جبکہ صغیرہ کا احتباس ایسا نہیں۔ (٦) اگر زوج بچہ ہو وطی پر قادر نہ ہو اور عورت بالغہ قابل استمتاع ہو تو اس عورت کیلئے شوہر کے مال سے نفقہ واجب ہے کیونکہ عورت نے خود کو سپرد کیا ہے اور قابل استمتاع بھی ہے عجز تو شوہر کی طرف سے ہے عورت کی طرف سے نہیں۔

(۷) وَاِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ اِمْرَاَتَه فَلَهَا النَّفَقَةُ وَالسُّكْنٰى فِي عِدَّتِهَا رَجْعِيًّا كَانَ اَوْ بَائِنًا (۸) وَلا نَفَقَةَ لِلْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا (۹) وَكُلّ فُرْقَةٍ جَاءَتْ مِنْ قِبَلِ الْمَرْاَةِ بِمَعْصِيَةٍ فَلا نَفَقَةَ لَهَا۔

ترجمہ:۔ اور اگر شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو اس کی عدت میں اسکے واسطے نفقہ اور سکنی واجب ہوگا خواہ طلاق رجعی ہو یا بائن اور متوفی عنہا زوجہا کے لئے نفقہ نہیں اور جو بھی فرقت عورت کی جانب سے بوجہ معصیت آئی تو اس عورت کے لئے نفقہ نہیں ہوگا۔

تشریح:۔ (۷) اگر کسی نے اپنی بیوی کو طلاق دی خواہ طلاق رجعی ہو یا بائن دونوں صورتوں میں عورت کی عدت میں اسکے واسطے نفقہ اور

سکنیٰ واجب ہوگا کیونکہ طلاق رجعی کی صورت میں تو نکاح قائم ہے اسلئے نفقہ واجب ہے اور طلاق بائن کی صورت میں نفقہ اس لئے واجب ہے کہ نفقہ احتباس کا عوض ہے اور احتباس مقصود بالنکاح (یعنی بچہ) کے حق میں اب بھی قائم ہے کیونکہ عدت بچہ ہی کی حفاظت کے لئے واجب ہوئی ہے پس وجودِ احتباس کی وجہ سے عورت کیلئے نفقہ واجب ہوگا۔

(۸) اگر کسی عورت کا شوہر مرگیا تو اس کے لئے نفقہ نہیں کیونکہ نفقہ شَیْئاً فَشَیْئاً (تھوڑا تھوڑا) واجب ہوتا ہے اور موت کے بعد شوہر کیلئے مال نہیں جس میں نفقہ واجب ہو اور ورثہ کی ملک میں نفقہ واجب کرنا ممکن نہیں۔

(۹) جو بھی فرقت عورت کی جانب سے بوجہ معصیت آئی مثلاً عورت مرتدہ ہوگئی یا اپنے شوہر کے بیٹے کو اپنی نفس پر قدرت دے دی تو اس عورت کے لئے نفقہ نہیں ہوگا کیونکہ وہ اپنے نفس کو بلاوجہ اور ناحق روکنے والی ہے پس یہ ایسی ہوگئی جیسے وہ نافرمانی کر کے گھر سے نکل گئی ہو۔

(۱۰) فَإِنْ طَلَّقَهَا ثُمَّ اِرْتَدَّتْ سَقَطَتْ نَفَقَتُهَا (۱۱) وَإِنْ اَمْكَنَتْ اِبْنَ الزَّوْجِ مِنْ نَفْسِهَا فَانْ كَانَ بَعْدَ الطَّلَاقِ فَلَهَا النَّفَقَةُ (۱۲) وَإِنْ كَانَ قَبْلَ الطَّلَاقِ فَلانَفَقَةَ لَهَا۔

توجمه:۔اور اگر عورت کو طلاق دی پھر وہ (العیاذ باللہ) مرتدہ ہوگئی تو اس کا نفقہ ساقط ہوگیا اور اگر اس نے ابن الزوج کو اپنی نفس پر قدرت دیدی تو اگر طلاق کے بعد ہو تو اسکے کیلئے نفقہ واجب ہوگا اور اگر طلاق سے پہلے ہو تو اس کیلئے نفقہ نہیں ہوگا۔

تشریح:۔(۱۰) اگر شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق دی اسکے بعد وہ (العیاذ باللہ) مرتدہ ہوگئی تو اس عورت کا نفقہ ساقط ہوگیا۔(۱۱) اگر طلاق کے بعد عورت نے ابن الزوج کو خود پر قدرت دیدی تو اس عورت کیلئے نفقہ واجب ہوگا کیونکہ دونوں صورتوں میں فرقت تو طلاق سے ثابت ہوئی ہے ارتداد اور ابن الزوج کو خود پر قدرت دینے کا اس فرقت میں کوئی دخل نہیں ہاں جو عورت مرتدہ ہوگئی وہ قید کی جاتی ہے یہاں تک کہ توبہ کرے اور قیدی عورت کیلئے نفقہ نہیں ہوتا اور جس عورت نے ابن الزوج کو خود پر قدرت دیا ہے وہ قید نہیں کی جاتی لہٰذا اس کیلئے نفقہ ہے۔

(۱۲) اور اگر ابن الزوج کو طلاق سے پہلے خود پر قابو دیا تو اس عورت کیلئے نفقہ نہیں ہوگا کیونکہ فرقت قدرت دینے کی وجہ سے آئی ہے جو کہ ایسی فرقت ہے جو عورت کی جانب سے عورت کی معصیت کی وجہ سے آئی جس میں نفقہ نہیں ہوا کرتا ہے۔

(۱۳) وَإِذَا حُبِسَتِ الْمَرْأَةُ فِي دَيْنٍ (۱۴) اَوْ غَصَبَهَا رَجُلٌ كَرْهًا فَذَهَبَ بِهَا (۱۵) او حَجَّتْ مَعَ غَيْرِ مَحْرَمٍ فَلانَفَقَةَ لَهَا (۱۶) فَإِنْ مَرِضَتْ فِي مَنْزِلِ الزَّوْجِ فَلَهَا النَّفَقَةُ۔

توجمه:۔اور اگر عورت قرض کی وجہ سے قید کر لی گئی یا اس کو کسی نے زبردستی غصب کر کے لے گیا اور یا عورت کسی غیر محرم (اپنے شوہر کے سوئی) کیساتھ حج پر گئی تو اس کیلئے نفقہ نہیں ہوگا اور اگر عورت اپنے شوہر کے گھر رہ کر بیمار ہوگئی تو اس کے لئے نفقہ واجب ہے۔

تشریح:۔(۱۳) اگر عورت مقروض ہو قرض خواہ نے قرض کی وجہ سے قید کر لی۔(۱۴) یا عورت کو کسی نے زبردستی غصب کر کے لے گیا

(۱۵) یا عورت کسی غیر محرم (اپنے شوہر کے سوئی) کیساتھ حج پر گئی تو ان تینوں صورتوں میں عورت کیلئے نفقہ نہیں ہوگا کیونکہ نفقہ احتباس کے بدلے ہوتا ہے یہاں احتباس زائل ہوا ہے۔ مگر امام یوسفؒ کے نزدیک مغصوبہ اور محرم کے ساتھ حج کرنے والی کیلئے نفقہ ہوگا۔

(۱٦) اگر عورت اپنے شوہر کے گھر رہ کر بیمار ہوگئی تو اس کے لئے نفقہ استحساناً واجب ہے کیونکہ احتباس قائم ہے اسلئے کہ شوہر مریضہ عورت سے اُنس پاتا ہے اور اس کو چھو کر لطف اندوز ہوتا ہے اور وہ اسکے گھر کی حفاظت کرتی ہے اور مانع وطی عارض کی وجہ سے ہے لہٰذا یہ مرض حیض کے مشابہ ہوگیا اس لئے اس کیلئے نفقہ واجب ہے۔

(۱۷) وَتُفْرَضُ عَلَى الزَّوْجِ نَفَقَةَ خَادِمِهَا اِذَا كَانَ مُوْسِرًا (۱۸) وَلَا تُفْرَضُ لِاَكْثَرَ مِنْ خَادِمٍ وَاحِدٍ (۱۹) وَعَلَيْهِ اَنْ يُسْكِنَهَا فِي دَارٍ مُفْرَدَةٍ لَيْسَ فِيْهَا اَحَدٌ مِنْ اَهْلِهِ اِلَّا اَنْ تَخْتَارَ ذَالِكَ (۲۰) وَاِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ مِنْ غَيْرِهَا فَلَيْسَ لَهُ اَنْ يُسْكِنَهُ مَعَهَا۔

ترجمہ:۔ اور شوہر پر بیوی کے خادم کا نفقہ مقرر کیا جائیگا اگر وہ مالدار ہو اور ایک خادم سے زیادہ کا نفقہ شوہر پر مقرر نہیں کیا جائیگا اور شوہر پر یہ واجب ہے کہ وہ اپنی بیوی کو علیٰحدہ مکان میں بسائے جس میں شوہر کے گھر والوں میں سے کوئی نہ رہتا ہو الّا یہ کہ عورت ہی یہ پسند کرلے اور اگر شوہر کیلئے دوسری بیوی سے بیٹا ہو تو شوہر کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اس کو اس عورت کے ساتھ بسائے۔

تشریح:۔ (۱۷) اگر شوہر مالدار ہو تو اس پر بیوی کے خادم کا نفقہ بھی واجب ہے کیونکہ شوہر پر بیوی کی کفایت واجب ہے اور خادم کا نفقہ عورت کی کفایت کی تکمیل ہے کیونکہ عورت کیلئے خادم کا ہونا ضروری ہے۔ (۱۸) مگر طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک ایک خادم سے زیادہ کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں کیونکہ ایک خادم گھر کے اندر و باہر دونوں کاموں کو پورا کرسکتا ہے لہٰذا دو خادموں کی ضرورت نہیں جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک شوہر پر عورت کے دو خادموں کا نفقہ واجب ہے کیونکہ ایک خادم اندرون گھر کا اور دوسرا بیرون گھر کا کام کریگا۔

(۱۹) شوہر پر یہ واجب ہے کہ وہ اپنی بیوی کو علیٰحدہ مکان میں بسائے جس میں شوہر کے گھر والوں میں سے کوئی نہ رہتا ہو۔ ہاں اگر عورت ہی شوہر کے گھر والوں کے ساتھ رہنا پسند کرے تو اسکو اختیار ہے کیونکہ وہ اپنے حق کی کمی پر خود راضی ہوئی۔ (۲۰) پس اگر شوہر کیلئے دوسری بیوی سے اتنے عمر کا بیٹا ہو جو جماع کو سمجھتا ہو تو شوہر کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اس بیٹے کو اس عورت کے ساتھ بسائے کیونکہ شوہر کے ذمہ عورت کا سکنیٰ واجب ہے تو اس میں غیر کو شریک کرنا جائز نہیں کیونکہ عورت کو اس سے ضرر ہوتا ہے۔

(۲۱) وَلِلزَّوْجِ اَنْ يَمْنَعَ وَالِدَيْهَا وَوَلَدَهَا مِنْ غَيْرِهِ وَاَهْلَهَا مِنَ الدُّخُوْلِ عَلَيْهَا (۲۲) وَلَا يَمْنَعُهُمْ مِنَ النَّظْرِ اِلَيْهَا وَلَا مِنْ كَلَامِهِمْ مَعَهَا فِي اَيِّ وَقْتٍ اِخْتَارُوْا۔

ترجمہ:۔ اور شوہر کو یہ اختیار ہے کہ وہ بیوی کے ماں باپ اور اسکا لڑکا جو دوسرے شوہر سے ہے اور اسکے دوسرے رشتہ داروں کو اس کے پاس آنے سے روک دے البتہ شوہر ان کو اس کی طرف دیکھنے سے اور اسکے ساتھ باتیں کرنے سے نہ روکے جس وقت بھی وہ چاہیں۔

تشریح:۔ (۲۱) شوہر کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ماں باپ اور اسکا وہ لڑکا جو دوسرے شوہر سے ہے اور اسکے دوسرے رشتہ داروں

کو اس کے پاس آنے سے روک دے کیونکہ یہ گھر شوہر کی ذاتی ملک ہے لہذا اسکو اپنی ملک میں آنے سے منع کرنے کا اختیار حاصل ہے۔(۲۲) البتہ کسی وقت بھی اگر وہ اسکو دیکھنا چاہیں یا اسکے ساتھ باتیں کرنا چاہیں تو شوہر انکو اس کی طرف دیکھنے اور اسکے ساتھ باتیں کرنے سے نہیں روک سکتا ہے کیونکہ اس میں قطع رحمی لازم آتا ہے اور قطع رحمی حرام ہے اور شوہر کا اس میں کوئی ضرر بھی نہیں۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ شوہر عورت کو اپنے والدین کے یہاں جانے اور اس کے والدین کو یہاں آنے سے ہر جمعہ میں ایک بار منع نہیں کر سکتا اور والدین کے سوا دیگر رشتہ داروں کو سال میں ایک مرتبہ ملاقات کرنے کی اجازت ہے۔

(۲۳) وَمَنْ اَعْسَرَ بِنَفَقَةِ اِمْرَأتِه لَمْ يُفَرِّقْ بَيْنَهُمَا (۲٤) وَيُقَالُ لَهَا اِسْتَدِيْنِيْ عَلَيْهِ۔

ترجمہ:۔اور جو شخص اپنی بیوی کو نفقہ دینے سے تنگدست ہو گیا تو زوجین میں تفریق نہیں کی جائے گی اور عورت سے کہا جائیگا کہ اپنے شوہر کے ذمہ پر قرضہ لے لے۔

تشریح:۔(۲۳) جو شخص اپنی بیوی کو نفقہ دینے سے تنگدست ہو گیا تو اسکی وجہ سے زوجین میں تفریق نہیں کی جائے گی۔(۲٤) بلکہ قاضی عورت سے کہے گا کہ اپنے شوہر کے ذمہ پر قرضہ لے لے (یعنی اس شرط پر کھانے کا سامان خرید لے کہ اسکی قیمت اس کا شوہر ادا کریگا یا شوہر کے مالدار ہونے پر اس کے مال سے قرضہ ادا کر دیا جائیگا) کیونکہ تفریق میں شوہر کا حق بالکلیہ باطل ہو جاتا ہے اور قرضہ لینے میں عورت کے حق میں صرف تاخیر آئیگی اور تاخیر حق کا ضرر بنسبت بطلان حق کے کم ہے لہذا یہ اولیٰ ہے۔

(۲۵) وَاِذَا غَابَ الرَّجُلُ وَلَه مَالٌ فِيْ يَدِ رَجُلٍ يَعْتَرِفُ بِه وَبِالزَّوْجِيَّةِ فَرَضَ الْقَاضِيْ فِيْ ذَالِكَ الْمَالِ نَفَقَةَ زَوْجَةِ الْغَائِبِ وَاَوْلَادِهِ الصِّغَارِ وَوَالِدَيْهِ (۲٦) وَيَأخُذُ مِنْهَا كَفِيْلًا بِهَا (۲۷) وَلَا يَقْضِيْ بِنَفَقَةٍ فِيْ مَالِ الْغَائِبِ اِلَّا لِهٰؤُلَاءِ۔

ترجمہ:۔اور اگر مرد غائب ہو گیا اور اسکا کچھ مال کسی کے قبضہ میں ہے جس کا وہ اقرار کرتا ہے اور زوجیت کا بھی اقرار کرتا ہے تو قاضی اس مال میں اس غائب کی بیوی اور اسکی نابالغ اولاد اور اسکے والدین کا نفقہ مقرر کر دیگا اور اس عورت سے اس کا کفیل لے لیگا اور غائب کے مال میں مذکورہ لوگوں کے سوا کسی کے نفقہ کا حکم نہیں دیگا۔

تشریح:۔(۲۵) اگر شوہر غائب ہو گیا اور اسکا کچھ مال کسی کے قبضہ میں ہے اور وہ اس مال کا اقرار کرتا ہے اور یہ بھی اقرار کرتا ہے کہ یہ عورت اس غائب کی بیوی ہے تو قاضی اس مال میں سے اس غائب کی بیوی اور اسکی نابالغ اولاد اور اسکے والدین کا نفقہ مقرر کر دیگا۔اسی طرح اگر قاضی کو علم ہو تو اگر چہ جس کے پاس مال ہے اس نے اقرار نہیں کیا تو بھی قاضی غائب کے مذکورہ بالا رشتہ داروں کیلئے اس مال سے نفقہ مقرر کر دیگا۔

(۲٦) لیکن قاضی اس عورت سے کفیل لے لیگا جو اس پر قسم کھائیگا کہ شوہر نے اسکو نفقہ نہیں دیا ہے۔یہ غائب کی رعایت کے پیش نظر ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس نے شوہر سے اپنا نفقہ وصول کر لیا ہو یا شوہر اسکو طلاق دے چکا ہو اور عدت گذر چکی ہو۔

(۲۷) قاضی غائب کے مال میں مذکورہ لوگوں (بیوی، والدین، اولاد صغار) کے سوا کسی کے نفقہ کا حکم نہیں دے سکتا کیونکہ بیوی

وغیرہ کا نفقہ قاضی کے حکم دینے سے پہلے ہی واجب تھا یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ حکم قاضی سے پہلے اپنا نفقہ وصول کر سکتے تھے مگر چونکہ غائب کے مال پر قابض شخص ان کو نہ دیتا اسلئے قاضی کا حکم ان کیلئے اعانت ہو گیا باقی رہے دوسرے محارم تو انکا نفقہ قضاء قاضی سے واجب ہوتا ہے اور قاضی کی قضاء غائب پر جائز نہیں۔

(۲۸)وَاِذَا قَضَى الْقَاضِيُ لَهَا بِنَفَقَةِ الْاِعْسَارِ ثم اَيْسَرَ فَخَاصَمَتْه تَمَّمَ لها نَفَقَةَ الْمُوْسِرِ (۲۹)وإذَا مَضَتْ مُدَةٌ لم يُنْفِقِ الزَّوْجُ عليها وطَالَبَتْه بِذَالِكَ فلا شَئْ لها(۳۰) اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ الْقَاضِيُ فَرَضَ لها نَفَقَةً (۳۱)او صَالَحتِ الزَّوْجَ على مِقْدَارِ هَا فَيُقْضٰى لها بِنَفَقَةِ ما مَضٰى۔

ترجمہ:۔اور اگر قاضی نے عورت کیلئے تنگی کا نفقہ مقرر کیا پھر شوہر مالدار ہو گیا اور عورت نے قاضی کے پاس (مالداری کے نفقہ کا) دعویٰ کیا تو قاضی اس کے لئے مالداری کا پورا نفقہ پورا کریگا اور اگر ایک مدت گذر گئی اور شوہر نے اپنی بیوی کو نفقہ نہیں دیا اور اس نے اس کا مطالبہ کیا تو عورت کیلئے کچھ نہیں ہوگا مگر یہ کہ قاضی نے اس کے لئے نفقہ مقرر کیا ہو یا اس نے شوہر سے کسی مقدار پر صلح کر لی ہو تو اس کے لئے گذشتہ نفقہ کا فیصلہ ہوگا۔

تشریح:۔(۲۸)اگر قاضی نے کسی عورت کیلئے تنگی اور غربت کا نفقہ مقرر کیا پھر شوہر مالدار ہو گیا اور عورت نے قاضی کے پاس مالداری کے نفقہ کا دعویٰ کیا تو قاضی اس کے لئے مالداری کا پورا نفقہ مقرر کر دیگا کیونکہ فراخی اور تنگی کے موافق نفقہ بدلتا رہتا ہے جب شوہر کا حال بدل گیا تو عورت اپنے پورے حق کا مطالبہ کر سکتی ہے۔

(۲۹)اگر ایک مدت گذر گئی اور شوہر نے اپنی بیوی کو نفقہ نہیں دیا پھر اس نے شوہر سے اس مدت کے نفقہ کا مطالبہ کیا تو عورت کیلئے کچھ نہیں ہوگا کیونکہ نفقہ میں عطیہ کا معنی پایا جاتا ہے لہذا نفقہ کا وجوب مستحکم نہیں کہ شوہر پر دین ہو جائے۔

(۳۰)البتہ اگر قاضی عورت کیلئے شوہر پر نفقہ فرض کرلے (۳۱)یا بیوی شوہر کے ساتھ خاص مقدار پر صلح کرلے اب اگر کچھ مدت بغیر نفقہ کے گذر گئی تو قاضی گذشتہ نفقہ کا اس کے لئے حکم دے گا کیونکہ جب قضاء قاضی سے یا مصالحت کی وجہ سے نفقہ شوہر کے ذمہ دین ہو گیا تو اب زمانہ گذرنے کی وجہ سے ساقط نہیں ہوگا۔البتہ اگر زوجین میں سے کوئی ایک مرجائے یا ان کے درمیان فرقت واقع ہو جائے تو گذشتہ دنوں کا نفقہ ساقط ہو جاتا ہے۔

(۳۲)وَاِنْ مَاتَ الزَّوْجُ بعدَ ما قُضِيَ عليه بِالنَّفَقَةِ ومَضَتْ شُهُوْرٌ سَقَطَتِ النَّفَقَةُ (۳۳)وإنْ اَسْلَفَهَا نَفَقَةَ سَنَةٍ ثم مَاتَ لم يُسْتَرْجَعْ مِنْهَا بِشَئْ وقَالَ مُحَمَّدٌ رحمه الله يُحْتَسَبُ لها نَفَقَةُ مَامَضٰى وما بَقِيَ لِلزَّوْجِ۔

ترجمہ:۔اور اگر شوہر اس پر نفقہ کا فیصلہ ہونے کے بعد مرجائے اور چند ماہ گذر جائیں تو نفقہ ساقط ہو جائیگا اور اگر شوہر نے بیوی کو ایک سال کا نفقہ دیدیا پھر زوج مر گیا تو عورت سے کچھ واپس نہیں لیا جائیگا اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جتنا زمانہ گذر گیا اس کا نفقہ عورت کو حساب کر کے دیا جائیگا اور باقی شوہر کے لئے ہے۔

تشریح:۔(۳۲) اگر شوہر پر نفقہ کا فیصلہ ہو گیا مگر پھر بھی چند ماہ شوہر نے نفقہ نہیں دیا پھر بیوی یا شوہر مر گیا تو نفقہ ساقط ہو گیا کیونکہ نفقہ ایک صلہ ہے اور غیر مقبوضہ عطایا موت کی وجہ سے ساقط ہو جاتے ہیں۔

(۳۳) اگر شوہر نے بیوی کو ایک سال کا نفقہ دیدیا پھر زوجین میں سے کوئی ایک مر گیا تو شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک عورت سے یا اسکے ترکہ سے کچھ واپس نہیں لیا جائیگا کیونکہ نفقہ عطیہ ہے جس پر قبضہ ہو چکا ہے اور عطیات بعد الموت نہیں لئے جاتے ہیں کیونکہ ان کا حکم پورا ہو جاتا ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک جتنا زمانہ گذر گیا ہے اس کا نفقہ حساب کر کے عورت کے پاس چھوڑ دیا جائیگا باقی شوہر کو واپس کر دیا جائیگا۔

(۳۴) وَاِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ حُرَّةً فَنَفَقَتُهَا دَيْنٌ عَلَيْهِ يُبَاعُ فِيهَا (۳۵) وَاِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ اَمَةً فَبَوَّاَهَا مَوْلَاهَا مَعَهُ مَنْزِلًا فَعَلَيْهِ النَّفَقَةُ (۳۶) وَاِنْ لَمْ يُبَوِّئْهَا فَلَا نَفَقَةَ لَهَا عَلَيْهِ۔

ترجمہ:۔اور اگر غلام نے آزاد عورت کے ساتھ نکاح کیا تو اس عورت کا نفقہ غلام پر قرضہ ہوگا اور غلام کو اس نفقہ میں فروخت کر دیا جائیگا اور اگر آزاد مرد نے باندی سے نکاح کیا اور مولیٰ نے باندی کو شوہر کے ساتھ رات میں الگ رہنے دیا تو شوہر پر اسکا نفقہ واجب ہوگا اور اگر مولیٰ نے الگ ٹھکانا نہیں دیا تو شوہر پر نفقہ واجب نہیں ہوگا۔

تشریح:۔(۳۴) اگر غلام نے مولیٰ کی اجازت سے کسی آزاد عورت کے ساتھ نکاح کیا تو اس عورت کا مقرر شدہ نفقہ غلام پر قرضہ ہوگا کیونکہ اس نے باجازت مولیٰ عقد کی مباشرت کر کے اسکا التزام کیا ہے تو دیگر دیون کی طرح یہ بھی اسکے حق میں ظاہر ہوگا۔ اگر مولیٰ نے یہ قرضہ ادا نہ کیا تو غلام کو اپنی بیوی کے نفقہ میں فروخت کر دیا جائیگا۔

(۳۵) اگر آزاد مرد نے کسی شخص کی باندی سے نکاح کیا اور مولیٰ نے اپنی اس باندی کو اسکے شوہر کے ساتھ رات میں الگ رہنے دیا تو شوہر پر اسکا نفقہ واجب ہوگا کیونکہ باندی کی جانب سے احتباس پایا گیا اور نفقہ احتباس کا عوض ہے۔ (۳۶) اور اگر مولیٰ نے الگ ٹھکانا نہیں دیا تو شوہر پر نفقہ واجب نہیں ہوگا کیونکہ احتباس نہیں پایا گیا۔

(۳۷) وَنَفَقَةُ الْاَوْلَادِ الصِّغَارِ عَلَى الْاَبِ لَايُشَارِكُهُ فِيهَا اَحَدٌ كَمَا لَا يُشَارِكُهُ فِي نَفَقَةِ الزَّوْجَةِ اَحَدٌ (۳۸) فَاِنْ كَانَ الصَّغِيرُ رَضِيعًا فَلَيْسَ عَلَى اُمِّهِ اَنْ تُرْضِعَهُ (۳۹) وَيَسْتَاْجِرُ لَهُ الْاَبُ مَنْ تُرْضِعُهُ عِنْدَهَا (۴۰) فَاِنِ اسْتَاْجَرَهَا وَهِيَ زَوْجَتُهُ اَوْ مُعْتَدَّتُهُ لِتُرْضِعَ وَلَدَهَا لَمْ يَجُزْ (۴۱) وَاِنِ انْقَضَتْ عِدَّتُهَا فَاسْتَاْجَرَهَا عَلَى اِرْضَاعِهِ جَازَ۔

ترجمہ:۔اور نابالغ اولاد کا نفقہ باپ پر واجب ہوگا اس میں باپ کے ساتھ کوئی شریک نہ ہوگا جیسے اسکی بیوی کے نفقہ میں اسکے ساتھ کوئی شریک نہیں ہوتا اور اگر صغیر دودھ پیتا بچہ ہو تو (قضاءً) اسکی ماں پر اس بچہ کو دودھ پلانا واجب نہیں اور باپ بچے کو دودھ پلانے کیلئے ایسی عورت کو اُجرت پر لے جو بچہ کی ماں کے پاس بچے کو دودھ پلائے اور اگر شوہر نے اپنے بچہ کی ماں کو دودھ پلانے کیلئے اُجرت پر لیا حالانکہ وہ شوہر کے نکاح میں ہے یا کی معتدہ ہے تو یہ جائز نہیں اور اگر معتدہ کی عدت گذر گئی پھر اسے اُجرت پر مقرر کیا تو یہ جائز ہے۔

تشریح:۔(۳۷)نابالغ اولاد (جبکہ وہ فقراء اور احرار ہوں) کا نفقہ صرف ان کے باپ پر واجب ہوگا اس میں باپ کے ساتھ کوئی شریک نہ ہوگا جیسے اسکی بیوی کے نفقہ میں اسکے ساتھ کوئی شریک نہیں ہوتا ﴿لقوله تعالىٰ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهُ رِزْقُهُنَّ﴾ یعنی والدات کا حق مولودلہ (زوج) پر واجب ہے اور والدات کا رزق بوجہ ولد کے واجب ہے پس جب ولد کی وجہ سے باپ پر والدات کا رزق واجب ہے تو اس پر ولد کا رزق بدرجہ اولیٰ واجب ہوگا۔

(۳۸) اگر صغیر دودھ پیتا بچہ ہو تو قضاءً اسکی ماں پر اس بچہ کو دودھ پلانا واجب نہیں کیونکہ دودھ پلانا نفقہ کے قائم مقام ہے اور صغیر کا نفقہ باپ پر واجب ہے کوئی دوسرا اسکے ساتھ شریک نہیں البتہ دیانۃً عورت کو دودھ پلانے کا امر کیا جائیگا کیونکہ یہ باب استخدام میں سے ہے جیسے گھر کو جھاڑو لگانے اور روٹی پکانے کا اسے دیانۃً حکم کیا جائیگا۔(۳۹) لہذا باپ بچے کو دودھ پلانے کیلئے ایسی عورت کو اُجرت پر لے جو بچہ کی ماں کے پاس رہ کر بچے کو دودھ پلائے اور بچہ کی ماں کے پاس دودھ پلانے کی وجہ یہ ہے کہ پرورش کرنے کا حق ماں ہی کو ہے۔

(۴۰) اگر شوہر نے اپنے بچہ کی ماں کو دودھ پلانے کیلئے اُجرت پر لیا حالانکہ وہ اس وقت شوہر کے نکاح میں ہے یا اس کی طلاق کی عدت میں ہے تو اسکو اُجرت پر لینا جائز نہیں کیونکہ دیانۃً اس عورت پر خود ہی دودھ پلانا واجب ہے مگر باحتمال عجز اسے معذور رکھا گیا تھا پس جب اس نے اُجرت پر دودھ پلانے کا اقدام کیا تو ظاہر ہو گیا کہ وہ دودھ پلانے پر قادر ہے اسلئے اس پر دودھ پلانا واجب ہے۔

(۴۱) اگر معتدہ کی عدت گذر گئی پھر شوہر نے اپنے بچہ (جو اسی عورت سے ہے) کو دودھ پلانے کیلئے اس عورت کو اُجرت پر مقرر کیا تو یہ اجارہ جائز ہے کیونکہ جب عدت گذر گئی تو نکاح بالکلیہ زائل ہو گیا اور عورت اجنبیہ کی طرح ہوگئی۔

(۴۲)فَإِنْ قَالَ الْأَبُ لَاأَسْتَاجِرُ هَاوجاءَ بِغَيْرِهَا فَرَضِيَتِ الْأُمُّ بِمِثْلِ أُجْرَةِ الْأَجْنَبِيَّةِ كَانَتِ الْأُمُّ أَحَقُّ بِه (۴۳)وإِنْ الْتَمَسَتْ زِيَادَةً لم يُجْبَرِ الزَّوْجُ عَلَيْهَا۔

ترجمہ:۔اور اگر بچہ کے باپ نے کہا کہ میں اسکی ماں کو اجارہ پر مقرر نہیں کرونگا اور دوسری عورت کو لے آیا پھر اجنبیہ کی اجرت کی مقدار پر ماں راضی ہوگئی تو ماں اس کا زیادہ حقدار ہے اور اگر وہ زیادہ طلب کرے تو اس پر زوج کو مجبور نہیں کیا جائیگا۔

تشریح:۔(۴۲) اگر بچہ کے باپ نے کہا کہ میں اسکی ماں کو (جو کہ طلاق شدہ ہے) اجارہ پر مقرر نہیں کرونگا بلکہ دوسری دودھ پلانے والی کو لے آیا پھر جس قدر اُجرت اجنبیہ نے مانگی تھی اسی مقدار پر یا بغیر اُجرت کے خود بچے کی ماں راضی ہوگئی تو اس صورت میں بچہ کی ماں ہی مستحق ہے کیونکہ وہ اپنے بچہ پر زیادہ شفیق ہے لہذا ماں کو سپرد کرنے میں بچہ کی بھی رعایت ہے۔(۴۳) اور اگر بچہ کی ماں نے اجنبیہ کی اُجرت سے زیادہ مانگی تو بچہ کے باپ کو مجبور نہیں کیا جائیگا کہ بچہ اسکی ماں کو زیادہ اُجرت پر سپرد کردے کیونکہ اس میں باپ کیلئے ضرر ہے۔

(۴۴)وَنَفَقَةُ الصَّغِيْرِ عَلٰى أَبِيْهِ وإِنْ خَالَفَه فِي دِيْنِه كَمَا تَجِبُ نَفَقَةُ الزَّوْجَةِ عَلَى الزَّوْجِ وإِنْ خَالَفَتْه فِي دِيْنِه۔

ترجمہ:۔اور صغیر کا نفقہ اسکے باپ پر واجب ہے اگرچہ وہ اس کے ساتھ دین میں مخالف ہو جس طرح کہ بیوی کا نفقہ شوہر پر واجب ہے

اگر چہ وہ دین میں شوہر سے مخالف ہو۔

تشریح:۔(۴۴) یعنی صغیر کا نفقہ اسکے باپ پر واجب ہے اگر چہ باپ اس کے ساتھ دین میں مخالف ہو کیونکہ قول باری تعالیٰ ﴿وعلی المولود له رزقهن﴾ مطلق ہے۔ نیز بچہ اپنے باپ کا جزء ہوتا ہے پس وہ اپنی ذات کے حکم میں ہے اور چونکہ اپنی ذات کا نفقہ فرض ہے تو اپنے جزء یعنی اولاد کا نفقہ بھی فرض ہوگا۔ جس طرح کہ بیوی کا نفقہ شوہر پر واجب ہے اگر چہ وہ دین میں شوہر سے مخالف ہو کیونکہ عورت کا نفقہ بعوض احتباس ہے اور احتباس زوجہ غیر مسلمہ میں موجود ہے اس لئے زوج پر زوجہ غیر مسلمہ کا نفقہ واجب ٹھہرا۔

(۴۵) وَإِذَا وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ بَيْنَ الزَّوْجَيْنِ فَالْأُمُّ أَحَقُّ بِالْوَلَدِ (۴۶) فَإِنْ لم تَكُنِ الْأُمُّ فَأُمُّ الْأُمِّ أَوْلَى مِنْ أُمِّ الْأَبِ (۴۷) فَإِذَا لم تَكُنْ له أُمُّ الْأُمِّ فَأُمُّ الْأَبِ أَوْلَى مِنَ الْأَخَوَاتِ (۴۸) فَإِنْ لم تَكُنْ له جَدَّةٌ فَالْأَخَوَاتُ أَوْلَى مِنَ الْعَمَّاتِ وَالْخَالَاتِ (۴۹) وتَقَدَّمَ الْأُخْتُ مِنَ الْأَبِ وَالْأُمِّ (۵۰) ثم الْأُخْتُ مِنَ الْأُمِّ ثُمَّ الْأُخْتُ مِنَ الْأَبِ (۵۱) ثُمَّ الْخَالَاتُ أَوْلَى مِنَ الْعَمَّاتِ وَيَنْزِلْنَ كَمَا يَنْزِلْنَ الْأَخَوَاتُ (۵۲) ثُمَّ الْعَمَّاتُ يَنْزِلْنَ كَذَالِكَ۔

ترجمہ:۔ اور اگر زوجین کے درمیان جدائی واقع ہوگئی تو بچہ کا زیادہ حقدار اسکی ماں ہے اور اگر ماں نہ ہو تو نانی بچہ کی زیادہ حقدار ہے بہ نسبت دادی کے اور اگر نانی نہ ہو تو دادی بہنوں کے مقابلے میں زیادہ حقدار ہوگی اور اگر دادی نہ ہو تو پھر پھوپھیوں اور خالاؤں کی بہ نسبت بہنیں زیادہ حقدار ہیں اور ان میں حقیقی بہن مقدم ہوگی پھر ماں شریک بہن پھر باپ شریک بہن پھر خالائیں زیادہ حقدار ہیں بہ نسبت پھوپھیوں کے اور ان میں وہی ترتیب ہے جو ترتیب بہنوں میں ہے پھر پھوپھیاں اسی طرح ترتیب وار ہونگی۔

تشریح:۔(۴۵) اگر زوجین کے درمیان جدائی واقع ہوگئی تو بچہ کی زیادہ حقدار اسکی ماں ہے کیونکہ ماں سب سے زیادہ شفیق ہے اور بچہ کی تربیت بہتر جانتی ہے لہذا بچہ ماں کے سپرد کرنا بچہ کے حق میں زیادہ بہتر ہے۔ (۴۶) اگر بچہ کی ماں نہ ہو تو نانی یا نانی کی ماں وَاِنْ بَعُدَتْ بچہ کی زیادہ حقدار ہے بہ نسبت دادی کے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ ولایت ماؤں کی جانب سے ان کی شفقت کی وجہ سے مستفاد ہے لہذا جو عورت ماں سے قریب ہوگی وہ اس عورت سے زیادہ حقدار ہوگی جو باپ سے قریب ہو۔

(۴۷) اگر نانی نہ ہو تو پھر دادی بہنوں کے مقابلے میں زیادہ حقدار ہوگی کیونکہ دادی کی شفقت پیدائشی قرابت کی وجہ سے بہنوں سے زیادہ ہے۔ (۴۸) اگر دادی نہ ہو تو پھر پھوپھیوں اور خالاؤں کی بہ نسبت بہنیں زیادہ حقدار ہیں کیونکہ بہنیں پھوپھیوں اور خالاؤں کی بہ نسبت قریبی رشتہ دار ہیں۔ (۴۹) پھر بہنوں میں سے زیادہ حقدار حقیقی بہنیں (جو ماں باپ دونوں میں شریک ہوں) ہیں کیونکہ حقیقی بہن دو قرابتوں والی ہے۔ (۵۰) پھر ماں شریک بہن زیادہ حقدار ہے بہ نسبت باپ شریک بہن کے کیونکہ یہ حق ماں کی جانب سے ہے۔

(۵۱) اگر بہنیں نہ ہوں تو خالائیں زیادہ حقدار ہیں بہ نسبت پھوپھیوں کے اور خالاؤں میں بھی بہنوں والی تفصیل ہے ذات قرابتین مقدم ہوگی ذات قرابت واحدہ سے۔ پھر قرابت ام مقدم ہوگی قرابت اب سے۔ (۵۲) اگر خالائیں نہ ہوں تو پھر پھوپھیاں حقدار ہیں اور پھوپھیوں میں بھی وہی تفصیل ہے کہ ذات قرابتین مقدم ہے ذات قرابت واحدہ سے اور قرابت واحدہ میں ام والا قرابت

مقدم ہے قرابت اب سے۔

(۵۳) کُلّ مَنْ تَزَوّجتْ مِنْ هؤلاءِ سَقَط حَقُّهَا فِی الحَضَانَةِ (۵٤)اِلّا الجَدّۃَ اِذَا کانَ زَوْجُهَا الجَدُّ۔

ترجمہ:۔مذکورہ بالاعورتوں میں سے جس نے بھی نکاح کیاتواسکاحق پرورش ساقط ہوجائیگامگرنانی اگراس کازوج بچہ کادادا ہو۔

تشریح:۔(۵۳)مذکورہ بالاعورتوں میں سے جس نے بھی بچہ کے اجنبی شخص کے ساتھ نکاح کیاتواسکاحق پرورش ساقط ہوجائیگا کیونکہ اجنبی شخص اس بچہ کوحقیر چیز دیگااور تیز نگاہ سے دیکھے گالہذااس میں بچہ کی رعایت نہیں۔(۵٤)البتہ اگراس بچہ کی نانی نے اپنانکاح اس بچہ کے دادا سے کیاتوحق پرورش ساقط نہ ہوگا کیونکہ جد بچہ کے باپ کے قائم مقام ہے لہذااس کی شفقت باقی رہے گی۔یہی حال ہرایسے شوہر کاہے جواس بچہ کاذورحم محرم ہوکیونکہ قرابت قریبہ کی وجہ سےشفقت قائم ہے۔

(۵۵)فَاِنْ لَمْ تَکُنْ لِلصَّبِیّ اِمْرَأۃٌمِنْ اَهْلِه فَاخْتَصَمَ فِیْهِ الرِّجالُ فَاَوْلاهُمْ بِه اَقْرَبُهُمْ تَعْصِیْبًا (۵٦)وَالْاُمّ وَالْجَدّۃُ اَحَقُّ بِالْغُلامِ حَتّٰی یَاْکُلَ وَحْدَه وَیَشْرَبَ وَحْدَه وَیَلْبَسَ وَحْدَه وَیَسْتَنْجِیَ وَحْدَه (۵۷)وبِا لْجَارِیَةِ حَتّٰی تَحِیْضَ (۵۸)ومَنْ سِوٰی الْاُمّ وَالْجَدّۃِ اَحَقُّ بِالجَارِیَةِ حَتّٰی تَبْلُغَ حَدًّا تُشْتَهیٰ۔

ترجمہ:۔اوراگر بچہ کے خاندان میں اس کی پرورش کرنے والی کوئی عورت نہ ہوپھرمردوں نے اس کے بارے میں اختلاف کیاتو مردوں میں پرورش کاسب سے زیادہ حقداروہ ہے جوعصبہ ہونے میں(اس بچہ کے) زیادہ قریب ہواور ماں اور نانی بچہ کی اس وقت تک زیادہ حقدار ہیں جب تک کہ بچہ اکیلا کھانا کھائے اوراکیلا پئے اوراکیلا کپڑے پہن لے اوراکیلا استنجاء کرلے اور ماں اور نانی لڑکی کی اس وقت تک حقدار ہیں جس وقت کہ اسکوحیض آئے اورام وجدہ کے سواباقی عورتیں لڑکی کی پرورش کے اس وقت تک حقدار ہیں کہ لڑکی حدشہوت کوپہنچ جائے۔

تشریح:۔(۵۵)اگر بچہ کے خاندان میں اس کی پرورش کرنے والی کوئی عورت نہ ہوپھرمردوں نے اس کی پرورش کرنے میں اختلاف کیاتو مردوں میں پرورش کاسب سے زیادہ حقداروہ ہے جوعصبہ ہونے میں اس بچہ کے زیادہ قریب ہوکیونکہ ولایت کاحق زیادہ قرابت والے کوہوتاہےاورعصبات کی ترتیب نکاح کرانے کی ولایت کے باب میں معلوم ہوچکی ہے۔البتہ بچی عصبہ غیرمحرم(جیسے مولی عتاقہ وابن العم)کوسپردنہیں کیاجائیگا تَحَرُّزًا عَنِ الْفِتْنَةِ۔

(۵٦)ماں اورنانی بچہ کی اس وقت تک حقدار ہیں جس وقت کہ بچہ مستغنی ہوجائے یوں کہ وہ اکیلا کھاناکھائے اوراکیلا پئے اور اکیلا کپڑے پہن لےاوراکیلا استنجاء کرلے کیونکہ کمال استغناء قدرت علی الاستنجاء سے حاصل ہوتاہے۔اسکے بعد بچہ باپ کے سپردکیاجائیگا کیونکہ اب بچہ مردوں کے آداب واخلاق سیکھنے کامحتاج ہےاور بچہ مہذب بنانے میں باپ کوزیادہ قدرت حاصل ہے۔

(۵۷)ماں اورنانی لڑکی کی اس وقت تک حقدار ہیں جس وقت کہ اسکوحیض آئے یعنی بالغ ہوجائے کیونکہ بعدازبلوغ اسکونکاح کے ذریعہ محصنہ کرنے اورزنا سے حفاظت کرنے کی ضرورت ہے اورباپ کواس کام پرزیادہ قدرت حاصل

ہے۔(۵۸)ام اور جدہ کے سوا باقی عورتیں (جن کو حق پرورش حاصل ہے) لڑکی کی پرورش کے اس وقت تک زیادہ حقدار ہیں کہ لڑکی حد شہوت کو پہنچ جائے جس کا اندازہ نو سال مقرر کیا ہے۔

(۵۹)وَالْاَمَةُ اِذَا اَعْتَقَهَا مَوْلَاهَا وَاُمُّ الْوَلَدِ اِذَا اُعْتِقَتْ فَهِيَ فِي الْوَلَدِ كَالْحُرَّةِ (۶۰)وَلَيْسَ لِلْاَمَةِ وَاُمِّ الْوَلَدِ قَبْلَ الْعِتْقِ حَقٌّ فِي الْوَلَدِ (۶۱)وَالذِّمِّيَّةُ اَحَقُّ بِوَلَدِهَا الْمُسْلِمِ مَا لَمْ يَعْقِلِ الْاَدْيَانَ وَيُخَافُ عَلَيْهِ اَنْ يَأْلَفَ الْكُفْرَ۔

ترجمہ:۔ اور اگر باندی کو اسکے مولیٰ نے آزاد کر دیا اور ام ولد جب آزاد کر دی گئی تو وہ ولد کے بارے میں آزاد عورت کی طرح ہے اور باندی اور ام ولد کے لئے آزادی سے پہلے بچہ کی پرورش میں کوئی حق نہیں اور ذمیہ اپنے مسلمان ولد کا زیادہ حقدار ہے جب تک کہ بچہ کو دین کی سمجھ نہ آئے اور اس پر اندیشہ ہو کفر سے مانوس ہو جانے کا۔

تشریح:۔(۵۹)اگر باندی کو اسکے مولیٰ نے آزاد کر دیا اسی طرح ام ولد جب آزاد کر دی گئی تو آزاد عورت کی طرح ان دو کو بھی بچہ کا حق پرورش حاصل ہے کیونکہ حق پرورش کے ثبوت کے وقت یہ دونوں آزاد ہیں۔(۶۰)آزاد ہونے سے پہلے باندی اور ام ولد کا بچہ کی پرورش میں کوئی حق نہیں کیونکہ یہ دونوں مولیٰ کی خدمت میں مشغول ہونے کی وجہ سے بچہ کی پرورش کرنے سے عاجز ہیں۔

(۶۱)اگر مسلمان مرد نے کسی ذمیہ کتابیہ عورت سے نکاح کیا پھر اس سے بچہ پیدا ہوا تو یہ بچہ خیر الابوین یعنی مسلمان باپ کا تابع ہو کر مسلمان ہوگا مگر اسکی پرورش کرنے کا زیادہ مستحق اسکی ذمیہ ماں ہوگی لیکن یہ اس وقت تک ہے جب تک کہ بچہ میں دین کی سمجھ نہ ہو اور بچہ کے کفر سے مانوس ہونے کا ڈر نہ ہو کیونکہ اس حالت سے پہلے بچہ کو ماں کے سپرد کرنے میں اس پر شفقت ہے اور اس حالت کے بعد ضرر ہے (یعنی کفر سے مانوس ہونے کا احتمال ہے) اسلئے ذمیہ سے لیکر مسلمان باپ کو دیدیا جائیگا۔

(۶۲)وَاِذَا اَرَادَتِ الْمُطَلَّقَةُ اَنْ تُخْرِجَ بِوَلَدِهَا مِنَ الْمِصْرِ فَلَيْسَ لَهَا ذَالِكَ(۶۳) اِلَّا اَنْ تُخْرِجَهُ اِلٰى وَطَنِهَا وَقَدْ كَانَ الزَّوْجُ تَزَوَّجَهَا فِيْهِ۔

ترجمہ:۔ اور اگر مطلقہ عورت نے ارادہ کیا کہ اپنے بچہ کو شہر سے باہر لے جائے تو اسکو یہ اختیار نہیں مگر یہ کہ عورت بچہ کو اپنے اس وطن لے جانا چاہا جس میں شوہر نے اس کے ساتھ نکاح کیا تھا تو عورت کو اسکا اختیار ہے۔

تشریح:۔(۶۲)عدت پوری ہونے کے بعد اگر مطلقہ عورت نے چاہا کہ اپنے بچہ کو اس شہر سے باہر دوسرے شہر لے جائے تو اسکو یہ اختیار نہیں کیونکہ اس صورت میں باپ اپنے بچہ سے بے خبر ہو کر باپ کا ضرر ہے۔

(۶۳)اگر عورت نے اس بچہ کو اپنے اس وطن لے جانا چاہا جس میں شوہر نے اس کے ساتھ نکاح کیا تھا تو عورت کو اسکا اختیار ہے کیونکہ شوہر نے جس وطن میں نکاح کیا تھا عرفاً اپنے اوپر وہاں قیام کرنا لازم کر لیا تھا اسلئے کہ شوہر عادۃً اسی شہر میں قیام کرتا ہے جس میں نکاح کرتا ہے۔

☆ ☆ ☆

(٦٤)وَعَلَى الرَّجُلِ اَنْ يُنْفِقَ عَلَى اَبَوَيْهِ وَاَجْدَادِهٖ وَجَدَّاتِهٖ اِذَا كَانُوْا فُقَرَاءَ وَاِنْ خَالَفُوْهُ فِي دِيْنِهٖ۔

ترجمہ:۔اور آدمی پر واجب ہے کہ وہ اپنے ماں باپ، اجداد اور جدات پر خرچ کرے بشرطیکہ وہ فقراء ہوں اگر چہ دین میں اسکے مخالف ہوں۔

تشریح:۔(٦٤)یعنی آدمی پر واجب ہے کہ وہ اپنے ماں باپ، دادا، دادی، نانا، نانی کو نفقہ دے بشرطیکہ وہ فقراء ہوں اگر چہ دین میں اسکے مخالف ہوں پس والدین کے نفقہ میں دلیل باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا﴾ (اور دنیا میں والدین کے ساتھ معروف طریقہ سے رہو) جو کہ کافر والدین کے بارے میں نازل ہوا ہے کہ دنیا میں کافر والدین کے ساتھ معروف طریقہ پر رہو اور معروف طریقہ پر رہنا یہ نہیں کہ خود تو اللہ کی نعمتوں میں عیش کرے اور والدین کو چھوڑ دے کہ وہ بھوکے مر جائیں۔باقی رہے اجداد و جدات تو ان کا نفقہ اسلئے واجب ہے کہ وہ بھی آباء و امہات میں سے ہیں یہی وجہ ہے کہ اگر باپ نہ ہو تو دادا اسکا قائم مقام ہوتا ہے۔

(٦٥)وَلَاتَجِبُ النَّفَقَةُ مَعَ اِخْتِلَافِ الدِّيْنِ اِلَّا لِلزَّوْجَةِ وَالْاَبَوَيْنِ وَالْاَجْدَادِ وَالْجَدَّاتِ وَالْوَلَدِ وَوَلَدِ الْوَلَدِ (٦٦)وَلَا يُشَارِكُ الْوَلَدَ فِي نَفَقَةِ اَبَوَيْهِ اَحَدٌ۔

ترجمہ:۔اور دین کے اختلاف کے ساتھ کسی کا نفقہ واجب نہیں ہوتا سوائے بیوی کے اور والدین اور اجداد اور جدات اور بیٹے اور پوتے کے اور بچے کے ساتھ والدین کے نفقہ میں کوئی شریک نہیں۔

تشریح:۔(٦٥)دین کے اختلاف کے ساتھ کسی کا نفقہ واجب نہیں ہوتا سوائے بیوی کے اور والدین، اجداد، جدات، بیٹے اور پوتے کے۔اختلاف دین کے ساتھ بیوی کا نفقہ تو اسلئے واجب ہے کہ بیوی کا نفقہ احتباس کے مقابلے میں ہے اور احتباس اتحاد دین و اختلاف دین ہر دو صورت میں موجود ہے۔اور مذکورہ بالا باقی رشتہ داروں کا نفقہ اسلئے واجب ہے کہ انکا آپس میں علاقۂ جزئیت کا ہے اور آدمی کا جز اسکی ذات کے حکم میں ہوتا ہے تو جس طرح آدمی اپنی ذات کا نفقہ کافر ہونے کی وجہ سے نہیں روکتا ایسے ہی جن کے ساتھ ان کو جزئیت کا علاقہ ہو ان کا نفقہ بھی کفر کی وجہ سے نہیں روک سکتا البتہ اگر وہ حربی ہوں تو پھر انکا نفقہ واجب نہیں۔

(٦٦) اگر والدین تنگدست ہوں اور ان کا بچہ مالدار ہو تو ان کا نفقہ اسی بچے پر واجب ہوگا کوئی دوسرا نفقہ دینے میں اس کے ساتھ شریک نہیں ہوگا کیونکہ نفقہ قرابت کی وجہ سے واجب ہوتا ہے اور بچہ والدین کے ساتھ سب سے زیادہ قرابت رکھتا ہے اسلئے والدین کا نفقہ صرف اس پر واجب ہوگا۔اور والدین کے نفقہ میں لڑکا اور لڑکی دونوں برابر ہیں۔

(٦٧)وَالنَّفَقَةُ لِكُلِّ ذِيْ رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ اِذَا كَانَ صَغِيْرًا فَقِيْرًا (٦٨)اَوْ كَانَتْ اِمْرَاَةً بَالِغَةً فَقِيْرَةً (٦٩)اَوْ كَانَ ذَكَرًا زَمِنًا اَوْ اَعْمٰى فَقِيْرًا (٧٠)وَتَجِبُ ذٰلِكَ عَلٰى مِقْدَارِ الْمِيْرَاثِ۔

ترجمہ:۔اور نفقہ ہر ذی رحم محرم کے لئے واجب ہے اگر وہ چھوٹا اور فقیر ہو یا عورت بالغہ فقیرہ ہو یا مذکر اپاہج ہو یا اندھا اور فقیر ہو اور یہ بقدر میراث واجب ہوگا۔

تشریح: ۔(۶۷) ذی رحم محرم اگر نابالغ محتاج ہو (۶۸) یا ذی رحم محرم بالغہ عورت محتاج ہو (۶۹) یا مرد بالغ محتاج لنگڑا یا اندھا ہو تو ان سب کیلئے نفقہ واجب ہوتا ہے کیونکہ احسان کرنا قرابت قریبہ میں واجب ہوتا ہے اور قرابت بعیدہ میں نہیں۔ اور قرابت قریبہ و بعیدہ میں فاصل یہ ہے کہ اگر ذی رحم محرم ہو تو قرابت قریبہ ہے ورنہ قرابت بعیدہ، وقد قال الله تعالىٰ ﴿وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَالِكَ﴾ (یعنی وارث پر اس کے مثل واجب ہوتا ہے)۔ (۷۰) پھر نفقہ بقدر میراث واجب ہوتا ہے کیونکہ بقدر حاصلات آدمی تاوان اٹھاتا ہے یعنی جتنا اس کو میراث سے حصہ ملے گا اسی حساب سے بالفعل مورث کو نفقہ دے۔

(۷۱) وَتَجِبُ نَفَقَةُ الْاِبْنَةِ الْبَالِغَةِ وَالْاِبْنِ الزَّمِنِ عَلَى اَبَوَيْهِ اَثْلَاثًا عَلَى الْاَبِ الثُّلُثَانِ وَعَلَى الْاُمِّ الثُّلُثُ (۷۲) وَلَا تَجِبُ نَفَقَتُهُمْ مَعَ اِخْتِلَافِ الدِّيْنِ (۷۳) وَلَا تَجِبُ عَلَى الْفَقِيْرِ۔

ترجمہ: ۔اور بالغہ لڑکی کا نفقہ اور بالغ اپاہج لڑکے کا نفقہ ان کے والدین پر تین حصے کر کے دو تہائی باپ پر اور ایک تہائی ماں پر واجب ہوگا اور ذو رحم محرم کا نفقہ دینی اختلاف کے ساتھ واجب نہیں ہوگا اور (مذکورہ بالا رشتہ داروں کا نفقہ) فقیر پر واجب نہیں ہوتا۔

تشریح: ۔(۷۱) بالغہ لڑکی کا نفقہ اور بالغ اپاہج لڑکے کا (بشرطیکہ فقراء ہوں) نفقہ ان کے والدین پر تین حصے کر کے دو تہائی باپ پر اور ایک تہائی ماں پر واجب ہوگا کیونکہ اگر والدین اپنے لڑکے یا لڑکی کے وارث ہوں تو انکو اسی حساب سے میراث ملتی ہے لہٰذا ان پر نفقہ بھی اسی مقدار کے مطابق واجب ہوگا۔ ایک روایت کے مطابق کل نفقہ اب پر واجب ہے۔

(۷۲) ذوی الارحام کا نفقہ دینی اختلاف کے ساتھ واجب نہیں ہوگا کیونکہ اختلاف دین کے ساتھ وارث ہونے کی اہلیت باطل ہو جاتی ہے حالانکہ وجوب نفقہ کیلئے اس کا اعتبار ضروری ہے۔ (۷۳) ذوی الارحام کا نفقہ فقیر پر واجب نہیں ہوتا کیونکہ نفقہ صلہ رحمی کے طور پر واجب ہوتا ہے حالانکہ فقیر خود اسکا مستحق ہے کہ کوئی اس پر احسان کرلے پس اس پر دوسرے کا نفقہ کس طرح واجب ہوگا۔

(۷۴) وَاِذَا كَانَ لِلْاِبْنِ الْغَائِبِ مَالٌ قُضِيَ عَلَيْهِ بِنَفَقَةِ اَبَوَيْهِ (۷۵) وَاِنْ بَاعَ اَبُوْهُ مَتَاعَه فِي نَفَقَتِه جَازَ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ (۷۶) وَاِنْ بَاعَ الْعَقَارَ لَمْ يَجُزْ۔

ترجمہ: ۔اور اگر غائب بیٹے کا مال ہو تو اس میں اس کے والدین کے نفقہ کا حکم لگایا جائیگا اور اگر اس کے باپ نے اس کے مال کو اپنے نفقہ میں فروخت کر دیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ جائز ہے لیکن اگر باپ نے زمین فروخت کی تو جائز نہیں۔

تشریح: ۔(۷۴) اگر غائب بیٹے کا مال کسی کے پاس امانۃً موجود ہو تو قاضی اس مال میں والدین کے نفقہ کا حکم کریگا كَمَا مَرَّ قَرِيْبًا وَقَدْ بَيَّنَّا وَجْهَه۔ (۷۵) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک والدین کا اپنے غائب بیٹے کے منقولہ جائیداد کو اپنے نفقہ میں بیچنا استحساناً جائز ہے۔ (۷۶) لیکن اگر باپ نے اپنے غائب بیٹے کی زمین (غیر منقولہ جائداد) فروخت کی تو جائز نہیں۔ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک جائداد منقولہ و غیر منقولہ کوئی بھی بیچنا جائز نہیں اور قیاس بھی یہی ہے کیونکہ باپ کی ولایت بیٹے کے بالغ ہونے کی وجہ سے منقطع ہوگئی ہے یہی وجہ ہے کہ اگر بیٹا حاضر ہو تو باپ اپنے بیٹے کے مال کو فروخت کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ باپ کو غائب کے مال میں ولایت حفاظت حاصل ہے اور مال منقول بیچنا از قسم حفاظت ہے اور غیر منقولہ میں یہ بات نہیں کیونکہ وہ خود ہی محفوظ ہوتا ہے۔

(۷۷)وَاِنْ کَانَ لِلْاِبْنِ الْغَائِبِ مَالٌ فِی یَدِ اَبَوَیْہِ فَاَنْفَقَا مِنْہُ لم یَضْمَنَا (۷۸)وَاِنْ کَانَ لَہ مَالٌ فِی یَدِ اَجْنَبِیٍّ فَاَنْفَقَ عَلَیْھِمَا بِغَیْرِ اِذْنِ الْقَاضِیْ ضَمِنَ۔

ترجمہ:۔اور اگر غائب بیٹے کا مال والدین کے قبضہ میں ہو اور والدین نے اس میں سے خرچ کرلیا تو وہ ضامن نہ ہونگے اور اگر غائب بیٹے کا مال کسی اجنبی کے قبضہ میں ہو اور اس نے اسکے والدین پر خرچ کرلیا قاضی کی اجازت کے بغیر تو وہ ضامن ہوگا۔

تشریح:۔(۷۷)اگر بیٹا غائب ہو اور اسکا مال والدین کے قبضہ میں ہو اور والدین نے اس میں سے اپنا نفقہ لے لیا تو وہ ضامن نہ ہونگے کیونکہ انہوں نے اپنا حق حاصل کرلیا اسلئے کہ ان کا نفقہ قضاء قاضی سے پہلے واجب ہے علی ما مرّ۔

(۷۸)اگر غائب بیٹے کا مال کسی اجنبی کے قبضہ میں ہو اور اس نے اسکے والدین پر قاضی کی اجازت کے بغیر خرچ کردیا تو یہ اجنبی ضامن ہوگا کیونکہ اس اجنبی نے غیر کے مال میں بغیر ولایت کے تصرف کیا ہے کیونکہ وہ تو صرف حفاظت کرنے کا نائب ہے کوئی دوسرا اختیار اسکو نہیں۔البتہ اگر قاضی نے اسکو حکم دیا کہ وہ غائب کے والدین کو اسکے مال سے نفقہ دے تو یہ اجنبی ضامن نہ ہوگا کیونکہ قاضی کا حکم اس پر لازم ہے اسلئے کہ قاضی کی ولایت سب پر عام ہے۔

(۷۹)وَاِذَا قَضَی الْقَاضِیْ لِلْوَلَدِ وَالْوَالِدَیْنِ وَلِذَوِیْ الْاَرْحَامِ بِالنَّفَقَۃِ فَمَضَتْ مُدَّۃٌ سَقَطَتْ (۸۰)اِلَّا اَنْ یَّاْذَنَ لَھُمُ الْقَاضِیْ فِی الْاِسْتِدَانَۃِ عَلَیْہِ۔

ترجمہ:۔اور جب قاضی نے (کسی آدمی پر) اس کے بیٹے، والدین اور ذوی الارحام کا نفقہ مقرر کیا پھر نفقہ دیئے بغیر کچھ مدت گذر گئی تو نفقہ ساقط ہوگیا الّا یہ کہ قاضی اس کے ذمہ قرض لینے کا حکم کردے۔

تشریح:۔(۷۹)جب قاضی نے کسی آدمی پر اس کے بیٹے، والدین اور دوسرے رشتہ داروں کا نفقہ مقرر کیا پھر نفقہ دیئے بغیر کچھ مدت گذر گئی تو اس مدت کا نفقہ ساقط ہوگیا کیونکہ ان لوگوں کا نفقہ ضرورت پوری کرنے کیلئے واجب ہوتا ہے حتیٰ کہ اگر یہ لوگ مالدار ہوں تو ان کیلئے نفقہ واجب نہیں ہوتا اور اتنی مدت گذرنے سے اس مدت کی ضرورت پوری ہوچکی ہے اس لئے اس مدت کا نفقہ ساقط ہوگیا۔

(۸۰)البتہ اگر قاضی نے ان لوگوں کو رجل غائب پر قرضہ لینے کا حکم دیا ہو تو مدت گذرنے سے ان کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا کیونکہ قاضی کو ولایت عامہ حاصل ہے لہذا قاضی کا حکم دینا ایسا ہے جیسے مرد غائب نے خود اجازت دی کہ مجھ پر قرضہ لے تو یہ قرضہ اسکے ذمہ ہوگیا لہذا اب مدت گذرنے سے ساقط نہ ہوگا۔

(۸۱)وَعَلَى الْمَوْلىٰ اَنْ يُنْفِقَ عَلٰى عَبْدِهٖ وَاَمَتِهٖ (۸۲)فَاِنْ اِمْتَنَعَ مِنْ ذَالِكَ وَكَانَ لَهُمَا كَسْبٌ اِكْتَسَبَا وَاَنْفَقَا مِنْهُ (۸۳)وَاِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُمَا كَسْبٌ اُجْبِرَ الْمَوْلىٰ عَلٰى بَيْعِهِمَا۔

ترجمہ:۔اور مولیٰ پر لازم ہے کہ اپنے غلام اور باندی پرخرچ کرے پس اگر وہ اس سے رک گیا اور ان کا کمایا ہوا کچھ مال ہو تو اس میں سے اپنے اوپر خرچ کرلیں اور اگر ان کی کوئی کمائی نہ ہو تو مولیٰ کو مجبور کیا جائیگا ان کے فروخت کرنے پر۔

تشریح:۔(۸۱)مولیٰ پر واجب ہے کہ وہ اپنے غلام اور باندی کو نفقہ دے غلام و باندی خواہ قن ہوں یا مدبر ہوں یا ام ولد ہو،صغیر ہو یا کبیر سب کا نفقہ مولیٰ پر واجب ہے۔(۸۲) پھر اگر مولیٰ نے ان کو نفقہ دینے سے رک گیا تو دیکھا جائیگا کہ باندی اور غلام میں کمانے کی صلاحیت ہے یا نہیں اگر وہ کما سکتے ہیں تو کما کر اپنا گذارا کریں یا اگر پہلے سے ان کا کمایا ہوا موجود ہو تو اس سے خرچ کردے کیونکہ اس میں طرفین کی رعایت ہے یوں کہ مملوک کما کر کھائے گا تو زندہ رہیگا اور مولیٰ کی ملک باقی رہے گی۔

(۸۳)اگر وہ دونوں کمانے کی صلاحیت نہیں رکھتے ہوں مثلاً غلام اپاہج ہے اور باندی ایسی ہے جس کو لوگ اُجرت پر نہیں لیتے ہیں تو اس صورت میں مولیٰ کو مجبور کیا جائیگا کہ ان کو فروخت کردے کیونکہ یہ دونوں نفقہ کے مستحق ہیں اور فروخت کردینے میں ان دونوں کا حق ادا ہو جائیگا جبکہ مولیٰ کو مملوک کی قیمت کے حصول سے ان کا حق بھی ادا ہو جاتا ہے۔

کتاب العتاق

یہ کتاب عتاق کے بیان میں ہے۔

"عتق" لغۃً بمعنی قوت کے ہے اور عتق اصطلاحی میں بھی ضعف (یعنی رقیت) کا ازالہ ہے اور قوت حکمیہ (یعنی حریت) کا اثبات ہے۔شرعاً مولیٰ کا اپنے مملوک سے اپنا حق ملکیت ایسی طریقہ سے ساقط کرنا کہ وہ آزاد ہو جائے کو عتق کہتے ہیں۔

امام قدوری رحمہ اللہ مباحث طلاق اور اسکے متعلقات یعنی نفقات وغیرہ سے فارغ ہو گئے تو مباحثِ عتاق کو شروع فرمایا۔طلاق اور عتاق میں مناسبت یہ ہے کہ دونوں میں رفع قید ہے اور دونوں میں سے کوئی بھی بعد از وقوع فسخ کو قبول نہیں کرتا۔پھر طلاق اگرچہ غیر مندوب ہے پھر بھی اسکو مقدم کیا ہے وجہ یہ ہے کہ تا کہ نکاح کے مقابلے میں مذکور ہو جائے۔اور اعتاق کی خاص کر نفقات کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ اعتاق میں احیاء کا معنی پایا جاتا ہے کیونکہ کفر حکماً موت ہے لقولہ تعالیٰ ﴿اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنَاهُ اى كافرًا فهدينٰه﴾ اور رق کفر کا اثر ہے تو اس وجہ سے ازالۂ رق احیاء ہے اور یہی احیاء کا معنی نفقات میں بھی ہے جو کہ ظاہر ہے۔

اعتاق مندوب الیہ عمل ہے "قال عليه السلام ايما مؤمن اعتق مؤمنًا في الدنيا اعتق الله بكل عضوٍ منه عضواً منه من النار" یہی وجہ ہے کہ مرد کے لئے غلام اور عورت کے لئے لونڈی آزاد کرنا مستحسن قرار دیا ہے تا کہ مقابلۃ الاعضاء بالاعضاء متحقق ہو۔

☆ ☆ ☆

(۱)وَالعِتقُ يَقَعُ مِنَ الحُرِّ البَالِغِ العَاقِلِ فِي مِلْكِه (۲)فَإذَاقَالَ لِعَبْدِه اَوْ اَمَتِه اَنْتِ حُرٌّ اَوْ مُعْتَقٌ اَوْ عَتِيقٌ اَوْ مُحَرَّرٌ اَوْ حَرَّرْتُکَ اَوْ اَعْتَقْتُکَ فَقَدْ عَتَقَ نَوَى الْمَوْلٰى الْعِتْقَ اَوْ لَمْ يَنْوِ(۳)وكَذَالِکَ إذَا قَالَ رَاْسُکَ حُرٌّ اَوْ رَقَبَتُکَ اَوْ بَدَنُکَ اَوْ قَالَ لِاَمَتِه فَرْجُکِ حُرٌّ۔

ترجمہ:۔اور آزادی واقع ہو جاتی ہے آزاد، عاقل، بالغ سے اس کی ملک میں پس اگر اپنے غلام یا اپنی باندی سے کہا تو آزاد ہے یا آزاد کیا ہوا ہے یا تو آزاد ہے یا آزاد کیا ہوا ہے یا میں نے تجھے حر بنا دیا یا تجھے آزاد کر دیا تو وہ آزاد ہو جائے گا مولیٰ آزادی کی نیت کرے یا نہ کرے اور اسی طرح اگر کہا تیرا سر آزاد ہے یا تیری گردن آزاد ہے یا تیرا بدن آزاد ہے یا اپنی لونڈی سے کہا تیری شرمگاہ آزاد ہے۔

تشریح:۔(۱)امام قدوری رحمہ اللہ نے صحت اعتاق کی چار شرطیں ذکر کی ہیں۔/ **نمبر ۱** ۔کہ آزاد کرنے والا خود آزاد ہو کیونکہ اعتاق صرف اپنی ملک میں صحیح ہوتا ہے اور جو خود مملوک ہو اسکی کوئی ملک نہیں ہوتی لہٰذا مملوک کسی کو آزاد نہیں کر سکتا۔/ **نمبر ۲** ۔آزاد کرنے والا بالغ ہو کیونکہ نابالغ میں آزاد کرنے کی اہلیت نہیں اسلئے کہ آزاد کرنا بظاہر ضرر ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ولی کو نابالغ کی طرف سے آزاد کرنے کی شرعاً اجازت نہیں۔/ **نمبر ۳** ۔آزاد کرنے والا عاقل ہو کیونکہ مجنون میں کسی تصرف کی اہلیت نہیں ہوتی ۔/ **نمبر ۴** ۔غلام آزاد کرنے والے کی ملک میں ہو یا غلام کی آزادی کی نسبت اپنی ملک کی طرف کرلے جیسے ''اِنْ مَلَکْتُکَ فَاَنْتَ حُرٌّ'' (یعنی اگر میں تیرا مالک ہوا تو تو آزاد ہے) ''لقوله صلى الله عليه وسلم لاعِتْقَ فِيْمَا لايَمْلِكُ اِبْنُ آدَمَ'' (یعنی آدمی جس کا مالک نہ ہو اس میں آزاد کرنا کچھ نہیں)۔

(۲) اگر مولیٰ نے اپنے غلام یا باندی سے کہا ''انت حرّ'' یا ''انت معتق'' یا ''انت عتيق'' یا ''انت محرّر'' یا ''قد حررتک'' یا ''اعتقتک'' تو وہ آزاد ہو جائیگا خواہ ان الفاظ سے آقا نے آزاد کرنے کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو کیونکہ یہ الفاظ آزاد کرنے کے معنی میں صریح ہیں شرعاً و عرفاً اس معنی میں مستعمل ہیں اور الفاظ صریحہ عمل کرنے میں نیت کے محتاج نہیں ہوتے۔

(۳) اگر مولیٰ نے اپنے مملوک سے کہا ''رأسک حر'' یا ''وجهک حر'' یا ''رقبتک حر'' یا ''بدنک حر''۔ یا باندی سے کہا ''فرجک حر'' تو ان تمام الفاظ سے مملوک آزاد ہو جائیگا کیونکہ یہ الفاظ ایسے ہیں جن سے پورے بدن کو تعبیر کیا جاتا ہے وَقَدْمَرَّفِي الطَّلَاقِ۔

(۴)وَلَوْ قَالَ لامِلْکَ لِي عَلَيْکَ وَنَوٰى بِذَالِکَ الْحُرِّيَّةَ عَتَقَ (۵)وَاِنْ لَمْ يَنْوِ لَمْ يَعْتِقْ (۶)وكَذَالِکَ جَمِيْعُ كِنَايَاتِ الْعِتْقِ (۷)وَاِنْ قَالَ لا سُلْطَانَ لِي عَلَيْکَ وَنَوٰى بِهِ الْعِتْقَ لَمْ يَعْتِقْ۔

ترجمہ:۔اور اگر مولیٰ نے کہا ''لاملک لی علیک'' اور اس کلام سے اس نے آزاد کرنے کی نیت کی تو آزاد ہو جائیگا اور اگر آزاد کرنے کی نیت نہیں کی تو آزاد نہیں ہوگا اور اسی طرح تمام کنایات عتق کا حکم ہے اور اگر کہا ''لاسلطان لی علیک'' اور اس سے آزادی کی نیت کی تو آزاد نہ ہوگا۔

تشریح :۔(٤)اگر مولیٰ نے اپنے مملوک سے کہا"لاملک لی علیک "(تجھ پر میری ملک نہیں)اور اس کلام سے اس نے آزاد کرنے کی نیت کی تو یہ مملوک آزاد ہو جائیگا۔(٥)اگر آزاد کرنے کی نیت نہیں کی تو آزاد نہیں ہوگا کیونکہ یہ الفاظ کنایہ میں سے ہیں اسلئے کہ اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ میری مِلک تجھ پر اس لئے نہیں کہ میں نے تجھے بیچ ڈالا ہے دوسرا احتمال یہ کہ مِلک اسلئے نہیں کہ میں نے تجھ کو آزاد کر دیا ہے لہذا یہ کلام کنائی ہونے کی وجہ سے محتاج نیت ہے۔

(٦) یہی حکم دوسرے کنایاتِ عتق کا بھی ہے جیسے مولیٰ کا قول"خَرَجْتَ مِنْ مِلْکِیْ "(تو میری ملک سے نکل گیا)"ولاسبیل لی علیک"(میرے لئے تجھ پر کوئی راستہ نہیں)"ولارق لی علیک وغیرہ"(تجھ پر میری رقیت نہیں)۔

(٧) اگر مولیٰ نے اپنے غلام سے کہا"لاسلطان لی علیک "(تجھ پر میری سلطنت نہیں)اور آزادی کی نیت کی تو غلام آزاد نہ ہوگا کیونکہ سلطان قبضہ سے عبارت ہے اور یہ ہوسکتا ہے کہ مِلک قائم ہو اور قبضہ نہ ہو جیسے مکاتب میں مولیٰ کی ملک قائم ہے مگر قبضہ نہیں۔

(٨)وَاِنْ قَالَ لِعَبْدِہٖ ھٰذَا اِبْنِیْ وَثَبَتَ عَلٰی ذَالِکَ (٩)او قَالَ ھٰذَا مَوْلَایَ او یَا مَوْلَایَ عَتَقَ (١٠)وَاِنْ قَالَ یَا اِبْنِیْ او یَا اَخِیْ لم یَعْتِقْ۔

ترجمہ:۔اور اگر مولیٰ نے اپنے غلام سے کہا"ھذاابنی "پھر اسی بات پر قائم رہا اور یا کہا"ھذامولای"یا"یامولای "تو آزاد ہو جائیگا اور اگر کہا"یاابنی او یااخی "تو غلام آزاد نہ ہوگا۔

تشریح :۔(٨)اگر مولیٰ نے اپنے غلام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا"ھذاابنی"(یہ میرا بیٹا ہے)پھر اسی بات پر قائم رہا(وثبت علی ذالک قید اتفاقی ہے)تو اگر غلام کا کوئی معروف نسب نہ ہو اور غلام کی عمر اتنی ہے کہ مولیٰ سے اس کا پیدا ہونا ممکن ہے تو مولیٰ سے اسکا نسب ثابت ہو جائیگا اور جب نسب ثابت ہوا تو آزاد بھی ہو گیا کیونکہ نسب کی نسبت مولیٰ کی طرف اس وقت سے معتبر ہے جب سے نطفہ قرار پایا تھا تو آزادی بھی اسی وقت سے ثابت ہوگی۔

اور اگر غلام کا نسب معروف ہو تو مولیٰ سے اس کا نسب ثابت نہ ہوگا البتہ غلام آزاد ہو جائیگا کیونکہ"ھذاابنی "کا حقیقی معنی متعذر ہونے کی وجہ سے اسکو مجازی معنی یعنی آزادی پر محمول کیا جائیگا کیونکہ ابن ہونا آزادی کا سبب ہے تو سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا ہے۔

(٩) اگر مالک نے اپنے غلام کی طرف اشارہ کر کے کہا"ھذامولای "(یہ میرا مولیٰ ہے)یا غلام کو پکارتے ہوئے کہا یامولای (اے میرے مولیٰ)تو بغیر نیت کے آزاد ہو جائیگا کیونکہ لفظ مولیٰ مشترک ہے ایک معنی اس کا معتِق (یعنی آزاد کرنے والا) ہے اور دوسرا معنی اسکا معتَق (آزاد شدہ) ہے اور عبد میں صرف یہی معنی مناسب ہے لہذا یہاں یہ الفاظ صریحہ(جیسے یاحر یاعتیق) کے ساتھ ملحق ہو کر بلانیت عمل کریگا۔(١٠)اگر مولیٰ نے اپنے غلام سے کہا"یاابنی او یااخی "(اے میرے بیٹے یا اے میرے بھائی)تو غلام آزاد نہ ہوگا کیونکہ یہ الفاظ عادۃً اکرام وشفقت کیلئے استعمال ہوتے ہیں انکا حقیقی معنی مراد نہیں ہوتا۔

☆ ☆ ☆

(۱۱)وَاِنْ قَالَ لِغُلامٍ لَایُوْلَدُمِثْلُه لِمِثْلِه هذَا اِبْنِیْ عَتَقَ عَلَیْهِ عِنْدَابِی حَنِیْفَةَ رحِمَه اللّٰه وَعِنْدَهُمَالا یَعْتِقُ (۱۲)وَاِنْ قَالَ لِاَمَتِه اَنْتِ طَالِقٌ وَنَوٰی بِه الْحُرِّیَّةَ لم تَعْتِقْ۔

ترجمه:۔اوراگر غلام سے کہا''هذاابنی''اوراس جیسا غلام اس جیسے مولیٰ سے نہ جن سکا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ غلام آزاد ہو جائیگا اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک آزادنہیں ہوگا اور اگر اپنی باندی سے کہا''انت طالق''اوراس سے آزاد کرنے کی نیت کی تو باندی آزاد نہ ہوگی۔

تشریح:۔(۱۱)اگر مولیٰ نے اپنے غلام سے کہا''هذاابنی''اور غلام اور مولیٰ کی عمر کا تناسب یہ ہو کہ اس عمر کے غلام کا اس عمر کے مولیٰ سے پیدا ہونا ناممکن ہو(مثلاً مولیٰ بیس سال کا ہے اور غلام پچیس سال کا ہے) تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ غلام آزاد ہو جائیگا۔صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک آزادنہیں ہوگا۔صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ اس کلام کو حقیقی معنی پر محمول کرنا محال ہے لہذا یہ کلام لغو ہے۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ جب کلام کا حقیقی معنی متعذر رہا تو مجازی معنی یعنی آزادی پر محمول کیا جائیگا(امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے)۔

(۱۲)اگر مولیٰ نے اپنی باندی سے کہا''انت طالق''(تو طلاق ہے)یاانت بائن (تو بائنہ ہے)اوراس سے آزاد کرنے کی نیت کی تو باندی آزاد نہ ہوگی کیونکہ ملک یمین قوی ہے ملک نکاح سے تو جو الفاظ ضعیف(نکاح)کو زائل کرتا ہے ضروری نہیں کہ وہ قوی(ملک یمین)کو بھی زائل کردے۔اور طلاق کے تمام الفاظ صریحہ وکنایہ کا یہی حکم ہے۔

(۱۳)وَاِنْ قَالَ لِعَبْدِه اَنْتَ مِثْلُ الْحُرِّلَمْ یَعْتِقْ (۱٤)وَاِنْ قَالَ مَااَنْتَ اِلَّا حُرٌّ عَتَقَ عَلَیْهِ (۱۵)وَاِذَا مَلَکَ الرَّجُلُ ذَارَحْمٍ مَحْرَمٍ مِنْه عَتَقَ عَلَیْه۔

ترجمه:۔اوراگر اپنے غلام سے کہا''انت مثل الحر''تو غلام آزاد نہ ہوگا اوراگر کہا''ماانت اِلّاحر''تو غلام اس پر آزاد ہو جائیگا اور اگر کوئی شخص اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہو گیا تو وہ اس پر آزاد ہو جائیگا۔

تشریح:۔(۱۳)اگر مولیٰ نے اپنے غلام سے کہا''انت مثل الحر''(تو آزاد کی طرح ہے)تو غلام آزاد نہ ہوگا کیونکہ لفظ مثل عرف میں بعض اوصاف میں مشترک ہونے کے واسطے آتا ہے پس معلوم نہیں کہ غلام کو آزاد کے ساتھ کس وصف میں تشبیہ دی گئی ہے لہذا آزاد ہونے میں شک ہو گیا اور شک کی وجہ سے آزادی واقع نہیں ہوتی۔(۱٤)اگر مالک نے غلام سے کہا''ماانت الاحر''(نہیں ہے تو مگر آزاد)تو غلام آزاد ہو جائیگا کیونکہ نفی سے استثناء کرنا تاکید کے طور پر اثبات ہے جیسے کلمہ''شهادة لااله الا الله''میں ہے۔

(۱۵)اگر کوئی شخص اپنے ذی رحم محرم(هُوَ الْقَرِیْبُ الَّذِیْ حَرُمَ نِکَاحُه اَبَدًا)کا مالک ہو گیا تو وہ ذی رحم محرم اس پر آزاد ہو جائیگا خواہ مالک صغیر ہو یا کبیر،مجنون ہو یا عاقل،ذمی ہو یا مسلمان''لقوله صلی الله علیه وسلم مَنْ مَلَکَ ذَارَحْمٍ مَحْرَمٍ مِنْه فَهُوَحُرٌّ''(یعنی جو اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہو جائے تو وہ آزاد ہے)۔

(۱۶)وَاِذَا اَعْتَقَ الْمَوْلیٰ بَعْضَ عَبْدِہٖ عَتَقَ عَلَیْہِ ذَالِکَ الْبَعْضُ وَیَسْعٰی فِی بَقِیَّتِہٖ لِمَوْلَاہُ عِنْدَ اَبِی حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ وقالا یَعْتِقُ کُلُّہٗ۔

ترجمہ:۔اوراگر مولیٰ نے اپنے غلام کا کچھ حصہ آزاد کیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک اسی قدر اس پر آزاد ہوگا اور غلام اپنے باقی ماندہ حصہ میں مولیٰ کے لئے سعی کریگا اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک کل غلام آزاد ہو جائیگا۔

تشریح:۔(۱۶)اگر مولیٰ نے اپنے غلام کا کچھ حصہ آزاد کیا (مثلاً کہا ''ثُلُثُکَ اَوْنِصْفُکَ حُرٌّ'' تیرا ثلث یا نصف آزاد ہے) تو امام صاحبؒ کے نزدیک اسی قدر آزاد ہوگا اور غلام اپنے باقی ماندہ حصہ کی قیمت کما کر مولیٰ کو دیگا اس طرح کل غلام آزاد ہو جائیگا۔صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک اگر مولیٰ نے ایک حصہ آزاد کیا تو کل غلام آزاد ہو جائیگا۔

صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک اعتاق کے تجزی (ٹکڑے) نہیں ہو سکتے اور جس چیز کے ٹکڑے نہیں ہو سکتے اس کو کسی ایک حصہ اور جزء کی طرف منسوب کرنا ایسا ہے جیسا کہ کل کی طرف منسوب کرنا پس اعتاق کو غلام کے کسی حصہ کی طرف منسوب کرنا کل کی طرف منسوب کرنا ہوا اسلئے اس صورت میں پورا غلام آزاد ہو جائیگا۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اعتاق کے ٹکڑے ہو سکتے ہیں لہذا مولیٰ نے جس قدر آزاد کیا اسی قدر آزاد ہوگا (امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے)۔

(۱۷)وَاِذَا کَانَ الْعَبْدُ بَیْنَ شَرِیْکَیْنِ فَاَعْتَقَ اَحَدُھُمَا نَصِیْبَہٗ عَتَقَ فَاِنْ کَانَ مُوْسِرًا فَشَرِیْکُہٗ بِالْخِیَارِ اِنْ شَاءَ اَعْتَقَ وَاِنْ شَاءَ ضَمَّنَ شَرِیْکَہٗ قِیْمَۃَ نَصِیْبِہٖ وَاِنْ شَاءَ اِسْتَسْعَی الْعَبْدَ (۱۸)وَاِنْ کَانَ الْمُعْتِقُ مُعْسِرًا فَالشَّرِیْکُ بِالْخِیَارِ اِنْ شَاءَ اَعْتَقَ نَصِیْبَہٗ وَاِنْ شَاءَ اِسْتَسْعَی الْعَبْدَ وھٰذَا عِنْدَ اَبِی حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ وقَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ رَحِمَہُ اللّٰہُ ومُحَمَّدٌ رَحِمَہُ اللّٰہُ لَیْسَ لَہٗ اِلَّا الضَّمَانُ مَعَ الْیَسَارِ وَالسِّعَایَۃُ مَعَ الْاِعْسَارِ۔

ترجمہ:۔اوراگر غلام دو شریکوں کے درمیان مشترک ہو پس ایک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا تو آزاد ہو جائیگا پس اگر وہ مالدار ہو تو اس کے شریک کو اختیار ہے اگر چاہے تو آزاد کردے اوراگر چاہے تو اپنے شریک کو اپنے حصہ کی قیمت کا ضامن بنادے اوراگر چاہے تو غلام سے سعایت کرالے اوراگر وہ تنگ دست ہو تو شریک کو اختیار ہے اگر چاہے تو اپنے حصہ کو آزاد کردے اوراگر چاہے تو غلام سے سعایت کرالے یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے لئے نہیں مگر مالداری کی صورت میں ضمان اور تنگدستی کی صورت میں سعایت کرانا۔

تشریح:۔(۱۷)اگر غلام دو شریکوں کے درمیان مشترک ہو ان میں سے ایک نے اپنا حصہ آزاد کیا تو آزاد کرنے والا دو حال سے خالی نہیں مالدار ہوگا یا فقیر اگر مالدار ہے تو شریک کو تین چیزوں میں اختیار ہے۔/ **نمبر ۱**۔اگر چاہے تو اپنے شریک کی طرح اپنا حصہ آزاد کردے کیونکہ باقی حصہ میں اسکی ملک قائم ہے۔اس صورت میں وَلاء (میراث جو آزاد کردہ غلام سے یا عقد موالاۃ کی وجہ سے حاصل ہو کو ولاء کہتے ہیں) دونوں میں مشترک ہوگا کیونکہ اعتاق کا صدور دونوں سے ہوا۔

/**نمبر ۲**۔اگر چاہے تو اپنے شریک سے اپنے حصہ کی قیمت کا تاوان لے کیونکہ اس نے اپنا حصہ آزاد کر کے اس کے حصہ کو بھی فاسد کر دیا کیونکہ وہ اب اپنے اس حصہ کو فروخت یا ہبہ نہیں کر سکتا۔ پھر معتق اپنے شریک کو جو تاوان دیگا اس مقدار کا غلام سے رجوع کریگا۔ اور وَلاء اس صورت میں صرف معتق کیلئے ہے کیونکہ اعتاق اس سے صادر ہوا ہے۔

/**نمبر ۳**۔اگر چاہے تو غلام سے اپنے حصہ کے بقدر کما کر لے لے کیونکہ معتق کا مالدار ہونا مانع سعایت نہیں۔ اس صورت میں بھی وَلاء دونوں شریکوں میں مشترک ہوگا کیونکہ عتق کا صدور دونوں سے ہوا ہے۔

(۱۸) اگر آزاد کرنے والا فقیر ہے تو شریک کو تو دو چیزوں میں اختیار ہے۔/**نمبر ۱**۔اگر چاہے تو اپنا حصہ بھی آزاد کر دے کیونکہ اسکی ملک باقی ہے اور چاہے تو غلام سے بقدر حصہ کما کر لے لے۔ اور دونوں صورتوں میں وَلاء دونوں میں مشترک ہوگا۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک ہے۔ صاحبینؒ کے نزدیک اگر معتق مالدار ہے تو شریک آخر صرف اس سے ضمان لیگا اور اگر تنگدست ہے تو غلام سے بقدر حصہ کما کر لے لیگا اور بس۔ (امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے)۔

(۱۹) وَاِذَا اشْتَرىٰ رَجُلانِ اِبْنَ اَحَدِهِمَا عَتَقَ نَصِيْبُ الْاَبِ وَلا ضَمَانَ عَلَيْهِ (۲۰) وكَذَالِكَ اِذَا وَرِثَاهُ فَالشَّرِيْكُ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَعْتَقَ نَصِيْبَه وَاِنْ شَاءَ اِسْتَسْعَى الْعَبْدَ۔

ترجمہ:۔اور اگر دو آدمیوں نے اپنے میں سے کسی ایک کا بیٹا خرید ا تو باپ کا حصہ آزاد ہو جائیگا اور اس پر ضمان واجب نہیں اور اسی طرح اگر دو آدمیوں کو ایک غلام میراث میں ملا (تو بھی یہی حکم ہے) پس شریک آخر کو اختیار ہے اگر چاہے تو اپنا حصہ آزاد کر دے اور اگر چاہے تو غلام سے کمائی کرائے۔

تشریح:۔(۱۹) اگر دو آدمیوں نے ملکر اپنے میں سے کسی ایک کا بیٹا خرید ا تو باپ کا حصہ تو آزاد ہو جائیگا کیونکہ اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہو گیا۔ اور اب دوسرے شریک کا حصہ بھی آزاد ہو جائیگا لیکن باپ پر اسکا ضمان واجب نہ ہوگا کیونکہ غلام کی شراء دونوں کے قول سے حاصل ہوئی ہے تو شریک اس آزادی پر راضی ہے کیونکہ ذو رحم محرم کی شراء اعتاق ہی ہے تو یہ ایسا ہے جیسے ایک شریک دوسرے شریک کو اس کا حصہ آزاد کرنے کی اجازت صریح دیدے۔

(۲۰) اسی طرح اگر دو آدمیوں کو ایک غلام میراث میں ملا اور غلام ان دونوں میں سے ایک کا ذو رحم محرم ہے تو بھی غلام آزاد ہو جائیگا اور غلام کے ذو رحم محرم پر اس کا ضمان نہ ہوگا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک شریک آخر اگر چاہے تو اپنا حصہ آزاد کر دے اور اگر چاہے تو غلام سے کمائی کرائے اپنا حصہ وصول کر لے۔

(۲۱)وَاِذَا شَهِدَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنَ الشَّرِيْكَيْنِ عَلَى الآخَرِ بِالْحُرِّيَّةِ سَعَى الْعَبْدُ لِكُلِّ وَاحِدٍمِنْهُمَا فِي نَصِيْبِهِ مُوْسِرَيْنِ كَانَ اَوْ مُعْسِرَيْنِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وقَالَا اِذَا كَانَا مُوْسِرَيْنِ فَلَا سِعَايَةَ وَاِنْ كَانَا مُعْسِرَيْنِ سَعَى لَهُمَا وَاِنْ كَانَ اَحَدُهُمَا مُوْسِرًا وَالآخَرُ مُعْسِرًا سَعَى لِلْمُوْسِرِ وَلَمْ يَسْعَ لِلْمُعْسِرِ۔

ترجمہ:۔اور اگر دو شریکوں میں سے ہر ایک نے اپنے ساتھی پر غلام آزاد کرنے کی گواہی دی تو غلام ان دونوں میں سے ہر ایک کیلئے اس کے حصہ کے بقدر کمائی کریگا خواہ شریکین مالدار ہوں یا تنگدست ، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اگر شریکین مالدار ہوں تو غلام پر کمائی واجب نہیں اور اگر دونوں تنگدست ہوں تو غلام دونوں کیلئے کمائی کریگا اور اگر ایک شریک مالدار ہو دو سرا فقیر تو فقیر کیلئے کمائے گا مالدار کیلئے نہیں۔

تشریح:۔(۲۱)اگر دو شریکوں میں سے ہر ایک نے اپنے ساتھی پر مشترک غلام میں اس کا حصہ آزاد کرنے کی گواہی دی اور دوسرا اسکا انکار کرتا ہے تو غلام آزاد ہو جائیگا۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک غلام ان دونوں میں سے ہر ایک کیلئے اس کے حصہ کے بقدر کما کر ادا کرے گا خواہ شریکین مالدار ہوں یا تنگدست یا ایک مالدار دوسرا تنگدست ہو کیونکہ ہر ایک کا گمان یہ ہے کہ اسکے شریک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا ہے اور ہر ایک کا یہ خیال ہے کہ میں اپنے حصہ کا اپنے شریک سے ضمان لونگا یا غلام سے کمائی کرونگا لیکن ضمان لینا تو متعذر ہے کیونکہ شریک اس کا انکار کرتا ہے لہذا استسعاء(کمائی کرانا) متعین ہوا۔اور ولاء کے دونوں مستحق ہونگے۔

صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک اگر شریکین مالدار ہوں تو غلام پر کمائی واجب نہیں کیونکہ صاحبین رحمہما اللہ کے اصول میں سے یہ ہے کہ شریک اگر مالدار ہو تو غلام پر کمائی واجب نہیں پس ہر ایک کا مالدار ہونا غلام کو کمائی سے بری کرتا ہے۔اور اگر شریکین دونوں تنگدست ہوں تو غلام پر دونوں کیلئے کمائی کرنا واجب ہے کیونکہ ہر ایک شریک کا گمان یہ ہے کہ دوسرے پر تنگدستی کی وجہ سے ضمان نہیں بلکہ غلام پر کمائی واجب ہے۔اور اگر ایک شریک مالدار ہو دوسرا فقیر تو فقیر کیلئے کمائے گا مالدار کیلئے نہیں لِمَا عَلِمْتَ۔

(۲۲)وَمَنْ اَعْتَقَ عَبْدًا لِوَجْهِ اللّٰهِ تَعَالٰى اَوْ لِلشَّيْطَانِ اَوْ لِلصَّنَمِ عَتَقَ (۲۳)وَعِتْقُ الْمُكْرَهِ وَالسَّكْرَانِ وَاقِعٌ (۲۴)وَاِذَا اَضَافَ الْعِتْقَ اِلٰى مِلْكٍ اَوْ شَرْطٍ صَحَّ كَمَا يَصِحُّ فِي الطَّلَاقِ۔

ترجمہ:۔اور جس نے اپنے غلام کو اللہ کیلئے یا شیطان کیلئے یا بت کیلئے آزاد کیا تو غلام آزاد ہو جائیگا اور مکرہ اور سکران کا عتق واقع ہو جائیگا اور اگر کسی نے آزادی کو ملک کی طرف منسوب کیا اور یا شرط کی طرف منسوب کیا تو یہ صحیح ہے جس طرح کہ طلاق میں صحیح ہے۔

تشریح:۔(۲۲)اگر کسی نے اپنے غلام کو اللہ کیلئے یا شیطان کیلئے یا بت کیلئے آزاد کیا تو تینوں صورتوں میں غلام آزاد ہو جائیگا (لیکن آخری دو صورتوں میں معتق گناہگار ہو جائیگا بَلْ اِنْ قَصَدَ التَّعْظِيْمَ كَفَرَ) کیونکہ اعتاق کا صدور اہل اعتاق (یعنی عاقل بالغ) سے ہوا اور اپنے محل میں پایا گیا (کیونکہ غلام اسکا مملوک ہے) لہذا آزاد ہو جائیگا۔(۲۳)اگر کسی شخص کو اپنا غلام آزاد کرنے پر مجبور کیا گیا پس اس نے آزاد کیا اور یا نشہ سے مست آدمی نے اپنا غلام آزاد کیا تو آزاد ہو جائیگا کیونکہ اعتاق اپنے اہل سے اپنے محل میں صادر ہوا کما مرّ۔

(۲۴) اگر کسی نے آزادیٔ عبد کو ملک کی طرف منسوب کیا مثلاً کہا" اِنْ مَلَكْتُكَ فَأَنْتَ حُرٌّ " (اگر میں تیرا مالک ہوا تو تو آزاد ہے)۔ یا شرط کی طرف منسوب کیا مثلاً کہا" ان دخلت الدار فانت حرّ " (اگر تو گھر میں داخل ہوا تو تو آزاد ہے) تو یہ صحیح ہے کیونکہ آزاد کرنا از قبیل اسقاط حق ہے اور اسقاطات کو شرط پر معلق کرنا صحیح ہے جس طرح کہ طلاق میں صحیح ہے وَقَدْ سَبَقَ بَيَانُه۔

(۲۵) وَاِذَا خَرَجَ عَبْدُ الْحَرْبِيِّ مِن دَارِ الْحَرْبِ اِلَيْنَا مُسْلِمًا عَتَقَ (۲۶) وَاِذَا اَعْتَقَ جَارِيَةً حَامِلًا عَتَقَتْ وَعَتَقَ حَمْلُهَا (۲۷) وَاِنْ اَعْتَقَ الْحَمْلَ خَاصَّةً عَتَقَ ولم تُعْتَقِ الْاُمُّ (۲۸) واذا اَعْتَقَ عَبْدَه على مالٍ فَقَبِلَ الْعَبْدُ عَتَقَ فَاِذَا قَبِلَ صَارَ حُرًّا وَلَزِمَه الْمَالُ۔

ترجمہ:۔اور اگر حربی کافر کا غلام مسلمان ہو کر دارالاسلام میں آگیا تو وہ آزاد ہوگا اور اگر مالک نے اپنی حاملہ باندی کو آزاد کیا تو باندی آزاد ہو جائیگی اور اسکا حمل بھی آزاد ہو جائیگا اور اگر صرف حمل آزاد کیا تو حمل آزاد ہو جائیگا اور اسکی ماں آزاد نہیں ہوگی اور اگر کسی نے اپنا غلام مال کے عوض آزاد کر دیا اور غلام نے قبول کیا تو آزاد ہو جائیگا اور غلام کے ذمہ مال لازم ہوگا۔

تشریح:۔(۲۵) اگر حربی کافر کا غلام مسلمان ہو کر دارالاسلام میں آگیا تو وہ آزاد ہوگا کیونکہ اس غلام نے بحالت اسلام اپنے آپکو دارالاسلام میں محفوظ کیا ہے اور ابتداءً کسی مسلمان کو غلام نہیں بنایا جا سکتا اسلئے یہ آزاد ہوگا۔

(۲۶) اگر مالک نے اپنی حاملہ باندی کو آزاد کیا تو باندی کے تابع ہو کر حمل بھی آزاد ہو جائیگا کیونکہ حمل باندی کے کسی عضو کی طرح ہے تو جس طرح باندی آزاد کرنے سے باندی کے دوسرے اعضاء آزاد ہو جاتے ہیں اسی طرح اس کا حمل بھی آزاد ہو جائیگا۔

(۲۷) اگر صرف حمل آزاد کیا تو فقط حمل آزاد ہو جائیگا اسکی ماں آزاد نہیں ہوگی کیونکہ باندی کو حمل کے تابع کرنے میں قلب موضوع لازم آئیگا اس لئے کہ باندی تو متبوع ہے جسکا تابع ہونا لازم آئیگا۔(۲۸) اگر کسی نے اپنا غلام مال کے عوض آزاد کر دیا مثلاً غلام سے کہا" انت حرٌّ علی الف درهم او بالف درهم "اور غلام نے اسی مجلس میں قبول کیا تو یہ صحیح ہے اور غلام فی الحال آزاد ہو جائیگا اور مال مشروط غلام کے ذمہ دین ہوگا۔

الغاز:۔ای رجل صار مملوکا لعبده و صار العبد حرّا؟

فقل:۔حربی دخل دارنا مع عبده بلاأمان و العبد مسلم عتق و استولی علی سیده ملکه ۔(الاشباه والنظائر)

(۲۹) وَلَوْ قَالَ اِنْ اَدَّيْتَ اِلَيَّ اَلْفًا فَاَنْتَ حُرٌّ صَحَّ وَلَزِمَه الْمَالُ وصَارَ مَاْذُوْنًا (۳۰) فَاِنْ اَحْضَرَ الْمَالَ اَجْبَرَ الْحَاكِمُ الْمَوْلٰى عَلٰى قَبْضِه وَعَتَقَ الْعَبْدُ۔

ترجمہ:۔اور اگر مولی نے غلام سے کہا" اِنْ اَدَّيْتَ اِلَيَّ اَلْفًا فَاَنْتَ حُرٌّ " تو یہ صحیح ہے اور اس پر مال لازم ہوگا اور غلام ماذون ہوگا پس اگر اس نے مال حاضر کر دیا تو حاکم مولی کو مال لینے پر مجبور کریگا اور غلام آزاد ہو جائیگا۔

تشریح:۔(۲۹) اگر غلام کی آزادی کو مال کی ادائیگی کے ساتھ معلق کر دیا مثلاً کہا" اِنْ اَدَّيْتَ اِلَيَّ اَلْفًا فَاَنْتَ حُرٌّ " (یعنی اگر تو مجھے

ایک ہزار دیدے تو تو آزاد ہے) تو یہ تعلیق صحیح ہے اور غلام ماذون فی التجارۃ ہو جائیگا کیونکہ ادائیگی مال بغیر کسب وتجارت کے ہو نہیں سکتا لہذا یہ دلالۃً اذن ہے۔(۳۰) اب اگر غلام نے مال مشروط کو پیش کر دیا تو حاکم مولیٰ کو مال لینے پر مجبور کر دیگا اور غلام آزاد ہو جائیگا۔

الغاز:۔ ای عبد علق عتقه علی شرط ووجد ،ولم یعتق؟

فقل:۔ اذا قال له ،ان صلیت رکعة فانت حر ،فصلاها لم تکلم ،ولو صلی رکعتین عتق ،فالرکعة لابد من ضم اخری الیها لتکون جائزة۔(الاشباہ والنظائر)

(۳۱)وَوَلَدُ الْاَمَةِ مِنْ مَوْلَاهَا حُرٌّ (۳۲)وَوَلَدُهَا مِنْ زَوْجِهَا مَمْلُوْکٌ لِسَیِّدِهَا (۳۳)وَوَلَدُ الْحُرَّةِ مِنَ الْعَبْدِ حُرٌّ۔

ترجمه:۔ اور باندی کا ولد جو اس کے مالک سے ہو آزاد ہے اور باندی کا بچہ جو اس کے شوہر سے ہو اس کے مولیٰ کا مملوک ہے اور آزاد عورت کا بچہ جو غلام (شوہر) سے ہو آزاد ہے۔

تشریح:۔ (۳۱) باندی کی اولاد جو اس کے مالک سے پیدا ہوئی ہو وہ آزاد ہوگی کیونکہ یہ بچہ مولیٰ کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے تو ذورحم محرم ہونے کی وجہ سے آزاد ہوگا۔(۳۲) باندی کا بچہ اگر اس کے شوہر سے پیدا ہو تو یہ بچہ باندی کے مالک کا مملوک ہوگا کیونکہ بچہ رقیت میں ماں کا تابع ہے۔(۳۳) آزاد عورت کا بچہ جو غلام شوہر سے ہو وہ ماں کا تابع ہو کر آزاد ہوگا۔

بَابُ التَّدْبِیْر

یہ باب مدبیر کے بیان میں ہے۔

"تدبیر" لغۃً کسی امر کے انجام کو سوچنے کو کہتے ہیں۔اور شرعاً غلام کی آزادی کو اپنے موت کے ساتھ معلق کرنے کو کہتے ہیں۔

ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ ماقبل میں اعتاق واقع فی الحیاۃ کا ذکر تھا اب اعتاق واقع بعد الموت کو ذکر فرمائینگے۔

(۳۴)وَاِذَا قَالَ الْمَوْلیٰ لِمَمْلُوْکِهٖ اِذَا مِتُّ فَاَنْتَ حُرٌّ اَوْ اَنْتَ حُرٌّ عَنْ دُبُرٍ مِنِّیْ اَوْ اَنْتَ مُدَبَّرٌ اَوْ قَدْ دَبَّرْتُکَ فَقَدْ صَارَ مُدَبَّرًا لایَجُوْزُ بَیْعُه ولا هِبَتُه (۳۵)وَلِلْمَوْلیٰ اَنْ یَسْتَخْدِمَه وَیُؤَاجِرَه (۳۶)وَاِنْ کَانَتْ اَمَةً فَلَه اَنْ یَطَأَهَا وَلَه اَنْ یُزَوِّجَهَا۔

ترجمه:۔ اور اگر مولیٰ نے اپنے غلام سے کہا جب میں مرجاؤں تو تو آزاد ہے یا تو میرے بعد آزاد ہے یا تو مدبر ہے یا میں نے تجھے مدبر کر دیا تو غلام مدبر ہو جائیگا اب مولیٰ کیلئے اس کی بیع اور ہبہ جائز نہیں اور مولیٰ اس سے خدمت لے سکتا ہے اور کسی کو اُجرت پر دے سکتا ہے اور اگر مدبرہ لونڈی ہے تو اسکے ساتھ وطی کر سکتا ہے اور اس کا نکاح کرا سکتا ہے۔

تشریح:۔ (۳۴) اگر مولیٰ نے اپنے غلام سے کہا جب میں مرجاؤں تو تو آزاد ہے یا تو میرے بعد آزاد ہے یا تو مدبر ہے یا میں نے تجھے مدبر کر دیا تو غلام مدبر ہو جائیگا کیونکہ یہ الفاظ تدبیر میں صریح ہیں نیت کے محتاج نہیں پس جب مدبر ہو گیا تو اب مولیٰ کیلئے اس کی بیع اور ہبہ اور وراثت میں کسی کو تملیکاً دینا جائز نہیں البتہ موت سے پہلے اسکو آزاد کر سکتا ہے۔

(۳۵) اگر کسی نے اپنے غلام کو مدبر بنادیا تو اب مولیٰ اس سے خدمت لے سکتا ہے اور کسی کو اُجرت پر دے سکتا ہے۔ (۳۶) اور اگر مدبرہ لونڈی ہے تو اسکے ساتھ وطی کرسکتا ہے اور جبراً کسی کے ساتھ اس کا نکاح کراسکتا ہے کیونکہ مولیٰ کی ملک قائم ہے اور ملک ہی کی وجہ سے مولیٰ کو ان تصرفات کی ولایت حاصل ہے۔

(۳۷) فَإِذَا مَاتَ الْمَوْلَى عَتَقَ الْمُدَبَّرُ مِنْ ثُلُثِ مَالِهِ إِنْ خَرَجَ مِنَ الثُّلُثِ (۳۸) فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُ يَسْعٰى فِي ثُلُثَيْ قِيْمَتِهِ (۳۹) فَإِنْ كَانَ عَلَى الْمَوْلَى دَيْنٌ يَسْعٰى فِي جَمِيْعِ قِيْمَتِهِ لِغُرَمَائِهِ (۴۰) وَوَلَدُ الْمُدَبَّرَةِ مُدَبَّرٌ۔

ترجمہ:۔ پس جب مولیٰ مرجائے تو مدبر مولیٰ کے ثلث مال سے آزاد ہو جائیگا اگر وہ ثلث سے نکل سکا اور اگر اس کے پاس مدبر کے سوا کوئی مال نہ ہو تو مدبر اپنی قیمت کے دو ثلث میں سعی کریگا اور اگر مولیٰ پر دین ہو تو مدبر اپنی پوری قیمت میں قرض خواہوں کے لئے سعی کریگا اور مدبرہ لونڈی کی اولاد بھی مدبر ہوگی۔

تشریح:۔ (۳۷) مولیٰ نے اپنے غلام کو مدبر بنایا تھا چنانچہ اب مولیٰ کا انتقال ہو گیا تو مدبر مولیٰ کے ثلث مال سے آزاد ہو جائیگا کیونکہ تدبیر دراصل وصیت کے حکم میں آتی ہے اسلئے کہ تدبیر تبرع مضاف الی وقت الموت ہے اور وصیت کا وقوع موت کے بعد ہوتا ہے اور بعد از موت واقع ہونے کی وجہ سے ثلث مال سے آزاد ہوگا۔

(۳۸) اگر مولیٰ کے ترکہ میں سوائے مدبر کے دوسرا کوئی مال نہ ہو تو ایسی صورت میں مدبر کی آزادی بحال رہے گی لیکن مدبر اپنی دو تہائی قیمت ورثہ کیلئے کما کے دیدیگا کیونکہ مدبر کی آزادی مولیٰ کے ترکہ کے ثلث سے ہوگی لہذا ایک ثلث تو مولیٰ کے ترکہ سے آزاد ہوگا باقی دو ثلثوں میں ورثہ کیلئے مزدوری کرنی پڑیگی۔

(۳۹) اگر مولیٰ کے ترکہ میں صرف مدبر ہو مزید برآں مولیٰ پر قرضہ بھی ہو اور قرضہ بھی اتنا کہ مدبر کی قیمت کے برابر یا زیادہ ہو تو اب مدبر اپنی پوری قیمت کما کر ورثہ کو دیگا کیونکہ قرضہ وصیت سے مقدم ہے اور مدبر کا عتق توڑنا ممکن نہیں لہذا مدبر کی قیمت ہی قرضخواہوں کو دیا جائیگا۔ (۴۰) مدبرہ لونڈی کی اولاد بھی ماں کا تابع ہو کر مدبر ہوگی کیونکہ اولاد ماں کا تابع ہے یعتق بعتقھا ویرق برقھا ویدبر بتدبیرھا۔

(۴۱) فَإِنْ عَلَّقَ التَّدْبِيْرَ بِمَوْتِهِ عَلٰى صِفَةٍ مِثْلَ أَنْ يَقُوْلَ إِنْ مِتُّ مِنْ مَرَضِيْ هٰذَا أَوْ فِيْ سَفَرِيْ هٰذَا أَوْ مِنْ مَرَضِ كَذَا فَلَيْسَ بِمُدَبَّرٍ وَيَجُوْزُ بَيْعُهُ (۴۲) وَإِنْ مَاتَ الْمَوْلَى عَلَى الصِّفَةِ الَّتِيْ ذَكَرَهَا عَتَقَ كَمَا يَعْتِقُ الْمُدَبَّرُ۔

ترجمہ:۔ اور اگر مولیٰ نے اپنے غلام کی تدبیر کو اپنی مخصوص صفت کی موت پر معلق کیا مثلاً کہا کہ اگر میں اپنی اس بیماری سے مرجاؤں یا اسی سفر میں مرجاؤں یا فلاں مرض سے مرجاؤں (تو تو مدبر ہے) تو فی الحال غلام مدبر نہیں اور اس غلام کی بیع جائز ہے اور اگر مولیٰ اسی صفت پر جس کا اس نے ذکر کیا تھا مر گیا تو آزاد ہو جائیگا جس طرح کہ مدبر مطلق آزاد ہوتا ہے۔

تشریح:۔ (۴۱) اگر مولیٰ نے اپنے غلام کی تدبیر کو اپنی مخصوص صفت کی موت پر معلق کیا مثلاً کہا کہ اگر میں اپنی اس بیماری سے مرجاؤں

یا اسی سفر میں مرجاؤں یا فلاں مرض سے مرجاؤں تو تو مدبر ہے تو فی الحال غلام مدبر نہیں ہوگا کیونکہ موت کا اسی صفت پر واقع ہونا یقینی نہیں پس سبب فی الحال منعقد نہیں ہوگا اور جب سبب منعقد نہیں تو یہ معلق رہیگا دیگر تعلقات کی طرح۔ اور اس میں تصرف ممنوع نہیں لہذا اس غلام کی بیع، ہبہ وغیرہ جائز ہے۔

(۴۲) اگر مولیٰ اسی صفت پر جس کا اس نے ذکر کیا تھا مرگیا تو مدبر مطلق کی طرح یہ مدبر بھی آزاد ہو جائیگا کیونکہ زندگی کے آخری لحہ میں صفت مذکورہ متعین ہوگئی تردد ختم ہوا تو یہ مدبر مطلق کی طرح ہوگیا۔

بَابُ الْاِسْتِيْلَادِ

یہ باب استیلاد کے بیان میں ہے۔

"استیلاد" کا لغوی معنی بچہ طلب کرنا ہے اور شرعاً مولیٰ کا لونڈی سے بذریعہ وطی بچہ طلب کرنے کو کہتے ہیں۔

ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ مدبر اور ام ولدہ میں سے ہر ایک کو حق حریت حاصل ہے مگر فی الحال حریت کسی کو حاصل نہیں لہذا تدبیر کے بعد استیلاد کو ذکر کیا ہے۔

(۴۳) وَاِذَا وَلَدَتِ الْاَمَةُ مِنْ مَوْلَاهَا فَقَدْ صَارَتْ اُمَّ وَلَدٍ لَه لا يَجُوْزُ لَه بَيْعُهَا ولا تَمْلِيْكُهَا (۴۴) وله وَطْئُهَا وَاِسْتِخْدَامُهَا وَاِجَارَتُهَا وتَزْوِيْجُهَا۔

ترجمہ:۔ اور اگر باندی نے بچہ جنا اپنے مولیٰ سے تو باندی اس کی ام ولدہ ہو جائے گی اب مولیٰ کے لئے اس کو فروخت کرنا، کسی کی ملکیت میں دینا جائز نہ ہوگا اور مولیٰ کے لئے جائز ہے اس سے وطی کرنا اس سے خدمت لینا اور اس کو اجرت پر دینا اور اس کا نکاح کرانا۔

تشریح:۔ (۴۳) اگر مولیٰ نے اپنی باندی کے ساتھ وطی کی اس نے بچہ جنا تو باندی اس کی ام ولدہ ہو جائے گی اور جو احکام مدبرہ کے ہیں وہی احکام ام ولدہ کے بھی ہیں لہذا مولیٰ کے لئے اب اس کو فروخت کرنا، کسی کی ملکیت میں دینا، کسی کے پاس بطور رہن رکھنا جائز نہ ہوگا۔ (۴۴) البتہ مولیٰ اس کیساتھ وطی کرسکتا ہے اس سے خدمت لے سکتا ہے اسکو اجرت پر دے سکتا ہے اور اس کا جبراً نکاح کرا سکتا ہے کیونکہ مولیٰ کی ملک قائم ہے۔

(۴۰) وَلَا يَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِهَا اِلَّا اَنْ يَعْتَرِفَ بِه الْمَوْلٰى (۴۱) فَاِنْ جَاءَ تْ بِوَلَدٍ بَعْدَ ذَالِكَ ثَبَتَ نَسَبُه مِنْه بِغَيْرِ اِقْرَارٍ (۴۲) فَاِنْ نَفَاه اِنْتَفٰى بِقَوْلِه (۴۳) وَاِنْ زَوَّجَهَا فَجَاءَ تْ بِوَلَدٍ فَهُوَ فِي حُكْمِ اُمِّه۔

ترجمہ:۔ اور ام ولد کے بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا الا یہ کہ مولیٰ اس کا اعتراف کر دے پھر اگر باندی نے اس کے بعد بچہ جنا تو اس کا نسب مولیٰ سے مولیٰ کے اقرار کے بغیر ثابت ہو جائیگا اور اگر آقا نے بچے کی نفی کر دی تو اس کے کہنے سے نفی ہو جائیگی اور اگر مولیٰ نے اس کا نکاح کر دیا اور اس نے بچہ جنا تو وہ اپنی ماں کے حکم میں ہوگا۔

تشریح:۔ (۴۰) ام ولد کے بچے کا نسب مولیٰ سے اس وقت تک ثابت نہیں ہوگا جب تک کہ آقا اس کا اقرار نہ کرے کیونکہ لونڈی کے

ساتھ وطی کرنے سے مقصود قضاء شہوت ہوتا ہے ولد مقصود نہیں ہوتا لہذا ثبوت نسب کیلئے دعوی لازمی ہے بخلاف نکاح کے کہ اس میں اولاد کا مقصود ہونا متعین ہے پس دعوی نسب کی کوئی ضرورت نہیں۔

(۴۱) اگر آقا نے لونڈی کے ایک بچے کا اقرار کرلیا تو اس کے بعد لونڈی جو بچہ جنے گی تو اس بچہ کا نسب مولی سے مولی کے اقرار کے بغیر ثابت ہوگا اس کیلئے مولی کے اقرار کی ضرورت نہیں کیونکہ پہلے بچے کا اقرار کر کے مولی نے ثابت کرلیا کہ اس لونڈی کے ساتھ وطی کرنے سے مقصود ولد ہے لہذا اب ثبوت نسب کیلئے مولی کے اقرار کی ضرورت نہیں۔ (۴۲) البتہ اگر آقا نے بچے کی نفی کردی تو پھر بچے کا نسب آقا سے ثابت نہ ہوگا۔ نفی نسب کیلئے لعان کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ لونڈی کا فراش ہونا ضعیف ہے حتی کہ مولی اسکو کسی دوسرے کے نکاح میں دیکر اس کی فراش ہونے کو ختم کرسکتا ہے بخلاف منکوحہ کے۔

(۴۳) اگر مولی نے اپنی ام ولد کا نکاح دوسرے شخص کے ساتھ کردیا اور اس نے اس دوسرے شخص سے بچہ جنم دیا تو یہ بچہ اپنی ماں کے حکم میں ہوگا کیونکہ حق حریت ماں سے بچہ کی طرف سرایت کرتا ہے لہذا مولی کی وفات کے بعد بچہ بھی اپنی ماں کے ساتھ آزاد ہوجائیگا۔

(۴۴) وَاِذَا ماتَ الْمَوْلیٰ عَتَقَتْ مِنْ جَمِيْعِ الْمَالِ (۴۵) وَلاتَلْزَمُهَا السِّعَايَةُ لِلْغُرَماءِ اِنْ كَانَ عَلَى الْمَوْلٰى دَيْنٌ۔

ترجمہ:۔ اور جب مولی مرجائے تو ام ولدہ تمام مال سے آزاد ہوجائے گی اور ام ولد پر قرضخواہوں کے لئے کمانا لازم نہیں اگر مالک کے ذمہ قرض ہو۔

تشریح:۔ (۴۴) آقا کی موت کے بعد ام ولد مولی کے کل ترکہ سے آزاد ہوجائے گی کیونکہ انسان کی حاجت اپنے ولد کو حاجت اصلیہ ہے اور بچے کی ماں حاجت صلیہ ہونے میں بچے کے مساوی ہے لہذا انسان کی احتیاج اپنی ام ولد کو بھی حاجت اصلیہ ہے اور جس چیز کی طرف انسان کی حاجت اصلیہ ہو وہ تکفین کی طرح حق ورثہ سے مقدم ہے۔ (۴۵) اگر مولی پر قرضہ ہو تو ام ولد پر بقدر اپنی قیمت کے قرضخواہوں کیلئے محنت مزدوری بھی لازم نہیں لِمَا قُلْنَا۔

(۴۶) وَاِذَا وَطِئَ رَجُلٌ اَمَةَ غَيْرِهِ بِنِكَاحٍ فَوَلَدَتْ مِنْهُ ثُمَّ مَلَكَهَا صَارَتْ اُمَّ وَلَدٍ لَهُ (۴۷) وَاِذَا وَطِئَ الْاَبُ جَارِيَةَ اِبْنِهِ فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ فَادَّعَاهُ ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُ وَصَارَتْ اُمَّ وَلَدٍ لَهُ (۴۸) وَعَلَيْهِ قِيْمَتُهَا (۴۹) وَلَيْسَ عَلَيْهِ عُقْرُهَا وَلا قِيْمَةَ وَلَدِهَا (۵۰) وَاِنْ وَطِئَ اَبُ الْاَبِ مَعَ بَقَاءِ الْاَبِ لَمْ يَثْبُتِ النَّسَبُ مِنْهُ (۵۱) فَاِنْ كَانَ الْاَبُ مَيِّتًا يَثْبُتُ النَّسَبُ مِنَ الْجَدِّ كَمَا يَثْبُتُ النَّسَبُ مِنَ الْاَبِ۔

ترجمہ:۔ اور اگر کسی نے دوسرے کی لونڈی کے ساتھ نکاح کر کے وطی کی جس سے اسکا بچہ پیدا ہوا پھر زوج اس لونڈی کا مالک ہوگیا تو وہ اسکی ام ولد بن جائے گی اور اگر باپ نے اپنے بیٹے کی لونڈی کے ساتھ وطی کی پس وہ بچہ جن گئی پھر اس نے اس کا دعوی کیا تو بچہ کا نسب واطی سے ثابت ہوجائیگا اور باندی واطی کی ام ولد ہوجائے گی اور باپ پر اس کی قیمت لازم ہوگی اور اس باندی کا مہر لازم نہیں اور نہ اس

کے ولد کی قیمت لازم ہےاور اگر باپ کے ہوتے ہوئے دادا نے وطی کی تو دادا سے نسب ثابت نہیں ہوگا اور اگر باپ مر چکا تھا تو جد سے
نسب ثابت ہو جائیگا جس طرح کہ اب سے نسب ثابت ہوتا ہے۔

تشریح :۔(۴۶) اگر کسی نے دوسرے کی لونڈی کے ساتھ نکاح کیا اور اس سے بچہ پیدا ہوا پھر کسی طرح یہ زوج اس لونڈی کا مالک ہو گیا تو یہ لونڈی اب اسکی ام ولد بن جائے گی کیونکہ ام ولد ہونے کا سبب جزئیت ہے یعنی بواسطہ ولد کے آقا اور لونڈی میں جزئیت ثابت ہوتی ہے اور یہی جزئیت ام ولد ہونے کا سبب ہے جو کہ مذکورہ صورت میں پائی جارہی ہے۔

(۴۷) اگر کسی نے اپنے بیٹے کی لونڈی کے ساتھ وطی کی اور اس سے بچہ پیدا ہو گیا پھر اس نے دعویٰ کیا کہ یہ بچہ مجھ سے ہے تو بچہ کا نسب واطی سے ثابت ہو جائیگا اور بچہ کی ماں واطی کی ام ولد ہو جائے گی خواہ واطی کا بیٹا (باندی کا مالک) اسکی تصدیق کرے یا نہ کرے کیونکہ باپ کو یہ ولایت حاصل ہے کہ وہ اپنی جان کی بقاء کیلئے اپنے بیٹے کے مال کا مالک ہو جائے" لقوله صلى الله عليه وسلم اَنتَ وَمَالُکَ لِاَبِیکَ. " (تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے) تو باپ کو یہ ولایت بھی حاصل ہے کہ اپنے بیٹے کی باندی کا مالک ہو جائے بقاء ماء اور نسل کیلئے۔(۴۸) البتہ بقاء نسل کی حاجت بقاء نفس کی حاجت سے کمتر ہے لہذا باپ بیٹے کی مملوک کھانے پینے کی چیزوں کا تو بلا قیمت مالک ہو جائیگا مگر لونڈی کا بالقیمۃ مالک ہو جائیگا۔(۴۹) اور چونکہ باپ اس لونڈی کا مالک ہو جاتا ہے اسلئے اس پر اسکے ساتھ وطی کرنے کی وجہ سے مہر لازم نہ ہوگا۔اور باپ پر اس بچہ کی قیمت بھی لازم نہ ہوگی کیونکہ اس کا حمل ملک اب ہی میں ٹھہرا ہے لہذا یہ حر الاصل ہے۔

(۵۰) اگر دادا نے اپنے پوتے کی لونڈی کے ساتھ وطی کی اور درمیان میں باپ بھی زندہ ہے تو دادا سے نسب ثابت نہیں ہوگا کیونکہ اب کے ہوتے ہوئے جد کو ولایت حاصل نہیں ہوتی ۔(۵۱) اور اگر باپ فوت ہو چکا ہو تو دادا سے باپ کی طرح نسب ثابت ہو جائیگا اور لونڈی اسکی ام ولد ہو جائے گی کیونکہ فقدان اب کی صورت میں دادا کی ولایت ظاہر ہو جاتی ہے۔

(۵۲) وَاِذَا كَانَتِ الْجَارِيَةُ بَيْنَ شَرِيْكَيْنِ فَجَاءَ تْ بِوَلَدٍ فَادَّعَاهُ اَحَدُهُمَا ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُ وصَارَتْ اُمَّ وَلَدٍ لَهُ (۵۳) وَعَلَيْهِ نِصْفُ عُقْرِهَا ونِصْفُ قِيْمَتِهَا (۵۴) ولَيسَ عَلَيهِ شَيْءٌ مِنْ قِيْمَةِ وَلَدِهَا۔

ترجمہ:۔اور اگر باندی دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو پھر وہ بچہ جن گئی اور شریکین میں سے ایک نے بچہ کا دعویٰ کیا تو اس بچے کا نسب اس سے ثابت ہو جائیگا اور لونڈی اس کی ام ولد ہو جائے گی اور اس پر (اپنے شریک کے لئے) لونڈی کا نصف مہر اور نصف قیمت لازم ہوگی اور اس پر لونڈی کے ولد کی قیمت لازم نہیں۔

تشریح:۔(۵۲) اگر ایک باندی دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو پھر وہ بچہ جن گئی اور شریکین میں سے ایک نے دعویٰ کیا کہ بچہ مجھ سے ہے تو اس بچے کا نسب مدعی سے ثابت ہو جائیگا کیونکہ نصف لونڈی اسکی ملک ہے اسلئے اسکے حصے کے بقدر نسب ثابت ہو جائیگا اور باقی ماندہ نسب بھی ثابت ہو جائیگا کیونکہ نسب کے حصے نہیں ہوتے اسلئے کہ اس کے سبب (یعنی استقرار حمل) کے اجزاء نہیں ہوتے۔اور لونڈی اس

مدعی کی ام ولد ہو جائے گی۔ (۵۳)اور اس پر اپنے شریک کے لئے لونڈی کا نصف مہر واجب ہو جائیگا کیونکہ اس نے مشترک لونڈی کے ساتھ وطی کی ہے۔اور مدعی پر لونڈی کی نصف قیمت بھی لازم ہوگی کیونکہ تکمیل استیلاد کے بعد مدعی اپنے شریک کے حصے کا بھی مالک ہو جاتا ہے لہذا شریک کے حصے کی قیمت اس پر لازم ہے۔ (۵۴)مگر بچے کی قیمت مدعی پر لازم نہیں کیونکہ قیمت ادا کرنے کے بعد باندی مدعی کی ام ولد ہوگئی تو یوں سمجھا جائیگا کہ بچہ بھی اس کی ملکیت میں پیدا ہوا ہے اس لئے بچے کی کوئی قیمت مدعی پر لازم نہیں ہوگی۔

(۵۵)فَإِنْ اِدَّعَيَاهُ مَعًا ثَبَتَ نَسَبُه مِنْهُمَا و كَانَتِ الْاَمَةُ اُمَّ وَلَدِهِمَا (۵٦)وَعَلٰى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نِصْفُ الْعُقْرِ تَقَاصًا بِمَا لَه عَلَى الْآخَرِ (۵۷)وَيَرِثُ الْاِبْنُ مِنْ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِيْرَاثَ اِبْنٍ كَامِلٍ (۵۸)وهُمَا يَرِثَانِ مِنْه مِيْرَاثَ اَبٍ وَاحِدٍ۔

ترجمہ:۔اور اگر دونوں شریکوں نے ایک ساتھ ہی بچے کے نسب کا دعویٰ کیا تو ان دونوں سے بچے کا نسب ثابت ہو جائیگا اور باندی دونوں کے لئے ام ولدہ ہو جائے گی اور شریکین میں سے ہر ایک پر نصف مہر اپنے ساتھی کیلئے واجب ہوگا دونوں (نصف مہر کا) مقاصہ کریں جو اس کا دوسرے پر واجب ہے اور بچہ ہر ایک سے کامل بیٹے کی میراث لیگا اور شریکین دونوں اس بچہ سے ایک ہی باپ کی میراث لینگے۔

تشریح:۔(۵۵)اگر دونوں شریکوں نے ایک ساتھ ہی بچے کے نسب کا دعویٰ کیا تو ان دونوں سے بچے کا نسب ثابت ہو جائیگا کیونکہ استحقاق کے سبب (یعنی ملکیت اور دعوی) میں دونوں برابر کے شریک ہیں تو استحقاق میں بھی دونوں برابر ہونگے۔اور نسب اگر چہ نا قابل تقسیم ہے مگر اس سے بعض متعلقہ احکام ایسے ہیں کہ ان کے حصے ہو سکتے ہیں تو جن احکام کے اجزاء ہو سکتے ہیں وہ تو متجزی ہو کر دونوں شریکوں کے حق میں ثابت ہونگے اور جن احکام کے حصے نہیں ہو سکتے وہ ہر شریک کے حق میں کامل ثابت ہونگے۔اور لونڈی دونوں شریکوں کی ام ولد ہوگی کیونکہ اسکے بچہ کا نسب دونوں سے ثابت ہے۔

(۵٦) شریکین میں سے ہر ایک پر نصف مہر اپنے ساتھی کیلئے واجب ہوگا کیونکہ شریکین میں سے ہر ایک اپنے شریک کے حصے سے وطی کرنے والا ہے مگر یہ مہر واجب الادا نہ ہوگا بلکہ دونوں آپس میں مقاصہ کریں گے یعنی ہر ایک دوسرے سے اپنا حق وضع کریگا کیونکہ قبض کرنے کا فائدہ نہیں۔

(۵۷) بچہ ہر ایک کا بیٹا ہونے کی وجہ سے ہر ایک سے کامل بیٹے کی میراث کا حقدار ہوگا کیونکہ ہر ایک نے اسکے نسب کا دعویٰ کرلیا تو گویا اس نے اسکے وارث ہونے کا اقرار کیا لہذا ہر ایک پر اپنا اقرار حجت ہے۔(۵۸)شریکین دونوں سب میں برابر ہونے کی وجہ سے اس بچہ سے ایک ہی باپ کی میراث لینگے۔

(۵۹)وَإِذَا وَطِئَ الْمَوْلٰى جَارِيَةَ مُكَاتَبِه فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ فَادَّعَاه فَإِنْ صَدَّقَه الْمُكَاتَبُ ثَبَتَ نَسَبُه مِنْه (٦٠)و كَانَ عليه عُقْرُهَا وَقِيْمَةُ وَلَدِهَا وَلا تَصِيْرُ اُمَّ وَلَدٍ له (٦١)وإِنْ كَذَّبَه الْمُكَاتَبُ فِي النَّسَبِ لم يَثْبُتْ نَسَبُه مِنْهُ۔

ترجمہ:۔اور اگر آقا نے اپنے مکاتب کی لونڈی سے وطی کی پس وہ بچہ جن گئی اور آقا نے اس کا دعویٰ کیا پس اگر مکاتب نے اسکی

تصدیق کی تو آقا سے بچے کا نسب ثابت ہوجائے گا اور آقا پر لونڈی کا مہر اور اسکے بچے کی قیمت واجب ہوگی اور باندی اس کی ام ولد نہیں ہوگی اور اگر مکاتب نے نسب کے بارے اس کی تکذیب کی تو بچے کا نسب آقا سے ثابت نہ ہوگا۔

تشریح:۔ (٥٩) اگر آقا نے اپنے مکاتب کی لونڈی سے وطی کی اور اس سے لونڈی کے ہاں بچے کی ولادت ہوئی اور آقا نے دعویٰ کیا کہ یہ بچہ مجھ سے ہے اور مکاتب نے بھی آقا کی تصدیق کی تو آقا سے بچے کا نسب ثابت ہوجائے گا کیونکہ آقا کیلئے سبب ملک یعنی رقیت مکاتب موجود ہے اور ثبوت نسب کیلئے یہی کافی ہے۔

(٦٠) آقا پر لونڈی کا مہر اور بچے کی قیمت واجب ہے کیونکہ آقا مغرور (دھوکہ شدہ) شخص کے معنی میں ہے اسلئے کہ آقا نے اس اعتماد سے اپنے مکاتب کی لونڈی کے ساتھ وطی کی تھی کہ مکاتب پر من وجہ ملکیت قائم ہونے کی وجہ سے لونڈی پر بھی ملکیت قائم ہے حالانکہ مکاتب کی لونڈی مولیٰ کی ملکیت نہیں لہذا یہ بچہ مغرور (دھوکہ شدہ خاوند۔ مغرور اس شخص کو کہتے ہیں جو ملک یمین یا ملک نکاح کے اعتماد پر کسی عورت سے صحبت کرے اور اس سے بچہ پیدا ہوجائے پھر وہ عورت کسی اور کی نکل آئے) کے ولد کی طرح ہوگیا۔ دھوکہ شدہ خاوند کے ولد کا حکم یہ ہے کہ وہ بچہ خاوند سے ثابت النسب ہوگا اور قیمت کے عوض میں آزاد ہوگا پس یہی حکم مذکورہ بچے کا بھی ہے۔ اور یہ لونڈی آقا کی ام ولد نہ ہوگی کیونکہ حقیقتاً آقا کو اس لونڈی پر ملکیت حاصل نہیں۔

(٦١) اگر مکاتب نے اپنے آقا کے دعویٰ کی تکذیب کی تو بچے کا نسب آقا سے ثابت نہ ہوگا کیونکہ ثبوت نسب میں ملکِ مکاتب کا ابطال ہے لہذا مکاتب کی تصدیق کے بغیر ثابت نہ ہوگا۔

كِتَابُ الْمُكَاتَبِ

یہ کتاب مکاتب کے بیان میں ہے۔

”مکاتب“ ماخوذ ہے ”کَتَبَ یَکْتُبُ کتابۃً“ سے لغۃً بمعنی جمع کرنا اسی سے ”کَتِیْبَۃ“ بمعنی لشکر عظیم اور کتابت بمعنی جمع الحروف ہے۔ اور شرعاً غلام کو یداً یعنی تصرف کے لحاظ سے بالفعل اور رقبہ کے لحاظ سے ادائیگی بدلِ کتابت کے بعد آزاد کرنے کو کتابت کہتے ہیں۔ کتابت کا رکن ایجاب وقبول ہے اور شرط بدل کتابت کا معلوم ہونا ہے۔

ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ کتابت بھی تدبیر اور استیلاد کی طرح حق کے توابع میں سے ہے اسلئے احکام مکاتب کو یہاں ذکر کیا ہے۔

(١) وَاِذَا كَاتَبَ الْمَوْلىٰ عَبْدَهٗ اَوْ اَمَتَهٗ عَلىٰ مَالٍ شَرَطَهٗ عَلَيْهِ وَقَبِلَ الْعَبْدُ ذٰلِكَ الْعَقْدَ صَارَ مُكَاتَبًا (٢) وَيَجُوْزُ اَنْ يَّشْتَرِطَ الْمَالَ حَالًّا وَيَجُوْزُ مُؤَجَّلًا وَمُنَجَّمًا (٣) وَيَجُوْزُ كِتَابَةُ الْعَبْدِ الصَّغِيْرِ اِذَا كَانَ يَعْقِلُ الشِّرَاءَ وَالْبَيْعَ۔

ترجمہ:۔ اور اگر آقا اپنے غلام یا باندی کو ایسے مال معلوم کے عوض مکاتب کردے جو اس پر شرط کی ہو اور غلام اس عقد کو قبول کردے تو غلام مکاتب ہوجائیگا اور مولیٰ کیلئے جائز ہے کہ کل مال فی الحال دینے کی شرط کردے اور جائز ہے کہ قسط وار دینے کی شرط کردے اور نابالغ

غلام کومکاتب کرنا جائز ہے بشرطیکہ وہ خرید وفروخت کو جانتا ہو۔

تشریح:۔(۱) جب آقا اپنے غلام یا باندی کو ایسے مال معلوم کے عوض مکاتب کردے جو اس پر شرط کی ہو اور غلام اس عقد کو قبول کردے تو غلام مکاتب ہو جائیگا کیونکہ کتابت کا رکن (یعنی ایجاب وقبول) اور شرط (یعنی مال معلوم) پایا جا رہا ہے۔

(۲) مولیٰ کیلئے یہ جائز ہے کہ وہ مکاتب پر کل مال کی ادائیگی فی الحال شرط کردے مثلاً کہدے کہ اگر تو نے دس ہزار روپیہ فی الحال ادا کیے تو تو آزاد ہے اور معلوم مدت تک قسط وار ادا کرنے کی شرط کرنا بھی جائز ہے کیونکہ عقد معاوضہ ہے لہٰذا یہ ثمن فی البیع کے مشابہ ہے تو جس طرح ثمن فی البیع حالاً وصول کرنا بھی جائز ہے اور قسط وار بھی جائز ہے۔اسی طرح مال کتابت بھی ہے۔(۳) نابالغ غلام کو مکاتب کرنا جائز ہے بشرطیکہ وہ خرید وفروخت کو جانتا ہو کیونکہ عاقل اور قبولیت کا اہل ہے اور یہ تصرف اسکے حق میں نفع بخش بھی ہے۔

(٤)فَإِذَا صَحَّتِ الْكِتَابَةُ خَرَجَ الْمُكَاتَبُ عَنْ يَدِ الْمَوْلٰى وَلَمْ يَخْرُجْ مِنْ مِلْكِه (٥)فَيَجوزُ لَه الْبَيْعُ وَالشِّرَاءُ وَالسَّفَرُ (٦)وَلا يجوزُ لَه التَزَوُّجُ اِلَّا اَنْ يَأْذَنَ لَه الْمَوْلٰى۔

ترجمه:۔اور جب کتابت صحیح ہوگیا تو مکاتب مولیٰ کے قبضہ سے نکل گیا مگر اس کی ملکیت سے نہیں نکلا اور اب اس کے لئے خرید وفروخت اور سفر کرنا جائز ہے البتہ اس کا نکاح کرنا جائز نہیں الا یہ کہ مولیٰ اجازت دے۔

تشریح:۔(٤) یعنی رکن اور شرط کتابت پائے جانے کی وجہ سے جب کتابت صحیح ہو جائے تو مکاتب اپنے مولیٰ کے قبضہ سے نکل جاتا ہے کیونکہ مقصود کتابت (یعنی بدل ادا کرنا) متحقق ہو گیا۔مگر مولیٰ کی ملکیت سے نہیں نکلتا کیونکہ کتابت عقد معاوضہ ہے جو جانبین سے مساوات چاہتا ہے تو اگر غلام فی الحال آزاد ہو جائے تو مساوات نہیں رہے گی کیونکہ غلام کو تو آزادی مل گئی مگر آقا کو مال ابھی حاصل نہیں ہوا ہے۔

(۵) مکاتب چونکہ مولیٰ کے قبضہ سے نکل جاتا ہے لہٰذا اب اسکے لئے خرید وفروخت اور سفر کرنا جائز ہے کیونکہ کتابت سے غلام کو کمانے کی اجازت حاصل ہو جاتی ہے اور کمانا خرید وفروخت اور سفر کے بغیر نہیں ہو سکتا لہٰذا مکاتب کیلئے خرید وفروخت اور سفر کرنا جائز ہے۔

(٦) اگر مکاتب مولیٰ کی اجازت کے بغیر نکاح کرلے تو یہ جائز نہیں کیونکہ کتابت قیام ملک کے ساتھ ساتھ غلام پر سے تصرف کرنے کا پابندی دور کرنے کو کہتے ہیں تا کہ یہ اسکے مقصود (آزادی) تک رسائی کا وسیلہ ہو اور نکاح کرنا اس مقصد کا وسیلہ نہیں بلکہ اس میں اور مخل ہے۔ہاں مولیٰ کی اجازت سے مکاتب کا نکاح کرنا جائز ہے کیونکہ اب تک ملکیت مولیٰ کو حاصل ہے۔

(۷)وَلا يَهَبُ وَلا يَتَصَدَّقُ اِلَّا بِالشَّيْئِ الْيَسِيْرِ وَلا يَتَكَفَّلُ (۸)فَاِنْ وُلِدَ لَه وَلَدٌ مِنْ اَمَةٍ لَه دَخَلَ فِي كِتَابَتِه وَكَانَ حُكْمُه مِثْلُ حُكْمِ اَبِيْهِ وَكَسْبُه لَه۔

ترجمه:۔اور مکاتب کسی شئ کو ہبہ نہ کرے اور نہ صدقہ کرے البتہ معمولی کوئی چیز ہبہ کرنے کی اجازت ہے اور نہ کفیل بنے اور اگر اس کی مکاتب کی باندی سے اس کا کوئی بچہ پیدا ہوا تو باپ کے ساتھ کتابت میں داخل ہو جائیگا اور اس کا حکم باپ کا حکم ہوگا اور بچہ کی کمائی باپ کیلئے ہوگی۔

تشریح :۔(۷)مکاتب کو ہبہ کرنے اور صدقہ کرنے کا اختیار نہیں کیونکہ یہ از قبیل تبرعات ہیں اور مکاتب تبرعات کا مجاز نہیں البتہ معمولی کوئی چیز ہبہ کرنے کی اجازت ہے کیونکہ یہ ضروریات تجارت میں سے ہے اور قاعدہ ہے کہ جو کوئی کسی چیز کا مالک ہوتا ہے وہ اسکے ضروریات وتوابع کا بھی مالک ہوجاتا ہے۔اور مکاتب کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی کا کفیل ہو کیونکہ کفالت محض تبرع ہے اور تجارت کی ضروریات میں سے بھی نہیں لہذا مکاتب کیلئے کفالت جائز نہیں۔

(۸)اگر مکاتب کی باندی سے اس کا کوئی بچہ پیدا ہوا اور مکاتب نے اسکے نسب کا دعویٰ کیا تو استیلاد کے جائز نہ ہونے کے باوجود نسب ثابت ہوجائے گا اور بچہ باپ کے ساتھ کتابت میں داخل ہو جائیگا کیونکہ مکاتب باپ اگر چہ اسکو آزاد نہیں کرسکتا مگر بقدر امکان تحقق صلہ رحمی کیلئے مکاتب بنادیگا لہذا اب بچہ باپ کے حکم میں ہوگا۔اور بچہ کی کمائی باپ کیلئے ہوگی کیونکہ بچہ کی کمائی باپ کی کمائی شمار ہوتی ہے۔

(۹)وَإِنْ زَوَّجَ الْمَوْلىٰ عَبْدَه مِنْ اَمَتِه ثُمَّ كَاتَبَهُمَا فَوَلَدَتْ مِنْه وَلَدًا دَخَلَ فِي كِتَابَتِهَا وَكَانَ كَسْبُهُ لَهَا(۱۰)وَإِنْ وَطِئَ الْمَوْلىٰ مُكَاتَبَتَه لَزِمَه الْعُقْرُ(۱۱)وَإِنْ جَنىٰ عَلَيْهَا اَوْ عَلى وَلَدِهَا لَزِمَتْه الْجِنَايَةُ(۱۲)وَإِنْ اَتْلَفَ مَالًا لَهَا غَرِمَهُ۔

ترجمہ:۔اور اگر آقا نے اپنے غلام کی شادی اپنی کسی باندی سے کردی پھر دونوں کو مکاتب کردیا پھر باندی نے اس سے بچہ جنم دیا تو بچہ ماں کی کتابت میں داخل ہوجائیگا اور بچہ کی کمائی بھی ماں کو ملیگی اور اگر مولیٰ نے اپنی مکاتبہ کے ساتھ وطی کی تو مولیٰ پر اس کیلئے مہر لازم ہے اور اگر مولیٰ نے مکاتبہ پر یا اسکے بچہ پر جنایت کی تو مولیٰ پر اسکا تاوان لازم ہوگا اور اگر مولیٰ نے مکاتبہ کا مال تلف کیا تو اس پر تاوان لازم ہوگا۔

تشریح :۔(۹)اگر آقا نے اپنے غلام کی شادی اپنی کسی باندی سے کردی پھر دونوں کو مکاتب کردیا پھر اس سے بچہ پیدا ہوا تو بچہ ماں کی کتابت میں داخل ہوجائیگا اور بچہ کی کمائی بھی ماں کو ملیگی کیونکہ ماں کے تابع ہونے کا پلہ بھاری ہے یہی وجہ ہے کہ بچہ آزادی اور غلامی میں اپنی ماں کا تابع ہوتا ہے۔

(۱۰)اگر مولیٰ نے اپنی مکاتبہ کے ساتھ وطی کی تو مولیٰ پر اس کیلئے مہر لازم ہے کیونکہ مولیٰ نے اس کے ساتھ ایک ایسا عقد کیا ہے (یعنی عقد کتابت) جس کی وجہ سے اس نے خود کو لونڈی کی ذات اور منافع میں تصرف کرنے سے روک دیا ہے اور وطی لونڈی کی منافع میں سے ہے۔

(۱۱)اگر مولیٰ نے مکاتبہ پر یا اسکے بچہ پر جنایت کی تو مولیٰ پر اسکا تاوان لازم ہوگا لِمَا بَيَّنَّا فِي وَطْيِ الْمَوْلىٰ مُكَاتَبَتَهُ

-(۱۲)اگر مولیٰ نے مکاتبہ کا مال تلف کیا تو بھی تاوان دیگا کیونکہ مولیٰ مکاتب کی کمائی میں کسی اجنبی کی طرح ہے تصرف کا مجاز نہیں۔

(۱۳)وَإِذَا اشْتَرَى الْمُكَاتَبُ اَبَاهُ اَوْ اِبْنَه دَخَلَ فِي كِتَابَتِهِ(۱۴)وَإِنِ اشْتَرىٰ اُمَّ وَلَدِه مَعَ وَلَدِهَا دَخَلَ وَلَدُهَا فِي الْكِتَابَةِ وَلَمْ يَجُزْ له بَيْعُهَا(۱۵)وَإِنِ اشْتَرىٰ ذَارَحْمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ لا وِلادَ له لَمْ يَدْخُلْ فِي كِتَابَتِهِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ۔

ترجمہ:۔اور اگر مکاتب نے اپنا باپ یا بیٹا خرید لیا تو وہ بھی اسکی کتابت میں داخل ہوجائیگا اور اگر مکاتب اپنی ام ولدہ کو اسکے بچہ کے

ساتھ خریدا تو اس کا بچہ کتابت میں داخل ہو جائیگا اور اس کے لئے ام ولد کا فروخت کرنا جائز نہیں ہوگا اور اگر مکاتب نے اپنے کسی ایسے ذی رحم محرم کو خرید لیا جس سے ولادت کا رشتہ نہیں تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ اسکی کتابت میں داخل نہ ہوگا۔

تشریح:۔(۱۳) اگر مکاتب نے اپنا باپ (مراد اصول ہیں) یا بیٹا (مراد فروع ہیں) خرید لیا تو وہ بھی اسکی کتابت میں داخل ہو جائیں گے کیونکہ مکاتب اگر چہ اپنے باپ یا بیٹے کو آزاد تو نہیں کر سکتا مگر بقدر امکان تحقق صلہ رحمی کیلئے مکاتب بنا سکتا ہے۔

(۱۴) اگر مکاتب اپنی ام ولدہ کو اسکے بچہ کے ساتھ خرید لے تو بچہ تو باپ کی کتابت میں داخل ہو جاتا ہے کیونکہ گذشتہ مسئلہ میں بیان کیا کہ بیٹا باپ کی کتابت میں داخل ہو جاتا ہے مگر خود ام ولد اسکے ساتھ کتابت میں داخل نہ ہوگی البتہ ام ولد ہونے کی وجہ سے اب اسکا فروخت کرنا جائز نہیں۔

(۱۵) اگر مکاتب نے اپنے کسی ایسے ذی رحم محرم کو خرید لیا جس سے ولادت کا رشتہ نہیں (جیسے بھائی، بہن، چچا وغیرہ) تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ لوگ اسکی کتابت میں داخل نہ ہونگے۔ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک داخل ہونگے۔ صاحبین رحمہما اللہ قیاس کرتے ہیں ولادت کے رشتہ پر کیونکہ صلہ رحمی کا واجب ہونا دونوں کو شامل ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ مکاتب صرف کسب و کمائی پر قادر ہوتا ہے حقیقی ملک اس کو حاصل نہیں ہوتی (کیونکہ اس میں رقیت موجود ہے) اور صرف قدرت علی الکسب رشتہ ولادت میں تو صلہ رحمی کیلئے کافی ہوتا ہے مگر دوسرے رشتوں میں صلہ رحمی کیلئے کافی نہیں۔

(١٦)وَاِذَا عَجَزَ الْمُكَاتَبُ عَنْ نَجْمٍ نَظَرَ الْحَاكِمُ فِي حَالِه فَاِنْ كَانَ لَه دَيْنٌ يَقْبِضُه اَوْ مَالٌ يَقْدُمُ عَلَيْهِ لَمْ يُعَجِّلْ بِتَعْجِيْزِهٖ وَانْتَظَرَ عَلَيْهِ الْيَوْمَيْنِ اَوِ الثَّلٰثَةِ (١٧)وَاِنْ لَم يَكُنْ لَه وَجْهٌ وَطَلَبَ الْمَوْلٰى تَعْجِيْزَهٗ عَجَّزَهُ الْحَاكِمُ وَفَسَخَ الْكِتَابَةَ وقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ لا يُعَجِّزُهٗ حَتّٰى يَتَوَالٰى عَلَيْهِ نَجْمَانِ۔

ترجمہ:۔اور اگر مکاتب کسی قسط کی ادائیگی سے عاجز ہو گیا تو حاکم اس کی حالت پر غور کریگا اگر اس کا کسی پر قرضہ ہو جس کو وہ قبض کریگا یا اسکے پاس کہیں سے کچھ مال آنے والا ہو تو حاکم اسکو عاجز قرار دینے میں جلدی نہ کرے بلکہ اس کو دو تین دن انتظار کرے اور اگر اس کے لئے حصول مال کی کوئی راہ نہ ہو اور مولی اسکو عاجز کر دینے کی درخوست کرے تو حاکم اسکو عاجز قرار دے اور کتابت فسخ کر دے اور امام یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب تک اس پر پے در پے دو قسطیں نہ چڑھ جائیں اس وقت تک اس کو عاجز نہ قرار دے۔

تشریح:۔(١٦) اگر کسی نے اپنے غلام کو قسط وار بدل کتابت ادا کرنے پر مکاتب کر دیا پھر وہ کسی قسط کی ادائیگی سے عاجز ہو گیا تو اگر اس کا کسی پر اتنا قرضہ ہو جس کو قبض کر کے قسط آدا کی جا سکتی ہو یا اسکے پاس کہیں سے کچھ مال آنے والا ہو تو حاکم اسکو عاجز قرار دینے میں جلدی نہ کرے بلکہ دو تین دن انتظار کرے کیونکہ اس میں طرفین کی رعایت ہے اور تین دن ایک ایسی مدت ہے جو عذروں کے اظہار کیلئے مقرر کی گئی ہے جیسا کہ قرضدار کو آدائیگی قرض کیلئے تین دن کی مدت دی جاتی ہے۔

(۱۷) اگر اس کے لئے حصول مال کی کوئی راہ نہ ہو اور مولی اسکو عاجز کر دینے کی درخوست کرے تو طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک

حاکم اسکو عاجز قرار دیکر کتابت فسخ کردے کیونکہ مکاتب کا عاجز ہونا متحقق ہو چکا ہے۔اور امام یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب تک اس پر پے در پے دوقسطیں نہ چڑھ جائیں اس وقت تک حاکم اس کے عجز کا حکم نہ کرے۔طرفینؒ کا قول راجح ہے۔

الالغاز:۔ ای کتابة ینقضها غیر المتعاقدین؟

فقل:۔ اذاکان المکاتب مدیونا فللغرماء نقضها۔(الاشباہ والنظائر)

(۱۸)وَاِذَا عَجزَ الْمُکَاتَبُ عَادَ اِلٰی اَحْکَامِ الرِّقِّ (۱۹)وکَانَ ما فِی یَدِہٖ مِنَ الْاِکْتِسَابِ لِمَوْلاہُ۔

ترجمہ:۔ اور اگر مکاتب عاجز ہو جائے تو وہ واپس رقیت کے احکام کی طرف لوٹ آئیگا اور جو کچھ کمائی اسکے قبضہ میں ہے وہ اسکے مولیٰ کی ہو جائے گی۔

تشریح:۔(۱۸) اگر مکاتب کے عجز کا فیصلہ ہو گیا خواہ قاضی نے اس کو عاجز قرار دیا ہو یا اپنی رضامندی سے اس نے خود کو عاجز قرار دیا تو وہ واپس رقیت کے احکام کی طرف لوٹ آئیگا کیونکہ کتابت فسخ ہو گئی۔(۱۹) جو کچھ کمائی اسکے قبضہ میں ہے وہ اسکے مولیٰ کی ہو جائے گی کیونکہ یہ بات ظاہر ہو گئی کہ یہ اسکے غلام کی کمائی ہے اور یہ اس لئے کہ کمائی یا تو مکاتب پر موقوف تھی یا اسکے مولیٰ پر یوں کہ اگر مال کتابت ادا کردی تو مکاتب پر موقوف ہے ورنہ اسکے مولیٰ پر مگر اب تو عجز کی وجہ سے توقف زائل ہوا لہذا یہ کسب مولیٰ کی ہے۔

(۱۹)فَاِنْ ماتَ الْمُکَاتَبُ ولَہ مالٌ لَمْ تَنْفَسِخِ الْکِتَابَۃُ وَقُضِیَ ما عَلَیہِ مِن اِکْتِسَابِہٖ وحُکِمَ بِعِتْقِہٖ فی آخِرِ جُزْءٍ مِنْ اَجْزَاءِ حیاتِہٖ (۲۰)ومَابَقِیَ فَھُوَ مِیْرَاثٌ لِوَرَثَتِہٖ (۲۱)ویَعْتِقُ اَوْلادُہ (۲۲)واِنْ لَمْ یَتْرُکْ وَفَاءً وَتَرَکَ وَلَدًا مَوْلُوْدًا فِی الْکِتَابَۃِ سَعٰی فی کتابَۃِ اَبِیْہِ عَلٰی نُجُوْمِہٖ فَاِذَا اَدّٰی حَکَمْنَا بِعِتْقِ اَبِیْہِ قَبْلَ مَوْتِہٖ وعَتَقَ الْوَلَدُ(۲۳)واِنْ تَرَکَ وَلَدًا مُشْتَرًی فِی الْکِتَابَۃِ قِیْلَ لَہ اِمَّا اِنْ تُؤَدِّیَ الْکِتَابَۃَ حَالًا وَاِلَّا رُدِدْتَ فِی الرِّقِّ۔

ترجمہ:۔ اور اگر مکاتب مر گیا اور اس کے لئے مال ہے تو عقد کتابت فسخ نہ ہوگا اور جو کچھ اس پر ہے وہ اس کے کسب سے ادا کیا جائیگا اور اس کی آزادی کا حکم دیا جائیگا اس کی زندگی کے آخری جز میں اور جو کچھ باقی رہ جائے وہ اس کے ورثہ کی میراث ہوگی اور اس کی اولاد آزاد ہوگی اور اگر مکاتب نے اتنا مال نہیں چھوڑا جو بدل کتابت کی ادائیگی کیلئے کافی ہو سکے البتہ ایک ایسا بچہ چھوڑا جو کتابت کی حالت میں پیدا ہوا تھا تو وہ سعی کریگا باپ کی کتابت میں قسط وار پس جب وہ مال کتابت ادا کریگا تو ہم اس کے باپ کی آزادی کا حکم دیں گے اس کی موت سے پہلے اور بچہ بھی آزاد ہو جائیگا اور اگر مکاتب نے ایک ایسا بچہ چھوڑا جو اس نے حالت کتابت میں خریدا تھا تو اس سے کہا جائیگا کہ یا تو فی الحال بدل کتابت ادا کرو ورنہ تم غلامی کیطرف لوٹا دئے جاؤ گے۔

تشریح:۔(۱۹) اگر مکاتب بدل کتابت کی ادائیگی سے قبل مر گیا اور ترکہ میں مال چھوڑ دیا تو عقد کتابت فسخ نہ ہوگا بلکہ ترکہ میں سے بدل کتابت ادا کر دیا جائیگا اور اسکی زندگی کے آخری جزء میں اسکی آزادی کا حکم دیا جائے۔(۲۰) بدل کتابت کی ادائیگی کے بعد اگر مال باقی رہ گیا وہ اسکے وارثوں کو ملیگا۔(۲۱) مکاتب کی اولاد و معہا للوالد آزاد ہوگی۔

(۲۲) اگر مکاتب نے اتنا مال نہیں چھوڑا جو بدلِ کتابت کی ادائیگی کیلئے کافی ہو سکے البتہ ایک ایسا بچہ چھوڑا جو مکاتب کی کتابت کی حالت میں پیدا ہوا تھا تو وہ محنت مزدوری کر کے اپنے باپ کی بدل کتابت کو اقساط کے مطابق ادا کریگا اسکے بعد حکم دیا جائیگا اسکے باپ کی آزادی کا اسکی موت سے پہلے اور بچہ بھی آزاد ہو جائیگا کیونکہ بچہ اسکی کتابت میں داخل ہے اور بچہ کی کمائی باپ کی کمائی کی طرح ہے لہذا وہ اسکی ادائیگی میں اپنے باپ کا خلیفہ ہوگا تو ایسا ہوگا گویا باپ نے مال چھوڑا ہے۔

(۲۳) اگر مکاتب نے ایک ایسا بچہ چھوڑا جو اس نے حالت کتابت میں خریدا تھا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ولد سے کہا جائیگا کہ یا تو فی الحال بدل کتابت ادا کرو ورنہ تم غلامی کیطرف لوٹا دئے جاؤ گے۔ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک اس کا حکم بھی اس ولد کا سا ہے جو حالت کتابت میں پیدا ہوا تھا۔

صاحبین رحمہما اللہ حالت کتابت میں خریدے ہوئے ولد کو حالت کتابت میں پیدا شدہ ولد پر قیاس کرتے ہیں۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ ولد مشتریٰ اور ولد مولود میں فرق ہے وہ یہ کہ ولد مولود بوقت عقد باپ کے ساتھ متصل ہے اسلئے حکم عقد ان تک سرایت کر گیا اور ولد مشتریٰ نہ بوقت عقد باپ کے ساتھ متصل ہے کہ حکم عقد ان تک سرایت کرلے اور نہ اسکی طرف عقد کی اضافت ہوئی ہے۔

(۲٤) وَاِذَا كَاتَبَ الْمُسْلِمُ عَبْدَهُ عَلٰى خَمْرٍ اَوْ خِنْزِيْرٍ اَوْ عَلٰى قِيْمَةِ نَفْسِهٖ فَالْكِتَابَةُ فَاسِدَةٌ (۲۵) فَاِنْ اَدّٰى الْخَمْرَ وَالْخِنْزِيْرَ عَتَقَ وَلَزِمَهٗ اَنْ يَسْعٰى فِيْ قِيْمَتِهٖ (۲٦) وَلَا يُنْقَصُ مِنَ الْمُسَمّٰى وَيُزَادُ عَلَيْهِ اِذَا زَادَتْ قِيْمَتُهٗ۔

ترجمہ:۔ اور اگر مسلمان نے اپنے غلام کو شراب یا خنزیر کے عوض یا خود اس غلام کی قیمت کے عوض مکاتب کیا تو یہ کتابت فاسد ہے پھر اگر مکاتب نے غلام یا خنزیر ہی دیدیا تو آزاد ہو جائیگا اور غلام پر لازم ہوگا کہ وہ اپنی قیمت میں سعایت کریگا اور یہ قیمت مسمّٰی سے کم نہ ہوگی اور زائد ہو سکتی ہے جب اس کی قیمت بڑھ جائے۔

تشریح:۔ (۲٤) اگر مسلمان نے اپنے مسلمان غلام کو شراب یا خنزیر کے عوض یا خود اس غلام کی قیمت کے عوض مکاتب کیا (بان قال بعتک علی قیمتک) تو یہ کتابت فاسد ہے پہلی صورت (یعنی خمر وخنزیر کی صورت) میں اسلئے فاسد ہے کہ خمر وخنزیر مسلمان کے حق میں مالِ متقوم نہیں (تو گویا یہ عقد کتابت بلا بدل ہوا) لہذا فاسد ہوگا۔ اور غلام کی قیمت بدل کتابت مقرر کرنے کی صورت میں اسلئے فاسد ہے کہ غلام کی قیمت ہر طرح سے مجہول ہے۔

(۲۵) پھر اگر مکاتب نے غلام یا خنزیر ہی دیدیا تو مکاتب آزاد ہو جائیگا کیونکہ خمر وخنزیر فی الجملہ مال ہیں لیکن مکاتب اپنی قیمت کما کر کے اپنے آقا کو دیدے کیونکہ فساد عقد کی وجہ سے مکاتب پر رد رقبہ واجب ہوگا مگر بوجہ آزادی رد رقبہ متعذر ہے اس لئے قیمت کا رد کرنا واجب ہے۔ (۲٦) مگر یہ قیمت خنزیر اور شراب کی قیمت سے کم نہ ہو کیونکہ اس پر مکاتب راضی ہوا ہے۔ اور اس سے زیادہ ہو سکتی ہے اگر خنزیر اور شراب کی قیمت بڑھ گئی تا کہ مکاتب ادا کر کے جلدی آزاد ہو جائے۔ اگر کم کردے تو ممکن ہے کہ آقا مکاتب بنانے اور آزاد کرنے پر راضی نہ ہو اس لئے زیادہ دے تو جائز ہے۔

(۲۷)وانْ كاتَبهُ على حيَوانٍ غَيرِ مَوْصُوفٍ فَالكِتَابَةُ جَائِزَةٌ (۲۸)وانْ كاتَبهُ على ثَوْبٍ لَمْ يُسَمِّ جِنْسَهُ لَمْ يَجُز وانْ اَدّاه لَمْ يَعْتِقْ۔

تو جمه:۔ اور اگر ایسے حیوان کے عوض مکاتب کر دیا جس کا وصف معلوم نہ ہو تو عقد کتابت درست ہو جائیگا اور اگر ایسے کپڑے کے عوض مکاتب کیا جس کی جنس بیان نہ کی ہو تو جائز نہ ہوگا اور اگر وہ کپڑا دیدے تو آزاد نہ ہوگا۔

تشریح:۔ (۲۷) اگر کسی نے اپنے غلام کو کسی ایسے حیوان کے عوض مکاتب کر دیا جس کی جنس تو معلوم ہو (کہ بکری ہے یا گھوڑا) مگر وصف معلوم نہ ہو کہ اعلیٰ ہے یا ادنیٰ تو عقد کتابت درست ہو جائیگا کیونکہ جہالت یسیر ہے اوسط درجہ کے حیوان کی طرف منصرف ہوگا۔ اور اگر جنس ہی بیان نہ کیا تو شدت جہالت کی وجہ سے صحیح نہیں۔

(۲۸) اگر کسی نے اپنے غلام کو ایک ایسے کپڑے کے عوض مکاتب کیا جس کی جنس بیان نہ کی ہو تو جائز نہ ہوگا۔ اگر وہ کپڑا دیدے تو آزاد نہ ہوگا کیونکہ عوض کی جہالت شدید ہے متعین کرنا متعذر ہے۔

(۲۹)وَانْ كاتَبَ عَبْدَيْهِ كِتَابَةً وَاحِدَةً بِاَلْفِ دِرْهَمٍ وَانْ اَدَّيَا عَتَقَا (۳۰)وانْ عَجَزَا رُدَّا اِلَى الرِّقِّ (۳۱)وَانْ كاتَبَهُمَا عَلى اَنَّ كُلُّ وَاحِدٍ مِنهُمَاضَامِنٌ عَنِ الآخَرِ جَازَتِ الكِتَابَةُ واَيُّهُمَا اَدّى عَتَقَا (۳۲)وَيَرْجِعُ على شَرِيكِهِ بِنِصفِ مَااَدّى (۳۳)واِذَااَعْتَقَ الْمَوْلى مُكاتَبَهُ عَتَقَ بِعِتْقِهِ وَسَقَطَ عَنْهُ مالُ الْكِتَابَةِ۔

تو جمه:۔ اور اگر ایک ہی کتابت میں اپنے دو غلاموں کو مکاتب بنایا ہزار درہم کے عوض تو اگر انہوں نے ہزار درہم ادا کر دئے تو دونوں آزاد ہو جائیں گے اور اگر دونوں عاجز ہو گئے تو دونوں رقیت کی طرف لوٹا دئے جائیں گے اور اگر دونوں کو اس شرط پر مکاتب کیا کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا ضامن ہوگا تو یہ کتابت جائز ہے اور جو بھی بدل کتابت ادا کریگا تو دونوں آزاد ہو جائیں گے اور وہ اپنے شریک سے ادا کردہ بدل کتابت کا نصف لے لیگا اور اگر مولیٰ نے مکاتب غلام کو آزاد کر دیا تو وہ اسکے آزاد کرنے سے آزاد ہو جائیگا اور بدل کتابت اس سے ساقط ہو جائیگا۔

تشریح:۔ (۲۹) اگر کسی نے ایک ہی کتابت میں اپنے دو غلاموں کو مثلاً ہزار روپیہ کے عوض مکاتب کر دیا تو اگر انہوں نے ہزار روپیہ ادا کر دئے تو حصول شرط کی وجہ سے دونوں آزاد ہو جائیں گے۔ (۳۰) اگر دونوں عاجز ہو گئے تو دونوں غلامی کی طرف لوٹا دئے جائیں گے۔ اور کل بدل کتابت ادا کئے بغیر کوئی ایک آزاد نہیں ہوگا کیونکہ کتابت واحدہ ہونے کی وجہ سے شخص واحد کی طرح ہے۔

(۳۱) اگر دونوں کو اس شرط پر مکاتب کیا کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا ضامن ہوگا تو یہ کتابت جائز ہے پس ان میں سے جو بدل کتابت ادا کریگا تو دونوں آزاد ہو جائیں گے۔ (۳۲) جس نے بدل کتابت ادا کیا وہ اپنے شریک سے ادا کردہ بدل کتابت کے نصف کے بارے رجوع کریگا۔

(۳۳) اگر مولیٰ نے مکاتب غلام کو بدل کتابت ادا کرنے سے پہلے آزاد کر دیا تو وہ اسکے آزاد کرنے سے آزاد ہو جائیگا اور بدل

کتابت اس سے ساقط ہو جائیگا کیونکہ مولیٰ کی ملک اب تک قائم ہے تو وہ اپنی ملک میں تصرف کر سکتا ہے۔

(۳۴)وَاِذَا مَاتَ مَوْلَى الْمُكَاتَبِ لَمْ تَنْفَسِخِ الْكِتَابَةُ (۳۵)وقِيْلَ لَه اَدِّ الْمَالَ اِلٰى وَرَثَةِ الْمَوْلٰى عَلٰى نُجُوْمِهٖ (۳۶)فَاِنْ اَعْتَقَه اَحَدُ الْوَرَثَةِ لَمْ يَنْفُذْ عِتْقُهُ (۳۷)وإنْ اَعْتَقُوْهُ جَمِيْعًا عَتَقَ وَسَقَطَ عَنْهُ مَالُ الْكِتَابَةِ۔

ترجمہ:۔اور اگر مکاتب کا آقا مر گیا تو کتابت فسخ نہ ہوگی اور اس مکاتب سے کہا جائیگا کہ بدل کتابت قسطوں کے مطابق آقا کے ورثہ کو ادا کر پھر اگر ورثہ میں سے کسی ایک نے اس کو آزاد کر دیا تو اسکا آزاد کرنا نافذ نہ ہوگا اور اگر سب ورثہ نے اس کو آزاد کر دیا تو آزاد ہو جائیگا اور مال کتابت اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائیگا۔

تشریح:۔(۳۴)اگر مکاتب کا آقا مر گیا تو کتابت فسخ نہ ہوگی کیونکہ کتابت فسخ کرنے سے مکاتب کا حق باطل ہو جائیگا یوں کہ کتابت آزادی کا سبب ہے اور آزادی مکاتب کا حق ہے اور کسی کے حق کا سبب بھی اسکا حق ہو جاتا ہے پس کتابت اسکا حق ہوا اور حق بوجہ موت باطل نہیں ہوتا۔(۳۵)لہذا اس مکاتب سے کہا جائیگا کہ بدل کتابت قسطوں کے مطابق آقا کے ورثہ کو ادا کر۔

(۳۶)پھر اگر آقا کے ورثہ میں سے کسی ایک نے اس مکاتب کو آزاد کر دیا تو اسکا آزاد کرنا نافذ نہ ہوگا کیونکہ وہ اس کا مالک نہیں اور یہ اسلئے کہ مکاتب جس طرح کہ دیگر اسباب ملک سے کسی کا مملوک نہیں ہو سکتا اسی طرح وراثت کے سبب سے بھی کسی کا مملوک نہ ہوگا البتہ مکاتب کے ذمہ میں جو مال ہے وہ ورثہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

(۳۷)اگر سب ورثہ نے اس کو آزاد کر دیا تو استحساناً مفت آزاد ہو جائیگا اور مال کتابت اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائیگا وجہ استحسان یہ ہے کہ یہ دراصل مکاتب کو بدل کتابت سے بری کرنا ہے اور جب مکاتب عوض کتابت سے بری ہو گیا تو وہ آزاد ہو جائیگا۔

(۳۸) وَاِذَا كَاتَبَ الْمَوْلٰى اُمَّ وَلَدِهٖ جَازَ (۳۹)وَاِنْ مَاتَ الْمَوْلٰى سَقَطَ عَنْهَا مَالُ الْكِتَابَةِ (۴۰)وَاِنْ وَلَدَتْ مُكَاتَبَتُهٗ مِنْهُ فَهِيَ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَتْ مَضَتْ عَلَى الْكِتَابَةِ وَاِنْ شَاءَتْ عَجَّزَتْ نَفْسَهَا وَصَارَتْ اُمَّ وَلَدٍ لَهٗ۔

ترجمہ:۔اور اگر مولیٰ نے اپنی ام ولد کو مکاتب کر دیا تو یہ جائز ہے اور اگر مولیٰ مر گیا تو بدل کتابت اسکے ذمہ سے ساقط ہو جائیگا اور اگر مولیٰ سے اس مکاتبہ کا بچہ پیدا ہوا تو باندی کو اختیار ہے چاہے تو عقد کتابت پر باقی رہے اور اگر چاہے تو خود کو عاجز کر کے ام ولد مولیٰ کے لئے ام ولد بن جائے۔

تشریح:۔(۳۸)اگر مولیٰ نے اپنی ام ولد کو مکاتب کر دیا تو یہ کتابت جائز ہے کیونکہ مولیٰ کی ملک اس میں باقی ہے لہذا اسکا یہ تصرف درست ہے۔(۳۹)پھر اگر بدل کتابت سے پہلے مولیٰ مر گیا تو بدل کتابت اسکے ذمہ سے ساقط ہو جائیگا کیونکہ وہ تو ام ولد ہونے کی وجہ سے آزاد ہو گئی اور کتابت باطل ہو گئی۔

(۴۰)اگر مولیٰ نے اپنی باندی کو مکاتب کر دیا اور پھر مولیٰ سے اس کا بچہ پیدا ہوا تو باندی کو اختیار ہے چاہے تو عقد کتابت پر باقی رہے مولیٰ سے اپنا مہر لے لے اور بدل کتابت ادا کر کے فی الحال آزاد ہو جائے اور اگر چاہے تو خود کو عاجز کر کے ام ولد رہے مولیٰ

کے انتقال کے بعد آزاد ہو جائے وجہ اختیار یہ ہے کہ اسکو دو جہتوں سے حق حریت حاصل ہو گیا ایک کتابت کی جہت سے دوم ام ولد ہو جانے کی جہت سے لہذا اسکو دونوں کا اختیار ہوگا۔

(۴۱)وَاِذَا كَاتَبَ مُدَبَّرَتَهُ جَازَ (۴۲)فَاِنْ مَاتَ الْمَوْلٰى وَلَا مَالَ لَهُ غَيْرُهَا كَانَتْ بِالْخِيَارِ بَيْنَ اَنْ تَسْعٰى فِى ثُلُثَى قِيْمَتِهَا اَوْجَمِيْعِ مَالِ الْكِتَابَةِ۔

ترجمہ:۔اور اگر مولیٰ نے اپنی مدبرہ باندی کو مکاتب کر دیا تو یہ جائز ہے پھر اگر مولیٰ مر گیا اور اس مدبرہ کے سوا اس کا کوئی دوسرا مال نہ ہو تو اس کو اختیار ہوگا چاہے تو اپنی قیمت کے دو ثلث کما کر ورثہ کو دیدے اور چاہے تو کل بدل کتابت کما کر دیدے۔

تشریح:۔(۴۱)اگر مولیٰ نے اپنی مدبرہ باندی کو مکاتب کر دیا تو یہ جائز ہے کیونکہ وہ فی الحال آزادی حاصل کرنے کی محتاج ہے۔(۴۲)پھر اگر بدل کتابت ادا کرنے سے پہلے مولیٰ کا انتقال ہو گیا اور اس مدبرہ کے سوا اس کا کوئی دوسرا مال نہ ہو تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس مدبرہ مکاتبہ کو اختیار ہوگا چاہے تو اپنی قیمت کے دو ثلث کما کر ورثہ کو دیدے اور چاہے تو کل بدل کتابت کما کر دیدے۔

امام یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ان دو میں سے جو کم ہو وہی کما کر دیدے۔امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک بدل کتابت کے دو ثلث اور قیمت کے دو ثلث میں سے جو کم ہو وہی کما کر دے دے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ اعتاق چونکہ متجزی ہے لہذا مدبرہ مذکورہ ایک ثلث کی آزادی کا مستحق ہو چکی اور دو تہائی رقبہ مملوک رہ گیا اور اسکو آزادی کی دو جہتیں دو عوضوں سے حاصل ہیں ایک معجّل بذریعہ تدبیر اور دوسرا مؤجل بذریعہ کتابت لہذا وہ دونوں میں مختار ہوگی۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول راجح ہے۔

(۴۳)وَاِنْ دَبَّرَ مُكَاتَبَتَهُ صَحَّ التَّدْبِيْرُ (۴۴)وَلَهَا الْخِيَارُ اِنْ شَاءَتْ مَضَتْ عَلَى الْكِتَابَةِ وَاِنْ شَاءَتْ عَجَّزَتْ نَفْسَهَا وَصَارَتْ مُدَبَّرَةً (۴۵)وَاِنْ مَضَتْ عَلٰى كِتَابَتِهَافَمَاتَ الْمَوْلٰى وَلَا مَالَ لَهُ فَهِيَ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَتْ سَعَتْ فِى ثُلُثَى مَالِ الْكِتَابَةِ اَوْ ثُلُثَى قِيْمَتِهَاعِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ۔

ترجمہ:۔اور اگر اپنی مدبرہ کو مکاتبہ کر دیا تو یہ جائز ہے اور اسے اختیار ہے چاہے تو عقد کتابت پر باقی رہے اور چاہے تو خود کو عاجز کر کے مدبرہ ہو جائے اور اگر اس نے کتابت کو اختیار کیا پھر مولیٰ مر گیا اور اس مدبرہ کے سوا اس کا کوئی مال نہ ہو تو وہ مختار ہوگی اگر چاہے تو مال کتابت کی دو تہائی میں سعایت کرے یا اپنی قیمت کی دو تہائی میں سعایت کرے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔

تشریح:۔(۴۳)اگر آقا نے اپنی مدبرہ کو مکاتبہ کر دیا تو یہ جائز ہے کیونکہ اسے دو جہت حریت حاصل ہو گئے یعنی تدبیر و کتابت اور ان میں کوئی منافات نہیں۔(۴۴)اب اسے اختیار ہے چاہے تو تعجیل حریت کیلئے عقد کتابت پر باقی رہے اور چاہے تو خود کو عاجز کر کے مدبرہ ہو جائے کیونکہ مملوک پر لازم نہیں کہ وہ مکاتب ہی رہے۔

(۴۵)پھر اگر اس نے کتابت کو اختیار کیا اور بدل کتابت ادا کرنے سے پہلے مولیٰ مر گیا اور اس مدبرہ کے سوا اس کا کوئی مال نہ

ہوتو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ مختار ہوگی چاہے تو دوتہائی مال کتابت کما کر ورثہ کو دیدے اور چاہے تو اپنی دوتہائی قیمت کما کر ورثہ کو دیدے۔ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک اسے اختیار نہیں بلکہ ان میں سے جو کمتر ہو وہی کما کر دیدگی۔

(٤٦)وَإِذَا أَعْتَقَ الْمُكَاتَبُ عَبْدَهُ عَلَى مَالٍ لَمْ يَجُزْ (٤٧)وَإِذَا وَهَبَ عَلَى عِوَضٍ لَمْ يَصِحَّ۔

ترجمہ:۔اور اگر مکاتب نے اپنے غلام کو بعوض مال آزاد کردیا تو یہ جائز نہیں اور اگر مکاتب نے بعوض ہبہ کیا تو یہ بھی جائز نہیں۔

تشریح :۔(٤٦)اگر مکاتب نے اپنے غلام کو بعوض مال آزاد کردیا تو یہ جائز نہیں کیونکہ آزاد کرنا نہ کسب وکمائی ہے اور نہ توابع کسب میں سے ہے بلکہ یہ تو رقبہ سے اپنی ملکیت کو ساقط کرنا ہے اور مفلس کے ذمہ قرضہ ثابت کرنا ہے لہذا یہ جائز نہیں۔(٤٧)اسی طرح اگر مکاتب نے اپنا غلام بعوض کسی کو ہبہ کیا تو یہ جائز نہیں کیونکہ ہبہ ابتداءً تبرع ہے جس کا مکاتب کو اختیار نہیں۔

(٤٨)وَإِنْ كَاتَبَ عَبْدَهُ جَازَ (٤٩)فَإِنْ أَدَّى الثَّانِيْ قَبْلَ أَنْ يَعْتِقَ الْأَوَّلُ فَوَلَاؤُهُ لِلْمَوْلَى الْأَوَّلِ (٥٠)وَإِنْ أَدَّى الثَّانِيْ بَعْدَ عِتْقِ الْمُكَاتَبِ الْأَوَّلِ فَوَلَاؤُهُ لَهُ۔

ترجمہ:۔اور اگر مکاتب نے اپنے غلام کو مکاتب کردیا تو جائز ہے پھر اگر مکاتب ثانی نے مکاتب اول کے آزاد ہونے سے پہلے بدل کتابت ادا کردیا تو اسکی ولاء مکاتب اول کے آقا کیلئے ہوگی اور اگر مکاتب ثانی نے اول کی آزادی کے بعد بدل کتابت ادا کردیا تو مکاتب ثانی کی ولاء مکاتب اول کیلئے ہوگی۔

تشریح :۔(٤٨)اگر مکاتب نے اپنے غلاموں میں سے کسی غلام کو مکاتب کردیا تو استحساناً جائز ہے وجہ استحسان یہ ہے کہ غلام کو مکاتب کرنے سے اس کو مال حاصل ہوتا ہے تو جس طرح کہ مکاتب کیلئے غلاموں کی خرید وفروخت برائے حصول مال جائز ہے ایسے ہی غلام کو مکاتب کرنے کا بھی مجاز ہوگا بلکہ کبھی تو بنسبت بیع کتابت زیادہ نفع بخش ہوتی ہے کیونکہ کتابت کی وجہ سے ملک زائل نہیں ہوتی جب تک کہ بدل کتابت وصول نہ کرے جبکہ بیع میں ملک پہلے زائل ہوتی ہے۔

(٤٩) پھر اگر مکاتب ثانی نے (مکاتب المکاتب نے) مکاتب اول کے آزاد ہونے سے پہلے بدل کتابت ادا کردیا تو مکاتب ثانی کی ولاء مکاتب اول کے آقا کیلئے ہوگی کیونکہ مکاتب ثانی میں بھی اس آقا کی ایک گنا ملکیت تھی پس اعتاق کی نسبت فی الجملہ اسکی طرف صحیح ہے۔(٥٠)اگر مکاتب ثانی نے اول کی آزادی کے بعد بدل کتابت ادا کردیا تو مکاتب ثانی کی ولاء مکاتب اول کیلئے ہوگی کیونکہ اس صورت میں مکاتب اول بوجہ اپنی آزادی کے ولاء کا اہل ہے لہذا ولاء اسی کیلئے ثابت ہوگی۔

☆ ☆ ☆

كتاب الولاء

یہ کتاب ولاء کے بیان میں ہے۔

"وَلاء" واو کے فتحہ کے ساتھ ہے، لغۃً بمعنی نصرت ومحبت کے ہے۔ اور شرعاً ایسے قرابت حکمیہ کو کہتے ہیں جو عتق یا عقد موالات (عقد موالات اس سے عبارت ہے کہ ایک شخص دوسرے کے ساتھ یہ معاہدہ کرلے کہ اگر میں نے کوئی جنایت کی تو اسکا تاوان تجھ پر ہے اور اگر میں مرگیا تو تو میرا وارث ہوگا۔ صاحب عقد کو مولی الموالات کہتے ہیں) سے حاصل ہو پھر اول یعنی حاصل من العتق کو ولاء العتاقہ کہتے ہیں اور ثانی (یعنی حاصل من الموالات) کو ولاء الموالات کہتے ہیں۔ ولاء کا حکم میراث کا استحقاق ہے۔

"کتاب المکاتب" کے بعد "کتاب الولاء" اسلئے ذکر کیا کہ ولاء آثار کتابت میں سے ہے بایں وجہ کہ بدل کتابت کی ادائیگی کے بعد ملک رقبہ زائل ہوجاتی ہے مکاتب آزاد ہوجاتا ہے تو ولاء ثابت ہوتی ہے اور اثر شئی شئی کے بعد ہوتا ہے۔

(۱) وَاِذَا اَعْتَقَ الرَّجُلُ مَمْلُوْكَهُ فَوَلَاؤُهُ لَه (۲) وَكَذَالِكَ الْمَرْاَةُ تُعْتِقُ (۳) فَاِنْ شَرَطَ اَنَّه سَائِبَةٌ فَالشَّرْطُ بَاطِلٌ وَالْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْتَقَ (۴) وَاِذَا اَدّٰى الْمُكَاتَبُ عَتَقَ وَوَلَاؤُهُ لِلْمَوْلٰى (۵) وَكَذَالِكَ اِنْ عَتَقَ بَعْدَ مَوْتِ الْمَوْلٰى فَوَلَاؤُهُ لِوَرَثَةِ الْمَوْلٰى۔

ترجمہ:۔ اور اگر کسی نے اپنے غلام کو آزاد کردیا تو اسکی ولاء آقا کیلئے ہے اور اسی طرح اگر عورت اپنے مملوک کو آزاد کردے (تو عورت بھی اسکی ولاء کا مستحق ہوگی) اور اگر یہ شرط کی کہ یہ غلام سائبہ ہوگا تو یہ شرط باطل ہے اور ولاء اسی کے لئے ہوگی جس نے اس کو آزاد کردیا ہے اور جب مکاتب بدل کتابت ادا کردے تو آزاد ہوجائیگا اور اسکی ولاء مولی کی ہوگی اور اسی طرح اگر موت مولی کے بعد آزاد ہوا تو اس کی ولاء مولی کے ورثہ کو ملی گی۔

تشریح:۔ (۱) اگر کسی نے اپنے غلام کو آزاد کردیا تو اسکی ولاء آقا کیلئے ہوگی کیونکہ مولی نے غلام کی رقیت دور کرکے معنًی زندہ کرچکا ہے اسلئے مولی اس کا وارث ہوگا۔

(۲) اسی طرح اگر عورت اپنے مملوک کو آزاد کردے تو عورت بھی اسکی ولاء کا مستحق ہوگی لما بیّنا۔ (۳) اگر مولی نے اعتاق میں یہ شرط کی کہ یہ غلام سائبہ ہوگا یعنی آزادی کے بعد کسی کی ولاء میں نہ ہوگا بلکہ وہ خودمختار رہے میں اس کا وارث نہیں ہوں اور اگر اس نے کوئی جنایت کی تو میں اسکی دیت بھی ادا نہیں کرونگا تو یہ شرط باطل ہے اور ولاء اسی کو ملیگی جس نے اسکو آزاد کیا ہے کیونکہ یہ شرط نص حدیث یعنی "لقوله عليه السلام اَلْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْتَقَ" (جس نے آزاد کیا ہے ولاء اسی کے لئے ہے) کے خلاف ہے۔

(۴) جب مکاتب بدل کتابت ادا کردے اور اسکا مولی زندہ ہو تو آزاد ہوجائیگا اور اسکی ولاء مولی کی ہوگی کیونکہ وہ مولی کی ملک پر آزاد ہوا ہے۔ (۵) اگر موت مولی کے بعد آزاد ہوا تو بھی یہی حکم ہے کیونکہ اعتاق مولی ہی کی جہت سے ہے اگرچہ کچھ تاخیر سے ہے۔

☆ ☆ ☆

(٦)فَإنْ ماتَ الْمَوْلىٰ عَتَقَ مُدَبَّرُوْهُ وَاُمَّهاتُ اَوْلادِهِ وَوَلاؤُهُم له (٧)وَمَنْ مَلَكَ ذَارَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ عَتَقَ عَلَيْهِ وَوَلاؤُهُ لَهُ۔

ترجمہ:۔اور اگر مولیٰ مرگیا تو اسکے مدبر غلام اور اسکی امہات اولاد آزاد ہو جائیں گے اور انکی ولاء مولیٰ کیلئے ہوگی اور جو شخص اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہو گیا تو وہ اس پر آزاد ہو جائیگا اور اسکی ولاء مولیٰ کیلئے ہوگی۔

تشریح:۔(٦)اگر مولیٰ مرگیا تو اسکے مدبر غلام اور امہات اولاد آزاد ہو جائیں گے اور انکی ولاء مولیٰ کیلئے ہوگی کیونکہ مدبر مولیٰ کی تدبیر سے آزاد ہوا ہے اور ام ولد مولیٰ کی استیلاد سے آزاد ہوئی ہے اور ولاء آزاد کرنے والے کیلئے ہے۔(٧) جو شخص اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہو گیا تو وہ اس پر آزاد ہو جائیگا اور آزاد شدہ کی ولاء مولیٰ کیلئے ہوگی کیونکہ سبب ولاء یعنی اعتاق اسی کی جانب پایا گیا ہے۔

(٨)وَاِذَا تَزَوَّجَ عَبْدُ رَجُلٍ اَمَةَ الآخَرِ فَاَعْتَقَ مَوْلَى الْاَمَةِ الْاَمَةَ وَهِيَ حامِلٌ مِنَ الْعَبْدِ عَتَقَتْ وَعَتَقَ حَمْلُهَا(٩)وَوَلاءُ الْحَمْلِ لِمَوْلَى الْاُمِّ لايَنْتَقِلُ عَنْهُ اَبَدًا (١٠)فَإنْ وَلَدَتْ بَعْدَ عِتْقِهَا لِاَكْثَرَ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ وَلَدًا فَوَلاؤُهُ لِمَوْلَى الْاُمِّ (١١)فَإنْ اُعْتِقَ الْاَبُ جَرَّ وَلاءَ اِبْنِهِ وَانْتَقَلَ عَنْ مَوْلَى الْاُمِّ اِلٰى مَوْلَى الْاَبِ۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی کے غلام نے دوسرے کی باندی سے نکاح کیا پھر باندی کے آقا نے باندی کو آزاد کر دیا اور حال یہ کہ یہ باندی اس غلام سے حاملہ ہے تو باندی آزاد ہو جائے گی اور اس کا حمل بھی آزاد ہو جائیگا اور حمل کی ولاء ماں کے آقا کو ملے گی اور یہ ولاء کبھی منتقل نہ ہوگی اور اگر باندی نے اپنے آزاد ہونے کے بعد چھ ماہ سے زائد مدت میں بچہ جنا تو اسکی ولاء بھی اسکی ماں کے آزاد کنندہ کو ملیگی پس اگر باپ آزاد کر دیا گیا تو وہ اپنے بیٹے کی ولاء کھینچ لے گا اور ولاء ماں کے مولیٰ سے باپ کے مولیٰ کی طرف منتقل ہو جائے گی۔

تشریح:۔(٨)اگر کسی کے غلام نے دوسرے کی باندی سے نکاح کیا پھر باندی کے آقا نے باندی کو آزاد کر دیا اور حال یہ کہ یہ باندی اس غلام سے حاملہ ہے تو باندی آزاد ہو جائے گی اور تبعاً اس کا حمل بھی آزاد ہو جائیگا۔(٩)اور حمل کی ولاء ماں کے آقا کو ملے گی اور یہ ولاء ماں کے آقا سے کبھی منتقل نہ ہوگی کیونکہ یہ حمل ماں کے آزاد کنندہ پر بالقصد آزاد ہوا ہے اسلئے کہ وہ ماں کا جزء ہے جو بالقصد اعتاق کو قبول کرتا ہے لہٰذا اسکی ولاء ماں کے آزاد کنندہ سے کبھی منتقل نہ ہوگی۔

(١٠) اگر باندی نے اپنے آزاد ہونے کے بعد چھ ماہ سے زائد مدت میں بچہ جنا تو اسکی ولاء بھی اسکی ماں کے آزاد کنندہ کو ملیگی کیونکہ یہ حمل اپنی ماں کی تبعیت میں آزاد ہو گیا اسلئے کہ حق ام کے بعد وہ ام کے ساتھ متصل ہے لہٰذا ولاء میں بھی ام کی تابع ہوگی۔

(١١) مگر چونکہ بوقت اعتاق محقق الوجود نہیں اسلئے اسکا اعتاق مقصود ی نہ ہوگا لہٰذا اسکی ولاء ماں کے آزاد کنندہ کیلئے ابدی نہ ہوگی بلکہ اگر اس کا باپ آزاد کر دیا گیا تو وہ بچہ کی ولاء اپنی طرف کھینچ لیگا اور ولاء ام کے مولیٰ سے منتقل ہو کر اب کے مولیٰ کی طرف چلی جائے گی وجہ یہ ہے کہ ولاء بمنزلہ نسب کے ہے اور نسب اب کی طرف منسوب ہوتا ہے تو ولاء بھی اب کیلئے ہوگی۔

☆ ☆ ☆

(۱۲)وَمَنْ تَزَوَّجَ مِنَ الْعَجَمِ بِمُعْتَقَةِ الْعَرَبِ فَوَلَدَتْ لَه اَوْلَادًا فَوَلَاءُ وُلْدِهَا لِمَوَالِيْهَا عِنْدَاَبِیْ حَنِیْفَةَ رحمه الله وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ وقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ رحمه الله يَكُوْنُ وَلَاءُ اَوْلَادِهَالِاَبِيْهِمْ لِاَنَّ النَّسَبَ اِلَى الْآبَاءِ۔

ترجمہ:۔اوراگر عجمی نے کسی عربی کی آزاد کردہ باندی کے ساتھ نکاح کیا پھراس سے اس کی اولاد پیدا ہوئی تو طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک اولاد کی ولاء اس کے موالی کے لئے ہوگی اورامام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی اولاد کی ولاء ان کے باپ کے لئے ہوگی کیونکہ نسب آباء کی جانب ہوتا ہے۔

تشریح:۔(۱۲)اگر حرالاصل عجمی نے کسی عربی کی آزاد کردہ باندی کے ساتھ نکاح کیا پھراس سے اولاد ہوئی تو طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک اولاد کی ولاء اسی معتقہ عورت کے موالی کو ملیگی۔امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اولاد کی ولاء ان کے باپ کو ملے گی کیونکہ ولاء بمنزلِ نسب کے ہےاورنسب آباء کی جانب ہوتا ہے۔

طرفین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ ولاء عتاقہ قوی اوراحکام کے حق میں معتبر ہے یہاں تک کہ اس میں کفاءت کا اعتبار ہوتا ہے(معتق عجم معتق عرب کا کفو نہیں)اور عجمیوں کے حق میں نسب ضعیف ہے کیونکہ عجمیوں نے اپنے انساب ضائع کردئے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان میں کفاءت معتبر نہیں اورضعیف قوی کا معارض نہیں ہوتا۔طرفینؒ کا قول راجح ہے۔

(۱۳)وَوَلَاءُ الْعِتَاقَةِ تَعْصِيْبٌ (۱٤)فَاِنْ كَانَ لِلْمُعْتَقِ عَصَبَةٌ مِنَ النَّسَبِ فَهو اَوْلٰى منه (۱۵)فَاِنْ لم تَكُنْ لَه عَصَبَةٌ مِنَ النَّسَبِ فَمِيْرَاثُه لِلْمُعْتِقِ۔

ترجمہ:۔اورولاء عتاقہ موجب عصوبت ہے پس اگر آزاد شدہ کے نسبی عصبات ہوں تو وہ آزاد کنندہ سے مقدم ہیں اوراگر آزاد شدہ کے نسبی عصبات نہ ہوں تو اسکی میراث آزاد کنندہ کیلئے ہوگی۔

تشریح:۔(۱۳)یعنی ولاء عتاقہ موجب عصوبت ہے لہذا ذوی الفروض کے بعداورذوی الارحام سے مقدم ہے۔(۱٤)اگر آزاد شدہ کے ذوی الفروض نہ ہوں مگر نسبی عصبات ہوں تو وہ بھی آزاد کنندہ سے باب میراث میں مقدم ہیں کیونکہ نسبی عصوبت سببی عصوبت سے مقدم ہے۔(۱۵)اوراگر آزاد شدہ کے نسبی عصبات نہ ہوں تو اسکی میراث آزاد کنندہ کیلئے ہوگی۔

(۱٦)فَاِنْ مَاتَ الْمَوْلٰى ثُمَّ مَاتَ الْمُعْتَقُ فَمِيْرَاثُه لِبَنِى الْمَوْلٰى دُوْنَ بَنَاتِه (۱۷)وَلَيْسَ لِلنِّسَاءِ مِنَ الْوَلَاءِ اِلَّامَا اَعْتَقْنَ اَوْ اَعْتَقَ مَنْ اَعْتَقْنَ (۱۸)اَوْ كَاتَبْنَ اَوْ كَاتَبَ مَنْ كَاتَبْنَ (۱۹)اَوْدَبَّرْنَ اَوْ دَبَّرَ مَنْ دَبَّرْنَ (۲۰)اَوْ جَرَّ وَلَاءَ مُعْتَقِهِنَّ اَوْ مُعْتَقِ مُعْتَقِهِنَّ۔

ترجمہ:۔اوراگر مولی مرگیا پھراس کا آزاد کردہ غلام مرگیا تو آزاد شدہ کی میراث معتق کی نرینہ اولاد کو ملیگی لڑکیوں کو نہیں ملیگی اور عورتوں کیلئے ولاء نہیں الایہ کہ جس کو عورت نے آزاد کیا یا عورت کے آزاد کردہ نے آزاد کیا یا جس کو عورت نے مکاتب کیا یا عورت کے مکاتب کئے ہوئے نے مکاتب کیا یا عورت نے جس کو مدبر کیا یا عورت کے مدبر کئے ہوئے نے مدبر کیا یا عورت اپنے آزاد کردہ کی ولاء

کھینچ لائے یا اپنے آزاد کردہ کی آزاد کردہ کی ولاء کھینچ لائے۔

تشریح:۔(۱۶)اگر مولی پہلے مرگیا پھر اس کا آزاد کردہ غلام مرگیا تو آزاد کردہ کی میراث معتق کی نرینہ اولاد کو ملیگی۔(۱۷)لڑکیوں کو نہیں ملیگی کیونکہ ولاء باب میراث میں موجب عصوبت ہے اور عورتوں کیلئے عصوبت نہیں لہذا ان کے لئے ولاء بھی نہیں ہوگی البتہ مندرجہ ذیل صورتوں میں عورت کے لئے ولاء ہوگی۔جس کو عورت نے آزاد کیا یا عورت کے آزاد کردہ نے آزاد کیا۔(۱۸)یا جس کو عورت نے مکاتب کیا یا عورت کے مکاتب کئے ہوئے نے مکاتب کیا(۱۹)یا عورت نے جس کو مدبر کیا(جس کی صورت یہ ہے کہ ایک عورت نے اپنے غلام کو مدبر کر کے خود مرتدہ ہوکر دارالحرب چلی گئی قاضی نے اسکے لحاق بدار الحرب کا حکم کر دیا تو اس کا مدبر آزاد ہوگیا پھر وہ مسلمان ہوکر دارالاسلام واپس آگئی اور مدبر مرگیا تو اسکی ولاء اس عورت کو ملیگی)یا عورت کے مدبر کئے ہوئے نے مدبر کیا(۲۰)یا عورت اپنے آزاد کردہ کی ولاء کھینچ لائے یا اپنے آزاد کردہ کی آزاد کردہ کی ولاء کھینچ لائے۔ان صورتوں میں عورت کے لئے ولاء ہوگی۔

اپنے آزاد کردہ کی ولاء کھینچ لانے کی صورت یہ ہے کہ کسی عورت کے غلام نے اسکی اجازت سے ایک قوم کی آزاد کردہ عورت سے نکاح کیا اور اس سے اولاد ہوئی تو اولاد کی ولاء موالی ام کیلئے ہوگی اب اگر غلام کی مالکہ عورت اس غلام کو آزاد کردے تو یہ غلام اولاد کی ولاء اپنی طرف کھینچ لیگا پھر اگر یہ غلام مرچکا ہو تو اسکی اولاد کی ولاء اسکی مالکہ عورت کیلئے ہوگی۔معتق المعتق کی ولاء کھینچنے کی صورت یہ ہے کہ ایک عورت نے غلام کو خرید کر آزاد کیا پھر اس آزاد شدہ غلام نے ایک غلام خرید لیا اور اس دوسرے غلام نے کسی قوم کی آزاد کردہ عورت سے نکاح کیا اور اس سے اولاد ہوئی الخ باقی تفصیل گذشتہ صورت کی طرح ہے۔

(۲۱)وَاِذَا تَرَکَ الْمَوْلیٰ اِبْنًا وَاَوْلَادَ اِبْنٍ آخرَ فَمِیْرَاثُ الْمُعْتَقِ لِلْاِبْنِ دُوْنَ بَنِی الْاِبْنِ لاَنَّ الْوَلاءَ لِلْکَبِیْرِ۔

ترجمہ:۔اور اگر مولی نے اپنا ایک بیٹا چھوڑا اور دوسرے بیٹے کی اولاد چھوڑی تو آزاد شدہ کی ولاء بیٹے کیلئے ہوگی نہ بیٹے کی اولاد کیلئے کیونکہ ولاء کبیر کیلئے ہوتی ہے۔

تشریح:۔(۲۱)اگر مولی نے اپنا ایک بیٹا چھوڑا اور دوسرے بیٹے کی اولاد چھوڑی تو آزاد شدہ کی ولاء بیٹے کیلئے ہوگی نہ کہ دوسرے بیٹے کی اولاد کیلئے کیونکہ ولاء کبیر کیلئے ہوتی ہے اور بیٹا ہی کبیر یعنی اقرب الی المولیٰ ہے۔

(۲۲)وَاِذَا اَسْلَمَ رَجُلٌ عَلٰی یَدِ رَجُلٍ وَوَالاهُ عَلٰی اَنْ یَرِثَه وَیَعْقِلَ عنه اِذَاجَنٰی (۲۳)اَوْ اَسْلَمَ عَلٰی یَدِ غَیْرِهِ وَوَالاهُ فَالْوَلاءُ صَحِیْحٌ وَعَقْلُهُ عَلٰی مَوْلاهُ (۲۴)فَاِنْ مَاتَ وَلاوَارِثَ لَه فَمِیْرَاثُه لِلْمَوْلیٰ۔

ترجمہ:۔اور اگر ایک شخص نے دوسرے کے ہاتھ پر اسلام لایا اور اس نومسلم نے اسکے ساتھ اس بات پر موالات کی کہ وہ اس کا وارث ہوگا اور اس کی طرف سے تاوان دیگا اگر وہ جنایت کرے اور یا اسلام دوسرے کے ہاتھ لائے اور اس کے ساتھ عقدِ موالات کرے تو ولاء صحیح ہے اور اس کا تاوان اس کے مولی پر ہوگا پس اگر وہ مرگیا اور اس کا کوئی وارث نہ ہو تو اس کی میراث اس کے مولی کے لئے ہوگی۔

تشریح:۔(۲۲)اگر ایک غیر مسلم نے کسی مسلمان کے ہاتھ پر اسلام لایا اور اس نومسلم نے اسکے ساتھ موالات کی(جن دو شخصوں میں

باہم اس طرح قول وقرار ہوجائے کہ ہم ایک دوسرے کے اس طرح مددگار رہیں گے کہ اگر ایک شخص کے ذمہ کوئی دیت لازم آئے تو دوسرا اس کو برداشت کریگا اور اگر ایک مرجائے تو دوسرا اس کا وارث ہوگا یہ عہد عقدِ موالاۃ ہے اور ان میں سے ہر شخص مولی الموالاۃ کہلاتا ہے) یعنی نومسلم نے کہا کہ میرے مرنے کے بعد تو میرے کل مال کا وارث ہوگا اور اگر مجھ سے کوئی جنایت ہوئی تو میری طرف سے تو دیت دیگا۔

(۲۳) یا اسلام تو ایک کے ہاتھ پر لایا اور عقد موالاۃ دوسرے کے ساتھ کیا تو ان دونوں صورتوں میں یہ عقد صحیح ہے پس نومسلم کے مرنے کے بعد وہ شخص اسکا وارث ہوگا اور صدور جنایت کی صورت میں نومسلم کی طرف سے وہ شخص دیت دیگا۔

(۲۴) لیکن شرط یہ ہے کہ نومسلم کسی کا آزاد کردہ نہ ہو اور اسکا کوئی وارث نہ ہو تو اسکی میراث اسکے ساتھ عقد موالات کرنے والے کیلئے ہوگی اور اگر اس نومسلم موالات کنندہ کا کوئی وارث ہو تو وہ اس کی میراث لینے میں عقد موالات کرنے والے سے مقدم ہوگا کیونکہ وہ شرعی وارث ہے لہذا اس کا حق عقد موالات کی وجہ سے باطل نہیں کیا جاسکتا۔

(۲۵) وَلِلْمولی اَنْ یَنْتَقِلَ عنه بِوَلائِهٖ اِلٰی غَیْرِهٖ مالَمْ یَعْقِلْ عَنْهُ (۲۶) فَاِذَا عَقَلَ عَنْهُ لَمْ یَکُنْ لَه اَنْ یَتَحَوَّلَ بِوَلائِهٖ عَنْهُ اِلٰی غَیْرِهٖ (۲۷) وَلَیسَ لِمَوْلَی الْعَتَاقَةِ اَنْ یُوَالِیَ اَحَداً۔

توجمه:۔ اور عقد موالات کرنے والے کیلئے یہ جائز ہے کہ جس سے اس نے موالات کی ہے) اس سے اپنی ولاء کو دوسرے کی طرف پھیر دے جب تک کہ اس نے اس کی طرف سے تاوان نہ ادا کیا ہو پس اگر اس کی طرف سے تاوان ادا کر دیا تو پھر اپنی ولاء اس سے دوسرے کی طرف نہیں پھیر سکتا ہے اور آزاد شدہ کے لئے دوسرے کے ساتھ موالاۃ کرنا جائز نہیں۔

تشریح:۔ (۲۵) عقد موالات کرنے والے کیلئے یہ جائز ہے کہ جس سے اس نے موالات کی ہے اس سے پھر کر دوسرے سے موالات کرلے بشرطیکہ اسکی جنایت کی صورت میں اسکے مولی اول نے اسکی طرف سے عاقلہ بن کر کچھ دیت آدا نہ کی ہو۔ وجہ یہ ہے کہ عقد موالات وصیت کی طرح غیر لازم عقد ہے لہذا اس سے پھرنا جائز ہے۔ (۲۶) اور اگر مولی اول نے عاقلہ بن کر اسکی کسی جنایت کی دیت آدا کی ہو تو پھر اس کیلئے مولی اول سے دوسرے کی طرف پھرنا جائز نہ ہوگا کیونکہ اب اسکی ولاء کے ساتھ مولی اول کا حق وابستہ ہو چکا ہے۔

فائدہ:۔ جس محکمے کے ساتھ کسی کا تعلق ہو وہ محکمے والے اس کا عاقلہ ہیں اگر محکمے سے تعلق نہ ہو تو اس کے خاندان والوں کو عاقلہ کہتے ہیں۔

(۲۷) آزاد شدہ کیلئے کسی کے ساتھ عقد موالات کرنا جائز نہیں کیونکہ معتق کی میراث کا معتق کیلئے ہونا لازمی ہے جبکہ موالات غیر لازم ہے تو بقاء لازم کے ساتھ غیر لازم ظاہر نہ ہوگا۔

کتابُ الجنایات

یہ کتاب جنایات کے بیان میں ہے۔

"جنایات" جمع ہے "جنایۃ" کی ،لغۃً تعدی اور تجاوز کے معنی میں ہے۔اور اصطلاح میں جنایت اس تعدی سے عبارت ہے جونفس یا اطراف نفس (جیسے ہاتھ، پاؤں، ناک، کان وغیرہ) میں واقع ہو۔

کتاب العتاق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ اعتاق میں احیاء ہے اور جنایت میں ہلاکت ہے تو ان کے درمیان تقابل کی نسبت ہے۔ یا یہ مناسبت ہے کہ جنایہ میں قصاص ہے جس میں بھی احیاء پایا جاتا ہے قَالَ اللّٰه تعالیٰ ﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَاأُولِي الْأَلْبَابِ﴾۔

(۱) اَلْقَتْلُ عَلى خَمْسَةِ اَوْجُهٍ عَمَدٌ وَشِبْهُ عَمَدٍ وخَطَاءٌ وما اُجْرِيَ مَجْرَى الْخَطَاءِ وَالْقَتْلُ بِسَبَبٍ۔

ترجمہ:۔قتل پانچ قسم پر ہے، عمد، شبہ عمد، خطاء، جار مجری خطاء، اور قتل بالسبب۔

تشریح:۔(۱) ویسے تو قتل کے بہت سارے اقسام ہیں مگر آنے والے احکام یعنی قصاص، دیت، کفارہ وغیرہ جن اقسامِ قتل کیساتھ متعلق ہیں وہ پانچ ہیں۔/**نمبر ۱**۔قتل عمد۔/**نمبر ۲**۔شبہ عمد۔/**نمبر ۳**۔قتل خطاء۔/**نمبر ٤**۔قائم مقام خطاء۔/**نمبر ٥**۔قتل بسبب۔جن کی تفصیل امام قدوری رحمہ اللہ نے آنے والی عبارت میں بیان فرمائی ہے۔

(۲) فَالْعَمَدُ ما تَعَمَّدَ ضَرْبَه بِسَلاحٍ اَوْ مااُجْرِيَ مَجْرَى السَّلاحِ فِي تَفْرِيْقِ الْاَجْزَاءِ كالْمُحَدَّدِ مِنَ الْخَشَبِ وَالْحَجَرِ وَالنَّارِ (۳) وَمُوْجَبُ ذالِكَ الْمَأْثَمُ وَالْقَوَدُ (٤) اِلَّااَنْ يَعْفُوَ الْاَوْلِيَاءُ (٥) ولا كَفَّارَةَ فِيْهِ۔

ترجمہ:۔اور قتل عمد یہ ہے کہ کسی انسان کو ہتھیار سے مارنے کا قصد کرے یا ایسی چیز سے جو اجزاء کے ٹکڑے کر دینے میں ہتھیار کے قائم مقام ہو جیسے دھاری دار لکڑی اور پتھر اور آگ اور اس کا موجب گناہ اور قصاص ہے الا یہ کہ (مقتول کے اولیاء) قاتل کو معاف کر دے اور اس میں کفارہ نہیں۔

تشریح:۔(۲) قتل عمد یہ ہے کہ کسی انسان کو ہتھیار سے مارنے کا قصد کرے یا ایسی چیز سے مارنے کا قصد کرے جو اجزاء انسانی کو کاٹنے میں ہتھیار کے قائم مقام ہو جیسے دھاری دار لکڑی، پتھر اور آگ وغیرہ۔وجہ یہ ہے کہ قتل عمد کیلئے قصد ضروری ہے اور قصد ایک مخفی چیز ہے جس پر بلا دلیل وقوف ممکن نہیں اور جب قاتل نے ایسے آلات استعمال کئے جن سے قتل واقع ہوتا ہے تو یہ قصد قتل کی دلیل ہے اسلئے اسے قتل عمد کہا جائیگا۔

(۳) قتل عمد کا حکم یہ ہے کہ قاتل سخت گناہگار ہوگا کیونکہ شرک باللہ کے بعد قتل انسان اکبر الکبائر میں سے ہے اور قاتل سے قصاص لیا جائیگا۔(٤) الا یہ کہ مقتول کے اولیاء قاتل کو معاف کر دے یا اسکے ساتھ صلح کر دے کیونکہ قصاص لینا اولیاء کا حق ہے تو وہ اسے معاف کر سکتے ہیں۔(٥) قتل عمد کی صورت میں قاتل پر کفارہ نہیں کیونکہ قتل عمد گناہ کبیرہ ہے اور کفارہ میں عبادت کا معنی ہے لہٰذا کفارہ کا

سب گناہ کبیرہ نہیں ہوسکتا۔

(٦)وَشِبْهُ الْعَمَدِ عِنْدَ اَبِی حَنِیفَةَ اَنْ یَتَعَمَّدَ الضَّرْبَ بِمَا لَیْسَ بِسَلَاحٍ وَلا مَا اُجْرِیَ مَجْرَاهُ وَقَالا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ اِذَا ضَرَبَهُ بِحَجَرٍ عَظِیْمٍ اَوْ بِخَشْبَةٍ عَظِیْمَةٍ فَهُوَ عَمَدٌ وَشِبْهُ الْعَمَدِ اَنْ یَتَعَمَّدَ ضَرْبَهُ بِمَا لَا یُقْتَلُ بِهٖ غَالِبًا(٧)وَمُوْجَبُ ذَالِکَ عَلَی الْقَوْلَیْنِ اَلْمَاْثَمُ وَالْکَفَّارَةُ وَلَا قَوَدَ فِیْهِ وَفِیْهِ دِیَةٌ مُغَلَّظَةٌ عَلَی الْعَاقِلَةِ۔

ترجمہ:۔اور قتل شبہ عمد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ ہے کہ قاتل ایسی چیز سے مارنے کا قصد کردے جو نہ ہتھیار ہو اور نہ قائم مقام ہتھیار ہو اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اگر قاتل نے بھاری پتھر یا بڑی لکڑی سے مارا تو یہ قتل عمد ہوگا اور شبہ عمد یہ ہے کہ ایسی چیز کے ساتھ مارنے کا قصد کرلے جس سے غالباً قتل نہیں کیا جاتا اور اس کا موجب دونوں قولوں کے مطابق گناہ اور کفارہ ہے اور اس میں قصاص نہیں اور اس میں عاقلہ پر دیت مغلظہ ہے۔

تشریح:۔(٦)قتل شبہ عمد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ ہے کہ قاتل ایسی چیز سے مارنے کا قصد کردے جو نہ ہتھیار ہو اور نہ قائم مقام ہتھیار ہو اور یہ شبہ عمد اس لئے ہے کہ قاتل نے ایسا آلہ استعمال کیا ہے جو قتل میں غالباً استعمال نہیں ہوتا بلکہ اس آلہ سے غیر قتل یعنی تادیب وغیرہ کا قصد کیا جاتا ہے تو عمدیت کا معنی قاصر ہونے کی وجہ سے اسے شبہ عمد کہا جائیگا۔صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک شبہ عمد یہ ہے کہ قاتل ایسی چیز کے ساتھ مقتول کو مارنے کا قصد کرلے جس سے غالباً قتل نہیں کیا جاتا۔

لہٰذا صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک اگر قاتل نے بھاری پتھر یا بڑی لکڑی سے مارا تو یہ شبہ عمد نہیں بلکہ قتل عمد ہوگا کیونکہ ان سے غالباً موت واقع ہوجاتی ہے تو یہ بمنزلہ آلہ موضوعہ للقتل کے ہوجائیگا۔(٧)شبہ عمد علی اختلاف القولین کا حکم یہ ہے کہ قاتل گناہگار ہوگا کیونکہ قاتل نے مارنے کا قصد کرکے قتل کیا ہے اور قاتل کے عاقلہ (جس محکمے کے ساتھ کسی تعلق ہو وہ محکمے والے اس کا عاقلہ ہیں اگر محکمے سے تعلق نہ ہو تو اس کے خاندان والوں کو عاقلہ کہتے ہیں) پر دیت مغلظہ (یعنی سو اونٹ جن میں سے پچیس ایک سالہ ہونگے اور پچیس دو سالہ اور پچیس تین سالہ اور پچیس چار سالہ ہونگے) ہے۔

فائدہ:۔دیت کے بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ جو دیت براہ راست قتل سے واجب ہوتی ہو تو وہ قاتل کے خاندان پر واجب ہے اور اگر بعد از قتل مصالحت وغیرہ سے واجب ہو تو وہ خود قاتل پر واجب ہے۔

(٨)وَالْخَطَاءُ عَلٰی وَجْهَیْنِ خَطَاءٌ فِی الْقَصْدِ وَهُوَ اَنْ یَرْمِیَ شَخْصًا یَظُنُّهُ صَیْدًا فَاِذَا هُوَ آدَمِیٌّ وَخَطَاءٌ فِی الْفِعْلِ وَهُوَ اَنْ یَرْمِیَ غَرَضًا فَیُصِیْبَ آدَمِیًّا(٩)وَمُوْجَبُ ذَالِکَ الْکَفَّارَةُ وَالدِّیَةُ عَلَی الْعَاقِلَةِ وَلَا مَاْثَمَ فِیْهِ۔

ترجمہ:۔اور قتل خطاء دو قسم پر ہے،خطاء فی القصد اور وہ یہ کہ کسی شخص کو مار دے اس خیال سے وہ کہ شکار ہے حالانکہ وہ آدمی ہے۔اور خطاء فی القصد،اور وہ یہ کہ نشانہ پر تیر پھینکے اور وہ آدمی کو لگے اور اس کا موجب کفار ہے اور عاقلہ پر دیت ہے اور اس میں گناہ نہیں۔

تشریح:۔(٨)قتل خطاء دو قسم پر ہے۔**نمبر ١**۔خطاء فی القصد۔**نمبر ٢**۔خطاء فی الفعل،خطاء فی القصد یہ ہے کہ کسی شخص کو اس

گمان سے مارا کہ شکار ہے پس وہ آدمی نکلا۔ یا حربی کافر سمجھ کر مارا اور وہ مسلمان نکلا۔ اور خطاء فی الفعل یہ ہے کہ کسی نے نشانہ یا شکار پر مارا وہ نشانہ کے بجائے کسی آدمی کو لگا۔ قتل خطاء کی دونوں قسموں کا حکم یہ ہے کہ اس میں قاتل پر کفارہ ہے اور قاتل کے عاقلہ پر دیت ہے لقوله تعالىٰ ﴿ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ ﴾ (یعنی رقبہ مؤمنہ کو آزاد کردے اور مقتول والوں کو دیت دیدے)۔

(۹) قتل خطاء کی دونوں قسموں میں قاتل پر گناہ نہیں۔ مگر مراد قتل کے گناہ کی نفی ہے فی نفسہ فعل گناہ سے خالی نہیں کیونکہ پھینکتے وقت جس احتیاط سے کام لینا چاہئے تھا اس نے وہ احتیاط نہیں کیا۔

(۱۰) وَمَا أُجْرِيَ مَجْرَى الْخَطَاءِ مِثْلُ النَّائِمِ يَنْقَلِبُ عَلَى رَجُلٍ فَيَقْتُلُهُ (۱۱) فَحُكْمُهُ حُكْمُ الْخَطَاءِ

ترجمہ:۔ اور قتل جار مجری خطاء یہ ہے کہ مثلاً سونے والا کسی پر کروٹ لے لے اور اس کو قتل کردے اس کا وہی حکم ہے جو قتل خطاء کا ہے

تشریح:۔ (۱۰) قتل کی چوتھی قسم قائم مقام خطاء ہے۔ قائم مقام خطاء یہ ہے کہ مثلاً کوئی شخص حالت نیند میں کروٹ بدلے اور کوئی اس کے نیچے آکر مرجائے۔ (۱۱) اس کا وہی حکم ہے جو قتل خطاء کا ہے کیونکہ اس صورت میں بھی قاتل خطئی کی طرح معذور ہے۔

(۱۲) وَأَمَّا الْقَتْلُ بِسَبَبٍ كَحَافِرِ الْبِئْرِ وَوَاضِعِ الْحَجَرِ فِي غَيْرِ مِلْكِهِ (۱۳) وَمُوْجَبُهُ إِذَا تَلَفَ فِيْهِ آدَمِيٌّ اَلدِّيَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ (۱٤) وَلَا كَفَّارَةَ فِيْهِ۔

ترجمہ:۔ اور قتل بالسبب جیسے دوسرے کی ملک میں کنواں کھودنے اور پتھر رکھنے والا اور اس کا موجب عاقلہ پر دیت ہے جب اس میں کوئی آدمی تلف ہوجائے اور اس میں کفارہ نہیں۔

تشریح:۔ (۱۲) قتل کی پانچویں قسم قتل بسبب ہے۔ قتل بسبب یہ ہے کہ مثلاً کسی نے حاکم کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے زمین میں کنواں کھودا پھر کوئی اس میں گر کر مرگیا یا ایسی ہی زمین میں پتھر رکھدیا جس سے ٹکرا کر کوئی مرگیا۔ اسکو قتل بسبب اس لئے کہتے ہیں کہ کنواں کھودنے والا مقتول کے مارنے میں متعمد نہیں اور نہ مخطی ہے ہاں کنواں کھود کر اس نے تعدی کرکے قتل کا سبب بنا ہے۔ (۱۳) اسکا حکم یہ ہے کہ کنواں کھودنے والے کے عاقلہ پر دیت ہوگی کیونکہ یہ تلف کرنے کا سبب بنا ہے۔ (۱٤) البتہ اس پر کفارہ واجب نہ ہوگا کیونکہ یہ بنفسہ قتل کا مباشر نہیں۔

(۱۵) وَالْقِصَاصُ وَاجِبٌ بِقَتْلِ كُلِّ مَحْقُوْنِ الدَّمِ عَلَى التَّابِيْدِ إِذَا قَتَلَ عَمَدًا (۱٦) وَيُقْتَلُ الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْحُرُّ بِالْعَبْدِ وَالْعَبْدُ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ (۱۷) وَالْمُسْلِمُ بِالذِّمِّيِّ (۱۸) وَلَا يُقْتَلُ الْمُسْلِمُ بِالْمُسْتَأْمِنِ (۱۹) وَيُقْتَلُ الرَّجُلُ بِالْمَرْأَةِ وَالْكَبِيْرُ بِالصَّغِيْرِ (۲۰) وَالصَّحِيْحُ بِالْأَعْمٰى وَالزَّمِنِ۔

ترجمہ:۔ اور قصاص ہر دائمی محفوظ الدم کو قتل کرنے سے واجب ہوتا ہے جب وہ قصداً قتل کردے اور قتل کیا جائیگا آزاد کو آزاد کے بدلے میں اور آزاد کو غلام کے بدلے میں اور غلام کو آزاد کے بدلے میں اور غلام کو غلام کے بدلے میں اور مسلمان کو ذمی کے بدلے میں اور مسلمان کو مستامن کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائیگا اور مرد کو عورت کے بدلے میں قتل کیا جائیگا اور بڑے کو چھوٹے کے بدلے میں قتل

جائیگا اور تندرست کو اندھے اور اپاہج کے بدلے میں۔

تشریح:۔(۱۵) قتل عمد میں قصاص اس وقت واجب ہوتا ہے جب مقتول ایسا شخص ہو جس کا خون ہمیشہ کیلئے محفوظ ہو جیسے مسلمان اور ذمی۔ بخلاف حربی کافر اور مستامن کے کیونکہ حربی تو غیر محقون الدم ہے اور مستامن اگرچہ دارالاسلام میں محقون الدم ہے مگر یہ علی التابید نہیں بلکہ جب وہ واپس دارالحرب چلا جائے تو وہ مباح الدم ہو جائیگا۔

(۱۶) آزاد شخص کو آزاد کے بدلے میں بھی قتل کیا جائیگا اور غلام کے بدلے میں بھی قتل کیا جائیگا اور غلام کو بھی آزاد اور غلام میں سے ہر ایک کے بدلے میں قتل کیا جائیگا کیونکہ قول باری تعالیٰ ﴿اِنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ﴾ (یعنی نفس بمقابلہ نفس کے قصاص کیا جائے) مطلق ہے۔ نیز قصاص میں مساوات ضروری ہے اور مذکورہ اشخاص میں معصوم الدم ہونے کے اعتبار سے مساوات موجود ہے۔

(۱۷) مسلمان کو ذمی کافر کے بدلے قتل کیا جائیگا کیونکہ حضور ﷺ نے مسلمان کو ذمی کے بدلے قتل کیا تھا۔ نیز ذمی چونکہ علی التابید محفوظ الدم ہونے کی وجہ سے مسلمان کے ساتھ مساوی ہے اسلئے ذمی کے بدلے مسلمان کو قتل کیا جائیگا۔ (۱۸) البتہ مسلمان مستامن کے بدلے قتل نہیں کیا جائیگا کیونکہ مستامن علی التابید محفوظ الدم نہ ہونے کی وجہ سے مسلمان کا مساوی نہیں۔

(۱۹) مرد کو عورت کے بدلے میں قتل کیا جائیگا اور بڑے کو چھوٹے کے بدلے میں۔ (۲۰) اور تندرست کو اندھے، اپاہج کے بدلے میں قتل کیا جائیگا کیونکہ نصوص میں تعمیم ہے۔ نیز قصاص کیلئے اگر ہر طرح کی مماثلت کا اعتبار کیا جائے تو قصاص کا دروازہ ہی بند ہو جائیگا۔

(۲۱) وَلَا يُقْتَلُ الرَّجُلُ بِابْنِهِ وَلَا بِعَبْدِهِ وَلَا بِمُدَبَّرِهِ وَلَا بِمُكَاتَبِهِ وَلَا بِعَبْدِ وَلَدِهِ۔

ترجمہ:۔ اور کسی کو اپنے بیٹے کے بدلے قتل نہیں کیا جائیگا اور نہ اپنے غلام کے بدلے اور نہ اپنے مدبر کے بدلے اور نہ اپنے مکاتب کے بدلے اور نہ اپنے بیٹے کے غلام کے بدلے (قتل کیا جائیگا)۔

تشریح:۔(۲۱) باپ کو بیٹے کے بدلے قتل نہیں کیا جائیگا کیونکہ باپ بیٹے کی زندگی کا سبب ہے تو بیٹے کو یہ استحقاق نہیں ہوسکتا کہ وہ باپ کو فنا کر دے یہی حکم دادا، دادی، نانا، نانی وان علا کا بھی ہے لما بینا۔ اگر مولیٰ نے اپنے غلام یا مدبر یا مکاتب کو قتل کیا تو ان کے بدلے مولیٰ کو قتل نہیں کیا جائیگا کیونکہ اس صورت میں قصاص کا عارث مولیٰ ہے تو اپنے لئے خود ہی پر قصاص کا واجب کرنا لازم آئیگا جو کہ باطل ہے۔ اسی طرح اگر کسی نے اپنے بیٹے کے غلام کو قتل کیا تو بھی قاتل کو قتل نہیں کیا جائیگا کیونکہ بیٹا بھی باپ پر قصاص کا مستحق نہیں ہوسکتا۔

(۲۲) وَمَنْ وَرِثَ قِصَاصًا عَلَى اَبِيْهِ سَقَطَ (۲۳) وَلَا يُسْتَوْفَى الْقِصَاصُ اِلَّا بِالسَّيْفِ۔

ترجمہ:۔ اور اگر کوئی اپنے باپ پر قصاص کا وارث ہو جائے تو ساقط ہو جائیگا اور قصاص نہیں لیا جائیگا مگر تلوار سے۔

تشریح:۔(۲۲) اگر کوئی اپنے باپ پر قصاص کا وارث ہو جائے تو قصاص ساقط ہو جائیگا کیونکہ فرع اپنے اصل پر قصاص کو واجب نہیں کرسکتا۔ اسکی صورت یہ ہے کہ کسی نے اپنے خسر کو قتل کیا قاتل کی زوجہ کے سوا مقتول کا کوئی وارث نہیں پھر یہ عورت بھی مرگئی تو اس عورت کا بیٹا (جو قاتل کی نطفہ سے ہے) اس قصاص کا وارث ہوا جو اسکے باپ پر واجب ہے تو یہ قصاص ساقط ہو جائیگا۔ (۲۳) قصاص تلوار ہی سے

لیا جائیگا کسی اور شئی سے نہیں "لقوله صلى الله عليه وسلم لاقَوَدَاِلّابِالسَّيْفِ " (یعنی قصاص نہیں مگر تلوار سے)۔ مگر تلوار سے مراد ہتھیار ہے پھر خواہ تلوار ہو یا بندوق وغیرہ۔

(۲۴) وَاِذَا قُتِلَ المكَاتَبُ عَمَدًا وَلَيْسَ لَهُ وَارِثٌ اِلّا الْمَوْلٰى فَلَهُ القِصَاصُ اِنْ لَمْ يَتْرُكْ وَفَاءً (۲۵) وَاِنْ تَرَكَ وَفَاءً وَوَارِثُهُ غَيْرُ الْمَوْلٰى فَلاقِصَاصَ لَهُمْ وَاِنْ اِجْتَمِعُوْا مَعَ الْمَوْلٰى۔

ترجمہ:۔ اور اگر مکاتب عمداً قتل کر دیا گیا اور اس کے لئے مولیٰ کے سوا کوئی اور وارث نہ ہو تو مولیٰ کو قصاص لینے کا حق حاصل ہے اگر مکاتب نے مال نہیں چھوڑا ہو اور اگر مال چھوڑا ہو اور اس کا وارث مولیٰ کے علاوہ کوئی اور ہو تو ان کو حق قصاص نہیں اگر چہ وہ مولیٰ کے ساتھ جمع ہو جائیں۔

تشریح:۔ (۲۴) اگر کسی نے مکاتب کو عمداً قتل کیا اور اس نے اتنا مال چھوڑا کہ اس سے بدل کتابت ادا ہو جاتا ہو اور مولیٰ کے سوا کوئی اسکا وارث نہ ہو تو شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک مولیٰ کو قصاص لینے کا حق ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک مولیٰ کو قصاص لینے کا حق نہیں کیونکہ قصاص لینے کے سبب میں اشتباہ ہے اسلئے کہ اگر مانیں کہ وہ آزادی کی حالت میں مرا ہے تو قصاص لینے کا سبب ولاء ہے۔ اور اگر یہ مانیں کہ غلامی کی حالت میں مرا ہے تو قصاص لینے کا سبب ملک ہے لہذا مولیٰ کو قصاص لینے کا حق نہیں۔ شیخین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں قصاص لینے کا حق مولیٰ کو حاصل ہے کیونکہ مولیٰ معلوم ہے اور حکم (یعنی قصاص وصول کرنا) بھی متحد ہے سبب اگر چہ مشتبہ ہے مگر یہ حکم کیلئے معتبر نہیں۔

(۲۵) اگر کسی نے مکاتب کو عمداً قتل کیا اور اس نے بقدر بدل کتابت مال چھوڑا اور مولیٰ کے علاوہ مقتول کے اور بھی وارث ہوں تو اس صورت میں ورثاء کو قصاص لینے کا حق حاصل نہیں اگر چہ ورثہ مولیٰ کے ساتھ جمع ہو جائیں کیونکہ اس صورت میں مستحق قصاص میں اشتباہ ہے اسلئے کہ اگر آزاد ہو کر مرا ہے تو مستحق قصاص ورثاء ہیں اور اگر غلام ہو کر مرا ہے تو مستحق قصاص مولیٰ ہے۔

(۲۶) وَاِذَا قُتِلَ عَبْدُ الرَّهْنِ لايَجِبُ القِصَاصُ حَتّٰى يَجْتَمِعَ الرَّاهِنُ وَالْمُرْتَهِنُ (۲۷) وَمَنْ جَرَحَ رَجُلًاعَمَدًا فَلَمْ يَزَلْ صَاحِبُ فِرَاشٍ حَتّٰى مَاتَ فَعَلَيْهِ الْقِصَاصُ۔

ترجمہ:۔ اور اگر مرہون غلام قتل کر دیا گیا تو قصاص واجب نہیں یہاں تک کہ راہن اور مرتہن جمع ہو جائیں اور جس نے عمداً کسی شخص کو زخمی کر دیا اور مجروح برابر صاحب فراش رہا یہاں تک کہ مر گیا تو اس پر قصاص واجب ہوگا۔

تشریح:۔ (۲۶) اگر مرہون غلام کو کسی نے قتل کر دیا تو تنہا راھن کو یا تنہا مرتہن کو قصاص لینے کا حق نہ ہوگا بلکہ دونوں کا جمع ہونا شرط ہے مرتہن تو اسلئے تنہا قصاص لینے کا حقدار نہیں کہ مرتہن غلام مرہون کا مالک نہیں۔ اور راہن تنہا اس لئے حقدار نہیں کہ اگر راہن قصاص کا متولی ہو جائے تو اس مرتہن کا حق فی الدین باطل ہو جائیگا۔

(۲۷) اگر کسی نے عمداً کسی شخص کو زخمی کر دیا اور مجروح برابر صاحب فراش رہا یہاں تک کہ مر گیا تو جارح پر قصاص واجب ہوگا

کیونکہ سبب موت (زخم) پایا گیا اور بظاہر کوئی ایسی چیز نہ پائی گئی جو حکم سبب کو باطل کردے لہذا حکم کی اضافت سبب کی جانب ہوگی۔

(۲۸)وَمَنْ قَطَعَ يَدَ غَيْرِهِ عَمَدًا مِنَ الْمَفْصَلِ قُطِعَتْ يَدُهُ (۲۹)وَكَذَالِكَ الرِّجْلُ وَمَارِنُ الْأَنْفِ وَالْأُذُنِ (۳۰)وَمَنْ ضَرَبَ عَيْنَ رَجُلٍ فَقَلَعَهَا فَلَا قِصَاصَ عَلَيْهِ (۳۱)فَإِنْ كَانَتْ قَائِمَةً وَذَهَبَ ضَوْءُ هَا فَعَلَيْهِ الْقِصَاصُ تُحمٰى لَهُ الْمِرْآةُ وَيُجْعَلُ عَلٰى وَجْهِهِ قُطْنٌ رَطْبٌ وَتُقَابَلُ عَيْنُهُ بِالْمِرْآةِ حَتّٰى يَذْهَبَ ضَوْءُ هَا (۳۲)وَفِي السِّنِّ الْقِصَاصُ۔

ترجمہ:۔اور جس نے کسی کا ہاتھ قصداً پہنچے سے کاٹا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائیگا اسی طرح پاؤں اور ناک کا نرم حصہ اور کان کا حکم ہے اور جس نے دوسرے کی آنکھ پر مارا اور اسکو باہر نکال دیا تو اس پر قصاص نہ ہوگا اور اگر آنکھ اپنی جگہ قائم ہے صرف اسکی روشنی چلی گئی تو اس پر قصاص ہوگا اس کے لئے شیشہ گرم کیا جائیگا اور اس کے چہرے پر تر روئی رکھ دیا جائیگا اور اس کی آنکھ کے مقابلے میں شیشہ کیا جائیگا یہاں تک کہ اس کی روشنی چلی جائے اور دانت میں قصاص ہے۔

تشریح:۔(۲۸)اگر کسی نے عمداً دوسرے کا ہاتھ جوڑ سے کاٹ دیا تو کاٹنے والے کا ہاتھ کاٹا جائیگا لقولہ تعالیٰ ﴿وَالْجُرُوْحُ قِصَاصٌ﴾ (زخموں کا بدلہ ان کے برابر ہے) قصاص چونکہ مماثلت کی خبر دیتا ہے لہذا اصول یہ ہے کہ جنایت فیمادون النفس کی ہر وہ صورت جس میں مماثلت ہوسکتی ہو اس میں قصاص ہوگا جیسے مذکورہ صورت میں۔اور جس صورت میں مماثلت متعذر ہو تو قصاص نہ ہوگا جیسے کلائی کے نصف سے ہاتھ کاٹا ہو تو مماثلت کی رعایت ممکن نہیں لہذا قصاص نہ ہوگا۔(۲۹) یہی حکم پیر (ٹخنہ یا گھٹنے سے) کاٹنے اور ناک کے نرم حصہ اور کان کاٹنے کی صورت میں بھی ہے کیونکہ مماثلت کی رعایت ممکن ہے۔

(۳۰)اگر کسی نے دوسرے کی آنکھ پر مارا اور اسکو باہر نکال دیا تو اس پر قصاص نہ ہوگا کیونکہ آنکھ نکالنے میں مماثلت ممکن نہیں۔(۳۱)اور اگر آنکھ اپنی جگہ قائم ہے صرف اسکی روشنی چلی گئی تو مماثلت ممکن ہونے کی وجہ سے قصاص ہوگا۔اور قصاص لینے کی صورت یہ ہوگی کہ ضارب کی منہ اور دوسری آنکھ پر بھیگی روئی رکھا جائے اور جس آنکھ کی روشنی ختم کرنی ہو اسکے مقابل گرم آئینہ رکھا جائے تو اسکی روشنی ختم ہو جائے گی یہی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول ہے۔(۳۲)اگر کسی نے دوسرے کا دانت توڑ دیا تو اس میں قصاص ہوگا لقولہ تعالیٰ ﴿وَالسِّنُّ بِالسِّنِّ﴾ (دانت کے بدلے میں دانت ہے)۔

(۳۳)وَفِي كُلِّ شَجَّةٍ يُمْكِنُ فِيهَا الْمُمَاثَلَةُ الْقِصَاصُ (۳۴)وَلَا قِصَاصَ فِي عَظْمٍ إِلَّا فِي السِّنِّ۔

ترجمہ:۔اور ہر ایسے زخم میں جس میں مماثلت ممکن ہو قصاص ہے اور ہڈی میں قصاص نہیں مگر دانت میں ہے۔

تشریح:۔(۳۳)اصول یہ ہے کہ ہر ایسا زخم جس میں مماثلت ممکن ہو اس میں قصاص ہوگا لقولہ تعالیٰ ﴿وَالْجُرُوْحُ قِصَاصٌ﴾ (زخموں کا بدلہ ان کے برابر ہے)۔(۳۴)پس اگر کسی نے دوسرے کا کوئی ہڈی توڑ دیا تو چونکہ قصاص لینے میں کمی بیشی کے احتمال کی وجہ سے مماثلت متعذر ہے لہذا قصاص واجب نہیں ہوگا ہاں دانت توڑنے کی صورت میں قصاص ہے لِمَامَرَّ۔

☆ ☆ ☆

(۳۵) لَيسَ فِيمَا دُونَ النَّفسِ شِبهُ عَمَدٍ وَانَّمَا هو عَمَدٌ اَوْ خطأً۔

ترجمہ: ۔اور فیما دون النفس میں شبہ عمد نہیں اور وہ عمد ہے یا خطاء ہے۔

تشریح: ۔(۳۵) جنایت فیما دون النفس (یعنی قتل کے علاوہ جنایتوں) میں شبہ عمد نہیں شبہ عمد صرف قتل میں ہے کیونکہ شبہ عمد آلہ کی طرف لوٹتا ہے اور قتل ہی آلہ کے خلاف سے مختلف ہوتا ہے (کہ اگر آلہ قتل سے مارا تو قتل عمد ہے ورنہ شبہ عمد ہے) جبکہ دیگر جنایتیں آلہ کے اختلاف سے مختلف نہیں ہوتیں لہذا فیما دون النفس میں شبہ عمد نہیں اس میں عمد ہے یا خطاء ہے اور بس۔

(۳۶) وَلاَ قِصَاصَ بَيْنَ الرَّجُلِ وَالْمَرْاَةِ فِيمَا دُوْنَ النَّفسِ (۳۷) وَلا بَيْنَ الْحُرِّ وَالْعَبدِ وَلا بَيْنَ الْعَبْدَيْنِ (۳۸) وَيَجِبُ الْقِصَاصُ فِي الْاَطْرَافِ بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْكَافِرِ۔

ترجمہ: ۔اور قصاص نہیں مرد اور عورت کے درمیان جنایت فیما دون النفس میں اور نہ آزاد اور غلام کے درمیان اور نہ دو غلاموں کے درمیان اور اطراف میں قصاص واجب ہے مسلمان اور کافر کے درمیان۔

تشریح: ۔(۳۶) جنایت فیما دون النفس کی صورت میں مرد اور عورت کے درمیان قصاص نہیں (لہذا اگر مرد نے عورت کا ہاتھ کاٹا یا عورت نے مرد کا ہاتھ کاٹا تو قصاص نہ ہوگا)۔(۳۷) اسی طرح آزاد اور غلام اور دو غلاموں کے درمیان بھی فیما دون النفس میں قصاص نہیں ہوگا کیونکہ اطراف انسان اموال کے درجہ میں رکھے گئے ہیں لہذا اطراف میں تفاوت فی القیمۃ کی وجہ سے مماثلت معدوم ہے اسلئے قصاص واجب نہیں ہوگا۔

(۳۸) مسلمان اور کافر (مراد ذمی ہے) کے درمیان اطراف (اعضاء) میں قصاص واجب ہے کیونکہ مسلمان و کافر دونوں کی اطراف کی قیمت شریعت نے ایک رکھی ہے لہذا مساوات و مماثلت کی وجہ سے قصاص واجب ہوگا۔

(۳۹) وَمَنْ قَطَعَ يَدَ رَجُلٍ مِنْ نِصْفِ السَّاعِدِ اَوْ جَرَحَهُ جَائِفَةً فَبَرَأَمِنْهَا فلا قِصَاصَ عَلَيْهِ (۴۰) وَاِذَا كَانَتْ يَدُ الْمَقْطُوْعِ صَحِيْحَةً وَيَدُ الْقَاطِعِ شَلَّاءَ اَوْ نَاقِصَةَ الْاَصَابِعِ فَالْمَقْطُوْعُ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ قَطَعَ الْيَدَ الْمَعِيْبَةَ ولا شَيْئَ لَه غَيْرُهَا وَاِنْ شَاءَ اَخَذَ الْاَرْشَ۔

ترجمہ: ۔اور جس نے دوسرے کا ہاتھ نصف کلائی سے کاٹا یا دوسرے کو جائفہ زخم لگایا پھر وہ اس زخم سے تندرست ہوگیا تو جارح پر قصاص نہ ہوگا اور اگر مقطوع کا صحیح سالم ہاتھ کاٹا اور کاٹنے والے کا ہاتھ شل یا اسکی انگلیاں کم ہیں تو مقطوع کو اختیار ہے چاہے تو اس کا معیوب ہاتھ کاٹ دے اور اس کیلئے اسکے علاوہ کچھ نہیں اور چاہے تو ہاتھ کی پوری دیت لے لے۔

تشریح: ۔(۳۹) اگر کسی نے دوسرے کا ہاتھ نصف کلائی سے کاٹا یا دوسرے کو جائفہ زخم (جو زخم اندر تک سرایت کرے) لگایا پھر وہ اس زخم سے تندرست ہوگیا تو ان دو صورتوں میں جنایت کرنے والے پر قصاص نہ ہوگا کیونکہ مماثلت کی رعایت ممکن نہیں اسلئے کہ کلائی ہڈی ہے جس میں مماثلت متعذر ہے کما مر۔اور جائفہ زخم سے عموماً آدمی تندرست نہیں ہوتا تو قصاص لینے کی صورت میں غالب گمان

جنایت کرنے والے کے تندرست نہ ہونے کی ہے جبکہ اول تو تندرست ہو گیا لہذا مماثلت کی رعایت ممکن نہیں۔

(۴۰) اگر کسی نے دوسرے کا صحیح سالم ہاتھ کاٹا اور کاٹنے والے کا ہاتھ شل یا اسکی انگلیاں کم ہیں تو جس کا ہاتھ کاٹا گیا ہے اسے اختیار ہے چاہے تو جانی کا معیوب ہاتھ کاٹ دے اور اس صورت میں اس کیلئے اسکے علاوہ کچھ نہیں اور چاہے تو ہاتھ کی پوری دیت لے لے وجہ یہ ہے کہ کامل حق تو وصول کرنا معتذر ہے اور اپنے حق سے کم پر راضی ہونا اور چشم پوشی کرنا اس کیلئے جائز ہے۔

(۴۱) وَمَنْ شَجَّ رَجُلًا فَاسْتَوْعَبَتِ الشَّجَّةُ مَابَيْنَ قَرْنَيْهِ وَهِيَ لَاتَسْتَوْعِبُ مَابَيْنَ قَرْنَيِ الشَّاجِّ فَالْمَشْجُوْجُ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اِقْتَصَّ بِمِقْدَارِ شَجَّتِهٖ يَبْتَدِئُ مِنْ اَيِّ الْجَانِبَيْنِ شَاءَ وَاِنْ شَاءَ اَخَذَ الْاَرْشَ كَامِلًا۔

ترجمہ:۔ اور جس نے دوسرے شخص کا سر پھوڑ دیا اور زخم نے اسکے سر کے دونوں جانب کو گھیر لیا اور حال یہ کہ یہ زخم شاج کے سر کے دونوں جانبوں کو نہیں گھیرتا تو مشجوج کو اختیار ہے چاہے تو اپنے زخم کے بمقدار قصاص لے لے اور شروع کر دے جس جانب سے چاہے اور اگر چاہے تو کامل دیت لے لے۔

تشریح:۔ (۴۱) اگر کسی نے دوسرے شخص کا سر پھوڑ دیا اور زخم نے اسکے سر کے دونوں جانب (یعنی دائیں اور بائیں) کو گھیر لیا اور حال یہ ہے کہ شاج یعنی سر پھوڑنے والے کا سر مشجوج (جس کو زخمی کر دیا ہے) کے سر سے بڑا ہے یہ زخم اسکے سر کے دونوں جانبوں کو نہیں گھیرتا تو مشجوج کو اختیار ہے چاہے تو اپنے زخم کے بمقدار قصاص لے لے۔ اور یہ بھی اختیار ہے کہ جس جانب سے چاہے شروع کر دے۔ اور اگر چاہے تو کامل دیت لے لے وجہ یہ ہے کہ شاج کے سر کے دونوں جانب پھوڑنے میں شاج کی جنایت پر زیادتی ہے جو کہ جائز نہیں اور مشجوج کے زخم کے بمقدار پھوڑنے میں اتنا عیب لاحق نہیں ہوتا جتنا کہ مشجوج کو لاحق ہوا ہے تو اس طرح مشجوج کا حق ناقص رہیگا لہذا مشجوج کو اختیار دیا ہے۔

(۴۲) وَلَاقِصَاصَ فِي اللِّسَانِ (۴۳) وَلَافِي الذَّكَرِ اِلَّا اَنْ يَقْطَعَ الْحَشَفَةَ۔

ترجمہ:۔ اور نہ زبان میں قصاص ہے اور نہ ذکر میں الا یہ کہ صرف حشفہ کاٹ دے۔

تشریح:۔ (۴۲) اگر کسی نے دوسرے کی زبان کاٹ دی۔ یا ذکر کاٹ دیا تو قصاص واجب نہ ہوگا۔ امام یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اگر زبان یا ذکر کو جڑ سے کاٹ دیا تو قصاص واجب ہوگا ورنہ نہیں کیونکہ جڑ سے کاٹ دینے کی صورت میں مماثلت ممکن ہے یوں کہ دوسرے کا بھی جڑ سے کاٹ دیا جائے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ زبان اور ذکر کبھی منقبض ہو جاتے ہیں اور کبھی کشادہ ہو جاتے ہیں لہذا مساوات کا اعتبار ممکن نہیں۔

(۴۳) البتہ اگر کسی نے دوسرے کا حشفہ (عضو تناسل کی سپاری) کاٹ دیا تو قصاص لیا جائیگا کیونکہ موضع قطع معلوم ہے تو ہاتھ کو جوڑ سے کاٹنے کی طرح اس میں بھی مماثلت ممکن ہے اسلئے قصاص واجب ہوگا۔

☆ ☆ ☆

(۴۴)وَإِذَا اصْطَلَحَ الْقَاتِلُ وَأَوْلِيَاءُ الْمَقْتُولِ عَلَى مَالٍ سَقَطَ الْقِصَاصُ وَوَجَبَ الْمَالُ قَلِيْلًا كَانَ أَوْ كَثِيْرًا (۴۵)فَإِنْ أَعْفَى أَحَدُ الشُّرَكَاءِ مِنَ الدَّمِ أَوْ صَالَحَ مِنْ نَصِيْبِهِ عَلَى عِوَضٍ سَقَطَ حَقُّ الْبَاقِيْنَ مِنَ الْقِصَاصِ وَكَانَ لَهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِنَ الدِّيَةِ۔

ترجمہ:۔ اور اگر قاتل اور مقتول کے اولیاء نے کسی مال معلوم پر صلح کر لی تو قصاص ساقط ہو جائیگا اور مال واجب ہوگا خواہ مال قلیل ہو یا کثیر اور اگر شرکاء میں سے ایک نے قصاص معاف کر دیا یا اپنے حصہ کے بدلے کسی عوض پر مصالحت کر لی تو باقی ورثہ کا حق قصاص ساقط ہو جائیگا اور دیت میں سے ان کیلئے ان کا حصہ ہوگا۔

تشریح:۔ (۴۴) اگر قاتل اور مقتول کے اولیاء نے کسی مال معلوم پر صلح کر لی کہ قاتل اتنا مال دیگا اور مقتول کے اولیاء حق قصاص سے دستبردار ہو نگے۔ تو یہ درست ہے قاتل سے قصاص ساقط ہو جائیگا اور مصالح علیہ مال اس پر واجب ہوگا خواہ مال قلیل پر صلح کی ہو یا کثیر پر ۔وجہ یہ ہے کہ قصاص ورثہ کا ایسا حق ہے جس کو معاف کر کے ساقط کرنا جائز ہے تو عوض لے کر کے ساقط کرنا بھی جائز ہوگا۔

(۴۵) اگر مقتول کے ورثہ میں سے ایک نے اپنا حق قصاص معاف کر دیا۔ یا اپنے حصہ کے بدلے کسی عوض پر مصالحت کر لی تو باقی ورثہ کا حق قصاص بھی ساقط ہو جائیگا۔ ہاں دیت میں سے ان کیلئے ان کا حصہ ہوگا وجہ یہ ہے کہ قصاص متجزی نہیں لہذا جب بعض ساقط ہوا تو کل ساقط ہوگا۔

(۴۶)وَإِذَا قَتَلَ جَمَاعَةٌ وَاحِدًا عَمَدًا أُقْتُصَّ مِنْ جَمِيْعِهِمْ (۴۷)وَإِذَا قَتَلَ وَاحِدٌ جَمَاعَةً فَحَضَرَ أَوْلِيَاءُ الْمَقْتُوْلِيْنَ قُتِلَ لِجَمَاعَتِهِمْ وَلَا شَيْءَ لَهُمْ غَيْرَ ذَالِكَ (۴۸) فَإِنْ حَضَرَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ قُتِلَ لَهُ وَسَقَطَ حَقُّ الْبَاقِيْنَ۔

ترجمہ:۔ اور اگر ایک جماعت نے کسی شخص کو عمداً قتل کر دیا تو ان تمام سے قصاص لیا جائیگا اور اگر ایک شخص نے ایک جماعت کو قتل کر دیا اور مقتولین کے اولیاء قصاص لینے کے لئے حاضر ہو گئے تو قاتل کو ان سب کی طرف سے قتل کیا جائیگا اس کے علاوہ ان کیلئے کچھ نہیں ہوگا اور اگر اولیاء مقتولین میں سے کوئی ایک حاضر ہوا تو قاتل کو اس کے لئے قتل کر دیا جائیگا اور باقیوں کا حق ساقط ہو جائیگا۔

تشریح:۔ (۴۶) اگر ایک جماعت نے کسی شخص کو عمداً قتل کر دیا تو ان تمام سے قصاص لیا جائیگا کیونکہ صنعاء کے سات آدمی ایک شخص کے قتل میں شریک ہوئے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے سب کو قتل کر دیا تھا اور فرمایا کہ اگر تمام اہل صنعاء بھی ملکر اس کام کو کرتے تو میں ان سب کو قتل کر دیتا۔

(۴۷) اگر ایک شخص نے ایک جماعت کو قتل کر دیا اور مقتولین کے اولیاء قصاص لینے کے لئے حاضر ہو گئے تو قاتل کو ان سب کی طرف سے قتل کیا جائیگا اس کے علاوہ اولیاءِ مقتولین کیلئے کچھ نہیں ہوگا کیونکہ وہ سب اسکے قتل پر جمع ہو گئے اور خروج روح میں تجزی نہیں لہذا سمجھا جائیگا کہ ہر ایک نے اپنا پورا حق قصاص علی سبیل الکمال حاصل کر لیا۔

(۴۸) اگر اولیاءِ مقتولین میں سے کوئی ایک حاضر ہوا تو بھی اس کیلئے قاتل کو قتل کر دیا جائیگا اور باقیوں کا حق ساقط ہو جائیگا

کیونکہ ان کا حق قصاص میں ہے اور وہ فوت ہو گیا پس یہ ایسا ہے جیسا کہ قاتل حصول قصاص سے پہلے مر جائے۔

(۴۹) وَمَنْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْقِصَاصُ فَمَاتَ سَقَطَ عَنْهُ الْقِصَاصُ۔

ترجمہ:۔ اور جس پر قصاص واجب ہوا پس وہ اپنی موت مر گیا تو اس سے قصاص ساقط ہو جائیگا۔

تشریح:۔ (۴۹) اگر کسی پر قصاص واجب ہوا پھر وہ اپنی موت مر گیا تو اس سے قصاص ساقط ہو جائیگا کیونکہ جس محل سے قصاص وصول کرنا تھا وہ محل ہی ختم ہو گیا۔

(۵۰) وَإِذَا قَطَعَ رَجُلَانِ يَدَ رَجُلٍ وَاحِدٍ فَلَا قِصَاصَ عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا وَعَلَيْهِمَا نِصْفُ الدِّيَةِ۔

ترجمہ:۔ اور اگر دو آدمیوں نے ایک شخص کا ہاتھ کاٹ دیا تو ان دونوں میں سے کسی پر قصاص نہیں اور ان دونوں پر نصف دیت واجب ہوگی۔

تشریح:۔ (۵۰) اگر دو آدمیوں نے مل کر ایک شخص کا ہاتھ کاٹ دیا تو ان دونوں میں سے کسی پر قصاص نہیں کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک نے بعض ہاتھ کاٹا ہے اسلئے کہ انقطاع ان دونوں کے دباؤ سے حاصل ہوا ہے اور محل یعنی ہاتھ متجزی بھی ہے لہٰذا ان دونوں میں سے ہر ایک کی جانب بعض ید کے کاٹنے کی اضافت کی جائے گی تو اگر ان میں سے ہر ایک کا پورا ہاتھ کاٹ دے تو جنایت اور قصاص میں مماثلت نہیں رہے گی۔ اور ان دونوں پر نصف دیت واجب ہوگی کیونکہ ایک ہاتھ کی دیت پورے نفس کی دیت کا نصف ہے اور ان دونوں نے ایک ہاتھ کاٹا ہے لہٰذا ان دونوں میں سے ہر ایک پر نصف دیت کا آدھا واجب ہوگا۔

(۵۱) وَإِنْ قَطَعَ وَاحِدٌ يَمِينَيْ رَجُلَيْنِ فَحَضَرَا فَلَهُمَا أَنْ يَقْطَعَا يَدَهُ وَيَأْخُذَا مِنْهُ نِصْفَ الدِّيَةِ يَقْتَسِمَانِهَا نِصْفَيْنِ
(۵۲) فَإِنْ حَضَرَ وَاحِدٌ مِنْهُمَا فَقَطَعَ يَدَهُ فَلِلْآخَرِ عَلَيْهِ نِصْفُ الدِّيَةِ۔

ترجمہ:۔ اور اگر ایک شخص نے دو آدمیوں کے دائیں ہاتھ کاٹے پھر وہ دونوں قصاص لینے کیلئے حاضر ہو گئے تو ان دونوں کو حق ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹیں اور اس سے نصف دیت لے کر دونوں آپس میں آدھی آدھی تقسیم کر لیں اور اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک قصاص لینے کیلئے حاضر ہوا اور اس نے مجرم کا ہاتھ کاٹ دیا تو دوسرے کیلئے اس پر صرف نصف دیت ہوگی۔

تشریح:۔ (۵۱) اگر ایک شخص نے دو آدمیوں کے دائیں ہاتھ کاٹے پھر وہ دونوں قصاص لینے کیلئے حاضر ہو گئے تو ان دونوں کو حق ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹیں اور اس سے نصف دیت لے لیں اور اس دیت کو وہ دونوں آپس میں آدھی آدھی تقسیم کر لیں وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں استحقاق کے سبب میں برابر ہیں تو دونوں اس کے حکم میں بھی برابر ہونگے۔

(۵۲) اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک قصاص لینے کیلئے حاضر ہوا اور اس نے مجرم کا ہاتھ کاٹ بھی دیا تو دوسرے کیلئے مجرم پر اب صرف نصف دیت ہوگی وجہ یہ ہے کہ حاضر کیلئے ثبوت حق کی وجہ سے اپنا حق وصول کرنا جائز ہے اور جب اس نے اپنا حق وصول کر لیا (یعنی مجرم کا ہاتھ کاٹ دیا) تو دوسرے کیلئے محل استیفاء حق باقی نہ رہنے کی وجہ سے اسکا حق دیت کے اندر متعین ہو گیا کیونکہ اس کا حق معافی یا وصول عوض کے بغیر ساقط نہیں ہوتا۔

(۵۳)وَاِذَا اَقَرَّ الْعَبْدُ بِقَتْلِ الْعَمَدِ لَزِمَهُ الْقَوَدُ (۵۴)وَمَنْ رَمٰى رَجُلًا عَمَداً فَنَفَذَ السَّهْمُ مِنْهُ اِلٰى آخَرَ فَمَاتَا فَعَلَيْهِ الْقِصَاصُ لِلْاَوَّلِ وَالدِّيَةُ لِلثَّانِي عَلٰى عَاقِلَتِهٖ۔

ترجمہ:۔ اور اگر غلام نے کسی کو عمداً قتل کرنے کا اقرار کیا تو غلام پر قصاص لازم ہوگا اور جس نے کسی شخص کو عمداً تیر مارا اور وہ اسکے بدن سے پار ہو کر دوسرے شخص کو بھی لگا اور دونوں مر گئے تو قتل اول کی وجہ سے اس پر قصاص واجب ہوگا اور ثانی کے لئے دیت ہے قاتل کے عاقلہ پر۔

تشریح:۔ (۵۳) اگر غلام نے کسی کو عمداً قتل کرنے کا اقرار کیا تو غلام پر قصاص لازم ہوگا کیونکہ غلام سے قصاص لینے میں غلام پر کوئی تہمت نہیں (اسلئے کہ مولیٰ سے زیادہ غلام کا نقصان ہے)۔البتہ اگر غلام نے اپنے اوپر کسی کے مال کا اقرار کیا تو بوجہ تہمت یہ اقرار صحیح نہیں۔

(۵۴) اگر کسی نے کسی شخص کو عمداً گولی یا تیر مارا اور وہ اسکے بدن سے پار ہو کر دوسرے شخص کو بھی لگا اور اس سے دونوں مر گئے تو قتل اول چونکہ قتل عمد ہے لہذا اسکی وجہ سے اس پر قصاص واجب ہوگا اور قتل ثانی چونکہ قتل خطاء ہے لہذا اس کی وجہ سے قاتل کے عاقلہ (برادری) پر دیت واجب ہوگی۔

کتاب الدیات

یہ کتاب دیات کے بیان میں ہے۔

"دیـات" جمع ہے "دیۃ" کی۔شرعاً اس مال کو کہتے ہیں جو بدلِ نفس ہو۔اور ارش اس مال کو کہتے ہیں جو نفس سے کم جنایت میں واجب ہو۔کتاب الدیات کی مناسبت جنایات کے ساتھ ظاہر ہے کہ جنایت دیت کا موجب ہے۔

(۱)وَاِذَا قَتَلَ رَجُلٌ رَجُلاً شِبْهَ عَمَدٍ فَعَلٰى عَاقِلَتِهٖ دِيَةٌ مُغَلَّظَةٌ وَعَلَيْهِ كَفَّارَةٌ (۲)وَدِيَةُ شِبْهِ الْعَمَدِ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَاَبِي يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ مِائَةٌ مِنَ الْاِبِلِ اَرْبَاعًا خَمْسٌ وَّعِشْرُوْنَ بِنْتَ مَخَاضٍ وَخَمْسٌ وَعِشْرُوْنَ بِنْتَ لَبُوْنٍ وَخَمْسٌ وَعِشْرُوْنَ حِقَّةً وَخَمْسٌ وَعِشْرُوْنَ جِذْعَةً (۳)وَلَا يَثْبُتُ التَّغْلِيْظُ اِلَّا فِي الْاِبِلِ خَاصَّةً فَاِنْ قُضِيَ بِالدِّيَةِ مِنْ غَيْرِ الْاِبِلِ لَمْ تَتَغَلَّظْ۔

ترجمہ:۔ اور اگر کسی نے دوسرے کو شبہ عمد کے طور پر قتل کر دیا تو قاتل کے عاقلہ پر دیت مغلظہ ہوگی اور قاتل پر کفارہ ہے اور شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک شبہ عمد کی دیت سو اونٹ ہیں جو چار طرح ہیں پچیس بنت مخاض، پچیس بنت لبون، پچیس حقہ اور پچیس جزعہ ہوں اور تغلیظ ثابت نہیں ہوتی مگر اونٹوں میں خاص کر اور اگر اونٹوں کے علاوہ سے دیت ادا کر دی تو وہ دیت مغلظہ نہیں ہوگی۔

تشریح:۔ (۱) اگر کسی نے دوسرے کو شبہ عمد کے طور پر قتل کر دیا تو قاتل کے عاقلہ پر دیت مغلظہ ہوگی اور قاتل پر کفارہ ہے یعنی مؤمن غلام کو آزاد کردے اگر یہ نہ ہو پے در پے دو مہینے روزہ رکھے۔

(۳) شیخین رحمہا اللہ کے نزدیک دیت مغلظہ سو اونٹ ہیں اور وہ چار طرح کے ہوں پچیس بنت مخاض، پچیس بنت لبون، پچیس حقہ اور پچیس جزعہ ہوں۔ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک سو اونٹ تین قسم کے ہوں تیس جزعہ، تیس حقہ، اور چالیس ثنیہ یا ثنی (وہ اونٹ جس کے پانچ سال مکمل ہوں چھٹے میں شروع ہو) ہوں اور ثنیات حاملہ بھی ہوں (شیخین کا قول راجح ہے)۔

(۴) اور اس میں تغلیظ صرف چار یا تین قسم کے لازمی ہونے میں ہے۔ اور مذکورہ بالا تغلیظ صرف اس صورت میں ہے کہ دیت اونٹوں کے ذریعہ ادا کرنے کا ارادہ ہو اور اونٹوں کے علاوہ دراہم و دنانیر کے ساتھ دیت ادا کرنے کی صورت میں دیت مغلظہ نہیں ہوگی کیونکہ تغلیظ توقیفی ہے جو کہ صرف اونٹوں کی صورت میں ہے۔

(٤) وَقَتْلُ الْخَطَاءِ تَجِبُ بِهِ الدِّيَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ وَالْكَفَّارَةُ عَلَى الْقَاتِلِ (٥) وَالدِّيَةُ فِي الْخَطَاءِ مِائَةٌ مِنَ الْإِبِلِ اَخْمَاسًا عِشْرُوْنَ بنت مخاض وَعِشْرُوْنَ اِبْنَ مَخَاضٍ وَعِشْرُوْنَ بِنْتَ لَبُوْنٍ وَعِشْرُوْنَ حِقَّةً وَعِشْرُوْنَ جَذَعَةً (٦) وَمِنَ الْعَيْنِ اَلْفُ دِيْنَارٍ وَمِنَ الْوَرِقِ عَشَرَةُ آلَافِ دِرْهَمٍ۔

ترجمہ:۔ اور قتل خطاء کی وجہ سے دیت واجب ہوتی ہے قاتل کے عاقلہ پر اور قاتل پر کفارہ واجب ہوتا ہے اور قتل خطاء میں دیت سو اونٹ پانچ قسم کے ہونگے بیس بنت مخاض، بیس ابن مخاض، بیس بنت لبون، بیس حقہ اور بیس جذعہ ہونگے اور سونے سے ایک ہزار دینا اور چاندی سے دس ہزار دراہم ہیں۔

تشریح:۔ (٤) قتل خطاء کی وجہ سے قاتل کے عاقلہ پر دیت اور خود قاتل پر کفارہ واجب ہے لقولہ تعالیٰ ﴿وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاءً فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ اِلَى اَهْلِهِ﴾ (یعنی جس کسی مسلمان کو خطاء قتل کیا تو رقبہ مؤمنہ کو آزاد کردے اور مقتول والوں کو دیت دیدے)۔

(۵) قتل خطاء میں دیت سو اونٹ پانچ قسم کے ہونگے بیس بنت مخاض، بیس ابن مخاض، بیس بنت لبون، بیس حقہ اور بیس جذعہ ہونگے وجہ یہ ہے کہ قتل خطاء میں قاتل معذور ہوتا ہے اسلئے اس پر واجب شدہ دیت میں تخفیف ہونی چاہئے اور مذکورہ دیت میں شبہ عمد کی صورت کی بنسبت تخفیف ہے۔

(٦) اگر قتل خطاء کی دیت سونے سے دینا چاہے تو اسکی مقدار ہزار دینار ہیں اور اگر چاندی سے ادا کرنا چاہے تو اسکی مقدار دس ہزار درہم ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ و امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بارہ ہزار درہم ہیں۔ اور دراہم و دنانیر میں مراد وزن سبعہ ہے (یعنی درہم کا وزن تین ماشہ ایک رتی اور ایک رتی کا پانچواں حصہ ہے۔ اور مثقال کا وزن چار ماشہ اور چار رتی ہے اس طرح سات مثقال اور دس درہم کا وزن برابر ہوتا ہے اسی کو وزن سبعہ کہتے ہیں)۔

(۷)وَلَا يَثْبُتُ الدِّيَةُ اِلَّا مِنْ هٰذِهِ الْاَنْوَاعِ الثَّلٰثَةِ عِنْدَ اَبِی حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ مِنْهَا وَمِنَ الْبَقَرِ مِائَتَا بَقَرَةٍ وَمِنَ الْغَنَمِ اَلْفَا شَاةٍ وَمِنَ الْحُلَلِ مِائَتَا حُلَّةٍ كُلُّ حُلَّةٍ ثَوْبَانِ۔

ترجمہ:۔اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دیت صرف ان تین قسموں سے ثابت ہوتی ہے اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ گائے میں سے دوسو گائیں اور بکریوں میں سے ہزار بکریاں اور جوڑوں میں سے دوسو جوڑے، ہر جوڑا دو کپڑوں کا ہو۔

تشریح:۔(۷) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قاتل کو دیت ادا کرنے میں تین چیزوں یعنی اونٹ، دینار اور درہم میں اختیار ہے ان میں سے جو بھی ادا کردے درست ہے اور ان کے علاوہ کسی شئی سے دیت ادا کرنا درست نہیں۔ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک مذکورہ تین چیزوں کے علاوہ گائے، بکری اور جوڑے سے بھی ادا کرسکتا ہے پس اگر چاہے تو دوسو گائیں دیدے یا ہزار بکریاں یا دوسو جوڑے دیدے اور ہر جوڑا دو کپڑوں (یعنی قمیص اور ازار) کا ہوگا۔ صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے ان میں سے ہر مال والے پر اسی طرح مقرر فرمایا تھا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ تقدیر اسی چیز سے درست ہوسکتی ہے جس کی مالیت معلوم ہو اور گائے وغیرہ مجہول المالیت ہیں جبکہ دنانیر ودراہم معلوم المالیت ہیں باقی اونٹ اگر چہ مجہول المالیت ہے مگر اسکی مقدار آثار سے معلوم ہوئی ہے اسلئے اونٹ کے بارے میں قیاس کو ترک کردیا ہے (امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے)۔

(۸)وَدِيَةُ الْمُسْلِمِ وَالذِّمِّيِّ سَوَاءٌ۔

ترجمہ:۔اور مسلمان اور ذمی کی دیت برابر ہے۔

تشریح:۔(۸) یعنی مسلمان اور ذمی کی دیت برابر ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہر ذمی کی دیت جبکہ وہ اپنے عہد ذمہ پر باقی ہو ہزار دینار ہے یہی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کا بھی فیصلہ ہے۔

(۹)وَفِی النَّفْسِ الدِّيَةُ وَفِی الْمَارِنِ الدِّيَةُ وَفِی اللِّسَانِ الدِّيَةُ وَفِی الذَّكَرِ الدِّيَةُ وَفِی الْعَقْلِ اِذَا ضَرَبَ رَاْسَهُ فَذَهَبَ عَقْلُهُ الدِّيَةُ (۱۰)وَفِی اللِّحْيَةِ اِذَا حُلِقَتْ فَلَمْ تَنْبُتْ الدِّيَةُ وَفِی شَعْرِ الرَّاْسِ الدِّيَةُ۔

ترجمہ:۔اور جان میں دیت ہے اور ناک کے نرم حصہ میں دیت ہے اور زبان میں دیت ہے اور ذکر میں دیت ہے اور عقل میں جب کہ اس کے سر پر کسی نے مار دیا اور اس کی عقل جاتی رہی دیت ہے اور ڈاڑھی میں جبکہ مونڈی جائے پھر نہ اُگے دیت ہے اور سر کے بالوں میں دیت ہے۔

تشریح:۔(۹) جان میں دیت ہے خواہ صغیر ہو یا کبیر، وضیع ہو یا شریف، مسلم ہو یا ذمی کیونکہ حرمت وعصمت میں یہ سب برابر ہیں۔ اور ناک کا نرم حصہ کاٹنے میں کامل دیت ہے اور زبان کاٹنے میں کامل دیت ہے اور ذکر کاٹنے میں کامل دیت ہے اور اگر کسی کو سر پر ایسا مارا کہ اسکی عقل ختم ہوگئی تو اس پر کامل دیت ہوگی۔

(۱۰) اگر کسی نے دوسرے کے داڑھی یا سر کے بال اس طرح مونڈ دئے کہ پھر نہ اُگے تو اس پر کامل دیت ہوگی۔ انسانی اعضاء کے بارے میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ کسی کے عضو کاٹنے سے اگر اس عضو کی کامل منفعت ختم ہوگئی یا اس سے جو جمال مقصود تھا وہ زائل ہوگیا تو یہ نفس انسانی کے ضائع کرنے کی مانند ہے لہذا اس پر کامل دیت نفس واجب ہوگی۔ تو مذکورہ بالا اعضاء ایسے ہی ہیں کہ بعض کے کٹنے سے کامل منفعت زائل ہوجاتی ہے اور بعض کے کٹنے سے مقصودی جمال زائل ہوجاتا ہے اسلئے ان میں کامل دیت ہے۔

(۱۱) وَفِي الحَاجِبَيْنِ دِيَةٌ وفِي الْعَيْنَيْنِ الدِّيَةُ وفِي الْيَدَيْنِ الدِّيَةُ وفِي الرِّجْلَيْنِ الدِّيَةُ وفِي الْأُذُنَيْنِ الدِّيَةُ وفِي الشَّفَتَيْنِ الدِّيَةُ وفِي الْأُنْثَيَيْنِ الدِّيَةُ وفِي لَدَى الْمَرْأَةِ الدِّيَةُ (۱۲) وفِي كُلِّ وَاحِدٍ مِنْ هٰذِهِ الْأَشْيَاءِ نِصْفُ الدِّيَةِ (۱۳) وفِي أَشْفَارِ الْعَيْنَيْنِ الدِّيَةُ وفِي أَحَدِهِمَا رُبُعُ الدِّيَةِ۔

ترجمہ:۔ اور دونوں ابروؤں میں دیت ہے اور دونوں آنکھوں میں دیت ہے اور دونوں ہاتھوں میں دیت ہے اور دونوں پاؤں میں دیت ہے اور دونوں کانوں میں دیت ہے اور دونوں ہونٹوں میں دیت ہے اور دونوں خصیوں میں دیت ہے اور عورت کے دونوں پستانوں میں دیت ہے اور ان اعضاء میں سے ایک میں نصف دیت واجب ہوگی اور دونوں آنکھوں کی پلکوں میں دیت واجب ہے اور ایک میں ربع دیت واجب ہوگی۔

تشریح:۔ (۱۱) دونوں بھویں کاٹنے میں پوری دیت ہے اور دونوں آنکھیں ضائع کرنے میں پوری دیت ہے اور دونوں ہاتھ کاٹنے میں پوری دیت ہے اور دونوں پاؤں کاٹنے میں پوری دیت ہے اور دونوں کانوں میں پوری دیت ہے اور دونوں ہونٹوں میں پوری دیت ہے اور دونوں خصیوں میں پوری دیت ہے اور عورت کے دونوں پستانوں میں پوری دیت ہے۔ ان سب کی دلیل وہی قاعدہ کلیہ ہے جو سابقہ مسئلہ میں گذر گیا۔

(۱۲) مذکورہ بالا دو دو اعضاء میں سے اگر ایک عضو کو ضائع کردیا تو نصف دیت واجب ہوگی کیونکہ ایک عضو کاٹنے سے نصف منفعت یا نصف جمال فوت ہوتا ہے لہذا دیت بھی نصف ہوگی۔ (۱۳) آنکھوں کی چاروں پلکوں کو اگر ایسے اکھاڑ دئے کہ پھر نہ اُگے تو جمال کامل فوت ہونے کی وجہ سے اس میں پوری دیت واجب ہوگی۔ اور دو میں نصف اور ایک میں ربع دیت واجب ہوگی لما بینا۔

(۱۴) وَفِي كُلِّ إِصْبَعٍ مِنْ أَصَابِعِ الْيَدَيْنِ وَالرِّجْلَيْنِ عُشْرُ الدِّيَةِ وَالْأَصَابِعُ كُلُّهَا سَوَاءٌ (۱۵) وَفِي كُلِّ إِصْبَعٍ فِيهَا ثَلَاثَةُ مَفَاصِلَ فَفِيْ أَحَدِهَا ثُلُثُ دِيَةِ الْإِصْبَعِ (۱۶) وما فِيهَا مَفْصَلَانِ فَفِيْ أَحَدِهِمَا نِصْفُ دِيَةِ الْإِصْبَعِ (۱۷) وفِي كُلِّ سِنٍّ خَمْسٌ مِنَ الْإِبِلِ (۱۷) وَالْأَسْنَانُ وَ الْأَضْرَاسُ كُلُّهَا سَوَاءٌ۔

ترجمہ:۔ اور ہر انگلی میں ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں میں سے پوری دیت کا عشر ہے اور تمام انگلیاں دیت میں برابر ہیں اور ہر انگلی جس میں تین جوڑ ہیں ان میں سے ایک جوڑ میں انگلی کی دیت کا ثلث ہے اور جس میں دو جوڑ ہیں تو ان میں سے ایک جوڑ میں انگلی کی دیت کا نصف واجب ہوگا اور ہر دانت میں پانچ اونٹ ہیں اور دانت اور ڈاڑھ سب حکم میں برابر ہیں۔

تشریح :۔(۱۴)دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کی انگلیوں میں سے ہر ایک انگلی میں پوری دیت کا عشر ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہر انگلی میں دس اونٹ ہیں۔ ظاہر ہے کہ دس اونٹ پوری دیت کا دسواں حصہ ہے۔ اور تمام انگلیاں منفعت میں مساوی ہونے کی وجہ سے دیت میں بھی برابر ہیں۔(۱۵)جن انگلیوں میں تین جوڑ (پورے) ہیں ان میں سے اگر ایک جوڑ (پور) کاٹ دیا تو انگلی کی دیت کا ثلث واجب ہوگا۔(۱۶)اور جن انگلیوں میں دو جوڑ ہیں ان میں سے اگر ایک جوڑ کاٹ دیا تو اسی انگلی کی دیت کا نصف واجب ہوگا تَوْزِيعًا لِلْبَدَلِ عَلَى الْمُبْدَلِ۔

(۱۷)اگر کسی نے کسی کے دانت توڑ دیئے تو ہر دانت میں پوری دیت کا نصف عشر یعنی پانچ اونٹ واجب ہونگے "لقوله صلى الله عليه وسلم فِي كُلِّ سِنٍّ خَمْسٌ مِنَ الْإِبِلِ" (ہر دانت میں پانچ اونٹ ہے)۔

(۱۸)پھر دانت اور ڈاڑھ سب حکم میں برابر ہیں کیونکہ ڈاڑھ میں چبانے کی منفعت ہے تو ضواحک میں زینت ہے۔

(۱۹)وَمَنْ ضَرَبَ عُضْوًا فَأَذْهَبَ مَنْفَعَتَهُ فَفِيهِ دِيَةٌ كَامِلَةٌ كَمَا لَوْ قَطَعَهُ كَالْيَدِ إِذَا شَلَّتْ وَالْعَيْنِ إِذَا ذَهَبَ ضَوْءُهَا۔

ترجمہ:۔اور جس نے کسی عضو پر مارا اور اس کی منفعت کو ختم کر دیا تو اس میں پوری دیت ہے جیسا کہ اس کو کاٹ دیتا جیسا کہ ہاتھ جب شل ہو جائے اور آنکھ جب اس کی روشنی چلی جائے۔

تشریح:۔(۱۹)اگر کسی نے دوسرے کے کسی عضو پر مارا اور اسکی منفعت کو ختم کر دیا تو اگر چہ وہ عضو اپنی جگہ برقرار ہے تو بھی پوری دیت واجب ہوگی جیسا کہ کاٹنے کی صورت میں پوری دیت واجب ہوتی ہے مثلاً ہاتھ پر مارا وہ شل ہو گیا یا آنکھ پر مارا آنکھ موجود ہو مگر اسکی بینائی چلی گئی تو پوری دیت واجب ہوگی کیونکہ اعضاء سے مقصود منفعت ہے تو منفعت فوت ہونا عضو کے کٹ جانے کی طرح ہے۔

(۲۰)وَالشِّجَاجُ عَشَرَةٌ اَلْحَارِصَةُ وَالدَّامِعَةُ وَالدَّامِيَةُ وَالْبَاضِعَةُ وَالْمُتَلَاحِمَةُ وَالسِّمْحَاقُ وَالْمُوْضِحَةُ وَالْهَاشِمَةُ وَالْمُنَقِّلَةُ وَالْآمَّةُ۔

ترجمہ:۔اور شجاج دس ہیں، حارصہ، دامعہ، دامیہ، باضعہ، متلاحمہ، سمحاق، موضحہ، ہاشمہ، منقلہ اور آمہ۔

تشریح :۔(۲۰)شجاج سر اور چہرے کے زخم کو کہتے ہیں اور باقی بدن کے زخم کو جراحت کہتے ہیں۔ پس سر اور چہرے کے زخم دس قسم پر ہیں۔/**نمبر ۱**۔حارصہ، یہ وہ زخم ہے جو جلد میں خراش کر دے اور بس۔/**نمبر ۲**۔دامعہ، یہ وہ ہے جو خون تو ظاہر ہو جائے مگر بہے نہیں جیسے آنکھ میں آنسو ظاہر تو ہوتے ہیں مگر بہتے نہیں۔/**نمبر ۳**۔دامیہ، یہ وہ ہے جس میں خون بہہ بھی جائے۔/**نمبر ۴**۔باضعہ، یہ وہ ہے جس میں گوشت کٹ جائے۔

/**نمبر ۵**۔متلاحمہ، یہ وہ ہے جس میں (باضعہ کے بنسبت زیادہ) گوشت کٹ جائے مگر سمحاق کو نہ پہنچے۔/**نمبر ۶**۔سمحاق، یہ وہ ہے جس میں گوشت کٹ کر سمحاق تک پہنچ جائے سمحاق گوشت اور سر کے ہڈی کے درمیان باریک سی جھلی ہے۔/**نمبر ۷**۔موضحہ، یہ وہ ہے جس میں ہڈی ظاہر ہو جائے۔/**نمبر ۸**۔ہاشمہ، یہ وہ ہے جس میں ہڈی بھی ٹوٹ جائے۔/**نمبر ۹**۔المنقلہ، یہ وہ ہے جس میں ہڈ

ی ٹوٹ کر اپنی جگہ سے سرک جائے۔ **نمبر ۱۰**۔ آمہ: یہ وہ ہے جو ام دماغ تک پہنچ جائے۔ ام دماغ وہ جھلی ہے جس میں دماغ ہے۔

(۲۱) فَفِي الْمُوْضِحَةِ الْقِصَاصُ إِنْ كَانَتْ عَمَداً (۲۲) وَلَا قِصَاصَ فِي بَقِيَّةِ الشِّجَاجِ (۲۳) وَفِي مَادُوْنَ الْمُوْضِحَةِ فَفِيْهِ حُكُوْمَةُ عَدْلٍ۔

ترجمہ:۔ اور موضحہ میں قصاص ہے اگر وہ عمداً ہو اور دیگر شجاج میں قصاص نہیں اور موضحہ سے کم درجہ میں حکومتِ عدل ہے۔

تشریح:۔ (۲۱) مذکورہ بالا اقسام عشرہ میں سے ساتویں قسم (یعنی موضحہ) میں قصاص ہے بشرطیکہ عمداً ہو کیونکہ قصاص مساوات کو چاہتا ہے اور موضحہ میں مساوات ممکن ہے یوں کہ ہڈی تک کاٹ کر چھوڑ دے۔ (۲۲) موضحہ سے بڑھ کر جو تین قسم کے زخم ہیں ان میں بالاتفاق قصاص نہیں کیونکہ مساوات متعذر ہے۔ اور موضحہ سے کم درجہ کے جو زخم ہیں ان میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قصاص نہیں۔ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک سمحاق کے علاوہ میں قصاص ہے اور یہی ظاہر الروایت ہے۔ صاحب قدوریؒ نے "ولاقصاص فی بقیۃ الشجاج" میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب بیان کیا ہے۔

(۲۳) موضحہ سے کم درجہ کے جو چھ قسم کے زخم ہیں ان میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق نہ قصاص ہے اور نہ دیت بلکہ حکومتِ عدل ہے یعنی حاکم جو فیصلہ کرے جسکی صورت امام طحاویؒ کے قول کے مطابق یہ ہے کہ کسی سالم غیر زخمی غلام کی قیمت لگائی جائے پھر دوبارہ زخم کے ساتھ قیمت لگائی جائے اور دونوں قیمتوں کے درمیان تفاوت کو دیکھا جائے پس اگر وہ تفاوت قیمت کے عشر کا نصف ہو تو دیت کے عشر کا نصف واجب کر دیا جائے اور اگر تفاوت بقدر ربع عشر ہو تو ربع عشر دیت واجب کر دیا جائے۔

(۲۴) وَفِي الْمُوْضِحَةِ إِنْ كَانَتْ خَطَأً نِصْفُ عُشْرِ الدِّيَةِ (۲۵) وَفِي الْهَاشِمَةِ عُشْرُ الدِّيَةِ (۲۶) وَفِي الْمُنَقِّلَةِ عُشْرٌ وَنِصْفُ عُشْرِ الدِّيَةِ (۲۷) وَفِي الْآمَّةِ ثُلُثُ الدِّيَةِ (۲۸) وَفِي الْجَائِفَةِ ثُلُثُ الدِّيَةِ (۲۹) فَإِنْ نَفَذَتْ فَهِيَ جَائِفَتَانِ فَفِيْهِمَا ثُلُثَا الدِّيَةِ۔

ترجمہ:۔ اور موضحہ میں اگر خطاءً ہو تو نصف عشر دیت ہے اور ہاشمہ میں عشر دیت ہے اور منقلہ میں عشر دیت اور نصف عشر دیت ہے اور آمہ میں ثلث دیت واجب ہوگی اور جائفہ میں ثلث دیت ہے اور اگر جائفہ زخم آر پار ہو گیا تو یہ دو جائفے شمار ہونگے پس اس میں دو ثلث دیت واجب ہونگے۔

تشریح:۔ (۲۴) اگر موضحہ خطاءً ہو تو اس میں نصف عشر دیت (پانچ اونٹ) ہے۔ (۲۵) ہاشمہ میں عشر دیت (دس اونٹ) ہے۔ (۲۶) منقلہ میں عشر دیت اور نصف عشر دیت (پندرہ اونٹ) ہے۔ (۲۷) آمہ میں ثلث دیت واجب ہے "لقوله صلى الله عليه وسلم وَفِي الْمُوْضِحَةِ خَمْسٌ مِنَ الْإِبِلِ وَفِي الْهَاشِمَةِ عَشْرٌ وَفِي الْمُنَقِّلَةِ خَمْسَةَ عَشَرَ وَفِي الْآمَّةِ ثُلُثُ الدِّيَةِ" (یعنی موضحہ میں پانچ اونٹ ہیں اور ھاشمہ میں دس اور منقلہ میں پندرہ اور آمہ میں ثلث دیت ہے)۔

(۲۸) جائفہ زخم میں ثلث دیت ہے "لقوله صلى الله عليه وسلم فِي الْجَائِفَةِ ثُلُثُ الدِّيَةِ" (جائفہ میں ثلث دیت

ہے)۔اور جائفہ وہ زخم ہے جو جوف تک پہنچ جائے خواہ سینہ میں ہو یا پیٹ یا کمر وغیرہ میں ہو۔(۲۹) اگر جائفہ زخم آر پار ہو گیا تو یہ دو جائفے شمار ہو نگے لہذا دیت کے دو ثلث واجب ہو نگے کَمَا قَضیٰ بِذَالِکَ اَبُوْ بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ۔

(۳۰)وَفِی اَصَابِعِ الْیَدِ نِصْفُ الدِّیَۃِ فَاِنْ قَطَعَھَا مَعَ الْکَفِّ فَفِیْھَا نِصْفُ الدِّیَۃِ (۳۱)وَاِنْ قَطَعَھَا مَعَ نِصْفِ السَّاعِدِ فَفِی الْاَصَابِعِ وَالْکَفِّ نِصْفُ الدِّیَۃِ وَفِی الزِّیَادَۃِ حُکُوْمَۃُ عَدْلٍ (۳۲)وَفِی الْاِصْبَعِ الزَّائِدَۃِ حُکُوْمَۃُ عَدْلٍ (۳۳)وَفِی عَیْنِ الصَّبِیِّ وَلِسَانِہٖ وَذَکَرِہٖ اِذَا لَمْ تُعْلَمْ صِحَّتُہٗ حُکُوْمَۃُ عَدْلٍ۔

ترجمہ:۔اور ہاتھ کی انگلیوں میں نصف دیت ہے اور اگر انگلیاں ہتھیلی کے ساتھ کاٹ دی تو اس میں بھی نصف دیت ہے اور اگر انگلیاں آدھی کلائی کے ساتھ کاٹ دی تو انگلیوں اور ہتھیلی میں نصف دیت ہے اور زائد میں حکومت عدل ہے اور زائد انگلی میں حکومت عدل ہے اور بچہ کی آنکھ اور اس کی زبان اور اس کے ذکر میں حکومت عدل ہے اگر ان اعضاء کی تندرستی معلوم نہ ہو۔

تشریح :۔(۳۰) ایک ہاتھ کی تمام انگلیوں میں نصف دیت ہے کیونکہ ایک انگلی میں عشر دیت (دس اونٹ) ہے تو پانچ انگلیوں میں نصف عشر (پچاس اونٹ) ہوگا۔اور اگر انگلیوں کے ساتھ ہتھیلی بھی کاٹ دی تو بھی نصف دیت ہوگی کیونکہ ہتھیلی انگلیوں کی تابع ہے۔(۳۱) اگر انگلیاں آدھی کلائی کے ساتھ کاٹ دی تو انگلیوں اور ہتھیلی میں نصف دیت ہے اور کلائی میں حکومت عدل (جس کی صورت گذر چکی ہے) ہے۔

(۳۲) اگر کسی نے دوسرے کی زائد انگلی کاٹ دی تو شرافت آدمیت کی خاطر اس میں حکومت عدل ہے کیونکہ یہ انسان کا جزء ہے اگر چہ اس میں منفعت یا زینت نہیں۔(۳۳) اگر کسی نے کسی بچہ کی آنکھ یا ذکر یا زبان کاٹ دی اور اب تک ان اعضاء کی تندرستی معلوم نہیں ہوئی تھی تو اس میں حکومت عدل ہے کیونکہ ان اعضاء کی منفعت معلوم نہیں۔پھر بچہ اگر آنکھ سے دیکھتا ہے اور زبان سے بولتا ہے اور ذکر اسکا حرکت کرتا ہے تو یہ ان اعضاء کی تندرستی کی علامت ہے۔

الالغاز :۔ ای جان اذا مات المجنی علیه فعلیه نصف الدیة واذا عاش فعلیه الدیة؟

فقل :۔الختان اذا قطع حشفة الصبی خطأ باذن ابیه فان مات الصبی وجب علی الختان نصف الدیة وان عاش فعلی الختان الدیة کلها۔(الاشباہ والنظائر)

(۳۴)وَمَنْ شَجَّ رَجُلاً مُوْضِحَۃً فَذَھَبَ عَقْلُہٗ اَوْ شَعْرُ رَاْسِہٖ دَخَلَ اَرْشُ الْمُوْضِحَۃِ فِی الدِّیَۃِ (۳۵)وَاِنْ ذَھَبَ سَمْعُہٗ اَوْ بَصَرُہٗ اَوْ کَلَامُہٗ فَعَلَیْہِ اَرْشُ الْمُوْضِحَۃِ مَعَ الدِّیَۃِ۔

ترجمہ:۔اور جس نے دوسرے کے سر پر ایسا زخم لگایا جس سے اس کی عقل یا سر کے بال ضائع ہوئے تو زخم کا تاوان دیت میں داخل ہو جائیگا اور اگر (اس زخم کی وجہ سے) اس کی قوت سامعہ یا باصرہ یا قوۃ گویائی ختم ہوگئی تو اس پر دیت کے ساتھ ساتھ اس زخم کا تاوان بھی ہے۔

تشریح :۔(۳۴) اگر کسی نے دوسرے کے سر پر ایسا زخم لگایا جس سے اس کی عقل ختم ہوگئی یا اسکے سر کے بال ایسے ضائع ہوئے کہ پھر نہ

ہے تو عقل اور سر کے بال ضائع ہونے میں کل دیت ہے پس اس زخم کا تاوان بھی اس میں داخل ہوگا کیونکہ جزء کل میں داخل ہوتا ہے۔

(۳۵) اگر اس زخم کی وجہ سے قوت سامعہ یا باصرہ یا قوۃ گویائی ختم ہوگئی تو جارح پر دیت کے ساتھ ساتھ اس زخم کا تاوان بھی ہے اعضاء مختلفہ کی طرح زخم کا تاوان دیت میں داخل نہ ہوگا بخلاف عقل کے کہ اسکی منفعت تمام اعضاء کی طرف لوٹتی ہے۔

الالغاز:۔ ای رجل قطع أذن انسان وجب علیه خمسمائة دینار وان قطع رأسه فعلیه خمسون دینارا؟

فقل:۔اذا خرج رأس المولود فقطع انسان أذنه ولم یمت فعلیه دیتها وان قطع رأسه فعلیه الغرة وغرة الغلام یساوی خمسین دینارا۔(الاشباہ والنظائر)

(۳۶)وَمَنْ قَطَعَ اِصْبَعِ رَجُلٍ فَشَلَّتْ اُخْرٰی اِلٰی جَنْبِهَا فَفِيْهَا الْاَرْشُ وَلَا قِصَاصَ فِيْهِ عِنْدَ اَبِی حَنِیْفَةَ رحمه الله

(۳۷)وَمَنْ قَطَعَ سِنَّ رَجُلٍ فَنَبَتَتْ مَكَانَهَا اُخْرٰی سَقَطَ الْاَرْشُ۔

ترجمہ:۔اور جس نے دوسرے کی انگلی کاٹ دی جس سے ساتھ والی انگلی بھی شل ہوگئی تو اس میں تاوان اور اس میں قصاص نہیں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اور جس نے دوسرے کا دانت اکھاڑ دیا پھر اسکی جگہ دوسرا دانت نکل آیا تو اس کا تاوان ساقط ہو جائیگا۔

تشریح:۔(۳۶) اگر کسی نے دوسرے کی انگلی کاٹ دی جس سے ساتھ والی انگلی بھی شل ہوگئی تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں میں ارش ہے قصاص نہیں۔ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک اول میں قصاص ثانی میں ارش ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ قصاص مساوات چاہتا ہے اور جہاں مساوات ناممکن ہو وہاں قصاص نہیں ہوتا اور یہاں مساوات ممکن نہیں اسلئے قصاص واجب نہ ہوگا۔

(۳۷) اگر کسی نے دوسرے کا دانت اکھاڑ دیا پھر اسکی جگہ دوسرا دانت نکل آیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا جرمانہ ساقط ہوا کیونکہ منفعت وزینت دانت عود کر آنے سے مجروح کے حق کا جبیرہ ہو گیا (یہی قول راجح ہے)۔

(۳۸)وَمَنْ شَجَّ رَجُلًا فَالْتَحَمَتِ الْجِرَاحَةُ وَلَم يَبْقَ لَهَا اَثَرٌ وَنَبَتَ الشَّعْرُ سَقَطَ الْاَرْشُ عِنْدَ اَبِی حَنِیْفَةَ رحمه الله وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رحمه الله عَلَيْهِ اَرْشُ الْاَلَمِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رحمه الله عَلَيْهِ اُجْرَةُ الطَّبِيْبِ۔

ترجمہ:۔اور جس نے دوسرے کے سر پر زخم لگایا پھر وہ زخم بھر گیا اور اس کا اثر باقی نہ رہا اور بال جم گئے تو تاوان ساقط ہو جائیگا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ جارح پر درد پہنچانے کا تاوان واجب ہے اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جارح پر طبیب کی اجرۃ ہے۔

تشریح:۔(۳۸) اگر کسی نے دوسرے کے سر پر زخم لگایا پھر وہ زخم بھر گیا اور اس کا اثر باقی نہ رہا اور بال جم گئے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جارح سے جرمانہ ساقط ہو جائیگا کیونکہ موجب جرمانہ عیب مجروح کے بدن پر اب نہ رہا صرف درد والم موجب جرمانہ نہیں۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جارح پر درد پہنچانے کا جرمانہ واجب ہے وَهُوَ حُكُوْمَةُ عَدْلٍ ۔امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک جارح پر طبیب کی اجرۃ اور دواء کی قیمت واجب ہے کیونکہ مجروح پر طبیب کی اُجرت اور دواء کی قیمت جارح کے فعل ہی کی وجہ سے لازم آئی ہے (امام

ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے)۔

(۳۹)وَمَنْ جَرَحَ رَجُلاً جِرَاحَةً لَمْ يُقْتَصَّ مِنْهُ حَتّٰى يَبْرَأَ (۴۰)وَمَنْ قَطَعَ يَدَ رَجُلٍ خَطأً ثُمَّ قَتَلَهُ خَطأً قَبْلَ الْبُرْءِ فَعَلَيْهِ الدِّيَةُ وَسَقَطَ اَرْشُ الْيَدِ۔

ترجمہ:۔اور جس نے دوسرے شخص کو زخمی کر دیا تو جارح سے ابھی قصاص نہیں لیا جائیگا یہاں تک کہ مجروح اچھا ہو جائے اور جس نے خطاءً دوسرے کا ہاتھ کاٹ دیا پھر اسکو خطاءً قتل کر دیا تندرست ہونے سے پہلے تو قاتل پر دیت ہے اور ہاتھ کا تاوان ساقط ہو گیا۔

تشریح:۔(۳۹)اگر کسی نے دوسرے شخص کو زخمی کر دیا تو جارح سے ابھی قصاص نہیں لیا جائیگا یہاں تک کہ مجروح اچھا ہو جائے کیونکہ زخموں میں حال کا اعتبار نہیں بلکہ انجام کا اعتبار ہے اسلئے کہ فی الحال اسکا حکم معلوم نہیں۔ہوسکتا کہ زخم بڑھ کر ہلاکتِ نفس کا سبب بن جائے لہذا تندرستی کے بعد ہی ایک بات پکی ہو جائے گی۔(۴۰)اگر کسی نے خطاءً دوسرے کا ہاتھ کاٹ دیا اور تندرستی سے پہلے جارح نے اسکو خطاءً قتل کر دیا تو قاتل پر نفس کی دیت لازم ہوگی اور ہاتھ کا تاوان ساقط ہو جائیگا کیونکہ دونوں جرح ایک ہی جنس کے ہیں یعنی خطاءً واقع ہوئے ہیں اور کامل دیت نفس بمع جمیع اجزاء کا عوض ہے فَدَخَلَ الطَّرفُ فِي النَّفْسِ۔

(۴۱)وَكُلُّ عَمَدٍ سَقَطَ فِيهِ الْقِصَاصُ بِشُبْهَةٍ فَالدِّيَةُ فِي مَالِ الْقَاتِلِ (۴۲)وَكُلُّ اَرْشٍ وَجَبَ بِالصُّلْحِ وَالْإِقْرَارِ فَهُوَ فِي مَالِ الْقَاتِلِ۔

ترجمہ:۔اور ہر وہ قتل عمد جس میں کسی شبہ کی وجہ سے قصاص ساقط ہوا تو دیت مال قاتل میں واجب ہوگی اور ہر وہ مالی جرمانہ جو بوجہ صلح اور اقرار واجب ہوا ہو وہ بھی قاتل کے مال میں ہوگی۔

تشریح:۔(۴۱)امام قدوری رحمہ اللہ ایک اصول بیان فرماتے ہیں کہ ہر وہ قتل عمد جس میں کسی شبہ کی وجہ سے قاتل سے قصاص ساقط ہو کر دیت واجب ہو جائے (مثلاً باپ نے بیٹے کو قتل کر دیا تو قاتل پر قصاص نہیں) تو اس قسم کی دیت قاتل ہی کے مال میں واجب ہوگی عاقلہ پر واجب نہ ہوگی۔اور یہ مال قاتل تین سال میں ادا کریگا۔

(۴۲)اسی طرح ہر وہ مالی جرمانہ جو قاتل پر بوجہ صلح اور اقرار واجب ہوا ہو وہ بھی قاتل کے مال میں سے ادا کیا جائیگا عاقلہ پر نہیں۔اس صورت میں چونکہ بوجہ عقد واجب ہوا ہے لہذا ثمن بیع کے مشابہ ہو کر فی الحال واجب ہے۔

(۴۳)وَإِذَا قَتَلَ الْأَبُ إِبْنَهُ عَمَدًا فَالدِّيَةُ فِي مَالِهِ فِي ثَلٰثِ سِنِيْنَ (۴۴)وَكُلُّ جِنَايَةٍ اِعْتَرَفَ بِهَا الْجَانِيْ فَهِيَ فِي مَالِهِ وَلَا يُصَدَّقُ عَلٰى عَاقِلَتِهِ۔

ترجمہ:۔اور اگر باپ نے اپنے بیٹے کو عمداً قتل کیا تو اس کی دیت باپ کے مال میں تین سال میں واجب الادا ہوگی اور ہر وہ جنایت جس کا مجرم نے خود اقرار کیا ہو تو وہ اسکے مال میں ہوگی اسکے عاقلہ پر اسکی تصدیق نہیں کی جائے گی۔

تشریح:۔(۴۳)اگر باپ نے اپنے بیٹے کو عمداً قتل کیا تو اس کی دیت باپ کے مال میں سے تین سال میں واجب الادا ہوگی کیونکہ یہ

ایسا مال ہے جو قتل خطاء کی وجہ سے واجب ہوا ہے تو یہ خطاء اور شبہ عمد کی دیت کی طرح مؤجل ہوگا۔

(۴۴) ہر وہ جنایت جس کا مجرم نے خود اقرار کیا ہو تو اسکی دیت اسکے مال میں سے ادا کی جائے گی اسکے عاقلہ پر اسکی تصدیق نہیں کی جائے گی "لقول عمر رضی الله تعالى عنه لايَعْقِلُ العَاقِلَةُ صُلْحًا ولا اعْتِرافًا " (یعنی برادری مالِ صلح اور مالِ اقراری کو برداشت نہیں کریگی)۔

(۴۵)وَعَمَدُ الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُونِ خَطَاءٌ وَفِيهِ الدِّيَةُ عَلى الْعَاقِلَةِ۔

ترجمہ:۔ اور بچہ اور مجنون کا عمداً خطاء شمار ہوگا اور اس میں دیت عاقلہ پر ہے۔

تشریح:۔ (۴۵) بچہ اور مجنون کا عمداً کوئی جرم کرنا بھی خطاء شمار ہوگا لہذا ان کے جرم کی صورت میں انکے عاقلہ پر دیت واجب ہوگی کیونکہ ان کے لئے قصد صحیح نہیں بایں وجہ کہ عمد اور قصد تو علم پر موقوف ہے اور علم کا ذریعہ عقل ہے حال یہ ہے کہ مجنون میں بالکل عقل نہیں اور بچہ میں ناقص ہے لہذا ان کی طرف سے عمد اور قصد متحقق نہ ہوگا یہی وجہ ہے کہ یہ دو گناہ گار بھی نہیں ہوتے۔

(۴۶)وَمَنْ حَفَرَ بِئْرًا فِي طَرِيْقِ الْمُسْلِمِيْنَ اَوْوَضَعَ حَجَرًا فَتَلَفَ بِذَالِكَ اِنْسَانٌ فَدِيَتُهُ عَلى عاقِلَتِهِ (۴۷)وانْ تَلَفَ بِهِ بَهِيْمَةٌ فَضَمَانُهَا فِي مالِه (۴۸)وانْ اَشْرَعَ فِي الطَّرِيْقِ رَوْشَنًا اَوْمِيْزابًا فَسَقَطَ عَلى اِنْسَانٍ فَعَطَبَ فَالدِّيَةُ عَلى عَاقِلَتِهِ (۴۹)ولا كَفَّارَةَ على حَافِرِ الْبِئْرِ وَوَاضِعِ الْحَجَرِ۔

ترجمہ:۔ اور جس نے مسلمانوں کے راستہ میں کنواں کھودا یا پتھر رکھا پھر اسکی وجہ سے کوئی انسان ضائع ہوا تو اس کی دیت اس کے عاقلہ پر ہوگی اور اگر اس کی وجہ سے کوئی جانور تلف ہوا تو اسکا تاوان فاعل ہی کے مال میں واجب ہوگا اور اگر کسی نے راستہ کی طرف روشن یا پرنالہ نکالی پس وہ کسی انسان پر گری پس وہ ہلاک ہوگیا تو اسکی دیت اس کے عاقلہ پر ہوگی اور کنواں کھودنے والے اور پتھر رکھنے والے پر کفارہ نہیں۔

تشریح:۔ (۴۶) اگر کسی نے مسلمانوں کے راستہ میں کنواں کھودا یا پتھر رکھا پھر اسکی وجہ سے کوئی انسان ضائع ہوا تو ضائع شدہ کی دیت اس فاعل کے عاقلہ پر ہوگی کیونکہ یہ فاعل اپنے اس کام میں حد سے تجاوز کرنے والا ہے لہذا جو بات اس کے فعل سے پیدا ہو تو وہ اسکا ضامن ہوگا۔ (۴۷) اگر اسکے اس فعل کی وجہ سے کوئی جانور تلف ہوا تو اسکا تاوان فاعل ہی کے مال میں واجب ہوگا کیونکہ برادری مال کا تحمل نہیں کرتی صرف نفس کا کرتی ہے۔

(۴۸) اگر کسی نے راستہ کی طرف روشن (وہ لکڑی جو راستہ کے دونوں طرف کی دیواروں پر ہوتا کہ چھت سے آمد و رفت ممکن ہو۔ یا روشن دان) یا پرنالہ یا اس جیسی کوئی چیز نکالی پس وہ کسی انسان پر گری جس سے وہ ہلاک ہوگیا تو اسکی دیت اس کے عاقلہ پر ہوگی کیونکہ اس شخص کے ضائع ہونے کا سبب یہی ہوا۔ (۴۹) کنواں کھودنے والے اور پتھر رکھنے والے پر کفارہ نہیں کیونکہ کفارہ حقیقی قاتل پر ہے اور یہ متسبب ہے حقیقتاً قاتل نہیں۔

(۵۰)وَمَنْ حَفَرَ بِئْرًا فِي مِلْكِهِ فَعَطِبَ بِهَا اِنْسَانٌ لَمْ يَضْمَنْ۔

ترجمه:۔اور جس نے اپنی ملک میں کنواں کھودا جس سے کوئی انسان ہلاک ہوا تو وہ ضامن نہ ہوگا۔

تشریح:۔(۵۰)اگر کسی نے اپنی ملک میں کنواں کھودا جس سے کوئی ہلاک ہوا تو کنواں کھودنے والا ضامن نہ ہوگا کیونکہ اس میں اس کی طرف سے کوئی تعدی نہیں لہذا اسکے فعل سے جو بات پیدا ہوگی اس پر اسکا ضمان نہیں ہوگا۔

(۵۱)وَالرَّاكِبُ ضَامِنٌ لِمَا اَوْطَئَتِ الدَّابَّةُ وَمَا اَصَابَتْهُ بِيَدِهَا اَوْ كَدَمَتْ (۵۲)وَلَا يَضْمَنُ مَا نَفَحَتْ بِرِجْلِهَا اَوْ ذَنْبِهَا(۵۳)فَاِنْ رَاثَتْ اَوْ بَالَتْ فِي الطَّرِيْقِ فَعَطِبَ بِهِ اِنْسَانٌ لَمْ يَضْمَنْ۔

ترجمه:۔اور سوار ضامن ہے اس کا جس کو جانور پامال کردے اور جو آگلے پاؤں سے کچل دے یا کاٹ دے اور اسکا ضامن نہیں جس کو جانور اپنی لات سے یا دم سے ماردے اور اگر جانور نے راستہ میں لید یا پیشاب کیا جس سے کوئی آدمی مرگیا تو ضامن نہ ہوگا۔

تشریح:۔(۵۱)جو شخص سواری پر سوار ہو تو وہ ضامن ہے اس کا جس کو جانور پامال کردے یا آگلے پاؤں سے کچل دے یا کاٹ دے۔(۵۲)اور اسکا ضامن نہیں جس کو جانور اپنی لات سے یا دم سے ماردے۔اس بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے راستہ میں چلنا سب کیلئے مباح ہے مگر اس قید کے ساتھ مقید ہے کہ جس ضرر سے بچنا ممکن ہو اس سے احتراز کرے دون مالا یمکن پس جانور کا کسی کو کچلنے یا کاٹنے سے احتراز ممکن ہے اسلئے اس کا سوار ضامن ہے اور جانور کا لات یا دم سے مارنے سے احتراز ممکن نہیں اسلئے اس کا سوار ضامن نہیں۔

(۵۳)اگر چلتے ہوئے جانور نے راستہ میں لید یا پیشاب کیا جس سے پھسل کر کوئی آدمی مرگیا تو سوار ضامن نہ ہوگا کیونکہ یہ چلنے کی ضروریات میں سے ہے جس سے احتراز ممکن نہیں۔

(۵۴)وَالسَّائِقُ ضَامِنٌ لِمَا اَصَابَتْ بِيَدِهَا اَوْ رِجْلِهَا(۵۵)وَالْقَائِدُ ضَامِنٌ لِمَا اَصَابَتْ بِيَدِهَا دُوْنَ رِجْلِهَا(۵۶)وَمَنْ قَادَ قِطَارًا فَهُوَ ضَامِنٌ لما وَطَأَ فَاِنْ كَانَ مَعَه سَائِقٌ فَالضَّمَانُ عَلَيْهِمَا۔

ترجمه:۔اور پیچھے سے ہانکنے والا ضامن ہے اس کا جس کو جانور کا ہاتھ یا پاؤں لگ جائے اور آگے سے کھینچنے والا ضامن ہے اس کا جس کو ہاتھ لگ جائے نہ کہ پاؤں اور جس نے اونٹوں کی قطار کھینچا تو وہ ضامن ہے اس کا جو وہ کچل ڈالے اور اگر اسکے ساتھ سائق بھی ہو تو ضمان دونوں پر ہے۔

تشریح:۔(۵۴)جو شخص جانور کو پیچھے سے ہانکتا ہو وہ ہر ایسے نقصان کا ضامن ہے جو جانور کے اگلے پاؤں سے یا پچھلے پاؤں سے پہنچے کیونکہ جانور پیچھے ہانکنے والے کے سامنے ہے وہ اس سے بچاؤ کرسکتا ہے لہذا ممکن الاحتراز ہونے کی وجہ سے سائق ضامن ہے۔(۵۵)جو شخص جانور آگے سے کھینچتا ہو وہ صرف جانور کے اگلے پاؤں کے نقصان کا ضامن ہے پچھلے پاؤں کے نقصان کا ضامن نہیں کیونکہ وہ اسکے نظر سے غائب ہے۔

(۵۶) اگر کوئی شخص اونٹوں کی قطار لے کر جا رہا ہو اور وہ قطار کسی کو روند کر مار ڈالے تو قطار کو پکڑ کر لے جانے والے پر ضمان لازم ہوگا اور اگر اسکے ساتھ سائق یعنی پیچھے سے ہانکنے والا بھی ہو تو اس صورت میں قائد وسائق دونوں ضامن ہونگے لِاِشْتِرَاكِهِمَا فِي ذَالِكَ۔

(۵۷) وَإِذَا جَنَى الْعَبْدُ جِنَايَةً خَطَأً قِيلَ لِمَوْلَاهُ إِمَّا أَنْ تَدْفَعَهُ بِهَا أَوْ تَفْدِيَهُ (۵۸) فَإِنْ دَفَعَهُ مَلَكَهُ وَلِيُّ الْجِنَايَةِ (۵۹) وَإِنْ فَدَاهُ فَدَاهُ بِأَرْشِهَا (۶۰) فَإِنْ عَادَ فَجَنَى كَانَ حُكْمُ الْجِنَايَةِ الثَّانِيَةِ حُكْمُ الْأُولَى (۶۱) فَإِنْ جَنَى جِنَايَتَيْنِ قِيلَ لِمَوْلَاهُ إِمَّا أَنْ تَدْفَعَهُ إِلَى وَلِيِّ الْجِنَايَتَيْنِ يَقْتَسِمَانِهِ عَلَى قَدْرِ حَقَّيْهِمَا وَإِمَّا أَنْ تَفْدِيَهُ بِأَرْشِ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا۔

ترجمہ:۔ اور اگر غلام نے خطاءً کوئی جنایت کی تو اسکے مولی سے کہا جائیگا یا تو یہ غلام جنایت کے بدلے ولی جنایت کو دیدے یا اس کا فدیہ دیدے پس اگر مالک نے غلام دیدیا تو ولی جنایت اس کا مالک ہو جائیگا اور اگر مولی فدیہ دے تو جنایت کے تاوان کے بقدر فدیہ دے اور اگر غلام نے عود کر کے پھر جرم کا ارتکاب کیا تو جنایت ثانی کا وہی حکم ہے جو اول کا ہے اور اگر غلام نے دو جنایتیں کی تو مولی سے کہا جائیگا یا تو اس غلام کو دونوں جرموں کے مستحقین کو دیدے اور وہ دونوں بقدر اپنے حق کے اسکو تقسیم کرلیں اور یا دونوں میں سے ہر ایک کے تاوان کا فدیہ دے۔

تشریح:۔ (۵۷) اگر کسی کے غلام نے خطاءً کوئی جنایت کی (خواہ کسی کو قتل کیا ہو یا اس سے کم جنایت کی ہو) تو اسکے مولی سے کہا جائیگا کہ تجھے اختیار ہے چاہے تو یہ غلام ولی جنایت کو دیدے اور یا اس کا فدیہ دیدے (خطاءً قید لگانے کی وجہ یہ ہے کہ اگر غلام نے عمداً کسی کو قتل کر ڈالا تو اس صورت میں غلام پر قصاص واجب ہے) وجہ یہ ہے کہ جنایتِ خطاء کی دیت عاقلہ پر ہوتی ہے اور غلام کا عاقلہ اس کا مولی۔

(۵۸) پس اگر مالک نے غلام دیدیا تو ولی جنایت اس کا مالک ہو جائیگا اور اسکے لئے اسکے علاوہ کوئی اور چیز نہ ہوگی۔

(۵۹) اور اگر مولی فدیہ دے تو تاوان کے بقدر فدیہ دے۔ (۶۰) اگر مولی کی طرف سے فدیہ دینے کے بعد غلام نے عود کر کے پھر جرم کا ارتکاب کیا تو اس کا وہی حکم ہے جو پہلی جنایت کا تھا لہذا مولی کو پھر حکم دیا جائیگا کہ یا تو مجنی علیہ کو یہ غلام دیدے اور یا اس کا فدیہ دیدے کیونکہ جنایت اول کا فدیہ دینے سے وہ ختم ہوگئی اس مرتبہ کا جرم ابتدائی جرم شمار ہوگا۔

(۶۱) اگر غلام نے جرم کرلیا اور مالک نے اِس کا فدیہ نہیں دیا تھا کہ غلام نے ایک اور جرم کرلیا تو مولی سے کہا جائیگا کہ یا تو اس غلام کو دونوں جرموں کے مستحقین کو دیدے اور دونوں مجنی علیہما بقدر اپنے حق کے اسکو تقسیم کرلیں اور یا مولی ہر ایک فریق کو اسکے نقصان کے بقدر فدیہ دیدے کیونکہ پہلے جرم کا غلام کی گردن سے متعلق ہونا دوسرے جرم کے تعلق کو نہیں روکے گا لہذا دونوں کا تاوان دیگا۔

(۶۲) وَإِنْ أَعْتَقَهُ مَوْلَىٰ وَهُوَ لَا يَعْلَمُ بِالْجِنَايَةِ ضَمِنَ الْمَوْلَىٰ الْأَقَلَّ مِنْ قِيمَتِهِ وَمِنْ أَرْشِهَا (۶۳) وَإِنْ بَاعَهُ أَوْ أَعْتَقَهُ بَعْدَ الْعِلْمِ بِالْجِنَايَةِ وَجَبَ عَلَيْهِ الْأَرْشُ۔

ترجمہ:۔ اور اگر آقا نے غلام کو آزاد کر دیا اور حال یہ ہے کہ آقا کو جنایتِ غلام کا علم نہیں تو آقا اسکی قیمت اور تاوان میں سے کم کا ضامن

ہوگا اور اگر مولیٰ نے جانی غلام کو بعد العلم بالجنایۃ فروخت کیا یا آزاد کیا تو اس پر اب صرف تاوان لازم ہے۔

تشریح:۔(۶۲) اگر آقا نے مجرم غلام کو آزاد کر دیا اور حال یہ ہے کہ آقا کو جرمِ غلام کا علم نہیں تو آقا اسکی قیمت اور جنایت کے تاوان میں سے کم کا ضامن ہوگا اسلئے کہ جب اسکو جرمِ غلام کا علم نہیں تو آقا کے عمل (اعتاق العبد) کو یہ نہیں سمجھا جائیگا کہ اس نے جرمِ غلام کا فدیہ دینا اختیار کیا ہے کیونکہ بلا علم کسی شی کا اختیار کرنا نہیں ہوسکتا البتہ اس نے ایسی رقبہ کو ہلاک (آزاد) کیا ہے جس کے ساتھ ولی جنایت کا حق متعلق ہو چکا ہے لہذا اس پر ضمان لازم ہے۔

پھر ارش اور قیمت میں سے کم اس پر لازم ہے وجہ یہ ہے کہ اگر ارش کم ہے تو آقا پر ارش کے علاوہ کوئی دوسری چیز لازم ہی نہیں اسلئے یہی ارش ہی دیگا اور اگر قیمت کم ہے تو آقا نے تو بقدر قیمت ہی کو ضائع کیا ہے زیادہ نہیں اسلئے آقا پر یہی قیمت ہی لازم ہوگی۔

(۶۳) اگر مولیٰ نے مجرم غلام کو بعد العلم بالجنایۃ فروخت کیا یا آزاد کیا تو اب صرف تاوان لازم ہوگا کیونکہ مولیٰ نے باوجود علم ایسا تصرف کیا جس کی وجہ اب غلام مجنی علیہ کو نہیں دیا جا سکتا ہے تو یہی کہا جائیگا کہ مولیٰ نے فدیہ دینا مختار کیا ہے کیونکہ تخییر بین الشیئین جب کوئی ایسا فعل کر دے جو شیئین میں سے کسی ایک کے اختیار کرنے سے مانع ہو تو اب اس کے لئے دوسری متعین ہے۔

(٦٤) وَاِذَا جَنَى الْمُدَبَّرُ اَوْ اُمُّ الْوَلَدِ جِنَايَةً ضَمِنَ الْمَوْلٰى الْاَقَلَّ مِنْ قِيْمَتِهٖ وَمِنْ اَرْشِهَا (٦٥) فَاِنْ جَنٰى جِنَايَةً اُخْرٰى وَقَدْ دَفَعَ الْمَوْلٰى قِيْمَتَهٗ اِلَى الْوَلِيِّ الْاَوَّلِ بِقَضَاءٍ فَلَاشَيْءَ عَلَيْهِ وَيَتْبَعُ وَلِيُّ الْجِنَايَةِ الثَّانِيَةِ وَلِيَّ الْجِنَايَةِ الْاُوْلٰى فَيُشَارِكُهٗ فِيْمَا اَخَذَ (٦٦) وَاِنْ كَانَ الْمَوْلٰى دَفَعَ الْقِيْمَةَ بِغَيْرِ قَضَاءٍ فَالْوَلِيُّ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اتَّبَعَ الْمَوْلٰى وَاِنْ شَاءَ اتَّبَعَ وَلِيَّ الْجِنَايَةِ الْاُوْلٰى۔

ترجمہ:۔ اور اگر مدبر یا ام الولد نے کوئی جنایت کی تو مولیٰ اس کی قیمت اور ارش میں سے جو کم ہوگا اسی کا ضامن ہے اور اگر اس نے دوسری جنایت کی حالانکہ مولیٰ نے بحکم قاضی پہلے مجنی علیہ کو اسکی قیمت دیدی تھی تو اب مولیٰ پر کچھ واجب نہیں اور دوسرا مجنی علیہ پہلے مجنی علیہ کا پیچھا کرے اور اس کے ساتھ اس میں شریک ہو جائے جو اس نے لے لیا ہے اور اگر مولیٰ نے قیمت بلا حکم قاضی دیدی ہو تو دوسرے مجنی علیہ کو اختیار ہوگا چاہے تو مولیٰ کا پیچھا کرے اور اگر چاہے تو پہلے مجنی علیہ کا پیچھا کرے۔

تشریح:۔(٦٤) اگر مدبر یا ام الولد نے خطاءً کوئی جنایت کی تو مولیٰ اس کی قیمت اور ارش میں سے جو کم ہوگا اسی کا ضامن ہوگا کیونکہ مولیٰ کی تدبیر یا استیلاد مدبر اور ام ولد دیدینے سے مانع ہے لیکن چونکہ یہ بلا اختیار ہے لہذا یہ ایسا ہے جیسا کہ کوئی اپنے جانی غلام کو قبل العلم بالجنایۃ آزاد کر دے۔

(٦٥) اگر مدبر یا ام ولد نے ایک جنایت کے بعد دوسری جنایت کی حالانکہ مولیٰ نے بحکم قاضی پہلے ولی جنایت کو اسکی قیمت دیدی تھی تو اب مولیٰ پر کچھ واجب نہیں البتہ دوسرے ولی جنایت پہلے ولی جنایت کا پیچھا کرے اور اس کے ساتھ اس میں شریک ہو جائے جو اس نے لے لیا ہے کیونکہ پہلے ولی جنایت نے ایسی چیز پر قبضہ کیا ہے جسکے ساتھ دوسرے ولی جنایت کا حق متعلق ہو چکا۔

(٦٦) اگر مولیٰ نے قیمت بلاحکم قاضی پہلے ولی جنایت کو دیدی ہو تو دوسرے ولی جنایت کو اختیار ہوگا چاہے تو مولیٰ کا پیچھا کرے کیونکہ مولیٰ نے بالاختیار وہ چیز مستحق جنایت اول کو دیا ہے جس کے ساتھ مستحق جنایت ثانی کا حق متعلق ہو چکا ہے ثم یرجع المولیٰ علی الاول اور اگر چاہے تو پہلے ولی جنایت کا پیچھا کرے کیونکہ اس نے مولیٰ سے مستحق جنایت ثانی کا حق ظلماً لے لیا ہے۔

(٦٧) وَاِذَا مالَ الْحَائِطُ اِلٰی طَرِيْقِ الْمُسْلِمِيْنَ فَطُوْلِبَ صَاحِبُهُ بِنَقْضِهٖ وَاَشْهَدَعَلَيْهِ فلم يَنْقُضْهُ فِي مُدَّةٍ يَقْدِرُ عَلٰی نَقْضِهٖ حَتّٰی سَقَطَ ضَمِنَ ماتَلَفَ بِهٖ مِنْ نَفْسٍ اَوْ مالٍ (٦٨) وَيَسْتَوِیْ اَنْ يُطَالِبَهُ بِنَقْضِهٖ مُسْلِمٌ او ذِمِّیٌّ (٦٩) وَاِنْ مالَ اِلٰی دَارِ رَجُلٍ فَالْمُطَالَبَةُ لِمَالِكِ الدَّارِ خَاصَّةً۔

ترجمہ:۔ اور اگر کسی کی دیوار مسلمانوں کے راستہ کی طرف جھک گئی اور اس کے توڑنے کا مطالبہ کیا گیا اس کے مالک سے اور اس پر گواہ بنایا پھر بھی اس نے نہیں توڑی اتنی مدت میں جتنی میں وہ توڑ سکتا تھا یہاں تک کہ وہ گر گئی تو اس سے جو کوئی جان یا مال تلف ہو مالک اس کا ضامن ہوگا اور برابر ہے کہ گرانے کا مطالبہ مسلمان کرلے یا ذمی اور اگر دیوار دوسرے کے گھر کی طرف جھک گئی تو گرانے کے مطالبہ کا حق خاص کر مالک مکان کو ہے۔

تشریح:۔ (٦٧) اگر کسی کی دیوار مسلمانوں کے راستہ کی طرف جھک گئی لوگوں نے مالک سے اس کے توڑنے کا مطالبہ کیا اور اس پر گواہ بھی بنا دیا مگر اس نے دیوار نہیں توڑی حالانکہ اتنی مدت گذر گئی کہ اگر وہ چاہتا تو توڑ سکتا پھر یہ دیوار گر گئی تو اس سے جو کوئی جان یا مال تلف ہو جائے مالک اس کا ضامن ہوگا البتہ جان کا زمان عاقلہ پر ہے اور مال کا زمان مالک دیوار پر ہے۔ اور، لوگوں نے اس سے دیوار گرانے کا مطالبہ کیا ہو، یہ قید احترازی ہے لہذا اگر لوگوں نے گرانے کا مطالبہ نہ کیا ہو کہ اس سے کوئی جان یا مال ضائع ہوا تو مالک ضامن نہ ہوگا۔

(٦٨) گرانے کا مطالبہ کرنے میں مسلمان، ذمی، غلام اور بچہ سب برابر ہیں کیونکہ حق مرور میں سب برابر ہیں۔ (٦٩) اگر کسی کی دیوار دوسرے کے گھر کی طرف جھک گئی تو گرانے کے مطالبہ کا حق خاص کر مالک مکان کو ہے کیونکہ مکان میں صرف مالک کا حق ہے۔ ہاں اگر کوئی کرایہ دار اس گھر میں رہتا ہو تو اسکو بھی حق ہے۔

(٧٠) وَاِذَا اِصْطَدَمَ فَارِسَانِ فَمَاتَا فَعَلٰی عَاقِلَةِ كُلِّ وَاحِدٍمِنْهُمَا دِيَةُ الْآخَرِ۔

ترجمہ:۔ اور اگر دو سوار آپس میں ٹکرائے اور دونوں مر گئے تو ہر ایک کے عاقلہ پر دوسرے کی دیت واجب ہوگی۔

تشریح:۔ (٧٠) اگر دو سوار خطاءً آپس میں ٹکرا گئے اور دونوں مر گئے تو ہر ایک کے عاقلہ پر دوسرے کی دیت واجب ہوگی کیونکہ ہر ایک کا قتل فعل آخر کی طرف مضاف ہے۔ شرط یہ ہے کہ دونوں آزاد ہوں اور اگر دونوں غلام ہوں تو کسی پر کچھ لازم نہیں۔

(۷۱) وَاِذَا قَتَلَ رَجُلٌ عَبداً خطأً فَعَلَيْهِ قِيمَتُهُ (۷۲) وَلا يُزَادُ على عَشَرَةِ الآفِ دِرْهِمٍ فَاِنْ كانَتْ قِيمَتُهُ عَشَرَةَ الآفِ دِرْهِمٍ اَوْ اَكْثَرَ قُضِيَ عَلَيْهِ بِعَشَرَةِ الآفِ اِلَّا عَشَرَةً (۷۳) وَفِى الاَمَةِ اِذَا زَادَتْ قِيمَتُهَا عَلى الدِّيَةِ يَجِبُ خَمسَةُ الآفِ اِلَّا عَشَرَةً (۷۴) وفى يد عَبْدٍ نِصفُ قِيمَته لا يُزَادُ عَلى خَمسَةِ الآفِ اِلَّا خَمسَةً۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی نے دوسرے کا غلام خطاءً قتل کیا تو اس پر غلام کی قیمت واجب ہوگی اور یہ قیمت دس ہزار درہم سے زیادہ نہ ہوگی پس اگر غلام کی قیمت دس ہزار درہم یا اس سے زائد ہو تو اس پر دس درہم کم دس ہزار کا فیصلہ کیا جائیگا اور لونڈی میں اگر اسکی قیمت دیت سے زائد ہو تو دس درہم کم پانچ ہزار درہم واجب ہونگے اور غلام کے ہاتھ میں اس کی آدھی قیمت واجب ہوگی لیکن یہ قیمت پانچ درہم کم پانچ ہزار سے زیادہ نہ ہو۔

تشریح:۔(۷۱) اگر کسی نے دوسرے کا غلام خطاءً قتل کیا تو اس پر غلام کی قیمت واجب ہوگی۔(۷۲) مگر یہ قیمت دس ہزار درہم سے زیادہ نہ ہوگی کیونکہ کامل (یعنی حر) کی دیت دس ہزار درہم ہیں تو اگر عبد (جو کہ ناقص ہے) کے قتل کی صورت میں بھی دس ہزار کا حکم دیا جائے تو کامل اور ناقص میں مساوات لازم آئیگی۔لہذا اگر مقتول غلام کی قیمت دس ہزار درہم یا اس سے زائد ہو تو مملوک کا مرتبہ آزاد سے کم ثابت کرنے کیلئے دس ہزار سے دس درہم کم کر کے ادا کر دیگا۔(۷۳) یہی حکم باندی کا ہے کہ اگر اس کی قیمت حرہ عورت کی دیت یعنی پانچ ہزار درہم سے زائد ہو تو دس درہم پانچ ہزار درہم سے کم کر کے ادا کر دیگا۔

(۷۴) اگر کسی نے غلام کا ہاتھ کاٹا تو اس پر غلام کی نصف قیمت واجب ہوگی لیکن یہ قیمت پانچ درہم کم پانچ ہزار سے زیادہ نہ ہو کیونکہ آدمی میں سے ہاتھ اس کا نصف ہے پس کل پر قیاس کیا جائیگا لہذا جو حکم کل غلام کے بارے میں ہے وہ اسکے نصف یعنی ہاتھ میں ہوگا البتہ برائے فرق بین الحر والعبد پانچ ہزار درہم سے پانچ درہم کم کر دئے جائیں گے۔

(۷۵) وَكُلُّ مَا يُقَدَّرُ مِنْ دِيَةِ الْحُرِّ فَهو مُقَدَّرٌ مِنْ قِيمَةِ الْعَبْدِ۔

ترجمہ:۔اور جو مقدار آزاد کی دیت سے مقرر ہے وہ غلام کی قیمت سے مقرر ہوگی۔

تشریح:۔(۷۵) یعنی ہر وہ مقدار جو آزاد کی دیت سے مقرر ہے وہ غلام کی قیمت سے مقرر ہوگی لہذا جہاں حر میں نصف دیت ہے وہاں عبد میں نصف قیمت ہے کیونکہ غلام میں قیمت ایسی ہے جیسے آزاد میں دیت۔

(۷۶) وَاِذَا ضَرَبَ بَطْنَ اِمْرَاةٍ فَاَلْقَتْ جَنِيناً مَيِّتاً فَعَلَيْهِ غُرَّةٌ (۷۷) وَالغُرَّةُ نِصفُ عُشرِ الدِّيَةِ (۷۸) فَاِنْ اَلْقَتْهُ حَيًّا ثُمَّ مَاتَ فَعَلَيْهِ دِيَةٌ كَامِلَةٌ (۷۹) وَاِنْ اَلْقَتْهُ مَيِّتاً ثُمَّ مَاتَتِ الاُمُّ فَعَلَيْهِ دِيَةٌ وَغُرَّةٌ (۸۰) وَاِنْ مَاتَتِ الاُمُّ ثُمَّ اَلْقَتْهُ مَيِّتاً فَعَلَيْهِ دِيَةٌ فِى الاُمِّ وَلا شَىْءَ فِى الجَنِينِ۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی نے عورت کے پیٹ پر مارا پس اس نے مردہ جنین ڈال دیا تو اس میں ایک غرہ واجب ہے اور غرہ دیت کی دسویں حصے کا نصف ہے اور اگر عورت نے زندہ بچہ ڈال دیا پھر وہ مر گیا تو اس پر کامل دیت واجب ہوگی اور اگر عورت نے مردہ بچہ ڈال دیا پھر ماں مر گئی تو

ضارب پر دیت اور غرہ واجب ہوگا اور اگر ماں مرگئی پھر مردہ بچہ ڈالا تو ضارب پر ماں کی دیت واجب ہوگی اور جنین میں کچھ واجب نہیں۔

تشریح:۔(۷۶) اگر کسی نے عورت کے پیٹ پر مارا پس اس نے مردہ جنین (مردہ بچہ) ڈال دیا تو اس میں ایک غرہ واجب ہے۔(۷۷) غرہ دیت کی دسویں حصے کا نصف ہے۔یعنی اگر جنین مذکر ہو تو مرد کی دیت کا نصف العشر واجب ہے اور اگر جنین مؤنث ہو تو عورت کی دیت کا نصف العشر واجب ہے۔(۷۸) اگر عورت مضروبہ نے زندہ بچہ ڈال دیا پھر وہ مرگیا تو ضارب پر کامل دیت واجب ہوگی کیونکہ ضارب نے بچہ کو پیدائش سے پہلے کی چوٹ کے ذریعہ سے ضائع کیا۔

(۷۹) اگر مضروبہ عورت نے مردہ بچہ ڈال دیا پھر ماں مرگئی تو ضارب پر ماں کے قتل کی وجہ سے دیت اور جنین کی وجہ سے غرہ واجب ہوگا کیونکہ تعدد اثر کی وجہ سے فعل بھی متعدد شمار ہوتا ہے۔(۸۰) اگر ضارب کی ضرب سے اول ماں مرگئی پھر اسکے پیٹ سے مردہ بچہ نکلا تو ضارب پر صرف ماں کی دیت واجب ہوگی اور جنین میں کچھ واجب نہیں ہوگا کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ جنین کی موت کا سبب ماں کی موت ہے فَأُحِيلَ اليه۔

(۸۱) وَمَايَجِبُ فِي الْجَنِيْنِ مَوْرُوْثٌ عَنْهُ۔

ترجمہ:۔اور جو کچھ جنین میں واجب ہو تو وہ اسکی طرف سے میراث ہے۔

تشریح:۔(۸۱) جو کچھ جنین میں واجب ہو خواہ غرہ ہو یا دیت تو وہ اسکے وارثوں کا ہے کیونکہ یہ نفس کا بدل ہے اور بدل عن المقتول ورثہ کیلئے ہے۔البتہ اگر قاتل وارث بھی ہو تو اس کو کچھ نہیں ملے گا لِاَنَّ الْقَاتِلَ لايَرِثُ۔

(۸۲) وَفِي جَنِيْنِ الْاَمَةِ اِذَا كَانَ ذَكَرًا نِصْفُ عُشْرِ قِيْمَتِهِ لَوْ كَانَ حَيًّا (۸۳) وَعُشْرُ قِيْمَتِهِ اِنْ كَانَ اُنْثٰى (۸۴) وَلَا كَفَّارَةَ فِي الْجَنِيْنِ۔

ترجمہ:۔اور باندی کے بچہ میں اگر وہ مذکر ہو تو اسکی قیمت کا نصف عشر ہے اگر وہ زندہ پیدا ہوا اور اسکی قیمت کا دسواں حصہ ہے اگر وہ مؤنث ہو اور جنین میں کفارہ واجب نہیں۔

تشریح:۔(۸۲) اگر باندی کا بچہ مذکر ہو تو اسکے زندہ پیدا ہونے پر اسکی قیمت کا بیسواں حصہ واجب ہوگا۔(۸۳) اور اگر وہ مؤنث ہو تو دسواں حصہ واجب ہے۔ماں کی قیمت کا اعتبار نہیں کیونکہ مقدار واجب نفس جنین کا بدل ہے لہذا اس کا اندازہ اسی کی ذات سے ہوگا وَفِي هٰذِهِ صُوْرَةُ تَفْضِيْلِ الْاُنْثٰى عَلَى الذَّكَرِ فِي الْاَرْشِ ۔(۸۴) کسی کے ضرب سے جنین گر کر مرا تو ضارب پر کفارہ واجب نہیں بے شک مندوب ہے کیونکہ کفارہ قتل میں واجب ہوتا ہے جبکہ جنین کی زندگی معلوم نہیں۔

(۸۵) وَالْكَفَّارَةُ فِي شِبْهِ الْعَمَدِ وَالْخَطَأِ عِتْقُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ (۸۶) فَاِنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ (۸۷) وَلَا يُجْزِئُ فِيْهِ الْاِطْعَامُ۔

ترجمہ:۔اور قتل شبہ عمد اور قتل خطاء میں قاتل پر کفارہ ایک مؤمن غلام کو آزاد کرنا ہے اور اگر غلام نہیں پایا تو پھر لگاتار دو مہینے روزہ

رکھنا ہے اور اس میں کھانا کھلانا کافی نہیں۔

تشریح:۔(۸۵) قتل شبہ عمد اور قتل خطاء میں قاتل پر کفارہ لازم ہے اور کفارہ یہ ہے کہ ایک مؤمن غلام کو آزاد کردے۔(۸۶) اگر غلام نہیں پایا تو پھر لگاتار دو مہینے روزہ رکھے لقوله تعالیٰ ﴿فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلٰى أَهْلِهِ.......... فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ﴾ (یعنی رقبہ مؤمنہ کو آزاد کردے اور مقتول والوں کو دیت دیدے.......... پھر جس شخص کو نہ ملے تو متواتر دو ماہ کے روزے ہیں)۔(۸۷) مگر ان دو صورتوں میں ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا کافی نہیں کیونکہ اس کے بارے میں نص وارد نہیں اور بدل بالرای مقرر کرنا درست نہیں۔

بَابُ الْقَسَامَةِ

یہ باب قسامت کے بیان میں ہے۔

"قسامة" لغت میں مطلقاً قسم کے معنی میں ہے۔اور اصطلاح شرع میں بعد مخصوص وسبب مخصوص اور وجہ مخصوص کے ساتھ قسم کھانے کو کہتے ہیں۔اس کی تشریح یہ ہے کہ کسی محلہ یا مکان میں ایسا مقتول پایا جائے جس کا قاتل معلوم نہ ہو حالانکہ اس میں گلا گھونٹنے یا ضرب یا جراحت کا اثر موجود ہے تو اس مقام کے پچاس آدمیوں سے قسم لی جائے گی اس طرح کہ ہر ایک قسم کھائے کہ واللہ میں نے اس کو قتل نہیں کیا اور نہ مجھے اس کا قاتل معلوم ہے۔اور شرط یہ ہے کہ پچاس بالغ مرد ہوں اگر یہ تعداد پورا نہ ہو تو موجودین سے مکرر قسم لی جائے گی یہاں تک کہ پچاس کی تکمیل ہو جائے اور بعد از قسم دیت کا حکم دیا جائیگا تا کہ خون رائیگاں ہونے سے محفوظ رہے۔محلہ والوں کو قسم دینے اور ان سے دیت لینے کی عقلی وجہ یہ ہے کہ محلہ کی حفاظت ان کی ذمہ داری ہے تو جب اس میں مقتول پایا گیا معلوم ہوا کہ انہوں اپنی ذمہ داری ادا نہیں کی ہے لہذا ان سے قسم اور دیت لی جائیگی۔

ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ امر قتل کا مرجع بعض احوال میں قسامت ہوتا ہے لہذا بعد از دیات اسکو مستقل باب میں ذکر کیا۔

(۸۸) وَإِذَا وُجِدَ الْقَتِيْلُ فِي مَحَلَّةٍ لَايُعْلَمُ مَنْ قَتَلَهُ اُسْتُحْلِفَ خَمْسُوْنَ رَجُلًا مِنْهُمْ يَتَخَيَّرُهُمُ الْوَلِيُّ بِاللّٰهِ مَاقَتَلْنَاهُ وَلَا عَلِمْنَا لَه قَاتِلًا (۸۹) فَإِذَا حَلَفُوْا قُضِيَ عَلٰى أَهْلِ الْمَحَلَّةِ بِالدِّيَةِ (۹۰) وَلَا يُسْتَحْلَفُ الْوَلِيُّ (۹۱) وَلَا يُقْضٰى لَه بِالْجِنَايَةِ وَإِنْ حَلَفَ (۹۲) وَإِنْ أَبٰى وَاحِدٌ مِنْهُمْ حُبِسَ حَتّٰى يَحْلِفَ۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی محلہ میں مقتول پایا گیا اور یہ معلوم نہ ہو کہ کس نے اس کو قتل کیا ہے تو ان میں سے پچاس آدمیوں سے قسم لی جائیگی جن کا انتخاب ولی کریگا کہ واللہ ہم نے اس کو قتل نہیں کیا ہے اور نہ ہم اسکے قاتل کو جانتے ہیں پس جب وہ قسم کھالیں تو محلہ والوں پر دیت کا حکم کیا جائیگا اور ولی مقتول سے قسم نہیں لی جائے گی اور نہیں فیصلہ کیا جائیگا اس کے لئے جنایت کا اگر چہ وہ قسم کھالے اگر اہل محلہ میں سے کسی ایک نے قسم کھانے سے انکار کیا تو وہ محبوس کیا جائیگا یہاں تک کہ قسم کھائے۔

تشریح:۔(۸۸) اگر کسی محلہ میں مقتول پایا گیا اور یہ معلوم نہ ہوسکا کہ کس نے اس کو قتل کیا ہے تو مقتول کا ولی اس محلہ والوں میں سے پچاس

آدمیوں کا قسم کھانے کے لئے انتخاب کریگا کیونکہ حق یمین ولی کو حاصل ہے۔اور ظاہر یہ ہے کہ ایسے لوگوں کا انتخاب کریگا جن پر قتل کا شبہ ہے یا محلے کے نیک صالح لوگوں کا انتخاب کریگا کہ وہ جھوٹی قسم سے دور رہتے ہیں یوں قاتل معلوم ہو جائے گا۔یہ لوگ قسم کھائیں گے کہ واللہ ہم نے اس کو قتل نہیں کیا ہے اور نہ ہم اسکے قاتل کو جانتے ہیں۔(۸۹) پھر جب وہ قسم کھالیں تو قاضی انکو دیت ادا کرنے کا حکم دیگا۔

(۹۰) محلہ والوں میں اگر مقتول کا ولی بھی ہو تو اس سے قسم نہیں لی جائے گی کیونکہ ولی مدعی ہے اور مدعی پر بینہ ہے قسم نہیں " لقوله صلى الله عليه وسلم اَلْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِي وَالْيَمِيْنُ عَلٰى مَنْ اَنْكَرَ " (مدعی پر گواہ ہیں اور جو انکار کرے اس پر قسم ہے)۔(۹۱) اگر مقتول کے ولی نے کسی پر الزام لگا کر قسم کھائی کہ یہ قاتل ہے تو ولی کی قسم پر اس کیلئے جنایت کا فیصلہ نہیں کیا جائیگا کیونکہ یمین دفع حق کیلئے مشروع ہے استحقاق حق کے لئے نہیں۔

(۹۲) پھر اگر اہل محلہ میں سے جن کو مقتول کے ولی نے منتخب کیا ہے کسی ایک نے قسم کھانے سے انکار کیا تو وہ محبوس کیا جائیگا یہاں تک کہ قسم کھائے کیونکہ محلہ میں قتل ہونے کی وجہ سے محلہ والوں کو قسم دینا مقتول کے ورثہ کا حق ہے لہذا اگر وہ قسم سے انکار کرے تو قید کیا جائیگا۔

(۹۳) وَاِنْ لَمْ يَكْمُلْ اَهْلُ الْمَحَلَّةِ كُرِّرَتِ الْاَيْمَانُ عَلَيْهِمْ حَتّٰى يَتِمَّ خَمْسِيْنَ يَمِيْنًا (۹۴) ولا يَدْخُلُ فِي الْقَسَامَةِ صَبِيٌّ وَلا مَجْنُوْنٌ ولا اِمْرَاَةٌ ولا عَبْدٌ۔

ترجمہ:۔اور اگر اہل محلہ کی تعداد پچاس کو نہ پہنچی تو ان پر قسم مکرر کی جائے گی یہاں تک کہ پچاس قسمیں پوری ہو جائیں اور قسامت میں بچہ داخل نہ ہوگا اور نہ دیوانہ اور نہ عورت اور نہ غلام۔

تشریح:۔(۹۳) اگر اہل محلہ کی تعداد پچاس کو نہ پہنچی تو ان سے مکرر قسم لی جائے گی یہاں تک کہ پچاس قسمیں پوری ہو جائیں کیونکہ یہ ثابت بالسنۃ ہے تو حتی الامکان اس کی تکمیل واجب ہے۔(۹۴) قسامت میں بچہ اور دیوانہ داخل نہ ہونگے کیونکہ یہ قول صحیح کے اہل نہیں حالانکہ قسم ایک قول صحیح ہوتی ہے۔عورت وغلام پر بھی قسامت نہیں کیونکہ یہ دو اہل نصرت میں سے نہیں حالانکہ قسم ان لوگوں پر ہوتی ہے جو اہل نصرت ہو۔

(۹۵) وَاِنْ وُجِدَ مَيِّتٌ لا اَثَرَ به فلا قَسَامَةَ ولا دِيَةَ (۹۶) و كذالِكَ اِنْ كَانَ الدَّمُ يَسِيْلُ مِنْ اَنْفِهٖ اَوْ دُبُرِهٖ اَوْ فَمِهٖ (۹۷) فَاِنْ كَانَ يَخْرُجُ مِنْ عَيْنِهٖ اَوْ اُذُنِهٖ فهو قَتِيْلٌ۔

ترجمہ:۔اور اگر ایسا مردہ پایا گیا جس پر کوئی اثر نہ ہو تو نہ قسامت ہے اور نہ دیت ہے اور یہی حکم ہے اگر خون میت کی ناک یا اس کی دبر یا اسکے منہ سے بہتا ہو اور اگر خون اسکے آنکھ یا کان سے نکلتا ہو تو یہ مقتول شمار ہوگا۔

تشریح:۔(۹۵) اگر کسی محلہ میں ایسا مردہ پایا گیا جس پر کوئی نشان زخم یا ضرب یا گلا گھونٹنے کا نہیں تو اہل محلہ پر قسامت اور دیت کچھ نہیں کیونکہ یہ شخص مقتول نہیں بلکہ یہ اپنی موت مرگیا ہے کیونکہ اسکے مقتول ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔(۹۶) یہی حکم اس

میت کا بھی ہے جس کی ناک یا دبر یا قبل یا منہ سے خون بہتا ہو کیونکہ ان مقامات سے خون بدون کسی کے فعل کے از راہ عادت نکلتا ہے لہذا یہ اسکے مقتول ہونے کی دلیل نہیں۔

(۹۷) اگر خون اسکے آنکھ یا کان سے نکلتا ہو تو یہ مقتول شمار ہوگا کیونکہ عادۃً یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ مردہ کی آنکھ یا کان سے خون بہتا جب ہی ہوتا ہے کہ کسی زندہ کی جانب سے اسکے ساتھ کسی فعل کا ارتکاب ہوا ہو۔

(۹۸)وَاِذَا وُجِدَ الْقَتِيْلُ عَلى دَابَّةٍ يَسُوْقُهَا رَجُلٌ فَالدِّيَةُ عَلى عَاقِلَتِهِ دُوْنَ اَهْلِ الْمَحَلَّةِ(۹۹)وَاِنْ وُجِدَ الْقَتِيْلُ فِي دَارِ اِنْسَانٍ فَالْقَسَامَةُ عَلَيْهِ وَالدِّيَةُ عَلى عَاقِلَتِهِ۔

ترجمہ:۔اور اگر مقتول کسی ایسے جانور پر پایا گیا کہ اسکو کوئی ہانک رہا تھا تو دیت اسکے عاقلہ پر ہے اہل محلہ پر نہیں اور اگر مقتول کسی شخص کے گھر میں پایا گیا تو قسامت صاحب گھر پر ہوگی اور دیت اسکے عاقلہ پر واجب ہوگی۔

تشریح:۔(۹۸) اگر مقتول کسی ایسے جانور پر پایا گیا کہ اسکو کوئی ہانک رہا تھا تو دیت اسکے عاقلہ پر ہے اہل محلہ پر نہیں کیونکہ مقتول اسکے قبضہ میں ہے تو یہ ایسا ہے جیسا کہ اسکے گھر میں ملا ہو۔(۹۹) اگر مقتول کسی شخص کے گھر میں پایا گیا تو قسامت صاحب گھر پر ہوگی کیونکہ گھر اسی کے قبضہ میں ہے اور دیت اسکے عاقلہ پر واجب ہوگی کیونکہ اس کی نصرت وقوۃ انہیں سے ہے۔

(۱۰۰)وَلَايَدْخُلُ السُّكَّانُ فِي الْقَسَامَةِ مَعَ الْمُلَّاكِ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ (۱۰۱)وَهِيَ عَلى اَهْلِ الْخِطَّةِ دُوْنَ الْمُشْتَرِيْنَ وَلَوْ بَقِيَ مِنْهُمْ وَاحِدٌ۔

ترجمہ:۔اور قسامت میں مکان کے مالکوں کے ساتھ مکان میں رہنے والے داخل نہ ہونگے یہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے اور قسامت اہل خطہ پر ہے مشترین پر نہیں اگر چہ ان میں سے ایک باقی ہو۔

تشریح:۔(۱۰۰) قسامت میں مکان کے مالکوں کے ساتھ کرایہ دار اور عاریۃً لینے والے داخل نہ ہونگے یہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے دلیل یہ ہے کہ مالک ہی مدد کے لئے مختص ہے سکان نہیں کیونکہ مالکوں کی سکونت لازمی ودائمی ہوتی ہے تو تدبیر کی ولایت بھی ان ہی پر ہوگی لہذا تقصیر ان کی طرف سے ثابت ہوگی۔امام ابویوسفؒ کے نزدیک قسامت سب پر واجب ہوگی کیونکہ ولایت تدبیر جس طرح کہ ملکیت سے ثابت ہوتی ہے سکونت سے بھی حاصل ہوتی ہے۔

(۱۰۱) قسامت اہل خطہ پر ہے اگر چہ ان میں سے ایک باقی ہو مشترین پر نہیں کیونکہ صاحب خطہ اصیل ہے اور مشتری دخیل ہے اور ولایت تدبیر اصیل پر ہے دخیل اسکا مزاحم نہیں ہوسکتا۔یہ طرفین کا مسلک ہے۔امام ابویوسف رحمہ اللہ کے نزدیک سب پر ہے (طرفین کا قول راجح ہے)۔

فائدہ:۔اہل خطہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو اسی وقت سے زمین کے مالک ہوں جب سے امام نے شہر فتح کیا ہو اور زمین کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کر کے ہر ایک کو اسکے حصہ کی تحریر لکھ دی ہو۔

(۱۰۲)وَاِنْ وُجِدَ الْقَتِيْلُ فِي سَفِيْنَةٍ فَالْقَسَامَةُ عَلٰى مَنْ فِيْهَا مِنَ الرُّكَّابِ وَالْمَلَّاحِيْنَ (۱۰۳)وَاِنْ وُجِدَ فِي مَسْجِدِ مَحَلَّةٍ فَالْقَسَامَةُ عَلٰى اَهْلِهَا(۱۰۴)وَاِنْ وُجِدَ فِي الْجَامِعِ اَوِ الشَّارِعِ الْاَعْظَمِ فَلَا قَسَامَةَ فِيْهِ وَالدِّيَةُ عَلٰى بَيْتِ الْمَالِ۔

ترجمہ:۔ اور اگر مقتول کشتی میں پایا گیا تو قسامت ان لوگوں پر ہے جو کشتی میں سوار ہوں اور ملاّحوں پر ہے اور اگر مقتول کسی محلہ کی مسجد میں پایا گیا تو اس مسجد والوں پر قسامت واجب ہوگی اور اگر جامع مسجد یا شارع عام پر مقتول پایا گیا تو اس میں قسامت نہیں اور اس مقتول کی دیت بیت المال پر واجب ہوگی۔

تشریح:۔ (۱۰۲) اگر کشتی میں کوئی شخص مقتول پایا گیا تو قسامت کشتی کے ملاّحوں اور ان لوگوں پر ہے جو کشتی میں سوار ہوں کیونکہ کشتی انکے قبضہ میں ہے۔(۱۰۳) اور اگر مقتول کسی محلہ کی مسجد میں پایا گیا تو اس مسجد والوں پر قسامت واجب ہوگی کیونکہ اس مسجد کی تدبیر کی ولایت انہیں لوگوں کو حاصل ہے۔

(۱۰۴) اگر جامع مسجد یا شارع عام پر مقتول پایا گیا تو اس میں قسامت نہیں کیونکہ جامع مسجد یا شارع عام تو عام لوگوں کیلئے ہے ان میں کسی کی خصوصیت نہیں۔ اور اس مقتول کی دیت بیت المال پر واجب ہوگی کیونکہ بیت المال عام مسلمانوں کی مصائب کیلئے ہے۔

(۱۰۵)وَاِنْ وُجِدَ فِي بَرِّيَّةٍ لَيْسَ بِقُرْبِهَا عِمَارَةٌ فَهُوَ هَدْرٌ (۱۰۶)وَاِنْ وُجِدَ بَيْنَ قَرْيَتَيْنِ كَانَ عَلٰى اَقْرَبِهِمَا(۱۰۷)وَاِنْ وُجِدَ فِي وَسْطِ الْفُرَاتِ يَمُرُّ بِهِ الْمَاءُ فَهُوَ هَدْرٌ (۱۰۸)وَاِنْ كَانَ مُحْتَبَسًا بِالشَّاطِئِ فَهُوَ عَلٰى اَقْرَبِ الْقُرٰى مِنْ ذٰلِكَ الْمَكَانِ۔

ترجمہ:۔ اور اگر مقتول کسی جنگل میں پایا گیا جس کے قریب میں کوئی آبادی نہیں تو اس کا خون رائیگاں ہے اور اگر دو گاؤں کے درمیان پایا گیا تو جس کے زیادہ قریب ہو تو قسامت و دیت اسی پر ہوگی اور اگر مقتول وسط فرات میں پایا گیا جس پر پانی بہہ رہا ہو تو اس کا خون رائیگاں ہے اور اگر مقتول دریا کے کنارے رکا ہوا ہو تو یہاں سے جو گاؤں سب سے زیادہ قریب ہو قسامت و دیت اسی پر ہوگی۔

تشریح:۔ (۱۰۵) اگر مقتول کسی جنگل میں پایا گیا جس کے قریب میں کوئی آبادی نہیں تو اس کا خون رائیگاں ہے کیونکہ جب یہ ایسی حالت میں پایا گیا کہ کوئی مددگار اسکی مدد کیلئے نہیں پہنچ سکتا تو کوئی شخص قصوروار نہیں ہوسکتا۔(۱۰۶) اگر مقتول دو گاؤں کے درمیان پایا گیا تو جس کے زیادہ قریب ہو تو قسامت و دیت اسی پر ہوگی۔ اور اگر قرب میں دونوں گاؤں برابر ہوں تو پھر دونوں پر ہوگی۔

(۱۰۷) اگر مقتول وسط فرات (یا کوئی بھی بڑا نہر جو کسی کی ملک میں نہ ہو) میں پایا گیا جس پر پانی بہہ رہا ہو تو اس کا خون رائیگاں ہے کیونکہ ایسے دریا کسی کے قبضہ وملک میں نہیں۔(۱۰۸) اگر مقتول ایسے ہی کسی دریا کے کنارے رکا ہوا ہو تو یہاں سے جو گاؤں سب سے زیادہ قریب ہو قسامت و دیت اسی پر ہوگی کیونکہ اس مقام کی تصرف کیلئے یہی لوگ مختص ہیں۔

☆ ☆ ☆

(۱۰۹)وانِ ادّعٰى الوَلِيّ عَلٰى وَاحِدٍ مِنْ اَهْلِ المَحَلّةِ بِعَيْنِهٖ لَمْ تَسْقُطِ القَسامَةُ عَنْهُمْ (۱۱۰)وانِ ادّعٰى على وَاحِدٍ من غَيْرِهِمْ سَقَطَتْ عَنْهُمْ۔

ترجمہ:۔اوراگرولی مقتول نے اہل محلہ میں سے کسی معین شخص پرقتل کادعویٰ کیاتواہل محلہ سے قسامت ساقط نہ ہوگی اوراگرولی مقتول نے محلہ والوں کے غیر پردعویٰ کیاتواہل محلہ سے قسامت ساقط ہوجائے گی۔

تشریح:۔(۱۰۹)اگرولی مقتول نے اہل محلہ میں سے کسی معین شخص پرقتل کادعویٰ کیاتواہل محلہ سے قسامت ساقط نہ ہوگی کیونکہ ولی مقتول نے اپنے دعویٰ میں اہل محلہ سے تجاوزنہیں کیابلکہ ان ہی میں سے ایک کاتعین کیاہے۔(۱۱۰)اگرولی مقتول نے محلہ والوں کے غیر پردعویٰ کیاتواہل محلہ سے قسامت ساقط ہوجائے گی۔وجہ فرق یہ ہے کہ اہل محلہ پرقسامت واجب ہونااس بات کی دلیل ہے کہ قاتل انہیں میں سے ہےاورولی کامحلہ والوں کے غیر پردعویٰ کرنااس بات کابیان ہے کہ قاتل ان میں سے نہیں حالانکہ اہل محلہ اس وقت دیت کاتاوان اٹھائینگے کہ جب قاتل انہیں میں سے ہوکیونکہ اس صورت میں یہ لوگ تقدیراً قاتل ہیں کیونکہ انہوں نے قاتل کاہاتھ نہیں روکاہے۔

(۱۱۱)وَاِذاقالَ المُسْتَحْلَفُ قَتَلَهُ فُلانٌ اُسْتُحْلِفَ بِاللّٰهِ ما قَتَلْتُ ولا عَلِمْتُ لَه قَاتلاغَيرَ فُلانٍ (۱۱۲)واِذَا شَهِدَ اِثْنَانِ من اَهْلِ المَحَلّةِ عَلٰى رَجُلٍ مِنْ غَيْرِهِمْ اَنّه قَتَلَهُ لم تُقْبَلْ شَهَادَتُهُمَا۔

ترجمہ:۔اوراگرمستحلف نے کہاکہ اس کوفلاں شخص نے قتل کیاہےتواس کویوں قسم دی جائے گی کہ واللہ میں نے قتل نہیں کیاہےاورنہ میں اس کاکوئی قاتل سوائے فلاں کے جانتاہوں اوراگراس محلہ کے دوشخصوں نے ایک ایسے شخص پرگواہی دی جواس محلہ کانہیں کہ وہ اس کاقاتل ہےتوانکی گواہی قبول نہ ہوگی۔

تشریح:۔(۱۱۱)اگرمستحلف (جس کوقسم دی جارہی ہو) نے کہاکہ اس کوفلاں شخص نے قتل کیاہےتواس کایہ قول معتبرنہیں کیونکہ وہ اس قول کے ذریعہ اپنی ذات سے خصومت دورکرناچاہتاہےلہٰذااس کوقسم دی جائے گی اوریوں قسم لیگاکہ واللہ میں نے قتل نہیں کیاہےاورنہ میں اس کاکوئی قاتل سوائے فلاں کے جانتاہوں۔

(۱۱۲)جس محلہ میں مقتول پایاگیااگراس محلہ کے دوشخصوں نے گواہی دی کہ فلاں شخص (جواس محلہ کانہیں)اس کاقاتل ہےتوانکی گواہی قبول نہ ہوگی کیونکہ یہ تہمت موجودہے کہ یہ خودسے قسامت اوردیت دفع کرناچاہتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

كتاب المعاقل

یہ کتاب معاقل کے بارے میں ہے۔

"معاقل" جمع ہے "معقلة" (بفتح الميم وضم الكاف) کی بمعنی دیت۔اور دیت کومعقلۃ اسلئے کہتے ہیں کہ یہ عقل سے ہے اور عقل بمعنی روکنا تو دیت بھی خونوں کو بہانے سے روکتی ہے۔اور عاقلہ قاتل کی نصرت کرنے والوں اور عقل (یعنی دیت) ادا کرنے والوں کو کہتے ہیں۔عبارت میں مضاف مقدر ہے "اَیْ کِتَابُ اَهْلِ الْمَعَاقِلِ "کیونکہ دیت کا بیان پہلے گذر چکا ہے یہاں مقصود "من تجب عليهم الدية" کا بیان ہے۔

ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ ماقبل میں قتل خطاء کا موجب یہ بیان کیا تھا کہ، عاقلہ پر دیت واجب ہوگی، مگر یہ بیان نہیں کیا تھا کہ عاقلہ کسے کہتے ہیں تو ان کے انواع واحکام بیان کرنے کیلئے کتاب المعاقل کو ذکر کیا۔

(۱) اَلدِّيَةُ فِي شِبْهِ عَمْدٍ وَالْخَطَاءِ (۲) وَكُلّ دِيَةٌ وَجَبَتْ بِنَفْسِ الْقَتْلِ عَلَى الْعَاقِلَةِ۔

ترجمہ:۔اور دیت شبہ عمد اور قتل خطاء میں ہے اور ہر وہ دیت جو محض قتل کی وجہ سے لازم ہو عاقلہ پر لازم ہوتی ہے۔

تشریح:۔(۱) قتل شبہ عمد اور قتل خطاء میں جو دیت لازم آتی ہے وہ قاتل کے عاقلہ پر ہے۔(۲) اسی طرح ہر وہ دیت جو محض قتل کی وجہ سے لازم ہو وہ بھی عاقلہ پر لازم ہوتی ہے۔محض قتل کی وجہ سے لازم ہونے کی قید سے احتراز ہوا اس صورت سے کہ جس میں دیت محض قتل کی وجہ سے نہیں بلکہ صلح کی وجہ سے لازم ہو کیونکہ دیت واجب بالصلح قاتل پر لازم ہے عاقلہ پر نہیں۔

(۳) وَالْعَاقِلَةُ اَهْلُ الدِّيْوَانِ اِنْ كان الْقَاتِلُ مِنْ اَهْلِ الدِّيْوَانِ (٤) يُؤْخَذُ مِنْ عَطَايَاهُمْ فِي ثَلٰثِ سِنِيْنَ فَاِنْ خَرَجَتِ الْعَطَايَا فِي اَكْثَرَ مِنْ ثَلٰثِ سِنِيْنَ اَوْ اَقَلّ اُخِذَ مِنْهَا۔

ترجمہ:۔اور عاقلہ اہل دیوان ہیں اگر قاتل اہل دیوان میں سے ہو اور دیت ان کے عطایا سے تین سالوں میں لی جائے گی پھر اگر عطایا تین سال سے کم یا زائد میں نکل آئے تو ان سے وصول کر لی جائے گی۔

تشریح:۔(۳) قاتل کے عاقلہ اسکے اہل دیوان (دیوان اس دفتر اور رجسٹر کو کہتے ہیں جس میں وظیفہ خوروں یا فوجیوں کے نام درج ہوں) ہونگے بشرطیکہ قاتل اہل دیوان میں سے ہو کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے جب دواوین مقرر فرمائے تو ہر ایک کی دیت اسکے دیوان والوں پر مقرر کی یوں صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کے مجمع میں حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے کیا تھا صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم میں سے کسی نے اس پر انکار نہیں فرمایا تھا تو یہ اجماع صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم ہے۔یہی وجہ ہے کہ علماء نے فرمایا کہ اگر اس زمانے میں کوئی قوم ایسی ہو کہ ان کی باہم مددگاری بذریعہ پیشہ ہو تو اس کے پیشہ والے اسکے عاقلہ ہونگے۔اور دیت عاقلہ کے ایسے مال سے لیجائے گی جو انکو بطور عطیہ (وہ مال جو دفتر والوں کو عطیۂ سال میں ایک یا دو مرتبہ ملتا ہے اور رزق وہ ہے جو ماہانہ ملتا ہے) ملتا ہے۔

(٤) ان پر فیصلہ ہونے کے بعد دیت سے تین سالوں میں ان سے لی جائیگی یہی تقدیر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔

پھر اگر یہ عطایا عاقلہ کو آنے والے تین سالوں کے ایک ہی سال میں مل گئے تو کل دیت اسی سے لی جائے گی اور اگر تین سال کے عطایا مثلاً چھ سالوں میں مل گئے تو چھ سالوں میں لی جائے گی۔

(۵)وَمَنْ لم يَكُنْ مِنْ اَهْلِ الدِّيْوَانِ فَعَاقِلَتُهُ قَبِيْلَتُهُ (٦)تُقَسَّطُ عَلَيْهِمْ فِى ثَلٰثِ سِنِيْنَ لا يُزَادُ الْوَاحِدُ عَلٰى اَرْبَعَةِ دَرَاهِمَ فِى كُلِّ سَنَةٍ دِرْهَمٌ وَدَانِقَانِ ويُنْقَصُ مِنْهَا(۷)فَاِنْ لم تَتَّسِعِ الْقَبِيْلَةُ للذالِكَ ضُمَّ اِلَيْهِمْ اَقْرَبُ الْقَبَائِلِ مِنْ غَيْرِهِمْ (۸)ويَدْخُلُ الْقَاتِلُ مَعَ الْعَاقِلَةِ فَيَكُوْنُ فِيْمَا يُؤَدِّى كَاَحَدِهِمْ۔

ترجمہ:۔اور اگر قاتل اہل دیوان میں سے نہیں تو اسکا عاقلہ اسکا نسبی قبیلہ ہے اور دیت ان پر تین سالوں میں تقسیم کی جائے گی اس طرح کہ ہر شخص پر ایک سال میں چار درہم سے زیادہ نہ ہوں ہر سال میں ایک درہم اور دو دانق ہونگے اور اس سے بھی کم ہوسکتا ہے اور اگر قبیلہ میں گنجائش نہ ہو تو دوسرے قریبی قبیلے ان کے ساتھ ملائے جائیں گے اور عاقلہ کے ساتھ قاتل بھی داخل ہوگا پس ادائگی دیت میں عاقلہ والوں میں سے کسی ایک کی طرح ہوگا۔

تشریح:۔(۵)اگر قاتل اہل دیوان میں سے نہیں تو اسکا عاقلہ اسکا نسبی قبیلہ ہے کیونکہ اس کی نصرت ان ہی سے ہے اور عاقلہ ہونے میں نصرت ہی معتبر ہے۔(٦)اور یہ دیت قبیلہ والوں پر تین سالوں میں تقسیم کی جائے گی اس طرح کہ ہر شخص پر چار درہم سے زیادہ نہ ہوں اور ہر سال میں ایک شخص پر ایک درہم اور دو دانق (ایک دانق درہم کا چھٹا حصہ ہے) ہونگے۔یہ اس وقت جب عاقلہ کم ہو اگر عاقلہ زیادہ ہو تو اس مقدار سے بھی کم ہوسکتا ہے۔

(۷)اگر قبیلہ والے کم ہوں بعد از تقسیم دیت پوری نہ ہوتی ہو تو پھر دوسرے ایسے قبائل پر تقسیم کی جائیگی جو اس قبیلہ کے ساتھ نسب میں قریب ہوں۔(۸)قتل خطاء میں قاتل کو بھی دیت کی ادائگی میں عاقلہ میں داخل کیا جائیگا پس ادائگی دیت میں عاقلہ والوں میں سے کسی ایک طرح ہوگا کیونکہ قاتل حقیقۃً فاعل ہے تو قاتل کو خارج کر کے دوسروں کا مواخذہ کرنے کا کوئی معنی نہیں جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قاتل پر دیت میں سے کچھ واجب نہیں۔

(۹)وَعَاقِلَةُ الْمُعْتَقِ قَبِيْلَةُ مَوْلاهُ۔

ترجمہ:۔اور آزاد شدہ کا عاقلہ اسکے مولی کا قبیلہ ہے۔

تشریح:۔یعنی معتق (آزاد کیا ہوا غلام) کا عاقلہ اسکے مولی کا قبیلہ ہے کیونکہ اسکی نصرت ان ہی سے ہے اور اسی کی مؤید یہ حدیث ہے مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْهُمْ (یعنی کسی قوم کا مولی اسی قوم کا آدمی ہوتا ہے)۔

(۱۰)وَمَوْلَى الْمُوَالاتِ يَعْقِلُ عَنْهُ مَوْلاهُ وَقَبِيْلَتُهُ (۱۱)ولا تَتَحَمَّلُ الْعَاقِلَةُ اَقَلَّ مِنْ نِصْفِ عُشْرِ الدِّيَةِ وَتَتَحَمَّلُ نِصْفَ الْعُشْرِ فَصَاعِدًا(۱۲)وما نَقَصَ مِنْ ذَالِكَ فهو فِى مَالِ الْجَانِى۔

ترجمہ:۔اور مولی الموالات کی طرف سے عاقلہ اس کا مولی اور اس کا قبیلہ ہوگا اور عاقلہ نصف عشر دیت سے کم برداشت نہیں کرینگے اور

نصف عشر یا اس سے زیادہ برداشت کرینگے اور جو اس سے کم ہو وہ جانی کے مال میں ہوگا۔

تشریح:۔(۱۰) جس نے دوسرے کے ساتھ عقد موالات کیا ہو تو اس کے جرم خطاء کی صورت میں اسکا عاقلہ اس کا مولی اور مولی کی قوم ہوگی کیونکہ یہ بھی ولاء العتاقہ کی طرح ولاء ہے جس میں ایک دوسرے کی مدد کی جاتی ہے (عقد موالات اس سے عبارت ہے کہ ایک شخص دوسرے کے ساتھ یہ معاہدہ کرلے کہ اگر میں نے کوئی جنایت کی تو اسکا تاوان تجھ پر ہے اور اگر میں مرگیا تو تو میرا وارث ہوگا)۔

(۱۱) عاقلہ دیت کے نصف عشر (دیت کے دسویں حصہ کا نصف) سے کم میں مجرم کی مدد نہیں کرینگے کیونکہ عاقلہ اس لئے مدد کرتی ہے تاکہ جانی پر زیادہ تنگی نہ ہو اور نصف عشر سے کم لازم ہونے کی صورت میں چونکہ بوجھ کم ہے لہذا عاقلہ مدد نہیں کرینگے ہاں نصف عشر یا اس سے زیادہ تاوان آنے کی صورت میں عاقلہ مدد کرینگے لما مرّ۔(۱۲) اور جو تاوان نصف عشر سے کم ہو وہ جانی کے مال میں سے دیا جائیگا لما مرّ۔

(۱۳) وَلاتَعقِلُ العَاقِلَةُ جِنَايَةَ العَبدِ (۱۴) ولا تَعقِلُ الجِنَايَةَ الَّتِيْ اِعتَرَفَ بِهَا الجَانِي اِلّاانْ يُصَدِّقُوْهُ (۱۵) ولاتَعقِلُ مالَزِمَهُ بالصُّلحِ۔

ترجمہ:۔اور اور عاقلہ غلام کے جرم کی دیت نہیں دینگے اور ایسی جنایت کی بھی دیت نہیں دینگے جس کا جانی نے خود اعتراف کیا ہو الا یہ کہ وہ اس کی تصدیق کریں اور نہ وہ دیت دینگے جو جانی پر صلح کی وجہ سے لازم ہو۔

تشریح:۔(۱۳) کسی شخص کے عاقلہ اسکے غلام کے جرم کی دیت نہیں ادا کرینگے۔(۱۴) اسی طرح اگر مجرم نے جرم کر کے پھر اپنے اوپر جرم کا اقرار کیا کہ یہ جنایت میں نے کی ہے تو اس پر جو دیت آئیگی وہ بھی عاقلہ پر نہیں بلکہ مجرم پر ہوگی۔(۱۵) ایسی دیت بھی عاقلہ پر نہیں جو مجرم پر صلح کرنے کی وجہ سے لازم ہو کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ قتل عمد کی دیت عاقلہ والے نہیں ادا کرینگے اور نہ صلح کی اور نہ اقرار کرنے کی اور نہ مملوک کے جرم کی۔

(۱۶) وَاِذَا جَنیٰ الحُرّ عَلی العَبدِ جِنَايَةً خَطأً كَانَتْ علی عَاقِلَتِهِ

ترجمہ:۔اور اگر آزاد شخص نے غلام پر خطاءً جنایت کی تو دیت جانی کے عاقلہ پر ہے۔

تشریح:۔(۱۶) اگر کسی آزاد شخص نے دوسرے کے غلام پر جنایت کر کے خطاءً قتل کیا تو اسکی دیت جانی کے عاقلہ پر ہے کیونکہ یہ جان کا عوض ہے اور جان کا عوض عاقلہ پر ہے۔البتہ اگر کسی نے غلام پر اس سے کم درجہ کی جنایت کی تو اسکو عاقلہ برداشت نہیں کرینگے کیونکہ یہ جنایت علی الاموال کے درجہ میں ہے۔

كتاب الحُدُود

یہ کتاب حدود کے بیان میں ہے۔

''حدود'' جمع ہے ''حد'' کی، اور ''حد'' لغۃً بمعنی منع ہے اور دربان کو ''حداد'' اس لئے کہتے ہیں کہ وہ لوگوں کو دخول سے روکتے ہیں۔ اور اصطلاح شریعت وہ مقرر شدہ سزا ہے جو خالص اللہ کے حق کے طور پر حاصل کی جاتی ہے۔ پس قصاص کو حد نہیں کہا جاتا ہے کیونکہ قصاص اگر چہ عقوبت ہے مگر یہ حق آدمی ہے وہ اس کو ساقط بھی کر سکتا ہے اور اس کا عوض بھی لے سکتا ہے۔ اسی طرح تعزیر کو بھی حد نہیں کہا جاتا ہے کیونکہ تعزیر میں سزا مقدر نہیں۔

حدود کی وجہ مناسبت جنایات اور قصاص وغیرہ کے ساتھ ظاہر ہے کہ ان میں سے ہر ایک محظور اور زاجر عنہ پر مشتمل ہے۔ یا یہ مناسبت ہے کہ گذشتہ کتاب میں جنایت علی الغیر کا ذکر اور اس کے موجب ذکر کر دیا اور کتاب الحدود میں جنایت علی النفس کا ذکر ہے چونکہ اول اہم ہے اس لئے اسکو مقدم کر دیا۔

الحکمة:۔ان اللّٰہ سبحانه وتعالى وان كان قد جعل لمن يرتكب الذنوب والآثام عقابا يوم القيامة الا ان ذالك لايمنع الناس عن ارتكاب مايضر بالمصلحة الخصوصية والعمومية فى الحياة الدنيا وايضا ان من الناس من له قوة وسلطان لايقدر المظلوم الضعيف على اخذ حقه منه وبذالك تضيع الحقوق ويعم الفساد من اجل ذالك وضعت الحدود وضعا شرعيا كافلا لراحة البشر فى كل زمان ومكان حتى تمتنع الجرائم التى ترتكب وكل فعل يحدث فى الارض فسادا لايمكن اصلاح هذا الابالعقوبة۔ (حكمة التشريع)

(١) اَلزِّنَا يَثْبُتُ بِالْبَيِّنَةِ وَالْاِقْرَارِ (٢) فَالْبَيِّنَةُ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَةٌ مِنَ الشُّهُوْدِ عَلٰى رَجُلٍ اَوْ امْرَاَةٍ بِالزِّنَا (٣) فَسَاَلَهُمُ الامامُ عَنِ الزِّنَا ما هو (٤) وَكَيْفَ هو وَاَيْنَ زَنَا وَمَتٰى زَنَا وبِمَنْ زَنَا (٥) فَاِذَا بَيَّنُوْا ذالِكَ وقالوا رَاَيْنَاهُ وَطَاَهَا فِى فَرْجِهَا كَالْمِيْلِ فِى الْمُكْحُلَةِ (٦) وَسَاَلَ الْقَاضِى عَنْهُمْ فَعُدِّلُوْا فِى السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ حَكَمَ بِشَهَادَتِهِمْ۔

ترجمہ:۔زنی گواہوں سے اور اقرار سے ثابت ہوتا ہے اور بینہ یہ ہے کہ چار گواہ کسی مرد یا عورت پر زنا کی گواہی دے پھر امام گواہوں سے زنی کے بارے میں پوچھے کہ زنی کیا ہوتا ہے اور کیسا ہوتا ہے اور کہاں زنا کیا اور کس وقت زنا کیا اور کس کے ساتھ زنا کیا پس جب وہ یہ درست بیان کریں اور کہے کہ ہم نے اس مرد کو دیکھا کہ اس عورت کے ساتھ فرج میں وطی کی اس طرح جیسے سرمہ دانی میں سلائی ہوتی ہے اور قاضی نے ان کے بارے میں تحقیق کی تو پوشیدہ اور ظاہری طور پر عادل بتایا گیا تو قاضی انکی گواہی کے مطابق حکم دیدے۔

تشریح:۔(١) زنی گواہوں سے اور خود زانی کے اقرار سے ثابت ہوتا ہے کیونکہ گواہ اور اقرار دلیل ظاہر ہے اور خاص کر وہ اقرار جس سے مقر کو ضرر اور عار لاحق ہوتا ہو پس چونکہ علم قطعی تک پہنچنا محال ہے اس لئے دلیل ظاہر پر اکتفاء کیا جائیگا۔ (٢) اور بینہ کی صورت یہ ہے

کہ چار آزاد اور عادل مرد ایک ہی مجلس میں کسی مرد یا عورت پر زنیٰ کی گواہی ادا کردے۔ (۳) پھر اس گواہی کے بعد امام گواہوں سے زنیٰ کے بارے میں پوچھے کہ زنیٰ کیا ہوتا ہے کیونکہ فعل زنیٰ کے غیر پر بھی زنیٰ کا اطلاق ہوتا ہے جیسے "العینان تزنیان" (آنکھیں زنا کرتی ہیں) تو ہوسکتا ہے کہ گواہ آنکھوں کی زنا کو زنا کہتا ہو۔

(۴) پھر امام گواہوں سے کیفیتِ زنیٰ کے بارے میں پوچھ لے کیونکہ صرف تماس الفرجین پر زنیٰ کا اطلاق ہوتا ہے تو ہوسکتا ہے کہ گواہ تماس الفرجین پر زنیٰ کی گواہی دے رہا ہو حالانکہ اس پر حد نہیں۔ پھر مکان زنیٰ کے بارے میں گواہوں سے سوال کرے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ زنیٰ دار الحرب میں ہوا ہو جس پر حد نہیں۔ اور یہ سوال کردے کہ کس عورت کے ساتھ زنیٰ کیا ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ عورت اس کیلئے حلال ہو۔ اور یہ سوال کردے کہ کب زنیٰ کیا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس نے زمانہ قدیم میں زنیٰ کیا ہو جس میں بھی حد نہیں۔ (۵) پس جب گواہ ان سب سوالوں کے درست جواب دیں اور کہے کہ ہم نے اس مرد کو دیکھا کہ اس عورت کے ساتھ فرج میں وطی کی اس طرح جیسے سرمہ دانی میں سلائی ہوتی ہے۔ (۶) تو قاضی ان گواہوں کی ظاہری وباطنی حالت کے بارے میں تحقیق کرے پس اگر سراً وعلانیۃً انکا عادل ہونا بیان کیا گیا تو قاضی انکی گواہی پر زنا کاری کے ثبوت کا حکم دیدے۔

الحكمة:۔الزنا جريمة الجرائم وأصل المفاسد وهو من الكبائر والحكمة في تحريمه من وجوه منها حفظ الأنساب لانها اذا ضاعت لم تكن هناك شعوب وقبائل وبطون وافخاذ وعشائر فيفقد التعارف الذي أراده الله تعالى بقوله ﴿يا أيها الناس إنا خلقنا كم من ذكر وأنثى وجعلنا كم شعوبا وقبائل لتعارفوا إن أكرمكم عند الله أتقاكم﴾ ومنها صيانة الاعراض من أن ينتهك فكم عرض انهتک فانزل العائلة من أعلا شرفات المجد الى أسفل دركات الضعة والأذلال وسوء السمعة ومنها الرحمة بالولد لان ولد الزنا إما ان يموت صغيرا لفقد من يعتني به لامتهانه واحتقاره وإما ان يعيش في حالة مرذولة ممقوتة لفقد التربية وعدم الادب وربما صار سفاكا للدماء مخلا بالامن العام واذا تعلم وربح الاموال فانه يعيش بين الناس ذليلا كاسف البال اذا افتخر الناس بالانساب والاحساب وشرف الابوة و العمومة والخؤلة ومادام الانسان كذالک فالحياة مريرة ومن اجل ذالک لايصفو الفكر ولاتتوجه النفس لاصلاح أمرى الدنيا والدين. (حكمة التشريع)

(۷)وَالْاِقْرَارُ اَنْ یُقِرَّ الْبَالِغُ الْعَاقِلُ عَلٰی نَفْسِہٖ بِالزِّنَا اَرْبَعَ مَرَّاتٍ فِی اَرْبَعَةِ مَجَالِسَ مِنْ مَجَالِسِ الْمُقِرِّ کُلَّمَا اَقَرَّرَدَّہُ الْقَاضِی (۸)فَاِذَا تَمَّ اِقْرَارُہُ اَرْبَعَ مَرَّاتٍ سَاَلَہُ الْقَاضِی عَنِ الزِّنَا مَا ھو و کَیْفَ ھو و اَیْنَ زَنَاوَبِمَنْ زَنَا(۹)فَاِذَا بَیَّنَ ذَالِکَ لَزِمَہُ الْحَدُّ۔

ترجمہ:۔اور اقرار یہ ہے کہ عاقل بالغ اپنی ذات پر چار مرتبہ اپنی چار مجلسوں میں زنیٰ کرنے کا اقرار کردے وہ ہر بار جب اقرار کرے تو قاضی اسکو رد کردے پس جب اس کا اقرار چار مرتبہ پورا ہوجائے تو قاضی اس سے زنیٰ کے بارے میں پوچھ لے کہ زنیٰ کیا ہے اور کیسا ہوتا ہے اور کہاں زنا کیا ہے اور کس کے ساتھ زنا کیا ہے پھر جب وہ یہ سب ٹھیک بیان کردے تو اس پر حد لازم ہوگی۔

تشریح:۔(۷) زنیٰ اقرار سے بھی ثابت ہوتا ہے اقرار کی صورت یہ ہے کہ عاقل بالغ اپنی ذات پر چار مرتبہ اپنی چار مجلسوں میں زنیٰ کرنے کا اقرار کردے وہ ہر بار جب اقرار کرے تو قاضی اسکو رد کردے۔(۸) پھر جب اس کا اقرار چار مرتبہ پورا ہوجائے تو قاضی اس سے زنیٰ کے بارے میں پوچھ لے کہ زنا کیا ہوتا ہے اور کیفیت زنیٰ کے بارے میں پوچھ لے کہ زنا کیسا ہوتا ہے اور یہ سوال کرلے کہ کس عورت کے ساتھ زنیٰ کیا لما مرّ۔

(۹) پھر جب وہ ان سب سوالوں کا ٹھیک جواب دے تو اس پر حد لازم ہوگی کیونکہ حجت پوری ہوگئی۔اور یہ شرط کہ مقر عاقل وبالغ ہو اس لئے لگائی کہ بچہ اور مجنون کا اقرار معتبر نہیں۔اور اپنی ہی مجلس کی قید اس لئے لگائی کہ اقرار قائم بالمقر ہے اسلئے اسی کی مجلس معتبر ہوگی نہ کہ قاضی کی مجلس۔

(۱۰)فَاِنْ کَانَ الزَّانِی مُحْصَنًا رَجَمَہُ بِالْحِجَارَةِ حَتّٰی یَمُوْتَ (۱۱)یُخْرِجُہ اِلٰی اَرْضٍ فَضَاءٍ(۱۲) یَبْتَدِئُ الشُّھُوْدُ بِرَجْمِہٖ (۱۳)ثُمَّ الْاِمَامُ ثُمَّ النَّاسُ (۱۴)فَاِنْ اِمْتَنَعَ الشُّھُوْدُ مِنَ الْاِبْتِدَاسَقَطَ الْحَدُّ (۱۵)وَاِنْ کَانَ الزَّانِی مُقِرًّااِبْتَدَأَ الْاِمَامُ ثُمَّ النَّاسُ۔

ترجمہ:۔اور اگر زانی محصن ہے تو حاکم اسکو پتھروں سے سنگسار کردے یہاں تک کہ وہ مرجائے اور اس کو باہر کسی میدان کی طرف نکال دیں اس کو پتھر مارنے کی ابتداء گواہ کرلیں پھر حاکم وقت پھر دوسرے لوگ اور اگر گواہ ابتداًبالرجم سے رک گئے تو حد ساقط ہوجائے گی اور اگر زانی مقر ہوا ہو تو شروع بالرجم امام کریں پھر دوسرے لوگ۔

تشریح:۔(۱۰) اگر زانی محصن (وہ عاقل، بالغ اور آزاد مسلمان جس نے نکاح صحیح کرکے وطی کی ہو) ہے تو (بعد از ثبوت زنیٰ) حاکم اسکو پتھروں سے سنگسار کردے یہاں تک کہ وہ مرجائے کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ کو رجم کیا تھا۔(۱۱) پھر جس پر حد واجب ہے اس کو باہر کسی میدان کی طرف لے جائیں۔(۱۲) تو اگر اس کا زنیٰ گواہوں سے ثابت ہو تو سب سے پہلے اسکو گواہ پتھر ماردے کیونکہ کبھی گواہ جھوٹی گواہی پر جرأت کرتا ہے پھر اس کو قتل ہوتے ہوئے دیکھ کر اسکے قتل جیسے عظیم گناہ کے ارتکاب سے ڈر کر گواہی سے پھر جاتا ہے تو گواہ سے شروع کرانے میں دفع حد کا حیلہ نکلتا ہے۔

(۱۴) پھر گواہوں کے بعد اگر امام حاضر ہو تو تعظیماً وہ پتھر مار دے پھر عام لوگ جنہوں نے گواہوں کی شہادت کو دیکھا ہو یا قاضی نے انکو رجم کرنے کی اجازت دی ہو۔(۱۴) اگر گواہ ابتداً بالرجم سے رک گئے تو حد ساقط ہو جائے گی کیونکہ ان کا رکنا رجوع عن الشہادۃ کی دلیل ہے۔(۱۵) اور اگر زانی کا زنی خود اسکے اقرار سے ثابت ہوا ہو تو شروع بالرجم امام کریں پھر دوسرے لوگ پتھر ماریں کیونکہ غامدیہ عورت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود چنے کے برابر چند پتھر مارے تھے اور غامدیہ عورت نے خود زنی کا اقرار کیا تھا۔

(۱۶) وَيُغَسَّلُ وَيُكَفَّنُ وَيُصَلّٰى عَلَيْهِ (۱۷) وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مُحْصَنًا وَكَانَ حُرًّا فَحَدُّهُ مِائَةُ جَلْدَةٍ (۱۸) يَأْمُرُ الْإِمَامُ بِضَرْبِهِ بِسَوْطٍ لَا ثَمَرَةَ لَهُ ضَرْبًا مُتَوَسِّطًا (۱۹) يُنْزَعُ عَنْهُ ثِيَابُهُ (۲۰) وَيُفَرَّقُ الضَّرْبُ عَلٰى أَعْضَائِهِ إِلَّا رَأْسَهُ وَوَجْهَهُ وَفَرْجَهُ۔

ترجمہ:۔اور غسل دیا جائیگا اور کفن دیا جائیگا اور اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اگر زانی محصن نہ ہو اور آزاد ہو تو اسکی حد سو کوڑے ہے پھر امام اس کو مارنے کا حکم دے ایسے کوڑے کے ساتھ جس میں گرہ نہ ہو متوسط ضرب کا اور اسکے کپڑے اتار لئے جائیں گے اور متفرق اعضاء پر مارا جائیگا البتہ سر، چہرہ اور شرم گاہ پر نہ مارے۔

تشریح:۔(۱۶) مرجوم شخص کو غسل دیا جائیگا اور کفن دیا جائیگا اور اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی کیونکہ وہ حق کیساتھ قتل ہوا ہے تو غسل ساقط نہ ہوگا جیسے قصاص میں قتل شدہ سے غسل ساقط نہیں ہوتا اور مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غامدیہ عورت پر نماز پڑھ لی تھی لہذا مرجوم پر نماز پڑھی جائے گی۔(۱۷) اگر زانی محصن نہ ہو اور آزاد ہو تو اسکی حد سو کوڑے ہے لقولہ تعالیٰ ﴿ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ (یعنی زانیہ عورت اور زانی مرد میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو)۔

(۱۸) پھر امام متوسط ضرب کا ایسے کوڑے کے ساتھ مارنے کا حکم دے جس میں گرہ نہ ہو اور، متوسط ضرب کی قید اسلئے لگائی کہ ضرب شدید سے ہلاکت کا خطرہ ہے۔اور انتہائی معمولی ضرب سے مقصود (انزجار) حاصل نہیں ہوتا۔

(۱۹) حد مارتے وقت اسکے کپڑے سوائے ازار کے اتار لئے جائیں گے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدود مارتے وقت کپڑے اتارنے کا حکم فرماتے تھے۔(۲۰) متفرق اعضاء پر مارا جائیگا کیونکہ ایک عضو پر مارنے میں اس عضو کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے اور سر، چہرہ اور شرم گاہ پر نہ مارے کیونکہ سر مجمع الحواس ہے تو کسی حس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے اور چہرہ مجمع المحاسن ہے تو حسن کے زائل ہونے کا خطرہ ہے اور شرمگاہ مقتل ہے۔

(۲۱) وَإِنْ كَانَ عَبْدًا جَلَدَهُ خَمْسِيْنَ وَكَذٰلِكَ الْأَمَةُ۔

ترجمہ:۔اور اگر زانی غلام ہو تو اسے پچاس کوڑے ماریں اور یہی حکم لونڈی کا ہے۔

تشریح:۔(۲۱) اگر زنا کار کوئی غلام یا باندی ہو تو اسکی حد پچاس کوڑے ہیں مذکورہ بالا طریقہ پر۔وجہ یہ ہے کہ رقیت جس طرح کہ نعمت کی تنصیف کرتی ہے اسی طرح عقوبت کی بھی تنصیف کرتی ہے۔

(۲۲)فَاِنْ رَجَعَ الْمُقِرُّ عَنْ اِقْرَارِہٖ قَبْلَ اِقَامَةِ الْحَدِّ عَلَیْهِ اَوْ فِی وَسْطِهٖ قُبِلَ رُجُوْعُهٗ وَخُلِّیَ سَبِیْلُهٗ۔

ترجمہ:۔اور اگر مقر نے اپنے اقرار سے رجوع کر دیا اس پر حد قائم کرنے سے پہلے یا درمیان حد میں تو اس کا رجوع قبل کیا جائیگا اور اس کو چھوڑ دیا جائیگا۔

تشریح :۔(۲۲)جس کا زنا اسکے اقرار سے ثابت ہوا ہو وہ اگر اجراء حد سے پہلے یا درمیان حد میں اپنے اقرار سے رجوع کرلے تو اسکو چھوڑ دیا جائیگا کیونکہ اقرار سے رجوع کرنا بھی ایک خبر ہے جس میں سچ ہونے کا بھی احتمال ہے کمافی الاقرار ۔اور رجوع کرنے میں کوئی اس کی تکذیب کرنے والا بھی نہیں لہذا اقرار میں شبہہ پیدا ہوا ’’وَالْحُدُوْدُ تُنْدَرِیٔ بِالشُّبُهَاتِ‘‘(یعنی حدود شبہہ کی وجہ سے دور کردی جاتی ہیں)۔

(۲۳)وَیُسْتَحَبُّ لِلْاِمَامِ اَنْ یُّلَقِّنَ الْمُقِرَّ الرُّجُوْعَ وَیَقُوْلَ لَهٗ لَعَلَّکَ لَمَسْتَ اَوْ قَبَّلْتَ۔

ترجمہ:۔اور امام کے لئے مستحب ہے کہ مقر کو اقرار سے رجوع کرنے کی تلقین کرے اس سے یوں کہے کہ شاید تو نے اس عورت کو صرف چھوا یا اس کا بوسہ لیا ہوگا۔

تشریح :۔(۲۳)امام کے لئے مستحب ہے کہ جو شخص زنیٰ کا اقرار کرتا ہے اسکو اقرار سے رجوع کرنے کی تلقین کرے اس سے یوں کہے کہ شاید تو نے اس عورت کو صرف چھوا یا اس کا بوسہ لیا ہوگا کیونکہ پیغمبرﷺ نے ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہا تھا،شاید تو نے اس کو چھوا ہوگا یا بوسہ لیا ہوگا۔

(۲۴)وَالرَّجُلُ وَالْمَرْاَةُ فِی ذٰلِکَ سَوَاءٌ (۲۵)غَیْرَ اَنَّ الْمَرْاَةَ لَا تُنْزَعُ عَنْهَا ثِیَابُهَا اِلَّا الْفَرْوَ وَالْحَشْوَ (۲۶)وَاِنْ حُفِرَ لَهَا فِی الرَّجْمِ جَازَ۔

ترجمہ:۔اور مرد اور عورت باب حد میں برابر ہیں البتہ اتنا فرق ہے کہ عورت سے اسکے کپڑے نہیں اتارے جائیں گے مگر پوستین اور موٹے کپڑے اور رجم کی صورت میں اگر عورت کیلئے گڑھا کھود لیا تو جائز ہے۔

تشریح :۔(۲۴)باب حد میں مرد اور عورت دونوں برابر ہیں کیونکہ نصوص دونوں کو شامل ہیں۔(۲۵)البتہ اتنا فرق ہے کہ عورت کے کپڑے نہیں اتارے جائیں گے کشف عورت سے بچنے کی خاطر ہاں پوستین۔اور موٹے (حشو روئی سے بھراؤ والے کپڑے کو کہتے ہیں) کپڑے اتارے جائیں گے کیونکہ یہ مضروب سے ضرب کے اثر کیلئے مانع ہیں اور ستر عورت انکے بغیر بھی حاصل ہے۔(۲۶)رجم کی صورت میں اگر عورت کیلئے گڑھا کھود لیا تو جائز بلکہ احسن ہے کیونکہ اسمیں عورت کیلئے پردہ پوشی زیادہ ہے۔

(۲۷)وَلَا یُقِیْمُ الْمَوْلٰی الْحَدَّ عَلٰی عَبْدِهٖ وَاَمَتِهٖ اِلَّا بِاِذْنِ الْاِمَامِ۔

ترجمہ:۔اور مولیٰ اپنے غلام اور لونڈی پر حد جاری نہیں کرسکتا الا یہ کہ امام اجازت دے۔

تشریح :۔(۲۷)مولیٰ اپنے غلام اور لونڈی پر حد جاری نہیں کرسکتا مگر امام کی اجازت سے کیونکہ حد جاری کرنا اللہ تعالیٰ کا حق ہے لہذا

ولی کو یہ حق حاصل نہیں۔اور امام یا قائم مقام امام چونکہ شرع کی طرف سے نائب ہے اسلئے اسکو حد قائم کرنے کا حق حاصل ہے۔

(۲۸)وَاِذَا رَجَعَ اَحَدُ الشُّهُوْدِ بَعْدَ الْحُكْمِ قَبْلَ الرَّجْمِ ضُرِبُوْا الْحَدَّ وَسَقَطَ الرَّجْمُ عَنِ الْمَشْهُوْدِ عَلَيْهِ (۲۹)وَاِنْ رَجَعَ بَعْدَ الرَّجْمِ حُدَّ الرَّاجِعُ وَحْدَهُ وَضَمِنَ رُبُعَ الدِّيَةِ (۳۰)وَاِنْ نَقَصَ عَدَدُ الشُّهُوْدِ عَنْ اَرْبَعَةٍ حُدُّوْا جَمِيْعًا۔

ترجمہ:۔اور اگر گواہوں میں ایک نے اپنی گواہی سے رجوع کیا حکم رجم کے بعد اور رجم سے پہلے تو گواہوں کو حد قذف لگادی جائے گی اور مشہود علیہ سے حد ساقط ہو جائے گی اور اگر رجم کرنے کے بعد کسی ایک گواہ نے رجوع کرلیا تو صرف اسی کو حد قذف ماری جائے گی اور یہ ربع دیت کا ضامن ہوگا اور اگر گواہوں کی تعداد چار سے کم ہو تو سب کو حد قذف ماری جائے گی۔

تشریح:۔(۲۸)اگر کسی پر چار گواہوں نے زنی کی گواہی ادا کی اور قاضی نے رجم کرنے کا حکم دیا اور مشہود علیہ کو مارنے سے پہلے گواہوں میں سے کسی ایک نے رجوع کیا تو تمام گواہوں کو حد قذف ماری جائے گی۔رجوع کرنے والے نے تو رجوع کرنے سے ثابت کیا کہ میں نے جھوٹی تہمت لگائی ہے اسلئے اس کو حد قذف ماری جائے گی۔اور باقی شہود کی چونکہ عدد مقدار شہود سے کم ہوا اسلئے وہ بھی جھوٹی تہمت لگانے والے شمار ہونگے لہذا ان پر حد قذف جاری کی جائے گی۔اور مشہود علیہ پر سے حکم رجم ساقط ہو جائیگا کیونکہ اقامت حد سے پہلے گواہوں کی تعداد کم ہوگئی۔

(۲۹)اگر مشہود علیہ کو سنگسار کرنے کے بعد کسی ایک گواہ نے گواہی سے رجوع کیا تو صرف رجوع کرنے والے کو حد قذف ماری جائے گی کیونکہ اس کی گواہی منقلب بقذف ہوگئی۔اور اس پر ربع دیت کا تاوان بھی واجب ہوگا کیونکہ اس نے اپنی شہادت سے ربع نفس کو تلف کیا ہے۔(۳۰)اگر گواہوں کی تعداد چار سے کم ہو تو سب کو حد قذف ماری جائے گی کیونکہ یہ تہمت لگانے والے ہیں۔

(۳۱)وَاِحْصَانُ الرَّجْمِ اَنْ يَكُوْنَ حُرًّا بَالِغًا عَاقِلًا مُسْلِمًا قَدْ تَزَوَّجَ اِمْرَأَةً نِكَاحًا صَحِيْحًا وَدَخَلَ بِهَا وَهُمَا عَلَى صِفَةِ الْاِحْصَانِ۔

ترجمہ:۔اور رجم کا محصن ہونا یہ ہے کہ آدمی آزاد، عاقل، بالغ، مسلمان ہو جس نے کسی عورت کے ساتھ صحیح نکاح کیا ہو اور اس کے ساتھ دخول کیا ہو اس حال میں کہ وہ دونوں صفت احصان پر قائم ہوں۔

تشریح:۔(۳۱)رجم کیلئے جو محصن ہونا شرط ہے تو احصان کا معنی یہ ہے کہ آدمی آزاد، عاقل، بالغ، مسلمان ہو جس نے کسی عورت کے ساتھ صحیح نکاح کر کے دخول کرلیا ہو اس حال میں کہ دونوں صفت احصان پر قائم ہوں۔پس عاقل، بالغ ہونا تو اہلیت سزا کی شرط ہیں کیونکہ ان کے بغیر باری تعالی کا خطاب انکی طرف متوجہ نہیں اور باقی امور اسلئے شرط ہیں کہ کامل نعمت کی وجہ سے جرم بھی کامل ہو جائیگا جبکہ مذکورہ امور بڑی نعمتوں میں سے ہیں۔

(۳۲) وَلا يُجْمَعُ فِي الْمُحْصَنِ بَيْنَ الْجِلْدِ وَالرَّجْمِ (۳۳) وَلا يُجْمَعُ فِي الْبِكْرِ بَيْنَ الْجِلْدِ وَالنَّفْيِ إِلَّا أَنْ يَرَى الْإِمَامُ ذَالِكَ مَصْلَحَةً فَيُغَرِّبُهُ عَلٰى قَدْرِ مَا يَرٰى۔

ترجمہ:۔ اور محصن میں کوڑے اور رجم جمع نہیں کیے جائینگے اور باکرہ میں کوڑے اور شہر بدری جمع نہیں کیا جائیگا الا یہ کہ امام اس میں مصلحت دیکھے تو اسے شہر بدر کردے جتنا مناسب سمجھے۔

تشریح:۔ (۳۲) جو زانی محصن ہو اس پر حد جاری کرتے ہوئے رجم کے ساتھ کوڑے مارنا جمع نہ کیا جائیگا کیونکہ مقصود (دوسروں کیلئے زاجر ہونا) تو زانی کے رجم کئے جانے سے حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ رجم انتہائی درجہ کی سزا ہے اور بعد از موت خود زانی کیلئے زاجر ہونا متصور نہیں۔(۳۳) کنوارے زنا کار کی سزا میں سو کوڑوں کے ساتھ ایک سال کا شہر بدری جمع نہ کیا جائیگا کیونکہ آیت کریمہ سے اس کیلئے صرف سو کوڑے ثابت ہے اس پر ملک بدری کا اضافہ کرنا نص پر زیادتی ہے۔ البتہ بطور تعزیر اگر امام کی رائے میں ایسا کرنے میں کوئی مصلحت ہو تو جتنے دنوں تک وہ مصلحت سمجھے شہر بدر کردے کیونکہ شہر بدری بعض حالتوں میں مفید ہوتی ہے۔

(۳٤) وَإِذَا زَنَى الْمَرِيْضُ وَحَدُّهُ الرَّجْمُ رُجِمَ (۳۵) وَإِنْ كَانَ حَدُّهُ الْجِلْدَ لَمْ يُجْلَدْ حَتّٰى يَبْرَأَ (۳٦) وَإِذَا زَنَتِ الْحَامِلُ لَمْ تُحَدَّ حَتّٰى تَضَعَ حَمْلَهَا (۳۷) وَإِنْ كَانَ حَدُّهَا الْجِلْدَ فَحَتّٰى تَتَعَالٰى مِنْ نِفَاسِهَا وَإِنْ كَانَ حَدُّهَا الرَّجْمُ رُجِمَتْ۔

ترجمہ:۔ اور اگر مریض نے زنا کیا اور اس کی حد رجم ہو تو رجم کیا جائیگا اور اگر اس کی حد کوڑے ہو تو کوڑے نہیں مارے جائیں گے یہاں تک ٹھیک ہو جائے اور اگر حاملہ عورت نے زنیٰ کیا تو حد نہیں لگائی جائیگی یہاں تک کہ حمل جنم دے اور اگر اس کی حد کوڑے مارنا ہوں تو یہاں تک کہ نفاس سے پاک ہو جائے اور اگر اس کی حد رجم ہو تو رجم کیا جائے گا۔

تشریح:۔ (۳٤) اگر مریض نے زنیٰ کیا اور وہ محصن ہے زنیٰ کی وجہ سے اس پر رجم واجب ہوا ہو تو اسکو صحت کی مہلت نہیں دی جائیگی بلکہ رجم کیا جائیگا کیونکہ اسکا تلف ہونا تو لازم ہوا ہے تو مرض مانع نہ ہوگا۔(۳۵) اگر یہ زانی غیر محصن ہے اس پر بوجہ زنیٰ کوڑے لازم ہے تو جب تک کہ اچھا نہ ہو کوڑے نہیں مارے جائیں گے تاکہ بوجہ مرض کوڑے مارتے ہوئے ہلاک نہ ہو جائے۔

(۳٦) اگر حاملہ عورت نے زنیٰ کیا اور بوجہ زنیٰ اس پر رجم واجب ہو تو اس کو رجم نہ کیا جائیگا یہاں تک کہ وہ بچہ جن لے تاکہ اس سے بچہ ہلاک نہ ہو کیونکہ بچہ نفس محترم ہے۔(۳۷) اگر حاملہ پر بوجہ زنیٰ کوڑے واجب ہوں تو جب تک کہ وہ نفاس سے پاک نہ ہو اس وقت تک کوڑے نہیں مارے جائیں گے کیونکہ یہ ایک قسم کا مرض ہے لہذا تندرستی تک حد مؤخر کی جائے گی۔ اور اگر اسکی حد رجم ہو تو ولادت کے متصل بعد رجم کیا جائیگا کیونکہ تاخیر بچہ کی وجہ سے تھی اور بچہ تو الگ ہو گیا لہذا مزید تاخیر کی ضرورت نہیں۔

(۳۸) وَإِذَا شَهِدَ الشُّهُوْدُ بِحَدٍّ مُتَقَادِمٍ لَمْ يَمْنَعْهُمْ عَنْ إِقَامَتِهِ بُعْدُهُمْ عَنِ الْإِمَامِ لَمْ تُقْبَلْ شَهَادَتُهُمْ إِلَّا فِي حَدِّ الْقَذْفِ خَاصَّةً۔

ترجمہ:۔ اور اگر گواہوں نے گذشتہ زمانے کی حد پر گواہی دی نہیں روکا تھا انکو گواہی دینے سے ان کا امام سے دور ہونے نے تو ان کی

گواہی قبول نہیں کی جائے گی مگر خاص کر حدِ قذف میں۔

تشریح :۔(۳۸)اگر گواہوں نے گذشتہ زمانے کی حد پر گواہی دی حالانکہ اب تک ان کیلئے گواہی دینے سے کوئی مانع نہیں تھا مثلاً امام سے دور ہونا یا مرض یا خوف راہ کچھ بھی نہیں تھا تو انکی گواہی قبول نہ کی جائے گی کیونکہ گواہی کی تاخیر یا تو بغیت ستر پوشی ہوگی یا اسکے علاوہ تساہل کی بناء پر ہوگی پہلی صورت میں اب گواہی دینے کا سبب سوائے عداوت کے اور کیا ہو سکتا ہے لہذا بوجہ تہمت اسکی گواہی معتبر نہیں اور دوسری صورت میں بوجہ تساہل یہ شخص فاسق ہے لہذا اسکی گواہی معتبر نہیں۔البتہ اگر کسی نے پرانی حد قذف پر گواہی دی کہ اس نے فلان پر زنا کی جھوٹی تہمت لگائی ہے تو یہ باطل نہ ہوگی کیونکہ حد قذف حقوق العباد میں سے ہے اور وقت گذرنے کی وجہ سے حقوق العباد باطل نہیں ہوتے۔

(۳۹)وَمَنْ وَطِئَ اَجْنَبِيَّةً فِي مادُوْنَ الْفَرْجِ عُزِّرَ۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی نے اجنبی عورت سے شرمگاہ کے ماسوا میں جماع کیا تو تعزیر دی جائے گی۔

تشریح:۔(۳۹)اگر کسی نے اجنبی عورت سے شرمگاہ کے ماسوا میں جماع کیا مثلاً آلہ مرد عورت کے ران یا پیٹ میں دبا دیا تو ایسے شخص کو تعزیر دی جائے گی کیونکہ اس نے فعل منکر کا ارتکاب کیا ہے۔لیکن اس کے لئے کوئی حد مقرر بھی نہیں۔

(۴۰)وَلاحَدَّ عَلى مَنْ وَطِئَ جَارِيَةَ وَلَدِهِ اَوْ وَلَدِوَلَدِهِ وَاِنْ قالَ عَلِمْتُ اَنَّهَاعَلَيَّ حَرَامٌ۔

ترجمہ:۔اور جس نے اپنے بیٹے یا پوتے کی لونڈی سے وطی کرلی تو اس پر حد نہیں اگر چہ وہ کہے کہ میں جانتا تھا کہ یہ مجھ پر حرام ہے۔

تشریح:۔(۴۰)اگر کسی نے اپنے بیٹے یا پوتے کی لونڈی سے وطی کرلی تو اس پر حد نہیں اگر چہ وہ کہے کہ میں جانتا تھا کہ یہ مجھ پر حرام ہے کیونکہ فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ،،اَنْتَ وَمَالُکَ لِاَبِیْکَ،، (تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے) سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد کا مال باپ کا مال ہے پس اس سے حلت کا شبہ پیدا ہوا اگر چہ بنظر دلیل شرعی واقع میں اسکی حلت ثابت نہیں ،اور شبہ فی المحل حد کے لئے رافع ہے۔

(۴۱)وَاِذَا وَطِئَ جَارِيَةَ اَبِيْهِ اَوْ اُمِّهٖ اَوْ زَوْجَتِهٖ (۴۲)او وَطِأَ الْعَبْدُ جَارِيَةَ مَوْلَاهُ وقالَ عَلِمْتُ اَنَّهَاعَلَيَّ حَرَامٌ حُدَّوَاِنْ قالَ ظَنَنْتُ اَنَّهَا تَحِلُّ لِيْ لَمْ يُحَدَّ (۴۳)وَمَنْ وَطِأَ جَارِيَةَ اَخِيْهِ اَوْ عَمِّهٖ وقالَ ظَنَنْتُ اَنَّهَا حَلالٌ حُدَّ۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی نے اپنے باپ،ماں یا اپنی بیوی کی باندی کے ساتھ وطی کرلی یا غلام نے اپنے مولیٰ کی لونڈی کے ساتھ وطی کرلی اور کہا کہ میں جانتا تھا کہ یہ مجھ پر حرام ہے تو اسکو حد ماری جائے گی اور اگر کہا کہ میرا گمان تھا کہ یہ میرے لئے حلال ہے تو اسے حد نہیں ماری جائے گی اور جس نے اپنے بھائی یا چچا کی باندی کے ساتھ وطی کرلی اور کہا کہ میرا گمان تھا کہ یہ میرے لئے حلال ہے تو اسکو حد ماری جائے گی۔

تشریح:۔(۴۱)اگر کسی نے اپنے باپ ،دادا،ماں ،دادی یا اپنی بیوی کی باندی کے ساتھ وطی کرلی۔(۴۲)یا غلام نے اپنے مولیٰ کی باندی کے ساتھ وطی کرلی اور کہا کہ میں جانتا تھا کہ یہ مجھ پر حرام ہے تو اسکو حد ماری جائے گی کیونکہ شبہ حلت نہیں اور اگر کہا کہ میرا گمان یہ تھا کہ یہ میرے لئے حلال ہے تو اسے حد نہیں ماری جائے گی کیونکہ ان رشتہ داروں کے درمیان حصول انتفاع میں باہم اتصال ہے تو ممکن

ہے کہ اسکو وطی مباح ہونے کا گمان ہوا ہو تو یہ شبہ اشتباہ ہے لہذا اس پر سے حد ساقط ہے۔
(۴۳) اگر کسی نے اپنے بھائی یا چچا کی باندی کے ساتھ وطی کرلی اور کہا کہ میرا گمان تھا کہ یہ میرے لئے حلال ہے تو اسکو حد ماری جائے گی کیونکہ ان کے درمیان اتصال اموال نہیں تو شبہ حلت نہیں لہذا حد ماری جائے گی۔

(۴۴) وَمَنْ زُفَّتْ إِلَيْهِ غَيْرُ امْرَأَتِهِ وقالَتِ النِّسَاءُ إِنَّهَا زَوْجَتُكَ فَوَطِئَهَا فَلا حَدَّ عَلَيْهِ (۴۵) وعَلَيْهِ الْمَهْرُ (۴۶) ومَنْ وَجَدَ امْرَأةً عَلَى فِرَاشِهِ فَوَطِئَهَا فَعَلَيْهِ الحَدُّ (۴۷) ومَنْ تَزَوَّجَ امْرَأةً لا يَحِلّ له نِكاحُهَا فَوَطِئَهَا لَمْ يَجِبْ۔

ترجمہ:۔ اور جس کے پاس شب زفاف میں اسکی بیوی کے بجائے دوسری عورت بھیج دی گئی اور عورتوں نے کہا یہ تیری بیوی ہے اس نے اس کے ساتھ وطی کرلی تو اس پر حد نہیں ہوگی ہاں اس شخص پر مہر لازم ہے اور جس نے اپنے بستر پر عورت پایا اور اس کے ساتھ وطی کرلی تو اس پر حد واجب ہوگی اور جس نے ایسی عورت کے ساتھ نکاح کیا جس کے ساتھ اس کا نکاح حلال نہیں پھر اس نے اس کے ساتھ وطی کرلی تو اس پر حد واجب نہیں۔

تشریح:۔(۴۴) اگر بعد از نکاح شب زفاف میں شوہر کے پاس اسکی بیوی کے بجائے دوسری عورت بھیج دی گئی اور عورتوں نے اس سے کہا کہ یہی تیری بیوی ہے اس نے اس کے ساتھ وطی کرلی تو اس پر حد نہیں ہوگی کیونکہ اس نے دلیل پر اعتماد کیا ہے یعنی موضع اشتباہ میں عورتوں کا خبر دینا کیونکہ انسان اول وہلہ میں اپنی بیوی اور غیر میں فرق نہیں کرسکتا فَصَارَ كَالْمَغْرُوْرِ۔
(۴۵) ہاں اس شخص پر اس عورت کیلئے مہر لازم ہے کیونکہ دارالاسلام میں وطی حد یا مہر سے خالی نہیں حد تو ساقط ہوگئی لہذا مہر واجب ہے۔(۴۶) اگر کسی نے اپنے بستر پر عورت کو پا کر اس کے ساتھ وطی کرلی تو اس پر حد واجب ہوگی کیونکہ طول صحبت کی وجہ سے زوجہ وغیر زوجہ میں اشتباہ نہیں ہوسکتا تو اسکا گمان کسی دلیل پر مبنی نہیں لہذا حد واجب ہوگی۔(۴۷) اگر کسی نے ایسی عورت کے ساتھ نکاح کیا جو ہمیشہ کیلئے اس پر حرام ہو پھر اس نے اس کے ساتھ وطی کرلی تو اس پر حد واجب نہیں کیونکہ بوجہ عقد شبہ حلت پیدا ہوا ہے۔

(۴۸) وَمَنْ أتَى امْرَأةً فِي الْمَوْضِعِ الْمَكْرُوْهِ أوْ عَمِلَ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ فَلا حَدَّ عَلَيْهِ عِنْدَ أبِي حَنِيْفَةَ رحِمَهُ اللهُ وَيُعَزَّرُ وَقَالا رَحِمَهُمَا اللهُ هُوَ كَالزِّنَا فَيُحَدُّ۔

ترجمہ:۔ اور جس نے عورت کے ساتھ مقام مکروہ میں وطی کرلی یا قوم لوط جیسا عمل کیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر حد نہیں اور اسکو تعزیر دی جائے گی اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ لواطت زنی کی طرح ہے لہذا اس پر حد واجب ہوگی۔

تشریح:۔(۴۸) اگر کسی نے عورت کے ساتھ مقام مکروہ یعنی مقعد میں وطی کی یا کسی ذکر کے ساتھ لواطت کی تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر حد نہیں بلکہ اسکو تعزیر دی جائے گی اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک لواطت زنی کی طرح ہے لہذا اس پر حد واجب ہوگی۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ لواطت درحقیقت زنی نہیں کیونکہ اس کی سزا میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کا اختلاف ہے کہ آگ میں جلایا جائے یا اس پر دیوار گرائی جائے وغیر ذالک۔(امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے)۔

(٤٩)وَمَنْ وَطِئَ بَهِيمَةً فَلا حَدَّ عَلَيْهِ (٥٠)وَمَنْ زَنَا فِي دَارِ الْحَرْبِ اَوْ فِي دَارِ الْبَغْيِ ثُمَّ خَرَجَ اِلَيْنَا لَمْ يُقَمْ عَلَيْهِ الحَدُّ۔

توجمه:۔اور جس نے جانور کے ساتھ وطی کر لی تو اس پر حد واجب نہیں اور جس نے دار الحرب یا باغیوں کے ملک میں زنی کیا پھر دار الاسلام میں آیا تو اس پر حد قائم نہیں ہوگی۔

تشریح:۔(٤٩) اگر کسی نے اپنے یا غیر کے جانور کے ساتھ وطی کر لی تو اس پر حد واجب نہیں کیونکہ یہ فی معنی الزنی نہیں۔ البتہ اسکو تعزیر دی جائے گی کیونکہ اس نے فعل منکر کا ارتکاب کیا ہے۔(٥٠) اگر کسی نے دار الحرب یا باغیوں کے ملک میں زنی کیا پھر دار الاسلام میں آیا تو اس پر حد واجب نہیں کیونکہ اس نے ایسی جگہ میں زنی کیا ہے جہاں ہمارے امام کا تصرف نہیں لہذا حد واجب نہ ہوگی اور یہاں آنے کے بعد موجب حد نہیں اسلئے حد واجب نہیں۔

بَابُ حَدِّ الشُّرْبِ

یہ باب حدِ شرب کے بیان میں ہے۔

"حد الشرب" سے مراد حرام نشہ آور شئی پینے کی حد ہے۔ چونکہ زنی شرب محرم سے اقبح ہے اور اسکی سزا بھی شرب محرم سے غلظ ہے اور بوقت شدت شہوت زنا کی طرف میلان اور وقوع بھی بنسبت شرب محرم کے زیادہ ہے اسلئے حدِ شرب سے حد زنی کو مقدم کیا۔

(٥١)وَمَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَاُخِذَ وَرِيْحُهَا مَوْجُوْدَةٌ فَشَهِدَ الشُّهُوْدُ عَلَيْهِ بِذَالِكَ(٥٢) اَوْ اَقَرَّ وَرِيْحُهَا مَوْجُوْدَةٌ فَعَلَيْهِ الحَدُّ(٥٣)وَاِنْ اَقَرَّ بَعْدَ ذِهَابِ رَائِحَتِهَا لَمْ يُحَدَّ۔

توجمه:۔اور جس نے شراب پی لی پھر پکڑا گیا اس حال میں کہ شراب کی بو اب تک موجود ہے پس گواہوں نے اس پر اس کی گواہی دی یا اس نے خود اقرار کیا اور شراب کی بو بھی موجود ہو تو اس پر حد واجب ہے اور اگر اس نے شراب کی بد بو زائل ہونے کے بعد اقرار کیا تو حد نہیں ماری جائیگی۔

تشریح:۔(٥١) اگر کسی نے خوشی سے خمر (خمر انگور کا شیرہ ہے جب کہ جوش مارے اور تیز ہو جائے اور جھاگ مارے) پی لی اگر چہ ایک ہی قطرہ ہو پھر یہ پکڑا گیا اس حال میں کہ شراب کی بو اب تک موجود ہے اور گواہوں نے اس پر شراب پینے کی گواہی دی۔(٥٢) یا ایسی ہی حالت میں اس نے خود شراب پینے کا اقرار کیا اور شراب کی بو موجود ہے تو اس پر حد (اسی کوڑے) واجب ہے کیونکہ جنایت شرب ثابت ہوگئی اور زمانہ بھی زیادہ نہیں گذرا ہے۔

(٥٣) اگر اس نے شراب کی بد بو ختم ہونے کے بعد اقرار کیا یا گواہوں نے گواہی ادا کی تو اس پر شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک حد نہیں کیونکہ زوال بو کی وجہ سے یہ شرب قدیم ہے تو زنا قدیم کی طرح اس میں بھی حد نہیں۔

☆ ☆ ☆

(٥٤)وَمَنْ سَكِرَ مِنَ النَّبِيْذِ حُدَّ۔

ترجمہ:۔اور جوشخص نبیذ سے نشہ ہو جائے تو اس کو حد لگائی جائے گی۔

تشریح:۔(٥٤) جوشخص نبیذ (یعنی انگور، کھجور وغیرہ کا تازہ عرق) سے نشہ ہو جائے تو اس کو حد لگائی جائے گی۔نشہ ہونے کی قید اس لئے لگائی ہے کہ اگر اس کے پینے سے نشہ نہ ہو تو حد واجب نہیں ہوتی بخلاف خمر کے کہ اس میں نشہ ہونے کی قید نہیں بلکہ تھوڑی سی خمر پینے سے بھی حد واجب ہو جاتی ہے اس کا کم اور زیادہ پینا دونوں برابر ہیں۔

(٥٥)وَلاحَدَّ عَلٰی مَنْ وُجِدَ مِنْهُ رَائِحَةُ الْخَمْرِ اَوْ مَنْ تَقَيَّاهَا(٥٦)ولا يُحَدُّ السُّكْرَانُ حَتّٰى يُعْلَمَ اَنَّه سُكِرَ مِنَ النَّبِيْذِ وَشَرِبَه طَوْعًا(٥٧)ولايُحَدَّ حَتّٰى يَزُوْلَ عَنْهُ السُّكْرُ۔

ترجمہ:۔اور حد نہیں اس شخص پر جس سے شراب کی بو آ رہی ہو یا جو شراب قے کرے اور حد نہیں لگائی جائے گی نشہ میں مست شخص کو یہاں تک کہ معلوم ہو جائے کہ وہ نبیذ سے نشہ ہوا ہے اور خوشی سے پی لی ہے اور اس کو حد نہیں ماری جائے گی یہاں تک کہ اس سے نشہ زائل ہو جائے۔

تشریح:۔(٥٥) اگر کوئی ایسی حالت میں پایا گیا کہ اسکی منہ سے شراب کی بو آ رہی ہو یا اس نے شراب قے کر دی تو اسکو حد نہیں ماری جائے گی کیونکہ بو میں احتمال ہے کہ غیر شراب کی ہو نیز پینے میں بھی احتمال ہے ہوسکتا ہے کہ بوجہ اکراہ یا حالت اضطرار میں پی لی ہو جس میں حد نہیں۔

(٥٦) اسی طرح جوشخص بوجہ نشہ مست ہو اسکو بھی صرف حالت نشہ میں پائے جانے کی وجہ سے حد نہیں ماری جائے گی یہاں تک کہ یہ معلوم ہو کہ یہ نبیذ سے نشہ ہے یا شراب سے اور اس نے خوشی سے پی لی ہے یا اکراہ سے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ یہ بھنگ یا اور ایسی کسی چیز سے نشہ ہو جو حد کو واجب نہیں کرتی۔(٥٧) نشہ میں مست کو حد نہیں ماری جائے گی یہاں تک کہ اس سے نشہ زائل ہو جائے تا کہ حد کا مقصود (یعنی آئندہ کیلئے شراب خوری سے رکنا) وجدان درد کی وجہ سے حاصل ہو جبکہ شدت مستی میں درد کا احساس نہیں کرتا۔

(٥٨)وَحَدُّ الْخَمْرِ وَالسُّكْرِفِي الْحُرِّ ثَمَانُوْنَ سَوْطًايُفَرَّقُ عَلٰى بَدَنِهِ كَمَا ذَكَرْنَا فِي الزِّنَا(٥٩)فَاِنْ كَانَ عَبْدًاَلحَدُّه اَرْبَعُوْنَ۔

ترجمہ:۔اور شراب خوری اور نشہ کی حد آزاد آدمی کیلئے اسی کوڑے ہے اور یہ کوڑے اسکے بدن پر متفرق مارے جائیں گے جیسا کہ ہم نے باب زنا میں ذکر کرلیا اور اگر شراب خور غلام ہو تو اسکی حد چالیس کوڑے ہے۔

تشریح:۔(٥٨) شراب خوری اور نشہ کی حد آزاد آدمی کیلئے اسی کوڑے ہے کیونکہ اسی پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کا اجماع ہے۔اور یہ کوڑے اسکے بدن پر متفرق مارے جائیں گے کما ذکرنا فی بیان حد الزنی۔(٥٩) اگر شراب خور غلام ہو تو اسکی حد چالیس کوڑے ہے کیونکہ رقیت نعمت وعقوبت کی تنصیف کرتی ہے کما مرّ۔

(٦٠)وَمَنْ اَقَرَّ عَلٰى نَفْسِهٖ بِشُرْبِ الْخَمْرِ وَالسُّكْرِ ثُمَّ رَجَعَ لَمْ يُحَدَّ۔

ترجمہ:۔اور جس نے خود پر شراب پینے یا نشہ میں ہونے کا اقرار کیا پھر اس اقرار سے رجوع کیا تو اسکو حد نہیں ماری جائے گی۔

تشریح:۔(٦٠) اگر کسی نے خود پر شراب پینے یا کسی مسکر سے نشہ میں ہونے کا اقرار کیا پھر اس اقرار سے رجوع کیا تو اسکو حد نہیں ماری جائے گی کیونکہ یہ خالص اللہ کا حق ہے اس میں رجوع کرنا مقبول ہے کَمَا مَرَّ فِی حَدِّ الزِّنٰی۔

(٦١)وَيَثْبُتُ الشُّرْبُ بِشَهَادَةِ شَاهِدَيْنِ اَوْ بِالْاِقْرَارِ مَرَّةً وَاحِدَةً (٦٢)وَلَا تُقْبَلُ فِيْهِ شَهَادَةُ النِّسَاءِ مَعَ الرِّجَالِ۔

ترجمہ:۔اور حد شرب دو گواہوں کی گواہی سے یا خود پینے والے کے ایک بار اقرار کرنے سے ثابت ہوتی ہے اور اس میں مردوں کیساتھ عورتوں کی گواہی قبول نہیں کی جائیگی۔

تشریح:۔(٦١) حدِ شرب دو گواہوں کی گواہی سے یا خود پینے والے کے ایک بار اقرار کرنے سے ثابت ہوتی ہے جیسے حدِ زنا کے سوا دیگر حدود۔(٦٢) البتہ شراب خوری کی حد میں مردوں کیساتھ عورتوں کی گواہی مقبول نہیں کیونکہ یہ حد ہے اور حدود میں عورتوں کی گواہی معتبر نہیں۔

بَابُ حَدِّ الْقَذْفِ

یہ باب حدِ قذف کے بیان میں ہے۔

قذف لغۃً بمعنی پتھر پھینکنا۔اور شرعاً کسی پر زنا کا بہتان لگانے کو قذف کہتے ہیں۔اور قذف بالاجماع گناہ کبیرہ ہے۔

حدِ قذف کو حدِ شرب کے بعد ذکر کیا وجہ یہ ہے کہ حدِ شرب میں شارب کا جرم قطعی ہے جبکہ قذف میں قاذف کا جرم قطعی نہیں کیونکہ قاذف کے سچا ہونے کا احتمال ہے۔

(٦٣)اِذَا قَذَفَ الرَّجُلُ رَجُلًا مُحْصَنًا اَوْ اِمْرَاَةً مُحْصَنَةً بِصَرِيْحِ الزِّنَا وَطَالَبَ الْمَقْذُوْفُ بِالْحَدِّ حَدَّهُ الْحَاكِمُ ثَمَانِيْنَ سَوْطًا اِنْ كَانَ حُرًّا (٦٤)يُفَرَّقُ عَلٰى اَعْضَائِهٖ وَلَا يُجَرَّدُ مِنْ ثِيَابِهٖ غَيْرَ اَنَّهٗ يُنْزَعُ عَنْهُ الْفَرْوُ وَالْحَشْوُ (٦٥)وَاِنْ كَانَ عَبْدًا جَلَدَهٗ اَرْبَعِيْنَ سَوْطًا۔

ترجمہ:۔اگر کسی نے کسی محصن مرد یا محصنہ عورت پر صریح الفاظ کے ساتھ زنٰی کی تہمت لگائی اور مقذوف نے حد کا مطالبہ کیا تو اگر قاذف آزاد ہو تو حاکم اس کو اسی کوڑے مارے اور کوڑے اسکے متفرق اعضاء پر مارے جائیں گے اور اسکے کپڑے نہیں اتارے جائیں گے البتہ پوستین اور موٹے کپڑے (روئی بھرے ہوئے کپڑے) اسکے اتارے جائیں گے اور اگر وہ غلام ہو تو اسکو چالیس کوڑے ماریں گے۔

تشریح:۔(٦٣) اگر کسی نے کسی محصن (محصن وہ آزاد بالغ مسلمان ہے جس نے نکاح صحیح کر کے وطی کی ہو) مرد یا محصنہ عورت پر صریح الفاظ (مثلاً زَنَیْتَ یا یَازَانِیَۃُ) کے ساتھ زنٰی کی تہمت لگائی اور مقذوف نے عدالت میں جا کر قاذف پر حد لگانے کا مطالبہ کیا تو اگر قاذف آزاد ہو تو حاکم اس کو اسی کوڑے مارے لقولہ تعالیٰ ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ

المُحصَنَاتِ........ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمَانِيْنَ جَلْدَةً﴾ (یعنی جو لوگ محصنہ عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں پھر وہ اپنے قول پر چار گواہ نہیں لاتے تو انکو اسی کوڑے مارو) آیت کریمہ میں "یرمون" سے الزام بالزنی مراد ہے۔ اور مقذوف کے مطالبۂ حد کی قید اسلئے لگائی کہ قاذف پر حد جاری کرنا مقذوف کا حق ہے برائے دفع عار عن نفسہ۔

(٦٤) کوڑے اسکے متفرق اعضاء پر مارے جائیں گے کما مبق۔ اور اسکے کپڑے نہیں اتارے جائیں گے اسلئے کہ یہ حدود میں اخف ترین حد ہے بایں وجہ کہ اس کا سبب قطعی نہیں کیونکہ قاذف کے سچا ہونے کا احتمال ہے البتہ پوستین اور روئی بھرے ہوئے کپڑے اسکے اتارے جائیں گے کیونکہ یہ ایصال درد سے مانع ہیں۔ (٦٥) اور اگر الزام لگانے والا غلام ہو تو اسکو چالیس کوڑے ماریںگے کیونکہ رقیت نعمت اور عقوبت کی تنصیف کرتی ہے۔

(٦٦) وَالْإِحْصَانُ اَنْ يَّكُوْنَ الْمَقْذُوْفُ حُرًّا بَالِغًا عَاقِلًا مُسْلِمًا عَفِيْفًا عَنْ فِعْلِ الزِّنَا۔

ترجمہ:۔ اور احصان (مقذوف کے محصن ہونا) یہ ہے کہ آزاد، عاقل، بالغ، مسلمان اور فعل زنی سے پاکدامن ہو۔

تشریح:۔ (٦٦) مقذوف کے محصن ہونے کا یہ معنی ہے کہ آزاد، عاقل، بالغ، مسلمان اور فعل زنی سے پاکدامن ہو، آزادی کی قید اسلئے لگائی کہ محصن آزاد کو کہا جاتا ہے کما فی قولہ تعالیٰ ﴿فَعَلَيْهِنَّ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ﴾ (یعنی ان پر اس سزا سے نصف سزا ہوگی جو کہ آزاد عورتوں پر ہوتی ہے)۔ عاقل وبالغ ہونے کی قید اسلئے لگائی کہ بچہ اور مجنون کو عار لاحق نہیں ہوتی ہے کیونکہ ان سے فعل زنی متحقق نہیں ہوتا۔ اور مسلمان ہونے کی قید اسلئے لگائی کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا وہ محصن نہیں۔ اور فعل زنی سے پاکدامن ہونے کی شرط اسلئے لگائی کہ جو پاکدامن نہ ہوگا اسکو عار لاحق نہیں ہوتی اور اسکے بارے میں قاذف سچا بھی ہے۔

(٦٧) وَمَنْ نَفٰى نَسَبَ غَيْرِهِ فَقَالَ لَسْتَ لِاَبِيْكَ اَوْ يَا ابْنَ الزَّانِيَةِ وَاُمُّهُ مُحْصَنَةٌ مَيِّتَةٌ فَطَالَبَ الْاِبْنُ بِحَدِّهِ حُدَّ الْقَاذِفُ (٦٨) وَلَا يُطَالَبُ بِحَدِّ الْقَذْفِ لِلْمَيِّتِ اِلَّا مَنْ يَقَعُ الْقَدْحُ فِيْ نَسَبِهِ بِقَذْفِهِ۔

ترجمہ:۔ اور جس نے دوسرے کے نسب کی نفی کی پس کہا تو اپنے باپ کا بیٹا نہیں یا اے زانیہ کا بیٹا اور اس کی ماں محصنہ مرچکی ہے پس بیٹے نے ماں کی حد کا مطالبہ کیا تو قاذف کو حد لگائی جائے گی اور نہیں مطالبہ کیا جائیگا میت کی حد قذف کا مگر وہ شخص جسکے نسب میں میت پر تہمت لگانے سے عیب لاحق ہو۔

تشریح:۔ (٦٧) اگر کسی نے دوسرے کے نسب کی نفی کی مثلاً کہا کہ تو اپنے باپ کا بیٹا نہیں یا دوسرے سے کہا "یا ابن الزانیة" (اے زانیہ کا بیٹا) جبکہ اس کی ماں محصنہ مرچکی ہے پس بیٹے نے ماں کی حد کا مطالبہ کیا تو قاذف کو حد لگائی جائے گی کیونکہ اس نے ایک محصنہ عورت کو اسکے مرنے کے بعد تہمت لگائی تو ہر وہ شخص جسکے نسب میں میت پر تہمت لگانے سے عار لاحق ہو وہ حد کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ (٦٨) امام قدوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میت کیلئے حد قذف کا مطالبہ کوئی نہیں کر سکتا مگر وہ شخص جسکے نسب میں میت پر تہمت لگانے سے عار لاحق ہو اور یہ میت کے اصول اور فروع ہیں کیونکہ عار ان کو لاحق ہوتی ہے ایک دوسرے کے جزء ہونے کی وجہ سے لہذا ان کو حد قذف

کا مطالبہ کرنے کا حق حاصل ہے۔

(۶۹) وَإِذَا كَانَ الْمَقْذُوفُ مُحْصَنًا جَازَ لِابْنِهِ الْكَافِرِ أَوِ الْعَبْدِ أَنْ يُطَالِبَ بِالْحَدِّ (۷۰) وَلَيْسَ لِلْعَبْدِ أَنْ يُطَالِبَ مَوْلَاهُ بِقَذْفِ أُمِّهِ الْحُرَّةِ (۷۱) وَإِنْ أَقَرَّ بِالْقَذْفِ ثُمَّ رَجَعَ لَمْ يُقْبَلْ رُجُوعُهُ۔

ترجمہ:۔اور اگر مقذوف محصن ہو تو اسکے کافر یا غلام بیٹے کیلئے جائز ہے کہ قاذف پر حد کا مطالبہ کرے اور غلام کے لئے جائز نہیں کہ مطالبہ کرے اپنے آقا پر اپنی آزاد ماں کی تہمت کی حد کا اور اگر کسی نے دوسرے پر تہمت لگانے کا اقرار کیا پھر اس سے پھر گیا تو اس کا رجوع قبول نہیں کیا جائیگا۔

تشریح:۔(۶۹) جس شخص کو زنی کی تہمت لگائی گئی اگر وہ محصن ہو تو اسکے کافر یا غلام بیٹے کیلئے جائز ہے کہ قاذف پر حد کا مطالبہ کرلے کیونکہ قاذف نے مقذوف کے بیٹے کو عار دلائی ہے یوں کہ اسکے محصن باپ پر تہمت لگائی ہے۔(۷۰) اگر مولی نے اپنے غلام کی محصنہ آزاد ماں پر زنی کا الزام لگایا تو غلام کو حد قذف کے مطالبہ کا حق نہیں کیونکہ مولی کو اپنے غلام کی وجہ سے سزا نہیں دی جاسکتی۔

(۷۱) اگر کسی نے دوسرے پر تہمت لگانے کا اقرار کیا پھر اس اقرار سے پھر گیا تو اس کا رجوع مقبول نہ ہوگا کیونکہ اس میں مقذوف کا حق ہے جو اسکی تکذیب کرے گا بخلاف اس صورت کے جس میں خالص اللہ کا حق ہو کہ اس صورت میں اسکی تکذیب کرنے والا کوئی نہیں۔

(۷۲) وَمَنْ قَالَ لِعَرَبِيٍّ يَا نَبَطِيُّ لَمْ يُحَدَّ (۷۳) وَمَنْ قَالَ لِرَجُلٍ يَا ابْنَ مَاءِ السَّمَاءِ فَلَيْسَ بِقَاذِفٍ (۷۴) وَإِذَا نَسَبَهُ إِلَى عَمِّهِ أَوْ إِلَى خَالِهِ أَوْ إِلَى زَوْجِ أُمِّهِ فَلَيْسَ بِقَاذِفٍ (۷۵) وَمَنْ وَطِئَ وَطْئًا حَرَامًا فِي غَيْرِ مِلْكِهِ لَمْ يُحَدَّ قَاذِفُهُ۔

ترجمہ:۔اور جس نے عربی شخص سے کہا اے نبطی تو اسکو حد نہیں ماری جائے گی اور جس نے دوسرے سے کہا اے آسمان کے پانی کے بیٹے تو قائل قاذف شمار نہ ہوگا اور اگر کسی کو اسکے چچا یا ماموں یا اسکی ماں کے شوہر کی طرف منسوب کیا تو قائل قاذف نہیں اور جس نے حرام وطی کی دوسرے کی ملک میں تو اسکے قاذف کو حد نہیں ماری جائے گی۔

تشریح:۔(۷۲) اگر کسی نے عربی شخص سے کہا "یا نبطی" (اے نبطی) تو اسکو حد نہیں ماری جائے گی کیونکہ اس سے بد اخلاقی یا عدم فصاحت میں تشبیہ دینا مقصود ہے زنی کا الزام نہیں۔(۷۳) اگر کسی نے دوسرے سے کہا اے اسمان کے پانی کے بیٹے تو قائل قاذف (زنا کی تہمت لگانے والا) شمار نہ ہوگا کیونکہ یہ حسن خلق اور سخاء کے ساتھ اسکی مدح کرنے کا احتمال رکھتا ہے کیونکہ یہ صفائی اور سخاوت کی وجہ سے لعمان ابن منذر کے دادے کا لقب ہے۔

(۷۴) اگر کسی نے دوسرے کو اسکے چچا یا ماموں یا اسکی ماں کے شوہر کی طرف منسوب کیا تو یہ شخص قاذف نہیں کیونکہ عرف میں ان میں سے ہر ایک کو اب کہا جاتا ہے مثلا باری تعالی کے قول ﴿نَعْبُدُ إِلٰهَكَ وَإِلٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ﴾ (یعنی ہم عبادت کرتے ہیں آپ کے الہ کا اور آپ کے آباء حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ

كتاب السرقة

یہ کتاب سرقہ کے بیان میں ہے۔

"سرقہ" لغۃً کسی کی کوئی چیز بلا اجازت پوشیدہ طور لے لینے کو کہتے ہیں اور اصطلاح شریعت میں سرقہ جس پر حکم شرعی یعنی قطع ید مرتب ہے یہ ہے کہ کوئی عاقل بالغ کسی کا محفوظ مال جو بقدر دس درہم یا زیادہ ہو پوشیدہ طور پر لے لے۔

ماقبل کے ساتھ وجہ مناسبت یہ ہے کہ امام قدوری رحمہ اللہ صیانۃ النفوس کے ساتھ متعلقہ مزاجرات سے فارغ ہو گئے تو صیانۃ الاموال کے ساتھ متعلقہ مزاجرات کو شروع فرمایا اور چونکہ نفس اصل ہے مال سے اسلئے اس کے ساتھ متعلق بحث کو مقدم کیا۔

(۱) وَاِذَا سَرَقَ (۲) الْبَالِغُ الْعَاقِلُ عَشَرَةَ دَرَاهِمَ اَوْ مَاقِيْمَتُهُ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ مَضْرُوْبَةً كَانَتْ اَوْ غَيْرَمَضْرُوْبَةٍ (۳) مِنْ حِرْزٍ لا شُبْهَةَ فِيْهِ وَجَبَ عَلَيْهِ الْقَطْعُ (۴) وَالْعَبْدُ وَالْحُرُّ فِيْهِ سَوَاءٌ۔

ترجمہ:۔ اور اگر عاقل بالغ نے دس درہم یا ایسی چیز جسکی قیمت دس درہم کو پہنچتی ہو خواہ سکہ دار ہوں یا غیر سکہ دار چرائی ایسے محفوظ مقام سے جس میں کچھ شبہ نہ ہو تو چور پر ہاتھ کاٹنا واجب ہے اور غلام اور حر اس میں برابر ہیں۔

تشریح:۔ (۱) یہاں سے امام قدوری رحمہ اللہ تفصیلی طور پر وہ تمام شرائط ذکر کرتے ہیں جن پر حکم شرعی (یعنی قطع ید) مرتب ہوتا ہے یعنی اگر عاقل بالغ نے دس درہم یا ایسی چیز جسکی قیمت دس درہم کو پہنچتی ہو خواہ سکہ دار ہوں یا غیر سکہ دار (یعنی ڈھلے ہوئے سکہ ہوں یا بلا ڈھلے ہوئے ہوں) ایسے مقام محفوظ سے چرائی جس میں کچھ شبہ نہ ہو تو چور کا ہاتھ کاٹنا واجب ہے اس بارے میں اصل باری تعالیٰ کا قول ہے ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا﴾ (یعنی چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کا ہاتھ کاٹو)۔

(۲) قطع ید کی شرط یہ ہے کہ چور عاقل بالغ ہو کیونکہ عقل و بلوغ کے بغیر جرم متحقق نہیں ہوتا لہٰذا بچہ اور مجنون کا ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا اور یہ بھی شرط ہے کہ مال دس درہم یا ایسی چیز ہو جس کی قیمت دس درہم ہو "لقوله صلّى الله عليه وسلم لاقَطْعَ اِلّافِي دِيْنَارٍ اَوْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ" (یعنی قطع ید نہیں مگر ایک دینا یا دس درہم میں)۔

اور یہ جو کہا کہ دراہم سکہ دار ہوں یا غیر سکہ دار، یہ امام صاحبؒ سے حسن بن زیادؒ کی روایت ہے جبکہ ظاہر الروایت یہ ہے کہ دراہم سکہ دار ہوں کیونکہ عرف میں دراہم کا اطلاق سکہ دار پر ہوتا ہے یہی صاحبین رحمہما اللہ کا قول ہے۔

(۳) یہ بھی شرط ہے کہ مال ایسے محفوظ مکان میں ہو جس میں کچھ شبہ نہ ہو کیونکہ پوشیدہ طور پر مال کا اٹھانا بغیر محفوظ ہونے کے متحقق نہیں ہو سکتا اور یہ بھی شرط ہے کہ محفوظ ہونے میں شبہ نہ ہو کیونکہ شبہ حد کو دفع کرتا ہے۔ (۴) قطع ید میں آزاد اور غلام دونوں برابر ہیں کیونکہ ہاتھ کاٹنے میں تنصیف متعذر ہے لہٰذا کامل ہاتھ کاٹا جائیگا صِيَانَةً لِاَمْوَالِ النَّاسِ۔

(٥)وَيَجِبُ الْقَطْعُ بِاِقْرَارِهٖ مَرَّةً وَاحِدَةً اَوْ بِشَهَادَةِ شَاهِدَيْنِ۔

ترجمہ:۔ اور قطع ید واجب ہوتا ہے چور کا ایک مرتبہ اقرار کرنے یا دو گواہوں کی گواہی دینے سے۔

تشریح:۔ (۵) اگر چور نے چوری کرنے کا ایک مرتبہ اقرار کر لیا تو طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک اس کا ہاتھ کاٹا جائیگا۔ یا دو گواہوں نے چور کی چوری کی گواہی دی تو بھی چور کا ہاتھ کاٹا جائیگا جس طرح کہ دیگر حقوق میں اور مزید احتیاط کیلئے امام گواہوں سے کیفیت اور ماہیت سرقہ اور زمان و مکان سرقہ اور مقدار مال مسروق اور مسروق منہ کے بارے میں پوچھے گا تا کہ کسی طرح دفع حد کا حیلہ نکل آئے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک چور کا دو مرتبہ اقرار کرنا ضروری ہے۔

(٦)وَاِذَا اشْتَرَکَ جَمَاعَةٌ فِی سَرِقَةٍ فَاَصَابَ کُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ قُطِعَ (٧)وَاِنْ اَصَابَ اَقَلَّ مِنْ ذَالِکَ لَمْ یُقْطَعْ۔

ترجمہ:۔ اور اگر چوری کرنے میں ایک جماعت شریک ہوگئی پس ان میں سے ہر ایک کو دس درہم پہنچے تو کاٹا جائیگا اور اگر اس سے کم پہنچے تو نہیں کاٹا جائیگا۔

تشریح:۔ (٦) اگر چوری کرنے میں ایک جماعت شریک ہوگئی اور ان میں سے ہر ایک کو مسروق مال سے دس درہم پہنچے یا ہر ایک کو اتنا مال پہنچے جسکی قیمت دس درہم ہو تو ہر ایک کا ہاتھ کاٹا جائیگا۔ (۷) اور اگر ہر ایک کو دس درہم سے کم پہنچے تو کسی کا ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا کیونکہ نصاب (دس درہم) کا سرقہ موجب حد ہے تو ہر ایک کے حق میں کامل نصاب (دس درہم) معتبر ہے کیونکہ ہر ایک کی سزا اسکے جرم کی وجہ سے واجب ہوتی ہے تو کامل نصاب نہ پہنچنے کی وجہ سے قطع ید نہیں۔

(٨)وَلَا يُقْطَعُ فِيْمَا يُوْجَدُ تَافِهًا مُبَاحًا فِی دَارِ الْاِسْلَامِ کَالْخَشَبِ وَالْحَشِيْشِ وَالْقَصَبِ وَالسَّمَکِ وَالصَّيْدِ (٩)وَلَا فِيْمَا يَسْرَعُ اِلَيْهِ الْفَسَادُ کَالْفَوَاکِهِ الرَّطْبَةِ وَاللَّبَنِ وَاللَّحْمِ وَالْبِطِّيْخِ وَالْفَاکِهَةِ عَلَى الشَّجَرِ وَالزَّرْعِ الَّذِی لَمْ يُحْصَدْ (١٠)وَلَا قَطْعَ فِی الْاَشْرِبَةِ الْمُطْرِبَةِ وَلَا فِی الطَّنْبُوْرِ (١١)وَلَا فِی سَرِقَةِ الْمُصْحَفِ وَاِنْ کَانَ عَلَيْهِ حِلْيَةٌ۔

ترجمہ:۔ اور نہیں کاٹا جائیگا ان چیزوں میں جو دار الاسلام میں معمولی اور مباح پائی جاتی ہیں جیسے لکڑی، گھاس، نرکل، مچھلی اور شکار اور نہ ان چیزوں میں جو جلد خراب ہوتی ہیں جیسے تر میوے، دودھ، گوشت، تربوز، درخت پر لگے ہوئے میوے اور وہ کھیتی جو نہ کاٹی گئی ہو اور مستی لانے والی شرابوں میں قطع ید نہیں اور نہ باجے میں اور نہ قرآن مجید چوری کرنے میں اگرچہ اس پر سونے کا کام ہوا ہو۔

تشریح:۔ (۸) جو چیز دار الاسلام میں مباح طور پر حقیر پائی جاتی ہو تو اسکے اٹھانے پر اٹھانے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا جیسے ایندھن کی لکڑی، نرکل، گھاس، مچھلی، پرندے اور وہ جانور جو شکار کئے جاتے ہیں کیونکہ جو چیز اپنی اصلی صورت پر مباح پائی جاتی ہو اس میں رغبت کم ہوتی ہے تو اس کیلئے حد زاجر مقرر کرنے کی ضرورت نہیں اور ایسی چیزوں میں حفاظت بھی ناقص ہوتی ہے اسلئے ان میں قطع ید نہیں۔

(۹) جو چیزیں جلدی خراب ہوتی ہیں مثلاً ایک سال تک باقی نہیں رہ سکتی ہیں تو ایسی چیز کی چوری کرنے کی صورت میں بھی چور

کا ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا جیسے تر میوے، دودھ، گوشت، خربوزہ وغیرہ کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"لاقَطْعَ فِی الطَّعَام "(یعنی طعام میں قطع ید نہیں)اور طعام کا معنی"مَایَتَسَارَعُ اِلَیْہِ الْفَسَادُ "(ایسی چیز جو جلدی خراب ہوتی ہو)سے کیا گیا ہے کیونکہ گندم اور شکر چرانے میں بالاجماع قطع ید ہے اور جو کھیتی جوابھی تک کاٹی نہیں گئی ہو اسکی چوری کرنے کی صورت میں قطع ید نہیں لعدم الاحراز (یعنی مال محفوظ نہیں)۔

(۱۰)اسی طرح نشہ آور شربتوں میں قطع ید نہیں کیونکہ نشہ آور چیزیں بعض تو مال نہیں اور بعض کے مال ہونے میں اختلاف ہے تو عدم مالیۃ کا شبہ پیدا ہوا لہذا اس پر قطع ید نہیں اسی طرح طنبور (ستار) اور تمام آلات لہو کے چرانے میں بھی قطع ید نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ نہی عن المنکر کی نیت سے لیا ہے لہذا سرقہ میں شبہ پیدا ہوا اسلئے قطع ید نہیں۔

(۱۱)اسی طرح قرآن مجید چرانے میں بھی قطع ید نہیں کیونکہ لینے والا یہ تاویل کریگا کہ میں نے پڑھنے کیلئے لیا ہے اگر چہ قرآن مجید پر بقدر نصاب سونا چاندی چڑھایا گیا ہو کیونکہ سونا چاندی تابع ہیں اور تابع کا اعتبار نہیں۔

(۱۲)وَلا فِی الصَّلِیْبِ مِنَ الذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ (۱۳)ولا الشَّطْرَنجِ وَلا النَّردِ (۱۴)ولا قَطْعَ عَلیٰ سَارِقِ الصَّبِیِّ الْحُرِّ وَاِنْ کَانَ عَلَیْہِ حُلِیٌّ۔

ترجمہ:۔اور سونے اور چاندی کی صلیب چرانے میں بھی قطع ید نہیں اور نہ شطرنج اور نرد میں قطع ید ہے اور نہ آزاد بچہ چرانے میں قطع ید ہے اگر چہ اس پر زیور ہو۔

تشریح:۔(۱۲)سونے یا چاندی کی صلیب (وہ لکڑی جس پر عیسائیوں کے گمان کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی گئی۔اور ہر وہ جو دو خط کی شکل پر ہو جو آپس میں تقاطع کرتے ہوں جس پر سولی دی جائے) چرانے میں بھی قطع ید نہیں کیونکہ صلیب توڑنا شرعاً ماذون ہے تو چور تاویل کریگا کہ میں نے توڑنے کی نیت سے اٹھالی ہے۔(۱۳)اسیطرح شطرنج (مشہور کھیل ہے جس میں چھ قسم کے مہروں سے کھیلتے ہیں جو شاہ، فرزین، فیل، اسپ، رُخ اور پیدل کہلاتے ہیں) اور نرد (ایک قسم کا کھیل ہے جس کو اردشیر بن بابک شاہ ایران نے ایجاد کیا تھا) کے چرانے میں بھی قطع ید نہیں کیونکہ یہ آلات لہو میں سے ہیں کما مرّ۔(۱۴)اگر کسی نے آزاد بچہ چرایا تو چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا اگر چہ اس پر بقدر نصاب زیور ہو کیونکہ بچہ مال نہیں اور زیور اس کا تابع ہے لہذا چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا۔

اللطیفۃ:۔تقدم اثنان الی ابی ضمضامۃ القاضی فادعی احدھما علی الآخر طنبورا فانکر فقال المدعی الک بینۃ؟فقال لی شاھدان فاحضر رجلین شھدا لہ فقال المدعی علیہ سلھما یا سیدی عن صناعتھما ،فاخبر أحدھماانہ بناذ وقال الآخر انہ قوّاد ، فالتفت القاضی الی المدعی علیہ وقال، اتریدعلی طنبور أعدل من ھذین إدفع الیہ طنبورہ ۔(المستطرف)

☆ ☆ ☆

(۱۵)وَلا قَطعَ فِي سَرِقَةِ العَبدِ(۱۶)وَيُقطَعُ سَارِقُ العَبدِ الصَغِيرِ۔

ترجمہ:۔اور بالغ غلام چرانے میں قطع ید نہیں اور نابالغ غلام چرانے میں قطع ید ہے۔

تشریح:۔(۱۵)اگر کسی نے بالغ غلام کو چرایا تو اس میں قطع ید نہیں کیونکہ غلام بالغ ہے اور بالغ خود اپنے ہی قبضہ میں ہوتا ہے لہذا اس کو چرانا چوری نہیں بلکہ غصب ہے اور غاصب کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا۔(۱۶)اگر کسی نابالغ غلام کو چوری کیا تو اس میں قطع ید ہے کیونکہ یہ مال ہے جانور کی طرح اسکو خود پر قبضہ نہیں تو اس پر چوری کی تعریف صادق ہے۔

(۱۷)ولا قَطعَ فِي الدَفَاتِرِ كُلِّهَا اِلَّا فِي دَفَاتِرِ الحِسَابِ (۱۸)ولا يُقطَعُ سَارِقُ كَلبٍ وَلَا فَهدٍ ولا دُفٍّ ولا طَبلٍ ولا مِزمَارٍ۔

ترجمہ:۔اور قطع ید نہیں ہر قسم کے دفتر (رجسٹر) چرانے میں سوائے حساب کے رجسٹر کے اور کتے، چیتے دف، ڈھول اور بانسری کو چورانے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا۔

تشریح:۔(۱۷)ہر قسم کے دفتر (رجسٹر) چرانے میں قطع ید نہیں کیونکہ دفتر چوری کرنے میں مقصود دفتر میں موجود تحریر ہے اور تحریر مال نہیں البتہ حساب کے رجسٹر (جن کے حسابات گذر چکے ہوں) چوری کرنے میں قطع ید ہے کیونکہ ان میں مقصود تحریر نہیں بلکہ اوراق ہیں تو اگر انگی قیمت بقدر دس دراہم ہو تو چور کا ہاتھ کاٹا جائیگا۔(۱۸) کتے اور چیتے کے چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا کیونکہ ان کی جنس سے مباح الاصل پایا جاتا ہے لہذا ان میں رغبت کم ہونے کی وجہ سے حدِ زاجر کی ضرورت نہیں اسی طرح دف (ایک ہاتھ سے بجانے والا ایک ساز کا نام ہے) ڈھول اور بانسری کی چوری میں بھی قطع ید نہیں کیونکہ یہ آلات لہو ہیں جن میں قطع نہیں کَمَا مَرَّ۔

(۱۹)وَيُقطَعُ فِي السَاجِ وَالقَنَاءِ وَالآبنُوسِ وَالصَندَلِ (۲۰)وإذَا اتُّخِذَ مِنَ الخَشَبِ اَوَانِي اَوْ اَبوَابٌ قُطِعَ فِيهَا۔

ترجمہ:۔اور کاٹا جائے گا ساکھو اور نیزے کی لکڑی اور آبنوس اور صندل کی لکڑی چرانے میں اور جب لکڑی سے برتن یا دروازے بنالئے جائیں تو ان میں ہاتھ کاٹا جائیگا۔

تشریح:۔(۱۹)ساکھو (کالے رنگ کا مضبوط ہندی لکڑی ہے) اور نیزے کی لکڑی اور آبنوس (ایک قسم کی سخت اور کالی لکڑی ہے) اور صندل (ایک خوشبودار لکڑی کا نام ہے) کو چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹا جائیگا کیونکہ یہ محفوظ اور لوگوں کے نزدیک محترم مال ہے اور دارالاسلام میں اپنی اصلی صورت میں مباح نہیں پائے جاتے۔(۲۰)اگر ایسی لکڑی جس میں ہاتھ نہیں کاٹا جاتا سے برتن یا دروازے بنائے گئے تو انکو چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹا جائیگا بشرطیکہ محفوظ ہو کیونکہ یہ لکڑی اب اموال نفیسہ میں شامل ہوگئی۔

(۲۱)وَلا قَطعَ عَلَى خَائِنٍ ولا خَائِنَةٍ (۲۲)ولا نَبَّاشٍ (۲۳)ولا مُنتَهِبٍ (۲۴)ولا مُختَلِسٍ (۲۵)ولا يُقطَعُ السَارِقُ مِن بَيتِ المَالِ (۲۶)ولا مِن مَالٍ لِلسَارِقِ فِيهِ شَرِكَةٌ۔

ترجمہ:۔اور خائن اور خائنہ پر قطع ید نہیں اور نہ نباش اور نہ ملتھب اور نہ مختلس پر قطع ید ہے اور بیت المال سے چوری کرنے والے کا ہاتھ

نہیں کاٹا جائیگا اور نہ ایسے مال میں ہاتھ کاٹا جائیگا جس میں چور کے لئے شرکت ہو۔

تشریح:۔(۲۱) خائن اور خائنہ (خائن وہ ہے جس کے پاس کوئی چیز برائے حفاظت رکھی جائے اور وہ اس میں خیانت کرے) کا ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا کیونکہ مال کی حفاظت ناقص ہے۔(۲۲) اسی طرح نباش (کفن چور) کا بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا کیونکہ کفن کی ملکیت میں شبہ ہے بایں وجہ کہ میت کیلئے کوئی ملک نہیں اور میت کی حاجت مقدم ہونے کی وجہ سے وارث کی بھی ملک نہیں۔(۲۳) اسی طرح منتہب (جو علانیہ زبردستی کسی سے کوئی چیز لے لے)۔(۲۴) اور مختلس (جو بناء برغفلت کسی کے ہاتھ سے کوئی چیز اُچک کر بھاگے) کا بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا کیونکہ یہ دو علانیہ یہ عمل کرتے ہیں پوشیدہ طور پر نہیں لہذا سرقہ کی تعریف ان پر صادق نہیں۔

(۲۵) اگر کسی نے بیت المال (حکومت اسلامی کے خزانہ) میں سے چوری کیا تو اسکا ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا کیونکہ یہ عام مسلمانوں کا مال ہے اور چور خود بھی ان میں سے ہے۔(۲۶) اسی طرح اگر کسی نے ایسا مال چوری کیا جس میں یہ خود بھی شریک ہے تو اس کا ہاتھ بھی نہیں کاٹا جائیگا کیونکہ اس مال میں اس کا بھی حق ہے۔

(۲۷) وَمَنْ سَرَقَ مِنْ اَبَوَيْهِ اَوْ وَلَدِهِ اَوْ ذِیْ رَحْمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ لَمْ يُقْطَعْ (۲۸) وَكَذَالِكَ اِذَا سَرَقَ اَحَدُ الزَّوْجَيْنِ مِنَ الآخَرِ وَالعَبْدُ مِنْ سَيِّدِهِ اَوْ مِنْ اِمْرَاَةِ سَيِّدِهِ اَوْ مِنْ زَوْجِ سَيِّدَتِهِ (۲۹) او الْمَوْلٰى مِنْ مُكَاتَبِهِ (۳۰) وكَذَالِكَ السَّارِقُ مِنَ الْمَغْنَمِ ۔

ترجمه:۔اور جو اپنے والدین یا اپنے بیٹے سے یا اپنے ذی رحم محرم رشتہ دار سے کوئی چیز چرالے تو اسکا ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا اور اسی طرح اگر زوجین میں سے ایک دوسرے سے کوئی چیز چرالے یا غلام اپنے مولیٰ یا مولیٰ کی بیوی سے یا غلام اپنی مالکہ کے زوج سے یا مولیٰ اپنے مکاتب سے کوئی چیز چرالے اور اسی طرح مال غنیمت سے چوری کرنے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا۔

تشریح:۔(۲۷) اگر کسی نے اپنے والدین یا اپنے بیٹے یا اپنے ذی رحم محرم رشتہ دار سے کوئی چیز چرائی تو اسکا ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا کیونکہ یہ باہم ایک دوسرے کے مکان میں آتے جاتے ہیں تو مال میں حرز (حفاظت) نہیں۔(۲۸) اسی طرح اگر زوجین میں سے ایک دوسرے سے یا غلام اپنے مولیٰ یا مولیٰ کی بیوی سے یا غلام اپنی مالکہ کے زوج سے کوئی چیز چرالے تو ان تمام صورتوں میں بھی چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا کیونکہ ان کے مکانوں میں آنے جانے کی اجازت عادۃً موجود ہے۔

(۲۹) اسی طرح اگر مولیٰ اپنے مکاتب سے کوئی چیز چرالے تو بھی مولیٰ کا ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا کیونکہ کسب مکاتب میں مولیٰ کا حق ہے۔(۳۰) اسی طرح اگر کسی نے مال غنیمت سے کوئی چیز چرائی تو بھی اس پر قطع ید نہیں بشرطیکہ چور کا مال غنیمت میں حصہ ہو مثلاً غانمین میں سے کسی نے چوری کیا لِاَنَّ لَهُمْ فِيْهِ نَصِيْبٌ۔

(۳۱) وَالحِرْزُ عَلٰى ضَرْبَيْنِ حِرْزٌ لِمَعْنًى فِيْهِ كَالدُّوْرِ وَالْبُيُوْتِ (۳۲) وَحِرْزٌ بِالحَافِظِ (۳۳) فَمَنْ سَرَقَ شَيْئًا مِنْ حِرْزٍ اَوْ غَيْرِ حِرْزٍ وَصَاحِبُهُ عِنْدَهُ يَحْفَظُهُ وَجَبَ عَلَيْهِ القَطْعُ۔

ترجمہ:۔ اور حرز کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو اپنے معنی کی وجہ سے حرز ہو جیسے گھریں اور کمرے اور (دوسرا یہ کہ) حرز کسی نگران کے ذریعہ سے ہو پس جس نے کوئی چیز حرز سے یا غیر حرز سے چرائی جبکہ مالک اس کے پاس حفاظت کر رہا تھا تو اس پر قطع ید واجب ہے۔

تشریح:۔ (۳۱) حرز لغت میں محفوظ جگہ کو کہتے ہیں اور شرعاً اس جگہ کو کہتے ہیں جس میں عادۃً مال کی حفاظت کی جاتی ہو۔ پھر حرز کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو اپنے معنی کی وجہ سے حرز ہو جیسے گھریں اور کمرے یا دکان، صندوق، خیمہ وغیرہ اور حرز حقیقۃً یہی ہے۔ (۳۲) دوسرا یہ کہ حرز کسی نگران و نگہبان وغیرہ کے ذریعہ سے ہو مثلاً کوئی مسجد یا راستہ میں بیٹھا ہے اور اسکے ساتھ مال ہے تو یہ مال محرز ہے اور یہ معنی حرز ہے۔

(۳۳) اگر کسی نے کوئی چیز حرز حقیقی (گھر وغیرہ سے) چرائی اگر چہ اسکا مالک یا دربان موجود نہ ہو اور یا ایسی چیز چرائی جو حرز حقیقی میں تو نہیں مگر حرز معنوی ہے کہ شی کا مالک برائے حفاظت موجود ہے خواہ بیدار ہو یا سویا ہوا ہو تو چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا کیونکہ اس نے مال محفوظ باحد الحرزین کو چوری کیا ہے۔

(۳۴) وَلَا قَطْعَ عَلٰى مَنْ سَرَقَ مِنْ حَمَّامٍ اَوْ مِنْ بَيْتٍ اُذِنَ لِلنَّاسِ فِيْ دُخُوْلِهٖ (۳۵) وَمَنْ سَرَقَ مِنَ الْمَسْجِدِ مَتَاعًا وَصَاحِبُهُ عِنْدَهُ قُطِعَ (۳۶) وَلَا قَطْعَ عَلَى الضَّيْفِ اِذَا سَرَقَ مِمَّنْ اَضَافَهُ۔

ترجمہ:۔ اور اس شخص پر قطع ید نہیں جو حمام سے کوئی چیز چرالے یا ایسے گھر سے جہاں لوگوں کو جانے کی اجازت ہو اور جس نے مسجد سے سامان چرالیا اور صاحب مال نگرانی کیلئے موجود ہے تو ہاتھ کاٹا جائیگا اور قطع ید نہیں مہمان پر اگر اس سے چوری کرے جس نے اس کو مہمان بنایا ہے۔

تشریح:۔ (۳۴) اگر کسی نے حمام سے لوگوں کے آنے جانے کے وقت میں کوئی چیز چرائی یا ایسے گھر سے کوئی چیز چرائی جہاں لوگوں کو جانے کی اجازت ہو تو اسکا ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا کیونکہ حمام عادۃً اور گھر میں حقیقۃً جانے کی اجازت ہے تو حرز میں خلل ہے لہذا سارق کی تعریف اس پر صادق نہیں۔ (۳۵) اگر کسی نے مسجد سے کسی کے مال کو چوری کیا اور صاحب مال نگرانی کیلئے موجود ہے تو سارق کا ہاتھ کاٹا جائیگا کیونکہ یہ مال محرز بالحافظ ہے۔ (۳۶) اگر مہمان نے میزبان کے گھر سے چوری کیا تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا کیونکہ میزبان کی طرف سے اذن دخول کی وجہ سے مہمان کے حق میں یہ مکان حرز نہیں رہا۔

(۳۷) وَاِذَا نَقَبَ اللِّصُّ الْبَيْتَ وَدَخَلَ فَاَخَذَ الْمَالَ وَنَاوَلَهٗ آخَرَ خَارِجَ الْبَيْتِ فَلَا قَطْعَ عَلَيْهِمَا (۳۸) وَاِنْ اَلْقَاهُ فِي الطَّرِيْقِ ثُمَّ خَرَجَ فَاَخَذَهٗ قُطِعَ (۳۹) وَكَذٰلِكَ اِذَا حَمَلَهٗ عَلٰى حِمَارٍ وَسَاقَهٗ فَاَخْرَجَهٗ (۴۰) وَاِذَا دَخَلَ الْحِرْزَ جَمَاعَةٌ فَتَوَلّٰى بَعْضُهُمُ الْاَخْذَ قُطِعُوْا اَجْمَعُوْنَ (۴۱) وَمَنْ نَقَبَ الْبَيْتَ وَاَدْخَلَ يَدَهٗ فِيْهِ وَاَخَذَ شَيْئًا لَمْ يُقْطَعْ (۴۲) وَاِنْ اَدْخَلَ يَدَهٗ فِيْ صُنْدُوْقِ الصَّيْرَفِيِّ اَوْ فِيْ كُمِّ غَيْرِهٖ وَاَخَذَ الْمَالَ قُطِعَ۔

ترجمہ:۔ اور اگر چور نے نقب لگا کر گھر میں داخل ہو گیا اور مال کو لے کر دوسرے کو جو گھر سے باہر کھڑا ہے دیدیا تو ان دونوں پر قطع ید

نہیں اور اگر چور نے مال کولیکر گھر سے باہر پھینک دیا پھر نکل کر لے لیا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائیگا اسی طرح اگر گدھے پر مال لاد کر ہانکا اور باہر نکال لایا تو بھی اس کا ہاتھ کاٹا جائیگا اور اگر کسی کے محفوظ مکان میں ایک جماعت داخل ہوئی پھر بعض نے مال لے لیا تو سب کا ہاتھ کاٹا جائیگا اور اگر کسی نے دوسرے کے مکان میں نقب لگایا اور ہاتھ داخل کر کے کوئی چیز لے لی تو ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا اور اگر کسی نے صرّاف کے صندوق میں یا کسی کے جیب میں اپنا ہاتھ ڈالا اور مال لے لیا تو ہاتھ کاٹا جائیگا۔

تشریح:۔(۳۷) اگر چور نے نقب لگا کر گھر میں داخل ہو گیا اور مال کو لے کر دوسرے کو جو گھر سے باہر کھڑا ہے دیدیا تو ان دونوں میں سے کسی کا ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا کیونکہ اول سے تو اخراج مال نہیں پایا گیا اور ثانی کے حق میں مال محفوظ نہیں لہذا کسی پر حد نہیں۔(۳۸) اگر چور گھر میں داخل ہوا اور مال کولیکر گھر سے باہر پھینک دیا پھر نکل کر لے لیا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائیگا کیونکہ مال باہر پھینک دینا ایک حیلہ ہے کیونکہ بمع مال نکلنا مشکل ہوتا ہے لہذا مال پھینکنا اور نکل کر لینا ایک ہی فعل شمار ہوگا۔

(۳۹) اسی طرح اگر گدھے پر مال لاد کر ہانکا اور باہر نکال لایا تو بھی اس کا ہاتھ کاٹا جائیگا کیونکہ گدھے کو تو اس نے ہانکا تھا اسلئے گدھے کا چلنا اسی کی طرف منسوب ہوگا۔(۴۰) اگر کسی کے محفوظ مکان میں ایک جماعت داخل ہوئی اور پھر مال لینے کا کام ان میں سے بعض نے کیا تو سب کا ہاتھ کاٹا جائیگا کیونکہ معنی سب نے مال نکالا ہے اس لئے دوسرے بعض انکے معاون ہیں۔

(۴۱) اگر کسی نے دوسرے کے مکان میں نقب لگا کر ہاتھ داخل کر کے مال لے لیا خود داخل نہیں ہوا تو اس پر قطع ید نہیں کیونکہ مال کا حفاظت توڑنا داخل ہونے سے ہے یہاں دخول نہیں۔(۴۲) اگر کسی نے صرّاف کے صندوق میں یا کسی کے جیب میں اپنا ہاتھ ڈالا اور مال نکال لیا تو ہاتھ کاٹا جائیگا کیونکہ اس نے حرز توڑ کر مال لے لیا ہے اور اس جیسی چیزوں کا حرز توڑنا اسی طرح ہوتا ہے۔

(۴۳) وَيُقْطَعُ يَمِيْنَ السَّارِقِ مِنَ الزَّنْدِ وَتُحْسَمُ (۴۴) فَإِنْ سَرَقَ ثَانِيًا قُطِعَتْ رِجْلُه الْيُسْرٰى (۴۵) فَإِنْ سَرَقَ ثَالِثًا لَمْ يُقْطَعْ وَخُلِّدَ فِي السِّجْنِ حَتّٰى يَتُوْبَ۔

ترجمہ:۔اور چور کا دایاں ہاتھ زند سے کاٹا جائیگا اور داغ دیا جائیگا اور اگر چور نے دوبارہ چوری کی تو اس کا بایاں پاؤں کاٹا جائیگا اور اگر اس نے تیسری بار چوری کی تو نہیں کاٹا جائیگا اور اسکو برابر قید خانہ میں رکھا جائیگا یہاں تک کہ توبہ کرلے۔

تشریح:۔(۴۳) چور کا دایاں ہاتھ زند (زند ہتھیلی اور زراع کے درمیانی جوڑ کو کہتے ہیں) سے کاٹا جائیگا ''لِأَمْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهِ'' اور وجو باً خون روکنے کیلئے داغ دیا جائیگا ورنہ تو مفضی الی التلف ہونے کا خطرہ ہے جبکہ حد زاجر ہے حلف نہیں۔(۴۴) اگر چور نے ایک مرتبہ ہاتھ کٹنے کے بعد دوبارہ چوری کرلی اور پکڑا گیا تو اب کے مرتبہ اسکا بایاں پاؤں کعب (قدم اور پنڈلی کے درمیانی جوڑ) سے کاٹا جائیگا۔

(۴۵) اگر اس نے تیسری بار چوری کی تو اس پر قطع نہیں بلکہ اسکو تعزیر دی جائے گی اور برابر قید خانہ میں رکھا جائیگا یہاں تک کہ توبہ کرلے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا مجھ کو اللہ تعالی سے شرم آتی ہے کہ میں اسکا ایک ہاتھ نہ چھوڑوں کہ جس سے وہ

کھائے اور استنجاء کرے اور ایک پاؤں نہ چھوڑوں کہ جس پر وہ چلے۔ اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بقیہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی اسکا قائل بنادیا لہذا اس پر اجماع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہے۔

(۴۶) وَاِذَا کَانَ السَّارِقُ اَشَلَّ الْیَدِ الْیُسْرٰی اَوْ اَقْطَعَ او مَقْطُوْعَ الرِّجْلِ الْیُمْنٰی لم یُقْطَعْ (۴۷) ولا یُقْطَعُ السَّارِقُ اِلَّا اَنْ یَحْضُرَ الْمَسْرُوْق مِنه فَیُطَالِبُ بِالسَّرِقَۃِ ۔

ترجمہ:۔ اور اگر چور کا بایاں ہاتھ شل یا کٹا ہوا ہو یا دایاں پاؤں کٹا ہوا ہو تو نہیں کاٹا جائیگا اور چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا الا یہ کہ مسروق منہ حاضر ہو اور چوری کا دعوی کرے۔

تشریح:۔ (۴۶) اگر چور کا بایاں ہاتھ شل یا کٹا ہوا ہو۔ یا دایاں پاؤں شل یا کٹا ہوا ہو تو اسکو قطع ید ورجل کی سزا نہیں دی جائے گی کیونکہ قطع ید کی صورت میں اس کا پکڑنے کی جنس منفعت فوت ہو جاتی ہے اور قطع رجل کی صورت میں چلنے کی جنس منفعت فوت ہو جاتی ہے جو کہ معنی ہلاکت ہے لہذا یہ حد اس پر قائم نہ کی جائے گی۔ (۴۷) چور کا ہاتھ اس وقت تک نہیں کاٹا جائیگا جب تک کہ مسروق منہ حاضر ہو کر چوری کا دعوی نہ کرے کیونکہ ظہور سرقہ کیلئے مسروق منہ کی خصومت ضروری ہے۔

(۴۸) فَاِنْ وَهَبَهَا مِنَ السَّارِقِ اَوْ بَاعَهَا مِنْهُ اَوْ نَقَصَتْ قِیْمَتُهَا عَنِ النِّصَابِ لَمْ یُقْطَعْ۔

ترجمہ:۔ اور اگر مسروق منہ نے سارق کو مال مسروق ہبہ کیا اور یا مسروق سارق کے ہاتھ فروخت کیا یا مال مسروق کی قیمت نصاب سے کم ہوگئی تو نہیں کاٹا جائیگا۔

تشریح:۔ (۴۸) اگر مسروق منہ نے سارق کو مال مسروق ہبہ کیا۔ یا مسروق سارق کے ہاتھ فروخت کیا۔ یا حد قائم کرنے سے پہلے مال مسروق کی قیمت دس درہم سے کم ہوگئی تو ان تمام صورتوں میں سارق کا ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا کیونکہ حصول حد کے وقت خصومت کا قائم ہونا ضروری ہے جبکہ یہاں نہیں۔

(۴۹) وَمَنْ سَرَقَ عَیْنًا فَقُطِعَ فِیْهَا وَرَدَّهَا ثُمَّ عَادَ فَسَرَقَهَا وَهِیَ بِحَالِهَا لَمْ یُقْطَعْ (۵۰) فَاِنْ تَغَیَّرَتْ عَنْ حَالِهَا مِثْلُ اَنْ کَانَتْ غَزْلًا فَسَرَقَه فَقُطِعَ فِیْهِ وَرَدَّه ثُمَّ نُسِجَ فَعَادَ وَسَرَقَه قُطِعَ۔

ترجمہ:۔ اور جس نے کوئی چیز چرائی پس اس کی وجہ سے اسکا ہاتھ کاٹ دیا گیا اور مسروق چیز واپس کردی گئی پس چور نے دوبارہ اس کو چرائی حال یہ کہ مسروق چیز اپنے حال پر باقی ہے تو نہیں کاٹا جائیگا اور اگر یہ چیز اپنی حالت سے متغیر ہوئی مثلاً سوت چرایا تھا اس میں ہاتھ کاٹا گیا اور واپس کردیا پھر اس سے کپڑا بن لیا اب چور نے چرایا تو کاٹا جائیگا۔

تشریح:۔ (۴۹) اگر کسی نے کوئی چیز چرائی اور پکڑا گیا پھر اسکا ہاتھ کاٹ دیا گیا اور مسروق چیز مالک کو واپس کردی گئی اور ابھی اس چیز میں کوئی تغیر نہیں آیا تھا کہ چور نے پھر اسکو چرائی تو دوبارہ اس پر قطع نہیں کیونکہ حکم حرمت عین کی وجہ سے حد واجب ہوئی تھی جس کی تکرار حد کی تکرار کو واجب نہیں کرتی۔ (۵۰) البتہ اگر مالک کے پاس رد کرنے کے بعد اس چیز میں تغیر آیا تھا مثلاً سوت چرایا تھا اس میں ہاتھ کاٹا

گیااور سوت مالک کوواپس کر دیا پھر مالک نے اس سے کپڑا بن لیااب چور نے یہ کپڑا چرایاتو اس پر دوبارہ قطع ہے کیونکہ اب یہ دوسری چیز ہے۔

(۵۱)وَاِذَا قُطِعَ السَّارِقُ وَالْعَيْنُ قَائِمَةٌ فِي يَدِهٖ رَدَّهَا (۵۲)وَاِنْ كَانَتْ هَالِكَةً لَمْ يَضْمَنْ (۵۳)وَاِذَا ادَّعَى السَّارِقُ اَنَّ الْعَيْنَ الْمَسْرُوْقَةَ مِلْكُهٗ سَقَطَ الْقَطْعُ عَنْهُ وَاِنْ لَمْ يُقِمْ بَيِّنَةً۔

ترجمہ:۔اور اگر چور کا ہاتھ کاٹا گیااور مال مسروقہ اس کے ہاتھ میں موجود ہوتو اسے واپس کر دیا جائیگااور اگر مال مسروقہ کسی طرح تلف ہواہوتو چور ضامن نہ ہوگااور اگر چور نے دعویٰ کیا کہ یہ مال میری ملک ہے تو اس سے قطع ید ساقط ہو جائیگا اگر چہ وہ گواہ قائم نہ کر سکے۔

تشریح:۔(۵۱)اگر چور کا ہاتھ کاٹا گیااور مالِ مسروقہ اب تک چور کے ہاتھ میں موجود ہوتو وہ اپنے مالک کوواپس کر دیا جائیگا کیونکہ اب تک مالک کی مِلک اس پر برقرار ہے۔(۵۲)اگر مال مسروقہ کسی طرح تلف ہواہو یا تلف کیا گیا ہوتو چور ضامن نہ ہوگا کیونکہ قطع اور ضمان ہمارے نزدیک جمع نہیں ہوتے۔(۵۳)اگر چور نے دعویٰ کیا کہ یہ مال (مال مسروقہ) میری ملک ہے تو اس سے قطع ید ساقط ہو جائیگا اگر چہ وہ اپنے دعویٰ پر گواہ قائم نہ کر سکے کیونکہ ممکن ہے یہ سچا ہوتو احتمالِ صدق سے شبہ پیدا ہوااور شبہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔

(۵۴)وَاِذَا خَرَجَ جَمَاعَةٌ مُمْتَنِعِيْنَ اَوْ وَاحِدٌ يَقْدِرُ عَلَى الْاِمْتِنَاعِ فَقَصَدُوْا قَطْعَ الطَّرِيْقِ فَاُخِذُوْا قَبْلَ اَنْ يَاْخُذُوْا مَالًا وَلَا قَتَلُوْا نَفْسًا حَبَسَهُمُ الْاِمَامُ حَتّٰى يُحْدِثُوْا التَّوْبَةَ (۵۵)وَاِنْ اَخَذُوْا مَالَ مُسْلِمٍ اَوْ ذِمِّيٍّ وَالْمَاْخُوْذُ اِذَا قُسِّمَ عَلٰى جَمَاعَتِهِمْ اَصَابَ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ فَصَاعِدًا اَوْ مَا تَبْلُغُ قِيْمَتُهٗ ذَالِكَ قَطَعَ الْاِمَامُ اَيْدِيَهُمْ وَاَرْجُلَهُمْ مِنْ خِلَافٍ (۵۶)وَاِنْ قَتَلُوْا نَفْسًا وَلَمْ يَاْخُذُوْا مَالًا قَتَلَهُمُ الْاِمَامُ حَدًّا فَاِنْ عَفَى الْاَوْلِيَاءُ عَنْهُمْ لَمْ يَلْتَفِتْ اِلٰى عَفْوِهِمْ (۵۷)وَاِنْ قَتَلُوْا وَاَخَذُوا الْمَالَ فَالْاِمَامُ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ قَطَعَ اَيْدِيَهُمْ وَاَرْجُلَهُمْ مِنْ خِلَافٍ وَقَتَلَهُمْ وَصَلَبَهُمْ وَاِنْ شَاءَ قَتَلَهُمْ وَاِنْ شَاءَ صَلَبَهُمْ۔

ترجمہ:۔اور اگر ایک جماعت راستہ روکنے والی نکلی یا صرف ایک شخص جو راستہ روکنے پر قادر ہونکلا اور انہوں نے ڈاکہ زنی کا ارادہ کیا پس وہ گرفتار کر لئے گئے مال لینے سے پہلے اور قتل کرنے سے پہلے تو امام ان کو قید کریگا یہاں تک کہ وہ توبہ کریں اور اگر انہوں نے کسی مسلمان یا ذمی کا مال لے لیا تو اگر لیا ہوا مال ان کی جماعت پر تقسیم کیا جائے تو ان میں سے ہر ایک کو دس درہم یا زیادہ پہنچے یا ایسی چیز ہو جس کی قیمت اتنی ہو تو امام ان کے ہاتھ پاؤں الٹے کاٹ دے اور اگر انہوں نے کسی کو قتل کیا اور مال نہیں لیا ہو تو امام ان کو حداً قتل کر دے پس اگر اولیاءِ مقتول ان کو معاف کر دے تو ان کی معافی کی طرف التفات نہ کرے اور اگر ڈاکوؤں نے کسی کو قتل بھی کیا ہو اور مال بھی لے لیا ہو تو امام کو اختیار ہے چاہے تو انکے دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں کاٹ دے اور قتل کر دے اور سولی دیدے اور چاہے تو فقط ان کو قتل کر دے اور اگر چاہے تو فقط ان کو سولی دیدے۔

تشریح:۔(۵۴)اگر لوگوں کی ایک جماعت جو لوگوں کا راستہ روکنے پر قادر ہو ڈاکہ مارنے کا قصد کر کے نکلے یا صرف ایک قوی شخص جو لوگوں کا راستہ روکنے پر قادر ہو ڈاکہ کی نیت سے نکلے پھر اس سے قبل کہ وہ کسی کا مال لے یا کسی کو قتل کر دے خود پکڑے گئے تو امام المسلمین

ان کو قید کرے آیت کریمہ میں ﴿اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ﴾ (یا زمیں سے نکال دئے جائیں) سے یہی مراد ہے اور جب تک کہ توبہ نہ کرے انکو قید ہی میں رکھے توبہ سے مراد زبانی توبہ نہیں بلکہ موت یا علامات صالحین کا ظاہر ہونا مراد ہے۔

(۵۵) اگر ان ڈاکوں نے ڈاکہ مارتے ہوئے کسی مسلمان یا ذمی کا مال لے لیا تو اگر یہ مال اتنی مقدار میں ہے کہ اگر اس کو اس جماعت پر تقسیم کیا جائے تو ہر ایک کو دس درہم یا زیادہ پہنچتا ہے یا ایسی چیز ہو کہ جس کی قیمت اتنی مقدار میں ہو تو امام ان کے ہاتھ پاؤں الٹے کاٹ دے یعنی دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ دے لقوله تعالیٰ ﴿اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ﴾ (یعنی یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیے جائیں)۔

(۵۶) اگر ڈاکوؤں نے صرف کسی کو قتل کیا ہو مال کسی کا نہیں لیا ہو تو امام ان کو حداً قتل کردے یہ قتل قصاص نہیں یہی وجہ ہے کہ اگر اولیاء مقتولین نے انکو معاف کیا تو اسکی طرف التفات نہیں کیا جائیگا کیونکہ حد و محض اللہ کا حق ہے بندوں کا نہیں۔

(۵۷) اگر ڈاکوں نے کسی کو قتل بھی کیا ہو اور مال بھی لے لیا ہو تو امام کو انکے بارے میں اختیار ہے چاہے تو انکے دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں کاٹ دے اور قتل کردے یا سولی دیدے اور چاہے تو فقط ان کو قتل کردے اور اگر چاہے تو فقط ان کو سولی دیدے لقوله تعالیٰ ﴿اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ﴾ (جو لوگ اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کئے جائیں یا سولی دئے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دئے جائیں)۔

(۵۸) وَيُصْلَبُ حَيًّا وَيُبْعَجُ بَطْنُهٗ بِرُمْحٍ اِلٰى اَنْ يَّمُوْتَ (۵۹) وَلَا يُصْلَبُ اَكْثَرَ مِنْ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ۔

توجمه: ۔اور رہزن کو زندہ سولی پر چڑھایا جائے اور نیزہ سے اس کا پیٹ پھاڑ دیا جائے یہاں تک کہ وہ مر جائے اور تین دن سے زیادہ لٹکائے نہ چھوڑے۔

تشریح: ۔(۵۸) جس رہزن کو سولی دینا ہو اس کو زندہ سولی پر چڑھایا جائے اور نیزہ سے مار کر اس کا پیٹ پھاڑ دیا جائے یہاں تک کہ وہ مر جائے کیونکہ یہ ابلغ فی الزجر ہے۔(۵۹) سولی دینے کے بعد تین دن تک اس کو زجراً سولی پر لٹکا ہوا چھوڑا جاسکتا ہے زیادہ نہیں کیونکہ اسکے بعد وہ بگڑ جائیگا جس کی بدبو سے لوگوں کو اذیت پہنچے گی۔

(۶۰) فَاِنْ كَانَ فِيْهِمْ صَبِيٌّ اَوْ مَجْنُوْنٌ اَوْ ذُوْ رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنَ الْمَقْطُوْعِ عَلَيْهِ سَقَطَ الْحَدُّ عَنِ الْبَاقِيْنَ (۶۱) وَصَارَ الْقَتْلُ اِلَى الْاَوْلِيَاءِ اِنْ شَاءُوْا قَتَلُوْا وَاِنْ شَاءُوْا عَفَوْا (۶۲) وَاِنْ بَاشَرَ الْفِعْلَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ اُجْرِيَ الْحَدُّ عَلٰى جَمَاعَتِهِمْ۔

توجمه: ۔اور اگر رہزنوں میں کوئی بچہ یا مجنون ہو یا کوئی رہزن مقطوع علیہ کا ذو رحم محرم ہو تو باقی رہزنوں سے بھی حد ساقط ہو جائے گی اور اب اولیاء کو قصاص کا حق حاصل ہوگا اولیاء کو اختیار ہے چاہے تو رہزنوں کو قتل کردے اور چاہے تو معاف کردے اور اگر فعل قتل ان میں سے صرف ایک نے کیا ہو تو بھی حد سب پر جاری ہو جائیگی۔

تشریح :۔(٦٠)اگر رہزنوں میں کوئی بچہ یا مجنون ہو یا کوئی رہزن ان میں سے (جن پر ڈاکہ مارا گیا) کسی کا ذورحم محرم ہو تو باقی رہزنوں سے بھی حد ساقط ہو جائے گی کیونکہ رہزنی ایک ہی جنایت ہے جو سب کے ساتھ قائم ہے تو جب ان میں سے بعض کا فعل بوجہ صغر یا جنون یا رشتہ داری کے موجب حد نہ ہوا تو باقیوں کا فعل بعض علت ہوا تو اس پر حکم مرتب نہ ہوگا۔

(٦١)مذکورہ بالا صورت میں جب حد ساقط ہوگئی تو اب اولیاء کو قصاص کا حق حاصل ہوگا کیونکہ جب اللہ کا حق نہیں رہا تو بندوں کا حق ظاہر ہوا لہٰذا اولیاء کو اختیار ہے چاہے تو رہزنوں کو قتل کردے اور چاہے تو معاف کردے کیونکہ یہ اب خالص ان کا حق ہے۔(٦٢)اگر ڈاکوؤں میں سے فعل قتل صرف ایک نے کیا ہو تو بھی حد سب پر جاری ہوگی کیونکہ باقی اسکے معاون ہیں۔

کتاب الاشربة

یہ کتاب اشربہ کے بیان میں ہے۔

''اشربہ''جمع ہے''شراب''کی لغۃً ہر وہ مائع چیز ہے جو پی جائے سے خواہ حلال ہو یا حرام۔اور شرعاً نام ہے ان حرام شرابوں کا جو نشہ آور ہو۔

ماقبل کے ساتھ وجہ مناسبت یہ ہے کہ امام قدوری رحمہ اللہ سارق المال (چور) کے احکام بیان کرنے سے فارغ ہوگئے تو سارق العقل (شراب) کے احکام کو بیان کرنا شروع فرمایا۔شراب کو سارق العقل اسلئے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ ،،لا اشرب ما یسرق عقلی،،(یعنی میں نہیں پیتا وہ جو میری عقل چوری کرتا ہے)۔

الحکمة:۔ حکمة حرمة الخمر هی أم الخبائث وأس المصائب والنقائص ، ضررها يتناول الروح والجسد ، والمال والولد والعرض والشرف ،فكم خرّبت دورا وأذهبت عقارا وأقامت فتنا وأثارت محنا وولدت إحنا ونقلت العقل من حالة التفكير والتدبير والحكمة والرشاد الى الجنون والبغی والفساد ،وكم أحدثت من العداوة والبغضاء بين الأخ وأخيه ،والابن وأبيه ،وكم فرّقت الأصدقاء وشتت شمل الأخلاء يشربها الصعلوك فيخيل له أنه الخليفة على العرش ، والجبان فيرى نفسه فارس بنی عبس ،والغبی فيقول أنا أياس فی الذكاء وارسطو فی الحكمة ،والجاهل فينادی أنا حبر الأمة ،فلا مكنت يا عقار وشلت يمينك أيها الخمار وسحقا لكم أيها الأشرار۔(حكمة التشريع)

(١)اَلْاَشْرِبَةُ الْمُحَرَّمَةُ اَرْبَعَةٌ(٢)اَلْخَمْرُ وهِیَ عَصِیْرُ الْعِنَبِ اِذَا غَلَا وَاشْتَدَّ وَقَذَفَ بِالزَّبَدِ(٣)وَالْعَصِیْرُ اِذَا طُبِخَ حَتّٰی ذَهَبَ اَقَلُّ مِنْ ثُلُثَیْهِ(٤)وَنَقِیْعُ التَّمْرِ (٥)وَنَقِیْعُ الزَّبِیْبِ اِذَا غَلَا وَاشْتَدَّ۔

ترجمہ:۔حرام اشربہ ہیں خمر یہ انگور کا نچوڑا ہوا پانی ہے جب جوش مارے اور تیز ہو جائے اور جھاگ پھینکنے لگے اور شیرہ

ہے وہ یہ ہے کہ انگور کا نچوڑا ہوا پانی اتنا پکایا جائے کہ پکانے سے اسکے دو ثلث سے کچھ کم خشک ہو جائے اور نقیع التمر اور نقیع زبیب ہے جب جوش مارے اور تیز ہو جائے۔

تشریح:۔(۱)(۲)(۳)(۴)(۵) حرام اشربہ کی چار قسم ہیں۔ **نمبر ۱**۔ خمر یہ انگور کا نچوڑا ہوا پانی ہے جب اسکو چھوڑا جائے یہاں تک کہ وہ جوش مارے اور تیز وقوی ہو جائے اور جھاگ پھینکنے لگے۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک جب تیز ہو کر مسکر ہو جائے تو بس یہ شراب ہے جھاگ پھینکنا شرط نہیں (صاحبین کا قول راجح ہے)۔

نمبر ۲۔ دوسری چیز عصیر ہے جسے باذق اور طلاء بھی کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ انگور کا نچوڑا ہوا پانی اتنا پکایا جائے کہ پکانے سے اسکے دو ثلث سے کچھ کم خشک ہو جائے اور ایک تہائی سے کچھ زیادہ باقی رہ جائے۔ **نمبر ۳**۔ تیسری چیز نقیع التمر ہے یعنی پختہ تر کھجور کا رس جو جوش کھا کر گاڑھا اور مسکر ہو جائے اس کی حرمت پر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجماع ہے

نمبر ۴۔ چوتھی چیز نقیع زبیب ہے وہ یہ کہ کشمش پانی میں بھگو لیا جائے اور وہ جوش کھا کر گاڑھا ہو جائے۔ یہ چاروں قسمیں حرام ہیں لیکن آخری تین کی حرمت بنسبت خمر کے کم ہے لہذا ان کے حلال جاننے والے کو کافر نہ کہا جائیگا اور انکے پینے والے کو جب تک کہ نشہ نہ ہو حد نہیں لگائی جائے گی۔

(۶) وَنَبِيْذُ التَّمْرِ وَالزَّبِيْبِ اِذَا طُبِخَ كُلٌّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا اَدْنٰى طَبْخَةٍ حَلَالٌ وَاِنْ اِشْتَدَّ اِذَا شَرِبَ مِنْهُ مَا يَغْلِبُ عَلٰى ظَنِّهِ اَنَّهُ لَا يُسْكِرُهُ مِنْ غَيْرِ لَهْوٍ وَلَا طَرَبٍ (۷) وَلَا بَاْسَ بِالْخَلِيْطَيْنِ وَنَبِيْذُ الْعَسَلِ وَالتِّيْنِ وَالْحِنْطَةِ وَالشَّعِيْرِ وَالذُّرَةِ حَلَالٌ وَاِنْ لَمْ يُطْبَخْ (۸) وَعَصِيْرُ الْعِنَبِ اِذَا طُبِخَ حَتّٰى ذَهَبَ مِنْهُ ثُلُثَاهُ حَلَالٌ وَاِنْ اِشْتَدَّ۔

ترجمہ:۔ اور نبیذ تمر و زبیب جبکہ ان میں سے ہر ایک کو ہلکا سا پکا دیا جائے تو یہ حلال ہے اگر چہ اس میں شدت آجائے جبکہ اتنی مقدار پئے جس کے بارے میں پینے والے کا غالب گمان یہ ہو کہ یہ مجھے نشہ نہیں کریگا اور لہو و طرب کی نیت سے نہ ہو اور خلیطین پینے میں کوئی حرج نہیں اور شہد، انجیر، گندم، جو اور جوار کی نبیذ بھی حلال ہے اگر چہ پکائی نہ گئی ہو اور عصیر عنب جب اس کو اتنا پکایا جائے کہ دو ثلث جل کر ختم ہو جائے حلال ہے اگر چہ تیز ہو جائے۔

تشریح:۔(۶)(۷)(۸) چار قسم کی شرابیں حلال ہیں امام قدوری رحمہ اللہ نے عبارت بالا میں ان چاروں اقسام مع شرائط حلت بیان کی ہیں۔ **نمبر ۱**۔ نبیذ تمر و زبیب (وہ پانی جس میں چھوارے یا منقی ڈال کر چھوڑا جائے یہاں تک کہ ان کی حلاوت اس میں نکل جائے۔ اول کو نبیذ تمر اور ثانی کو نبیذ زبیب کہتے ہیں) جبکہ ان میں سے ہر ایک کو ہلکا سا پکا دیا جائے یہ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ حلال ہے اگر چہ اس میں شدت آجائے اور جھاگ پھینک دے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ اتنی مقدار پئے جس کے بارے میں پینے والے کا غالب گمان یہ ہو کہ یہ مجھے نشہ نہیں کریگا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ لہو و طرب کی نیت سے نہ ہو بلکہ تقویت بدن کیلئے ہو۔ امام محمد رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بہر حال یہ حرام ہے۔ فتویٰ امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔

/نمبر ۲۔ خلیطین (کھجور اور منقیٰ کے پانی کو ملا کر قدرے پکایا جائے تو اسے خلیطین کہا جاتا ہے) بھی حلال ہے۔/نمبر ۳۔ شہد، انجیر، گندم، جو اور جوار کی نبیذ بھی شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک حلال ہے خواہ اسے پکائی ہو یا نہ۔ مگر یہاں بھی نبیذ التمر والزبیب والی شرائط معتبر ہیں۔ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ بھی مطلقاً حرام ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر اس میں بھی۔ فتویٰ امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔

/نمبر ۴۔ عصیر عنب یعنی انگور کا نچوڑا ہوا رس جب اس کو اتنا پکایا جائے کہ دو ثلث جل کر ختم ہو جائے اور صرف ایک ثلث رہ جائے اگر چہ اس میں جوش و تیزی پیدا ہو جائے اور جھاگ پھینکے تو یہ بھی شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک بشرائط مذکورہ بالا حلال ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک مطلقاً حرام ہے۔ اس میں بھی فساد زمانے کی وجہ سے فتویٰ امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔

(۹) وَلا بَأسَ بِالْانْتِبَاذِ فِي الدُّبَاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُزَفَّتِ وَالنَّقِيْرِ۔

ترجمہ:۔ اور دباء، حنتم، مزفت اور نقیر میں نبیذ بنانے میں کوئی حرج نہیں۔

تشریح:۔ (۹) دباء (کدو سے بنائے ہوئے برتن کو دباء کہتے ہیں) حنتم (سبز رنگ کی مٹی کی ٹھلیا کو حنتم کہتے ہیں) مزفت (تارکول جیسی ایک چیز ہے جس کو زفت کہتے ہیں جب کسی برتن پر اس کی پالش کر دی جائے تو اس برتن کو مزفت کہتے ہیں) اور نقیر (کھدی ہوئی لکڑی کے برتن کو نقیر کہتے ہیں) میں نبیذ بنانے میں کوئی حرج نہیں۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ ان برتنوں میں شراب بنایا کرتے تھے جب شراب کی حرمت نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان برتنوں کے استعمال سے ممانعت فرمادی تھی تا کہ شراب کی نفرت دلوں میں بیٹھ جائے پھر کچھ عرصہ بعد جب مقصد حاصل ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان برتنوں کے استعمال کی اجازت دیدی اور پہلا حکم منسوخ کر دیا۔

(۱۰) وَإِذَا تَخَلَّلَتِ الْخَمْرُ حَلَّتْ سَوَاءٌ صَارَتْ بِنَفْسِهَا خَلًّا أَوْ بِشَيْءٍ طُرِحَ فِيْهَا (۱۱) وَلا يُكْرَهُ تَخْلِيْلُهَا۔

ترجمہ:۔ اور جب شراب سے سرکہ بن جائے تو حلال ہے خواہ خود سرکہ بن جائے یا اس میں کوئی چیز ڈالے سے سرکہ بن جائے اور شراب کا سرکہ بنانا مکروہ نہیں۔

تشریح:۔ (۱۰) یعنی جب شراب سے خود بخود سرکہ بن جائے یا کسی چیز کے ڈالنے سے سرکہ بنایا جائے جیسے نمک یا گرم پانی ڈالا جائے تو وہ حلال ہو جائے گی کیونکہ سرکہ بنانے سے موجب حرمت وصف مفسد زائل ہو جاتا ہے اسلئے حلال ہو جائے گی۔ (۱۱) شراب کا سرکہ بنانا مکروہ بھی نہیں کیونکہ سرکہ بنانے میں شراب کی اصلاح ہے اور اصلاح مباح ہے۔

كتابُ الصَّيْدِ وَالذَّبائِح

یہ کتاب صید اور ذبائح کے بیان میں ہے۔

"صید" لغۃً مصدر ہے بمعنی شکار کرنا اور اس شی کو بھی صید کہا جاتا ہے جو شکار کیا جاتا ہے خواہ ماکول ہو یا غیر ماکول۔اور اصطلاح میں ہر وہ جانور ہے جو طبعاً وحشی ہو اور اپنی حفاظت خود کرسکتا ہو اور بغیر حیلہ پکڑا نہ جاسکتا ہو۔

"کتاب الصید" کی ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ "صید" اور "اشربہ" دونوں غفلت پیدا کرتے ہیں۔اور خود صید و ذبائح میں مناسبت ظاہر ہے۔

(۱)یَجُوْزُ الْاِصْطِیَادُ بِالْکَلْبِ الْمُعَلَّمِ وَالْفَهْدِ وَالْبَازِیْ وَسَائِرِ الْجَوَارِحِ۔

ترجمہ:۔شکار جائز ہے تربیت یافتہ کتے، چیتے، باز اور تمام زخمی کرنے والے جانوروں سے۔

تشریح:۔(۱)تربیت یافتہ کتے، چیتے، باز اور تمام زخمی کرنے والے تربیت یافتہ جانوروں سے شکار کرنا جائز ہے "لقوله صلى الله عليه وسلم لعدى بن حاتم الطائى رضى الله تعالى عنه اِذَا اَرْسَلْتَ كَلْبَکَ الْمُعَلَّمَ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ فَكُلْ وَاِنْ اَكَلَ مِنْهُ فَلَاتَاكُلْ لِاَنَّه اِنَّمَااَمْسَكَه عَلٰى نَفْسِهٖ" (یعنی جب تو نے اپنا تربیت یافتہ کتا چھوڑا اور اس پر اللہ کا نام لیا ہو تو کھالے اور اگر کتے نے اس میں سے کھالیا ہو تو مت کھا اس لئے کہ کتے نے شکار کو اپنے لئے روکا ہے)مگر خنزیر اور شیر اور ریچھ کا شکار اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ وہ جائز نہیں۔

(۲)وَتَعْلِیْمُ الْکَلْبِ اَنْ یَتْرُکَ الْاَکْلَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ(۳)وَتَعْلِیْمُ الْبَازِیْ اَنْ یَرْجِعَ اِذَا دَعَوْتَه (٤)فَاِذَا اَرْسَلَ کَلْبَه الْمُعَلَّمَ اَوْ بَازِیَهٗ او صَقْرَه عَلٰى صَیْدٍ وَذَکَرَ اسْمَ اللّٰهِ تعالٰى عَلَیْهِ عِنْدَ اِرْسَالِه فَاَخَذَ الصَّیْدَ وَجَرَحَه فَمَاتَ حَلَّ لَه اَکْلُه (۵)فَاِنْ اَکَلَ مِنْهُ الْکَلْبُ اَوِ الْفَهْدُ لم یُؤْکَلْ (٦)وَاِنْ اَکَلَ مِنْهُ الْبَازِیْ اُکِلَ۔

ترجمہ:۔اور کتے کا تربیت یافتہ ہونا یہ ہے کہ تین مرتبہ شکار کھانا چھوڑ دے اور باز کا تربیت یافتہ ہونا یہ ہے کہ جب آپ اسکو بلائے تو وہ آجائے اور جب کوئی شخص اپنے تربیت یافتہ کتے یا اپنے باز یا اپنے شکرے کو شکار کے پیچھے چھوڑ دے اور چھوڑتے وقت اس پر تسمیہ پڑھ لے پس اس نے شکار کو پکڑ لیا اور زخمی کر دیا پس وہ مرگیا تو اس کے لئے اس کا کھانا جائز ہے پس اگر کتے یا چیتے نے شکار کو کھانا شروع کیا تو اب نہیں کھایا جائیگا اور اگر باز نے شکار کھایا تو کھایا جائیگا۔

تشریح:۔(۲) کتے اور اس جیسے تمام درندوں کا تعلیم یافتہ و تربیت یافتہ ہونا یہ ہے کہ تین مرتبہ شکار کو پکڑے مگر اس کے گوشت وغیرہ نہ کھائے۔(۳)باز و دیگر پھاڑنے والے پرندوں کا تربیت یافتہ ہونا یہ ہے کہ جب آپ اسکو بلائے تو وہ آجائے کیونکہ عادۃً جو چیز جانور کو مرغوب ہو اسکو چھوڑنا یہ اس کے تربیت یافتہ ہونے کی علامت ہے۔تو کتے کی عادت یہ ہے کہ شی کو لے کر بھاگنا جب یہ عادت چھوڑ دی تو یہ اسکے تربیت یافتہ ہونے کی علامت ہے اور باز کی عادت وحشت و تنفر ہے تو بلانے پر آجانا اسکے تربیت یافتہ ہونے کی علامت ہے۔

(۵) جب کوئی شخص اپنا تربیت یافتہ چیتا یا باز شکار کے پیچھے چھوڑے اور چھوڑتے وقت تسمیہ (بسم اللہ اللہ اکبر) پڑھے اس نے جا کر شکار کو پکڑ کر زخمی کر دیا جس کی وجہ سے شکار مر گیا تو اس کا کھانا جائز ہے (۶) اور اگر کتے پیچھے چھوڑنے سے بعض مرتبہ کسی نے شکار کو پکڑ کر خود کھانا شروع کیا تو اسے نہیں کھایا جائیگا کیونکہ یہ علامت ہے کہ شکار کو تربیت یافتہ ہونے کی علامت ہے (۶) اگر باز شکرہ وغیرہ شکار میں سے کچھ شکار کو پکڑ کر کھانے لگا تو اس شکار کو کھایا جائیگا کیونکہ شکاری پرندوں کی تعلیم میں شرط نہیں۔

(۷) وإن أدرك المرسل الصيد حيًّا وجب عليه أن يذكيه (۸) فإن ترك تذكيته حتى مات لم يؤكل (۹) وإن خنقه الكلب ولم يجرحه لم يؤكل۔

ترجمہ: اور اگر جس نے شکار پر چھوڑا تھا شکار کو زندہ پایا تو اس پر واجب ہے کہ اس کو ذبح کرے اور اگر اس نے شکار کو ذبح کرنا چھوڑ دیا یہاں تک کہ وہ مر گیا تو نہیں کھایا جائیگا اور اگر کتے نے شکار کا گلا گھونٹ دیا اور شکار کو مجروح نہیں کیا تو نہیں کھایا جائیگا۔

تشریح: (۷) اگر شکار کرنے والے نے کتے یا کسی دوسرے شکاری جانور کو شکار کے پیچھے چھوڑا اس نے جا کر شکار کو پکڑ لیا تو چھوڑنے والا بھی اس حال میں پہنچا کہ صید زندہ ہے تو اب اس کا ذبح کرنا واجب ہے کیونکہ کتے وغیرہ کا ماردینا ذبح کا بدل ہے اور حصول مقصود بالبدل سے پہلے قدرت علی الاصل سے بدل کا حکم منتفی ہو جاتا ہے (۸) لہذا اگر اس نے ذبح کرنا چھوڑ دیا یہاں تک کہ وہ مر گیا تو اس کا کھانا جائز نہیں کیونکہ قدرت علی الذبح کے باوجود ذبح نہ کرنے سے وہ مردار ہو جاتا ہے۔

(۹) اگر کتے نے شکار کا گلا گھونٹ کر مار ڈالا یا سینے سے دبا کر قتل کیا اور شکار کو مجروح نہیں کیا تو یہ شکار نہیں کھایا جائیگا کیونکہ شکار کا جس طرح بھی زخمی کرنا ہے تاکہ خون نکل جائے شرط ہے جو کہ گلا گھونٹنے وغیرہ سے حاصل نہیں ہوتا۔

(۱۰) وإن شاركه كلب غير معلم أو كلب مجوسي أو كلب لم يذكر اسم الله عليه لم يؤكل۔

ترجمہ: اور اگر تربیت یافتہ کتے کے ساتھ دوسرا غیر تربیت یافتہ کتا یا مجوسی کا کتا یا ایسا کتا جس کو چھوڑتے وقت تسمیہ نہیں پڑھا گیا ہو شکار کرنے میں شریک ہوا تو نہیں کھایا جائیگا۔

تشریح: (۱۰) اگر تربیت یافتہ کتے کے ساتھ دوسرا غیر تربیت یافتہ کتا شکار مارنے میں شریک ہوا یا کسی مجوسی کا کتا اس کے ساتھ شریک ہوا یا ایسا کتا جس کو چھوڑتے ہوئے عمداً تسمیہ پڑھنا ترک کیا ہو تو ایسے شکار کو نہیں کھایا جائیگا کیونکہ مبیح اور محرم جمع ہو گئے تو احتیاطاً جانب حرمت کو ترجیح دی جائے گی۔

(۱۱) وإذا رمى الرجل سهمًا إلى صيد فسمى الله تعالى عند الرمي أكل ما أصابه إذا جرحه السهم فمات (۱۲) وإن أدركه حيًّا ذكاه فإن ترك تذكيته لم يؤكل۔

ترجمہ: اور اگر کسی نے شکار کی طرف تیر پھینکا اور تیر پھینکتے ہوئے اس نے بسم اللہ پڑھ لیا تو جس شکار کو تیر لگے کھایا جائیگا اگر تیر اس

کو زخمی کردے اور مر جائے اور اگر شکار زندہ پایا گیا تو اسکو ذبح کرے اور اگر اس کا ذبح کرنا ترک کر دیا تو نہیں کھایا جائیگا۔

تشریح:۔(۱۱) اگر کسی نے شکار کی طرف تیر پھینکا اور تیر پھینکتے ہوئے اس نے بسم اللہ پڑھ لیا تیر جا کر شکار کو لگ گیا اور شکار کو زخمی کر کے وہ مر گیا تو اس کو کھایا جائیگا کیونکہ وہ تیر پھینکنے سے ذابح (ذبح کرنے والا) ہوا اسلئے کہ تیر آلہ ذبح ہے اور چونکہ یہ ذبح اضطراری ہے لہٰذا شکار کا تمام بدن محل ذبح ہے گلا کاٹنا ضروری نہیں۔(۱۲) مذکورہ بالا صورت میں اگر شکار زندہ پایا گیا تو ذبح کرنا ضروری ہے اور اگر ذبح نہیں کیا تو نہیں کھایا جائیگا لِمَا مَرَّ فِی مَسْئَلَةِ وَاِنْ اَدْرَکَ الْمُرْسِلُ الصَّیْدَ حَیًّا الخ۔

(۱۳) وَاِذَا وَقَعَ السَّهْمُ بِالصَّیْدِ فَتَحَامَلَ حَتّٰی غَابَ عنه وَلم یَزَلْ فِی طَلَبِه حَتّٰی اَصَابَه مَیِّتًا اُکِلَ (۱٤) فَاِنْ قَعَدَ عن طَلَبِه ثُمَّ اَصَابَه مَیِّتًا لم یُؤْکَلْ (۱۵) وَاِنْ رَمٰی صَیْدًا فَوَقَعَ فِی الْمَاءِ لم یُؤْکَلْ (۱٦) وَکَذَالِکَ وَاِنْ وَقَعَ عَلٰی سَطْحٍ اَوْ جَبَلٍ ثُمَّ تَرَدّٰی مِنْهُ اِلَی الْاَرْضِ لَمْ یُؤْکَلْ (۱۷) وَاِنْ وَقَعَ عَلَی الْاَرْضِ اِبْتِدَاءً اُکِلَ۔

توجمه:۔اور اگر صید کو تیر لگا اور وہ برداشت کر کے بھاگ گیا حتی کہ شکاری کی نظروں سے غائب ہو گیا اور شکاری برابر اسکی تلاش کرتا رہا یہاں تک صید مذکور کو مردہ پایا تو کھایا جائیگا اور اگر درمیان میں شکاری تلاش کرنے سے بیٹھ گیا پھر اس کو مردہ پایا تو نہیں کھایا جائیگا اور اگر کسی نے شکار کو تیر مارا پس وہ پانی میں گر گیا تو نہیں کھایا جائیگا اور اسی طرح اگر وہ چھت یا پہاڑ پر گرا پھر وہاں سے زمین پر گرا تو بھی نہیں کھایا جائیگا اور اگر ابتداءً زمین پر گرا تو کھایا جائیگا۔

تشریح:۔(۱۳) اگر صید کو تیر لگا اور اس نے مشقت کے ساتھ زخم برداشت کر کے بھاگ گیا حتی کہ شکاری کی نظروں سے غائب ہو گیا اور شکاری برابر اسکی تلاش کرتا رہا یہاں تک صید مذکور کو مردہ پایا تو کھایا جائیگا کیونکہ شکاری مفرط نہیں اور ذبح اضطراری کر چکا ہے تو موت صید اسی سے سمجھا جائیگا۔(۱٤) اور اگر درمیان میں شکاری تلاش کرنے سے بیٹھ گیا تو اب مردہ پانے کے بعد نہیں کھایا جائیگا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ موت دوسرے کسی سبب سے واقع ہوئی ہو اور اس باب میں موہوم محقق کی طرح ہے۔

(۱۵) اگر کسی نے شکار کو تیر مارا پھر وہ پانی میں گر کر مر گیا تو نہیں کھایا جائیگا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ پانی میں غرق ہونے کی وجہ سے مرا ہو۔(۱٦) اسی طرح اگر تیر لگنے کے بعد وہ چھت یا پہاڑ پر گرا پھر وہاں سے زمین پر گرا اور مر گیا تو بھی نہیں کھایا جائیگا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ چھت یا پہاڑ سے گرنے کی وجہ سے مرا ہو۔(۱۷) اگر ابتداءً زمین پر گرا تو کھایا جائیگا کیونکہ اس سے بچنا ممکن نہیں تو اگر اس صورت میں بھی حرمت کا حکم کیا جائے تو باب اصطیاد کا دروازہ ہی بند ہو جائیگا۔

(۱۸) وَمَا اَصَابَ الْمِعْرَاضُ بِعَرْضِه لَمْ یُؤْکَلْ (۱۹) وَاِنْ جَرَحَه اُکِلَ (۲۰) وَلا یُؤْکَلُ مَا اَصَابَتْهُ الْبُنْدُقَةُ اِذَا مَاتَ مِنْهَا۔

توجمه:۔اور وہ شکار جس کو بغیر پھل کے تیر عرضاً لگا تو نہیں کھایا جائیگا اور اگر شکار کو زخمی کر لیا تو کھایا جائیگا اور ایسا شکار بھی نہیں کھایا جائیگا جس کو بندقہ لگا جس سے وہ مر گیا۔

تشریح:۔(۱۸)جس شکار کو بغیر پھل (دھار) کے تیر عرضا لگا اور شکار مر گیا تو نہیں کھایا جائیگا کیونکہ شکار زخمی نہیں ہوا جبکہ زخمی ہونا ضروری ہے تا کہ ذبح کا معنی پایا جائے عَلٰی مَاقَدمْنَاهُ ۔(۱۹)اگر تیر کی دھار والی جانب لگی اور شکار کو زخمی کر لیا اور وہ مر گیا تو کھایا جائیگا کیونکہ ذبح کا معنی پایا گیا۔(۲۰)ایسا شکار بھی نہیں کھایا جائیگا جس کو بندقہ (بندقہ مٹی کا گول ڈھیلا ہے جس کو غلیل پر رکھ کر شکار کرتے ہیں) لگا جس سے وہ مر گیا کیونکہ بندقہ شکار کو کھوٹتا اور توڑتا ہے زخمی نہیں کرتا کیونکہ یہ بھی ایسا ہے جیسے کسی شکار کو تیر عرضا لگ جائے۔

(۲۱)وَاِذَا رَمیٰ اِلیٰ صَیْدٍ فَقَطَعَ عُضْوًا مِنْهُ اُکِلَ الصَّیْدُ وَلَمْ یُؤْکَلِ الْعُضْوُ (۲۲)وَاِذَا قَطَعَهُ اَثْلَاثًا وَالْاَکْثَرُ مِمَّا یَلِیَ الْعَجُزَ اُکِلَ الْجَمِیْعُ (۲۳)وَاِنْ کَانَ الْاَکْثَرُ مِمَّا یَلِیَ الرَّاْسَ اُکِلَ الْاَکْثَرُ۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی نے شکار کو تیر مارا اور اس سے کوئی عضو کاٹ دیا تو شکار کھایا جائیگا اور عضو نہیں کھایا جائیگا اور اگر تیر نے شکار کو اثلاثا کاٹ دیا اور اکثر حصہ دم کی جانب رہا تو کل کھایا جائیگا اور اگر اکثر حصہ سر کی جانب رہا تو اکثر کھایا جائیگا۔

تشریح:۔(۲۱)اگر کسی نے شکار کو تیر مارا جس نے شکار کا کوئی عضو کاٹ دیا اور شکار مر گیا تو شکار کھایا جائیگا کیونکہ جرح (ذبح اضطراری) پایا گیا لیکن کٹا ہوا عضو نہیں کھایا جائیگا "لقوله صلّى الله عليه وسلم مَااُبِیْنَ مِنَ الْحَیِّ فَهُوَ مَیِّتٌ "(یعنی جو زندہ سے الگ کر لیا گیا ہو پس وہ میت ہے)۔

(۲۲)اگر تیر نے شکار کو اثلاثا کاٹ دیا یوں کہ اکثر حصہ دم کی جانب رہا اور کم حصہ سر کی جانب، تو کل کھایا جائیگا کیونکہ اوداج (کسی جانور کی وہ رگیں جس کو ذبح کرنے والا کاٹتا ہے) دل کو دماغ سے جوڑتا ہے تو جب جانب سر والا ثلث کٹ گیا تو اس سے رگیں کٹ جاتی ہیں جس طرح کہ ذبح میں رگیں کٹتی ہیں تو گویا یہ جانور ذبح ہوا لہذا یہ حلال ہے۔(۲۳)اگر سر کی طرف آدھا سے زیادہ کٹ کر چلا جائے اور سرین کی طرف آدھے سے کم رہ جائے تو یوں سمجھا جائے گا کہ یہ زندہ جانور سے ایک عضو کٹ کر الگ ہو گیا ہے لہذا سر کی جانب کھایا جائیگا اور سرین کی جانب نہیں کھایا جائیگا۔

(۲۴)ولایُؤْکَلُ صَیْدُ الْمَجُوْسِیِّ وَالْمُرْتَدِ وَالْوَثَنِیِّ۔

ترجمہ:۔اور نہیں کھایا جائیگا مجوسی، مرتد اور بت پرست کا شکار۔

تشریح:۔(۲۴)اگر مجوسی یا مرتد یا بت پرست نے شکار مارا اور وہ مر گیا تو نہیں کھایا جائیگا کیونکہ یہ لوگ ذبح اختیاری کے اہل نہیں تو ذبح اضطراری کے بھی اہل نہیں۔

(۲۵)وَمَنْ رَمیٰ صَیْدًا فَاَصَابَهُ وَلَمْ یُثْخِنْهُ وَلَمْ یُخْرِجْهُ عَنْ حَیِّزِ الْاِمْتِنَاعِ فَرَمَاهُ آخَرُ فَقَتَلَهُ فَهُوَ لِلثَّانِیْ (۲۶)وَیُؤْکَلُ (۲۷)وَاِنْ کَانَ الْاَوَّلُ اَثْخَنَهُ فَرَمَاهُ الثَّانِیْ فَقَتَلَهُ فَهُوَ لِلْاَوَّلِ (۲۸)وَلَمْ یُؤْکَلْ (۲۹)وَالثَّانِیْ ضَامِنٌ لِقِیْمَتِهٖ لِلْاَوَّلِ غَیْرَ مَانَقَصَتْهُ جِرَاحَتُهُ۔

ترجمہ:۔اور جس نے شکار مارا تیر اسکو لگ گیا مگر اسکو کمزور نہیں کیا اور حیز امتناع سے نہیں نکالا پس دوسرے شخص نے تیر مار کر قتل کیا تو یہ

دوسرے شخص کا ہے اور کھایا جائیگا اور اگر اول نے اسکو کمزور کر دیا پھر ثانی نے اس کو مار کر قتل کیا تو یہ اول کا ہے اور نہیں کھایا جائیگا اور اب ثانی اول کے لئے شکار کی قیمت کا ضامن ہوگا سوائے اس کے علاوہ جو نقصان کیا اس کے زخمی کرنے نے۔

تشریح :۔(۲۵) اگر کسی نے شکار مارا تیر اسکو لگ گیا مگر اسکو کمزور نہیں کیا اور حیز امتناع (اپنی حفاظت کرنے) سے نہیں نکالا تھا کہ دوسرے شخص نے تیر مار کر قتل کیا تو یہ دوسرے شخص کی ہے کیونکہ درحقیقت ثانی ہی نے اس کو شکار کر کے پکڑا ہے اور "اَلصَّیْدُ لِمَنْ اَخَذَہٗ" (یعنی شکار اسی کا ہے جس نے پکڑ لیا)۔(۲۶) اور یہ شکار کھایا جائیگا کیونکہ اول نے اسکو حیز امتناع سے نہیں نکالا ہے لہذا اس کا ذبح اضطراری معتبر ہے جو کہ حاصل ہوا۔

(۲۷) اگر اول نے مار کر اسکو کمزور کیا تھا کہ وہ اب حیز امتناع میں (اپنی حفاظت کا قابل) نہیں رہا تھا پھر ثانی نے اس کو مار کر قتل کیا تو یہ شکار اول کا ہے۔(۲۸) اور اسے نہیں کھایا جائیگا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اسکی موت دوسرے کے مارنے سے حاصل ہوئی ہو اور دوسرے کا مارنا ذبح اضطراری ہے جو کہ معتبر نہیں اسلئے کہ اس کا ذبح اختیاری اب مقدور ہے لہذا ذبح اضطراری کا اعتبار نہیں۔(۲۹) اور ثانی اول کے لئے مجروح شکار کی قیمت کا ضامن ہے کیونکہ ثانی کے مارنے سے اسکا مملوک شکار تلف ہوا البتہ اس نے زخمی شکار کو تلف کیا ہے لہذا اس پر ضمان بھی زخمی شکار کا ہوگا۔

(۳۰) وَيَجُوْزُ اِصْطِيَادُ مَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ مِنَ الْحَيْوَانِ وَمَا لَايُؤْكَلُ۔

ترجمہ :۔اور جائز ہے شکار کرنا ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم جانوروں کا۔

تشریح :۔(۳۰) یعنی ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم ہر دو قسم کے جانوروں کا شکار جائز ہے کیونکہ شکار ماکول اللحم کا شکار کرنا تو گوشت اور بقیہ اجزا سے انتفاع کا سبب ہے اور غیر ماکول اللحم کا شکار کرنا چمڑہ، بال، سینگ وغیرہ سے انتفاع کا سبب ہے جو کہ جائز امور ہیں لہذا شکار جائز ہے۔

(۳۱) وَذَبِيْحَةُ الْمُسْلِمِ وَالْكِتَابِيِّ حَلَالٌ (۳۲) وَلَا تُؤْكَلُ ذَبِيْحَةُ الْمُرْتَدِّ وَالْمَجُوْسِيِّ وَالْوَثَنِيِّ وَالْمُحْرِمِ (۳۳) وَاِنْ تَرَكَ الذَّابِحُ التَّسْمِيَةَ عَمَدًا فَالذَّبِيْحَةُ مَيْتَةٌ لَا تُؤْكَلُ (۳۴) وَاِنْ تَرَكَ نَاسِيًا اُكِلَ۔

ترجمہ :۔اور مسلمان اور اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے اور مرتد، مجوسی، بت پرست اور محرم کا ذبیحہ نہیں کھایا جائیگا اور اگر ذبح کرنے والے نے عمداً تسمیہ چھوڑ دیا تو اس کا ذبیحہ مردار ہے نہیں کھایا جائیگا اور اگر تسمیہ نسیاناً چھوڑ دیا تو کھایا جائیگا۔

تشریح :۔(۳۱) مسلمان اور اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے بشرطیکہ اللہ کے نام پر ذبح کرے کیونکہ شرط حلت موجود ہے یعنی ذابح (ذبح کرنے والے) کا صاحب ملت التوحید ہونا کیونکہ مسلمان تو اعتقاداً توحید رکھتا ہے اور اہل کتاب دعویٰ توحید کرتے ہیں۔(۳۲) مجوسیوں (آتش پرست یا آفتاب پرست) کا ذبیحہ حلال نہیں کیونکہ مجوس نہ حقیقۃً اہل التوحید ہیں اور نہ توحید کے مدعی ہیں۔اسی طرح مرتد کا ذبیحہ بھی حلال نہیں کیونکہ اہل ملت نہیں۔اسیطرح بت پرستوں کا ذبیحہ بھی حلال نہیں کیونکہ بت پرست اہل ملت نہیں۔اسی طرح محرم بالحج یا محرم بالعمرہ کا ذبیحہ (مراد شکار کو ذبح کرنا ہے) بھی حلال نہیں کیونکہ ذبح کرنا فعل مشروع ہے جبکہ محرم کیلئے صید کا ذبح کرنا غیر مشروع ہے لہذا ایہ

ذبح شمار نہ ہوگا۔

(۳۳) اگر ذبح کرنے والے نے بوقت ذبح عمداً تسمیہ چھوڑ دیا خواہ ذابح مسلمان ہو یا اہل کتاب تو اس کا ذبیحہ مردار ہے نہیں کھایا جائیگا لِقَوْلِهٖ تعالیٰ ﴿وَلَا تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾ (یعنی جس پر اللہ کا نام نہیں ذکر کیا گیا اس کو مت کھاؤ)۔

(۳۴) اگر تسمیہ عمداً نہیں بلکہ نسیاناً رہ گیا تو حلال ہے کیونکہ اس صورت میں بھی حرام قرار دینے میں حرج عظیم ہے کیونکہ انسان نسیان سے کم ہی خالی ہوتا ہے۔

الالغاز:۔ ای مسلم عاقل ذبح وسمی ولم تحل ؟

فقل:۔اذا سمی ولم یرد بها التسمية على الذبيحة ۔ (الاشباه والنظائر)

(۳۵) وَالذَّبْحُ فِي الْحَلْقِ وَاللَّبَّةِ (۳۶) وَالْعُرُوْقُ الَّتِيْ تُقْطَعُ فِي الذَّكَاةِ اَرْبَعَةٌ اَلْحُلْقُوْمُ وَالْمُرِيُّ وَالْوَدْجَانُ (۳۷) فَاِنْ قَطَعَهَا حَلَّ الْاَكْلُ وَاِنْ قَطَعَ اَكْثَرَهَا فَكَذٰلِكَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ لَابُدَّ مِنْ قَطْعِ الْحُلْقُوْمِ وَالْمُرِيِّ وَاَحَدِ الْوَدْجَيْنِ۔

ترجمہ:۔اور ذبح (اختیاری) حلق اور لبّہ کے درمیان میں ہوتا ہے اور جو رگیں ذبح میں کاٹی جاتی ہیں وہ چار ہیں، حلقوم، مریٔ اور ودجان پس اگر ان چاروں رگوں کو قطع کر دیا تو اس کا کھانا حلال ہے اور اگر اکثر کاٹ دی تو بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا کھانا حلال ہے اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ حلقوم اور مریٔ اور احد الودجین کا کٹنا ضروری ہے۔

تشریح:۔(۳۵) ذبح اختیاری حلق اور لبّہ (سینہ کے اوپر کی ہڈی) کے درمیان میں ہوتا ہے" لقوله صلى الله عليه وسلم الذكوة مابين اللبة واللحيين "۔ (۳۶) ذبح میں چار رگیں کاٹی جاتی ہیں حلقوم (سانس آنے جانے کی راہ) مریٔ (کھانے پینے کی راہ) اور ودجان (دو شہ رگیں جو حلقوم اور مریٔ کے دائیں اور بائیں میں واقع ہیں)۔

(۳۷) پس اگر ان چاروں رگوں کو قطع کر دیا تو بالاتفاق ایسے جانور کا کھانا حلال ہے اور اگر اکثر (یعنی تین) رگیں کٹ گئیں چار میں سے جونسے تین ہوں تو بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا کھانا حلال ہے۔ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک حلقوم اور مریٔ اور احد الودجین کا کٹنا ضروری ہے (امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے)۔

(۳۸) وَيَجُوْزُ الذَّبْحُ بِاللِّيْطَةِ وَالْمَرْوَةِ وَبِكُلِّ شَيْءٍ اَنْهَرَ الدَّمَ (۳۹) اِلَّا السِّنَّ الْقَائِمَ وَالظُّفُرَ الْقَائِمَ (۴۰) وَيُسْتَحَبُّ اَنْ يُحِدَّ الذَّابِحُ شَفْرَتَهٗ۔

ترجمہ:۔اور لیطہ اور مروہ سے جانور کو ذبح کرنا جائز ہے اسی طرح ہر ایسی چیز سے جو خون بہاتی ہو مگر اپنی جگہ پر قائم دانت اور ناخن سے جائز نہیں اور مستحب ہے کہ ذابح اپنی چھری تیز کر لے۔

تشریح:۔(۳۸) یعنی لیطہ (نرکل کا دھار دار پوست) اور مروہ (سفید باریک دھار دار پتھر) سے جانور کو ذبح کرنا جائز ہے اسی طرح ہر

ایسی ہر دھار والی چیز سے بھی ذبح جائز ہے جو رگوں کو کاٹتی ہو اور خون بہاتی ہو کیونکہ ذبح کی حقیقت بھی رگیں کاٹنا اور خون بہانا ہے۔ (۳۹) مگر اپنی جگہ پر قائم (یعنی جو انسان اور جانور سے الگ نہ) دانت اور ناخن سے ذبح کرنا جائز نہیں اگر چہ رگیں کاٹتا اور خون بہاتا ہو علیہ الاجماع۔

(۴۰) ذابح کیلئے مستحب ہے کہ جانور لٹانے سے پہلے اپنی چھری تیز کرلے" لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا ذبحتم فاحسنوا الذبحۃ ولیحد احدکم شفرتہ" (یعنی جب تم ذبح کرو تو اچھی طرح ذبح کرو اور تم میں سے ذبح کرنے والا اپنی چھری کو تیز کرلے)۔

(۴۱) وَمَنْ بَلَغَ بِالسِّكِّيْنِ النُّخَاعَ اَوْ قَطَعَ الرَّاْسَ كُرِهَ لَهٗ ذَالِكَ (۴۲) وَتُؤكَلُ ذَبِيْحَتُهٗ۔

ترجمہ:۔اور جس نے چھری نخاع تک پہنچایا یا جانور کا سر کاٹا تو یہ مکروہ ہے اور اس کا ذبیحہ کھایا جائیگا۔

تشریح:۔ (۴۱) ذابح کیلئے چھری کو نخاع (حرام مغز) تک پہنچانا مکروہ ہے اسی طرح حیوان کے ٹھنڈا ہونے سے پہلے حیوان کا سر کاٹنا بھی مکروہ ہے کیونکہ اس میں بلا فائدہ تعذیب الحیوان ہے جو کہ منہی عنہ ہے۔ (۴۲) البتہ ایسے ذبیحہ کو کھایا جائیگا کیونکہ فعل مکروہ حرمت کو واجب نہیں کرتا۔

(۴۳) وَاِذَا ذَبَحَ شَاةً مِنْ قَفَاهَا فَاِنْ بَقِيَتْ حَيَّةً حَتّٰى قَطَعَ الْعُرُوْقَ جَازَ (۴۴) وَيُكْرَهُ (۴۵) وَاِنْ مَاتَتْ قَبْلَ قَطْعِ الْعُرُوْقِ لَمْ تُؤكَلْ۔

ترجمہ:۔اور اگر بکری کو گدی (پشت گردن) کی طرف سے ذبح کیا اور اگر وہ زندہ رہی یہاں تک کہ اسکی رگیں قطع کر دیا تو یہ جائز اور مکروہ ہے اور اگر رگوں کے کٹنے سے پہلے مرگئی تو نہیں کھائی جائے گی۔

تشریح:۔(۴۳) اگر کسی نے بکری کو گدی (پشت گردن) کی طرف سے ذبح کیا اور وہ یہاں تک زندہ رہی کہ اسکی وہ رگیں بھی کٹ گئیں جن کا کاٹنا ضروری ہے تو یہ حلال ہے کیونکہ اسکی موت ذبح سے واقع ہوئی ہے۔ (۴۴) مگر یہ فعل مکروہ ہے کیونکہ اس میں بلا وجہ تعذیب ہے کما مرّ (۴۵) اور اگر بکری ضروری رگوں کے کٹنے سے پہلے مرگئی تو نہیں کھائی جائے گی کیونکہ اسکی موت ذبح سے واقع نہیں ہوئی ہے۔

(۴۶) وَمَا اسْتَاْنَسَ مِنَ الصَّيْدِ فَذَكَاتُهُ الذَّبْحُ (۴۷) وَمَا تَوَحَّشَ مِنَ النَّعَمِ فَذَكَاتُهُ الْعَقْرُ وَالْجَرْحُ۔

ترجمہ:۔اور جو شکار مانوس ہو تو اس کی ذکاۃ ذبح کرنا ہے اور جو جانور وحشی ہو تو اسکی ذکاۃ نیزہ سے مارنا اور زخمی کرنا ہے۔

تشریح:۔(۴۶) جو شکار مانوس ہو تو اس کی ذکاۃ یہ ہے کہ ما بین الحلقوم واللبۃ ذبح کیا جائے کیونکہ ذبح اختیاری (ذبح اختیاری وہ ہے جس میں مذکورہ بالا طریقہ پر ذبح کرنے کی قدرت ہو) اگر مقدور ہو تو ذبح اضطراری (ذبح اضطراری وہ ہے جس میں جہاں سے بھی زخمی کرکے خون بہایا جاتا ہے) کافی نہیں۔ (۴۷) جو جانور وحشی ہو جس کا ذبح اختیاری مقدور نہ ہو تو اسکی ذکاۃ ذبح اضطراری ہے جو کہ نیزہ سے مارنا اور زخمی کرنا ہے کیونکہ یہی مقدور ہے۔

(۴۸)وَالْمُسْتَحِبّ فِي الْإِبِلِ النَّحْرُ وَإِنْ ذَبَحَهَا جَازَ وَيُكْرَهُ (۴۹)وَالْمُسْتَحِبّ فِي الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ الذَّبْحُ فَإِنْ نَحَرَهُمَا جَازَ وَيُكْرَهُ (۵۰)وَمَنْ نَحَرَ نَاقَةً اَوْ ذَبَحَ بَقَرَةً اَوْ شَاةً فَوَجَدَ فِي بَطْنِهَا جَنِيْنًا مَيِّتًا لَمْ يُؤْكَلْ اَشْعَرَ اَوْ لَمْ يُشْعِرْ۔

ترجمہ:۔اور اونٹ میں مستحب نحر ہے اور اگر ذبح کیا تو یہ بھی جائز ہے اور مکروہ ہے اور گائے وبکری میں ذبح کرنا مستحب ہے اور اور بکری کو نحر کیا تو بھی جائز ہے اور مکروہ ہے اور اگر کسی نے اونٹنی کو نحر کیا یا گائے اور بکری کو ذبح کیا پھر اس کے پیٹ میں مردہ بچہ پایا تو نہیں کھایا جائیگا خواہ اسکے بال اُگے ہوں یا نہ۔

تشریح:۔(۴۸)اونٹ میں مستحب یہ ہے کہ اسکو نحر کرلے (نحر یہ ہے کہ سینہ سے اوپر جو حلقوم کا حصہ ملا ہوا ہے جہاں گوشت کم ہوتا ہے کاٹ دیا جائے) کیونکہ یہ متوارث بھی ہے اور اونٹ کی رگوں کے جمع ہونے کی جگہ بھی ہے لہذا یہاں کل رگیں کٹتی ہیں۔اور اگر اونٹ کو ذبح کیا تو یہ بھی جائز ہے مگر خلاف سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔(۴۹)اور گائے وبکری کے حق میں ذبح کرنا مستحب ہے کیونکہ انکی رگیں وہاں جمع ہوتی ہیں جہاں ذبح کی جاتی ہے۔اور اگر کسی نے گائے اور بکری کو نحر کیا تو بھی جائز ہے مگر خلاف سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔

(۵۰)اگر کسی نے اونٹنی کو نحر کیا یا گائے اور بکری کو ذبح کیا پھر اس کے پیٹ میں مردہ بچہ پایا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اسکو نہیں کھایا جائیگا خواہ اسکے بال اُگے ہوں یا نہ (یعنی خلقت اسکی تام ہو یا نہ ہو) اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک اگر خلقت اسکی پوری ہوگئی ہو تو کھایا جائیگا ورنہ نہیں (امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے)۔

(۵۱)وَلَا يَجُوْزُ اَكْلُ كُلِّ ذِيْ نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ وَلَا كُلِّ ذِيْ مِخْلَبٍ مِنَ الطَّيْرِ (۵۲)وَلَا بَأْسَ بِأَكْلِ غُرَابِ الزَّرْعِ (۵۳)وَلَا يُؤْكَلُ الْاَبْقَعُ الَّذِيْ يَأْكُلُ الْجِيَفَ۔

ترجمہ:۔اور جائز نہیں ہر قسم کے ذی ناب درندوں کا کھانا اور نہ ذی مخلب پرندوں کا کھانا جائز ہے اور کھیتی کے کوے کے کھانے میں کوئی حرج نہیں اور نہیں کھایا جائیگا غرابِ ابقع جو مردار کھاتا ہے۔

تشریح:۔(۵۱)ہر قسم کے ذی ناب (وہ گوشت خور جانور جن کے وہ دو بڑے دانت ہوں جن کے ذریعہ سے وہ گوشت کاٹتا یا شکار پکڑتا ہے) درندوں کا کھانا جائز نہیں اور پرندوں میں سے ہر ذی مخلب (مراد وہ پرندے ہیں جو اپنے تیز پنجوں سے شکار مارتے ہیں) کا کھانا جائز نہیں کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن فرمایا تھا "اَكْلُ كُلِّ ذِيْ نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ حَرَامٌ" (یعنی درندوں میں سے ہر ذی ناب کا کھانا حرام ہے) اسی طرح حدیث شریف میں ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی دن خاطفہ کو حرام قرار دیا ہے اور خاطفہ سے مراد وہ پرندہ ہے جو ہوا سے حملہ کرکے اُچک لیتے جیسے باز، چیل وغیرہ۔

(۵۲)کھیتی کے کوے کا کھانا جائز ہے جس کو زاغ کہتے ہیں کیونکہ یہ دانہ کھاتا ہے مردار نہیں کھاتا لہذا یہ سباع الطیر میں سے نہیں۔(۵۳)البتہ غراب ابقع (یعنی جس میں سیاہ سفید رنگ ملا ہوا ہو) نہیں کھایا جائیگا کیونکہ وہ مردار کھاتا ہے۔

☆ ☆ ☆

(۵۴)وَيُكْرَهُ اَكْلُ الضَّبُعِ وَالضَّبِّ وَالْحَشَرَاتِ كُلِّهَا

ترجمه:۔اور مکروہ ہے کھانا ضبع اور ضب اور ہر قسم کے حشرات الارض کا۔

تشریح:۔(۵۴)ضبع (جنسِ درندوں میں سے کتے سے زرا سا بڑا اور بڑے سر والا قوی جانور ہے) اور ضب (چوہے کے مشابہ ایک جانور ہے) اور ہر قسم کے حشرات الارض (کیڑے مکوڑے یا چھوٹے چھوٹے جانور جیسے مینڈک، چوہا، بچھوا، سرطان اور سانپ وغیرہ) کا کھانا مکروہ (یعنی ناجائز ہے) ہے کیونکہ یہ خبائث میں سے ہیں وقال اللّٰہ تعالیٰ ﴿وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ﴾ (یعنی حرام کرتا ہے وہ ان پر خبائث کو)۔

(۵۵)ولَايَجُوْزُ اَكْلُ لَحْمِ الْحُمُرِ الْاَهْلِيَّةِ وَالْبِغَالِ (۵۶)وَيُكْرَهُ اَكْلُ لَحْمِ الْفَرَسِ عِنْدَاَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَلَابَاْسَ بِاَكْلِ الْاَرْنَبِ۔

ترجمه:۔اور گھریلو گدھوں اور خچروں کا گوشت کھانا جائز نہیں اور گھوڑے کا گوشت کھانا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مکروہ ہے اور خرگوش کھانے میں کوئی حرج نہیں۔

تشریح:۔(۵۵)گھریلوں گدھوں کا کھانا جائز نہیں کیونکہ حدیث شریف میں اسکی ممانعت آئی ہے۔اسی طرح خچروں کا کھانا بھی جائز نہیں کیونکہ یہ گدھوں سے پیدا ہوتے ہیں تو انکا بھی وہی حکم ہوگا۔(۵۶)امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت کھانا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ یہ دشمن ڈرانے کا آلہ ہے تو احتراماً اسکا کھانا مکروہ قرار دیا ہے جبکہ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک گھوڑے کا کھانا (کراہتِ تنزیہی کے ساتھ) جائز ہے۔اور خرگوش کھانے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ نہ یہ درندوں میں سے ہے اور نہ یہ مردار کھاتا ہے لہذا یہ ہرن کے مشابہ ہے۔

(۵۷)وَاِذَا ذُبِحَ مَالَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ طَهُرَ جِلْدُهُ وَلَحْمُهُ (۵۸)اِلَّاالْآدَمِيَّ وَالْخِنْزِيْرَ فَاِنَّ الذَّكَاةَ لَاتَعْمَلُ فِيْهِمَا۔

ترجمه:۔اور اگر غیر ماکول اللحم (ایسا جانور جس کا گوشت کھانا حلال نہیں) ذبح کیا گیا تو اسکی کھال اور گوشت پاک ہو جاتا ہے مگر انسان اور خنزیر کیونکہ ذبح کرنا ان دو میں عمل نہیں کرتا۔

تشریح:۔(۵۷)اگر کسی نے ایسا جانور ذبح کیا جس کا گوشت کھانا حلال نہیں تو اسکی کھال اور گوشت پاک ہو جاتا ہے کیونکہ ذبح کا اثر یہ ہے کہ اس سے رطوبات اور بہنے والا خون زائل ہو جاتا ہے اور نجس بھی یہی دو چیزیں ہیں کھال اور گوشت کی ذات نجس نہیں لہذا جب یہ زائل ہو گئے تو کھال اور گوشت پاک ہے۔

(۵۸)البتہ انسان اور خنزیر کا گوشت ذبح کرنے سے پاک نہیں ہوتا پھر آدمی کے گوشت میں ذبح کی عدم تاثیر کی وجہ آدمی کا مکرم ومحترم ہونا ہے اور خنزیر میں عدم تاثیر کی وجہ خنزیر کا نجس لعینہ ہونا ہے۔

(۵۹) وَلایُؤکَلُ مِنْ حَیْوَانِ الْمَاءِ اِلَّا السَّمَکُ (٦٠) وَیُکْرَہُ اَکْلُ الطَّافِیْ مِنْهُ (٦١) وَلابَاسَ بِاَکْلِ الجِرِّیْثِ وَالْمَارِمَاهِیْ (٦٢) وَیَجُوْزُ اَکْلُ الْجَرَادِ وَلَا ذَکَاةَ لَهٗ۔

ترجمہ:۔اور نہیں کھایا جائیگا پانی کے جانوروں میں سے سوائے مچھلی کے اور مکروہ ہے مچھلیوں میں سے طافی کا کھانا اور جریث اور مار ماہی کے کھانے میں کوئی حرج نہیں اور ٹڈی کھانا جائز ہے اور اس کے لئے ذبح کرنا نہیں۔

تشریح:۔(۵۹) پانی کے جانوروں (سمندر، دریا وغیرہ کے جانور) میں سے سوائے مچھلی کے کوئی نہیں کھایا جائیگا لقوله تعالیٰ ﴿وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبَائِثَ﴾ (یعنی حرام کرتا ہے وہ ان پر خبائث کو) اور مچھلی کے سوا باقی پانی کے جانور خبائث میں سے ہیں۔(٦٠) البتہ مچھلیوں میں بھی طافی (جو مچھلی پانی میں اپنی موت مرکر پانی کے اوپر آجائے اس کو طافی کہا جاتا ہے) کا کھانا مکروہ ہے" لقوله صلّی الله علیه وسلم وَمَا طَفِیَ فَلَاتَأْکُلُوْا" (یعنی جو الٹی ہوگئی اس کو مت کھاؤ)۔ (٦١) جریث (ایک قسم کا مدوّر مچھلی ہے) اور مار ماہی (سانپ کی شکل کی مچھلی ہے) کے کھانے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ مچھلی ہی کی اقسام ہیں۔(٦٢) ٹڈی کھانا جائز ہے اور اس کو ذبح کرنے کی بھی ضرورت نہیں" لقوله صلّی الله علیه وسلم اُحِلَّ لَنَا مَیْتَتَانِ السَّمَکُ وَالْجَرَادُ" (یعنی ہمارے لئے دو مردار حلال ہیں یعنی مچھلی اور ٹڈی)۔

كتاب الاُضحِيَة

یہ کتاب اضحیہ کے بیان میں ہے۔

"اُضحیة" لغت میں اس جانور کو کہتے ہیں جو بوقت ضحی ذبح کیا جائے پھر کثرت سے اس جانور میں استعمال ہونے لگا جو قربانی کے دنوں میں کسی بھی وقت ذبح کیا جائے۔اور شرعاً حیوان مخصوص کو بنیت قربت وقت مخصوص میں ذبح کرنے کو کہتے ہیں۔

ذبح عام ہے خواہ بنیت تقرب وثواب ہو یا اللہ کے نام پر کھانے کے لئے ذبح کیا ہو اور اضحیہ خاص وہ ہے جو بنیت تقرب ذبح کیا جائے تو" ذبائح" کے بعد" اضحیہ" ذکر کرنا تخصیص بعد از تعمیم ہے۔

اضحیہ کے لئے شرط اضحیہ کرنے والے کا مسلمان ہونا ہے اور اتنی غنٰی شرط ہے جس کے ساتھ صدقۃ الفطر متعلق ہوتا ہے۔ یہ شرائط جس میں ہوں خواہ مذکر ہو یا مؤنث تو اس پر اضحیہ واجب ہے۔سبب اضحیہ وقت یعنی ایام نحر ہے۔رکن اضحیہ اس جانور کا ذبح کرنا ہے جس کا بطور اضحیہ ذبح کرنا جائز ہے۔اضحیہ کا حکم دنیا میں آدائیگی واجب ہے اور عقبیٰ میں ثواب پانا ہے۔

(۱) اَلْاُضْحِیَةُ عَلٰی کُلِّ حُرٍّ مُسْلِمٍ مُقِیْمٍ مُوْسِرٍ فِیْ یَوْمِ الْاَضْحٰی یَذْبَحُ عَنْ نَفْسِهٖ وَعَنْ وُلْدِهِ الصِّغِیْرِ (۲) وَیَذْبَحُ عَنْ کُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ شَاةً اَوْ یَذْبَحُ بُدْنَةً اَوْ بَقَرَةً عَنْ سَبْعَةٍ (۳) وَلَیْسَ عَلَی الْفَقِیْرِ وَالْمُسَافِرِ اُضْحِیَةٌ۔

ترجمہ:۔قربانی ہر حر، مسلمان، مقیم پر واجب ہے بشرطیکہ غنی ہو قربانی کے دن۔اپنی طرف سے اور اپنے چھوٹے بچوں کی طرف سے اور ذبح کریگا ہر ایک کی طرف ایک بکری یا سات آدمیوں کی طرف سے ایک اونٹ یا ایک گائے ذبح اور فقیر اور مسافر پر قربانی واجب نہیں۔

تشریح :۔(۱) قربانی ہر حر، مسلمان اور مقیم (خواہ شہر میں ہو یا گاؤں میں) پر واجب ہے اور شرط یہ ہے کہ غنی (صدقۃ الفطر کی غنا مراد ہے) ہو اور قربانی کے دن ہو اپنی طرف سے اور اپنے چھوٹے بچوں میں سے ہر ایک کی طرف سے۔(۲) ہر ایک بکری ذبح کرلے۔ یا سات آدمیوں کی طرف سے ایک اونٹ یا ایک گائے ذبح کرلے۔ بچوں کی طرف سے ذبح کرنے کا قول حسن ابن زیاد رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے نقل فرمایا ہے وہ صدقۃ الفطر پر قیاس کرتے ہیں۔ مگر ظاہر روایت یہ ہے کہ بچوں کی طرف سے ذبح کرنا واجب نہیں۔

اونٹ اور گائے میں سے ہر ایک سات سے کم افراد کیلئے بھی کافی ہے۔ قیاس تو یہ ہے کہ بکری کی طرح ہر ایک کی طرف سے ایک اونٹ یا گائے ہو مگر حدیث شریف میں ہے حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گائے اور اونٹ کو سات کی طرف سے قربانی کیا۔

(۳) فقیر اور مسافر پر قربانی واجب نہیں کیونکہ ان پر قربانی واجب کرنے میں ان کیلئے حرج ہے اور حرج شرعاً مدفوع ہے۔

(۴) وَوَقْتُ الْاُضْحِيَةِ يَدْخُلُ بِطُلُوْعِ الْفَجْرِ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ (۵) اِلَّا اَنَّه لَايَجُوْزُ لِاَهْلِ الْاَمْصَارِ الذَّبْحُ حَتّٰى يُصَلِّيَ الْاِمَامُ صَلٰوةَ الْعِيْدِ (۶) فَاَمَّا اَهْلُ السَّوَادِ فَيَذْبَحُوْنَ بَعْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ۔

ترجمہ :۔اور قربانی کا وقت دسویں ذی الحجہ کے طلوع فجر سے شروع ہوتا ہے لیکن شہر والوں کیلئے قربانی ذبح کرنا جائز نہیں یہاں تک کہ امام المسلمین عید کی نماز پڑھائے بہر حال دیہات والے تو وہ طلوع فجر کے بعد ذبح کرسکتے ہیں۔

تشریح :۔(۴) قربانی کا وقت دسویں ذی الحجہ کے طلوع فجر سے شروع ہوتا ہے۔(۵) لیکن شہر والوں کیلئے قربانی اس وقت تک ذبح کرنا جائز نہیں جب تک کہ امام المسلمین عید کی نماز پڑھا کر فارغ نہ ہوجائے۔ یا زوال آفتاب ہو کر نماز کا وقت نکل جائے تو بھی قربانی ذبح کرنا جائز ہے کیونکہ شہری کے حق میں یہ شرط ہے کہ اسکی نماز عید یا وقتِ نماز عید قربانی ذبح کرنے سے مقدم ہو اگر ان دو باتوں میں سے کوئی ایک نہ پائی گئی تو فقدان شرط کی وجہ سے قربانی جائز نہیں۔(۶) ہاں گاؤں والوں کیلئے طلوع فجر کے بعد قربانی ذبح کرنا جائز ہے کیونکہ ان پر صلوٰۃ عید فرض نہیں تو تقدیم الصلوٰۃ یا تقدیم وقت الصلوٰۃ بھی شرط نہیں۔

(۷) وَهِيَ جَائِزَةٌ فِيْ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ يَوْمُ النَّحْرِ وَيَوْمَانِ بَعْدَهٗ۔

ترجمہ :۔اور قربانی تین دن میں جائز ہے ایک یوم النحر اور دو دن اسکے بعد۔

تشریح :۔(۷) قربانی تین دن تک جائز ہے ایک یوم النحر یعنی دسویں ذی الحجہ اور دو دن اسکے بعد یعنی گیارھویں اور بارھویں ذی الحجہ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ وعلی رضی اللہ تعالی عنہ وابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا ایام نحر تین ہیں اولھا افضلھا۔ ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کیونکہ مقادیر مقرر کرنے میں رائے کو دخل نہیں ہوتا۔

(۸) ولا يُضحّى بالعَمْيَاءِ وَالعَوْرَاءِ وَالعَرْجَاءِ الَّتِيْ لاتَمْشِيْ اِلَى الْمَنْسَكِ وَلا الْعَجْفَاءِ (۹) ولاتُجْزِئُ مَقْطُوْعَةُ الْاُذُنِ وَالذَّنَبِ وَلا الَّتِيْ ذَهَبَ اَكْثَرُاُذُنِهَااَوْ ذَنَبِهَا (۱۰) وانْ بَقِيَ الْاَكْثَرُ مِنَ الْاُذُنِ وَالذَّنَبِ جَازَ۔

ترجمہ:۔اور قربانی نہ کرے اندھے جانور کی اور نہ عوراء کی اور نہ ایسے لنگڑے جانور کی جو مذبح خانہ تک نہ جاسکتا ہو اور نہ انتہائی کمزور جانور کی اور ایسا جانور کافی نہیں جسکے کان یا دُم کٹی ہو اور نہ ایسا جس کا اکثر کان یا دم کٹی ہو اور اگر کان اور دُم کا اکثر حصہ باقی ہو تو جائز ہے۔

تشریح:۔(۸) اندھے جانور کی قربانی جائز نہیں۔اسی طرح عوراء (کانا یعنی یک چشم) کی قربانی جائز نہیں۔اسی طرح ایسے لنگڑے جانور کی قربانی جائز نہیں جو مذبح خانہ تک نہ جاسکتا ہو۔اور ایسے کمزور جانور کی قربانی جائز نہیں جس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو۔(۹) ایسے جانور کی قربانی بھی جائز نہیں جسکے کان یا دُم کٹی ہو یا اکثر کٹی ہو۔(۱۰) اور اگر کان اور دُم کا اکثر حصہ باقی ہو تو جائز ہے کیونکہ لِلْاَکْثَرِ حُکْمُ الْکُلِّ وعلیه الفتوی۔

(۱۱) وَيَجُوزُ اَنْ يُضَحّى بِالْجَمَّاءِ وَالخَصِيِّ وَالْجَرْبَاءِ وَالثَّوْلاءِ۔

ترجمہ:۔اور جائز ہے کہ قربانی کرے جماء، خصی، جرباء اور ثولاء جانور کی۔

تشریح:۔(۱۱) جماء جانور (یعنی جس کے پیدائشی سینگ نہ ہوں) کی قربانی جائز ہے کیونکہ سینگ کے ساتھ کوئی مقصود متعلق نہیں۔ اسی طرح خصی جانور کی قربانی جائز ہے کیونکہ اس کا گوشت زیادہ پرلطف ہوتا ہے۔اسی طرح جرباء جانور (جس کو خارش کی بیماری لگی ہو) کی قربانی بھی جائز ہے بشرطیکہ موٹا تازہ ہو کیونکہ خارش تو اس کی کھال میں ہے گوشت میں کوئی نقصان نہیں۔اسی طرح ثولاء جانور (یعنی مجنون جانور) کی قربانی جائز ہے بشرطیکہ گھاس کھاتا ہو کیونکہ ایسا جنون مخل بالمقصود نہیں ہوتا۔

(۱۲) وَالْاُضْحِيَةُ مِنَ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ (۱۳) وَيُجْزِئُ مِنْ ذَالِکَ کُلِّهِ الثَّنِيُّ فَصَاعِدًا (۱۴) اِلَّا الضَّانَ فَاِنَّ الْجَذَعَ مِنْهُ يُجْزِئُ۔

ترجمہ:۔اور قربانی اونٹ، گائے اور بکری میں سے ہوتی ہے اور ان سب میں سے ثنی یا ثنی سے زیادہ عمر کا جانور کافی ہے سوائے بھیڑ کے کہ اس سے جذع بھی کافی ہے۔

تشریح:۔(۱۲) قربانی اونٹ، گائے اور بکری کی ہوتی ہے کیونکہ شرعاً ان ہی کی قربانی معلوم ہوئی ہے انکے غیر کی قربانی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی نہیں۔(۱۳) اور مذکورہ جانوروں میں سے ثنی یا ثنی سے جو بڑی عمر کی ہو کی قربانی ہوتی ہے ثنی سے کم عمر کی نہیں۔ پھر اونٹوں میں ثنی وہ ہے جو پانچ سالہ ہو اور گائے وبھینس میں دو سالہ ثنی ہے اور بھیڑ و بکری میں ایک سالہ ثنی ہے۔(۱۴) البتہ بھیڑ ودنبہ میں جذع یعنی چھ ماہ کا بھی جائز ہے بشرطیکہ موٹا تازہ ہو ایسا کہ اگر ثنیوں میں چھوڑ دیا جائے تو تمیز نہ ہوسکے۔

(۱۵) وَيَاکُلُ مِنْ لَحْمِ الْاُضْحِيَةِ وَيُطْعِمُ الْاَغْنِيَاءَ وَالْفُقَرَاءَ وَيَدَّخِرُ (۱۶) وَيُسْتَحَبُّ لَهُ اَنْ لا يَنْقُصَ الصَّدَقَةَ مِنَ الثُّلُثِ (۱۷) وَيَتَصَدَّقُ بِجِلْدِهَا اَوْ يَعْمَلُ مِنْهُ آلةً تُسْتَعْمَلُ فِي الْبَيْتِ۔

ترجمہ:۔اور قربانی کے گوشت سے خود کھائے گا اور اغنیاء اور فقراء کو کھلائے گا اور اپنے لئے ذخیرہ کریگا اور مستحب یہ ہے کہ صدقہ ایک

ثلث سے کم نہ کرے اور قربانی کی کھال صدقہ کرے یا اس سے کوئی ایسی چیز بنائے جو گھر میں استعمال کی جائے۔

تشریح :۔(۱۵) قربانی کرنے والے کو اختیار ہے چاہے تو قربانی کے گوشت خود کھائے اور اپنے بچوں کو کھلائے اور چاہے تو اغنیاء اور فقراء کو کھلائے اور چاہے تو اپنے لئے ذخیرہ کر سکتا ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں نے تم کو قربانیوں کے گوشت کھانے سے منع کر دیا تھا پس اب کھاؤ اور ذخیرہ کرو۔ اور جب یہ جائز ہے کہ صاحب قربانی خود کھائے حالانکہ وہ غنی ہے تو دوسرے غنی کو بھی کھلا سکتا ہے۔(۱٦) مگر مستحب یہ ہے کہ صدقہ ایک ثلث سے کم نہ کرے کیونکہ جہات خرچ تین ہیں کھانا، ذخیرہ کرنا لما روینا اور کھلانا لقوله تعالیٰ ﴿وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ﴾ (یعنی کھلاؤ صابر اور بے صبر کو) لہذا ان تینوں جہات پر اثلاثاً تقسیم کیا جائے۔(۱۷) قربانی کی کھال اگر چاہے تو صدقہ کرے کیونکہ کھال قربانی کا جز ہے اور چاہے تو اس سے کوئی ایسی چیز بنائے جو گھر کے استعمال میں کام آئے مثلاً ڈول، مصلّی، چھلنی وغیرہ۔

(۱۸) وَالْاَفْضَلُ اَنْ يَذْبَحَ اُضْحِيَّتَه بِيَدِه اِنْ كَانَ يُحْسِنُ الذَّبْحَ (۱۹) وَيُكْرَهُ اَنْ يَذْبَحَهَا الْكِتَابِيُّ۔

ترجمہ:۔اور افضل یہ ہے کہ اپنی قربانی کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرلے اگر وہ ذبح کرنا اچھی طرح جانتا ہو اور مکروہ ہے کہ کوئی اہل کتاب اس کو ذبح کرے۔

تشریح :۔(۱۸) افضل یہ ہے کہ اپنی قربانی کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرلے بشرطیکہ ذبح کرنا اچھی طرح جانتا ہو کیونکہ یہ عبادت ہے اور ایسا عمل کہ عبادت ہو خود کرنا افضل ہے۔(۱۹) قربانی کو کسی اہل کتاب سے ذبح کرانا مکروہ ہے کیونکہ یہ ایسا کام ہے کہ جو قربت ہے اور اہل کتاب قربت کا اہل نہیں۔ البتہ اگر مسلمان اگر اس نے ذبح کیا تو جائز ہے کیونکہ اہل کتاب کا ذبیحہ درست ہے۔

(۲۰) وَاِذَا غَلَطَ رَجُلَانِ فَذَبَحَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا اُضْحِيَّةَ الْآخَرِ اَجْزَاَعَنْهُمَا وَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِمَا۔

ترجمہ:۔اور اگر دو آدمیوں نے غلطی کی پس ہر ایک نے دوسرے کی قربانی کا جانور ذبح کیا تو یہ دونوں کی طرف سے کافی ہو جائیگا اور ان پر ضمان بھی نہیں۔

تشریح:۔(۲۰) اگر دو آدمیوں نے باہم یوں غلطی کی کہ ہر ایک نے دوسرے کی قربانی کا جانور ذبح کیا تو یہ دونوں کی طرف سے استحساناً جائز ہے اور دونوں میں سے کسی ایک پر بھی ضمان نہیں کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کا اس فعل میں دلالۃً وکیل ہے۔

☆ ☆ ☆

كتاب الأيمان

یہ کتاب ایمان کے بیان میں ہے۔

"أیمان" جمع ہے "یمین" کی، یمین لغۃً بمعنی قوۃ قال اللّٰہ تعالیٰ ﴿اَخَذْنَاهُ بِالْیَمِیْنِ اَیْ بِالْقُوَّةِ﴾ اور اصطلاح شریعت میں یمین وہ عقد ہے جو قسم کھانے والے کا عزم کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر مضبوط کرلے۔

"کتاب الاضحیۃ" کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ اضحیہ کے ذریعہ انسان پل صراط پر سے گذرنے میں تقویہ حاصل کرتا ہے اسی طرح قسم کے ذریعہ متصل بالقسم پر تقویہ حاصل کیا جاتا ہے۔

فائدہ:۔ حلف بمعنی قسم۔ حالف قسم کھانے والا۔ محلوف علیہ جس بات پر قسم کھائی جائے۔ یمین جس کی پابندی نہ کرنے پر کفارہ لازم ہو۔ حنث قسم کا ٹوٹنا۔ اور حانث قسم کا توڑنے والا۔

(۱) اَلْاَیْمَانُ عَلٰی ثَلٰثَةِ اَضْرُبٍ یَمِیْنٌ غَمُوْسٌ وَیَمِیْنٌ مُنْعَقِدَةٌ وَیَمِیْنُ لَغْوٍ (۲) فَیَمِیْنُ الْغَمُوْسِ هِیَ الْحَلْفُ عَلٰی اَمْرٍ مَاضٍ یَتَعَمَّدُ الْکِذْبَ فِیْهِ (۳) فَهٰذِهِ الْیَمِیْنُ یَاْثَمُ بِهَا صَاحِبُهَا وَلَا کَفَّارَةَ فِیْهَا اِلَّا التَّوْبَةَ وَالْاِسْتِغْفَارَ۔

ترجمہ:۔ یمین کی تین قسمیں ہیں، یمین غموس، یمین منعقدہ اور یمین لغو، اور یمین غموس یہ ہے کہ گذری ہوئی بات پر قسم کھانا جس جھوٹ کا قصد کیا ہو ایسی قسم کھانے والا اس کی وجہ سے گناہ گار ہو جائیگا اور اس میں کفارہ نہیں سوائے توبہ اور استغفار کے۔

تشریح:۔ (۱) یمین کی تین قسمیں ہیں۔/ **نمبر ۱**۔ یمین غموس۔ غموس، غمس سے ہے بمعنی ادخال فی الماء، تو یمین غموس بھی اپنے صاحب کو گناہ میں بعدہ آگ میں داخل کرتا ہے۔/ **نمبر ۲**۔ یمین منعقدہ (وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اسمیں حالف بالقصد والنیۃ براۃ کا عقد کرتا ہے)۔/ **نمبر ۳**۔ یمین لغو۔ اسکو لغو اسلئے کہتے ہیں کہ یہ از درجہ اعتبار ساقط ہے کہ اس پر تین چیزوں کے سوا میں مواخذہ نہیں وہ تین چیزیں طلاق، عتاق، اور نذر ہیں۔

(۲) یمین غموس گذری ہوئی بات پر عمداً جھوٹی قسم کھانے کو کہتے ہیں مثلاً کوئی کام کر چکا ہے اور جانتا ہے کہ میں یہ کام کر چکا ہوں پھر بھی کہتا ہے واللہ میں نے یہ کام نہیں کیا ہے۔ (۳) ایسی قسم کھانے والے پر کفارہ نہیں ہاں توبہ اور استغفار کرلے کیونکہ یمین غموس گناہ کبیرہ ہے اس کا ارتفاع توبہ واستغفار سے ہو سکتا ہے کفارہ سے نہیں۔

(۴) وَالْیَمِیْنُ الْمُنْعَقِدَةُ هِیَ اَنْ یَحْلِفَ عَلَی الْاَمْرِ الْمُسْتَقْبَلِ اَنْ یَفْعَلَهُ اَوْ لَا یَفْعَلَهُ (۵) فَاِذَا حَنِثَ فِیْ ذٰلِکَ لَزِمَتْهُ الْکَفَّارَةُ (۶) وَیَمِیْنُ اللَّغْوِ هُوَ اَنْ یَحْلِفَ عَلٰی اَمْرٍ مَاضٍ وَهُوَ یَظُنُّ اَنَّهُ کَمَا قَالَ وَالْاَمْرُ بِخِلَافِهِ (۷) فَهٰذِهِ الْیَمِیْنُ نَرْجُوْ اَنْ لَا یُؤَاخِذَ اللّٰهُ تَعَالٰی بِهَا صَاحِبَهَا۔

ترجمہ:۔ اور یمین منعقدہ یہ ہے کہ آئندہ کے کسی کام پر قسم کھائے کہ یہ کرونگا یا نہیں کرونگا پس جب اس میں حانث ہو جائے تو اس پر کفارہ لازم ہے اور یمین لغو یہ ہے کہ گذشتہ زمانے کے کسی کام پر قسم کھائے اور اس کا یقین یہ ہے کہ یہ کام ایسا ہی ہے جیسا کہ میں کہتا ہوں

جبکہ حقیقت اس کے خلاف ہو یہ یمین لغو ہے امید یہ ہے کہ یمین لغو میں اللہ تعالیٰ صاحب یمین کا مواخذہ نہیں فرمائے گا۔

تشریح:۔(٤) یمین منعقدہ یہ ہے کہ آئندہ کے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر قسم کھائے (مثلاً کہا واللہ میں سبق یاد کرونگا یا واللہ میں فلاں کے گھر میں نہ جاؤں گا)۔(٥) اسکا حکم یہ ہے کہ اگر یہ شخص حانث (جس کام کے نہ کرنے کی قسم کھائی تھی وہ کر گذرا اس شخص کو حانث کہتے ہیں) ہو تو اس پر کفارہ لازم ہے لقوله تعالیٰ ﴿وَلٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ﴾ (لیکن جس کے ساتھ تم نے قسموں کو مضبوط کیا اس کا مواخذہ فرماتا ہے)۔

(٦) یمین لغو یہ ہے کہ گذشتہ زمانے کے کسی کام پر قسم کھائے مثلاً کہے واللہ میں نے فلاں کام کرلیا ہے اور اس کا یقین بھی یہی ہے کہ یہ کام میں کر چکا ہوں اور واقع میں یہ کام اس نے نہ کیا ہو یا کہا واللہ میں نے یہ کام نہیں کیا ہے اور اسکو یقین ہے کہ یہ کام میں نے نہیں کیا ہے جبکہ واقع میں یہ کام وہ کر چکا ہے۔امام محمد رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ "مَا يَجْرِىْ بَيْنَ النَّاسِ مِنْ قَوْلِهِمْ لَاوَاللّٰهِ، بَلٰى وَاللّٰه" یہ یمین لغو ہے۔(٧) امید یہ ہے کہ یمین لغو میں اللہ تعالیٰ صاحب یمین کا مواخذہ نہیں فرمائے گا لقوله تعالیٰ ﴿لَايُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِفِي اَيْمَانِكُمْ﴾ (یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری قسموں میں جو لغو واقع ہو اس کا مواخذہ نہیں فرماتا ہے)۔

(٨) وَالْقَاصِدُ فِي الْيَمِيْنِ وَالْمُكْرَهِ وَالنَّاسِىْ سَوَاءٌ (٩) وَمَنْ فَعَلَ الْمَحْلُوْفَ عَلَيْهِ عَامِدًا اَوْمُكْرَهًا اَوْ نَاسِيًا فَهُوَ سَوَاءٌ۔

ترجمہ:۔اور عمداً قسم کھانے والا اور جس پر قسم کھانے کے لئے زبردستی کی گئی اور بھول کر قسم کھانے والا سب حکم میں برابر ہیں اور جس نے محلوف علیہ کام قصداً کیا یا مجبور کیا گیا یا بھول گیا تو یہ سب برابر ہیں۔

تشریح:۔(٨) جس نے عمداً قسم کھائی اور جس پر قسم کھانے کیلئے زبردستی کی گئی اور جو بھول کر قسم کھا گیا یہ سب حکم میں برابر ہیں حتی کہ بصورت حنث ان میں سے ہر ایک پر کفارہ لازم ہوگا "لِقَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ اَلنِّكَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالْيَمِيْنُ" (یعنی تین چیزیں ایسی ہیں کہ جن کا قصد بھی عمد ہے اور ہزل بھی عمد ہے یعنی نکاح اور طلاق اور قسم)۔

(٩) جس نے محلوف علیہ کام قصداً کیا یا کسی نے اسکو محلوف علیہ کام کے کرنے پر مجبور کیا اور اس نے مجبور ہو کر محلوف علیہ کام کرلیا یا اسکو قسم یاد نہیں تھی چنانچہ اس نے محلوف علیہ کام کرلیا تو یہ سب صورتیں حکم میں برابر ہیں کیونکہ فعل حقیقی کو اکراہ اور نسیان معدوم نہیں کرتا لہٰذا اس پر کفارہ واجب ہے۔

(١٠) وَالْيَمِيْنُ بِاللّٰهِ تَعَالٰى اَوْ بِاسْمٍ مِنْ اَسْمَائِهٖ كَالرَّحْمٰنِ وَالرَّحِيْمِ اَوْ بِصِفَةٍ مِنْ صِفَاتِ ذَاتِهٖ كَعِزَّةِ اللّٰهِ وَجَلَالِهٖ وَكِبْرِيَائِهٖ (١١) اِلَّاقَوْلَهٗ وَعِلْمِ اللّٰهِ فَاِنَّهٗ لَايَكُوْنُ يَمِيْنًا۔

ترجمہ:۔اور یمین لفظ اللہ سے یا اس کے ناموں میں سے کسی نام سے ہوتی ہے جیسے رحمان اور رحیم یا اللہ کی ذاتی صفات میں سے کسی صفت سے جیسے اللہ کی عزت اور اس کے جلال اور اس کی کبریا کی قسم مگر کسی کہنے والا کا یہ قول "بعلم الله تعالیٰ" تو یہ قسم نہ ہوگی۔

تشریح:۔(۱۰)یمین خدا تعالیٰ کے ذاتی نام اللہ سے منعقد ہوتی ہے یا اللہ کے ناموں میں سے کوئی دوسرا نام ہو جیسے ''الرحمٰن ،الرحیم ،العلیم الحلیم'' وغیرہ خواہ ان ناموں سے قسم کھانا متعارف ہو یا نہ ہو۔یا اللہ کی ذاتی صفتوں میں سے کوئی صفت ہو مگر شرط یہ ہے کہ اس صفت کے ساتھ قسم کھانا لوگوں میں متعارف ہو جیسے ''بعزۃ اللّٰہ وجلالہ وکبریائہ وملکوتہ وجبروتہ وعظمتہ وقدرتہ'' کیونکہ ان کے ساتھ قسم کھانا متعارف ہے۔(۱۱)البتہ یہ کہنا کہ ''بِعلمِ اللّٰہ تعالیٰ'' تو یہ قسم نہ ہوگی اگر چہ یہ بھی اللہ کی صفات ذاتیہ میں سے ہے مگر چونکہ اس کے ساتھ قسم کھانا متعارف نہیں لہذا قسم نہ ہوگی۔

(۱۲)وَاِنْ حَلَفَ بِصِفَةٍ مِنْ صِفَاتِ الْفِعْلِ كَغَضَبِ اللّٰهِ وَسَخَطِ اللّٰهِ لَمْ يَكُنْ حَالِفًا۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی نے اللہ کی صفات فعلی میں سے کسی کے ساتھ قسم کھائی مثلاً کہا ''غضب اللّٰہ'' یا ''وسخط اللّٰہ'' تو یہ شخص قسم کھانے والا نہ ہوگا۔

تشریح:۔(۱۲)اگر کسی نے اللہ کی صفات فعلی میں سے کسی کے ساتھ قسم کھائی مثلاً کہا ''وغضب اللّٰہ'' یا ''وسخط اللّٰہ'' یا ''ورضاء اللّٰہ'' یا ''ورحمۃ اللّٰہ'' تو یہ شخص قسم کھانے والا نہ ہوگا کیونکہ ان کے ساتھ قسم کھانا متعارف نہیں۔

فائدہ:۔صفات باری تعالیٰ کی دو قسمیں ہیں،ذاتی فعلی۔صفات ذاتی وہ ہے کہ جن کی ضد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو متصف نہ کیا جا سکے جیسے علیم،حلیم،عزیز،کبیر وغیرہ اور صفات فعلی وہ ہیں کہ جن کی ضد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو متصف کیا جا سکتا ہو جیسے غضب،سخط،رضا وغیرہ۔

(۱۳)وَمَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ لَمْ يَكُنْ حَالِفًا كَالنَّبِيِّ ﷺ وَالْقُرْآنِ وَالْكَعْبَةِ۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی نے اللہ کے سوا کی قسم کھائی تو یہ شخص حالف نہ ہوگا مثلاً کہا نبی کی قسم،قرآن کی قسم،کعبہ کی قسم۔

تشریح:۔(۱۳)اگر کسی نے اللہ کے سوا کسی دوسرے کی قسم کھائی مثلاً کہا نبی کی قسم،قرآن کی قسم،کعبہ کی قسم تو یہ شخص حالف شمار نہ ہوگا کیونکہ ان کے ساتھ قسم کھانا متعارف نہیں۔واضح رہے کہ آج کل نبی،قرآن اور کعبہ کے ساتھ قسم کھانا متعارف ہے لہذا ان کے ساتھ قسم کھانے والا حالف شمار ہوگا۔

(۱۴)وَالْحَلْفُ بِحُرُوْفِ الْقَسَمِ وَحُرُوْفُ الْقَسَمِ ثَلٰثَةٌ اَلْوَاوُ كَقَوْلِهٖ وَاللّٰهِ وَالْبَاءُ كَقَوْلِهٖ بِاللّٰهِ وَالتَّاءِ كَقَوْلِهٖ تَاللّٰهِ وَقَدْ تُضْمَرُ الْحُرُوْفُ فَيَكُوْنُ حَالِفًا كَقَوْلِهِ اللّٰهِ لَا اَفْعَلُ كَذَا(۱۵)وَقَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اِذَا قَالَ وَحَقِّ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِحَالِفٍ۔

ترجمہ:۔اور قسم حروف قسم سے ہوتی ہے اور حروف قسم تین ہیں واو جیسے کہنے والے کا قول واللہ اور باء جیسے کہنے والے کا قول ''باللّٰہ'' اور تاء جیسے کہنے والے کا قول ''تاللّٰہ'' اور کبھی حروف قسم مقدر ہوتے ہیں تو بھی قسم کھانے والا حالف ہو جائیگا جیسے کہنے والے کا قول ''اللّٰہ لاافعل کذا'' اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے کہا ''وحق اللّٰہ لاافعل کذا'' تو حالف شمار نہ ہوگا۔

تشریح:۔(۱۴)قسم حروف قسم سے ہوتی ہے اور حروف قسم تین ہیں واو جیسے ''واللّٰہ'' اور باء جیسے ''باللّٰہ'' اور تاء جیسے ''تاللّٰہ'' کیونکہ ان

میں سے ہرایک باب یمین میں معہوداور قرآن میں مذکور ہے۔اور کبھی حروف قسم مقدر ہوتے ہیں تو بھی قسم کھانے والا حالف ہو جائیگا جیسے "اللہ لاافعل کذا ای و اللہ الخ " کیونکہ برائے اختصار حرف ندا کا حذف کرنا عربوں کی عادت ہے۔(۱۵)امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے بنیت قسم کہا" وحق اللــه لاافعل کذا" تو یہ شخص حالف شمار نہ ہوگا کیونکہ "حق اللہ " سے مراد "طاعۃ اللہ" ہے کیونکہ طاعات اللہ کے حقوق ہیں تو یہ حلف بغیر اللہ تعالی ہے لہذا یہ حلف نہیں۔

(۱٦)وَاِذَا قَالَ اُقْسِمُ اَوْ اُقْسِمُ بِاللّٰہِ او اَحْلِفُ بِاللّٰہِ اَوْاَحْلِفُ اَوْاَشْھَدُ اَوْ اَشْھَدُبِاللّٰہِ فھوَ حَالِفٌ (۱۷)وکَذَالِکَ قَوْلُہ وَعَھْدِاللّٰہِ وَمِیْثَاقِہٖ (۱۸)وَکَذَالِکَ اِنْ قَالَ عَلَیَّ نَذْرٌ اَوْنَذْرُ اللّٰہِ فَھُوَ یَمِیْنٌ۔

توجمہ:۔اور اگر کسی نے کہا کہ میں قسم کھاتا ہوں یا میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں یا کہا کہ میں حلف کرتا ہوں یا اللہ کے ساتھ حلف کرتا ہوں یا میں شہادت دیتا ہوں یا میں اللہ کے ساتھ شہادت دیتا ہوں تو یہ شخص حالف شمار ہوگا اسی طرح اگر کسی نے "وعھد اللہ" یا "ومیثاق اللہ" کہا(تو یہ بھی حالف ہے)اور اسی طرح اگر کہا"علیّ نذرٌ" یا "علیّ نذر اللہ" تو یہ بھی یمین ہے۔

تشــریــح:۔(۱٦)اگر کسی نے کہا کہ میں قسم کھاتا ہوں یا میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں یا کہا کہ میں حلف کرتا ہوں یا اللہ کے ساتھ حلف کرتا ہوں یا میں شہادت دیتا ہوں یا میں اللہ کے ساتھ شہادت دیتا ہوں تو یہ شخص حالف شمار ہوگا کیونکہ یہ الفاظ حلف میں مستعمل ہیں۔

(۱۷)اسی طرح اگر کسی نے "وعھداللہ" یا "ومیثاق اللہ" کہا تو یہ بھی حالف ہے کیونکہ عہد یمین ہے قَالَ اللّٰہُ تَعالیٰ ﴿وَاَوْفُوْا بِعَھْدِ اللّٰہِ﴾ (یعنی پورا کرو اللہ کے عہد کو)اور میثاق بمعنی عہد ہے۔(۱۸)اسی طرح اگر کہا "علیّ نذرٌ" یا "علیّ نذر اللہ" تو یہ بھی قسم ہے"لقولہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ مَنْ نَذَرَنَذْرًاوَلَمْ یُسَمِّ فَعَلَیْہِ کَفَّارَۃُ یَمِیْنٍ"(یعنی جس نے کوئی نذر کی اور اس کو بیان نہ کیا تو اس پر قسم کا کفارہ لازم ہے)۔

(۱۹)وَاِنْ فَعَلْتُ کَذَا فَاَنَا یَھُوْدِیٌّ او نَصْرَانِیٌّ اَوْ مَجُوْسِیٌّ اَوْ مُشْرِکٌ اَوْکافِرٌ کَانَ یَمِیْنًا(۲۰)وَاِنْ قَالَ فَعَلَیَّ غَضَبُ اللّٰہِ او سَخَطُہٗ فَلَیْسَ بِحَالِفٍ وکَذَالِکَ اِنْ قَالَ اِنْ فَعَلْتُ کَذَافَاَنَازَانٍ اَوْ شَارِبُ خَمْرٍاَوْ آکِلُ الرِّبو اَفَلَیْسَ بِحَالِفٍ۔

توجمہ:۔اور(اگر کسی نے یوں کہا)اگر میں نے یہ کام کیا تو میں یہودی ہوں یا میں نصرانی ہوں یا میں مجوسی یا مشرک یا کافر ہوں تو یہ یمین ہے اور اگر کہا مجھ پر اللہ کا غضب ہو یا اللہ کی ناراضی ہو تو حالف نہیں اور اسی طرح اگر کہا کہ اگر میں یہ کام کروں تو میں زانی یا شراب خور یا سودخور ہوں تو یہ شخص حالف شمار نہ ہوگا۔

تشــریــح:۔(۱۹)اگر کسی نے یوں کہا کہ اگر میں نے یہ کام کیا تو میں یہودی ہوں یا کہا میں نصرانی ہوں یا کہا میں مجوسی یا مشرک یا کافر ہوں تو یہ یمین ہے اور یہ شخص حالف شمار ہوگا۔اور اگر یہ اس نے ایسے فعل کے بارے میں کہا جو اس سے پہلے وہ کر چکا ہے تو یہ یمین غموس ہے۔پھر اگر اسکو معلوم ہو کہ یہ یمین ہے تو بصورت حنث یہ کافر نہ ہوگا اور اگر اسکا اعتقاد ہو کہ ایسے حلف سے کافر ہو جاتا ہے تو کافر ہو

جائیگا کیونکہ اقدام علی الفعل کی وجہ سے یہ کفر پر راضی ہوا اور رضا بالکفر کفر ہے۔

(۲۰) اگر کسی نے کہا کہ اگر میں یہ کام کروں تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو یا اللہ کی ناراضی ہو یا میں زانی یا شراب خور یا سود خور ہوں تو یہ شخص حالف شمار نہ ہوگا کیونکہ ان الفاظ کے ساتھ قسم کھانا متعارف نہیں۔ اور اگر کہیں ان کے ساتھ قسم کھانا متعارف ہو تو یہ حالف ہوگا۔

(۲۱) وَكَفَّارَةُ الْيَمِيْنِ عِتْقُ رَقَبَةٍ يُجْزِئُ فِيْهَا مَا يُجْزِئُ فِي الظِّهَارِ (۲۲) وَإِنْ شَاءَ كَسَا عَشَرَةَ مَسَاكِيْنَ كُلَّ وَاحِدٍ ثَوْبًا فَمَا زَادَ وَأَدْنَاهُ مَا يَجُوْزُ فِيْهِ الصَّلٰوةُ (۲۳) وَإِنْ شَاءَ أَطْعَمَ عَشَرَةَ مَسَاكِيْنَ كَالْإِطْعَامِ فِي كَفَّارَةِ الظِّهَارِ (۲٤) فَإِنْ لَمْ يَقْدِرْ عَلٰى أَحَدِ هٰذِهِ الْأَشْيَاءِ الثَّلٰثَةِ صَامَ ثَلٰثَةَ أَيَّامٍ مُتَتَابِعَاتٍ (۲۵) فَإِنْ قَدَّمَ الْكَفَّارَةَ عَلَى الْحِنْثِ لَمْ يُجْزِهٖ۔

ترجمہ:۔ اور کفارہ یمین ایک غلام کا آزاد کرنا ہے اور کفایت کریگا اس میں وہ جو کفایت کریگا ظہار میں اور اگر چاہے تو دس مسکینوں کو کپڑا پہنائے ہر ایک کو ایک کپڑا دے یا زیادہ دیدے اور کم از کم مقدار اتنا کہ جس میں نماز پڑھنا جائز ہو اور اگر چاہے تو دس مسکینوں کو کھانا کھلائے جس طرح کہ کفارہ ظہار میں کھلاتا ہے اور اگر ان تین اشیاء میں سے کسی پر بھی قادر نہ ہو تو پے در پے تین روزے رکھے اور اگر حانث ہونے سے پہلے کفارہ دیدیا تو اس کے لئے کافی نہ ہوگا۔

تشریح:۔ (۲۱) کفارہ یمین ایک غلام کا آزاد کرنا ہے اور جو غلام کفارہ ظہار میں کفایت کریگا وہی کفارہ یمین میں بھی کفایت کردیگا یعنی غلام کا مسلمان ہونا شرط نہیں بلکہ مسلمان، کافر، چھوٹا، بڑا جو بھی ہو کافی ہے۔ (۲۲) اگر چاہے تو حانث فی القسم بطور کفارہ دس مسکینوں کو کپڑا پہنائے ہر ایک کو ایک کپڑا دے یا زیادہ دیدے۔ اور درمیانی درجہ کا کپڑا ہو جو کم از کم تین ماہ تک قابل استعمال ہو۔ اور کم از کم مقدار جو کفارہ میں کفایت کرتا ہے وہ اتنا کہ جس میں نماز پڑھنا جائز ہو۔

(۲۳) اگر چاہے تو بطور کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ پھر اگر گندم یا آٹا دینا ہو تو ہر ایک مسکین کو نصف صاع دیدے اور اگر جو یا کھجور دینا ہو تو ہر ایک مسکین کو ایک صاع (بحساب درہم ۲۷۰ تولہ اور بحساب مثقال ۲۷۳ تولہ) دیدے۔ یا ہر ایک مسکین کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے كَمَا مَرَّ فِي إِطْعَامِ الظِّهَارِ وَالْأَصْلُ فِيْهِ قَوْلُهُ تَعَالٰى ﴿فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِيْنَ﴾ (سو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو کھانا دینا)۔

(۲٤) اگر حانث فی القسم مذکورہ بالا تین اشیاء میں سے کسی پر بھی قادر نہ ہو تو پے در پے تین روزے رکھے لقولہ تعالیٰ ﴿فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ أَيَّامٍ﴾ (یعنی جس کو مقدور نہ ہو تو تین دن کے روزے ہیں) اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأۃ میں متتابعات کی قید بھی ہے۔ (۲۵) اگر کسی نے حانث ہونے سے پہلے کفارہ دیدیا تو جائز نہ ہوگا کیونکہ کفارہ اب تک واجب نہیں ہوا ہے اسلئے کہ کفارہ حنث کی وجہ سے واجب ہوتا ہے۔

☆ ☆ ☆

(۲۵)وَمَنْ حَلَفَ عَلٰى مَعْصِيَةٍ مِثْلُ اَنْ لايُصَلِّى اَوْلايُكَلِّمُ اَبَاهُ اَوْ لَيَقْتُلَنَّ فُلانًافَيَنْبَغِىْ اَنْ يَحْنَثَ نَفْسَهٗ وَيُكَفِّرَعَن يَمِيْنِهٖ (۲٦)وَاِذَاحَلَفَ الْكَافِرُ ثُمَّ حَنِثَ فِي حَالِ الْكُفْرِ اَوْ بَعْدَ اِسْلامِهٖ فَلاحِنْثَ عَلَيْهِ۔

ترجمه:۔اور جس نے گناہ پر قسم کھائی مثلاً کہاواللہ میں نماز نہیں پڑھونگایاواللہ میں اپنے باپ سے بات نہیں کرونگایاواللہ میں فلاں شخص کوقتل کرونگاتو مناسب ہے کہ یہ خودکوحانث کردے اوراپنی قسم کا کفارہ دیدے اوراگر کافر نے قسم کھائی پھرقسم توڑ دی حالت کفرہی میں یا مسلمان ہونے کے بعدتو یہ حانث نہیں ہوگا۔

تشریح:۔(۲۵)اگرکسی نے گناہ پرقسم کھائی مثلاً کہاواللہ میں نماز نہیں پڑھونگایاواللہ میں اپنے باپ سے بات نہیں کرونگایاواللہ میں آج فلاں شخص کوقتل کرونگاتو مناسب ہے بلکہ واجب ہے کہ یہ خودکوحانث کردے اپنی قسم کا کفارہ دیدے اورگناہ کا کام نہ کرے"لِقَوْلِهٖ ﷺمَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنٍ وَرَاَى غَيْرَهَا خَيْرًامِنْهَا فَلْيَاْتِ بِالَّذِیْ هُوَ خَيْرٌ ثُمَّ لِيُكَفِّرْ يَمِيْنَهٗ"(یعنی جس نے کسی بات پرقسم کھائی اوراسکے سوی دوسری بات بہتر دیکھی تو جس کوبہتر دیکھتاہے وہ کرے پھراپنی قسم کا کفارہ دیدے)۔

(۲٦)اگرکافر نے قسم کھائی پھرحالت کفرہی میں یامسلمان ہونے کے بعدقسم توڑ دی تو یہ حانث نہیں ہوگا کیونکہ کافرقسم کااہل نہیں اسلئے کہ قسم اللہ کی تعظیم کیلئے کھائی جاتی ہے وَمَعَ الْكُفْرِ لايَكُوْ نُ مُعَظِّماً۔

(۲۷)وَمَنْ حَرَّمَ عَلٰى نَفْسِهٖ شَيْأًمِمَّايَمْلِكُهٗ لَمْ يَصِرْ مُحَرَّمًا وَعَلَيْهِ اِنْ اِسْتَبَاحَهٗ كَفَّارَةُ يَمِيْنٍ (۲۸)فَاِنْ قَالَ كُلُّ حَلالٍ عَلَيَّ حَرَامٌ فَهُوَعَلَى الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ اِلَّااَنْ يَنْوِىَ غَيْرَذَالِكَ۔

ترجمه:۔اور جس نے خود پراپنی مملوکہ چیزحرام کردی تووہ حرام نہ ہوگی اوراگراس نے اس کومباح سمجھاتواس پرقسم کا کفارہ ہےاوراگر کسی نے کہاکہ ہرحلال چیز مجھ پرحرام ہےتو یہ قسم صرف کھانے اور پینے کی چیزوں پرواقع ہوگی الاّیہ کہ اس کے علاوہ کی بھی نیت کرلی ہو۔

تشریح:۔(۲۷)اگرکسی نے خود پراپنی مملوک چیزحرام کردی مثلاً کہا"هذاالطعام عليّ حرامٌ"تو حرام نہیں ہوگا بلکہ اگراب وہ اس طعام کواپنے لئے حلال قراردے تواس پرقسم کا کفارہ لازم ہوگا کیونکہ پیغمبرﷺ نے خود پرشہدحرام فرمایاتھاتواللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی تھی اور اسے قسم قراردیا قال تعالیٰ ﴿يٰاَيُّهَاالنَّبِىُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَااَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ..........قَدْفَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ الآية﴾۔(۲۸)اگرکسی نے کہاکہ ہرحلال چیز مجھ پرحرام ہےتو یہ قسم صرف کھانے اور پینے کی چیزوں پرواقع ہوگی الاّیہ کہ اس نے کھانے اور پینے کی چیزوں کے علاوہ اور چیزوں کی بھی نیت کرلی ہو۔ظاہرروایت تو یہی ہے۔لیکن متاخرین مشائخ فرماتے ہیں کہ اس قول سے بلانیت کے طلاق واقع ہوجائے گی کیونکہ لفظ تحریم کا غالب استعمال طلاق میں ہے وَعَلَيْهِ الْفَتْوٰى۔

(۲۹)وَمَنْ نَذَرَ نَذْراً مُطْلَقاً فَعَلَيْهِ الْوَفَاءُ بِهٖ (۳۰)وَاِنْ عَلَّقَ نَذْرَهٗ بِشَرْطٍ فَوُجِدَ الشَّرْطُ فَعَلَيْهِ الْوَفَاءُ بِنَفْسِ النَّذْرِ (۳۱)وَرُوِیَ اَنَّ اَبَاحَنِيْفَةَ رحمه الله رَجَعَ عَنْ ذَالِكَ وَقَالَ اِذَا قَالَ اِنْ فَعَلْتُ كَذَا فَعَلَيَّ حَجَّةٌ اَوْصَوْمُ سَنَةٍ اَوْ صَدَقَةُ مَا اَمْلِكُهٗ اَجْزَاهُ مِنْ ذَالِكَ كَفَّارَةُ يَمِيْنٍ وَهُوَقَوْلُ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰه۔

ترجمه:۔اور جس نے مطلق نذر کرلی تو ناذر پر اس نذر کو پورا کرنا واجب ہے اور اگر اس نے نذر کو شرط کے ساتھ معلق کیا پھر وہ شرط پائی گئی تو اس پر وفاء بالنذر واجب ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس سے رجوع کرلیا اور کہا ہے کہ اگر کسی نے کہا ''ان فعلت كذا فعليّ حجة'' یا کہا ''ان فعلت كذا فعليّ صوم سنة'' یا کہا ''ان فعلت كذافعليّ صدقة مااملكه'' تو ان تمام صورتوں میں کفارہ قسم دیدینا کافی ہوگا اور یہی امام محمد رحمہ اللہ کا قول ہے۔

تشریح:۔(۲۹)اگر کسی نے نذر مطلق (جو معلق بالشرط نہ ہو) کی اور منذور ایسا ہو کہ من جنسہ واجب ہو تو ناذر پر اس نذر کو پورا کرنا واجب ہے''لقوله عليه السلام مَنْ نَذَرَ وَسَمّٰى فَعَلَيْهِ الْوَفَاءُ بِمَانَذَرَ ''(یعنی جس نے کوئی نذر کی اور اس کو بیان کیا تو اس پر اپنی نذر کو پورا کرنا لازم ہے)۔

(۳۰)اگر اس نے نذر کو کسی شرط کے ساتھ معلق کیا پھر وہ شرط پائی گئی تو اس پر وفاء بالنذر واجب ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک معلق بالشرط غیر معلق بالشرط کی طرح ہے۔(۳۱)یہ بھی مروی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس سے رجوع کرلیا اور کہا ہے کہ اگر کسی نے کہا ''ان فعلت كذافعليّ حجة ''(اگر ایسا کروں تو مجھ پر حج ہے) یا کہا ''ان فعلت كذافعليّ صوم سنة ''(اگر ایسا کروں تو مجھ پر ایک سال کے روزے رکھنا ہے) یا کہا ''ان فعلت كذافعليّ صدقة مااملكه ''(اگر ایسا کروں تو مجھ پر اپنی تمام مملوکہ چیزوں کا صدقہ کرنا ہے) تو ان تمام صورتوں میں کفارہ قسم دیدینا کافی ہوگا۔یہی امام محمد رحمہ اللہ کا قول ہے۔

(۳۲)وَمَنْ حَلَفَ لَايَدْخُلُ بَيْتاً فَدَخَلَ الْكَعْبَةَ اَوِ الْمَسْجِدَ اَوِ الْبِيْعَةَ اَوِ الْكَنِيْسَةَ لَمْ يَحْنَثْ (۳۳)وَمَنْ حَلَفَ اَنْ لَايَتَكَلَّمَ فَقَرَأَ الْقُرْآنَ فِي الصَّلٰوةِ لَمْ يَحْنَثْ۔

ترجمه:۔اور جس نے قسم کھائی کہ واللہ میں بیت میں داخل نہ ہونگا پھر وہ کعبہ شریف میں یا مسجد میں یا بیعہ یا کلیسہ میں داخل ہوا تو حانث نہ ہوگا اور جس نے قسم کھائی کہ میں کلام نہیں کرونگا پھر اس نے نماز میں قرآن مجید پڑھا تو حانث نہ ہوگا۔

تشریح:۔(۳۲)اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں بیت میں داخل نہ ہونگا پھر وہ کعبہ شریف میں یا مسجد میں یا بیعہ (گرجا۔عیسائیوں کی عبادت گاہ) یا کلیسہ (یہودیوں کی عبادت گاہ) میں داخل ہوا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ بیت اس مقام کو کہتے ہیں جہاں رات گذاری جاتی ہے جبکہ مذکورہ بالا مقامات رات گذارنے کیلئے نہیں بنائے گئے ہیں لہذا ان میں دخول دخول فی البیت شمار نہ ہوگا۔

(۳۳)اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں کلام نہیں کرونگا پھر اس نے نماز میں قرآن مجید پڑھا تو حانث نہ ہوگا۔اور اگر نماز سے باہر پڑھا تو حانث ہو جائیگا کیونکہ نماز کے اندر قرآن پڑھنا نہ عرفاً کلام ہے اور نہ شرعاً۔ایک قول یہ ہے کہ ہمارے عرف میں مطلقاً حانث

نہ ہوگا کیونکہ قرآن مجید پڑھنے والے کو متکلم نہیں بلکہ قاری کہتے ہیں۔

(۳۴)وَمَنْ حَلَفَ لایَلْبَسُ هذَاالثَوْبَ وهو لابِسُهُ فَنَزَعَهُ فِی الْحَالِ لَمْ یَحْنَثْ (۳۵)وَکَذٰلِکَ اِذَا حَلَفَ لایَرْکَبُ هٰذِهِ الدَّابَةَ وهُوَ رَاکِبُهَافَنَزَلَ فِی الْحَالِ لَمْ یَحْنَثْ (۳۶)وانْ لَبِثَ سَاعَةً حَنِثَ۔

ترجمہ:۔ اور جس نے قسم کھائی کہ یہ کپڑا نہیں پہنوں گا اور حال یہ کہ وہ اسکو پہنا ہوا ہے اور فی الحال وہ کپڑا اتار دیا تو حانث نہ ہوگا اور اسی طرح اگر قسم کھائی کہ اس جانور پر سوار نہ ہونگا اور حال یہ کہ وہ اس پر سوار ہے اور اسی وقت اُتر گیا تو حانث نہ ہوگا اور اگر تھوڑی دیر کیلئے اسی حالت پر برقرار رہا تو حانث ہو جائیگا۔

تشریح:۔ (۳۴) اگر کسی نے معین کپڑے کے بارے میں کہا واللہ میں اس کو نہیں پہنوں گا اور حال یہ ہے کہ وہ اسکو پہنا ہوا ہے اور قسم کے متصل اس کے اتارنے میں لگ گیا تو حانث نہ ہوگا۔ (۳۵) اسی طرح سواری پر سوار ہے اور کہنے لگا واللہ میں اس پر سوار نہ ہونگا اور اسی وقت اُتر گیا تو بھی حانث نہ ہوگا کیونکہ محلوف علیہ کے ارتکاب سے حتی المقدور بچ گیا اور غیر مقدور عرفاً مستثنیٰ ہے کیونکہ یمین پورا کرنے کیلئے منعقد کی جاتی ہے حنث کیلئے نہیں۔ (۳۶) اور اگر تھوڑی دیر کیلئے اسی حالت پر برقرار رہا تو حانث ہو جائیگا۔

(۳۷)وَمَنْ حَلَفَ لایَدْخُلُ هٰذِهِ الدَّارَوهو فِیْهَالم یَحْنَثْ بِالْقُعُوْدِ حَتّٰی یَخْرُجَ ثُمَّ یَدْخُلَ (۳۸)وَمَنْ حَلَفَ لایَدْخُلُ دَارًافَدَخَلَ دَارًاخَرَابًالم یَحْنَثْ (۳۹)وَمَنْ حَلَفَ لایَدْخُلُ هٰذِهِ الدَّارَفَدَخَلَهَابَعْدَ مَا انْهَدَمَتْ وصَارَتْ صَحْرَاءَ حَنِثَ (۴۰)وَمَنْ حَلَفَ لایَدْخُلُ هٰذَاالْبَیْتَ فَدَخَلَ بَعْدَ مَا انْهَدَمَ لَمْ یَحْنَثْ۔

ترجمہ:۔ اور جس نے قسم کھائی کہ میں اس گھر میں داخل نہ ہونگا اور حال یہ کہ وہ اس گھر میں ہے تو مزید اس میں بیٹھنے سے حانث نہ ہوگا یہاں تک کہ نکلے اور پھر داخل ہو جائے اور جس نے قسم کھائی کہ میں دار میں داخل نہیں ہونگا پھر ویران دار میں داخل ہوا تو حانث نہ ہوگا اور جس نے قسم کھائی کہ میں اس دار میں داخل نہیں ہونگا پھر اس کی عمارت منہدم ہو جانے کے بعد اس میدان میں داخل ہوا تو حانث ہو جائیگا اور جس نے قسم کھائی کہ میں اس بیت میں داخل نہیں ہونگا پھر بیت منہدم ہو جانے کے بعد داخل ہوا تو حانث نہ ہوگا۔

تشریح:۔ (۳۷) اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں اس گھر میں داخل نہ ہونگا اور حال یہ ہے کہ وہ اس گھر میں ہے تو مزید اس میں بیٹھنے سے حانث نہ ہوگا یہاں تک کہ نکلے اور پھر داخل ہو جائے کیونکہ دخول کیلئے دوام نہیں اسلئے کہ دخول تو انفصال من الخارج الی الداخل ہے اور بیٹھے رہنے میں یہ معنی نہیں پایا جاتا لہذا حانث نہ ہوگا۔

(۳۸) اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں دار میں داخل نہیں ہونگا دار کو نکرہ ذکر کیا تو ویران دار میں داخل ہونے سے حانث نہ ہوگا کیونکہ جب اس نے دار کو متعین نہیں کیا تو دار سے مراد ایسا دار ہے جس میں دخول معتاد ہو کیونکہ اَیمان مبنی بر عرف ہیں۔ (۳۹) اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں اس دار میں داخل نہیں ہونگا دار کو متعین کر کے ذکر کیا پھر اس کی عمارت منہدم ہو جانے کے بعد اس میدان میں داخل ہوا تو حانث ہو جائیگا کیونکہ عربوں اور عجمیوں کے نزدیک دار اس صحن و میدان کا نام ہے جس پر عمارت بنائی جاتی ہے۔

(۴۰) اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں اس بیت میں داخل نہیں ہونگا پھر بیت منہدم ہوکر میدان ہو جانے کے بعد داخل ہوا تو حانث نہیں ہوگا کیونکہ اس سے اب اسم بیت زائل ہوگیا اسلئے کہ اب اس میں رات نہیں گذاری جاتی ہے۔

(۴۱) وَمَنْ حَلَفَ لايُكَلِّمُ زَوْجَةَ فُلانٍ فَطَلَّقَهَا فُلانٌ ثم كَلَّمَهَا حَنِثَ (۴۲) ومن حَلَفَ اَنْ لايُكَلِّمَ عَبْدَفُلانٍ اَوْ لايَدْخُلَ دَارَفلانٍ فَبَاعَ فُلانٌ عَبْدَه اَوْ دَارَهُ ثُمّ كَلَّمَ وَدَخَلَ الدّارَلَمْ يَحْنَثْ۔

ترجمہ:۔اور جس نے قسم کھائی کہ واللہ میں فلاں کی بیوی کے ساتھ کلام نہیں کرونگا پس اس نے اسکو طلاق دیدی پھر حالف نے اس کے ساتھ کلام کیا تو حانث ہو جائیگا اور جس نے قسم کھائی کہ واللہ میں فلاں کے غلام کے ساتھ بات نہیں کرونگا یا فلاں کے گھر میں داخل نہیں ہونگا پھر فلاں نے اپنا اس غلام یا گھر کو فروخت کیا پھر حالف نے غلام کے ساتھ بات کی اور گھر میں داخل ہوا تو حانث نہ ہوگا۔

تشریح:۔(۴۱) اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں فلاں کی معین بیوی کے ساتھ کلام نہیں کرونگا پھر اسکے زوج نے اسکو طلاق بائن دیدی اب حالف نے اس کے ساتھ کلام کیا تو حانث ہو جائیگا کیونکہ زوج کی طرف نسبت صرف پہچان کیلئے ہے مقصود بالھجران عورت ہی ہے اسلئے کہ عورت سے اسکو ذاتی نفرت ہے۔

(۴۲) اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں فلاں کے غلام کے ساتھ بات نہیں کرونگا یا فلاں کے گھر میں داخل نہیں ہونگا پھر فلاں نے اس غلام یا گھر کو فروخت کیا اور حالف نے غلام کے ساتھ بات کی یا گھر میں داخل ہوا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ غلام اور گھر ذاتاً مقصود بالھجران نہیں بلکہ مالک کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے قصد ہجران کیا ہے۔

(۴۳) وَاِنْ حَلَفَ لايُكَلِّمُ صَاحِبَ هذَا الطَّيْلَسَانِ فَبَاعَهُ ثُمّ كَلَّمَهُ حَنِثَ (۴۴) وكَذَالِكَ اِذَا حَلَفَ اَنْ لايُكَلِّمَ هذَا الشّابَ فَكَلَّمَهُ بَعْدَ مَا صَارَ شَيْخًا حَنِثَ (۴۵) واِنْ حَلَفَ اَنْ لاياْكُلَ لَحْمَ هذَا الْحَمْلِ فَصَارَ كَبْشًا فَاَكَلَهُ حَنِثَ۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں اس چادر والے کے ساتھ بات نہیں کرونگا پس اس نے چادر فروخت کیا پھر حالف نے اس کے ساتھ بات کرلی تو حانث ہو جائیگا اور اسی طرح اگر قسم کھائی کہ واللہ میں اس جوان کے ساتھ بات نہیں کرونگا پھر بوڑھا ہونے کے بعد حالف نے اس کے ساتھ بات کرلی تو حانث ہو جائیگا اور اگر قسم کھائی کہ واللہ میں اس حمل کا گوشت نہیں کھاؤنگا پھر وہ دنبہ بن گیا اب حالف نے اس کا گوشت کھالیا تو حانث ہو جائیگا۔

تشریح:۔(۴۳) اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں اس چادر والے کے ساتھ بات نہیں کرونگا پھر اس نے چادر فروخت کیا اب حالف نے اس کے ساتھ بات کرلی تو حانث ہو جائیگا کیونکہ چادر کی وجہ سے کوئی کسی کے ساتھ دشمنی نہیں کرتا لہٰذا یہ اضافت صرف تعریف کیلئے ہے۔

(۴۴) اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں اس جوان کے ساتھ بات نہیں کرونگا پھر بوڑھا ہونے کے بعد حالف نے اس کے ساتھ بات کرلی۔(۴۵) یا کہا واللہ میں اس حمل کا گوشت نہیں کھاؤنگا پھر وہ دنبہ بن گیا اب حالف نے اس کا گوشت کھالیا تو ان دونوں صورتوں میں حانث ہو جائیگا کیونکہ جوان کے ساتھ بات کرنے سے رکنا یا حمل کے گوشت کھانے سے رکنا انکی ذات کی وجہ سے تھا انکی

صفت جوانی یا حمل کی وجہ سے نہیں تھا کیونکہ یہ صفات داعی للیمین نہیں۔

(٤٦)وَاِنْ حَلَفَ لایَاکُل مِنْ هٰذِهِ النَّخْلَةِ فهو عَلٰی ثَمَرِهَا (٤٧)وَمَنْ حَلَفَ اَنْ لایَاکُلَ مِنْ هٰذَا الْبُسْرِ فَصَارَ رُطَبًافَاَکَلَهُ لَمْ یَحْنَثْ۔

ترجمہ:۔ اور اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں اس کھجور سے نہ کھاؤنگا تو یہ قسم اسکے میوے پر واقع ہوگی اور جس نے قسم کھائی کہ واللہ میں اس بسر سے نہیں کھاؤنگا پھر رطب ہوگیا اور اس نے کھالیا تو حانث نہ ہوگا۔

تشریح:۔ (٤٦) اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں اس کھجور سے نہ کھاؤنگا تو کھجور کا درخت کھانے سے حانث نہ ہوگا بلکہ اس کا پھل کھانے سے حانث ہو جائیگا کیونکہ درخت ما کولی چیز نہیں لہذا اس کا پھل مراد ہوگا۔ اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں اس بسر (کچی کھجور) سے نہیں کھاؤنگا پھر رطب (تازہ پکی کھجور) ہونے کے بعد کھایا۔ (٤٧) یا کہا واللہ میں یہ رطب کھجور نہیں کھاؤنگا پھر تمر (خشک کھجور) ہونے کے بعد کھایا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ کچا ہونا یا تازہ پختہ ہونا ایسی صفات ہیں جو کبھی داعی للیمین ہوتی ہیں لہذا قسم اسی صفت کی بقاء تک رہے گی۔

(٤٨)وَاِنْ حَلَفَ لایَاکُلُ بُسْرًافَاَکَلَ رُطَبًالم یَحْنَثْ (٤٩)وَاِنْ حَلَفَ اَنْ لایَاکُلَ رُطَبًافَاَکَلَ بُسْرًا مُذَنِّبًا حَنِثَ عِنْدَابِی حَنِیْفَةَ رحِمَهُ اللّٰهُ۔

ترجمہ:۔ اور اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں بسر نہیں کھاؤنگا پھر رطب کھجور کھایا تو حانث نہ ہوگا اور اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں رطب نہیں کھاؤنگا پھر اس نے بسر مذنب کھایا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حانث ہو جائیگا۔

تشریح:۔ (٤٨) اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں بسر (بالتنکیر) نہیں کھاؤنگا پھر رطب کھجور کھائی تو حانث نہ ہوگا کیونکہ یہ بسر نہیں۔ (٤٩) اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں رطب (تازہ پکی کھجور) نہیں کھاؤنگا پھر اس نے بسر مذنب (جو کھجور کہ دم کی طرف سے پک گئی ہو اور باقی کچی ہو) کھایا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حانث ہو جائیگا کیونکہ بسر مذنب کھانے سے یہ شخص بسر و رطب دونوں کے کھانے والا شمار ہوگا کیونکہ دونوں کا کھانا مقصود ہے لہذا حانث ہو جائیگا۔

(٥٠)وَمَنْ حَلَفَ لایَاکُلُ لَحْمًا فَاَکَلَ لَحْمَ السَّمَکِ لَمْ یَحْنَثْ۔

ترجمہ:۔ اور جس نے قسم کھائی کہ واللہ میں گوشت نہیں کھاؤنگا پھر اس نے مچھلی کا گوشت کھایا تو حانث نہ ہوگا۔

تشریح:۔ (٥٠) اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں گوشت نہیں کھاؤنگا پھر اس نے مچھلی کا گوشت کھایا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ عرف و عادت میں لفظ لحم مچھلی کو شامل نہیں اور ایمان مبنی بر عرف ہیں۔

(۵۱) وَمَنْ حَلَفَ لَایَشْرَبُ مِنْ دَجْلَةَ فَشَرِبَ مِنْهَا بِالْاِنَاءِ لَمْ یَحْنَثْ حَتّٰی یَکْرَعَ مِنْهَا کَرْعًا عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ (۵۲) وَمَنْ حَلَفَ اَنْ لَایَشْرَبَ مِنْ مَاءِ دَجْلَةَ فَشَرِبَ مِنْهَا بِالْاِنَاءِ حَنِثَ۔

ترجمہ:۔ اور جس نے قسم کھائی کہ واللہ میں دجلہ سے نہیں پیونگا پھر برتن میں دجلہ کے پانی اٹھا کر پیا تو حانث نہ ہوگا یہاں تک کہ منہ ڈال کر پئے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اور جس نے قسم کھائی کہ واللہ میں دریا دجلہ کا پانی نہیں پیونگا پھر دجلہ کے پانی برتن میں اٹھا کر پیا تو حانث ہو جائیگا۔

تشریح:۔ (۵۱) اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں دجلہ (عراق کا مشہور دریا ہے) سے نہیں پیونگا پھر برتن میں دجلہ کا پانی اٹھا کر پیا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ حقیقۃً محلوف علیہ نہ پایا گیا لہذا حانث نہ ہوگا۔ البتہ اگر منہ ڈال کر پیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حانث ہو جائیگا کیونکہ منہ ڈال کر پینا حقیقتِ مستعملہ ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یمین حقیقت مستعملہ پر محمول ہوگی (یہی قول راجح ہے)۔

(۵۲) اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں دریا دجلہ کا پانی نہیں پیونگا پھر دجلہ کے پانی برتن میں اٹھا کر پیا تو حانث ہو جائیگا کیونکہ یہ قسم ایسے پانی پر منعقد ہوئی ہے جو دجلہ کی طرف منسوب ہے تو برتن میں اٹھانے کے بعد بھی وہ پانی دجلہ ہی کا پانی ہے۔

(۵۳) وَلَوْ حَلَفَ لَایَاْکُلُ مِنْ هٰذِهِ الْحِنْطَةِ فَاَکَلَ مِنْ خُبْزِهَا لَمْ یَحْنَثْ (۵۴) وَلَوْ حَلَفَ اَنْ لَایَاْکُلَ مِنْ هٰذَا الدَّقِیْقِ فَاَکَلَ مِنْ خُبْزِهٖ حَنِثَ (۵۵) وَلَوِ اسْتَفَّهُ کَمَا هُوَ لَمْ یَحْنَثْ۔

ترجمہ:۔ اور اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں اس گندم سے نہ کھاؤنگا پھر اسکی روٹی کھائی تو حانث نہ ہوگا اور اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں اس آٹے سے نہ کھاؤنگا پھر اسکی روٹی کھائی تو حانث ہو جائیگا اور اگر اس نے آٹا ہی پھانک لیا تو حانث نہ ہوگا۔

تشریح:۔ (۵۳) اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں اس گندم سے نہ کھاؤنگا پھر اسکی روٹی کھائی تو حانث نہ ہوگا۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک ہے کیونکہ گندم کیلئے حقیقت مستعملہ ہے اسلئے کہ گندم بھون کر چبا کر کھائے جاتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حقیقتِ مستعملہ مجاز متعارف سے اولیٰ ہے۔

(۵۴) اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں اس آٹے سے نہ کھاؤنگا پھر اسکی روٹی کھائی تو حانث ہو جائیگا کیونکہ بعینہ آٹے کا کھانا متعارف نہیں لہذا قسم اس چیز کی طرف پھرائی جائے گی جو آٹے سے بنائی جاتی ہے۔ (۵۵) اور اگر اس نے آٹا ہی پھانک لیا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ یہاں آٹے سے مجازاً روٹی مراد ہونا متعین ہے۔

(۵۶) وَاِنْ حَلَفَ لَایُکَلِّمُ فُلَانًا فَکَلَّمَهُ وَهُوَ بِحَیْثُ یَسْمَعُ اِلَّا اَنَّهُ نَائِمٌ حَنِثَ (۵۷) وَاِنْ حَلَفَ اَنْ لَا یُکَلِّمَهُ اِلَّا بِاِذْنِهٖ فَاَذِنَ لَهُ وَلَمْ یَعْلَمْ بِالْاِذْنِ حَتّٰی کَلَّمَهُ حَنِثَ۔

ترجمہ:۔ اور اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں فلاں کے ساتھ بات نہیں کرونگا پھر حالف نے اس سے اس طرح باتیں کیں کہ وہ سن سکتا ہے مگر وہ سویا ہوا ہے تو حانث ہو جائیگا اور اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں فلاں کے ساتھ کلام نہیں کرونگا مگر اسکی اجازت سے پھر اس

نے اجازت دیدی مگر حالف کو اجازت کی خبر نہیں یہاں تک کہ حالف نے اسکے ساتھ بات کر لی تو حانث ہو جائیگا۔

تشریح :۔(۵۶) اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں فلاں کے ساتھ بات نہیں کرونگا پھر حالف نے اس طرح بات کیں کہ وہ سن سکتا ہے مگر وہ حالت نیند میں ہونے کی وجہ سے نہیں سنتا ہے تو حالف حانث ہو جائیگا کیونکہ حالف نے اسکے ساتھ کلام کر لیا اور وہ اسکے کان تک پہنچ بھی گیا ولیکن صرف بوجہ نیند سمجھا نہیں۔

(۵۷) اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں فلاں کے ساتھ کلام نہیں کرونگا مگر اسکی اجازت سے پھر اس نے اجازت دیدی مگر حالف کو اجازت کی خبر نہیں یہاں تک کہ حالف نے اسکے ساتھ بات کر لی تو حانث ہو جائیگا کیونکہ اِذن آذان سے مشتق ہے جو بمعنی آگاہ کرنا ہے اور آگاہ کرنا بغیر سننے کے متحقق نہیں ہوتا جبکہ اس نے سنا کچھ نہیں ہے۔

(۵۸) وَاِذَا اسْتَحْلَفَ الْوَالِیْ رَجُلاً لِیُعْلِمَهُ بِکُلِّ دَاعِرٍ دَخَلَ الْبَلَدَفَهُوَ عَلٰی حَالِ وِلَایَتِهٖ خَاصَّةً۔

ترجمہ :۔اور اگر حاکم نے کسی سے قسم لی کہ مجھے اطلاع کرو گے ہر اس مفسد شخص کی جو شہر میں داخل ہو تو یہ قسم خاص کر حاکم کی حکومت کی بقاء تک ہے۔

تشریح :۔(۵۸) اگر حاکم نے کسی سے قسم لی کہ جو مفسد شخص شہر میں داخل ہوگا اس کی اطلاع کرو گے تو یہ قسم خاص کر حاکم کی حکومت کی بقاء تک ہے کیونکہ حاکم کا مقصود اس سے مفسدین کے فساد کو دفع کرنا ہے اور یہ دوران حکومت میں ہوتا ہے بعد از حکومت دفع فساد اس کے لئے ممکن نہیں۔لہذا اگر حاکم مر گیا یا معزول ہوا تو یمین ختم ہو جائیگا اور اگر دوبارہ حاکم بنا تو قسم عود نہیں کریگی۔

(۵۹) وَمَنْ حَلَفَ لَایَرْکَبُ دَابَّةَ فُلَانٍ فَرَکِبَ دَابَّةَ عَبْدِهِ الْمَاذُوْنِ لَمْ یَحْنَثْ۔

ترجمہ :۔اور جس نے قسم کھائی کہ واللہ میں فلاں کے جانور پر سوار نہ ہونگا پھر اسکے ماذون غلام کے جانور پر سوار ہوا تو حانث نہ ہوگا۔

تشریح :۔(۵۹) اگر کسی کے قسم کھائی کہ واللہ میں فلاں کے جانور پر سوار نہ ہونگا پھر اسکے ماذون غلام کے جانور پر سوار ہوا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ غلام کا جانور بھی اگر چہ مولیٰ کا جانور ہے مگر عرف میں اسے غلام کا جانور کہلاتا ہے۔

(۶۰) وَمَنْ حَلَفَ لَایَدْخُلُ هٰذِهِ الدَّارَ فَوَقَفَ عَلٰی سَطْحِهَا اَوْ دَخَلَ دِهْلِیْزَ هَا حَنِثَ (۶۱) وَاِنْ وَقَفَ فِیْ طَاقِ الْبَابِ بِحَیْثُ اِذَا اُغْلِقَ الْبَابُ کَانَ خَارِجًا لَمْ یَحْنَثْ۔

ترجمہ :۔اور جس نے قسم کھائی کہ واللہ میں اس دار میں داخل نہ ہونگا پھر اس کی چھت پر چڑھ گیا تو حانث ہو جائیگا یا دار کی دہلیز میں داخل ہوا تو حانث ہو جائیگا اور اگر دروازے کے طاق میں کھڑا ہو یوں کہ اگر دروازہ بند کیا جائے تو وہ باہر رہ جائے تو حانث نہ ہوگا۔

تشریح :۔(۶۰) اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں اس دار میں داخل نہ ہونگا پھر باہر سے اس کی چھت پر چڑھ گیا تو حانث ہو جائیگا کیونکہ چھت دار ہی میں سے ہے۔اسی طرح اگر یہ شخص دار کی دہلیز (چوکھٹ) میں داخل ہوا تو بھی حانث ہو جائیگا۔(۶۱) البتہ اگر دروازے کے طاق یعنی محرابی میں کھڑا ہو یوں کہ اگر دروازہ بند کیا جائے تو وہ باہر رہ جائے تو حانث نہ ہوگا کیونکہ دروازہ دار و مافیہا کی حفاظت کیلئے

ہے لہذا اُدرواز ے سے باہر جو مقام ہو وہ دار میں سے نہیں۔

(٦٢)وَمَنْ حَلَفَ لايَاكُلُ الشِّوَاءَ فَهُوَ عَلَى اللَّحْمِ دُوْنَ الْبَاذِنْجَانِ وَ الْجَزَرِ(٦٣)وَمَنْ حَلَفَ اَنْ لايَاكُلَ الطَّبِيْخَ فَهُوَ عَلَى مَا يُطْبَخُ مِنَ اللَّحْمِ (٦٤)وَمَنْ حَلَفَ اَنْ لايَاكُلَ الرُّؤُسَ فَيَمِيْنُهُ عَلَى مَا يُكْبَسُ فِي التَّنَانِيْرِ وَيُبَاعُ فِي الْمِصْرِ۔

ترجمہ:۔ اور جس نے قسم کھائی کہ واللہ میں بُھنا ہوا نہ کھاؤنگا تو یہ قسم گوشت پر ہوگی بینگن ،گاجر پر نہ ہوگی اور جس نے قسم کھائی کہ واللہ میں طبیخ نہ کھاؤنگا تو یہ قسم ایسے گوشت پر ہوگی جو پکایا جاتا ہے اور جس نے قسم کھائی کہ واللہ میں سری نہیں کھاؤنگا تو اس کی قسم اس سری پر واقع ہوگی جو تنوروں میں پکائی جاتی ہے اور شہر میں فروخت کی جاتی ہے۔

تشریح:۔(٦٢) اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں بُھنا ہوا نہ کھاؤنگا تو یہ قسم صرف گوشت پر ہوگی بینگن ،گاجر وغیرہ پر نہ ہوگی کیونکہ مطلق بُھنا ہوا کہنے سے مراد بُھنا ہوا گوشت ہوتا ہے۔(٦٣) اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں طبیخ (پکا ہوا) نہ کھاؤنگا تو یہ قسم استحساناً گوشت پر ہوگی اِعْتِبَاراً لِلْعُرْفِ۔(٦٤) اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں سری نہیں کھاؤنگا تو چڑیا ،ٹڈی وغیرہ کے سروں پر یہ قسم نہ ہوگی بلکہ یہ قسم اس سری پر واقع ہوگی جو تنوروں میں ڈال کر پکائی جاتی ہے اور شہر میں فروخت کی جاتی ہے کیونکہ یہی متعارف ہے۔

(٦٥)وَمَنْ حَلَفَ لايَاكُلُ الْخُبْزَ فَيَمِيْنُهُ عَلَى مَا يَعْتَادُاَهْلُ الْبَلَدِاَكْلُهُ خُبْزاً(٦٦)فَاِنْ اَكَلَ خُبْزَ الْقَطَائِفِ اَوْ خُبْزَ الْاَرُزِّبِالْعِرَاقِ لَمْ يَحْنَثْ۔

ترجمہ:۔ اور جس نے قسم کھائی کہ واللہ میں روٹی نہیں کھاؤنگا تو یہ قسم اس روٹی پر واقع ہوگی جو حالف کے شہر والے اپنی عادت میں روٹی کے طور پر کھاتے ہوں پس اگر اس نے مغز بادام یا چاول کی روٹی عراق میں کھائی تو حانث نہ ہوگا۔

تشریح:۔(٦٥) اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں روٹی نہیں کھاؤنگا تو حالف کے شہر والے اپنی عادت میں جس کو روٹی کے طور پر کھاتے ہوں اسی پر یہ قسم واقع ہوگی کیونکہ باب قسم میں عرف ہی معتبر ہے۔(٦٦) پس اگر اس نے مغز بادام یا چاول کی روٹی عراق میں کھائی تو حانث نہ ہوگا کیونکہ قطائف مطلق روٹی کو نہیں کہتے ہیں۔اسی طرح اگر مذکورہ بالا قسم کھانے والے نے عراق میں چاول کی روٹی کھائی تو بھی حانث نہ ہوگا کیونکہ عراق میں چاول کی روٹی کھانے کی عادت نہیں۔

(٦٧)وَمَنْ حَلَفَ لايَبِيْعَ وَلايَشْتَرِيْ اَوْلا يُؤَاجِرُ فَوَكَّلَ مَنْ فَعَلَ ذَالِكَ لَمْ يَحْنَثْ۔

ترجمہ:۔ اور جس نے قسم کھائی کہ واللہ میں خرید وفروخت نہیں کرونگا یا واللہ میں اجارہ نہیں کرونگا پھر اس نے کسی کو وکیل بنایا جس نے یہ کام کیا تو حالف حانث نہ ہوگا۔

تشریح:۔(٦٧) اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں خرید وفروخت نہیں کرونگا یا واللہ میں اجارہ نہیں کرونگا پھر اس نے کسی کو وکیل بنایا جس نے یہ کام کیا تو حالف حانث نہ ہوگا کیونکہ یہ عقد وکیل نے کیا ہے اور اسکے حقوق بھی بذمہ وکیل ہیں حالف نے نہ یہ عقد کیا ہے اور نہ اسکے حقوق بذمہ حالف ہیں۔

(٦٨)وَمَنْ حَلَفَ لَايَتَزَوَّجُ اَوْ لَايُطَلِّقُ اَوْ لَايُعْتِقُ فَوَكَّلَ بِذٰلِكَ حَنِثَ۔

ترجمہ:۔ اور جس نے کھائی کہ واللہ میں نکاح نہیں کرونگا یا طلاق نہیں دونگا یا غلام کو آزاد نہیں کرونگا پھر اس نے کسی کو ان کاموں کیلئے وکیل بنایا تو حانث ہو جائیگا۔

تشریح:۔ (٦٨) اگر کسی نے کہا واللہ میں نکاح نہیں کرونگا یا واللہ میں طلاق نہیں دونگا یا واللہ میں غلام کو آزاد نہیں کرونگا پھر اس نے کسی کو ان کاموں کیلئے وکیل بنایا تو وکیل کے کرنے سے حالف حانث ہو جائیگا کیونکہ مذکورہ معاملوں میں وکیل کی حیثیت محض سفیر اور معبّر کی ہے اور انکے حقوق بذمہ موکل ہیں نہ کہ بذمہ وکیل تو گویا خود موکل نے مباشرت کی ہے۔

(٦٩)وَمَنْ حَلَفَ لَايَجْلِسُ عَلَى الْاَرْضِ فَجَلَسَ عَلٰى بِسَاطٍ اَوْ عَلٰى حَصِيْرٍ لَمْ يَحْنَثْ (٧٠)وَمَنْ حَلَفَ اَنْ لَايَجْلِسَ عَلٰى سَرِيْرٍ فَجَلَسَ عَلٰى سَرِيْرٍ فَوْقَهٗ بِسَاطٌ حَنِثَ (٧١)وَاِنْ جَعَلَ فَوْقَهٗ سَرِيْرًا آخَرَ فَجَلَسَ عَلَيْهِ لَمْ يَحْنَثْ (٧٢)وَاِنْ حَلَفَ اَنْ لَايَنَامَ عَلٰى فِرَاشٍ فَنَامَ عَلَيْهِ وَفَوْقَهٗ قِرَامٌ حَنِثَ (٧٣)وَاِنْ جَعَلَ فَوْقَهٗ فِرَاشًا آخَرَ فَنَامَ عَلَيْهِ لَمْ يَحْنَثْ۔

ترجمہ:۔ اور جس نے قسم کھائی کہ واللہ میں زمین پر نہیں بیٹھونگا پھر بچھونے یا چٹائی پر بیٹھ گیا تو حانث نہ ہوگا اور جس نے قسم کھائی کہ واللہ میں تخت پر نہیں بیٹھونگا پھر ایسے تخت پر بیٹھا جس پر بچھونا ہو تو حانث ہو جائیگا اور اگر تخت پر ایک اور تخت رکھا پھر اس پر بیٹھ گیا تو حانث ہو جائیگا اور اگر قسم کھائی کہ واللہ میں معین بستر ے پر نہیں سوؤنگا پھر اسی بستر ے پر اس حال میں سو گیا کہ اس پر چادر بچھا ہوا ہو تو حانث ہو جائیگا اور اگر اس بستر ے پر ایک اور بسترا بچھا دیا پھر اس پر سو گیا تو حانث نہ ہوگا۔

تشریح:۔ (٦٩) اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں زمین پر نہیں بیٹھونگا پھر بچھونے یا چٹائی پر بیٹھ گیا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ بچھونے اور چٹائی پر بیٹھنے والے کو زمین پر بیٹھنے والا نہیں کہا جاتا ہے۔ (٧٠) اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں تخت پر نہیں بیٹھونگا پھر ایسے تخت پر بیٹھا جس پر بچھونا یا چٹائی ہو تو حانث ہو جائیگا کیونکہ اس کو عرف میں جالس علی السریر کہا جاتا ہے۔ (٧١) اگر تخت پر ایک اور تخت رکھا پھر اس پر بیٹھ گیا تو حانث ہو جائیگا کیونکہ شئ اپنی مثل کا تابع نہیں ہوتی پس نوم کی نسبت اول کی طرف نہیں ثانی کی طرف ہوتی ہے۔

(٧٢) اگر کہا کہ واللہ میں معین بستر ے پر نہیں سوؤنگا پھر اسی بستر ے پر اس حال میں سو گیا کہ اس پر چادر بچھا ہوا تھا تو حانث ہو جائیگا کیونکہ چادر بستر ے کا تابع ہے لہذا اس کو نائم علی الفراش کہا جائیگا۔ (٧٣) اور اگر اس بستر ے پر ایک اور بسترا بچھا دیا پھر اس پر سو گیا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ مثل شئ شئ کا تابع نہیں ہوتا لہذا سونے کی نسبت اب ثانی کی طرف ہے اول کی طرف نہیں۔

(٧٤)وَمَنْ حَلَفَ بِيَمِيْنٍ وَقَالَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مُتَّصِلًا بِيَمِيْنِهٖ فَلَاحِنْثَ عَلَيْهِ (٧٥)وَاِنْ حَلَفَ لَيَاْتِيَنَّهٗ اِنِ اسْتَطَاعَ فَهٰذَا عَلَى اسْتِطَاعَةِ الصِّحَّةِ دُوْنَ الْقُدْرَةِ۔

ترجمہ:۔ اور جس نے کسی کام پر قسم کھائی اور قسم کے متصل انشاء اللہ کہا تو اس پر حنث نہیں اور اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں ضرور

تیرے پاس آونگا اگر مجھے استطاعت ہوتو استطاعت سے صحت مراد ہوگی قدرت حقیقیہ مراد نہ ہوگی۔

تشریح:۔(۷۴) اگر کسی نے کسی کام پر قسم کھائی متصل قسم سے پہلے یا بعد میں انشاءاللہ کہا تو اس کام کے کرنے سے حانث نہ ہوگا "لقولہ صلّی اللّٰہ علیہ وَسَلّمَ مَنْ حَلَفَ عَلٰی یَمِیْنٍ فَقَالَ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ فَقَدْ بَرِیَ فِی یَمِیْنِہٖ" (یعنی جس نے کسی بات پر قسم کھائی پھر کہا ان شاءاللہ تو وہ اپنی قسم میں بری ہوگیا)۔ اور اگر متصل نہ کہا تو حانث ہوجائیگا۔

(۷۵) اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں کل ضرور تیرے پاس آونگا بشرطیکہ مجھے استطاعت ہوتو استطاعت سے صحت اور سلامت آلات واسباب مع عدم المانع مراد ہوگی کیونکہ استطاعت متعارفہ یہی ہے۔ قدرت حقیقیہ جو مقارن للفعل (تقدیر الٰہی) مراد نہ ہوگی کیونکہ یہ غیر متعارف ہے۔

(۷۶) وَاِنْ حَلَفَ لَایُکَلِّمُ فُلَانًا حِیْنًا اَوْ زَمَانًا اَوِ الْحِیْنَ اَوِالزَّمَانَ فَھُوَ عَلٰی سِتَّۃِ اَشْھُرٍ (۷۷) وَکَذٰالِکَ الدَّھْرُ عِنْدَ اَبِیْ یُوْسُفَ رحِمَہ اللّٰہ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَہ اللّٰہ۔

ترجمہ:۔ اور اگر کسی نے قسم کھائے کہ فلاں سے ایک حین یا ایک زمانے تک بات نہیں کروں گا یا الحین یا الزمان تک بات نہیں کرونگا تو یہ چھ مہینے پر محمول ہوگی اور اسی طرح لفظ الدہر ہے صاحبین کے نزدیک۔

تشریح:۔(۷۶) اگر کسی نے بزبانِ عرب قسم کھائی کہا "واللّٰہ لایُکَلِّمُ فُلَانًا حِیْنًا اَوْ زَمَانًا" (حین اور زمان کو نکرہ ذکر کیا) یا الحِیْن اَو الزَّمَان کہا (یعنی دونوں کو معرفہ ذکر کیا) تو اس سے از وقت قسم چھ مہینے مراد ہیں کیونکہ حین سے کبھی مدتِ قلیل اور کبھی چالیس سال اور کبھی چھ مہینے مراد ہوتے ہیں تو چھ مہینے درمیانی مدت ہے لہٰذا بوقتِ اطلاق یہی مراد ہوگا۔(۷۷) یہی حکم لفظ "الدھر" کا بھی ہے مثلاً کہا "واللّٰہ لاُکَلِّمُہٗ دَھْرًا" یہ صاحبین رحمہما اللہ کا قول ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں "لَا اَدْرِیْ مَاالدَّھْرُ" (صاحبینؒ کا قول راجح ہے)۔

(۷۸) وَلَوْ حَلَفَ لَایُکَلِّمُہٗ اَیَّامًا فَھُوَ عَلٰی ثَلٰثَۃِ اَیَّامٍ (۷۹) وَلَوْحَلَفَ اَنْ لَایُکَلِّمَہُ الْاَیَّام فَھُوَ عَلٰی عَشَرَۃِ اَیَّامٍ عِنْدَاَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہ اللّٰہ وقَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ رحِمَہ اللّٰہ ومُحَمَّدٌ رحِمَہ اللّٰہ ھو عَلٰی اَیَّامِ الْاُسْبُوْعِ (۸۰) ولَوْحَلَفَ اَنْ لَایُکَلِّمَہُ الشُّھُوْرَ فَھُوَ عَلٰی عَشَرَۃِ اَشْھُرٍ عِنْدَاَبِیْ حَنِیْفَۃَ رحِمَہ اللّٰہ وقَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ رحِمَہ اللّٰہ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَہ اللّٰہ ھُوَ عَلٰی اِثْنَیْ عَشَرَ شَھْرًا۔

ترجمہ:۔ اور اگر کسی نے قسم کھائی کہ "واللّٰہ لا اکلمہ ایاما" تو یہ قسم تین دن پر واقع ہوگی اور اگر قسم کھائی کہ "واللّٰہ لا اکلمہ الایام" تو یہ قسم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دس دن پر واقع ہوگی اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ سات دن پر واقع ہوگی اور اگر قسم کھائی کہ "واللّٰہ لا اکلمہ الشھور" تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ قسم دس مہینے پر واقع ہوگی اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ قسم بارہ مہینے پر واقع ہوگی۔

تشریح:۔(۷۸) اگر کسی نے قسم کھائی کہ "واللّٰہ لا اکلمہ ایاما" تو یہ قسم تین دن پر واقع ہوگی کیونکہ "ایام" اسم جمع ہے نکرہ ذکر کیا گیا

ہے تو اقل جمع کو شامل ہوگا جو کہ تین دن ہے۔(۷۹) اگر کہا ”واللہ لا اکلمہ الایام “ تو یہ قسم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دس دن پر واقع ہوگی کیونکہ اس نے ”الایام“ جمع معرف باللام ذکر کیا ہے تو لفظ جمع سے جو انتہائی عدد مذکور ہوتا ہے وہی مراد ہوگا جو کہ دس ہے (یعنی عرب ”ثلثة ایام تاعشرة ایام“ کہتے ہیں اسکے بعد ایام جمع نہیں بلکہ مفرد کہتے ہیں مثلاً احد عشر یوماً) اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک ”الایام“ سے مراد سات دن ہیں (امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے)۔(۸۰) اگر کہا ”واللہ لا اکلمہ الشھور “ تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ قسم دس مہینے پر واقع ہوگی لما ذکرنا۔ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک ”الشھور “ سے مراد سال کے بارہ مہینے ہیں کیونکہ یہ معہود ہیں۔

(۸۱) وَاِذَا حَلَفَ لایَفْعَلُ كَذَا تَرَكَهُ اَبَدًا (۸۲) وَاِنْ حَلَفَ لَيَفْعَلَنَّ كَذَا فَفَعَلَهُ مَرَّةً وَاحِدَةً بَرَّ فِي يَمِيْنِهٖ۔

ترجمہ:۔ اور اگر قسم کھائی کہ واللہ میں فلاں کام نہیں کرونگا تو یہ کام ہمیشہ کیلئے چھوڑ دیگا اور اگر قسم کھائی کہ واللہ میں فلاں کام کرونگا پھر وہ کام ایک مرتبہ کرلیا تو اپنی قسم میں بری ہوجائیگا۔

تشریح:۔ (۸۱) اگر کسی نے قسم کھائی کہ ”واللہ لاافعل کذا “ (واللہ میں فلاں کام نہیں کرونگا) تو یہ کام ہمیشہ کیلئے چھوڑ دیگا کیونکہ یہ قسم نفی پر واقع ہوئی ہے ”وَالنَّفْيُ لایَتَخَصَّصُ بِزَمَانٍ دُوْنَ زَمَانٍ “لہذا یہ تابید پر محمول ہوگی۔(۸۲) اگر کسی نے قسم کھائی کہ ”واللہ لَيَفْعَلَنَّ كَذَا “ (واللہ میں فلاں کام کرونگا) تو ایک مرتبہ وہ کام کرنے سے قسم پوری ہوجائے گی کیونکہ مقصود ایجاد فعل ہے جو اس نے کرلیا۔

(۸۳) وَمَنْ حَلَفَ لا تَخْرُجُ اِمْرَأتُهُ اِلَّا بِاِذْنِهٖ فَاَذِنَ لَهَا مَرَّةً وَاحِدَةً فَخَرَجَتْ وَرَجَعَتْ ثُمَّ خَرَجَتْ مَرَّةً اُخْرٰى بِغَيْرِ اِذْنِهٖ حَنِثَ وَلابُدَّ مِنَ الْاِذْنِ فِي كُلِّ خُرُوْجٍ (۸۴) وَاِنْ قَالَ اِلَّااَنْ آذَنَ لَكِ فَاَذِنَ لَهَا مَرَّةً وَاحِدَةً فَخَرَجَتْ ثُمَّ خَرَجَتْ بَعْدَهَا بِغَيْرِ اِذْنِهٖ لَمْ يَحْنَثْ۔

ترجمہ:۔ اور جس نے قسم کھائی کہ واللہ میری بیوی میری اجازت کے بغیر نہیں نکلے گی پھر اس نے ایک مرتبہ عورت کو اجازت دیدی پس وہ نکل گئی اور واپس آئی پھر دوبارہ وہ اسکی اجازت کے بغیر نکل گئی تو یہ حالف حانث ہوجائیگا اور ہر مرتبہ نکلنے کی اجازت ضروری ہے اور اگر کہا ”اِلَّااَنْ آذن لک “ (مگر یہ کہ میں تجھے اجازت دوں) پھر ایک مرتبہ اسے نکلنے کی اجازت دیدی پس وہ نکل گئی پھر اسکے بعد وہ اس کی اجازت کے بغیر نکل گئی تو حانث نہ ہوگا۔

تشریح:۔ (۸۳) اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میری بیوی میری اجازت کے بغیر نہیں نکلے گی پھر اس نے ایک مرتبہ اجازت دے کر وہ نکل گئی اور واپس آئی اور دوبارہ وہ اسکی اجازت کے بغیر نکل گئی تو یہ حالف حانث ہوجائیگا عدم حنث کیلئے ہر مرتبہ نکلنے کی اجازت دینا ضروری ہے کیونکہ ”اِلَّا بِاِذْنِهٖ“ میں مخصوص خروج مستثنیٰ ہے باقی تمام اقسام خروج ممنوع ہونے میں داخل ہیں۔

(۸۴) اگر شوہر نے کہا ”اِلَّااَنْ آذن لک “ (مگر یہ کہ میں تجھے اجازت دوں) پھر ایک مرتبہ نکلنے کی اجازت دیدی وہ نکل کر واپس آگئی اب اسکے بعد اگر وہ بغیر اجازت کے نکل گئی تو حالف حانث نہ ہوگا کیونکہ یہ توقیت کیلئے ہے جب ایک مرتبہ نکلنے کی اجازت دیدی تو وقت انتہاء کو پہنچ گیا جس سے یمین بھی انتہاء کو پہنچ گئی۔

(۸۵) وَإِذَا حَلَفَ أَنْ لَا يَتَغَدّٰى فَالْغَدَاءُ هُوَ الْأَكْلُ مِنْ طُلُوْعِ الْفَجْرِ إِلَى الظُّهْرِ (۸۶) وَالْعَشَاءُ مِنْ صَلٰوةِ الظُّهْرِ إِلٰى نِصْفِ اللَّيْلِ (۸۷) وَالسُّحُوْرُ مِنْ نِصْفِ اللَّيْلِ إِلٰى طُلُوْعِ الْفَجْرِ۔

ترجمہ:۔ اور اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں "غدا" نہیں کھاونگا تو "غدا" یہ ہے کہ طلوع فجر سے لیکر ظہر تک کے درمیان میں کھایا جائے اور "عشاء" جو صلوۃ ظہر سے لیکر نصف شب تک کے درمیان میں کھایا جائے اور سحری یہ کہ آدمی رات سے طلوع فجر تک کے درمیان میں کھایا جائے۔

تشریح:۔ (۸۵) اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں "غدا" نہیں کھاونگا تو "غدا" سے مراد وہ کھانا ہوتا ہے جو طلوع فجر سے لیکر ظہر تک کے درمیان میں کھایا جائے لہذا اس درمیان میں اگر حالف نے کھانا کھایا تو حانث ہو جائیگا۔ (۸۶) اگر کہا واللہ میں "عشاء" نہیں کھاونگا تو عشاء سے مراد وہ کھانا ہے جو ظہر سے لیکر نصف شب تک کے درمیان میں کھایا جائے لہذا حالف نے اگر اس درمیان میں کھانا کھایا تو حانث ہو جائیگا۔
(۸۷) اگر کہا کہ واللہ میں سحری نہیں کھاونگا تو سحری سے مراد وہ کھانا ہے جو آدھی رات سے طلوع فجر تک کے درمیان میں کھایا جائے۔ سحور سحر سے ہے قریب سحر پر اسکا اطلاق ہوتا ہے جو کہ نصف اللیل سے ہے لہذا اگر نصف اللیل سے لیکر طلوع فجر تک حالف کھانا کھائے گا تو حانث ہو جائیگا۔

(۸۸) وَإِنْ حَلَفَ لَيَقْضِيَنَّ دَيْنَهُ إِلٰى قَرِيْبٍ فَهُوَ مَادُوْنَ الشَّهْرِ (۸۹) وَإِنْ إِلٰى بَعِيْدٍ فَهُوَ أَكْثَرُ مِنَ الشَّهْرِ۔

ترجمہ:۔ اور اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں فلاں کا قرضہ عنقریب ادا کرونگا تو وہ ایک ماہ سے کم مدت ہوگی اور اگر کہا کہ مدت بعید میں ادا کرونگا تو وہ ایک ماہ سے زائد مدت ہوگی۔

تشریح:۔ (۸۸) اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں فلاں کا قرضہ عنقریب ادا کرونگا تو اس سے مراد ایک ماہ سے کم مدت ہوگی کیونکہ ایک ماہ سے کم مدت کو عرف میں قریب کہا جاتا ہے۔ (۸۹) اور اگر کہا کہ واللہ میں مدت بعید میں ادا کرونگا تو اس سے ایک ماہ سے زائد مدت مراد ہوگی کیونکہ مہینہ اور اس سے زائد کو عرف میں مدت بعید کہا جاتا ہے۔

(۹۰) وَمَنْ حَلَفَ لَا يَسْكُنُ هٰذِهِ الدَّارَ فَخَرَجَ مِنْهَا بِنَفْسِهِ وَتَرَكَ فِيْهَا أَهْلَهُ وَمَتَاعَهُ حَنِثَ (۹۱) وَمَنْ حَلَفَ لَيَصْعَدَنَّ السَّمَاءَ أَوْ لَيَقْلِبَنَّ هٰذَا الْحَجَرَ ذَهَبًا اِنْعَقَدَتْ يَمِيْنُهُ وَحَنِثَ عَقِيْبَهَا۔

ترجمہ:۔ اور جس نے قسم کھائی کہ واللہ میں اس گھر میں نہیں رہونگا پھر خود نکل گیا اور بال بچے اور سامان کو گھر میں چھوڑ دیا تو حانث ہو جائیگا اور جس نے قسم کھائی کہ واللہ میں اسمان پر چڑھونگا یا اس پتھر کو سونا بناونگا تو یہ قسم منعقد ہو جائے گی اور قسم کے بعد حانث ہو جائیگا۔

تشریح:۔ (۹۰) اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں اس گھر میں نہیں رہونگا پھر خود نکل گیا اور بال بچے اور سامان کو گھر میں چھوڑ دیا تو حانث ہو جائیگا کیونکہ جس گھر میں بال بچے اور سامان ہو عرف میں اس شخص کو اسی گھر کا رہنے والا کہا جاتا ہے۔ (۹۱) اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں اسمان پر چڑھونگا یا واللہ میں اس پتھر کو سونا بناونگا تو یہ قسم منعقد ہو جائے گی اور بعد از قسم متصل حانث ہو جائیگا کیونکہ حالف عادۃً عاجز

ہے لہذا فی الحال حانث ہوگا۔

(۹۲)وَمَنْ حَلَفَ لَيَقْضِيَنَّ فُلَانًا دَيْنَهُ الْيَوْمَ فَقَضَاهُ ثُمَّ وَجَدَ فُلَانٌ بَعْضَهُ زُيُوفًا أَوْ بِنَهْرَجَةً أَوْ مُسْتَحَقَّةً لَمْ يَحْنَثِ الْحَالِفُ (۹۳)وَإِنْ وَجَدَهَا رَصَاصًا أَوْ سَتُّوقَةً حَنِثَ۔

ترجمہ:۔اور جس نے قسم کھائی کہ واللہ میں فلاں کا قرضہ آج ادا کرونگا پس اس نے ادا کردیا پھر قرضخواہ نے بعض دراہم زیوف یا نبہرجہ پائے یا دوسرے کا مستحق پائے تو حانث نہ ہوگا اور اگر دراہم کو رصاص پائے یا ستوقہ پائے تو حانث ہو جائیگا۔

تشریح:۔(۹۲) اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں فلاں کا قرضہ آج ادا کرونگا پھر اس نے آج ہی ادا کردیا مگر قرضخواہ نے بعض دراہم زیوف (زیوف وہ دراہم ہیں جن کو تجار تو قبول کرے مگر بیت المال ان کو نہ لے) اور بعض نبہرجہ (وہ دراہم جن کو نہ تجار اور نہ بیت المال قبول کرے) پائے یا بعض کا کوئی دوسرا شخص مستحق نکل آیا تو حالف حانث نہ ہوگا کیونکہ شرط پائی گئی اس لئے کہ زیوف اور نبہرجہ دراہم ہی کی جنس سے ہیں بے شک عیب دار ہیں مگر عیب کی وجہ سے جنس معدوم نہیں ہوتی۔اور مستحق نکل آنے کی صورت میں قرضخواہ کا دراہم مستحقہ پر قبضہ کرنا صحیح ہے اور حالف کی قسم ایک مرتبہ پوری ہو جانے کے بعد یہ درہم مستحق کو واپس کرنے سے قسم کا پورا ہونا دور نہ ہوگا۔

(۹۳) اگر مذکورہ بالا صورت میں قرضخواہ نے دراہم کو رصاص (سیسہ) پائے یا ستوقہ (کھوٹہ درہم جن پر چاندی کا ملمع ہو) پائے تو حالف حانث ہو جائیگا کیونکہ رصاص اور ستوقہ جنس دراہم سے نہیں۔

(۹۴)وَمَنْ حَلَفَ لَا يَقْبِضَنَّ دَيْنَهُ دِرْهَمًا دُوْنَ دِرْهَمٍ فَقَبَضَ بَعْضَهُ لَمْ يَحْنَثْ حَتّٰى يَقْبِضَ جَمِيْعَهُ مُتَفَرِّقًا (۹۵)وَإِنْ قَبَضَ دَيْنَهُ فِي وَزْنَيْنِ لَمْ يَتَشَاغَلْ بَيْنَهُمَا إِلَّا بِعَمَلِ الْوَزْنِ لَمْ يَحْنَثْ وَلَيْسَ ذَالِكَ بِتَفْرِيْقٍ۔

ترجمہ:۔اور جس نے قسم کھائی کہ میں قرضہ پر اس طرح قبضہ نہیں کرونگا کہ بعض دراہم پر قبضہ کروں اور بعض پر نہیں پھر اس نے بعض قرضہ پر قبضہ کرلیا تو حالف حانث نہ ہوگا یہاں تک کہ کل قرضہ پر متفرق قبضہ کرے۔اور اگر اس نے اپنے قرضہ کو دو وزنوں میں وصول کیا دونوں وزنوں کے درمیان میں مشغول نہیں ہو مگر عمل تول میں تو حانث نہ ہوگا اور یہ تفریق شمار نہ ہوگی۔

تشریح:۔(۹۴) اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں قرضہ پر اس طرح قبضہ نہیں کرونگا کہ بعض دراہم پر قبضہ کروں اور بعض پر نہیں (یعنی اپنا قرضہ متفرق وصول نہیں کرونگا) پھر اس نے بعض قرضہ پر قبضہ کرلیا تو حالف حانث نہ ہوگا جب تک کہ کل قرضہ پر متفرق قبضہ نہ کرے کیونکہ حنث کی شرط یہ ہے کہ کل قرضہ کو وصف تفریق کے ساتھ قبض کرلے۔

(۹۵) اگر اس نے مذکورہ بالا صورت میں اپنے قرضہ کو دو یا زیادہ دفعہ تول کر وصول کیا اور دونوں تولوں کے درمیان کسی اور کام میں مشغول نہیں ہوا صرف عمل تول میں مشغول رہا تو تول کی وجہ سے جو وصولیابی میں تفریق آئی ہے اس کا اعتبار نہیں کیونکہ کبھی کل قرضہ کو یکبارگی وصول کرنا عادۃً محال ہوتا ہے تو اس قدر تفریق مستثنیٰ ہے لہذا اس کی وجہ سے حالف حانث نہ ہوگا۔

☆ ☆ ☆

(٩٦)وَمَنْ حَلَفَ لَيَأْتِيَنَّ الْبَصْرَةَ فَلَمْ يَأْتِهَا حَتّٰى مَاتَ حَنِثَ فِي آخِرِ جُزْءٍ مِنْ اَجْزَاءِ حَيٰوتِهِ۔

ترجمہ:۔اور جس نے قسم کھائی کہ میں بصرہ ضرور جاونگا پھر وہ بصرہ نہیں گیا یہاں تک کہ مرگیا تو یہ شخص اپنی زندگی کے اجزاء میں سے آخری جزء میں حانث ہو جائیگا۔

تشریح:۔(٩٦)اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں بصرہ ضرور جاونگا پھر وہ نہیں گیا یہاں تک کہ مرگیا تو یہ شخص اپنی زندگی کے اجزاء میں سے آخری جزء میں حانث ہو جائیگا کیونکہ یہ یمین مطلق غیر موقت واقع ہوگئی ہے تو یہ باقی رہے گی جب تک کہ پورا کرنے کا امکان ہو مگر چونکہ بعد از موت یمین پورا کرنا ممکن نہیں لہذا حنث اسکی زندگی کے آخری جزء کی طرف منسوب ہوگی۔

كتاب الدعوىٰ

یہ کتاب دعویٰ کے بیان میں ہے۔

''دعویٰ'' لغۃً وہ قول ہے جس کے ذریعہ انسان غیر پر ایجاب حق کا ارادہ کر لے۔اور شرعاً ایک انسان کا دوسرے سے حاکم کے روبرو اپنا حق طلب کرنے کو دعویٰ کہتے ہیں۔حق طلب کرنے والے کو''مدعی''اور جس سے حق طلب کرتا ہے اس کو''مدعیٰ علیہ'' کہتے ہیں اور''مدعیٰ ومدعیٰ بہ''وہ شی ہے جس کا مدعی نے دعویٰ کیا ہے۔

''كتاب الأيمان''کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ دعویٰ میں بھی مدعیٰ علیہ پر قسم ہے اس مناسبت سے''كتاب الايمان''کے بعد''كتاب الدعوىٰ''ذکر کیا۔

(١)وَالْمُدَّعِيْ مَنْ لَايُجْبَرُ عَلَى الْخُصُوْمَةِ إِذَا تَرَكَهَا(٢)وَالْمُدَّعٰى عَلَيْهِ مَنْ يُجْبَرُ عَلَى الْخُصُوْمَةِ۔

ترجمہ:۔اور مدعی وہ ہے جو جھگڑنے پر مجبور نہ کیا جائے اگر وہ جھگڑا چھوڑ دے۔اور مدعیٰ علیہ وہ ہے جو جھگڑا کرنے پر مجبور کیا جائے۔

تشریح:۔چونکہ دعویٰ کے مسائل مدعی اور مدعیٰ علیہ کی معرفت پر موقوف ہیں اسلئے امام قدوری رحمہ اللہ نے مدعی اور مدعیٰ علیہ کی تعریف کو شروع فرمایا۔(١) پس مدعی وہ ہے کہ اگر اس نے دعویٰ ترک کیا تو اس پر خصومت کیلئے جبر نہ کیا جاسکتا ہو کیونکہ اس نے دعویٰ اختیار سے کیا ہے تو چھوڑنے کا بھی اسکو اختیار ہے۔(٢) اور مدعیٰ علیہ وہ ہے کہ اگر وہ خصومت چھوڑے گا تو حاکم اسکو خصومت (مدعی کا جواب دینے) پر مجبور کریگا۔

(٣)وَلَايُقْبَلُ الدَّعْوىٰ حَتّٰى يَذْكُرَ شَيْئًا مَعْلُوْمًا فِي جِنْسِهِ وَقَدْرِهِ۔

ترجمہ:۔اور دعویٰ قبول نہیں کیا جائیگا یہاں تک کہ وہ ایسی چیز کو ذکر کردے جس کی جنس ومقدار معلوم ہو۔

تشریح:۔(٣)یعنی مدعی کا دعویٰ قبول نہیں ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ ایسی معلوم چیز کا دعویٰ کرے جس کی جنس ومقدار معلوم ہو(دعویٰ قبول نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس دعویٰ کی وجہ سے مدعیٰ علیہ اور مدعیٰ بہ کو عدالت میں حاضر کرنا ضروری نہیں) اور معلومیت جنس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بتائے کہ گندم ہے،جو ہے یا سونا چاندی۔اور معلومیت مقدار کا مطلب یہ ہے کہ یہ بتائے کہ گندم ایک قفیز ہے یا زیادہ

۔اسی طرح مثلاً دراہم ومثاقیل کتنے ہیں۔اور مدعیٰ بہ کی جنس وقدر معلوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ دعویٰ کے ذریعہ سے بواسطہ حجت مدعیٰ علیہ پر مدعیٰ بہ کو لازم کیا جاتا ہے تو اگر مدعیٰ بہ مجہول ہو تو مجہول شئی کو مدعیٰ علیہ پر لازم کرنا لازم آئیگا حالانکہ مجہول کالازم کرنا ممکن نہیں۔

(٤)فَإِنْ كَانَ عَيْنًا فِي يَدِ الْمُدَّعىٰ عَلَيْهِ كُلِّفَ إِحْضَارَهَا لِيُشِيْرَ إِلَيْهَا بِالدَّعْوىٰ (٥)وإنْ لم يَكُنْ حَاضِرَةً ذَكَرَ قِيْمَتَهَا (٦)وإنِ ادَّعىٰ عِقَارًا حَدَّدَهُ وَذَكَرَ أَنَّهُ فِي يَدِ الْمُدَّعىٰ عَلَيْهِ وَأَنَّهُ يُطَالِبُهُ بِهِ (٧)وإنْ كَانَ حَقًّا فِي الذِّمَّةِ ذَكَرَ أَنَّهُ يُطَالِبُهُ بِهٖ۔

ترجمہ:۔پس اگر مدعیٰ بہ کوئی مال عین ہو مدعیٰ علیہ کے ہاتھ میں تو مدعیٰ علیہ کو مدعیٰ بہ حاضر کرنے پر مجبور کیا جائیگا تاکہ مدعی بوقت دعویٰ اس کی طرف اشارہ کرے اور اگر حاضر نہ ہو تو اسکی قیمت ذکر کرے اور اگر زمین کا دعویٰ کیا تو اسکے حدود اربعہ ذکر کرلے اور یہ بتائے کہ یہ مدعیٰ علیہ کے قبضہ میں ہے اور میں اس سے اس کا مطالبہ کرتا ہوں اور اگر وہ بذمہ مدعیٰ علیہ کوئی حق ہے تو اب صرف یہ ذکر کرے کہ میں اس کا طلب گار ہوں۔

تشریح:۔(٤)اگر مدعیٰ بہ کوئی مال عین مدعیٰ علیہ کے ہاتھ میں ہو تو مدعیٰ علیہ کو مجبور کیا جائیگا کہ مدعیٰ بہ کو کچہری میں حاضر کرے تاکہ مدعی بوقت دعویٰ اس کی طرف اشارہ کرے کیونکہ مقدور حد تک مدعیٰ بہ کا معلوم کرنا شرط ہے اور یہ عین منقولی میں اشارہ سے ہوتا ہے۔(٥)اور اگر مدعیٰ بہ جو کہ عین منقولی ہے حاضر نہ ہو خواہ ہلاک ہوا ہو یا اسکو حاضر کرنے پر خرچہ آتا ہو تو اسکی قیمت ذکر کرے تاکہ بقدر الامکان مدعیٰ بہ معلوم ہو۔

(٦) اگر مدعیٰ بہ زمین ہو تو چونکہ اسکو کچہری میں پیش کرنا ممکن نہیں تو اسکے حدود اربعہ ذکر کرلے کیونکہ زمین کی معرفت اسی طرح حاصل ہوتی ہے۔اور یہ بھی بتائے کہ یہ زمین مدعیٰ علیہ کے قبضہ میں ہے کیونکہ مدعیٰ علیہ جب ہی خصم قرار پائے گا کہ یہ زمین اسکے قبضہ میں ہو۔اور مدعی یہ بھی کہے کہ میں اس کا مطالبہ کرتا ہوں کیونکہ مطالبہ مدعی کا حق ہے تو اسکا مطالبہ کرنا ضروری ہے۔

(٧) اگر مدعیٰ بہ بذمہ مدعیٰ علیہ کوئی حق ہے، مال عین نہیں تو اب مدعی کچہری میں صرف یہ مطالبہ کرے کہ میں اس حق کا طلب گار ہوں کیونکہ صاحب ذمہ خود حاضر ہے لہذا مطالبہ کے سوا کوئی اور کام نہیں رہا ہے۔

(٨)فَإِذَا صَحَّتِ الدَّعْوىٰ سَأَلَ الْقَاضِي الْمُدَّعىٰ عَلَيْهِ عَنْهَا فَإِنِ اعْتَرَفَ قَضَى عَلَيْهِ بِهَا وإنْ أَنْكَرَ سَأَلَ الْمُدَّعِي الْبَيِّنَةَ (٩)فَإِنْ أَحْضَرَهَا قَضَى بِهَا وإنْ عَجَزَ عَنْ ذٰلِكَ وطَلَبَ يَمِيْنَ خَصْمِهٖ اِسْتَحْلَفَ عَلَيْهَا(١٠)وإنْ قَالَ لِيْ بَيِّنَةٌ حَاضِرَةٌ وطَلَبَ الْيَمِيْنَ لَمْ يَسْتَحْلِفْ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رحمه الله ۔

ترجمہ:۔اور جب دعویٰ صحیح ہو جائے تو قاضی مدعیٰ علیہ سے اس دعویٰ کے بارے میں پوچھ لے تو اگر اس نے اقرار کیا تو قاضی اسکے خلاف اس کا فیصلہ صادر کرے اور اگر مدعیٰ علیہ نے انکار کیا تو قاضی مدعی سے گواہ طلب کرے پھر اگر مدعی نے گواہ پیش کئے تو قاضی اس کے مطابق فیصلہ کرے اور اگر مدعی کہے میرے پاس گواہ موجود ہیں اور قسم طلب کرے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مدعیٰ علیہ سے قسم نہیں لی جائے گی۔

تشریح:۔(۸) جب مدعی کا دعویٰ صحیح ہو جائے تو قاضی مدعیٰ علیہ سے اس دعویٰ کے بارے میں پوچھ لے تو اگر اس نے صحتِ دعویٰ کا اقرار کیا تو قاضی اسکے خلاف اور مدعی کے حق میں فیصلہ صادر کرے کیونکہ مدعیٰ علیہ نے خود اسکی صحت کا اقرار کیا ہے۔ اور اگر مدعیٰ علیہ نے دعویٰ کی صحت سے انکار کیا تو قاضی مدعی سے گواہ طلب کرے تا کہ اپنے مدعیٰ کو ثابت کرے۔

(۹) پھر اگر مدعی نے گواہ پیش کئے تو قاضی اسی کے حق میں فیصلہ کرے کیونکہ مدعی کا صدق ظاہر ہوا۔ اور اگر مدعی گواہ پیش نہ کر سکا اور مدعیٰ علیہ سے قسم لینے کا مطالبہ کیا تو قاضی مدعیٰ علیہ سے مدعیٰ بہ پر قسم لے مگر مدعی کا مطالبہ قسم ضروری ہے کیونکہ قسم اسی کا حق ہے۔

(۱۰) اگر مدعی نے کہا کہ میرے گواہ حاضر ہیں یعنی شہر میں موجود ہیں پھر بھی گواہ پیش کرنے کے بجائے وہ کہتا ہے کہ مدعیٰ علیہ قسم لے تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مدعیٰ علیہ سے قسم نہیں لی جائے گی کیونکہ قسم میں مدعی کا حق بے شک ثابت ہے مگر اس وقت کہ گواہ پیش کرنے سے عاجز ہو جبکہ مذکورہ صورت میں تو مدعی گواہ پیش کرنے سے عاجز نہیں۔ راجح قول یہی ہے۔

(۱۱) وَلَا تُرَدُّ الْيَمِيْنُ عَلَى الْمُدَّعِي (۱۲) وَلَا تُقْبَلُ بَيِّنَةُ صَاحِبِ الْيَدِ فِي الْمِلْكِ الْمُطْلَقِ۔

ترجمہ:۔ اور مدعی پر قسم رد نہیں کی جائے گی اور ملک مطلق میں صاحب الید کا بینہ قبول نہیں کیا جائیگا۔

تشریح:۔(۱۱) اگر مدعیٰ علیہ قسم کھانے سے انکار کرے تو مدعی پر قسم رد نہیں کی جائے گی یعنی مدعی سے قسم نہیں لی جائے گی "لقوله صلى الله عليه وَسَلَّمَ اَلْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِي وَالْيَمِيْنُ عَلَى مَنْ اَنْكَرَ" (مدعی پر گواہ ہیں اور جو انکار کرے اس پر قسم ہے)۔

(۱۲) ملک مطلق (جس میں مدعی ملک کا دعویٰ کرے مگر ملکیت کا کوئی سبب نہ بتائے کہ کس سبب سے میں اس کا مالک ہوں) میں صاحب الید (قابض) کے گواہ قبول نہ ہونگے مثلاً ایک شخص کا قبضہ ہے اس نے بھی گواہ قائم کئے اور دوسرا مدعی ہے اس نے اپنی ملک پر گواہ قائم کئے تو گواہ غیر قابض کے معتبر ہیں۔

(۱۳) وَاِذَا نَكَلَ الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ عَنِ الْيَمِيْنِ قَضٰى عَلَيْهِ بِالنُّكُوْلِ وَلَزِمَهُ مَا ادَّعٰى عَلَيْهِ (۱٤) وَيَنْبَغِي لِلْقَاضِيْ اَنْ يَقُوْلَ لَهُ اِنِّي اَعْرِضُ عَلَيْكَ الْيَمِيْنَ ثَلٰثًا فَاِنْ حَلَفْتَ وَاِلَّا قَضَيْتُ عَلَيْكَ بِمَا ادَّعَاهُ (۱۵) وَاِذَا كَرَّرَ الْعَرْضَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ قَضٰى عَلَيْهِ بِالنُّكُوْلِ۔

ترجمہ:۔ اور اگر مدعیٰ علیہ نے قسم لینے سے انکار کیا تو بوجہ انکار اس کے خلاف فیصلہ کرلے اور اس پر وہ چیز لازم کردے جس کا اس پر دعویٰ ہے اور چاہئے کہ قاضی مدعیٰ علیہ سے کہدے کہ تین بار تجھ پر قسم پیش کرتا ہوں تو اگر تو نے قسم کھالی تو فبہا ورنہ اس نے جو دعویٰ کیا ہے اس میں تیرے خلاف فیصلہ کرونگا اور جب تین مرتبہ اس پر قسم پیش کردے تو قاضی انکار کی وجہ سے اسکے خلاف فیصلہ کردے۔

تشریح:۔(۱۳) اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں اور مدعی نے مدعیٰ علیہ سے قسم لینے کا مطالبہ کیا مگر مدعیٰ علیہ نے قسم لینے سے انکار کیا تو قاضی اسکے خلاف فیصلہ کرلے کیونکہ انکار از قسم دلیل ہے اس بات پر کہ وہ یا تو مدعی کے دعویٰ کا اقرار کرتا ہے اور یا دلیری کر کے قسم چھوڑ کر مال دینا چاہتا ہے لہذا قاضی اسی کے خلاف فیصلہ کرلے۔

(۱۴) چاہئے کہ احتیاطاً قاضی مدعی علیہ سے کہدے کہ تین بار تجھ پر قسم پیش کرتا ہوں تو اگر تو نے قسم کھالی تو ٹھیک ورنہ مدعی نے جو دعویٰ کیا ہے اس میں تیرے خلاف اسکے حق میں فیصلہ کرونگا یہ چونکہ خفاء کا موقع ہے اسلئے مدعی علیہ سے کہا جائیگا کہ بصورت انکار تیرے خلاف حکم کرونگا۔(۱۵) پھر جب قاضی تین مرتبہ اس پر قسم پیش کردے تو اگر وہ منکر ہی رہا تو قاضی اسکے خلاف بوجہ انکار از قسم فیصلہ کردے۔

(۱۶) وَاِنْ كَانَتِ الدَّعْوىٰ نِكَاحًا لَمْ يُسْتَحْلَفِ الْمُنْكَرُ عِنْدَ اَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله (۱۷) وَلَا يُسْتَحْلَفُ فِي النِّكَاحِ وَالرَّجْعَةِ وَالْفَيْئِ فِي الْاِيْلَاءِ وَالرِّقِّ وَالْاِسْتِيْلَادِ وَالنَّسَبِ وَالْوَلَاءِ وَالْحُدُوْدِ وَاللِّعَانِ وَقَالَا يُسْتَحْلَفُ فِي ذَالِكَ كُلِّهِ اِلَّا فِي الْحُدُوْدِ وَاللِّعَانِ۔

ترجمہ:۔اور اگر دعویٰ نکاح کا ہو تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک منکر سے قسم نہ لی جائے گی اور نکاح، رجعت، ایلاء سے رجوع کرنے، غلامی، ام ولد کرنے، نسب، ولاء حدود اور لعان میں قسم نہیں لی جاتی ہے اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ان تمام میں قسم لی جائے گی سوائے حدود اور لعان کے۔

تشریح:۔(۱۶) اگر دعویٰ نکاح کا ہو خواہ عورت کی طرف سے ہو یا مرد کی طرف سے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قسم نہیں لیجائے گی۔صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک قسم لی جائے گی۔(۱۷) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور صاحبین رحمہما اللہ کے درمیان یہ اختلاف مندرجہ ذیل اُمور میں بھی ہے۔/**نمبر ۱**۔رجعت میں، مثلاً عدت گذرنے کے بعد شوہر دعویٰ کرے کہ میں نے عدت کے اندر رجوع کرلیا تھا اور عورت اسکا انکار کرے۔

/**نمبر ۲**۔فی میں یعنی رجوع میں، مثلاً مدت ایلاء گذرنے کے بعد شوہر نے دعویٰ کیا کہ میں نے مدت ایلاء میں ایلاء سے رجوع کرلیا تھا اور عورت اسکا انکار کرے۔/**نمبر ۳**۔رقت میں، مثلاً کسی مجہول النسب شخص پر دعویٰ کیا کہ یہ میرا غلام ہے اور وہ شخص اس کا انکار کرے۔/**نمبر ۴**۔استیلاد میں، مثلاً باندی نے مولیٰ پر دعویٰ کیا کہ میں اسکی اُم ولد ہوں اور آقا اس کا انکار کرے۔

/**نمبر ۵**۔نسب میں، مثلاً کسی نے دوسرے پر دعویٰ کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے اور وہ اسکا انکار کرے۔/**نمبر ۶**۔ولاء میں، مثلاً کسی نے دعویٰ کیا کہ فلاں شخص پر میرے لئے مولیٰ عتاقہ یا مولی الموالات ہے اور وہ شخص اس کا انکار کرے۔/**نمبر ۷**۔حدود میں، مثلاً ایک شخص نے دوسرے پر کسی موجب حد امر کا دعویٰ کیا اور مدعی علیہ نے اس کا انکار کیا۔

/**نمبر ۸**۔لعان میں، مثلاً عورت نے شوہر پر دعویٰ کیا کہ اس نے مجھ پر موجب لعان تہمت لگائی ہے اور شوہر اس کا انکار کرتا ہے۔تو مذکورہ بالا تمام امور میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک منکر سے قسم نہیں لی جائے گی اور صاحبینؒ کے نزدیک حدود اور لعان کے علاوہ سب میں قسم لی جائے گی۔

صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ استحلاف کا فائدہ انکار پر فیصلہ ہے اور انکار کرنا بھی ایک طرح کا اقرار ہے کیونکہ انکار اسکے کاذب ہونے پر دال ہے اور اُمور مذکورہ میں اقرار جاری ہوتا ہے تو استحلاف بھی جاری ہوگا۔نیز مذکورہ اُمور ایسے ہیں جو باوجود شبہ ثابت

ہوجاتے ہیں تو اموال کی طرح ان میں استحلاف جاری ہوگا البتہ حدود ایسے نہیں کیونکہ وہ معمولی شبہ سے بھی رفع ہوجاتے ہیں لہذا حدود میں استحلاف جاری نہ ہوگا۔ اور چونکہ لعان حد ہی کے معنی میں ہے اسلئے اس میں بھی استحلاف جاری نہ ہوگا۔

امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہاں انکار از قسم اقرار نہیں ورنہ تو مجلس قضاء شرط نہ ہوتی بلکہ انکار ایک قسم کی اباحت ہے اور امور مذکورہ میں اباحت کا نفاذ نہیں ہوتا اسلئے ان میں بصورت انکار از قسم فیصلہ نہ ہوگا۔ فتویٰ صاحبینؒ کے قول پر ہے۔

(۱۸) وَاِذَا ادَّعَى اِثْنَانِ عَيْنًا فِي يَدِ آخَرَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَزْعَمُ اَنَّهَا لَه وَاَقَامَا الْبَيِّنَةَ قُضِيَ بَيْنَهُمَا (۱۹) وَاِنِ ادَّعٰى كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نِكَاحَ اِمْرَأَةٍ وَاَقَامَا الْبَيِّنَةَ لَمْ يَقْضِ بِوَاحِدَةٍ مِنَ الْبَيِّنَتَيْنِ وَيَرْجِعُ اِلٰى تَصْدِيْقِ الْمَرْأَةِ لِاَحَدِهِمَا۔

ترجمہ:۔ اور اگر دو آدمیوں نے ایک خاص چیز کا جو تیسرے شخص کے ہاتھ میں ہے دعویٰ کیا ہر ایک دعویٰ کرتا ہے کہ یہ چیز میری ملک ہے اور دونوں نے گواہ بھی قائم کئے تو دونوں کے درمیان اشتراک کا فیصلہ کیا جائیگا اور اگر ہر ایک نے ایک عورت کے نکاح کا دعویٰ کیا اور دونوں نے گواہ بھی قائم کئے تو کسی کے بینہ پر فیصلہ نہیں کیا جائیگا اور ان میں سے کسی ایک کے لئے عورت کی تصدیق کی طرف رجوع کیا جائیگا۔

تشریح:۔ (۱۸) اگر دو آدمیوں نے ایک خاص چیز کا جو تیسرے شخص کے ہاتھ میں ہے دعویٰ کیا یوں کہ ہر ایک دعویٰ کرتا ہے کہ یہ چیز میری ملک ہے اور ہر ایک نے اپنے دعویٰ پر گواہ بھی قائم کئے تو قاضی فیصلہ کرلے کہ یہ چیز ان دونوں میں مشترک ہے کیونکہ سببِ استحقاق میں دونوں برابر ہیں اور محل (مدعیٰ بہ) اشتراک کو قبول بھی کرتا ہے۔

(۱۹) اگر دو مردوں میں سے ہر ایک نے ایک زندہ عورت کے نکاح کا دعویٰ کیا اور ہر ایک نے اپنے دعویٰ پر گواہ بھی قائم کئے تو کسی کے گواہوں پر فیصلہ نہیں کیا جائیگا کیونکہ ایک کے گواہ دوسرے سے اولیٰ نہیں اور دونوں کیلئے حکم متعذر ہے کیونکہ محل (یعنی عورت) محلِ اشتراک نہیں البتہ عورت کی تصدیق کی طرف رجوع کیا جائیگا یعنی عورت ان دو میں سے جس کی تصدیق کرلے اسی کے نکاح کا حکم ہوگا کیونکہ نکاح ایسی چیز ہے کہ زوجین کی باہمی تصدیق سے اسکا حکم دیا جاتا ہے۔

(۲۰) وَاِنِ ادَّعَى اِثْنَانِ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا اَنَّهُ اِشْتَرٰى مِنْهُ هٰذَا الْعَبْدَ وَاَقَامَا الْبَيِّنَةَ فَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَ نِصْفَ الْعَبْدِ بِنِصْفِ الثَّمَنِ وَاِنْ شَاءَ تَرَكَ (۲۱) فَاِنْ قَضَى الْقَاضِيْ بِهِ بَيْنَهُمَا فَقَالَ اَحَدُهُمَا لَا اَخْتَارُ لَمْ يَكُنْ لِلْآخَرِ اَنْ يَّاْخُذَ جَمِيْعَهُ (۲۲) وَاِنْ ذَكَرَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا تَارِيْخًا فَهُوَ لِلْاَوَّلِ (۲۳) وَاِنْ لَمْ يَذْكُرَا تَارِيْخًا وَمَعَ اَحَدِهِمَا قَبْضٌ فَهُوَ اَوْلٰى بِهِ۔

ترجمہ:۔ اور اگر دو آدمیوں میں سے ہر ایک نے یہ دعویٰ کیا کہ میں نے یہ غلام اس سے خریدا ہے اور دونوں نے اس پر گواہ بھی قائم کئے تو ہر ایک کو اختیار ہے چاہے تو نصف غلام کو بعوض نصف ثمن لے لے اور چاہے تو چھوڑ دے اور اگر قاضی نے اس کا دونوں کیلئے فیصلہ کرلیا پھر ایک نے کہا کہ میں نصف کو پسند نہیں کرتا ہوں تو دوسرے کو اختیار نہیں کہ وہ پورا غلام لے لے اور اگر ہر ایک مدعی نے اپنی خرید کی تاریخ بیان کی تو غلام دونوں میں سے پہلی تاریخ والے کے لئے ہوگا اور اگر دونوں نے تاریخ بیان نہیں کی اور کسی ایک کو قبضہ

حاصل ہے تو وہی اولی ہے۔

تشریح:۔(۲۰)اگر دو آدمیوں میں سے ہر ایک نے ایک تیسرے قابض شخص پر دعویٰ کیا کہ میں نے مثلاً یہ غلام اس قابض سے خریدا ہے اور دونوں نے اس پر گواہ بھی قائم کئے تو دونوں کے گواہ قبول کئے جائیں گے اور ہر ایک کو اختیار ہے چاہے تو نصف غلام کو بعوض نصف ثمن لے لے اور چاہے تو چھوڑ دے لِتَفَرُّقِ الصَّفْقَةِ عَلَيْهِ ۔(۲۱)اگر قاضی نے دونوں کیلئے نصف نصف غلام کا فیصلہ کر لیا پھر ایک نے کہا کہ میں نصف کو پسند نہیں کرتا ہوں اور چھوڑ دیا تو دوسرے کو اختیار نہیں کہ وہ پورا غلام لے لے کیونکہ قضاءِ قاضی کی وجہ سے ہر ایک کا عقد نصف آخر میں فسخ ہوا تو بلا عقد جدید وہ عود نہیں کریگا۔

(۲۲)اگر مذکورہ صورت میں ہر ایک مدعی نے اپنی خرید کی تاریخ بیان کردی اور دونوں میں سے ایک کی تاریخ خرید مقدم ہو دوسرے سے تو غلام اسی کا ہوگا جس نے تاریخ مقدم بیان کی ہے کیونکہ اس نے ایسے وقت میں اپنی خرید ثابت کی کہ اس میں اس کا کوئی مزاحم نہیں لہذا ثانی مندفع ہوگیا۔(۲۳)اور اگر دونوں نے تاریخ بیان نہیں کی مگر دونوں میں سے ایک کو قبضہ حاصل ہے تو قابض ہی اولی ہے کیونکہ قبضہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی خرید کو سبقت حاصل ہے۔

(۲۴)وَإِنِ ادَّعَى أَحَدُهُمَا شِرَاءً وَالْآخَرُ هِبَةً وَقَبْضًا وَأَقَامَا الْبَيِّنَةَ وَلَا تَارِيخَ مَعَهُمَا فَالشِّرَاءُ أَوْلَى مِنَ الْآخَرِ (۲۵)وَإِنِ ادَّعَى أَحَدُهُمَا الشِّرَاءَ وَادَّعَتْ إِمْرَأَةٌ أَنَّهُ تَزَوَّجَهَا عَلَيْهِ فَهُمَا سَوَاءٌ (۲۶)وَإِنِ ادَّعَى أَحَدُهُمَا رَهْنًا وَقَبْضًا وَالْآخَرُ هِبَةً وَقَبْضًا فَالرَّهْنُ أَوْلَى۔

ترجمہ:۔اور اگر ایک نے خرید کا دعویٰ کیا اور دوسرے نے ہبہ کا اور ہر ایک نے گواہ بھی قائم کئے مگر دونوں میں سے کسی کے پاس تاریخ نہیں تو خرید اولی ہے دوسرے سے اور اگر دونوں میں سے ایک نے خرید کا دعویٰ کیا اور عورت نے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے اس پر مجھ سے نکاح کیا ہے تو یہ دونوں مدعی برابر ہیں اور اگر دونوں میں سے ایک نے رہن اور قبضہ کا دعویٰ کیا اور دوسرے نے ہبہ اور قبضہ کا دعویٰ کیا تو رہن اولی ہے۔

تشریح:۔(۲۴)اگر دونوں نے ایک ہی شخص کے بارے میں دعویٰ کیا ایک نے کہا کہ میں نے اس سے یہ غلام خریدا ہے دوسرے نے کہا کہ اس نے مجھے ہبہ کیا ہے اور ہر ایک نے گواہ بھی قائم کئے مگر دونوں میں سے کسی کے پاس تاریخ نہیں تو خرید اولی ہے لہذا قاضی خرید کا فیصلہ کرے کیونکہ خرید میں جانبین سے معاوضہ ہوتا ہے جبکہ ہبہ ایسا نہیں۔

(۲۵)اگر دونوں مدعیوں میں سے ایک نے خرید کا دعویٰ کیا کہ مثلاً یہ غلام فلاں قابض سے میں نے خریدا ہے اور دوسرا مدعی عورت ہے وہ کہتی ہے کہ اسی قابض نے میرے ساتھ نکاح کیا ہے اور یہ غلام میرا مہر مقرر کیا ہے تو یہ دونوں مدعی برابر ہیں کیونکہ دونوں کا دعویٰ یکساں قوی ہے بایں وجہ کہ خرید و نکاح میں سے ہر ایک میں جانبین سے معاوضہ ہے۔تو اب یہ صورت ممکن ہے کہ عورت کیلئے اس کے شوہر پر غلام کی قیمت واجب کی جائے اور خریدار کیلئے خرید کا حکم دیا جائے۔

(۲٦) اگر دونوں مدعیوں میں سے ایک نے رہن (کہ یہ میرے پاس بطور رہن ہے) مع قبضہ (کہ اس پر میں قابض ہوں) کا دعویٰ کیا اور دوسرے نے ہبہ (کہ فلاں نے مجھے ہبہ کیا ہے) مع قبضہ کا دعویٰ کیا تو رہن ہبہ سے استحساناً اولیٰ ہے یعنی قاضی رہن کا حکم کریگا کیونکہ بحکم رہن مقبوض مضمون ہوتا ہے اور بحکم ہبہ مقبوض غیر مضمون ہوتا ہے اور عقدِ ضمان اولیٰ ہے۔

(۲۷) وَاِنْ اَقَامَا الْخَارِجَانِ الْبَيِّنَةَ عَلَى الْمِلْكِ وَالتَّارِيْخِ فَصَاحِبُ التَّارِيْخِ الْاَقْدَمِ اَوْلٰى (۲۸) وَاِنِ ادَّعَيَا الشِّرَاءَ مِنْ وَاحِدٍ وَاَقَامَا الْبَيِّنَةَ عَلَى التَّارِيْخَيْنِ فَالْاَوَّلُ اَوْلٰى۔

ترجمہ:۔ اور اگر دو غیر قابضوں نے اپنی ملکیت اور تاریخ پر گواہ قائم کئے تو پہلی تاریخ والا اولیٰ ہوگا اور اگر دونوں نے ایک شخص سے خرید کا دعویٰ کیا اور دونوں نے دو مختلف تاریخوں پر گواہ قائم گئے تو اول اولیٰ ہے۔

تشریح:۔ (۲۷) اگر دو مدعیوں (دونوں خارجان ہیں یعنی مدعی بہ پر قابض نہیں) میں سے ہر ایک نے اپنی ملکیت پر گواہ قائم کئے اور دونوں نے تاریخ بھی بیان کی مگر تاریخ دونوں کی مختلف ہے تو جس کی تاریخ مقدم ہو وہی اولیٰ ہے کیونکہ اس نے یہ ثابت کیا کہ میں اوّل مالک ہوں تو دوسرے کی ملک صرف اسی کی طرف سے ہوسکتی ہے حالانکہ دوسرے نے اس کی طرف سے ملکیت حاصل کرنے کا دعویٰ نہیں کیا۔ (۲۸) اگر دو مدعیوں نے ایک شخص (مراد غیر قابض ہے) سے خرید کا دعویٰ کیا اور دونوں نے دو مختلف تاریخوں پر گواہ قائم گئے تو اول اولیٰ ہے کیونکہ اس نے ایسے وقت میں اپنی خرید ثابت کی کہ اس وقت اسکا کوئی مزاحم نہیں۔

(۲۹) وَاِنْ اَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بَيِّنَةً عَلَى الشِّرَاءِ مِنَ الْآخَرِ وَذَكَرَا تَارِيْخًا فَهُمَا سَوَاءٌ (۳۰) وَاِنْ اَقَامَ الْخَارِجُ الْبَيِّنَةَ عَلَى مِلْكٍ مُؤَرَّخٍ وَاَقَامَ صَاحِبُ الْيَدِ الْبَيِّنَةَ عَلَى مِلْكٍ اَقْدَمَ تَارِيْخًا كَانَ اَوْلٰى (۳۱) وَاِنْ اَقَامَ الْخَارِجُ وَصَاحِبُ الْيَدِ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بَيِّنَةً بِالنِّتَاجِ فَصَاحِبُ الْيَدِ اَوْلٰى (۳۲) وَكَذٰلِكَ النَّسْجُ فِي الثِّيَابِ الَّتِيْ لَاتُنْسَجُ اِلَّامَرَّةً وَاحِدَةً (۳۳) وَكَذٰلِكَ كُلُّ سَبَبٍ فِي الْمِلْكِ وَلَا يَتَكَرَّرُ۔

ترجمہ:۔ اور اگر ہر ایک نے ایک علیحدہ شخص سے خرید پر گواہ قائم کئے اور دونوں نے تاریخ بھی بیان کی تو یہ دونوں برابر ہیں اور اگر مدعی خارج نے اپنی ملکیت پر گواہ مع التاریخ قائم کئے اور صاحب الید نے ایسی ملکیت پر گواہ قائم کئے جس کی تاریخ اول سے مقدم ہو تو قابض اولیٰ ہے اور اگر غیر قابض وقابض میں سے ہر ایک نے نتاج پر گواہ قائم کئے تو قابض اولیٰ ہے اور اسی طرح کپڑوں میں بننا ہے جو نہیں بنا جاتا ہے مگر ایک مرتبہ اور اسی طرح ہر سبب ملک میں جو مکرر نہیں ہوتا۔

تشریح:۔ (۲۹) اگر دونوں مدعیوں میں سے ہر ایک نے ایک علیحدہ شخص سے خرید پر گواہ قائم کئے مثلاً ایک نے کہا کہ میں نے زید سے خریدا ہے اور دوسرے نے کہا کہ میں نے عمرو سے خریدا ہے اور دونوں نے تاریخ بھی بیان کی خواہ تاریخ میں متفق ہوں یا مختلف ہوں تو یہ دونوں برابر ہیں کیونکہ دونوں اپنے اپنے بائع کی ملکیت ثابت کرتے ہیں تو یہ ایسے ہیں گویا دونوں نے اپنی ملکیت پر بلا تاریخ گواہ قائم کئے لہذا دونوں میں سے ہر ایک کو نصف حصہ بعوض نصف ثمن لینے اور چھوڑنے کا اختیار دیا جائیگا۔

(۳۰) اگر مدعی خارج (غیر قابض) نے اپنی ملکیت پر گواہ مع التاریخ قائم کئے اور صاحب الید (قابض) نے ایسی ملکیت پر گواہ قائم کئے جس کی تاریخ اول سے مقدم ہے تو قابض اولی ہے کیونکہ قابض کے گواہ مع التاریخ دفع بینہ خارجی کو معنی متضمن ہیں۔ (۳۱) اگر غیر قابض وقابض میں سے ہر ایک نے نتاج (یعنی کہ ہر ایک نے دعویٰ کیا کہ مدعی بہ میری ملک میں میری مملوکہ چیز سے پیدا ہوا ہے) پر گواہ قائم کئے تو قابض کے گواہ اولی ہیں یعنی قاضی قابض کے حق میں فیصلہ کریگا کیونکہ بوجہ قبضہ کے قابض کی گواہی کو ترجیح دی جائے گی لہذا فیصلہ اسی کے حق میں ہوگا۔

(۳۲) مذکورہ بالا نتاج والاحکم ہر ایسے کپڑے میں بھی ہے جو ایک بار بُنا جاتا ہو جیسے روئی کے سوتی کپڑے (مثلاً قابض نے کہا کہ میں نے اس کو اپنی ملک میں بُنا ہے اور دوسرے نے کہا کہ میں نے اپنی ملک میں بُنا ہے تو حکم قابض کے حق میں ہوگا)۔ (۳۳) یہی حکم ہے ہر سبب ملک کا جو مکرر نہیں ہوتا جیسے اون کا تنا، دودھ دوہنا وغیرہ۔

(۳۴) وَإِنْ أَقَامَ الْخَارِجُ الْبَيِّنَةَ عَلَى الْمِلْكِ الْمُطْلَقِ وَصَاحِبُ الْيَدِ بَيِّنَةً عَلَى الشِّرَاءِ مِنْهُ كَانَ صَاحِبُ الْيَدِ أَوْلَى (۳۵) وَإِنْ أَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الْبَيِّنَةَ عَلَى الشِّرَاءِ مِنَ الْآخَرِ وَلَا تَارِيخَ مَعَهُمَا تَهَاتَرَتِ الْبَيِّنَتَانِ (۳۶) وَإِنْ أَقَامَ أَحَدُ الْمُدَّعِيَيْنِ شَاهِدَيْنِ وَالْآخَرُ أَرْبَعَةً فَهُمَا سَوَاءٌ۔

ترجمہ:۔ اور اگر غیر قابض نے ملک مطلق پر گواہ قائم کئے اور قابض نے اس سے خرید پر گواہ قائم کئے تو قابض اولی ہے اور اگر ہر ایک نے دوسرے سے خرید پر گواہ قائم کئے اور تاریخ دونوں کے پاس نہیں تو دونوں گواہیاں ساقط ہو جائیں گی اور اگر دو مدعیوں میں سے ایک نے مدعی بہ پر دو گواہ قائم کئے اور دوسرے نے چار گواہ قائم کئے تو یہ دونوں برابر ہیں۔

تشریح:۔ (۳۴) اگر غیر قابض مدعی نے ملک مطلق (ملک مطلق وہ ہے جس میں مدعی ملک کا دعویٰ کرے مگر ملکیت کا کوئی سبب نہ بتائے کہ کس سبب سے میں اس کا مالک ہوں) پر گواہ قائم کئے اور قابض نے بھی گواہ قائم کئے کہ یہ چیز میں نے اس مدعی سے خریدی ہے تو حکم قابض کے حق میں ہوگا کیونکہ قابض نے یہ ثابت کیا کہ میری ملکیت مدعی سے حاصل ہے تو گویا اس نے مدعی کی ملکیت کا اقرار کیا اور پھر اس سے شراء کا دعویٰ کیا۔

(۳۵) اگر دونوں مدعیوں میں سے ہر ایک نے دوسرے سے خریدنے کا دعویٰ کیا اور ہر ایک نے اس کی تاریخ بیان کئے بغیر اس پر گواہ قائم کئے تو دونوں گواہیاں ساقط ہو جائیں گی اور مدعی بہ بدستور قابض کے ہاتھ میں چھوڑا جائیگا۔ (۳۶) اگر دو مدعیوں میں سے ایک نے مدعی بہ پر دو گواہ قائم کئے اور دوسرے نے چار گواہ قائم کئے تو یہ دونوں برابر ہیں کیونکہ ہر ایک کیلئے برائے ثبوت مدعی علت تامہ ہے اور اعتبار اصل علت کو ہے کثرت کو نہیں۔

(٣٧)وَمَنْ اِدَّعىٰ قِصَاصًا علی غَیْرِہٖ فَجَحَدَ اُسْتُحْلِفَ (٣٨)فَإِنْ نَكَلَ عَنِ الْيَمِيْنِ فِيْمَا دُوْنَ النَّفْسِ لَزِمَهُ الْقِصَاصُ (٣٩)وَإِنْ نَكَلَ فِي النَّفْسِ حُبِسَ حَتّٰى يُقِرَّ اَوْ يَحْلِفَ وقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ رحِمَهُ اللّٰهُ وَمُحَمَّدٌ رحِمَهُ اللّٰهُ يَلْزَمُهُ الْاَرْشُ فِيْهِمَا۔

ترجمه:۔اور جس نے دوسرے پر قصاص کا دعویٰ کیا اس نے انکار کیا تو مدعیٰ علیہ سے قسم لی جائے گی اور اگر قتلِ نفس سے کم درجہ کی جنایت میں اس نے یمین سے انکار کر دیا تو اس پر قصاص لازم ہے اور اگر قتلِ نفس میں انکار کر دیا تو اسے قید کیا جائیگا یہاں تک کہ اقرار کرے یا قسم کھائے اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں اس پر تاوان لازم ہوگا۔

تشریح:۔(٣٧) اگر کسی نے دوسرے پر قصاص کا دعویٰ کیا مدعیٰ علیہ نے انکار کیا جبکہ مدعی کے پاس گواہ نہیں مدعیٰ علیہ سے قسم لینے کا مطالبہ کرتا ہے تو بالاتفاق مدعیٰ علیہ سے قسم لی جائے گی کیونکہ مدعیٰ علیہ منکر ہے اور قسم منکر پر ہے (٣٨) پھر اگر مدعیٰ علیہ نے قسم لینے سے انکار کیا تو دیکھا جائیگا کہ دعویٰ نفس کا (یعنی قتل نفس) ہے یا اس سے کم جنایت کا ہے اگر ثانی ہے تو بوجہ انکار از قسم اس پر قصاص لازم ہے۔

(٣٩) اور اگر دعوی اول (یعنی قتل نفس) کا ہے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مدعیٰ علیہ کو قید کیا جائیگا یہاں تک کہ وہ قسم کھائے یا جنایت کا اقرار کرے۔صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں اس پر تاوان لازم ہوگا کیونکہ انکار از قسم ایسا اقرار ہے جس میں شبہہ ہے لہذا اس سے قصاص ثابت نہ ہوگا لہذا تاوان واجب ہوگا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ اطراف ملحق بالاموال ہیں اور اموال میں اباحت جاری ہوتی ہے تو اطراف میں بھی جاری ہوگی اور انکار از قسم اباحت ہے۔بخلاف نفس کے کہ اسکا معاملہ باریک ہے جس میں کبھی اباحت جاری نہیں ہوتی لہذا دعویٰ نفس کی صورت میں صرف انکار از قسم کی وجہ سے قصاص کا حکم نہیں کیا جائیگا۔امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے۔

(٤٠)وَإِذَا قَالَ الْمُدَّعِي لِيْ بَيِّنَةٌ حَاضِرَةٌ قِيْلَ لِخَصْمِهٖ اَعْطِهٖ كَفِيْلًا بِنَفْسِكَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ فَإِنْ فَعَلَ (٤١)وَإِلَّا اُمِرَ بِمُلَازَمَتِهٖ (٤٢)إِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ غَرِيْبًا عَلَى الطَّرِيْقِ فَيُلَازِمُهُ مِقْدَارَ مَجْلِسِ الْقَاضِيْ۔

ترجمه:۔اور اگر مدعی نے کہا کہ میرے گواہ شہر میں موجود ہیں تو اس کے مدعیٰ علیہ سے کہا جائیگا کہ تو تین دن کیلئے اپنی نفس کا ضامن اس کو دیدیں تو اگر مدعیٰ علیہ نے ضامن دیدیا تو بہتر ہے ورنہ مدعی کو حکم دیا جائیگا کہ مدعیٰ علیہ کا پیچھا کرے الا یہ کہ اگر مدعیٰ علیہ کوئی راہ چلتے مسافر ہو تو مدعی مجلسِ قاضی تک اس کا پیچھا کریگا۔

تشریح:۔(٤٠) اگر مدعی نے کہا کہ میرے گواہ شہر میں موجود ہیں تو اس کے مدعیٰ علیہ سے قسم نہیں لیا جائیگا بلکہ اسے کہا جائیگا کہ تو تین دن کیلئے اپنی نفس کا ضامن اس کو دیدیں جس میں وہ اپنے گواہ پیش کریگا۔ یہ اس لئے تاکہ مدعیٰ علیہ غائب نہ ہو جائے جس سے مدعی کا حق ضائع ہوتا ہے۔(٤١) پھر اگر مدعیٰ علیہ نے ضامن دیدیا تو بہتر ہے ورنہ مدعی کو حکم دیا جائیگا کہ مدعیٰ علیہ کا پیچھا کرے یہ اسلئے تاکہ مدعی کا حق ضائع نہ ہو۔

(۴۲) البتہ اگر مدعیٰ علیہ کوئی راہ چلتے مسافر ہو تو وہ اگر ضامن دیگا تو اس وقت تک جب تک کہ قاضی کچہری میں ہو اور اگر ضامن نہیں تو مدعی اسکا پیچھا بھی مذکورہ وقت تک ہی کریگا کیونکہ اس سے زیادہ وقت کیلئے ضامن لینے یا پیچھا کرنے میں مسافر کیلئے ضرر ہے جو مسافر کو سفر سے روکتا ہے۔

(۴۳) وَاِذَا قَالَ الْمُدَّعٰی عَلَیْہِ ھٰذَا الشَّیْءُ اَوْدَعَنِیْہِ فُلَانُ الْغَائِبُ اَوْ رَھَنَہٗ عِنْدِیْ اَوْ غَصَبْتُہٗ مِنْہُ وَاَقَامَ بَیِّنَۃً عَلٰی ذٰلِکَ فَلَاخُصُوْمَۃَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ الْمُدَّعِیْ (۴۴) وَاِنْ قَالَ اِبْتَعْتُہٗ مِنْ فُلَانِ الْغَائِبِ فَھُوَ خَصْمٌ۔

ترجمہ:۔ اور اگر مدعیٰ علیہ نے کہا کہ یہ چیز میرے پاس فلاں غائب شخص نے ودیعت رکھی ہے یا اس نے میرے پاس بطور رہن رکھا ہے یا میں نے یہ چیز فلاں غائب سے غصب کرلیا ہے اور اپنے اس قول پر گواہ قائم کئے تو اس قابض شخص اور مدعی کے درمیان کوئی خصومت نہیں اور اگر مدعیٰ علیہ نے کہا کہ یہ چیز میں نے فلاں غائب سے خرید لیا ہے تو مدعی خصم قرار پائیگا۔

تشریح:۔ (۴۳) اگر مدعی نے قابض شخص پر کسی شی کا دعویٰ کیا اور مدعیٰ علیہ نے اس کے جواب میں کہا کہ یہ چیز (مدعی بہ) میرے پاس فلاں غائب شخص نے ودیعت رکھی ہے یا فلاں غائب نے میرے پاس بطور رہن رکھا ہے یا یہ چیز میں نے فلاں غائب سے غصب کرلی ہے اور اپنے اس قول پر گواہ بھی قائم کئے تو مدعی اور اس قابض شخص کے درمیان کوئی خصومت نہیں کیونکہ مدعیٰ علیہ نے بینہ سے ثابت کیا کہ میرا قبضہ قبضہ خصومت نہیں اسلئے کہ خصم مالک ہوتا ہے میں مالک نہیں ہوں۔ (۴۴) اور اگر مدعیٰ علیہ نے کہا کہ یہ چیز میں نے فلاں غائب سے خرید لیا ہے تو مدعی خصم قرار پائیگا کیونکہ جب اس نے ملک کا دعویٰ کیا تو یہ خصم ہونے کا اقرار ہے۔

(۴۵) وَاِنْ قَالَ الْمُدَّعِیْ سُرِقَ مِنِّیْ وَاَقَامَ الْبَیِّنَۃَ وَقَالَ صَاحِبُ الْیَدِ اَوْدَعَنِیْہِ فُلَانٌ وَاَقَامَ الْبَیِّنَۃَ لَمْ تَنْدَفِعِ الْخُصُوْمَۃُ۔

ترجمہ:۔ اور اگر مدعی نے کہا کہ یہ چیز مجھ سے چوری کی گئی ہے اور اپنے دعوی پر گواہ قائم کئے اور مدعیٰ علیہ نے کہا کہ یہ تو فلاں شخص نے میرے پاس ودیعت رکھی ہے اس نے بھی گواہ قائم کئے تو خصومت دفع نہ ہوگی۔

تشریح:۔ (۴۵) اگر مدعی نے کہا کہ یہ چیز مجھ سے چوری کی گئی ہے اور اپنے دعویٰ پر گواہ قائم کئے اور مدعیٰ علیہ نے کہا کہ یہ تو فلاں شخص نے میرے پاس ودیعت رکھی ہے اس نے بھی گواہ قائم کئے تو خصومت دفع نہ ہوگی یہ شیخین رحمہما اللہ کا قول ہے دلیل یہ ہے کہ فعل چوری چاہتا ہے کہ کوئی چرانے والا ہو اور ظاہر یہ ہے کہ چرانے والا وہی ہے جس کے ہاتھ میں یہ چیز موجود ہے لیکن مدعی نے صرف ازراہ شفقت اس سے دفع حد کیلئے اس کو معین نہیں کیا۔

(۴۶) وَاِذَا قَالَ الْمُدَّعِیْ اِبْتَعْتُہٗ مِنْ فُلَانٍ وَقَالَ صَاحِبُ الْیَدِ اَوْدَعَنِیْہِ فُلَانٌ ذٰلِکَ سَقَطَتِ الْخُصُوْمَۃُ بِغَیْرِ بَیِّنَۃٍ۔

ترجمہ:۔ اور اگر مدعی نے کہا کہ میں نے یہ چیز فلاں سے خریدی ہے اور قابض نے کہا کہ یہی چیز اسی نے میرے پاس ودیعت رکھی ہے تو خصومت ساقط ہو جائے گی بغیر بینہ کے۔

تشریح:۔ (۴۶) اگر مدعی نے کہا کہ میں نے یہ چیز فلاں شخص سے خریدی ہے اور قابض نے کہا کہ یہی چیز اسی شخص نے میرے پاس

ودیعت رکھی ہے تو بغیر گواہی کے مدعیٰ علیہ سے خصومت ساقط ہو جائے گی کیونکہ جب دونوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ اس چیز میں اصل ملک مدعیٰ علیہ کے سوا دوسرے شخص کی ہے تو مدعیٰ علیہ کا قبضہ قبضہ خصومت نہیں کیونکہ مدعیٰ علیہ مالک نہیں۔

(۴۷) وَالْيَمِينُ بِاللّٰهِ تَعَالىٰ دُوْنَ غَيْرِهِ وَيُؤَكَّدُ بِذِكْرِ اَوْصَافِهِ (۴۸) وَلَايُسْتَحْلَفُ بِالطَّلَاقِ وَلَا بِالْعَتَاقِ۔

ترجمہ:۔ اور قسم اللہ تعالیٰ ہی کے نام کی ہو نہ کہ اللہ کے غیر کی اور مؤکد کی جائیگی اللہ کے اوصاف کے ذکر سے اور قسم نہیں لی جائیگی طلاق کی اور نہ اعتاق کی۔

تشریح:۔ (۴۷) منکر کو اگر قسم دینی ہو تو اللہ تعالیٰ ہی کے نام کی قسم دی جائے گی کیونکہ قسم صرف اللہ کے نام کے ساتھ ہوتی ہے غیر کے نام کے ساتھ نہیں 'لِقَوْلِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللّٰهِ اَوْ لِيَذَرْ '' (یعنی جو تم میں سے قسم کھانے والا ہو اس کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا قسم کھائے یا چھوڑ دے)۔ اور کبھی اللہ کے اسم ذاتی کے ساتھ اسماء صفاتی بھی ذکر کئے جاتے ہیں تا کہ قسم زیادہ مؤکد ہو جائے تو یہ درست ہے مثلاً کہہ دے ''واللّٰہ الذی لااله الا ھو عالم الغیب والشھادۃ الذی یعلم من السّر مایعلم من العلانیۃ '' اور اس میں کمی بیشی بھی کر سکتا ہے۔ (۴۸) مدعیٰ علیہ سے طلاق یا عتاق کی قسم نہ لیجائے گی مثلاً کہ یہ چیز اگر مدعی کی ہو تو میری بیوی کو طلاق ہو یا میرا غلام آزاد ہو لِمَارَوَيْنَا۔ ظاہر روایت یہی ہے بعض فقہاء کے نزدیک اس زمانے میں یہ جائز ہے۔ مگر صحیح ظاہر روایت ہے۔

(۴۹) وَيُسْتَحْلَفُ الْيَهُوْدِيُّ بِاللّٰهِ الَّذِيْ اَنْزَلَ التَّوْرٰةَ عَلٰى مُوْسٰى وَالنَّصْرَانِيُّ بِاللّٰهِ الَّذِيْ اَنْزَلَ الْاِنْجِيْلَ عَلٰى عِيْسٰى وَالْمَجُوْسِيُّ بِاللّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ النَّارَ (۵۰) وَلَايُسْتَحْلَفُوْنَ فِيْ بُيُوْتِ عِبَادَتِهِمْ (۵۱) وَلَايَجِبُ تَغْلِيْظُ الْيَمِيْنِ عَلَى الْمُسْلِمِ بِزَمَانٍ وَلَا بِمَكَانٍ۔

ترجمہ:۔ اور یہودی قسم لی جائے گی کہ اس اللہ کی قسم جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی ہے اور نصرانی سے یوں کہ اس اللہ کی قسم جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل کی ہے اور مجوسی سے یوں کہ اس اللہ کی قسم جس نے آگ پیدا کیا ہے اور ان سے ان کے عبادت خانوں میں قسم نہیں لی جائے گی اور مسلمان پر قسم کو پکا کرنا ضروری نہیں زمان کے ساتھ اور نہ مکان کے ساتھ۔

تشریح:۔ (۴۹) یہودی سے قسم لینی ہو تو اس طرح لیجائے گی کہ اس اللہ کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی ہے۔ اور اگر نصرانی سے قسم لینی ہو تو اسطرح لیجائے گی کہ اس اللہ کی قسم جس نے عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل فرمائی ہے۔ اور مجوسی سے یوں قسم لیجائے گی کہ اس اللہ کی قسم جس نے آگ پیدا فرمائی ہے یوں ہر ایک پر قسم کی تغلیظ اسکے اعتقاد کے مطابق کی جائے گی۔

(۵۰) مگر یہود و نصاریٰ اور مجوسیوں کو انکے عبادت خانوں میں لیجا کر قسم نہیں دی جائے گی بلکہ قاضی کی کچہری ہی میں دی جائے گی کیونکہ قاضی کیلئے ان کے عبادت خانوں میں داخل ہونا مکروہ ہے۔

(۵۱) مسلمان پر زمانے (مثلاً یوم الجمعۃ یا بعد العصر) یا مکان (مثلاً مقام ابراہیم یا مکہ مکرمہ یا منبر نبویؐ) کے ساتھ قسم کی تغلیظ واجب نہیں کیونکہ قسم سے اس معبود کی تعظیم مقصود ہے جس کے نام کی قسم کھائی جاتی ہے اور یہ تعظیم وقت اور مکان کے ذکر کے بغیر حاصل ہے۔

(۵۲)وَمَنْ اِدَّعٰی اَنَّہٗ اِبْتَاعَ مِنْ ھٰذَا عَبْدَہٗ بِاَلْفٍ فَجَحَدَہٗ اُسْتُحْلِفَ بِاللّٰہِ مَابَیْنَکُمَابَیْعٌ قَائِمٌ (۵۳)ولا یُسْتَحْلَفُ بِاللّٰہِ مَابِعْتُ۔

ترجمہ:۔ اور جس نے دوسرے پر دعویٰ کیا کہ میں نے اس سے اس کا غلام بعوض ہزار درہم خریدا ہے اور اس نے اس کا انکار کیا تو منکر سے قسم لی جائے گی کہ واللہ میرے اور اسکے درمیان بیع قائم نہیں یوں قسم نہ لی جائے گی کہ واللہ میں نے فروخت نہیں کیا ہے۔

تشریح:۔ (۵۲) اگر کسی نے دوسرے حاضر پر دعویٰ کیا کہ واللہ میں نے اس سے اس کا غلام بعوض ہزار درہم خریدا ہے اور مدعی علیہ نے اس کا انکار کیا تو منکر سے یوں قسم لی جائے گی کہ واللہ میرے اور اس مدعی کے درمیان اس غلام میں عقد بیع قائم نہیں۔ (۵۳) یوں قسم نہیں لی جائے گی کہ واللہ میں نے یہ غلام اس پر فروخت نہیں کیا ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ فروخت کیا ہو پھر بیع فسخ کیا ہو۔

(۵٤)ویُسْتَحْلَفُ فِی الْغَصْبِ بِاللّٰہِ ما یَسْتَحِقُّ عَلَیْکَ رَدَّھٰذِہِ الْعَیْنِ ولا رَدَّقِیْمَتِھَا(۵۵)ولا یُسْتَحْلَفُ بِاللّٰہِ ماغَصَبْتُ (٥٦)وفِی النِّکَاحِ بِاللّٰہِ مابَیْنَکُمَانِکَاحٌ قَائِمٌ فِی الْحَالِ (۵۷)وفِی دَعْوَی الطَّلَاقِ بِاللّٰہِ ما ھِیَ بَائِنٌ مِنْکَ السَّاعَۃَ بِمَاذَکَرَتْ (۵۸)ولا یُسْتَحْلَفُ بِاللّٰہِ ماطَلَّقَھَا۔

ترجمہ:۔ اور غصب میں یوں قسم لی جائے گی کہ واللہ مدعی مجھ پر اس عین کی واپسی کا استحقاق نہیں رکھتا اور نہ اس کی قیمت کی واپسی کا یوں قسم نہیں لی جائیگی کہ واللہ میں نے غصب نہیں کیا ہے اور نکاح میں یوں قسم لی جائے گی کہ واللہ ہم دونوں کے درمیان فی الحال نکاح قائم نہیں اور دعویٰ طلاق میں یوں قسم لی جائے گی کہ واللہ یہ عورت مجھ سے اس وقت بائنہ نہیں بآں وجہ جواس نے ذکر کی ہے یوں قسم نہیں لی جائے گی کہ واللہ میں نے اسکو طلاق نہیں دی ہے۔

تشریح:۔ (٥٤) اگر مدعی نے مدعی علیہ پر غصب کا دعویٰ کیا تو مدعی علیہ سے یوں قسم لی جائے گی کہ واللہ مدعی مجھ پر مدعی بہ کی واپسی کا استحقاق نہیں رکھتا۔ (۵۵) یوں نہ کہے کہ واللہ میں نے غصب نہیں کیا ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس نے غصب کیا ہو پھر اسکا ضمان دے کر مالک ہوا ہو۔ (٥٦) اسی طرح دعویٰ نکاح میں یوں قسم لی جائے گی کہ واللہ ہم دونوں کے درمیان فی الحال نکاح قائم نہیں۔ (۵۰) یوں نہ کہے کہ واللہ میں نے اس کے ساتھ نکاح نہیں کیا ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ نکاح کیا ہو پھر طلاق بائن دی ہو۔

(۵۷) اسی طرح اگر عورت نے مرد پر دعویٰ طلاق کیا وہ منکر ہوا تو شوہر سے یوں قسم لی جائے گی کہ واللہ یہ عورت مجھ سے اس وقت بائنہ نہیں بآں وجہ جواس نے بیان کی ہے۔ (۵۸) یوں قسم نہیں لی جائے گی کہ واللہ میں نے اسکو طلاق نہیں دی ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ طلاق دی ہو پھر بعد از بینونت تجدید نکاح کیا ہو۔

(۵۹) وَإِذَا كَانَتْ دَاراً فِي يَدِ رَجُلٍ ادَّعَاهَا اِثْنَانِ أَحَدُهُمَا جَمِيعَهَا وَالْآخَرُ نِصْفَهَا وَأَقَامَا الْبَيِّنَةَ فَلِصَاحِبِ الْجَمِيعِ ثَلٰثَةُ أَرْبَاعِهَا وَلِصَاحِبِ النِّصْفِ رُبُعُهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا هِيَ بَيْنَهُمَا أَثْلَاثًا وَلَوْ كَانَتِ الدَّارُ فِي أَيْدِيهِمَا سُلِّمَتْ لِصَاحِبِ الْجَمِيعِ نِصْفُهَا عَلَى وَجْهِ الْقَضَاءِ وَنِصْفُهَا لَا عَلَى وَجْهِ الْقَضَاءِ۔

ترجمہ:۔اور اگر ایک مکان کسی کے قبضہ میں ہو پھر اس پر دو مدعیوں نے دعویٰ کیا ایک نے کل مکان کا دعویٰ کیا اور دوسرے نے نصف مکان اور ہر ایک نے اپنے مدعیٰ پر گواہ قائم کئے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مدعی کل کو تین چوتھائی اور مدعی نصف کو ایک چوتھائی ہوگی اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ دار ان کے درمیان اثلاثا تقسیم کیا جائیگا اور اگر مکان خود مدعیین کے ہاتھ میں ہو تو مدعی کل کے لئے نصف بطریق قضاء ہوگا اور نصف بلا قضاء ہوگا۔

تشریح:۔(۵۹) اگر ایک مکان کسی کے قبضہ میں ہو پھر اس پر دو مدعیوں نے دعویٰ کیا ایک نے کل مکان کا اور دوسرے نے نصف مکان کا دعویٰ کیا اور ہر ایک نے اپنے مدعیٰ پر گواہ قائم کئے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مدعی کل کو تین چوتھائی اور مدعی نصف کو ایک چوتھائی دلائی جائے گی کیونکہ مدعی نصف نصفِ آخر کا مدعی نہیں تو یہ نصف مدعی کل کو بلا منازعت سپرد ہوا اور دوسرے نصف میں انکا مساوی جھگڑا ہے تو وہ ان کے درمیان برابر تقسیم کیا جائیگا۔ صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اثلاثا تقسیم کیا جائیگا یعنی دو ثلث مدعی کل کے اور ایک ثلث مدعی نصف کا ہوگا کیونکہ مدعی کل دو نصف (یعنی کل) کا مدعی ہے اور مدعی نصف ایک نصف کا مدعی ہے لہذا اثلاثا تقسیم کیا جائیگا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول راجح ہے۔

اگر مذکورہ بالا صورت میں مکان خود مدعیین کے ہاتھ میں ہو تو کل دار مدعی کل کو دیا جائیگا مگر ایک نصف قضاء قاضی کی وجہ سے دیا جائیگا اور دوسرا نصف بغیر قضاء قاضی کے دیا جائیگا کیونکہ وہ نصف جو مدعی نصف کے قبضہ میں ہے اس پر مدعی کل قابض نہیں اور گواہ غیر قابض کے معتبر ہیں لہذا اس نصف کا فیصلہ تو مدعی کل کے حق میں ہوگا اور باقی رہا نصف ثانی جو خود مدعی کل کے قبضہ میں ہے تو اس پر چونکہ مدعی نصف کا دعویٰ نہیں اسلئے وہ بھی مدعی کل کا ہوگا۔

(۶۰) وَإِذَا تَنَازَعَا فِي دَابَّةٍ وَأَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بَيِّنَةً أَنَّهَا نُتِجَتْ عِنْدَهُ وَذَكَرَا تَارِيخًا وَسِنُّ الدَّابَّةِ يُوَافِقُ أَحَدَ التَّارِيخَيْنِ فَهُوَ أَوْلٰى (۶۱) وَإِنْ أَشْكَلَ ذَالِكَ كَانَتْ بَيْنَهُمَا۔

ترجمہ:۔اور اگر دو مدعیوں نے ایک جانور پر تنازع کیا اور ہر ایک نے گواہ قائم کئے کہ یہ جانور میرے ہاں پیدا ہوا ہے اور دونوں نے (پیدائش کی تاریخ) بھی بیان کی اور جانور کی عمر ان دونوں تاریخوں میں سے ایک کے موافق ہے تو وہی اولیٰ ہے اور اگر یہ مشتبہ ہو جائے تو جانور ان دونوں کے درمیان مشترک ہوگا۔

تشریح:۔(۶۰) اگر دو افراد نے ایک جانور (خواہ دونوں کے قبضہ میں ہو یا دونوں میں سے ایک کے قبضہ میں ہو یا کسی تیسرے کے قبضہ میں ہو) تنازع کیا اور ہر ایک نے گواہ قائم کئے کہ یہ جانور میرے ہاں میرے مملوک جانور سے پیدا ہوا ہے اور دونوں نے پیدائش کی

ختلف تاریخ بھی بیان کی اور جانور کی عمران دونوں تاریخوں میں سے ایک کے موافق ہے تو صاحب تاریخ موافق اولی ہے کیونکہ ظاہر حال اسی کے گواہوں کے صدق پر دال ہے۔

(٦١) اگر جانور کی عمر کی موافقت کسی ایک تاریخ کے ساتھ معلوم نہ ہو بلکہ مشتبہ ہو تو اگر دونوں قابض ہوں یا کوئی تیسرا قابض ہو تو جانوران دونوں کے درمیان مشترک ہوگا اور اگر کوئی ایک قابض ہو تو اسی کے حق میں فیصلہ ہوگا کیونکہ یہ ایسا ہو گیا کہ گویا دونوں نے تاریخ بیان نہیں کی ہے۔

(٦٢)وَإِذَا تَنَازَعَا فِي دَابَّةٍ أَحَدُهُمَا رَاكِبُهَا وَالآخَرُ مُتَعَلِّقٌ بِلِجَامِهَا فَالرَّاكِبُ أَوْلَى (٦٣)وَكَذَالِكَ إِذَا تَنَازَعَا بَعِيْرًا وَعَلَيْهِ حِمْلٌ لِأَحَدِهِمَا وَصَاحِبُ الْحِمْلِ أَوْلَى (٦٤)وَكَذَالِكَ إِذَا تَنَازَعَا قَمِيْصًا أَحَدُهُمَا لَابِسُهُ وَالآخَرُ مُتَعَلِّقٌ بِكُمِّهِ فَاللَّابِسُ أَوْلَى۔

ترجمہ:۔ اور اگر دو مدعیوں نے ایک جانور میں تنازع کیا ایک اس پر سوار ہے اور دوسرے نے اس کا لگام پکڑا ہوا ہے تو سوار اولی ہے اور اسی طرح اگر دو مدعیوں نے ایسے اونٹ میں تنازع کیا جس پر ایک مدعی کا بوجھ لدا ہوا ہے تو صاحب بوجھ اولی ہے اسی طرح اگر دونوں نے ایک قمیص میں تنازع کیا ایک اس قمیص کو پہنے ہوئے ہے اور دوسرے نے قمیص کی آستین پکڑا ہے تو پہننے والا اولی ہے۔

تشریح:۔ (٦٢) اگر دو افراد نے ایک جانور میں تنازع کیا اور دونوں میں سے ایک اس پر سوار ہے اور دوسرے نے اس کا لگام پکڑا ہوا ہے تو سوار اولی ہے یعنی اسی کے حق میں فیصلہ ہوگا کیونکہ اس کا تصرف زیادہ ظاہر ہے اسلئے کہ سواری مختص بالملک ہے۔

(٦٣) اسی طرح اگر دو افراد نے ایسے اونٹ میں تنازع کیا جس پر ایک مدعی کا بوجھ لدا ہوا ہے اور دوسرا اس کو کھینچ رہا ہے تو کھینچنے والے سے صاحب بار اولی ہے کیونکہ متصرف صاحب بار ہے۔ (٦٤) اگر دونوں نے ایک قمیص میں تنازع کیا اور دونوں میں سے ایک اس قمیص کو پہنے ہوئے ہے اور دوسرے نے قمیص کی آستین پکڑا ہے تو پہننے والا اولی ہے کیونکہ دونوں میں اسکا تصرف زیادہ ظاہر ہے۔

(٦٥)وَإِذَا اخْتَلَفَا الْمُتَبَايِعَانِ فِي الْبَيْعِ فَادَّعَى الْمُشْتَرِيْ ثَمَنًا وَادَّعَى الْبَائِعُ أَكْثَرَ مِنْهُ (٦٦)أَوْ اعْتَرَفَ الْبَائِعُ بِقَدْرٍ مِنَ الْمَبِيْعِ وَادَّعَى الْمُشْتَرِيْ أَكْثَرَ مِنْهُ وَأَقَامَ أَحَدُهُمَا الْبَيِّنَةَ قُضِيَ لَهُ بِهَا (٦٧)فَإِنْ أَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الْبَيِّنَةَ كَانَتِ الْبَيِّنَةُ الْمُثْبِتَةُ لِلزِّيَادَةِ أَوْلَى (٦٨)فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بَيِّنَةٌ قِيْلَ لِلْمُشْتَرِيْ إِمَّا أَنْ تَرْضَى بِالثَّمَنِ الَّذِيْ ادَّعَاهُ الْبَائِعُ وَإِلَّا فَسَخْنَا (٦٩)وَقِيْلَ لِلْبَائِعِ إِمَّا أَنْ تُسَلِّمَ مَا ادَّعَاهُ الْمُشْتَرِيْ مِنَ الْمَبِيْعِ وَإِلَّا فَسَخْنَا الْبَيْعَ (٧٠)فَإِنْ لَمْ يَتَرَاضَيَا اسْتَحْلَفَ الْحَاكِمُ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلَى دَعْوَى الآخَرِ وَيَبْتَدِئُ بِيَمِيْنِ الْمُشْتَرِيْ (٧١)فَإِذَا حَلَفَا فَسَخَ الْقَاضِيْ الْبَيْعَ بَيْنَهُمَا (٧٢)فَإِنْ نَكَلَ أَحَدُهُمَا عَنِ الْيَمِيْنِ لَزِمَهُ دَعْوَى الآخَرِ۔

ترجمہ:۔ اور اگر بائع اور مشتری نے بیع میں اختلاف کیا مشتری نے ثمن کا دعوی کرے اور بائع نے اس سے زیادہ کا دعوی کیا یا بائع مبیع کی ایک مقدار کا اقرار کرے اور مشتری اس سے زائد کا دعوی کرے اور دونوں میں سے ایک نے گواہ قائم کئے تو اس کا فیصلہ اسی کے حق میں

کیا جائیگا اور اگر دونوں نے گواہ قائم کئے تو زیادتی ثابت کرنے والے کا بینہ معتبر ہوگا اور اگر کسی ایک کے پاس بھی گواہ نہیں تو مشتری سے کہا جائیگا کہ یا تو اس ثمن پر راضی ہو جا جس کا دعویٰ بائع نے کیا ہے ورنہ ہم بیع فسخ کر دینگے اور بائع سے کہا جائیگا کہ یا تو اتنی ہی مقدار مبیع مشتری کو حوالہ کر جتنی کا مشتری نے دعویٰ کیا ہے ورنہ ہم بیع فسخ کر دینگے اور اگر وہ دونوں راضی نہ ہوں تو حاکم ان میں سے ہر ایک سے دوسرے کے دعویٰ پر قسم لے اور مشتری کی قسم سے شروع کرے پس اگر دونوں نے قسم کھالی تو قاضی ان دونوں کے درمیان بیع کو فسخ کر دیگا اور اگر کسی ایک نے قسم سے انکار کر دیا تو اس پر دوسرے کا دعویٰ لازم ہوگا۔

تشریح:۔(٦٥) اگر بائع اور مشتری نے بیع میں اختلاف کیا مثلاً مشتری کم قیمت کا دعویٰ کرے اور بائع اس سے زیادہ کا دعویٰ کرے۔(٦٦) یا بائع مبیع کی کم مقدار کا اقرار کرے اور مشتری اس سے زائد کا دعویٰ کرے پھر دونوں میں سے ایک نے اپنے مدعیٰ پر گواہ قائم کئے تو فیصلہ اسی کے حق میں ہوگا کیونکہ یہ دعویٰ مع بینہ ہے اور ثانی صرف دعویٰ ہے لہذا صاحب بینہ کی جانب قوی ہے۔

(٦٧) اگر دونوں نے اپنے اپنے مدعیٰ پر گواہ قائم کئے تو زیادتی ثابت کرنے والے کے گواہ معتبر ہونگے لہذا پہلی صورت میں بائع کے گواہ معتبر ہیں اور دوسری صورت میں مشتری کے گواہ معتبر ہیں۔(٦٨) اگر کسی ایک کے پاس بھی گواہ نہیں تو مشتری سے کہا جائیگا کہ یا تو اس ثمن پر راضی ہو جا جس کا دعویٰ بائع نے کیا ہے ورنہ ہم تمہارے درمیان بیع فسخ کر دینگے یہ تو پہلی صورت کا حکم ہے۔

(٦٩) دوسری صورت میں بائع سے کہا جائیگا کہ یا تو اتنی ہی مقدار مبیع مشتری کو حوالہ کر جتنی کا مشتری نے دعویٰ کیا ہے ورنہ ہم بیع فسخ کر دینگے کیونکہ مقصود قطع تنازع ہے اور یہ قطع تنازع کی جہت ہے کیونکہ کبھی دونوں فسخ بیع پر راضی نہیں ہوتے ہیں جب یہ جان لیں گے تو دونوں راضی ہو جائیں گے۔

(٧٠) اگر وہ دونوں راضی نہ ہوں تو حاکم ان میں سے ہر ایک سے دوسرے کے دعویٰ پر قسم لے کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک مدعی بھی ہے اور مدعیٰ علیہ بھی۔ پھر قاضی پہلے مشتری کی قسم سے شروع کرے کیونکہ دونوں میں مشتری کا انکار زیادہ سخت ہے اسلئے کہ مطالبہ ثمن پہلے مشتری سے ہوا کرتا ہے۔(٧١) پس اگر دونوں نے قسم کھالی تو قاضی ان دونوں کے درمیان بیع کو فسخ کر دے گا کیونکہ جب دونوں نے قسم کھائی تو بیع بلا بدل معین رہی لہذا فاسد ہوگی۔

(٧٢) اگر دونوں میں سے کسی ایک نے قسم سے انکار کر دیا تو اس پر دوسرے کا دعویٰ لازم ہوگا کیونکہ قسم سے انکار کرنے والے نے قربانی کر کے اپنا دعویٰ چھوڑ دیا تو دوسرے کا دعویٰ بغیر مزاحم کے رہ گیا لہذا اس کا دعویٰ ثابت ہوگیا۔

(٧٣) وَاِنْ اِخْتَلَفَا فِي الْاَجَلِ اَوْ فِي شَرْطِ الْخِيَارِ اَوْفِي اِسْتِيْفَاءِ بَعْضِ الثَّمَنِ فَلَاتَحَالُفَ بَيْنَهُمَا وَالْقَوْلُ قَوْلُ مَنْ يُنْكِرُ الْخِيَارَ وَالْاَجَلَ مَعَ يَمِيْنِهِ۔

ترجمہ:۔ اور اگر بائع و مشتری نے میعاد میں اختلاف کیا یا خیار شرط میں اختلاف کیا یا بعض ثمن کے وصول کرنے میں اختلاف کیا تو ان کے درمیان تحالف نہ ہوگا اور قول اسی کا معتبر ہوگا جو خیار شرط اور میعاد کا انکار کرتا ہے اس کی قسم کے ساتھ۔

تشریح:۔(۷۳) اگر بائع ومشتری نے میعاد میں اختلاف کیا (یعنی ادائے ثمن کی میعاد مقرر تھی کہ نہیں یا میعاد کی مقدار میں اختلاف کیا) یا خیار شرط میں اختلاف کیا ایک کہتا ہے کہ میرے لئے خیار شرط تھا دوسرا انکار کرتا ہے یا بعض ثمن کے وصول کرنے میں اختلاف کیا تو دونوں کے درمیان تحالف نہ ہوگا یعنی دونوں سے قسم نہیں لی جائیگی کیونکہ یہ اختلاف مبیع وثمن کے سوا دوسری چیز میں ہے تو یہ ایسا ہو گیا جیسے ثمن گھٹانے یا معاف کرنے میں اختلاف کے مشابہ ہوا جس میں بالاتفاق تحالف نہیں۔اور جب تحالف نہ ہوئی تو جو شخص خیار شرط اور میعاد ہونے سے منکر ہے اسی کا قول قسم کے ساتھ قبول ہوگا کیونکہ یہ دونوں چیزیں بوجہ شرط عارض ہونے کے پائی جاتی ہیں اور قول اسی کا قول ہوتا ہے جو عوارض سے منکر ہو۔

(۷۴) وَاِنْ هَلَکَ الْمَبِيْعُ ثُمَّ اِخْتَلَفَا فِي الثَّمَنِ لَمْ يَتَحَالَفَا عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ رحِمَهُ اللّٰهُ وَاَبِي يُوْسُفَ رحِمه اللّٰه وَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُشْتَرِي فِي الثَّمَنِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رحِمَهُ اللّٰهُ يَتَحَالَفَانِ وَيُفْسَخُ الْبَيْعُ عَلٰى قِيْمَةِ الْهَالِکِ۔

ترجمہ:۔اور اگر مبیع ہلاک ہوگئی پھر دونوں نے مقدار ثمن میں اختلاف کیا تو شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک دونوں قسم نہیں کھائینگے اور ثمن میں مشتری کا قول قبول ہوگا اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں قسم کھائیں گے اور بیع ہلاک شدہ کی قیمت پر فسخ کردی جائے گی۔

تشریح:۔(۷۴) یعنی اگر مبیع تلف ہو جانے کے بعد دونوں نے مقدار ثمن میں اختلاف کیا تو شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک دونوں باہمی قسم نہیں کھائیں گے اور ثمن میں مشتری کا قول قبول ہوگا۔امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں قسم کھائیں گے اور دونوں کے قسم کھانے پر بیع فسخ کردی جائے گی اور تلف شدہ مبیع کی قیمت دلوائی جائے گی۔شیخین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ مشتری کے قبضہ کے بعد تحالف خلاف قیاس ہے کیونکہ بائع نے مشتری کو وہ مال سپرد کردیا جس کا وہ مدعی ہے لیکن چونکہ شرع میں یہ تحالف وارد ہوا تو جہاں وارد ہوا ہے اسی موقع تک رہیگا اور وہ موقع یہ ہے کہ مال مبیع بعینہ قائم ہو اور ایسی حالت میں تحالف کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بیع فسخ کردی جائے اور مبیع تلف ہو جانے کے بعد یہ موقع نہیں کیونکہ مبیع تلف ہوتے ہی عقد بیع اٹھ گیا یعنی محل نہیں رہا تو یہ موقع وہ نہیں جہاں شرع وارد ہوئی۔شیخین کا قول راجح ہے۔

(۷۵) وَاِنْ هَلَکَ اَحَدُ الْعَبْدَيْنِ ثُمَّ اخْتَلَفَا فِي الثَّمَنِ لم يَتَحَالَفَا عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ اِلَّا اَنْ يَرْضَى الْبَائِعُ اَنْ يَتْرُکَ حِصَّةَ الْهَالِکِ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ رحِمَهُ اللّٰهُ يَتَحَالَفَانِ وَيَنْفَسِخُ الْمَبِيْعُ فِي الْحَيِّ وَالْقِيْمَةِ الْهَالِکِ وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ رحِمَهُ اللّٰهُ۔

ترجمہ:۔اور اگر دو غلاموں میں سے ایک ہلاک ہوگیا پھر بائع ومشتری نے ثمن میں اختلاف کیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں قسم نہیں کھائیں گے مگر یہ کہ بائع راضی ہو جائے کہ تلف شدہ غلام کا حصہ چھوڑ دے اور امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ دونوں قسم کھائیں اور بیع فسخ ہو جائیگی زندہ غلام میں اور ہلاک شدہ کی قیمت میں اور یہی امام محمد رحمہ اللہ کا قول ہے۔

تشریح:۔(۷۵) اگر مبیع دو غلام ہوں اور دونوں میں سے ایک ہلاک ہوگیا پھر بائع ومشتری نے ثمن میں اختلاف کیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں قسم نہیں کھائیں گے مگر اس صورت میں کہ بائع اس امر پر راضی ہو جائے کہ تلف شدہ غلام کا حصہ چھوڑ دے کیونکہ

اس وقت کل ثمن بمقابلہ قائم ہوگا ہلاک شدہ عقد سے نکل جائیگا لہذا اب دونوں قسم لیں۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ زندہ غلام کے بارے میں دونوں قسم کھالیں اور زندہ غلام اور تلف شدہ غلام کی قیمت میں بیع فسخ قرار دیا جائیگا یعنی زندہ غلام فروخت کرنے والے کو لوٹا دیا جائیگا اور تلف شدہ کی قیمت خریدار کے کہنے کے مطابق دلوادی جائے گی یہی امام محمد رحمہ اللہ کا قول بھی ہے۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ تحالف کا ممتنع ہونا اسی وجہ سے ہے کہ مبیع تلف ہوگئی تو جس قدر تلف ہوئی ہے اسی قدر میں تحالف ممتنع ہوگی۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ بعد از قبضہ تحالف خلاف قیاس بدلیل نص ایسی حالت میں ثابت ہے کہ جب مبیع بعینہ قائم ہو اور مبیع اپنے پورے اجزاء کا نام ہے تو بعض اجزاء تلف ہونے کے بعد مبیع باقی نہیں رہے گی۔ امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے۔

(۷۶)وَاِذَا اخْتَلَفَ الزَّوْجَانِ فِي الْمَهْرِ فَادَّعَى الزَّوْجُ انَّه تَزَوَّجَهَا بِالْفٍ وَقَالَتْ تَزَوَّجْتَنِيْ بِالْفَيْنِ فَاَيُّهُمَا اَقَامَ الْبَيِّنَةَ قُبِلَتْ بَيِّنَتُه (۷۷)وَاِنْ اَقَامَا فَالْبَيِّنَةُ بَيِّنَةُ الْمَرْاَةِ (۷۸)وَاِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُمَا بَيِّنَةٌ تَحَالَفَا عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَلَمْ يُفْسَخِ النِّكَاحُ وَلٰكِنْ يُحَكَّمُ بِمَهْرِ الْمِثْلِ (۷۹)فَاِنْ كَانَ مِثْلُ مَا اعْتَرَفَ بِهِ الزَّوْجُ اَوْ اَقَلَّ قُضِيَ بِمَا قَالَ الزَّوْجُ (۸۰)وَاِنْ كَانَ مِثْلُ مَا ادَّعَتْهُ الْمَرْاَةُ اَوْ اَكْثَرَ قُضِيَ بِمَا ادَّعَتْهُ الْمَرْاَةُ (۸۱)وَاِنْ كَانَ مَهْرُ الْمِثْلِ اَكْثَرَ مِمَّا اعْتَرَفَ بِهِ الزَّوْجُ وَاَقَلَّ مِمَّا ادَّعَتْهُ الْمَرْاَةُ قُضِيَ لَهَا بِمَهْرِ الْمِثْلِ۔

ترجمہ:۔ اور اگر زوجین نے مہر میں اختلاف کیا شوہر نے دعویٰ کیا کہ میں نے اس عورت سے ہزار درہم پر نکاح کیا تھا اور زوجہ نے کہا کہ دو ہزار پر تو نے مجھ سے نکاح کیا تو دونوں میں سے جس نے گواہ قائم کئے اسکے گواہ قبول ہونگے اور اگر دونوں نے گواہ قائم کئے تو عورت کے گواہ قبول ہونگے اور اگر ان کے لئے گواہ نہ ہوں تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں قسم کھالیں گے اور نکاح فسخ نہیں ہوگا مہر مثل کا حکم کیا جائیگا پس اگر مہر مثل اس قدر ہو جس کا شوہر نے اقرار کیا ہے یا اس سے کم ہو تو جس قدر مہر کا شوہر نے اقرار کیا ہے اسی کا حکم دیا جائیگا اور اگر اس عورت کا مہر مثل اس قدر ہو جس قدر کا عورت نے دعویٰ کیا ہے یا اس سے زیادہ ہو تو جس قدر کا عورت نے دعویٰ کیا ہے اسی قدر کا حکم دیا جائیگا اور اگر مہر مثل زیادہ ہو اس مقدار سے جس کا شوہر نے اقرار کیا ہے اور کم ہو اس مقدار سے جس کا عورت نے دعویٰ کیا ہے تو عورت کے لئے مہر مثل کا حکم دیا جائیگا۔

تشریح:۔(۷۶) اگر شوہر اور زوجہ نے مہر میں اختلاف کیا شوہر نے دعویٰ کیا کہ میں نے اس عورت سے ہزار درہم پر نکاح کیا تھا اور زوجہ نے دعویٰ کیا کہ دو ہزار پر تو نے مجھ سے نکاح کیا تھا تو دونوں میں سے جس نے گواہ قائم کئے اسکے گواہ قبول ہونگے کیونکہ اس نے اپنے مدعیٰ کو مدلل کیا۔(۷۷) اگر زوجین میں سے ہر ایک نے گواہ قائم کئے تو عورت کے گواہ قبول ہونگے کیونکہ عورت زیادہ مقدار کا دعویٰ کرتی ہے تو عورت کے گواہوں سے زیادتی ثابت ہوتی ہے لہذا عورت کے گواہ معتبر ہیں۔

(۷۸) اگر زوجین میں سے کسی کے پاس گواہ نہ ہوں تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں سے قسم لی جائے گی اور نکاح فسخ

نہ کیا جائیگا کیونکہ تحالف کا اثر صرف یہ ہے کہ دونوں کے دعوے باطل ہو گئے اور مہر بیان نہیں ہوا ہے، جس سے نکاح صحیح ہونے میں کچھ خلل نہیں اس لئے کہ مہر تو نکاح میں تابع ہوتا ہے لیکن جب مہر بیان نہیں ہوا تو اس عورت کیلئے مہر مثل کا حکم کیا جائیگا۔ (۷۹) پس اگر مہر مثل اس قدر ہو جس کا شوہر نے اقرار کیا ہے یا اس سے کم ہو تو جس قدر مہر کا شوہر نے اقرار کیا ہے اسی قدر حکم دیا جائیگا کیونکہ ظاہر حال شوہر کا شاہد ہے۔

(۸۰) اور اگر اس عورت کا مہر مثل اس قدر ہو جس قدر کا عورت نے دعویٰ کیا ہے یا اس سے زیادہ ہو تو جس قدر کا عورت نے دعویٰ کیا ہے اسی قدر کا حکم دیا جائیگا کیونکہ ظاہر عورت کے لئے شاہد ہے۔ (۸۱) اور اگر مہر مثل درمیانی ہو یعنی شوہر کے اقراری مہر سے زیادہ اور عورت کے مقدار دعویٰ سے کم ہو تو عورت کے لئے مہر مثل کا حکم دیا جائیگا کیونکہ جب دونوں نے قسم کھائی تو مہر مثل سے نہ زائد اور نہ کم ثابت ہوا۔

(۸۲) وَاِذَا اخْتَلَفَا فِي الْاِجَارَةِ قَبْلَ اِسْتِيفَاءِ الْمَعْقُوْدِ عَلَيْهِ تَحَالَفَا وَتَرَادَّا (۸۳) وَاِنْ اِخْتَلَفَا بَعْدَ الْاِسْتِيفَاءِ لَمْ يَتَحَالَفَا وَكَانَ الْقَوْلُ قَوْلُ الْمُسْتَاجِرِ (۸۴) وَاِنْ اِخْتَلَفَا بَعْدَ اِسْتِيفَاءِ بَعْضِ الْمَعْقُوْدِ عَلَيْهِ تَحَالَفَا وَفُسِخَ الْعَقْدُ فِيْمَا بَقِيَ وَكَانَ الْقَوْلُ فِي الْمَاضِيْ قَوْلُ الْمُسْتَاجِرِ مَعَ يَمِيْنِهِ۔

تشریح:۔ (۸۲) اگر عقد اجارہ میں موجر اور مستاجر نے معقود علیہ یعنی منافع حاصل کرنے سے پہلے اختلاف کیا تو دونوں قسم کھائیں اور عقد فسخ کر دے کیونکہ یہ عقد معاوضہ ہے قابل للفسخ ہے لہذا یہ بمنزلہ بیع قبل قبض المبیع ہے۔ (۸۳) اگر کل معقود علیہ یعنی منافع حاصل کرنے کے بعد دونوں نے اختلاف کیا تو بالاجماع دونوں قسم نہ لیں اور قول مستاجر کا قبول ہوگا۔ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک تو اسلئے کہ ان کے نزدیک ہلاکتِ معقود علیہ مانع عن التحالف ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک بھی قسم نہ لیں کیونکہ امام محمد رحمہ اللہ جو مبیع کے تلف ہونے کو تحالف سے مانع قرار نہیں دیتے وہ اس بناء پر کہ مبیع کی قیمت مبیع کے قائم مقام ہوتی ہے اور اسی قیمت پر دونوں قسم لیتے ہیں۔ رہا اجارہ اس میں بصورت تحالف لازمی طور پر عقد اجارہ فسخ قرار دیا جائیگا اور یہاں کوئی قیمت بھی نہیں جسے قائم مقام قرار دیا جاسکے اسلئے کہ قیمت منافع بواسطہ عقد ہوا کرتی ہے اور بوجہ فسخ عقد باقی نہ رہا تو قیمت بھی نہ رہی لہذا مبیع ہر اعتبار سے تلف ہوگئی اور تحالف کا امکان نہ رہا۔ پس اس صورت میں قول مستاجر معتبر ہوگا اسلئے کہ مدعیٰ علیہ وہی ہے یعنی اس پر زائد اُجرت کا دعویٰ ہے۔

(۸۴) اگر بعض معقود علیہ حاصل کرنے کے بعد دونوں نے اُجرت میں اختلاف کیا تو دونوں قسم کھائیں اور باقی میں عقد کو فسخ کردیا جائیگا کیونکہ اجارہ میں عقد ساعۃً فساعۃً منعقد ہوتا ہے تو منفعت کا ہر جزء ایسا ہوگا کہ گویا اس پر عقد جدید ہوا ہے۔ اور ماضی میں مستاجر کا قول مع یمینہ معتبر ہے کیونکہ وہ منکر ہے۔

(۸۵) وَاِذَا اخْتَلَفَ الْمَوْلٰى وَالْمُكَاتَبُ فِيْ مَالِ الْكِتَابَةِ لَمْ يَتَحَالَفَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يَتَحَالَفَانِ وَتُفْسَخُ الْكِتَابَةُ۔

ترجمہ:۔ اور اگر مولیٰ اور مکاتب نے مال کتابت میں اختلاف کیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قسم نہیں کھائینگے اور صاحبین رحمہما

اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں قسم کھائیں گے اور کتابت فسخ کردی جائے گی۔

تشریح:۔(۸۵) اگر مولی اور مکاتب نے مال کتابت میں اختلاف کیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قسم نہیں کھائینگے کیونکہ تحالف بیع میں خلاف القیاس وارد ہوا ہے اور کتابت بیع کے معنی میں نہیں کیونکہ کتابت جانب مکاتب میں لازم نہیں اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک دونوں قسم کھائیں گے اور کتابت فسخ کردی جائے گی کیونکہ عقد معاوضہ ہونے کی وجہ سے فسخ قبول کرتا ہے تو یہ معنی بیع کے مشابہ ہے۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول راجح ہے۔

(۸۶) وَاِذَا اخْتَلَفَا الزَّوْجَانِ فِي مَتَاعِ الْبَيْتِ فَمَا يَصْلُحُ لِلرِّجَالِ فَهُوَ لِلرَّجُلِ وَمَا يَصْلُحُ لِلنِّسَاءِ فَهُوَ لِلْمَرْاَةِ وَمَا يَصْلُحُ لَهُمَا فَهُوَ لِلرَّجُلِ (۸۷) فَاِنْ مَاتَ اَحَدُهُمَا وَاخْتَلَفَ وَرَثَتُهُ مَعَ الآخَرِ فَمَا يَصْلُحُ لِلرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ فَهُوَ لِلْبَاقِي مِنْهُمَا وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ يُدْفَعُ اِلَى الْمَرْاَةِ مَايُجَهَّزُ بِهِ مِثْلُهَا وَالْبَاقِي لِلزَّوْجِ ـ

ترجمہ:۔اور گرزوجین نے گھر کے اسباب میں اختلاف کیا تو جو چیز مردوں کی لائق ہو وہ شوہر کی ہوگی اور جو چیز عورتوں کی لائق ہو وہ زوجہ کی ہوگی اور جو چیز دونوں کی لائق ہو تو وہ شوہر کی ہوگی اور اگر زوجین میں سے ایک مرگیا اور اسکے وارثوں نے دوسرے کے ساتھ اختلاف کیا تو جو چیز مردوں اور عورتوں کی لائق ہوگی وہ اس کے لئے ہوگی جو ان دونوں میں سے زندہ ہوگا اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عورت کو وہ چیز دیدی جائیگی جو جہیز میں دیجاتی ہے اور باقی شوہر کا ہوگا۔

تشریح:۔(۸۶) اگر زوجین نے گھر کے اسباب میں اختلاف کیا تو جو چیزیں مردوں کی لائق ہوں وہ شوہر کی ہونگی جیسے عمامہ، جبہ ہتھیار وغیرہ کیونکہ ان چیزوں میں ظاہر حال شوہر کا شاہد ہے اور جو چیزیں عورتوں کی لائق ہوں تو وہ زوجہ کی ہونگی جیسے اوڑھنی، زیور وغیرہ کیونکہ ان چیزوں میں ظاہر حال زوجہ کا شاہد ہے اور جو چیزیں دونوں کی لائق ہوں جیسے برتن ونقود وغیرہ تو وہ شوہر کی ہونگی کیونکہ عورت بمع اپنے مقبوضہ کے شوہر کے قبضہ میں ہے اور قاعدہ ہے کہ دعووں میں قول قابض کا قبول ہوتا ہے۔

(۸۷) اگر زوجین میں سے ایک مرگیا اور میت کے وارثوں نے دوسرے (یعنی زندہ) کے ساتھ اختلاف کیا تو خواہ مردوں کی لائق چیزیں ہوں یا عورت کی سب کے سب زندہ کی ہونگی کیونکہ قبضہ زندہ کا معتبر ہے نہ کہ مردہ کا۔یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو چیزیں اس جیسی عورت جہیز میں دی جاتی ہے وہ تو عورت کو دے دی جائیگی اور باقی میں زوج کا قول مع الیمین معتبر ہوگا کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ عورت جہیز لاتی ہے اور یہ ظاہر بنسبت ظاہری قبضۂ شوہر کے زیادہ قوی ہے لہذا اس کی وجہ سے شوہر کا ظاہری قبضہ توڑ دیا جائیگا۔پھر جو کچھ باقی رہا اس میں شوہر کے ظاہری قبضہ کا کوئی معارض نہیں لہذا اس کا ظاہری قبضہ معتبر ہوگا۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول راجح ہے۔

(۸۸)وَاِذَا بَاعَ الرَّجُلُ جَارِيَتَه فَجَاءَ تْ بِوَلَدٍ فَادَّعَاهُ الْبَائِعُ فَاِنْ جَاءَ تْ بِه لِاَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ من يَوْمِ بَاعَهَا فَهُوَ اِبْنُ الْبَائِعِ وَاُمُّه اُمُّ وَلَدِه وَيُفْسَخُ الْبَيْعُ وَيُرَدُّ الثَّمَنُ (۸۹)وَاِنْ اِدَّعَاه الْمُشْتَرِىْ مَعَ دَعْوَةِ الْبَائِعِ اَوْ بَعْدَ دَعْوَتِه فَدَعْوَةُ الْبَائِعِ اَوْلٰى (۹۰)وَاِنْ جَاءَ تْ بِه لِاَكْثَرَ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ وَلِاَقَلَّ مِنْ سَنَتَيْنِ لم تُقْبَلْ دَعْوَةُ الْبَائِعِ فِيْهِ اِلَّا اَنْ يُصَدِّقَهُ الْمُشْتَرِىْ۔

ترجمه:۔اور اگر کسی نے اپنی باندی فروخت کردی پس اس نے بچہ جنا اور بائع نے اس کا دعویٰ کیا تو اگر وہ فروخت کے وقت سے چھ ماہ سے کم مدت میں یہ بچہ جنا ہو تو یہ بائع کا بیٹا ہے اور اسکی ماں بائع کی ام ولد ہے اور بیع فسخ کردی جائے گی اور ثمن واپس کردیا جائیگا اور اگر بائع کے دعویٰ نسب کے ساتھ ساتھ یا اسکے بعد مشتری نے بھی اس کا دعویٰ کیا تو بائع کا دعویٰ اولیٰ ہے اور اگر وقت بیع سے چھ مہینے سے زائد اور دو سال سے کم پر وہ بچہ جنی تو بائع کا دعویٰ اس بچہ کے بارے میں قبول نہ ہوگا الا یہ کہ مشتری اس کی تصدیق کرلے۔

تشریح:۔(۸۸)اگر کسی نے اپنی باندی فروخت کردی پھر اس کا بچہ پیدا ہوا اور بائع نے بچے کے نسب کا دعویٰ کیا تو دیکھا جائیگا کہ اگر فروخت کے وقت سے چھ ماہ سے کم مدت میں یہ بچہ پیدا ہوا ہو تو یہ بائع کا بیٹا ہے اور اسکی ماں بائع کی ام ولد ہے کیونکہ بائع کی ملک میں علوق کا متصل ہونا اس کے لئے ظاہر دلیل ہے کہ علوق نطفہ اسی سے ہے پس جب دعویٰ نسب صحیح ہوا تو نسبت اسی وقت کو ہوگی جس وقت سے نطفہ قرار پایا ہے لہذا ظاہر ہوا کہ بائع نے اپنی ام ولد کو فروخت کی ہے تو بیع فسخ کردی جائے گی کیونکہ ام ولد کی بیع جائز نہیں اور بائع نے جو ثمن لیا ہے اسکو واپس کردیگا کیونکہ اس نے ناحق وصول کیا ہے۔

(۸۹)اگر بائع کے دعویٰ نسب کے ساتھ ساتھ یا اسکے بعد مشتری نے بھی اس بچے کے نسب کا دعویٰ کیا تو بائع کا دعویٰ اولیٰ ہے کیونکہ بائع کا دعویٰ اسبق ہے اسلئے کہ وہ وقتِ علوق نطفہ کو منسوب ہے۔(۹۰)اور اگر وقت بیع سے چھ مہینے سے زائد اور دو سال سے کم پر بچہ پیدا ہوا تو بائع کا دعویٰ اس بچہ کے بارے میں قبول نہ ہوگا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ بچہ کا علوق بیع کے بعد ہوا ہو البتہ اگر مشتری نے بائع کی تصدیق کرلی تو نسب ثابت ہوجائیگا اور بیع باطل ہوجائے گی اور بچہ آزاد ہوجائیگا کما فی المسئلۃ الاولیٰ۔

(۹۱)وَاِنْ مَاتَ الْوَلَدُ فَادَّعَاهُ الْبَائِعُ وقد جَاءَ تْ بِه لِاَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ لم يَثْبُتِ النَّسَبُ فِى الْوَلَدِ ولا الْاِسْتِيْلَادُ فِى الْاُمِّ (۹۲)وَاِنْ مَاتَتِ الْاُمُّ فَادَّعَاه الْبَائِعُ وقد جَاءَ تْ بِه لِاَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ يَثْبُتُ النَّسَبُ مِنْهُ فِى الْوَلَدِ وَاَخَذَه الْبَائِعُ وَيَرُدُّ الثَّمَنَ كُلَّهُ فِىْ قَوْلِ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَه اللّٰه عَلَيْهِ وقالا رحِمَهُمَا اللّٰه يَرُدُّ حِصَّةَ الْوَلَدِ ولا يَرُدُّ حِصَّةَ الْاُمِّ

ترجمه:۔اور اگر بچہ مرگیا پھر بائع نے اس کا دعویٰ کیا اور حال یہ کہ باندی اسکو چھ مہینے سے کم پر جنی تھی تو نہ بچے کا نسب ثابت ہوگا اور نہ ماں کا ام ولد ہونا ثابت ہوگا اور اگر ماں مرگئی پھر بائع نے بچہ کا دعویٰ کیا اور حال یہ کہ وہ چھ مہینے سے کم پر اسکو جنی تھی تو اس سے بچہ کا نسب ثابت ہوجائیگا اور بائع اس کو لے لیگا اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بائع کل ثمن واپس کریگا اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ صرف بچہ کا حصہ واپس کریگا ماں کا حصہ واپس نہیں کریگا۔

تشریح:۔ (۹۱) اگر بچہ مرگیا پھر بائع نے اسکے نسب کا دعویٰ کیا اور حال یہ کہ باندی اسکو وقت بیع سے چھ مہینے سے کم پر جنی تھی تو ماں کا ام ولد ہونا ثابت نہ ہوگا کیونکہ ماں اس بارے میں بچہ کی تابع ہے اور بچہ کا نسب بعد از موت عدم حاجت کی وجہ سے ثابت نہیں ہوا تو اسکا تابع ہو کر ماں کا ام ولد ہونا بھی ثابت نہ ہوگا۔ (۹۲) اگر بچہ کی ماں مرگئی پھر بائع نے بچہ کے نسب کا دعویٰ کیا اور حال یہ کہ وہ چھ مہینے سے کم پر اسکو جنی تھی تو بچہ کا نسب ثابت ہوجائیگا اور بائع اس کو لے لیگا کیونکہ نسب کے بارے میں بچہ اصل ہے تو تابع کا مرنا اس کے لئے مضر نہیں۔ پھر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بائع پر کل ثمن واپس کرنا واجب ہے کیونکہ اب یہ بات ظاہر ہوگئی کہ بائع نے اپنی ام ولد کو فروخت کیا تھا اور ام ولد کی کوئی قیمت امام صاحبؒ کے نزدیک متعین نہیں ہوسکتی ہے نہ بیع میں اور نہ غصب کی صورت میں۔ لہذا مشتری اسکا ضامن نہ ہوگا اسلئے مشتری اپنا کل ثمن واپس لینے کا مستحق ہے۔

صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک صرف بچہ کا حصہ واپس کریگا ماں کا حصہ واپس نہیں کریگا کیونکہ ثمن دونوں کے مقابلے میں تھا اور ام ولد کو باندی فرض کر کے قیمت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے لہذا مشتری بقدر قیمتِ ام ضامن ہوگا۔

(۹۳) وَمَنْ اِدَّعیٰ نَسَبَ اَحَدِ التَّوْاَمَیْنِ یَثْبُتُ نَسَبُهُمَا مِنْهُ۔

ترجمہ:۔ اور جس نے جڑواں بچوں میں سے ایک کے نسب کا دعویٰ کیا تو دونوں کا نسب اس سے ثابت ہوجائیگا۔

تشریح:۔ (۹۳) اگر کسی نے جڑواں بچوں میں سے ایک کے نسب کا دعویٰ کیا تو دوسرے بچے کا نسب بھی اس سے ثابت ہوجائیگا کیونکہ دونوں ایک ہی نطفہ سے پیدا ہوئے ہیں تو جب ایک کا نسب ثابت ہوا تو ضرور دوسرے کا نسب بھی ثابت ہوجائیگا۔

کتابُ الشَّهَادات

یہ کتاب شہادات کے بیان میں ہے۔

''شہادت'' لغۃً بمعنی خبر قاطع اور بمعنی حاضر ہونا'' ومنه قوله ﷺ اَلْغَنِیْمَةُ لِمَنْ شَهِدَ الْوَقْعَةَ اَیْ حَضَرَهَا'' اور شرعاً اثبات حق کیلئے سچی خبر دینے کو شہادت کہتے ہیں۔

''کتاب الشهادة'' کو ''کتاب الدعویٰ'' کے بعد ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ شہادت کا وقوع اکثر دعاوی کے بعد ہوتا ہے پہلے دعویٰ ہوتا ہے پھر اس کی توثیق کے لئے شہادت کی ضرورت ہوتی ہے۔

شہادت کی شرط یہ ہے کہ شاہد کے لئے عقل کامل، ضبط اور اہلیت ثابت ہو۔ اور شہادت کا سبب مدعی کا شاہد سے گواہی ادا کرنے کو طلب کرنا ہے۔ اور رکن شہادت لفظِ شہادت ہے۔ حکمِ شہادت قاضی پر مقتضیٔ شہادت کے مطابق حکم کرنے کا وجوب ہے۔

(۱) اَلشَّهَادَةُ فَرْضٌ تَلْزَمُ الشُّهُوْدَ وَلَا یَسَعُهُمْ کِتْمَانُهَا اِذَا طَالَبَهُمُ الْمُدَّعِیْ۔

ترجمہ:۔ گواہی فرض ہے گواہوں کو لازم ہے اور گواہوں کو گواہی چھپانے کی ان کو گنجائش نہیں جب مدعی ان سے طلب کرے۔

تشریح:۔ (۱) گواہی فرض ہے گواہوں پر اسکی ادائیگی لازم ہے لقوله تعالیٰ ﴿وَلَا تَکْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ یَّکْتُمْهَا فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ

(یعنی تم گواہی مت چھپاؤ اور جس نے گواہی چھپایا اس کا دل گناہ گار ہے)۔ اور یہ اس وقت ہے کہ مدعی گواہی آدا کرنے کا مطالبہ کرے کیونکہ گواہی مدعی کا حق ہے تو دیگر حقوق کی طرح مدعی کا طلب کرنا شرط ہے۔

(۲) وَالشَّهَادَةُ فِي الْحُدُوْدِ يُخَيَّرُ فِيْهَا الشَّاهِدُ بَيْنَ السَّتْرِ وَالْإِظْهَارِ وَالسَّتْرُ أَفْضَلُ (۳) إِلَّا أَنَّهُ يَجِبُ أَنْ يَشْهَدَ بِالْمَالِ فِي السَّرِقَةِ فَيَقُوْلُ أَخَذَ الْمَالَ وَلَا يَقُوْلُ سَرَقَ۔

ترجمہ:۔ اور شرعی حدود میں گواہی کے بارے گواہ کو چھپانے اور ظاہر کرنے میں اختیار ہے اور ستر پوشی افضل ہے مگر یہ کہ چوری کرنے میں مال کی گواہی دینا واجب ہے پس کہے کہ اس نے مال لے لیا ہے اور یہ نہ کہے کہ چرایا ہے۔

تشریح:۔ (۲) شرعی حدود میں گواہی کے بارے گواہ کو اختیار ہے چاہے تو چھپادے اور چاہے تو ظاہر کردے کیونکہ اسکو ثواب کے دو کام درپیش ہیں یعنی اقامۃ الحدود اور ستر پوشی، تو اسکو اختیار ہے چاہے تو حد قائم کرادے اور چاہے تو ستر پوشی کردے لیکن ستر پوشی افضل ہے "لقوله صلّى الله عليه وسلم لِلَّذِيْ شَهِدَ عِنْدَهُ لَوْ سَتَرْتَهُ بِثَوْبِكَ لَكَانَ خَيْرًا لَكَ" (یعنی اگر تو اس کو کپڑے سے چھپاتا تو تیرے لئے بہتر ہوتا)" وقال ﷺ مَنْ سَتَرَ عَلَى مُسْلِمٍ سَتَرَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ " (یعنی جس نے کسی مسلمان کا پردہ پوشی کی تو اللہ تعالی دنیا وآخرت میں اس کا پردہ پوشی کریگا)۔

(۳) حدود میں ستر پوشی افضل ہے البتہ مال چوری کرنے کی صورت میں گواہ پر لازم ہے کہ گواہی دے اور یوں کہے گا کہ اس نے مال لے لیا تا کہ مسروق منہ کا حق ضائع نہ ہو۔ یوں نہ کہے کہ اس نے مال چرایا ہے تا کہ یہ سارق قطع سے بچ جائے یوں ستر اور اظہار دونوں جمع ہو جائیں گے۔

(٤) وَالشَّهَادَةُ عَلَى مَرَاتِبَ مِنْهَا الشَّهَادَةُ فِي الزِّنَا يُعْتَبَرُ فِيْهَا أَرْبَعَةٌ مِنَ الرِّجَالِ وَلَا تُقْبَلُ فِيْهَا شَهَادَةُ النِّسَاءِ (٥) وَمِنْهَا الشَّهَادَةُ بِبَقِيَّةِ الْحُدُوْدِ وَالْقِصَاصِ تُقْبَلُ فِيْهَا شَهَادَةُ رَجُلَيْنِ (٦) وَلَا تُقْبَلُ فِيْهَا شَهَادَةُ النِّسَاءِ (٧) وَمَا سِوَى ذَالِكَ مِنَ الْحُقُوْقِ تُقْبَلُ فِيْهَا شَهَادَةُ رَجُلَيْنِ أَوْ رَجُلٍ وَامْرَأَتَيْنِ سَوَاءٌ كَانَ الْحَقُّ مَالًا أَوْ غَيْرَ مَالٍ مِثْلُ النِّكَاحِ وَالطَّلَاقِ وَالْوَكَالَةِ وَالْوَصِيَّةِ (٨) وَتُقْبَلُ فِي الْوِلَادَةِ وَالْبَكَارَةِ وَالْعُيُوْبِ بِالنِّسَاءِ فِي مَوْضِعٍ لَا يَطَّلِعُ عَلَيْهِ الرِّجَالُ شَهَادَةُ امْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ۔

ترجمہ:۔ اور شہادت کے کئی مراتب ہیں ان میں سے شہادت فی الزنیٰ ہے اس میں چار مرد معتبر ہیں اور اس میں عورتوں کی گواہی قبول نہ ہوگی اور ان میں سے بقیہ حدود اور قصاص کی گواہی ہے ان میں دو مردوں کی گواہی قبول کی جائیگی اور ان میں بھی عورتوں کی گواہی معتبر نہیں اور اس کے ماسوا دوسرے حقوق میں دو مردوں یا ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی قبول کی جائیگی خواہ حق مال ہو یا غیر مال ہو جیسے نکاح، طلاق، عتاق، وکالت اور وصیت اور ولادت، بکارت اور عورتوں کے ان عیوب میں جن پر مرد مطلع نہیں ہو سکتے ہیں میں صرف ایک عورت کی گواہی قبول کی جائیگی۔

تشریح: (۴) شہادت کے چار مراتب ہیں اول شہادت فی الزنٰی ہے اس میں چار مردوں کی گواہی معتبر ہے لقولہ تعالیٰ ﴿وَاللَّاتِیْ یَأْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِنْكُمْ﴾ (یعنی جو عورتیں بے حیائی کا کام کریں تمہاری بیبیوں میں سے سو تم ان عورتوں پر چار آدمی اپنوں میں سے گواہ کرلو)۔ (۵) شہادت فی الزنٰی میں عورتوں کی گواہی قبول نہ ہوگی "لحدیث الزهری مَضَتِ السُّنَّةُ مِنْ لَدُنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَالْخَلِيْفَتَيْنِ مِنْ بَعْدِهٖ اَنْ لَاشَهَادَةَ لِلنِّسَاءِ فِی الْحُدُوْدِ وَالْقِصَاصِ" (یعنی رسول اللہ اور آپ ﷺ کے بعد دو خلفاء کے وقت سے یہ سنت چلی آرہی ہے کہ حدود وقصاص میں عورتوں کی گواہی نہیں ہے)۔

(۶) شہادت کی دوسری قسم حد زنٰی کے سوا بقیہ حدود اور قصاص میں گواہی دینا ہے ان حدود اور قصاص میں دو مردوں کی گواہی معتبر ہے لقولہ تعالیٰ ﴿فَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ﴾ (سو تم ان عورتوں پر چار آدمی اپنوں میں سے گواہ کرلو) اور ان حدود میں بھی عورتوں کی گواہی معتبر نہیں لحدیث الزهری مَامَرَّ۔

(۷) شہادت کی تیسری قسم حدود اور قصاص کے سوا دوسرے حقوق میں گواہی دینا ہے ان حقوق کے بارے میں دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی قبول کی جائے گی برابر ہے کہ مشہود بہ حق مال ہو یا غیر مال ہو جیسے نکاح، طلاق، عتاق، وکالت اور وصیت وغیرہ کیونکہ اصل اس میں قبولیت ہے اسلئے کہ وہ چیزیں پائی جاتی ہیں جن پر گواہی کی لیاقت کا مدار ہے یعنی مشاہدہ، ضبط اور ادا، کیونکہ مشاہدہ سے گواہ کو علم حاصل ہوتا ہے اور ضبط کرنے سے وہ باقی رہتا ہے اور ادا کرنے سے قاضی کو علم ہو جاتا ہے اور کثرت نسیان کی وجہ سے عورت کے ضبط کرنے میں جو نقصان ہوتا ہے وہ دوسری عورت کے ملانے سے پورا ہو گیا۔

(۸) شہادت کی چوتھی قسم ایسے امور کے بارے میں گواہی دینا ہے جن پر عورتوں کے سوا مرد مطلع نہیں ہو سکتے ہیں تو ان میں صرف عورتوں کی گواہی بھی معتبر ہے جیسے ولادت میں (کہ یہ عورت بچہ جنی ہے یا نہیں) اور بکارت میں (کہ یہ عورت باکرہ ہے یا نہیں) اور عورتوں کے ایسے عیوب میں جہاں مرد نہیں دیکھ سکتے ان سب میں ایک عورت کی گواہی معتبر ہے "لقوله صلى الله عليه وسلم شَهَادَةُ النِّسَاءِ جَائِزَةٌ فِيْمَا لَايَسْتَطِيْعُ الرِّجَالُ النَّظْرُ اِلَيْهِ" (یعنی جہاں مرد نہیں دیکھ سکتے ہیں اس میں عورتوں کی گواہی جائز ہے) النساء جمع ہے جس پر الف لام جنس کا ہے لہذا ایک عورت کو بھی شامل ہے۔

(۹) وَلَابُدَّ فِیْ ذٰلِكَ كُلِّهٖ مِنَ الْعَدَالَةِ وَلَفْظِ الشَّهَادَةِ (۱۰) فَاِنْ لَمْ يَذْكُرِ الشَّاهِدُ لَفْظَ الشَّهَادَةِ وَقَالَ اَعْلَمُ اَوْ اَتَيَقَّنُ لَمْ تُقْبَلْ شَهَادَتُهٗ۔

ترجمہ:۔ اور ان تمام صورتوں میں ضروری ہے گواہ کا عادل ہونا اور لفظ شہادت پس اگر گواہ نے لفظ شہادت ذکر نہیں کیا اور کہا کہ میں جانتا ہوں یا مجھے یقین ہے تو اسکی گواہی قبول نہ ہوگی۔

تشریح:۔ (۹) گواہی کی مذکورہ بالا تمام صورتوں میں گواہ کا عادل ہونا شرط ہے لقولہ تعالیٰ ﴿فَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِنْكُمْ﴾ (یعنی مسلمانوں میں سے دو عادلوں کو گواہ بنالو)۔ (۱۰) بوقت گواہی لفظ شہادت کو ذکر کرنا شرط ہے کیونکہ لفظ "اَشْهَدُ" الفاظ قسم میں سے ہے

تو اسی لفظ کی وجہ سے گواہ کا جھوٹ سے دور رہنا زیادہ شدید ہے لہذا گواہ نے اگر کہا کہ میں جانتا ہوں یا مجھے یقین ہے تو اسکی گواہی قبول نہ ہوگی لِمَا قُلْنَا۔

(۱۱)وَقَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ يَقْتَصِرُ الْحَاكِمُ عَلَى ظَاهِرِ عَدَالَةِ الْمُسْلِمِ (۱۲)اِلَّا فِي الْحُدُوْدِ وَالْقِصَاصِ فَاِنَّه يَسْئَلُ عَنِ الشُّهُوْدِ(۱۳)وَاِنْ طَعَنَ الْخَصْمُ فِيْهِمْ سَالَ عَنْهُمْ وقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رحمه الله وَمُحَمَّدٌ رَحِمَه الله لَابُدَّ اَنْ يَسْئَلَ عَنْهُمْ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ۔

ترجمہ:۔اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قاضی مسلمان گواہ کی ظاہری عدالت پر اکتفاء کریگا مگر حدود وقصاص میں کیونکہ ان میں گواہوں کی تحقیق کریگا اور اگر خصم نے ان پر طعن کیا تو ان کے بارے میں تحقیق کریگا اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں ضروری ہے کہ گواہوں کے بارے میں خفیہ اور علانیہ تحقیق کرے۔

تشریح:۔(۱۱)امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مسلمان گواہ کے بارے میں قاضی اسکی ظاہری عدالت پر اکتفاء کریگا اسکی عدالت کے بارے میں تحقیق نہیں کریگا کیونکہ ظاہر حال یہ ہے کہ مسلمان ایسے فعل سے جو اسکے دین میں حرام ہے (یعنی جھوٹ بولنے سے) پرہیز کریگا۔

(۱۲)البتہ حدود اور قصاص کے گواہوں کی عدالت کے بارے میں قاضی تحقیق کریگا اگر چہ خصم ان پر طعن نہ کرے یہ اس لئے کہ قاضی ان حدود کے ساقط کرنے میں حیلہ ڈھونڈتا ہے لہذا انتہائی تفتیش شرط ہے شاید کوئی ایسی بات نکل آئے کہ جس سے حد ساقط ہو۔(۱۳)ہاں اگر خصم نے حدود اور قصاص کے علاوہ دیگر گواہوں پر طعن کیا کہ یہ جھوٹے ہیں یا غلام ہیں یا محدود فی القذف ہیں تو قاضی ان کے بھی حالات دریافت کرے۔

صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک تمام حقوق میں قاضی پر لازم ہے کہ وہ گواہوں کی خفیہ وعلانیہ عدالت کو دریافت کرے برابر ہے کہ خصم گواہوں پر طعن کرے یا نہ کرے کیونکہ حکم عادل کی گواہی پر مبنی ہے تو عدالت کی تحقیق کرنا واجب ہے۔

مشائخ کی رائے یہ ہے کہ یہ عہد وزمانے کا اختلاف ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے زمانے میں لوگوں میں نیکی زیادہ تھی ظاہراً وباطناً وہ سچے ہوتے تھے۔صاحبین رحمہما اللہ کے زمانے میں لوگوں میں جھوٹ پھیل گیا پس اس زمانے میں فتویٰ صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر ہے۔

(۱۴)وَمَا يَتَحَمَّلُهُ الشَّاهِدُ عَلَى ضَرْبَيْنِ اَحَدُهُمَا مَا يَثْبُتُ حُكْمُهُ بِنَفْسِهِ مِثْلُ الْبَيْعِ وَالْاِقْرَارِ وَالْغَصْبِ وَالْقَتْلِ وَحُكْمِ الْحَاكِمِ فَاِذَا سَمِعَ ذَالِكَ الشَّاهِدُ اَوْ رَآه وَسِعَه اَنْ يَشْهَدَ بِه وَاِنْ لَمْ يُشْهَدْ عَلَيْهِ وَيَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنَّه بَاعَ وَلَايَقُوْلُ اَشْهَدَنِيْ (۱۵)وَمِنْه مَا لَايَثْبُتُ حُكْمُه بِنَفْسِهِ مِثْلُ الشَّهَادَةِ عَلَى الشَّهَادَةِ فَاِذَا سَمِعَ شَاهِدًا يَشْهَدُ بِشَيْءٍ لَمْ يَجُزْ لَه اَنْ يَشْهَدَ عَلَى شَهَادَتِه اِلَّا اَنْ يُشْهِدَه (۱۶)وَكَذَالِكَ لَوْ سَمِعَه يُشْهِدُ الشَّاهِدَ عَلَى شَهَادَتِه لَمْ يَسَعْ لِلسَّامِعِ اَنْ يَشْهَدَ عَلَى ذَالِكَ۔

ترجمہ:۔اور گواہ جس گواہی کا تحمل کرتا ہے وہ دو قسم پر ہے ایک وہ ہے کہ جس کا حکم بنفسہ ثابت ہوتا ہے جیسے بیع، اقرار، غصب، قتل اور

قاضی کا حکم دینا ہے پس جب اسکو گواہ نے سنا یا دیکھا تو گواہ کیلئے اس کی گواہی دینے کی گنجائش ہے اگر چہ اسکو اس معاملہ پر گواہ نہ بنایا گیا ہو اور کہے گا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس نے فروخت کیا یوں نہیں کہے گا کہ اس نے مجھے گواہ بنایا ہے اور ان میں سے وہ گواہی ہے جسکا حکم بنفسہ ثابت نہیں ہوتا ہے جیسے شہادت علی الشہادۃ میں پس جب سنے کہ کوئی گواہ گواہی دیتا ہے تو اس کے لئے جائز نہیں کہ اس کی گواہی پر گواہی دے الا یہ کہ وہ اس کو گواہ بنائے اور اسی طرح اگر وہ اسے سنے کہ اپنی گواہی پر کسی کو گواہ بنا رہا ہے تو سننے والے کے لئے گنجائش نہیں کہ وہ اس پر گواہی دے۔

تشریح:۔(۱٤) گواہ جس گواہی کا تحمل کرتا ہے اسکی دو قسمیں ہیں ایک وہ ہے کہ جس کا حکم بنفسہ ثابت ہوتا ہے یعنی کسی کا اسکو گواہ بنانے کی ضرورت نہیں پڑھتی ہے جیسے بیع، اقرار، غصب، قتل اور قاضی کا حکم دینا ہے یا جو بھی سنا یا دیکھا جاتا ہے تو بس جب اسکو گواہ نے سنا (اگر وہ سننے سے معلوم ہوتا ہو جیسے بیع اور اقرار) یا دیکھا (اگر وہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہو جیسے غصب اور قتل) تو گواہ کیلئے گواہی دینے کی گنجائش ہے اگر چہ اسکو اس معاملہ پر گواہ نہ بنایا گیا ہو۔ البتہ مثلاً بیع کی گواہی دیتے وقت کہے گا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس نے فروخت کیا یوں نہیں کہیگا کہ اس نے مجھے گواہ بنایا ہے کیونکہ یہ جھوٹ ہے۔

(۱۵) شہادت کی دوسری قسم وہ ہے جسکا حکم بنفسہ ثابت نہیں ہوتا ہے بلکہ اس میں اشہاد (گواہ بنانے کی) کی بھی احتیاج ہوتی ہے جیسے شہادت علی الشہادۃ میں (جس کی تفصیل بعد میں آئیگی) مثلاً زید نے سنا کہ بکر گواہی دیتا ہے کہ عمرو کے ہزار درہم خالد پر قرضہ ہے تو زید کیلئے جائز نہیں کہ عمرو کیلئے خالد پر ہزار درہم ہونے کی گواہی دے کیونکہ یہ ضروری ہے کہ اصل گواہ فرع کو اپنی گواہی پر گواہ بنا کر نائب بنائے ہاں اگر بکر نے زید کو اپنی گواہی پر گواہ کرلیا تو پھر زید اسکی گواہی پر گواہی دے سکتا ہے کیونکہ اب وہ اصل گواہ کا نائب ہے۔

(۱٦) اسی طرح اگر زید نے سنا کہ اصل گواہ اپنی گواہی پر بکر کو گواہ بنا رہا ہے تو بھی سننے والے زید کیلئے گنجائش نہیں کہ اصل گواہ کی گواہی پر خود گواہی دے کیونکہ گواہی پر گواہی کا تحمل زید نے نہیں بلکہ بکر نے کیا ہے اسلئے زید کیلئے گنجائش نہیں۔

(۱۷) وَلَايَحِلُّ لِلشَّاهِدِ اِذَا رَأَى خَطَّهُ اَنْ يَشْهَدَ اِلَّا اَنْ يَذْكُرَ الشَّهَادَةَ۔

ترجمہ:۔ اور گواہ کے لئے یہ جائز نہیں کہ اپنا خط دیکھ کر اسکے مطابق گواہی دے الا یہ کہ اسکو اپنی گواہی یاد آجائے۔

تشریح:۔(۱۷) گواہ کے لئے یہ جائز نہیں کہ اپنا خط دیکھ کر اسکے مطابق گواہی دے اسلئے کہ ایک خط دوسرے خط سے مشابہ ہوتا ہے تو ہوسکتا ہے کہ یہ دوسرے کا خط ہو لہذا اس خط سے اسکو علم حاصل نہیں ہوتا ہے تو گواہی بھی نہیں دے سکتا۔ البتہ اگر اس کو اپنی گواہی یاد آجائے تو پھر گواہی دینا درست ہے۔

(۱۸)وَلاتُقبَلُ شَهَادَةُ الاَعْمیٰ (۱۹)وَلاالمَملُوکِ (۲۰)وَلا المَحدُودِ فِی قَذْفٍ وانْ تَابَ (۲۱)ولا شَهَادَةُ الوَالِدِ لِوَلَدِه وَوَلَدِوَلَدِه ولا شَهَادَةُ الوَلَدِ لِاَبَوَیْهِ وَاَجْدَادِه (۲۲)ولاتُقبَلُ شَهادَةُ اِحدٰی الزَّوْجَیْنِ لِلآخَرِ (۲۳)ولاشَهَادَةُ المَوْلٰی لِعَبْدِه ولالِمَکاتَبِه (۲۴)ولاشَهَادَةُ الشَّرِیْکِ لِشَرِیْکِه فِیْمَا هُوَ مِنْ شِرْکَتِهِمَا۔

ترجمہ:۔اور اندھے کی گواہی قبول نہیں کی جائیگی اور نہ غلام کی اور نہ محدود فی القذف کی اگر چہ توبہ کرلے اور نہ والد کی گواہی اپنے بیٹے اور پوتے کیلئے اور نہ بیٹے کی گواہی اپنے والدین اور اجداد کیلئے اور قبول نہیں کی جائیگی زوجین میں سے ایک کی گواہی دوسرے کیلئے اور نہ مولیٰ کی گواہی اپنے غلام کیلئے اور نہ اپنے مکاتب کیلئے اور نہ شریک کی گواہی اپنے دوسرے شریک کیلئے ایسی چیز میں جوان دونوں کی شرکت میں سے ہو۔

تشریح:۔(۱۸)اندھے کی گواہی مقبول نہیں کیونکہ گواہی ادا کرنے میں اشارہ کے ساتھ مشہود لہ ومشہود علیہ میں تمیز کرنے کی ضرورت ہے اور اندھا سوائے آواز کے کسی طرح یہ تمیز نہیں کرسکتا ہے اور آواز ،آواز کے مشابہ ہوسکتی ہے لہذا تمیز نہیں ہوسکتی ہے۔(۱۹)مملوک بھی نہ اپنے مالک کے حق میں اور نہ غیر کے حق میں گواہی دے سکتا ہے کیونکہ گواہی از باب ولایت ہے اور غلام کو اپنی ذات پر ولایت حاصل نہیں تو غیر پر تو بطریقۂ اولیٰ اسکو ولایت حاصل نہیں۔

(۲۰) محدود فی القذف کی گواہی بھی جائز نہیں اگر چہ اس نے توبہ کرلی ہو کیونکہ محدود فی القذف کی گواہی قبول نہ کرنا اس کی حد کا تتمہ ہے یعنی قاذف کی حد یہ ہے کہ اسے کوڑے مارے جائیں اور اسکی گواہی رد کی جائے۔(۲۱)والد (مراد اباء واجداد ہیں) کی گواہی اپنے بیٹے اور پوتے کیلئے قبول نہیں کی جائیگی۔اور بیٹے (مراد اولاد ہے وان سفل) کی گواہی اپنے والدین اور اجداد کیلئے قبول نہیں کی جائیگی کیونکہ اولاد اور اباء کے درمیان منافع متصل ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ایک دوسرے کو زکوۃ نہیں دے سکتے ہیں پس ان کا ایک دوسرے کیلئے گواہی دینا من وجہ اپنی نفس کیلئے گواہی دینا ہے اسلئے مقبول نہیں۔

(۲۲)اسی طرح زوجین میں سے ایک کی گواہی دوسرے کیلئے جائز نہیں کیونکہ عادۃً ان کے منافع بھی متصل ہوتے ہیں لہذا یہ بھی من وجہ اپنی ذات کیلئے گواہی ہے۔(۲۳)اسی طرح مولیٰ کی گواہی اپنے غلام کیلئے جائز نہیں کیونکہ اگر غلام مقروض نہ ہو تو یہ من کل الوجہ اپنی ذات کیلئے گواہی ہے اسلئے کہ غلام کے ہاتھ میں جو کچھ آئیگا وہ سب کے سب مولیٰ کی ملک ہے اور بعینہ اسی وجہ سے مولیٰ کی گواہی اپنے مکاتب کیلئے بھی جائز نہیں۔

(۲۴)ایک شریک کی گواہی اپنے دوسرے شریک کیلئے ایسی چیز میں جوان دونوں کی شرکت میں سے ہو مثلاً مال شرکت میں ایک شریک نے کسی پر کچھ دعویٰ کیا اور دوسرے شریک نے اس کیلئے گواہی دی تو یہ گواہی قبول نہ ہوگی کیونکہ یہ من وجہ اپنی ذات کیلئے گواہی ہے اسلئے کہ دونوں کا اشتراک ہے۔

☆ ☆ ☆

(۲۵) وَتُقْبَلُ شَهَادَةُ الرَّجُلِ لِاَخِيْهِ وَعَمِّهِ۔

ترجمہ:۔اور قبول کی جائیگی آدمی کی گواہی اپنے بھائی اور چچا کیلئے۔

تشریح:۔(۲۵) آدمی کی گواہی اپنے بھائی اور چچا کیلئے قبول کی جائے گی اسلئے کہ اس گواہی پر کوئی تہمت نہیں کیونکہ بھائیوں کی املاک اوران کے منافع آپس میں مشترک نہیں ہوتے بلکہ الگ الگ ہوتے ہیں۔

(۲۶) وَلاتُقْبَلُ شَهَادَةُ مُخَنَّثٍ (۲۷) وَلا نَائِحَةٍ (۲۸) ولامُغَنِّيَةٍ (۲۹) ولامُدْمِنِ الشُّرْبِ عَلَى اللَّهْوِ (۳۰) ولا مَنْ يَلْعَبُ بِالطُّيُوْرِ (۳۱) ولا مَنْ يُغَنِّي لِلنَّاسِ (۳۲) ولا مَنْ يَأتِيْ بَابًامِنَ الْكَبَائِرِ الَّتِيْ يَتَعَلَّقُ بِهَا الْحُدُوْدُ۔

ترجمہ:۔اور مخنث کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی اور نہ نائحہ کی گواہی اور نہ مغنیہ کی گواہی اور نہ لہو کے طور پر شراب خوری پر مداومت کرنے والے کی گواہی اور نہ اس کی گواہی جو پرندوں کے ساتھ کھیلتا ہے اور نہ اس شخص کی گواہی جو لوگوں کو گانے سناتا ہے اور نہ اس شخص کی گواہی جو کبیرہ گناہوں میں سے ایسے گناہ کا مرتکب ہو جس کے ساتھ بطور سزا حد متعلق ہو۔

تشریح:۔(۲۶) مخنث کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی مراد وہ خنثیٰ ہے جو بدفعلیاں کرتا ہے کیونکہ وہ فاسق ہے اسلئے اسکی گواہی مقبول نہیں۔(۲۷) اسی طرح نائحہ (دوسروں کیلئے اُجرت پر نوحہ کرنے والی عورت) کی گواہی قبول نہیں کی جائیگی۔(۲۸) اور مغنیہ (گانا گانے والی عورت) کی گواہی بھی قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ یہ دونوں عورتیں فعلِ حرام کی مرتکب ہیں پس بوجہ فسق انکی گواہی مقبول نہیں۔(۲۹) لہو کے طور پر شراب خوری (مراد خمر کے سوا دیگر مسکر مشروبات ہیں) پر مداومت کرنے والے کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ یہ شخص فعلِ حرام کا مرتکب ہے۔

مداومت کی قید اسلئے لگائی کہ بلا مداومت اسکا یہ عمل ظاہر نہ ہوگا اور بلا ظہور اسکی عدالت ختم نہ ہوگی۔اور بطور لہو کی قید اسلئے لگائی تاکہ بطور دواء پینے سے احتراز ہو کیونکہ بطور دواء پینے سے عدالت ساقط نہ ہوگی۔اور یہ قید کہ مراد خمر کے سوا ہے اسلئے لگائی کہ خمر کا تو ایک قطرہ بھی عدالت ساقط کرتی ہے۔

(۳۰) جو شخص پرندوں کے ساتھ کھیلتا ہے مثلاً بٹیر بازی و مرغ بازی وغیرہ اسکی بھی گواہی قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ پرند بازی سے غفلت پیدا ہوتی ہے اور اسلئے کہ چھتوں پر پرندے اڑانے کیلئے چڑھنے سے لوگوں کی پردہ پر نظر پڑتی ہے۔

(۳۱) اسی طرح اس شخص کی بھی گواہی قبول نہیں کی جائے گی جو لوگوں کو گانے سناتا ہے کیونکہ یہ لوگوں کو ارتکاب کبیرہ پر جمع کرتا ہے۔(۳۲) اسی طرح ہر اس شخص کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی جو کبیرہ گناہوں میں سے کسی ایسے گناہ کا مرتکب ہو جس کے ساتھ بطور سزا حد متعلق ہو جیسے زنی، چوری وغیرہ کیونکہ ایسا شخص فاسق ہے۔

(۳۳)وَلا مَنْ يَدخُلُ الحَمَّامَ بِغَيرِ اِزَارٍ (۳۴)ويَاكُلُ الرِّبوا (۳۵)ولاالْمُقَامِرُبِالنَّرْدِ وَالشِّطْرَنجِ (۳۶)ولامَنْ يَفْعَلُ الْاَفْعَالَ الْمُسْتَخِفَةَ كَالبَوْلِ عَلَى الطَّرِيْقِ وَالْاَكْلِ عَلَى الطَّرِيْقِ (۳۷)ولاتُقْبَلُ شَهَادَةُ مَنْ يُظْهِرُ سَبَّ السَّلَفِ۔

ترجمہ:۔اور نہ اس کی گواہی قبول کی جائیگی جو بغیر ازار کے حمام میں داخل ہو اور نہ جو سود کھاتا ہو اور نہ جو نرد یا شطرنج کے ساتھ جوا کھیلتا ہو اور نہ جو شخص خفیف اور حقیر حرکات کرتا ہو جیسے راستہ پر پیشاب کرنا اور راستہ پر کھانا اور نہیں قبول کی جائیگی اس شخص کی گواہی جو اسلاف کے بارے میں بدگوئی ظاہر کرے۔

تشریح:۔(۳۳) جو شخص بغیر ازار کے ننگا حمام (بعض شہروں میں کھلے فرش پر بہت سارے لوگ اکھٹے نہاتے ہیں حمام سے یہ مراد ہے) میں داخل ہو تو اسکی گواہی قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ ستر کھولنا حرام ہے تو ایسا شخص فاسق ہے۔(۳۴) جو شخص سود کھاتا ہو اسکی گواہی قبول نہیں کی جائیگی (۳۵) اور جو شخص نرد (ایک قسم کا کھیل ہے جو کہ اردشیر بن بابک شاہ ایران نے ایجاد کیا تھا) یا شطرنج (مشہور کھیل ہے جس میں چھ قسم کے مہروں سے کھیلتے ہیں جو شاہ فرزین، فیل، اسب، رُخ اور پیدل کہلاتے ہیں) کے ساتھ جوا کھیلتا ہو اسکی گواہی بھی قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ ان میں سے ہر ایک گناہ کبیرہ ہے۔

(۳۶) اسی طرح جو شخص خفیف اور حقیر حرکات کرتا ہو (جو مروت کے منافی ہو) جیسے راستہ پر پیشاب کرنا یا راستہ پر کھانا تو اسکی بھی گواہی قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ ایسا شخص تارک مروت ہے تو جب وہ ایسے کام سے شرم نہیں کرتا تو جھوٹ بولنے سے بھی شرم نہیں کریگا لہذا یہ اپنی گواہی میں متہم ہوگا۔

(۳۷) جو شخص اسلاف (صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم اور تابعینؒ) کے بارے میں بدگوئی ظاہر کرے تو اسکی بھی گواہی قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ اسکا فسق ظاہر ہے۔البتہ اگر بدگوئی چھپائے رکھے تو مستور ہونے کی وجہ سے اسکی گواہی مقبول ہے۔

(۳۸)وَتُقْبَلُ شَهَادَةُ اَهْلِ الْاَهْوَاءِ اِلَّاالْخَطَّابِيَةِ۔

ترجمہ:۔اور اہل ہواء کی گواہی قبول کی جائے گی سوائے فرقہ خطابیہ کے۔

تشریح:۔(۳۸) اہل ہواء (یعنی بدعتیوں) کی گواہی قبول کی جائے گی سوائے فرقہ خطابیہ کے (رافضیوں میں سے ایک فرقہ ہے جو اپنے گروہ کیلئے گواہی دینا واجب مانتے ہیں اگر چہ ان کے گروہ کا آدمی محض جھوٹا مدعی ہو) کہ ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی تہمت کذب کی وجہ سے۔

(۳۹)وَتُقْبَلُ شَهَادَةُ اَهْلِ الذِّمَّةِ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَاِنْ اِخْتَلَفَ مِلَلُهُمْ (۴۰)ولاتُقْبَلُ شَهَادَةَ الْحَرْبِيِّ عَلَى الذِّمِّيِّ۔

ترجمہ:۔اور ذمیوں کی گواہی آپس میں ایک دوسرے پر قبول کی جائے گی اگر چہ ان کی ملتیں مختلف ہوں اور حربی کی گواہی ذمی کے خلاف قبول نہیں کی جائے گی۔

تشریح:۔(۳۹) ذمیوں کی گواہی آپس میں ایک دوسرے کے خلاف قبول کی جائے گی اگر چہ ان کی ملتیں مختلف ہوں جیسے یہود کی گواہی

نصاریٰ پر نصاریٰ کی گواہی یہود پر اِذَا کَانُوْا اَعْدُوْلَافِی دِیْنِهِمْ کیونکہ ذمی اپنی ذات پر اور اپنے چھوٹے بچوں پر ولایت رکھتا ہے تو اپنی جنس پر گواہی کی لیاقت بھی رکھتا ہے باقی انکی اعتقادی فسق انکی گواہی کے مقبول ہونے سے مانع نہیں کیونکہ جس چیز کو وہ اپنے دین میں حرام سمجھتا ہے اس سے وہ پرہیز کریگا اور جھوٹ بولنا تمام ادیان میں حرام ہے۔(۴۰) حربی مستامن کی گواہی ذمی کے خلاف قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ ذمی پر اسکو کوئی ولایت حاصل نہیں اسلئے کہ ذمی دارالاسلام میں رہتا ہے حربی سے اسکی حالت اعلیٰ ہے۔

الالغاز:۔ای شهود شهدوا علی شریکین فقبلت علی احدهما دو ن الآخر ؟

فقل:۔شهود نصاری شهدوا علی نصرانی ومسلم یعتق عبد مشتر۔

الالغاز:۔ ای مسلمین لم تقبل شهادتهما بشئ ،وشهد نصرانیان بضده فقبلت؟

فقل:۔نصرانی مات وله ابنان مسلمان شهدا بناه اله مات نصرانیا ونصرنیان شهدا انه مات مسلما قبل النصرانیان۔(الاشباه والنظائر)

(۴۱)وَاِنْ کَانَتِ الْحَسَنَاتُ اَغْلَبَ مِنَ السَّیِّئَاتِ وَالرَّجُلُ مِمَّنْ یُّجْتَنِبُ الْکَبَائِرِ قُبِلَتْ شَهَادَتُه وَاِنْ اَلَمَّ بِمَعْصِیَةٍ۔

ترجمه:۔اور اگر کسی کی نیکیاں اسکے صغیرہ گناہوں پر غالب ہوں اور یہ شخص کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرتا ہو تو اسکی گواہی قبول کی جائے گی اگرچہ کسی صغیرہ گناہ کا مرتکب ہو جائے۔

تشریح:۔(۴۱) اگر کسی شخص کی نیکیاں اسکے صغیرہ گناہوں پر غالب ہوں اور کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرتا ہو تو اسکی گواہی قبول کی جائے گی اور شرعی عادل کی یہی تعریف ہے کیونکہ کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرنا ضروری ہے اور صغیرہ میں غالب کا اعتبار ہے، جس کے صغیرہ گناہ زیادہ ہوں تو اس سے اسکی گواہی متاثر ہو جاتی ہے اور جس کے صغیرہ گناہ کم ہوں تو اسکی گواہی قبول کی جائے گی کیونکہ اگر کل صغیرہ وکبیرہ سے اجتناب لازمی قرار دیا جائے تو شہادت کا دروازہ ہی بند ہو جائیگا۔"وَاِنْ اَلَمَّ بِمَعْصِیَةٍ" یعنی اگرچہ صغیرہ گناہوں میں سے کسی گناہ کا مرتکب ہو جائے۔ بب

(۴۲)وَتُقْبَلُ شَهَادَةُ الْاَقْلَفِ وَالْخَصِیِّ (۴۳)وَوَلَدِ الزِّنَا (۴۴)وَشَهَادَةُ الْخُنْثٰی جَائِزَةٌ۔

ترجمه:۔اور قبول کی جائیگی اقلف، خصی اور ولد الزنا کی گواہی اور خنثیٰ کی گواہی جائز ہے۔

تشریح:۔(۴۲) جس شخص کا ختنہ نہ ہوا ہو اسکی گواہی قبول کی جائے گی کیونکہ یہ اس کی عدالت میں مخل نہیں الا یہ کہ اگر اس نے استخفاف بالدین کی وجہ سے چھوڑ دیا ہو تو اسکی عدالت ساقط ہو جائے گی کیونکہ اس عمل کی وجہ سے وہ عادل نہیں رہیگا۔ اسی طرح خصی کی گواہی بھی قبول کی جائے گی کیونکہ اس کا عضو تو ظلما کاٹا گیا ہے تو یہ ایسا ہے جیسے کسی کا ہاتھ کاٹا گیا ہو۔

(۴۳) اسی طرح ولد الزنیٰ کی بھی گواہی قبول کی جائے گی کیونکہ والدین کے فاسق ہونے سے بچے کا فاسق ہونا لازم نہیں آتا۔(۴۴) اسی طرح خنثیٰ کی گواہی بھی جائز ہے کیونکہ خنثیٰ یا تو مرد ہوگا یا عورت، ان دونوں کی گواہی مقبول ہے تو خنثیٰ کی بھی قبول کی

جائے گی البتہ خنثیٰ باب شہادت میں عورت شمار ہوگی۔

(۴۵)وَاِذَا وَافَقَتِ الشَّهَادَةُ الدَّعْوىٰ قُبِلَتْ (۴۶)وَاِنْ خَالَفَتْهَا لَمْ تُقْبَلْ (۴۷)وَيُعْتَبَرُ اِتِّفَاقُ الشَّاهِدَيْنِ فِي اللَّفْظِ وَالْمَعْنىٰ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رحِمَه اللّٰه۔

ترجمہ:۔اور گواہی اگر دعوی کے مطابق ہوتو قبول کی جائے گی اور اگر اسکے مخالف ہوتو قبول نہیں کی جائے گی اور گواہوں کا لفظ و معنی میں متفق ہونا شرط ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک۔

تشریح:۔(۴۵)گواہی اگر لفظاً و معنیً یا صرف معنیً دعوے کے مطابق ہوتو قبول کی جائے گی۔(۴۶)اور اگر لفظاً و معنیً مطابق نہ ہوتو قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ حقوق العباد میں تقدم دعویٰ قبولیت شہادت کیلئے شرط ہے تو موافقت کی صورت میں یہ شرط پائی جانے کی وجہ سے گواہی قبول ہوگی اور عدم موافقت کی صورت میں عدم شرط کی وجہ سے قبول نہ ہوگی۔

(۴۷)امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک گواہوں کا لفظ و معنی میں متفق ہونا شرط ہے اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک صرف معنوی موافقت شرط ہے پس اگر ایک گواہ نے ایک ہزار کی گواہی دی اور دوسرے نے دو ہزار کی (جبکہ مدعی بھی دو ہزار کا دعویدار ہے) تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ گواہی قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ گواہوں میں اختلاف لفظی پایا جاتا ہے جو کہ اختلاف معنوی پر دال ہے کیونکہ معنی لفظ سے مستفاد ہے۔صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک ہزار کے بارے میں دونوں کی گواہی قبول ہوگی کیونکہ ہزار پر معنی دونوں گواہ متفق ہیں۔امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے۔

(۴۸)وَاِنْ شَهِدَ اَحَدُهُمَا بِاَلْفٍ وَالْآخَرُ بِاَلْفَيْنِ لَمْ تُقْبَلْ شَهَادَتُهُمَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رحِمَه اللّٰه وقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ رحِمَه اللّٰه وَمُحَمَّدٌ رحِمَه اللّٰه تُقْبَلُ بِالْاَلْفِ۔

ترجمہ:۔اور اگر ایک گواہ نے ہزار اور دوسرے نے دو ہزار کی گواہی دی تو دونوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہزار میں قبول کی جائے گی۔

تشریح:۔(۴۸)امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک گواہوں کا لفظ و معنی میں متفق ہونا شرط ہے۔صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک صرف معنوی موافقت شرط ہے۔تو اگر ایک گواہ نے ایک ہزار کی گواہی دی اور دوسرے نے دو ہزار کی جبکہ مدعی بھی دو ہزار کا دعویدار ہے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ گواہی قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ گواہوں میں اختلاف لفظی پایا جاتا ہے جو کہ اختلاف معنوی پر دال ہے کیونکہ معنی لفظ سے مستفاد ہے۔صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک ہزار کے بارے میں دونوں کی گواہی قبول ہوگی کیونکہ ہزار پر معنی دونوں متفق ہیں۔

(۴۹)وَاِذَا شَهِدَ بِاَلْفٍ وَالآخَرُ بِاَلْفٍ وَخَمْسِ مِائَةٍ وَالْمُدَّعِي يَدَّعِي اَلْفًا وَخَمْسَ مِائَةٍ قُبِلَتْ شَهَادَتُهُمَا بِالْفٍ(۵۰)وَاِذَا شَهِدَا بِاَلْفٍ وقَالَ اَحَدُهُمَا قَضَاه مِنْهَا خَمْسَ مِائَةٍ قُبِلَتْ شَهَادَتُهُمَا بِاَلْفٍ وَلَمْ يُسْمَعْ قَوْلُه اَنّه قَضَاه مِنْهَا خَمْسَ مِائَةٍ (۵۱)اِلّا اَنْ يَشْهَدَ مَعَه الآخَرُ (۵۲)وَيَنْبَغِيْ لِلشَّاهِدِ اِذَا عَلِمَ ذٰلِکَ اَنْ لايَشْهَدَ بِاَلْفٍ حَتّٰى يُقِرَّ الْمُدَّعِيْ اَنّه قَبَضَ خَمْسَ مِائَةٍ۔

توجمه:۔اوراگرایک نے ہزاراوردوسرے نے پندرہ سوکی گواہی دی اورمدعی بھی پندرہ سوکادعویدارہےتوہزارکے بارے میں ان کی گواہی قبول کی جائے گی اوراگردونوں گواہوں نے ہزارکی گواہی دی اورایک نے کہاکہ ان میں سے پانچ سواس نے اداکردئے ہیں تو ہزارکے بارے میں دونوں کی گواہی قبول ہوگی اورنہیں سناجائیگااس کایہ کہناکہ ان میں سے پانچ سواس نے اداکردئے ہیں الّایہ کہ دوسرا بھی اس کے ساتھ گواہی دےاورگواہ کے لئے مناسب ہے جب اس کویہ معلوم ہوتوہزارکی گواہی نہ دے یہاں تک کہ مدعی اقرارکرے کہ میں نے پانچ سوپرقبضہ کیاہے۔

تشریح:۔(۴۹)اگرایک گواہ نے ہزاراوردوسرے نے پندرہ سوکی گواہی دی اورمدعی بھی پندرہ سوکادعویدارہےتوہزارکے بارے میں بالاتفاق گواہی قبول کی جائے گی کیونکہ ہزارپردونوں گواہوں نے لفظاًومعنًی اتفاق کیاہے کیونکہ"لَه عَلَيْهِ اَلْفٌ وَخَمْسُ مِائَةٍ"دوجملہ ہیں علیہ الف ایک اورخمس مائۃ دوسراجملہ ہےایک کودوسرے پرعطف کیاہےاورعطف سےاول کی تقریرہوتی ہے لہٰذاالف پر دونوں گواہ لفظاًومعنًی متفق ہیں۔(۵۰)اگردونوں گواہوں نے ہزارروپیہ کی گواہی دی اورایک گواہ نے کہاکہ اس میں سے پانچ سوروپیہ اس نے اداکردئے ہیں توہزارکے بارے میں دونوں کی گواہی قبول ہوگی کیونکہ اس پردونوں گواہ متفق ہیں پھرجب ایک گواہ پانچ سوکی ادائگی کی گواہی دیتاہےتویہ نہیں سنی جائے گی کیونکہ اس گواہی میں وہ اکیلاہے(۵۱)الّایہ کہ دوسرابھی اس کے ساتھ گواہی دےتوپھرقبول ہوگی کیونکہ اب نصاب شہادت تام ہوا۔(۵۲)مذکورہ بالاصورت میں جس گواہ کویہ معلوم ہوکہ مدعی علیہ نے پانچ سوروپیہ اداکردئے ہیں اس کیلئے مناسب یہ ہے کہ جب تک کہ مدعی یہ اقرارنہ کرے کہ میں نے پانچ سووصول کئے ہیں اس وقت تک ہزارکی گواہی نہ دے تاکہ کہیں گواہ گواہی دےکرظلم پراعانت کرنے والانہ ہوجائے کیونکہ ہوسکتاہے کہ مدعی وصول کئے ہوئے پانچ سوسےانکارکربیٹھے۔

(۵۳)وَاِذَا شَهِدَ شَاهِدَانِ اَنَّ زَيْدًا قُتِلَ يَوْمَ النَّحْرِ بِمَكَّةَ وَشَهِدَ آخَرَانِ اَنّه قُتِلَ يَوْمَ النَّحْرِ بِالْكُوْفَةِ وَاجْتَمَعُوْا عِنْدَ الْحَاكِمِ لَمْ يَقْبَلِ الشَّهَادَتَيْنِ (۵۴)فَاِنْ سَبَقَتْ اِحْدٰيهُمَا وَقَضٰى بِهَا ثُمَّ حَضَرَتِ الْاُخْرٰى لَمْ تُقْبَلِ الشَّهَادَةُ۔

توجمه:۔اوراگردوگواہوں نے گواہی دی کہ زیدقربانی کے دن مکہ مکرمہ میں قتل کیاگیااوردوسرے دوگواہوں نے گواہی دی کہ وہ قربانی کے دن کوفہ میں قتل کیاگیااوریہ سب حاکم کے پاس جمع ہوگئےتوحاکم دوگواہیاں قبول نہ کریں اوراگران میں سےایک گواہی پہلے ہوگئی جس کے مطابق حاکم نے فیصلہ کردیاپھردوسری گواہی دی گئی تویہ گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

تشریح:۔(۵۳)اگردوجماعتوں نے ایک شخص پرگواہی دی کہ اس نے زیدکوقتل کیامگرایک جماعت نے کہاکہ اسی سال دس ذی

الحجہ(عید کے دن) کو مکہ مکرمہ میں قتل کیا اور دوسری جماعت نے کہا کہ اسی سال دس ذی الحجہ کو کوفہ میں قتل کیا اور یہ دونوں فریق قاضی کی کچہری میں بیک وقت حاضر ہوئے تو قاضی دونوں گواہیاں قبول نہیں کریگا کیونکہ دونوں فریق میں سے ایک یقیناً کاذب ہے اور کوئی ایک فریق بھی دوسرے سے اولیٰ نہیں اسلئے دونوں کی گواہی قبول نہیں۔(۵۴)اگر دونوں فریقوں میں سے ایک نے پہلے گواہی دی اور اسکے مطابق قاضی نے فیصلہ بھی صادر کیا اب فریق ثانی گواہی کیلئے حاضر ہوا تو اس فریق کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ قضاء قاضی کے اتصال کی وجہ سے پہلی گواہی کو ترجیح حاصل ہوگئی لہٰذا اس دوسری گواہی کی وجہ سے پہلی گواہی نہیں ٹوٹے گی۔

(۵۵)وَلَايَسْمَعُ الْقَاضِي الشَّهَادَةَ عَلٰى جَرْحٍ وَلَا يَحْكُمُ بِذٰلِكَ (۵٦)اِلَّامَااسْتَحَقَّ عَلَيْهِ۔

ترجمہ:۔اور قاضی جرح پر شہادت نہیں سنے گا اور نہ اس پر حکم کریگا مگر جس کا استحقاق ثابت ہو جائے۔

تشریح:۔(۵۵)یعنی قاضی جرح پر شہادت کو نہیں سنے گا مثلاً مدعیٰ علیہ نے دعویٰ کیا کہ مدعی کے گواہ فاسق ہیں اور اس پر گواہ بھی قائم کئے تو قاضی اس طرف التفات نہیں کریگا اور نہ اس پر حکم کریگا بلکہ سراً وعلانیۃً ان گواہوں کے بارے میں تحقیق کریگا اگر ان کی عدالت ثابت ہوگئی تو انکی گواہی قبول کی جائے گی ورنہ نہیں کیونکہ قاضی مامور بالستر ہے اور گواہی سننے میں ہتک عزت ہے۔(۵٦)البتہ اگر حق شرع یا حق عبد کو متضمن ہو تو جرح کی ایسی گواہی سنی جائے گی کیونکہ ایسی صورت میں احیاء حقوق کے لئے گواہی دینا ضروری ہے اگر چہ اس میں ہتک عزت بھی ہے مگر وہ ضمناً ہے مثلاً شہود الجرح نے کہا کہ مدعی کے گواہ نے زنا کیا ہے یا چوری کر کے مال لے لیا ہے یا کسی کو عمداً قتل کیا ہے۔

(۵۷)وَلَايَجُوْزُ لِلشَّاهِدِ اَنْ يَّشْهَدَ بِشَيْئٍ لَمْ يُعَايِنْهُ (۵۸)اِلَّاالنَّسَبَ وَالْمَوْتَ وَالنِّكَاحَ وَالدُّخُوْلَ وَوِلَايَةَ الْقَاضِيْ فَاِنَّهٗ يَسَعُهٗ اَنْ يَّشْهَدَبِهٰذِهِ الْاَشْيَاءِ اِذَااَخْبَرَهٗ بِهَا مَنْ يَّثِقُ بِهٖ۔

ترجمہ:۔اور گواہوں کیلئے یہ جائز نہیں کہ ایسی چیز کی گواہی دے جس کو دیکھا نہ ہو مگر نسب، موت، نکاح، دخول اور ولایت قاضی کہ ان میں گواہی دینے کی گنجائش ہے جب اس کو کوئی معتمد شخص ان امور کی خبر دے۔

تشریح:۔(۵۷)گواہوں کیلئے یہ جائز نہیں کہ ایسی چیز کی گواہی دے جس کو دیکھا نہ ہو کیونکہ شہادت مشاہدہ سے مشتق ہے اور مشاہدہ معائنہ سے ہوتا ہے جو یہاں نہیں پایا گیا۔(۵۸)البتہ نسب، موت، نکاح، دخول اور ولایت قاضی کے بارے میں بن دیکھے بھی گواہی دینا درست ہے مثلاً کسی معتمد شخص نے گواہ کو ان امور کی خبر دی تو گواہ کیلئے استحساناً یہ جائز ہے کہ ان کے بارے میں گواہی دے وجہ یہ ہے کہ مذکورہ امور ایسے ہیں کہ خاص لوگ ان کے معائنہ کے ساتھ مختص ہوتے ہیں جبکہ ان امور کے ساتھ احکام ایسے متعلق ہوتے ہیں جو مدت دراز تک باقی رہتے ہیں تو اگر ان کے بارے میں باہم سننے پر گواہی قبول نہ ہو تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بہت سے احکام معطل ہو جائیں گے کیونکہ جب گواہ موجود نہیں تو ثبوت ممکن نہ ہوگا۔

(۵۹)وَالشَّهَادَةُ عَلَى الشَّهَادَةِ جَائِزَةٌ فِيْ كُلِّ حَقٍّ لَايَسْقُطُ بِالشُّبْهَةِ (٦٠)وَلَاتُقْبَلُ فِي الْحُدُوْدِ وَالْقِصَاصِ۔

ترجمہ:۔اور شہادت علی الشہادۃ ہر ایسے حق میں جائز ہے جو شبہ سے ساقط نہیں ہوتا اور حدود اور قصاص میں قبول نہیں کی جائے گی۔

تشریح:۔(۵۹)شہادت علی الشہادۃ (مثلاً ایک معاملہ پر دو شخص گواہ ہیں پھر انہوں نے اپنی گواہی پر دوسروں کو گواہ کرلیا یعنی ان سے کہا کہ تم گواہ رہو کہ ہم اس پر گواہ ہیں اول کو اصل گواہ اور ثانی کو فرع گواہ کہا جاتا ہے) ہر ایسے حق میں استحساناً جائز ہے جو شبہ سے ساقط نہیں ہوتا وجہ استحسان شدت احتیاج ہے کیونکہ کبھی اصل گواہ بعض عوارض کی وجہ سے گواہی ادا کرنے سے عاجز ہوتے ہیں مثلاً بیمار ہے یا سفر میں ہے تو اگر گواہی پر گواہی ادا کرنا جائز نہ ہو تو حقوق کے ضائع ہونے تک نوبت پہنچے گی۔(۶۰)البتہ حدود اور قصاص میں شہادۃ علی الشہادۃ جائز نہیں کیونکہ حدود اور قصاص شبہات سے ساقط ہو جاتے ہیں جبکہ شہادۃ علی الشہادۃ میں شبہ ہے۔

(۶۱)وَيَجُوزُ شَهَادَةُ شَاهِدَيْنِ عَلَى شَهَادَةِ شَاهِدَيْنِ (۶۲)وَلاتُقْبَلُ شَهَادَةُ وَاحِدٍ عَلَى شَهَادَةِ وَاحِدٍ۔

ترجمہ:۔اور دو گواہوں کی گواہی پر دو گواہوں کی گواہی جائز ہے اور قبول نہیں کی جائیگی ایک کی گواہی پر ایک کی گواہی۔

تشریح:۔(۶۱)یعنی دو گواہوں کی گواہی پر دو گواہوں کی گواہی جائز ہے مثلاً زید و بکر دو گواہ اصل ہیں پھر دو شخص ان دونوں میں سے پہلے ایک کی گواہی پر گواہ ہو گئے پھر دوسرے کی گواہی پر گواہ ہو گئے تو یہ جائز ہے کیونکہ گواہی نقل کرنا حقوق میں سے ہے تو دونوں نے پہلے ایک حق کی گواہی دی پھر دوسرے حق کی لہذا ان کی گواہی مقبول ہے کیونکہ دو گواہوں کی گواہی دو حقوق پر جائز ہے۔(۶۲)البتہ ایک اصل کی گواہی پر ایک فرع کی گواہی قبول نہیں ہوگی کیونکہ ایک کی گواہی سے حق ثابت نہیں ہوتا۔

(۶۳)وَصِفَةُ الْإِشْهَادِ أَنْ يَقُولَ شَاهِدُ الْأَصْلِ لِشَاهِدِ الْفَرْعِ اِشْهَدْ عَلَى شَهَادَتِي أَنِّي أَشْهَدُ أَنَّ فُلَانَ ابْنَ فُلَانٍ أَقَرَّ عِنْدِي بِكَذَا وَأَشْهَدَنِي عَلَى نَفْسِهِ (۶۴)وَإِنْ لَمْ يَقُلْ أَشْهَدَنِي عَلَى نَفْسِهِ جَازَ۔

ترجمہ:۔اور گواہ بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ اصل گواہ، فرع گواہ سے کہے کہ تم گواہ ہو جا میری گواہی پر کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ فلاں بن فلاں نے میرے سامنے ایسا ایسا اقرار کیا اور مجھے خود پر گواہ بنا دیا اور اگر اصل گواہ نے یہ نہ کہا کہ "اشهدنی علی نفسه" تو بھی جائز ہے۔

تشریح:۔(۶۳)گواہی پر گواہ بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ اصل گواہ اپنے فرع گواہ کو مخاطب کرکے یوں کہے کہ تم گواہ ہو جا میری گواہی پر کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ فلاں بن فلاں نے میرے سامنے ایسا ایسا اقرار کیا اور پھر اس نے مجھے خود پر گواہ بنا دیا۔ یہ اس لئے کہ یہ ضروری ہے کہ اصل گواہ فرع کے سامنے ایسا گواہی دے جیسا کہ وہ قاضی کے سامنے گواہی دیتا ہے تاکہ فرع اسکی گواہی کو قاضی کی مجلس میں نقل کردے۔(۶۴)اور اگر اصل گواہ نے یہ نہ کہا کہ "اشهدنی علی نفسه" تو بھی جائز ہے کیونکہ جس نے دوسرے کا اقرار سنا تو اس کی گواہی جائز ہے اگرچہ وہ اس کو گواہ نہ بنائے۔

(۶۵)وَيَقُولُ شَاهِدُ الْفَرْعِ عِنْدَ الْأَدَاءِ أَشْهَدُ أَنَّ فُلَانًا أَشْهَدَنِي عَلَى شَهَادَتِهِ أَنَّهُ يَشْهَدُ أَنَّ فُلَانًا أَقَرَّ عِنْدَهُ بِكَذَا وَقَالَ لِي اِشْهَدْ عَلَى شَهَادَتِي بِذَلِكَ فَأَنَا أَشْهَدُ بِذَلِكَ۔

ترجمہ:۔اور شاہد فرع گواہی ادا کرتے وقت یوں کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ فلاں شخص نے مجھ کو اپنی گواہی پر گواہ کرلیا کہ وہ گواہی دیتا ہے کہ فلاں مقر نے اس کے سامنے اتنے حق کا اقرار کیا ہے اور اس نے مجھ سے کہا کہ تو میری اس گواہی پر گواہ ہو پس میں اس کی گواہی دیتا ہوں۔

تشریح:۔(٦٥) گواہی ادا کرتے وقت گواہ فرع یوں کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ فلاں شخص نے مجھ کو اپنی گواہی پر گواہ کرلیا کہ وہ گواہی دیتا ہے کہ فلاں مقر نے اس کے سامنے اتنے حق کا اقرار کیا ہے اور گواہ اصل نے مجھ سے کہا کہ تو میری اس گواہی پر گواہ ہو کیونکہ گواہ فرع کی گواہی ضروری ہے اور گواہ اصل کی گواہی ذکر کرنا اور اس کا فرع کو گواہ بنانے کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے پس میں اس کی گواہی دیتا ہوں۔

(٦٦)وَلَاتُقْبَلُ شَهَادَةُ شُهُوْدِ الْفَرْعِ اِلَّااَنْ يَمُوْتَ شُهُوْدُ الْاَصْلِ اَوْ يَغِيْبُوْا مَسِيْرَةَ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ فَصَاعِدًا اَوْ يَمْرَضُوْا مَرَضًا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ مَعَهُ حُضُوْرَ مَجْلِسِ الْحَاكِمِ۔

ترجمہ:۔اور شہودِ فرع کی گواہی قبول نہ ہوگی الا یہ کہ اصل گواہ مرگئے ہوں یا تین دن یا اس سے زیادہ کی مسافت پر غائب ہوں یا ایسے سخت بیمار ہوں کہ مجلس حاکم میں حاضر ہو جانے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں۔

تشریح:۔(٦٦) فرع کی گواہی قبول نہ ہوگی ہاں اگر بوقت ادائیگی اصل گواہ مرگئے ہوں یا تین دن یا اس سے زیادہ کی مسافت پر غائب ہوں یا ایسے سخت بیمار ہوں کہ حاکم کی کچہری تک حاضر نہ ہو سکیں تو پھر فرع کی گواہی قبول کی جائے گی کیونکہ شہادت علی الشہادۃ کو ضرورت کی وجہ سے جائز قرار دیا ہے اور ضرورت جب پیدا ہوتی ہے کہ اصل گواہ عاجز ہوں اور مذکورہ بالا امور سے عجز ثابت ہوتا ہے۔

(٦٧)فَاِنْ عَدَّلَ شُهُوْدَ الْاَصْلِ شُهُوْدُ الْفَرْعِ جَازَ وَاِنْ سَكَتُوْا عَنْ تَعْدِيْلِهِمْ جَازَ وَيَنْظُرُ الْقَاضِيْ فِيْ حَالِهِمْ۔

ترجمہ:۔اور اگر فرع گواہوں نے اصل گواہوں کی تعدیل کی تو یہ جائز ہے اور اگر وہ اصل کی تزکیہ وتعدیل سے خاموش رہے تو بھی جائز ہے اور قاضی خود ان کی تحقیق کریگا۔

تشریح:۔(٦٧) اگر فرع گواہوں نے اصل گواہوں کی تعدیل کی تو یہ جائز ہے کیونکہ وہ تعدیل وتزکیہ کی لیاقت رکھتے ہیں اور اگر فرع اصل کی تزکیہ وتعدیل سے خاموش رہے تو بھی جائز ہے اور قاضی خود اصل گواہوں کی تحقیق کریگا كَمَا اِذَا حَضَرُوْا بِاَنْفُسِهِمْ وَشَهِدُوْا۔

(٦٨)وَاِنْ اَنْكَرَ شُهُوْدُ الْاَصْلِ الشَّهَادَةَ لَمْ تُقْبَلْ شَهَادَةُ شُهُوْدِ الْفَرْعِ۔

ترجمہ:۔اور اگر اصل گواہوں نے گواہی سے انکار کیا تو فرع گواہوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

تشریح:۔(٦٨) اگر اصل گواہوں نے گواہی سے انکار کیا مثلاً کہا مَا لَنَا شَهَادَةٌ عَلٰى هٰذِهِ الْحَادِثَةِ پھر مر گئے یا غائب ہو گئے اب فرع گواہ آ گئے انکی گواہی پر گواہی دیتے ہیں تو فرع گواہوں کی یہ گواہی قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ اصل گواہوں کا انکو اپنی گواہی پر گواہ بنانا ثابت نہ ہوا لِلتَّعَارُضِ بَيْنَ الْخَبَرَيْنِ حالانکہ اصل کا فرع کو گواہ بنانا شرط ہے۔

(٦٩)وَقَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ فِيْ شَاهِدِ الزُّوْرِ اُشَهِّرُهُ فِي السُّوْقِ وَلَا اُعَزِّرُهُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ نُوْجِعُهُ ضَرْبًا وَنَحْبِسُهُ۔

ترجمہ:۔اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ جھوٹی گواہی ادا کرنے والوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں بازار میں اس کو مشہور کرونگا اور سزا نہیں دونگا اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ہم اس کو مار کر تکلیف دینگے اور قید کرینگے۔

تشریح:۔(۶۹)امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جھوٹی گواہی ادا کرنے والوں کی میں بر سر بازار تشہیر کرونگا کہ اسکو ہم نے جھوٹی گواہی ادا کرتے ہوئے پکڑا ہے۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شاہد الزور کو مار کر سزا نہیں دونگا کیونکہ مقصود انزجار ہے وہ تشہیر سے حاصل ہو جاتا ہے۔صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ شاہد الزور کو ہم مارینگے اور قید کرینگے یہاں تک کہ توبہ کرے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے شاہد الزور کے بارے میں تعزیر کا حکم دیا اور اس کا منہ کالا کیا اور قبائل میں پھیرایا اور قید کرلیا۔امام ابوحنیفہؒ کا قول مفتیٰ بہ ہے۔

كتابُ الرُّجُوعِ عَنِ الشَّهَادَة

یہ کتاب رجوع عن الشہادۃ کے بیان میں ہے۔

کتاب الرجو عن الشهادة، کتاب الشهادات کےایک باب کے درجہ میں ہے کیونکہ رجوع عن الشہادۃ احکام شہادات کے تحت مندرج ہے اسلئے کتاب الشهادات کے بعد''کتاب الرجوع عن الشهادة ''کوذکرکیاہے۔''رجوع عن الشهادة '' کا معنی یہ ہے کہ گواہ پہلے گواہی دے پھر اپنی گواہی سے پھر جائے۔

رجوع عن الشہادۃ کے لئے رکن شاہد کا قول''رجعت مماشهدت به''یا''شهدت بزورفیماشهدت به''ہےاوراس کے لئے شرط کہ قاضی کی دربار میں رجوع کا اعلان کرے۔اوراس کا حکم یہ ہے کہ رجوع کرنے والے کے لئے ہر حال میں تعزیر ہوگی خواہ قاضی نے اس کی گواہی کے مطابق حکم کیا ہو یا نہ کیا ہو البتہ اگر مشہود بہ مال ہو اور گواہ کی گواہی اور قاضی کے فیصلے کے بعد گواہ نے رجوع کرلیا اور مشہود بہ کو بلاعوض زائل کیا ہو تو پھر گواہ پر تعزیر کے ساتھ ضمان بھی ہوگا۔

(۱)وَإِذَا رَجَعَ الشُّهُوْدُ عَنْ شَهَادَتِهِمْ قَبْلَ الْحُكْمِ بِهَا سَقَطَتْ شَهَادَتُهُمْ وَلَاضَمَانَ عَلَيْهِمْ (۲)فَإِنْ حَكَمَ بِشَهَادَتِهِمْ ثُمَّ رَجَعُوْالَمْ يَفْسَخِ الْحُكْمَ وَوَجَبَ عَلَيْهِمْ ضَمَانُ مَا اَتْلَفُوْهُ بِشَهَادَتِهِمْ (۳)وَلَايَصِحُّ الرُّجُوْعُ إِلَّابِحَضْرَةِ الْحَاكِمِ۔

توجمہ:۔اوراگر گواہ اپنی گواہی سے پھر گئے اس کے مطابق حکم کرنے سے پہلے تو انکی گواہی ساقط ہو جائے گی اور ان پر تاوان بھی نہیں اوراگر قاضی نے ان کی گواہی کے مطابق حکم دے دیا پھر وہ پھر گئے تو حکم منسوخ نہ ہوگا اور گواہوں پر اس شیٔ کا تاوان لازم ہے جس کو انہوں اپنی گواہی سے تلف کیا اور رجوع عن الشہادۃ صحیح نہیں مگر حاکم کے حضور میں۔

تشریح:۔(۱)اگر گواہوں نے گواہی دی مگر قاضی نے اب تک ان کی گواہی کے مطابق حکم جاری نہیں کیا تھا کہ گواہوں نے اپنی گواہی سے رجوع کیا مثلاً کہا کہ''رجعنا عما شهدنا به''تو انکی گواہی ساقط ہو جائے گی کیونکہ گواہی کے مطابق قضاء سے کسی کا حق ثابت ہوتا ہے اور قاضی متناقض کلام کے موافق حکم نہیں کریگا۔رجوع کرنے والوں پر کچھ تاوان بھی واجب نہ ہوگا کیونکہ انہوں نے اپنی گواہی سے نہ مدعی اور نہ مدعی علیہ کی کوئی چیز تلف کی ہے۔

(۲)اگر قاضی نے گواہوں کی گواہی کے مطابق حکم دے دیا پھر گواہ اپنی گواہی سے پھر گئے تو حکم قاضی منسوخ نہ ہوگا کیونکہ ان کا

آخری کلام سچائی پر دلالت کرنے میں اول کی طرح ہے جبکہ اول کو اتصالِ حکمِ قاضی کی وجہ سے ترجیح حاصل ہوگئی لہذا آخری کلام اول کا معارض نہیں ہوسکتا۔اور گواہوں نے اپنی گواہی سے جو کچھ تلف کیا ہے ان پر اس کا ضمان واجب ہے کیونکہ رجوع عن الشہادۃ تعدی کا اعتراف ہے لہذا ان پر ضمان لازم ہے۔(۳) گواہوں کا رجوع عن الشہادۃ صحیح نہیں الا یہ کہ حاکم کی موجودگی میں رجوع کرے کیونکہ رجوع عن الشہادۃ گواہی کو فسخ کرنا ہے تو جس موقع کے ساتھ گواہی مختص ہے اسی کے ساتھ فسخ بھی مختص ہوگا اور وہ مجلس قاضی ہے۔

(۴)وَاِذَا شَهِدَ شَاهِدَانِ بِمَالٍ فَحَكَمَ الْحَاكِمُ بِهِ ثُمَّ رَجَعَا ضَمِنَا الْمَالَ لِلْمَشْهُوْدِ عَلَيْهِ (۵)وَاِنْ رَجَعَ اَحَدُهُمَا ضَمِنَ النِّصْفَ۔

ترجمہ:۔اور اگر دو گواہوں نے مال کی گواہی دی اور حاکم نے انکی گواہی کے مطابق حکم دے دیا پھر وہ پھر گئے تو گواہ مشہود علیہ کیلئے مال کے ضامن ہونگے اور اگر دونوں میں سے ایک نے رجوع کیا ہوتو وہ نصف مال کا ضامن ہوگا۔

تشریح:۔(۴) اگر دو گواہوں نے مال کی گواہی دی اور حاکم نے انکی گواہی کے مطابق حکم دے دیا پھر انہوں نے حاکم کی موجودگی میں اپنی گواہی سے رجوع کیا تو گواہ مشہود علیہ کیلئے مال مشہود بہ کے ضامن ہونگے کیونکہ بطور تعدی مسبب ہونا موجب ضمان ہے۔(۵) اور اگر دو گواہوں میں سے ایک نے رجوع کیا ہوتو وہ نصف مال کا ضامن ہوگا۔اس بارے میں اصل یہ ہے کہ گواہوں میں سے جو گواہی پر باقی رہا اسکا باقی رہنا معتبر ہے اور جو پھر گیا اس کا پھرنا معتبر نہیں اور یہاں ایک گواہ باقی ہے جس کی شہادت کی وجہ سے نصف حق بھی باقی ہوگا۔

(۶)وَاِنْ شَهِدَ بِالْمَالِ ثَلٰثَةٌ فَرَجَعَ اَحَدُهُمْ فَلَاضَمَانَ عَلَيْهِ (۷)فَاِنْ رَجَعَ آخَرُ ضَمِنَ الرَّاجِعَانِ نِصْفَ الْمَالِ۔

ترجمہ:۔اور اگر تین گواہوں نے مال کی گواہی دی پھر ان میں سے ایک نے رجوع کرلیا تو اس پر کچھ ضمان نہیں اور اگر دوسرے نے رجوع کرلیا تو رجوع کرنے والے نصف مال کے ضامن ہونگے۔

تشریح:۔(۶) اگر تین گواہوں نے مال کی گواہی دی پھر بعد از حکمِ قاضی ایک نے رجوع کرلیا تو اس پر کچھ ضمان نہیں کیونکہ اس کے بغیر بھی اتنے گواہ باقی ہیں جن کی گواہی سے پورا حق ثابت ہوتا ہے۔(۷) اور اگر باقی ماندہ دو گواہوں میں سے بھی ایک پھر گیا تو رجوع کرنے والوں پر نصف مال کا تاوان لازم ہوگا کیونکہ ایک گواہ باقی رہ جانے کی وجہ سے نصف حق باقی رہیگا اسلئے رجوع کرنے والے صرف نصف حق کے ضامن ہونگے۔

(۸)وَاِنْ شَهِدَ رَجُلٌ وَامْرَاَتَانِ فَرَجَعَتْ اِمْرَاَةٌ ضَمِنَتْ رُبْعَ الْحَقِّ (۹)وَاِنْ رَجَعَتَا ضَمِنَتَا نِصْفَ الْحَقِّ۔

ترجمہ:۔اور اگر ایک مرد اور دو عورتوں نے گواہی دی پھر ایک عورت نے رجوع کرلیا تو وہ ربع حق کی ضامن ہوگی اور اگر دونوں عورتوں نے رجوع کیا تو دونوں نصف حق کی ضامن ہونگی۔

تشریح:۔(۸) اگر ایک مرد اور دو عورتوں نے مال کی گواہی دی پھر ایک عورت نے رجوع کرلیا تو وہ ربع حق کی ضامن ہوگی کیونکہ ایک مرد اور ایک عورت کے باقی رہنے کی وجہ سے تین چوتھائی حق باقی رہا۔(۹) اگر دونوں عورتوں نے رجوع کیا تو دونوں نصف حق کی ضامن

ہونگی کیونکہ ایک مرد کے باقی رہنے سے نصف حق باقی رہ گیا لہذا دونوں عورتیں صرف نصف حق کی ضامن ہونگی۔

(۱۰) وَاِنْ شَهِدَ رَجُلٌ وَعَشَرَ نِسْوَةٍ فَرَجَعَ ثَمَانُ نِسْوَةٍ مِنْهُنَّ فَلاضَمَانَ عَلَيْهِنَّ (۱۱) فَاِنْ رَجَعَتْ اُخْرٰى كَانَ عَلَى النِّسْوَةِ رُبْعُ الْحَقِّ (۱۲) فَاِنْ رَجَعَ الرَّجُلُ وَالنِّسَاءُ فَعَلَى الرَّجُلِ سُدُسُ الْحَقِّ وَعَلَى النِّسْوَةِ خَمْسَةُ اَسْدَاسِ الْحَقِّ عِنْدَاَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللهُ عَلَى الرَّجُلِ النِّصْفُ وَعَلَى النِّسْوَةِ النِّصْفُ۔

ترجمہ:۔اور گر ایک مرد اور دس عورتوں نے گواہی دی پھر عورتوں میں سے آٹھ عورتوں نے رجوع کرلیا تو ان پر ضمان نہیں پھر اگر ایک اور عورت نے رجوع کرلیا تو سب رجوع کرنے والیوں پر ربع حق واجب ہوگا اور اگر مرد اور سب عورتیں پھر گئیں تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مرد پر کل مال کا ایک سدس ہے اور عورتوں پر پانچ حصے ہونگے اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں مرد پر نصف حق اور عورتوں پر باقی نصف حق لازم ہوگا۔

تشریح:۔(۱۰) اگر ایک مرد اور دس عورتوں نے مال کی گواہی دی پھر بعد از حکمِ حاکم آٹھ عورتوں نے گواہی سے رجوع کرلیا تو ان پر ضمان نہیں کیونکہ گواہوں میں سے اب تک اس قدر باقی ہے (یعنی ایک مرد دو عورتیں) جن کی گواہی سے کل حق ثابت ہوتا ہے۔(۱۱) پھر اگر باقی دو عورتوں میں بھی ایک نے رجوع کرلیا تو سب رجوع کرنے والیوں پر ربع حق واجب ہوگا کیونکہ مرد کی گواہی باقی ہونے کی وجہ سے نصف حق باقی رہا باقیہ ایک عورت کی گواہی سے ربع حق باقی رہا پس ایک ربع کا رجوع کرنے والی عورتیں ضامن ہونگی۔

(۱۲) اگر مذکورہ صورت میں مرد اور سب عورتیں گواہی سے پھر گئیں تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مرد پر کل مال کا چھٹا حصہ واجب ہوگا اور عورتوں پر باقی پانچ حصہ واجب ہونگے کیونکہ ہر دو عورتیں ایک مرد کے قائم مقام ہیں تو ایک مرد اور دس عورتوں کی گواہی چھ مردوں کی گواہی شمار ہوگی پھر جب سب نے رجوع کیا تو ایک مرد پر کل مال کا چھٹا حصہ واجب ہوگا۔

صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک مرد پر نصف حق اور عورتوں پر باقی نصف حق لازم ہوگا کیونکہ عورتیں اگر چہ بہت ہو جائیں سب ایک ہی مرد کے قائم مقام ہوتی ہیں یہی وجہ ہے کہ صرف عورتوں کی گواہی قبول نہیں جب تک کہ ان کے ساتھ ایک مرد نہ ہو۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول راجح ہے۔

(۱۳) وَاِنْ شَهِدَ شَاهِدَانِ عَلَى اِمْرَاةٍ بِالنِّكَاحِ بِمِقْدَارِ مَهْرِ مِثْلِهَا اَوْ اَكْثَرَ ثُمَّ رَجَعَا فَلاضَمَانَ عَلَيْهِمَا وَاِنْ شَهِدَا بِاَقَلَّ مِنْ مَهْرِ الْمِثْلِ ثُمَّ رَجَعَا لَمْ يَضْمَنَا النُّقْصَانَ (۱۴) وَكَذٰلِكَ اِذَا شَهِدَا عَلَى رَجُلٍ بِتَزْوِيْجِ اِمْرَاةٍ بِمِقْدَارِ مَهْرِ مِثْلِهَا اَوْ اَقَلَّ (۱۵) فَاِنْ شَهِدَا بِاَكْثَرَ مِنْ مَهْرِ الْمِثْلِ ثُمَّ رَجَعَا ضَمِنَا الزِّيَادَةَ۔

ترجمہ:۔اور اگر دو گواہوں نے ایک عورت پر بعوض اسکے مہر مثل یا زیادہ کے ساتھ نکاح کی گواہی دی پھر دونوں نے رجوع کرلیا تو ان پر کچھ ضمان نہیں اور اگر دو گواہوں نے مہر مثل سے کم کی گواہی دی پھر دونوں نے رجوع کرلیا تو دونوں نقصان کے ضامن نہیں ہونگے اور اسی طرح اگر دو گواہوں نے کسی مرد کے کسی عورت سے اسکے مہر مثل یا اس سے کم مقدار پر نکاح کرنے کی گواہی دی اور اگر گواہوں نے

مہر مثل سے زیادہ کی گواہی دی پھر دونوں نے رجوع کرلیا تو زائد مقدار کے ضامن ہونگے۔

تشریح:۔(۱۳) اگر دو گواہوں نے ایک عورت پر بعوض مہر مثل یا کم یا زیادہ کے ساتھ نکاح کی گواہی دی پھر بعداز حکم قاضی دونوں گواہوں نے اپنی گواہی سے رجوع کرلیا تو ان پر کچھ ضمان نہیں کیونکہ بوقت اتلاف بضع کے منافع کی قیمت معین نہیں ہوتی ہے اسلئے کہ تضمین مماثلت کا مقتضی ہے وَلَامَمَاثَلَةَ بَيْنَ الْبُضعِ وَالْمَالِ۔

(۱۴) اسی طرح اگر دو گواہوں نے ایک شخص پر یہ گواہی دی کہ اس نے فلاں عورت کے ساتھ بعوض اسکے مہر مثل کے نکاح کیا پھر بعداز حکم قاضی گواہوں نے رجوع کیا تو ان پر کچھ ضمان نہیں کیونکہ بوقت دخول فی الملک بضع متقوم چیز ہوجاتی ہے تو یہ اتلاف بالعوض ہوا اور اتلاف بعوض عدم اتلاف کی طرح ہے۔

(۱۵) اگر گواہوں نے مہر مثل سے زیادہ کے عوض نکاح کردینے کی گواہی دی بعداز حکم قاضی دونوں نے گواہی سے رجوع کرلیا تو مہر مثل سے زائد مقدار کے ضامن ہونگے کیونکہ زائد مقدار اشوہر کا حق ہے جوانہوں نے بلاعوض تلف کیا اسلئے ضامن ہونگے۔

(۱۶) وَاِنْ شَهِدَا بِبَيْعِ شَئٍ بِمِثْلِ الْقِيْمَةِ اَوْ اَكْثَرَ ثُمَّ رَجَعَا لَمْ يَضْمَنَا (۱۷) وَاِنْ كَانَ بِاَقَلَّ مِنَ الْقِيْمَةِ ضَمِنَا النُّقْصَانَ۔

ترجمہ:۔اور اگر دو گواہوں نے کسی چیز کو اس کے مثل قیمت یا زیادہ قیمت پر فروخت کرنے کی گواہی دی پھر دونوں نے رجوع کیا تو ضامن نہ ہونگے اور اگر قیمت سے کم کی گواہی دی تو نقصان کے ضامن ہونگے۔

تشریح:۔(۱۶) اگر دو گواہوں نے کسی چیز کو اس کے مثل قیمت یا زیادہ قیمت پر فروخت کرنے کی گواہی دی پھر دونوں نے رجوع کیا تو ضامن نہ ہونگے کیونکہ عوض موجود ہونے کی وجہ سے معنیً یہ اتلاف شمار نہ ہوگا۔(۱۷) اگر دونوں نے مثل قیمت سے کم عوض پر فروخت کرنے کی گواہی دی تو مثل قیمت سے عوض جتنا کم ہے اتنی مقدار کا بائع کیلئے ضامن ہونگے کیونکہ انہوں نے بائع کی ملک کا یہ جزء بلاعوض تلف کردیا۔

(۱۸) وَاِنْ شَهِدَا عَلٰى رَجُلٍ اَنَّهُ طَلَّقَ اِمْرَاَتَهُ قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا ثُمَّ رَجَعَا ضَمِنَا نِصْفَ الْمَهْرِ (۱۹) وَاِنْ كَانَ بَعْدَ الدُّخُوْلِ لَمْ يَضْمَنَا (۲۰) وَاِنْ شَهِدَا اَنَّهُ اَعْتَقَ عَبْدَهُ ثُمَّ رَجَعَا ضَمِنَا الْقِيْمَةَ۔

ترجمہ:۔اور اگر دو گواہوں نے کسی شخص پر گواہی دی کہ اس نے اپنی زوجہ کو دخول سے پہلے طلاق دے دی پھر دونوں نے رجوع کیا تو نصف مہر کے ضامن ہونگے اور اگر بعد الدخول گواہی دی ہو تو ضامن نہ ہونگے اور اگر دو گواہوں نے کسی پر یہ گواہی دی کہ اس نے اپنے غلام کو آزاد کردیا پھر دونوں نے رجوع کیا تو دونوں غلام کی قیمت کے ضامن ہونگے۔

تشریح:۔(۱۸) اگر دو گواہوں نے کسی شخص پر یہ گواہی دی کہ اس نے اپنی زوجہ کو دخول سے پہلے طلاق دے دی پھر دونوں نے اپنی گواہی سے رجوع کیا تو نصف مہر کے ضامن ہونگے کیونکہ انہوں نے اپنی شہادت سے شوہر پر ایک قریب السقوط مال (نصف مہر) کو لازم کردیا اور نصف مہر قریب السقوط اسلئے ہے کہ یہ امکان تھا کہ عورت مرتدہ (العیاذ باللہ) ہوجاتی یا خود پر ابن الزوج کو قدرت دیتی تو کل مہر ساقط ہوجاتا۔

(۱۹) اگر گواہوں نے کسی پر بعد الدخول گواہی دی کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی پھر دونوں نے اپنی گواہی سے رجوع کیا تو گواہوں پر کچھ بھی ضمان نہ ہوگا کیونکہ مہر تو دخول کی وجہ سے شوہر پر لازم ہوا ہے باقی بضع کی بوقت خروج عن الملک کوئی قیمت نہیں کما مر لہذا کچھ بھی لازم نہ ہوگا۔

(۲۰) اگر دو گواہوں نے کسی پر یہ گواہی دی کہ اس نے اپنے غلام کو آزاد کر دیا حتی کہ وہ آزاد ہوگیا پھر دونوں نے اپنی گواہی سے رجوع کیا تو دونوں اس غلام کی قیمت کے ضامن ہونگے کیونکہ انہوں نے مالیۃ غلام کو بلا عوض تلف کیا۔

(۲۱) وإنْ شَهِدَ ابِقِصَاصٍ ثُمّ رَجَعَابعدَ الْقَتْلِ ضَمِنَا الدِّيَةَ (۲۲) وَلا يُقْتَصّ مِنْهُمَا۔

ترجمہ:۔ اور اگر دو گواہوں نے کسی پر قصاص کی گواہی دی پھر گواہوں نے رجوع کیا تو دیت کے ضامن ہونگے اور گواہوں سے قصاص نہیں لیا جائیگا۔

تشریح:۔ (۲۱) اگر دو گواہوں نے کسی پر قصاص کی گواہی دی مثلاً گواہی دی کہ زید نے بکر کو عمداً قتل کر دیا چنانچہ زید قصاصاً قتل ہوا اب گواہوں نے اپنی گواہی سے رجوع کیا تو زید کے ورثہ کیلئے دیت کے ضامن ہونگے۔ (۲۲) البتہ گواہوں سے قصاص نہیں لیا جائیگا کیونکہ انہوں قتل کی مباشرت نہیں کی ہے اور نہ کسی پر قتل کرنے کیلئے جبر کیا ہے۔

(۲۳) وإذارَ جَعَ شُهُوْدُ الْفَرْعِ ضَمِنُوْا (۲۴) وإنْ رَجَعَ شُهُوْدُ الْاَصْلِ وقَالُوْا لَمْ نُشْهِدْ شُهُوْدَالفرْعِ عَلى شَهَادَتِنَافَلاضَمَانَ عليهِمْ (۲۵) وإنْ قالُوْا اَشْهَدْنَاهُمْ وَغَلَطْنَا ضَمِنُوْا۔

ترجمہ:۔ اور اگر فرع گواہوں نے رجوع کیا تو ضامن ہونگے اور اگر اصل گواہوں نے رجوع کیا اور کہا کہ ہم نے فرع گواہوں کو اپنی گواہی پر گواہ نہیں بنائے تھے تو اصل گواہوں پر ضمان نہیں اور اگر انہوں نے کہا کہ ہم نے فرع گواہوں کو گواہ بنایا تھا اور ہم سے غلطی ہوئی تو ضامن ہونگے۔

تشریح:۔ (۲۳) اگر فرع گواہوں نے اپنی گواہی سے رجوع کیا تو ضامن ہونگے مثلاً اصل گواہوں نے اپنی گواہی پر دوسروں کو گواہ کرلیا پھر فرع گواہوں نے اپنے اصل گواہوں کی گواہی پر گواہی دی پھر فرع گواہ اپنی گواہی سے پھر گئے تو جو کچھ انہوں نے اپنی گواہی سے تلف کیا اس کے ضامن ہونگے کیونکہ قاضی کی کچہری میں شہادت ان سے ہی صادر ہوئی ہے لہذا تلف کرنے کی نسبت انہیں کی جانب ہوگی۔

(۲۴) اگر فرع گواہوں کی گواہی پر حکم جاری ہونے کے بعد اصل گواہوں نے رجوع کر کے کہا کہ ہم نے فرع گواہوں کو اپنی گواہی پر گواہ نہیں بنائے تھے تو اصل گواہوں پر ضمان نہیں کیونکہ انہوں نے اپنے سبب ہونے (یعنی گواہ بنانے) سے انکار کیا اور بوجہ تعارض خبرین حکم قاضی بھی باطل نہ ہوگا۔

(۲۵) اگر اصل گواہوں نے کہا کہ ہم نے فرع گواہوں کو گواہ بنایا تھا مگر ہم سے غلطی ہوئی تو اب فرع گواہوں کی گواہی سے جو کچھ تلف ہوا اصل گواہ اسکے ضامن ہونگے کیونکہ فرع گواہوں نے تو اصول کی گواہی نقل کی ہے تو یہ ایسا ہے جیسے اصل گواہ خود حاضر تھے۔

(۲۶) وَاِنْ قَالَ شُهُوْدُ الْفَرْعِ كَذَبَ شُهُوْدُ الْاَصْلِ اَوْ غَلِطُوْا فِی شَهَادَتِهِمْ لَمْ يُلْتَفَتْ اِلٰی ذَالِكَ۔

ترجمہ:۔ اور اگر شہود الفرع نے کہا کہ شہود الاصل نے جھوٹ کہا ہے یا شہود الاصل نے شہادت میں غلطی کی ہے تو اس طرف التفات نہیں کیا جائیگا۔

تشریح:۔ (۲۶) شہود الفرع نے (انکی گواہی کے مطابق قاضی کی طرف سے حکم جاری ہونے کے بعد) کہا کہ شہود الاصل نے جھوٹ کہا ہے یا کہا کہ شہود الاصل سے اس بارے میں غلطی ہوگئی ہے تو ان کے اس قول کی طرف التفات نہیں کیا جائیگا کیونکہ قاضی کا جو حکم نافذ ہوا وہ اب ان کے کہنے سے نہیں ٹوٹے گا اور نہ ان پر ضمان واجب ہے کیونکہ انہوں نے اپنی گواہی سے رجوع نہیں کیا ہے۔

(۲۷) وَاِذَا شَهِدَ اَرْبَعَةٌ بِالزِّنَا وَشَاهِدَانِ بِالْاِحْصَانِ فَرَجَعَ شُهُوْدُ الْاِحْصَانِ لَمْ يَضْمَنُوْا (۲۸) وَاِذَا رَجَعَ الْمُزَكُّوْنَ عَنِ التَّزْكِيَةِ ضَمِنُوْا۔

ترجمہ:۔ اور اگر چار گواہوں نے زنا کی گواہی دی اور دو نے احصان کی گواہی دی پھر احصان کے گواہ پھر گئے تو ضامن نہیں ہونگے اور اگر تزکیہ کرنے والوں نے رجوع کیا تو ضامن ہونگے۔

تشریح:۔ (۲۷) اگر چار گواہوں نے کسی پر زنا کی گواہی دی اور دو گواہوں نے اس کے محصن (محصن وہ بالغ آزاد مسلمان ہے جس نے نکاح صحیح کر کے وطی کیا ہو) ہونے کی گواہی دی پھر احصان کی گواہی دینے والوں نے اپنی گواہی سے رجوع کیا تو ضامن نہیں ہونگے کیونکہ حکم کی اضافت سبب کی طرف ہوتی ہے اور سبب یہاں زنی ہے بخلاف احصان کے کہ وہ تو شرط ہے موجب رجم نہیں۔

(۲۸) اگر گواہوں کا تزکیہ وتعدیل کرنے والوں نے اپنی تعدیل کرنے سے رجوع کیا تو جو نقصان مدعیٰ علیہ کا ہوا رجوع کرنے والے اسکے ضامن ہونگے کیونکہ انکی تعدیل کی وجہ سے گواہوں کی گواہی حکمِ قاضی کا قابل ہوگئی ہے کیونکہ قاضی گواہی کے مطابق بلا تزکیہ عمل نہیں کرتا ہے تو تزکیہ شہود علت العلۃ کے معنی میں ہوا۔

(۲۹) وَاِذَا شَهِدَ شَاهِدَانِ بِالْيَمِيْنِ وَشَاهِدَانِ بِوُجُوْدِ الشَّرْطِ ثُمَّ رَجَعُوْا فَالضَّمَانُ عَلٰی شُهُوْدِ الْيَمِيْنِ خَاصَّةً۔

ترجمہ:۔ اور اگر دو گواہوں نے قسم کھانے پر گواہی دی اور دو گواہوں نے وجود شرط کی گواہی دی پھر دونوں فریقوں نے رجوع کیا تو ضمان خاص کر قسم کے گواہوں پر ہوگی۔

تشریح:۔ (۲۹) اگر دو گواہوں نے قسم کھانے پر گواہی دی (مثلاً کہا کہ زید نے قسم کھائی ہے کہ فلاں مکان میں جاؤں تو میرا غلام آزاد ہے) اور دوسرے دو گواہوں نے شرط پائی جانے کی گواہی دی (یعنی گواہی دی کہ زید مذکورہ مکان میں داخل ہوگیا) پھر دونوں فریقوں نے اپنی اپنی گواہی سے رجوع کیا تو ضمان خاص کر قسم کے گواہوں پر ہوگی کیونکہ آزادی کا سبب یہی قسم ہے اور تلف کرنے کی نسبت انہیں گواہوں کی طرف ہوگی جنہوں نے سبب ثابت کیا ہے نہ کہ شرط محض ثابت کرنے والوں کی طرف۔

☆ ☆ ☆

كتاب آداب القاضي

یہ کتاب اداب قاضی کے بیان میں ہے۔

چونکہ غالباً قضاء قاضی شہادات ہی پر موقوف ہوتی ہے اور قضاء قاضی کا فعل ہے اور قاضی محتاج الی الاداب ہے اس لئے شہادت کے بعد اداب القاضی کو ذکر فرماتے ہیں۔ اور ادب خود اپنی ذات میں اور لوگوں کے معاملات میں اخلاق جمیلہ اور خصال حمیدہ سے آراستہ ہونے کو کہتے ہیں۔

"اداب" جمع ہے "ادب" کی۔ جو قیام وقعود میں حسن الاحوال، اچھے اخلاق اور خصال حمیدہ کے اجتماع کو کہتے ہیں۔ اور قضاء شریعت میں فصل الخصومات اور قطع المنازعات کو کہتے ہیں۔ قضاء کے لئے چھ شرائط ہیں جن کو ابن الغرس نے مندرجہ ذیل نظم میں بیان کئے ہیں۔

اطراف كل قضية حكمية ست يلوح بعدها تحقيق

حكم ومحكوم به وله ومحكوم عليه وحاكم وطريق۔

(المختصر الضروری ص ۲۹۴)

ادب القاضی سے مراد یہ ہے کہ قاضی ایسے اُمور لازم پکڑے جو شریعت میں محمود ہوں جیسے عدل پھیلانا اور ظلم مٹانا وغیرہ۔

(۱) وَلَاتَصِحّ وِلَايَةُ الْقَاضِيْ حَتّٰى يَجْتَمِعَ فِي الْمُوَلّٰى شَرَائِطُ الشَّهَادَةِ (۲) وَيَكُوْنَ مِنْ اَهْلِ الْاِجْتِهَادِ۔

ترجمہ:۔ اور قاضی کی ولایت صحیح نہیں ہوگی یہاں تک کہ قاضی بنائے جانے والے میں شہادت کی شرطیں جمع ہو جائیں اور وہ اہل اجتہاد میں سے ہو۔

تشریح:۔ (۱) ولایت قاضی یعنی قاضی بننا صحیح نہیں یہاں تک کہ قاضی بنائے جانے والے میں شہادت کی شرطیں جمع ہو جائیں مثلاً عاقل، بالغ، مسلمان وغیرہ وغیرہ ہونا وجہ یہ ہے کہ حکمِ قضاء بھی حکمِ شہادت سے مستفاد ہے کیونکہ قضاء اور شہادت میں سے ہر ایک از قسم ولایت ہے لہذا جو لائق شہادت ہوگا وہ لائق قضاء بھی ہے اور جو شرائط اہلیت شہادت کی ہیں وہی شرائط اہلیت قضاء کی بھی ہیں۔

(۲) یہ بھی شرط ہے کہ قاضی اہل اجتہاد میں سے ہو مگر صحیح یہ ہے کہ اہلیت اجتہاد اولویت کی شرط ہے پس غیر مجتہد کو قاضی بنانا احناف کے نزدیک صحیح ہے کیونکہ غیر مجتہد قاضی یہ کرسکتا ہے کہ دوسرے کسی مجتہد کے فتویٰ پر حکم جاری کردے اس طرح مقصود قضاء حاصل ہوجاتا ہے۔

(۳) وَ لَابَأْسَ بِالدُّخُوْلِ فِي الْقَضَاءِ لِمَنْ يَثِقُ بِنَفْسِهِ اَنَّهُ يُؤَدِّيْ فَرْضَهُ (۴) وَيُكْرَهُ الدُّخُوْلُ فِيْهِ لِمَنْ يَخَافُ الْعَجْزَ عَنْهُ وَلَايَأْمَنُ عَلٰى نَفْسِهِ الْحَيْفَ فِيْهِ (۵) وَلَايَنْبَغِيْ اَنْ يَطْلُبَ الْوِلَايَةَ وَلَايَسْئَلَهَا۔

ترجمہ:۔ اور قاضی بننے میں کوئی مضائقہ نہیں ایسے شخص کے لئے جو اپنی ذات پر بھروسہ رکھتا ہو کہ میں اپنا فرض کو ادا کرسکتا ہوں اور مکروہ ہے اس شخص کے لئے جس کو ادائیگی فرض سے عاجز ہونے کا اندیشہ ہو اور اس میں خود پر ظلم کرنے سے اطمینان نہ ہو اور مناسب نہیں کہ

ولایت قضاء طلب کرے اور ولایت کا سوال نہ کرے۔

تشریح:۔(۳) ایسے شخص کیلئے قاضی بننے میں کوئی مضائقہ نہیں جو اپنی ذات پر بھروسہ رکھتا ہو کہ میں اپنا فرض ادا کرسکتا ہوں یعنی اصول شریعت کے مطابق حکم کرسکتا ہوں کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعینؒ نے قضاء قبول کی ہے جن کی پیشوائی ہمارے لئے کافی ہے۔(۴) جس کو عاجزی کا خوف ہو کہ میں مشروع طریقہ پر اپنا فرض ادا نہیں کرسکوں گا اور جس کو اپنی ذات پر حکم قضاء میں ظلم سے محفوظ نہ ہونے کا خوف ہو اس کیلئے قاضی بننا مکروہ ہے"لقوله صلّى الله عليه وسلم مَنْ جُعِلَ عَلى القَضَاءِ فَكَانَّمَاذُبِحَ بِغَيْرِ سِكِّيْنٍ "(یعنی جو شخص کہ قضاء پر مقرر کیا گیا تو گویا وہ بغیر چھری کے ذبح کیا گیا)۔مگر صحیح قول یہ ہے کہ اس طمع پر قاضی بننے کی رخصت ہے کہ عدل قائم کرونگا۔

(۵) آدمی کو چاہئے کہ ولایت قضاء کا طلب بالقلب نہ کرے اور نہ اسکا طلب و درخواست باللسان کرے"لقوله صلّى الله عليه وسلم مَنْ طَلَبَ الْقَضَاءَ وُكّلَ اِلىٰ نَفْسِهِ وَمَنْ اُجْبِرَ عَلَيْهِ نَزَلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ لِيُسَدِّدَهٗ "(یعنی جس نے قضاء کو طلب کیا تو وہ اپنے نفس کے بھروسے پر چھوڑا جاتا ہے اور جو قاضی ہونے پر مجبور کیا گیا تو اس پر ایک فرشتہ نازل ہوتا ہے جو اس کو راہ راست پر ٹھیک رکھتا ہے)۔

(۶) وَمَنْ قُلِّدَ الْقَضَاءَ يُسَلَّمُ اَلَيْهِ دِيْوَانُ الْقَاضِى الَّذِىْ كَانَ قَبْلَه (۷) وَيَنْظُرُ فِى حَالِ الْمَحْبُوْسِيْنَ فَمَنْ اِعْتَرَفَ مِنْهُمْ بِحَقٍّ اَلْزَمَهٗ اِيَّاهُ وَمَنْ اَنْكَرَ لَمْ يُقْبَلْ قَوْلُ الْمَعْزُوْلِ عَلَيهِ اِلَّابِبَيِّنَةٍ (۸) فَاِنْ لم تَقُمِ الْبَيِّنَةُ لم يَعْجَلْ بِتَخْلِيَتِهٖ حَتّٰى يُنَادِىَ عَلَيه وَيَسْتَظْهِرَفِى اَمْرِه (۹) وَيَنْظُرُفِى الْوَدَائِعِ وَارْتِفَاعِ الْوُقُوْفِ فَيَعْمَل عَلىٰ حَسْبِ ما تَقُوْمُ بِهِ الْبَيِّنَةُ او يَعْتَرِفُ بِه مَنْ هُوَ فِى يَدِهٖ (۱۰) ولايُقْبَلُ قَوْلُ الْمَعْزُوْلِ اِلَّااَنْ يَعْتَرِفَ الَّذِىْ هُوَ فِى يَدِهٖ اَنَّ الْمَعْزُوْلَ سَلَّمَهَااِلَيْهِ فَيُقْبَلُ قَوْلُه فِيْهَا۔

ترجمہ:۔اور جو شخص قاضی مقرر کیا گیا تو اس کو وہ رجسٹر سپرد کردے جو اس سے پہلے قاضی کا تھا اور قیدیوں کے حالات میں غور کرے پس جس قیدی نے کسی حق کا اقرار کیا تو وہ اس پر لازم کردے اور جس قیدی نے انکار کیا تو معزول قاضی کا قول اس کے بارے میں قبول نہیں کیا جائیگا مگر گواہوں کے ساتھ اور اگر قیدی پر گواہ قائم نہ ہو تو اسکے رہا کرنے میں جلدی نہ کرے یہاں تک کہ اسکے اعلانات کردے اور اس کے معاملے میں انتظار کرے اور (نیا قاضی) ودائع اور حاصلات اوقاف کی تحقیق کرے پس عمل کرے جس طور پر گواہ قائم ہوں یا جس کے قبضہ میں ہوں وہ اس کا اعتراف کرے اور معزول قاضی کا قول قبول نہیں کیا جائیگا الا یہ کہ جس کے ہاتھ میں وہ (ودائع یا حاصلات وقف) ہوں وہ اس کا اعتراف کرے کہ مجھے معزول قاضی نے سپرد کی تھیں تو معزول قاضی کا قول قبول کیا جائیگا۔

تشریح:۔(۶) یعنی جو شخص قاضی مقرر کیا گیا اس کا اول عمل یہ ہوگا کہ وہ سابق قاضی کا دیوان طلب کرے (دیوان سے مراد چمڑے وغیرہ کا وہ تھیلا ہے جس میں برائے حفاظت چیزیں رکھ کر اسکا منہ بند کردیتے ہیں آج کل اسے رجسٹر سے تعبیر کیا جاسکتا ہے) کیونکہ دیوان اس

لئے ہوتا ہے تا کہ بوقت حاجت حجۃ ہوتو جس کو ولایت قضاء حاصل ہوا اسی کے قبضہ میں دیا جائیگا۔

(۷) تو نیا قاضی اول قیدیوں کی تحقیق کرے کیونکہ قاضی مسلمانوں کا نگران مقرر ہوا ہے۔ پس جس قیدی نے خود پر کسی کے حق کا اقرار کیا تو وہ اس پر بوجہ اسکے اقرار لازم کردے۔ اور جس قیدی نے کہا کہ مجھ پر کوئی حق نہیں بلاوجہ قیدی ہوں اور معزول قاضی نے کہا کہ نہیں یہ فلاں حق کی وجہ سے قیدی ہے تو اسکے بارے میں صرف معزول قاضی کا قول قبول نہ ہوگا کیونکہ معزول قاضی اب معزول ہوکر رعایا میں سے ایک فرد ہے اور ایک فرد کی گواہی معتبر نہیں۔ (۸) اگر اس قیدی پر گواہ قائم نہ ہوں تو نیا قاضی اسکے رہا کرنے میں جلدی نہ کرے بلکہ انتظار کرے یہاں تک کہ مجموعوں اور بازاروں میں اسکے اعلانات کردے کہ اگر کسی کا اس پر حق ہے تو حاضر ہوجائے کیونکہ جلدی کرنے میں ایسا نہ ہو کہ کسی کا حق ضائع ہوجائے۔

(۹) نئے قاضی کو چاہئے کہ ودائع (جو معزول قاضی نے امینوں کے قبضہ میں دئے ہیں) اور حاصلات وقف کی تحقیق کرے یعنی دیکھے کہ شرائط کے موافق تقسیم ہوتے ہیں یا نہیں۔ پس ودائع وغیرہ پر جس طور پر گواہ قائم ہوں یا جس کے قبضہ میں ہوں وہ اس کا اعتراف کرے ان کے مطابق عمل کرے کیونکہ گواہ اور اعتراف میں سے ہر ایک حجت ہے۔ (۱۰) ان کے بارے میں بھی معزول قاضی کا قول معتبر نہیں الا یہ کہ جس کے ہاتھ میں ودائع یا حاصلات وقف ہوں وہ اس کا اعتراف کرے کہ مجھے معزول قاضی نے سپرد کی تھیں تو قاضی معزول کا قول قبول کیا جائیگا۔

(۱۱) وَيَجْلِسُ لِلْحُكْمِ جُلُوْسًا ظَاهِرًا فِي الْمَسْجِدِ (۱۲) وَلَا يَقْبَلُ هَدِيَّةً اِلَّا مِنْ ذِيْ رَحْمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ اَوْ مِمَّنْ جَرَتْ عَادَتُهٗ قَبْلَ الْقَضَاءِ بِمُهَادَاتِهٖ (۱۳) وَلَا يَحْضُرُ دَعْوَةً اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ عَامَّةً (۱۴) وَيَشْهَدُ الْجَنَازَةَ وَيَعُوْدُ الْمَرِيْضَ۔

ترجمہ:۔ اور قاضی فیصلہ کے وقت سرعام مسجد میں بیٹھے اور قاضی کسی کا ہدیہ قبول نہ کرے سوائے اپنے ذی رحم محرم کے یا ایسے شخص کے جس کے ساتھ قاضی ہونے سے پہلے ہدیہ دینے لینے کی عادت جاری تھی اور قاضی کسی کی دعوت میں نہ جائے الا یہ کہ دعوت عام ہو اور قاضی جنازہ میں حاضر ہو اور مریض کی عیادت کرے۔

تشریح:۔ (۱۱) قاضی کو چاہئے کہ فیصلہ کے وقت سرعام مسجد میں بیٹھے اور وسط شہر کے کسی مسجد کا انتخاب کرے لوگوں کی سہولت کے لئے۔ (۱۲) قاضی کسی کا ہدیہ قبول نہ کرے تا کہ بوجہ قضاء کھانے والا نہ ہو۔ ہاں اپنے محرمین سے ہدیہ لے سکتا ہے اور ایسے شخص سے جس کے ساتھ قاضی ہونے سے پہلے ہدیہ دینے لینے کی عادت جاری تھی کیونکہ ذی رحم محرم کا ہدیہ لینا صلہ رحمی ہے اور جس سے ہدیہ لینے دینے کی قاضی ہونے سے پہلے عادت جاری تھی اسکا ہدیہ بوجہ قاضی ہونے کے نہیں بلکہ سابقہ عادت کی وجہ سے ہے۔

(۱۳) قاضی کسی کی دعوت میں نہ جائے الا یہ کہ دعوت عام ہو کیونکہ خاص دعوت تو اسکے قاضی ہونے کی وجہ سے ہوگی تو اسکو قبول کرنے میں متہم ہوگا بخلاف دعوت عامہ کے کہ اسکے قبول کرنے میں کوئی تہمت نہیں۔ (۱۴) قاضی کیلئے جائز ہے کہ کسی مسلمان کے جنازہ میں حاضر ہو اور مریضوں کی عیادت کرنا بھی جائز ہے کیونکہ یہ مسلمانوں کے حقوق میں سے ہے۔

(۱۵)وَلَايُضِيفُ اَحَدَ الْخَصْمَيْنِ دُوْنَ خَصْمِه (۱٦)فَاِذَا حَضَرَا سَوّٰى بَيْنَهُمَا فِي الْجُلُوْسِ وَالْاِقْبَالِ (۱۷)وَلَايُسَارُّ اَحَدَهُمَا وَلَايُشِيْرُ اِلَيْهِ وَلَايُلَقِّنُه حُجَّةً۔

ترجمه:۔اور قاضی متخاصمین میں سے ایک کی دعوت نہ کرے دوسرے کو چھوڑ کر اور جب مدعی و مدعیٰ علیہ دونوں حاضر ہو جائیں تو بٹھلانے اور توجہ کرنے میں برابری کرے اور کسی ایک کے ساتھ سرگوشی نہ کرے اور نہ کسی ایک کی طرف اشارہ کرے اور نہ کسی ایک کو حجت کی تلقین کرے۔

تشریح:۔(۱۵) قاضی ایسا نہ کرے کہ متخاصمین میں سے ایک کی دعوت کرے اور دوسرے کو چھوڑ دے کیونکہ ایسا کرنے میں قاضی متہم ہوگا کہ شاید اسکو اس شخص کی طرف میلان ہے۔(۱٦) جب مدعی اور مدعیٰ علیہ دونوں حاضر ہو جائیں تو دونوں کے بیٹھنے اور توجہ کرنے میں برابری کرے یعنی ایک کو جیسی جگہ بٹھلایا تو دوسرے کو بھی ایسی ہی جگہ پر بٹھلائے اور دونوں کی طرف ایک جیسا متوجہ ہو۔(۱۷) نہ کسی ایک کے ساتھ سرگوشی کرے اور نہ کسی ایک کی طرف اشارہ کرے اور نہ کسی ایک کو حجت کی تلقین کرے کیونکہ ان اُمور میں سے کسی ایک کا ارتکاب کرنے سے دوسرے خصم کی دل شکنی ہوگی۔

(۱۸)وَاِذَا ثَبَتَ الْحَقُّ عِنْدَ الْقَاضِي وَطَلَبَ صَاحِبُ الْحَقِّ حَبْسَ غَرِيْمِه لَمْ يُعَجِّلْ بِحَبْسِه وَاَمَرَهُ بِدَفْعِ مَاعَلَيْهِ۔

ترجمه:۔اور جب قاضی کے سامنے حق ثابت ہو جائے اور صاحب حق اپنے مقروض کو قید کرنے کا مطالبہ کرے تو قاضی اسکو قید کرنے میں جلدی نہ کرے اور اس کو حکم دے وہ ادا کرنے کا جو اس پر ہے۔

تشریح:۔(۱۸) یعنی جب قاضی کے سامنے ایک کا حق دوسرے پر ثابت ہو جائے اور وہ اپنے مقروض کو قید کرنے کا مطالبہ کرے تو قاضی اسکو قید کرنے میں جلدی نہ کرے بلکہ مقروض کو حکم دے کہ جو کچھ تجھ پر ثابت ہوا وہ دیدیں کیونکہ قید کرنا مقروض کے ٹال مٹول کی سزا ہے تو مقروض کی ٹال مٹول کا ظاہر ہونا ضروری ہے لہٰذا جب تک کہ ٹال مٹول ظاہر نہ ہو قید کرنے میں جلدی نہ کرے۔ پھر اگر وہ حق کی ادائیگی سے رُک گیا تو اب اسکو قید کرے کیونکہ اب اسکا ٹال مٹول ظاہر ہوا۔

(۱۹)فَاِنْ اِمْتَنَعَ حَبَسَه فِي كُلِّ دَيْنٍ لَزِمَه بَدَلًا عَنْ مَالٍ حَصَلَ فِي يَدِه كَثَمَنِ الْمَبِيْعِ وَبَدَلِ الْقَرْضِ اَوِ الْتَزَمَه بِعَقْدٍ كَالْمَهْرِ وَالْكَفَالَةِ (۲۰)وَلَايَحْبِسُه فِيْمَا سِوٰى ذٰلِكَ اِذَاقَالَ اِنِّي فَقِيْرٌ (۲۱)اِلَّااَنْ يُثْبِتَ غَرِيْمُه اَنَّ لَه مَالًا (۲۲)وَيَحْبِسُه شَهْرَيْنِ اَوْ ثَلَاثَةً ثُمَّ يَسْاَلُه عَنْهُ فَاِنْ لَمْ يَظْهَرْ لَه مَالٌ خَلّٰى سَبِيْلَه۔

ترجمه:۔پس اگر وہ ادا کرنے سے رک گیا تو اس کو ہر اس قرض میں قید کرے جس کے بدلے میں اس کے ہاتھ میں مال آیا ہو جیسے ثمن مبیع اور قرض کا بدل یا عقد کے ذریعہ اس کا التزام کیا ہو جیسے مہر اور کفالہ اور اس کے علاوہ میں قید نہ کرے جب وہ کہے کہ میں فقیر ہوں الا یہ کہ قرضخواہ اسکے لئے مال ثابت کرے اور دو یا تین مہینے قید میں رکھے پھر اسکے بارے میں تحقیق کرے پس اگر اس کے لئے مال ظاہر نہ ہوا تو اسکو رہا کر دے۔

تشریح:۔(۱۹) یعنی اگر حکم قاضی کے بعد اس نے حق ادا کرنے میں ٹال مٹول کیا تو قاضی اسکو ہر ایسے قرضہ کے بدلے قید کرے جو ایسے مال کا عوض ہو جس کو اس نے قبض کرلیا ہو جیسے مبیع مقبوضہ کا ثمن اور قرض کا بدل کیونکہ جب مال اسکے قبضہ میں حاصل ہوا تو اسکی غناء ثابت ہوگئی لہذا اب ٹال مٹول کرنے والا شمار ہوگا اور یا ایسے قرضہ کے بدلے قید کرے جو قرضہ اس نے خود پر لازم کیا ہو جیسے مالِ مہر اور مالِ کفالہ کیونکہ مال خود پر لازم کرنے کا اقدام کرنا اسکی غناء کی دلیل ہے کیونکہ وہ ایسے مال کا التزام کریگا جس کو وہ ادا کرسکتا ہے۔

(۲۰) مذکورہ بالا دوقسم کے قرضوں کے علاوہ میں قید نہ کرے مثلاً بدل خلع اور مغصوب وغیرہ میں بشرطیکہ مقروض اپنے فقیر ہونے کا دعویٰ کرے کیونکہ اصل اس کا تنگدست ہونا ہے۔ (۲۱) البتہ اگر قرضخواہ اسکے لئے مال ثابت کرے تو پھر قید کیا جائیگا کیونکہ ٹال مٹول ظاہر ہوا۔ (۲۲) اور دو یا تین مہینے یا کم وبیش اتنی مدت تک قید میں رکھے جتنی میں یہ ظاہر ہو کہ اگر اسکے پاس مال ہوتا تو وہ اسکو ظاہر کردیتا پھر اسکے بارے میں اسکے پڑوسیوں اور اسکے رشتہ داروں سے دریافت کرے پس اگر اس کے لئے مال ظاہر نہ ہوا تو اسکو رہا کردے کیونکہ فراخی تک وہ مہلت پانے کا مستحق ہے فَيَكُونُ حَبْسُه بَعْدَذَالِكَ ظُلْماً۔

(۲۳) ولايَحُوْلُ بَيْنَه وَبَيْنَ غُرَمَائِه۔

ترجمہ:۔اور حائل نہ بنے اس کے اور اس کے قرضخواہوں کے درمیان۔

تشریح:۔(۲۳) یعنی قید سے رہائی دینے کے بعد قاضی مقروض اور اسکے قرضخواہوں کے درمیان حائل نہ بنے البتہ اگر وہ کسی ضرورت کیلئے اپنے گھر میں داخل ہوجائے تو قرضخواہ اسکے گھر میں داخل نہ ہوں بلکہ باہر اسکے نکلنے کا انتظار کریں۔

(۲۴) ويُحْبَسُ الرَّجُلُ فِي نَفَقَةِ زَوْجَتِه (۲۵) ولايُحْبَسُ الْوَالِدُ فِي دَيْنِ وَلَدِه (۲۶) اِلّااِذَاامْتَنَعَ مِنَ الْاِنْفَاقِ عَلَيْه۔

ترجمہ:۔اور شوہر کو اس کی بیوی کے نفقہ میں قید کیا جائیگا اور والد کو اس کے ولد کے قرضہ میں قید نہیں کیا جائیگا الا یہ کہ باپ نفقہ دینے سے رک جائے۔

تشریح:۔(۲۴) شوہر نے اگر اپنی بیوی کا نفقہ روک دیا تو اسکو قید کیا جائیگا کیونکہ وہ حق نہ دینے کی وجہ سے ظالم ہے۔ (۲۵) والد کو اس کے ولد کے قرضہ کی وجہ سے قید نہیں کیا جائیگا کیونکہ قید کرنا ایک طرح کی عقوبت ہے اور ولد کو اپنے والد پر ایسی عقوبت کا استحقاق نہیں۔ (۲۶) ہاں البتہ اگر ولد مستحق نفقہ ہے اور باپ نفقہ دینے سے انکار کردے تو باپ کو قید کیا جائیگا یہ اسلئے تاکہ ولد سے ہلاکت دفع ہو۔

(۲۷) وَيَجُوْزُ قَضَاءُ الْمَرْاَةِ فِي كُلِّ شَيْءٍ اِلّافِي الْحُدُوْدِ وَالْقِصَاصِ۔

ترجمہ:۔اور تمام امور میں عورت کا قاضی ہونا جائز ہے مگر حدود اور قصاص میں۔

تشریح:۔(۲۸) یعنی حدود اور قصاص کے علاوہ باقی تمام حقوق میں عورت قاضی بن سکتی ہے عورت کی گواہی پر قیاس کرتے ہوئے کیونکہ عورت کی گواہی حدود و قصاص کے علاوہ باقی تمام حقوق میں معتبر ہے۔

☆ ☆ ☆

(۲۹)وَيُقْبَلُ كِتَابُ الْقَاضِي فِي الْحُقُوقِ إِذَا شَهِدَ بِهِ عِنْدَهُ (۳۰)فَإِنْ شَهِدُوْا عَلَى خَصْمٍ حَاضِرٍ حَكَمَ بِالشَّهَادَةِ وَكَتَبَ بِحُكْمِهِ (۳۱)وَإِنْ شَهِدُوْا بِغَيْرِ حَضْرَةِ خَصْمٍ لَمْ يَحْكُمْ وَكَتَبَ بِالشَّهَادَةِ لِيَحْكُمَ بِهَا الْمَكْتُوْبُ إِلَيْهِ۔

ترجمہ:۔اور قاضی کا خط حقوق میں قبول کیا جائیگا جب خط کی گواہی اس کے سامنے دے پس اگر مدعی علیہ کے سامنے گواہی دی تو گواہی کے مطابق حکم دے اور اپنا فیصلہ لکھ دے اور اگر مدعی علیہ کی غیر موجودگی میں گواہی دی تو فیصلہ نہ کرے اور گواہی لکھ دے تا کہ اس کے مطابق مکتوب الیہ فیصلہ کرے۔

تشریح:۔(۲۹) ایک قاضی نے اگر دوسرے قاضی کے نام ایسے حقوق کے بارے میں خط لکھا جو شبہ کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتے تو یہ خط قبول کیا جائے گا بشرطیکہ مکتوب الیہ قاضی کے سامنے دو گواہ گواہی دیں کہ یہ فلاں قاضی کا خط ہے۔(۳۰) اور اگر گواہوں نے خط لکھنے والے قاضی کی مجلس میں حاضر مدعی علیہ پر گواہی دی تو قاضی انکی شہادت کے موافق حکم دے اور دوسرے قاضی کو اپنا حکم لکھ دے تا کہ وہ اسکے کو نافذ کر دے (یہ اس صورت میں ہے کہ بعد از حکم قاضی مدعی علیہ دوسرے شہر میں چلا گیا تو قاضی دوسرے شہر کے قاضی کو حکم لکھ کر محکوم علیہ پر نافذ کر دائیں)۔

(۳۱) اگر گواہوں نے مدعی علیہ کی عدم موجودگی گواہی دی تو قاضی اس مدعی علیہ پر حکم نہ کرے کیونکہ مدعی علیہ غائب ہے اور قضاء علی الغائب جائز نہیں ہاں صرف گواہوں کی گواہی مکتوب الیہ قاضی کو لکھ دے تا کہ وہ اسکے موافق مدعی علیہ پر حکم کرے۔

(۳۲)وَلَا يُقْبَلُ الْكِتَابُ إِلَّا بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ أَوْ رَجُلٍ وَامْرَأَتَيْنِ (۳۳)وَيَجِبُ أَنْ يَقْرَأَ الْكِتَابَ عَلَيْهِمْ لِيَعْرِفُوْا مَا فِيْهِ ثُمَّ يَخْتِمَهُ وَيُسَلِّمَهُ إِلَيْهِمْ۔

ترجمہ:۔اور خط قبول نہ کرے مگر دو مردوں کی گواہی سے یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے اور واجب ہے کہ وہ خط گواہوں کو پڑھ کر سنائے تا کہ اس میں جو کچھ ہے وہ اس کو جان لے پھر اس پر مہر لگائے اور گواہوں کو حوالہ کر دے۔

تشریح:۔(۳۲) یعنی مکتوب الیہ قاضی کاتب قاضی کا خط قبول نہ کرے مگر دو مردوں کی گواہی سے یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے کیونکہ جھوٹ کا احتمال ہے اسلئے گواہوں کی ضرورت ہے۔مگر یہ اس وقت کہ خصم انکار کرے کہ یہ قاضی کا خط نہیں اور اگر وہ مقر ہے تو پھر گواہوں کی ضرورت نہیں۔(۳۳) کاتب قاضی کو چاہئے کہ وہ یہ خط گواہوں کو پڑھ کر سنائے یا اسکا مضمون سنائے کیونکہ بغیر علم کے گواہی نہیں۔پھر گواہوں کے سامنے اس پر مہر لگائے تا کہ ہر طرح سے شک اور تردد ختم ہو اب خط گواہوں کو حوالہ کر دے۔

(۳۴)وَإِذَا وَصَلَ إِلَى الْقَاضِي لَمْ يَقْبَلْهُ إِلَّا بِحَضْرَةِ الْخَصْمِ (۳۵)فَإِذَا سَلَّمَهُ الشُّهُوْدُ إِلَيْهِ نَظَرَ إِلَى خَتْمِهِ فَإِذَا شَهِدُوْا أَنَّهُ كِتَابُ فُلَانٍ الْقَاضِي سَلَّمَهُ إِلَيْنَا فِي مَجْلِسِ حُكْمِهِ وَقَضَائِهِ وَقَرَأَهُ عَلَيْنَا وَخَتَمَهُ فَتَحَهُ الْقَاضِي وَقَرَأَهُ عَلَى الْخَصْمِ وَأَلْزَمَهُ مَا فِيْهِ (۳۶)وَلَا يُقْبَلُ كِتَابُ الْقَاضِي إِلَى الْقَاضِي فِي الْحُدُوْدِ وَالْقِصَاصِ۔

ترجمہ:۔اور جب یہ خط مکتوب الیہ قاضی کو پہنچ جائے تو وہ اسکو قبول نہ کرے مگر خصم کے حضور میں پس جب گواہ خط اسکو حوالہ کر دے تو

قاضی اس کے مہر کو دیکھ لے پھر جب گواہ گواہی دے کہ یہ خط فلاں قاضی کا ہے اس نے ہمیں یہ خط اپنی مجلس حکم وقضاء میں سپرد کیا اور ہم کو پڑھ کر سنایا اور اس پر مہر لگادی تو مکتوب الیہ قاضی اس کو کھول دے اور خصم کو پڑھ کر سنائے اور خط میں جو کچھ ہے وہ اس پر لازم کردے اور کتاب القاضی الی القاضی حدود وقصاص میں قبول نہیں کیا جائیگا۔

تشریح:۔(۳۴) یعنی جب یہ خط مکتوب الیہ قاضی کو پہنچ جائے تو وہ اسکو قبول نہ کرے الا یہ کہ خصم حاضر ہو کیونکہ یہ بمنزلہ شہادت ہے تو خصم کا حضور ضروری ہے۔(۳۵) پھر جب گواہ خصم کے حضور میں خط اسکو حوالہ کردے تو قاضی اس کے مہر کو دیکھ لے تاکہ وہ اس کو پہچان لے۔ پھر جب گواہ گواہی دے کہ یہ خط فلاں قاضی کا ہے اس نے ہمیں یہ خط اپنی مجلس حکم وقضاء میں سپرد کیا اور ہم کو پڑھ کر سنایا اور اس پر مہر لگادی تو مکتوب الیہ قاضی اس کو کھول کر خصم کو پڑھ کر سنائے اور خط میں جو کچھ ہے وہ خصم پر لازم کردے۔

(۳۶) حدود وقصاص میں ایک قاضی دوسرے قاضی کا خط قبول نہیں کریگا کیونکہ خط، خط کے مشابہ ہوتا ہے پس ممکن ہے کہ یہ خط جس قاضی کا سمجھا جاتا ہے اس کا نہ ہو تو شبہہ پیدا ہوا "وَالْحُدُوْدُ تُنْدَرِئُ بِالشُّبُهَاتِ" (یعنی حدود شبہہ کی وجہ سے دور کردی جاتی ہیں)۔

(۳۷) وَلَيسَ لِلْقَاضِى اَنْ يَسْتَخْلِفَ عَلَى الْقَضَاءِ اِلَّا اَنْ يُفَوَّضَ اِلَيْهِ ذَالِكَ۔

ترجمه:۔اور قاضی کو یہ اختیار نہیں کہ عہدہ قضاء پر اپنا خلیفہ مقرر کردے الا یہ کہ قاضی کو یہ اختیار دیا جائے۔

تشریح:۔(۳۷) قاضی کو یہ اختیار نہیں کہ عہدہ قضاء پر اپنا خلیفہ مقرر کردے کیونکہ وہ صرف قاضی بنایا گیا ہے اسکو یہ اختیار نہیں دیا گیا ہے کہ دوسرے کو قاضی بنائے البتہ اگر کسی قاضی کو حاکم کی طرف سے یہ اختیار بھی صراحۃً یا دلالۃً دیا گیا ہو کہ تو وہ اپنا خلیفہ بنا سکتا ہے۔

(۳۸) وَاِذَا رُفِعَ اِلَى الْقَاضِى حُكْمُ حَاكِمٍ اَمْضَاهُ (۳۹) اِلَّا اَنْ يُخَالِفَ الْكِتَابَ اَوِالسُّنَّةَ اَوِالْاِجْمَاعَ (۴۰) اَوْ يَكُوْنَ قَوْلًا لَادَلِيْلَ عَلَيْهِ۔

ترجمه:۔اور اگر قاضی کے سامنے کسی حاکم کا حکم پیش کیا جائے تو قاضی اس کو نافذ کرے الا یہ کہ اگر وہ حکم قرآن مجید یا سنت یا اجماع کے خلاف ہو یا ایسا قول ہو جس کی کوئی دلیل نہ ہو۔

تشریح:۔(۳۸) اگر قاضی کے سامنے کسی حاکم کا حکم پیش کیا گیا تو قاضی اس حکم کو نافذ کردے۔(۳۹) البتہ ایسا حکم نافذ نہیں کریگا جو حکم قرآن مجید کے مخالف ہو مثلاً متروک التسمیہ عمداً کو حلال قرار دیا ہو، یا سنت مشہورہ کے خلاف ہو جیسے مطلقہ بطلقات ثلاثہ کو بلاوطی زوج آخر حلال قرار دیا ہو۔ یا اجماع کے خلاف ہو مثلاً نکاح متعہ کو حلال قرار دیا ہو جس کے فساد پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کا اجماع ہے۔(۴۰) یا ایسا قول ہو جس کی کوئی دلیل نہ ہو مثلاً قرضخواہ کی طرف سے چند سال تک اپنے قرض کا مطالبہ نہ کرنے کی وجہ سے اس کے سقوط کا حکم کیا ہو تو اسکو بھی نافذ نہیں کریگا۔

(۴۱)وَلَايَقْضِي الْقَاضِي عَلَى الْغَائِبِ اِلَّااَنْ يَحْضُرَ مَنْ يَقُوْمُ مَقَامَه۔

ترجمہ:۔اور قاضی کسی غائب پر فیصلہ نہیں کریگاالایہ کہ اس کا کوئی قائم مقام حاضر ہو۔

تشریح:۔(۴۱)یعنی قاضی کسی غائب شخص پر فیصلہ نہیں کریگاالبتہ اگراس کا کوئی قائم مقام مثلاً وکیل یاوصی حاضر ہوتو پھر حکم کرنا درست ہے کیونکہ گواہی پر عمل کرنا قطع تنازع کیلئے ہوتا ہے اور مدعی علیہ کے انکار کے بغیر تنازع نہیں ہوتا اور مدعی علیہ کاانکار یہاں پایا نہیں گیا کیونکہ غائب کی طرف سے اقرار وانکار دونوں کا احتمال ہے تو جہت قضاء قاضی مشتبہ ہوگی کیونکہ دونوں جہتوں کے احکام مختلف ہیں۔

(۴۲)وَاِذَا حَكَّمَ رَجُلَانِ رَجُلًا لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمَاوَرَضِيَابِحُكْمِه جَازَ اِذَاكَانَ بِصِفَةِ الْحَاكِمِ (۴۳)وَلَايَجُوْزُ تَحْكِيْمُ الْكَافِرِ وَالْعَبْدِوَالذِّمِّي وَالْمَحْدُوْدِ فِي الْقَذْفِ وَالْفَاسِقِ وَالصَّبِيِّ۔

ترجمہ:۔اور اگر دو متخاصمین نے ایک شخص کو فیصل بنایا تا کہ وہ ان کے درمیان میں فیصلہ کرے اور دونوں اسکے حکم پر راضی ہوگئے تو یہ جائز ہے بشرطیکہ فیصل میں حاکم کی صفت موجود ہو اور کافر،غلام،ذمی،محدود فی القذف،فاسق اور بچہ کی تحکیم جائز نہیں۔

تشریح:۔(۴۲)اگر دو متخاصمین نے ایک شخص کو فیصل (ان کے درمیان فیصلہ کرنے کامختار) بنایااور دونوں اسکے حکم پر راضی ہوگئے پس اس نے ان کے درمیان فیصلہ کردیا تو یہ جائز ہے کیونکہ متخاصمین میں سے ہرایک کو اپنی ذات پر ولایت حاصل ہے تو ان کا فیصل بنانا بھی جائز ہے۔اور فیصل کا حکم ان پر نافذ ہوجائیگا بشرطیکہ فیصل میں حاکم کی صفت موجود ہو کیونکہ فیصل ان کے درمیان بمنزلہ قاضی کے ہے تو اس میں وہی لیاقت شرط ہے جو قاضی میں شرط ہے۔(۴۳)لہذا کافر،غلام،ذمی،محدود فی القذف،فاسق اور بچہ کی تحکیم جائز نہیں کیونکہ ان میں اہلیت قضاء وشہادت نہیں۔

تحکیم یہ ہے کہ متخاصمین اپنے درمیان میں کسی کو فیصل بنائیں کہ وہ جو فیصلہ کرے اس پر متخاصمین دونوں راضی ہونگے اور اسکو حَکَم کہتے ہیں۔

(۴۴)وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الْمُحَكِّمَيْنِ اَنْ يَرْجِعَ مَالَمْ يَحْكُمْ عَلَيْهِمَا(۴۵)وَاِذَاحَكَمَ عَلَيْهِمَالَزِمَهُمَا۔

ترجمہ:۔اور محکمین میں سے ہرایک کو یہ اختیار ہے کہ رجوع کرلے جب تک کہ ان پر فیصلہ نہ کیا ہو اور جب فیصل ان پر فیصلہ کردے تو دونوں پر لازم ہے۔

تشریح:۔(۴۴)یعنی محکمین (مدعی ومدعیٰ علیہ) میں سے ہرایک کو یہ اختیار ہے کہ فیصل بنانے سے رجوع کرلے جب تک کہ فیصل نے ان کے درمیان حکم نہ کیا ہو کیونکہ فیصل تو ان کی طرف سے مقرر ہوا ہے تو جب تک کہ دونوں راضی نہ ہوں وہ فیصل ہو کر حکم نہیں کرسکتا ہے۔(۴۵)اگر فیصل نے دونوں پر اس حال میں حکم کرلیا کہ یہ دونوں اسکی تحکیم پر قائم ہیں تو یہ حکم ان پر لازم ہے کیونکہ یہ فیصل سے اس حال میں صادر ہوا ہے کہ فیصل کو ان دونوں پر ولایت حاصل ہے۔

(٤٦)وإذَا رُفِعَ حُكْمُه إلى القَاضِي فَوَافَقَ مَذْهَبَه أمْضَاه (٤٧)وإنْ خَالَفَه أبْطَلَه (٤٨)ولايَجُوزُ التَّحْكِيمُ فِي الحُدُوْدِ وَالقِصَاصِ (٤٩)وإنْ حَكَّمَاه فِي دَمِ الخطأ فَقَضَى الحَاكِمُ عَلَى العَاقِلَةِ بالدِّيَةِ لم يَنفُذْ حُكْمُه۔

ترجمہ:۔اور اگر فیصل کا حکم قاضی کے سامنے پیش کیا گیا تو اگر اس کے مذہب کے موافق ہو تو قاضی اسکو نافذ کردے اور اگر مخالف ہو تو قاضی اس کو باطل کردے اور حدود وقصاص میں فیصل بنانا جائز نہیں اور اگر متخاصمین نے کسی کو قتل خطاء میں فیصل بنایا پس فیصل نے قاتل کے عاقلہ پر دیت کا حکم کردیا تو اسکا یہ حکم نافذ نہ ہوگا۔

تشریح:۔(٤٦)اگر فیصل کا حکم قاضی کے سامنے پیش کیا گیا تو اگر یہ حکم قاضی کے اجتہاد ومذہب کے موافق ہو تو قاضی اسکو نافذ کردے کیونکہ فیصل کا حکم توڑ کر قاضی کا خود بعینہ یہی حکم صادر کرنے میں کوئی فائدہ نہیں۔(٤٧)اور اگر فیصل کا حکم قاضی کے مذہب کے موافق نہ ہو تو قاضی اس کو باطل کردے کیونکہ فیصل کا حکم قاضی پر لازم نہیں اسلئے کہ قاضی نے اسکو فیصل نہیں بنایا ہے۔

(٤٨)حدود وقصاص میں کسی کو فیصل بنانا جائز نہیں کیونکہ متخاصمین کو اپنے خون پر ولایت حاصل نہیں ''ولهذا لايملكان الولاية'' (٤٩)اگر متخاصمین نے کسی کو قتل خطاء میں فیصل بنایا پس اس نے قاتل کے عاقلہ (مددگار برادری) پر دیت کا حکم کردیا تو اسکا یہ حکم نافذ نہ ہوگا کیونکہ قاتل کے عاقلہ پر اسکو ولایت حاصل نہیں اسلئے کہ انہوں نے اسکو فیصل نہیں بنایا ہے۔

(٥٠)ويَجُوزُ اَنْ يَسْمَعَ البَيِّنَةَ ويَقْضِي بِالنُّكُوْلِ (٥١)وحُكْمُ الحَاكِمِ لِأبَوَيْهِ وَوَلَدِه وَزَوْجَتِه بَاطِلٌ۔

ترجمہ:۔اور فیصل کیلئے جائز ہے کہ گواہوں کی سماعت کرے اور انکار پر فیصلہ کرے اور حاکم کا اپنے والدین اور اپنی اولاد اور اپنی زوجہ کے حق میں حکم کرنا بھی باطل ہے۔

تشریح:۔(٥٠)فیصل کیلئے گواہوں کی سماعت کرنا جائز ہے اور جس پر قسم ہے وہ اگر قسم سے انکار کردے تو اس پر حکم دے سکتا ہے کیونکہ یہ شرع کے موافق حکم ہے۔(٥١)حاکم کا اپنے والدین (مراد اصول ہیں) کے حق میں حکم کرنا باطل ہے اسی طرح اولاد اور زوجہ کے حق میں حکم کرنا بھی باطل ہے کیونکہ ان رشتہ داروں کیلئے بوجہ تہمت کے گواہی دینا مقبول نہیں تو ان کیلئے حکم قضاء بھی صحیح نہ ہوگا۔

☆ ☆ ☆

کتاب القسمة

یہ کتاب قسمت کے بیان میں ہے۔

''کتاب القضاء'' کے ساتھ''کتاب القسمة'' کی مناسبت ظاہر ہے کیونکہ تقسیم اکثر قضاء قاضی سے ہوتی ہے''قسمة'' اقتسام کا نام ہے جیسے قدرت اقتدار کا نام ہے۔اور شرعاً حقوق کی تمیز اور حصص کی تعدیل کو''قسمة'' کہتے ہیں۔''قسمة'' کا سبب کل شرکا یا بعض شرکاء کا اپنی ملک سے علی وجہ الخصوص انتفاع کا طلب کرنا ہے۔رکن''قسمة'' وہ فعل ہے جس سے حصص میں افراز اور تمیز حاصل ہو جیسے مکیلی چیز میں کیل اور موزونی میں وزن اور عددی میں عدد۔اور''قسمة'' کی شرط یہ ہے کہ''قسمة'' سے منفعت فوت نہ ہو۔اور''قسمة'' کا حکم شریک کا حصہ علیحدہ طور پر متعین کرنا ہے۔جواز''قسمة'' کی دلیل یہ ہے کہ پیغمبر ﷺ نے خیبر کو صحابہ کرامؓ میں تقسیم فرمایا تھا۔

(۱) يَنبَغِي لِلْإِمَامِ اَنْ يَنصِبَ قَاسِمًا يَرْزُقُهُ مِنْ بَيْتِ المَالِ لِيَقْسِمَ بَيْنَ النَّاسِ بِغَيْرِ اُجْرَةٍ (۲) فَإِنْ لم يَفْعَلْ نَصَبَ قَاسِمًا يُقَسِّمُ بِالْأُجْرَةِ (۳) وَيَجِبُ اَنْ يَكُونَ عَدْلًا مَامُونًا عَالِمًا بِالقِسْمَةِ۔

ترجمہ:۔اور امام کو چاہئے کہ وہ ایک تقسیم کنندہ کو مقرر کر دے جس کی تنخواہ بیت المال سے ہو تا کہ وہ لوگوں میں بلا اُجرت جائیدادوں کی تقسیم کرتا رہے اور اگر ایسا نہ کر سکا تو پھر ایسا قاسم مقرر کرے جو با اجرت تقسیم کرے اور واجب ہے کہ قاسم عادل، امانت دار ہو اور تقسیم کرنا جانتا ہو۔

تشریح:۔(۱) یعنی قاضی کو چاہئے کہ وہ ایک ایسا تقسیم کنندہ مقرر کر دے جس کی تنخواہ بیت المال سے ہو تا کہ وہ لوگوں میں بغیر اُجرت جائیدادوں کی تقسیم کرتا رہے کیونکہ تقسیم عمل قضاء کی جنس سے ہے یوں کہ تقسیم سے قطع جدال کی تکمیل ہوتی ہے لہذا قاسم کا رزق قاضی کے رزق سے مشابہ ہوا اسلئے قاضی کیطرح اس کا رزق بھی بیت المال سے ہوگا۔

(۲) اگر قاضی نے ایسا قاسم مقرر نہیں کیا جس کی تنخواہ بیت المال پر ہو تو پھر ایسا قاسم مقرر کر دے جو متقاسمین سے اُجرت لے کر تقسیم کرائے اور اُجرت متقاسمین سے اسلئے لے گا کہ تقسیم کا نفع متقاسمین ہی کو پہنچتا ہے۔(۳) ضروری ہے کہ قاسم عادل پرہیزگار، امانت دار ہو اور تقسیم کرنا جانتا ہو اسلئے کہ تقسیم عمل قضاء کی جنس سے ہے لہذا صفاتِ قاضی تقسیم کنندہ میں ضروری ہیں اور اسلئے کہ قاسم میں اگر یہ صفات نہ ہوں تو حَصَلَ مِنْهُ الحَيْفُ۔

(۴) وَلَا يُجْبِرُ القَاضِي النَّاسَ عَلَى قَاسِمٍ وَاحِدٍ (۵) وَلَا يَتْرُكُ القُسَّامَ يَشْتَرِكُونَ۔

ترجمہ:۔اور قاضی لوگوں کو ایک قاسم پر مجبور نہ کرے اور قاسموں کو باشتراک کام کرنے کے لئے نہیں چھوڑا جائیگا۔

تشریح:۔(۴) قاضی لوگوں کو ایک قاسم پر مجبور نہ کرے یعنی لوگوں کو اس پر مجبور نہ کرے کہ تقسیم کیلئے صرف اسی ایک شخص کو اُجرت پر لے جائیں کیونکہ تقسیم کیلئے کسی کو اُجرت پر لینا عقد اجارہ ہے اور عقود میں جبر نہیں۔(۵) قاسموں کو یوں نہیں چھوڑا جائیگا کہ وہ باہم شرکت کریں کیونکہ اس طرح وہ باہم اعتماد کر کے انتہائی گران اُجرت لیں گے جس میں عوام کا نقصان ہے۔

(٦)وَاُجرَةُ الْقِسمَةِ عَلٰى عَدَدِ رُؤُسِهِمْ عِنْدَابِي حَنِيفَةَ رَحِمَه اللهُ وَقَالا رَحِمَهُمَا اللهُ عَلٰى قَدْرِ الْاَنصِبَاءِ۔

ترجمہ:۔اور تقسیم کی اُجرت امام صاحبؒ کے نزدیک متقاسمین کی تعداد کے حساب سے ہوگی اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں حصص کے بقدر ہوگی۔

تشریح:۔(٦)یعنی تقسیم کی اُجرت امام صاحبؒ کے نزدیک متقاسمین کی تعداد کے حساب سے ہوگی ملکیت کے حساب سے نہ ہوگی کیونکہ اُجرت بمقابلہ تمیز الحصص ہے جس میں کوئی تفاوت نہیں جیسے کثیر والے کا حصہ جدا کیا جاتا ہے ایسا ہی قلیل والے کا حصہ جدا کیا جاتا ہے بلکہ کبھی تو قلیل والے کے حصہ کو جدا کرنے میں اتنی مشقت اٹھانی پڑتی ہے جو کثیر والے میں نہیں ہوتی لہذا اُجرت ملکیت کے حساب سے نہ ہوگی۔صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک اُجرتِ تقسیم حصص کے حساب سے ہوگی کیونکہ اُجرتِ تقسیم مِلک کا بوجھ اور خرچہ ہے تو بقدر مِلک ہوگی (امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے)۔

(٧)وَاِذَا حَضَرَ الشُّرَكَاءُ عِنْدَ الْقَاضِي وَفِي اَيْدِيْهِمْ دَارٌاَوْضَيعَةٌ وَادَّعَوْااَنَّهُمْ وَرِثُوْهَا عَنْ فُلانٍ لم يَقْسِمُهَاالْقَاضِي عِنْدَابِي حَنِيفَةَ رحِمَه اللهُ حَتّٰى يُقِيمُوْا الْبَيِّنَةَ عَلٰى مَوْتِه وعَدَدِ وَرَثَتِه وقَالا رحِمَهمَا اللهُ يُقَسِّمُهَابِاعْتِرَافِهِمْ وَيَذْكُرُ فِي كِتَابِ الْقِسْمَةِ اَنَّهَاقَسَّمَهَابِقَوْلِهِمْ۔

ترجمہ:۔اور اگر قاضی کے پاس شرکاء حاضر ہوئے اور ان کے قبضے میں مکان یا زمین ہے اور دعوٰی کیا کہ ہم نے اس زمین کو فلاں میت سے میراث میں پائی ہے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قاضی یہ زمین تقسیم نہیں کریگا یہاں تک کہ یہ لوگ اپنے مورث کی موت پر اور اسکے وارثوں کی تعداد پر گواہ قائم کریں اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے اعتراف پر تقسیم کردے اور تقسیم کی تحریر میں یوں لکھ دے کہ میں نے یہ زمین ان لوگوں کے کہنے پر تقسیم کی ہے۔

تشریح:۔(٧)اگر قاضی کے پاس شرکاء حاضر ہوئے اور ان کے قبضے میں مکان یا زمین ہے اور دعوٰی کیا کہ ہم نے اس زمین کو فلاں میت سے میراث میں پائی ہے لہذا اسے ہم میں تقسیم کرائے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قاضی یہ زمین تقسیم نہیں کریگا جب تک کہ یہ لوگ اپنے مورث کی موت پر اور اسکے وارثوں کی تعداد پر گواہ قائم نہ کریں کیونکہ اس زمین کو تقسیم کرنا قضاء علی المیت ہے اسلئے کہ زمین قبل از تقسیم میت کی ملک ہے تو صرف دعوٰی بلابینہ کی وجہ سے قضاء علی المیت درست نہیں۔

صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک قاضی اس زمین کو صرف وارثوں کے اعتراف پر تقسیم کردے کیونکہ ان لوگوں کا قبضہ ان کی ملکیت کی دلیل ہے اور انکا اقرار ان کی سچائی کی علامت ہے اور انکا کوئی مزاحم بھی نہیں لہذا قاضی ان کے درمیان تقسیم کردے۔البتہ تقسیم کی تحریر میں یوں لکھ دے کہ میں نے یہ زمین ان لوگوں کے کہنے پر تقسیم کی ہے تاکہ قاضی کی یہ تقسیم صرف انہیں تک محدود رہے انکے علاوہ کسی دوسرے شریک پر یہ حکم نہ ہو۔

☆ ☆ ☆

(۸)وَاِنْ كَانَ المَالُ الْمُشْتَرَكُ مَا سِوَى الْعِقَارِ وَادَّعَوْا اَنَّهُ مِيْرَاثٌ قَسَّمَهُ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيْعًا(۹)وَاِنْ ادَّعَوْا فِي الْعِقَارِ اَنَّهُمْ اِشْتَرَوْهُ قَسَّمَه بَيْنَهُمْ (۱۰)وَاِنْ ادَّعَوْا الْمِلْكَ وَلَمْ يَذْكُرُوْا كَيْفَ اِنْتَقَلَ اِلَيْهِمْ قَسَّمَه بَيْنَهُمْ۔

ترجمہ:۔اوراگر مال مشترک زمین کے علاوہ منقولی چیز ہواور چندلوگوں نے دعویٰ کیا کہ یہ میراث ہے تو بالاتفاق قاضی اسکوتقسیم کریگا اوراگرانہوں نے دعویٰ کیازمین کے بارے میں کہ ہم نے خریدی ہے تو اسے ان کے درمیان تقسیم کریگا اور اگر انہوں نے مِلک کا دعویٰ کیااور یہ ذکرنہیں کیا کہ یہ زمین کیسی ان کی طرف منتقل ہوئی ہے تو اسے ان کے درمیان تقسیم کریگا۔

تشریح:۔(۸)اگر مال مشترک زمین کے علاوہ منقولی چیز ہواور چندلوگوں نے دعویٰ کیا کہ یہ ہمیں میراث میں ملی ہے لہذا اسکی تقسیم کرائے تو بالاتفاق قاضی اسکوتقسیم کریگا کیونکہ منقولی چیز کوتقسیم کرنے میں فائدہ ہے اسلئے کہ منقولی حفاظت کا محتاج ہے تو بعداز تقسیم ہرایک کوجو ملے وہ اسکی حفاظت کریگا۔(۹)اگر قابضین زمین نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ زمین ہم نے خریدی ہے اور قاضی سے تقسیم کرانے کا مطالبہ کیاتو بھی بالاتفاق قاضی اسکی تقسیم کرائیگا اسلئے کہ بعداز بیع یہ زمین بائع کی ملک میں باقی نہیں رہتی تو اسکی تقسیم قضاء علی الغیر نہ ہوگی۔

(۱۰)اگر قابضین نے صرف اپنی ملکیت کا دعویٰ کیا اور سبب ملک بیان نہیں کیا کہ یہ زمین کیسی ہماری ملک میں آئی اور قاضی سے تقسیم کرانے کا مطالبہ کیاتو بھی قاضی اسکی تقسیم کرائیگا کیونکہ اس صورت میں قابضین نے ملکِ غیر کا اقرار نہیں کیا ہے لہذا قاضی کی تقسیم قضاء علی الغیر نہیں ہوگی۔

(۱۱)وَاِذَا كَانَ كُلّ وَاحِدٍ مِنَ الشُّرَكَاءِ يَنْتَفِعُ بِنَصِيْبِهِ قَسَّمَ بِطَلَبِ اَحَدِهِمْ (۱۲)وَاِنْ كَانَ اَحَدُهُمْ يَنْتَفِعُ وَالآخَرُ يَسْتَضِرُّ لِقِلَّةِ نَصِيْبِهِ فَاِنْ طَلَبَ صَاحِبُ الْكَثِيْرِ قَسَّمَ وَاِنْ طَلَبَ صَاحِبُ الْقَلِيْلِ لَمْ يُقَسِّمْ (۱۳)وَاِنْ كَانَ كُلّ وَاحِدٍمِنْهُمَا يَسْتَضِرُّ لَمْ يُقَسِّمْهَا اِلَّابِتَرَاضِيْهِمَا۔

ترجمہ:۔اوراگرشرکاء میں سے ہرایک اپنے حصہ سے بعدالقسمۃ فائدہ حاصل کرسکتا ہوتو شرکاء میں سے ایک کے درخواست پرتقسیم کردیگا اوراگرایک فائدہ اٹھاسکتا ہے اوردوسرا نقصان،اس کا حصہ کم ہونے کی وجہ سے،تو اگر بڑے حصہ والے نے مطالبہ کیاتوتقسیم کردے اوراگر صاحب قلیل نے مطالبہ کیاتو نہ تقسیم کرے اوراگر دونوں میں سے ہرایک کونقصان ہوتو اسے تقسیم نہ کرے مگر دونوں کی رضامندی سے۔

تشریح:۔(۱۱)اگرشرکاء میں سے ہرایک اپنے حصہ سے بعدالقسمۃ فائدہ حاصل کرسکتا ہوتو شرکاء میں سے ایک کے درخواست پر قاضی تقسیم کردیگا کیونکہ تقسیم میں مطالبہ کرنے والے کی تکمیل منفعت ہے لہذا قابل تقسیم چیز میں یہ حق لازم ہے۔(۱۲)اوراگر وہ چیز اسکی ہو کہ ایک تو بعداز تقسیم اپنے حصہ سے بوجہ کثرت حصہ کے انتفاع حاصل کرسکتا ہواوردوسرے کا بوجہ قلیلِ حصہ نقصان ہوتو اگر بڑے حصہ والے نے تقسیم کا مطالبہ کیاتو قاضی تقسیم کردیگا کیونکہ یہ اپنے حصہ سے فائدہ اٹھاسکتا ہے لہذا اس کا مطالبہ معتبر ہے کیونکہ دوسرے کا اگرچہ ضرر ہے مگر کسی کا حق غیر کے ضرر کی وجہ سے باطل نہیں ہوتا۔اوراگر کم حصہ والے نے تقسیم کا مطالبہ کیاتو قاضی تقسیم نہیں کریگا کیونکہ تقسیم کا

مطالبہ کرنے والے کا نقصان ہے پھر بھی مطالبہ کرتا ہے تو یہ حمق ہے لہذا اس کا مطالبہ معتبر نہیں۔

(۱۳) اگر مشترک چیز اتنی چھوٹی ہو کہ تقسیم میں ہر ایک شریک کا ضرر ہو تو قاضی اسکو تقسیم نہیں کریگا کیونکہ جبر علی القسمۃ تکمیل منفعت کیلئے ہے جبکہ اس صورت میں تو تفویت منفعت ہے تکمیل نہیں البتہ اگر دونوں راضی ہوں تو قاضی تقسیم کردیگا کیونکہ حق تو ان ہی دونوں کا ہے اور یہ اپنے کام سے زیادہ واقف ہیں کہ تقسیم میں انکا کیا نفع ہے۔

الالغاز:۔ ای شرکاء فیما یمکن قسمته اذا طلبوها لم یقسم؟

فقل:۔ السکة الغیر النافذة لیس لهم ان یقتسموها وان اجمعوا علی ذالک۔ (الاشباہ والنظائر)

(۱٤) وَيُقْسَمُ الْعُرُوْضُ اِذَاكَانَتْ مِنْ صِنْفٍ وَاحِدٍ (۱۵) ولا يُقْسَمُ الْجِنْسَانِ بَعْضُهَافِي بَعْضٍ (۱٦) وقَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ لايُقْسَمُ الرَّقِيْقُ ولاالْجَوَاهِرُ وقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ يُقْسَمُ الرَّقِيْقُ۔

ترجمہ:۔ اور عروض تقسیم کردیگا اگر ایک جنس سے ہوں اور دو جنسوں کو بعض کو بعض میں تقسیم نہیں کریگا اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ غلام اور جواہرات کو تقسیم نہیں کریگا اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ غلام کو تقسیم کریگا۔

تشریح:۔ (۱٤) یعنی اگر سامان میں چند اشخاص شریک ہوں اور انہوں نے تقسیم کا مطالبہ کردیا تو اگر عروض ایک ہی جنس سے ہوں تو قاضی تقسیم کردیگا کیونکہ جنس متحد ہونے کی وجہ سے مقصود ایک ہوگا تو تقسیم سے تعدیل فی القسمۃ اور تکمیل فی المنفعت حاصل ہوجائے گی۔ (۱۵) اور اگر عروض مختلف الجنس ہوں تو قاضی بعض کو بعض میں تقسیم نہیں کریگا کہ بعض شرکاء کو بعض اجناس دے اور بعض شرکاء کو دوسرے بعض اجناس دے کیونکہ اجناس میں اختلاط نہیں تو تقسیم سے تمیز نہیں آئیگی بلکہ تقسیم سے بعض اجناس بعض کے عوض میں جائیں گے جس کیلئے طرفین میں تراضی ضروری ہے جبر قاضی جائز نہیں۔

(۱٦) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قاضی مشترک غلاموں اور جواہرات کو (جبراً) تقسیم نہیں کریگا کیونکہ انسانوں میں باطنی تفاوت بہت زیادہ ہے تو یہ عروض مختلف الاجناس کی طرح ہیں اور جواہرات میں تو انسانوں سے بھی زیادہ تفاوت ہے اسلئے قاضی ان کو تقسیم نہیں کریگا۔ صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ غلاموں کی تقسیم کریگا متحد الجنس ہونے کی وجہ سے کَمَا فِی الْاِبِلِ وَالْغَنَمِ۔ (امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے)۔

(۱۷) ولايُقْسَمُ حَمَّامٌ ولابِئْرٌ ولارَحْىً اِلَّااَنْ يَتَرَاضَى الشُّرَكَاءُ۔

ترجمہ:۔ اور نہیں تقسیم کیا جائیگا حمام اور نہ کنواں اور نہ پن چکی الا یہ کہ شرکاء راضی ہوں۔

تشریح:۔ (۱۷) یعنی قاضی حمام، کنواں اور پن چکی کو تقسیم نہیں کریگا اسی طرح جو بھی طرفین کیلئے مضر ہو اسکو تقسیم نہیں کریگا کیونکہ اس میں ہر ایک کا حصہ قابل انتفاع نہ رہنے کی وجہ سے طرفین کا ضرر ہے البتہ اگر شرکاء راضی ہوں تو پھر تقسیم کرنا درست ہے کیونکہ حق تو انہی کا ہے اور وہ اپنے کام سے زیادہ واقف ہیں کہ تقسیم میں ان کا کیا نفع ہے۔

(۱۸) وإذا حضر وارثان وأقاما البينة على الوفاة وعدد الورثة والدار في أيديهم ومعهم وارث غائب قسمها القاضي بطلب الحاضرين وينصب للغائب وكيلا يقبض نصيبه (۱۹) وإن كانوا مشترين لم يقسم مع غيبة أحدهم.

ترجمہ: اور اگر دو وارث حاضر ہو گئے اور اپنے مورث کی وفات پر اور وارثوں کی تعداد پر گواہ قائم کئے اور مبیع گھر ان کے قبضہ میں ہو اور ان کے ساتھ ایک اور وارث ہو جو غائب ہو تو قاضی اس گھر کو حاضرین کے مطالبہ پر تقسیم کر دے اور غائب کی طرف سے وکیل مقرر کر دے جو اس کا حصہ قبضہ کر لے اور اگر وہ خریدار ہوں تو ان میں سے ایک کی غیوبت میں تقسیم نہ کرے۔

تشریح: (۱۸) اور اگر دو وارث قاضی کی کچہری میں حاضر ہو کر اپنے مورث کی وفات پر اور ورثاء کی تعداد پر گواہ قائم کر کے کہیں کہ گھر ان کے قبضہ میں ہو اور ان کے ساتھ ایک اور وارث ہو جو فی الحال غائب ہو تو قاضی اس گھر کو حاضر ورثاء کے مطالبہ پر تقسیم کریگا اور غائب کی طرف سے وکیل مقرر کریگا جو غائب کے حصہ پر قبضہ کریگا کیونکہ اس میں غائب کا فائدہ ہے۔

(۱۹) اور اگر تقسیم کا مطالبہ کرنے والے وارث نہ ہوں بلکہ خریدار ہوں مگر ان خریداروں میں سے ایک غائب ہو تو قاضی حاضرین کے مطالبہ پر گھر تقسیم نہیں کریگا کیونکہ وارث اور خریدار میں فرق ہے یوں کہ وارث کی ملک تو خلافت کی ملک ہے تو وہ خاص میں سے ایک میت کی طرف سے خصم اور میراث میت کی طرف سے خصم ہوگا اور یہ قاضی کا قضاء متحقق کے حضور میں ہے جبکہ مشتری کی ملک جدید ہے تو حاضر غائب کا نائب نہیں بن سکتا ہے پس اس صورت میں قاضی کا حکم قضاء علی الغائب ہوگا جو کہ جائز نہیں۔

(۲۰) وإن كان العقار في يد الوارث الغائب أو شيء منه لم يقسم (۲۱) وإن حضر وارث واحد لم يقسم.

ترجمہ: اور اگر کل زمین غائب وارث کے قبضہ میں ہو یا کچھ حصہ تو تقسیم نہیں کریگا اور اگر ایک وارث حاضر ہو تو تقسیم نہیں کریگا۔

تشریح: (۲۰) اگر کل زمین یا اس کا ایک حصہ اس وارث کے قبضہ میں ہو جو غائب ہے تو حاضرین کی درخواست پر قاضی اس زمین کو تقسیم نہیں کریگا کیونکہ قبضہ غائب کا ہے تو غائب یا اس کے کسی وکیل کے حضور کے بغیر قاضی کا تقسیم کرنا قضاء علی الغائب ہوگی جو کہ جائز نہیں۔ (۲۱) ورثاء میں سے ایک نے حاضر ہو کر تقسیم کا مطالبہ کیا تو قاضی تقسیم نہیں کریگا اگرچہ مورث کی وفات اور عدد ورثہ پر گواہ قائم کرے کیونکہ تقسیم کی حکم قاضی ہے اور حکم قاضی کے لئے مدعی و مدعی علیہ دونوں کا ہونا ضروری ہے جبکہ یہ تو ایک فرد ہے مدعی بھی اور مدعی علیہ بھی نہیں ہو سکتا ہے۔

(۲۲) وإذا كانت دور مشتركة في مصر واحد قسمت كل دار على حدتها في قول أبي حنيفة رحمه الله وقالا رحمهما الله إن كان الأصلح لهم قسمة بعضها في بعض قسمها (۲۳) وإن كانت دار وضيعة أو دار وحانوت قسم كل واحد على حدته.

ترجمہ: اور اگر چند گھر مشترک ہوں ایک ہی شہر میں تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ان میں سے ہر ایک کو علیحدہ تقسیم کرے اور

صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اگر ان کے لئے مصلحت بعض کو بعض میں تقسیم کرنے میں ہو تو ایسا ہی تقسیم کرے اور اگر مشترک ایک گھر اور زمین ہو یا ایک گھر اور دکان ہو تو ہر ایک کو علیحدہ تقسیم کرے۔

تشریح:۔(۲۲) یعنی اگر چند گھر چند شرکاء میں مشترک ایک شہر میں ہوں تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قاضی ان میں سے ہر ایک کو علیحدہ تقسیم کرے کیونکہ گھر میں اختلاف مقاصد اور اختلاف محال اور پڑوسیوں کی وجہ سے اجناس مختلفہ ہیں تو ایک گھر بعوض دوسرے گھر میں برابری ممکن نہیں اسلئے اس طرح تقسیم نہیں کریگا۔

صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اگر بعض گھر بعوض دوسرے بعض کے تقسیم کرنا شرکاء کے حق میں بہتر ہو ہر ایک کو علیحدہ تقسیم کرنے سے تو قاضی بعض کو بعوض تقسیم کرے کیونکہ قاضی محافظت حقوق کے ساتھ فعل اصلح پر مامور ہے (امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے)۔(۲۳) اگر مشترک زمین اور ایک گھر ہو یا ایک گھر اور دکان ہو تو ہر ایک کو علیحدہ تقسیم کرے کیونکہ جنس مختلف ہے برابری ممکن نہیں۔

(۲٤) وَيَنْبَغِيْ لِلْقَاسِمِ اَنْ يُصَوِّرَ مَا يُقَسِّمُه وَيُعَدِّلُه وَيَذْرَعُه وَيُقَوِّمُ الْبِنَاءَ (۲۵) وَيُفْرِزُ كُلَّ نَصِيْبٍ عَنِ الْبَاقِيْ بِطَرِيْقِهٖ وَشُرْبِهٖ حَتّٰى لَايَكُوْنَ لِنَصِيْبِ بَعْضِهِمْ بِنَصِيْبِ الْآخَرِ تَعَلُّقٌ (۲٦) ثُمَّ يَكْتُبُ اَسَامِيَهُمْ وَيَجْعَلُهَا قُرْعَةً ثُمَّ يُلَقِّبُ نَصِيْبًا بِالْاَوَّلِ وَالَّذِيْ يَلِيْهِ بِالثَّانِيْ وَالثَّالِثُ وَعَلٰى هٰذَا ثُمَّ يُخْرِجُ الْقُرْعَةَ فَمَنْ خَرَجَ اِسْمُه اَوَّلًا فَلَهُ السَّهْمُ الْاَوَّلُ وَمَنْ خَرَجَ ثَانِيًا فَلَهُ السَّهْمُ الثَّانِيْ۔

ترجمہ:۔اور قاسم کو چاہئے کہ جس چیز کو تقسیم کریگا اس کا نقشہ بنائے پھر اسکو (سہام پر) برابر کرے اور بذریعہ گز اسکو ناپے اور تعمیر کی قیمت لگائے اور ہر ایک حصہ باقی سے جدا کردے اسکے راستہ اور پانی کے ساتھ تاکہ بعض شرکاء کے حصہ کو بعض دیگر کے ساتھ تعلق باقی نہ رہے پھر ان کے نام لکھے اور قرعہ اندازی کرے پھر ایک حصہ کا نام اول رکھے اور جو اسکے ساتھ ہوا ہو اس کا نام دوم پھر سوم علی ہذا القیاس باقیوں کے نام رکھے پھر قرعہ نکالے پس جس کا نام اول نکلے تو اس کیلئے اول حصہ ہے اور جس کا نام دوم نکلے اس کیلئے دوسرا حصہ ہے۔

تشریح:۔(۲٤) قاسم کو چاہئے کہ جس چیز (یعنی زمین، مکان وغیرہ) کو تقسیم کریگا پہلے اس کا کاغذ پر نقشہ بنائے تاکہ اس کو یاد رکھنا ممکن ہو پھر اسکو سہام پر برابر کرے اور بذریعہ گز اسکو ناپے تاکہ زمین کی مقدار معلوم ہو اور اگر اسمیں عمارت ہو تو اسکی قیمت لگائے کیونکہ کبھی آخر میں اسکی ضرورت ہوتی ہے۔(۲۵) پھر ہر ایک شریک کا حصہ بمع اسکے راستہ اور حصہ پانی کے باقی سے جدا کردے تاکہ بعض شرکاء کے حصہ کو بعض دیگر کے ساتھ تعلق باقی نہ رہے تاکہ حصص میں تمیز متحقق ہو۔(۲٦) پھر ایک حصہ کا نام اول رکھے اور جو اسکے ساتھ ملا ہوا ہو اس کا نام دوم پھر سوم علی ہذا القیاس باقیوں کے نام رکھے پھر کاغذ کے الگ الگ ٹکڑوں پر ہر حصہ کا نام لکھے پھر قرعہ اندازی کرے جس کا نام اول نکلے اس کیلئے حصص میں سے اول حصہ ہے اور جس کا نام دوم نکلے اس کیلئے دوسرا حصہ ہے وَهَلُمَّ جَرًّا۔

(۲۷) ولا یَدْخُلُ فِی الْقِسْمَةِ الدَّرَاهِمَ اِلَّا بِتَرَاضِیْهِمْ (۲۸) فَاِنْ قَسَّمَ بَیْنَهُمْ وَلِاَحَدِهِمْ مَسِیْلٌ فِی مِلْکِ الْآخَرِ اَوْ طَرِیْقٌ لَمْ یَشْتَرِطْ فِی الْقِسْمَةِ فَاِنْ اَمْکَنَ صَرْفُ الطَّرِیْقِ وَالْمَسِیْلِ عَنْهُ فَلَیْسَ لَهُ اَنْ یَسْتَطْرِقَ وَیُسِیْلَ فِی نَصِیْبِ الْآخَرِ وَاِنْ لَمْ یُمْکِنْ فُسِخَتِ الْقِسْمَةُ۔

ترجمہ:۔ اور تقسیم میں دراہم شامل نہ کرے مگر ان کی رضامندی سے پھر اگر شرکاء میں تقسیم کر دیا اور کسی ایک شریک کے پانی کا حصہ یا راستہ دوسرے کی ملک میں آیا جس کی تقسیم میں شرط نہیں لگائی تھی تو اگر راستہ اور نالی کو دوسرے شریک کے حصہ سے پھیرنا ممکن ہو تو اس کے لئے جائز نہیں کہ راستہ یا نالی نکالے دوسرے کے حصہ میں اور اگر پھیرنا ممکن نہ ہو تو تقسیم کو فسخ کر دے۔

تشریح:۔ (۲۷) تقسیم میں دراہم اور دنانیر شامل نہ کرے مثلاً قاسم یوں کہے کہ جس نے فلاں حصہ لیا وہ دوسرے کو اتنے دراہم یا دنانیر دیگا کیونکہ تقسیم مشترک میں جاری ہوتی ہے اور مشترک زمین ہے دراہم و دنانیر مشترک نہیں البتہ اگر شرکاء اس پر راضی ہیں تو پھر جائز ہے کیونکہ تقسیم میں دراہم و دنانیر داخل کرنے سے تقسیم عقد معاوضہ بن جائیگا اور معاوضات میں جبر نہیں البتہ باہمی رضامندی سے جائز ہے۔

(۲۸) پھر اگر قاسم نے شرکاء میں تقسیم کر دیا اور کسی ایک شریک کے پانی کا حصہ دوسرے شریک کے حصہ میں آیا یا ایک کا راستہ دوسرے کے حصہ میں آیا اور حال یہ کہ اسکی شرط تقسیم میں نہیں لگائی تھی تو اگر راستہ اور نالی کو دوسرے شریک کے حصہ سے پھیرنا ممکن ہو تو اسکو یہ اختیار نہ ہوگا کہ دوسرے کے حصہ میں راستہ بنادے اور پانی گذار دے کیونکہ اسمیں دوسرے شریک کا ضرر ہے جبکہ تقسیم کا معنی بغیر ضرر کے بھی متحقق ہو سکتا ہے۔ اور اگر راستہ وغیرہ کو دوسرے کے حصہ سے پھیرنا ممکن نہ ہو تو تقسیم کو فسخ کر دے کیونکہ اس تقسیم میں خلل ہے کیونکہ ابھی تک کچھ اختلاط باقی ہے لہذا از سرِ نو تقسیم کرلے۔

(۲۹) وَاِذَا کَانَ سُفْلٌ وَلَا عُلُوَّ لَهُ وَعُلُوٌّ لَا سُفْلَ لَهُ وَسُفْلٌ لَهُ عُلُوٌّ قَوَّمَ کُلَّ وَاحِدٍ عَلَی حِدَتِهِ وَقَسَّمَ بِالْقِیْمَةِ وَلَا یُعْتَبَرُ بِغَیْرِ ذَالِکَ۔

ترجمہ:۔ اور نچلا مکان ہو اور اس کا بالاخانہ نہ ہو اور بالاخانہ ہو نچلا مکان نہ ہو اور نچلا مکان ہو جس کا بالاخانہ بھی ہو تو ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ قیمت لگائے اور قیمت سے اور اس کے علاوہ کا اعتبار نہیں ہوگا۔

تشریح:۔ (۲۹) اگر کئی دار ہیں ان میں سے ایک سفل مشترک بدون بالاخانہ کے اور ایک بالاخانہ مشترک ہے بغیر سفل کے اور ایک سفل مع بالاخانہ کے مشترک ہے تو ہر ایک کا علیحدہ اندازہ کیا جائیگا اور بحساب قیمت تقسیم کیا جائیگا اسکے سوا کسی دوسرے طریقہ سے تقسیم کرنا معتبر نہیں یہ امام محمد رحمہ اللہ کا مسلک ہے۔ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک گزوں سے پیمائش کر کے تقسیم کرائیں۔

امام محمد رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ سفل ایسے کام آتا ہے جو بالاخانہ نہیں آتا ہے مثلاً سفل میں کنواں، تہہ خانہ اور اصطبل بنانا ممکن ہے اور بالاخانہ میں نہیں تو برابر تقسیم کرنے کی کوئی صورت نہیں سوائے اسکے کہ ہر ایک کا علیحدہ اندازہ کیا جائے وَالْعَمَلُ فِی هٰذِهِ الْمَسْئَلَةِ عَلٰی قَوْلِ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَعَلَیْهِ الْفَتْوٰی۔

(۳۰) وإذا اختلف المتقاسمون فشهد القاسمان قُبلت شهادتهما۔

ترجمہ:۔اور اگر باہم تقسیم کرنے والوں نے اختلاف کیا پھر دو قاسموں نے گواہی دی تو ان دونوں کی گواہی قبول کی جائے گی۔

تشریح:۔(۳۰) اگر باہم تقسیم کرنے والے شرکاء نے تقسیم میں اختلاف کیا مثلاً ایک شریک نے کہا کہ میرے حصہ میں سے کچھ زمین فلاں کے قبضہ میں ہے جبکہ وہ منکر ہے پھر دو قاسموں نے گواہی دی کہ مدعی نے اپنا حصہ پورا پورا لے لیا ہے تو قاسموں کی گواہی قبول کی جائے گی کیونکہ انہوں نے مدعی کے فعل پر گواہی دی ہے کہ مدعی نے اپنا حصہ پورا پورا لے لیا ہے جو کہ صحیح ہے۔

(۳۱) فإن ادعىٰ احدهما الغلط وزعم انه مما اصابه شئ في يد صاحبه وقد اشهد على نفسه بالاستيفاء لم يصدق على ذالك الا ببينة (۳۲) وان قال استوفيت حقي ثم قال اخذت بعضه فالقول قول خصمه مع يمينه۔

ترجمہ:۔اور اگر شرکاء میں سے ایک نے غلطی کا دعویٰ کیا اور کہا کہ جو کچھ مجھے پہنچا تھا اس میں سے فلاں چیز میرے ساتھی کے قبضہ میں ہے حالانکہ اس نے اپنا حق وصول کرنے کی گواہی دیدی ہے تو اس کی تصدیق نہیں کی جائیگی مگر گواہوں کے ساتھ اور اگر ایک نے کہا کہ میں نے اپنا حصہ پورا پورا وصول کیا پھر کہے کہ میں نے اس کا بعض حصہ لیا ہے تو مدعیٰ علیہ کا قول مع الیمین معتبر ہوگا۔

تشریح:۔(۳۱) اگر شرکاء میں سے ایک نے تقسیم میں غلطی کا دعویٰ کیا اور کہا کہ جو کچھ مجھے تقسیم میں پہنچا تھا اس میں سے فلاں چیز میرے فلاں ساتھی کے قبضہ میں ہے یعنی غلطی سے یہ چیز اسکے قبضہ میں پہنچی حالانکہ مدعی نے بوقت تقسیم خود پر گواہی دی تھی کہ میں نے اپنا حق پورا پورا وصول کیا ہے تو اس دعویٰ میں اس کے قول کی تصدیق نہیں کی جائے گی الا یہ کہ مدعی اپنے اس دعویٰ پر گواہ پیش کردے کیونکہ یہ بعد از تقسیم فسخ تقسیم کا دعویٰ کرتا ہے تو بغیر گواہوں کے اسکے قول کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔

(۳۲) اگر بعد از تقسیم متقاسمین میں سے ایک نے کہا کہ میں نے اپنا حصہ پورا پورا وصول کیا پھر کہا کہ نہیں میں نے بعض حصہ لے لیا ہے تو مدعیٰ علیہ کا قول مع الیمین معتبر ہوگا کیونکہ مدعی اس پر غصب کا دعویٰ کرتا ہے اور وہ منکر ہے اور قول منکر کا مع الیمین معتبر ہوتا ہے۔

(۳۳) وان قال اصابني الى موضع كذا فلم يسلمه الي ولم يشهد على نفسه بالاستيفاء وكذبه شريكه تحالفا وفسخت القسمة۔

ترجمہ:۔اور اگر کہا کہ مجھے فلاں حد تک حصہ پہنچا تھا مگر اس نے مجھے سپرد نہیں کیا اور اس نے خود پر وصولی حق کی گواہی نہیں دی اور اسکے شریک نے اسکی تکذیب کی تو دونوں قسم کھائیں اور تقسیم فسخ کردے۔

تشریح:۔(۳۳) اگر مدعی مذکور نے دعویٰ کیا کہ بوقت تقسیم مجھے فلاں حد تک حصہ پہنچا تھا مگر مدعیٰ علیہ نے مجھے میرے سپرد نہیں کیا اور حال یہ کہ اس نے اس سے پہلے خود پر وصولی حق کی گواہی نہیں دی ہے اور اسکے شریک (مدعیٰ علیہ) نے اسکی تکذیب کی تو دونوں قسم کھائیں اور تقسیم فسخ کردے کیونکہ ان دونوں کا اختلاف نفس قسمۃ میں ہے اسلئے کہ ان دونوں نے اس مقدار میں اختلاف کیا ہے جو تقسیم سے حاصل ہوئی ہے تو یہ اختلاف فی مقدار المبیع کے مشابہ ہوا لہذا تحالف واجب ہے۔

(۳۷) وَاِذَا اسْتُحِقَّ بَعْضُ نَصِيْبِ اَحَدِهِمَا بِعَيْنِهِ لَمْ تَفْسَخِ الْقِسْمَةَ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَرَجَعَ بِحِصَّةِ ذَالِكَ مِن نَصِيْبِ شَرِيْكِهِ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَفْسَخُ الْقِسْمَةُ۔

ترجمہ:۔اور اگر ایک شریک کے کچھ معین حصہ کا کوئی تیسرا شخص مستحق نکل آیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تقسیم کو فسخ نہ ہوگی اور رجوع کریگا اپنے اس حصہ کا اپنے شریک کے حصہ سے اور امام ابویوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ تقسیم فسخ ہو جائے گی۔

تشریح:۔(۳۷) اگر تقسیم کے بعد ایک شریک کے کچھ معین حصہ کا کوئی تیسرا شخص مستحق نکل آیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تقسیم فسخ نہیں کی جائے گی جس کے حصہ کا مستحق نکل آیا اسکو یہ حق حاصل ہوگا کہ بقدر مستحق اپنے دوسرے شریک سے لے لے چونکہ اس نقصان کا جبیرہ مذکورہ طریقہ سے ممکن ہے لہذا تقسیم کو فسخ نہیں کرینگے۔امام ابویوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تیسرا شریک نکل آنے اور تقسیم اس کی رضامندی سے نہ ہونے کی وجہ سے یہ تقسیم درست نہیں تو یہ تقسیم فسخ ہو جائے گی لہذا تقسیم از سرنو ہی ہوگی (طرفینؒ کا قول راجح ہے)۔

كتاب الاكراه

یہ کتاب اکراہ کے بیان میں ہے۔

امام قدوری رحمہ اللہ قضاء اور توابع قضاء یعنی "كتاب القسمة" سے فارغ ہوگئے تو "كتاب الاكراه" کو شروع فرمایا وجہ مناسبت یہ ہے کہ "قضاء" میں "الزام الحق بالحق من الحق" ہوتا ہے اور "اکراہ" میں "اجبار الباطل بالباطل من الباطل" ہوتا ہے تو یہ مناسبت تضاد ہے کیونکہ باطل حق کی ضد ہے۔

اکراہ لغۃً کسی ناپسندیدہ کام پر مجبور کرنے کو کہتے ہیں اور شریعت میں کسی انسان کا دوسرے کے ساتھ ایسا فعل کرنا جس سے اسکے اختیار میں فساد آجائے مگر اس کی اہلیت باقی رہے۔

(۱) اَلْاِكْرَاهُ يَثْبُتُ حُكْمُهُ اِذَا حَصَلَ مِمَّنْ يَقْدِرُ عَلَى اِيْقَاعِ مَا يُوْعِدُبِه سُلْطَانًا كَانَ اَوْ لِصًّا۔

ترجمہ:۔اکراہ کا حکم اس وقت ثابت ہوتا ہے جب اکراہ ایسے شخص سے پایا جائے کہ وہ جس بات کی دھمکی دیتا ہے اسکو واقع کرنے پر قادر ہو خواہ مکرِہ سلطان ہو یا کوئی چور۔

تشریح:۔(۱) اکراہ کا حکم اس وقت ثابت ہوتا ہے جب اکراہ ایسے شخص سے پایا جائے کہ وہ جس بات کی دھمکی دیتا ہے اسکو واقع بھی کر سکتا ہو خواہ مکرِہ سلطان ہو یا کوئی چور، کیونکہ جب مکرِہ مذکورہ بالا صفت کے ساتھ متصف ہو تو مکرَہ کو جس بات پر مجبور کرتا ہے وہ بوجہ عجز کے اس سے رُکنے کی قدرت نہیں رکھتا ہے لہذا یہ شخص مکرَہ ہے اور اکراہ کی یہی تعریف ہے کہ انسان کے اختیار میں فساد آئے یہ صاحبین رحمہما اللہ کا قول ہے۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اکراہ صرف سلطان سے متحقق ہوتا ہے۔مگر یہ زمانے کا اختلاف ہے حجت اور برہان کا اختلاف نہیں۔

(۲)وَاِذَا اُكْرِهَ الرَّجُلُ عَلٰى بَيْعِ مَالِهٖ اَوْ عَلٰى شِرَاءِ سِلْعَةٍ اَوْ عَلٰى اَنْ يُّقِرَّ لِرَجُلٍ بِاَلْفِ دِرْهَمٍ اَوْ يُؤَاجِرَ دَارَهٗ وَاُكْرِهَ عَلٰى ذٰلِكَ بِالْقَتْلِ اَوْ بِالضَّرْبِ الشَّدِيْدِ اَوْ بِالْحَبْسِ فَبَاعَ اَوِ اشْتَرٰى فَهُوَ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَمْضَى الْبَيْعَ وَاِنْ شَاءَ فَسَخَهٗ وَرَجَعَ بِالْمَبِيْعِ۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی آدمی کو مجبور کیا گیا اپنا مال فروخت کرنے یا سامان خریدنے پر یا کسی شخص کے لئے ہزار درہم کے اقرار پر یا اپنا گھر کرایہ پر دینے پر اور اس کو اس پر قتل کرنے یا ضرب شدید یا قید کرنے کی دھمکی دے کر مجبور کیا تو اس نے فروخت کیا یا خرید لیا تو مکرَہ کو اختیار ہے چاہے تو اس بیع کو باقی رکھے اور چاہے تو فسخ کردے اور مبیع واپس لے لے۔

تشریح:۔(۲) اگر کسی نے دوسرے کو اپنا مال فروخت کرنے یا سامان خریدنے پر مجبور کیا۔ یا کسی کے لئے ہزار روپیہ کے اقرار کرنے پر مجبور کیا۔ یا اپنا گھر کسی کو کرایہ پر دینے پر مجبور کر دیا اور مکرِہ نے اس کو قتل یا ضرب شدید یا قید کرنے کی دھمکی دے کر مجبور کیا۔ مکرَہ نے اس دھمکی سے ڈر کر مجبوراً مذکورہ مال کو فروخت کیا یا خرید لیا تو مکرَہ کو اکراہ ختم ہونے کے بعد اختیار ہے چاہے تو اس بیع کو نافذ کردے اور چاہے تو بیع کو فسخ کر کے اپنی مبیع واپس لے لے کیونکہ خرید و فروخت وغیرہ کی صحت کی شرط یہ ہے کہ متعاقدین باہم راضی ہو جبکہ اکراہ تو رضا کو ختم کر دیتا ہے اسلئے بلا رضا ہونے کی وجہ سے یہ عقد درست نہیں۔

(۳)وَاِنْ كَانَ قَبَضَ الثَّمَنَ طَوْعًا فَقَدْ اَجَازَ الْبَيْعَ (۴)وَاِنْ كَانَ قَبَضَهٗ مُكْرَهًا فَلَيْسَ بِاِجَازَةٍ وَعَلَيْهِ رَدُّهٗ اِنْ كَانَ قَائِمًا فِيْ يَدِهٖ (۵)وَاِنْ هَلَكَ الْمَبِيْعُ فِيْ يَدِ الْمُشْتَرِيْ وَهُوَ غَيْرُ مُكْرَهٍ ضَمِنَ قِيْمَتَهٗ وَلِلْمُكْرَهِ اَنْ يُّضَمِّنَ الْمُكْرِهَ اِنْ شَاءَ۔

ترجمہ:۔اور اگر مکرَہ نے ثمن خوشی سے قبض کر لیا تو اس نے بیع کو جائز قرار دیا اور اگر اس نے ثمن مجبوراً لے لیا تو یہ بیع کی اجازت نہیں تو اس پر اسکا رد کرنا واجب ہے اگر اس کے ہاتھ میں قائم ہو اور اگر مبیع مشتری کے ہاتھ میں ہلاک ہو گئی اور وہ مکرَہ نہیں تھا تو اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اور مکرَہ کو اختیار ہے کہ اگر چاہے تو مکرِہ کو ضامن بنائے۔

تشریح:۔(۳) اگر مکرَہ نے بوجہ اکراہ بیع کر لی پھر ثمن مبیع خوشی سے قبض کر لیا تو یہ اسکی طرف سے بیع کے نفاذ کی اجازت ہے کیونکہ خوشی سے ثمن قبول کرنا اجازت کی دلیل ہے جیسے بیع موقوف میں ہوتا ہے۔(۴) اور اگر اس نے ثمن مبیع بھی طوعاً نہیں بلکہ کرھاً قبض کر لیا تو یہ بیع کی اجازت نہیں عدم رضا کی وجہ سے۔ پس اکراہ ختم ہونے کے بعد اگر مکرَہ کے پاس یہ ثمن موجود ہو تو اسکو رد کرنا واجب ہے کیونکہ عقد فاسد ہے۔(۵) بائع کو کسی نے مجبور کر کے بیع کرایا مگر مشتری کو مجبور نہیں کیا تھا بلکہ اس نے خوشی سے مبیع خرید لی۔ تو مشتری کو چاہئے کہ بیع توڑ دے اور مبیع بائع کو واپس کر دے۔ لیکن ایسا نہیں کر پایا تھا کہ مبیع مشتری کے ہاتھ سے ہلاک ہو گئی۔ تو اب بائع کو اختیار ہے چاہے تو مشتری کو مبیع کی قیمت کا ضامن بنائے کیونکہ اصل ہلاک تو اسی کے ہاتھ سے ہوئی ہے اور چاہے تو جس نے مجبور کیا تھا اس کو ضامن بنائے کیونکہ اس کے مجبور کرنے کی وجہ سے مبیع مشتری کے ہاتھ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

(٦)وَمَنْ اُكْرِهَ عَلٰى اَنْ يَاْكُلَ الْمَيْتَةَ اَوْ يَشْرَبَ الْخَمْرَ فَاُكْرِهَ عَلٰى ذَالِكَ بِحَبْسٍ اَوْ ضَرْبٍ اَوْ قَيْدٍ لم يَحِلَّ له (٧)اِلَّا اَنْ يُكْرَهَ بِمَا يَخَافُ مِنْهُ عَلٰى نَفْسِهِ اَوْ عَلٰى عُضْوٍ مِنْ اَعْضَائِهِ فَاِذَا خَافَ ذَالِكَ وَسِعَهُ اَنْ يُقْدِمَ عَلٰى مَا اُكْرِهَ عَلَيْهِ (٨)وَلَا يَسَعُهُ اَنْ يَصْبِرَ عَلٰى مَا تُوُعِّدَ بِهِ فَاِنْ صَبَرَ حَتّٰى اَوْ قَعُوْا بِهِ ولم يَاْكُلْ فَهُوَ آثِمٌ۔

ترجمہ:۔اور جو مجبور کیا گیا مردار کھانے یا شراب پینے پر اور اس کو اس پر حبس یا ضرب یا قید کی دھمکی سے مجبور کیا تو اس کے لئے جائز نہیں مگر یہ کہ مجبور کیا جائے ایسی دھمکی سے جس سے اسے جان کا خطرہ ہو یا اس کے اعضاء میں سے کسی عضو کا خطرہ ہو پس جب اس کا خطرہ ہو تو اس کے لئے اس پر چیز پر اقدام کرنا جائز ہے جس پر مجبور کیا گیا ہے اور اس کیلئے گنجائش نہیں کہ صبر کرے اس پر جسکی دھمکی دی گئی ہے اور اگر اس نے صبر کر لیا یہاں تک کہ وہ اس کے ساتھ وہ کام کر گئے جس کی دھمکی دی تھی پھر بھی اس نے نہیں کھایا تو گناہ گار ہوگا۔

تشریح:۔(٦) اگر کسی نے دوسرے کو مردار کھانے یا شراب پینے پر مجبور کیا اور مکرِہ نے اکراہ حبس، قید یا ضرب سے کیا مثلاً کہا کہ مردار کھاؤ ورنہ تجھے قید کر دونگا یا مار دونگا تو اگر اس قید وضرب سے اسکی جان یا کسی عضو کے ضائع ہونے کا خطرہ نہ ہو تو مکرَہ کیلئے یہ جائز نہیں کہ مردار کھائے یا شراب پئے کیونکہ یہاں کوئی زیادہ مجبوری نہیں مجبوری تو تب ہوتی کہ اسکی جان یا کسی عضو کے ضائع ہونے کا خطرہ ہوتا۔

(٧) ہاں اگر اسکو اس طرح مجبور کیا کہ اسکی جان کو خطرہ ہو یا کسی عضو کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو اس کیلئے گنجائش ہے بلکہ واجب ہے کہ وہ کام کرے جس پر وہ مجبور کیا جا رہا ہے اور اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اس چیز پر صبر کرلے جسکی اسے دھمکی دی گئی ہے۔

(٨) اگر اس نے صبر کر لیا یہاں تک کہ وہ اس کے ساتھ وہ کام کرنے لگے جس کی دھمکی دی تھی پھر بھی اس نے مردار نہیں کھایا تو مکرَہ گناہ گار ہوگا کیونکہ ایسی حالت میں شریعت نے اس کے لئے مردار کھانا مباح کیا ہے پھر بھی وہ اس سے رک گیا تو یہ اپنی ہلاکت پر دوسرے کے ساتھ تعاون شمار ہوگا لہٰذا گناہ گار ہوگا۔

(٩)وَاِنْ اُكْرِهَ عَلَى الْكُفْرِ بِاللّٰهِ تَعَالٰى اَوْ سَبِّ النَّبِيِّ ﷺ بِقَيْدٍ اَوْ حَبْسٍ اَوْ ضَرْبٍ لَمْ يَكُنْ ذَالِكَ اِكْرَاهًا حَتّٰى يُكْرَهَ بِاَمْرٍ يَخَافُ مِنْهُ عَلٰى نَفْسِهِ اَوْ عَلٰى عُضْوٍ مِنْ اَعْضَائِهِ (١٠)فَاِذَا خَافَ عَلٰى ذَالِكَ وَسِعَهُ اَنْ يُظْهِرَ مَا اَمَرُوْهُ بِهِ وَيُوَرِّيَ فَاِذَا اَظْهَرَ ذَالِكَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ (١١)وَاِنْ صَبَرَ حَتّٰى قُتِلَ وَلَمْ يُظْهِرِ الْكُفْرَ كَانَ مَاْجُوْرًا۔

ترجمہ:۔اور اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے یا پیغمبر ﷺ کو گالی دینے پر قید یا حبس یا ضرب کے ساتھ مجبور کیا گیا تو یہ اکراہ نہیں یہاں کہ مجبور کیا جائے ایسے امر سے جس سے اس کی جان کو خطرہ ہوا یا کسی عضو کے ضائع ہونے کا خطرہ ہوا پس جب یہ خطرہ ہوا تو اس کو گنجائش ہے کہ وہ ظاہر کرے جس کا انہوں نے اسے امر کیا ہے اور توریہ کرے پس اگر ایسے کلمات زبان پر ظاہر کر دئے اور اسکا دل مطمئن بالایمان ہو تو اس پر گناہ نہیں اور اگر اس نے صبر کر لیا یہاں تک کہ قتل کیا گیا اور اس نے کفر ظاہر نہیں کیا تو ماجور ہوگا۔

تشریح:۔(٩) اگر کسی نے مسلمان کو مارنے یا محبوس کرنے یا بیڑیاں ڈالنے کی دھمکی دی اور کہا کہ اللہ کے ساتھ کفر کر یا رسول اللہ ﷺ کو

بر بھلا کہہ دو تو یہ اکراہ شمار نہ ہوگا کیونکہ ابھی گذرا کہ یہ دھمکیاں شراب خوری میں اکراہ شمار نہیں تو کفر میں تو بطریقہ اولیٰ اکراہ نہیں۔(۱۰) حتیٰ کہ اگر مکرِہ نے ایسی دھمکی دی جس سے اس کی جان کو خطرہ ہوا یا کسی عضو کے ضائع ہونے کا خطرہ ہوا تو پھر یہ گنجائش ہے کہ جو کچھ مکرِہ کہتا ہے وہ ظاہر کردے اور توریہ کرے یعنی بظاہر ایک لفظ کہے اور اس سے دوسرا معنی مراد لے۔ پس اگر اس نے ایسے کلمات زبان پر ظاہر کردئے اور حال یہ کہ اسکا دل مطمئن بالایمان ہے تو اس پر گناہ نہیں کیونکہ ایسی صورت میں ایمان حقیقۃً زائل نہیں ہوتا ہے کیونکہ تصدیق قلبی قائم ہے جبکہ صبر کرنے میں نفس حقیقۃً ضائع ہوجاتی ہے لہذا مکرِہ کے مطلوب کا اظہار جائز ہے۔(۱۱) لیکن اگر مکرَہ نے صبر کرلیا یہاں تک کہ مکرِہ نے اسکو قتل کیا اور اس نے کفر ظاہر نہیں کیا تو مکرَہ ماجور ہوگا کیونکہ امتناع عن الکفر اعزاز دین کیلئے عزیمت ہے۔

(۱۲) وَاِنْ اُكْرِهَ علی اِتْلافِ مالِ مُسْلِمٍ بِاَمْرٍ يَخافُ مِنْه علی نَفْسِه او علی عُضْوٍ مِنْ اَعْضَائِهٖ وَسِعَه اَنْ يَفْعَلَ ذَالِكَ (۱۳) وَلِصَاحِبِ الْمَالِ اَنْ يُضَمِّنَ الْمُكْرِهَ۔

ترجمہ:۔ اور اگر مجبور کیا گیا کسی مسلمان کے مال تلف کرنے پر ایسے امر کے ساتھ اکراہ کیا جس سے اس کو اپنی جان یا کسی عضو کے تلف ہونے کا خطرہ ہو تو اس کے لئے گنجائش ہے کہ یہ کام کرلے اور صاحب مال کے لئے جائز ہے کہ مکرِہ سے تاوان لے۔

تشریح:۔(۱۲) اگر کسی نے دوسرے پر کسی مسلمان کے مال تلف کرنے کے لئے ایسے امر کے ساتھ اکراہ کیا جس سے اس کو اپنی جان یا کسی عضو کے تلف ہوجانے کا خطرہ ہو تو مکرَہ کو ایسا کرنے کی گنجائش ہے یعنی مسلمان کا مال تلف کردے کیونکہ غیر کا مال بوقت ضرورت مباح ہوجاتا ہے جیسے حالت مخمصہ میں۔ اور ضرورت یہاں متحقق ہے اسلئے اس مال کا تلف کرنا مباح ہے۔(۱۳) صاحب مال کے لئے جائز ہے کہ مکرِہ سے تاوان لے کیونکہ مکرَہ تو اس کے لئے صرف آلہ کا درجہ رکھتا ہے۔

(۱٤) وَاِنْ اُكْرِهَ بِقَتْلٍ عَلٰى قَتْلِ غَيْرِه لم يَسَعْهُ اَنْ يُقْدِمَ عَلَيْهِ وَيَصْبِرُ حَتّٰى يُقْتَلَ (۱۵) فَاِنْ قَتَلَهٗ كَانَ آثِمًا (۱٦) وَالْقِصَاصُ عَلَى الَّذِىْ اَكْرَهَه اِنْ كَانَ الْقَتْلُ عَمَدًا۔

ترجمہ:۔ اور اگر کوئی مجبور کیا گیا دوسرے کو قتل کرنے پر تو اس کے لئے گنجائش نہیں کہ یہ اقدام کرے اور صبر کرے یہاں تک کہ خود قتل کردیا جائے اور اگر اس نے اس کو قتل کردیا تو گناہ گار ہوگا اور قصاص اکراہ کرنے والے پر ہوگا اگر قتل عمد ہو۔

تشریح:۔(۱٤) اگر کسی پر دوسرے کو قتل کرنے کا اکراہ کیا گیا اور اکراہ اسطرح کیا کہ اگر تو نے اسکو قتل نہیں کیا تو میں تجھے قتل کردونگا تو مکرَہ کیلئے یہ گنجائش نہیں کہ وہ دوسرے کے قتل کا اقدام کرے بلکہ صبر کریگا یہاں تک کہ خود قتل کردیا جائے۔

(۱۵) اگر مکرَہ نے غیر کو قتل کردیا تو گناہ گار ہوجائیگا کیونکہ کسی مسلمان کو قتل کرنا کسی ضرورت کی وجہ سے مباح نہیں ہوتا تو خوف جان یا عضو کی وجہ سے بھی مباح نہیں ہوگا۔(۱٦) اگر غیر کو قتل کردیا تو مقتول کا قصاص مکرِہ پر ہوگا بشرطیکہ قتل عمد ہو کیونکہ مکرَہ تو صرف آلہ ہے۔

(۱۷)وَاِنْ اُکْرِہَ عَلٰی طَلَاقِ اِمْرَأتِہٖ اَوْ عِتْقِ عَبْدِہٖ فَفَعَلَ وَقَعَ مَا اُکْرِہَ عَلَیْہِ وَیَرْجِعُ عَلَی الَّذِیْ اَکْرَہَہٗ بِقِیْمَۃِ الْعَبْدِ(۱۸)وَیَرْجِعُ بِنِصْفِ مَھْرِ الْمَرْأۃِ اِنْ کَانَ قَبْلَ الدُّخُوْلِ۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی کو اپنی بیوی کو طلاق دینے یا اپنے غلام کو آزاد کرنے پر مجبور کیا گیا اور اس نے وہ کام کر دیا تو واقع ہو جائیگی وہ جس پر اس کو مجبور کیا گیا اور یہ غلام کی قیمت کے مکرِہ سے لے لیگا اور عورت کا نصف مہر وصول کرے گا اگر طلاق قبل الدخول ہو۔

تشریح:۔(۱۷)اور اگر کسی کو اپنی بیوی کو طلاق دینے یا اپنے غلام کو آزاد کرنے پر مجبور کیا گیا اور مکرَہ نے طلاق دیدی یا غلام آزاد کر دیا تو یہ طلاق اور عتاق نافذ ہو جائے گی کیونکہ طلاق اور عتاق مع الاکراہ صحیح ہیں جس طرح کہ مع الہزل صحیح ہیں کَمَا مَرَّ فِی الطَّلَاقِ۔اور مکرَہ اپنے غلام کی قیمت مکرِہ سے لے لے گا کیونکہ ملکِ مکرَہ تو مکرِہ نے تلف کیا ہے اور مکرَہ تو صرف آلہ ہے۔

(۱۸)طلاق کی صورت میں اگر طلاق قبل الدخول ہو تو زوج اپنی مطلقہ کا نصف مہر مکرِہ سے واپس لے لے گا کیونکہ مکرِہ نے زوج پر طلاق دینے کا اکراہ کر کے نصف مہر لازم کر دیا حالانکہ قبل الدخول مہر علی شرف السقوط تھا یوں کہ اگر عورت کی جانب سے جدائی واقع ہوتی تو مہر ساقط ہو جاتا۔

(۱۹)وَاِنْ اُکْرِہَ عَلَی الزِّنٰی وَجَبَ علیہ الحَدُّ عِنْدَ اَبِی حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ(۲۰)اِلَّا اَنْ یُّکْرِھَہُ السُّلْطَانُ وقالا رَحِمَھُمَا اللّٰہُ لایَلْزَمُہُ الحَدُّ۔

ترجمہ:۔اور اگر کوئی زنا پر مجبور کیا گیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر حد واجب ہوگی الّا یہ کہ اگر اس کو سلطان نے مجبور کیا ہو اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس پر حد لازم نہیں۔

تشریح:۔(۱۹)اگر کسی کو زنا کرنے پر مجبور کیا اور مکرَہ نے زنی کر لیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک زانی پر حد واجب ہوگی۔(۲۰)البتہ اگر سلطان نے مجبور کیا ہو تو پھر حد واجب نہ ہوگی کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک سلطان کے علاوہ کسی اور سے اکراہ متحقق نہیں ہوتا ہے۔صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک مکرَہ پر حد نہیں کیونکہ ان کے نزدیک سلطان کے علاوہ سے بھی اکراہ متحقق ہوتا ہے وَعَلَیْہِ الْفَتْویٰ۔

(۲۱)وإذَا اُکْرِہَ عَلَی الرِّدَّۃِ لَمْ تَبِنْ اِمْرَأتُہٗ مِنْہُ۔

ترجمہ:۔اور اگر کوئی مرتد ہونے پر مجبور کیا گیا تو اسکی بیوی اس پر بائنہ نہ ہوگی۔

تشریح:۔(۲۱)اگر کسی کو مرتد ہونے پر مجبور کیا تو اگر مکرَہ نے ایسا کر لیا تو اسکی بیوی اس پر بائنہ نہ ہوگی کیونکہ ارتداد تو اعتقاد کے ساتھ تعلق رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر اسکا دل مطمئن بالایمان ہو تو کافر نہ ہوگا تو اسکے اعتقاد کفر میں شک ہے اور شک کی وجہ سے بینونت ثابت نہیں ہوتی ہے۔

☆☆☆

كتاب السِّيَر

یہ کتاب سیر کے بیان میں ہے۔

"کتاب الاکراہ" اور "کتاب السیر" میں مناسبت یہ ہے کہ دونوں زاجر ہیں اول زاجر عن عصیان المکرِہ ہےاور ثانی زاجر عن الکفر والطغیان ہے تو برائے ترقی من الادنیٰ الی الاعلیٰ یہ ترتیب رکھی ہے۔ یا یوں مناسبت پائی جاتی ہے کہ تحمل مشقت جس طرح کہ اکراہ میں ہے اسی طرح جہاد میں بھی ہے۔

سیر بکسر السین ورفع الیاء سیرۃ کی جمع ہے لغۃً "اَلطَّرِیْقَةُ فِی الْاُمُوْرِ" کو کہتے ہیں اور شریعت میں اس طریقہ کو کہتے ہیں جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوات میں اختیار کیا ہے۔ بہت سوں نے اس مضمون کا عنوان "کتاب الجهاد" باندھا ہے۔

الحكمة:۔ الجهاد في الاسلام هو قتال من يسعون في الارض فسادا لتقويض دعائم الأمن واقلاق راحة الناس وهم آمنون في ديارهم او الذين يثيرون الفتن من مكامنها إما بالحاد في الدين وخروج عن الجماعة وشق عصا الطاعة أو الذين يريدون إطفاء نور الله ويناوؤن المسلمين العداء ويخرجونهم من ديارهم وينقضون العهود ويخفرون بالذمم، فالجهاد إذن هو لدفع الأذى والمكروه ورفع المظالم والذود عن المحارم۔(حكمة التشريع)

(۱)اَلْجِهَادُ فَرْضٌ عَلَى الْكِفَايَةِ إِذَا قَامَ بِهٖ فَرِيْقٌ مِنَ النَّاسِ سَقَطَ عَنِ الْبَاقِيْنَ (۲)وَاِنْ لَمْ يَقُمْ بِهٖ اَحَدٌ اَثِمَ جَمِيْعُ النَّاسِ بِتَرْكِهٖ (۳)وَقِتَالُ الْكُفَّارِ وَاجِبٌ وَاِنْ لَمْ يَبْدَؤُنَا۔

ترجمه:۔اور جہاد فرض کفایہ ہے اگر لوگوں میں ایک جماعت نے جاری رکھا تو باقی اُمت سے ساقط ہو جائے گا اور اگر کسی ایک نے بھی جہاد کو جاری نہیں رکھا تو تمام لوگ اسکو ترک کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہو جائینگے اور کفار سے قتال واجب ہے اگر چہ وہ ابتدا نہ کریں۔

تشریح:۔(۱) جہاد فرض کفایہ ہے اگر بعض لوگوں نے جاری رکھا تو باقی اُمت سے فرضیت ساقط ہو جائے گی۔ فرض کفایہ اس لئے ہے کہ جہاد بنفسہ فرض نہیں ہوا ہے کیونکہ بنفسہ تو جہاد افساد ہے بلکہ اعزاز دین اور لوگوں سے شرک وفساد کا فتنہ دفع کرنے کے لئے فرض ہوا ہے اور جو ایسا ہو وہ فرض کفایہ ہوتا ہے لہذا بعض لوگوں کے جاری رکھنے سے بوجہ حصول مقصود باقی اُمت کے ذمہ سے فرضیت ساقط ہو جائے گی جیسے نماز جنازہ ورد سلام وغیرہ۔

(۲) البتہ اگر مسلمانوں میں سے کسی ایک فریق نے بھی جہاد کو جاری نہیں رکھا تو ساری امت اسکے ترک کرنے سے گناہ گار ہو جائے گی لِتَرْكِهِمْ فَرْضًا عَلَيْهِمْ ۔(۳) کفار کے ساتھ قتال کرنا واجب ہے اگر چہ ان کی طرف سے جنگ کی ابتدا نہ ہو کیونکہ اس بارے میں نصوص عام ہیں جن میں یہ تفصیل نہیں کہ اگر ان کی طرف سے اقدام ہو تو جہاد کرو ورنہ نہیں۔

(٤)وَلایَجِبُ الْجِهَادُ علی صَبِیٍّ ولا عَبْدٍ ولا اِمْرَاۃٍ ولا اَعْمٰی ولامُقْعَدٍ ولااَقْطَعٍ (٥)فَاِنْ هَجَمَ الْعَدُوُّ علی بَلَدٍ وَجَبَ علی جَمِیْعِ الْمُسْلِمِیْنَ الدَّفْعُ تَخْرُجُ الْمَرْاَۃُ بِغَیْرِ اِذْنِ زَوْجِهَاوَالْعَبْدُبِغَیْرِ اِذْنِ الْمَوْلٰی۔

ترجمہ:۔اور جہاد واجب نہیں بچہ پر اور نہ غلام پر اور نہ عورت پر اور نہ اندھے پر اور نہ لنگڑے پر اور نہ پاؤں کٹے پر اور اگر دشمن کسی شہر پر چڑھ آئے تو تمام لوگوں پر اس کا دفع کرنا واجب ہے حتی کہ عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر نکلے گی اور غلام مولیٰ کی اجازت کے بغیر۔

تشریح:۔(٤)یعنی نابالغ بچہ پر جہاد فرض نہیں کیونکہ نابالغ مکلف نہیں اور غلام و زوجہ پر بھی جہاد فرض نہیں کیونکہ جہاد حقوق اللہ میں سے ہے جس سے غلام کے مولیٰ کا حق اور عورت کے شوہر کا حق مقدم ہے۔اسی طرح اندھے،لنگڑے اور پاؤں کے کٹے پر بھی حج فرض نہیں کیونکہ یہ لوگ عاجز ہیں اور تکلیف بقدر قدرت ہے۔

(٥)اگر دشمن مسلمانوں کے کسی شہر پر چڑھ آئے تو تمام لوگوں پر اس کا دفع کرنا واجب ہے حتی کہ عورت شوہر کی اجازت کے بغیر نکلے گی اور غلام مولیٰ کی اجازت کے بغیر نکلے گا کیونکہ ایسی صورت میں جہاد صلوٰۃ اور صوم کی طرح فرض عین ہو جاتا ہے اور حق زوج و مولیٰ سے فرض عین مقدم ہے۔

(٦)وَاِذَا دَخَلَ الْمُسْلِمُوْنَ دَارَالْحَرْبِ فَحَاصَرُوْا مَدِیْنَۃً اَوْ حِصْنًادَعَوْهُمْ اِلَی الْاِسْلَامِ فَاِنْ اَجَابُوْهُمْ كَفُّوْا عَنْ قِتَالِهِمْ (٧)وَاِنْ اِمْتَنَعُوْا دَعَوْهُمْ اِلٰی اَدَاءِ الْجِزْیَۃِ فَاِنْ بَذَلُوْهَافَلَهُمْ مَا لِلْمُسْلِمِیْنَ وعَلَیْهِمْ مَا عَلَیْهِمْ۔

ترجمہ:۔اور جب مسلمان دارالحرب میں داخل ہوں اور کسی شہر یا قلعہ کا محاصر کریں تو ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں تو اگر انہوں نے دعوت اسلام قبول کیا تو مسلمان انکے قتال سے رُک جائیں اور اگر وہ رک گئے تو ان کو جزیہ ادا کرنے کی دعوت دیں تو اگر وہ جزیہ دیدیں تو ان کیلئے وہی ہوگی جو مسلمانوں کیلئے ہے اور ان پر وہی بوجھ ہوگا جو مسلمانوں پر ہوتا ہے۔

تشریح:۔(٦)جب مسلمان دارالحرب میں داخل ہو کر کسی شہر یا قلعہ کا محاصر کریں سب سے پہلے کافروں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں تو اگر انہوں نے دعوت اسلام قبول کیا تو مسلمان انکے قتال سے رُک جائیں کیونکہ مقصود حاصل ہوا" وَقَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَقُوْلُوْا لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ "(یعنی میں مأمور ہوں کہ لوگوں کے ساتھ لڑوں یہاں تک کہ وہ لاالہ الا اللہ کہیں)۔

(٧)اگر وہ لوگ دعوت اسلام قبول کرنے سے رک گئے تو ان سے جزیہ(زمین کا محصول،ٹیکس جو ذمی سے لیا جاتا ہے)طلب کریں۔بشرطیکہ وہ مرتدین نہ ہوں۔تو اگر انہوں نے جزیہ دینا قبول کیا تو یہ مسلمانوں کے ذمی ہو گئے لہذا ان کیلئے وہی رعایتیں ہونگی جو مسلمانوں کیلئے ہیں یعنی انکے خون اور اموال مسلمانوں کے خون اور اموال کی طرح محفوظ ہونگے کیونکہ انہوں نے جزیہ دینا اسی لئے قبول کیا ہے اور ان پر وہی بوجھ ہوگا جو مسلمانوں پر ہوتا ہے۔

☆ ☆ ☆

(۸) ولا يجوز أن يقاتل من لم يبلغه دعوة الإسلام إلا بعد أن يدعوهم (۹) ويستحب أن يدعو من بلغته الدعوة إلى الإسلام ولا يجب ذالک (۱۰) فإن أبوا استعانوا بالله تعالى عليهم وحاربوهم ونصبوا عليهم المجانيق وحرقوهم وأرسلوا عليهم الماء وقطعوا أشجارهم وأفسدوا زروعهم۔

ترجمه:۔اور جائز نہیں کہ قتال کرے اس سے جس کو اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو مگر بعد اس کے کہ اس کو دعوت دے اور مستحب ہے کہ دعوت دے ان کو دعوت اسلام پہنچی ہو اور یہ واجب نہیں پس اگر انہوں نے انکار کیا تو مسلمان اللہ سے مدد مانگیں اور انکے ساتھ قتال شروع کریں اور ان پر منجنیق لگادیں اور انہیں آگ میں جلادیں اور ان پر پانی چھوڑ دیں اور انکی درختوں کو کاٹ دیں اور کھیتوں کو اجاڑ دیں۔

تشریح:۔(۸) ایسے کافروں کے ساتھ قتال کرنا جائز نہیں جن کو دعوت اسلام نہیں پہنچی ہو کیونکہ دعوت دینے سے وہ جان لیں گے کہ ہم ان سے دین کیلئے قتال کرتے ہیں ان کے اموال چھیننے یا انکی اولاد کو قید کرنے کیلئے نہیں۔ پس امید ہے کہ وہ لوگ اسلام قبول کر کے ہم قتال کی مشقت سے بچ جائیں گے۔(۹) جن کفار کو دعوت اسلام پہنچی ہو انکو بھی قتال شروع کرنے سے پہلے دعوت اسلام دینا مستحب ہے مگر واجب نہیں کیونکہ دعوت ان کو پہنچ چکی ہے۔

(۱۰) پھر اگر کفار نے اسلام قبول کرنے اور جزیہ دینے سے انکار کیا تو مسلمان اللہ سے استعانت مانگیں اور انکے ساتھ قتال شروع کریں کیونکہ اللہ ہی اپنے اولیاء کی مدد کرنے والا ہے اور اپنے اعداء کو ہلاک کرنے والا ہے پس تمام امور میں ان ہی سے مدد مانگنی چاہئے۔اب مسلمان کفار پر منجنیق (ایک آلہ ہے جس سے بڑے بڑے پتھر پھینکے جاتے تھے، سنگ باری کی قدیم دستی مشین۔ مراد یہ ہے کہ اپنے دور کا اسلحہ استعمال کریں) لگادیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف پر منجنیق قائم کیا تھا۔اور انہیں آگ میں جلادیں (یعنی انکے گھر، باغات اور اسباب وغیرہ) کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود بنونضیر کی درختیں جلادئے تھے۔اور کافروں پر پانی چھوڑ دیں یعنی اگر انکے غرق کرنے کا موقع ہو تو غرق کردیں۔اور انکی درختوں کو کاٹ دیں اور کھیتوں کو اجاڑ دیں کیونکہ اس سے انکی شوکت ختم اور جماعت متفرق ہو جائے گی اسلئے یہ مشروع اعمال ہیں۔

(۱۱) ولا بأس برميهم وإن كان فيهم مسلم أسير أو تاجر (۱۲) وإن تترسوا بصبيان المسلمين أو بالأسارى لم يكفوا عن رميهم ويقصدون بالرمي الكفار دون المسلمين۔

ترجمه:۔اور کوئی حرج نہیں ان پر تیر چلانے میں اگر چہ انکے درمیان مسلمان قیدی یا تاجر ہوں اور اگر انہوں نے مسلمانوں کے بچوں کو یا مسلمان قیدیوں کو اپنے اگے ڈھال بنادیا تو بھی مجاہدین انکو تیر مارنے سے نہ رکیں اور تیر مارنے میں نیت کفار کی کریں نہ کہ مسلمانوں کی۔

تشریح:۔(۱۱) کافروں پر تیر اور پتھر برسانے میں کوئی حرج نہیں اگر چہ انکے درمیان مسلمان قیدی یا تاجر ہوں کیونکہ مارنے میں مسلمانوں سے دفع ضرر عام ہے اور قیدی و تاجر کا قتل کرنا ضرر خاص ہے اور ضرر عام کی نسبت ضرر خاص قبول کرنا اسہل ہے۔

(۱۲) اگر کافروں نے مسلمانوں کے بچوں کو یا مسلمان قیدیوں کو اپنے آگے ڈھال بنا دیا تو بھی مجاہدین انکو تیر اور پتھر مارنے سے نہ رکیں کیونکہ اس طرح تو وہ مسلمانوں کے بچوں اور قیدیوں کو انکے ساتھ قتال کرنے کے ابطال کا ذریعہ بنائیں گے۔ البتہ تیر اور پتھر مارتے ہوئے نیت کفار کی کرلیں کیونکہ فعلاً تو اب مسلمانوں اور کافروں میں تمیز کرنا ممکن نہ رہا جبکہ نیت میں یہ امتیاز ممکن ہے اور طاعت بقدر طاقت ہوتا ہے لہٰذا نیت کافروں کی کرلیں گے۔

(۱۳) وَلَابَأسَ بِإِخْرَاجِ النِّسَاءِ وَالْمَصَاحِفِ مَعَ الْمُسْلِمِيْنَ اذا كَانُوْا عَسْكَرًا عَظِيْمًا يُؤْمَنُ عليه (۱٤) ويُكْرَهُ اِخْرَاجُ ذالك فِى سَرِيَّةٍ لايُؤْمَنُ عليها (۱۵) ولاتُقَاتِلُ الْمَرْاَةُ اِلَّابِاِذْنِ زَوْجِهَا ولا الْعَبْدُ اِلَّا بِاِذْنِ سَيِّدِهِ (۱٦) اِلَّااَنْ يَهْجُمَ الْعَدُوُّ۔

ترجمہ:۔ اور عورتوں اور قرآن مجید کو ساتھ لے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں اگر مسلمانوں کی جماعت بڑی ہو قابل اطمینان ہو اور مکروہ ہے چھوٹے لشکر میں ان کو لے جانا جو قابل اطمینان نہ ہو اور عورت قتال نہ کرے مگر زوج کی اجازت سے اور نہ غلام قتال کرے مگر مولی کی اجازت سے الا یہ دشمن چڑھ آئے۔

تشریح:۔ (۱۳) اگر مسلمانوں کی جماعت بڑی ہو کوئی زیادہ خطرہ ان پر نہ ہو تو عورتوں اور قرآن مجید کو ساتھ لے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ غالب حالت سلامتی کی ہے والغالب کالمتحقق۔ (۱٤) البتہ اگر مسلمانوں کی جماعت چھوٹی ہو (جس کو سریہ کہتے ہیں) جس پر زیادہ اطمینان نہ ہو تو پھر عورتوں اور قرآن مجید کو ساتھ لے جانا مکروہ ہے کیونکہ ایسی صورت میں انکے ضائع ہونے اور انکے استخفاف کا خطرہ ہے۔

(۱۵) عورت زوج کی اجازت کے بغیر اور غلام مولی کی اجازت کے بغیر قتال نہ کرے"لِمَا تَقَدَّمَ اَنَّ حَقَّ الزَّوْجِ وَالْمَولىٰ مُقَدَّمٌ"۔ (۱٦) البتہ اگر مسلمانوں کے کسی شہر پر دشمن چڑھ آئے تو پھر ان کا قتال جائز ہے کیونکہ ایسی صورت میں جہاد فرض عین ہے کما سبق۔

(۱۷) وَيَنْبَغِى لِلْمُسْلِمِيْنَ اَنْ لايَغْدِرُوْا وَلا يَغُلُّوْا ولايُمَثِّلُوْا (۱۸) وَلايَقْتُلُوْا اِمْرَأةً وَلاصَبِيًّا وَلاشَيْخًا فَانِيًا وَلااَعْمىٰ ولامُقْعَدًا (۱۹) اِلَّااَنْ يَكُوْنَ اَحَدُ هؤلاءِ مِمَّنْ يَكُوْنُ له رَأىٌ فِى الْحَرْبِ (۲۰) او تَكُوْنُ الْمَرْأَةُ مَلِكَةً (۲۱) وَلايَقْتُلُوْا مَجْنُوْنًا۔

ترجمہ:۔ اور مسلمانوں کو چاہئے کہ غدر نہ کرے اور غلول نہ کرے اور مثلہ نہ کرے اور نہ عورتوں اور نہ بچوں اور نہ شیخ فانی اور نہ اندھے اور نہ لنگڑے کو قتل کریں الا یہ کہ ان میں سے کوئی ایک جنگی معاملات میں رائے دیتا ہو یا عورت ملکہ ہو اور مجنون کو قتل نہ کریں۔

تشریح:۔ (۱۷) مسلمانوں کو چاہئے کہ غدر نہ کرے یعنی عہد نہ توڑے اور غلول (مال غنیمت سے چوری کرنے کو غلول کہتے ہیں) نہ کرے اور دشمن کو مثلہ (مقتول کی ناک، کان وغیرہ کاٹ کر شکل بگاڑنے کو مثلہ کہتے ہیں) نہ کرے"لقوله ﷺ لاتَغُلُّوا ولاتَغْدِرُوْا

و لاتُمَثِّلُوا" (یعنی مالِ غنیمت چوری مت کرواور عہد شکنی مت کرواور مثلہ مت کرو)۔

(۱۸) مسلمانوں پر واجب ہے کہ دشمن قوم کی عورتوں، بچوں، شیخ فانی، اندھے اور لنگڑے کو قتل نہ کریں کیونکہ ہمارے لئے صرف لڑنے والوں کا قتل مباح ہے جبکہ یہ لوگ اہل قتال نہیں۔ (۱۹) البتہ اگر ان لوگوں میں سے کوئی ایک جنگی معاملات میں رائی دیتا ہو تو اسکو بھی قتل کیا جائیگا کیونکہ دشمن اس کی رائی سے استعانت حاصل کرتا ہے۔ (۲۰) اسی طرح اگر عورت ملکہ ہو تو بھی قتل کیا جائیگا کیونکہ اسکے قتل کرنے سے دشمن کی جماعت ٹوٹ جائے گی۔ (۲۱) اسی طرح دشمن قوم کے مجانین کو بھی قتل نہیں کیا جائیگا البتہ اگر وہ لڑتے ہوں تو دفع شر کیلئے قتل کئے جائینگے۔

(۲۲) وَاِذَا رَای الْاِمامُ اَنْ یُصَالِحَ اَهْلَ الْحَرْبِ اَوْ فَرِیْقًامِنْهُمْ و کَانَ فی ذالکَ مَصْلِحَةٌ لِلْمُسْلِمِیْنَ فلاباْسَ بِهِ (۲۳) فَاِنْ صَالَحَهُمْ مُدَّةً ثُمَّ رَای اَنَّ نَقْضَ الصُّلْحِ اَنْفَعُ نَبَذَاِلَیْهِمْ وقَاتَلَهُمْ (۲۴) فَاِنْ بَدَؤُا بِخِیَانَةٍ قَاتَلَهُمْ ولَمْ یَنْبِذْ اِلَیْهِمْ اِذَاکانَ ذالکَ بِاتِّفَاقِهِمْ (۲۵) واِذَا خَرَجَ عَبِیْدُهُمْ اِلَی عَسْکَرِ الْمُسْلِمِیْنَ فَهُمْ اَحْرَارٌ۔

ترجمہ:۔ اور اگر امام نے مناسب سمجھا کہ اہل حرب یا ان کے کسی فریق کے ساتھ صلح کرلے اور اس میں مسلمانوں کا فائدہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر ان کے ساتھ ایک مدت کیلئے صلح کرلی پھر دیکھا کہ صلح کا توڑنا مفید ہے تو امام عہد توڑنے کی خبر ان کو دیں اور ان سے قتال شروع کردے اور اگر انہوں نے بدعہدی کی ابتدأ کی تو ان کے ساتھ لڑے اور عہد توڑنے کی خبر ان کو نہیں بھیجے گا اگر یہ ان کے اتفاق سے ہو اور اگر کافروں کے غلام بھاگ کر مسلمانوں کے لشکر میں آجائیں تو وہ آزاد ہیں۔

تشریح:۔ (۲۲) اگر مسلمانوں کے امام نے مناسب اور مسلمانوں کے حق میں بہتر سمجھا کہ اہل حرب یا ان کے کسی فریق کے ساتھ ترک قتال پر صلح کرلے اور اس میں مسلمانوں کا فائدہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ مصالحت میں اگر مسلمانوں کا فائدہ ہو تو یہ معنیً جہاد ہے اسلئے کہ جہاد کا مقصود اصلی یعنی دفع شر حاصل ہوگیا۔

(۲۳) اگر امام نے کافروں کے ساتھ ایک مدت کیلئے صلح کرلی پھر اس نے صلح کا عہد توڑنا مسلمانوں کیلئے بہتر سمجھا تو امام عہد توڑنے کی خبر کافروں کو بھیج دیں پھر ان سے قتال شروع کردے کیونکہ جب مسلمانوں کی مصلحت بدل گئی تو عہد توڑنا ہی جہاد ہے اور ایسی حالت میں عہد پورا کرنا ظاہراً و معنیً ترک جہاد ہے اسلئے عہد توڑ دیگا۔

(۲۴) اگر کافروں نے خود بدعہدی کی ابتدأ کی تو امام ان کے ساتھ قتال کرلے اور عہد توڑنے کی خبر ان کو نہیں بھیجے گا بشرطیکہ یہ ان کے اتفاق سے ہو کیونکہ جب انہوں نے خود عہد توڑا تو اب اسکے توڑنے کی حاجت نہیں رہی۔ (۲۵) اگر کافروں کے غلام بھاگ کر مسلمانوں کے لشکر میں آجائیں تو وہ آزاد ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے موالی کو ناراض کرکے لشکر اسلام میں آنے سے خود کو محفوظ کرلیا۔

(۲۶) وَلَابَأسَ اَنْ يَعْلِفَ الْعَسْكَرُ فِي دَارِ الحَرْبِ وَيَأْكُلُوْا مَا وَجَدُوْهُ مِنَ الطَّعَامِ وَيَسْتَعْمِلُوْا الْحَطَبَ وَيَدْهِنُوْا بِالدُّهْنِ (۲۷) وَيُقَاتِلُوْا مِمَّا يَجِدُوْنَه مِنَ السِّلَاحِ كُلَّ ذَالِكَ بِغَيْرِ قِسْمَةٍ (۲۸) وَلَايَجُوْزُ اَنْ يَبِيْعُوْا مِنْ ذَالِكَ شَيْئًا وَلَايَتَمَوَّلُوْنَه۔

ترجمہ:۔اور کوئی حرج نہیں کہ لشکر اسلام دارالحرب میں اپنی سواریوں کو چارہ کھلائیں اور کھائیں خود بھی جو کھانے کی چیز پائیں اور ایندھن استعمال کریں اور تیل استعمال کریں اور لڑیں ایسے اسلحہ سے جو پائیں یہ سب بغیر تقسیم کئے ہوئے اور ان چیزوں میں سے کوئی چیز فروخت کرنا جائز نہیں اور نہ کوئی چیز ذخیرہ کریں۔

تشریح:۔(۲۶) لشکر اسلام کے لئے جائز ہے کہ دارالحرب میں اپنی سواریوں کو وہاں کا چارہ وغیرہ کھلائیں اور خود بھی وہاں جو کھانے کی چیزیں مثلاً روٹی، گوشت وغیرہ ملے وہ کھا سکتے ہیں اسی طرح وہاں کے ایندھن جلا سکتے ہیں اور وہاں کے تیل کو استعمال کر سکتے ہیں کیونکہ ان چیزوں کے استعمال کی ضرورت ہوتی ہے۔

(۲۷) مسلمان فوج کو وہاں جو اسلحہ ہاتھ لگے اس کو لے کر اس کے ساتھ کافروں کے ساتھ قتال کر سکتے ہیں اور یہ اس وقت کہ مجاہد کو اس اسلحہ کے استعمال کی ضرورت ہو مثلاً اس کی اپنی تلوار یا نیزہ ٹوٹ گئی یا اسکے پاس سرے سے اسلحہ نہ ہو۔اور مذکورہ بالا سب چیزوں کا استعمال بغیر تقسیم بین المسلمین جائز ہے۔(۲۸) البتہ ان چیزوں کو فروخت کرنا یا اپنے لئے ذخیرہ کرنا جائز نہیں کیونکہ ان کو لینے سے مجاہد ان کا مالک نہیں ہوتا ہے صرف اس کے لئے بوجہ ضرورت ان کا استعمال مباح کیا گیا ہے۔

(۲۹) وَمَنْ اَسْلَمَ مِنْهُمْ اَحْرَزَ بِاِسْلَامِهِ نَفْسَه (۳۰) وَاَوْلَادَه الصِّغَارَ (۳۱) وَكُلَّ مَالٍ هُوَ فِي يَدِه اَوْ وَدِيْعَةً فِي يَدِ مُسْلِمٍ اَوْ ذِمِّيٍّ۔

ترجمہ:۔اور جس نے ان میں سے اسلام لایا تو اس نے اپنے اسلام کی وجہ سے اپنی نفس اور اپنی نابالغ اولاد کو محفوظ کر لیا اور ہر ایسے مال کو محفوظ کر لیا جو اس کے قبضہ میں ہے یا جو ودیعت رکھا ہو کسی مسلمان یا ذمی کے پاس۔

تشریح:۔(۲۹) کافروں میں سے جس نے دارالحرب میں اسلام لایا تو اس نے اپنے اسلام کی وجہ سے اپنی نفس کو محفوظ کر لیا کیونکہ اسلام کے ساتھ ابتدائی مملوک ہونا ممکن نہیں ہے۔(۳۰) اور اس نے اپنی نابالغ اولاد کو بھی محفوظ کر لیا کیونکہ وہ اپنے باپ کے اسلام کی وجہ سے باپ کے تابع ہو کر مسلمان ہیں۔(۳۱) اور اس نے اپنے ہر ایسے مال کو محفوظ کر لیا جو اس کے قبضہ میں ہے کیونکہ مجاہدین کے قبضہ سے اسکا قبضہ مقدم ہے۔اسی طرح اس نے اپنے اس مال کو بھی محفوظ کر لیا جو اس نے کسی مسلمان یا ذمی کے پاس امانت رکھا ہو کیونکہ ان کا قبضہ گویا کہ مالک کا قبضہ ہے۔

(۳۲) فَاِنْ ظَهَرْنَا عَلَى الدَّارِ فَعِقَارُه فَيْءٌ (۳۳) وَزَوْجَتُه فَيْءٌ (۳۴) وَحَمْلُهَا فَيْءٌ (۳۵) وَاَوْلَادُه الْكِبَارُ فَيْءٌ۔

ترجمہ:۔اور گر ہم دارالحرب پر غالب آجائیں تو اس شخص کی زمین غنیمت ہوگی اور اسکی بیوی اور اس کا حمل اور اس کی بڑی اولاد غنیمت ہوگی۔

تشریح:۔(۳۲)اگر مسلمان دارالحرب پر غالب ہوئے تو اس شخص کا (جو دارالحرب میں مسلمان ہوا) غیر منقولہ مال سب مال غنیمت ہو جائیگا کیونکہ یہ بادشاہ دارالحرب کے قبضہ میں ہے اسلئے کہ یہ بھی جملہ دارالحرب میں سے ہے تو حقیقۃً یہ مالک کے قبضہ میں نہیں۔(۳۳) اسی طرح اس نومسلم کی بیوی بھی مال غنیمت ہو جائے گی کیونکہ وہ حربیہ کافرہ ہے اور اسلام میں شوہر کی تابع نہیں۔(۳۴)اسی طرح اس عورت کا حمل بھی مال غنیمت ہوگا کیونکہ یہ حمل ابھی تک اس عورت کا جزء ہے تو رقیت میں ماں کا تابع ہے۔(۳۵)اسی طرح اس نومسلم کی بالغ اولاد بھی مال غنیمت ہوگی کیونکہ یہ لوگ حربی کافر ہیں باپ کے تابع نہیں۔

(۳۶)وَلا يَنبَغِي اَنْ يُبَاعَ السِّلاحُ مِنْ اَهْلِ الحَرْبِ (۳۷)ولايُجَهَّزُ اِلَيهِم (۳۸)وَلايُفَادُوْنَ بِالْاُسَارىٰ عِنْدَابِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وقَالا رحمهُمَا اللّٰهُ يُفَادىٰ بِهِمْ اُسَارىٰ الْمُسْلِمِيْنَ (۳۹)ولايَجوزُ الْمَنّ عَلَيْهِمْ۔

ترجمہ:۔اور مناسب نہیں کہ ہتھیار حربیوں پر فروخت کردے اور نہ ان کے ہاں اسباب لے جائے اور نہ ان کو قیدیوں کے عوض رہا کردے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ مسلمان قیدیوں کے عوض میں ان کو رہا کردے اور ان پر احسان کرنا جائز نہیں۔

تشریح:۔(۳۶)مسلمانوں کو ہتھیار لے کر کافروں پر فروخت کرنا مناسب نہیں بلکہ جائز نہیں۔(۳۷)اور نہ ان کے ہاں مسلمان تاجر اسباب لے جائیں یعنی اسلحہ وغیرہ کیونکہ ان دونوں صورتوں میں اہل حرب کو مسلمانوں کے خلاف لڑنے کی قوت ملتی ہے۔(۳۸)امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک کافر قیدیوں کو مسلمان قیدیوں کے عوض رہا کرنا جائز نہیں کیونکہ اس میں کفار کی معونت ہے اسلئے کہ یہ قیدی لوٹ کر پھر ہمارے ساتھ لڑیں گے۔صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ مسلمان قیدیوں کے عوض میں ان کو رہا کردینا جائز ہے کیونکہ اس طرح کرنے میں تخلیص مسلم ہے اور تخلیص مسلم قتل کافر سے بہتر ہے۔(۳۹)کافر قیدیوں پر احسان کرنا جائز نہیں (کہ نہ ان کو غلام بنائے اور نہ قتل کردے بلکہ رہا کردے) کیونکہ اس میں غانمین کے حق کا ابطال ہے۔

(۴۰)وَاِنْ فَتَحَ الْاِمَامُ بَلْدَةً عَنْوَةً فَهُوَ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ قَسَمَهَا بَيْنَ الْغَانِمِيْنَ وَاِنْ شَاءَ اَقَرَّ اَهْلَهَا عَلَيْهَا وَوَضَعَ عَلَيْهِمُ الْجِزْيَةَ وَعَلىٰ اَرَاضِيْهِمُ الْخَرَاجَ۔

ترجمہ:۔اور اگر امام نے کسی شہر کو جنگ کر کے فتح کیا تو اسکو اختیار ہے چاہے تو اس کو مجاہدین میں تقسیم کردے اور اگر چاہے تو وہاں کے لوگوں کو اس پر برقرار رکھے اور ان پر جزیہ اور انکی زمینوں پر خراج مقرر کردے۔

تشریح:۔(۴۰)اگر امام نے کسی شہر کو جنگ کر کے فتح کیا تو اسکو وہاں کی زمینوں میں اختیار ہے چاہے تو اس کو مجاہدین میں تقسیم کردے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو تقسیم فرمایا تھا اور چاہے تو وہاں کے لوگوں کو اس پر برقرار رکھے۔اور ان پر جزیہ اور انکی زمینوں پر خراج مقرر کردے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عراق میں بموافقت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اسی طرح کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

(۴۱)وَهُوَ فِي الْأُسْرَىٰ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ قَتَلَهُمْ وَاِنْ شَاءَ اِسْتَرَقَّهُمْ وَاِنْ شَاءَ تَرَكَهُمْ اَحْرَارًا ذِمَّةً لِلْمُسْلِمِيْنَ(۴۲) وَلَايَجُوْزُ اَنْ يَرُدَّهُمْ اِلَى دَارِ الْحَرْبِ۔

ترجمہ:۔ اور اس کو کافر قیدیوں میں اختیار ہے اگر چاہے تو ان کو قتل کردے اور اگر چاہے تو ان کو غلام بنائے اور اگر چاہے تو ان کو آزاد چھوڑ کر مسلمانوں کا ذمی بنائے اور نہیں جائز یہ کہ قیدیوں کو دارالحرب میں واپس کردے۔

تشریح :۔ (۴۱)امام المسلمین کو کافر قیدیوں کے بارے میں تین طرح کا اختیار ہے چاہے تو ان کو قتل کردے تاکہ مادہ فساد ہی ختم ہو اور چاہے تو ان کو غلام بنائے کیونکہ اس میں مسلمانوں کا بہت فائدہ ہے اور چاہے تو ان کو آزاد چھوڑ کر مسلمانوں کا ذمی بنائے جیسے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے عراق والوں کے ساتھ کیا تھا۔ (۴۲)مگر یہ جائز نہیں کہ قیدیوں کو دارالحرب میں واپس کردے کیونکہ اس طرح کرنے میں حربیوں کو مسلمانوں کے خلاف قوت ملے گی۔

(۴۳)وَاِذَا اَرَادَ الْعَوْدَ اِلَى دَارِ الْاِسْلَامِ وَمَعَهُ مَوَاشٍ فَلَمْ يَقْدِرْ عَلَى نَقْلِهَا اِلَى دَارِ الْاِسْلَامِ ذَبَحَهَا وَحَرَقَهَا وَلَا يَعْقِرُهَا وَلَا يَتْرُكُهَا (۴۴) وَلَا يُقَسِّمُ غَنِيْمَةً فِي دَارِ الْحَرْبِ حَتّٰى يُخْرِجَهَا اِلَى دَارِ الْاِسْلَامِ۔

ترجمہ:۔ اور اگر امام نے دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف لوٹنے کا ارادہ کیا اور اس کے پاس مال مویشی ہو اور اس کو دارالاسلام منتقل کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو اس کو ذبح کردے اور اس کو جلادے اور اس کا کونچ نہ کاٹے اور نہ یوں ہی چھوڑ دے اور غنیمت دارالحرب میں تقسیم نہ کرے یہاں تک اس کو دارالاسلام میں لائے۔

تشریح :۔ (۴۳)اگر امام نے دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف لوٹنا چاہا اس حال میں کہ اس کے ساتھ کافروں کے مال مویشی بھی ہوں اور ان کو دارالاسلام میں لانا مشکل ہو تو امام ان کو ذبح کرکے جلاڈالیں کیونکہ جانوروں کو صحیح مقصد کیلئے ذبح کرنا جائز ہے اور اس سے بڑھ کر صحیح مقصد کیا ہوسکتا ہے کہ اس سے کافروں کی قوت وشوکت ٹوٹ جاتی ہے۔اور ان جانوروں کے پاؤں کاٹ کر کے زندہ نہ چھوڑیں کیونکہ اس میں تعذیب حیوان ہے اور نہ انکو کافروں کیلئے زندہ چھوڑیں تاکہ وہ ان سے فائدہ نہ اٹھائیں۔

(۴۴)امام دارالحرب میں مال غنیمت کو تقسیم نہ کرے بلکہ اس کو دارالاسلام میں لائے پھر تقسیم کردے کیونکہ دارالاسلام میں لاکر محفوظ کرلینے سے مال غنیمت میں مجاہدین کی ملک ثابت ہوتی ہے۔

(۴۵)وَالرِّدْءُ وَالْمُقَاتِلُ فِي الْعَسْكَرِ سَوَاءٌ (۴۶)وَاِذَا لَحِقَهُمُ الْمَدَدُ فِي دَارِ الْحَرْبِ قَبْلَ اَنْ يُخْرِجُوْا الْغَنِيْمَةَ اِلَى دَارِ الْاِسْلَامِ شَارَكُوْهُمْ فِيْهَا(۴۷)وَلَاحَقَّ لِاَهْلِ سُوْقِ الْعَسْكَرِ فِي الْغَنِيْمَةِ اِلَّا اَنْ يُقَاتِلُوْا۔

ترجمہ:۔ اور ردء اور مقاتل لشکر میں برابر ہیں اور اگر مجاہدین کے ساتھ مددگار لشکر دارالحرب میں مل گیا غنیمت کو دارالاسلام کی طرف نکالنے سے پہلے تو مددگار بھی ان کے ساتھ مال غنیمت میں شریک ہونگے اور مال غنیمت میں لشکر کے بازاروالوں کا کچھ حق نہیں الا یہ کہ وہ بھی قتال کریں۔

تشریح :۔(۴۵) یعنی لشکر میں قتال کرنے والے اور ردء (مددگار) دونوں حصہ میں برابر ہیں کیونکہ سبب میں یہ دونوں برابر ہیں اور سبب دار الحرب کا سرحد پار کرنا ہے یا جنگ میں حاضر ہونا ہے۔(۴۶) اگر مجاہدین نے مال غنیمت کو اب تک دار الحرب سے نہیں نکالا تھا کہ مدد گار لشکر دار الحرب میں ان سے جاملا تو مددگار بھی مال غنیمت میں ان کے ساتھ شریک ہونگے کیونکہ فوج کے استقرار ملک سے پہلے ان کی طرف سے معنیً جہاد پائی گیا۔

(۴۷) مال غنیمت میں لشکر کے بازار (یعنی لشکر کے ساتھ جو بازار ہے اس میں تجارت کرنے والے لشکر میں شامل ہیں لیکن ان کا مقصد قتال کرنا نہیں اپنی دکان لگا کر تجارت کرنا ہے) والوں کا کچھ حق نہیں کیونکہ انہوں نے بقصد قتال سرحد پار نہیں کیا ہے پس انعدام سبب کی وجہ سے یہ لوگ مستحق غنیمت نہیں ہونگے ہاں اگر وہ بھی لڑائی میں شریک ہو جائیں تو وجود سبب کی وجہ سے وہ بھی مستحق غنیمت ہونگے۔

(۴۸) وَاِذَا اٰمَنَ رَجُلٌ حُرٌّ اَوْ اِمْرَاَةٌ حُرَّةٌ كَافِرًا اَوْ جَمَاعَةً اَوْ اَهْلَ حِصْنٍ اَوْ مَدِيْنَةٍ صَحَّ اَمَانُهُمْ ولم يَجُزْ لِاَحَدٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ قَتْلُهُمْ (۴۹) اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ فِي ذالِكَ مَفْسِدَةٌ فَيَنْبُذُ اِلَيْهِمُ الْاِمَامُ۔

ترجمہ:۔اور اگر آزاد مرد یا آزاد عورت نے کسی کافر کو یا ایک جماعتِ کفار کو یا کسی اہل قلعہ کو یا کسی شہر والوں کو امان دی تو ان کو امان دینا صحیح ہے اور اب کسی مسلمان کیلئے ان کافروں کا قتل کرنا جائز نہیں مگر یہ کہ اس میں کوئی خرابی ہو تو امام عہد توڑنے کی اطلاع ان کو دیدے۔

تشریح :۔(۴۸) اگر ہم میں سے کسی آزاد مرد یا آزاد عورت نے کسی کافر کو یا ایک جماعت کفار کو یا کسی اہل قلعہ کو یا کسی شہر والوں کو امان (پناہ) دی تو یہ امان دینا صحیح ہے اب ہم میں سے کسی کیلئے ان کو قتل کرنا جائز نہ ہوگا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں کے خون باہم برابر ہیں اور ان کی ذمہ داری کیلئے ان کا ادنیٰ بھی سعی کریگا یعنی اگر ادنیٰ بھی کسی کو پناہ دے تو وہ سب کے ذمہ لازم ہوگی۔

(۴۹) البتہ اگر اس طرح کے امان دینے میں مسلمانوں کا ضرر ہو تو امام اس عہد (امان دینے کا عہد) توڑنے کی اطلاع کافروں کو دیدے جیسے امام نے بذات خود امان دی ہو پھر توڑ دینا مصلحت معلوم ہو تو عہد توڑنے کی اطلاع دیتا ہے۔

(۵۰) ولا يَجُوزُ اَمَانُ ذِمِّيٍّ ولا اَسِيْرٍ ولا تَاجِرٍ يَدْخُلُ عَلَيْهِمْ (۵۱) ولا يَجُوزُ اَمَانُ الْعَبْدِ عِندَ اَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اِلَّا اَنْ يَاْذَنَ له مَوْلاه فِي الْقِتَالِ وقَالَ اَبُوْ يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَصِحُّ اَمَانُه۔

ترجمہ:۔اور ذمی کا امان دینا جائز نہیں اور نہ قیدی کا اور نہ ایسے تاجر جو کافروں کے ہاں جاتا ہو اور غلام کا امان دینا جائز نہیں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک الا یہ کہ اس کے مولیٰ نے اسکو قتال کی اجازت دی ہو اور صاحبینؒ فرماتے ہیں غلام کا امان دینا صحیح ہے۔

تشریح :۔(۵۰) ذمی نے اگر کسی کافر کو امان دیا تو یہ جائز نہیں کیونکہ ذمی کافروں کو پناہ دینے میں متہم ہے۔اسی طرح جو مسلمان ان کے ہاں قیدی ہے اس کا کسی کافر کو امان دینا بھی جائز نہیں۔اسی طرح ایسے مسلمان تاجر کا جو کافروں کے ہاں جاتا ہو کسی کافر کو امان دینا بھی جائز نہیں کیونکہ اس طرح تو ہر وقت کفار ہمارے کسی قیدی یا تاجر کو پا کر اس سے امان لے کر چھوٹ جائیں گے تو اس طرح تو مجاہدین پر فتح کا دروازہ ہی بند ہو جائیگا۔

(۵۱) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہمارے کسی غلام کا کسی کافر کو امان دینا بھی جائز نہیں کیونکہ امان دینا بھی ایک عقد ہے اور غلام محجور عن العقود ہے لہذا غلام کا امان دینا صحیح نہیں البتہ اگر اس کے مولی نے اسکو قتال کی اجازت دی ہو تو پھر اس کا امان دینا صحیح ہے کیونکہ اجازت فی القتال سے وہ ماذون ہو جائیگا تو اس کا عقد امان بھی صحیح ہوگا۔ صاحبینؒ کے نزدیک غلام کا کسی کافر کو امان دینا صحیح ہے کیونکہ غلام بھی مؤمن وصاحب قوت ہے تو اس کا امان دینا صحیح ہے جیسے اس غلام کا امان دینا صحیح ہے جسے قتال کی اجازت دی گئی ہو (امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے)۔

(۵۲) وإذَا غَلَبَ التُّركُ عَلَى الرُّوْمِ فَسَبَوْهُمْ وَاَخَذُوْا اَمْوَالَهُمْ مَلَكُوْهَا (۵۳) وإنْ غَلَبْنَا على التُّركِ حَلَّ لَنَا مَانَجِدُه مِنْ ذَالِكَ۔

ترجمہ:۔ اور جب ترک رومیوں پر غالب آجائیں اور ان کو قید کرلیں اور انکے اموال لے لیں تو وہ اس کے مالک ہوجائیں گے اور اگر ہم ترکیوں پر غالب آگئے تو ہمارے لئے حلال ہے وہ جو ہم ان میں سے پائیں۔

تشریح:۔ (۵۲) جب ترک والے (مراد کفار ترک ہیں) مثلاً رومیوں (مراد کفار روم ہیں) پر غالب آجائیں (یعنی ایک کافر ملک کے لوگ دوسرے کافر ملک کے لوگوں پر غالب آجائیں) اور ان کو قید کرلیں اور انکے اموال لے لیں تو ترک والے اس کے مالک ہو جائیں گے کیونکہ اہل حرب کے اموال مباح ہیں اور رومی کافر اہل حرب ہیں تو ترکی کافر اس کے لینے سے مالک ہوجائیں گے۔ (۵۳) پھر اگر ہم ترکیوں پر غالب آگئے تو ان کے وہ اموال جو انہوں نے رومیوں سے لئے ہیں اگر ہم نے پالئے تو وہ ہمارے لئے حلال ہیں انکے دوسرے اموال پر قیاس کرتے ہوئے۔

(۵۴) وَإذَا غَلَبُوْا عَلى اَمْوَالِنَا وَاَحْرَزُوْهَا بِدَارِهِمْ مَلَكُوْهَا (۵۵) فَإنْ ظَهَرَ عَلَيْهَا الْمُسْلِمُوْنَ فَوَجَدُوْهَا قَبْلَ الْقِسْمَةِ فَهِيَ لَهُمْ بِغَيْرِ شَيءٍ (۵۶) وإنْ وَجَدُوْهَا بَعْدَ الْقِسْمَةِ اَخَذُوْهَا بِالْقِيْمَةِ اِنْ اَحَبُّوْا۔

ترجمہ:۔ اور اگر کفار ہمارے مالوں پر غالب آجائیں اور اس کو دار الحرب میں محفوظ کرلیں تو وہ اسکے مالک ہوجائیں گے پھر اگر مسلمان اس پر غالب آگئے اور اس کو تقسیم سے پہلے پائیں تو وہ ان کے لئے ہوگا بغیر کسی عوض کے اور اگر تقسیم کے بعد پائیں تو اگر چاہے تو اسے قیمت سے لیں۔

تشریح:۔ (۵۴) اگر کبھی کفار معاذ اللہ ہمارے مالوں پر غالب آئے اور انکو لوٹ کر دار الحرب میں لے گئے تو وہ اسکے مالک ہو جائیں گے کیونکہ عصمت اموال احکام شریعت میں سے ایک حکم ہے اور کفار ان احکام کے مخاطب نہیں لہذا یہ اموال ان کے حق میں غیر معصوم ہیں اسلئے وہ اسکے مالک ہوجائیں گے۔

(۵۵) پھر اگر مسلمان ان کافروں پر غالب آگئے اور انکے ان اموال پر قبضہ کرلیا جو مسلمانوں سے لے گئے تھے تو اگر مال غنیمت کو تقسیم کرنے سے پہلے یہ اموال اصل مالکوں کو مل گئے تو وہ ان اپنے مالوں کو بغیر کسی عوض کے لے لیں گے کیونکہ انکی قدیم ملک ان

کی رضا کے بغیر زائل ہوگئی تھی تو اسکا لحاظ کر کے اسکو لینے کا حق ہے۔

(۵٦) اگر مال غنیمت کو تقسیم کرنے کے بعد انکے اپنے اموال کسی مجاہد کے پاس ملے تو اب اصل مالک کو ان اموال کو بالقیمت لینے کا اختیار ہے بلا قیمت نہیں کیونکہ بعد از تقسیم جس مجاہد کے پاس سے ملے گا اس سے مفت لینے میں اس کا ضرر ہے البتہ بالقیمۃ لینے میں طرفین کی رعایت ہے اسلئے اصل مالک کو اس کا اختیار دیا گیا ہے۔

(۵۷) وإنْ دَخَلَ دَارَ الحَرْبِ تَاجِرٌ فَاشْتَرٰى ذَالِکَ فَاَخْرَجَه اِلٰى دَارِ الْإسْلامِ فَمَالِكُه الْاَوّلُ بِالخِيارِ إنْ شاءَ اَخَذَهُ بالثَّمَنِ الَّذِيْ اِشْتَرَاه به التَّاجِرُ وإنْ شاءَ تَرَكَه۔

ترجمہ:۔ اور اگر کوئی تاجر دار الحرب میں داخل ہوا اور اس کو خرید کر دار الاسلام میں لائے تو اس کے پہلے مالک کو اختیار ہے اگر چاہے تو اتنی قیمت میں لے جتنی میں تاجر نے خریدا ہے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے۔

تشریح:۔ (۵۷) اگر کوئی تاجر دار الحرب میں گیا اور اس نے مسلمانوں کے یہ اموال بقیمت خرید کر دار الاسلام میں لائے تو ان کے پہلے مالکوں کو یہ اختیار ہے کہ چاہے تو تاجر کو ان اموال کی وہ قیمت دے کر لے لیں جس قیمت پر تاجر نے کافروں سے خریدا ہے اور چاہے تو چھوڑ دے کیونکہ مفت لینے میں تاجر کا ضرر ہے اس لئے کہ انہوں نے اس مال کے عوض قیمت دی ہے فَكَانَ اِعْتِدَالُ النَّظَرِ فِيْمَا قُلْنَا۔

(۵۸) وَلايَمْلِکُ عَلَيْنَا اَهْلُ الْحَرْبِ بِالْغَلَبَةِ مُدَبَّرِيْنَا وَاُمَّهاتِ اَوْلادِنَا وَمُكَاتَبِيْنَا وَاَحْرَارِنَا (۵۹) وَنَمْلِکُ عَلَيْهِمْ جَمِيْعَ ذَالِکَ۔

ترجمہ:۔ اور اہل حرب ہمارے اوپر غلبہ کرنے کی وجہ سے ہمارے مدبر، ام ولد، مکاتب اور ہمارے آزاد مردوں اور عورتوں کے مالک نہیں ہونگے اور ہم ان کے ان تمام کے مالک ہو جائیں گے۔

تشریح:۔ (۵۸) اگر کفار ہم پر غالب ہو جائیں تو وہ ہمارے مدبر، ام ولد، مکاتب اور ہمارے آزاد مردوں اور عورتوں کے مالک نہیں ہو سکتے ہیں کیونکہ مدبر وام ولد ومکاتب من وجہ آزاد ہیں اور حر من کل الوجوہ آزاد ہے اور آزاد معصوم بنفسہ ہوتا ہے فَلا يَمْلِكُوْنَ۔ (۵۹) اگر ہم ان پر غالب آئیں تو ان کے مدبر وغیرہ سب کے مالک ہو جائیں گے کیونکہ ان کے کفر کی وجہ سے شریعت نے انکی عصمت کو ساقط کر دیا ہے فَنَمْلِکُ عَلَيْهِمْ۔

(٦۰) وإذا اَبَقَ عَبْدٌ لِمُسْلِمٍ فَدَخَلَ اِلَيْهِمْ فَاَخَذُوْهُ لَمْ يَمْلِكُوْه عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رحِمَه اللّٰه وقالا رَحِمَهُمَا اللّٰه مَلَكُوْهُ (٦۱) وإنْ نَدَّ اِلَيْهِمْ بَعِيْرٌ فَاَخَذُوْه مَلَكُوْهُ۔

ترجمہ:۔ اور اگر کسی مسلمان کا غلام بھاگ گیا اور دار الحرب چلا گیا اور انہوں نے اس کو پکڑ لیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ اسکے مالک نہ ہونگے اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں وہ اسکے مالک ہو جائیں گے اور اگر اونٹ بھاگ کر دار الحرب چلا گیا اور انہوں نے اسے پکڑ لیا تو وہ اسکے مالک ہو جائیں گے۔

تشریح :۔(٦٠) اگر کسی مسلمان کا غلام بھاگ کر دارالحرب چلا گیا اور کافروں نے اس کو پکڑ لیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک کافر اسکے مالک نہ ہونگے کیونکہ دارالحرب چلے جانے سے مولیٰ کا قبضہ اس پر سے زائل ہوا تو اسکا ذاتی اختیار خود پر ظاہر ہوا پس یہ معصوم بنفسہ ہونے کی وجہ سے محل ملک نہ رہا۔ اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک کافر اسکے مالک ہو جائیں گے (امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے)۔

(٦١) اگر ہمارا اونٹ یا کوئی دوسرا جانور بھاگ کر دار الحرب چلا گیا اور کافروں نے پکڑ لیا تو وہ اسکے مالک ہو جائیں گے کیونکہ دارالحرب چلے جانے سے مالک کے قبضہ سے نکل گیا اور جانور کو خود پر اختیار نہیں لہذا مال مباح ہونے کی وجہ سے وہ اسکے مالک ہو جائیں گے۔

(٦٢) وإذَا لَمْ يَكُنْ لِلإمَامِ حَمُولَةٌ يَحْمِلُ عَلَيْهَا الغَنَائِمَ قَسَمَهَا بَيْنَ الغَانِمِينَ قِسْمَةَ إيْدَاعٍ لِيَحْمِلُوهَا إلَى دَارِ الإسْلَامِ ثُمَّ يَرْتَجِعُهَا مِنْهُمْ فَيُقَسِّمُهَا۔

ترجمہ:۔ اور اگر امام کے پاس اس قدر بوجھ اٹھانے کے اسباب نہ ہوں جن پر مال غنیمت لادے تو بطور امانت مجاہدین میں اسکو تقسیم کردے تا کہ وہ ان دارالاسلام میں لائیں پھر ان سے واپس لے لے اور اس کو تقسیم کردے۔

تشریح:۔(٦٢) اگر دارالحرب میں غنائم ہاتھ آئیں اور امام کے پاس اس قدر جانور اور بوجھ اٹھانے کے اسباب نہ ہوں کہ جن پر غنائم اٹھا کر دارالاسلام لائیں تو بطور امانت مجاہدین میں اسکو تقسیم کردے تا کہ وہ ان اموال غنیمت کو دارالاسلام میں لائیں کیونکہ مال غنیمت وسواری سب مجاہدین ہی کے ہیں پھر سب سے جمع کر کے تملیکاً ان میں تقسیم کردے۔

(٦٣) ولايَجُوزُ بَيْعُ الغَنَائِمِ قَبْلَ القِسْمَةِ فِي دَارِ الحَرْبِ (٦٤) ومَنْ مَاتَ مِنَ الغَانِمِينَ فِي دَارِ الحَرْبِ فَلاحَقَّ لَهُ فِي القِسْمَةِ (٦٥) ومَنْ ماتَ مِنَ الغَانِمِينَ بعدَ إخْرَاجِهَا إلَى دَارِ الإسْلَامِ فَنَصِيبُهُ لِوَرَثَتِهِ۔

ترجمہ:۔ اور دارالحرب میں تقسیم سے پہلے غنائم کو فروخت کرنا جائز نہیں اور جو کوئی مجاہد دارالحرب میں مرگیا تو غنیمت تقسیم کرنے میں اسکا کوئی حق نہیں اور جو کوئی مال غنیمت دارالاسلام لانے کے بعد مرگیا تو اس کا حصہ اسکے ورثہ کے لئے ہوگا۔

تشریح:۔(٦٣) یعنی دارالحرب میں تقسیم سے پہلے کسی کیلئے یہ جائز نہیں کہ اموال غنیمت کو فروخت کردے کیونکہ تقسیم سے پہلے وہ اسکا مالک نہیں۔(٦٤) اگر کوئی مجاہد دارالحرب میں مرگیا تو مال غنیمت دارالاسلام میں لانے کے بعد اسکا اس میں کوئی حق نہیں یعنی اسکے ورثہ کو اسکا حصہ نہیں ملے گا کیونکہ میراث تو مورث کی ملک میں جاری ہوتی ہے اور مال غنیمت دارالاسلام لانے سے پہلے اسکی ملک نہیں۔(٦٥) اگر مال غنیمت دارالاسلام لانے کے بعد کوئی مجاہد مرگیا تو اس مجاہد کا حصہ اسکے ورثہ کو ملے گا کیونکہ ورثہ کا حق اسمیں بواسطہ مورث ثابت ہو چکا ہے۔

(٦٦)ولا بأس بأن ينفل الامام في حال القتال ويحرض بالنفل على القتال فيقول من قتل قتيلا فله سلبه (٦٧)او يقول لسرية قد جعلت لكم الربع بعد الخمس (٦٨)ولا ينفل بعد احراز الغنيمة الا من الخمس (٦٩)واذا لم يجعل السلب للقاتل فهو من جملة الغنيمة والقاتل وغيره فيه سواء (٧٠)والسلب ما على المقتول من ثيابه وسلاحه ومركبه۔

ترجمہ:۔ اور کوئی حرج نہیں کہ امام جنگ کی حالت میں انعام کا وعدہ کرے اور انعام دے کر قتال پر ابھارے اور کہے کہ جو جس کو قتل کرے اس کا ساز وسامان اسی کے لئے ہے یا سریہ سے کہے کہ خمس کے بعد ایک چوتھائی میں نے تمہارے لئے مخصوص کیا ہے اور امام انعام مقرر نہیں کریگا مال غنیمت محفوظ کرنے کے بعد مگر خمس سے اور اگر سامان قاتل کے لئے مقرر نہیں کیا تو وہ غنیمت ہے اور اس میں قاتل وغیر قاتل برابر ہوگا اور سلب مقتول کے بدن کے کپڑے اور اسکی سواری اور ہتھیار ہیں۔

تشریح:۔ (٦٦) اگر بوقت جنگ امام کسی کو کچھ انعام دیدے یا انعام کا وعدہ کرکے مجاہدین کا دل کچھ بڑھانے کیلئے تو اس میں کوئی حرج نہیں مثلا یہ کہے "من قتل قتيلا فله سلبه" یعنی جو شخص کسی کافر کو قتل کریگا تو اس مقتول کا ساز وسامان اسی کو دیدیا جائیگا۔ (٦٧) یا چھوٹے لشکر سے یہ کہے کہ خمس نکالنے کے بعد غنیمت کی ایک چوتھائی تمہارے لئے انعام ہے کیونکہ انعام دینا مجاہدین کو جہاد کرنے پر امادہ کرنے کا ایک طریقہ ہے وقد قال تعالى ﴿حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ﴾ (یعنی مؤمنوں کو جہاد پر امادہ کرو)۔

(٦٨) البتہ مال غنیمت دار الاسلام لاکر کے محفوظ کرنے کے بعد امام اس میں سے کسی کیلئے انعام مقرر نہیں کریگا کیونکہ اب اس میں غانمین کا حق مستحکم ہوگیا ہاں خمس میں سے اب بھی کسی کیلئے انعام مقرر کرسکتا ہے کیونکہ غانمین کا خمس میں کوئی حق نہیں خمس میں امام کی رائی چلتی ہے۔

(٦٩) اگر امام نے مقتول کافر کے اسباب کا وعدہ قاتل کے ساتھ نہیں کیا تو اس کا ساز وسامان بھی من جملہ غنیمت میں سے ہوگا اس میں قاتل وغیر قاتل سب برابر ہونگے کیونکہ یہ سامان بقوت لشکر لیا گیا ہے تو غنیمت شمار ہوگا۔ (٧٠) اور مقتول کے سلب (اسباب) سے مراد اس کے بدن کے کپڑے اور اسکی سواری اور ہتھیار ہیں اسی طرح اسکی سواری کی زین وغیرہ بھی سلب میں شامل ہے۔

(٧١)واذا خرج المسلمون من دار الحرب لم يجز ان يعلفوا من الغنيمة ولا يأكلوا منها شيئا (٧٢)ومن فضل معه علف او طعام رده الى الغنيمة۔

ترجمہ:۔ اور جب مسلمان دار الحرب سے نکل آئیں تو پھر جائز نہیں کہ مال غنیمت میں سے اپنے جانوروں کو کچھ کھلائیں اور نہ خود مال غنیمت میں سے کچھ کھائیں اور جس کے پاس جانوروں کا چارہ یا کھانا بچ جائے تو اس کو مال غنیمت میں جمع کردیگا۔

تشریح:۔ (٧١) جب مسلمان دار الحرب سے نکل آئیں تو پھر ان کیلئے جائز نہیں کہ مال غنیمت میں سے اپنے جانوروں کو کچھ کھلائیں یا اشیاء خورد ونوش میں سے خود کچھ کھائیں۔ (٧٢) بلکہ جس مجاہد کے پاس جانوروں کا چارہ یا کھانا بچ جائے تو اس کو مال غنیمت میں جمع

کردیگا کیونکہ اب اس میں غانمین کا حق مستحکم ہوا کما مرّ۔

(۷۳) ويَقسِمُ الإمَامُ الغَنِيمَةَ فيُخرِجُ خُمُسَهَا ويَقسِمُ الأربَعَةَ الأخمَاسَ بَينَ الغَانِمِينَ (۷۴) لِلفَارِسِ سَهمَانِ ولِلرَّاجِلِ سَهمٌ عِندَ أبِي حَنِيفَةَ رحِمَهُ اللهُ وقَالا رحِمَهُمَا اللهُ لِلفَارِسِ ثَلاثَةُ أسهُمٍ۔

ترجمہ:۔اور امام مالِ غنیمت کو تقسیم کریگا پس پہلے خمس نکالے اور باقی چار خمس کو مجاہدین میں تقسیم کردے پھر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک شاہسوار کیلئے دو حصے ہیں اور پیدل کا ایک حصہ ہے اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں شہسوار کے تین حصے ہیں۔

تشریح:۔(۷۳) مال غنیمت کو دار الاسلام لانے کے بعد امام اسکو اس طرح تقسیم کردے کہ پہلے کل مال کا خمس نکالے اسکو اپنے پاس محفوظ کرلے (تین فرقوں میں تقسیم کریگا جن کا ذکر بعد میں آیگا) باقی چار خمس کو مجاہدین میں تقسیم کردے۔

(۷۴) پھر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مجاہدین میں سے شاہسوار (گھوڑے والے) کیلئے دو حصے ہیں اور پیدل کا ایک حصہ ہے کیونکہ یہ معلوم کرنا کہ کس نے زیادہ کام کیا ہے متعذر ہے تو زیادتی کا حکم ظاہری سبب پر دائر ہوگا اور شہسوار میں دو سبب ظاہر ہیں ایک اسکی ذات اور دوسرا اس کا گھوڑا اور پیدل میں صرف ایک سبب یعنی اس کی ذات ہے لہذا سوار کا پیدل سے استحقاق دو چند ہوگا۔صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک شہسوار کے تین حصے ہیں اور پیدل کا ایک حصہ ہے (امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے)۔

(۷۵) ولا يُسهِمُ إلا لِفَرَسٍ وَاحِدٍ (۷٦) وَالبَرَاذِينُ وَالعِتَاقُ سَوَاءٌ (۷۷) ولا يُسهِمُ لِرَاحِلَةٍ وَلا بَغلٍ۔

ترجمہ:۔اور حصہ نہ مقرر کرے مگر ایک گھوڑے کا اور گھوڑوں میں براذین اور عتاق برابر ہیں اور حصہ مقرر نہ کرے بارکش جانوروں اور خچروں کا۔

تشریح:۔(۷۵) یعنی اگر کسی مجاہد کے پاس دو تین گھوڑے ہیں تو ان میں سے اسکو صرف ایک گھوڑے کا حصہ ملے گا کیونکہ قتال صرف ایک ہی گھوڑے پر ہوتا ہے دو یا زیادہ پر نہیں۔(۷٦) پھر گھوڑوں میں براذین (برذون کی جمع ہے ترکی گھوڑے کو کہتے ہیں) اور عتاق (عتیق کی جمع ہے عربی گھوڑے کو کہتے ہیں) برابر ہیں کیونکہ لفظ خیل کا اطلاق سب پر برابر ہوتا ہے اور کلام اللہ شریف میں خیل ہی کا ذکر ہے وھو قوله تعالیٰ ﴿وَمِن رِبَاطِ الخَيلِ تُرهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللهِ وَعَدُوَّكُم﴾ (یعنی اور مہیا کرو گھوڑے کہ جس سے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو خوف دلاؤ)۔(۷۷) مال غنیمت میں بارکش جانوروں (مثلاً اونٹ، گدھا وغیرہ) اور خچروں کا حصہ نہیں لگایا جائیگا کیونکہ گھوڑے کی طرح ان پر سوار ہو کر جنگ نہیں کی جاتی ہے۔

(۷۸) ومَن دَخَلَ دَارَ الحَربِ فَارِسًا فنَفَقَ فَرَسُهُ استَحَقَّ سَهمَ فَارِسٍ (۷۹) ومَن دَخَلَ رَاجِلًا فاشتَرى فَرَسًا استَحَقَّ سَهمَ رَاجِلٍ (۸۰) ولا يُسهِمُ لِمَملُوكٍ ولا امرَأَةٍ ولا ذِمِّيٍّ ولا صَبِيٍّ (۸۱) ولكِن يَرضَخُ لَهُم عَلى حَسبِ مَا يَرى الإمَامُ۔

ترجمہ:۔اور جو شخص دار الحرب میں گھوڑا لے کر داخل ہوا پھر اسکا گھوڑا مر گیا تو وہ سوار کے حصے کا مستحق ہوگا اور جو شخص پیدل دار الحرب

میں داخل ہوا پھر اس نے گھوڑا خرید لیا تو پیدل کے حصہ کا مستحق ہوگا اور نہ مقرر کرے مملوک کا حصہ اور نہ عورت کا اور نہ ذمی کا اور نہ بچہ کا لیکن ان کو کچھ دیدے جو امام مناسب سمجھے۔

تشریح:۔(۷۸)اگر کوئی دار الحرب میں گھوڑا لے کر داخل ہوا پھر اسکا گھوڑا مر گیا تو وہ سوار کے حصے کا مستحق ہوگا یعنی اسے دو حصے ملیں گے۔(۷۹)اگر کوئی پیدل دار الحرب میں داخل ہوا پھر وہاں اس نے گھوڑا خرید لیا تو پیدل کے حصہ کا مستحق ہوگا یعنی اسے ایک حصہ ملے گا کیونکہ یہ معلوم کرنا کہ جنگ کس نے زیادہ کیا ہے متعذر ہے لہذا سرحد پار کرنے کا اعتبار ہوگا اس وقت جس کا گھوڑا ہو وہ سوار شمار ہوگا جس کا نہ ہو وہ پیدل شمار ہوگا۔

(۸۰)مال غنیمت میں سے کسی مملوک یا عورت یا ذمی یا بچہ کا حصہ نہیں لگایا جائے گا۔(۸۱)ہاں امام ان کو کچھ دینا مناسب سمجھے تو دیدیں کیونکہ حضور ﷺ عورتوں اور بچوں اور غلاموں کا حصہ نہیں لگاتے تھے۔اور ذمی چونکہ کافر ہے اور جہاد عبادت ہے اور کافر میں عبادت کی لیاقت نہیں۔

(۸۲)وامّا الخمس فیقسم علی ثلثۃ اسھم سھم للیتامی وسھم للمساکین وسھم لابناء السبیل (۸۳)ویدخل فقراء ذوی القربی فیھم ویقدمون (۸۴)ولایدفع الی اغنیائھم شیئا۔

ترجمہ:۔بہرحال خمس تو وہ تقسیم کریگا تین حصوں پر ایک حصہ یتیموں کے لئے اور ایک حصہ مساکین کے لئے اور ایک حصہ مسافروں کے لئے اور ذوی القربیٰ مساکین انہیں میں داخل ہونگے اور مقدم کئے جائینگے اور ذوی القربیٰ کے اغنیاء کو کچھ نہیں دیا جائیگا۔

تشریح:۔(۸۲)مال غنیمت کا وہ پانچواں حصہ جو امام نے نکال کر اپنے پاس محفوظ کیا تھا۔وہ تین حصوں پر تقسیم کریگا ایک حصہ یتیموں کیلئے اور دوسرا حصہ مساکین کیلئے اور تیسرا حصہ ایسے مسافروں کیلئے جو اپنے اموال سے منقطع ہوں۔(۸۳)ان تین طبقات میں تنگدست ذوی القربیٰ(بنو ہاشم)بھی داخل ہیں دلیکن ان کو دوسروں پر مقدم کرینگے کیونکہ ان کو صدقات دینا جائز نہیں ولانّ اللہ قدمھم فی الآیۃ فقال ﴿ولذی القربی والیتامی الخ﴾۔(۸۴)ذوی القربیٰ(بنو ہاشم)کے اغنیاء کو خمس میں سے کچھ نہیں دیا جائیگا کیونکہ خمس میں سے حصہ کا استحقاق بناء بر فقر و الحاجۃ ہے۔

(۸۵)فامّا ذکر اللہ تعالیٰ لنفسہ فی کتابہ من الخمس فانّما ھو لافتتاح الکلام تبرکا باسمہ (۸۶)وسھم النبی ﷺ سقط بموتہ کما سقط الصفیّ (۸۷)وسھم ذوی القربی کانوا یستحقونہ فی زمن النبیّ صلی اللہ علیہ وسلّم بالنصرۃ وبعدہ بالفقر۔

ترجمہ:۔اور جس خمس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اپنے لئے ذکر کیا ہے تو وہ اللہ کے نام سے تبرک حاصل کرنے کے لئے کلام کے شروع میں ذکر کیا ہے اور حضور ﷺ کا حصہ آپ کے انتقال کی وجہ سے ساقط ہو گیا جیسے صفی ساقط ہو گیا اور ذوی القربیٰ کا حصہ کہ وہ دور نبویؐ میں نصرت کی وجہ سے مستحق ہوتے تھے اور آپ ﷺ کے بعد فقر کی وجہ سے۔

تشریح :۔(۸۵) اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ ﴿وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَه وَلِرَسُوْلِهٖ﴾ میں جو خمس میں اپنا حصہ ہونا ذکر کیا ہے تو وہ صرف کلام کو شروع کرنے میں اللہ تعالیٰ کے نام سے تبرک حاصل کرنے کیلئے مذکور ہے اس سے واقعی اللہ تعالیٰ کیلئے حصہ کا ہونا مراد نہیں۔

(۸۶) اور آیت مبارکہ میں جو حضور ﷺ کے حصہ کا ذکر ہے وہ آپ کی وفات ہونے کی وجہ سے ساقط ہو گیا ہے جیسا کہ صفی (صفی وہ شی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم غنیمت میں سے اپنے لئے پسند کر لیتے تھے جیسے زرہ یا تلوار یا لونڈی) ساقط ہو گیا ہے۔(۸۷) حضور ﷺ کے رشتہ دار (بنو ہاشم) آپ کے زمانے میں نصرت کی وجہ سے اپنے حصے کے مستحق ہوتے تھے اور آپ کی وفات کے بعد فقر وتنگدستی کی وجہ سے مستحق ہیں نصرت کی وجہ سے نہیں لِانْقِطَاعِ النُّصْرَةِ۔

(۸۸) وَاِذَا دَخَلَ الْوَاحِدُ اَوِ الْاِثْنَانِ اِلٰى دَارِ الْحَرْبِ مُغِيْرِيْنَ بِغَيْرِ اِذْنِ الْاِمَامِ فَاَخَذُوْا شَيْئًا لَمْ يُخَمَّسْ (۸۹) وَاِنْ دَخَلَ جَمَاعَةٌ لَهُمْ مَنَعَةٌ فَاَخَذُوْا شَيْئًا خُمِّسَ وَاِنْ لَمْ يَاْذَنْ لَهُمُ الْاِمَامُ۔

ترجمہ :۔ اور اگر ایک یا دو دار الحرب میں غارت گری کی نیت سے امام کی اجازت کے بغیر داخل ہو گئے اور وہاں سے کوئی چیز لے لیں تو خمس نہیں لیا جائے گا اور اگر کوئی ایسی جماعت داخل ہوئی جس کو قوت ومنعت حاصل ہے اور انہوں نے کوئی چیز لے لی تو خمس لیا جائیگا اگر چہ ان کو امام نے اجازت نہ دی ہو۔

تشریح :۔(۸۸) اگر مسلمانوں میں سے ایک یا دو دار الحرب میں امام کی اجازت کے بغیر غارت گری کی نیت سے داخل ہو گئے اور وہاں سے کوئی چیز لے آئے تو اس میں سے خمس نہیں لیا جائے گا کیونکہ مال مباح انہوں نے لیا ہے جو علی وجہ الغلبہ (یوں کہ دشمن پر غالب ہو کر لیا ہو) نہیں لیا ہے بلکہ چوری کر کے لیا ہے۔

(۸۹) اگر دار الحرب میں کوئی ایسی جماعت داخل ہوئی جس کو قوت ومنعت حاصل ہے اور انہوں نے وہاں سے کوئی چیز لے آئی تو اس میں سے خمس لیا جائیگا اگر چہ ان کو امام نے اجازت نہ دی ہو کیونکہ یہ غنیمت ہے اس لئے کہ انہوں نے یہ علی وجہ الغلبہ سے لیا ہے۔

(۹۰) وَاِذَا دَخَلَ الْمُسْلِمُ دَارَ الْحَرْبِ تَاجِرًا فَلَا يَحِلُّ لَه اَنْ يَتَعَرَّضَ لِشَيْءٍ مِنْ اَمْوَالِهِمْ وَلَا مِنْ دِمَائِهِمْ (۹۱) فَاِنْ غَدَرَ بِهِمْ فَاَخَذَ شَيْئًا مَلَكَه مِلْكًا مَحْظُوْرًا وَيُؤْمَرُ اَنْ يَتَصَدَّقَ بِهٖ۔

ترجمہ :۔ اور اگر کوئی مسلمان تجارت کیلئے دار الحرب میں داخل ہوا تو اس کیلئے حلال نہیں کہ ان کے مالوں سے تعارض کرے یا خونوں سے اور اگر اس نے ان کے ساتھ غدر کیا اور کوئی چیز لے لئے تو وہ ملک ممنوع کے طور پر اور اسے حکم دیا جائیگا کہ یہ مال صدقہ کر دے۔

تشریح :۔(۹۰) اگر کوئی مسلمان تجارت کرنے کیلئے دار الحرب میں داخل ہوا تو اس کیلئے وہاں غدر حرام ہے۔(۹) اگر اس نے ان کے ساتھ غدر کر کے ان کے کچھ اموال لے کر کے دار الاسلام لے آیا تو یہ شخص اسکا مالک ہو جائیگا کیونکہ ان کے اموال مباح ہیں مگر یہ ملک خبیث ہوگی کیونکہ غدر کر کے حاصل کی ہے لہذا اسے حکم دیا جائیگا کہ یہ مال صدقہ کر دے اپنے کام میں نہ لائے۔

(۹۲)وَاِذَا دَخَلَ الْحَرْبِیُّ اِلَیْنَا مُسْتَامِنًا لَمْ یُمَکَّنْ لَه اَنْ یُّقِیْمَ فِی دَارِنَا سَنَةً وَیَقُوْلُ لَه الْاِمَامُ اِنْ اَقَمْتَ تَمَامَ السَّنَةِ وَضَعْتُ عَلَیْکَ الْجِزْیَةَ (۹۳)فَاِنْ اَقَامَ سَنَةً اُخِذَتْ مِنه الجِزْیَةُ وَصَارَ ذِمِّیًّا وَلَمْ یُتْرَکْ اَنْ یَّرْجِعَ اِلٰی دَارِ الْحَرْبِ۔

ترجمہ:۔اور اگر کوئی حربی کافر امان لے کر ہمارے ملک میں آیا تو جائز نہیں اس کو یہ کہ دارالاسلام میں ایک سال تک ٹھہرے اور امام اس سے کہے اگر تو سال بھر یہاں رہے تو میں تجھ پر جزیہ مقرر کرونگا پس اگر وہ سال بھر رہا تو اس سے جزیہ لیا جائیگا اور وہ ذمی ہو جائیگا اور اب اسے نہیں چھوڑا جائیگا کہ دارالحرب چلا جائے۔

تشریح:۔(۹۲)اگر کوئی حربی کافر امان لے کر دارالاسلام میں داخل ہو جائے تو اس کو دارالاسلام میں ایک سال یا اس سے زیادہ نہیں ٹھہرنے دیا جائیگا کیونکہ کہیں یہ شخص حربیوں کا معاون نہ بنے کہ یہاں کی جاسوسی کرے جس میں مسلمانوں کا ضرر ہے بلکہ اس کو امان دیتے وقت امام ان سے کہے گا کہ اگر تو سال بھر یہاں رہیگا تو میں تجھ پر جزیہ مقرر کرونگا۔

(۹۳)پھر اگر وہ سال بھر یا اس سے زیادہ مقیم رہا تو اس سے جزیہ لیا جائیگا اور وہ ذمی ہو جائیگا کیونکہ یہاں سال بھر رہنے کی وجہ سے اس نے خود عملاً اس کا التزام کرلیا۔اب اسکو دارالحرب جانے کیلئے نہیں چھوڑا جائیگا کیونکہ عقد ذمہ نہیں توڑا جاتا ہے اسلئے کہ اس طرح تو جزیہ گھٹ جائیگا اور اسکی اولاد مسلمانوں کے خلاف لڑیگی جس میں مسلمانوں کا نقصان ہے۔

(۹۴)وَاِنْ عَادَ اِلٰی دَارِ الْحَرْبِ وَتَرَکَ وَدِیْعَةً عِنْدَ مُسْلِمٍ اَوْ ذِمِّیٍّ اَوْ دَیْنًا فِی ذِمَّتِهِمْ فَقَدْ صَارَ دَمُهٗ مُبَاحًا بِالْعَوْدِ (۹۵)وَمَا فِی دَارِ الْاِسْلَامِ مِنْ مَالِه عَلٰی خَطَرٍ فَاِنْ اُسِرَ اَوْ ظُهِرَ عَلَی الدَّارِ فَقُتِلَ سَقَطَتْ دُیُوْنُه وَصَارَتِ الْوَدِیْعَةُ فَیْئًا۔

ترجمہ:۔اور اگر وہ واپس دارالحرب چلا گیا اور کسی مسلمان یا ذمی کے پاس اپنی کوئی امانت چھوڑ دی یا ان کے ذمہ اپنا قرضہ چھوڑا تو واپس چلے جانے کی وجہ سے اس کا خون مباح ہو جائیگا اور دارالاسلام میں جو کچھ اس کا مال ہے وہ خطرہ میں ہے پھر اگر وہ قیدی بنایا گیا یا دارالحرب پر غلبہ ہو گیا وہ قتل کیا گیا تو اسکے قرضے ساقط ہو جائیں گے اور ودیعت فئی ہو جائے گی۔

تشریح:۔(۹۴)اگر کسی حربی کافر نے امان لے کر دارالاسلام آیا پھر واپس دارالحرب چلا گیا اور دارالاسلام میں کسی مسلمان یا ذمی کے پاس اپنی کوئی امانت چھوڑ دی یا اپنا کچھ قرضہ مسلمان یا ذمی کے ذمہ پر چھوڑا تو اب اس کے واپس چلے جانے کی وجہ سے اس کا خون مباح ہو جائیگا کیونکہ یہاں سے چلے جانے کی وجہ سے اسکا امان ختم ہوا۔

(۹۵)دارالاسلام میں جو کچھ اس کا مال ہے وہ اب خطرہ میں ہے یعنی موقوف ہے کیونکہ معصوم ہاتھ میں ہے پھر اگر یہ مسلمانوں کے ہاتھ قیدی ہو گیا یا مسلمانوں دارالحرب پر غالب آئے اور اسکو قتل کیا تو یہاں کے لوگوں پر جو اسکے قرضے ہیں وہ ساقط ہو جائیں گے کیونکہ مقروض کا قبضہ بنسبت عام مسلمانوں کے قبضہ کے اس مال پر پہلے سے ہے اسلئے اس مال کے ساتھ یہی مختص ہوگا تو قرض ساقط ہو جائیگا۔اور وہ امانت جو اس نے کسی مسلمان یا ذمی کے پاس رکھی تھی وہ اب فئی (یعنی غنیمت) ہو جائے گی کیونکہ حکماً یہ مال اس کے ہاتھ

میں تھااس لئے کہ مودَع کا قبضہ مودِع کے قبضہ کی طرح ہے اسلئے مال غنیمت ہوگی۔

(٩٦)وَمااَوْجَفَ عَليهِ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ اَمْوَالِ اَهْلِ الْحَرْبِ بِغَيْرِ قِتالٍ يُصْرَفُ فِي مُصَالِحِ الْمُسْلِمِيْنَ كَمَا يُصْرَفُ الخَرَاجُ۔

توجمه:۔اوراہل حرب کے جو مال مسلمانوں نے حملہ کر کے بغیر قتال کے لے لیا تو وہ مسلمانوں کے مصالح میں خرچ کیا جائیگا جیسے خراج خرچ کیا جاتا ہے۔

تشویح:۔(٩٦)اگر مسلمانوں نے اہل حرب پر حملہ کیا اور ان سے اموال بلا جنگ چھین لئے تو یہ اموال کل کے کل مسلمانوں کے مصالح میں خرچ کئے جائیں گے جیسا کہ جزیہ خرچ کیا جاتا ہے کیونکہ یہ مسلمانوں کی قوت سے بغیر قتال کے حاصل ہوئے ہیں فَـكَــانَ كَـــا الْخَرَاجِ وَالْجِزْيَةِ۔

(٩٧)وَاَرْضُ الْعَرَبِ كُلّهَا اَرْضُ عُشْرٍ(٩٨)وهِيَ مَابَيْنَ الْعُذَيْبِ اِلٰى اَقْصٰى حَجَرٍبالْيَمَنِ بِمَهْرَةٍ اِلٰى حَدِّ الشَّامِ (٩٩)وَالسَّوَادُ كُلّهااَرْضُ خَرَاجٍ وهو ما بَيْنَ الْعُذَيْبِ اِلٰى عَقَبَةِ حُلْوَانَ ومِنَ الْعَلَثِ اِلٰى عَبَادَانِ (١٠٠)واَرْضُ السَّوَادِ مَمْلُوكَةٌ لاِهْلِهَايجوزُ بَيْعُهُمْ لَهَا وَتَصَرُّفُهُمْ فِيهَا۔

توجمه:۔اور عرب کی کل زمین عشری ہے اور وہ عذیب سے انتہاء حجر یمن تک ہے اور مہرہ سے لیکر شام تک ہے اور سوادِ عراق کی کل زمین خراجی ہے اور وہ عذیب سے لیکر عقبہ حلوان تک ہے اور علث سے لے کر عبادان تک ہے اور عراق کی زمین وہاں کے باشندوں کی ملک ہے انہیں اسکا فروخت کرنا اور اس میں تصرف کرنا جائز ہے۔

تشویح:۔(٩٧)عرب کی کل زمین عشری ہے کیونکہ خراج ابتداءً صرف عقدِ ذمہ سے واجب ہوتا ہے اور عرب مشرکوں کے ساتھ عقدِ ذمہ صحیح نہیں۔(٩٨)عربوں کی زمین لمبائی میں عذیب (کوفہ کی بستیوں میں سے ایک کا نام ہے) سے لے کر یمن میں مہرہ (یمن میں ایک جگہ کا نام ہے) کے پتھر تک ہے اور عرض میں ریگ رواں سے لے کر حد شام تک ہے۔

(٩٩) سوادِ عراق کی زمین خراجی ہے کیونکہ ارض کفار کا وظیفہ خراج ہے۔اور عراقی زمین عرض میں عذیب سے لیکر عقبہ حلوان تک ہے اور طول میں علث سے لے کر عبادان تک ہے۔(١٠٠)عراق کی زمین وہاں کے باشندوں کی ملک ہے انہیں اسکا فروخت کرنا اور اس میں تصرف کرنا جائز ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو قہراً فتح کیا تھا پھر یہاں کے لوگوں کو اس پر برقرار رکھا تھا اور ان پر خراج مقرر کیا تھا تو یہ زمین انکی مملوک رہی۔

(١٠١)وَكُلّ اَرْضٍ اَسْلَمَ اَهْلُهَاعَليهَا اَوْ فُتِحَتْ عَنْوَةً وَقُسِّمَتْ بَيْنَ الْغَانِمِيْنَ فَهِيَ اَرْضُ عُشْرٍ (١٠٢)وَكُلّ اَرْضٍ فُتِحَتْ عَنْوَةً فَاُقِرَّ اَهْلُهَاعَليهَافَهِيَ اَرْضُ خَرَاجٍ۔

توجمه:۔اور جس زمین کے لوگ مسلمان ہو گئے یا جو زمین قہراً فتح کی گئی اور مجاہدین میں تقسیم کی گئی تو وہ زمین عشری ہے اور جو زمین قہراً

فتح کی گئی اور زمین والوں کو وہاں قائم رکھا گیا تو وہ زمین خراجی ہے۔

تشریح:۔(۱۰۱) یعنی جس زمین کے لوگ اس سے پہلے کہ امام ان پر قدرت حاصل کرے مسلمان ہوگئے تو ان کی یہ زمین عشری ہوگی اسی طرح جو زمین امام قہراً فتح کر کے مجاہدین میں تقسیم کردے وہ بھی عشری ہے کیونکہ مسلمانوں کی زمین کا وظیفہ یہی ہے اور مسلمان کے حق میں عشر زیادہ لائق ہے کیونکہ عشر میں عبادت کا معنی پایا جاتا ہے۔(۱۰۲) جو زمین قہراً فتح کی گئی اور پھر امام نے زمین والوں کو اس پر برقرار رکھا تو یہ زمین خراجی ہے کیونکہ خراج کفار کی زمین کا وظیفہ ہے اور کفار کیلئے یہی مناسب ہے کیونکہ اس میں عقوبت کا معنی پایا جاتا ہے۔

(۱۰۳) وَمَنْ اَحْيَا اَرْضًا مَوَاتًا فَهِيَ عِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ مُعْتَبَرَةٌ بِحَيِّزِهَا فَاِنْ كَانَتْ مِنْ حَيِّزِ اَرْضِ الْخَرَاجِ فَهِيَ خَرَاجِيَّةٌ وَاِنْ كَانَتْ مِنْ حَيِّزِ اَرْضِ الْعُشْرِ فَهِيَ عُشْرِيَّةٌ (۱۰۴) وَالْبَصْرَةُ عِنْدَنَا عُشْرِيَّةٌ بِاِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ اِنْ اَحْيَاهَا بِبِئْرٍ حَفَرَهَا اَوْ بِعَيْنٍ اِسْتَخْرَجَهَا اَوْ بِمَاءِ الدِّجْلَةِ اَوِ الْفُرَاتِ اَوِ الْاَنْهَارِ الْعِظَامِ الَّتِيْ لَا يَمْلِكُهَا اَحَدٌ فَهِيَ عُشْرِيَّةٌ وَاِنْ اَحْيَاهَا بِمَاءِ الْاَنْهَارِ الَّتِيْ اِحْتَفَرَهَا الْاَعَاجِمُ مِثْلُ نَهْرِ الْمَلِكِ وَنَهْرِ يَزْدَجِرْدَ فَهِيَ خَرَاجِيَّةٌ۔

ترجمہ:۔اور جس نے ارض موات کو آباد کیا تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اسکا اعتبار برابر والی زمین سے ہوگا تو اگر وہ قریب والی زمین خراجی ہے تو یہ بھی خراجی ہوگی اور اگر وہ عشری ہے تو یہ بھی عشری ہوگی اور بصرہ ہمارے نزدیک عشری ہے اجماع صحابہؓ سے اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر زمین کو آباد کیا کنواں کھود کر یا چشمہ نکال کر یا دجلہ یا فرات یا ان بڑی نہروں کے پانی سے جن کا کوئی مالک نہیں ہے تو وہ عشری ہے اور آباد کیا ان نہروں کے پانی سے جن کو عجمیوں نے کھودا ہے جیسے نہر ملک اور نہر یزدجرد تو وہ زمین خراجی ہے۔

تشریح:۔(۱۰۳) جس نے ارض موات یعنی غیر آباد زمین کو آباد کیا تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اس زمین کے عشری یا خراجی ہونے کا اندازہ اس کے برابر اور قریب کی زمین سے کیا جائیگا اگر وہ قریب والی زمین خراجی ہے تو یہ بھی خراجی ہوگی اور اگر وہ عشری ہے تو یہ بھی عشری ہوگی کیونکہ قریب شی حکم میں شی کے ہوتا ہے۔(۱۰۴) البتہ بصرہ ہمارے نزدیک عشری ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق قیاس مقتضی تھا کہ بصرہ خراجی ہو کیونکہ خراجی زمین کے قریب ہے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس پر عشر مقرر فرمایا ہے اسلئے قیاس کو ترک کر دیا ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اگر ارض موات کو بارش کے پانی سے سیراب کی ہو یا کنواں کھود کر یا چشمہ نکال کر زمین کو سیراب کی ہو یا دریا دجلہ یا دریا فرات یا ایسی کسی بڑی نہر سے سیراب کی ہو جس کا کوئی مالک نہ ہو جیسے سیحون اور جیحون تو ایسی زمین عشری ہے کیونکہ اس کا پانی عشری ہے اور اگر ایسی بڑی نہروں کے پانی سے سیراب کی ہو جن کو عجمی بادشاہوں نے کھودا ہو جیسے نہر ملک کسریٰ نوشیروان یا نہر یزدجرد تو یہ زمین خراجی ہے کیونکہ اعتبار پانی کا ہے اسلئے کہ پیداوار کا سبب پانی ہوتا ہے (امام ابو یوسف کا قول راجح ہے)۔

☆ ☆ ☆

(۱۰۵)وَالخَراجُ الَّذِیْ وَضَعَهُ عُمَرُرَضِیَ اللّٰہُ تَعالیٰ عَنْهُ عَلیٰ اَهْلِ السَّوَادِ مِنْ کُلِّ جَرِیْبٍ یَبْلُغُهُ الْمَاءُ وَیَصْلُحُ لِلزَّرْعِ قَفِیْزُهَا شِمِیٌّ وهو الصَّاعُ وَدِرْهَمٌ (۱۰۶)ومن جَرِیْبِ الرَّطْبَةِ خَمْسَةُ دَرَاهِمَ (۱۰۷)ومِنْ جَرِیْبِ الْکَرْمِ الْمُتَصِلِ وَالنَّخْلِ الْمُتَصِلِ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ۔

ترجمہ:۔اورخراج جوحضرت عمرؓنے اہل عراق پرمقررکیاوہ ہرایک جریب جس کوپانی پہنچتاہواورکھیتی کے قابل ہوایک قفیز ہاشمی اوروہ ایک صاع اورایک درہم ہےاورترکاریوں کی ایک جریب میں سے پانچ درہم ہیں اور گھنے انگوراور گھنے کھجورکی ایک جریب میں دس درہم ہیں۔

تشریح:۔(۱۰۵)خراج وہی مقررکیاجائیگاجوحضرت عمررضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل عراق پرمقررکیاتھااوروہ اس حساب سے تھاکہ ہر جریب (زمین کاوہ قطعہ جس کاطول وعرض ساٹھ زراع ہو) جس کوپانی پہنچتاہواورزراعت کاقابل ہوکی پیداوارمیں سے ایک قفیز ہاشمی ہے قفیز ہاشمی ایک صاع نبویؐ اورایک درہم ہے۔(۱۰۶)اورترکاریوں کی ایک جریب میں پانچ درہم ہیں۔(۱۰۷)انگوراورکھجورکے درخت اگرگھنے ہوں تواس کی ایک جریب میں دس درہم ہیں اسی حساب سے حضرت عمررضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی موجودگی میں عراق والوں پرمقررکیاتھااورصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس پرانکارنہیں فرمایاتھاتویہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کااجماع ہے۔

(۱۰۸)ومَا سِوَی ذَالِکَ مِنَ الْاَ صْنَافِ یُوْضَعُ عَلَیْهَا بِحَسْبِ الطَّاقَةِ(۱۰۹) فَاِنْ لَمْ تُطِقْ ما وُضِعَ عَلَیْهَانَقَصَهَا الْإِمامُ۔

ترجمہ:۔اوراس کے علاوہ دوسری قسم کی زمینوں پربحسب الطاقۃ خراج مقررکیاجائیگااوراگراس کی طاقت نہ رکھتی ہوجواس پرمقررکیاگیا ہوتوامام اسکوکم کرے۔

تشریح:۔(۱۰۸)اورمذکورہ بالااقسام کے علاوہ دوسری قسم کی زمینیں (مثلاًجس میں زعفران کاشت کی ہو) ہوں توان پربحسب الطاقۃ خراج مقررکیاجائیگاکیونکہ حضرعمررضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خراج مقررکرنے میں طاقت زمین کالحاظ کیاہےتوجن زمینوں میں آپ نے خراج مقررنہیں کیاہےان میں ہم بھی طاقت زمین کالحاظ کرینگے۔(۱۰۹)اگرایسی صورت پیش آئی کہ جتناخراج زمین پرمقررکیاہووہ اس کوبرداشت نہ کرسکتی ہویعنی خراج پیداوارکاثلث ہوتوامام اس خراج کوکم کرکے بقدرطاقت کردیگا۔

(۱۱۰)وإنْ غَلَبَ عَلیٰ اَرْضِ الْخَرَاجِ الْمَاءُ اَوِانْقَطَعَ عنها اَوْ اِصْطَلَمَ الزَّرْعَ آفَةٌ فَلاخَرَاجَ علیهِمْ (۱۱۱)وإنْ عَطَّلَهَاصَاحِبُهَا فَعَلَیهِ الْخَرَاجُ۔

ترجمہ:۔اوراگرخراجی زمین پرپانی غالب آیایااسکاپانی منقطع ہوگیایاکھیتی کوآفت نے بربادکردی توان پرخراج نہیں اوراگرخراجی زمین کے مالک نے زمین کوبیکارچھوڑی تواس پرخراج واجب ہوگا۔

تشریح:۔(۱۱۰)اگرخراجی زمین پرپانی چڑھ آیاجس کی وجہ سے زمین قابل زراعت نہ رہی یااسکاپانی منقطع ہوگیایاکھیتی کوکوئی ایسی سماوی آفت پہنچی جس سے وہ بربادہوگئی توان پرخراج نہیں کیونکہ قدرت زراعت نہ رہی جوکہ خراج میں معتبر

ہے۔(۱۱۱) اگر خراجی زمین کے مالک نے امکانِ زراعت کے باوجود زمین کو بیکار چھوڑی تو اس پر خراج واجب ہوگا کیونکہ اس کو زراعت کی قدرت تھی اس نے خود ضائع کردی۔

(۱۱۲)وَمَنْ اَسْلَمَ مِنْ اَهْلِ الْخَرَاجِ اُخِذَمنه الخَرَاجُ عَلٰی حَالِه (۱۱۳)ويَجُوزُ اَنْ يَشْتَرِیَ الْمُسْلِمُ مِنَ الذِّمِّیِّ اَرْضَ الْخَرَاجِ وَيُؤْخَذُمنه الخَرَاجُ (۱۱۴)ولاعُشْرَفی الْخَارِجِ مِنْ اَرْضِ الْخَرَاجِ۔

ترجمه:۔اوراہل خراج میں سے جس نے اسلام لایا تواب بھی اس سے بدستور خراج لیا جائیگا اور مسلمان کیلئے ذمی سے خراجی زمین خریدنا جائز ہے اور مسلمان سے بھی خراج ہی لیا جائیگا اور خراجی زمین کی پیداوار میں عشر نہیں۔

تشریح:۔(۱۱۲) جن لوگوں پر خراج واجب ہے اگر ان میں سے کوئی مسلمان ہوگیا تواب بھی اس سے بدستور خراج لیا جائیگا کیونکہ اس کی زمین خراجی ہونے کے ساتھ متصف ہوگئی لہذا اب مالک میں تغیر آنے سے صفتِ زمین میں تغیر نہیں آئیگا۔

(۱۱۳) مسلمان کیلئے ذمی سے خراجی زمین خریدنا جائز ہے کیونکہ جس طرح کہ ذمی کی دوسری املاک خریدنا جائز ہے اسی طرح خراجی زمین خریدنا بھی جائز ہے۔اور مسلمان مشتری سے بھی خراج ہی لیا جائیگا کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم خراجی زمینیں خریدتے اور اسکا خراج دیا کرتے تھے تو یہ خراجی زمین خریدنے اور اسکا خراج دینے کے جواز کی دلیل ہے۔

(۱۱۴) خراجی زمین کی پیداوار میں عشر نہیں ہے بلکہ صرف خراج ہے کیونکہ خراج ایسی زمین میں واجب ہوتا ہے جو بزورِ شمشیر فتح کی گئی ہو اور عشر ایسی زمین میں واجب ہوتا ہے جہاں کے لوگ بطور خود مسلمان ہوئے ہوں اور یہ دونوں باتیں ایک ہی زمین میں جمع نہیں ہوسکتی ہیں۔

(۱۱۵)وَالجزْيَةُ علی ضَرْبَيْنِ جِزْيَةٌ تُوْضَعُ بِالتَّرَاضِیْ وَالصُّلحِ فَتُقَدَّرُ بِحَسْبِ ما يَقَعُ عَلَيْهِ الْاِتِّفَاقُ (۱۱۶)وَجِزْيَةٌ يَبْتَدِئُ الْاِمامُ بِوَضْعِهَا اِذَا غَلَبَ الْاِمامُ عَلَی الْكُفَّارِ واَقَرَّهُمْ علی اَمْلاكِهِمْ (۱۱۷)فَيَضَعُ عَلَی الْغَنِیِّ الظَّاهِرِ الْغِنٰی فی كُلِّ سَنَةٍ ثَمَانِيَةً وَاَرْبَعِيْنَ دِرهَمًا يَاْخُذُمنه فی كُلِّ شَهْرٍ اَرْبَعَةَ دَرَاهِمَ وعَلَی الْمُتَوَسِّطِ الْحَالِ اَرْبَعَةً وعِشْرِيْنَ دِرْهَمًافی كُلِّ شَهْرٍ دِرْهَمَيْنِ وعلی الْفَقِيْرِ الْمُعْتَمِلِ اِثْنَیْ عَشَرَدِرْهَمًافی كُلِّ شَهْرٍ دِرْهَمًا۔

ترجمه:۔اور جزیہ دو قسم پر ہے ایک وہ کہ باہمی رضامندی اور صلح سے مقرر کیا جائے تو اتنا مقرر کیا جائے جس پر فریقین نے اتفاق کیا ہو اور وہ جزیہ ہے کہ امام اس کے مقرر کرنے کی ابتداء کرے جب امام کفار پر غالب آئے اور ان کو ان کے املاک پر باقی رکھے تو ایسا غنی جس کی غناء ظاہر ہو پر سالانہ اڑتالیس (۴۸) درہم مقرر کرلے ہر ماہ اس سے چار درہم لے اور متوسط الحال پر سالانہ چوبیس درہم مقرر کرے ہر ماہ دو درہم اور فقیر مزدوری کرنے والے پر بارہ درہم مقرر کرے ہر ماہ میں ایک درہم۔

تشریح:۔(۱۱۵) جزیہ (ٹیکس جو ذمی کافر سے لیا جاتا ہے) دو قسم پر ہے ایک وہ کہ باہمی رضامندی اور صلح سے مقرر کیا جائے تو اسکی مقدار وہی ہوگی جس پر فریقین نے اتفاق کیا ہو کیونکہ اس کا موجب تراضی ہے تو جس پر اتفاق ہوا ہے اس سے تجاوز کرنا غدر شمار ہوگا جو کہ جائز نہیں۔

(۱۱٦) دوسری قسم جزیہ وہ ہے کہ جب امام کفار پر غالب آئے اور ان کے ملک کو فتح کر لے اور ان کی ملکیت ان کو ان ہی کے قبضہ میں دے کر خود ہی ابتداً کر کے ان پر جزیہ مقرر کر دے۔

(۱۱۷) اس قسم جزیہ کی مقدار کی تفصیل یوں ہے کہ اگر وہ ایسا غنی ہو جس کی غناء ظاہر ہو یعنی جو دس ہزار یا اس سے زائد دراہم کا مالک ہو اس پر سالانہ اڑتالیس (۴۸) درہم مقرر کرے گا پھر برائے اسانی ہر ماہ اس سے چار درہم لیا جائیگا۔ اور جو لوگ متوسط درجہ کے ہیں یعنی جو دوسو یا اس سے زیادہ درہم کے مالک ہوں ان پر سالانہ چوبیس درہم مقرر کریگا اور برائے اسانی ہر ماہ دو درہم لیا جائیگا۔ اور جو لوگ فقیر (جو دوسو درہم سے کم کے مالک ہوں اَوْ لَا یَـمْـلِکُ شَیْـأً) ہوں اور مزدوری کرتے ہوں ان سے سالانہ بارہ درہم لیا جائیگا ہر ماہ ایک درہم لیا جائیگا۔

(۱۱۸) وَتُوْضَعُ الْجِزْيَةُ عَلَى اَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمَجُوْسِ وعَبَدَةِ الْاَوْثَانِ مِنَ الْعَجَمِ (۱۱۹) ولاتُوْضَعُ على عَبَدَةِ الْاَوْثَانِ مِنَ الْعَرَبِ (۱۲۰) وَلاعلى الْمُرْتَدِّيْنَ۔

ترجمہ:۔ اور مقرر کیا جائیگا جزیہ اہل کتاب پر اور مجوسیوں پر اور عجمی بت پرستوں پر اور جزیہ مقرر نہیں کیا جائیگا عرب کے بت پرستوں پر اور نہ مرتدین پر۔

تشریح:۔ (۱۱۸) جزیہ اہل کتاب اور مجوسیوں پر مقرر کیا جائیگا لقوله تعالىٰ ﴿ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوْا الْكِتَابَ حَتّٰى يُعْطُوْا الْجِزْيَةَ ﴾ (یعنی ان سے یہاں تک لڑو کہ وہ ماتحت ہو کر اور رعیت بن کر جزیہ دینا منظور کریں)۔ اور حضور ﷺ نے مجوس ہجر پر جزیہ مقرر کیا تھا۔ عجمی عبدۃ الاوثان (بت پرست) پر مقرر کیا جائیگا کیونکہ ان کو غلام بنانا جائز ہے تو ان پر جزیہ مقرر کرنا بھی جائز ہے۔

(۱۱۹) عرب کے بت پرستوں پر جزیہ مقرر نہیں کیا جائیگا کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کے درمیان پیدا ہوئے اور قرآن مجید انہیں کی زبان میں نازل ہوا ہے تو ان کے حق میں معجزات بہت ظاہر ہیں لہذا یہ لوگ اب کفر کرنے میں معذور نہیں۔ (۱۲۰) مرتدین پر جزیہ مقرر نہیں کیا جائیگا کیونکہ انہوں نے اسلام کی طرف ھدایت پانے کے بعد کفر کیا تو ان سے اسلام یا تلوار کے سوا کچھ قبول نہیں کیا جائیگا۔

(۱۲۱) وَلا جِزْيَةَ عَلَى اِمْرَأَةٍ ولاصَبِيٍّ ولا زَمِنٍ وَلاَاَعْمٰى (۱۲۲) ولا عَلَى فَقِيْرٍ غَيْرِ مُعْتَمِلٍ (۱۲۳) ولا على الرُّهْبَانِ الَّذِيْنَ لايُخَالِطُوْنَ النَّاسَ (۱۲۴) وَمَنْ اَسْلَمَ وعَلَيْهِ جِزْيَةٌ سَقَطَتْ عنه (۱۲۵) وَاِنْ اِجْتَمَعَ عَلَيْهِ الْحَوْلَانِ تَدَاخَلَتِ الْجِزْيَتَانِ۔

ترجمہ:۔ اور عورت پر جزیہ نہیں اور نہ نابالغ بچے پر اور نہ اپاہج پر اور نہ اندھے پر اور نہ فقیر غیر مزدور کار پر اور نہ ایسے راہبوں پر جو لوگوں سے خلط ملط نہ رکھتے ہوں اور جس نے اسلام لایا اور اس کے ذمہ جزیہ باقی تھا تو وہ اسکے ذمہ سے ساقط ہو جائیگا اور اگر اس پر دو سال کا جزیہ جمع ہو جائے تو ان میں تداخل ہو جائیگا۔

تشریح:۔(۱۲۱)یعنی کافرہ عورت، نابالغ بچے، اپاہج اور اندھے پر جزیہ نہیں کیونکہ جزیہ کافروں پر انکو قتل کرنے کے عوض میں واجب ہوتا ہے یا ان کے قتال کی وجہ سے واجب ہوتا ہے جبکہ مذکورہ بالا لوگ نہ تو قتل کئے جاتے ہیں اور نہ یہ قتال کرتے ہیں کیونکہ ان میں قتال کی اہلیت نہیں۔(۱۲۲)اور ایسے فقیر پر بھی جزیہ نہیں جو مزدوری نہیں کرتا ہو کیونکہ اس میں طاقت نہیں۔

(۱۲۳)ایسے راہبوں پر بھی جزیہ نہیں جو آبادی سے باہر اپنی جھونپڑیوں میں تنہا رہتے ہوں وجہ یہ ہے کہ جب یہ لوگوں سے میل جول نہیں رکھتے ہیں تو ان کو قتل کرنے کا حکم نہیں اور کافروں پر جزیہ قتل ہی کے ساقط ہونے کی وجہ سے رکھا جاتا ہے اسلئے ان پر جزیہ نہیں۔(۱۲۴)اگر کسی کے ذمہ جزیہ تھا اور وہ مسلمان ہوگیا تو وہ جزیہ اسکے ذمہ سے ساقط ہو جائیگا کیونکہ جزیہ بطور عقوبت کے واجب ہوتا ہے اور اسلام کی وجہ سے عقوبت ختم ہو جاتی ہے اسلئے جزیہ بھی ساقط ہو جائیگا۔

(۱۲۵)اگر کسی ذمی پر دو سال کا جزیہ جمع ہو جائے تو ان میں تداخل ہو جائیگا یعنی اب ایک سال کا جزیہ ادا کریگا کیونکہ جزیہ عقوبت ہے اور قاعدہ ہے کہ جہاں ایک قسم کی دو عقوبتیں جمع ہوتی ہیں وہاں ایک پر اقتصار کیا جاتا ہے جیسے حدود میں۔

(۱۲۶)ولایجوزُ اِحداثُ بِیعَةٍ ولا کَنِیسَةٍ فی دارِ الاِسْلامِ (۱۲۷)واِذاانهدَمَتِ البِیَعُ وَالْکَنَایِسُ الْقَدِیمَةُاعادُوهَا۔

ترجمہ:۔اور دار الاسلام میں نصاریٰ اور یہود کا نیا عبادت خانہ بنانا جائز نہیں اور اگر پرانا عبادت خانہ منہدم ہوگیا تو ان کو بنالیں۔

تشریح:۔(۱۲۶)یعنی دار الاسلام میں نصاریٰ اور یہود کیلئے جدید بیعہ (معبد نصاریٰ) اور کنیسہ (معبد یہود) بنانا جائز نہیں۔(۱۲۷)البتہ اگر پرانی بیعہ یا کنیسہ منہدم ہوگئی تو ان کو بنالیں کیونکہ عمارت ہمیشہ نہیں رہتی ہے اور جب امام نے ذمیوں کو باقی رکھا تو گویا اس نے ان کی عبادت گاہوں کے دوبارہ بنانے کا بھی عہد دیدیا ہے۔

(۱۲۸)ویُؤخَذُ اَهلُ الذِّمَّةِ بِالتَّمیِیزِ عَنِ الْمُسْلِمِینَ فی زِیِّهِمْ ومَرَاکِبِهِمْ وسُرُوْجِهِمْ وقَلانِسِهِمْ (۱۲۹)ولایَرْکَبُوْنَ الْخَیْلَ ولایَحْمِلُوْنَ السِّلاحَ۔

ترجمہ:۔اور ذمیوں سے عہد لیا جائیگا مسلمانوں سے ممتاز رہنے کا اپنے لباس میں اور سواریوں میں اور زینوں میں اور ٹوپیوں میں اور ذمی گھوڑوں پر سوار نہ ہونگے اور نہ اسلحہ اٹھائیں۔

تشریح:۔(۱۲۸)جو ذمی دار الاسلام میں رہتے ہوں ان سے یہ عہد لیا جائیگا کہ ان میں اور مسلمانوں میں تمیز ہونے کیلئے وہ اپنے لباس میں سواریوں، زینوں اور ٹوپیوں میں کوئی نشان رکھیں کہ جس سے یہ ذمی معلوم ہو جایا کریں تاکہ ان کا حقیر ہونا ظاہر ہو اور کمزور عقیدے کے مسلمان محفوظ رہیں۔(۱۲۹)ذمی دار الاسلام میں گھوڑوں پر سوار نہ ہوں اور نہ اپنے ساتھ اسلحہ اٹھائیں کیونکہ اس میں ان کیلئے وسعت ہے وَقَدْ اُمِرْنَا بِالتَّضْیِیقِ عَلَیْهِمْ۔

(۱۳۰)وَمَنْ اِمْتَنَعَ مِنْ اَدَاءِ الْجِزْيَةِ او قَتَلَ مُسْلِمًا اَوْ سَبَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ زَنٰى بِمُسْلِمَةٍ لم يَنْتَقِضْ عَهْدُه (۱۳۱)وَلا يَنْتَقِضُ الْعَهْدُ اِلَّا بِاَنْ يَلْحَقَ بِدَارِ الْحَرْبِ اَوْ يَغْلِبُوْا عَلٰى مَوْضِعٍ فَيُحَارِبُوْنَا۔

ترجمہ:۔ اور جو ذمی جزیہ ادا کرنے سے رک گیا یا کسی مسلمان کو قتل کیا یا حضورﷺ کو برا بھلا کہا یا کسی مسلمان عورت کے ساتھ زنی کیا تو اس کا عہد نہیں ٹوٹے گا اور عہد نہیں ٹوٹیگا مگر یہ کہ وہ دار الحرب چلا جائے یا وہ کسی مقام پر غالب ہو جائے اور مسلمانوں کے ساتھ لڑنا شروع کردے۔

تشریح:۔ (۱۳۰) اگر ذمی نے جزیہ ادا کرنے سے انکار کیا یا کسی مسلمان کو قتل کیا یا حضورﷺ کو برا بھلا کہا یا کسی مسلمان عورت کے ساتھ زنی کیا تو اس کے ذمی ہونے کا عہد نہیں ٹوٹے گا کیونکہ اسکے ساتھ قتال کرنا جس حد پر ختم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ کافر اپنے اوپر جزیہ کا التزام کرے نہ یہ کہ جزیہ ادا کرے لہذا جزیہ سے رکنے کی صورت میں جزیہ اس سے جبراً لیا جائیگا۔ اور قتل مسلم کی صورت میں اس سے قصاص لیا جائیگا۔ اور زنی کی صورت میں اس پر حد قائم کی جائے گی۔ اور حضورﷺ کو برا بھلا کہنے کی صورت میں اسے سزا دی جائے گی۔

(۱۳۱) ذمی کا عہد نہیں ٹوٹیگا مگر یہ کہ وہ دار الحرب چلا جائے یا ذمیوں کی جماعت کسی مقام پر غالب ہو کر مسلمانوں کے ساتھ لڑنا شروع کردے تو ان کا عہد ختم ہو جائیگا کیونکہ اب ذمی ہونے کا عہد بے فائدہ ہوا اسلئے کہ معاہدہ تو لڑائی کی شروع کرنے کیلئے تھا جبکہ انہوں نے تو لڑائی شروع کردی ہے۔

(۱۳۲)وَاِذَا ارْتَدَّ الْمُسْلِمُ عَنِ الْاِسْلَامِ عُرِضَ عَلَيْهِ الْاِسْلَامُ فَاِنْ كَانَتْ لَه شُبْهَةٌ كُشِفَتْ لَه (۱۳۰)وَيُحْبَسُ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ فَاِنْ اَسْلَمَ وَاِلَّا قُتِلَ (۱۳۰)فَاِنْ قَتَلَهٗ قَاتِلٌ قَبْلَ عَرْضِ الْاِسْلَامِ عَلَيْهِ كُرِهَ لَه ذَالِکَ ولاشَىْءَ عَلَى الْقَاتِلِ۔

ترجمہ:۔ اور اگر کوئی مسلمان اسلام سے مرتد ہوا (العیاذ باللہ) تو اس پر اسلام پیش کیا جائیگا پس اگر اسکو کوئی شبہ ہو تو اسے دور کردیا جائیگا اور تین دن تک اسکو قید کردیا جائیگا پس اگر اس نے اسلام لایا تو فبہا و نعمت ورنہ قتل کردیا جائیگا اور اگر اس کو قتل کیا اس پر اسلام پیش کرنے سے پہلے تو اس کے لئے یہ فعل مکروہ ہے اور قاتل پر کچھ نہیں۔

تشریح:۔ (۱۳۲) اگر کوئی مسلمان مرتد ہوا (العیاذ باللہ) تو استحباباً اس پر اسلام پیش کیا جائیگا پھر اگر اسکو کوئی شبہ پیدا ہو گیا ہو تو اسے دور کردیا جائیگا۔ اور تین دن تک اسکو قید کردیا جائیگا ہر روز اس پر اسلام پیش کیا جائیگا تو اگر اس نے اسلام لایا تو فبہا ونعمت۔ (۱۳۳) اور اگر اسلام نہیں لایا تو اسے قتل کردیا جائیگا "لِحَدِيْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَرَکَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ " (یعنی جس نے اپنا دین چھوڑ دیا اس کو قتل کرو)۔ (۱۳۴) اگر اسلام پیش کرنے سے پہلے کسی نے مرتد کو قتل کردیا تو یہ فعل مکروہ ہے مگر قاتل پر قصاص یا دیت کچھ نہیں کیونکہ اس نے مباح الدم شخص کو قتل کردیا ہے۔

(۱۳۵)وَاَمَّا الْمَرْاَةُ اِذَا ارْتَدَّتْ فَلَاتُقْتَلُ (۱۳۶)وَلٰكِنْ تُحْبَسُ حَتّٰى تُسْلِمَ۔

ترجمہ:۔ اور بہر حال عورت اگر مرتدہ ہوگئی تو وہ قتل نہیں کی جائے گی لیکن قید کردی جائے گی یہاں تک کہ وہ اسلام لائے۔

تشریح:۔(۱۳۵) اگر کوئی مسلمان عورت مرتدہ ہوگئی تو وہ قتل نہیں کی جائے گی کیونکہ حضورﷺ نے عورتوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے اور حضورﷺ نے کافرہ اصلیہ و مرتدہ میں کوئی فرق بیان نہیں کیا ہے۔(۱۳۶) لیکن مرتدہ کو قید کردی جائے گی یہاں تک کہ وہ مسلمان ہوجائے کیونکہ وہ اللہ کے حق کا اقرار کر کے اسکو ادا کرنے سے انکار کرتی ہے تو قید کر کے اسکے ادا کرنے پر مجبور کی جائے گی کَمَا فِی حُقُوقِ الْعِبَادِ۔

(۱۳۷) وَیَزُوْلُ مِلْکُ الْمُرْتَدِّ عَنْ اَمْوَالِهٖ بِرِدَّتِهٖ زَوَالاً مُرَاعاً (۱۳۸) فَاِنْ اَسْلَمَ عَادَتْ اِلٰی حَالِهَا (۱۳۹) وَاِنْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ عَلٰی رِدَّتِهٖ اِنْتَقَلَ مَا اِکْتَسَبَهٗ فِی حَالِ الْاِسْلَامِ اِلٰی وَرَثَتِهِ الْمُسْلِمِیْنَ (۱۴۰) وَکَانَ مَا اِکْتَسَبَهٗ فِی حَالِ رِدَّتِهٖ فَیْئاً۔

ترجمہ:۔اور مرتد کی ملکیت اپنے مالوں سے مرتد ہونے وجہ سے زائل ہوجاتی ہے بارعایت زوال پس اگر اس نے اسلام لایا تو اپنی حالت پر لوٹ آئیگی اور اگر حالت ردّت میں مرگیا یا قتل کیا گیا تو اسکا وہ مال جو اس نے حالت اسلام میں کمایا ہے اسکے مسلمان وارثوں کی طرف منتقل ہوجائیگا اور جو مال اس نے حالت ردت میں کمایا ہے وہ غنیمت ہے۔

تشریح:۔(۱۳۷) یعنی مرتد کی ملکیت اپنے مالوں سے مرتد ہونے وجہ سے زائل ہوجاتی ہے کیونکہ اسکا خون معصوم نہ رہا تو اسکا مال بھی معصوم نہیں رہیگا مگر مرتد کی ملک کا یہ زوال موقوف رہیگا یہاں تک کہ اسکا حال واضح ہوجائے کیونکہ اس کا حال متردد ہے کہ اسلام لاکر عصمت کی طرف لوٹے گا یا مرتد رہ کر قتل ہوجائیگا۔

(۱۳۸) پھر اگر اس نے اسلام لایا تو اس کے مال کی عصمت سابقہ حال کی طرف لوٹ کر آئیگی کانہ لم یرتد۔(۱۳۹) اور اگر حالت ردّت میں مرگیا یا قتل کیا گیا تو اسکا وہ مال جو اس نے حالت اسلام میں کمایا تھا وہ اسکے مسلمان وارثوں کی طرف منتقل ہوجائیگا کیونکہ یہ مال مرتد ہونے سے پہلے موجود تھا اور وارث کی نسبت اسکے اسلام کے آخری جزء کی طرف ہوگی کیونکہ ردت بمنزلہ موت کے ہے تو یہ توریث المسلم من المسلم ہے۔(۱۴۰) اور جو مال اس نے حالت ردت میں کمایا ہے وہ مال غنیمت ہوجائیگا اور بیت المال میں رکھا جائیگا کیونکہ حالت ردت کی کمائی مباح الدم کی کمائی ہے جس میں کسی کا حق نہیں تو غنیمت ہوگی جیسے حربی کا مال۔

(۱۴۱) وَاِنْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ مُرْتَدًّا وَحَکَمَ الْحَاکِمُ بِلِحَاقِهٖ عَتَقَ مُدَبَّرُوْهُ وَاُمَّهَاتُ اَوْلَادِهٖ وَحَلَّتِ الدُّیُوْنُ الَّتِیْ عَلَیْهِ (۱۴۲) وَانْتَقَلَ مَا اِکْتَسَبَهٗ فِی حَالِ الْاِسْلَامِ اِلٰی وَرَثَتِهٖ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔

ترجمہ:۔اور اگر کوئی شخص مرتد ہو کر دارالحرب چلا گیا اور حاکم نے اسکے دارالحرب چلے جانے کا حکم کردیا تو اس کے مدبر غلام اور امہات اولاد آزاد ہوجائیں گے اور اس کے قرضے فوری ہوجائیں گے اور جو اس نے حالت اسلام میں کمایا ہے وہ اسکے مسلمان وارثوں کی طرف منتقل ہوجائے گا۔

تشریح:۔(۱۴۱) اگر کوئی شخص مرتد ہو کر دارالحرب چلا گیا اور حاکم نے اسکے دارالحرب چلے جانے کا حکم کردیا تو اس کے ثلث مال سے اس کے مدبر غلام اور کل مال سے اسکی امہات اولاد لونڈیاں آزاد ہوجائیں گی اور اس کے وہ قرضے جو اس کے ذمہ میعادی تھے فوری ہوجائیں گے۔

(۱۴۲) اور اسکی حالت اسلام کی کمائی اسکے مسلمان وارثوں کی طرف منتقل ہو جائے گی کیونکہ دار الحرب چلے جانے کی وجہ سے وہ حربی ہو گیا اور حربی مسلمانوں کے احکام کے بارے میں بمنزلہ مردہ کے ہے کیونکہ ان پر کوئی بات لازم کرنے کی ولایت منقطع ہے کَمَا هِيَ مُنْقَطِعَةٌ عَنِ الْمَوْتٰى۔

(۱۴۳) وَيُقْضٰى الدُّيُوْنُ الَّتِيْ لَزِمَتْهُ فِيْ حَالِ الْإِسْلَامِ مِمَّا اِكْتَسَبَهٗ فِيْ حَالِ الْإِسْلَامِ (۱۴۴) وَمَا لَزِمَهٗ مِنَ الدُّيُوْنِ فِيْ حَالِ رِدَّتِهٖ يُقْضٰى مِمَّا فِيْ حَالِ رِدَّتِهٖ۔

ترجمہ:۔ اور اس کے وہ قرضے جو حالتِ اسلام میں اس پر لازم ہوئے تھے وہ اسکی حالت اسلام کی کمائی سے ادا کئے جائیں گے اور جو قرضے حالت ارتداد میں اس پر لازم ہوئے وہ اسکی حالت ارتداد کی کمائی سے ادا کئے جائیں گے۔

تشریح:۔ (۱۴۳) مرتد پر جو قرضے حالت اسلام میں لازم ہوئے تھے وہ اسکی حالت اسلام کی کمائی سے ادا کئے جائیں گے۔ (۱۴۴) اور جو قرضے حالت ارتداد میں اس پر لازم ہوئے ہیں وہ اسکی حالت ارتداد کی کمائی سے ادا کئے جائیں گے یہ ایک روایت ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے یہی امام زفر رحمہ اللہ کا قول ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ ہے کہ کل قرضے خاص کر اس کمائی سے ادا کئے جائیں گے جو حالت ردت میں کمائی ہے اگر وہ کافی نہ ہو تو باقی ماندہ قرضے اس کمائی سے ادا کئے جائیں گے جو حالت اسلام میں اس نے کمائی ہے۔

(۱۴۵) وَمَا بَاعَهٗ اَوِ اشْتَرَاهُ اَوْ تَصَرَّفَ فِيْهِ مِنْ اَمْوَالِهٖ فِيْ حَالِ رِدَّتِهٖ مَوْقُوْفٌ (۱۴۶) فَاِنْ اَسْلَمَ صَحَّتْ عُقُوْدُهٗ وَاِنْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ اَوْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ بَطَلَتْ۔

ترجمہ:۔ اور اس کی حالتِ ردّت میں جو کوئی چیز اس نے فروخت کی یا خرید لی یا اپنے مال میں کوئی تصرف کیا تو موقوف رہیگا پس اگر اس نے اسلام لایا تو اسکے تصرفات صحیح ہو جائیں گے اور اگر وہ مر گیا یا قتل کر دیا گیا یا دار الحرب چلا گیا تو باطل ہو جائیں گے۔

تشریح:۔ (۱۴۵) اگر کسی نے حالت ارتداد میں کوئی چیز فروخت کی یا خرید لی یا اپنے مال میں کوئی اور تصرف کیا مثلاً کسی کو کوئی چیز ہبہ کیا یا اپنا غلام آزاد کیا تو اس کا یہ ہر ایک تصرف موقوف رہیگا یہاں تک کہ اسکا حال معلوم ہو جائیگا۔ (۱۴۶) تو اگر اس نے اسلام لایا تو یہ سب تصرفات اسکے صحیح ہو جائیں گے لِمَا مَرَّ اَنَّهٗ يَصِيْرُ كَاَنَّهٗ لَمْ يَزَلْ اور اگر وہ مر گیا یا قتل کر دیا گیا یا دار الحرب چلا گیا اور حاکم نے اسکے چلے جانے کا حکم کر دیا تو اسکے یہ سارے تصرفات باطل ہو جائیں گے کیونکہ وہ اب معصوم الدم نہیں رہا تو اسکی اہلیت میں خلل واقع ہوا۔

(۱۴۷) وَاِنْ عَادَ الْمُرْتَدُّ بَعْدَ الْحُكْمِ بِلِحَاقِهٖ اِلٰى دَارِ الْاِسْلَامِ مُسْلِمًا فَمَا وَجَدَهٗ فِيْ يَدِ وَرَثَتِهٖ مِنْ مَالِهٖ بِعَيْنِهٖ اَخَذَهٗ۔

ترجمہ:۔ اور اگر اس کے دار الحرب چلے جانے کا حکم کرنے کے بعد وہ مسلمان ہو کر دار الاسلام واپس لوٹ آیا تو اپنے مال میں سے اپنے وارثوں کے پاس جو بعینہ پائے گا اسکو لے لیگا۔

تشریح:۔ (۱۴۷) اگر مسلمان حاکم نے مرتد کے دار الحرب چلے جانے کا حکم کر دیا وہ پھر مسلمان ہو کر دار الاسلام واپس لوٹ آیا تو اپنے

مال میں سے اپنے ورثاء کے پاس یا بیت المال میں جس کو بعینہ پائے گا اسکو لے لیگا کیونکہ وارث اور بیت المال اس کا قائم مقام اسی وجہ سے ہوا تھا کہ مرتد اس مال سے مستغنی ہو گیا تھا اور جب وہ مسلمان ہو کر واپس لوٹ آیا تو اس مال کا محتاج ہوا لہذا وہی مقدم اور حقدار ہوگا۔

(۱۴۸) وَالْمُرْتَدَّةُ اِذَا تَصَرَّفَتْ فِي حَالِ رِدَّتِهَا جَازَ تَصَرُّفُهَا۔

ترجمہ:۔ اور مرتدہ عورت اپنے ارتداد کی حالت میں جو تصرف کرے گی تو اس کا تصرف جائز ہوگا۔

تشریح:۔ (۱۴۸) مرتدہ عورت اپنے ارتداد کی حالت میں جو تصرف اپنے مال میں کرے گی تو اس کا تصرف جائز ہوگا کیونکہ وہ اس کی ملک ہے اور اسکے مرتد ہونے سے اسکی ملک زائل نہیں ہوتی۔

(۱۴۹) وَنَصَارىٰ بَنِيْ تَغْلِبَ يُؤْخَذُ مِنْ اَمْوَالِهِمْ ضِعْفُ مَا يُؤْخَذُ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ مِنَ الزَّكوٰةِ (۱۵۰) وَيُؤْخَذُ مِنْ نِسَائِهِمْ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْ صِبْيَانِهِمْ۔

ترجمہ:۔ اور بنی تغلب کے نصاریٰ سے ان کے اموال میں سے ٹیکس اس زکوۃ کا دوچند لیا جائیگا جو مسلمانوں سے لی جاتی ہے اور انکی عورتوں سے بھی لیا جائیگا اور ان کے بچوں سے نہیں لیا جائیگا۔

تشریح:۔ (۱۴۹) یعنی خاندان بنی تغلب کے نصاریٰ کے مالوں سے ٹیکس اس زکوۃ کا دوچند لیا جائیگا جو مسلمانوں سے لی جاتی ہے کیونکہ ان کے ساتھ صلح اسی طرح ہوئی تھی۔ (۱۵۰) اور انکی عورتوں سے بھی لیا جائیگا لیکن ان کے بچوں سے نہیں لیا جائیگا کیونکہ صلح دوچند زکوۃ پر واقع ہوئی ہے اور زکوۃ عورتوں پر واجب ہوتی ہے بچوں پر نہیں تو دوچند کا بھی یہی حال ہوگا۔

فائدہ:۔ بنی تغلب عرب کی نسل سے ہے جو زمانہ جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان لوگوں سے جزیہ طلب کیا تو ان لوگوں نے انکار کیا اور کہا کہ ہم عرب ہیں ہم سے دیگر عربوں کا سا معاملہ کیا جائے مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مشرک سے صدقہ نہیں لونگا یہ سن کر ان میں سے بعض بھاگ کر نصاریٰ روم کے ساتھ جا ملے پس نعمان بن زرعہ نے عرض کیا یا امیر المؤمنین ان کو جزیہ دینے سے شرم آتی ہے لہذا آپ صدقہ کے نام سے ان سے جزیہ وصول کریں اور دشمنوں کو ان کی مدد نہ کرنے دیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکو طلب کیا جتنی مقدار مسلمانوں سے زکوۃ کی لی جاتی تھی اسکا دوچند ان کے مردوں وعورتوں پر مقرر کیا اور اس پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اتفاق کیا۔

(۱۵۱) وَمَا جَبَاهُ الْاِمَامُ مِنَ الْخَرَاجِ وَمِنْ اَمْوَالِ بَنِيْ تَغْلِبَ وَمَا اَهْدَاهُ اَهْلُ الْحَرْبِ اِلَى الْاِمَامِ وَالْجِزْيَةُ تُصْرَفُ فِيْ مَصَالِحِ الْمُسْلِمِيْنَ فَيُسَدُّ مِنْهَا الثُّغُوْرُ وَتُبْنَى الْقَنَاطِرُ وَالْجُسُوْرُ وَيُعْطٰى مِنْهُ قُضَاةُ الْمُسْلِمِيْنَ عُمَّالُهُمْ وَعُلَمَاؤُهُمْ مَا يَكْفِيْهِمْ وَيُدْفَعُ مِنْهُ اَرْزَاقُ الْمُقَاتِلَةِ وَذَرَارِيْهِمْ۔

ترجمہ:۔ اور جو امام نے [illegible] اور بنی تغلب کے اموال اور جو اہل حرب نے امام کے پاس تحفۃً بھیجا ہو اور جزیہ، مسلمانوں کی عام مصلحتوں میں صرف کیا جائیگا پس اس [illegible] بند کی جائیں گی اور پل بنائے جائیں گے اور اس سے مسلمانوں کے قاضیوں

، عاملوں اور عاملوں کو اتنا دیا جائیگا جو ان کے لئے کافی ہو اور اس سے غازیوں اور ان کی اولا د کا روزینہ دیا جائیگا۔

تشریح:۔ (۱۵۱) یعنی جو مال امام نے خراج اور جزیہ اور بنی تغلب سے لے کر جمع کیا ہو یا جو اہل حرب نے امام کے پاس تحفۃً بھیجا ہو یہ سب مسلمانوں کی عام مصلحتوں میں صرف کیا جائیگا جیسے دار الاسلام کی سرحدات کو فوجوں سے مضبوط کرنا اور دریاؤں اور نہروں پر پل بنانا اسی طرح مسلمانوں کے قاضیوں اور عمال (جیسے مفتی محتسب وغیرہ) اور علماء کو اتنا دینا جو انکے اور انکی اولاد کیلئے کفایت کرے۔ اسی طرح اس سے مجاہدین اور انکے اہل وعیال کا رزق دینا، وجہ یہ ہے کہ یہ اموال مسلمانوں کی قوت سے بغیر قتال کے حاصل ہوئے ہیں تو یہ مسلمانوں کی عام مصلحتوں کیلئے ہوگا اور مذکورہ بالا مصارف عام لوگوں کی مصلحتوں میں سے ہیں۔

(۱۵۲) وإذَا تَغَلَّبَ قَوْمٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ على بَلَدٍ وَخَرَجُوْا عَنْ طَاعَةِ الْإمَامِ دَعَاهُمْ إلَى الْعَوْدِ إلَى الْجَمَاعَةِ وَكَشَفَ عَنْ شُبْهَتِهِمْ وَلَايَبْدَأُهُمْ بِالْقِتَالِ حَتّٰى يَبْدَؤُهُ (۱۵۳) فَإنْ بَدَؤُا قَاتَلَهُمْ حَتّٰى تَفَرَّقَ جَمَاعَتُهُمْ (۱۵۴) وإنْ كَانَتْ لَهُمْ فِئَةٌ أجْهَزَ عَلَى جَرِيْحِهِمْ وَيَتَّبِعُ مُوَلِّيْهِمْ (۱۵۵) وإنْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ فِئَةٌ لَمْ يُجْهِزْ عَلَى جَرِيْحِهِمْ ولم يَتَّبِعْ مُوَلِّيْهِمْ (۱۵۶) ولاتُسْبٰى لَهُمْ ذُرِّيَّةٌ ولايُقْسَمُ لَهُمْ مالٌ۔

ترجمہ:۔ اور اگر مسلمانوں کی کوئی قوم کسی شہر چڑھائی کرے اور امام کی اطاعت سے نکل جائے تو امام انکو مسلمانوں کی جماعت کی طرف لوٹ آنے کی دعوت دے اور ان انکے شبہ کو دور کر دے اور ان کے ساتھ جنگ کرنے کی ابتداء نہ کرے یہاں تک کہ وہ ابتداء کریں پس اگر انہوں نے جنگ کی ابتداء کر لی تو ان سے جنگ کرے یہاں تک کہ ان کی جماعت ٹوٹ جائے اور اگر ان کی کوئی مددگار جماعت ہو تو ان کے زخمیوں کو قتل اور ان کے بھاگنے والوں کا تعاقب کرے اور اگر ان کی کوئی مددگار جماعت نہ ہو تو ان کے مجروحوں کو قتل نہ کرے اور نہ انکے بھاگے ہوؤں کا تعاقب کرے اور نہ ان کی اولاد کو قید کرے اور نہ ان کے مال کو تقسیم کرے۔

تشریح:۔ (۱۵۲) اگر مسلمانوں کی کوئی قوم امام یا نائب امام کی اطاعت سے نکل کر کسی شہر پر چڑھائی کرے تو استحباباً امام یا اسکا نائب انکو مسلمانوں کی جماعت کی طرف لوٹ آنے کی دعوت دے اور اگر ان کا کوئی شبہ ہو تو انکے شبہ کو دور کر دے اسلئے کہ ممکن ہے کہ شر اسی سے دفع ہو جائے۔ اور خود امام انکے ساتھ جنگ کرنے کی ابتداء نہ کرے یہ امام قدوریؒ کی رائی ہے امام خواہرزادہ کی رائی یہ ہے کہ امام ان کے ساتھ جنگ کرنے کی ابتداء کریگا کیونکہ مہلت دینے میں وہ قوت پاتے ہیں تو بعد میں کبھی انکا دفع کرنا ممکن نہیں ہوتا ہے۔

(۱۵۳) اگر انہوں نے جنگ کی ابتداء کر لی تو امام بھی ان سے جنگ کرے یہاں تک کہ ان کی جماعت ٹوٹ جائے لِقولہ تعالیٰ ﴿فَقَاتِلُوْا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْءَ إلَى أمْرِ اللهِ﴾ (یعنی پس قتال کرو اس گروہ مؤمنین سے جو بغاوت کرتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے حکم کی جانب جھک جائے)۔

(۱۵۴) پھر اگر ان باغیوں کی کوئی مددگار جماعت اور بھی ہو جن کے پاس یہ پناہ لیتے ہیں تو جنگ میں جو انکے مجروح ہیں ان کو قتل کر دے اور بھاگنے والوں کا تعاقب کرے تا کہ ان کا شر دفع ہو ایسا نہ ہو کہ یہ اپنی جماعت سے مل جائے۔ (۱۵۵) اور اگر ان کی کوئی

مددگار جماعت نہ ہو تو ان کے مجروحوں کو قتل نہ کرے اور نہ انکے بھاگے ہوؤں کا تعاقب کرے کیونکہ مقصود ان کی جماعت کی تفریق ہے جو حاصل ہو گیا۔ (۱۵۶) ان کے بچوں اور عورتوں کو غلام نہ بنائے اور نہ ان کے مال کو بطور غنیمت تقسیم کرے کیونکہ یہ لوگ مسلمان ہیں تو اسلام ان کے نفس اور مال کے لئے عاصم ہے۔

(۱۵۷) وَلَابَاسَ اَنْ یُقَاتِلُوْا بِسَلَاحِهِمْ اِنْ اِحْتَاجَ الْمُسْلِمُوْنَ اِلَیْهِ (۱۵۸) وَیَحْبِسُ الْاِمَامُ اَمْوَالَهُمْ وَلَایَرُدُّهَا عَلَیْهِمْ وَلَایَقْسِمُهَا حَتّٰی یَتُوْبُوْا فَیَرُدُّهَا عَلَیْهِمْ۔

ترجمہ:۔ اور کوئی مضائقہ نہیں کہ ان کے ہتھیار سے جنگ کرے اگر مسلمانوں کو اس کی ضرورت ہو اور امام ان کے اموال کو روک دے نہ انکو واپس کردے اور نہ مجاہدین میں تقسیم کردے یہاں تک کہ وہ توبہ کرلیں پھر ان کو ان پر واپس کردے۔

تشریح:۔ (۱۵۷) اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ مسلمان باغیوں کے ہتھیار لے کر ان کیساتھ لڑے بشرطیکہ مسلمانوں کو اسکی ضرورت ہو اور ہتھیار ان کے پاس نہ ہو کیونکہ ایسا کرنا بوقت ضرورت تو عادلوں کے مال میں بھی جائز ہے باغیوں کے مال میں تو بطریقہ اولی جائز ہے۔ (۱۵۸) امام ان کے اموال کو روک دے نہ انکو واپس کردے اور نہ مجاہدین میں تقسیم کردے لِمَا مَرَّ اَنَّ اَمْوَالَهُمْ لَاتُغْنَمُ لیکن ان اموال کو اس وقت تک روک دے گا جب تک کہ وہ توبہ کریں بعد از توبہ ان کے اموال ان کو واپس کردے کیونکہ اب ان کی بغاوت ختم ہو گئی۔

(۱۵۹) وَمَا جَبَاهُ اَهْلُ الْبَغْیِ مِنَ الْبِلَادِ الَّتِیْ غَلَبُوْا عَلَیْهَا مِنَ الْخَرَاجِ وَالْعُشْرِ لَمْ یَاْخُذْهُ الْاِمَامُ ثَانِیًا (۱۶۰) فَاِنْ كَانُوْا صَرَفُوْهُ فِیْ حَقِّهٖ اَجْزَاَ مَنْ اُخِذَ منه (۱۶۱) وَاِنْ لم یَكُوْنُوْا صَرَفُوْهُ فِیْ حَقِّهٖ فَعَلٰی اَهْلِهٖ فِیْمَا بَیْنَهُمْ وَبَیْنَ اللّٰهِ تَعَالٰی اَنْ یُعِیْدُوْا ذَالِكَ۔

ترجمہ:۔ اور جو کچھ خراج اور عشر باغیوں نے وصول کرلیا ان شہروں سے جن پر وہ غالب آگئے تھے تو امام ان سے دوبارہ نہ لے پس اگر باغیوں نے اسے اپنے موقع پر خرچ کیا تو کافی ہے اس کی طرف سے جس سے لیا گیا ہے اور اگر باغیوں نے اپنے مصرف پر خرچ نہیں کیا ہو تو اس کے مالک پر دیانۃً فی ما بینہ وبین اللہ یہ ہے کہ اس کا اعادہ کرے۔

تشریح:۔ (۱۵۹) جن شہروں پر باغی قابض ہو گئے ان کا عشر وخراج اگر باغیوں نے لے لیا ہو تو بعد از فتح امام ان سے دوبارہ عشر وخراج نہیں لے گا کیونکہ امام کو اخذ عشر وخراج کا حق انکی حمایت کی وجہ سے حاصل ہے حالانکہ امام نے تو ان کی حفاظت نہیں کی ہے لہذا اخذ عشر وخراج کا بھی حق نہیں رکھتا ہے۔ (۱۶۰) پھر اگر باغیوں نے اس مال کو جہاں صرف کرنا چاہئے تھا وہاں صرف کیا ہو تو جن لوگوں سے لیا گیا ہو ان کیلئے یہی کافی ہو گیا وہ بری الذمہ ہیں کیونکہ حق اپنے مستحق کو پہنچ گیا۔

(۱۶۱) اور اگر باغیوں نے اپنے مصرف پر خرچ نہیں کیا ہو تو جن لوگوں نے مال دیا ہے ان پر دیانۃً فیما بینهم وبین الله یہ واجب ہو گا کہ دوبارہ یہ مال اسکے مستحقین کو ادا کریں کیونکہ حق مستحق کو نہیں پہنچا ہے۔ دیانۃً کا معنی یہ ہے کہ حاکم ان سے مطالبہ نہیں کریگا بلکہ وہ خود ہی اس وجہ سے ادا کریں کہ وہ مال مستحق کو نہیں پہنچا ہے۔

كتاب الحظر والاباحة

یہ کتاب حظر اور اباحت کے بیان میں ہے۔

"كتاب الحظر والاباحة" کو معاملات اور عبادات کے بعد ذکر کیا اسلئے کہ حظر والاباحت کا سب کے ساتھ تعلق ہے تو یہ گویا کہ فوت شدہ مضامین کا استدراک ہے۔ "حظر" لغۃً بمعنی منع ہے اور شریعت میں حظر وہ ہے جس کے استعمال سے شرعاً روکا گیا ہو۔اور اباحت ضد ہے حظر کی۔ چونکہ اس کتاب میں ان امور کا بیان ہے جن کو شریعت نے ممنوع یا مباح قرار دیا ہے اس لئے اس کتاب کا نام حظر والاباحت رکھا ہے۔

بعضوں نے اس کتاب کو ،استحسان، کا عنوان دیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ان امور کا بیان ہے جن کو شریعت نے حسن یا قبیح قرار دیا ہے۔اور بعضوں نے ،کتاب الکراہت، کا نام دیا ہے کیونکہ اس میں مکروہات کا بیان ہے جو کہ دیگر امور سے اہم ہیں۔اور مباح وہ ہے جس کا فعل اور ترک بلا استحقاق ثواب وعقاب کے مکلفین کیلئے جائز قرار دیا ہو۔

(۱) وَلَايَحِلُّ لِلرَّجُلِ لُبْسُ الحَرِيْرِ وَيَحِلُّ لِلنِّسَاءِ (۲) ولَابَأسَ بِتَوَسُّدِهِ عِنْدَ اَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يُكْرَهُ تَوَسُّدُهُ۔

ترجمہ:۔اور حریر پہننا مردوں کے لئے حلال نہیں اور عورتوں کیلئے حلال ہے اور اس پر تکیہ لگانے میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک کچھ مضائقہ نہیں اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں اس پر تکیہ لگانا مکروہ ہے۔

تشریح:۔(۱) حریر (ریشم سے بنا ہوا کپڑا) پہننا مردوں کے لئے حلال نہیں اور عورتوں کیلئے حلال ہے "لقوله ﷺ اَحَلَّ الْحَرِيْرُ وَالذَّهَبُ لِإِنَاثِ اُمَّتِیْ وَحَرَمَ عَلٰی ذُكُوْرِهَا" (یعنی حریر اور سونا میری امت کی عورتوں کے لئے حلال کیا گیا اور ان کے ذکور کے لئے حرام کیا گیا)۔(۲) حریر پر تکیہ لگانے اور اس پر سونے میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ اس میں استخفاف بالحریر ہے تو یہ ایسا ہے جیسے بچھونے پر تصاویر جس پر بیٹھنا جائز ہے اور پہننا جائز نہیں۔صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک حریر پر تکیہ لگانا اور اس پر سونا بھی مکروہ ہے کیونکہ حدیث شریف میں عام ممانعت ہے جو تکیہ وغیرہ سب کو شامل ہے۔

(۳) وَلَابَأسَ بِلُبْسِ الْحَرِيْرِ وَالدِّيْبَاجِ فِي الْحَرْبِ عِنْدَهُمَا وَيُكْرَهُ عِنْدَ اَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ۔

ترجمہ:۔اور دیبا پہننے میں صاحبینؒ کے نزدیک لڑائی کے وقت کوئی حرج نہیں ہے اور امام صاحبؒ کے نزدیک مکروہ ہے۔

تشریح:۔(۳) صاحبینؒ کے نزدیک لڑائی کے وقت دیبا (ایک قسم کا ریشمین کپڑا ہے) پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے اسلئے کہ لڑائی میں اسکی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ تلوار اسکو نہیں کاٹتی ہے اور دشمن کو بھی اس سے ہیبت ہوتی ہے۔امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک لڑائی کے وقت بھی اسکا پہننا مکروہ ہے کیونکہ حضور ﷺ نے ریشم کے پہننے سے مطلقاً منع فرمایا ہے کوئی تفصیل نہیں بیان کی ہے کہ غیر جہاد میں مکروہ ہے اور جہاد میں مکروہ نہیں۔اور لڑائی میں بھی ریشم کے علاوہ دوسرے کپڑے کام دے سکتے ہیں لہذا اس کی ضرورت نہیں۔

(٤)وَلَابَأسَ بِلُبْسِ المُلْحَمِ اِذَا كَانَ سَدَاهُ اِبْرِيْسَمًا وَلُحْمَتُهُ قُطْنًا اَوْ خَزًّا۔

ترجمہ:۔اور ملحم کے پہننے میں کوئی حرج نہیں جبکہ اس کا تانا ریشم کا ہو اور بانا سوت کا یا خز کا ہو۔

تشریح:۔(٤) ملحم (ایک قسم کا کپڑا ہے جس کا تانا ریشم کا اور بانا غیر ریشم کا ہوتا ہے امام قدوری رحمہ اللہ نے خود بھی متن میں اس تعریف کو بیان کیا ہے) کے پہننے میں کوئی حرج نہیں جبکہ اس کا تانا (وہ دھاگے جو کپڑا بننے میں لمبائی کی طرف ہوں) ریشم کا ہو اور بانا (وہ دھاگے جو کپڑا بننے میں چھوڑائی کی طرف ہوں) سوت کا یا خز کا ہو (خز وہ کپڑا ہے جس کا تانا ریشم کا ہوتا ہے اور بانا ایک آبی جانور کے بالوں کا ہوتا ہے) کیونکہ کپڑا تو اس وقت کپڑا ہوتا ہے کہ بُنا جائے اور بُننا بانے سے ہوتا ہے تو بانا ہی معتبر ہے نہ کہ تانا۔

(٥)وَلَا يَجُوزُ لِلرِّجَالِ التَّحَلِّي بِالذَّهَبِ وَالفِضَّةِ (٦)وَلَابَأسَ بِالخَاتَمِ وَالمِنْطَقَةِ وَحِلْيَةِ السَّيْفِ مِنَ الفِضَّةِ (٧)وَيَجُوزُ لِلنِّسَاءِ التَّحَلِّيْ بِالذَّهَبِ وَالفِضَّةِ (٨)وَيُكْرَهُ اَنْ يُلْبَسَ الصَّبِيُّ الذَّهَبَ وَالحَرِيْرَ۔

ترجمہ:۔اور جائز نہیں مردوں کیلئے سونے اور چاندی کا زیور پہننا اور کوئی حرج نہیں چاندی کی انگوٹھی میں اور منطقہ میں اور تلوار کے زیور میں جو چاندی کا ہو اور جائز ہے عورتوں کیلئے سونے چاندی کا زیور پہننا اور مکروہ ہے کہ لڑکے کو سونا یا ریشم پہنائے۔

تشریح:۔(٥) مردوں کیلئے سونے اور چاندی کا زیور پہننا جائز نہیں ہے کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ حریر اور سونا میری امت کے مردوں پر حرام ہیں اور چاندی سونے کے معنی میں ہے۔(٦) چاندی کی انگوٹھی جائز ہے بشرطیکہ ایک مثقال (مثقال چار ماشہ چار رتی کا ہوتا ہے) کی مقدار یا اس سے کم ہو اسی طرح منطقہ (کمر بند) اور تلوار کا زیور اگر چاندی کا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ چاندی کی جگہ پر ہاتھ نہ لگے کیونکہ اس کی اباحت میں آثار موجود ہیں ۔(٧) عورتوں کیلئے سونے چاندی کا زیور پہننا جائز ہے۔(٨) لڑکوں کو سونا چاندی یا ریشم پہنانا مکروہ ہے کیونکہ جب مردوں کے حق میں تحریم ثابت ہوئی اور پہننا حرام ہوا تو پہنانا بھی حرام ہوگا جیسے شراب کا پینا حرام ہے پلانا بھی حرام ہے۔

(٩)وَلَا يَجُوزُ الاَكْلُ وَالشُّرْبُ وَالاِدِّهَانُ وَالتَّطَيُّبُ فِي آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالفِضَّةِ لِلرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ (١٠)وَلَابَأسَ بِاسْتِعْمَالِ آنِيَةِ الزُّجَاجِ وَالرَّصَاصِ وَالبِلَّوْرِ وَالعَقِيْقِ۔

ترجمہ:۔اور جائز نہیں سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا، پینا، تیل لگانا اور خوشبو لگانا مردوں اور عورتوں کے لئے اور کوئی حرج نہیں شیشہ، رانگ، بلور اور عقیق کے برتن استعمال کرنے میں۔

تشریح:۔(٩) سونے چاندی کے برتنوں میں مردوں اور عورتوں سب کیلئے کھانا، پینا، تیل لگانا اور خوشبو لگانا جائز نہیں کیونکہ حضور ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔(١٠) شیشہ، رانگ (ایک قسم کا عمدہ سیسہ) بلور (ایک قسم کا سفید وشفاف جوہر) اور عقیق (سرخ رنگ کا قیمتی پتھر ہے) کے برتن استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ یہ سونے چاندی کے معنی میں نہیں ہیں۔

☆ ☆ ☆

الالغاز :۔اي إناء من غير النقدين وليس مغصوبا ولا مملوكا للغير يحرم استعماله ؟

فقل:۔المتخذ من أجزاء الآدمي ۔ (الاشباہ والنظائر)

(۱۱)وَيَجُوْزُ شُرْبٌ فِي الْإِنَاءِ الْمُفَضَّضِ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰه (۱۲)وَيَجُوْزُ الرُّكُوْبُ عَلَى السَّرْجِ الْمُفَضَّضِ وَالْجُلُوْسُ عَلَى السَّرِيْرِ الْمُفَضَّضِ۔

ترجمہ:۔اور جائز ہے چاندی چڑھے ہوئے برتن میں پینا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور جائز ہے چاندی چڑھی ہوئی زینوں پر سوار ہونا اور چاندی چڑھے ہوئے تخت پر بیٹھنا۔

تشریح:۔(۱۱)جن برتنوں پر چاندی کا ملمع (چاندی چڑھایا ہو) ہوان میں پینا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے۔(۱۲)اور جن زینوں پر چاندی کا ملمع ہوان پر سوار ہونا اور جس تخت پر چاندی کا ملمع ہو اس پر بیٹھنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے بشرطیکہ چاندی کی جگہ سے خود کو بچائے کیونکہ اگر کسی نے چاندی کی انگوٹھی پہنی ہو اور چلو بھر کر پانی پیا تو چونکہ منہ چاندی کو نہیں لگتا اسلئے مکروہ نہیں تو مذکورہ بالا اشیاء بھی مکروہ نہیں۔امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مکروہ ہے (امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے مگر اس زمانے میں امام ابو یوسفؒ کے قول پر عمل کرنا اولیٰ ہے سداًلباب استعمال الذهب والفضة للرجال لان العوام لايميزون بين موضع الفضة وغيرها)۔

(۱۳)وَيُكْرَهُ التَّعْشِيْرُ فِي الْمُصْحَفِ وَالنُّقَطُ (۱۴)ولاباْسَ بِتَحْلِيَةِ الْمُصْحَفِ ونَقْشِ الْمَسْجِدِ وَزَخْرَفَتِهِ بِمَاءِ الذَّهَبِ۔

ترجمہ:۔اور مکروہ ہے قرآن مجید میں ہر دس آیتوں کے بعد نشان لگانا اور نقطے لگانا اور کوئی حرج نہیں قرآن مجید کو آراستہ کرنے میں اور مسجد کو منقش کرنے میں اور مسجد کو سونے کے پانی سے مزین کرنے میں۔

تشریح:۔(۱۳)قرآن مجید میں ہر دس آیتوں کے بعد نشان لگانا اور اظہار اعراب کیلئے نقطے (مراد اعراب ہے) لگانا مکروہ ہے[لقول ابن مسعود رضی اللّٰه تعالی عنه جَرِّدُوْا الْقُرْآنَ "اور تعشیر اور نقطوں میں ترک تجرید ہے۔مگر اس زمانے میں نقطے لگانا جائز ہے کیونکہ عجمی لوگ بغیر اعراب کے قرآن مجید نہیں پڑھ سکتے ہیں۔

(۱۴) قرآن مجید کو سونے چاندی سے آراستہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اس لئے کہ اس میں قرآن مجید کی تعظیم اور بزرگی ہے۔اسی طرح مسجد کو منقش کرنا اور سونے کے پانی سے مزین کرنا بھی جائز ہے بشرطیکہ اس سے مقصود تعظیم ہو اور اگر قصد ریا ہو تو مکروہ ہے۔

(۱۵)وَيُكْرَهُ اِسْتِخْدَامُ الْخِصْيَانِ (۱۶)ولاباْسَ بِخِصَاءِ الْبَهَائِمِ (۱۷)وَاِنْزَاءِ الْحَمِيْرِ عَلَى الْخَيْلِ۔

ترجمہ:۔اور مکروہ ہے خصیوں سے خدمت لینا،اور کوئی حرج نہیں جانوروں کو خصی کرنے میں اور گدھے کو گھوڑے پر چڑھانے میں۔

تشریح:۔(۱۵)خصیوں سے خدمت لینا مکروہ ہے کیونکہ خصیوں سے خدمت لینے کا رغبت ظاہر کرنا اس عمل کا باعث ہے جبکہ یہ عمل (خود کو خصی کرنا) مُثلہ اور حرام ہے۔(۱۶) جانوروں کو خصی کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ اس میں فائدہ ہے اسلئے کہ خصی جانور موٹا

ہو جاتا ہے۔(۱۷) گدھے کو گھوڑے پر چڑھانے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اس سے خچر پیدا ہوتا ہے اور خچر پر حضور ﷺ سوار ہوئے ہیں تو اگر اس میں حرج ہوتا تو حضور ﷺ سوار نہ ہوتے۔

(۱۸) وَيَجُوزُ اَنْ يُقْبَلَ فِي الْهَدِيَّةِ وَالْاِذْنِ قَوْلُ الْعَبْدِ وَالصَّبِيِّ (۱۹) وَيُقْبَلُ فِي الْمُعَامَلَاتِ قَوْلُ الْفَاسِقِ (۲۰) وَلَايُقْبَلُ فِي اَخْبَارِ الدِّيَانَاتِ اِلَّاقَوْلَ الْعَدْلِ۔

ترجمہ:۔اور جائز ہے یہ کہ قبول کیا جائے ہدیہ اور اذن میں غلام اور لڑکے کا قول اور قبول کیا جائیگا معاملات میں فاسق کا قول اور نہیں قبول کی جائیگا اخبار دیانات میں مگر عادل کا قول۔

تشریح:۔(۱۸) ہدیہ اور اذن فی التجارت میں غلام اور لڑکے کے قول کا اعتبار کرنا جائز ہے کیونکہ عادت جاریہ ہے کہ لوگ ان کے ہاتھ ھدلیا بھیجتے ہیں اور اذن فی التجارت دیتے ہیں۔(۱۹) معاملات (جیسے وکالت، مضاربت وغیرہ) میں قول فاسق قبول کیا جائیگا کیونکہ معاملات ہر قسم کے لوگوں کے درمیان ہوتے ہیں تو اگر عادل ہونے کی شرط لگائی جائے تو یہ مفضی الی الحرج ہوگا۔(۲۰) دیانات (مثلاً پانی کا نجس یا پاک ہونا بتانے) میں عادل کے سوا اور کسی کا قول معتبر نہ ہوگا کیونکہ معاملات کی طرح ان کا وقوع زیادہ نہیں اسلئے عادل ہونے کی شرط اس میں لگانا جائز ہے لہذا مسلمان عادل کے سوا کسی اور کا قول قبول نہیں کیا جائیگا۔

(۲۱) وَلَايَجُوزُ اَنْ يَنْظُرَ الرَّجُلُ مِنَ الْاَجْنَبِيَّةِ اِلَّااِلٰى وَجْهِهَا وَكَفَّيْهَا (۲۲) فَاِنْ كَانَ لَايَاْمَنُ مِنَ الشَّهْوَةِ لَمْ يَنْظُرْ اِلٰى وَجْهِهَا اِلَّالِحَاجَةٍ۔

ترجمہ:۔اور جائز نہیں یہ کہ دیکھے مرد اجنبی عورت کا بدن سوائے اسکے چہرے اور ہتھیلیوں کے پس اگر شہوت سے مامون نہ ہو تو نہ دیکھے اس کا چہرہ مگر ضرورت کے لئے۔

تشریح:۔(۲۱) مرد کیلئے کسی آزاد اجنبی عورت کا بدن دیکھنا جائز نہیں ہے سوائے اسکے چہرے اور ہتھیلیوں کے کیونکہ چہرہ اور ہتھیلی ظاہر کرنے میں ضرورت ہے کیونکہ عورت کو مردوں کے ساتھ لین دین اور معاملات کی ضرورت پڑتی ہے۔(۲۲) پس اگر کوئی اجنبی عورت کے چہرے کی طرف دیکھ کر شہوت سے محفوظ نہ رہ سکا تو وہ اس کے چہرہ کی طرف بھی نہ دیکھے الا یہ کہ ضرورت ہو کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ آنکھوں کا زنی تو نظر ہے۔

(۲۳) وَيَجُوزُ لِلْقَاضِي اِذَا اَرَادَ اَنْ يَحْكُمَ عَلَيْهَا وَلِلشَّاهِدِ اِذَا اَرَادَ الشَّهَادَةَ عَلَيْهَا النَّظَرُ اِلٰى وَجْهِهَا وَاِنْ خَافَ اَنْ يَشْتَهِيَ (۲۴) وَيَجُوزُ لِلطَّبِيبِ اَنْ يَنْظُرَ اِلٰى مَوْضِعِ الْمَرَضِ مِنْهَا۔

ترجمہ:۔اور قاضی کے لئے اس کے چہرے کو دیکھنا جائز ہے جب وہ اس پر حکم دینا چاہے اور گواہ کے لئے جب وہ اس پر گواہی دینا چاہے اگرچہ اسکو شہوت ہو جانے کا خوف ہو اور طبیب کیلئے جائز ہے کہ عورت کے جسم سے مرض کی جگہ کو دیکھے۔

تشریح:۔(۲۳) یعنی قاضی جب کسی اجنبی عورت پر حکم دینا چاہے اسی طرح گواہ جب کسی اجنبی عورت پر گواہی دینا چاہے تو اسکو اس

عورت کا چہرہ دیکھنا جائز ہے اگر چہ اسکو شہوت ہو جانے کا خوف ہو کیونکہ قاضی کیلئے بذریعہ حکم اور گواہ کیلئے بذریعہ گواہی لوگوں کے حقوق زندہ کرنے کی حاجت ہے۔(۲۴) طبیب کیلئے جائز ہے کہ عورت کے جسم سے مرض کی جگہ کو دیکھے۔ دیکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ مریضہ کے تمام بدن کو سوائے مقام مرض کے چھپائے رکھے پھر طبیب اس مقام کو دیکھے۔ اور جہاں تک ہو سکے اپنی نظر کو نیچے رکھے کیونکہ جو چیز بضرورت جائز ہوتی ہے وہ ضرورت ہی کی حد تک رہتی ہے۔

(۲۵) وَيَنْظُرُ الرَّجُلُ مِنَ الرَّجُلِ اِلٰى جَمِيْعِ بَدَنِهِ اِلَّا مَابَيْنَ سُرَّتِهِ اِلٰى رُكْبَتِهِ (۲۶) ويجوزُ لِلْمَرْاَةِ اَنْ تَنْظُرَ مِنَ الرَّجُلِ اِلٰى ما يَنْظُرُ اِلَيْهِ الرَّجُلُ مِنْهُ (۲۷) وتَنْظُرُ الْمَرْاَةُ مِنَ الْمَرْاَةِ اِلٰى ما يَجُوْزُ لِلرَّجُلِ اَنْ يَنْظُرَ اِلَيْهِ مِنَ الرَّجُلِ۔

ترجمہ:۔ اور دیکھ سکتا ہے مرد دوسرے مرد کے سارے جسم کو سوائے ناف سے لیکر گھٹنے تک کے اور عورت کیلئے جائز ہے کہ دیکھے مرد کے جسم میں سے وہ جس کو دوسرا مرد دیکھ سکتا ہے اور عورت دیکھ سکتی ہے دوسری عورت کا اس قدر جسم جس قدر کہ مرد دوسرے مرد کا دیکھ سکتا ہے۔

تشریح:۔ (۲۵) مرد دوسرے مرد (اگر چہ بے ریش ہو بشرطیکہ شہوت کا خطرہ نہ ہو) کے سارے جسم کو دیکھ سکتا ہے سوائے ناف سے لیکر گھٹنے تک کے درمیانی جسم کے "لقوله صلّى الله عليه وسلم عَوْرَةُ الرَّجُلِ مَابَيْنَ سُرَّتِهِ اِلٰى رُكْبَتِهِ" (یعنی مرد کا واجب الستر بدن ناف سے گھٹنے تک ہے)۔ پھر ناف ستر میں شامل نہیں اور گھٹنے شامل ہیں۔

(۲۶) عورت کیلئے جائز ہے کہ مرد کے جسم میں سے ان اعضاء کو دیکھے جن کو مرد کے جسم سے مرد دیکھ سکتا ہے بشرطیکہ شہوت کا خوف نہ ہو کیونکہ جو اعضاء ستر میں شامل نہیں ان کو دیکھنے میں مرد و عورت یکساں ہیں جیسے ہر شخص کے لباس اور سواری کو مرد و عورت سب دیکھ سکتے ہیں۔(۲۷) ایک عورت کے لئے دوسری عورت کا اس قدر جسم دیکھنا جائز ہے جس قدر کہ مرد کو مرد کے جسم کا دیکھنا جائز ہے کیونکہ مجانست موجود ہے اور شہوت غالباً معدوم ہے كَمَا فِي نَظْرِ الرَّجُلِ اِلَى الرَّجُلِ۔

(۲۸) وَيَنْظُرُ الرَّجُلُ مِنْ اَمَتِهِ الَّتِيْ تَحِلُّ لَه وَزَوْجَتِهِ اِلٰى فَرْجِهَا (۲۹) وَيَنْظُرُ الرَّجُلُ مِنْ ذَوَاتِ مَحَارِمِهِ اِلَى الْوَجْهِ وَالرَّاْسِ وَالصَّدْرِ وَالسَّاقَيْنِ وَالْعَضُدَيْنِ (۳۰) ولاَيَنْظُرُ اِلٰى ظَهْرِ هَاوبَطْنِهَاوفَخِذِهَا۔

ترجمہ:۔ اور مرد دیکھ سکتا ہے اپنی اس باندی کی جو اس کے لئے حلال ہے اور اپنی زوجہ کی شرم گاہ کو اور مرد دیکھ سکتا ہے اپنی محرمات کے چہرہ، سر، سینہ، پنڈلیوں اور بازوؤں کی طرف اور نہیں دیکھ سکتا ان کی پیٹھ، پیٹ اور ان کی ران کی طرف۔

تشریح:۔ (۲۸) مرد کیلئے اپنی باندی (مراد ایسی باندی ہے جو اسکو حلال ہو) اور اپنی زوجہ کی شرم گاہ کو دیکھنا جائز ہے یہ قول اس امر کی اجازت ہے کہ مرد کیلئے باندی مذکورہ اور زوجہ کے تمام بدن کو دیکھنا بطریقہ اولیٰ جائز ہے اَلْاَصْلُ فِيْهِ "قَوْلُهُ ﷺ غُضَّ بَصَرَكَ اِلَّا عَنْ اَمَتِكَ وَامْرَاَتِكَ" (یعنی اپنی آنکھ بند کر سوائے اپنی باندی اور اپنی زوجہ سے)۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ مرد و عورت میں سے کوئی بھی دوسرے کی فرج نہ دیکھے۔

(۲۹) مرد کیلئے جائز ہے کہ اپنی محرمات (مثلاً ماں، بہن، پھوپھی، خالہ وغیرہ) کے چہرہ، سر، سینہ، پنڈلیوں اور بازوؤں کی طرف دیکھے کیونکہ محارم باہم ایک دوسرے کے یہاں بغیر اجازت وشرم کے آتے جاتے ہیں تو اگر ان اعضاء کی طرف دیکھنا حرام قرار دی جائے تو نوبت حرج تک پہنچے گی۔ (۳۰) البتہ اپنی محرمات کی پیٹھ، پیٹ اور ران کی طرف دیکھنا جائز نہیں۔

(۳۱) وَلَا بَأسَ اَنْ يَمَسَّ مَا جَازَ لَهُ اَنْ يَنْظُرَ اِلَيْهِ مِنْهَا۔

ترجمہ:۔ اور کوئی حرج نہیں کہ مرد مس کرے اس عضو کو جس کو اس کے لئے اس میں سے دیکھنا جائز ہے۔

تشریح:۔ (۳۱) مرد کیلئے ذوات محارم میں سے جن اعضاء کا دیکھنا جائز ہے ان کا چھونا بھی جائز ہے کیونکہ بوقت سفر اسکی ضرورت ہوتی ہے اور محرم ہونے کی وجہ سے شہوت بھی کم ہے۔ البتہ اگر شہوت کا خوف ہو پھر نہ دیکھے اور نہ مس کرے۔

(۳۲) وَيَنْظُرُ الرَّجُلُ مِنْ مَمْلُوكَةِ غَيْرِهِ اِلَى مَا يَجُوزُ لَهُ اَنْ يَنْظُرَ اِلَيْهِ مِنْ ذَوَاتِ مَحَارِمِهِ (۳۳) وَلَا بَأسَ بِاَنْ يَمَسَّ ذَالِكَ اِذَا اَرَادَ الشِّرَاءَ وَاِنْ خَافَ اَنْ يَشْتَهِيَ۔

ترجمہ:۔ اور مرد دیکھ سکتا ہے دوسرے کی مملوکہ میں سے ان اعضاء کو جن کو اس کے لئے دیکھنا جائز ہے اپنی ذی رحم محرم عورتوں میں سے اور ان اعضاء کو مس کرنے میں کوئی حرج نہیں اگر خرید کا ارادہ ہو اگرچہ شہوت کا اندیشہ ہو۔

تشریح:۔ (۳۲) مرد کیلئے جس قدر اپنی محرم عورتوں کے بدن کو دیکھنا جائز ہے اسی قدر غیر کی باندی کا بدن بھی دیکھنا جائز ہے کیونکہ باندی اپنے مولی کی ضرورتوں کیلئے کام کاج کے کپڑوں میں باہر نکلتی ہے ظاہر ہے کہ ان سے تمام جسم عموماً نہیں ڈھکتا ہے بدیں ضرورت باندی محرمات کی طرح ہے۔ (۳۳) غیر کی باندی کے جن اعضاء کو دیکھنا جائز ہے بوقت خریداری ان اعضاء کا چھونا بھی جائز ہے اگرچہ اسکو خوف شہوت ہو۔ لیکن علماء کی رائی یہ ہے کہ بوقت خرید باوجود شہوت کے نظر تو جائز ہے کیونکہ ضرورت ہے لیکن مس کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ ایک طرح کا استمتاع ہے۔

(۳۴) وَالْخَصِيُّ فِي النَّظْرِ اِلَى الْاَجْنَبِيَّةِ كَالْفَحْلِ (۳۵) وَلَا يَجُوزُ لِلْمَمْلُوكِ اَنْ يَنْظُرَ مِنْ سَيِّدَتِهِ اِلَّا اِلَى مَا يَجُوزُ لِلْاَجْنَبِيِّ النَّظْرُ اِلَيْهِ مِنْهَا۔

ترجمہ:۔ اور خصی اجنبیہ عورت کو دیکھنے میں غیر خصی کی طرح ہے اور غلام کیلئے یہ جائز نہیں کہ اپنی مالکہ کو دیکھے سوائے ان اعضاء کے جن کو اجنبی آدمی اس عورت سے دیکھ سکتا ہے۔

تشریح:۔ (۳۴) یعنی خصی اجنبیہ عورت کو دیکھنے میں غیر خصی کی طرح ہے اسلئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہے کہ خصی کرنا مثلہ ہے تو جو چیز خصی ہونے سے پہلے حرام تھی اسکو اسکا خصی ہونا مباح نہیں کریگا۔ (۳۵) کسی عورت کے غلام کیلئے یہ جائز نہیں کہ اپنی مالکہ کو دیکھے سوائے ان اعضاء کے جن کو اجنبی آدمی اس عورت سے دیکھ سکتا ہے کیونکہ یہ غلام دوسرے مردوں کی طرح مرد ہے اور اپنی مالکہ کا محرم بھی نہیں اور نہ زوج ہے اسلئے یہ اجنبی مردوں کے حکم میں ہے۔

(۳۶)وَيَعْزِلُ عَنْ اَمَتِهِ بِغَيْرِ اِذْنِهَا(۳۷)وَلَا يَعْزِلُ عَنْ زَوْجَتِهِ اِلَّا بِاِذْنِهَا۔

ترجمہ:۔اور مرد عزل کریگا اپنی باندی سے اسکی اجازت کے بغیر اور عزل نہیں کریگا اپنی بیوی سے مگر اسکی اجازت سے۔

تشریح:۔(۳۶)مرد کیلئے اپنی باندی سے اسکی اجازت کے بغیر عزل کرنا (یعنی انزال کے وقت نطفہ باہر گرانا) جائز ہے کیونکہ حضور ﷺ نے ایک باندی کے مولی سے کہا تھا، اگر تیرا جی چاہے تو عزل کر۔ نیز اس لئے بھی کہ وطی میں اسکا حق نہیں۔(۳۷)اپنی بیوی سے اسکی اجازت کے بغیر عزل کرنا جائز نہیں کیونکہ حضور ﷺ نے آزاد عورت سے عزل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ نیز اسلئے بھی کہ وطی میں اسکا حق ہے۔

(۳۸)وَيُكْرَهُ الْاِحْتِكَارُ فِي اَقْوَاتِ الْآدَمِيِّيْنَ وَالْبَهَائِمِ اِذَا كَانَ ذَالِكَ فِي بَلَدٍ يَضُرُّ الْاِحْتِكَارُ بِاَهْلِهِ (۳۹)وَمَنْ اِحْتَكَرَ غَلَّةَ ضَيْعَتِهِ اَوْ مَا جَلَبَهُ مِنْ بَلَدٍ آخَرَ فَلَيْسَ بِمُحْتَكِرٍ۔

ترجمہ:۔اور مکروہ ہے احتکار انسانوں اور جانوروں کی غذا میں جبکہ یہ ایسے شہر میں ہو کہ احتکار اس شہر والوں کے لئے مضر ہو اور جس نے اپنی زمین کے غلہ کو روک لیا یا جو اس نے دوسرے کسی شہر سے لایا تو یہ شخص محتکر نہیں۔

تشریح:۔(۳۸)انسانوں کی غذا (گندم، جو، چاول وغیرہ) اور جانوروں کی غذا (بھوسہ، چارہ) کا احتکار (مہنگا ہونے کے انتظار میں روک کر فروخت نہ کرنا تاکہ مہنگا ہونے کے بعد زیادہ کمائے) مکروہ ہے جبکہ شہر والوں کو اس سے نقصان ہوتا ہو "لقوله صلى الله عليه وسلم اَلْمُحْتَكِرُ مَلْعُوْنٌ" (یعنی احتکار کرنے والا ملعون ہے)۔ اور اگر اہل شہر کیلئے مضر نہ ہو تو مکروہ نہ ہوگا۔

(۳۹) جس نے اپنی زمین کے غلہ کو مہنگا ہونے کے انتظار میں روک لیا یا دوسرے کسی شہر سے لایا ہو اور گرانی کے انتظار میں روک لیا تو یہ شخص محتکر شمار نہ ہوگا اول تو اس لئے احتکار نہیں کہ یہ اسکا خالص حق ہے دوسروں کا حق اسکے ساتھ متعلق نہیں اور ثانی اسلئے احتکار نہیں کہ عام لوگوں کا حق اسی غلہ کے ساتھ متعلق ہوتا ہے جس کو شہر میں جمع کیا جائے اور جس کو فناء مصر میں سے لایا جائے باقی دور کے کسی شہر سے لائے ہوئے غلہ کے ساتھ عام لوگوں کا حق متعلق نہیں تو احتکار بھی نہیں۔

(۴۰)وَلَا يَنْبَغِيْ لِلسُّلْطَانِ اَنْ يُسَعِّرَ عَلَى النَّاسِ۔

ترجمہ:۔اور سلطان کیلئے مناسب نہیں کہ لوگوں پر نرخ مقرر کردے۔

تشریح:۔(۴۰)یعنی سلطان کیلئے یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنی رائے سے لوگوں پر کوئی نرخ مقرر کردے کیونکہ ثمن عاقد کا حق ہے اسکی تقدیر کا حق بھی اسی کو ہے۔ ہاں اگر غلہ فروش حد سے تجاوز کر کے اتنی گرانی کرنے لگیں جس میں عام لوگوں کا ضرر ہو تو پھر اہل رائے کے مشورہ سے نرخ مقرر کردے۔

(۴۱)وَيُكْرَهُ بَيْعُ السِّلَاحِ فِي اَيَّامِ الْفِتْنَةِ(۴۲)وَلَا بَاْسَ بِبَيْعِ الْعَصِيْرِ مِمَّنْ يَعْلَمُ اَنَّهُ يَتَّخِذُهُ خَمْرًا۔

ترجمہ:۔اور فتنہ کے ایام میں ہتھیار فروخت کرنا مکروہ ہے اور کوئی حرج نہیں شیرۂ انگور ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کرنا جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ اس سے شراب بنائیگا۔

تشریح:۔ (۱۵) فتنہ کے ایام میں ایسے شخص کے ہاتھ ہتھیار فروخت کرنا مکروہ ہے جس کے متعلق یہ معلوم ہو کہ وہ اہل فتنہ میں سے ہے کیونکہ اسکے استعمال کا نقصان ہم ہی کو پہنچے گا۔ (۱۶) شیرۂ انگور ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے جس کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ اس سے شراب بنائیگا کیونکہ معصیت عین شیرہ کے ساتھ متعلق نہیں بلکہ شیرہ کے تغیر کے بعد ہوگی۔ اور ایام فتنہ میں معصیت چونکہ عین سلاح کے متعلق ہے اسلئے ان دنوں میں سلاح کا فروخت کرنا مکروہ ہے۔

كتاب الوصايا

یہ کتاب وصایا کے بیان میں ہے۔

"وصایا" جمع ہے "وصیة" کی جمع ہے اور "وصیة" اسم بمعنی المصدر ہے ثُمَّ سُمِّیَ بِهِ الْمُوْصٰی بِه۔ اور اصطلاح شرع میں وصیت وہ تملیک ہے جو مابعد الموت کی طرف بطریق تبرع مضاف ہو خواہ تملیک عین ہو یا تملیک دین یا منافع ہو۔

وصیت کرنے والے کو "موصِی" کہتے ہیں اور جس کو وصیت کی جائے اس کو "وصی" اور "موصیٰ الیہ" اور جس کے لئے وصیت کی جائے اسکو "موصیٰ لہ" اور جس چیز کی وصیت کی جائے اس کو "موصیٰ بہ" کہتے ہیں۔

ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ عموماً انسان موت کے وقت وصیت کرتا ہے اور موت انسان کا آخری مرحلہ ہے اسلئے زندگی کے تمام معاملات کے بیان کے آخر میں وصیت کو بیان کیا ہے۔

وصیت کی مشروعیت کتاب اور سنت سے ثابت ہے أما الكتاب فقوله تعالىٰ ﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ﴾ وأما السنة فما روى أن سعد بن ابى وقاص قال "مرضت مرضاً اشرفت على الموت، فعادني رسول الله ﷺ فقلت يارسول الله ان مالي كثير وليس يرثني الا ابنت لي واحدة افاوصى بمالي كله ؟ قال، لا، قلت، فبنصفه ؟ قال، لا قلت، فبثلثه، قال نعم والثلث كثير انك ياسعد أن تدع ورثتك أغنياء خير من من تدعهم عالة يتكففون الناس "۔

(۱) اَلْوَصِيَّةُ غَيْرُ وَاجِبَةٍ وهِيَ مُسْتَحَبَّةٌ (۲) ولَاتَجُوْزُ الْوَصِيَّةُ لِوَارِثٍ اِلَّا اَنْ يُجِيْزَهَا الْوَرَثَةُ (۳) ولَاتَجُوْزُ بِمَازَادَ عَلَى الثُّلُثِ (٤) ولَاتَجُوْزُ الْوَصِيَّةُ لِلْقَاتِلِ۔

ترجمہ:۔ اور وصیت واجب نہیں اور وہ مستحب ہے اور وارث کے لئے وصیت جائز نہیں الا یہ کہ ورثہ اس کی اجازت دے اور ثلث سے زائد جائز نہیں اور قاتل کیلئے وصیت کرنا جائز نہیں۔

تشریح:۔ (۱) وصیت واجب نہیں بلکہ مستحب ہے کیونکہ وصیت ہبہ کی طرح تبرع ہے اور تبرعات واجب نہیں ہوتی ہیں۔ (۲) مگر وارث کیلئے وصیت جائز نہیں "لقوله صلى الله عليه وسلم إنَّ اللهَ اَعْطٰى كُلَّ ذِيْ حَقٍّ حَقَّهُ فَلَاوَصِيَّةَ لِوَارِثٍ" (یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو حق دیدیا ہے پس وارث کے لئے وصیت نہیں)۔ البتہ اگر کسی نے وارث کے لئے وصیت کی پھر بعد از موت موصی تمام

ورثہ نے (بشرطیکہ ورثہ سب بالغ ہوں) نے اسکی اجازت دیدی تو پھر نافذ ہوگی کیونکہ ورثہ کے حق کی وجہ سے وارث کیلئے وصیت ممنوع قراردی تھی تو ان کو اپنا حق ساقط کرنے کا اختیار ہے۔

(۳) اسی طرح کل ترکہ کے ایک ثلث سے زائد وصیت کرنا بھی جائز نہیں کیونکہ ایک ثلث سے زائد ورثہ کا حق ہے الا یہ کہ ورثہ اجازت دے کما مرّ۔ (۴) اسی طرح قاتل کیلئے وصیت کرنا جائز نہیں خواہ عمداً قتل کرے یا خطاء کیونکہ قاتل موصی کو قتل کرکے مال وصیت جلدی لینا چاہتا ہے حالانکہ شریعت نے یہ فیصلہ کردیا ہے کہ وہ مال اسکو موصی کی موت کے بعد ملے گا لہٰذا وہ میراث کی طرح وصیت سے بھی محروم کیا گیا ہے۔

(۵) وَيَجُوزُ اَنْ يُوْصِيَ الْمُسْلِمُ لِلْكَافِرِ وَالْكَافِرُ لِلْمُسْلِمِ۔

ترجمہ: ۔ اور مسلمان کیلئے جائز ہے کہ کافر کیلئے وصیت کرے اور کافر مسلمان کیلئے۔

تشریح: ۔ (۵) یعنی مسلمان کیلئے جائز ہے کہ کافر (ذمی) کیلئے وصیت کرے اور کافر (ذمی) کیلئے جائز ہے کہ مسلمان کیلئے وصیت کرے یعنی یہ وصیتیں صحیح اور نافذ ہونگی کیونکہ ذمی عقد ذمہ کی وجہ سے معاملات میں مسلمانوں کے ساتھ برابر ہو گیا ہے تو جس طرح کہ زندگی میں جانبین سے تبرع کرنا جائز ہے اسی طرح حالت موت میں بھی جائز ہے۔

(٦) وَقَبُوْلُ الْوَصِيَّةِ بَعْدَ الْمَوْتِ (٧) فَاِنْ قَبِلَهَا الْمُوْصٰى لَه فِي حَالِ الْحَيَاةِ اَوْ رَدَّهَا فَذٰلِكَ بَاطِلٌ۔

ترجمہ: ۔ اور وصیت قبول کرنے کا اعتبار مرنے کے بعد ہے پس اگر موصیٰ لہ نے موصی کی زندگی میں وصیت قبول کرلی یا رد کردی تو یہ باطل ہے۔

تشریح: ۔ (٦) وصیت کے قبول کرنے کا اعتبار موصی کے مرنے کے بعد ہوگا کیونکہ اس کے ثبوت کا وقت موصی کے مرنے کے بعد ہے۔ (۷) پس اگر موصیٰ لہ نے موصی کی زندگی میں وصیت قبول کرلی یا رد کردی تو یہ باطل ہے یعنی اسکا اعتبار نہیں۔

(۸) وَيُسْتَحَبُّ اَنْ يُوْصِيَ الْاِنْسَانُ بِدُوْنِ الثُّلُثِ (۹) وَاِذَا اَوْصٰى اِلٰى رَجُلٍ فَقَبِلَ الْوَصِيَّةَ فِي وَجْهِ الْمُوْصِيْ وَرَدَّهَا فِي غَيْرِ وَجْهِه فَلَيْسَ بِرَدٍّ (۱۰) وَاِنْ رَدَّهَا فِي وَجْهِه فَهُوَ رَدٌّ۔

ترجمہ: ۔ اور مستحب ہے یہ کہ انسان ثلث سے کم وصیت کرے اور اگر دوسرے کے لئے وصیت کی اور وصی نے موصی کے سامنے اس کو قبول کرلیا اور موصی کے پس پشت اس کو رد کیا تو یہ رد صحیح نہیں اور اگر وصی نے موصی کے سامنے اسکو رد کیا تو یہ رد صحیح ہے۔

تشریح: ۔ (۸) یعنی اگر کوئی وصیت کرنا چاہے تو مستحب یہ ہے کہ کل ترکہ کی ایک تہائی سے کم کی وصیت کردے خواہ ورثہ اغنیاء ہوں یا فقراء کیونکہ تہائی سے کم وصیت کرنے میں رشتہ داروں کے ساتھ اس طرح صلہ رحمی ہے کہ اس نے اپنا کچھ مال ان کیلئے چھوڑ دیا۔ اور اگر اس نے پوری تہائی کی وصیت کی تو چونکہ اس نے اپنا پورا حق وصول کیا اسلئے اسکی طرف سے کوئی صلہ رحمی یا احسان نہ رہا۔

(۹) اگر کسی نے دوسرے (وصی) کو وصیت کی اور وصی نے موصی کے سامنے اس وصیت کو قبول کرلیا مگر بعد میں موصی کے پس

پشت وصی نے اس کو رد کیا تو یہ رد صحیح نہ ہوگا کیونکہ میت نے تو اس پر اعتماد کر کے مطمئن ہو گیا تو اگر اس کے رد کرنے کو صحیح قرار دیا جائے تو موصی دھوکہ میں رہیگا۔ (۱۰) اگر وصی نے موصی کے سامنے اسکو رد کیا تو یہ رد صحیح ہوگا کیونکہ موصی کو اس پر تصرف فی الوصیہ لازم کرنے کی ولایت حاصل نہیں اور اس صورت میں موصی کیلئے دھوکہ بھی نہیں۔

(۱۱) وَالْمُوْصٰى بِهٖ يَمْلِكُ بِالْقَبُوْلِ (۱۲) اِلَّا فِيْ مَسْئَلَةٍ وَاحِدَةٍ وَهِيَ اَنْ يَّمُوْتَ الْمُوْصِيْ ثُمَّ يَمُوْتَ الْمُوْصٰى لَهٗ قَبْلَ الْقَبُوْلِ فَيَدْخُلُ الْمُوْصٰى بِهٖ فِيْ مِلْكِ وَرَثَتِهٖ۔

ترجمہ:۔ اور موصی بہ ملک میں آجاتی ہے قبول کرنے سے مگر ایک مسئلہ میں اور وہ یہ کہ موصی وصیت کرلے اور مر جائے پھر موصی لہ بھی قبول کرنے سے پہلے مر جائے تو موصی بہ موصی لہ کے وارثوں کی ملک میں داخل ہو جائے گی۔

تشریح:۔ (۱۱) یعنی موصی بہ (جس چیز کی وصیت کی گئی ہے) موصی لہ کی ملک میں موصی لہ کے قبول کرنے سے آجاتی ہے کیونکہ وصیت مِلک جدید کا اثبات ہے اور کوئی شخص دوسرے کی ملک اپنے لئے ثابت نہیں کرسکتا الا یہ کہ وہ اسکو قبول کرلے اسلئے موصی لہ کا قبول کرنا ضروری ہے۔

(۱۲) البتہ ایک مسئلہ ایسا ہے جس میں موصی بہ موصی لہ کی ملک میں بغیر اس کے قبول کرنے کے آجاتی ہے وہ یہ کہ موصی نے وصیت کر کے مر گیا پھر موصی لہ بھی موصی بہ کے قبول کرنے سے پہلے مر گیا تو اس صورت میں موصی بہ موصی لہ کے وارثوں کی ملک میں ان کے قبول کرنے کے بغیر داخل ہو جائے گی۔ یہ استحسان ہے وجہ استحسان یہ ہے کہ موصی کی جانب سے عقد وصیت اس طرح پورا ہوا کہ اب فسخ نہیں ہوسکتا ہے اور توقف صرف موصی لہ کے حق کی وجہ سے رہا تھا پس جب موصی لہ مر گیا تو یہ چیز اسکی ملکیت میں داخل ہوگی کَمَا فِي الْبَيْعِ الْمَشْرُوْطِ فِيْهِ الْخِيَارُ لِلْمُشْتَرِيْ اِذَا مَاتَ قَبْلَ الْاِجَازَةِ۔

(۱۳) وَمَنْ اَوْصٰى اِلٰى عَبْدٍ اَوْ كَافِرٍ اَوْ فَاسِقٍ اَخْرَجَهُمُ الْقَاضِيْ مِنَ الْوَصِيَّةِ وَنَصَبَ غَيْرَهُمْ۔

ترجمہ:۔ اور جس نے غلام کو یا کافر کو یا فاسق کو وصیت کی تو قاضی ان کو وصیت سے خارج کردے اور ان کے علاوہ کوئی مقرر کردے۔

تشریح:۔ (۱۳) اگر کسی نے دوسرے کے غلام یا کافر یا فاسق کو اپنا وصی مقرر کر لیا تو قاضی کو چاہئے کہ ان کو وصیت سے خارج کرا کے اور آدمیوں کو ان کے قائم مقام کردے وجہ یہ ہے کہ ان میں سے کسی کی شفقت تام نہیں اسلئے کہ غلام کی ولایت تو مولی کے نظر و کرم پر ہے اگر وہ اجازت نہ دے تو باقی ہے ورنہ ختم اور بعد از اجازت بھی جب بھی مولی چاہے اسکو مجبور قرار دے سکتا ہے۔ اور کافر میں نقصان کا باعث یہ ہے کہ وہ کافر ہے جس کو دینی دشمنی اس بات پر ابھار سکتی ہے کہ وہ مسلمان کیلئے شفقت کو چھوڑ دے۔ اور فاسق میں یہ کمی ہے کہ وہ خیانت کے ساتھ متہم ہے لہٰذا انہی وجوہ قاضی انکو وصایت سے خارج کر کے ان کی جگہ اور کو مقرر کردے۔

☆ ☆ ☆

(۱۴) وَمَنْ اَوْصٰى اِلٰى عَبْدِ نَفْسِهٖ وَفِى الْوَرَثَةِ كِبَارٌ لَمْ تَصِحَّ الْوَصِيَّةُ ـ

توجمه:۔اور جس نے اپنے غلام کو وصیت کی حالانکہ وارثوں میں بالغین موجود ہیں تو یہ وصیت صحیح نہ ہوگی۔

تشریح:۔(۱۴) اگر کسی نے اپنے غلام کو وصی مقرر کیا حالانکہ وارثوں میں بالغین موجود ہیں تو یہ وصیت صحیح نہ ہوگی کیونکہ بالغ ورثہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس غلام کو روک دے اور تصرف نہ کرنے دے کیونکہ بالغ وارث اس غلام کا مولی ہے جس کو اس پر ولایت حاصل ہے لہٰذا غلام وصایت کے حق کو پورا کرنے سے عاجز و قاصر رہیگا تو وصایت کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

(۱۵) وَمَنْ اَوْصٰى اِلٰى مَنْ يَعْجِزُ عَنِ الْقِيَامِ بِالْوَصِيَّةِ ضَمَّ اِلَيْهِ الْقَاضِىْ غَيْرَهُ ـ

توجمه:۔اور جس نے ایسے شخص کو وصیت کی جو وصیت کے فرائض انجام دینے سے عاجز ہو تو قاضی اسکے ساتھ یک اور شخص کو ملائے۔

تشریح:۔(۱۵) اگر کسی نے ایسے شخص کو وصی مقرر کیا جو وصیت کے فرائض انجام دینے سے عاجز ہو تو قاضی اسکے ساتھ موصی اور ورثہ کی رعایت کیلئے ایک غیر عاجز شخص کو ملائے اس لئے کہ شفقت اس کے ساتھ دوسرے کو ملانے سے تام ہو جائے گی کیونکہ دوسرا اسکو خیانت وخسارہ سے بچائیگا اور بعض مہمات میں کفایت بھی کریگا۔

(۱۶) وَمَنْ اَوْصٰى اِلَى اثْنَيْنِ لَمْ يَجُزْ لِاَحَدِهِمَا اَنْ يَتَصَرَّفَ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ دُوْنَ صَاحِبِهٖ ـ

توجمه:۔اور جس نے دو آدمیوں کو وصیت کی تو طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک کسی ایک کے لئے جائز نہیں کہ دوسرے کے بغیر تصرف کرے۔

تشریح:۔(۱۶) اگر کسی نے دو آدمیوں کو اکٹھے یا یکے بعد دیگرے وصیت کی تو طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک ان دو میں سے ایک کو دوسرے کی موجودگی کے بغیر اس وصیت میں تصرف کرنا جائز نہیں کیونکہ وصیت میں تصرف کرنے کی ولایت موصی کی طرف سے سپرد کرنے سے حاصل ہوتی ہے پس سپردگی کا وصف معتبر ہوگا اور یہاں موصی نے دونوں کو مجتمع کر کے ولایت سپرد کی ہے تو یہ وصف معتبر ہوگا اور موصی بھی دو کی رائی سے راضی ہوا ہے نہ کہ ایک کی رائی سے لہٰذا کسی ایک کا تصرف درست نہ ہوگا۔

(۱۷) اِلَّا فِىْ شِرَاءِ كَفَنِ الْمَيِّتِ وَتَجْهِيْزِهٖ وَطَعَامِ اَوْلَادِهِ الصِّغَارِ وَكِسْوَتِهِمْ وَرَدِّ وَدِيْعَةٍ بِعَيْنِهَا وَتَنْفِيْذِ وَصِيَّةٍ بِعَيْنِهَا وَعِتْقِ عَبْدٍ بِعَيْنِهٖ وَقَضَاءِ الدَّيْنِ وَالْخُصُوْمَةِ فِىْ حُقُوْقِ الْمَيِّتِ ـ

توجمه:۔مگر کفن میت کی خریداری میں، اسکی تجہیز وتکفین میں، اسکی چھوٹی اولاد کے کھانے میں اور ان کے کپڑے میں، معین امانت کی واپسی میں، معین وصیت نافذ کرنے میں، معین غلام آزاد کرنے میں، قرض ادا کرنے میں اور میت کے حقوق میں خصومت کرنے میں۔

تشریح:۔(۱۷) مذکورہ بالا مسئلہ میں کہا تھا کہ اگر وصی دو ہوں تو دو میں سے ایک کو دوسرے کے بغیر وصیت میں تصرف کرنے کا اختیار نہیں لیکن اس سے چند چیزیں مستثنیٰ ہیں۔ /**نمبر ۱**۔میت کا کفن خریدنے کی ضرورت ہو تو ایک وصی بغیر دوسرے کے خرید لیگا۔ /**نمبر ۲**۔تجہیز میت (وہ تمام امور جن کو میت قبر میں جانے تک مجبور ہو) ایک وصی دوسرے کا انتظار نہیں کریگا ان دونوں صورتوں کی

وجہ یہ ہے کہ دوسرے کے آنے کے انتظار کرنے میں میت کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے

/نمبر ۳۔/نمبر ۴۔ اگر موصی کے چھوٹے بچوں کے لئے کھانے اور کپڑے خریدنے کی ضرورت ہو تو بھی ایک وصی دوسرے کا انتظار نہیں کریگا کیونکہ دوسرے کے آنے تک بچوں کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔/نمبر ۵۔/نمبر ٦۔ اگر موصی کے پاس کسی کی متعین امانت پڑی ہو اسی طرح اگر موصی پر کسی کا کوئی قرضہ ہو تو ان کو واپس کرنے میں ایک وصی دوسرے وصی کا انتظار نہیں کریگا کیونکہ یہ امور باب ولایت کے ساتھ تعلق نہیں رکھتے ہیں بلکہ باب امانت میں سے ہیں یہی وجہ ہے کہ جس نے موصی کی طرف سے ولایت حاصل نہیں کی ان امور کو وہ بھی انجام دے سکتا ہے مثلاً صاحب ودیعت کو اپنا سامان مل جائے یا قرض خواہ کو اپنے حق کی جنس مل جائے تو وہ اسکو خود لے سکتے ہیں۔

/نمبر ۷۔/نمبر ۸۔ موصی کی کسی خاص وصیت کو پورا کردینے اور اس کے کسی معین غلام کو آزاد کردینے میں بھی ایک وصی دوسرے کا انتظار نہیں کریگا کیونکہ اس میں دو کی رائی کی ضرورت نہیں۔/نمبر ۹۔ میت کے حقوق کے بارے میں کسی شخص سے خصومت کرنی ہو تو بھی ایک وصی کرسکتا ہے دوسرے کا انتظار نہیں کریگا کیونکہ خصومت تو دونوں کے جمع ہونے کی صورت میں بھی ایک ہی کریگا تاکہ دونوں کی خصومت سے مجلس قضاء میں شور وشغب نہ ہو۔

(۱۸) وَمَنْ اَوْصٰى لِرَجُلٍ بِثُلُثِ مالٍ وَلِلآخَرِ بِثُلُثِ مَالِه ولَم تَجزِ الْوَرَثَةِ فَالثُّلُثُ بَيْنَهُمَانِصْفَانِ (۱۹) وإنْ اَوْصٰى لِاَحَدِهِمَابِالثُّلُثِ وَلِلآخَرِ بِالسُّدُسِ فَالثُّلُثُ بَيْنَهُمَااَثْلاثًا۔

ترجمہ:۔ اور جس نے کسی ایک شخص کے لئے ثلث مال کی وصیت کی اور دوسرے کے لئے بھی ثلث مال کی وصیت کی اور وارثوں نے اجازت نہ دی تو ایک ثلث ان دونوں کے درمیان آدھا آدھا ہوگا اور اگر ایک کیلئے ثلث کی وصیت کی اور دوسرے کیلئے سدس کی تو ایک ثلث دونوں کے درمیان اثلاثا ہوگا۔

تشریح:۔(۱۸) اگر کسی نے اپنے ثلث مال کی وصیت مثلاً زید کیلئے کی اور بکر کیلئے بھی ثلث مال کی وصیت کی اسطرح دو ثلث کی وصیت ہوگئی مگر وارثوں نے ایک ثلث سے زیادہ میں اجازت نہ دی تو ایک ثلث ان دونوں موصی لہ میں مساوی تقسیم ہوگا کیونکہ دونوں ثلث میں تو موصی کا حق نہیں پھر سبب میں دونوں برابر ہیں تو استحقاق میں بھی دونوں برابر ہونگے۔

(۱۹) اگر ایک کیلئے ثلث کی وصیت کی اور دوسرے کیلئے سدس کی اور ورثہ نے ایک ثلث سے زائد میں اجازت نہ دی تو ایک ثلث میں سے دو حصے ایک کو دئے جائیں گے اور ایک حصہ دوسرے کو کیونکہ ایک ثلث سے دونوں کا حق پورا نہیں ہوتا ہے تو ایک ثلث کو ان پر ان کے حق کے مطابق تقسیم کیا جائیگا۔

(۲۰) وَاِنْ اَوْصٰی لِاَحَدِهِمَا بِجَمِیْعِ مَالِهٖ وَ لِلْاٰخَرِ بِثُلُثِ مَالِهٖ وَلَمْ تُجِزِ الْوَرَثَةُ فَالثُّلُثُ بَیْنَهُمَا عَلٰی اَرْبَعَةِ اَسْهُمٍ عِنْدَ اَبِیْ یُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْحَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ الثُّلُثُ بَیْنَهُمَا نِصْفَانِ۔

ترجمہ:۔ اور اگر ایک کیلئے اپنے سارے مال کی وصیت کی اور دوسرے کیلئے ثلث مال کی وصیت کی اور ورثوں نے اجازت نہ دی تو صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک ثلث دونوں کے درمیان چار حصوں پر ہوگا اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ثلث ان دونوں کے درمیان آدھا آدھا ہوگا۔

تشریح:۔ (۲۰) اگر کسی نے ایک آدمی کیلئے اپنے سارے مال کی وصیت کی اور دوسرے کیلئے ثلث مال کی وصیت کی مگر ورثوں نے اجازت نہ دی تو صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک ترکہ کے ایک ثلث کے چار حصے کر کے ان دونوں کو دے جائیں گے یعنی تین حصص اس کو جس نے سارے مال کی وصیت کی تھی اور ایک حصہ اس کو جس کیلئے ثلث کی وصیت کی تھی۔

صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ اس صورت میں موصی نے دو چیزوں کا ارادہ کیا ہے۔/ **نمبر ۱** ۔ یہ کہ وہ تمام مال کا مستحق ایک کو کرنا چاہتا ہے مگر اس کا یہ ارادہ حق ورثہ کی وجہ سے پورا نہیں ہوسکتا ہے۔/ **نمبر ۲** ۔ دوسرا ارادہ اس کا یہ ہے کہ وہ ایک موصی لہ کو دوسرے پر ترجیح وتفضیل دینا چاہتا ہے جس کیلئے کوئی مانع نہیں لہذا یہ ترجیح وتفضیل ثابت ہو جائے گی تو اس کی یہی صورت ہے جو انہوں نے بیان کیا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ ایک ثلث ان دونوں کے درمیان آدھا آدھا ہوگا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ جب ورثہ نے اجازت نہ دی تو ثلث سے زائد کی وصیت غیر مشروع طریقہ پر ہوئی لہذا یہ غیر مشروع مقدار اصلاً باطل ہوگئی تو صرف ثلث کی وصیت رہ گئی تو زید وبکر دونوں برابر ہو گئے باقی زید کو جو تفضیل حاصل ہے تو وہ اگر ثابت ہوتی استحقاق کے ضمن میں ثابت ہوتی اور جب استحقاق باطل ہوا تو تفضیل بھی باطل ہوگئی لہذا ثلث دونوں کے درمیان برابر تقسیم ہوگا (امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے)۔

(۲۱) وَلَا یَضْرِبُ اَبُوْ حَنِیْفَةَ لِلْمُوْصٰی لَهٗ بِمَا زَادَ عَلَی الثُّلُثِ اِلَّا فِی الْمُحَابَاتِ وَالسِّعَایَةِ وَالدَّرَاهِمِ الْمُرْسَلَةِ۔

ترجمہ:۔ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ موصی لہ کے لئے ثلث سے زیادہ کا اعتبار نہیں کرتے مگر محابات، سعایت اور دراہم مرسلہ میں۔

تشریح:۔ (۲۱) یعنی امام ابوحنیفہؒ ثلث سے زیادہ وصیت کرنے کی صورت میں ثلث سے زائد حصہ کا اعتبار نہیں کرتے ہیں مثلاً زید کے لئے کل مال کی وصیت کی اور بکر کے لئے نصف کی وصیت کرلی اور کل ترکہ پندرہ روپیہ ہے تو زید کے لئے ثلث سے دس روپیہ زائد کی جو وصیت کی ہے اس کا اعتبار نہیں گویا زید کے لئے ثلث ہی کی وصیت کرلی ہے اور بکر کے لئے جو ثلث سے ڈھائی روپیہ زائد کی وصیت کی ہے اس کا بھی اعتبار نہیں گویا بکر کے لئے بھی ثلث ہی کی وصیت کی ہے لہذا اب ترکہ کے ثلث کے دو حصہ کر کے ایک حصہ زید کو اور دوسرا حصہ بکر کو دیا جائیگا مگر تین صورتیں اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں یعنی محابات، سعایت اور دراہم مرسلہ۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ان میں قدر ثلث کا لحاظ کرتے ہیں یعنی ان تین صورتوں میں بھی وصیت تو ثلث ہی میں نافذ ہوگی مگر ہر ایک موصی لہ کے لئے جتنی وصیت کی ہے ثلث

ترکہ اسی تناسب سے تقسیم کیا جائیگا۔جن کی صورتیں درج ذیل ہیں۔

محابات (کوئی چیز کم قیمت میں فروخت کرنا مثلاً دوسو روپیہ کی چیز پچاس روپیہ میں فروخت کرنے کو محابات کہتے ہیں) کی صورت یہ ہے کہ مثلاً زید کے دو غلام ہیں ان میں سے ایک کی قیمت مثلاً گیارہ سو روپیہ ہے اور دوسرے کی چھ سو روپیہ ہے اب اول کی وصیت زید نے خالد کے لئے اور دوسرے کی بکر کے لئے کی اور یوں کہا کہ یہ غلام خالد کو فروخت کردینا سو روپیہ میں اور یہ دوسرا بکر کو فروخت کردینا سو روپیہ میں پس اگر زید نے ان دونوں غلاموں کے علاوہ کوئی مال نہیں چھوڑا ہو تو وصیت صرف تہائی میں نافذ ہوگی اور وہ تہائی دونوں موصی لہ کو ان کے حق کے تناسب سے ملے گی تو گویا زید نے خالد کیلئے ہزار روپیہ اور بکر کے لئے پانچ سو روپیہ کی وصیت کی ہے جن کا ثلث پانچ سو ہے تو خالد کے لئے پانچ سو کی دو تہائی اور بکر کو ایک تہائی ملے گی کیونکہ وصیت کا تناسب ان دو میں یہی ہے اور باقی قیمت موصی کے ورثہ کو ملے گا۔

بہرحال امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اگر یہ صورت مستثنیٰ نہ ہوتی تو خالد اور بکر دونوں کے لئے پانچ سو میں سے آدھا آدھا ہوتا اور باقی قیمت موصی کے ورثہ کو دیتے مگر یہاں انہوں نے اپنے اس اصول کو چھوڑ دیا ہے اور حق کے تناسب کے لحاظ سے ثلث کو تقسیم کیا ہے۔

سعایت کی صورت یہ ہے کہ زید نے اپنے دو غلاموں کے عتق کی وصیت کی اور زید کے پاس کوئی اور مال ان دو غلاموں کے علاوہ نہیں ہے اور ان میں سے ایک کی قیمت دو ہزار اور دوسرے کی قیمت ایک ہزار ہے تو یہ وصیت ثلث کے اندر نافذ ہوگی اور دو ثلث کے اندر ان پر سعایہ (غلام کا کما کر ورثہ کو دینا) واجب ہوگی جو یہ کما کر ورثہ کو دیں گے لیکن یہ ثلث ان دونوں کی قیمت کے تناسب سے تقسیم ہوگا اور ان دونوں کی قیمت کا مجموعہ تین ہزار ہے جس کا ثلث ہزار ہے تو جس غلام کی قیمت دو ہزار ہے اس کی قیمت میں سے چھ سو چھیاسٹھ روپیہ ساقط ہو جائیں گے اور باقی وہ کما کر ورثہ کو دے گا اور جس غلام کی قیمت ہزار روپیہ ہے اس کی قیمت میں سے تین سو تینتیس روپیہ ساقط ہو جائیں گے اور وہ اپنی بقیہ قیمت کما کر ورثہ کو دے گا۔

دراہم مرسلہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ متعین نہ کیا جائے کہ ثلث اس کا اور نصف اس کا وغیرہ بلکہ وہ مطلقاً یوں کہتا ہے کہ دو سو روپیہ کی وصیت خالد کے لئے ہے اور سو روپیہ کی وصیت بکر کیلئے ہے اور اسکے پاس صرف یہی تین سو روپیہ ہے تو یہ وصیت صرف ثلث یعنی سو روپیہ میں نافذ ہوگی اور تقسیم مقدار الاستحقاق کے تناسب سے ہوگی لہذا سو روپیہ میں سے اول کو چھیاسٹھ روپیہ اور دوسرے کو تینتیس روپیہ ملیں گے۔

(۴۲) وَمَنْ أَوْصٰى وَعَلَيْهِ دَيْنٌ مُحِيْطٌ بِمَالِهِ لَمْ تَجُزِ الْوَصِيَّةُ إِلَّا أَنْ يُبْرِئَ الْغُرَمَاءُ مِنَ الدَّيْنِ۔

ترجمہ:۔ اور جس نے وصیت کی اور اس کے ذمے قرض ہے جو اس کے مال کو محیط ہے تو یہ وصیت جائز نہیں الا یہ کہ قرضخواہ قرض سے بری کردے۔

تشریح:۔(۴۲) اگر کسی نے وصیت کی اور جس قدر اسکے پاس مال ہے اتنا ہی اس کے ذمے لوگوں کے قرضے ہیں تو یہ وصیت اسکی جائز نہ ہوگی کیونکہ وصیت سے قرض مقدم ہے اسلئے کہ قرض ادا کرنا فرض ہے اور وصیت تبرع ہے ہاں اگر قرضخواہوں نے قرض معاف کردیا تو

پھر موصی کی وصیت نافذ ہوگی کیونکہ اب اس پر قرض نہیں رہا۔

(۲۳) وَمَنْ اَوْصٰی بِنَصِیْبِ اِبْنِهٖ فَالْوَصِیَّةُ بَاطِلَةٌ (۲۴) فَاِنْ اَوْصٰی بِمِثْلِ نَصِیْبِ اِبْنِهٖ جَازَتْ فَاِنْ کَانَ لَهٗ اِبْنَانِ فَلِلْمُوْصٰی لَهٗ الثُّلُثُ۔

ترجمہ:۔ اور جس نے وصیت کی اپنے بیٹے کے حصہ کی تو وصیت باطل ہے اور اگر وصیت کی بیٹے کے حصے کے مثل کی تو جائز ہے پھر اگر اس کے دو بیٹے ہوں تو موصی لہ کے لئے ایک ثلث ہوگا۔

تشریح:۔ (۲۳) اگر کسی نے اپنے بیٹے کے حصہ میراث کی کسی کے لئے وصیت کرلی تو یہ وصیت باطل ہے کیونکہ یہ وصیت دوسرے کے مال میں ہے لہٰذا یہ جائز نہیں۔ (۲۴) اگر موصی نے کہا کہ میرے بیٹے کے حصے کی بقدر فلاں کیلئے وصیت کرتا ہوں تو یہ وصیت جائز ہو جائے گی کیونکہ مثل حصۂ ابن، غیر ہے حصہ ابن کا لہٰذا یہ وصیت دوسرے کے مال میں نہیں۔ پھر اگر موصی کے دو بیٹے ہوں تو موصی لہ کو ایک ثلث مال ملیگا کیونکہ موصی لہ بمنزلہ ابن ثالث کے ہوجائیگا تو مال ان کے درمیان اثلاثاً تقسیم ہوگا۔

(۲۵) وَمَنْ اَعْتَقَ عَبْدًا فِیْ مَرَضِهٖ اَوْ بَاعَ وَحَابٰی اَوْ وَهَبَ فَذٰلِکَ کُلُّهٗ جَائِزٌ (۲۶) وَهُوَ مُعْتَبَرٌ مِنَ الثُّلُثِ وَیُضْرَبُ بِهٖ مَعَ اَصْحَابِ الْوَصَایَا۔

ترجمہ:۔ اور جس نے مرض الموت میں اپنا غلام آزاد کردیا یا کوئی چیز فروخت کردی اور محابات کردیا یا کوئی چیز ہبہ کردیا تو یہ سب تصرفات درست ہیں اور وہ ثلث مال سے معتبر ہیں اور اس کو اصحاب وصایا کے ساتھ شریک کیا جائیگا۔

تشریح:۔ (۲۵) اگر کسی نے مرض الموت میں اپنا غلام آزاد کردیا، یا کوئی چیز فروخت کردی اور محابات کردیا (یعنی کم قیمت میں فروخت کیا مثلاً دوسو روپیہ کی چیز پچاس روپیہ میں فروخت کی) یا کوئی چیز کسی کو ہبہ کردیا تو اس کے یہ سب تصرفات درست ہیں (۲۶) اور ثلث مال سے معتبر ہیں یہ عقود درحقیقت وصیت نہیں کیونکہ وصیت میں تو تملیک مابعد الموت کی طرف مضاف ہوتی ہے اور یہ عقود فی الحال منجز ہوئے ہیں مگر مرض الموت میں واقع ہونے کی وجہ سے ان کا حکم وصیت کا سا ہے کہ ان کا اعتبار ثلث مال سے ہوگا اور ثلث مال سے معتبر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بقیہ مال کے ساتھ ورثہ کا حق متعلق ہے۔

(۲۷) فَاِنْ حَابٰی ثُمَّ اَعْتَقَ فَالْمُحَابَاةُ اَوْلٰی عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ (۲۸) فَاِنْ اَعْتَقَ ثُمَّ حَابٰی فَهُمَا سَوَاءٌ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ اَلْعِتْقُ اَوْلٰی فِی الْمَسْئَلَتَیْنِ۔

ترجمہ:۔ اور اگر کسی نے محابات کی پھر غلام آزاد کیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک محابات اولیٰ ہے اور اگر غلام کو آزاد کیا پھر محابات کی تو وہ دونوں برابر ہیں اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں دونوں مسئلوں میں عتق اولیٰ ہے۔

تشریح:۔ (۲۷) اگر کسی نے مرض الموت میں بیع محابات کی (یعنی کم قیمت میں کوئی چیز فروخت کردی) پھر اس نے اپنا غلام آزاد کیا حالانکہ مریض کی تہائی ترکہ ان دونوں کی گنجائش نہیں رکھتا ہے تو اس صورت میں محابات اولیٰ اور مقدم ہے عتق سے کیونکہ محابات ایسی

وصیت ہے جو عقد معاوضہ کے ضمن میں ثابت ہوئی ہے تو محابات لفظاً تبرع نہیں بلکہ صرف معنی تبرع ہے اور عتق لفظاً و معنی دونوں طرح تبرع ہے تو بنظر لفظ محابات کو قوت حاصل ہے اسلئے محابات مقدم ہے عتق سے۔

(۲۸) اگر پہلے اپنے غلام کو آزاد کیا پھر کسی کے ساتھ محابات کی تو اس صورت میں عتق اور محابات دونوں برابر ہیں اور ثلث مال سے بقدر حصہ دونوں نافذ ہونگے کیونکہ عقد محابات کو ترجیح بوجہ قوت حاصل ہے اور عتق کو ترجیح بوجہ سبقت حاصل ہے لہذا دونوں برابر ہیں۔

صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک دونوں مسئلوں میں عتق محابات سے مقدم ہے کیونکہ عتق کو فسخ کبھی لاحق نہیں ہوسکتا ہے جبکہ محابات کو از جانب مشتری فسخ لاحق ہوسکتا ہے اسلئے عتق کو قوت حاصل ہے لہذا دونوں صورتوں میں عتق مقدم ہوگا (امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے)۔

(۲۹) وَمَنْ اَوْصٰى بِسَهْمٍ مِنْ مَالِهٖ فَلَهٗ اَخَسُّ سِهَامِ الْوَرَثَةِ (۳۰) اِلَّا اَنْ يَنْقُصَ عَنِ السُّدُسِ فَيُتَمُّ لَهُ السُّدُسُ (۳۱) وَاِنْ اَوْصٰى بِجُزْءٍ مِنْ مَالِهٖ قِيْلَ لِلْوَرَثَةِ اَعْطُوْهُ مَا شِئْتُمْ۔

ترجمہ:۔ اور جس نے مال میں سے ایک سہم کی وصیت کی تو اس کے لئے ورثہ سے سہام کا کم تر حصہ ہوگا الا یہ کہ سدس سے کم ہو تو اس کیلئے سدس پورا کر دیا جائیگا اور اگر اپنے مال کے ایک جزء کی وصیت کی تو وارثوں سے کہا جائیگا کہ دیدو اس کو جتنا تم چاہو۔

تشریح:۔ (۲۹) اگر کسی نے دوسرے کیلئے اپنے مال میں سے ایک سہم کی وصیت کی تو موصی کے وارثوں میں سے جس کا حصہ سب سے کم ہو موصیٰ لہ کو اتنا ہی دیا جائیگا۔ (۳۰) البتہ اگر یہ حصہ سدس سے کم ہو تو موصیٰ لہ کیلئے سدس پورا کر دیا جائیگا کیونکہ سہم لغت میں چھٹا حصہ ہے اور یہی ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً و مرفوعاً مروی ہے۔ (۳۱) اور اگر کسی نے اپنے مال کے ایک جزء کی وصیت کی تو وارثوں سے کہا جائیگا کہ تم جتنا چاہو موصیٰ لہ کو دیدو کیونکہ جزء مجہول ہے تھوڑے بہت سب کو شامل ہے۔ لیکن جزء کا مجہول ہونا صحت وصیت کیلئے مانع نہیں اور ورثہ موصی کے قائم مقام ہیں لہذا جزء کے بیان کا اختیار ورثہ کو ہوگا۔

(۳۲) وَمَنْ اَوْصٰى بِوَصَايَا مِنْ حُقُوْقِ اللّٰهِ تَعَالٰى قُدِّمَتِ الْفَرَائِضُ مِنْهَا عَلٰى غَيْرِهَا قَدَّمَهَا الْمُوْصِيْ اَوْ اَخَّرَهَا مِثْلَ الْحَجِّ وَالزَّكٰوةِ وَالْكَفَّارَاتِ (۳۳) وَمَالَيْسَ بِوَاجِبٍ قُدِّمَ مِنْهُ مَا قَدَّمَهُ الْمُوْصِيْ۔

ترجمہ:۔ اور جس نے حقوق اللہ کی چند وصیتیں کیں تو ان میں سے فرائض کو دوسرے وصیتوں سے مقدم کیا جائیگا خواہ موصی نے ان کو مقدم کیا ہو یا مؤخر کیا ہو جیسے حج، زکوٰۃ اور کفارات اور جو چیزیں واجب نہیں تو ان میں سے وہ مقدم کیا جائیگا جو موصی نے مقدم کیا ہو۔

تشریح:۔ (۳۲) اگر کسی نے حقوق اللہ کی چند وصیتیں کیں تو ان میں سے اگر بعض فرائض اور دوسرے بعض غیر فرائض ہوں تو فرائض کو دوسرے وصیتوں سے مقدم رکھا جائیگا برابر ہے کہ موصی نے بوقت وصیت ان کو پہلے بیان کیا ہو یا بعد میں مثلاً حج، زکوٰۃ اور کفارات وغیرہ کیونکہ فرائض غیر فرائض سے اہم ہیں۔ (۳۳) جو چیزیں واجب نہیں ان میں سے جن کو موصی نے پہلے بیان کیا ہو ان کو پہلے پورا کیا جائیگا کیونکہ یہ متساوی ہیں اور انسان اہم کو پہلے بیان کرتا ہے تو پہلے بیان کیا ہوا اولیٰ ہوگا۔

(۳۴)وَمَنْ اَوْصٰی بِحَجَّةِ الْاِسْلَامِ اَحَجُّوْا عَنْهُ رَجُلًا مِنْ بَلَدِهٖ یَحُجُّ عَنْهُ رَاکِبًا(۳۵)فَاِنْ لَمْ تَبْلُغِ الْوَصِیَّةُ النَّفَقَةَ اَحَجُّوْا عَنْهُ مِنْ حَیْثُ بَلَغَ۔

ترجمہ:۔اور جس نے فرض حج کی وصیت کی تو ایک کو اس کے شہر سے حج کے لئے روانہ کرے پس اگر وصیت نفقہ کو نہ پہنچ سکے تو اس کی طرف سے حج کرائے جہاں سے پہنچ سکے۔

تشریح:۔(۳۴)اگر کسی (مثلاً زید) نے مرض الموت میں وصیت کی کہ میری طرف سے حج کرا دینا تو ورثہ پر واجب ہے کہ موصی کے شہر سے کسی کو حج کیلئے بھیج دے (یہ وجوب تب ہے کہ ثلث ترکہ سفرخرچ کے لئے کافی ہو) کیونکہ زید پر اپنے شہر سے حج کرنا واجب تھا تو حج بدل بھی زید کے شہر سے کرے گا۔اور حج بدل پیدل نہیں بلکہ سوار ہو کر کریگا کیونکہ خود زید پر پیدل چل کر حج کرنا لازم نہیں تھا تو غیر بھی حج کو اسی طرح ادا کریگا جس طرح کہ زید پر واجب تھا۔(۳۵)اگر موصی کا مال اتنا نہ ہو کہ جس کے ثلث سے اس کے شہر سے حج کرایا جا سکے تو ایسی صورت میں جہاں سے حج ہو سکے وہاں سے کرایا جائے تا کہ حتی الامکان وصیت نافذ ہو۔

(۳۶)وَمَنْ خَرَجَ مِنْ بَلَدِهٖ حَاجًّا فَمَاتَ فِی الطَّرِیْقِ وَاَوْصٰی اَنْ یَحُجَّ عَنْهُ حَجَّ عنه مِنْ بَلَدِهٖ عِنْدَ اَبِی حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وقَالَ اَبُوْیُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ یَحُجُّ عَنْهُ من حَیْثُ مَاتَ۔

ترجمہ:۔اور جو شخص اپنے شہر سے حج کے ارادہ سے نکلا پھر وہ راستہ میں مر گیا اور وصیت کی کہ میری طرف سے حج کرائے تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی طرف سے اسکے شہر سے حج کرایا جائے اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جہاں مرا ہے وہاں سے حج کرائے۔

تشریح:۔(۳۶)جو شخص اپنے شہر سے حج کے ارادہ سے نکلا پھر وہ راستہ میں مر گیا اور مرتے ہوئے وصیت کی کہ میری طرف سے حج کرایا جائے تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی طرف سے اسکے شہر سے حج کرایا جائے اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جہاں تک وہ پہنچ گیا ہے وہاں سے حج کرایا جائے۔صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ موصی سفر کے ارادہ سے نکلا ہے تو اس کا جتنا سفر ہوا ہے وہ قربت واقع ہو چکا ہے اور اسکے بقدر قطع مسافت کا فریضہ ساقط ہو گیا لہذا اب دوسرے شخص کو یہیں سے حج کیلئے بھیجا جائیگا وَلِاَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اَنَّ الْوَصِیَّةَ تَنْصَرِفُ اِلَی الْحَجِّ مِنْ بَلَدِهٖ کَمَا مَرَّ۔

(۳۷)وَلَاتَصِحُّ وَصِیَّةُ الصَّبِیِّ (۳۸)وَلَاتَصِحُّ وَصِیَّةُ الْمُکَاتَبِ وَاِنْ تَرَکَ وَفَاءً۔

ترجمہ:۔اور نابالغ بچہ کی وصیت صحیح نہیں اور مکاتب کی وصیت بھی صحیح نہیں اگر چہ وہ اتنا مال چھوڑے جو کافی ہو۔

تشریح:۔(۳۷)اگر نابالغ بچہ نے کسی کے لئے وصیت کی تو بچہ کی وصیت صحیح نہیں کیونکہ وصیت محض تبرع ہے اور بچہ تبرعات کا اہل نہیں لہذا بچہ نہ وصیت کی تنجیز اور نہ تعلیق کا مالک ہوگا۔(۳۸)اسی طرح مکاتب کی وصیت بھی صحیح نہیں اگر چہ وہ اس قدر مال چھوڑ کر مرے کہ جو وصیت کو کافی ہو کیونکہ مکاتب کا مال تبرع قبول نہیں کرتا ہے۔

☆ ☆ ☆

(۳۹)وَيَجوزُ لِلْمُوْصِیْ اَلرّجُوْعُ عَنِ الْوَصِيَّةِ (۴۰)وإذا صَرّحَ بِالرُّجُوْعِ اَوْ فَعَلَ مَا يَدُلّ عَلَى الرُّجُوْعِ كَانَ رُجُوْعًا۔

ترجمہ:۔اور موصی کیلئے وصیت سے رجوع کرنا جائز ہے اور جب رجوع کی تصریح کرے یا ایسا فعل کرے جو رجوع پر دال ہو تو یہ رجوع شمار ہوگا۔

تشریح:۔(۳۹)یعنی موصی کیلئے اپنی وصیت سے رجوع کرنا جائز ہے کیونکہ وصیت ایک عقد تبرع ہے جو ابھی تک تام نہیں ہوا ہے تو ہبہ کی طرح اس سے بھی رجوع کرنا صحیح ہے۔(۴۰)پھر اگر موصی نے رجوع عن الوصیۃ کی تصریح کی مثلاً کہا'' رَجَعْتُ عَمَّا اَوْصَيْتُ بِهِ'' یا زبان سے نہیں کہا بلکہ ایسا فعل کیا جو رجوع کرنے پر دلالت کرتا ہو تو یہ وصیت سے رجوع شمار ہوگا۔رجوع کرنے کی تصریح کی صورت میں تو ظاہر ہے اور ایسا فعل جو دال بر رجوع ہو وہ بھی رجوع ہوگا کیونکہ دلالت پھر صریح کا کام دیتی ہے لہذا یہ''قد رجعت عما اوصیت '' بہ کے قائم مقام ہے۔

(۴۱)وَمَنْ جَحَدَ الْوَصِيَّةَ لَمْ يَكُنْ رُجُوْعًا۔

ترجمہ:۔اور جس نے وصیت سے انکار کیا تو یہ رجوع کرنا نہ ہوگا۔

تشریح:۔(۴۱)اگر کسی نے اپنی وصیت سے انکار کیا یعنی کہا کہ میں نے وصیت ہی نہیں کی ہے تو امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ وصیت سے رجوع کرنا نہ ہوگا کیونکہ انکار درحقیقت زمانہ ماضی میں نفی ہے اور انتفاء فی الماضی کیلئے انتفاء فی الحال ضروری ہے لیکن جب وصیت فی الحال ثابت ہے تو جحود فی الماضی لغو ہوگا۔

(۴۲)وَمَنْ اَوْصٰى لِجِيْرَانِهِ فَهُمُ الْمُلاصِقُوْنَ عِنْدَاَبِی حَنِيْفَةَ رحِمَه الله (۴۳)وَمَنْ اَوْصٰى لِاَصْهَارِهِ فَالْوَصِيَّةُ لِكُلّ ذِیْ رَحِمٍ محرَمٍ مِنْ اِمْرَأتِهِ (۴۴)ومن اَوْصٰى لِاَخْتَانِهِ فَالْخَتَنُ زَوْجُ كُلّ ذَاتِ رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ۔

ترجمہ:۔اور جس نے اپنے پڑوسیوں کیلئے وصیت کی تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ ملے ہوئے پڑوسی ہوں گے اور نے اپنے اصہار کیلئے وصیت کی تو یہ وصیت اسکی بیوی کے ہر ذی رحم محرم ہوگی اور جس نے اپنے اختان کیلئے وصیت کی تو ختن ہر ذی رحم محرم عورت کا شوہر ہے۔

تشریح:۔(۴۲)اگر کسی نے اپنے پڑوسیوں کیلئے وصیت کی تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک پڑوسی وہ لوگ ہیں جن کے گھر اسکے گھر سے ملے ہوئے ہوں کیونکہ جوار قرب سے عبارت ہے اور قریب ملاصق ہے اسلئے کہ غیر ملاصق تو ملاصق کی نسبت سے بعید ہے۔(۴۳)اگر کسی شخص نے اپنے اصہار یعنی سسرال والوں کیلئے وصیت کی تو یہ وصیت ہر ایسے شخص کیلئے ہوگی جو اسکی زوجہ کا ذی رحم محرم ہو جیسے باپ، بھائی، چچا اور ماموں وغیرہ یہ مسئلہ عرف عرب پر مبنی ہے۔ ہمارے ہاں صہر خسر کو کہتے ہیں لہذا صہر کیلئے وصیت خسر کے ساتھ خاص ہوگی۔

(۴۴) اگر کسی نے اپنے اختان کیلئے وصیت کی (عربوں کی اصطلاح میں ختن کسی کے ذی رحم محرم عورتوں کے شوہروں کو کہتے ہیے بیٹی، بہن، پھوپھی کے شوہر) پس یہ وصیت موصی کے تمام ذی رحم محرم عورتوں کے شوہروں کو شامل ہے۔ ہمارے ہاں ختن زوج ۔ کو کہتے ہیں اسلئے ہمارے ہاں ایسی وصیت صرف زوج البنت کے ساتھ مختص ہوگی۔

(۴۵)وَمن اَوصٰی لِاَقَارِبِہٖ فَالوَصِیَّۃُ لِلاَقرَبِ فَالاَقرَبِ مِنْ کُلِّ ذِیْ رَحْمٍ مَحرَمٍ مِنہُ (۴۶) ولایَدخُلُ فِیہِمُ الوَالِدَانِ وَالوَلَدُ (۴۷) وتَکُونُ لِلاِثنَینِ فَصَاعِدًا۔

ترجمہ:۔اور جس نے اپنے اقارب کیلئے وصیت کی تو یہ وصیت اسکے ذی رحم محرم رشتہ داروں میں سے اقرب فالاقرب کیلئے ہوگی اور اس میں موصی کے والدین اور بچے داخل نہیں اور دو یا زیادہ رشتہ داروں کیلئے ہوگی۔

تشریح:۔(۴۵) اگر کسی نے اپنے اقارب کیلئے وصیت کی تو یہ وصیت اسکے ذی رحم محرم رشتہ داروں میں سے اقرب فالاقرب کیلئے ہوگی لہذا اقرب کے ہوتے ہوئے ابعد کو وصیت نہیں ملے گی۔(۴۶) لیکن موصی کے والدین اور اسکے بچے اس میں داخل نہ ہونگے کیونکہ اقارب وہ ہیں جو کسی اور کے واسطے سے قریب ہوں جبکہ والدین اور اولاد بنفسہ قریب ہیں ان میں واسطہ نہیں۔(۴۷) اور یہ وصیت دو یا زیادہ رشتہ داروں کیلئے ہوگی کیونکہ اقارب جمع کا صیغہ ہے اور باب وصیت میں ادنیٰ جمع دو ہے۔

(۴۸) وَاِذَا اَوصٰی بِذٰلِکَ ولَہ عَمَّانِ وخَالانِ فَالوَصِیَّۃُ لِعَمَّیہِ عِندَابِی حَنِیفَۃَ رحِمَہ اللّٰہ (۴۹) واِن کانَ لَہٗ عَمٌّ وخَالانِ فَلِلعَمِّ النِّصفُ وَلِلخَالَینِ النِّصفُ وقَالا رحِمَہُمَا اللّٰہُ الوَصِیَّۃُ لِکُلِّ مَنْ یُنسَبُ اِلٰی اَقصٰی اَبٍ لَہ فِی الاِسلامِ۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی نے اقارب کیلئے وصیت کی اور اس کے لئے دو چچے اور دو ماموں ہیں تو وصیت اس کے چچوں کے ہوگی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اور اگر اس کے لئے ایک چچا اور ایک دو ماموں ہوں تو چچا کے لئے نصف اور دونوں ماموں کے لئے نصف ہوگا اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ وصیت ہر اس شخص کے لئے ہوگی جو اسلام میں اس کے آخری باپ کی طرف منسوب ہو۔

تشریح:۔(۴۸) اگر کسی نے اقارب کیلئے وصیت کی اور حال یہ کہ اسکے صرف دو چچا اور دو ماموں موجود ہیں اور ان کے (اور ماں، باپ کے) سوا کوئی نہیں تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ وصیت اسکے دونوں چچا میں نصف نصف ہوگی اور دونوں ماموں محروم ہونگے کیونکہ امام صاحبؒ اقرب کا اعتبار کرتے ہیں کما فی الارث اور اقرب چچا ہے۔

(۴۹) اگر موصی نے صرف ایک چچا اور دو ماموں چھوڑے تو اس صورت میں نصف وصیت چچا کیلئے ہوگی اور باقی نصف دونوں ماموں کے درمیان برابر ہوگی کیونکہ لفظ اقارب میں معنی جمع کا اعتبار ضروری ہے حالانکہ چچا صرف واحد ہے اسلئے اسکو نصف دیکر باقی ان کیلئے ہوگی جو چچا کے بعد اقرب ہوں۔ صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ وصیت بلفظ اقارب موصی کے ان تمام قرابتوں کیلئے ہوگی جو اسلام میں اسکی انتہائی جد اعلیٰ کی طرف منسوب ہوں یعنی اسکے اجداد میں سے اول جو مسلمان ہوا ہو اسکی اولاد کیلئے ہوگی پھر اس میں قریب

وعبید مذکر ومؤنث سب برابر ہیں۔

(۵۰) وَمَنْ اَوْصٰی لِرَجُلٍ بِثُلُثِ دَرَاهِمِهٖ اَوْ بِثُلُثِ غَنَمِهٖ فَهَلَکَ ثُلُثَا ذَالِکَ وبَقِیَ ثُلُثُهٗ وهو یَخْرُجُ مِنْ ثُلُثِ مَابَقِیَ مِنْ مَالِهٖ فَلَهٗ جَمِیْعُ مَا بَقِیَ ۔

ترجمہ:۔ اور جس نے کسی کے لئے وصیت کی اپنے دراہم کے ثلث کی یا اپنی بکریوں کے ثلث کی پھر اس کے دوثلث ہلاک ہو گئے اور ایک ثلث رہ گیا اور وہ اس کے باقی ماندہ مال کے ثلث سے نکل سکتا ہے تو اس کے لئے تمام باقی ہے۔

تشریح:۔ (۵۰) اگر کسی کے پاس کچھ دراہم یا کچھ بکریاں ہوں اور اس کے پاس بکریوں اور دراہم کے علاوہ اور بھی اتنا مال ہو جو بکریوں یا دراہم کے ثلث سے دوگنا ہو اب اس نے کہا کہ میرے دراہم کا ایک ثلث فلاں کیلئے وصیت ہے یا کہا کہ میری بکریوں کا ایک ثلث فلاں کیلئے وصیت ہے پھر ہوا یہ کہ دراہم یا بکریوں میں سے دوثلث ہلاک ہو گئے اور ایک ثلث باقی رہ گیا اور اس ثلث کے علاوہ موصی کے پاس اتنا مال موجود ہے کہ وہ اس کے مقابلے میں ثلثان یا اس سے زیادہ ہے تو موصیٰ لہ کو دراہم میں سے یا بکریوں میں سے جو ثلث باقی ہے وہ پورا ثلث دیا جائیگا کیونکہ دراہم یا بکریوں میں موصیٰ لہ اور ورثہ دونوں کا حق ہے اور موصیٰ لہ کا حق مقدم ہے اسلئے کہ وصیت میراث سے مقدم ہوتی ہے تو اس میں موصی لہ کا حق اصالۃً ہے اور ورثہ کا حق تبعاً ہے۔

پھر قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی مال اصل اور تابع پر مشتمل ہو اور اس میں سے کچھ ہلاک ہو جائے تو ہلاکت کو تابع کی طرف پھیرا یا جاتا ہے اصل کی طرف نہیں لہذا یہاں ہلاکت کو اس ثلث کی طرف پھیرائی جائے گی جو ورثہ کا حق تھا اور اصل ثلث باقی ہے لہذا وہ موصیٰ لہ کو دیا جائیگا۔

(۵۱) وانْ اَوْصٰی بِثُلُثِ ثِیَابِهٖ فَهَلَکَ ثُلُثَاهَا وبَقِیَ ثُلُثُهَا وهو یَخْرُجُ مِنْ ثُلُثِ مابَقِیَ من مَالِهٖ لَمْ یَسْتَحِقَّ اِلَّا ثُلُثُ مابَقِیَ مِنَ الثِّیَابِ۔

ترجمہ:۔ اور اگر کسی نے اپنے کپڑوں کے ایک ثلث کی وصیت کی پھر کپڑوں میں سے دوثلث ہلاک ہوئے اور ایک ثلث باقی رہ گیا اور یہ ثلث اس کے باقی مال کے ثلث سے نکل سکتا ہے تو موصی لہ مستحق نہیں ہوگا مگر باقی ماندہ کپڑوں کے ثلث کا۔

تشریح:۔ (۵۱) اگر کسی نے اپنے کپڑوں کے ایک ثلث کی وصیت کی پھر کپڑوں میں سے دوثلث ہلاک ہوئے ایک ثلث باقی رہ گیا اور یہ ثلث اس کے دیگر اموال کے ثلث سے نکل سکتا ہے تو موصی لہ کو ان کپڑوں میں سے صرف ایک ثلث ملے گا۔ لیکن علماء کی رائی یہ ہے کہ اگر کپڑے مختلف الجنس ہوں تو باقی کپڑوں کا ثلث ملے گا اور اگر ایک جنس کے ہوں تو پورا باقی کپڑے ملیں گے کیونکہ متحد الجنس ہونے کی صورت میں کپڑے دراہم کے مثل ہو گئے جسکی تفصیل گذشتہ مسئلہ میں بیان ہوئی ہے۔

(۵۲)وَمَنْ اَوْصٰى لِرَجُلٍ بِاَلْفِ دِرْهَمٍ ولَه مالٌ عَيْنٌ وَدَيْنٌ فَاِنْ خَرَجَ الْاَلْفُ مِنْ ثُلُثِ الْعَيْنِ دُفِعَتْ اِلَى الْمُوْصٰى لَه وَاِنْ لم يَخْرُجْ دُفِعَ اِلَيْهِ ثُلُثُ الْعَيْنِ وكُلَّ ما خَرَجَ شَيْئٌ مِنَ الدَّيْنِ اَخَذَ ثُلُثَهُ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَ الْاَلْفَ۔

ترجمہ:۔اور جس نے کسی کے لئے ہزار درہم کی وصیت کی اور اس کا کچھ مال نقد ہے اور کچھ قرض ہے تو اگر ایک ہزار نقد کے ثلث سے نکل آئے تو موصی لہ کو دے جائیں گے اور اگر نہ نکلے تو نقد کا ثلث اسے دے دیا جائیگا اور قرض سے جو وصول ہوتا رہے تو اس کا ثلث لیتا رہے یہاں تک کہ پورے ایک ہزار لے لے۔

تشریح:۔(۵۲) اگر کسی نے وصیت کی کہ میرے مال میں سے فلاں کو ہزار روپیہ دیدیے جائیں پھر اس نے کچھ مال تو نقد چھوڑا اور کچھ مال ایسا ہے جو لوگوں پر قرض ہے تو اگر نقد مال اتنا ہو کہ جس کا ثلث ہزار ہوتا ہو مثلاً تین ہزار یا اس سے زیادہ نقد مال موجود ہے تو موصی لہ کو ہزار روپیہ اس نقد مال سے دیدیے جائیں گے کیونکہ بغیر کمی کے ہر ایک حقدار کو حق پہنچادینا ممکن ہے تو موصی لہ کو بھی اپنا حق پہنچادیا جائیگا۔

اگر نقد مال اتنا نہیں ہے بلکہ کم ہے مثلاً پندرہ سو ہے باقی مال لوگوں پر قرض ہے تو موصی لہ کو نقد میں سے ایک ثلث دیا جائیگا باقی حصہ اس کو قرض میں سے ملے گا جس کی صورت یہ ہوگی کہ جتنا قرض وصول ہوتا جائیگا اسکا ایک ثلث موصی لہ کو دیتا جائیگا یہاں تک کہ اسکے ہزار روپیہ پورے ہوجائیں کیونکہ موصی لہ ورثہ کے ساتھ شریک ہے اور اس کو صرف نقد میں سے دینے میں ورثہ کا نقصان ہے کیونکہ عین کو دین پر فضیلت حاصل ہے اسلئے صرف نقد سے نہیں دیا جائیگا۔

(۵۳)وتَجُوْزُ الْوَصِيَّةُ لِلْحَمْلِ وبِالْحَمْلِ اِذَا وُضِعَ لِاَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ مِنْ يَوْمِ الْوَصِيَّةِ (۵۴)ومَنْ اَوْصٰى لِرَجُلٍ بِجَارِيَةٍ اِلَّا حَمْلَهَا صَحَّتِ الْوَصِيَّةُ وَالْاِسْتِثْنَاءُ۔

ترجمہ:۔اور جائز ہے حمل کیلئے وصیت کرنا اور حمل کی وصیت کرنا جبکہ وضع حمل چھ ماہ سے کم میں ہو وصیت کے دن سے اور جس نے کسی کیلئے باندی کی وصیت کی مگر اس کا حمل تو وصیت اور استثناء دونوں درست ہیں۔

تشریح:۔(۵۳) حمل کیلئے وصیت کرنا جائز ہے مثلاً یہ کہے کہ فلاں عورت کے پیٹ میں جو بچہ ہے اسکے لئے ہزار روپیہ کی وصیت کرتا ہوں تو یہ جائز ہے۔ اسی طرح حمل کا کسی شخص کیلئے وصیت کرنا بھی جائز ہے مثلاً جو کچھ میری فلاں باندی کی پیٹ میں ہے اسکی میں نے زید کیلئے وصیت کی ہے تو یہ جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ وصیت کے وقت سے چھ مہینے سے کم میں پیدا ہو۔ وصیت برائے حمل کے جواز کی دلیل یہ ہے کہ وصیت میں ایک طرح سے موصی موصیٰ لہ کو اپنا خلیفہ بناتا ہے اور حمل میراث میں خلیفہ ہوسکتا ہے تو وصیت میں بھی خلیفہ ہوسکتا ہے۔

وصیتِ حمل کے جواز کی دلیل یہ ہے کہ حمل پیدا ہونے کو ہے کیونکہ کلام ایسے حمل میں ہے جس کا موجود ہونا بوقت وصیت معلوم ہو یعنی یہ قید لگائی ہے کہ وصیت سے چھ مہینے سے کم میں پیدا ہوا جبکہ باب وصیت میں تو اتنی وسعت ہے کہ معدوم کی بھی وصیت کرنا صحیح ہے مثلاً غیر موجود پھلوں کی وصیت کرنا جائز ہے تو حمل موجود میں تو بطریقہ اولیٰ جائز ہوگی۔

(۵۴) اگر کسی نے دوسرے کیلئے باندی کی وصیت کی لیکن اسکا حمل مستثنیٰ کیا مثلاً کہا کہ میری فلاں باندی کی میں نے زید کیلئے وصیت کی ہے سوائے اسکے حمل کے تو یہ وصیت اور استثناء دونوں درست ہیں کیونکہ صرف حمل کی وصیت صحیح ہے تو حمل کا استثناء بھی صحیح ہوگا۔

(۵۵) وَمَنْ اَوْصٰی لِرَجُلٍ بِجَارِیَةٍ فَوَلَدَتْ بَعْدَ مَوْتِ الْمُوْصِیْ قَبْلَ اَنْ یَقْبَلَ الْمُوْصٰی لَهٗ وَلَدًا ثم قَبِلَ الْمُوْصٰی له وهُمَا یَخْرُجَانِ مِنَ الثُّلُثِ فَهُمَا لِلْمُوْصٰی له (۵٦) وَاِنْ لم یَخْرُجَا مِنَ الثُّلُثِ ضُرِبَ بِالثُّلُثِ وَاَخَذَ ما یَخُصُّهٗ مِنْهُمَا جَمِیْعًا فِیْ قَوْلِ اَبِیْ یُوْسُفَ رحمه الله وَمُحَمَّدٍ رحمه الله وقالَ اَبُوْ حَنِیْفَةَ رحمه الله یَاْخُذُ ذَالِکَ مِنَ الْاُمِّ فَاِنْ فَضُلَ شَیْءٌ اَخَذَهٗ مِنَ الْوَلَدِ۔

ترجمہ:۔ اور جس نے کسی کیلئے ایک باندی کی وصیت کی پھر وہ باندی موت موصی کے بعد بچہ جنی موصی لہ کے قبول کرنے سے پہلے پھر موصی لہ نے قبول کیا اور وہ دونوں ثلث سے نکل سکتے ہیں تو دونوں موصی لہ کے لئے ہونگے اور اگر دونوں ثلث سے نہیں نکل سکتے تو دونوں ثلث میں شامل کئے جائینگے اور لے گا دونوں کے مجموعہ سے وہ جو اس کے حصہ میں آئے صاحبین رحمہما اللہ کے قول میں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ اپنا حصہ ماں سے لیگا اور اگر کچھ رہ جائے تو بچہ سے وصول کریگا۔

تشریح:۔ (۵۵) اگر کسی نے دوسرے کیلئے ایک باندی کی وصیت کی پھر وہ باندی موت موصی کے بعد اور موصی لہ کے قبول کرنے سے پہلے بچہ جنی تو اگر باندی بمع بچہ کے میت کے ثلث سے نکلتی ہو تو باندی بمع بچہ کے بکر کیلئے ہوگی کیونکہ بچہ نماء الام ہے لہذا ماں کا تابع ہے۔

(۵٦) اگر باندی بمع بچہ کے میت کے ثلث سے نہ نکلے تو صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک وہ اپنا ثلث دونوں میں سے جتنا اس کے حصہ میں آئے اس کو لے گا کیونکہ جب بچہ وصیت میں داخل ہوا تو یہ ایسا ہے گویا ایجاب دونوں پر وارد ہوا ہے لہذا ایک دوسرے سے مقدم نہیں ہوسکتا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ اپنی تہائی ماں سے لیگا اگر ماں سے اسکی تہائی پوری ہوجائے تو فبہا ورنہ اگر کچھ رہ جائے تو اسکی کمی بچہ سے پوری کی جائے گی کیونکہ عقد میں ماں اصل ہے تو تنفیذ عقد میں بھی ماں اصل اور مقدم ہوگی (امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے)۔

(۵۷) وَتَجُوْزُ الْوَصِیَّةُ بِخِدْمَةِ عَبْدِهٖ وَسُکْنٰی دَارِهٖ سِنِیْنَ مَعْلُوْمَةً وتَجُوْزُ ذَالِکَ اَبَدًا (۵۸) فَاِنْ خَرَجَتْ رَقَبَةُ الْعَبْدِ مِنَ الثُّلُثِ سُلِّمَ اِلَیْهِ لِلْخِدْمَةِ وَاِنْ کَانَ لامالَ له غَیْرُهٗ خَدَمَ الْوَرَثَةَ یَوْمَیْنِ وَالْمُوْصٰی له یَوْمًا (۵۹) فَاِنْ مَاتَ الْمُوْصٰی لَهٗ عَادَ اِلَی الْوَرَثَةِ (٦۰) فَاِنْ مَاتَ الْمُوْصٰی لَهٗ فِیْ حَیَاةِ الْمُوْصِیْ بَطَلَتِ الْوَصِیَّةُ۔

ترجمہ:۔ اور جائز ہے وصیت کرنا اپنے غلام کی خدمت کی اور اپنے گھر کی سکونت کی معلوم سالوں تک اور یہ ہمیشہ کیلئے بھی جائز ہے پھر اگر غلام ثلث مال سے نکل سکا تو اسے خدمت کے لئے موصی لہ کے حوالہ کردیا جائیگا اور اگر اس کے پاس غلام کے سوا اور مال نہ ہو تو دو دن ورثہ کی خدمت کریگا اور ایک دن موصی لہ کی پھر اگر موصی لہ مرگیا تو غلام ورثہ کی طرف عود کریگا اور اگر موصی کی زندگی میں موصی لہ مرگیا تو وصیت باطل ہوگئی۔

تشریح:۔(۵۷) اپنے غلام کی خدمت یا اپنے گھر کی سکونت کی معلوم سالوں تک کسی کے لئے وصیت کرنا جائز ہے اور ہمیشہ کیلئے بھی اسکی وصیت جائز ہے کیونکہ منافع میں یہ جائز ہے کہ موصی کی زندگی میں غیر کو ان کا مالک کردے بعوض وبغیر عوض دونوں طرح صحیح ہے (مثلاً بعوض اُجرت منافع کا کسی کو مالک کرنا یا ملت عاریۃً کسی کو کوئی چیز دیدینا) تو اسی طرح موصی کی طرف سے اپنی موت کے بعد بھی کسی کو منافع کا مالک کرنا جائز ہے۔

(۵۸) پھر اگر غلام موصی کے ثلث مال سے نکل سکتا ہو تو یہ غلام موصی لہ کی خدمت کیلئے موصی لہ کے حوالہ کردیا جائیگا۔ اور اگر موصی کیلئے اس غلام کے سوا اور مال نہیں ہے تو یہ غلام دو دن موصی کے وارثوں کی خدمت کریگا اور ایک دن موصی لہ کی خدمت کریگا کیونکہ موصی لہ کا حق ایک ثلث میں ہے اور وارثوں کا حق دو ثلث میں اور غلام کی تقسیم چونکہ ناممکن ہے اسلئے اس میں باری مقرر کردیجائے گی۔

(۵۹) پھر اگر موصی لہ مرگیا تو یہ غلام موصی کے وارثوں کی طرف عود کریگا موصی لہ کے وارثوں کو حق انتفاع نہ ہوگا کیونکہ موصی نے تو موصی لہ کو حق خدمت دیا تھا نہ کہ موصی لہ کے وارثوں کو پس اگر حق انتفاع ورثہ موصی لہ کی جانب منتقل ہو تو موصی لہ کا وارث از سر نو موصی کی ملک کا اسکی رضامندی کے بغیر مستحق ہونگے حالانکہ یہ جائز نہیں ہے۔(۶۰) اگر موصی کی زندگی میں موصی لہ مرگیا تو وصیت باطل ہوگی کیونکہ وصیت ایجاب بعد الموت ہے اور حال یہ ہے کہ موصی لہ وجوب حق سے پہلے مرگیا فَبَطَلَ۔

(۶۱) وَاِذَا اَوْصٰی لِوَلَدِ فُلَانٍ فَالْوَصِيَّةُ بَيْنَهُمْ اَلذَّكَرُ وَالْاُنْثٰى سَوَاءٌ (۶۲) وَمَنْ اَوْصٰی لِوَرَثَةِ فُلَانٍ فَالْوَصِيَّةُ بَيْنَهُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ (۶۳) وَمَنْ اَوْصٰی لِزَيْدٍ وَعَمْرٍو بِثُلُثِ مَالِهٖ فَاِذَا عَمْرٌو مَيِّتٌ فَالثُّلُثُ كُلُّهٗ لِزَيْدٍ (۶۴) وَاِنْ قَالَ ثُلُثُ مَالِيْ بَيْنَ زَيْدٍ وَعَمْرٍو وَزَيْدٌ مَيِّتٌ كَانَ لِعَمْرٍو نِصْفُ الثُّلُثِ۔

ترجمہ:۔ اور اگر کسی نے ولد فلاں کیلئے وصیت کی تو یہ وصیت ان کے درمیان مشترک ہوگی مذکر و مؤنث اس میں برابر ہونگے اور اگر کسی نے فلاں کے وارثوں کیلئے وصیت کی تو یہ وصیت فلاں کے وارثوں میں "لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ" کے مطابق ہوگی اور اگر کسی نے زید و عمرو کیلئے اپنے ثلث مال کی وصیت کی حالانکہ عمرو اس وقت مرچکا تھا تو یہ ثلث مال سارا زید کے لئے ہوگا اور اگر کہا کہ میرا ثلث مال زید اور عمرو کے درمیان میں ہے حالانکہ زید مرچکا ہے تو عمرو کے لئے ثلث مال کا نصف ہے۔

تشریح:۔(۶۱) اگر کسی نے ولد فلاں کیلئے وصیت کی تو یہ وصیت فلاں کی اولاد کے درمیان مشترک ہوگی مذکر و مؤنث اس میں برابر ہونگے کیونکہ لفظ ولد کا اطلاق سب پر مساوی ہے۔(۶۲) اگر کسی نے فلاں کے وارثوں کیلئے وصیت کی تو یہ وصیت فلاں کے وارثوں میں ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ﴾ (لڑکے کا حصہ دولڑکیوں کے حصہ کے برابر ہے) کے مطابق ہوگی یعنی عورت سے مرد کا حصہ دوگنا ہوگا کیونکہ لفظ میراث کے ساتھ ایجاب تفصیل کو مقتضی ہے كَمَا فِي الْمِيْرَاثِ۔

(۶۳) اگر کسی نے زید و عمرو کیلئے اپنے ثلث مال کی وصیت کی تھی حالانکہ عمرو اس وقت مرچکا تھا تو یہ ثلث مال سارا زید کا ہوگا کیونکہ میت اہل وصیت نہیں لہذا یہ زید موصی لہ کا مزاحم نہیں ہوسکتا ہے تو یہ ایسا ہے جیسا کوئی زید اور دیوار کیلئے وصیت

کرے تو یہ کل وصیت زید کیلئے ہوگی۔(٦٤)اگر کسی نے اس طرح وصیت کی کہ میرا ثلث مال زید اور عمرو میں تقسیم کر دینا حالانکہ زید مر چکا ہے تو عمرو کو ثلث مال کا نصف ملے گا کیونکہ لفظ بین اشتراک کے لئے آتا ہے تو گویا اس نے یہ وصیت کی ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کو ثلث مال کا نصف دینا۔

(٦٥)وَمَنْ اَوْصٰى بِثُلُثِ مَالِهٖ وَلامَالَ لَهٗ ثُمَّ اِكْتَسَبَ مَالًا اِسْتَحَقَّ الْمُوْصٰى لَهٗ ثُلُثَ مَايَمْلِكُهٗ عِنْدَالْمَوْتِ۔

ترجمہ:۔اور جس نے اپنے ثلث مال کی وصیت کی حالانکہ اس کے پاس مال نہیں پھر اس نے کچھ مال کمایا اور مرگیا تو موصی لہ اس کے ثلث کا مستحق ہوگا جس کا وہ موت کے وقت مالک ہو۔

تشریح:۔(٦٥)اگر کسی نے دوسرے کے لئے اپنے ثلث مال کی وصیت کی حالانکہ فی الحال موصی کے پاس کچھ مال نہیں پھر اس نے کچھ مال کمایا اور مرگیا تو بوقت موت جو چیز موصی کی ملکیت ہوگی اس کے ایک ثلث کا موصی لہ مستحق ہوگا کیونکہ وصیت ایسا عقد ہے جو موت کے بعد سے تعلق رکھتا ہے اور اس کا حکم بھی موت کے بعد ہی ہوتا ہے اسلئے مال کا ہونا موت کے وقت شرط ہے نہ کہ موت سے پہلے۔

كِتَابُ الْفَرَائِضِ

یہ کتاب فرائض کے بیان میں ہے۔

امام قدوری رحمہ اللہ مسائل وصیت سے فارغ ہوگئے تو چونکہ وصیت اخت المیراث ہے اسلئے وصیت کے بعد میراث کے مسائل ذکر فرماتے ہیں اور ان الوصية تصرف فی حال مرض الموت والفرائض بعد الموت۔

"فرائض" جمع ہے "فریضۃ" کی۔"فریضۃ" مشتق ہے "فرض" سے مشتق ہے جو بمعنی قطع کرنے اور تقدیر کے ہے کہا جاتا ہے "فرض القاضی النفقة ای قدرها"۔اور اصطلاح شرع میں وارث کے لئے مقرر حصہ میراث کو فرض کہتے ہیں پھر لفظ فرض کی جمع یعنی فرائض علم میراث کا نام بن گیا۔اور علم فرائض کی یوں تعریف کی گئی ہے "هو علم باصول من فقه وحساب يعرف به حق كل من التركة" "یعنی علم فرائض فقہ اور حساب کے کچھ اصول کا علم ہے جس کے ذریعہ ورثہ کے حقوق معلوم کئے جاتے ہیں۔وهذا العلم من اشرف العلوم قَالَ اللّٰهُ تَعَالىٰ ﴿فَرِيْضَةً مِنَ اللّٰهِ﴾ (یعنی یہ حکم من جانب اللہ مقرر کر دیا گیا)"وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَلَّمُوْا الْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوْهَا النَّاسَ"،(یعنی فرائض سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ) وقال عليه السلام "تعلموا الفرائض وعلموها فانها نصف العلم"۔

فان قيل مامعنى قوله فانها نصف العلم؟

قيل:۔لأن للانسان حالتين حالة حياة وحالة موت والفرائض من أحكام الموت فيكون لفظ النصف ههنا عبارة عن قسم عن قسمين۔

☆☆☆

(۱) اَلْمُجْمَعُ عَلٰی تَوْرِیْثِهِمْ مِنَ الذُّكُوْرِ عَشَرَةُ اَلْاِبْنُ وَابْنُ الْاِبْنِ وَاِنْ سَفُلَ وَالْاَبُ وَالْجَدُّ وَاَبُوْالْجَدِّ وَاِنْ عَلَا وَالْاَخُ وَابْنُ الْاَخِ وَالْعَمُّ وَابْنُ الْعَمِّ وَالزَّوْجُ وَمَوْلَی النِّعْمَةِ وَمِنَ الْاِنَاثِ سَبْعٌ اَلْبِنْتُ وَبِنْتُ الْاِبْنِ وَالْاُمُّ وَالْجَدَّةُ وَالْاُخْتُ وَالزَّوْجَةُ وَمَوْلَاةُ النِّعْمَةِ (۲) وَلَا یَرِثُ اَرْبَعَةٌ اَلْمَمْلُوْکُ وَالْقَاتِلُ مِنَ الْمَقْتُوْلِ وَالْمُرْتَدُّ وَاَهْلُ الْمِلَّتَیْنِ۔

ترجمہ: ۔اور مردوں میں سے جن کے وارث ہونے پر اجماع ہے وہ دس مرد ہیں، ابن، ابن الابن اگر چہ نیچے کا ہو، اب، جد یعنی ابو الاب اگر چہ اوپر تک ہو، بھائی، بھتیجا، چچا، ابن العم، زوج، آزاد کرنے والا آقا، اور عورتوں میں سے سات ہیں، بیٹی، پوتی، ماں، دادی بہن، بیوی، آزاد کرنے والی مالکہ، اور چار آدمی وارث نہیں ہوگے، غلام، قاتل مقتول سے، مرتد اور دو مختلف دین والے۔

[illegible] ں سے جن کے وارث ہونے پر اجماع ہے وہ دس مرد ہیں، ابن، ابن الابن اگر چہ نیچے کا ہو یعنی پڑپوتا وغیرہ اس سے نیچے، اب، جد اگر چہ اوپر تک ہو یعنی پردادا اور اس سے اوپر۔ بھائی، بھتیجا، چچا، چچازاد، زوج، مولی النعمہ یعنی آزاد کرنے والا آقا، اور عورتوں میں سے جنکے وراثت ہونے پر اجماع ہے وہ سات ہیں، بیٹی، پوتی، ماں، دادی، بہن، بیوی، مولاۃ النعمہ یعنی آزاد کرنے والی مالکہ۔

(۲) چار آدمی وارث نہیں ہوتے ہیں۔/ **نمبر ۱** ۔غلام لِاَنَّ الْمِیْرَاثَ نَوْعُ تَمْلِیْکٍ وَالْعَبْدُ لَایَمْلِکُ۔/ **نمبر ۲** ۔قاتل مقتول کا وارث نہیں ہوتا ہے کیونکہ اس نے اس شئی میں جلدی کیا جو اللہ تعالی نے مؤخر کر دیا ہے پس محروم کر کے اس کو سزا دی گئی۔/ **نمبر ۳** ۔مرتد وارث نہیں ہوتا ہے کیونکہ مرتد کسی ملت پر قائم نہیں اسلئے کہ جس ملت پر اب ہے اس پر اسکو استقرار نہیں۔/ **نمبر ٤** ۔جس وارث کو اپنے مورث سے ملت کا اختلاف ہو وہ وارث نہیں ہوتا مثلاً کوئی مسلمان ہو دوسرا یہودی یا عیسائی یا ہندو ہو کیونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے باپ (ابوطالب) کی میراث نہیں پائی۔

(۳) وَالْفُرُوْضُ الْمَحْدُوْدَةُ فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ سِتَّةٌ اَلنِّصْفُ وَالرُّبُعُ وَالثُّمُنُ وَالثُّلُثَانِ وَالثُّلُثُ وَالسُّدُسُ (٤) وَالنِّصْفُ فَرْضُ خَمْسَةٍ اَلْبِنْتُ وَبِنْتُ الْاِبْنِ اِذَا لَمْ یَكُنْ بِنْتُ الصُّلْبِ وَالْاُخْتُ مِنَ الْاَبِ وَالْاُمِّ وَالْاُخْتُ مِنَ الْاَبِ اِذَا لَمْ تَكُنْ اُخْتٌ لِاَبٍ وَاُمٍّ وَالزَّوْجُ اِذَا لَمْ یَكُنْ لِلْمَیِّتِ وَلَدٌ وَلَا وَلَدُ اِبْنٍ وَاِنْ سَفُلَ۔

ترجمہ: ۔اور وہ حصے جو قرآن مجید میں مقرر کئے گئے ہیں چھ ہیں آدھا، چوتھائی، آٹھواں، دو تہائی، تہائی اور چھٹا حصہ اور نصف پانچ وارثوں کا حصہ ہے، بنت، بنت الابن بشرطیکہ صلبی بنت نہ ہو، اور ماں باپ شریک بہن، باپ شریک بہن بشرطیکہ ماں باپ شریک بہن نہ ہو، زوج بشرطیکہ میت کا ولد اور ولد الابن نہ ہو اگر چہ نیچے کا ہو۔

تشریح: ۔(۳) وارثوں کے وہ حصے جو قرآن مجید میں مقرر کئے گئے ہیں وہ چھ ہیں آدھا، چوتھائی، آٹھواں، دو تہائی، تہائی اور چھٹا حصہ۔(٤) پھر آدھا پانچ وارثوں کا حصہ ہے۔/ **نمبر ۱** ۔بیٹی کا حصہ ہے جبکہ وہ اکیلی ہو۔/ **نمبر ۲** ۔بنت الابن کا حصہ ہے بشرطیکہ وہ اکیلی ہو اور بنت وابن نہ ہو۔/ **نمبر ۳** ۔حقیقی بہن یعنی ماں باپ شریک بہن کا حصہ ہے بشرطیکہ وہ اکیلی ہو اور اولاد و اولاد الابن نہ ہوں۔/ **نمبر ٤** ۔علاتی بہن یعنی صرف باپ شریک بہن کا حصہ ہے بشرطیکہ اکیلی ہو اور حقیقی بھائی بہن نہ ہوں اور اولاد و اولاد

الابنا بھی نہ ہوں۔/ نمبر ۵۔ زوج کا حصہ ہے بشرطیکہ میت کی نہ اولاد ہو اور نہ اولاد الابن ہو۔

(۵) وَالرُّبُعُ لِلزَّوْجِ مَعَ الْوَلَدِ اَوْ وَلَدِ الْاِبْنِ وَاِنْ سَفُلَ وَلِلزَّوْجَاتِ اِذَالَمْ يَكُنْ لِلْمَيِّتِ وَلَدٌ وَلَاوَلَدُ اِبْنٍ (٦) وَالثُّمُنُ لِلزَّوْجَاتِ مَعَ الْوَلَدِ اَوْ وَلَدِ الْاِبْنِ (٧) وَالثُّلُثَانِ لِكُلِّ اِثْنَيْنِ فَصَاعِدًا مِمَّنْ فَرْضُهُ النِّصْفُ اِلَّا الزَّوْجَ (٨) وَالثُّلُثُ لِلْاُمِّ اِذَالَمْ يَكُنْ لِلْمَيِّتِ وَلَدٌ وَلَاوَلَدُ اِبْنٍ وَلَااِثْنَانِ مِنَ الْاِخْوَةِ وَالْاَخَوَاتِ فَصَاعِدًا۔

ترجمہ:۔ اور ربع زوج کے لئے ہے بیٹے کے ساتھ یا بیٹے کے بیٹے کے ساتھ اگر چہ نیچے کا ہو اور زوجات کے لئے ہے بشرطیکہ میت کے ابن اور ولد الابن نہ ہو اور ثمن زوجات کے لئے ولد اور ولد الابن کے ساتھ اور ثلثان ہر دو یا اس سے زائد کے لئے ہے ان میں سے جن کا حصہ نصف ہے سوائے شوہر کے اور ثلث ماں کے لئے ہے بشرطیکہ میت کے لئے ولد اور ولد الابن اور اخوۃ واخوات میں سے دو یا زیادہ نہ ہوں۔

تشریح:۔ (۵) ربع دو وارثوں کو ملتا ہے۔/ نمبر ۱۔ زوج کو اس وقت کہ میت کا بیٹا یا پوتا وغیرہ ہوں اگر چہ نیچے کا ہو۔/ نمبر ۲۔ زوجہ اگر اکیلی ہو تو کامل ربع ملے گا اور اگر متعدد ہوں تو سب ربع میں شریک ہونگی بشرطیکہ میت کا بیٹا یا پوتا وغیرہ نہ ہو۔ (۶) آٹھواں حصہ ورثہ میں سے صرف ایک صنف کو ملتا ہے یعنی زوجات کو اگر میت کا ولد یا ولد الابن ہو پھر اگر زوجہ ایک ہو تو کامل آٹھواں حصہ ملے گا اور اگر متعدد ہوں تو آٹھویں حصہ میں سب شریک ہونگی۔ (۷) ثلثان ہر دو یا اس سے زائد کے لئے ہے ان ورثہ میں سے جن کا حصہ نصف ہے سوائے شوہر کے۔

(۸) ثلث ورثہ میں سے دو صنف کو ملتا ہے۔/ نمبر ۱۔ اُم کو بشرطیکہ میت کا بیٹا، پوتا وغیرہ نہ ہوں اور نہ میت کے دو یا زیادہ بھائی یا بہنیں ہوں۔ حصہ ثلث کا دوسرا مستحق اگلے مسئلہ میں ذکر کیا جائیگا۔

(۹) وَيُفْرَضُ لَهَا فِي مَسْئَلَتَيْنِ ثُلُثُ مَابَقِيَ وَهُمَا زَوْجٌ وَاَبَوَانِ اَوْاِمْرَاَةٌ وَاَبَوَانِ فَلَهَا ثُلُثُ مَابَقِيَ بَعْدَ فَرْضِ الزَّوْجِ اَوِ الزَّوْجَةِ (١٠) وَهُوَلِكُلِّ اِثْنَيْنِ فَصَاعِدًا مِنْ وَلَدِ الْاُمِّ ذُكُوْرُهُمْ وَاِنَاثُهُمْ فِيْهِ سَوَاءٌ۔

ترجمہ:۔ اور ماں کے لئے دو مسئلوں میں باقی کا ثلث مقرر کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہیں کہ شوہر اور والدین یا بیوی اور والدین ہوں تو ماں کے لئے شوہر یا بیوی کے حصے کے بعد باقی کا ثلث ہے اور ثلث اخیافی بھائی بہنوں میں سے ہر دو یا زیادہ کے لئے ہے جس میں ان کے مرد اور عورتیں برابر ہیں۔

تشریح:۔ (۹) یعنی ماں کیلئے دو مسئلوں میں ثلث باقی مقرر ہے۔/ نمبر ۱۔ یہ کہ شوہر اور ماں، باپ وارث ہوں ان کے سوا اور کوئی بیٹا وغیرہ میت کا نہ ہو تو اس صورت میں شوہر کا حصہ دینے کے بعد باقی مال کا ثلث ماں کیلئے ہوگا۔/ نمبر ۲۔ یہ کہ بیوی اور ماں، باپ وارث ہوں تو اس صورت میں بھی بیوی کا حصہ دینے کے بعد باقی مال کا ثلث ماں کیلئے ہوگا۔

(۱۰) کل مال کے ثلث کا دوسرا مستحق اخوۃ واخوات اخیافی (صرف ماں شریک بھائی اور بہنیں) ہیں خواہ دو ہوں یا زیادہ ہوں اور

اس میں مذکر ومؤنث سب برابر ہیں لِقَوْلِهٖ تَعَالیٰ ﴿فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَالِکَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ﴾ (یعنی اگر یہ لوگ اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب تہائی میں شریک ہونگے) اور شرکت جب مطلق ذکر ہو تو مساوات کا تقاضا کرتا ہے۔

(۱۱) وَالسُّدُسُ فَرْضُ سَبْعَةٍ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الْاَبَوَيْنِ مَعَ الْوَلَدِ اَوْ وَلَدِ الْاِبْنِ وَهُوَ لِلْاُمِّ مَعَ الْاِخْوَةِ وَهُوَ لِلْجَدَّاتِ وَلِلْجَدِّ مَعَ الْوَلَدِ اَوْ وَلَدِ الْاِبْنِ وَلِبَنَاتِ الْاِبْنِ مَعَ الْبِنْتِ وَلِلْاَخَوَاتِ لِلْاَبِ مَعَ الْاُخْتِ لِلْاَبِ وَالْاُمِّ وَلِلْوَاحِدِ مِن وَلَدِ الْاُمِّ۔

ترجمہ:۔ اور سدس سات وارثوں کا حصہ ہے، ماں، باپ میں سے ہر ایک کیلئے ولد اور ولد الابن کیساتھ اور ماں کے لئے بھائیوں کے ساتھ اور دادی کے لئے اور دادا کے لئے ولد اور ولد الابن کے ساتھ اور پوتیوں کے لئے ایک بیٹی کے ساتھ اور علاتی بہنوں کے لئے ایک حقیقی بہن کے ساتھ اور ایک اخیافی بھائی کے لئے ہے۔

تشریح:۔ (۱۱) یعنی سدس ورثہ میں سے سات اصناف کو ملتا ہے، ماں، باپ میں سے ہر ایک کیلئے بشرطیکہ میت کا بیٹا یا پوتا ہو اور اگر میت کے اخوۃ اخوات میں سے دو یا زیادہ ہوں تو بھی ماں کو سدس ملیگا اور دادی اور دادا کیلئے بھی سدس ہے بشرطیکہ میت کا بیٹا یا پوتا ہو اور باپ نہ ہو اور اگر میت کی پوتیاں ہوں اور ایک بیٹی ہو تو پوتیوں کو سدس ملیگا بشرطیکہ پوتیوں کو عصبہ کرنے والا کوئی وارث نہ ہو۔ اگر میت کی علاتی بہنیں ہوں اور ایک حقیقی بہن ہو تو بھی علاتی بہنوں کو سدس ملیگا بشرطیکہ ان کو عصبہ کرنے والا کوئی وارث نہ ہو۔ اور اگر صرف ایک اخیافی یا بھائی یا بہن (صرف ماں شریک بہن، بھائی) ہو تو بھی اسکو سدس ملے گا۔

(۱۲) وَتَسْقُطُ الْجَدَّاتُ بِالْاُمِّ (۱۳) وَالْجَدُّ وَالْاِخْوَةُ وَالْاَخَوَاتُ بِالْاَبِ (۱۴) وَيَسْقُطُ وَلَدُ الْاُمِّ بِاَرْبَعَةٍ بِالْوَلَدِ وَوَلَدِ الْاِبْنِ وَالْاَبِ وَالْجَدِّ۔

ترجمہ:۔ اور جدات میت ماں کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہیں اور جد اور اخوۃ و اخوات اب کی وجہ سے ساقط ہو جاتے ہیں اور اخیافی بہن بھائی چار وارثوں سے ساقط ہو جاتے ہیں، ولد سے، ولد الابن سے، اب سے اور جد سے۔

تشریح:۔ (۱۲) امام قدوری رحمہ اللہ اصحاب الفروض سے فارغ ہو گئے تو حجب کے بیان کو شروع فرمایا چنانچہ فرماتے ہیں کہ میت کی ماں کے ہوتے ہوئے جدات مطلقاً میراث سے ساقط ہو جاتی ہیں۔ (۱۳) اور اب کے ہوتے ہوئے اجداد اور اخوۃ و اخوات سب میراث سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ (۱۴) اخیافی بہن بھائی چار وارثوں میں سے کسی کے ہوتے ہوئے ساقط ہو جاتے ہیں وہ چار یہ ہیں /نمبر ۱۔ میت کا بیٹا ہو۔/نمبر ۲۔ مذکر اولاد الابن ہو۔/نمبر ۳۔ میت کا باپ ہو۔/نمبر ۴۔ میت کا جد صحیح ہو وَاِنْ عَلَا۔

(۱۵) وَاِذَا اسْتَكْمَلَتِ الْبَنَاتُ الثُّلُثَيْنِ سَقَطَتْ بَنَاتُ الْاِبْنِ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ بِاِزَائِهِنَّ اَوْ اَسْفَلَ مِنْهُنَّ اِبْنُ ابْنٍ فَيُعَصِّبُهُنَّ (۱۶) وَاِذَا اسْتَكْمَلَ الْاَخَوَاتُ لِاَبٍ وَاُمٍّ الثُّلُثَيْنِ سَقَطَتِ الْاَخَوَاتُ لِاَبٍ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ مَعَهُنَّ اَخٌ لَهُنَّ فَيُعَصِّبُهُنَّ۔

ترجمہ:۔ اور جب بیٹیاں پورا دو ثلث لے لیں تو پوتیاں ساقط ہو جاتی ہیں الا یہ کہ ان کے برابر یا ان سے نیچے پوتا ہو تو وہ ان

کوعصبہ کر دیتا ہے اور جب حقیقی بہنیں پورا دوثلث لے لیں تو علاتی بہنیں ساقط ہو جاتی ہیں الا یہ کہ ان کے ساتھ ان کا بھائی ہو تو وہ ان کوعصبہ کر دیتا ہے۔

تشریح:۔(۱۵) اگر بیٹیوں کو دوثلث مل گیا یعنی بیٹیاں دو ہوں یا دو سے زیادہ ہوں (کیونکہ اس طرح ان کا حصہ دوثلث ہوتا ہے) تو پوتیاں میراث سے ساقط ہو جائیں گی کیونکہ بنات و بنات الابن کیلئے ثلثین سے زیادہ حق نہیں البتہ اگر اس صورت میں بنات الابن کے برابر کوئی مذکر وارث ہو خواہ بھائی ہو یا ابن العم ہو اور یا بنات الابن سے نیچے کوئی مذکر وارث ہو مثلاً ان کا بھتیجہ ہو تو ان دو صورتوں میں بنات الابن اپنے اس متوازی یا اسفل رشتہ دار کے ساتھ عصبہ ہو جائیں گی۔

(۱۶) اگر حقیقی بہنوں نے اپنے دوثلث پورا لے لئے تو علاتی بہنیں میراث سے ساقط ہو جائیں گی کیونکہ اخوات کیلئے ثلثین سے زیادہ حق نہیں البتہ اگر اس صورت میں علاتی بہنوں کے ساتھ ان کا بھائی بھی ہو تو انکا بھائی ان کو عصبہ کر دیگا کَمَا مَرَّ فِی بَنَاتِ الْاِبْنِ مَعَ الْبَنَاتِ۔

بَابُ الْعَصَبَاتِ

یہ باب عصبات کے بیان میں ہے۔

"عصبات" جمع ہے "عصبۃ" کی۔ اور عصبہ وہ ہے جس کا حصہ مقرر نہیں بلکہ اصحاب الفرائض سے جو کچھ بچے وہ سب اسکو دے۔ اور اگر اصحاب الفرائض نہ ہوں تو کل مال لے لے۔ پھر عصبہ کی دو قسمیں ہیں۔/ نمبر ۱۔ عصبہ نسبی ۔/ نمبر ۲۔ عصبہ سببی۔ عصبہ سببی معتق کو کہتے ہیں۔

عصبہ نسبی کی پھر تین اقسام ہیں۔/ نمبر ۱۔ عصبہ بنفسہ، یہ وہ ہے جو میت کی طرف منسوب ہو بلاواسطہ یا بواسطہ مذکر ۔/ نمبر ۲۔ عصبہ بغیرہ، یہ ہر وہ عورت ہے جو اپنے بھائی کے ساتھ عصبہ ہو۔/ نمبر ۳۔ عصبہ مع غیرہ، یہ ہر وہ عورت ہے جو فرع مؤنث کی وجہ سے عصبہ ہو۔

(۱۷) اَقْرَبُ الْعَصَبَاتِ اَلْبَنُوْنَ ثُمَّ بَنُوْهُمْ ثُمَّ الْاَبُ ثُمَّ الْجَدُّ ثُمَّ بَنُوْا الْاَبِ وَهُمُ الْاِخْوَةُ ثُمَّ بَنُوْ الْجَدِّ وَهُمُ الْاَعْمَامُ ثُمَّ بَنُوْ اَبِ الْجَدِّ (۱۸) وَاِذَا اسْتَوٰی بَنُوْ اَبٍ فِی دَرَجَةٍ فَاَوْلٰهُمْ مَنْ کَانَ مِنْ اَبٍ وَاُمٍّ۔

ترجمہ:۔ عصبات میں سب سے قریب بیٹے ہیں پھر بیٹوں کے بیٹے پھر اب پھر جد پھر باپ کے بیٹے اور وہ بھائی ہیں پھر دادا کے بیٹے اور وہ چچے ہیں پھر دادا کے باپ کے بیٹے اور جب باپ کے بیٹے درجہ میں برابر ہوں تو ان میں زیادہ مستحق وہ ہے جو ماں، باپ شریک ہو۔

تشریح:۔(۱۷) عصبہ نسبی میں سب سے زیادہ قریب بیٹے ہوتے ہیں اگر بیٹے نہ ہوں تو پھر بیٹوں کے بیٹے وَاِنْ سَفَلُوْا عصبہ ہیں۔ اور اگر یہ بھی نہ ہوں تو پھر میت کی اصل یعنی اب عصبہ ہے پھر جد پھر اب الجد وَاِنْ عَلَا عصبہ ہے۔ اور اگر یہ بھی نہ ہوں تو پھر بنو الاب یعنی میت کے حقیقی بھائی عصبہ ہیں اگر یہ نہ ہوں تو پھر علاتی بھائی عصبہ ہیں اگر یہ بھی نہ ہوں تو پھر ان کے بیٹے وان سفلوا عصبہ ہیں۔ پھر اگر

یہ بھی نہ ہوں تو بنوالجد یعنی میت کے حقیقی اعمام عصبہ ہیں اگر یہ نہ ہوں تو پھر میت کے علاتی اعمام عصبہ ہیں اگر یہ بھی نہ ہوں تو پھر ان کے بیٹے وَاِنْ سَفَلُوْا عصبہ ہیں۔ اور اگر یہ بھی نہ ہوں تو پھر اب الجد کے بیٹے یعنی میت کے باپ کے حقیقی چچے یا علاتی چچے عصبہ ہونگے اگر یہ نہ ہوں تو انکے بیٹے وَاِنْ سَفَلُوْا عصبہ ہونگے۔ اور یہ ترتیب اسلئے ہے کہ قرب و درجہ میں ان کی یہ ترتیب ہے تو میراث میں بھی یہی ترتیب ہوگی۔ (۱۸) اگر بنوالاب درجہ میں برابر ہوں تو جو باپ اور ماں دونوں کی طرف سے بھائی ہوں وہ زیادہ مستحق ہونگے یعنی حقیقی بھائی علاتی سے مقدم ہونگے کیونکہ انتساب الی الابوین اقویٰ ہے اسلئے اس سے ترجیح حاصل ہوگی۔

(۱۹) وَالْاِبْنُ وَابْنُ الْاِبْنِ وَالْاِخْوَةُ يُقَاسِمُوْنَ اَخَوَاتِهِمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ (۲۰) وَمَنْ عَدَاهُمْ مِنَ الْعَصَبَاتِ يَنْفَرِدُ بِالْمِيْرَاثِ ذُكُوْرُهُمْ دُوْنَ اِنَاثِهِمْ۔

ترجمہ:۔ اور بیٹا اور پوتا اور بھائی اپنی بہنوں کو تقسیم کر کے دیں گے مرد کے لئے دو عورتوں کے حصوں کے برابر ہے اور ان کے علاوہ دیگر عصبات میں سے ان کے مرد میراث پانے میں تنہا ہوتے ہیں نہ کہ ان کی عورتیں۔

تشریح:۔ (۱۹) یعنی جب میت کا بیٹا اور پوتا اور بھائی اپنی اپنی بہنوں کے ساتھ ہوں تو ان میں مال کی تقسیم آیت کریمہ ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ﴾ کے مطابق ہوگی یعنی مرد کو عورت سے دوگنا حصہ ملے گا۔ بنات و بنات الابن کی وجہ تو باری تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ﴾ (یعنی اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے باب میں لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصہ کے برابر)۔ اور اخوات کے بارے میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَاِنْ كَانُوْا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ﴾ (یعنی اگر وارث چند بھائی بہن ہوں مرد اور عورت تو ایک مرد کے لئے دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے)۔

(۲۰) مذکورہ بالا تین اقسام کے علاوہ جو اور قسم کے عصبہ ہوں جیسے عم و ابن العم و ابن الاخ تو ان میں میراث صرف مردوں کو ملتی ہیں عورتوں کو یعنی انکی بہنوں کو میراث نہیں ملتی ہے کیونکہ انکی اخوات ان کے ساتھ عصبہ نہیں ہوتی ہیں۔

(۲۱) وَاِذَا لَمْ يَكُنْ لِلْمَيِّتِ عَصَبَةٌ مِنَ النَّسَبِ فَالْعَصَبَةُ هُوَ الْمَوْلَى الْمُعْتِقُ ثُمَّ الْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَبُ مِنْ عَصَبَةِ الْمَوْلٰى۔

ترجمہ:۔ اور اگر میت کے عصبات نسبی نہ ہوں تو عصبہ آزاد کرنے والا مولیٰ ہوگا پھر اقرب فالاقرب مولیٰ کے عصبات میں سے۔

تشریح:۔ (۲۱) اگر کسی میت کے نسبی عصبات نہ ہوں تو پھر عصبہ سببی یعنی میت کا معتق (اگر اسکا معتق ہو) خواہ مذکر ہو یا مؤنث اسکا عصبہ ہوگا اور اگر معتق خود مر گیا ہو تو پھر معتق کے عصبہ بنفسہ علی الترتیب السابق عصبہ ہونگے۔

باب الحجب

یہ باب حجب کے بیان میں ہے۔

حجب لغۃً بمعنی منع کے ہے اور علماء فرائض کی اصطلاح میں حجب اسے کہتے ہیں کہ ایک خاص شخص دوسرے کے ہونے کی وجہ سے میراث سے محروم ہو جائے۔ پھر اگر کل میراث سے محروم ہو تو اسکو حجب الحرمان کہتے ہیں اور اگر میراث کے کسی حصہ سے محروم ہو مثلاً

کسی دوسرے وارث کی وجہ سے تہائی کے ملنے کے بجائے سدس ملے تو اس کو حجب النقصان کہتے ہیں۔

(۲۲) تَحجبُ الاُمُّ مِنَ الثُّلُثِ اِلَى السُّدُسِ بِالوَلَدِ اَوْ وَلَدِ الاِبْنِ اَوْ اَخَوَيْنِ (۲۳) وَالفَاضِلُ عَنْ فَرْضِ البَنَاتِ لِبَنِیْ الاِبْنِ وَاَخَوَاتِهِمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الاُنْثَيَيْنِ (۲۴) وَالفَاضِلُ عَنْ فَرْضِ الاُخْتَيْنِ مِنَ الاَبِ وَالاُمِّ لِلاِخْوَةِ وَالاَخَوَاتِ مِنَ الاَبِ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الاُنْثَيَيْنِ۔

ترجمہ:۔ اُم ثلث سے سدس کی طرف محجوب ہوگی بیٹے یا پوتے یا دو بھائیوں کے ہونے کی وجہ سے اور جو زائد ہو جائے بیٹیوں کے حصہ سے تو وہ پوتوں اور ان کی بہنوں کے لئے ہے مرد کو عورت سے دوگنا ملے گا اور جو زائد ہو جائے حقیقی بہنوں کے حصہ سے تو وہ علاتی بھائیوں اور بہنوں کے لئے ہے مرد کو عورت سے دوگنا ملے گا۔

تشریح:۔ (۲۲) یعنی میت کے بیٹے یا پوتے یا اخوۃ اخوات ذی عدد کے ہوتے ہوئے میت کی ماں ثلث سے سدس کی طرف محجوب ہوجائے گی۔ (۲۳) بیٹوں کو حصہ دینے کے بعد جو ترکہ باقی رہے وہ پوتوں اور پوتیوں کو ﴿لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الاُنْثَيَيْنِ﴾ کے حساب سے ملیگا وقد بینا ذالک۔ (۲۴) حقیقی بہنوں کو حصہ دینے کے بعد جو باقی رہے وہ علاتی بھائیوں اور بہنوں میں اسی طرح تقسیم ہوتا ہے یعنی ﴿لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الاُنْثَيَيْنِ﴾۔

(۲۵) وَاِذَا تَرَکَ بِنْتًا وَبَنَاتِ اِبْنٍ وَبَنِیْ اِبْنٍ فَلِلبِنْتِ النِّصْفُ وَالبَاقِیْ لِبَنِیْ الاِبْنِ وَاَخَوَاتِهِمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الاُنْثَيَيْنِ (۲۶) وَکَذٰلِکَ الفَاضِلُ عَنْ فَرْضِ الاُخْتِ لِلاَبِ وَالاُمِّ لِبَنِیْ الاَبِ وَبَنَاتِ الاَبِ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الاُنْثَيَيْنِ۔

ترجمہ:۔ اور اگر میت نے ایک بیٹی اور چند پوتیاں و پوتے چھوڑ دے تو بیٹی کے لئے نصف ہے اور باقی پوتوں اور ان کی بہنوں کے لئے ہے مرد کو عورت سے دوگنا ملے گا اور اسی طرح حقیقی بہن کے حصے سے جو فاضل ہو وہ علاتی بھائیوں اور بہنوں کے لئے ہے مرد کو عورت سے دوگنا ملے گا۔

تشریح:۔ (۲۵) اگر کسی نے ایک بیٹی اور چند پوتیاں اور چند پوتے چھوڑ دے تو بیٹی کیلئے نصف ہے اور باقی پوتوں اور ان کی بہنوں کے لئے ﴿لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الاُنْثَيَيْنِ﴾ کے حساب سے ہے اِعْتِبَارًا بِمَا اِذَا لَمْ يَكُنْ مَعَهُمْ ذُوْ فَرْضٍ۔ (۲۶) اسی طرح میت کی حقیقی بہن کو حصہ دینے کے بعد جو باقی رہے وہ اسکے علاتی بہن بھائیوں میں ﴿لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الاُنْثَيَيْنِ﴾ تقسیم ہوگا وقد مر آنفا۔

(۲۷) وَمَنْ تَرَکَ اِبْنَیْ عَمٍّ اَحَدُهُمَا اَخٌ لِاُمٍّ فَلِلاَخِ السُّدُسُ وَالبَاقِیْ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ۔

ترجمہ:۔ اور جس نے دو چچا زاد بھائی چھوڑے ایک اخیافی بھائی بھی ہے تو بھائی کے لئے سدس ہے اور باقی ان دو کے درمیان نصفا نصف ہوگا۔

تشریح:۔ (۲۷) اور جس نے اپنے چچازاد دو بھائی عصبہ چھوڑے جن میں سے ایک اس کا اخیافی بھائی بھی ہے تو پہلے اس اخیافی بھائی کو ذوی الفروض میں سے ہونے کی وجہ سے سدس ملے گا پھر بعد از سدس باقی مال ان دونوں میں نصف نصف بوجہ

عصوبت تقسیم ہو جائیگا لِاسْتِوائِهِمَا بِهَا۔

(۲۸) وَالْمُشْتَرَكَةُ اَنْ تَتْرُكَ الْمَرْاَةُ زَوْجًا وَاُمًّا اَوْ جَدَّةً وَاِخْوَةً مِنْ اُمٍّ وَاَخًا مِنْ اَبٍ وَاُمٍّ فَلِلزَّوْجِ النِّصْفُ وَلِلْاُمِّ السُّدُسُ وَلِاَوْلَادِ الْاُمِّ الثُّلُثُ وَلَاشَیْءَ لِلْاِخْوَةِ لِلْاَبِ وَالْاُمِّ۔

ترجمه:۔اور مسئلہ مشترکہ یہ ہے کہ عورت شوہر، ماں یا نانی، چند اخیافی بھائی اور حقیقی بھائی چھوڑ دے تو شوہر کے لئے نصف ہوگا اور ماں کے لئے سدس اور اخیافی بھائیوں کے لئے ثلث اور حقیقی بھائیوں کے لئے کچھ نہیں ہوگا۔

تشریح:۔(۲۸) یعنی وہ مسئلہ جو مشترکہ کے نام سے مشہور ہے اسکی صورت یہ ہے کہ کسی عورت نے شوہر، ماں یا نانی اور دو یا زیادہ اخیافی بھائی اور ایک یا زیادہ حقیقی بھائی چھوڑے تو شوہر کو نصف اور ماں یا نانی کو سدس اور اخیافی بھائیوں کو ثلث ملے گا اور حقیقی بھائیوں کو کچھ نہ ملیگا کیونکہ ترکہ ذوی الفروض میں ان کے حصص کے مطابق تقسیم کرنے سے ختم ہوا تو حقیقی بھائیوں کیلئے کچھ نہیں بچا ہے جو ان کو دیا جائیگا۔

بَابُ الرَّدِّ

یہ باب رد کے بیان میں ہے۔

امام قدوری رحمہ اللہ نے ذوی الفروض، عصبات اور حجب کو بیان کرنے کے بعد اب ردّ کا بیان شروع فرمایا اور فرائض میں رد عول کی ضد ہے کیونکہ عول سے ذوی الفروض کے حصے کم ہو جاتے ہیں اور اصل مسئلہ بڑھ جاتا ہے اور ردّ سے حصے زیادہ ہو جاتے ہیں اور اصل مسئلہ گھٹ جاتا ہے۔

(۲۹) وَالْفَاضِلُ عَنْ فَرْضِ ذَوِي السِّهَامِ اِذَالَمْ يَكُنْ عَصَبَةٌ مَرْدُوْدٌ عَلَيْهِمْ بِمِقْدَارِ سِهَامِهِمْ اِلَّا عَلَى الزَّوْجَيْنِ۔

ترجمه:۔اور جو بچے ذوی الفروض کے حصے سے جبکہ عصبہ نہ ہو تو لوٹایا جائیگا ذوی الفروض پر ان کے حصص کے مطابق سوائے زوجین کے۔

تشریح:۔(۲۹) ذوی الفروض کو حصہ دینے کے بعد جو مال بچے تو اگر عصبات نہ ہوں تو بچا ہوا مال بھی ان ہی ذوی الفروض کو ان کے حصوں کے موافق دے دیا جائیگا سوائے شوہر و بیوی کے کہ ان کے مقررہ حصوں کے بعد ان پر ردّ نہیں کیا جاتا ہے کیونکہ ردّ کا استحقاق نسبی رشتہ کی وجہ سے ہوتا ہے لقولہ تعالیٰ ﴿وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ﴾ (یعنی قرابت والے ایک دوسرے سے لگاؤ رکھتے) جبکہ زوجین میں نسبی رشتہ نہیں۔

(۳۰) وَلَايَرِثُ الْقَاتِلُ مِنَ الْمَقْتُوْلِ (۳۱) وَالْكُفْرُ كُلُّهُ مِلَّةٌ وَاحِدَةٌ يَتَوَارَثُ بِهِ اَهْلُهُ وَلَايَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلَاالْكَافِرُ الْمُسْلِمَ۔

ترجمه:۔اور قاتل مقتول کا وارث نہ ہوگا اور کفر سب ایک ہی ملت ہے اسی وجہ سے اہل کفر آپس میں وارث ہوتے ہیں اور مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا اور نہ کافر مسلمان کا۔

تشریح:۔(۳۰) قاتل اگر عاقل بالغ ہو تو وہ اپنے مقتول رشتہ دار کا وارث نہ ہوگا مثلاً بیٹے نے باپ کو قتل کر دیا تو بیٹا وارث نہ

ہوگا۔ (۳۱) کفر کی تمام اقسام ایک ہی مذہب شمار ہے لہذا آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اگر چہ مختلف مذاہب کے ہوں ۔اور مسلماں کافر کا وارث نہیں ہوتا اور نہ کافر مسلمان کا لِاختلافِ المِلّة وَقَد بَیَّنَا ذَالِکَ۔

(۳۲) وَمَالُ المُرتَدِّ لِوَرَثَتِهِ مِنَ المُسلِمِینَ (۳۳) وَمَا اكتَسَبَهُ فِي حَالِ رِدَّتِهِ فَيءٌ۔

ترجمہ:۔ اور مرتد کا مال اسکے مسلمان وارثوں کا ہے اور جو حالت ردّت میں کمایا وہ غنیمت ہے۔

تشریح:۔ (۳۲) مرتد کا مال اسکے مسلمان وارثوں کا ہے یعنی وہ مال جو اس نے حالت اسلام میں کمایا ہو پھر یہ مر گیا ہو یا قتل ہوا ہو کیونکہ زوال ملک زمانہ ردت کو منسوب ہوتا ہے۔ (۳۳) اور جو مال اس نے مرتد ہونے کی حالت میں کمایا وہ غنیمت ہے کیونکہ مرتد مباح الدم ہے تو اس حالت میں اس کا کمایا ہوا مال غنیمت ہوگا کَمَالِ الحَربِيِّ۔

(۳۴) وَإِذَا غَرِقَ جَمَاعَةٌ أَو سَقَطَ عَلَيهِم حَائِطٌ فَلَم يُعلَم مَن مَاتَ مِنهُم أَوَّلًا فَمَالُ كُلِّ وَاحِدٍ مِنهُم لِلأَحيَاءِ مِن وَرَثَتِهِ۔

ترجمہ:۔ اور اگر جماعت ڈوب گئی یا ان پر دیوار گر گئی اور یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ان میں سے پہلے کون مرا ہے تو ہر شخص کا مال اسکے زندہ وارثوں کو ملے گا۔

تشریح:۔ (۳۵) اگر بہت سے رشتہ دار ڈوب کر یا دیوار سے دب کر مر جائیں اور یہ معلوم نہ ہو کہ ان میں سے پہلے کون مرا ہے تو ہر شخص کا مال اسکے زندہ وارثوں کو ملے گا خود مرنے والے بعض بعض کے وارث نہ ہونگے یہ اسلئے کہ یہ معلوم نہیں کہ ان میں سے کون پہلے مرا ہے تو کہا جائیگا کہ یہ سب بیک وقت مرے ہیں اور جب یہ بیک وقت مرے ہیں تو بعض کو بعض کا وارث نہیں قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ استحقاق ارث کیلئے حیات وارث بعد موت المورث شرط ہے۔

(۳۶) وَإِذَا اجتَمَعَ فِي المَجُوسِيِّ قَرَابَتَانِ لَو تَفَرَّقَت فِي شَخصَينِ وَرِثَ أَحَدُهُمَا مَعَ الآخَرِ وَرِثَ بِهِمَا (۳۷) وَلَا يَرِثُ المَجُوسِيُّ بِالأَنكِحَةِ الفَاسِدَةِ الَّتِي يَستَحِلُّونَهَا فِي دِينِهِم۔

ترجمہ:۔ اور اگر مجوسی میں ایسی دو قرابتیں جمع ہوں کہ اگر وہ دونوں دو شخصوں میں متفرق ہوتیں تو ایک دوسرے کے ساتھ وارث ہو جاتا تو وارث ہوگا ان دونوں کے ذریعہ سے اور مجوسی وارث نہ ہوگا ان فاسد نکاحوں کی وجہ سے جن کو وہ اپنے دین میں حلال سمجھتے ہیں۔

تشریح:۔ (۳۶) اگر ایک مجوسی کی ایسی دو قرابتیں جمع ہوں کہ اگر وہ دونوں دو شخصوں میں متفرق ہوتیں تو ایک دوسرے کے ساتھ وارث ہو جاتا تو ان دونوں قرابتوں کے ذریعہ سے یہ مجوسی بھی وارث ہو جائیگا کیونکہ مسلمانوں میں ایسا ہی ہے کہ اگر کسی کو دو قرابتیں حاصل ہوں تو دونوں کے ذریعہ وارث ہوگا مثلاً میت کا ابن العم اگر اسکا اخیافی بھائی بھی ہو تو دونوں قرابتوں کی وجہ سے مستحق میراث ہوگا کَمَا مَرَّ۔ (۳۷) مجوسیوں کو میراث نہیں ملے گی ان کے ان فاسد نکاحوں کی وجہ سے جن کو وہ اپنے دین میں حلال سمجھتے ہیں کیونکہ فاسد نکاح مسلمانوں میں تو ارث کو ثابت نہیں کرتا تو مجوس میں بھی ثابت نہیں کریگا۔

(۳۸)وَعَصَبَةُ وَلَدِ الزِّنٰی وَوَلَدِ الْمُلَاعِنَةِ مَوْلٰی اُمِّهِمَا (۳۹)وَمَنْ مَاتَ وَتَرَکَ حَمْلًا وُقِفَ مَالُهٗ حَتّٰی تَضَعَ اِمْرَأَتُهٗ حَمْلَهَا فِیْ قَوْلِ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ۔

ترجمہ:۔ اور ولد الزنٰی اور لعان کرنے والی عورت کے ولد کے عصبات ان دونوں کی ماں کا مولی ہے اور جو شخص مر گیا اور اس نے حمل [illegible] میت کا مال امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک موقوف رہیگا یہاں تک کہ اس عورت کو وضع حمل ہو جائے۔

تشریح:۔ (۳۸) ولد الزنٰی اور لعان کرنے والی عورت کے ولد کے عصبات ان دونوں کی ماں کا مولی ہے کیونکہ ان کیلئے نسب من قبل الاب ثابت نہیں لہٰذا ان کا ولاء مولی الام کیلئے ہوگا۔ اور مولی سے معتق اور عصبات الام دونوں مراد ہیں تا کہ حرۃ الاصل کو بھی شامل ہو۔ (۳۹) اگر کسی میت کی بیوی حاملہ ہو تو میت کا مال امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک موقوف رہیگا یہاں تک کہ اس عورت کو وضع حمل ہو جائے تا کہ فسخ تقسیم کی ضرورت نہ رہے۔

(۴۰)وَالْجَدُّ اَوْلٰی بِالْمِیْرَاثِ مِنَ الْاِخْوَةِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْیُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ یُقَاسِمُهُمْ اِلَّا اَنْ تَنْقُصَهُ الْمُقَاسَمَةُ مِنَ الثُّلُثِ۔

ترجمہ:۔ اور دادا میراث میں بھائیوں سے مقدم ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں دادا بھائیوں کے برابر پائے گا الا یہ کہ برابر تقسیم کرنے میں اسکو ثلث سے کم پہنچے۔

تشریح:۔ (۴۰) میراث میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دادا بھائیوں پر مقدم ہے کیونکہ دادا بمنزلہ اب کے ہے اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک دادا کو بھائیوں کے برابر حصہ ملیگا البتہ اگر برابر تقسیم کرنے میں اسکو ثلث سے کم پہنچے تو دادا کو ثلث دیا جائیگا اور باقی اخوۃ اخوات میں تقسیم کیا جائیگا۔

(۴۱)وَاِذَا اجْتَمَعَتِ الْجَدَّاتُ فَالسُّدُسُ لِاَقْرَبِهِنَّ (۴۲)وَیَحْجُبُ الْجَدُّ اُمَّهٗ (۴۳)وَلَا یَرِثُ اُمُّ اَبِ الْاُمِّ بِسَهْمٍ (۴۴)وَکُلُّ جَدَّةٍ تَحْجُبُ اُمَّهَا۔

ترجمہ:۔ اور اگر کئی دادیاں جمع ہو جائیں تو چھٹا حصہ ان کے اقرب کے لئے ہوگا اور دادا اپنی ماں کو محجوب کر دیتا ہے اور نانا کی ماں کسی حصہ کی بھی وارث نہیں ہوگی اور ہر جدہ اپنی ماں کو محجوب کر دیتی ہے۔

تشریح:۔ (۴۱) اگر کسی میت کی جدات صحیحات متفاوتات فی الدرجہ جمع ہوں تو ان میں سے جو سب سے زیادہ قریب ہو اسکو سدس ملیگا جس جہت سے بھی ہو۔ (۴۲) اور دادا اپنی ماں کو محجوب کر دیتا ہے۔ (۴۳) نانا کی ماں وارث نہیں ہوتی کیونکہ یہ جدہ فاسدہ ہے اور جدہ فاسدہ کا کوئی حصہ مقرر نہیں ہے۔ (۴۴) ہر جدہ اپنی ماں کو محجوب کر دیتی ہے کیونکہ جدہ اور اس کی ماں دونوں ایک ہی جہت سے مستحق میراث ہیں تو قربیٰ اولیٰ ہے کالاُمّ والجدۃ۔

☆ ☆ ☆

باب ذوی الارحام

یہ باب ذوی الارحام کے بیان میں ہے۔

و رحم رحم کی جمع ہے لغۃً ذی رحم مطلقاً رشتہ دار کو کہتے ہیں اور شریعت میں وہ رشتہ دار ہے جو ذوی الفروض اور عصبات میں سے نہ ہو۔

(٥٥) وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لِلْمَيِّتِ عَصَبَةٌ وَلَا ذُوْ سَهْمٍ وَرِثَهُ ذَوُو الْأَرْحَامِ (٥٦) وَهُمْ عَشَرَةٌ وَلَدُ الْبِنْتِ وَوَلَدُ الْأُخْتِ وَبِنْتُ الْأَخِ وَبِنْتُ الْعَمِّ وَالْخَالُ وَالْخَالَةُ وَأَبُو الْأُمِّ وَالْعَمُّ لِأُمٍّ وَالْعَمَّةُ وَوَلَدُ الْأَخِ مِنَ الْأُمِّ وَمَنْ أَدْلَى بِهِمْ فَأَوْلَاهُمْ مَنْ كَانَ مِنْ وَلَدِ الْمَيِّتِ ثُمَّ وَلَدُ الْأَبَوَيْنِ أَوْ أَحَدِهِمَا وَهُمْ بَنَاتُ الْإِخْوَةِ وَأَوْلَادُ الْأَخَوَاتِ ثُمَّ وَلَدُ أَبَوَيْ أَبَوَيْهِ أَوْ أَحَدِهِمَا وَهُمُ الْأَخْوَالُ وَالْخَالَاتُ وَالْعَمَّاتُ۔

ترجمہ: اور اگر میت کے عصبات نہ ہوں اور ذوی الفروض ہوں تو اس کے وارث ذوی الارحام ہونگے اور وہ دس ہیں، بیٹی کی اولاد، اور بہن کی اولاد اور بھائی کی بیٹی اور چچا کی بیٹی اور ماموں اور خالہ اور نانا اور اخیافی چچا اور پھوپھی اور اخیافی بھائی کی اولاد اور جو ان کے ذریعہ میت کے رشتہ دار ہوں پھر ان میں سے مقدم وہ ہے جو میت کی اولاد ہو پھر میت کے ماں باپ یا ان دونوں میں سے کسی ایک کی اولاد اور وہ بھتیجیاں اور بہنوں کی اولاد ہے پھر میت کے والدین کے والدین کی اولاد یا ان دونوں میں سے کسی ایک کی اولاد ہے اور وہ ماموں اور خالائیں اور پھوپھیاں ہیں۔

تشریح: (٥٥) اگر میت کے عصبات اور ذوی الفروض میں سے کوئی نہ ہو تو اس کے وارث ذوی الارحام ہونگے کیونکہ ذوی الارحام بیت المال سے اولیٰ بالمیراث ہیں لقوله تعالیٰ ﴿أُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ﴾ (یعنی قرابت والے ایک دوسرے سے لگاؤ رکھتے)۔

(٥٦) ذوی الارحام کی دس اقسام ہیں۔/نمبر ١۔ بیٹی کی اولاد۔/نمبر ٢۔ بہن کی اولاد۔/نمبر ٣۔ بھائی کی بیٹی۔/نمبر ٤۔ چچا کی بیٹی۔/نمبر ٥۔ ماموں۔/نمبر ٦۔ خالہ۔/نمبر ٧۔ نانا۔/نمبر ٨۔ اخیافی چچا۔/نمبر ٩۔ پھوپھی۔/نمبر ١٠۔ اخیافی بھائی کی اولاد۔ اور جو ان کے ذریعہ میت کے رشتہ دار ہوں لِوُجُوْدِ الْقَرَابَةِ وَالرَّحِمِ۔

پھر توریث ذوی الارحام عصبات کی طرح ہے لہذا میت کے اقرب فالاقرب وارث ہونگے لہذا مذکورہ بالا دس اقسام میں سے سب سے مقدم وہ ہے جو میت کی اولاد ہو جیسے نواسے وَإِنْ سَفُلَ کیونکہ نواسے دوسروں سے میت کے زیادہ قریب ہے پھر وہ جو میت کے ماں باپ یا ان دونوں میں سے کسی ایک کی اولاد ہو اور وہ بھتیجیاں اور بہنوں کی اولاد ہے یعنی یہ اولاد واحد (جیسے پھوپھیاں) سے مقدم ہیں پھر میت کے والدین کی اولاد یا ان دونوں میں سے کسی ایک کی اولاد ہے اور وہ ماموں اور خالائیں اور پھوپھیاں ہیں۔

(۴۷)وَاِذَا اسْتَوىٰ وُلْدِ اَبٍ فِي دَرَجَةٍ فَاَوْلٰهُمْ مَنْ اَدْلٰى بِوَارِثٍ (۴۸)وَاَقْرَبُهُمْ اَوْلٰى مِنْ اَبْعَدِهِمْ (۴۹)وَاَبُو الْاُمِّ اَوْلٰى مِنْ وُلْدِ الْاَخِ وَالْاُخْتِ (۵۰)وَالْمُعْتِقُ اَحَقُّ بِالْفَاضِلِ عَنْ سَهْمِ ذَوِي السِّهَامِ اِذَا لَمْ تَكُنْ عَصَبَةٌ سِوَاهُ۔

ترجمہ:۔اور اگر باپ کی اولا د درجہ میں برابر ہوں تو ان میں سے مقدم وہ ہے جو کسی وارث کے ذریعہ میت کے قریب ہو اور ان میں سے اقرب اولی ہے ابعد سے اور نانا مقدم ہے بھائی اور بہن کی اولاد سے اور معتق زیادہ حقدار ہے اس کا جو سہم ذوی الفروض سے جو باقی بچے اگر اس کے سوا دوسرے عصبات نہ ہوں۔

تشریح:۔(۴۷)اگر باپ کی اولا د درجہ میں برابر ہوں مگر بعض بواسطہ وارث کے میت کے قریب ہوں اور بعض بواسطہ غیر وارث کے میت کے قریب ہوں تو جو کسی وارث کے ذریعہ میت کے قریب ہوں وہ دوسروں سے مقدم ہیں کیونکہ قربت بواسطہ وارث اقوی ہے جیسے بنت بنت العمۃ اور بنت بنت الابن تو مال سب بنت بنت الابن کیلئے ہوگا۔(۴۸)اگر باپ کی اولا د درجہ میں برابر نہ ہوں بلکہ متفاوت ہوں تو اقرب اولی ہے ابعد سے جیسے بنت العمۃ اور بنت ابن العم تو مال سب بنت العمۃ کیلئے ہوگا لما مرّ۔

(۴۹)نانا(وَاِنْ عَلَا) بھائی بہن کی اولاد پر مقدم ہے عصبات پر قیاس کرتے ہوئے۔(۵۰)ذوی الفروض کو حصہ دینے کے بعد جو باقی بچے اور عصبات نہ ہوں تو اس کا حقدار بنسبت ذوی الارحام کے آزاد کرنے والا ہے کیونکہ معتق عصبات میں سے ہے۔

(۵۱)وَمَوْلَى الْمُوَالَاتِ يَرِثُ۔

ترجمہ:۔اور مولی الموالات وارث ہوتا ہے۔

تشریح:۔(۵۱)مولی الموالات(مولی الموالات وہ ہے جو عقد موالات کرے اور عقد موالات اس سے عبارت ہے کہ ایک شخص دوسرے کے ساتھ یہ معاہدہ کرلے کہ اگر میں نے کوئی جنایت کی تو اسکا تاوان تجھ پر ہے اور اگر میں مر گیا تو تو میرا وارث ہوگا)وارث ہوتا ہے۔امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ایسے شخص کی میراث عام مسلمانوں کیلئے ہے۔

(۵۲)وَاِذَا تَرَكَ الْمُعْتَقُ اَبَ مَوْلَاهُ وَابْنَ مَوْلَاهُ فَمَالُهُ لِلْاِبْنِ عِنْدَهُمَا وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ رحمه الله لِلْاَبِ السُّدُسُ وَالْبَاقِي لِلْاِبْنِ (۵۳)فَاِنْ تَرَكَ جَدَّ مَوْلَاهُ وَاَخَا مَوْلَاهُ فَالْمَالُ لِلْجَدِّ عِنْدَ اَبِي حنيفة رحمه الله وقال ابويوسف رحمه الله ومُحَمَّدٌ رحمه الله هو بَيْنَهُمَا۔

ترجمہ:۔اور اگر کسی آزاد شدہ نے اپنے آزاد کرنے والے کا باپ اور بیٹا چھوڑا تو طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک اس کا مال بیٹے کا ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں اب کے لئے سدس ہے اور باقی ابن کے لئے ہے اور اگر معتق کا دادا اور اسکا ایک بھائی چھوڑا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مال دادا کے لئے ہے اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں وہ دونوں کے درمیان ہوگا۔

تشریح:۔(۵۲)اگر کسی آزاد شدہ نے اپنے آزاد کرنے والے کا باپ اور بیٹا چھوڑا یعنی آزاد کرنے والا پہلے ہی مر چکا ہے اور اب اسکا باپ اور بیٹا موجود ہے تو طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک اس کا مال صرف بیٹے کا ہے کیونکہ ولاء العتاقہ عصبہ ہے اور ابن اب سے عصبہ ہونے

میں مقدم ہے۔امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اب کو سدس ملیگا اور باقی ابن کو ملے گا اِعتِبارًا بِالاِرْثِ۔

(۵۳) اگر آزاد شدہ نے معتق کا دادا اور اسکا ایک بھائی چھوڑا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مال دادا کو ملیگا اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک دونوں میں برابر تقسیم ہوگا وجہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دادا کے ساتھ بھائی وارث نہیں ہوتا اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک بھائی دادا کے ساتھ میراث میں شریک ہوتا ہے۔

(۵۴)وَلَایُبَاعُ الوَلاءُ وَلَایُوهَبُ۔

ترجمہ:۔اور ولاء کو نہ فروخت کیا جائیگا اور نہ ہبہ کیا جائیگا۔

تشریح:۔(۵۴) ولاء کو فروخت کرنا اور ہبہ کرنا جائز نہیں لحدیث ابن عمرؓ قال نهی رسول الله ﷺ عن بیع الولاء وعن هبته (یعنی حضور ﷺ نے ولاء کے فروخت کرنے اور ہبہ کرنے سے منع فرمایا)۔

بَابُ حِسَابِ الفَرَائِض

یہ باب حساب الفرائض کے بیان میں ہے۔

اس باب میں تصحیح مسائل اور تقسیم الفروض کے کچھ اصول ذکر کئے ہیں۔قرآن مجید میں جو فرض حصے مذکور ہیں وہ چھ ہیں "نصف ربع ثمن ثلث، ثلثان سدس" انکے مخارج کی تفصیل یہ ہے کہ نصف کیلئے مخرج دو کا عدد ہے اور ربع کیلئے چار کا عدد اور ثمن کیلئے آٹھ اور ثلث وثلثان کیلئے تین کا اور سدس کیلئے چھ کا عدد ہے۔

(۵۵)وَاِذَا كَانَ فِي الْمَسْئَلَةِ نِصْفٌ وَنِصْفٌ اَوْ نِصْفٌ وَمَابَقِيَ فَاَصْلُهَامِنْ اِثْنَيْنِ (۵۶)وَاِنْ كَانَ فِيهَا ثُلُثٌ وَمَابَقِيَ اَوْ ثُلُثَانِ وَمَابَقِيَ فَاَصْلُهَا مِنْ ثَلثَةٍ (۵۷)وَاِنْ كَانَ فِيهَا رُبُعٌ وَمَابَقِيَ اَورُبُعٌ وَنِصْفٌ فَاَصْلُهَامِنْ اَرْبَعَةٍ (۵۸)وَاِنْ كَانَ فِيهَا ثُمُنٌ وَمَابَقِيَ اَوْ ثُمُنٌ وَنِصْفٌ فَاَصْلُهَامِنْ ثَمَانِيَةٍ(۵۹)وَاِنْ كَانَ فِيهَا نِصْفٌ وَثُلُثٌ اَوْ نِصْفٌ وَسُدُسٌ فَاَصْلُهَامِنْ سِتَّةٍ (۶۰)وَتَعُولُ اِلَى سَبْعَةٍ وَثَمَانِيَةٍ وَتِسْعَةٍ وَعَشَرَةٍ۔

ترجمہ:۔اور اگر مسئلہ میں دو نصف ہوں یا ایک نصف ہو اور ایک ماقی ہو تو ان کا اصل مسئلہ دو سے بنیگا اور اگر مسئلہ میں ثلث اور ماقی ہو یا ثلثان اور ماقی ہو تو اصل مسئلہ تین سے بنیگا اور اگر مسئلہ میں ربع اور ماقی ہو یا ربع اور نصف ہو تو ان کا اصل مسئلہ چار سے بنے گا اور اگر مسئلہ میں ثمن اور ماقی ہو یا ثمن اور نصف ہو تو اصل مسئلہ آٹھ سے بنیگا اور اگر مسئلہ میں نصف اور ثلث ہو یا نصف اور سدس ہو تو اصل مسئلہ چھ سے بنے گا اور یہ عول کریگا سات، آٹھ، نو اور دس تک۔

تشریح:۔(۵۵) اگر مسئلہ میں دو نصف ہوں مثلاً ورثہ زوج اور ایک حقیقی یا علاتی بہن ہو اور یا ایک نصف ہو اور ایک ماقی ہو مثلاً ورثہ ایک بنت اور ایک حقیقی یا علاتی بہن ہو تو ان کا اصل مسئلہ دو سے بنیگا۔نصف اور ماقی کی صورت یہ ہے مثلاً عورت نے شوہر چھوڑا تو اس کو بطور حصے آدھا دے دیا جائے اور جو باقی رہے اس کو بطور عصبہ چچا کو دے دیا جائے۔(۵۶) اگر مسئلہ میں ثلث اور

ماقی ہومثلاً ورثہ اُم اور حقیقی یا علاتی بھائی ہو یا مسئلہ میں ثلثان اور ماقی ہو مثلاً ورثہ میں دو بنت اور عم ہو تو ان کا اصل مسئلہ تین سے بنے گا۔(۵۷) اگر مسئلہ میں ربع اور ماقی ہو مثلاً ورثہ میں زوجہ اور عم ہو یا مسئلہ میں ربع اور نصف ہو مثلاً ورثہ زوج اور بنت ہو تو ان کا اصل مسئلہ چار سے بنے گا۔(۵۸) اگر مسئلہ میں ثمن اور ماقی ہو مثلاً ورثہ میں زوجہ اور ابن ہو اور یا مسئلہ میں ثمن اور نصف ہو مثلاً ورثہ زوجہ اور بنت ہو تو ان کا اصل مسئلہ آٹھ سے بنے گا۔

(۵۹) اگر مسئلہ میں نصف اور ثلث ہو مثلاً ورثہ ام اور اخت حقیقی ہو اور یا مسئلہ میں نصف اور سدس ہو مثلاً ورثہ اُم اور بنت ہو تو اصل مسئلہ چھ سے بنیگا۔(۶۰) چھ کا عول بوقت ضرورت دس تک ہوسکتا ہے۔ عول کا مطلب یہ ہے کہ اگر اصل مسئلہ سے تمام ورثہ کو پورا پورا حصہ نہ پہنچ سکا تو بقدر ضرورت اصل مسئلہ کو بڑھا دیا جائیگا مثلاً اگر شوہر اور دو بہنیں وارث ہوں تو شوہر کو نصف اور بہنوں کو دو ثلث ملینگا اور اس صورت میں مسئلہ چھ سے بنیگا چھ کا نصف تین اور اس کے دو ثلث چار ہوتے ہیں لہذا بوجہ ضرورت اسکا عول سات کی طرف ہو جائیگا علی ھذا القیاس چھ کا دس تک عول ہوسکتا ہے۔

(۶۱) وَإِنْ كَانَ مَعَ الرُّبُعِ ثُلُثٌ اَوْ سُدُسٌ فَاَصْلُهَامِنْ اِثْنَى عَشَرَ (۶۲) وَتَعُوْلُ اِلٰى ثَلٰثَةَ عَشَرَ وَخَمْسَةَ عَشَرَ وَسَبْعَةَ عَشَرَ (۶۳) وَاِذَا كَانَ مَعَ الثُّمُنِ سُدُسَانِ اَوْ ثُلُثَانِ فَاَصْلُهَامِنْ اَرْبَعَةٍ وَعِشْرِيْنَ (۶۴) وَتَعُوْلُ اِلٰى سَبْعَةٍ وَعِشْرِيْنَ۔

ترجمہ:۔ اور اگر ربع کے ساتھ ثلث یا سدس ہو تو اس کا اصل مسئلہ بارہ سے بنیگا اور عول کریگا تیرہ، پندرہ اور سترہ تک اور اگر ثمن کے ساتھ دو سدس یا دو ثلث ہو تو اس کا اصل مسئلہ چوبیس سے بنیگا اور عول کریگا ستائیس تک۔

تشریح:۔ (۶۱) اگر مسئلہ میں ربع کے ساتھ ایک ثلث یا ایک سدس ہو تو اس کا اصل مسئلہ بارہ سے بنیگا اور اسکا عول تیرہ، پندرہ اور سترہ تک ہوسکتا ہے مثلاً میت کے ورثہ زوج، اخوات عینیہ ذی عدد اور ام ہے تو مسئلہ بارہ سے بنیگا زوجہ کو تین اور اخوات کو آٹھ اور ام کو تین حصے ملتے ہیں۔(۶۲) مسئلہ عولیہ ہے اور عول اسکا تیرہ ہے اسی طرح اگر ورثہ زوجہ، اختان عینیہ اور دو ماں شریک بہنیں ہوں تو مسئلہ بارہ سے بنیگا زوجہ کو تین اور اختان عینیہ کو آٹھ اور ماں شریک بہنوں کو چار حصے ملیں گے مسئلہ عولیہ ہے اور عول اسکا پندرہ ہے۔ اسی طرح اگر ورثہ زوجہ، اختان عینیہ، دو ماں شریک بہنیں اور ام ہوں تو مسئلہ بارہ سے بنیگا زوجہ کو تین، اختان عینیہ کو آٹھ، ماشریک بہنوں کو چار اور ام کو دو حصے ملیں گے مسئلہ عولیہ ہے اور عول اسکا سترہ ہے۔

(۶۳) اگر اصل مسئلہ میں ثمن کے ساتھ سدسان یا ثلثان ہوں تو اصل مسئلہ چوبیس سے ہوگا۔(۶۴) جس کا عول صرف ستائیس ہوسکتا ہے جیسے ورثہ زوجہ، بنتان، اب اور ام ہوں تو مسئلہ چوبیس سے بنیگا زوجہ کو تین، بنتان کو سولہ، اب کو چار اور ام کو چار حصے ملیں گے مسئلہ عولیہ ہے اور عول اس کا ستائیس ہے۔

(٦٥)فَاِنْ انْقَسَمَتِ الْمَسْئَلَةُ عَلَی الْوَرَثَةِ فَقَدْ صَحَّتْ وَاِنْ لَمْ تَنْقَسِمْ سِهَامُ فَرِیْقٍ مِنْهُمْ عَلَیْهِمْ فَاضْرِبْ عَدَدَهُمْ فِی اَصْلِ الْمَسْئَلَةِ (٦٦)وَعَوْلِهَااِنْ کَانَتْ عَائِلَةً فَمَاخَرَجَ صَحَّتْ مِنْهُ الْمَسْئَلَةُ کَامْرَأَةٍ وَاَخَوَیْنِ لِلْمَرْاَةِ الرُّبُعُ سَهْمٌ وَلِلْاَخَوَیْنِ مَابَقِیَ ثَلٰثَةُ اَسْهُمٍ لَاتَنْقَسِمُ عَلَیْهِمَافَاضْرِبْ اِثْنَیْنِ فِی اَصْلِ الْمَسْئَلَةِ فَتَکُوْنُ ثَمَانِیَةً وَمِنْهَا تَصِحُّ الْمَسْئَلَةُ۔

ترجمہ:۔اوراگراصل مسئلہ وارثوں پر بلاکسر پوراپورا تقسیم ہوتو یہ مسئلہ صحیح ہےاوراگر وارثوں میں سے کسی فریق کے حصےان پر پورے پورے تقسیم نہ ہوں تو اس فریق کے عددکواصل مسئلہ میں ضرب دیا جائے اورعول میں ضرب دیا جائے اگرمسئلہ عائلہ ہوتو جوحاصل ضرب نکلےاس سے مسئلہ صحیح ہوگا جیسے وارث بیوی اوردو بھائی چھوڑے تو بیوی کے لئے ربع بطور سہم ملیگا اوردو بھائیوں کو باقی تین سہام ملیں گے جوان پر تقسیم نہیں ہوتے تو دو کواصل مسئلہ میں ضرب دیا جائے تو یہ آٹھ ہوجائیگا اوراس سے مسئلہ صحیح ہوجائیگا۔

تشریح:۔(٦٥)اگراصل مسئلہ وارثوں پر بلاکسر پوراپورا تقسیم ہوتو یہ مسئلہ صحیح ہے اس میں عول وغیرہ کی ضرورت نہیں کیونکہ مقصود حاصل ہوا کہ سہام کی کسر کے بغیر انقسام صحیح ہوااوراگر وارثوں میں سے کسی فریق کے حصےان پر پورے پورے تقسیم نہ ہوں تو اس فریق کے عددکو اصل مسئلہ میں ضرب دیا جائے تو جوحاصل ضرب ہواس سے مسئلہ صحیح ہوجائیگا۔

(٦٦)اوراگر مسئلہ عائلہ ہوتو عول میں ضرب دیا جائے تو جوحاصل ضرب ہواس سے مسئلہ صحیح بنیگا حاصل بالضرب کوتصحیح کہتے ہیں مثلاً کسی نے ایک زوجہ اوردو بھائی وارث چھوڑے ہیں تو اصل مسئلہ چار سے بنیگا جس سے زوجہ کا سہم ایک ربع ہےاور باقی یعنی تین حصے دو بھائیوں کے ہیں اور یہ تین حصے ان دو بھائیوں پر صحیح تقسیم نہیں ہوتے ہیں تو ان کے عدد رؤس یعنی دو کواصل مسئلہ میں ضرب دیا جائے تو یہ آٹھ ہوجائیگا اوراس سے مسئلہ صحیح ہوجائیگا کہ زوجہ کو دو حصے اور ہر بھائی کو تین تین حصے ملیں گے۔

(٦٧)وَاِنْ وَافَقَ سِهَامُهُمْ عَدَدَهُمْ فَاضْرِبْ وَفْقَ عَدَدِهِمْ فِی اَصْلِ الْمَسْئَلَةِ کَامْرَأَةٍ وَسِتَّةِ اِخْوَةٍ لِلْمَرْاَةِ الرُّبُعُ وَلِلْاِخْوَةِ ثَلٰثَةُ اَسْهُمٍ لَاتَنْقَسِمُ عَلَیْهِمْ فَاضْرِبْ ثُلُثَ عَدَدِهِمْ فِی اَصْلِ الْمَسْئَلَةِ وَمِنْهَاتَصِحُّ۔

ترجمہ:۔اوراگر وارثوں کے سہام اوران کےاعداد میں نسبت توافق ہوتو ان کے وفق کواصل مسئلہ میں ضرب دو جیسے ایک بیوی اور چھ بھائی چھوڑے تو بیوی کے لئے ربع اور بھائیوں کے لئے تین سہام ہیں جوان پر تقسیم نہیں ہوتے تو ان کے ثلث عدد (یعنی دو) کواصل مسئلہ میں ضرب دو جس سے مسئلہ صحیح ہوجائیگا۔

تشریح:۔(٦٧)اگر وارثوں کے سہام اوران کےاعداد میں نسبت توافق ہوتو ان کے وفق کواصل مسئلہ میں ضرب دو اگر مسئلہ عادلہ ہواور عول میں ضرب دو اگر مسئلہ عائلہ ہو مثلاً ورثہ ایک زوجہ اور چھ بھائی ہیں اصل مسئلہ چار سے بنیگا تو ایک ربع زوجہ کا ہےاور باقی تین سہام بھائیوں کے ہیں جوان پر بلاکسر تقسیم نہیں ہوسکتے ہیں اور تین اور چھ میں نسبت توافق کی ہے تو چھ کے وفق کو یعنی دو کواصل مسئلہ میں ضرب دیں گے حاصل ضرب آٹھ ہوگا جس سے مسئلہ صحیح ہوجائیگا۔

وَإِنْ لَمْ تَنْقَسِمْ سِهَامُ فَرِيْقَيْنِ أَوْ أَكْثَرَ فَاضْرِبْ أَحَدَ الْفَرِيْقَيْنِ فِي الْآخَرِ ثُمَّ مَا اجْتَمَعَ فِي الْفَرِيْقِ الثَّالِثِ ثُمَّ مَا اجْتَمَعَ فِي أَصْلِ الْمَسْئَلَةِ۔

ترجمہ:۔اور اگر دو فریق یا اس سے زائد کے حصے برابر تقسیم نہ ہوں تو فریقین میں سے ایک کو دوسرے میں ضرب دو پھر حاصل ضرب کو تیسرے فریق کے عدد میں ضرب دو پھر حاصل ضرب کو اصل مسئلہ میں ضرب دو۔

تشریح:۔(۶۸) اگر کسر دو یا زیادہ فرقوں میں ہو یعنی دو یا زیادہ فرقوں کے سہام ان پر پورے تقسیم نہ ہوں تو اگر دونوں عددوں میں تباین ہو تو ایک فریق کے عدد رؤس کو دوسرے فریق کے عدد رؤس میں ضرب دو پھر حاصل ضرب کو تیسرے فریق کے عدد رؤس میں ضرب دو پھر اس کے حاصل ضرب کو اصل مسئلہ میں ضرب دو حاصل ضرب سے مسئلہ صحیح ہو جائیگا مثلاً ورثہ دو بیویاں تین جدات اور پانچ بھائی ہیں تو بیویوں کیلئے ربع اور جدات کیلئے سدس اور باقی بھائیوں کو ملیگا اصل مسئلہ بارہ سے بنیگا پھر بیویوں کو تین حصے ملینگے تو اس میں کسر ہے کیونکہ تین دو پر صحیح تقسیم نہیں ہوسکتا ہے اور ان میں نسبت توافق کی نہیں اور جدات کو دو حصے ملیں گے اس میں بھی کسر ہے کیونکہ جدات تین ہیں اور ان کے درمیان نسبت توافق کی نہیں اور بھائیوں کو سات حصے ملیں گے اس میں بھی کسر ہے کیونکہ بھائی پانچ ہیں اور ان کے درمیان نسبت توافق کی نہیں تو عدد زوجات یعنی دو کو عدد جدات یعنی تین میں ضرب دی جائے گی حاصل ضرب چھ ہوگا پھر چھ کو عدد اخوۃ یعنی پانچ میں ضرب دی جائے گی حاصل ضرب تیس ہوگا پھر اس کو اصل مسئلہ یعنی بارہ میں ضرب دی جائے گی حاصل ضرب تین سو ساٹھ ہو جائیگا اس سے مسئلہ صحیح ہو جائیگا۔

پھر جب تقسیم کرینگے تو اصل مسئلہ سے جس کو جتنا ملا تھا اس کو لیکر اس حاصل ضرب میں ضرب دینگے جس کو اصل مسئلہ میں ضرب دیا ہے مثلاً زوجین کو تین حصے اصل مسئلہ سے ملے تھے ان کو تیس میں ضرب دو حاصل ضرب نوے ہو جائیگا تو ہر ایک زوجہ کو پینتالیس حصے ملیں گے هکذا الی آخرہ۔

(۶۹) فَإِنْ تَسَاوَتِ الْأَعْدَادُ أَجْزَأَ أَحَدُهُمَا عَنِ الْآخَرِ كَامْرَأَتَيْنِ وَأَخَوَيْنِ فَاضْرِبْ اِثْنَيْنِ فِي أَصْلِ الْمَسْئَلَةِ (۷۰) وَإِنْ كَانَ أَحَدُ الْعَدَدَيْنِ جُزْءًا مِنَ الْآخَرِ أَغْنَى الْأَكْثَرُ عَنِ الْأَقَلِّ كَأَرْبَعِ نِسْوَةٍ وَأَخَوَيْنِ إِذَا ضَرَبْتَ الْأَرْبَعَةَ أَجْزَأَكَ عَنِ الْأَخَوَيْنِ۔

ترجمہ:۔اور اگر دونوں فریق کے اعداد مساوی ہوں تو ان میں سے ایک دوسرے سے کفایت کریگا میں جیسے دو بیویاں اور دو بھائی وارث ہوں تو دو کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں اور اگر ایک عدد دوسرے عدد کا جزء ہو تو صرف بڑے عدد کو ضرب دینا کافی ہے جیسے چار عورتیں اور دو بھائی وارث ہوں تو جب تو چار کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں تو یہ تیرے لئے کافی ہے باقی دو سے۔

تشریح:۔(۶۹) اگر دونوں فریق کے اعداد مساوی ہوں تو ان میں سے ایک کو دوسرے میں ضرب دینے کی ضرورت نہیں مثلاً دو بیویاں اور دو بھائی وارث ہوں تو دو کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں اس صورت میں اصل مسئلہ چار سے بنیگا جس سے ایک ربع یعنی ایک سہم دونوں

زوجہ کا ہے جوان پر صحیح نہیں تقسیم ہوتا ہے اور باقی تین سہام دونوں بھائیوں کے ہیں یہ بھی ان پر پورے تقسیم نہیں ہوتے پس دو کو اصل مسئلہ یعنی چار میں ضرب دو تو اصل مسئلہ اب آٹھ ہو جائیگا جس سے دو سہام دونوں بیویوں کے اور چھ سہام دونوں بھائیوں کے ہونگے۔

(۷۰) اگر ایک فریق کا عدد دوسرے فریق کے عدد کا جزء ہو تو صرف بڑے عدد کو ضرب دینا کافی ہے مثلاً چار عورتیں اور دو بھائی وارث ہیں تو جب چار کو اصل مسئلہ میں ضرب دیا تو یہ کافی ہے دو کو اصل مسئلہ میں ضرب دینے کی ضرورت نہیں۔

(۷۱) وَإِنْ وَافَقَ اَحَدُ الْعَدَدَيْنِ الآخَرَ ضَرَبْتَ وَفْقَ اَحَدِهِمَا فِي جَمِيْعِ الآخَرِ ثُمَّ مَا اِجْتَمَعَ فِي اَصْلِ الْمَسْئَلَةِ كَاَرْبَعِ نِسْوَةٍ وَاُخْتٍ وَسِتَّةِ اَعْمَامٍ فَالسِّتَّةُ تُوَافِقُ الاَرْبَعَةَ بِالنِّصْفِ فَاضْرِبْ نِصْفَ اَحَدِهِمَا فِي جَمِيْعِ الآخَرِ ثُمَّ فِي اَصْلِ الْمَسْئَلَةِ تَكُوْنُ ثَمَانِيَةً وَاَرْبَعِيْنَ وَمِنْهَا تَصِحُّ الْمَسْئَلَةُ فَاِذَا صَحَّتِ الْمَسْئَلَةُ فَاضْرِبْ سِهَامَ كُلِّ وَارِثٍ فِي التَّرِكَةِ ثُمَّ اقْسِمْ مَا اِجْتَمَعَ عَلٰى مَا صَحَّتْ مِنْهُ الْفَرِيْضَةُ يَخْرُجُ حَقُّ ذَالِكَ الْوَارِثِ۔

ترجمہ:۔ اور اگر ایک عدد کا دوسرے عدد کے ساتھ توافق کی نسبت ہو تو ایک کے وفق کو دوسرے کے کل میں ضرب دیں پھر حاصل ضرب کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں مثلاً چار بیویاں ایک بہن اور چھ چچا وارث ہوں تو چھ اور چار میں توافق بالنصف ہے تو ان دونوں میں سے ایک کے نصف کو دوسرے کے کل میں ضرب دو پھر اصل مسئلہ میں ضرب دو تو اڑتالیس ہو جائیگا اور اسی سے مسئلہ صحیح ہو جائیگا پھر جب مسئلہ صحیح ہو جائے تو ہر وارث کے سہام کو ترکہ میں ضرب دو پھر حاصل ضرب کو اس پر تقسیم کر جس سے مسئلہ صحیح ہوا تو اس وارث کا حق نکل آئے گا۔

تشریح:۔ (۷۱) اگر دونوں فریق کے عددوں میں نسبت توافق کی ہو تو ایک کے وفق کو دوسرے کے کل میں ضرب دے کر حاصل ضرب کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں مثلاً چار بیویاں ایک بہن اور چھ چچا وارث ہوں تو اصل مسئلہ چار سے بنیگا چار میں سے ایک سہم چار بیویوں کو ملیگا جو ان پر صحیح تقسیم نہیں ہوتا اور بہن کو دو سہام ملیں گے اور اعمام کو ایک سہم جو ان پر صحیح تقسیم نہیں ہوتا تو دو فرقوں میں کسر ہے یعنی چار زوجات اور چھ اعمام میں اور چھ اور چار میں توافق بالنصف ہے تو ان دونوں میں سے ایک کے نصف کو دوسرے کے کل میں ضرب دو حاصل ضرب کو اصل مسئلہ میں ضرب دو تو اڑتالیس ہو جائیگا جس سے یہ مسئلہ صحیح ہو جائیگا۔

پھر جب مسئلہ مذکورہ بالا طریقوں کے ساتھ صحیح ہو جائے اور آپ کو ہر ایک وارث کا خاص حصہ جاننا مطلوب ہو اور ترکہ دراہم و دنانیر ہو تو تصحیح کے بعد ہر وارث کو جو حصہ ملا ہے اسکو کل ترکہ میں ضرب دو پھر حاصل ضرب کو اس عدد پر تقسیم کر جس سے مسئلہ صحیح ہوا ہے تو اس سے اس وارث کا حصہ نکل آئیگا مثلاً مذکورہ بالا مسئلہ میں اگر ہم ترکہ کو چھیانوے روپیہ فرض کرلیں اور زوجات میں سے ہر ایک کو تصحیح کے بعد تین سہام ملتے تھے تو تین کو چھیانوے میں ضرب دینے سے دو سو اٹھاسی حاصل ہو جائیگا پھر دو سو اٹھاسی کو اڑتالیس پر تقسیم کرنے سے حاصل تقسیم چھ نکل آتا ہے اور یہی چھ روپیہ ایک زوجہ کا حصہ ہے یہی بقیہ ورثہ کے حصص معلوم کرنے کا طریقہ ہے۔

(۷۲) وَإِنْ لَمْ تُقْسَمِ التَّرِكَةُ حَتّٰى مَاتَ اَحَدُ الْوَرَثَةِ فَإِنْ كَانَ مَا يُصِيبُهُ مِنَ الْمَيِّتِ الْاَوَّلِ يَنْقَسِمُ عَلٰى عَدَدِ وَرَثَتِهٖ فَقَدْ صَحَّتِ الْمَسْئَلَتَانِ مِمَّا صَحَّتِ الْاُوْلٰى (۷۳) وَإِنْ لَمْ يَنْقَسِمْ صَحَّحْتَ فَرِيْضَةَ الْمَيِّتِ الثَّانِيْ بِالطَّرِيْقَةِ الَّتِيْ ذَكَرْنَاهَا ثُمَّ ضَرَبْتَ اِحْدَى الْمَسْئَلَتَيْنِ فِي الْاُخْرٰى اِنْ لَمْ يَكُنْ بَيْنَ سِهَامِ الْمَيِّتِ الثَّانِيْ وَمَا صَحَّتْ مِنْهُ فَرِيْضَتُهٗ مُوَافَقَةٌ (۷۴) فَإِنْ كَانَتْ سِهَامُهُمْ مُوَافَقَةً فَاضْرِبْ وَفْقَ الْمَسْئَلَةِ الثَّانِيَةِ فِي الْاُوْلٰى فَمَا اجْتَمَعَ صَحَّتْ مِنْهُ الْمَسْئَلَتَانِ وَكُلُّ مَنْ لَهٗ شَيْءٌ مِنَ الْمَسْئَلَةِ الْاُوْلٰى مَضْرُوْبٌ فِيْمَا صَحَّتْ مِنْهُ الْمَسْئَلَةُ الثَّانِيَةُ وَمَنْ كَانَ لَهٗ شَيْءٌ مِنَ الْمَسْئَلَةِ الثَّانِيَةِ مَضْرُوْبٌ فِيْ وَفْقِ تَرِكَةِ الْمَيِّتِ الثَّانِيْ۔

ترجمہ:۔ اور اگر میت کا ترکہ ابھی تقسیم نہیں ہوا تھا کہ ایک وارث مرگیا تو اگر میت ثانی کا وہ حصہ جو میت اول سے اسکو پہنچا تھا اس کے وارثوں کے عدد پر پورا تقسیم ہوجائے تو یہ دونوں مسئلہ اسی عدد سے صحیح ہونگے جس سے پہلا مسئلہ صحیح ہوا ہے اور اگر میت ثانی کا حصہ اسکے عدد ورثہ پر صحیح تقسیم نہ ہو تو اس کا مسئلہ بھی اسی طریقہ سے صحیح ہوجاتا ہے جو ہم نے ابھی بیان کیا پھر آپ ایک مسئلہ کو دوسرے میں ضرب دیگا اگر میت ثانی کے سہام اور جس سے مسئلہ صحیح ہوا ہے میں توافق نہ ہو۔ اور اگر ان کے سہام میں موافقت ہو تو دوسرے مسئلہ کے وفق کو پہلے مسئلہ میں ضرب دے پس جو حاصل ضرب ہو اس سے دونوں مسئلے صحیح ہوں گے اور ہر وہ وارث جس کو پہلے مسئلہ سے کچھ ملا ہے اس سے ضرب دیا جائے گا جس سے دوسرا مسئلہ صحیح ہوا ہے اور جس کو دوسرے مسئلہ سے کچھ ملا ہے اسے میت ثانی کے ترکہ کے وفق میں ضرب دیا جائیگا۔

تشریح:۔ (۷۲) اگر میت کا ترکہ ابھی تقسیم نہیں ہوا تھا کہ اس کا ایک وارث مرگیا تو اگر میت ثانی کا وہ حصہ جو میت اول سے اسکو پہنچا تھا اس کے وارثوں کے عدد پر پورا تقسیم ہوجائے تو یہ دونوں مسئلہ اسی عدد سے صحیح ہونگے جس سے پہلا مسئلہ صحیح ہوا ہے دوسرے کسی عمل کی ضرورت نہیں مثلاً ایک ابن اور ایک بنت وارث ہیں قبل از تقسیم ترکہ ابن مرگیا دو ابن وارث چھوڑے تو پہلا مسئلہ تین سے بنتا ہے جس سے دو سہام ابن کو اور ایک بنت کو ملتا ہے تو جو میت اول سے میت ثانی کو ملا ہے وہ اسکے وارث پر صحیح تقسیم ہوتا ہے لہذا دونوں مسئلہ تین سے صحیح ہونگے۔ (۷۳) اگر میت ثانی کا حصہ اسکے عدد ورثہ پر صحیح تقسیم نہ ہو تو اس کا مسئلہ بھی اسی طریقہ سے صحیح ہوجاتا ہے جو ہم نے ابھی بیان کیا۔ پھر اگر میت ثانی کے سہام اور مسئلہ میں نسبت توافق نہ ہو تو میت ثانی کے مسئلہ کو میت اول کے مسئلہ میں ضرب دیں۔ (۷۴) اور اگر میت ثانی کے سہام اور مسئلہ میں توافق ہو تو میت ثانی کے مسئلہ کے وفق کو پہلے مسئلہ میں ضرب دیں جو حاصل ضرب ہو اسی سے دونوں مسئلہ صحیح ہونگے مثلاً ورثہ میں زوج ایک ابن اور ابوین چھوڑے ہیں پھر قبل از تقسیم ابن مرگیا ورثہ میں بیٹا، باپ اور دادی چھوڑا تو پہلا مسئلہ بارہ سے بنتا ہے زوج کو تین ابوین کو چار اور ابن کو پانچ سہام ملتے ہیں اور دوسرا مسئلہ چھ سے بنتا ہے اور میت اول سے ابن کے سہام پانچ ہیں تو مسئلہ اور سہام میں تباین ہے لہذا دوسرے مسئلہ یعنی چھ کو اول یعنی بارہ میں ضرب دیں حاصل ضرب بہتر (۷۲) ہوگا جس سے دونوں مسئلہ صحیح ہونگے۔

پھر ہر ایک وارث کا حصہ معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جس وارث کو پہلے مسئلہ سے کچھ ملا ہو ان سہام کو دوسرے مسئلہ کے وفق

میں ضرب دی جائے اگر نسبت توافق کی ہو اور کل مسئلہ میں ضرب دیجائے اگر نسبت تباین کی ہو اور جس کو دوسرے مسئلہ سے کچھ ملا ہو وہ میت ثانی کے ترکہ (مافی الید) کے وفق (اگر نسبت توافق کی ہو) یا کل ترکہ (اگر نسبت تباین کی ہو) میں ضرب دیجائے مثلاً مذکورہ بالا مثال میں چونکہ نسبت تباین کی ہے اور مسئلہ ثانی چھ سے بنا ہے تو چھ کو لے کر میت اول کے ورثہ کے سہام میں ضرب دیجائے اور میت ثانی کو میت اول سے جو کچھ ملا ہے اس کو مافی الید کہتے ہیں جو مذکورہ بالا صورت میں پانچ ہے اس کو لے کر میت ثانی کے ورثہ کے سہام میں ضرب دیجائے پھر جو ورثہ دونوں میتوں کے وارث ہیں ان کے دونوں میتوں سے ملے ہوئے سہام کو جمع کرلیں اور تمام ورثہ کے سہام کو نیچے نقل کردیں اس طرح ہرایک وارث کا حصہ معلوم ہو جائیگا۔

(۷۵) وَاِذَا صَحَّتِ الْمُنَاسَخَةُ وَاَرَدْتَ مَعْرِفَةَ مَا يُصِيْبُ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْ حَبَّاتِ الدَّرَاهِمِ قَسَمْتَ مَا صَحَّتْ مِنْهُ الْمَسْئَلَةُ عَلَى ثَمَانِيَةٍ وَاَرْبَعِيْنَ فَمَا خَرَجَ اَخَذْتَ لَهُ مِنْ سِهَامِ كُلِّ وَارِثٍ حَبَّةً وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

ترجمہ: اور جب مناسخہ صحیح ہو جائے اور آپ اس حصہ کو معلوم کرنا چاہیں جو ہر وارث کو حبات دراہم کے حساب سے پہنچتا ہے تو اس عدد کو جس سے مسئلہ صحیح ہوا ہے اڑتالیس پر تقسیم کردیں پھر جو حاصل تقسیم ہو وہ ہر وارث کے سہام میں سے حبات کے اعتبار سے لیں۔

تشریح:۔ حبات، حبہ کی جمع ہے ثلث قیراط کو کہتے ہیں اور قیراط حجاز، یمن، مصر، شام اور مغرب والوں کے عرف میں ایک درہم کے چوبیس اجزاء میں سے ایک کو کہتے ہیں اس طرح ان کے نزدیک درہم میں بہتر حبات ہیں اور عراق واطراف عراق والوں کی اصطلاح میں قیراط ایک درہم کے بیس اجزاء میں سے ایک کو کہتے ہیں تو ان کے نزدیک ایک درہم میں ساٹھ حبات ہیں اور بعض لوگوں کی اصطلاح میں قیراط ایک درہم کے سولہ اجزاء میں سے ایک کو کہتے ہیں ان کے نزدیک ایک درہم میں اڑتالیس حبات ہیں۔

(۷۵) امام قدوری رحمہ اللہ کا یہ مسئلہ اس آخری اصطلاح پر متفرع ہے گذشتہ طریق سے جب مناسخہ کا مسئلہ صحیح ہو جائے پھر آپ حبات درہم کی وہ مقدار جاننا چاہیں جو ہرایک وارث کو ملتی ہے تو جس مقدار سے مسئلہ صحیح ہوا ہے اس کو اڑتالیس (جو حبہ کا مخرج ہے) پر تقسیم کرلیں جو حاصل تقسیم نکلے وہ حبہ ہے تو وہ ہرایک وارث کے سہام میں سے حبات کے اعتبار سے لے لیں۔ جس کی صورت یہ ہے تصحیح سے ہر وارث کا جو حصہ ہے اسکو حاصل تقسیم یعنی حبہ پر تقسیم کرنے سے جتنا حاصل تقسیم ہو وہ اس وارث کے حبات ہیں مثلاً مذکورہ بالا صورت میں بہتر کو اڑتالیس پر تقسیم کرنے سے حاصل تقسیم ڈیڑھ نکلے گا پھر زوج کے تیئس سہام کو ڈیڑھ پر تقسیم کرنے سے حاصل تقسیم پندرہ اور ایک ثلث ہوگا اور باپ کے بارہ سہام کو تقسیم کرنے سے حاصل تقسیم آٹھ ہوگا اور ماں کے سترہ سہام کو تقسیم کرنے سے حاصل تقسیم گیارہ اور ثلث ہوگا اور بیٹے کے بیس سہام کو تقسیم کرنے سے حاصل تقسیم تیرہ اور ایک ثلث ہوگا۔ پس زوج کیلئے پندرہ حبات اور ایک ثلث حبہ ہوگا اور باپ کیلئے آٹھ حبات ہونگے اور ماں کیلئے گیارہ حبات اور ایک ثلث حبہ ہوگا اور بیٹے کیلئے تیرہ حبات اور ایک ثلث حبہ ہوگا۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى اَعْلَمُ

۲۶ اپریل ۲۰۰۷ء بمطابق ۷ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ



مکتبہ العرفان
مکتبہ رشیدیہ
لاھور ۔ کوئٹہ